سلوکِ سلیمانی

یا

شاہراہِ معرفت

مرتب

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان صاحب سلیمانی
صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکادمی
اشرف منزل نزد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

1

سلوکِ سلیمانی

یا

شاہراہِ معرفت

جلد اوّل

جس میں سید الملۃ شیخ وقت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ
خلیفہ مجاز حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی اسلامی
سلوک کی پیش کردہ تعلیمات مرتب کی توضیحات و تعبیرات کے ساتھ پیش کی گئی ہیں

مرتب

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان صاحب سلیمانی
صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکادمی
(اشرف منزل) نزد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

نام کتاب : ـــــــــ سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت (جلد اول)

مرتب : ـــــــــ حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف سلیمانی

ناشر : ـــــــــ سلیمان اکیڈیمی اشرف منزل
نزد اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

طابع : ـــــــــ کمپائن پرنٹرز بلال گنج لاہور

بائینڈر : ـــــــــ ایم اسحاق شیش محل روڈ لاہور 7654742

تعداد : ـــــــــ گیارہ سو (۱۱۰۰)

قیمت : ـــــــــ ۱۵۰ روپے

کتابت : ـــــــــ محمد نعیم صدیقی

تاریخ اشاعت ستمبر ۱۹۸۱ء - (ذی القعدہ - ۱۴۰۱ھ)

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَ إِنَّهُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

○ ○

إِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

حدیثِ دل کسی درویش بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

انتساب

سید الملۃ استاذ الکل حضرۃ الشیخ

علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ

کے نام

رواقِ منظرِ چشمِ من آشیانۂ تست

کرم نما و فرود آکہ خانہ خانۂ تست

فقیر بے نوا

محمد اشرف سلیمانی

صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی

۱۲ر شعبان ۱۴۰۱ھ

فہرست ابواب

(جلد اوّل)

دیباچہ	از مرتب	۱۳
نامہ مبارک	از حضرت مولانا عبدالباری ندوی نور اللہ مرقدہٗ	۲۹
تحسین ناشناس	از حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ	۳۱
تعارف عارفی	از عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی مدظلہم خلیفہ مجاز (حضرۃ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ)	۳۵
پیش لفظ	از حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم	۴۱
مقدمہ	از حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف صاحب سلیمانی	۴۹

"پہلا باب"

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	حقیقت تصوف سلوک	۷۷
۲	فن سلوک	۷۷
۳	حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندویؒ	۸۱
۴	آستانۂ سلیمانی	۸۱
۵	سلوک سلیمانی ۔	۸۳
۶	انسانی شاہراہِ معرفت ۔	۸۶
۷	سلوک، رہبانیت کا نام نہیں۔	۱۰۰
۸	دین و دنیا کی وحدت ۔	۱۰۱
۹	اسلامی نظریہ عبادت کی وسعت ۔	۱۱۴
۱۰	جسمانی آزار و تکالیف مقصد عبادت نہیں۔	۱۱۸
۱۱	عزلت نشینی اور قطع علائق عبادت نہیں۔	۱۲۵
۱۲	خاص افراد کو مخصوص حالات میں عزلت نشینی اور جماعت سے علیحدگی کی اجازت ہے ۔	۱۳۷
۱۳	عزلت نشینی طریقہ صحابہ و صوفیہ نہیں	۱۴۰
۱۴	دنیا یا مزرعہ آخرت ۔ دنیا مقصود نہیں ۔ بلکہ اس کی حیثیت آخرت کی کھیتی کی ہے ۔	۱۴۴
۱۵	شریعت و طریقت کی عینیت و اتباع نبوت ۔	۱۶۱

۱۶	سلوک یا طریق ولایت و تقویٰ	۱۷۲
۱۷	تقویٰ سارے اسلامی احکام کی غایت ہے	۱۷۴
۱۸	حقیقت تقوی۔ تقوی قلبی کیفیت کا نام ہے	۱۷۴
۱۹	اسلام میں برتری کا معیار	۱۷۹
۲۰	اتقا کی اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے۔	
۲۱	سلوک یا مجاہدہ و جہاد پیہم	۱۸۴
۲۲	جہاد کی قسمیں	۱۹۱
۲۳	دائمی جہاد	۱۹۸
۲۴	ظاہر و باطن کی یکجائی	۲۰۰
۲۵	ظاہر و باطنی علوم کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہری علوم کے بتلانے والے اور ہوں اور باطنی کے دوسرے۔	۲۰۷
۲۶	نبوی منہاج تربیت و تزکیہ اور سلسلہ صحبت کا اصطلاحی نام طریق مشیخیت و ارادت یا سلوک و تصوف ہے	۲۰۹
۲۷	سلسلہ صحبت	۲۱۴
۲۸	سلوک فقہ باطنی یا مستقل فن کی حیثیت میں	۲۲۰
۲۹	صوفی اور تصوف کا لفظ	۲۲۴
۳۰	غیر شرعی سلوک یا عجمی تصوف	۲۳۶
۳۱	فلسفیانہ تصوف	۲۴۰
۳۲	فلسفیانہ تصوف کا آغاز	۲۴۵

۳۳	اسلامی سلوک اور فلسفیانہ تصوف ۔ تصوف میں التباس کی وجہ	۲۵۹
۳۴	اسلامی سلوک میں فلسفیانہ اور کلامی اصطلاحات کا ورود اور ان کے اثرات	۲۶۱
۳۵	مبتدعانہ وعامیانہ تصوف	۲۶۸
۳۶	سلوک کی جامعیت اور اجتماعی حقوق و فرائض	۲۸۵
۳۷	سلوک ہمہ گیری و جامعیت کی وجہ	۲۸۹
۳۸	سیاست اور تعمیر ملت	۲۹۶
۳۹	عسکریت	۳۲۷
۴۰	دعوت و تبلیغ	۳۳۲
۴۱	دینی دعوت و خدمت کے طرق مختلف ہو سکتے ہیں	۳۵۱
۴۲	تبلیغی مجالس دینی تحریکات کا تعذب پسندیدہ نہیں	۳۵۲
۴۳	جامعیت سلوک و انفرادی زندگی	۳۵۶
۴۴	کسب حلال کی تلقین	۳۷۰

دوسرا باب

۴۵	ارادت و مشیخت	۳۷۵
۴۶	ضرورت شیخ	۳۷۵
۴۷	انتخاب شیخ	۳۷۷
۴۸	مقصد ارادت	۳۷۹
۴۹	معیار شیخ	۳۸۰

۵۰	وحدت شیخ	۳۸۲
۵۱	جانبین کا نفع	۳۸۵
۵۲	بیعت	۳۹۵
۵۴	شرط اول۔ حب شیخ	۴۰۱
۵۵	دوسری شرط۔ ہمت و عزیمت	۴۰۲
۵۶	اصول چہارگانہ	۴۱۰
۵۷	طریقہ بیعت	۴۱۴
۵۸	شیخ کی حیثیت محض آلہ و وسیلہ کی ہے۔	۴۲۳
۵۹	شیخ کے حقوق اور ان کی ادائیگی	۴۲۴
۶۰	تصور شیخ	۴۲۵
۶۱	توجہ شیخ	۴۲۷
۶۲	مکاتیب	۴۳۰
۶۳	مکتوبات شیخ	۴۳۵
۶۴	شفقت شیخ	۴۳۶
۶۵	فنائیت و تواضع شیخ	۴۳۸
۶۶	تصانیف تھانویؒ	۴۴۴

تیسرا باب

۶۷	توحید	۴۴۸
۶۸	صفات الٰہیہ	۴۶۰
۶۹	صفات الٰہیہ کا استحضار اور ان سے استفادہ	۴۸۰
۷۰	اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر جاننے کا نتیجہ. کیفیت احسان و حضور	۴۹۰
۷۱	معیّت الٰہی	۴۹۳
۷۲	مراقبات	۴۹۸
۷۳	وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود	۵۰۵
۷۴	فنا و عبدیت	۵۱۶
۷۵	حب الٰہی و خشیت ربانی	۵۲۳
۷۶	رحمت الٰہی اللہ کے غضب پر سبقت لے گئی ہے	۵۲۹
۷۷	حب الٰہی	۵۳۰
۷۸	اسلام میں حب الٰہی کا تصور	۵۳۱
۷۹	حب عقلی و شرعی مطلوب ہے	۵۳۶
۸۰	استغراق مقصود نہیں	۵۳۸
۸۱	وصول بذریعہ جذب ہے	۵۴۲
۸۲	اجتباء و انابت	۵۴۲
۸۳	طلب و وصول	۵۴۳
۸۴	وصول غیر اختیاری ہے	۵۴۳

فہرست ابواب

(جلد دوئم)

	حرف اول از مرتب	١١
	چوتھا باب۔	
١	اخلاص	١٤
٢	اخلاص۔ عمل کی غرض وغایت	٢٦
٣	اخلاص کیسے پیدا ہو	٢٧
٤	قرب ربانی	٢٩
٥	قرب تعلق خاص	٣٠
٦	ولایت عامہ و ولایت خاصہ	٣٥
٧	مقربین کی ولایت، ولایت خاصہ ہے	٣٥

۸	مدارج قرب و قربیت	۳۶
۹	طریق قرب و احسان کا حاصل	۳۶
۱۰	حسن خاتمہ	۳۷
۱۱	ذرائع و اقسام قرب	۳۸
۱۲	طرق قرب خاص متعدد و مختلف ہیں	۳۹
۱۳	قرب بالفرائض	۳۹
۱۴	قرب بالنوافل	۴۱
۱۵	قرب ربانی اور کشوف و مواجید کرامات و رویاء	۴۷
۱۶	مواجید و مکاشفات باطلہ	۴۷
۱۷	حکم کرامات	۵۹
۱۸	خواب و رویا اور قرب	۶۲
۱۹	رویائے نبوی	۶۶
۲۰	قرب ربانی و لذت	۶۹
۲۱	استغراق دلیل قرب نہیں	۷۵
۲۲	قرب ربانی اور اختیاری اور غیر اختیاری امور	۷۸
	پانچواں باب	
	معمولات سلوک	۸۸
۲۳	ذکر تہجد و نوافل و تلاوت قرآن وغیرہ	۸۸

۲۴	معمولات	۸۹
۲۵	معمولات پر استقامت	۹۳
۲۶	ذکر الٰہی	۹۹
۲۷	نسبت ولون تھانویہ	۱۰۲
۲۸	تشخص سلیمانی	۱۰۳
۲۹	اہمیت ذکر	۱۰۵
۳۰	مقصود ذکر	۱۰۸
۳۱	حقیقت ذکر	۱۱۱
۳۲	شہود آثار ذکر یا وسعت ذکر	۱۱۵
۳۳	ذکر رسمی استحضار صفات سے ذکر حقیقی بن سکتا ہے	۱۱۹
۳۴	طرق وطرز ذکر و منازل اذکار	۱۲۳
۳۵	کثرت وتعدد اوراد و وظائف مفید نہیں	۱۴۰
۳۶	مراتب ذکر	۱۴۷
۳۷	ذکر قلبی	۱۵۵
۳۸	دوام ذکر	۱۵۸
۳۹	پاس انفاس	۱۵۸
۴۰	ذکر سِرّی	۱۶۰
۴۱	لطائف ستہ	۱۶۸
۴۲	ذکر جہری وخفی اور ذکر دون الجہر	۱۷۱

۴۳	ذکر جہری میں سستی ہے	۱۷۵
۴۴	ذکر اسماء اللہ تعالیٰ اور ذکر اسم بلالہ	۱۷۶
۴۵	حضرت الشیخ کی کیفیت ذکر	۱۹۱
۴۶	حصول حقیقت ذکر کی معالجانہ تدابیر اور ان کی حیثیت	۱۹۶
۴۷	ذکر و وساوس	۲۰۲
۴۸	ذکر و طمانیت قلبی و نزول سکینہ	۲۰۷
۴۹	نسبت باطنی یا نسبت آلہیہ و نسبت محمدیہ	۲۱۳
۵۰	نسبت محمدیہ	۲۲۰
۵۱	عظمت نبوی	۲۲۱
۵۲	محبت نبوی	۲۲۱
۵۳	اتباع نبوی	۲۲۱
۵۴	نصرت نبوی	۲۲۲
	چھٹا باب	
۵۵	**نماز**	۲۲۵
۵۶	اقامۃ الصلوۃ	۲۲۸
۵۷	قنوت	۲۲۸
۵۸	خشوع	۲۲۹
۵۹	تبتل	۲۴۱

٦٠	تفریح	۲۴۱
٦١	اخلاص	۲۴۱
٦٢	ذکر	۲۴۱
٦٣	فہم وتدبر	۲۴۱
٦۴	حقیقت نماز	
٦۵	اہمیت نماز	
٦٦	صحابہ کا اشتغال نماز	
٦٧	عارف رومی کی نماز	
٦٨	خواص اُمت اور اہمیت نماز	
٦٩	حضرت والا اور شغف نماز	
٧٠	ترک نماز کسی حال میں جائز نہیں	۲٦٦
٧١	قضا نماز	۲٦٨
٧٢	نماز باجماعت	۲٦٩
٧٣	نوافل	۲٧٣
٧۵	نماز تہجد	۲٧۵
٧٦	تہجد بالجماعت	۲٨۲
٧٧	ادعیہ تہجد	۲٨۴
٧٨	تنبیہہ	۲٨٦
٧٩	نماز توبہ	۲٩٠

۸۰	تکمیل تحسین صلوٰۃ	۲۹۵
۸۱	نماز کے باطنی آداب یا حقیقت نماز	۲۹۸
۸۲	نماز میں خشوع	۳۰۲
۸۳	نماز میں وساوس	۳۰۴
۸۴	نماز میں یکسوئی	۳۰۵
۸۵	نماز میں کیفیت حضوری اور اسکے اثرات	۳۰۷
۸۶	نماز میں حضور و احسان کے حصول کی ترکیب	۳۰۹
۸۷	نماز میں تفاوت حضور	۳۱۳
۸۸	نماز میں استحضار عطیہ الٰہی ہے جسکی طلب و کوشش ضروری ہے۔ حصول و یافت لازم نہیں۔	۳۱۵
۸۹	نماز میں لذت و سرور	۳۱۷
۹۰	مولانا رومی اور اسرار نماز	۳۲۱
۹۱	تلاوت قرآن	۳۲۳
۹۲	دُعاء	۳۲۴
۹۳	اسماء حسنیٰ کے ذریعے دُعاء	۳۴۵
۹۴	دوسروں کیلئے دُعاء	۳۴۷
۹۵	مضطر کی دعاء	۳۴۹
۹۶	دُعاء میں توسل بالذات	۳۴۹
۹۷	دُعا اور ہمت توجہ	۳۵۱
۹۸	زکوٰۃ و صدقات	۳۵۴

فہرست ابواب

(جلد سوم)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ سلوک سلیمانی	۱۰
۲	قران السعدین	۲۷
۳	مکاتیب حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ و حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ	۲۹
۴	مکاتیب بنام ابوالحسن علی ندوی	۷۵
۵	خطوط بنام محمد اویس ندوی نگرامی صاحب	۸۱
۶	مکتوبات بنام مولانا محمد علی حیدر آبادی مرحوم سابق استاد حدیث و فقہ جامعہ عثمانیہ۔	۹۴
۷	مکتوبات بنام سید عبدالرؤف صاحب	۱۵۰
۸	مکتوبات بنام مختار احمد خان صاحب ندوی کراچی	۲۴۲
۹	مکتوبات بنام حکیم محمد عبد اللہ صاحب ندوی ٹنڈو آدم	۳۲۴
۱۰	مکتوبات بنام جناب سید عبدالرحمن صاحب	۴۲۴
۱۱	مکتوبات بنام نظام الدین صاحب	۴۸۴
۱۲	مکتوبات بنام سید علی احمد صاحب سابق صدر آزاد کشمیر	۵۰۳
۱۳	مکتوب بنام میاں جی عادل علی صاحب	۵۰۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۴	مکتوبات بنام صوفی محمد ادریس صاحب	۵۰۶
۱۵	خطوط بنام ملپا علی صاحب	۵۰۸
۱۶	تلخیص مکاتیب بنام مولوی محی الدین صاحب ندوی پٹنہ	۶۴۳
۱۷	تلخیص مکاتیب بنام صابرہ خاتون صاحبہ اھلیہ محترمہ مولوی محی الدین صاحب ندوی	۶۵۴
۱۸	تلخیص مکاتیب بنام سعیدہ خاتون صاحبہ	۶۵۷
۱۹	مکتوبات بنام مظفر حسین صاحب	۶۶۱
۲۰	مکتوبات بنام غلام مرتضےٰ صاحب	۶۷۷
۲۱	خطوط بنام غلام صابر صاحب	۶۹۹
۲۲	مکتوبات بنام داؤد صاحب	۷۰۳
۲۳	مکتوبات بنام مولانا محمد اشرف صاحب	۷۰۴
۲۴	خطوط بنام مرتب	
۲۵	خطوط بنام ہمشیرہ مولانا محمد اشرف صاحب مرتب	۹۱۱
۲۶	استفسارات وجوابات سلیمانیہ	۹۱۳
۲۷	فتاوی سلیمانیہ	۹۲۵
۲۸	غزل الغزلات سید سلیمان ندوی	۹۳۴

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۲۹	ملفوظات سلیمانی	۹۷۶
۳۰	تصوف سے متعلق مقالات سلیمانی	۹۸۰
۳۱	ارمغان سلیمان پر ایک نظر (از مرتب)	۱۰۲۶
۳۲	شذرات	۱۰۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی

رسولہ المزکی الکریم وَاَصْحَابِہِ الطَّیِّبِیْنَ ط

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمتوں کو اسی کی حکیم وخبیر ذات جانتی ہے۔ رب قدیر کی قدرت کاملہ جس سے چاہے جو کام چاہے لے لے۔ اس کا ارادہ ہی ہر چیز کا وجود اور اس کا فضل ہی ہر خیر کا سبب ہے۔ سچ ہے ع

داد اورا قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

بارہا نادانوں سے وہ کام لے لیا گیا کہ دانا حیران رہ گئے۔

جولائی، اگست ۱۹۵۴ء کی بات ہے کہ ہیچمدان اپنی ایک بیماری کے علاج کے سلسلے میں اپنے بھائی ڈاکٹر محمد اسلم خان صاحب کے پاس جہلم میں مقیم تھا۔ مرشدی و مولائی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کو سات آٹھ ماہ کا عرصہ گذرا تھا۔ ان کی وفات کا زخم تازہ تھا۔ ان کی یاد دل ودماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ نہیں جانتا کہ کیا ساعت تھی۔ جس میں کودک ناداں حضرت سلیمانؒ کے سلوک پر قلم اٹھانے کی ہمت وجرأت کر بیٹھا۔ اور "سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر" کے عنوان سے تقریباً ایک سو بیس صفحات کا مضمون لکھ ڈالا جس کا تانا بانا

حضرت سید صاحب قدس سرہٗ کے مکتوبات و ملفوظات سے عبارت تھا۔ یہ عجالہ رسالۂ معارف اعظم گڑھ میں (دسمبر ۱۹۵۵ء تا جنوری ۱۹۵۶ء) شائع ہوا بندہ کو ہرگز یہ توقع و اُمید نہیں تھی کہ یہ مقالہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقۂ خاص اور دیگر دینی و علمی حلقوں میں بارِ قبولیت پائے گا۔ حضرت الشیخ قدس سرہٗ کے قریبی احباب و تلامیذ خصوصاً حضرت مولانا عبدالباری ندوی نوراللہ مرقدہٗ حضرت عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہم، حضرت محمد اویس ندوی نگرامی رحمۃ اللہ علیہ، برادرِ معظم ڈاکٹر مولوی غلام محمد صاحب دام کرمہٗ مولانا عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی (مسترشد خاص حضرت مرشدیؒ) کی قدر افزائی اور دیگر اہلِ نظر کی تحسین[۱] نے مزید حوصلہ بڑھایا۔ اور اپنی بساط و ظرف کے مطابق

---

[۱] مثلاً فیلسوف شہیر ڈاکٹر میر ولی الدین (ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لاء) حیدرآبادی نے ایک خط میں لکھا "سلوک سلیمانی پر ایک نظر میں نے معارف میں پڑھا تھا اور کافی استفادہ کیا تھا۔ اگر اب آپ ایک مفصل مرتبع شائع فرمائیں تو مجھے یقین ہے کہ نہایت مفید چیز ہوگی ـــ علامہ محمد ذکریا بنوری نوراللہ مرقدہٗ و والد بزرگوار حضرت علامہ یوسف بنوری نے ایک گرامی نامہ میں ارقام فرمایا۔ "آپ کا ہدیہ مبارک "سلوک سلیمانی" ملا حضرت علامہ سید سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشادات عالیہ تصوف کے پیچیدہ و مشکل مسائل میں اپنے عقیدہ مندوں کو فرمائے تھے۔ آپ نے ان جواہر پاروں کو اپنی کتاب "سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر" میں نہایت اختصار سے اور بہت عمدہ و لطیف پیرایہ میں درج فرمادیا ہے۔ میں آپ کے زورِ طبع و قلم سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء فی الدنیا والآخرہ"۔

(اسی طرح کے کئی خطوط مختلف حلقوں سے موصول ہوئے)

"سلوک سلیمانی" کا ایک مفصل مرتبہ پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مواد کی کمی، ترتیبی خطوط کی کمیابی و عدم دسترس راہ میں حائل تھی تاہم بحمد اللہ تعالیٰ اپنے ذہنی خاکہ میں کچھ رنگ بھر سکا۔ ابھی پانچ سو صفحات لکھے گئے تھے، کہ بندہ کے دو عزیزوں نسیم اختر شیخ صاحب اور سرمد الحسینی صاحب نے معارف کا مطبوعہ مضمون میرے مقدمہ کے ساتھ سلوک سلیمانیؒ کے نام سے کتابی صورت میں شائع کر دیا۔ فقیر نے اولاً تفصیلی کتاب کے لئے یہ نام سنبھال رکھا تھا۔ جب یہ نام اجمالی پیشکش کا عنوان بن گیا تو تفصیلی کتاب سے اس کے امتیاز کیلئے دوسرے نام کی ضرورت پیش آئی۔ خطبہ راندیر میں حضرت والاؒ نے اسلامی راہ سلوک کیلئے "انسانی شاہراہ معرفت" کے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔ دل نے کہا ؎

حل این نکتہ از روئے نگار آخر شد

حضرت مولانا دریا بادیؒ نے استصواب پر تائید فرمائی اور یہ قرار پایا۔ کہ کتاب کا اصل نام سلوک سلیمانی ہی رہے لیکن ثانوی نام "شاہراہ معرفت" رکھ دیا جائے۔

ا۔ یہ رسالہ سلوک سلیمانی جب حضرت دریا بادی کی خدمت میں پہونچا تو صدق جدید ۲۶ جون ۱۹۶۰ء) میں رسید کتب کی تحت جو تبصرہ فرمایا اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔ ...... یہ محمد اشرف خاں ایم اے پشاوری صدر شعبہ عربی و فارسی اسلامیہ کالج پشاور ہیں جن کا رسالہ سلوک سلیمانی پیش نظر ہے اور بڑی ترکیبوں اور پُر پیچ راستہ اختیار کر کے ہندوستان پہنچ سکا ہے۔ کتاب صحیح نمونہ ما قل و دل کا ہے ظاہری اعتبار سے مختصر لیکن معنوی اعتبار سے پر مغز اور بھری سمجھنا چاہیئے کہ سلوک سلیمانی بلکہ سلوک اشرفی کا ایک جامع دستور العمل۔ اشرف صاحب اس موضوع پر بسط و تفصیل سے لکھنے والے ہیں وہ تو خیر جب ہوگا، ہوگا، خود یہ خاکہ بھی نافع ہونے میں کچھ کم نہیں اور شائقین کو اس کے مطالعہ میں کسی تامل کو راہ دینا چاہیئے نہ تساہل کو پھر زبان لطیف سلیس شگفتہ اور انداز بیان دلچسپ پر مزہ قلم کسی درویش خانقاہ نشین کا نہیں بلکہ گویا کسی ادیب انشا پرداز کے کسی شاگرد رشید کا، اصطلاحات فن سے اوراق کتاب تقریباً خالی۔"

کتاب کا تفصیلی خاکہ ۱۹۷۰ء میں مکمل ہوگیا، کتاب ٹائپ کرائی اور مختلف نسخے تبصرہ و تقریظ کیلئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے رفقاء و محبین میں سے مخدومین عالی قدر حضرت مولانا عبدالباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ، محترمی مولانا ابوالحسن علی الندوی مدظلہم عارف باللہ ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی زادت فیوضہم وبرکاتہم کی خدمت میں بھیجے گئے۔ ان سب حضرات نے خورد نوازی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی دامت برکاتہم کے تبرکات تحسین ناشناس اور پیش لفظ کے عنوانات سے آگئے۔ مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی نے اس بارے میں دو عدد مکتوبات سے نوازا جو بندہ کیلئے مایۂ شرف وسعادت ہیں۔ خیر وبرکت اور قبولیت کا نشان سمجھتے ہوئے یہ تمام تحریریں کتاب کے مقدمات کی حیثیت سے پیش کیجارہی ہیں۔ کہ ان میں سے ہر تحریر اپنی جگہ مستقل افادیت کی حامل ہے۔ فقیر اپنے بزرگوں کی ان عنایات کیلئے سراپا سپاس اور دعاگو ہے۔ مخدومی المحترم حضرت ابوالحسن علی ندوی مدظلہم نے اپنے پیش لفظ میں سلوک کی ضرورت واہمیت پر اپنے انداز میں ایک اچھوتی اور قابل ستائش و دید بحث بھی فرمائی ہے۔ حضرت مولانا عبدالباری ندوی نوراللہ مرقدہٗ ان دنوں شدید بیمار تھے۔ پڑھنے لکھنے کی کما حقہٗ طاقت نہ تھی تاہم اولاً کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا، پھر طبیعت زیادہ مضمحل ہوگئی۔ تو حضرت دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر پر ہی "آمین بالجہر" کہنے کا اظہار فرمایا، تاہم پھر کچھ طبیعت سنبھلی اور کچھ لکھنا شروع کیا، اُسے بھیجنے کی خوشخبری دی اور جو کچھ ارقام فرمایا تھا۔ ڈاک کے ذریعہ بندہ کو بھیج دیا۔ لیکن دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ کیوجہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر راستہ میں ضائع ہوگئی اپنے ایک غیر ملکی دوست جو ہندوستان گئے تھے ان کے ذریعہ پیغام بھجوایا لیکن

حضرتؒ کے پاس نقل نہ تھی اور پھر صحت جواب دے چکی تھی۔ اس طرح بندہ حضرتؒ کی قیمتی تقریظ سے محروم رہ گیا۔ جس کا ہمیشہ قلق اور افسوس رہے گا۔ حضرت مولانا عبدالباری قدس سرہٗ کے مکتوبات جو اس بارے میں آئے وہ بھی بندہ کے لئے مایہ تسکین وسعادت ہیں۔ اس لئے ان کے چند اقتباسات یہاں نقل کر رہا ہوں۔

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا،

"انشاء اللہ" اشرفی سلوک' سلیمانی قالب' میں قلم اشرف' سے اشرف السلوک ہی ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انجام پذیر فرمائیں۔" (۷، ربیع الثانی ۸۸ھ)

دوسرے متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"تازہ کرمنامہ نے مشرف فرمایا۔ اور سلوک سلیمانی کا مجلہ ہمارے مولانا ماجد میاں نے خود ملاحظہ فرمانے سے پہلے ہی میرے پاس بھیجدیا میں اپنا حال کیا عرض کروں۔ کوئی سال بھر سے آنکھوں کی شکایت چلی آرہی ہے...... ڈاکٹر مہرا جو آنکھوں کے خاص ماہر خیال کیئے جاتے ہیں انہوں نے موتیا بند کی توثیق کی ہے۔ پھر مجھے ٹائپ رائٹر کے نسخہ کا پڑھنا اور بھی دشوار ہوتا ہے...... البتہ ندوہ کے ایک صاحب نے جمعہ جمعہ کو کچھ وقت دینے کو کہا ہے۔ اگر وہ آتے رہے تو انشاء اللہ ان سے پڑھوا کر اس درمیان میں سنتا رہوں گا۔ مگر ضخامت سے الحمدللہ اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے سلوک سلیمانی کا حق خوب ہی خوب ادا فرمایا ہوگا۔ خصوصاً حضرت مرحوم کے مکتوبات تربیت کو دیکھنا چاہتا تھا۔

ابھی اس خط کے دوران تحریر میں مولانا (دریا بادی) کے بھتیجے اور داماد ہمارے حکیم عبدالقوی بھی آگئے ان کو بھی اپنی معذوری کا یہ حال کچھ تفصیل سے سنایا اور یہ درخواست بھی ان کی زبانی مولانا دریابادی کو بھجوادی ہے کہ پہلے وہ ملاحظہ فرماکر اس پر جو کچھ تحریر فرمانا چاہے تحریر فرمادیں۔ پھر احقر کی سمجھ میں اگر کچھ آیا تو تحریر کردونگا۔ ورنہ آمین پر اکتفا کروں گا" (۱۶ ستمبر ۷۰ء)

"سلوک سلیمانی جب تک میرے پاس رہی از اول تا آخر جتنا خود پڑھ یا دوسروں سے پڑھا کر سن سکتا تھا اس سے مستفیض ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے اس کارنامہ کو قبول اور مقبول فرمائے، پھر ایک دن مولانا عبدالماجد تشریف لاکر اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اب انہیں کے پاس ہے ـــ مولانا دریا بادی تنقید و تبصرہ کے خاص ماہر ہیں، چھوٹی بڑی جس کتاب کا نقد و تبصرہ فرماتے ہیں اس کا کوئی چھوٹا بڑا عیب بمشکل ہی چھوٹتا ہوگا۔ میں ان کی تنقید و تبصرہ کا بہت قائل ہوں۔ طرح طرح کی کتابیں اور رسائل وغیرہ ان کے پاس ڈھیر کے ڈھیر آتے رہتے ہیں۔ پھر خواہ وہ چند سطروں ہی میں کسی کے متعلق جو خیال صدق میں ظاہر فرماتے ہیں۔ وہ انہیں کا حصّہ ہے۔ صدق میں چھوٹی بڑی ہر طرح کی کتابوں پر تبصرے آپ کی نظر سے گذرے ہوں گے۔ میرے نزدیک تو اب تبصرہ و تنقید کا کم از کم اردو میں ان سے زیادہ کوئی حقدار مبصر نہیں، ظاہر ہے کسی ضخیم کتاب

کا اوّل تا آخر پڑھنا تو ان کے لئے ناممکن ہی ہے پھر بھی سلوک سلیمانی کو انشاء اللہ وہ جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دے کر توجہ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں ضرور پڑھیں گے اور تبصرہ اور تنقید کا پورا حق وہی ادا فرمائیں گے۔ باقی انشاء اللہ جیسا کہ ماجد میاں کو لکھ چکا ہوں اُنکی رلئے اور تبصرہ پر آمین ہی کہنا میرے جیسے کم علم کیلئے مناسب اور سلامتی کی راہ ہوگی۔ خصوصاً جبکہ میں ماشاء اللہ اتنی ضخیم کتاب کا حق پورا کیا برلئے نام ہی ادا کر سکتا ہوں۔ البتہ ان کے تبصرہ کے پڑھنے کے بعد انشاء اللہ میں آمین بالجہر کا حق ادا کرونگا۔" (۲۵ نومبر ۷۰ء)

"ہمارے مولانا دریا بادی نے 'تحسین ناشناس' کی ایک نقل بھی مجھے بھیجدی ہے۔ اور صدق میں شائع بھی فرمایا تھا۔ اُمید ہے کہ آپکی نظر سے گذر چکا ہوگا۔ فرمائیے کہ کیا ماشاء اللہ ایسے شہیر صاحب قلم کی تحسین کے بعد بھی اس نابکار کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بحال رہے گا؟ اگر حکم حکم محکم ہی رہا تو ایک صورت ذہن میں آئی ہے۔ کہ میں حضرت سیّد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق قریباً ۴۵ سالہ کے گوناگوں تعلقات کے کچھ ذاتی تجربات عرض کردوں اور گو میرے لئے وہ بھی اس فریش حالت میں زیادہ آسان نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی بات یاد دلادی کہ اسکی مدد سے انشاء اللہ العزیز آپکے حکم محکم کی کچھ نہ کچھ تعمیل ہو ہی جائیگی ...... بہرحال جو صورت ہو انشاء اللہ جواب گرامی کے بعد جو کچھ مجھ کو بن پڑے گا عرض کردونگا۔" (۱۳ اپریل ۷۱ء)

"احقر تنقید اور تبصرہ کے معاملہ میں سب سے زیادہ قائل مولانا دریابادی کا ہے۔ طرح طرح کی چھوٹی بڑی ہر طرح کی کتابیں ان کے پاس آتی ہیں۔ مجھ کو تو اتنی کتابوں کا پڑھنا اور پھر ان پر متوازن تبصرہ یہ ان کی اتنی بڑی کرامت معلوم ہوتی ہے کہ اگر مجھے کسی چیز کے لکھنے کی توفیق ہوتی ہے تو سب سے پہلے انہیں کو دکھلا لیتا ہوں۔ پھر آپ ہی فرمایئے کہ انکی تحسین کے بعد آمین بالجہر ثم آمین بالجہر کے سوا اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے؟ پھر بھی خیال تھا کہ حضرت سید صاحب سے ۴۱ سالہ گوناگوں تعلقات میں جو خاص تاثرات میرے رہے ہیں ان کو کچھ عرض کردوں لیکن جس دن اس کے ارادہ سے قلم اٹھانا چاہتا تھا اس سے ایک دن پہلے ہی آنکھوں میں رد ہوں کا زور ہو گیا۔ اب انشاء اللہ دُعا فرمائیں کہ جلد اس معذوری سے شفا ہو تو پھر امتثال امر کروں"

(۲۸ اپریل ۱۹۷۱ء)

"حرمین شریفین سے واپسی پر بھی آپ کا کرم نامہ مل گیا تھا۔ مگر آنکھوں کی معذوری کیوجہ سے معذرت نامہ ہی سردست لکھ بھیجا تھا۔ ابھی آنکھیں صاف تو نہیں ہیں کہ حسب معمول کچھ لکھ سکوں۔ پھر بھی کُل دو سطروں سے ابتدا کردی اتمام بالخیر کی دُعا آپ ہی خصوصیت سے فرمائیں۔ میری حالت اصل میں اب مجموعی طور پر ایسی ہو رہی ہے کہ خود لکھنا کیا معنی ایک کارڈ بھی لکھانا دشوار ہی ہوتا ہے۔ بس ایک بزرگ دوست کے صاحبزادے مل گئے ہیں انہیں کو تیسرے پہر تھوڑی دیر کے لئے

گرفتاری پر اللہ تعالیٰ نے آمادہ کر دیا۔ مگر خط کی بات اور ہے کوئی خاص تحریر املا کرانے کا بالکل عادی نہیں رہا ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کل کی ابتدا کو اگر جاری رکھا تو انشاء اللہ کاتب مذکور سلمہ ہی سے صاف کرا کے حاضر خدمت کر دونگا۔۔۔۔ سر دست آنکھوں کی صحت کاملہ کے لئے خصوصاً دعا جو ہوں وہ بھی خصوصاً اس لئے کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو جاتے۔" (۸ مئی ۷۱ء)

"روھوں کی تکلیف نے لکھنے پڑھنے سے اور زیادہ معذور کر دیا۔ پھر بھی ایک آدھ دن آنکھوں میں تکلیف کچھ کم رہی تو سب سے پہلے آپ ہی کے امتثال امر کیلئے بیٹھ گیا۔ مگر بس دو دن میں صرف آدھا صفحہ پورا ہوا تھا۔ کہ پھر آنکھوں کی تکلیف بڑھ گئی اور آگے بڑھنے سے معذور رہا۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا تو کاتب رقیمہ ہذا سے صاف کرا کے بھیج سکونگا۔ تبھی آپ اسے پڑھ سکیں گے۔ باقی اپنا لکھا تو خود بھی نہیں پڑھا پاتا۔

ایک بات اور پھر عرض کرتا ہوں کہ مولانا دریابادی سلمہم کی تحسین کے بعد اب اس کس مپرس کی کچھ سطروں کی آمین بالجہر کی حد تک بھی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ باقی آپ کا حکم واپس نہو گا۔ تو بس آپ ہی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کسی طرح اس قابل کر دیں کہ آنکھوں کی تکلیف جلد دور ہو جائے تو پھر سر دست امتثال امر کے علاوہ اور کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ حالانکہ ابھی دو کتابیں ناتمام یا نیم تمام پڑی ہوئی ہیں۔ جن کے متعلق خواہش ہے

کہ اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں اور قبول و مقبول فرمائیں۔ آپ بھی آمین فرمائیں" (۲۵ مئی ۱۹۷۱ء)

"آپ کو نواب ایک کارڈ لکھاتے بھی شرم آتی ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہنوز ناتمام ہی ہے۔ بلکہ ایک دن اور کچھ سطریں لکھنے کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد اب پھر آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے جہانتک خود لکھنے کا تعلق ہے اس سے ایک آدھ ہفتہ کے لئے روک ہی دیا گیا ہوں البتہ معذرت نامہ کا ایک کارڈ لکھا دینے کا جی چاہا.....
.....دعا فرمائیں کہ سہولت ہو اور آپ کے امتثال امر میں بھی اب زیادہ شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔" (۲ جون ۱۹۷۱ء)

"خیر سے میرے آنکھوں کے روہوں کی تکلیف دور ہو چکی ہے۔ شاہراہ معرفت (سلوک سلیمانی) کے امتثال امر کے سلسلہ میں دو چار سطریں لکھتا رہا لیکن چونکہ میرے پرانے کاتب عرصہ سے غائب ہیں۔ اس لئے اسکو صاف نہیں کرا سکا۔ البتہ ایک دوسرے کاتب کا انتظام انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں ہو جائے گا۔ تو انشاء اللہ سب سے پہلے آپ کا کام ہوگا۔" (۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء)

"محبت نامہ نے نوازا اور غالباً آپ ہی کی دعاؤں کی شرکت سے ہمارے کاتب بھی مہینوں کے بعد آگئے ہیں۔ بلکہ اب پابندی سے اس بوڑھے کو مکاتبت کی زحمت سے ممنون کرتے رہتے ہیں۔ شاہراہ معرفت کے متعلق احقر اپنے قلم سے دو دو چار چار جملے جب موقعہ ملا لکھتا رہا۔ اب انشاء اللہ اسی اتوار کو کاتب عزیز سے

اسکو پورا کرلے کے روانہ خدمت کرونگا۔ مگر یہ آپ ہی جانئے کہ وہ پہنچے گا یانہیں، اسلئے کہ بعض دوستوں کا مشورہ یہ ہے کہ بجز کارڈ کے اور کوئی چیز نہیں پہنچتی ہے محفوظ۔

..... ابھی حال میں آپ کا صدق میں "رومی کا پیام" کے نام سے جو مضمون نکل رہا ہے۔ وہ تو ماشاء اللہ صدق اور صاحبِ صدق کا ہم قلم ہے۔ اور اس نالائق کو ایسا قلم کسی درجہ میں بھی نصیب نہیں..... بہرحال خدا کرے کہ آپ کا حکم پورا ہو جائے۔ میرے لئے تو آپ جیسے کسی محب فی اللہ کے حکم کا پورا ہو جانا ہی باعث سعادت ہے۔" (۲۵ نومبر ۱۹۷۱ء)

"خدا خدا کرکے آپ کے امر کے امتثال میں ٹوٹا پھوٹا مضمون کاتب رقیمہ ہٰذا نے پورا تو کر دیا ہے۔ لیکن میں اس کو نہ شاہراہ معرفت کے لائق سمجھتا ہوں اور نہ کہیں اور اشاعت کے لائق۔

اب یہ فرمائیے کہ آپ کا مضمون بھیجا کس طریقے سے جائے یہاں تو لوگ کارڈ کے علاوہ کسی لفافہ کا بھیجنا بھی محفوظ خیال نہیں کرتے، کل شام ماجد میاں سے بھی اسکا ذکر رہا اور وہاں کے احبابؒ اعزہ نے تو کراچی اور لاہور دونوں جگہ سے یہ ہدایت ہی نہیں بلکہ تجربہ کرا رکھا ہے کہ صرف کارڈ ہی لکھے جائیں۔ خواہ ایک نہیں دو چار۔ اور آپ کے حکم کا جو امتثال ہوا ہے۔ وہ کارڈ سے بہرحال بہت زیادہ ہے۔" (۲۹ نومبر ۱۹۷۱ء)

اس سلسلے کا آخری خط جو اپنے ایک غیر ملکی دوست کی وساطت سے

انقطاع ڈاک کے زمانے میں ملا ہے درج ذیل ہے۔

محب اشرف زادہ اللہ شرفا

السلام علیکم۔

محبت نامہ نے حب فی اللہ کی یادیں تازہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ احقر اور آپ دونوں کو حب فی اللہ کی زیادتی سے مزید سعادت مند فرمائیں۔

شاہراہ معرفت پر جو کچھ لکھا لکھایا تھا۔ وہ تو آپکی خدمت میں پہلے ہی ارسال ہو چکا ہے۔ اور امید ہے کہ واصل خدمت بھی ہو چکا ہوگا۔ باقی اب تو میرے پاس اسکی کوئی نقل وغیرہ بھی موجود نہیں ہے۔ ورنہ دوبارہ تعمیل ارشاد ہوتی۔ والسلام

مکرر صلاح و فلاح دارین کا دعا، گو و دعاجو

احقر العباد عبد الباری

شدید صدمہ و قلق اس بات کا رہا۔ کہ حضرت موصوفؒ کی اس بیماری کی حالت میں بڑی تکلیف سے لکھی ہوئی تحریر بندہ تک نہ پہنچ سکی، تقدیر الٰہی میں یہی مقدر تھا کہ وہ شائع نہ ہو۔ یوں حضرت دریابادیؒ کی تقریظ کا یہ جملہ حقیقت بن گیا کہ:۔

"مشیئت کے اس صلہ کو اب کیا کہئیے کہ شعر پر "سکوت" تو "ہنر شناس" مولانا عبد الباری ندوی کے حصہ میں آیا اور تحسین اس "ناشناس" عبد الماجد کے حصہ میں پڑی،"

تاہم بندہ کی خوش نصیبی ہے کہ رسالہ معارف اعظم گڑھ میں جب "سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر" کے عنوان سے سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کا پہلا نقش

چھپا تھا حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے ازرہ نوازی و قدر افزائی کا خط لکھا تھا۔ وہ رقیمۂ بندہ کیلئے سراپا سرمایہ سعادت و برکت ہے۔ سلوک سلیمانی کے اس نقش ثانی میں اس مکتوب کو حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی یادگار اور تبرک سمجھ کر من وعن شائع کررہا ہوں۔

حضرت استاذی المخدوم علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کی محبت، عنایت و شفقت اس سیاہ کار پر بے حد و حساب تھی۔ اپنی نالائقی کہیئے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کتاب کا مسودہ دکھلانے کی ہمت نہ ہوئی، وصال سے چند دن پیشتر جب آخری بار غریب خانہ پر تشریف لائے تو تقاضا فرما کر کتاب کے کچھ صفحات سُنے محظوظ ہوئے تحسین و ہمت افزائی فرمائی حضرت دریابادیؒ مخدومی حضرت علی میاں مدظلہم کی کتاب پر تقریظیں سُنیں، بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ خصوصاً مولانا دریابادیؒ کے ان الفاظ پر تو جھوم اُٹھے جو سلوک تھانویؒ اور سلوک سلیمانیؒ کے بارے میں لکھے تھے۔

"غرض ایک چھوٹا آئینہ ایک بڑے آئینہ کے مقابل آگیا اور کمالؔ جمال کے جو بھی نقش اس بڑے آئینہ میں اُبھرے ہوئے موجود تھے وہ سب اس چھوٹے آئینہ نے اپنے اندر جذب کرلئے سمیٹ لئے، دیکھنے والا نادان حیران کہ جیبی حمائل کو چوب قلم جہازی سائز والے مصحف کا ہمسر کیونکر ٹھہرائے۔ لیکن یہ نہ مانیئے تو آخر کیا کیجئے ــــ تصویر کی تصویر کی مثلیث اصل صورت سے کیونکر جھٹلائیے!"

حضرت بنوری نور اللہ مرقدہٗ سے تقریظ کے بارے میں عرض کیا۔ دوسرے دن کراچی کو روانگی تھی۔ اپنے رفیق سفر ڈاکٹر مولانا عبدالرزاق اسکندر سے کہا کراچی میں مجھے یاد دلائیے تاکہ ان کی کتاب پر اپنی رائے لکھ کر بھیج سکوں، ڈاکٹر موصوف کو یاد نہ رہا۔ اور بارہویں دن حضرت بنوریؒ کا اچانک وصال ہوگیا، اور حضرت قدس روحہ کے کلمات طیبات سے یہ کتاب محروم رہ گئی وللہ ما اخذ وما اعطی

بندہ کا معارف والا مضمون جب "سلوک سلیمانی" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ اس میں حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے سلوک کے بارے میں مقدمہ میں چند ضروری باتیں لکھنی مناسب سمجھی تھیں۔ موجودہ کتاب اسی مضمون کی تفصیل و تکمیل ہے اس لئے اس مقدمہ کو بھی اس اشاعت میں دوبارہ شائع کر رہا ہوں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے تربیتی خطوط اور ملفوظات کے علاوہ حضرت والاؒ کے ہر دور کی تحریر سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے، کہ فقیر سمجھتا ہے کہ حضرت الشیخ قدس سرہٗ حضرت اقدس مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق سے پیشتر ہی سلوک سلیمانی کی نامعلوم کتنی منازل علماً و عملاً طے کر چکے تھے[1]؟

کتاب ۱۹۷۰ء میں تیار ہو چکی تھی، "مقدمات" بھی آچکے تھے۔ لیکن بعض مجبوریاں

---

[1] اس بارے میں 'سلوک سلیمانی کی اجمالی اشاعت کے مقدمہ میں بھی کچھ عرض کر چکا ہوں غرض یہ ہے کہ "سلوک سلیمانی" کی پیشکش میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہر دور کی تحریر جو آپ کے آخری مسلک کے مطابق اور مضمون کے متعلق ہو، قابل استناد ہے (م۔۱)

حائل تھیں۔ کتاب اب تک نہ چھپ سکی، ہر بات کا وقت معین ہوتا ہے۔ خدا کرے یہ تاخیر اسکی افادیت و قبولیت میں زیادت کا سبب ہو۔ بصمیم قلب دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مقبولیت خاصہ سے نوازے۔ اور اسے مرشدی و مولائی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ کے علوم و تعلیمات، فیوض و برکات کے عام ہونے کا ذریعہ بنائے اور فقیر کی صلاح و فلاح و نجاح کا سبب آخرت و رضا کا وسیلہ اور سرمایہ آخرت و نجات بنائے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر بزرگوں کی برکت سے اس کا فائدہ عام و تام ہمہ گیر و عالم گیر ہو اور ہر پڑھنے اور سننے والا کما حقہ اس سے مستفید ہو کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہو۔ آمین۔

کتاب کا پہلا حصہ مقاصد و غایات، ارشادات و معالجات پر مشتمل ہے جو حجم کی ضخامت کی وجہ سے دو مجلدات میں بفضلہ تعالیٰ شائع کیا جا رہا ہے۔ دوسرے حصہ یا تیسری جلد میں انشاء اللہ تعالیٰ مکتوبات و ملفوظات وغیرہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ تمام مراحل کو بعافیت طے کرائے کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی امانت قارئین تک پہنچ سکے۔ اس بے مایہ کی یہ کوشش اگر حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم و فیوض کا کسی درجہ میں بھی اشاعت کا سبب بن سکے تو سمجھوں گا۔ کہ زندگی ٹھکانے لگی۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

آخر میں اپنے ان تمام خواجہ تاش کرم فرماؤں کا دلی شکریہ ادا کرنا اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں۔ جنہوں نے حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مکاتبت کے مستور ذخائر راقم کو بھیج کر اس قابل بنایا کہ حضرت والا قدس سرہٗ کے سلوک پر استناد و وثوق سے کچھ لکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اس کا دارین میں صلہ نیک عطا فرمائے۔ آمین۔ ان میں سرفہرست

جناب عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی، برادر مختار احمد خان صاحب، جناب عبدالرحمان صاحب ایم۔ اے، جناب غلام مرتضیٰ صاحب، جناب محی الدین صاحب ہیں۔ برادر مشفق ڈاکٹر غلام محمد صاحب مدظلہ کی کتاب تذکرہ سلیمان سے استفادہ بھی خوب کیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس مسترشد خاص کو مع ہمہ فیوض و برکات سلامت رکھے۔ آمین۔

مولوی فضل حق ترنگزئی، ڈاکٹر برہان الدین، راشد میاں کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ انہوں نے پورے ذوق و شوق و انہماک سے پروف ریڈنگ کا کام انجام دیا۔ کاتب کتاب محمد نعیم صدیقی صاحب اور ان سب دوستوں کا ممنون ہوں جنہوں نے کسی صورت اس بارہ میں اعانت فرمائی، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

فقیر الی اللہ تعالیٰ

محمد اشرف سلیمانی

پشاور یونیورسٹی۔ پشاور

یکم جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

۷ راپریل ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اوّل

الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی صفوۃ البریۃ محمد النبی الامی المزکی الکریم وبعد

سلوک سلیمانی (شاہراہ معرفت) کے پہلے حصہ کے دیباچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ کتاب کے صفحات ایک ہزار کے قریب ہو گئے اتنی لحیم و شحیم کتاب کا ایک جلد میں شائع کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے دو ۲ حصے کر دیئے گئے۔ یہ دوسرا حصہ بھی اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرۃ الشیخ الامام نور اللہ مرقدہٗ کی ان تعلیمات کو حسن قبول نصیب فرمائے اور ان کے درجات علیا کی بلندی اور فقیر کی صلاح و فلاح و نجاح کا سبب اور اپنے قرب و رضا کا ذریعہ بنائے اور امت کو اس سے زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے۔ آمین

فقط

ہیچمیرز و ہیچمدان خاکپائے سلیمانؒ

محمد اشرف سلیمانی

جامعہ پشاور

۷ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ

۷ ستمبر ۱۹۸۱ء

شجرۂ بیعت

بحقِ رہنمائے راہ جویاں ۔۔۔ امیرِ کاروانِ حق شناساں
رفیقاں را چراغِ راہ برکف ۔۔۔ دلیلِ سالکاں مولائے اشرف
پئے منزل بہ ہر جادہ دویدہ ۔۔۔ ز دو جانب بہ یک مقصد رسیدہ
بحقِ معدنِ علم و فضیلت ۔۔۔ امین و خازنِ سرِّ شریعت
نژادِ پاک از تقویٰ فروزاں ۔۔۔ رئیس الاتقیاء سیّد سلیماںؒ
بحقِ شمعِ راہِ دینِ احمدؐ ۔۔۔ غنا افروز و فقیرِ محمدؒ
بحقِ او کہ بنیادِ ہدیٰ شد ۔۔۔ ازو تجدیدِ دینِ مصطفیٰ شد
فقیہِ کاملِ دینِ نبیؐ بود ۔۔۔ ز بزمِ اولیاء اشرف علیؒ بود
بحقِ عبد العزیزِؒ دعاجو ۔۔۔ بحقِ حضرتِ یسٰینؒ حق گو
بحقِ رہنمائے اہلِ ابصار ۔۔۔ امامِ اہلِ حق اولادِ انصار
ملاذِ خاص و عام از نقصِ ایماں ۔۔۔ پناہِ ہر اسیرِ نفس و شیطاں
جہاں گو شد رشید احمدش نام ۔۔۔ فیوضِ غیب را بر جملہ قسّام

○

إِنَّهُ من سليمان وإنّه بِسْمِ اللّٰہِ الرّحمٰن الرّحیم

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیّدنا ومولانا محمدٍ سیّد المرسلین وعلی آلہ الطاہرین واصحابہ الطیبین۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

مقدمہ سلوک سلیمانی (جلد سوم)

"مکتوبات"

مطاعی ومرشدی سیّد الملّت حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ

ہمہ جہتی علوم وفضائل، گوناگوں صفات وخصائل اور حیرت انگیز کمالات و

ومزایا کا مجموعہ تھے وہ اپنی ذات میں ایک اُمّت اور ایک عالم تھے۔ اور اس شعر کے مصداق:

لیس علی اللہ بمستنکرٍ ✧ ان یجمع العالَم فی الواحد

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر یہ بات کوئی مشکل (تعجب خیز) نہیں کہ ایک شخص میں پورے عالم کو جمع کر دے۔

حضرت سید صاحب قدس سرّہٗ اپنی جامعیت میں اپنے دور میں اپنی مثال آپ تھے۔ سیرت نگاری میں اردو کے سید المصنفین تھے۔ آپ کا دامنِ تصنیف سیرت النبی (علی صاحبہا اُلف اُلف سلام) جیسی شاہکار، بے مثل اور انمول کتاب کے علاوہ کئی دوسری وقیع و نادرۂ روزگار تصانیف، مستند و بیش بہا مقالات، قیمتی و باوقار مضامین، محققانہ و علمی جواہر پاروں اور عارفانہ رموز و حقائق سے پُر نگارشات کو سمیٹے ہوئے ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مزید برآں حضرت والا قدس سرّہٗ کے مکتوبات کا ایک عظیم مجموعہ ورثہ میں اُمّت کے سپرد کر گئے۔ مسلمانوں میں شروع ہی سے مکتوبات کے تحفظ و نگہداشت کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ اسمیں مکتوبات سلیمانی کا یہ نادر ذخیرہ ایک پرمایہ اضافہ اور امت کے اساطین و صنادید کے مکتوبات کے سلسلۃ الذہب کی بیش بہا کڑی ہے۔ حفاظت و ابقائے مکتوبات کی پہلی مثال و نمونہ خود اسلام کا صحیفۂ آسمانی بنا جس نے ملکہ سبا کے نام حضرت سلیمان علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتوبات کے متن اور اسکے مرسل و مرسل الیہا کے ذکر کو مصحف کا حصہ بنا دیا۔ ارشاد الٰہی ہے۔

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّىْٓ — (ملکہ سبا) کہنے لگی۔ اے دربار

اُلْقِىَ اِلَىَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ۝ — والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ — عزت کا، وہ خط ہے سلیمانؑ کی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ اَلَّا تَعۡلُوۡا عَلَيَّ وَاۡتُوۡنِيۡ مُسۡلِمِيۡنَ ۝
(القرآن۔ النحل۔ آیات ۲۹ تا ۳۱)

طرف سے اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان بڑے رحم والا ہے۔ کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار ہو کر۔

اُمت محمدیہ مرحومہ کو اپنے پیغمبر (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت وعشق ہے اور آپکی نسبت والی ہر چیز سے جو شغف ہے اور جس کی مثال کسی دوسری امت میں نہیں ملتی۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ آپ کے مکتوبات کے پرزہ پرزہ کی حفاظت کرے چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کے مکتوبات مبارکہ کی ہر دور میں پوری حفاظت کی گئی۔ اس زمانہ میں اسلام کے مایۂ ناز محقق ومصنف شہیر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی ثم فرانسوی نے مکتوبات نبویؐ کے اِس انمول و وقیع و نادرۂ روزگار سرمایہ کو اپنی کتاب " مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبویؐ والخلافۃ الراشدہ " میں محفوظ فرما دیا ہے جس کے لئے وہ پوری امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

اِسی طرح امت نے قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسل مشاہیر و اساطین اُمت کے مکتوبات کے جواہر پاروں کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت سید الملت قدس سرہٗ نے خطوط نگاری اور مکتوبات کی نگہداشت کے بارے میں مکاتیب مہدی کے مقدمہ میں جو ارقام فرمایا ہے۔ وہ قدیم ہو چکنے کے باوجود قابل دید و مفید ہے۔ اس لئے قارئین کے لئے نقل کرتا ہوں۔

"خط کیا ہے؟ آپس میں دو آدمیوں کی بات چیت! اس بات چیت کو کاغذوں میں محفوظ رکھنے کا دستور بہت پرانا ہے، بادشاہوں اور وزیروں کے حکم احکام کے چھوٹے چھوٹے فقرے جو بلاغت کی جان ہوتے تھے اور توقیعات کہلاتے تھے یاد رکھے جاتے تھے، عیسائیوں میں مقدس حواریوں کے خطوط کی خاص اہمیت ہے، اور وہ مجموعۂ انجیل کے ضروری جزء خیال کئے جاتے ہیں، اور قبول کے ہاتھوں سے لئے اور ادب کی آنکھوں سے پڑھے جاتے ہیں۔

لیکن جہاں تک میرا علم ہے خطوط کی نگہداشت اور یادداشت کو جو کثرت اور وسعت مسلمانوں کے دور میں ہوئی، وہ اس سے پہلے نہ تھی۔ مسلمانوں نے پہلے خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو محفوظ رکھا، روایتوں میں ان کا اتنا بڑا مجموعہ ہے کہ بہت سے عالموں نے ان کو الگ کر کے ان کی کتابیں بنائی ہیں، دوسری صدی میں امام مالکؒ کا خط ہارون رشید کے نام اور امام لیثؒ کا خط امام مالکؒ کے نام خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری سے دیلمیوں، سامانیوں، غزنویوں اور سلجوقیوں میں اہل قلم ادیبوں کو اپنے خطوط اور مراسلات کے جمع کرنے کا خیال آیا۔ اس کی تحریک دو وجہوں سے ہوئی۔ ایک تو یہ کہ چونکہ ان عجمی بادشاہوں کی زبان فارسی اور ان کی حکومت کی زبان عربی تھی، اس لئے ان بادشاہوں کو ایسے محکمہ اشاعت کی ضرورت ہوئی۔ جہاں ایسے اہل قلم موجود ہوں جو فارسی زبانوں میں پوری مہارت رکھتے ہوں، اس ضرورت نے

مانگ پیدا کی اور مانگ نے شے مطلوبہ کو پیدا کرنا شروع کیا، اِس سے انشاء کا ایک فن پیدا ہوا اور منشی پیدا ہوئے، جو بڑی محنت اور جانکاہی سے شاہی فرمان تیار کرتے تھے، اور چونکہ ان کو وہ بڑی محنت سے تیار کرتے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کے خون جگر کا کوئی قطرہ ضائع نہ ہونے پائے۔ اس کی دوسری وجہ بھی پیدا ہوئی، یعنی یہ کہ چونکہ انشاء کا ایک خاص فن تھا۔ اِس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے لائق منشیوں کی تحریروں کی ایک ایک سطر اس کی قدر جاننے اور پہچاننے والے جمع کرنے لگے۔

ادیبوں میں صابی صاحب اور عماد کاتب کے زمانے سے لے کر مثل السائر کے مصنف ابن عبدالکریم تک بیسیوں اہل انشاء ہیں جن کے خطوط اور مراسلے ادب کے خزانوں کے بیش قیمت موتی ہیں۔ ہندوستان کے شاہی منشیوں میں علامہ ابوالفضل کے خطوط و منشأت سے پہلے کی کوئی چیز ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ اس کے بعد تو شاید ہی کوئی فارسی کا انشاء پرداز غالب تک ایسا گذرا ہو جس نے اپنی عمر کی یہ کمائی ترکہ میں نہ چھوڑی ہو۔ چنانچہ انشآت، منشآت اور رقعات کے طرح طرح کے گلدستوں سے فارسی کی بزم ادب رشک گلستان ہے۔ اور عالمگیر کے رقعات اِس چمن کے سدا بہار پھول

علماء اور صوفیوں میں امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کے مکتوبات سے پہلے کی کوئی چیز ہمارے سامنے نہیں صوفیانہ مکتوبات کے

سلسلہ میں بھی ہندوستان کا نمبر سب ملکوں سے آگے ہے۔ دنیا میں جب تک تصوف کی دھاریں بہتی رہیں گی مکتوبات شیخ شرف الدین منیریؒ اور مکتوبات مجدد الف ثانیؒ کے کوثر و سلسبیل روحانی پیاسوں کی پیاس کو بجھاتے رہیں گے۔

اردو میں غالب نے جب سے ادب کے گرم مجمر میں عود ہندی جلایا ہے اردوے معلّی کی محفل اس کی خوشبو سے بس گئی ہے۔ علماء اور صوفیہ کے خطوط اور مکتوبات تو اپنی روحانی برکتوں، علمی بحثوں اور مذہبی حقیقتوں کے سبب سے ہماری عقیدت مندیوں کا صحیفہ ہیں، مگر غالب کے خطوط میں جو مزا ہے وہ صرف ادبی نکتہ پردازیوں کے چٹخارے سے ہے۔

مرزا غالب کیا کیا خون جگر کھا کر اپنے فارسی نامے لکھا کرتے تھے مگر تقدیر کی عجائب کاری دیکھئے کہ اُن کے اس خونِ جگر کا ایک قطرہ بھی ہمارے ادبی خزانہ کا کوئی قیمتی لعل نہ بن سکا، اور ان کی اردو کے چند فقرے جو ہنستے بولتے، چہکتے اور چہچہاتے ان کی زبانِ قلم سے نکل گئے، ان کا ہر لفظ قدر دانوں میں موتیوں سے زیادہ قیمتی ٹھہرا اور آج وہ ہمارے ادبی خزانہ کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔

اسکے بعد جو ادبی دور آیا ہے، اس میں ادب و شاعری کے نکتہ پردازوں اور ملک و ملت کے بہت سے خطوط جن کو قدر دانوں نے تعویذ بنا کر رکھا تھا چھاپ کر اس تبرک کو وقف عام کیا، سرسید کے خط۔ مولانا حالی کے نامے نواب محسن الملک کے مکتوبات، مولانا نذیر احمد کے نصائح، منشی امیر احمد صاحب

امیر مینائیؒ کی تحریریں اکبر مرحوم کے عنایت نامے اور مولانا شبلیؒ کے مکاتیب چھپ کے ہماری زبان کے خزانہ کا سرمایہ بنے، اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے گہر بار قلم نے ہزاروں مکتوبات لکھے۔ جو علم و ادب اور معرفت و آگہی کا گنجینہ ہیں۔ ان قیمتی خطوط میں بعض مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا مجموعہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے سفر یورپ کے مکاتیب کا ہے۔ یہ سفر "تحریک خلافت" کے سلسلے میں کیا گیا تھا یہ مجموعہ "برید فرنگ" کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ اور ہر حلقہ میں شوق و محبت سے پڑھا گیا۔ اور اب وہ ہماری تاریخ ملی کا حصہ ہے

۲۔ "مکاتیب سلیمانؒ بنام مسعود عالم ندوی مرحوم" یہ مجموعہ حضرت کے محبوب شاگرد مولانا مسعود عالم کے نام ہے۔ دلچسپ و وقیع مجموعہ ہے بعض خطوط تصوف کے بارے میں کتابوں پر بھاری ہیں۔

۳۔ مکتوبات سلیمانیؒ بنام حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادیؒ (۲ جلدیں) مخدوم گرامی مرتبت مفسر قرآن، ادیب شہیر حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت سید الملۃ قدس اللہ روحہ کے ابتدائے جوانی سے دوست و رفیق رہے۔ دو عظیم ادیبوں کی چہل سالہ مکاتبت تاریخ میں کم ہی دستیاب ہوئی ہو گی۔ فقیر کے تقاضے پر حضرت مولانا عبد الماجد صاحبؒ نے ان کے نام جو حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط تھے

دو جلدوں میں اپنے کثیر اور قیمتی حواشی کے ساتھ شائع فرما دیئے ۔
چنانچہ حضرت دریابادیؒ نے ڈاکٹر سیّد سلیمان میاں ندوی سلّمہ اللہ تعالیٰ کو ایک خط میں ارقام فرمایا۔

"اشرف خان پشاوری کی تحریک پر خیال ہو رہا ہے کہ اپنے نام کے مکتوباتِ سلیمانیؒ مرتب کر کے چھاپ دوں ۔ کام خاصا وقت لے گا ۔ اس لئے اب تک پس و پیش رہا۔ جو خطوط محفوظ رہ گئے ۔ تین سو بیاسی (۳۸۲) ہیں ۔ پہلا خط ۱۳ بلکہ ۱۲ (یعنی ۱۹۱۲ء / اشرف) کا ہے ۔ آخیر زمانے میں مراسلت بہت کم رہ گئی تھی ۔ شروع میں بکثرت رہی ۔ حاشیے بڑی کثرت سے دینے پڑیں گے ۔

(مکتوبات ماجدی ص ۳۵ ج ۲ مرتبہ ڈاکٹر محمد ہاشم صاحب قدوائی)

بندہ کو بھی ایک خط میں تحریر فرمایا ۔
"آپ کے کہنے سے مکتوباتِ سلیمانیؒ کی تحریک تازہ ہو گئی ۔"

آخر ش حضرت مولانا دریابادیؒ نے حضرت والا قدس سرہٗ کے اپنے نام خطوط دو ضخیم جلدوں میں شائع کر دیئے ۔ پہلی جلد میں تین سو بہتر خطوط تقریباً ایک ہزار وقیع حواشی کے ساتھ ہیں ۔ جلد اول دو سو بانوے صفحات کی ہے ۔ دوسرا حصہ چار سو خطوط پر مشتمل ہے اور تقریباً ایک ہزار دو سو توضیحی حواشی ہیں یہ جلد دو سو چالیس صفحات کی ہے ۔

۴: مکتوبات سلیمانی بنام ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی صاحب لاہور بعنوان

سید سلیمان ندوی اور ان کے چند خطوط

۵ ۔ مکتوبات بنام ڈاکٹر مولوی غلام محمد صاحب دام فضلہ۔ یہ مکتوبات منہاج سلیمانی برائے سالک رحمانی کے عنوان سے تذکرہ سلیمان حصہ دوم کی زینت ہے

۶ ۔ مکتوبات مطبوعہ رسالہ نقوش لاہور خطوط نمبر بعنوان خطوط سید سلیمان ندوی

۷ ۔ مکتوبات مطبوعہ رسالہ نقوش لاہور مکاتیب نمبر بعنوان مکاتیب

۸ ۔ رسالہ معارف اعظم گڑھ میں بھی حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے مکتوبات گاہے گاہے چھپتے رہے ہیں۔ چونکہ بندہ اس مجموعہ میں صرف سلوک سلیمانی کے بارے میں تربیتی خطوط شائع کر رہا ہے اس لئے عمومی خطوط سے تعرض نہیں کیا گیا۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کا حلقہ نیابت دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مکاتبت کا سلسلہ دور و نزدیک قائم تھا۔ اس لئے یقیناً اس صنف کے خطوط کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگی۔ فقیر نے نہ تو مریدین کی پوری تعداد کا استقصاء کیا ہے۔ نہ تلاش و جستجو، اس لئے مکتوبات کا پورا مجموعہ اکٹھا نہ ہو سکا۔ بہر حال جن حضرات نے اپنے نام خطوط از خود ظاہر فرما دیئے وہ منظر عام پر آگئے باقی ابھی تک پردہ خفا میں ہیں۔

فقیر جن مکتوبات کو شائع کرنے کی سعادت پا رہا ہے، اس میں بیس حضرات و خواتین کے نام حضرت والا قدس سرہٗ کے تربیتی خطوط ہیں۔ جن کی

بندہ کے مرتب کردہ خطوط میں حضرت سید الملت نور اللہ مرقدہٗ اور اشخاص مذکورہ کے درمیان جو مراسلت ہے اسمیں مُرسل اور مُرسل الیہم دونوں کے خطوط نقل کردیئے ہیں اور جہاں مُرسل الیہم کا خط نہیں ملا وہاں صرف حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا گرامی نامہ نقل کردیا۔ مُرسل الیہم طالبین کے خطوط کا حضرت دریابادی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مشورہ پر ضروری خلاصہ دے دیا ہے۔ حضرت مولانا دریابادیؒ نے تحریر فرمایا تھا۔

"سلوک سلیمانی میں طالب کے خطوں کا محض خلاصہ انشاءاللہ بالکل کافی ہوگا۔ پورے خط سے بغیر از دیادِ حجم کے کوئی نتیجہ (فائدہ) نہیں۔

بندہ اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے تربیتی خطوط جن تک بندہ کی رسائی ہوسکی انہیں قارئین کے سامنے پیش کرے۔

اولاً مرسل الیہم حضرات کے اسمائے گرامی اور ان کے نام خطوط کی تعداد ذیل میں درج کرتا ہوں۔

	تعداد
۱۔ داعیِ کبیر فاضل جلیل مخدومی الاعز حضرت علامہ مولانا ابوالحسن علی الندوی دامت فیوضہم و برکاتہم	۴
۲۔ حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رحمۃ اللہ علیہ	۴

۳ـ	حضرت مولانا محمد علی صاحب حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۱۷
۴ـ	جناب مولانا عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی	۷۱
۵ـ	جناب مختار احمد صاحب کراچی	۸۴
۶ـ	جناب حکیم مولوی محمد عبداللہ صاحب ندوی	۸
۷ـ	جناب عبدالرحمان صاحب ایم اے	۴۷
۸ـ	جناب ڈاکٹر ملپا علی صاحب بھٹکل	۳۶
۹ـ	جناب مولوی محی الدین صاحب	۱۶
۱۰ـ	جناب مولانا مظفر حسین صاحب ندوی کشمیری	۱۰
۱۱ـ	محمد اشرف سلیمانی پشاوری	۵۲
۱۲ـ	محترمہ ہمشیرہ محمد اشرف پشاوری	۲
۱۳ـ	جناب غلام صابر صاحب	۴
۱۴ـ	جناب صوفی محمد ادریس صاحب	۲
۱۵ـ	محترمہ سعیدہ خاتون صاحبہ	۴
۱۶ـ	محترمہ صابرہ خاتون صاحبہ	۴
۱۷ـ	محترمہ عظمت خاتون صاحبہ	۳
۱۸ـ	محترمہ ام کلثوم صاحبہ	۲
۱۹ـ	جناب داؤد صاحب	۱
۲۰ـ	بنام جناب نیاز الدین صاحب (استفسار کا جواب)	۱

یہ مکتوبات گرانمایہ فقیر کو مختلف طریقوں سے حاصل ہوئے۔

حضرات گرامی جناب مولانا ابوالحسن علی الندوی زادت الطافہم اور حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رحمہ اللہ کے نام خطوط رسالہ صبح صادق لکھنؤ سے نقل کئے گئے۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد علی صاحب حیدرآبادی رحمۃ اللہ کے نام مکاتیب رسالہ بینات کراچی سے لئے گئے جناب محی الدین اور ان کی رشتہ دار مستورات کے نام مکتوبات اور جناب ملیا علی صاحب کے نام خطوط حضرت مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر میرے مطالبہ کے محض اپنی کرم نوازی سے مجھے بھیج دیئے جناب عبد الرحمان صاحب کے خطوط برادر گرامی جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب کے توسط سے میسر آئے باقی حضرات نے فقیر کی استدعا پر اپنے اپنے نام کے خطوط بندے کو اشاعت کی غرض سے مرحمت فرمائے۔ بندہ ان سب حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نوازش ولطف فرمائی کا دارین میں انہیں بیش از بیش صلہ عطا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کو اس سے مستفید فرمائے۔ آمین

چونکہ یہ مراسلت تمام تر تربیتی ہے۔ اس لئے حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ کے طرز تربیت کاملہ کا مفید و جامع، دلچسپ اور بیش بہا مجموعہ ہے جس سے ہر عارف و عامی حسب ظرف فائدہ اٹھا سکتا ہے

اس مجموعہ کی اہمیت استفادہ کے اعتبار سے اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت والا قدس سرہٗ نے رسمی اور مروجہ اعتبار سے اپنا کوئی بھی خلیفہ نہیں چھوڑا۔ اور اپنے انتہائی اونچے معیار کی بنا پر کسی کو اپنا جانشین، خلیفہ یا نائب نامزد نہیں فرمایا۔ چنانچہ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے مسترشد خاص حضرت

مولانا غلام محمد صاحب حیدر آبادی ثم کراچوی دامت برکاتہ اپنی کتاب تذکرہ سلیمانؒ (مطبوعہ ۱۹۶۰ء) میں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وسعت فیض کا تذکرہ فرماتے ہوئے واضح طور پر ارقام فرماتے ہیں۔

" یہ عجیب بات ہے کہ اس وسعتِ فیض کے باوجود حضرت والا نے کوئی خلیفہ نہیں چھوڑا۔ حالانکہ بھوپال، حیدر آباد اور پاکستان کے بعض علاقوں میں ان کے دست گرفتہ ایسے ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئے۔

جو تقویٰ وطہارت اور ان میں بعض فن دانی کے اعتبار سے بھی شایاں اور جگہ خلافت کے ہر طرح مستحق ٹھہریں۔ مگر حضرت والاؒ کا معیار اتنا بلند تھا کہ اس پر کسی کا پورا اُترنا دشوار ہی تھا۔ اور دوسری بات جو ڈاکٹر صاحب مدظلہ سے سُنی وہ یہ ہے کہ حضرت والا پر تواضع کا اتنا غلبہ تھا۔ کہ انھوں نے کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا۔ یہی خیال مولانا محمود الغنی صاحب مدظلہ کا ہے جن کا خود یہ عالم ہے کہ غایت تواضع سے کسی کو مرید بھی نہیں کرتے۔ (تذکرہ سلیمان ص۲۴۸)

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ اقلیم قلم کے صاحبقراں و سلیمان اعظم تھے۔ کلکِ سلیمانی اپنی قلمرو میں اِنشاء و تحریر کے جو موتی بکھیرنا چاہتا اور جس انداز میں نچھاور کرتا۔ یہ اس کا حصہ و کمال تھا۔

جاتا ہے ضعف آتی ہے قوت نگاہ میں
موتی پسے ہوئے ہیں تیری گرد راہ میں

آپ کا دُرریز قلم اپنی متانت سبک روی، فصاحت و شگفتی، تاثیر و دلکشی میں اپنی نظیر آپ تھا۔ جب آخری دور میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے آستانۂ فیض سے کاملاً سیراب فرما کر معرفت و آگہی، خدارسی و حقیقت دانی۔ کا بحرِ زخّار بنادیا۔ آپ کی زبان عرفانِ الٰہی کی ترجمان بن گئی اور آپ کا قلم اسرار و رموز ربانی کا امین و قاسم بن گیا۔ سالکین راہ حق کے طالبین کی رہنمائی اور گرہ کشائی مختصر سے جملوں اور فقروں میں ہونے لگی صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وفیض سے یہ فقرے ایجاز کا 'اعجاز' اور حقائق کا پُراثر اور دلکش انداز میں بیان ہوتا تھا۔ مخاطب کا دل و دماغ روح و قلب تاثیر میں ڈوب جاتا تھا۔ بسا اوقات ایک فقرہ سے اس کا حال دوسرے بہتر حال میں متبدل ہوگیا۔ یہ جملے اور 'ارشادات' طالبین میں ایسے رچ بس جاتے تھے کہ ان کی زندگی اس کا نمونہ بن جاتی تھی، طالبین جو خط لکھتے تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ان کا جواب باقاعدگی سے فوراً دیتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اعظم گڑھ یا بھوپال سے ہم آپ کے خط کا انتظار پشاور میں ساتویں یا آٹھویں دن بیتابی سے کرتے تھے۔ اور اسی دن وہ خط پہنچ جاتا تھا۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کا اپنا شعر آپ کے خط کی آمد کیلئے مریدین کے انتظار کی ترجمانی کرتا ہے ؎

دن گنے جاتے ہیں قاصد کیلئے ٭ انتظار نامہ محبوب ہے !

لے حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ و مجاز بیعت حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ۔

یہ خطوط حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی معرفت فن دانی، شفقت، دقیقہ رسی وحذاقت کا مرقع ہوتے تھے۔ حضرت اقدس قدس سرہ نے اپنے شیخ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مکتوبات کے بارے میں اپنے مجموعہ کلام "عزل الغزلات" میں جو ارشاد فرمایا ہے وہ آپ کے طالبین کے نام رسائل وخطوط پر ہو بہو صادق آتا ہے۔ اس لئے اسے نقل کرتا ہوں۔

آج آیا ہے پیارے کا پیارا مکتوب ؛ دلکش و دلبر و دلچسپ دلارا مکتوب
قوتِ جاں، قوتِ دل، سرمہ بینش تحریر ؛ روح افزا و دل آویز و دلآرا مکتوب
روشنائی نظر آئیگی سوادِ خط میں ؛ دیدۂ کور بھی دیکھے جو تمہارا مکتوب
پڑھ لے کوئی تو معطر ہو مشامِ دل و جاں ؛ نافہ مشک ہے یا عنبر سارا مکتوب
سر بسر شوق وہمہ درد ہماری تحریر ؛ سر بسر مایۂ تسکین ہے تمہارا مکتوب
نامۂ یار کے دیدار میں عالم یہ ہے ؛ ہمہ تن آنکھ ہوں اور آنکھ کا تارا مکتوب

۲۵ جون ۱۹۴۲ء (بلیا)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے ایسے ہی خطوط کی دلنشینی و دلکش و پُرتاثیری کے بارے میں حضرت مولانا عبد الماجد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ مشہور ہے کہ:

"بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ کہ وہ انگلیاں چوم لوں جس نے یہ فقرے لکھے ہیں۔"

ہمارے حضرت والا سید صاحب قدس سرہٗ کے تربیتی مکتوبات کی تحریروں کی بھی یہی تاثیر و کیفیت ہے بندۂ قاصر کا اپنا یہ حال ہے۔ کہ چالیس بیالیس سال گذر جانے کے بعد بھی حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض خطوط اور ان کی

عبارتیں از بر ہیں۔ اب یہ بے بہا "مجموعہ مکتوبات" آپ کے ہاتھوں میں ہے اس "کنز مخفی" کو ظاہر اور شائع کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ حضرت والا قدس اللہ روحہ کا فیض جو ان "مکتوبات" کا جوہر وعطر ہے عام ہو۔ اور "درماندہ رہروان سلوک" اس "سلیمانی سوغاتِ عرفانی" سے استفادہ فرماکر بتوفیقہٖ تعالیٰ منزل کو پاسکیں۔ سلوکِ اسلامی کی صحیح ومسنون راہ واضح ونمایاں ہو کر ہدایتِ انسانی کا سبب بنے جو فقیر کے لئے رضائے حق کے ملنے کا ذریعہ اور توشۂ آخرت ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بصمیمِ قلب خواستگار ہوں کہ اس گناہگار کی جملہ کوتاہیاں معاف ہوں اور حضرت سیدی ذی شان اعلی اللہ تعالیٰ کی جوتیوں میں جگہ ملنے کی سعادت حاصل ہو۔ یہ الفاظ قلم بند کر رہا ہوں اور جسم کے رونگٹے رونگٹے اور قلب کے ریشے ریشے سے آواز بصد الحاح وزاری نکل رہی ہے

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَ	اے میرے پروردگار یقیناً میں نے
اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ لِلّٰہِ	اپنے نفس پر ظلم کیا اور اب میں
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	بھی حضرت سلیمانؑ کے ساتھ اللہ
سورۃ النمل آیت ۴۴	جو تمام جہانوں کا پالنے والے ہیں۔
	پر ایمان لاتی ہوں۔

ممکن ہے حضرت والا قدس سرہٗ کی برکت سے یہ ادنیٰ وحقیر کوشش قبولیت ربانی کا شرف پاسکے۔

راقم آثم کی خوش نصیبی وسعادت تھی۔ کہ ان مکتوبات کے مرتب کرنے کے دوران میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت منامی سے مشرف

ہوا۔ آپ خوشی و انبساط سے فقیر سے استفسار فرما رہے ہیں کہ آپ میرے مکتوبات کو شائع کر رہے ہیں، میرے بہت سے خطوط مولانا عبدالباری کے نام بھی ہیں ؟ (او کما قال) بندہ نے جواباً عرض کیا کہ "فی الحال آپ کے صرف ان خطوط کو مرتب شائع کر رہا ہوں جو سلوک و تربیت کے بارے میں ہیں۔" فقیر کے اس جواب پر مسکرا کر مسرت کا اظہار فرمایا بندہ نے سمجھا کہ عاجز کی یہ ادنیٰ کوشش و خدمت حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو پسند آئی۔ فالحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔"

آخر میں اپنا خوشگوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ اپنے ان جملہ عزیز رفقاء و محبین کا دلی شکریہ ادا کروں جنہوں نے ان "مکتوبات" کے مرتب کرنے میں فقیر سے کسی درجہ میں بھی تعاون فرمایا ان میں سے بعض نے خطوط کے مُرسَل الیہم طالبین کے مکاتیب کی تلخیص کی، بعض نے کتابت کی غلطیاں نکالی بعض نے پروف ریڈنگ میں اعانت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو دارین میں بھرپور صلہ نیک عطا فرمائے اور حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے فیوض و برکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین

بندہ خصوصاً محب گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر محمد یوسف البرجوی صاحب (شعبہ عربی جامعہ پشاور) اور جناب ڈاکٹر غلام ناصر صاحب اور ڈاکٹر برہان صاحب کا ممنون اور سب سے بڑھ کر محب عزیز محمد نعمان نعمانی صاحب (استاذ ادارہ تحقیق و تعلیم جامعہ پشاور) کا شکر گذار ہوں، جنہوں نے کتابت کی دیکھ بھال کے علاوہ طباعت کے جملہ مراحل میں پوری کوشش کی اور حق یہ ہے کہ اگر وہ اس بارے میں کوشش نہ کرتے تو یہ بندۂ قاصر کتابت و طباعت کے مرحلہ سے شاید ہی سبکدوش ہوتا۔ یہاں ان کے رفیق عزیزم ڈاکٹر جاوید صاحب کا بھی سپاس گذار ہوں جو انہیں بار بار لوجہ اللہ اپنی گاڑی میں پشاور سے اکوڑہ کاتب صاحب کے مستقر پر لے

جاتے اور لاتے رہے آخر میں اپنے کاتب جناب محمد نعیم صدیقی صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جو اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود تقریبًا چودہ سال کے عرصہ میں کتاب کی کتابت سے بخیر وخوبی عہدہ برآ ہو سکے

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ افضل الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہم اجمعین

والحمد للہ بنعمتہ تتم الصالحات۔ والحمد للہ اولاً واخیراً وظاہراً وباطناً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد النبی الامی المزکی الکریم والہ واصحابہ انک حمید مجید۔

محمد اشرف سلیمانی
۲۲ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ

نامہ مبارک

۱۱ر جمادی الثانی ۵۷ھ — ہارڈونگ روڈ لکھنو

۳-۲-۵۶ء

محبی فی اللہ زادکم اللہ حبا فی اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

"سلوک سلیمانی" کا "سلسلہ معارف" پڑھ کر خود ہی خیال آتا رہا تھا کہ خاتمہ پر انشاء اللہ مبارکباد پیش کرونگا کہ آپنے "الشیخ السید" علیہ الرحمۃ کی شیخ شناسی کا حق خوب خوب ادا فرمایا۔ مگر سلسلہ کے آخر میں آپ کا خصوصی حکم پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ قلبی تقاضا آپ ہی کے امر کا پیشگی عکس تھا۔ بہر حال امتثالاً عرض ہے۔

یہ ناکارہ جس طرح حضرت اقدس و اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی جامعیت کا حضرت کی وفات کے بعد حضرت کے ملفوظی و تحریری "باقیات صالحات" کے مطالعہ سے معتقد ہوا اسی طرح حضرت سیدؒ کے شیخ کامل ہونے کا ان کی وفات کے بعد "سلوک سلیمانی" سے فاحسن اللہ جزاک۔

بس کبھی یکجائی کی سعادت نصیب ہوتی اور کسی طالب کو کچھ تربیتہً تحریر فرماتے تو اس نالائق کی طرف بڑھا دیتے کہ ٹھیک ہے؟ اس سے زیادہ مربیانہ سیادت سے استفادہ کا موقع نہ ملا تھا۔ لیکن ماشاء اللہ سلوک سلیمانی نے شان تربیت کا پورا مرقع سامنے کر دیا۔ ہمارے ماجد میاں نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ لفظاً بہ لفظ ارشادات تھانویؒ کی ترجمانی ہے۔ بلکہ احقر کی نظر میں حرف حرف اور نقطہ نقطہ

اس ترجمانی کا حق ادا فرمایا ہے، اور یہی سچ پوچھئے تو سلوک سلیمانی کا ہر طرح سب سے بڑا کمال وجمال ہے۔ ایک فنائیت فی الشیخ کے اعتبار ہی سے دیکھئے کہ یہ تربیتی و مرشدانہ کمال ہما شما کو حاصل ہو تو کیا کمال، کمال تو حضرت مرحوم جیسے علوم کتاب وسنت کے کامل النظر کا ہے، کہ ان کو ارشادات مرشد میں کسی حرف و نقطہ کی کمی و بیشی کی گنجائش نظر نہ آئی جو خود مرشد کے حق میں شریعت وطریقت کے کمال جامعیت کی سب سے بڑی سند ہے۔

ماشاء اللہ غیب سے آپ کے احکام کی پختگی تعمیل تو خوب ہی خوب کرائی جاتی ہے عریضہ پورا ہی ہو رہا تھا کہ گرامی نامہ منت بخش ہوا پتہ تک لفافہ پر لکھا جا چکا تھا۔ انشاء اللہ کالج کے پتہ سے بھی مل ہی جائیگا۔ سید صاحب کی سوانح و سیرت کی تکمیل کیلئے کچھ معمولی اضافہ کے ساتھ سلوک سلیمانی کا یہ معارفی سلسلہ بالکل کافی ہوگا۔ ان افادات کا ان کو موقع ہی کم اور آخر عمر میں ملا۔ اسکی بجائے اگر قلم "اشرف" سے "اشرفی سلوک" کا ایک مرقع تیار ہو جاتے تو انشاء اللہ اپنی جامعیت واحاطت کی بدولت نہ صرف اصطلاحی شیوخ وسالکین سب ہی کیلئے بے بہا دولت بلکہ آپ کے جدید قلم کی روشنی میں باقاعدہ تربیت سے بدکنے والوں کے ہاتھ میں ایسی چیز پہونچ جائے گی کہ پڑھنے والے بطور خود بھی اپنی اخلاقی وباطنی اصلاح میں بشرط طلب فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اس پر غور فرمائیں۔ والسلام

دعاگو اور اپنے حق میں خصوصیت سے حسن خاتمہ کی
دعا کا محتاج وطالب

احقر العباد عبد الباری ندوی

تحسین ناشناس

حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمہ اللہ تعالیٰ

کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے علم فقہ کا نہ کبھی باقاعدہ مطالعہ کیا نہ کسی فقیہہ کے درس میں شریک و شامل ہوئے۔ لیکن اپنے منچلے پن کے زور سے ایک پوری کتاب فقہ پر لکھ ڈالی!

جگ بیتی سے آپ بیتی کی طرف آئیے تو یہ سن لیجئے کہ ان سطور کے راقم آثم نے جو فن سلوک و تصوف کی ابجد سے کورا ہے اور مجاہدات و ریاضیات صوفیہ کے مبادی سے بھی بے بہرہ۔ وقت کے ایک مسلّم شیخ بلکہ شیوخ کے امام و سرخیل حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات و شخصیت پر ایک خاص ضخیم کتاب حکیم الامت "نقوش و تاثرات" کے نام سے تیار کر لی۔ اور اس محترم شخصیت کی مقبولیت ہی کا کرشمہ دیکھئے کہ حضرت کے خدام و مسترشدین تک نے اس بے ہنر کی بے کمالی کو سراہا اور داد سے اسے نوازا۔ کتاب کی عزت اسکی بساط اور اوقات سے بڑھ کر علامہ سید سلیمان ندوی ہی نے بڑھائی۔ اور اپنے ایک مکتوب میں داد خصوصی کتاب نویس کو ارقام فرمائی۔ البتہ اتنی احتیاط اس کم سواد نے بھی اس مجموعہ اوراق میں ملحوظ رکھ لی تھی کہ سلوک و روحانیت

لے جوہر شناس حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادیؒ نے ازراہ تواضع اپنے مقدمہ کا عنوان "تحسین ناشناس" باندھا تھا "تقریظ ماجدی" کے ان الفاظ میں فقیر تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن ان کی شان میں اس عنوان کو سوءِ ادب سمجھتا ہے۔ (م-ا)

کے کسی مسئلہ میں اپنی ٹانگ نہیں اڑائی تھی۔ اور طریقت و معرفت کے کسی سوال پر اپنی زبان کی کترنی نہیں چلائی تھی۔

تو جس شخص نے حضرت تھانوی (اعال اللہ مقامہ) کے سے یگانہ عصر و استاد فن پر اپنی کمند ڈال دینے میں ذرا باک نہ کیا جو تمام تر اپنے بزرگ و مقتدا ہی تھے تو اسے اپنا دست طلب حضرت سلیمان کے دامن تک پہنچا دینے میں کیا تامل ہوسکتا تھا۔ جو بزرگ بننے سے پہلے اس کے جلیس، رفیق، مہربان و شفیق سالہا سال رہ چکے تھے اور جن سے محبت و یگانگت، اخلاص و بے تکلفی کے گوناگوں رابطے شروع جوانی ہی سے قائم ہو چکے تھے اور علمی و ادبی رفاقت کے مرحلے اس وقت طے ہو چکے تھے۔ ہاں ایک عالم، ادیب مورخ و خطیب بن رہا تھا۔ دوسرا تشکیک و ارتیاب کی وادیوں میں بھٹک رہا تھا۔

سید صاحب جب تک ادیب و مورخ اسلام رہے اپنے شفیق و قدر شناس استاد مولانا شبلی کے ایسے ہم رنگ رہے کہ انہیں کے ہم سر ہم وزن و ہم مرتبہ ہو کر چکے اور دیکھنے والوں کو یہ فیصلہ مشکل ہو گیا کہ دونوں میں بلند مرتبہ کون ہے۔ پھر ان کا رجحان جب تصوف و سلوک کی جانب ہوا اور انہوں نے حضرت تھانوی کا دامن تھاما تو دیکھتے ہی دیکھتے رنگ انہیں شیخ کے قلم کا اختیار کر لیا۔ اور اتباع و اقتداء شیخ میں نمبر اکثر قدیم اور مدت العمر کے متوسلین اور خدام سے بھی لے لے گئے "شاہراہ معرفت" اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ اپنے کو شیخ میں ایسا فنا کیا کہ گویا کوئی فرق ہی باقی نہ رکھا۔ وہی امراض کی تشریح وہی اسباب کی تشخیص وہی علاج

وہی پرہیز وہی نسخے وہی تدبیریں اور طریقے۔ پڑھنے والا دنگ کہہ اسے سلوک سیمانی کہئے یا سلوک اشرفی ! — من تو شدم تو من شدی کا ایک طرفہ نقشہ۔

حضرت تھانوی کا اصل اور بلند ترین کمال یہ ہے کہ اختیاری اور غیر اختیاری کی تفریق قائم کر کے جو الجھنیں صدیوں سے چلی آتی تھیں ان کا حل بات کی بات میں کر دیا۔

وہی خلوت و جلوت کے مراتب وہی محمود و مقصود کے درمیان فرق وہی اتباع و تقلید کے قیود۔ وہی مخصوص حالات میں عزلت نشینی کی اجازت۔ وہی طریق کی نزاکتیں اور ان کے مطابق مخالطت کے شرائط و قیود۔ وہی احکام الٰہی کے ماتحت دنیا میں پڑنے اور دنیا کے برتنے کے حدود۔ وہی آداب شیخ اور مقاصد بیعت و معیار بیعت وہی خوف و شوق۔ عبادت و حسن معاملت پر زور۔ وہی اخلاص و حسن نیت کی تاکید۔ وہی طالبوں کی دلجوئی تسکین و تشفی۔ وہی احکام شریعت پر استقامت کیلئے اصرار وہی ہر حال میں مولیٰ کی رحمت و ربوبیت پر تکیہ۔ حقیقی تصوف (جو صرف اتباع کتاب و سنت کا نام ہے) اس کے اور مروجہ اور اصطلاحی تصوف کے درمیان وہی فرق۔ غرض ایک چھوٹا آئینہ ایک بڑے آئینہ کے مقابل آگیا۔ اور کمال و جمال کے جو بھی نقش اس بڑے آئینہ میں اُبھرے ہوئے موجود تھے۔ وہ سب اس چھوٹے آئینہ نے اپنے اندر جذب کر لئے۔ سمیٹ لئے دیکھنے والا نادان حیران کہ جیبی حمائل کو چوب قلم جہازی سائز والے مصحف کے ہمسر کیونکر ٹھہرائیے لیکن یہ نہ مانئے تو آخر کیا کیجئے ! — تصویر کی تصویر کی مثلیت اصل صورت سے کیونکر جھٹلائیے۔

اور یہی معاملہ جو سید والا صفات سے اپنے شیخ کے ساتھ کیا تھا۔ مشیت نے خود اسکے ساتھ ایک خوش نصیب مسترشد کے ہاتھوں کرا دیا ــــ یہ نام کے "اشرف" کام کے لحاظ سے بھی اشرف ہی نکلے۔ اور جو دولت انہیں اپنے شیخ سے نصیب ہوئی تھی وہ انہوں نے وقف عام کردی اور پہلی جلد تو شاہراہ معرفت کی تیار ہی کردی (اور خوب ہو کہ اس کا ایک عرف اشرف المعارف رہے) دوسری جلدیں عجب نہیں کہ اس سے بھی مفید تر ہوں۔ اللہ ہم کو اور سب کو ان سے استفادہ کی توفیق دے ــــ مشیت کے اس فیصلہ کو اب کیا کہئیے کہ شعر پر "سکوت" تو "ہنر شناس" مولانا عبدالباری ندوی کے حصے میں آیا اور "تحسین" اس "ناشناس" عبدالماجد کے حصے میں پڑی۔

تعارف عارفی

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی مدظلہم خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب نمبر ۱

ٹیلیفون نمبر ۶۰۷۱۹

محمد عبدالحیٔ عفی عنہ

بیت الاشرف ۸-ای-۵ کمرشل ایریا
ناظم آباد، کراچی نمبر ۸ (پاکستان)

عزیز محترم المقام زاد اللہ درجاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کتاب سلوک سلیمانی موصول ہوئی دل مسرور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرماویں۔ آپ نے بڑا مبارک کام سرانجام دیا۔ انشاء اللہ اہل ذوق۔ اہل فہم حضرات کو اس کا مطالعہ بہت نافع ہوگا۔ میرے دل میں جو محبت کے نقوش سلیمانی عرصہ سے دبے ہوئے تھے دفعتہً اُبھر آئے اور میرے تخیل و تصور میں بڑا کیف و سرور پیدا ہوگیا۔ حضرت سید صاحب قدس سرہٗ العزیز کا تعلق محبت میرے ساتھ بڑا گہرا تھا۔ جو میرے لئے سرمایہ ناز و وسیلہ نجات ہے۔ انشاء اللہ۔

میری بینائی میں عرصہ سے موتیا بند کا اثر ہے، بہت دھندلا پن ہے۔ پڑھنے لکھنے میں تکلف ہوتا ہے۔ با این ہمہ سلوک سلیمانی کے حرف حرف میں ایسی جاذبیت معلوم ہوتی ہے کہ کتاب چھوڑنے کو جی نہیں مانتا۔

آپ نے مجھے یاد فرمایا۔ اور ہدیہ محبت عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمادیں۔ آمین

مجھے خیال آتا ہے کہ جن رسالوں میں حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی حضرت شیخ قدس سرہ العزیز سے مکاتبت شائع ہوئی ہے۔ وہ یکجائی رسالے آپکی فرمائش پر میں نے روانہ کیئے ہیں۔ اگر ان سے فراغت ہوگئی ہو تو واپس کردیتے جائیں

تقریظ کیلئے یہ کتاب ایسی ہے کہ جس کو بھی طریقت و تعلق مع اللہ کے حصول کا خیال ہو وہ لفظاً لفظاً اس کا مطالعہ کرے اور تجدد و استحضار کے لئے برابر مطالعہ کرتا رہے۔

احقر محمد عبدالحی عفی عنہ

۲۶ ذی الحجہ ۸۹ھ

۵ مارچ ۱۹۷۰ء

مکتوب ۔ ۲

۵-۶-۹۲ھ ۷۸۶
۱۹-۶-۷۲ء

محب محترم المقام زید مجدکم فی اللہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ ملا۔ حاجی عبدالسمیع صاحب سلمہ
کے پاس بھی آپ کا خط آیا تھا۔ بندہ نے توکلاً علی اللہ آپ کی دونوں
جلدیں سلوک سلیمانی کی ان کے حوالے کردی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ
کسی معتبر ذریعے سے آپ کو مل جائینگی۔
مجھے بہت شرمندگی ہے۔ کہ کتابوں کے مطالعہ میں بہت نامناسب تاخیر
ہوئی مگر میں اس معاملہ میں آپ کے صبر وتحمل کا بہت ممنون ہوں۔ اور
میرے قلب پر آپکے خلوص ومحبت کا بہت زیادہ اثر ہے۔ کہ آپ
نے کنایتاً بھی کبھی اس کے متعلق یاد دہانی نہیں کی۔ اور میرا ذوق یہ تھا۔ کہ
میں اس کتاب کا ایک ایک لفظ مطالعہ کروں۔ کسی طرح ناتمام مطالعہ پر دل
راضی نہ ہوتا تھا۔ جتنا پڑھتا جاتا تھا۔ شوق اور زیادہ شدید ہوتا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی

خیال تھا کہ ایسی نادر معلومات اور تحقیقات اور پھر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت علامہ سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلقات کے حالات اس وقت جو مطالعہ کرنے کا موقعہ مل رہا ہے۔ پھر ملے یا نہ ملے۔ اور نہ ملنے کا امکان زیادہ ہی تھا۔ اس لیئے کہ صحت کی خرابی، مشاغل کی زیادتی، ضعف دل و دماغ، سب روزافزوں ہیں۔ اس لئے بہت اطمینان سے اور توجہ غائر سے مطالعہ لفظاً لفظاً جاری رکھا۔ اس میں بہت بہت وقفہ کیلئے ناغہ بھی ہوتا رہا۔ بہرحال جب ختم کرچکا تو پھر جی چاہا کہ ایک سرسری مطالعہ کرڈالوں۔ مگر اس کیلئے خوف تھا کہ اس قدر تاخیر ہوچکی ہے کہ مزید تاخیر کہیں گرانی طبع آن محترم نہ ہو۔ اس لئے اس کو واپس کرنا ہی مناسب سمجھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور آپ کی ان مساعی کو مشکور و شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

آپ نے جو کچھ لکھا ہے۔ بڑی کاوش و دماغ سوزی اور بہت ہی غائر مطالعہ اور دقیق نظری کے ساتھ لکھا ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی قدر اُن لوگوں کو ہوگی جن کو سلوک وطریقت کی تشنگی ہو۔ یا جن کو حقائق و معارف و تصوف کا ذوق صحیح ہو اس میں مضامین تصوف بڑی جامعیت اور نافعیت کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور پھر مکاتیب حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت علامہ سید صاحب رحمہ اللہ سے تمام باطنی مقامات اور احوال کی سیر حاصل تشریح و وضاحت کی گئی ہے جس سے کتاب کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ میں تو اپنے لئے اسی قدر عرض کرسکتا ہوں۔ کہ مجھے تو اس کے مطالعہ سے بے حد نفع ہوا۔ جی چاہتا تھا کہ تمام مضامین دل و دماغ میں جذب کرلوں۔ اور اپنی روح کو ان کے کیف سے

مسرور ومخمور کرلوں۔ کاش مجھ میں اسکی صلاحیت واستعداد ہوتی بہرحال اس کے مطالعہ کا اثر رگ وپے میں جاری وساری محسوس کرتا ہوں۔ اور آپ کے اس کارنامہ پر جو میری نظر میں علوم وفنونِ تصوف کا ایک یادگار شاہکار ہے۔ دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ظاہر وباطن کو اس تالیف کی تجلیات وانوار روحانی سے مجلّیٰ ومتنوّر فرماویں۔ آمین ثم آمین

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں اس تالیف کیلئے کوئی تقریظ لکھ دوں۔ اس ناکارہ کے ساتھ یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تو اس قسم کی ہر استعداد سے بالکل عاری ہوں۔ اس مہتم بالشان تالیف کے لئے میں کچھ عرض کرنا بھی اس کے مرتبہ کے لئے سوء ادب سمجھتا ہوں۔ پھر اب ضعف دل و دماغ کی وجہ سے اور فقدان جذبات کی وجہ سے قوت اظہار سے بھی محروم ہوں اگر کبھی کچھ توفیق ہوئی تو انشاء اللہ اس سعادت کے حاصل کرنے کی بھی کوشش کرونگا۔ ورنہ اپنی مجبوریوں اور نااہلیت کیلئے معذرت خواہ ہوں۔ اور دعائے خیر کیلئے عاجزانہ مستدعی ہوں۔ فقط والسلام

احقر محمد عبد الحئی عفی عنہ

لکھنؤ

۲۹ اپریل ۷۱ء

محب گرامی منزلت زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

عنایت نامہ مورخہ ۱۸ر صفر ایک سفر سے واپسی پر ملا۔ آپ کے بخیریت اپنے مستقر پر واپس آنے سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حج وزیارت قبول فرمائے۔ اور جو دعائیں آپ نے اس ناچیز کے حق میں کی ہیں انکی بہترین جزا عطا فرماتے۔

کتاب کا پیش لفظ ارسال کررہا ہوں۔ نقل کر کے رکھ لیا ہے خدا کرے آپ بخیر ہوں۔

والسلام۔

ابوالحسن علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از فرید العصر و مونس ملت حضرت علامہ ابوالحسن علی الندوی دامت برکاتہ

ناچیز راقم سطور کیلئے محب گرامی مولانا محمد اشرف خان صاحب ایم۔ اے (صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج پشاور) کی گرانمایہ تصنیف "شاہراہ معرفت یا سلوک سلیمانی" کے متعلق اظہار خیال کرنا کئی طرح سے سعادت و مسرت کی بات ہے۔ ایک تو موضوع کی اہمیت اور مقصد کی عظمت کے لحاظ سے کہ اس میں قلیل سے قلیل اور برائے نام حصہ لینا بھی ایک ایسے شخص کیلئے سعادت کی بات ہے جو اس "طب نبوی" کو مسلمانوں کی موجودہ مریض نسل کے لئے آب حیات و داروئے شفا سمجھتا ہے، دوسرے اس لحاظ سے کہ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی تحقیقات، اصلاح و تربیت کے اصول اور تعلیم و افادہ کی روشنی میں مرتب ہوئی ہے۔ جس سے اسکی حقیر ذات اور اس ادارہ کا جس سے اس کا انتساب ہے نہایت گہرے مخلصانہ اور نیازمندانہ تعلقات ہیں، میری مراد حضرۃ الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے ہے جن کا تعلق ندوۃ العلماء اور اس کے فرزندوں سے مربیانہ اور سرپرستانہ رہا ہے۔ اور جو اسکے منتسبین کیلئے فخر و نازش کا سب سے بڑا سرمایہ اور عزت و توقیر کا باعث ہیں۔

راقم کے خیال میں دو علم ایسے ہیں جن کی تجدید ہر زمانہ میں اور ہر نسل کیلئے ضروری ہے، وہ کبھی نئے تجربوں، زمانہ اور ماحول کی رعایت، طبیعتوں اور مزاجوں کے تغیر کی دیکھ بھال اور لحاظ اور زندگی سے بار بار رشتہ قائم کرنے سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ ایک طب اجسام کا علم اور ایک طب قلوب کا علم یا دوسرے لفظوں میں ایک معالجۂ جسمانی، دوسرے معالجۂ روحانی کا علم، پہلے علم کا عرفی اور مشہور نام طب و حکمت (میڈیسن) ہے۔ اور دوسرے کا عرصہ سے تصوف نام پڑ گیا ہے، حالانکہ اس کا قرآنی نام تزکیہ (ویزکیہم) اور حدیث و سنت کی اصطلاح "احسان" ہے (ما الاحسان قال، ان تعبد اللہ کانک تراہ) اور بہت اچھا ہوتا کہ یہ علم انہیں دو ناموں سے موسوم ہوتا کہ بہت سے تنازعے اور شکوک و شبہات اسی سے ختم ہو جاتے اور بہت سی صلاحیت اور وقت ضائع ہونے سے بچ جاتا، بہرحال جیسا کہ خود حضرت سید صاحب نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"اصطلاحات تنازعہ کی چیز نہیں، اور ناموں کے اختلاف سے حقیقت نہیں بدلتی"

چنانچہ ان دونوں علوم میں تجدید کا جو عمل جاری رہا اور جس طرح ان کے ماہرین نے زمانہ کے تغیرات، ملک و قوم کے تنوعات، موسموں اور آب و ہوا کی تبدیلی، طبیعتوں اور مزاجوں کے فرق کی رعایت کی وہ ان دونوں علوم کی عہد بعہد کی کتابوں اور ان کی تاریخ سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور جب تک یہ علوم یکسر اپنی افادیت، اور ان کے حاملین اپنی صلاحیت نہیں کھو دیتے جاری رہے گا۔

اسی طرح سے ان دونوں علوم میں ایک اور حقیقت مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان دونوں علوم میں اجتہاد سے چارہ نہیں، ہر جسمانی معالج اور ماہر فن کو کسی نہ کسی درجہ میں اجتہاد سے کام لینا اور اپنے فن کی شاہراہِ عام سے اور اُس کے عام ضوابط ذکلیات سے آزاد ہونا پڑتا ہے۔ اور بعض مرتبہ "عام قانون" سے ہٹنے کا خطرہ تک مول لینا پڑتا ہے۔ اس کے بغیر وہ بعض مزمن امراض کا علاج اور بعض جاں بلب مریضوں کی مسیحائی کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ یہی حال اخلاقی و روحانی معالج کا ہے کہ وہ مقلد محض بن کر مختلف الطبائع اور متنوع اور مختلف المزاج مریضوں اور پیچیدہ امراض کا علاج نہیں کر سکتا اور اس کو بار بار اپنے فن اور اس کے پیشواؤں کی نپی تلی راہ سے اپنا اور اپنی خداداد ذہانت اور اس فراست ایمانی سے جس میں بصیرت احسانی بھی شامل ہو گئی ہے، نیا نسخہ تجویز کرنا اور نیا مرکب تیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ بعض اوقات اس فن کے مبتدیوں اور سطحی النظر لوگوں کو علاج بالمثل یا علاج بالسمیات نظر آتا ہے۔ لیکن وہ اُن مریضوں کے حق میں نوشدارو اور آب حیات بن جاتا ہے۔

طب قلوب و ارواح یا "فقہ باطن" یا تزکیہ و احسان کا یہ علم جس کو ہم مجبوراً تصوف کہتے ہیں۔ تجدید و ارتقا کے منازل سے برابر گذرتا رہا اور ہر دور میں اس میں اجتہادی شان بلکہ انقلابی فکر نظر آتی رہی، سیدنا عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بہاؤالدین نقشبند اور شیخ شہاب الدین سہروردی اپنے اپنے دور کے امام اور اس فن کے مجتہد مطلق تھے۔ ان کے بعد ہر ایک کے سلسلہ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجدد و مجتہد پیدا ہوتے رہے۔

جن کے ناموں اور کارناموں کی تفصیل اس علم کی مفصل تاریخ کا موضوع ہے، اور اس مختصر مضمون میں اجمالی طور پر بھی اس کا تذکرہ ممکن نہیں، اس سلسلہ میں امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، حضرت سید آدم بنوری، حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ غلام علی اور دور آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا نام اس حیثیت سے لینا ضروری ہے کہ انھوں نے اپنے اپنے دور میں مقاصد کیلئے وسائل کے انتخاب، اجزاء سلوک میں حذف و اختصار اور اس کو موثر و سہل بنانے اور مختلف تجربات کو باہم ملانے میں نمایاں اجتہاد سے کام لیا،

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک طلائی کڑی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی ذات تھی، وہ ایک طرف علوم دینیہ کے ایک متبحر اور راسخ العلم عالم تھے، دوسری طرف اُن کو ایسا زمانہ ملا جو نئے نئے تمدنی مسائل و مشکلات سے گرانبار تھا، زندگی کی مصروفیتیں بہت بڑھ گئی تھیں، قوائے جسمانی اور طبیعتیں کمزور اور سہولت پسند واقع ہوئی تھیں اور اس سب پر مستزاد یہ کہ تصوف اور سلوک سے ایک طرح کی وحشت اور خوف اور بعض تعلیم یافتہ طبقوں میں انکار کا رجحان پایا جاتا تھا۔ اس سب کا تقاضہ تھا کہ جو شخص اس زمانہ میں اصلاح و تربیت اور اس "طب نبوی" کی اشاعت و حفاظت کیلئے منتخب ہو وہ ان تمام حقائق سے واقف اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ اپنی مجتہدانہ صلاحیت سے اس علاج و معالجہ کو سہل، عمومی، ہر طبقہ کیلئے قابل عمل اور باعث کشش بنا دے اور اس میں

ایک ایسی نئی روح پھونک دے کہ اسکا "مطب" مرجع خاص و عام بن جائے اور وہاں صرف دوا سے نہیں بلکہ غذا سے بھی، شدید پرہیز نہیں بلکہ وسعت و رعایت سے بھی اور قیمتی مرکبات سے نہیں بلکہ روزمرہ کے مفردات اور پیش پا افتادہ چیزوں سے بھی پیچیدہ امراض کا علاج ہوتا ہو، اس کو انسانی نفسیات و طبائع اور مرض و مریض کے تغیرات کا ایسا وسیع علم اور تشخیص و تجویز کا ایسا ملکۂ راسخہ عطا ہو کہ وہ چٹکلوں اور چنکوں میں بڑے بڑے مریضوں کا علاج کردیتا ہو، یہ حکیم الامت کے مطب کی خصوصیات ہیں جن کی تصدیق تربیتہ السالک، امداد السلوک وغیرہ کے صفحات اور حکیم الامت کے مکتوبات سے بخوبی ہوسکتی ہے،

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت و رحمت کا کرشمہ تھا کہ حضرت مرحوم کو اپنے آخری دور میں دو ایسے شارح و ترجمان اور اُن کے طریقۂ علاج اور اُن کے ذوق و مزاج کے دو ایسے رمز شناس ملے جنہوں نے حضرت کے مضامین عالیہ اور نکات و تحقیقات کو اس دور کی نئی زبان اور علمی و ادبی پیرایۂ بیان میں ادا کرنے کی خدمت انجام دی اور اسکو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کیلئے زیادہ قابل فہم اور قابل استفادہ بنادیا اس حیثیت سے بھی مولانا مرحوم اپنے معاصرین میں امتیازی شان رکھتے ہیں کہ ان کو ایسے بنے بنائے، کہنہ مشق اور صاحب طرز مصنف و اہل قلم مل گئے جو قسمت ہی سے کسی کو ہاتھ آتے ہیں، میری مراد مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی سے ہے۔ اول الذکر نے تجدید تصوف و سلوک کی کتابیں لکھ کر اور ثانی الذکر نے اپنے مکاتیب اصلاح و تربیت

اور چند نہایت باصلاحیت صاحب قلم اور مخلص مریدوں کو تیار کر کے (جن میں مولوی غلام محمد صاحب حیدر آبادی بی۔ اے اور اس کتاب کے مصنف مولانا محمد اشرف خانصاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں)۔ مولانا کے اس طرز اصلاح اور تجدید تصوف وسلوک کو اور زیادہ مقبول و وسیع بنا دیا۔ نئی تعلیم یافتہ اور علمی و ادبی ذوق رکھنے والی نسل کو ان بلند وعمیق مضامین ومقاصد سے مانوس کرنے میں مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کے مضامین اور انکی کتاب "حکیم الامت" (نقوش وتاثرات) کا بھی بڑا حصّہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے خاص بندوں کے ساتھ معاملہ عجیب وغریب ہے حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہت آخر میں اور جیسا کہ اُنھوں نے اپنے شعر میں کہا ہے کہ بہت دیر سے اور بہت دور سے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے تھے۔ لیکن یہ دوری اور دیر حاضری اُن کے حق میں ذریعہ بعد نہیں، بلکہ ذریعہ قرب اور وسیلۂ محبوبیت ثابت ہوئی وہ خلوص وطلب کی جو گرمی، طبیعت کی بے چینی اور روح وقلب کی تشنگی لیکر گئے تھے۔ اُس نے سالوں اور مہینوں کی مسافت ہفتوں اور دنوں میں طے کرادی اور اُنہوں نے صحبت شیخ میں محبت و فنائیت کے "رطل گراں" نوش کئے اور بہت جلد شیخ کی طرف سے اعتماد و استناد کا وہ تمغہ پایا جس کے انتظار میں لوگ مدتوں رہا کرتے ہیں اور بڑے بڑے ہفتخواں طے کرتے ہیں اور شیخ نے اُن کی مدح وتوصیف اور تصدیق وتوثیق میں ایسے اشعار کہے جو ہر مرید کے لئے قابل صد ہزار نازش وافتخار ہو سکتے ہیں، "وذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء" پھر یہ کہ ان کو اپنے شیخ کے بعد اُن کے علوم وافادات کی اشاعت

کے لئے جو زمانہ ملا وہ اُن کی عمر کے لحاظ سے بھی اور ہندوستان کے حالات کے لحاظ سے بھی بہت نازک دور اور انتشار کا زمانہ تھا۔ وہ پاکستان پہنچے تو نہایت دل شکستہ اور افسردہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ اُن کو مولانا محمد اشرف خان صاحب کی صورت میں ایک ایسا مرید رشید اور عاشق صادق عطا فرما دیا جو اسی طرح سے اُن کے علوم و افادات کا شارح اور اُن کے طریقۂ تربیت کا حامل بن گیا۔ جیسے وہ اپنے شیخ اشرف کے علوم و افادات کے شارح اور اُن کے طریقۂ اصلاح و تربیت کے حامل تھے اور اس کا نمونہ یہ کتاب ہے جو اپنے ابتداء و انتہا کے لحاظ سے "صحیفۂ اشرفی" اور اپنے وسط اور واسطہ کے لحاظ سے "صحیفہ سلیمانی" کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کتاب کا تانا بانا حضرت سید صاحب کے خطوط کے اقتباسات اُن کی مجلس کے افادات اور اُن کی تصنیفات کے منتخب مضامین سے تیار ہوا ہے، اب وہ دورِ حاضر کے لئے تصوف کے تعارف کا ایک ایسا ذریعہ بن گئی ہے جس سے ان ذہنوں کی تشفی کی بھی اُمید ہے جن کو تصوف کے منہاج نبوی سے منحرف ہونے کا بار بار شبہ ہوتا ہے۔ اور وہ قدیم اصطلاحات اور تصوف و سلوک کی پرانی "ٹیکنک" سے متوحش ہیں، ساتھ ہی ساتھ اسکو مولانا اشرف خان صاحب کا فطری جوہر کہیے یا سید صاحب کی ارادت و صحبت کا فیض کہ تحریر کی شگفتگی اور شیرینی کہیں ساتھ نہیں چھوڑتی، یہ دراصل علامہ شبلی کی وہ میراث ہے جس سے نہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی اپنی کامل اشرفیت و تقشف کے باوجود۔ آزاد ہوسکے اور نہ سید صاحب اپنی کامل فنائیت اور طبیعت کی افسردگی کے باوجود۔

ـــ اس طرح اُمید ہے کہ یہ کتاب ایک بڑے طبقہ کیلئے قابل مطالعہ و استفادہ ہوگی اور وہ اسکو دلچسپی کے ساتھ پڑھے گا۔ جو تصوف و حقائق کی عام کتابوں کے پڑھنے سے گھبراتا ہے اور اُن کی زبان اور طرز بیان سے مانوس نہیں، اس کیلئے یہ بات بھی موجب اطمینان ہے کہ اس کتاب کا مصنف اسی نسل اُسی طبقہ اُسی ماحول سے تعلق رکھتا ہے جس سے اُس کا تعلق ہے اور نہ صرف تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ اپنی ممتاز علمی صلاحیتوں اپنے طویل تعلیمی تجربے اور علمی و تصنیفی ذوق کے لحاظ سے ایک بلند مقام پر فائز ہے، خدا سے دعا ہے کہ اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور اس کو حضرت سید صاحبؒ کے باقیات صالحات اور مصنف کے فضائل و قربات میں شامل فرمائے۔

ابوالحسن علی ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۹ اپریل ۱۹۷۱ء

مُقدّمہ

محقق شہیر، فاضلِ کبیر، متکلّمِ عصر، شیخِ وقت حضرت سیّد الملۃ علاّمہ سیّد سلیمان ندوی قُدّس سرّہٗ ان نادرۂ روزگار ہستیوں میں سے تھے، جو قرنوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ان کی آمد عالم کے لیے بہارِ تازہ کا پیغام لاتی ہے۔

سالہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

ان کا وجود اپنے گوناگوں فضائل و کمالات، جامعیّت و برکات، علومِ و معارف، خدماتِ دینی و ملّی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک مستقل نشانی، اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجازِ خاص تھا۔ آپ کی جلالتِ شان، عظمتِ دینی، فضیلتِ علمی، نزہتِ اخلاقی، رفعتِ عرفانی اور خدمتِ ملّی سے کون ناواقف ہے، عصرِ حاضر میں جامعیتِ علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔

علوم اسلامیہ کی جوئے شیر[1] کا یہ فرہاد، نہ صرف خالص دینی علوم قرآن و تفسیر حدیث و فقہ تصوّف و کلام اور سیرت میں امامت و سیادت کا مقام رکھتا تھا بلکہ اس کی ہمہ گیری قدیم معقولات کے دفتر اور جدید معاشرتی و نظری علوم

---

[1] علامہ اقبال نے اپنے ایک مکتوب میں سیّد صاحب کو لکھا تھا علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔ اقبال نامہ ج ۱ ص ۱۶۷، ۱۲۰

کے معتد بہ حصّہ کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہُوئے تھی ۔ وہ تاریخ اسلامی و علوم ملّی کے دقیقہ رس، باریک بین، رمز آشنا اور وسیع النظر مورخ تھے، علوم و فنون اسلامیہ کے گوشے گوشے پر ان کی گہری نگاہ، اور ان کی ارتقائی منازل و تاریخی مدارج پر عمیق نظر تھی، مختلف ادیان و ملل کی تاریخ پر ان کی محرمانہ نگاہ تھی، اسلامی تاریخ پر وہ حجت تھے، قرآنی علوم پر انکا مطالعہ انتہائی وسیع گہرا متنوع اور اچھوتا تھا۔ وہ ایک ناقد، بصیر اور متبحر محدث تھے، علوم حدیث کی جملہ شاخوں علل و اسماء و رجال وغیرہ پر ان کی عمیق نظر تھی، فقہ اسلامی کے مختلف مسالک و مذاہب کا علم و فہم حیرت انگیز تھا۔

آپ بے مثل و یگانہ سیرت نگار تھے۔ فن سیرت نے ان سے جلا پائی، اور ان کے جواہر سیرت پاک سے چمکے۔ وہ اس فن کے مسلّم امام و مجتہد تھے، آپ نے سیرت کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، سوانح اور کام و پیام و تعلیمات اسلامی کا دائرۃ المعارف بنا دیا۔ اور اس شرف میں پوری تاریخ اسلامی میں ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ

سید الملۃ متکلم وقت تھے۔ اور عصر حاضر کے پر شور و پرکار، دور رس و جہانگیر فتنہ مغرب کے دقیقہ رس ناقد، اور اس کے عمیق و دقیق علمی و استشراقی ذہنی و سیاسی، دجل و فریب کے رمز آشنا مبصر، دار المصنفین کے اس زاویہ نشین درویش نے اسلام پر تاریخ کے سب سے زیادہ کاری و موثر حملوں کا جواب جس بے جگری، جرأت و ہمت، دانشوری و حکمت، سنجیدگی و دانائی گہراؤ اور بصیرت کے ساتھ دیا: اور اسلام کے عقائد و اقدار اور علوم کی حفاظت کی، اس کی نظیر پورے عالم اسلامی میں نہیں ملتی۔

سلیمانؒ وقت کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی وہ علمی و تحقیقی و نظری فتوحات ہیں، جس نے فریب دانشِ حاضر کے تار و پو کو بکھیر کر رکھ دیا اور مسلمانوں کی متزلزل علمی صفوں کو ثبات بخشا اور اسلام کے درخشندہ چہرہ سے گرد و غبار کے تو بر تو پردوں کو ہٹا کر ان کی تابشوں سے زمان و مکان کے لیے روشنی کا سامان بہم پہنچایا۔ ایک دور افتادہ بستی کے ایک معمولی جھونپڑے (دار المصنفین) کو اسلامی علوم و معارف، فکر و دانش اور دین خالص کا مرکز اور سلف صالحین کے نظریات و مسلک کا اعظم گڈھ، مضبوط قلعہ (حصن حصین) بنادیا جو سلیمانی عَلَم کے زیر سایہ اسلامی علوم و فنون کی برسہا برس تک بے لوث و متحیر کن خدمات بجالاتا رہا، جس کی تحقیقی و علمی عظمت و شوکت کا اعتراف یگانوں اور بیگانوں نے برملا کیا،

سیّد صاحب زباندان تھے۔ عربی و فارسی کے وہ متبحر عالم تھے، اُردُو کے بلند پایہ صاحب طرز ادیب اور سید المصنفین تھے۔ عبرانی انھوں نے سیکھی تھی، انگریزی وہ اچھی طرح پڑھ اور سمجھ لیتے تھے۔ فرانسیسی سے (بقول مسعود عالم مرحوم) وہ آشنا تھے، ان کی عربی سلاست، بے ساختگی و برنائی میں سہل ممتنع کا حکم رکھتی تھی۔

وہ شاعر تھے، اور اُردُو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔ وہ مدیر تھے اور ان کی ادارت نے مختلف ادوار میں الندوہ، الہلال، اور معارف جیسے بلند پایہ اور عہد آفریں رسائل کو علوم و معارف، تحقیق و دانش کے گوناگوں افادات سے منوّر کیا، اور بدر کامل و مہر منیر بنایا، جس کے اثرات

برصغیر ہند و پاک کی علمی و ادبی تاریخ پر انمٹ اور دائمی ہیں۔ ان کی پچاس سالہ تصنیفی زندگی نہ صرف بلند پایہ محققانہ مستقل تصانیف پر مشتمل ہے بلکہ انہوں نے سیکڑوں علمی و تحقیقی، دینی و ادبی، لسانی و تاریخی مقالات لکھے، خطبات پڑھے مقدمات ترتیب دیے۔ جن میں سے ہر ایک مستقل علمی کارنامہ اور حکمت و دانش دقت نظری، دقیقہ رسی، گہراؤ و گیراؤ اور معلومات کا بیش بہا گنجینہ ہے۔ وہ پیدائشی صوفی تھے، بچپن میں اپنے بڑے بھائی سے اکتساب فیض کیا اور آخری عمر میں شیخ الکل مجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق کے بعد یہ باطنی نور شعلۂ طور بن کر چمکا، اور اس کی ضیا پاشیوں سے بزم سلوک مطلع انوار تھی۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

غرض سید الملۃ، علم و دانش کے اس مقام پر فائز تھے، جس کا تصور بھی بہت سے دانشوروں کی ذہنی دسترس سے بالا ہے، تحقیق و جامعیت اور وسعت و عمق علوم میں پورے عالم اسلامی میں ان کی نظیر نہیں تھی۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے ہمہ جہتی عالم تھے۔ اس صدی کے عظیم مفکر و حکیم شاعر علامہ اقبال مرحوم نے سچ کہا ہے۔

"آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں، وہ عالم ہی نہیں، امیر العلماء ہیں، مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں، ان کا وجود علم و فضل کا ایک بہتا دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں، اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔"

ان کے محبوب شاگرد سید مسعود عالم ندوی مرحوم لکھتے ہیں :-

" سید صاحب کا علمی مقام بلند تھا اتنا بلند کہ وہاں تک بہتوں کا طائرِ خیال بھی پرواز نہ کر سکے ۔ ان کی جامعیت تو اس دور میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ میری نگاہ میں اس دور کے تمام اہل علم و اہل نظر ہیں۔ صرف ہندوستان کے نہیں بلکہ دوسرے مسلمان ملکوں کے بھی، اگر یہ واقعہ ہے کہ کوئی شخصیت علم و فن کے گوناگوں شعبوں کی ایسی جامع نظر نہیں آتی " (ماہنامہ چراغ راہ اپریل ۱۹۵۴ء)

مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی اپنے فقید المثال استاذ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :-

" اس دور میں وہ جامعیت علوم کی تنہا مثال تھے ، ان میں ابن رشد و ابن خلدون ، ابن تیمیہؒ ، ابن قیمؒ ، غزالیؒ و رومیؒ ، شاہ ولی اللہؒ و مجدد سرہندیؒ کے کے علمی جلووں کی جھلک یکجا نظر آئی تھی ، اس لیے ان کی تحریروں سے مسلمانوں کو جس قدر فیض پہنچا ، اس کی مثال اس زمانہ میں کمتر ملے گی " (معارف سلیمان نمبر)

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں :-

" حسب نسب ، علم و فضل ، اخلاق و عادات خدمتِ ملک و ملت کے اعتبار سے سید صاحب کا درجہ بہت اونچا اور پورے طور پر مسلم ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں ، سید صاحب کی تعلیم و تربیت پرانے استادوں اور بزرگوں کے سایۂ شفقت اور پرانی فضاؤں میں ہوئی تھی۔ جدید علوم و فنون سے براہ راست انہوں نے کسی سے استفادہ نہیں کیا تھا ۔ لیکن نئے افکار اور نئے طور طریقوں سے انہوں نے اپنے آپ کو اس خوبی اور خاموشی سے آشنا کر لیا تھا کہ وہ کہیں اجنبی نہیں معلوم

ہوتے تھے۔ چاہے وہ اہل علم کا طبقہ ہو، چاہے ارباب سیاست کی مجلس، خواہ طالب علموں کی جماعت ہو، خواہ عامۃ الناس کا اجتماع، جدید افکار و رجحانات سے کوئی کتنا ہی آشنا کیوں نہ ہوتا، سید صاحب سے تبادلۂ خیالات کرنے میں اسے کبھی یہ محسوس نہ ہوتا، کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جس کی معلومات روائتی ہیں، یا جس کا ذہن بندھے ٹکے خانوں میں اسیر ہے یا جس کے فکر و نظر کا دائرہ تنگ ہے۔ علی گڑھ میں جدید ترین افکار و اطوار سے مسلح اور مرصع نوجوانوں کو میں نے دیکھا کہ خالص علمی اور ذہنی سطح پر مولانا کی ہم سری نہ کر سکتے تھے، اور ہمیشہ یہ ہوا کہ وہ سیدؒ صاحب سے کچھ سیکھ کر ہی واپس گئے۔" (معارف سلیمان نمبر)

اس علمی شغف و اشتغال اور عرفانی مزیت و کمال نے سید الملۃ کو ملی خدمات کے علمی میدان سے یکسو نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ اس جواں ہمت اور نادرۂ روزگار بطل جلیل کا میدان تگ و تاز ہند سے برطانیہ و فرانس کے استعماری ایوانوں تک اور گنگا و جمنا تاپتی و کاویری کے کناروں سے رودِ قلزم بحیرہ روم اور بحر ظلمات کے ساحل تک محیط تھا۔

مسجد کانپور کا خونچکاں، مشہد اکبر، اس کے اشہب قلم کا انتہائی کارنامہ نہ تھا بلکہ اس کا رہوار عزم مسجد اقصیٰ، بیت الحرام اور حرم نبوی کی حرمت کے لیے عرب و عجم، ہند و یورپ میں پیہم رواں دواں رہا۔ خلافت اسلامیہ کے سقوط و الغا سے عالم اسلام پر جو دور رس بپتا پڑی، اس کے مداوا کے لیے حضرت سلیمان ندویؒ کی علمی و عملی خدمات کسی سے کم نہیں، دینی تقاضوں اور ملی سرگرمیوں کے لیے ہمالیہ

کی ترائی اور بنگال و مدراس سے لے کر وہ افغانستان وحجاز، مصر و روم سوئزرلینڈ و اقصائے یورپ تک کے سفر کی صعوبتیں جھیلتے رہے۔ بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں میں برصغیر ہند و پاک میں شاید ہی مسلمانوں کی کوئی مفید علمی و دینی، سیاسی و ملکی ادبی و ذہنی تحریک اُٹھی ہو جس میں سید صاحبؒ کی رہنمائی و اشتراک کا حصہ کسی نہ کسی صورت میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس وجہ سے بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی اُن کی علمی، مذہبی، قومی، تہذیبی خدمات اس صدی میں اتنی زیادہ اور اتنی گرانمایہ تھیں کہ کسی ایک شخص کی نہ تھیں" (معارف سلیمان نمبر)

حضرت سید الملۃؒ کی مختلف الجہات اور بوقلموں خدمات کا اندازہ ان کے چالیس سالہ صدیق حمیم و رفیق قدیم صاحب صدق مخدومی حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ کی مندرجہ ذیل عبارات سے کیجئے۔

"سید الملۃ محض ایک صوفی صافی اور مرشد طریقت کب تھے، دنیا کے سامنے تو وہ ۴۰، ۵۰ سال تک بیسیوں مختلف حیثیتوں سے پیش ہوتے رہے، ایک عالم دین، ایک مورخ، ایک مقرر و خطیب، ایک ادیب، ایک مناظر، ایک معلم و مدرس، ایک سیاسی و ملی کارکن، ایک معزز روزنامہ کے ایڈیٹر، ایک بڑی دینی درسگاہ کے ناظم، ایک بڑے تصنیفی ادارہ کے روح رواں، ایک شاعر، ایک ناقد یونیورسٹیوں کے ممتحن، فلاں فلاں کمیٹیوں کے ممبر، فلاں مجلس کے صدر، فلاں کے سیکریٹری وغیرہ وغیرہ، اور پبلک مسائل پر ہزارہا فقرے ان کے قلم و زبان سے ادا ہوئے ہیں" (صدق جدید لکھنؤ ۸ جولائی ۱۹۶۰ء)

"سید صاحبؒ نرے صوفی صافی اور مرشد طریقت نہ تھے، ادیب، انشاپرداز،

خطیب، مناظر، ایڈیٹر، مورخ، مدرس معتمد دارالعلوم ندوہ، ناظم دارالمصنفین اور کتنی ہی کمیٹیوں اور مجلسوں کے صدر، ناظم و رکن رہ چکے تھے، اور یہ سلسلہ آخر تک بالکل منقطع نہیں ہوا تھا" (صدق جدید لکھنؤ ج۱۰ نمبر ۲۶)

غرض سید الملۃ اپنی ذات میں ایک دبستان، ایک انجمن، ایک امت اور ایک دور تھے، اور علم و عمل کے فضائل و کمالات کا حیرت انگیز و نادر مجموعہ اور نمونہ، وہ صرف مورّخ نہ تھے وہ خود تاریخ تھے، اور مسلمانان ہند و پاک کے پچھلے دور کی ایک عظیم ترین شخصیت —— ایک جامعہ علم، ایک دائرہ فضیلت، ایک مدرسۂ فکر ایک مرکز عرفان، ایک قندیلِ معرفت، ایک چراغ ہدایت، ایک مینار رشد و روحانیت

يُدِلُّ بِمَعْنًى وَّاحِدٍ كُلُّ فَاخِرٍ　　وَقَدْ جَمَعَ الرَّحْمٰنُ فِيْكَ الْمَعَانِيَا

وَلَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ　　اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

دودمان نبوّت کے اس گوہر شب چراغ اور نابغہ وقت کے علوم ظاہری اور ملکی و ملّی خدمات اس قدر تابندہ اور پرشکوہ تھیں کہ ان کی جلوہ سامانیوں میں ان کی شخصیت کا باطنی و روحانی پہلو نگاہوں سے مدتوں پوشیدہ رہا۔ اور حضرت سید الملۃ کے جواہر باطنیہ کے جمال و کمال کو عام لوگ نہ پا سکے۔ لیکن جو حضرات حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سیرت پاک اور بے داغ زندگی اور رجحان طبعی اور میلان قلبی سے واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اندر ہی اندر روحانیت کا شرارہ سلگ رہا ہے اور وہ عمر کی پختگی کے ساتھ روشن سے روشن تر ہوتا جاتا ہے، آخر وہ وقت آیا کہ ہر کہ ومہ نے دیکھا کہ عقل و دانش اور علم و حکمت کا امام عشق و محبت اور معرفت و عرفان کے مقام سیادت و قیادت

پر فائز تھا، اور بیک وقت علم و معرفت کی دونوں اقلیمیں اس کے زیر نگیں تھیں
بات یہ ہے کہ معرفت کا فطرتی جوہر جو ازل میں قلب سلیمانی میں ودیعت کر دیا گیا تھا[1] اس کی حفاظت و نگہبانی اور اس کے ظہور کے سامان حکمت الٰہی بتدریج کرتی رہی، اور آخر شس اس نور مبین نے عالم کو بقعہ نور بنا دیا۔

دیدمش خرم و خنداں قدح بادہ بدست   واندراں آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم ایں جام جہاں بین بتو کدام داد حکیم   گفت آں روز کہ ایں گنبد مینا می کرد

حضرت الشیخ قدس سرہ کے "سیر سلوک" کا "جو راستہ" مربی حقیقی نے ازل میں مقدر فرمایا تھا، عالم ناسوت میں اس کے ظہور کے جو نشانات ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید الملتؒ کے عارفانہ جوہر کی نگہبانی و حفاظت، تربیت و نشو و نما ہر دور میں کرائی جاتی رہی۔ معرفت کا جوہر پاک اندر ہی اندر اپنی ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔

شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا تعلق اس تدریجی ترقی کا منطقی اور فطرتی نکتۂ کمال تھا، جس نے اندرونی صلاحیتوں اور باطنی جواہر کو روز روشن

---

[1] ایمان و یقین کے خزینہ کا وہ جوہر پاک جسے توحید و معرفت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اس کا تخم روز الست میں ہی انسانی قلوب کی گہرائیوں کے سپرد کیا گیا تھا۔ ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص ۴۹۱) (توحید کی امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری ہے) اس حقیقت کی نبوی خبر ہے، یہی بیج بطن مادر میں سعادت کے نام سے جنین کی جبین کا نور بنتا ہے۔ اور عالم ناسوت میں اس کی روحانی استعدادوں کے فروغ کا ذریعہ ہوتا ہے، حکمت الٰہی جب چاہتی ہے انسانی دل کی اس ایمانی استعداد کو سنوارتی، نکھارتی ابھارتی اور چمکاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ ذرۂ نور آفتاب کامل بن کر نگاہوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ ——— (م-ا)

کی طرح سب پر ظاہر و نمایاں کردیا ؎

بادِ صبا ز حالم ناگہ نقاب برداشت   کَالشَّمْسِ فِیْ ضُحَاهَا تَطْلَعُ مِنَ الْغَمَامَہ
(حافظؒ)

اس اجمال کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے، اس میں پشت ہا پشت سے علم و حکمت کی فراوانی اور عرفانی ذوق و مزایا کی ارزانی تھی آپ کے والد ماجد جناب حکیم سیّد ابو الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بڑے بھائی حکیم ابو حبیب صاحب دونوں صاحبِ نسبت صوفی تھے، جن کا حلقہ ارشاد و تربیت قائم تھا، ان دونوں بزرگوں کی توجہات بچپن اور ابتدائے جوانی میں سیّد صاحب کی ظاہری تعلیم و تربیت کے علاوہ قلبی و باطنی صفائی و تزکیہ اور اصلاح کی طرف مبذول رہتی تھیں، سیّد الملّۃ اپنے آخری دور میں اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"میرے والد صاحب مرحوم ابو العلائی طریقہ کے شیخ تھے، اور بھائی مرحوم مجدّدی، حضرت شاہ ابو احمد صاحب بھوپالی کے مرید و خلیفہ تھے، بچپن میں ان دونوں بزرگوں نے اپنے حلقہ میں شامل کیا۔ والد صاحب ذکر جہری معروف کراتے تھے بھائی صاحب مرحوم توجہ دیتے تھے اور مراقبہ کراتے تھے، مگر بچپن تھا قدر اس نعمت کی نہ ہوئی۔"

لیکن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی شفقت و توجہ نے جس تخم معرفت کی آبیاری کی تھی، وہ ضائع نہیں ہوا اور اپنے وقت پر معرفت

کا یہ بیج شجرِ طیبہ بن کر اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ کا مصداق بنا، ابتدائی زندگی کا شررِ نور آخر میں چراغِ طور بن کر روشن ہُوا۔

حکیم سیّد ابو حبیبؒ صاحب کی تربیتی توجہ کا ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے حکیم صاحب اپنے گاؤں کی عورتوں کی اصلاح کی غرض سے ننھے سلیمانؒ سے تقویۃ الایمان کی قرأت کراتے اور پس پردہ خود بیٹھ کر اس کی تشریح و توضیح فرماتے جاتے اس طرح حضرت سیّد صاحب اپنے بھائی صاحب کی نقشبندی توجہات اور تقویۃ الایمان کی ایمانی قوّت سے فیض پاتے رہے اور بھائی کے اس حکیمانہ طرز نے سیّد صاحب کو عقائدِ حقہ اور ایمان کی وُہ پختگی بخشی جسے خیالات و افکار کا کوئی سیلاب بہا نہ سکا۔ سیّد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دینِ حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیاں آئیں، اور کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اُٹھے، مگر اس وقت جو باتیں جڑ پکڑ چکی تھیں اُن میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی علم کلام کے مسائل، اشاعرہ و معتزلہ کے نزاعات، غزالیؒ و رازیؒ و ابن رشدؒ کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گزرے مگر اسمٰعیل شہیدؒ کی تلقین بہر حال اپنی جگہ پر رہی۔"

اسی طرح بچپن میں مکتبی زندگی کا تقریباً ایک سال پھلواڑی شریف کی خانقاہ مجیبی میں گزرا، خانقاہ کے بزرگوں کے عرفانی و علمی نقوش حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اخّاذ طبیعت نے قبول کئے اور ان کا نقش انمٹ رہا حضرت سیّد صاحبؒ

اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :-

" پھلواڑی پٹنہ سے چند میل پچھم میں ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو صدیوں سے اس صوبہ کا علمی و مذہبی مرکز ہے یہاں خانقاہ مجیبی قائم ہے، جہاں ظاہر و باطن اور علم و عمل دونوں کے سرچشمے آکر ملتے ہیں، اس خانقاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت و طریقت دونوں کے جامع رہے ہیں یعنی ہر صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہیں، دستار فضیلت اور خرقہ مشیخت دونوں یہاں ایک جسم پر آراستہ رہے ہیں۔ اب دو پشتوں سے یہاں کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہو رہے ہیں۔ شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے ملفوظات میں اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے سفر بہار و بنگال میں اس خانقاہ میں قدم رنجہ فرمایا، سجادہ نشین حال حضرت مولانا محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ...... (سے) مجھ ہیچمدان کو گوناگوں تعلقات حاصل تھے۔ میرے والد مرحوم نے ان کے والد مرحوم کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ سے فیض ارادت و تکمیل باطن حاصل کی تھی۔ میرے والد مرحوم کی پیدائش ۱۲۵۶ھ میں ہوئی تھی اور اخذ فیض و استفادہ جوانی میں شروع کیا۔ جس کے

معنی یہ ہیں کہ اس واقعہ پر اسّی نوے برس گزر چکے ہیں۔ میرے بڑے بھائی مرحوم کی تعلیم کی تکمیل اور دستار بندی شاہ محی الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے ماموں مولانا شاہ عین الحق صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری میں ہوئی۔ میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی غالباً ۱۸۹۹ء میں والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ میں طالب العلم رہا..... اس وقت میری عربی کی ابتدائی کتابیں تھیں، مجھے خانقاہ میں خاص حضرت شاہ صاحبؒ کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام اور زیرِ درس کتابوں میں شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس نسبت پر فخر اور انہیں اس پر مُسرّت تھی۔ انہیں جب دیکھتا تھا، عہد اوّل یاد آجاتا تھا، اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی۔ افسوس کہ اس بزرگانہ تبسّم کا منظر اب ہمیشہ کے لیے آنکھوں سے پنہاں ہوگیا۔" (یادِ رفتگاں ۲۹۳-۲۹۴)

شاہ بدر الدین صاحب قدس سرہ کی وفات پر لکھا:-

خاکسار کو آغازِ عمر میں ۱۸۹۸ء میں پھلواری کی خانقاہ میں چند ماہ بسلسلۂ طلب علم والد ماجد مرحوم کے حسب ہدایت رہنے کا اتفاق ہوا تھا، اس وقت سے آخیر عمر تک اس ہیچمدان کے حال پر نظر عنایت تھی، کبھی کبھی مکرمت ناموں سے سرفراز فرماتے تھے تو اعزاخواں کے نام سے خطاب فرماتے۔" (یادِ رفتگاں صہ ۵۳)

حضرت سیّد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ جب ندوہ اور اپنے استاذ شبلی مرحوم کی

خدمت میں پہنچے تو ظاہراً گویہ چنگاری چھپ گئی، لیکن افسردہ کبھی نہیں ہوئی، اور ہر زمانے میں سید صاحبؒ صحیح اسلامی تصوّف پر قائم رہے چنانچہ سیّد صاحبؒ کے رفیق قدیم حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں۔ "صحیح اسلامی مسلکِ تصوّف پر تو سیّد صاحبؒ شروع ہی سے قائم تھے" اور فقیر سمجھتا ہے کہ حضرت سیّد صاحبؒ کا اسلام کے دفاع میں برسہا برس تک مخلصانہ قلمی اور علمی جہاد خود ایک ایسا مجاہدہ تھا جو ان کے لیے "سیرِ سلوک" کی ایک معنیٰ میں صنف بن چکا تھا چنانچہ بہت سے وہ حقائق و مسائل جو بعد میں جاکر حضرت مرشد تھانویؒ کے ہاں ملے۔ ان پر آپ اپنی راہ سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ مرشد تھانویؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"ان مواعظ (یعنی مواعظ اشرفیہ) میں عوام تو عوام اہل علم کے لیے بھی کیسی بصیرتیں ہیں۔ ان میں بہت سے ایسے نکات علمی ملے جن تک اپنی راہ پہلے گو پہنچ چکا تھا مگر اُن کو اِن تصانیف میں پڑھکر ذوق تازہ بہم پہنچا" (النور نمبر ۱ ج ۲۲)

سیرت النبیؐ کی ترتیب و تالیف نے حضرت والاؒ کے جواہر باطنیہ کو مزید جلا بخشی۔ سیرت کو اگر تعمق و غور پڑھا جائے تو صحیح اسلامی تصوّف کے علوم و معارف جگہ جگہ مل جائیں گے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مثلاً سیرت چہارم میں اللہ اور صفات باری تعالیٰ پر جو کچھ لکھا ہے اور جس تاثیر میں ڈوب کر لکھا ہے کوئی صوفی اس سے بہتر کیا لکھے گا۔ سیرت پنجم اور سیرت ششم تمامتر سلوک اسلامی کے علوم سے مملو ہیں۔

سلوک کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا جو نظریہ ۱۹۲۳ء و ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۹ء میں تھا، وہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کے بعد ۱۹۴۴ء میں بھی تھا اور ۱۹۵۲ء میں بھی تھا۔

جون ۱۹۲۳ء کے ایک مضمون میں ثابت کرتے ہیں کہ "اسلامی تصوّف کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔" (رسالہ معارف ص ۴۰۵)

مئی ۱۹۲۵ء میں حضرت مولانا دریابادی کی کتاب تصوّفِ اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے سلوک پر ایک فاضلانہ اور محرمانہ مقالہ سپردِ قلم کرتے ہیں اور تحریر فرماتے ہیں :-

"تصوّف سرتاپا عمل ہے اور قلب و روح کے علم و عمل اور مغز شریعت کی اصل تعلیم و تعمیل ہے۔" معارف $\frac{۳۹۴}{\text{نمبر ۵ ج ۱۵}}$

۱۹۲۹ء میں لکھتے ہیں :-

"حقیقی تصوّف جس کی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ اس کا نام احسان ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے وہ تو درحقیقت مذہب کی رُوح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔"

اس اقتباس سے ملتے جلتے الفاظ ۱۹۵۲ء میں ایک ناقد سائل کے جواب میں لکھتے ہیں

"..... حقیقی اور شرعی تصوّف جس کا صحیح نام احسان ہے روح دین اور جانِ ایمان ہے یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیہ قلب اور علم حصُول تقویٰ

کا نام ہے"۔

۱۹۴۴ء میں لکھتے ہیں :-

"علم سلوک و تصوّف روح شریعت کا نام ہے، جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے احکام الٰہی کی باخلاص تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے۔ دیگر ہیچ"

(معارف ج ۵۲ نمبر ۲ ۱۰۹-۱۰۷)

مقصد یہ ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ صحیح اسلامی تصوّف کے ہمیشہ قائل اور اس کی تعلیمات کی طرف مائل اور اس کی تاثیر کے گھائل رہے۔ لیکن اپنی ذات کے متعلق ان احوال و مسائل کا اظہار برملا نہ تھا بلکہ اخفا کو ترجیح دیتے تھے چنانچہ ۲ مئی ۱۹۳۰ء کے ایک گرامی نامے میں اپنے راز داں اور محبّ چچا سیّد عبدالحکیم صاحب کو لکھتے ہیں :-

"آپ بیتی کیفیت کا ایک زیر پردہ نظارہ باقی رہ گیا ہے روز بروز طبیعت کا رخ دوسری طرف ہو رہا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خط و کتابت جاری ہے۔ خدا جانے توفیق ملتی ہے یا نہیں۔ معیار اتنا بلند ہے کہ نظر کہیں کم جمتی ہے۔ بہرحال کچھ نہ کچھ راز و نیاز کا سلسلہ جاری ہے (یہ تمام راز ہے)"۔

حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سوز باطن تلاش شیخ میں برسوں مشغول رہا۔ آخر تقدیر الٰہی نے محقق عصر یگانہ روزگار سیرت نگار نبویؐ و جانشین شبلی کو جنیدِ وقت شیخ الکل حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے آستانۂ معرفت پر پہنچا دیا۔ یہ قران السعدین اتفاقی نہ تھا بلکہ علم و عمل کے مہر و ماہ کا اقتران مناسبت و یگانگت کی پوشیدہ ازلی حقیقت کا فطری ظہور تھا ؎

درخرابات مغاں ما نیز ہم منزل شویم
کایں چنیں رفت در عہد ازل تدبیر ما

"عالم ارواح" کی شناسائی و محبت "عالم ناسوت" میں باہمی کشش و اتحاد مذاق کا سبب بنتی ہے[1]۔ اور پہلی ہی ملاقات میں انسان ایک دوسرے سے ایسی یگانگت، محسوس کرتا ہے گویا برسوں سے ملاقات ہو، باہمی انس و موافقت کا دروازہ کھل جاتا ہے حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ اور حضرت سید الملۃ سلیمان ندویؒ کی باہمی ملاقات و تعلق اس دعویٰ کی بین دلیل ہے۔ مرشد تھانویؒ کا پہلی ملاقات کا تاثر ان کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے۔

حضرت مولانا دریابادی مدظلہ کو ارقام فرماتے ہیں :-

"مولانا سید سلیمان ندوی صاحب دفعۃً تشریف لے آئے میں مکان پر تھا۔ سنتے ہی حاضر ہوا۔ میرے ذہن میں ان کا جثہ طویل و عریض تھا۔ ملا تو معتدل الخلقت پا کر قلب کو بہت انس ہوا۔ پھر ملاقات و

---

[1] حضرت والا قدس سرہٗ ایک گرامی نامے میں ارقام فرماتے ہیں "حدیث شریف میں آیا کہ روحیں ازل میں ایک صف میں مجتمع ہوئی ہیں۔ تو جن سے وہاں میل ہو گیا۔ یہاں میل ہو جاتا ہے اور جن سے وہاں ناآشنائی ہوتی ہے یہاں بھی ہوتی ہے یہ تو حدیث کا ترجمہ ہے۔ اب واقعات پر نظر کریں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مدتوں کے بعد کبھی کسی کو ایک جھلک دیکھ لیا۔ تو ایک کو دوسرے کی طرف کشش اور اتحاد مذاق معلوم ہوتا ہے۔ اور یوں خیال ہوتا ہے کہ ان سے زمانہ کی دوستی ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو آدمیوں میں جان پہچان مدت کی ہوتی ہے، مگر دل ان سے نہیں ملتا۔ اور ملاقات کے باوجود اجنبیت معلوم ہوتی ہے۔"

مکالمت سے ان کی تواضع وسادگی ورعایت جلیس دیکھ کر تو مسحور ہی
ہوگیا. گیارہ بجے تشریف لائے تین بجے تشریف لے گئے. مجلس
میں بہت دیر تک ثناخوانی کرتا رہا[۱]."

مرشد تھانویؒ کے اس اظہار حقیقت کہ بعد مرید ندویؒ کا اعلانِ یگانگت سُنیئے
اپنے ہمدم دیرینہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ کو لکھتے ہیں۔
" لکھنؤ میں چار ہی روز صحبت رہی. مگر مولانا کی شفقت میری عقیدت
کو بڑھاتی رہی، اور آخر ان کی ہدایت کے بموجب، اور آپ کا مشورہ
تو پہلے سے یہی تھا، باب مکاتبت وا ہے اور اب تو وہی وہ ہیں ع

آتے ہیں نگاہوں میں خیالوں میں دلوں میں

معائنے سے بڑھ کر تصوّر میں مکالمہ تک نوبت آتی ہے ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مولانا کے مواعظ و رسائل پڑھتا ہوں. اکثر علمی مسائل بھی اپنے ہی
مذاق کے پائے اور احوال وکیفیات میں اُن سے نئی نئی گرہیں کھلتی
ہیں افسوس کے اتنے دنوں کیوں غافل رہا."

مرشد تھانویؒ اور مرید ندویؒ کا قران السعدین مفید و مستفید، مرید و مراد کی
فطری صلاحیتوں کے بقدر تھا، چند دنوں میں حضرت سید صاحب قدس
سرّہ روحانیت کی ان بلندیوں تک پہنچ گئے جن کا تصوّر بھی ہما شما کیلیے محال ہے
تھوڑی سی مدّت میں خلافتِ اشرفیہؒ سے نواز دیے گئے اور علوم و معارف اشرفیہ

۱؎ حکیم الامت مرتبہ عبدالماجد دریابادی ص ۴۳۸

کا خزانہ ان کی طرف منتقل تھا۔ فقیر سمجھتا ہے کہ سلیمانی روح جس طرح مرشد کی تلاش میں تھی باطنِ اشرفؒ بھی کسی ایسے قلب کو ڈھونڈ رہا تھا جہاں ان کا فیضِ باطنی اپنی وسعتوں کے ساتھ سما سکے۔

حضرت سیّد صاحبؒ مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"مولانا گیلانی نے مجھے لکھا ہے کہ سُنا آپ نے بھی ایک دیوبندی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے میں لکھنے والا تھا کہ ہاتھ گراب بھی دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر دل تو اس کو دس بارہ برس پہلے دے چکا تھا پھر مجھے فخر یہ ہے کہ آپ لوگوں نے مولانا تھانویؒ کو اپنی طرف کھینچا اور مجھے خود مولانا تھانویؒ نے بار بار اپنی طرف کھینچا (بعالم رؤیا)

بہرحال حضرت سیّد صاحب نور اللہ مرقدہ جب حضرت تھانویؒ کے آستاں پر پہنچے تو جانبین کی باہمی مناسبت و یگانگت نے من و تو کے پردے اُٹھا دیے اور یگانگت کا وہ منظر پیش کیا جس کے متعلق خسرو نے کہا تھا

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

مرشد تھانویؒ نے انہیں کے لفظوں میں گویا اپنا کلیجہ نکال کر مرید باصفا کے سامنے رکھ دیا۔ اور ان کے جمال و کمال روحانی کی داد دیتے ہوئے بے اختیار کہہ دیا۔

لے جمیل الکلام از مولانا جمیل احمد تھانوی ص۴۴

از سلیمان گیر اخلاص عمل داں تو ندوی را منزّہ از دغل
اے دلت پر نور راز انوار حق اے دلت مسرور از اخبار حق
اے دلت معمور از اسرار حق اے دلت مخمور از آثار حق

حضرت سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ عالی مقام کے متعلق جو کہا اور لکھا، ان کے اشعار اور تحریریں اس پر شاہد ہیں، اور جس طرح شیخ کے علوم وأحوال کو اپنایا اور اپنے جملہ کمالات وفضائل کے ساتھ جس طرح اشرفی حسن وجمال کو سمویا اس کی مثال کم ملے گی، مولانا دریابادی لکھتے ہیں

" (سیّد صاحبؒ پر) آخر آخر میں تصوّف بہت غالب آگیا تھا حکیم الامت وامام طریقت تھانویؒ کا آخر زمانہ تھا. کہ ان سے عقیدت پیدا ہوئی اور والہانہ حد تک پہنچ گئی. بیعت ہوئے اور مرشد کے اندر ایسا جذب ہوئے کہ ایک لفظ فنافی الشیخ جو مدت سے سننے میں آرہا تھا. اس کا ایک عملی نمونہ پیش کر دیا." (صدق جدید لکھنؤ ۲ دسمبر ۵۳ء)

سلوک کے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی مساعی نے سلوک کو جس طرح قرآن وسنت کے آئینہ میں پیش کیا تھا، وہی سلیمانیؒ ذوق وحال تھا اس اتحاد مذاق کی وجہ اور افادہ شیخؒ کے سیلان اور ظرف سلیمانیؒ کی وسعتِ استفادہ کی ہمہ گیر قوت کی بنا پر جو سینہ شیخؒ میں تھا، وہی قلب سلیمانیؒ میں منعکس تھا. چنانچہ سلوک سلیمانیؒ پر اس ہیچمیرز کے خطا کار قلم سے معارف میں جب وہ مقالہ شائع ہوا. جو آئندہ پیش ہو رہا ہے. تو حضرت سیّد الملۃ کے خواجہ تاش اور پرانے رفیق مخدومی حضرت مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی نے راقم کو تحریر فرمایا:۔

ہمارے ماجد میاں نے بھی تحریر فرمایا، کہ لفظ بہ لفظ ارشادات تھانویؒ کی ترجمانی ہے۔ بلکہ احقر کی نظر میں تو حرف حرف اور نقطہ نقطہ اسی ترجمانی کا حق ادا فرمایا ہے۔ یہی سچ پوچھیے تو "سلوک سلیمانی" کا ہر طرح سب سے بڑا کمال و جمال ہے، ایک فنائیت فی الشیخ کے اعتبار سے دیکھیے کہ یہ تربیتی و مرشدانہ کمال ہما شما کو حاصل ہو تو کیا کمال، کمال تو حضرت مرحوم جیسے علوم کتاب و سنت کے کامل النظر کا ہے کہ ان کو "ارشادات مرشد" میں کسی حرف و نقطہ کی کمی و بیشی کی گنجائش نظر نہ آئی جو خود مرشد کے حق میں شریعت و طریقت کے کمالِ جامعیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔"

حضرت مولانا دریابادی مدظلہ نے فقیر کو اس بارے میں ارقام فرمایا۔

"سید صاحب کی جتنی تحریریں اس مقالہ میں نظر سے گزریں وہ کہنا چاہیے کہ لفظ بلفظ حضرت تھانوی سے منقول ہیں یہ خالص صوفیانہ اعتبار سے ایک فضیلت کی چیز ہے۔ یعنی فنائیت فی الشیخ کا اعلیٰ مرتبہ۔"

کہ مرید کو جب شیخ سے مناسبت تامہ نصیب ہو جاتی ہے تو مفیضِ حقیقی مفید کے علوم و فیوض کو خود مستفید کے قلب پر اسی طرح افادہ و القا فرماتے ہیں۔ گویا مستفید مفید کی زبان بن کر اسی کی ترجمانی کرنے لگ جاتا ہے اور ظاہراً مرید و مراد کے علوم میں التباس پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ علوم مرید کی زبان سے ادا ہوتے ہیں، اس لیے ان کی نسبت مرید سے اگر نہ کی جائے تو فرق اعتباری بھی جاتا رہتا ہے اس لیے

"سلوک سلیمانی" گو حقیقتہً "سلوک اشرفی" اور اس کی ترجمانی ہی ہے۔ تاہم اس کی نسبت حضرت سیّد الملۃ قدس سرہ سے کیے بغیر چارہ نہیں۔ حکمتِ حکیم الامتؒ کے شارح مخدومی حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ (جنہیں بقول علامہ محمد یوسف البنوری مدظلہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کے علوم کی اشاعت کے لیے مسخر کر دیا ہے) نے "سلوک اشرفی" اور "سلوک سلیمانی" کی اسی یگانگت کی بنا پر فقیر کو ایک خط میں لکھا تھا۔

"آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیّد صاحب سے ماشاء اللہ مناسبت تامہ تھی۔ ایسی (تربیتی و دینی مسائل میں) تسلی تو کہیں اور سے دشوار ہی ہے تاہم ممدوح کی تعلیمات چونکہ اپنے شیخ ہی کی تعلیمات کی (مناسبِ طالب و وقت تعبیرات کے قالب) میں آئینہ دار تھیں۔ اس لئے آپ بھی اگر اپنے شیخ الشیخ علیہ الرحمۃ کی چیزوں خصوصاً تربیت السالک کو مطالعہ میں رکھیں تو ماشاء اللہ ذہین و فہیم ہیں اکثر الجھنوں میں تسلی پاتے رہیں گے"

اور اس ذرّہ بے مقدار سے اسی حسن ظن کی بنا پر تقاضا فرمایا کہ:۔

"سیّد صاحب کی سوانح و سیرت کی تکمیل کے لیے تو کچھ معمولی اضافہ کے ساتھ "سلوک سلیمانی" کا یہ معارفی سلسلہ بالکل کافی ہوگا۔ ان افادات کا ان کو موقع ہی کم اور آخر عمر میں ملا۔ اس کے بجائے اگر "قلم اشرف" سے "اشرفی سلوک" کا ایک مرقع تیار ہو جائے تو انشاء اللہ وہ اپنی جامعیت و احاطت کی بدولت نہ صرف اصطلاحی شیوخ و سالکین سب ہی کے لیے بے بہا دولت، بلکہ آپ کے جدید قلم کی روشنی میں باقاعدہ تربیت سے بدکنے والوں کے ہاتھ ایک ایسی چیز پہنچ

جائے گی کہ پڑھنے والے بطور خود بھی اپنی اخلاقی و باطنی اصلاح میں بشرط طلب فائدہ اٹھا سکیں گے"۔

اور فقیر کے عذر پر دوبارہ ارقام فرمایا:۔

ماشاء اللہ "سلوک سلیمانی" کا قلم ہر طرح "سلوک اشرفی" کے قابل ہے کہ وہ "سلوک سلیمانی" ہی کا زیادہ جامع و مفصل ایڈیشن ہوگا"۔

غرض حضرت سید صاحب قدس سرہ جب اپنے شیخ باکمال کی صحبت میں پہنچے تو اپنی خداداد صلاحیتوں سے شیخؒ کے علوم کو نہ صرف اپنے میں جذب کرلیا بلکہ جب شیخ کے علوم کا افادہ آپ کی ذات سے ہوا، تو یہ فیضان اشرفؒ سلیمانیؒ رنگ میں مزید نکھر گیا۔ اور اپنی تابناکیوں سے دنیا کو روشن کر دیا اور سلیمانیؒ شیشہ میں جب معارفِ اشرفیہ کی پری اُتری۔ تو اس نے حضرت سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے فضائل و مزایا سے حسن و جمال تازہ پایا۔ سید المحققینؒ علامہ ندویؒ کی نگاہ شیخ کے علوم پر محرمانہ و عاشقانہ ہونے کے باوجود محققانہ اور مبصرانہ تھی اور ان کا تشخص بہر حال قائم تھا۔ جیسے علومِ شبلیؒ کی تمام عمر ترویج و اشاعت نے سید صاحب کے مستقل حیثیت و مقام کو باقی رکھا اسی طرح فنائیت شیخ نے سلیمانیؒ شخصیت کو بالکل گم نہیں کر دیا۔ وہ اشرفیؒ ہونے کے باوجود سلیمان ندویؒ تھے، اور اپنے علوم و معارف ذاتیہ کے امین و داعی "سلوک سلیمانی پر اجمالی نظر" کے عنوان سے اس ظلوم و جہول نے جب حضرتؒ کی تعلیمات کو پیش کیا تو گو آپ کی علوم کی پیشکش ایک شکستہ قلم کج مج رقم کے ہاتھوں سے تھی تاہم علوم و معارفِ سلیمانیہ کا سورج فقیر کی بے علمی اور بے بصیرتی کے بادلوں میں چھپ نہ سکا

اور حضرت کی تعلیمات کی برکت سے سب حلقوں میں پسند کیا گیا فَلِلّٰہِ الْحَمْد!

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی تعلق رکھنے والوں نے خلافِ توقع اس عاجز کی بے حد حوصلہ افزائی فرمائی، اور میری تعبیراتِ قلم[1] کی تمام کوتاہیوں کو نظر انداز فرما کر حضرت کی تعلیمات کے حُسن و خوبی کو سامنے رکھا، اور مقالہ کے مندرجات کی تصویب و مدح فرمائی۔

بزرگوں کی اس تصویب و تصدیق کو اپنے لیے سرمایہ آخرت سمجھتا ہوں، اور ان کے حسنِ ظن کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی جرات اس لیے کرتا ہوں کہ محولۂ بالا مقالہ کی تعلیماتِ سلیمانیہؒ کی قدر کر سکیں اور ان سے استفادہ کر سکیں اور فقیر کی نسبت سے یہ موتی بے قیمت و بے آب نہ ہو جائیں۔

مخدومی حضرت مولانا عبدالباری صاحب مدظلہٗ نے اس سلسلۂ مضامین کو پڑھ کر ان الفاظ میں ذرہ نوازی فرمائی:۔

"سلوکِ سلیمانی" کا سلسلہ معارف پڑھ کر خود ہی خیال آ رہا تھا، کہ خاتمہ پر انشاء اللہ مبارکباد پیش کروں گا۔ کہ آپ نے اپنے "الشیخ السید" علیہ الرحمۃ کی شیخ شناسی کا حق خوب خوب ادا فرمایا، مگر سلسلہ کے آخر میں[1] آپ کا حکم پڑھ کر معلوم ہوا۔ کہ یہ قلبی تقاضا آپ ہی کے امر کا پیشگی عکس تھا۔ بہرحال امتثالاً عرض ہے

یہ ناکارہ جس طرح حضرت اقدس[2] و اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی جامعیت کا حضرتؒ کی وفات کے بعد حضرتؒ کے ملفوظی و تحریری باقیات

---

[1] مقالہ کے آخر میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی سے مقالہ کے متعلق اظہار رائے کی درخواست کی گئی تھی۔ [2] حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

صالحات کے مطالعہ سے معتقد ہوا، اسی طرح حضرت سیدؒ کے شیخ کامل ہونے کا ان کی وفات کے بعد "سلوک سلیمانی" سے فاحسن اللہ جزاءک
بس کبھی یکجائی کی سعادت نصیب ہوتی اور کسی طالب کو کچھ تربیۃً تحریر فرماتے تو اس نالائق کی طرف بڑھادیتے کہ ٹھیک ہے
اس سے زیادہ مربیانہ "سیادت" کے استفادہ کا موقع نہ ملا تھا، لیکن ماشاء اللہ "سلوک سلیمانی" نے شانِ تربیت کا مرقع پورا سامنے کردیا۔"

مخدومی حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہ نے ارقام فرمایا:

" سیّد صاحبؒ کے ہر عزیز و متوسل کو اپنا ہی عزیز سمجھتا ہوں۔ قدرتاً خط پاکر بڑی مسرت ہوئی۔ معارف میں سلسلۂ مضامین (سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) کو لفظ لفظ پڑھا۔ ماشاء اللہ، سبحان اللہ، بڑے سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے لکھا ہے کوئی مسترشد اس سے بہتر طریقے پر اپنے مرشد کے کمالات وفضائل کو ظاہر نہیں کرسکتا۔
"سلوک سلیمانی" کو کتابی صورت میں ضرور لایئے، انشاء اللہ بہتوں کو اس سے نفع ہوگا۔[1]"

---

[1] اسی مقالہ کے تعارف کی بنا پر صدق جدید میں اپنے "سفر لاہور" کے مشاہدات و تاثرات میں اس بے مایہ کے متعلق تحریر فرمایا: "مولوی محمد اشرف خاں ایم اے (استاد پشاور یونیورسٹی) سے ناظرین صدق کچھ واقف ہو چکے ہیں۔ بیچارے غایت محبت واخلاص سے سفر کرکے پشاور سے آئے۔ دن میں ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ ہمارے معظم و مکرم مولانا سید سلیمان ندوی مرحومؒ کے مرید خاص و مسترشد با اختصاص ہیں اور ان کے صوفیانہ معارف کے شاید سب سے بڑے حامل ...."
(صدق جدید ۱۷ر جون ۱۹۵۵ء صفحہ ۵ کالم ۱)

محترمی حضرت ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے تحریر فرمایا:۔

" سلوکِ سلیمانی ؒ بالاستیعاب تو نہیں پڑھ سکا، نظر ڈالی اور آپ کی ہمت اور علوم سلیمانی ؒ کے جذب کرنے کی صلاحیت پر آفرین کہی! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ باتوفیق و چشمہ فیض رکھے۔ سیّد صاحب کی یادگار رہیں "

حضرت شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی مدیر معارف نے لکھا:۔

" آپ کا خط ملا حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے تعلق کی تفصیل معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی۔ میرے لئے ہر وہ چیز محبوب ہے جس کو حضرت ؒ سے کوئی نسبت ہو۔ حضرت ؒ سے میری ملازمت کی مدت تقریباً چوتھائی صدی ہے میرے شعور کی آنکھیں انہیں کے دامنِ تربیت میں کھلیں اور جو کچھ بھی حاصل ہوا سب انہیں کے طفیل ہے ..... آپ کا مضمون (سلوکِ سلیمانی پر ایک اجمالی نظر) مختلف حیثیتوں سے نہایت مفید اور قابلِ قدر ہے۔ اپنی اپنی قسمت ہے، دوری و بعد کے باوجود حضرت کی روحانی دولت آپ کے حصہ میں آئی اور میں چشمۂ حیواں کے قرب کے باوجود اس سے محروم رہا...... پھر ان کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ "

حضرت الشیخ قدس سرہ کے مایۂ ناز محب و محبوب شاگرد مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی استاذ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے تحریر فرمایا:۔

"سلوک سلیمانیؒ پر خلوص دل سے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں.....
حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے ایک حصّے کی خدمت جس ذوق و شوق کے ساتھ آپ کر رہے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے. اور ہم وابستگان دامنِ سلیمانی اس کے لیے ممنون ہیں."

حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ مسترشد خاص اور معارف کے قدیم مقالہ نگار مولانا عبد الرؤف صاحب اورنگ آبادی نے ارقام فرمایا:-

"آپ کے مضامین "سلوک سلیمانی" پر ایک طرف بصیرت افروز ہیں تو دوسری طرف بے حد وجد آفریں، بار بار پڑھنے سے بھی سیری نہیں ہوتی، جی چاہتا تھا کہ لوحِ دل پر نقش کر لوں."

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص احباب کی یہ قدر افزائی اور ذرہ نوازی محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ان علوم کی برکت تھی، جن کی اشاعت اس رُو سیاہ و نابکار کے پیش نظر تھی. ان کی اس حوصلہ افزائی سے ہمت بڑھی، اور سلوک سلیمانیؒ کا ایک تفصیلی خاکہ پیش کرنے کا ارادہ ہوا خیال یہی تھا کہ کتابی صورت میں یہ تفصیلی خاکہ (جس کے تقریباً فل سکیپ کے پانچ سو صفحات لکھے جا چکے ہیں) ہی شائع کیا جائے. لیکن اللہ تعالیٰ کو فقیر کی اس پہلی کوشش ہی کو پہلے کتابی صورت میں منظر عام پر لانا منظور تھا، عزیزی نسیم اختر شیخ سلمہ (انجنیئر لاہور) کے دل میں اس کی اشاعت کا شدید داعیہ و تقاضا پیدا ہوا اور وہ اس مقالہ کو چھاپنے کی غرض سے لاہور لے گئے، اور عزیز سعید جناب

سرمد الحسینی صاحب (دل وشرز پریس لاہور) کے تعاون وکوشش سے بفضلہ تعالیٰ اس کا سامان کر دیا۔ ان دونوں نے جس ذوق وشوق سے اس مقالہ کو شائع کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر دے اور انہیں علوم ومعارف سلیمانیہ کا حامل و عامل بنائے۔ پوری ملت کو اس فیض سلیمانی سے بہرہ مند فرمائے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اور فقیر کے لیے اسے اپنے قرب ورضا اور نجات کا ذریعہ بنائے آمین

شروع میں تعارف اشرف کے نام سے اخی الاعز جناب ڈاکٹر مولوی غلام محمد صاحب دام فیضہ کا مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ ہمارے خواجہ تاشوں میں حضرت ممدوح کا جو مقام ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں، تعارف درحقیقت اشرف کی حقیقت نہیں، بلکہ ان کے اخلاق کریمانہ کا عکس ہے۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

مورخہ ۳۰ ج ۲ سنہ ۱۳۸۶ھ
۲۵ ستمبر سنہ ۱۹۶۶ء

فقیر
محمد اشرف خان
صدر شعبہ عربی، اسلامیہ کالج پشاور

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ علیٰ خیر خلقہ محمد المزکیّ الامین وعلیٰ الہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ (الجمعہ-۱)

"مقاصد وغایات"

پہلا باب

حقیقتِ تصوّف وسلوک

فنِ سلوک علمِ سلوک وتصوّف اس فن کا نام ہے جس میں شریعت مطہرّہ کی کامل متابعت اور سیّدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بکمال اخلاص ظاہری وباطنی مکمل پیروی کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے۔ اور خصوصًا ان احکام الٰہیہ سے بحث کی جاتی ہے اور ان پر عمل کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ جو اعمال ظاہری (عبادات،

معاملات و معاشرت) کے باطنی پہلو، عقائد حقّہ کی تحسین، اخلاصِ دین، تزکیۂ قلب، اخلاقِ باطن، تہذیبِ نفس، صفائی روح اور تعلّق مع اللہ تعالیٰ کے متعلق ہیں۔

امام قشیریؒ لکھتے ہیں:-

التصوّف هو علم تعرف به احوال تزكية النفوس و تصفية الاخلاق و تعمير الظاهر و الباطن و نيل السعادة الابدية وموضوعه التزكية والتصفية والتعمير المذكور وغايته نيل السعادة الابدية ومسائله ما يذكر في كتبه من المقاصد (رسالة القشيرية)	تصوّف وہ علم ہے جس کے ذریعہ نفوس کی پاکیزگی، اخلاق کی صفائی اور ظاہر و باطن کے (احکام الٰہی کے مطابق) بنانے کے احوال پہچانے جاتے ہیں اور ابدی سعادت تک پہنچا جاتا ہے۔ اور اس کا موضوع تزکیہ، صفائی (باطن) اور (ظاہر و باطن کی) تعمیر ہے۔ اور اس کی غایت ابدی سعادت کا پانا ہے۔ اور اس کے مسائل فن کی کتابوں میں مقاصد کے طور پر ذکر کیے گئے ہیں

گویا سلوک و طریقت روحِ شریعت، اعلیٰ دین، جانِ ایمان اور علمِ حصولِ تقویٰ و احسان کا نام ہے جس کا خاص موضوع اعمالِ قلب کے احکام و دقائق، تزکیۂ باطن اور روحانی حقائق ہیں۔ یہ امور بھی شریعت کے ظاہری اوامر کی طرح کتاب و سنت سے ثابت، منصوص اور مامور بہا ہیں۔ شریعت کے ظاہری احکام کی پابندی کے بغیر طریقت گمراہی، الحاد و زندقہ ہے۔ اور طریقت (یعنی باطنی شرعی احکام) کو چھوڑ دیا جائے تو شریعت جسد بے روح اور قالب بے جان ہے۔ شریعت ہی سے طریقت کی بنا و وجود باقی و قائم اور طریقت ہی سے شریعت کی رونق و نکھار ہے یا یوں کہیے کہ طریقت شریعت سے علیحدہ اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ شریعت ہی کے باطنی احکام سلوک و تصوف کہلائے اور جملہ احکامِ الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل ہی نے طریقت کا نام پایا۔ گویا طریقت عین

شریعت ہے اور یہی خواص امت کا مذہب ہے اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فنِ سلوک سے ناآشنا ہے ؎

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب ہوگا وہی فقیہہ شہر جو مے نوش ہے

قلب وقالب کی اصلاح کے دوگونہ احکام ایک ہی بارگاہ قدس جلّ جلالہ سے صادر ہوئے ہیں اور سینۂ نبوتؐ ہی سے ظاہری و باطنی احکام کے کوثر وتسنیم کے چشمے جاری کئے گئے ہیں۔ جو جسد وروح۔ ظاہر و باطن اور قلب وجسم کی ہدایت اور قوام وحیات کا سبب ہیں۔ کتاب وسنت کے ظاہری احکام نفقہ کے نام سے مدوّن ہونے اور باطنی اور قلبی اوامر کو فقہ، سلوک و تصوّف کے نام سے ترتیب پائی۔ دونوں سوتے ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے پھوٹے ہیں اور دونوں ایک ہی شجرِ طوبیٰ کی شاخیں ہیں۔ ایک فن کے ماہرین فقہا کہلاتے تو دوسرے کے رمز آشنا صوفیہ، اور بارہا دونوں نبویؐ فنون نے ایسی قدسی الصفات ہستیوں سے جلوہ پایا۔ جو ظاہر و باطن کے جامع اور وراثتِ نبوت کی کامل و مکمل حامل تھیں ——— "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ"

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے۔ وہ ظاہر و باطن، جسد وروح اور جسم وقلب کے جملہ احوال و معاملات کی اصلاح و تربیت کا جامع و مانع دستورالعمل تھا۔ اگر تلاوت کتاب تعلیمِ قرآن وحکمتِ نبویؐ طریقِ تربیت کا ایک پہلو تھا تو دوسرا اہم پہلو تزکیۂ قلوب و صفائی نفوس بھی تھا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کے طریقِ دعوتؐ تربیت میں قلوب کی اصلاح، روح کے تزکیہ اور نفس کی تطہیر کی اہمیت ظاہری اعمال کی پابندی سے کسی طرح کم نہیں، باطن ہی وہ سرچشمہ ہے، جو اگر پاک وصاف ہوجائے تو رگ رگ

ایمان ویقین اور اعمال صالحہ کے آب حیات سے زندہ اور توحید وتقویٰ کے نور سے معمور ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ سرچشمہ عقائدِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ سے گدلا ہے تو اعمالِ ظاہرہ کی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت میں تربیت و اصلاح کی بنیاد بقول حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ "صرف قلب کی اصلاح پر رکھتے ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ یہی اصلی چیز ہے اور اسی کے بدلنے سے سب کچھ بدل سکتا ہے۔ ان کی غرض خدا کی اطاعت، خدا کی محبت اور خدا کی معرفت ہوتی ہے اور تمام دوسری ترقیوں اور اصلاحوں کو وہ یکسر اسی ایک اصل کی فروع اور اسی ایک جڑ کی شاخیں جانتے ہیں:" (سیرت النبی ج ۴ ص ۳۹)

کہ اختیار اور ارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے۔ جو انسان کے سر سے لے کر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر حکمراں ہے۔ اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سرانجام پاتا ہے۔ انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لئے آتے ہیں۔ (سیرت النبی ج ۴ ص ۲۹)

یہی وجہ ہے۔ کہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی، قلبی احوال و اعمال اور باطنی معمولات و معاملات کی تصریحات و اشارات سے مملو ہیں۔

اسی بناء پر حضور انور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خلفائے راشدہ جو آپ کے بعد مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ تعلیمِ کتاب و سنت کی دولت کے ساتھ تزکیۂ روح و اصلاح قلب، پاکیزگیٔ نفس و صلاحیتِ باطن کی نعمت سے بھی نوازے جاتے رہے۔ کہ اس کے بغیر نبوت کی نیابت کا فریضہ انجام نہیں پا سکتا۔ اور ظاہر و باطن کی جامعیت کے بغیر انسان کی کامل اصلاح محال ہے۔ بقول سیدا لملۃ نور اللہ مرقدہ " باطن کی صفائی

اور قلب کی تابانی کے بغیر محض زبان کی روانی اور قلم کی جولانی سراب کے نمو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی"

قلب و باطن کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر وہ قدسی الصفات ہستیاں جن کے ذریعہ سے انبیاء علیہم السلام کی دعوت و پیغام کو عالم میں پھیلایا گیا۔ زندہ اور روشن دلوں کی حامل رہی ہیں۔ ان کے قلوب تقویٰ کے نور اور حضور و معیت کے استحضار سے چمکتے رہے ہیں۔

سنن نبویہؐ کا کامل اتباع ان کے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت کا معمول رہا اور کتاب و سنت ہی کے نور سے وہ اپنے دیدۂ و دل کو منور کرتے اور اپنی زندگی اسوہ نبویؐ کا نمونہ بنا کر پیش کرتے رہے۔

حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی

سیدی و مولائی حضرۃ الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ ان زندہ دل ہستیوں میں تھے جنہیں تقدیرِ الٰہی انسانوں کی اصلاح و فلاح تربیت و تزکیہ اور دعوت و ارشاد کے نبویؐ فریضہ کی نیابت کے لئے چنتی ہے۔ اس لئے تربیت علیٰ منھاج النبوۃ سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا اور روشن دل اور نورانی سینہ عطا ہوا تھا۔ جیسا کہ خود شیخ وقت مولانا تھانویؒ کا حضرت والاؒ کے بارے میں ارشاد ہے۔

اے دلت پر نور از انوارِ حق　　　اے دلت مسرور از اخبارِ حق

اے دلت معمور از اسرارِ حق　　　اے دلت مخمور از آثارِ حق

آستانۂ سلیمانی رحمہ

اس لئے حدیث دل کے طلبگاروں کے لئے اس درویشِ بے گلیم کا آستانہ سکون و طمانیت کا مرجع تھا، جہاں قال

اللہ و قال الرسول ؐ کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ جہاں علوم رحمانی اور حکمتِ نبوی ؐ کے خزانے لٹائے جاتے تھے۔ جہاں قلوب کا تزکیہ اور نفوس کا تصفیہ کیا جاتا تھا۔ جہاں نبوی ؐ صحبت کا پرتو محسوس ہوتا تھا۔ جہاں حقائق ربانی اور دقائق احسانی کو برملا فاش کیا جاتا تھا۔ جہاں الٰہی اسرار و رموز سے پردے اٹھائے جاتے تھے۔ جہاں حقیقت و مجاز، حق و باطل، سنت و بدعت میں بے محابا تفریق کی لکیر کھینچی جاتی تھی۔ جہاں سلوک نبوی ؐ کو مروّجہ غیر شرعی طُرق سے علانیہ ممتاز کیا جاتا تھا جہاں طریق کتاب و سنت کی روشنی میں نکھر کر عقائدِ حقہ، اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ، صفائی معاملات، حسن معاشرت، پاک باطنی، درستگیٔ قلب، اخلاص فی الدین تقویٰ و احسان، کمال دین اور اعلیٰ یقین و ایمان کا مجموعہ نظر آتا تھا۔ جہاں طریقت و شریعت کی دوئی کا فسانہ حرف غلط، جہالت، کم نگہی اور ناواقفیت کا فسوں تھا۔ جہاں اس چیز کی پیہم اور متواتر تعلیم و تلقین تھی کہ طریقت عین شریعت اور شریعت عین طریقت ہے۔ جہاں بار بار یہ ذہن نشین کرایا جاتا تھا کہ اسلامی جادۂ معرفت میں کسی رہبانیت، تجرّد، عزلت نشینی خلق سے گوشہ گیری، قطع علائق و ترکِ خلائق کی گنجائش نہیں۔ جہاں عملاً و قولاً یہ بتایا جاتا تھا کہ دین و دنیا کی تفریق ایک جاہلی تصوّر، غیر دینی نظریہ اور رزم گاہِ حیات سے فرار اور حقائقِ زندگی سے گریز پر فریب سراب ہے۔ جہاں پورے اذعان و یقین سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی تھی کہ نفس کشی، جسمانی اذیتیں، آزارِ نفس، ترکِ لذائذ سلوک کا مقصد نہیں۔ جہاں انفرادی و اجتماعی حقوق کی ادائیگی کی یکساں تلقین تھی۔ جہاں معاشرے کے تقاضوں اور ملی فرائض و واجبات کا پورا کرنا طریق ہی کا اہم جزو بتایا جاتا تھا۔ جہاں فرد و جماعت میں جدائی، ظاہری و باطنی اعمال میں تضاد، اور امورِ معاش و معاد میں کوئی غیریت نظر نہیں آتی تھی۔ جہاں ایک ایک لفظ و جملہ، ایک ایک تصریح و اشارہ اسلام کی جامعیت ،

وسعت، ہمہ گیری، سہولت و آسانی، نورانیت و پاکیزگی، نرمی و لطافت، سلیقہ و حکمت ربط و ضبط، انضباط و ترتیب، تدریج و تبشیر کے الٰہی اصولوں کی تفسیر و تعبیر تھا۔ جہاں کی صحبت اور طریق کی جامع اور دلنشین تشریح ہر عامی و عالم پر سلوک کی اہمیت و ضرورت کو ثابت کر دیتی تھی۔ جہاں فلسفیانہ موشگافی متصوفانہ تعلّی، مغلوبانہ شطح اور غلط رسوم و قیود کا گذر نہ تھا

سلوکِ سلیمانیؒ

سلوکِ سلیمانیؒ کی روشنی تمامتر مشکوٰۃِ نبوتؐ سے مقتبس تھی۔ بیرونی اثرات اسے بالکل دھندلا نہ کر سکے کہ ہمارے سیرت نگارِ نبویؐ کو سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیتِ کبریٰ سے پورا فیض پہنچا تھا۔ اور دین کامل کا مرقع ہر آن ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ نبوتؐ کے ظاہری و باطنی جمال و کمال کا پرتو ان کے چہرے کا نور اور ان کے قلبِ مطہر کی روشنی تھا ان نے اپنی زندگی کا حاصل اس وجودِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خد و خال، شمائل و اعمال، کلام و پیام کے پیش کرنے کو سمجھا تھا۔ جو صفاتِ الٰہیہ کا مظہرِ کامل، بشریت کا معراج عبدیت کا اوجِ کمال اور باعثِ تخلیقِ کائنات تھا۔ اس لئے سلوکِ سلیمانی کی تمامتر ضیاپاشیاں اسی ذاتِ جمیل صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ سامانیوں سے تھیں اور اس آئینہ کی کلی جلا اسی شبیہہ قدس کے سینہ باصفا کے انوارات سے تھی۔ چنانچہ حضرۃ الشیخ الامام قدس سرہ کے نزدیک شریعت و طریقت کا حاصل صرف رضائے حق کی طلب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری و باطنی کامل اتباع و متابعت ہی تھا۔ اسی سبب سے سلوک سلیمانیؒ کا کمال اس کی جامعیت، ہمہ گیری، ظاہر و باطن کی یکجائی، دین و دنیا کی وحدت، انفرادی و اجتماعی احکام کا اجتماع اور شریعت و طریقت کی عینیت تھا۔

• حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم وفیوض کو عصر حاضر میں پیش کرنے کا جو سلیقہ وشرف حاصل ہوا تھا۔ وہ محض موہبت الٰہی اور عطیہ ربانی تھا۔ سلوک کو جس سلجھے ہوئے نبوی رنگ میں حضرت والا نور اللہ مرقدہ نے پیش کیا، یہ انہیں کا حصہ تھا۔ یہاں سلوک کا ایک ایک حرف ونقطہ کتاب وسنت کی روشنی سے جگمگا رہا ہے۔ انوار ربانی اور فیوض نبوتؐ کی تابانی سے طریق کا ایک ایک گوشہ وادیٔ طور اور دشتِ ایمن ہے۔ جہاں دن کی پوری روشنی ہے اور کسی قسم کا ابہام والتباس نہیں۔ ہر راہی سلوک کے اس آسان وسادہ "صراطِ مستقیم" پر چل کر بغیر کسی فسادِ قلب ونظر اور خوف وخطر کے منزل پر پہنچ سکتا ہے کہ مقاصد واضح ہیں۔ طریق متعین ہے۔ راہ کھلی اور کشادہ ہے۔ اب ہر سالک حدود کی رعایت کرتے ہوئے اختیاری امور پر عمل پیرا ہوکر بآسانی سنتِ نبوی کے ظاہری وباطنی اتباع سے اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے اور رضائے الٰہی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ کہ سلوک کا مقصد صرف شریعت مطہرہ کے ظاہری وباطنی جملہ احکام کے امتثال ومتابعت سے اللہ تعالیٰ کی رضائے تامہ اور قرب خاص حاصل کرنا ہے کہ رضائے حق سے بڑھ کر کوئی دولت اور اعلیٰ مقصد نہیں ہوسکتا (وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہی سب سے بڑی چیز ونعمت ہے) اور یہ رضا حبیبِ خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل ومکمل (ظاہری وباطنی) اتباع میں منحصر کردی گئی ہے (اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ) وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" ارشادات ربانی ہیں۔ یعنی حب الٰہی کا اگر دعویٰ ہے اور محبوبیت الٰہی کے طلبگار ہو تو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل اتباع اختیار کرو۔ خدا تمہیں اپنا پیارا بنا لے گا۔ کہ اطاعتِ رسول خدا تعالیٰ کے حکم ہی کا ماننا ہے)

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" کا مژدہ جانفزا انہیں خوش نصیبوں کے لئے ہے جو کامل اخلاص سے سیّد عالم (رُوحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن کو اپنا سکے اور اس جمال جہاں فروز سے اپنی خلوت و جلوت، عقائد و اعمال، اخلاق و کردار، معاملات و معاشرت کو زینت بخش سکے۔ جن کی جملہ نسبتوں پر نسبت محمدیہ اسی طرح غالب آگئی کہ ان کی ہر ادا عکسِ جانانہ بن گئی۔ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ" کی شانِ حقیقت ان کے ہر عقیدہ و نظریہ کا حاصل، ان کے ہر حال و عمل سے ہویدا و نمایاں اور پرتوِ نبوی سے ان کا ظاہر و باطن جگمگا اٹھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب و رضا اور محبوبیت اسی قدر حاصل ہوتی ہے۔ جس قدر اخلاص سے حبیب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع (ظاہری و باطنی) نصیب ہو جائے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے سلوک کی جو تشریح فرمائی ہے۔ اس میں یہ حقیقت کلیۃً واضح اور مُبرہن فرما دی ہے۔ کہ سلوک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ہدایات و تعلیمات اوامر و احکام کی بکمال اخلاص اور بدرجۂ احسن تعمیل و تکمیل کا نام ہے جو انسانی زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی، روحانی و جسمانی اعمال و افعال، کوائف و احوال کو گھیرے ہوتے ہے، اخلاص و تقویٰ والا ہر عمل سالک کو رضائے الٰہی سے مشرف کر دے گا۔ خواہ یہ عمل حقوق اللہ۔ ایمانیات و عبادات کی قبیل سے ہو یا حقوق العباد اخلاق و معاملات و معاشرت و سیاست وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کا کامل و مکمل، جامع و مانع دستور العمل لے کر تشریف لائے تھے

جس کا جزو کل رضائے الٰہی کا مورد اور محبوبیت ربانی کا سبب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ اور تکمیلی شان کا تقاضا ہی یہ تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کا سلوک زندگی کے ہر گوشہ میں طے ہوا تھا۔ وہ جس طرح رات کے راہب اور دن کے شاہسوار تھے اسی طرح صفہ کا چبوترہ تجارت کی منڈیاں، زراعت کے کھیت ان کی سیر سلوک کا جادۂ پا افتادہ تھے۔ گھریلو تعلقات (ازدواجی زندگی) اور قیصر و کسریٰ سے آویزشیں دونوں سے طریق کے مراحل طے ہوتے تھے۔ ان کے لئے علم و ذکر کے حلقے، مسجد کی زندگی، ہجرت و نصرت و انفاق، قتال و جہاد جس طرح قرب و رضائے الٰہی کا زینہ تھا۔ اسی طرح باہمی معاملات و معاشرت، اخلاق و تعلقات، مزدوری و تجارت، زراعت و صنعت، سیاست و جہانگیری، جہانداری و جہانبانی ہر چیز امر الٰہی کی اطاعت و حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری و سنت کے اتباع کی بنا پر الٰہی فوز و فلاح اور ربانی انعام و رضوان کا ذریعہ تھی۔ ان کے ہاں دین و دنیا ظاہر و باطن کی تفریق نہ تھی۔ بلکہ زندگی کا ہر عمل الٰہی رنگ میں رنگین اور سنت نبویؐ کے مطابق تھا۔ اسی وجہ سے مالک کی خوشنودی کا سبب اور اجر و ثواب کا دلانے والا تھا کہ اسلام رہبانیت لے کر نہیں آیا تھا۔ وہ تعطل، تجرد، ترک دنیا اور کشمکش حیات سے گریز و فرار کا نام نہیں، بلکہ وہ انسان کو مصاف زندگی کا جوانمرد سپاہی دیکھنا چاہتا ہے اور دنیاوی تقاضوں میں الجھ کر دلدار ازل سے دائمی تعلق، اوامر ربانی کی کامل پابندی اور سنتِ نبویہ کے اتباع کا داعی ہے کہ انسانی راہ معرفت مجاہدہ کی اُس گھاٹی سے ہو کر نکلی ہے۔ جہاں نفسانی خواہشات کے علی الرغم پابندی احکام لازم کر دی گئی ہے۔

انسانی شاہراہِ معرفت اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت نے ازل ہی میں یہ طے

فرمادیا تھا کہ انسان کا عرفانِ الٰہی کا راستہ اور قرب و رضوانِ ربانی کے حصول کا طریقہ فرشتوں اور دگر مخلوقات سے جداگانہ اور علیحدہ ہوگا۔ فرشتوں کی طرح موانع کے بغیر مشاہدہ حق اور غیر اختیاری احکامِ الٰہی کی تابعداری اس کی خوبی و کمال نہ ہوگا۔ نہ ہی وہ فطرتاً اوامرِ الٰہیہ کی پابندی پر مجبور و مجبول ہوگا۔ بلکہ بنی آدم کا شرف و مجد موانع اور علائق کی موجودگی میں ذاتِ حق میں اشتغال ہوگا۔ اور وہ اپنے ذہنی اختیار و تمیزِ خیر و شر کو استعمال کر کے اپنی نفسانی خواہش کو روک کر احکامِ الٰہیہ کا اتباع اور نواہی سے اجتناب کرنے والا ہوگا۔ اس کی راہ سلوک مجاہدات کی گھاٹیوں میں سے ہو کر گذرے گی۔ بنی آدم کے لئے رضائے الٰہی کا حصول، جنت کا داخلہ، اس کی فطرتی اور باطنی صلاحیتوں اور استعدادوں کی جلا و ترقی سب اسی "مجاہدہ" کی راہ سے مقدّر فرمائی گئی۔ "حُفّت الجنّۃ" بالمکارہ وحُفّت النار بالشہوات" (جنت کو نفس پر) گراں اعمال سے ڈھانک دیا گیا اور دوزخ پر خواہشاتِ نفسانی کا پردہ ڈال دیا گیا) اسی حقیقت کی نبوی خبر ہے۔

حکمت الٰہی نے انسان کے لئے مجاہدہ کی گھاٹی، دنیاوی زندگی کو بنایا۔ کہ دنیا اور اس کی جملہ اشیاء کو زیب و زینت سے ڈھانک دیا۔ اور انسان میں ان چیزوں کی طلب اور تمتع کی لامحدود خواہش رکھ کر اس کے لئے دنیا اور اشیائے دنیوی میں کشش و دلربائی رکھدی۔ لیکن بنی آدم کے دائمی فائدہ، اس کے باطنی اور اخلاقی جواہر کی حفاظت و ترقی، اس کی اعلیٰ استعداد کے بچاؤ اور نمو کے لئے انسانی خواہش نفس کے مطابق دنیا اور دنیوی اشیاء سے لامحدود استفادہ اور تمتع کی اجازت نہیں دی۔ کہ اگر بنی آدم کو اس کی لامحدود خواہش نفس (رہوئی) کے مطابق اس محدود دنیا اور

اس کی اشیاء کے حصول و استعمال کی اجازت دے دی جاتی۔ تو انسانی حرص و آز کا شکار ہو کر یہ معمورۂ ارضی دائمی فساد و بربادی کا گہوارہ بن جاتا۔ کہ انسانی حرص کی آگ اتنی شدید ہے کہ اگر ایک شخص بھی پوری دنیا اور اس کی جملہ اشیاء کا مالک بن جائے تو اس کی خواہشِ نفس "ھل مِن مزید" پکارتی رہے اور اس کا نفس پیہم یہی صدا لگاتا رہے ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارماں ولیکن پھر بھی کم نکلے[1] (غالبؔ)

اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے اس محدود اور ختم ہو جانے والے عالم میں انسان کی خواہشات کو نہ تو بالکل مٹانے کا حکم دیا۔ اور نہ ہی اسے دنیاوی چیزوں کے جائز تمتع اور استعمال سے روکا۔ بلکہ اس کی خواہشِ نفس کو حدود و احکام الٰہی کا پابند کر دیا۔ کہ وہ رزمگاہِ حیات کی پیہم کشاکش میں خواہشات و نفسانی تقاضوں کے

---

[1] یہ محدود عالم انسانی خواہشاتِ لامتناہی کے پورا کرنے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ بلکہ انسانی خواہشات کے پورا ہونے کا مقام جنت ہے۔ جو اپنے لامحدود انعامات اور "مبدم کن فیکونی موجودات" سے انسان کی کامل تسلی و تشفی کر دے گا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (جنت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز ہوگی جسے تمہارے نفس چاہیں گے اور جنت میں جو کچھ تم مانگو گے تمہیں ملے گا مغفرت والے بار بار رحم کرنے والے (اللہ) کی طرف سے یہ مہمانی کے طور پر ہوگا۔

انسانی نفسانی اشتہاء (چاہت) کی سیری بس جنت ہی میں ہوگی، اور اس دنیا میں اسکی طمانیت لامتناہی اور لامحدود صفات والی ذات عالی اللہ سبحانہٗ و تقدس کے تعلق و قرب و رضا کے بقدر ہوگی ؎

ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست ، جز بخلوت گاہ حق آرام نیست
(اشرفؔ)

علی الرّغم احکام الٰہی کی پابندی، حدود اللہ کی حفاظت، حق و باطل کی تمیز و جائز و ناجائز کا فرق برتتا ہے اور اپنی طبیعت کے غلط میلان کو روک کر اوامر الٰہیہ پر چلنے والا بنے۔ اس کشمکش میں انسانی نفس و طبیعت پر جو گرانی و کلفت آتی ہے۔ اس کا اختیاری طور پر" برداشت" کرنا ہی وہ "تکلیف" و "مجاہدہ" ہے جو بنی آدم کا شرف و امتیاز ہے اور اس کی راہ معرفت کو فرشتوں اور دوسری مخلوقات سے ممیّز و ممتاز کرتا ہے اور اسی مجاہدہ کا اختیار و عمل بنی آدم کی جملہ "انسانی ترقیات" کا ذریعہ ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ دنیا اور اشیائے دنیوی کی زیب و زینت، ان کی دلکشی و دلفریبی کو انسانی آزمائش و ابتلا بنا دیا گیا ہے اور دنیاوی حیات کو اس کی امتحان گاہ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں ہر قدم پہ یہی صدا آتی ہے ؎

ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

ہر رہگذار پہ لغزشِ پا کا اندیشہ ہے۔ اور کسی آبلہ پا کا اس خارزار سے صحیح و سلامت گذر جانا محض توفیقِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ یہی وہ گھاٹی ہے۔ جس کا خیریت و سلامتی سے پار کر لینا انسان کو الٰہی فوز و کامرانی اور دائمی نجات و کامیابی سے ہمکنار کر دیتا ہے کہ فریبکدۂ عالم کی جملہ زیبائشوں اور بوقلموں رنگینیوں کے باوجود ان میں نہ اُلجھنا اور دلدارِ ازل کی رضا و احکام کو ہر آن پیشِ نظر رکھنا باہمت انسان ہی کا کام ہو سکتا تھا۔ جس میں کوئی دوسری مخلوق اس کی شریک و سہیم نہیں۔ بقول اقبال ؎

نہ کر جبرئیل تو تقلید میکے جذب و مستی کی
تن آساں قدسیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

اور موت و حیات کے نظام کے قیام کا سبب اور دنیوی زینت بخشی کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ انسان کو آزمایا جائے کہ کون ان گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود حسن عمل کا نمونہ پیش کرکے "ابتلا" و آزمائش میں کامیاب ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (وہ ذات) جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں اچھا ہے۔ (الملک - ۱۱)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تحقیق ہم نے زمین کی چیزوں کو اس کیلئے باعث رونق بنایا، تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں۔ کہ ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے (الکھف - ۱)

متعدد قرآنی آیتیں اسی حقیقت کی پردہ کشائی کرتی ہیں۔

غرض انسانی کامیابی کا مدار اور اس کی روحانی، باطنی اور جملہ ترقیات کا انحصار کارگہِ حیات کی کشاکش سے دوچار ہوکر اور دنیاوی مشاغل میں پھنس کر خواہی سے پرہیز اور احکام الہٰی کے اختیار میں ہے۔ اس لئے اسلام دنیاوی زندگی کے جملہ شعبوں میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ حیات اور سنت مطہرہ کے اپنانے کا داعی ہے کہ رضائے الہٰی کی طلب، حق کے اتباع، ایمان و تقویٰ کے حصول اور سنت نبویؐ پر چلنے کے لئے کیسے ہی دشوار مراحل

ناموافق حالات ، ناسازگار ماحول سے گذرنا پڑے، نفس کو کلفتیں، طبیعت کو ناگواریاں برداشت کرنی پڑیں۔ دنیا کی باطل دلفریبیاں اور جھوٹی تابناکیاں دعوت نظارہ دیتی رہیں۔ بلوغ سے لے کر آخری سانس تک مرضیات الٰہی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور احکام ربّانی کی "صراط مستقیم" سے لغزش نہ ہو

کہ موانع و علائق کی موجودگی میں جملہ نشین ازل کے ساتھ ہر آن مشغولیت، دائمی دھن اور دھیان اور احکام الٰہی کی پابندی ہی وہ مُجاھدہ ہے جو آزمائش کدۂ عالم میں انسان کی کامیابی اور سرفرازی کا باعث ہے اور یہی اس کی شاہراہِ معرفت اور جادۂ سلوک ہے، ظاہر ہے کہ جو راہ عالم کے جھمیلوں میں سے ہو کر گذرے گی۔ اس کے راہی کے لئے گوشہ گیری، ترک علائق، عزلت نشینی دینوی تقاضوں سے کلی فرار کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اسی بنا پر اسلام میں ترکِ دنیا اور رہبانیت کی اجازت نہیں اور اسلام کے صحیفۂ آسمانی نے رہبانیت کو "بدعت" قرار دیا ہے اور اسلام میں رہبانیت، وترک دنیا وقطع علائق نہ ہونے کا بڑا سبب یہی ہے کہ زندگی کا یہ طریقہ مجاہدات کے ان مواقع ہی کو کھو دیتا ہے۔ جو انسانی سلوک و طریق کا سراقتیاز ہے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے طریق کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ہمیشہ اسی نکتہ پر زور دیا کہ دین دنیا سے الگ کوئی چیز نہیں بلکہ باخلاص تمام احکام الٰہی کے مطابق دنیا کا استعمال دنیا کو دین بنا دیتا ہے اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

در کف جام شریعت در کف سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام وسندان باختن

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شاہکار خطبہ راندیر میں 'اسلامی شاہراہ معرفت' کی اچھوتی توضیح وتفسیر بیان فرمائی ہے۔ یہ خطبہ سلیمانی علم ودانش، حکمت ومعرفت کا ایک دلچسپ نمونہ اور سلوک کا ایک البیلا اور درخشندہ نشان ہے۔ یہ خطبہ "الجھد والجھاد لعلمی المعاش والمعاد" مسلمانان راندیر (گجرات) کی درخواست پر حضرت نے راندیر میں دیا تھا۔ آخری دور کی تقریر ہونے کی بنا پر پختگیٔ افکار، شریعت وطریقت کی جامعیت اور اعماق نظر کی ایک عجیب دستاویز ہے۔" انسانی شاہراہِ معرفت" اور اسلامی سلوک کی وضاحت کیلئے اس خطبہ کا بغور مطالعہ سرمہ سلیمانیؒ کا حکم رکھتا ہے۔ تمہید اور علم معاش ومعاد کے متعلق دقیق ومحققانہ مباحث کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

"ہم نے تقریر کے شروع میں دو آیتیں پڑھی تھیں

۱ :۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا

۲ :۔ وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

ایک کا تعلق اس علم سے ہے جو شروع آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا۔ اور جس کو تعلیم اسماء فرمایا ہے۔ اور جسکی تشریح ہم نے علم آثار واوصاف وصفات وخواص اشیاء سے کی ہے اور انہیں چیزوں کی تحقیق اور علم پر دنیا میں بقائے انسانی اور اس کیلئے غذائے انسانی اور سامانِ ضروریاتِ انسانی موقوف ہے۔ اسلئے میرا ذوق ادھر جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان علوم کی تھی جن کا تعلق 'علم معاش' سے ہے۔ وہ علم معاش، جو حق تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور شکر نعمت کی طرف لے جائے۔

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔ اگر تم اسکی عبودیت اور بندگی کرتے ہو

انسان کی وہ ساری عباد تیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ دراصل وہ شکر ہی کی صورتیں ہیں۔ ملائکہ کی پیدائش تو طاعت و اطاعت ہی کیلئے ہوئی ہے۔ لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ۔ ان کی شان ہے اور تسبیح و تقدیس ان کی غذا ہے۔ لیکن یہ اطاعت ان کے قصد و اختیار سے نہیں۔ اسلئے موجب ثمراتِ قصد و ارادہ نہیں۔ اور پھر وہ طاعت و اطاعت مشاغلِ دنیا اور افکار و مساعی خورد نوش و دفع مضرات و رفع موانع اور مواقع صبر و شکر و قطع حرص و طمع وغیرہ رذائل و فضائل اور انہماک حیاتِ دنیا کے لذائذ و آلام سے تمام تر خالی ہے۔ ملائکہ نے حضرت آدم کی غرض و غایت، اطاعت و طاعت کی وہ صورت سمجھی تھی۔ جو ان کیلئے اللہ تعالیٰ نے بتائی تھی۔ کہ دن رات وہ اس طاعت و عبادت میں مصروف رہیں۔ اور ان کا دوسرا کوئی شغل ہی نہیں ہے۔ جو اس طاعت و عبادت سے مانع ہو۔ اور نہ ان میں جذبات بہیمیہ اور ہوائے نفس ہے۔ جو ان کو بے قابو کرے۔ اِس لئے انہوں نے جب عرض کی:-

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ ۴) ہم تو آپ کی حمد و ثنا میں لگے رہتے ہیں۔

تو ارشاد ہوا:-

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۴) یعنی میں وہ جانتا ہوں۔ جو تم نہیں جانتے۔

اور وہ یہ تھا۔ کہ آدم کو طاعت و عبادت کی وہ راہ بتانی مقصود تھی جو مادیات و جذبات و خواہشوں کے بیچ سے ہو کر نکلی ہو۔

اِس کیلئے ان کو آثار و صفات و خواص اشیاء کی تعلیم ہوئی جو فرشتوں کو نہیں ملی تھی کیونکہ ان کے کاموں کیلئے ان کی ضرورت نہ تھی۔ انہوں نے کہا

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔ (بقرہ)

پاک ہے پروردگار تیرا ہر کام ہر اعتراض سے پاک ہے۔ ہم کو وہی معلوم ہے جو تونے سکھایا۔ اصلی علم و حکمت تو تیرے ہی پاس ہے۔

غرض یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت آدم کی صورت میں ایسی مخلوق بنا رہا تھا۔ اور اس کو اپنے اخلاق و صفات کی امانت سپرد کر رہا تھا۔ جو دنیا کو برت کر دین کو حاصل کرے۔ جو پیٹ کے جھگڑے میں پھنس کر قلب سے غفلت نہ برتے۔ جو دنیا کے لذائذ و نعم سے گزر کر لذت ابدی کی طالب ہو۔ جو ضلالت و غفلت کے ہر تماشہ سے دلیرانہ گذرے مگر اس میں پھنس کر خالق سے بے نیاز نہ ہو۔ جو دنیا کے مشاغل میں الجھ کر یاد الٰہی سے غافل نہ ہو۔ جس کی شان یہ ہو۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور۔۵)

ایسے لوگ جن کو دنیا کے کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

ہمارے حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملائکہ کی راہ مشاہدہ کی اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ خالص طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی وہ شکل جو ملائکہ کو عنایت ہوئی ہے۔ اور جس کا ان کو دعویٰ تھا اس طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی شکل سے الگ ہے۔ جو بنی آدم کیلئے

مقدر فرمائی گئی۔ اِس لئے آدمؑ کو جو تعلیم فرمائی گئی۔ اِس کا تعلق انہی علوم سے ہو سکتا تھا جس کی ضرورت ملائکہ کو نہ تھی .... غرض آغاز عالم میں تعلیم فطری کے گر بتا کر جو علم بخشا گیا ان کا تعلق ان علوم سے ہے جو انسانوں میں بغرضِ کسبِ معاش ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور جن کو ہم تجربہ اور عقل و قیاس سے معلوم کرتے ہیں۔ اور دوسرا علم، علمِ شریعت ہے۔ جو انسان کی مادی بقا کی اصلی مقصد و غایت ہے۔ اور جس کا ماخذ محض وحی الٰہی ہے۔ پہلے علوم پیٹ کے علاج ہیں۔ اور دوسرا علم قلب کی صلاح کی تدبیر ہے۔ اور انہیں دونوں پر عالم کی بقا و صلاح کا مدار ہے۔ علوم معاش پر بقا کا اور علوم قلب پر صلاح کا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھانے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَ سَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

شکر ہے اِس اللہ کا جس نے مجھے کھلایا اور پلایا اور مجھے مسلمان بنایا۔

درحقیقت اِس دُعا میں ان دونوں نعمتوں کو یکجا کیا گیا۔ پیٹ کو جس کا متکفل علم معاش ہے۔ اور دل کو جو سلم سے عبارت ہے۔ جس کی ضمانت علم معاد اور شرع کے ذریعہ سے فرمائی گئی ہے۔ اس موقع پر غذائے جسمانی کے ساتھ غذائے روحانی بھی یاد فرمائی گئی۔ اور پیٹ کے بھرنے کیساتھ قلب کے سنورنے پر بھی انسان نے اس مالک کی حمد ادا کی، جو اُس پیٹ سے اصل مقصود ہے۔ پیٹ بھرنا نفس کی شرارت کیلئے نہیں جیسا کفار و فساق نے سمجھا ہے۔ بلکہ پیٹ بھرنا قلب کی صلاح کیلئے ہے کہ وہ دلجمعی سے حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف اور اس کی طاعت و اطاعت میں مشغول رہے۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

دین اسلام میں بندہ پر طلب رزق حلال واجب ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اُس کو وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ سے تعبیر فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش، تاجر صدوق کے بڑے بڑے مراتب ظاہر فرمائے ہیں۔ اور ان تاجروں کو جھوٹی قسموں اور جھوٹی تفاظیوں سے اپنی تجارت کو فروغ دیں۔ سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح زراعت اور باغبانی کو بھی ایک نوع کی عبادت بتایا گیا ہے۔ کیونکہ ہر دانہ جو اس محنت سے نکلتا ہے۔ اور ہر پھل جو اس سے پیدا ہوتا ہے انسان تو انسان پرندے بھی اس کو کھاتے ہیں۔ وہ انسان کے ثواب کو بڑھاتے ہیں اسی طرح اہل و عیال کیلئے جو کوشش کی جاتی ہے۔ اور ان کے منہ میں جو لقمہ بھی جاتا ہے وہ مرد مومن کیلئے اجر کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح معاملات داد و ستد میں حسن سلوک قرضہ حسنہ صدقات و خیرات و تبرعات غرض جملہ مالی معاملات جو لوجہ اللہ اور تحتِ حکم الٰہی ہوں رضائے الٰہی کا موجب ہیں۔ علیٰ ہذا سلطان عادل بھی زمین پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے، سلطنت و حکومت، نظم و نسق، عدل و انصاف، جہاد و غزا، فصلِ قضا اور وہ تمام امور جو سیاست سے متعلق ہیں وہ تحتِ احکام الٰہی عبادات میں داخل ہیں پھر مصائب پر صبر، مشکلات میں توکل علی اللہ، استقامت فی الدین اور اسی قسم کے دوسرے اخلاق و فضائل بھی قرب الٰہی کے ذرائع ہیں۔ میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں جب آدم کو مسجودِ ملائک بنایا تو یہ طے فرما دیا تھا کہ نسلِ آدم کیلئے معرفت و عبادت اور قرب الٰہی کے راستے اور وسیلے اور ذریعے فرشتوں کی خاص تسبیح و تقدیس کے ذریعوں سے جن کو وہ قرب و رضائے الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے تھے، الگ ہیں اور اس نے مجاہدہ کی اس دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر بنی آدم کیلئے

اپنی معرفت و اطاعت کی شاہراہ الگ مقرر فرمادی تھی۔ سورہ بلد میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ اَیَحْسَبُ	ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے
اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ یَقُوْلُ	کیا وہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہیں
اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا اَیَحْسَبُ اَنْ	پا سکتا، کہتا ہے کہ ہم نے بڑا مال اپنا برباد
لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ	کیا، کیا اس کا یہ گمان ہے کہ اس کو کوئی نہیں
عَیْنَیْنِ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ وَهَدَیْنٰهُ	دیکھتا۔ کیا ہم نے اسکی دو آنکھیں، ایک
النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَ	زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے۔ اور اسکو
مَاۤ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ	(خیر و شر) کے دونوں راستے سوجھائے،
رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ	وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہیں نکلا! تمہیں
مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِیْنًا	کس نے بتایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے (غلامی
ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ	یا قرض سے دبی ہوئی) گردن (کی بندش کو)
اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا	کھولنا یا بھوک کے دن میں کسی قرابت دار
بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ	یتیم یا خاک میں پڑے ہوئے محتاج کو کھانا
الْمَیْمَنَةِ ط	کھلانا پھر یہ کہ وہ ایمان والوں میں سے ہو

اور مجاہدات میں برداشت کی اور آپس میں مہر و شفقت کی ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔ یہی لوگ داہنے ہاتھ والے ہیں۔

اب اجمال کے طور پر یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان اس دنیا میں مشقت اور محنت اور مجاہدہ ہی کیلئے پیدا ہوا ہے۔ اس کو دین یا دنیا میں جو کچھ ملے گا

اِس کی محنت و مشقت ہی سے مل سکے گا جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اور نہیں انسان کیلئے لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی۔
(نجم - ۲)

اِسی لئے اس کو دولت عطا فرمائی۔ اِسی لئے آنکھیں، زبان اور ہونٹ اور دوسرے اعضاء اس کو عنایت ہوئے کہ ان سب کو حکم الٰہی کے ماتحت کام میں لاکر دنیا اور آخرت کے مدارج حاصل کرے اس کو خیر و شر کی دونوں راہیں بتادی گئیں

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا اِس کو گناہ گاری اور پرہیزگاری دونوں کا الہام کردیا گیا۔
(شمس - ۱)

اب اس کا فرض ہے کہ وہ اس گھاٹی میں سے ہوکر پار نکلے۔ اور منزل مقصود تک پہنچے۔ یہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ ایمان وعمل صالح کا حصول اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرنا۔ غرض یہ ساری آتیں "بنی آدم کی شاہراہ معرفت" کی نشاندہی کررہی ہیں۔ جس سے علوم ہوتا ہے کہ تسبیح وتقدیس کے ملکوتی طریق معرفت کے ساتھ ساتھ اِس کے علاوہ بنی آدم کے لئے مزید ذریعے اور طریقے جو خاص انہیں کیلئے مخصوص تھے مقدر فرمائے اور

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

کا ارشاد الٰہی پورا ہوا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فرشتوں سے الگ انسانوں کیلئے اور نسل بنی آدم کیلئے جو امور و معاملات ان کی زندگی کے مقررہ اوقات کے بخوبی بسر کرنے کیلئے مقدر فرمائے ہیں وہ معرفت الٰہی اور طاعت الٰہی کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ اور یہی نسل بنی آدم کی قربت و فضیلت ہے

کہ وہ معاشی و معادی دونوں مجاہدات سے گزر کر اللہ تعالیٰ تک پہونچ سکتی ہے۔

اس تشریح سے یہ واضح ہے کہ انسانی " راہ معرفت " زندگی کی دنیاوی مشغولیتوں معاشرتی تقاضوں، معاشی مصروفیات اور جسمانی ضروریات کے حصول کی کوششوں کے بیچ میں سے ہوکر نکلی ہے۔ اس لئے انسان کا کمال ترکِ معاش، گوشہ گیری، رہبانیت اور دنیاوی تعلقات سے چھٹکارا حاصل کرنا نہیں۔ بلکہ دنیا میں رہ کر ایک طرف بندوں کے حقوق ادا کرنا، حسنِ معاشرت، خوبیٔ معاملات، اخلاقِ فاضلہ، عدل و انصاف کی نظریں قائم کرنا ہے۔ اور دوسری طرف مخلوق میں رہتے ہوئے دنیاوی اشیاء کو جائز طریقہ سے استعمال کرتے ہوئے اپنے قلب کو اپنے خالق کیلئے فارغ، اسی میں شاغل، اسی کی یاد میں مست، اسکی عبادت میں مشغول رکھتا ہے اور ہر حال میں اس کے احکام کا پابند رہنا ہے کہ علوی اور سفلی کوئی چیز ذات حق کے سوا اسکے نہاں خانہ دل میں بار و قرار نہ پا سکے۔ زندگی کے ہنگامے اس کے قلبی سکون کو تہ و بالا، اور مخلوق کا استعمال اسے خالق سے بے فکر نہ کر سکے۔ یہ عالم اس کیلئے مرأۃ جمال حق ہو اور معرفت و کمالِ الٰہی کا آئینہ، وہ ہر چیز کو برتے لیکن اسکا آبگینۂ قلب اشیاء کی کثافتوں سے گدلا ہوکر نہ رہ جائے اس کی نگاہیں زمین و آسمان کی دلفریب وسعتوں میں گم نہ ہوسکیں۔ اور سرابِ حیات اسے آخرت کی زندگی سے غافل نہ کردے۔ غرض اپنے جسد و روح، دل و نظر کی کامل حفاظت کرتے ہوئے اس آزمائش کدۂ عالم سے گذرنا ہے۔ تاکہ اسکی صلاحیتیں اور استعدادیں روبکار آسکیں۔ اور وہ اس ' ابتلا ' میں کامیاب ہوسکے جو اس کا منشائے تخلیق ہے۔ اور جس کیلئے اسے فریب کدہ عالم میں بھیجا گیا ہے ؎

دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر لیجا ۔۔۔ مہ و ستارہ ہیں بحرِ وجود میں گرداب

سلوکِ رہبانیت کا نام نہیں

مرورِ ایام سے حقیقی تصوّف و سلوک پر جو تو بر تو پردے پڑ گئے اور ان کی وجہ سے جو عظیم الشان غلطیاں شائع ہو گئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سلوک کا نام لیتے ہی ترکِ دنیا، عزلت نشینی، گوشہ گیری، نفس کشی، قطع علائق اور رہبانیت کا نقشہ نگاہوں میں آجاتا ہے۔ انہیں تصوّرات کی وجہ سے دین و دنیا کی دوئی کا افسانہ تراشا گیا۔ اور یہ سمجھا جانے لگا کہ دنیا کے ہوتے آخرت کا ملنا محال ہے۔ بیوی بچوں کی موجودگی میں ذاتِ باری کا تعلق واہمہ اور زمینی بادشاہت کے ساتھ آسمانی جنت و بادشاہی میں داخلہ خام خیالی ہے۔ اپنے جسم کو اذیت دینا بندگی قرار دیا گیا اور اس کا نام "مجاہدہ" قرار پایا۔ قطع علائق کو قربِ الٰہی کا ذریعہ اور ترکِ دنیا کو حصولِ آخرت کا سبب گردانا گیا۔ عزلت نشینی، خلق سے گوشہ گیری، تقدس اور پرہیزگاری کی علامت ٹھہری۔ اور تعطّل کا نام "توکل" رکھ دیا گیا۔ غرض دین و دنیا میں تفرقہ کی ایسی پائیدار اور نمایاں لکیر کھینچ دی گئی کہ دنیا دار اور دین دار، اللہ والے اور دنیا کے طالب دو ممیز اور علیحدہ گروہ قرار پا گئے۔ جن کے دائرے قطعاً جداگانہ ہیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی حدود پر قانع ہے اور دونوں فریق ایک دوسرے سے بیگانہ اور ناآشنا ہیں۔ دیندار طبقہ

دنیا میں اُلجھنا گناہ سمجھتا ہے اور اہل دُنیا سلوک کی راہ پر چلنا اور دینی فضائل و مزایا کے حصول کو اپنی استعداد و معیار سے بلند سمجھتا ہے۔ غرض دونوں طبقات میں تفریق و جدائی کی غیر فطری اور غیر اسلامی تقسیم ہو چکی ہے۔

ہمارے حضرت والا قدس سرہ نے ہمیشہ اس غلط تقسیم، اور جاہلی نظریہ کی تردید فرمائی اور ہمیشہ دین و دنیا کی وحدت، عبادات کی وسعت، مجاہدات میں سہولت، جائز تعلقات کی بقا اور اس کے نباہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا درس دیتے رہے اور ان غلطیوں اور گمراہیوں کا ازالہ فرماتے رہے جس نے سلوک کی افادیت کو ایک دائرہ میں محدود اور طریق کی ضرورت و اہمیت کو انتہائی گھٹا کر رکھ دیا ہے کیا عجیب ہے کہ طریق جو شریعت مطہرہ ہی کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کی اہمیت اپنوں کی مشکل پسندیوں اور غلط کوشیوں کی بناء پر اُمت کے ایک کثیر طبقے کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اسلامی سلوک کے منور چہرے سے پیہم ان سیاہ پردوں کو دور فرماتے رہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے

دین و دنیا کی وحدت

حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

" ان عظیم الشان غلطیوں میں جن میں لوگ ہمیشہ مبتلا تھے۔ ایک یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین و دنیا دو مختلف چیزیں ہیں۔ دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے جو دین کو اختیار کرتا ہے، دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو دنیا اور زخارف دُنیا پر نظر ڈالتا ہے۔ اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ اس خیال نے اگرچہ

ایران، ہندوستان، چین اور دیگر ممالک مشرقیہ میں عملی شکل اختیار کر لی تھی۔ اور راہبان صومعہ نشین اور بادشاہان لشکر شکن کے حدود زندگی اور دائرہ عمل میں ایسی حد فاصل قائم کر دی تھی۔ کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ تاہم اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل توجہ وہ قومیں تھیں جو اپنے کو صحائف آسمانی کا پیرو اور سفیران الٰہی کا مخاطب اول سمجھتی تھیں۔ ہندو بدھ، کنفوشی اور زردشتی نقطۂ نظر سے زیادہ قابل غور وہ تخیل تھا جس میں انسانوں کی تقسیمیں کر دی گئی تھیں کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے اور کچھ دنیا کے، ہندوؤں میں خلقتہً برہمن دین کے لئے اور راجپوت بادشاہی کے لئے اور ویش تجارت اور کاشتکاری کے لئے اور شودر محنت اور مزدوری کے لئے تھے اور ان کی عمروں کی بھی تقسیمیں کر دی گئی تھیں۔ کہ تیس برس تعلیم کے لئے، تیس برس دنیا کمانے کے لئے اور تیس برس عبادت کے لئے، بودھوں میں بھکشو الگ کر دیئے گئے تھے۔ جن کا کام صرف دھرم سیوا تھا۔ اور دنیا دار الگ تھے۔ جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے۔ اور جن پر بھکشوؤں کے تمام اخراجات کا بار تھا۔

یہودیوں میں لاوی دین کے کاہن تھے۔ وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے تھے۔ وہ خاندانی ترکہ و وراثت سے بھی محروم تھے۔ کہ یہ دنیا کی چیزیں تھیں اور باقی لوگ دنیا دار تھے۔ عیسائیوں نے اس انقسام کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا تھا۔ انہوں نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمراں فرض کئے تھے۔ اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو۔ اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔ یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح کوشش کی، اس کی عملی

شکل دو متضاد طریقوں سے ظاہر ہوئی۔ یعنی یہود نے دنیا و عقبیٰ کا حاصل دنیا کو سمجھا، اور نصاریٰ نے عقبیٰ کو۔ یہود کی حکومت و سلطنت، مال و دولت اور تمام سودی کاروبار کا مبنی صرف یہ خیال تھا۔ کہ انسان کے اعمال و افعال کا مرجع دنیا ہے اس لئے انہوں نے دین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی توجہ تمام تر دنیاوی چیزوں تک محدود رکھی۔ اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کو سمجھا۔ اور اسی لئے ان میں ایک بڑا فرقہ وہ تھا۔ جو صرف دنیاوی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا۔ اور آخرت کا قطعاً منکر تھا۔ بخلاف اس کے اگلے نصاریٰ نے زخارفِ دنیوی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ ہر نعمت کو آسمانی بادشاہت میں تلاش کرتے رہے۔ اس لئے راہبانہ طریقۂ زندگی اور زاہدانہ طرزِ معیشت اختیار کیا۔

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعے سے جب اسلام آیا۔ تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا۔ کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں، بلکہ ایک ہیں دین دنیا ہے اور دنیا دین ہے۔ دین میں جب خواہشاتِ نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے۔ اور دنیا میں احکام الٰہی کا تتبع پیش نظر ہو تو دین ہو جاتی ہے۔ اس طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حدِّ فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ انسان کا نقطۂ نظر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی قائم نہیں رہتی اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں۔ وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہو جاتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنا دنیا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی پیش نظر ہو۔ تو دین ہو جاتا ہے۔ خودکشی دنیا ہے۔ لیکن اگر فرائضِ خداوندی کی تعمیل میں اس کو اختیار کیا جائے۔ تو شہادت کی شکل پاکر دین ہو جاتی ہے پیغمبر

اسلام (فداہ ابی وامی) صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی تشکل میں ہم کو یہ صورت بتلائی آپ کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قیام لیل، عبادتِ شبانہ، تلاوت قرآن، تبلیغ احکام، غزوات وفتوحات، مہمات سلطنت کی مصروفیات، غرض آپ کی سیرت کا ایک ایک واقعہ دین بھی تھا۔ اور دنیا بھی، عین اس وقت جب آپ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکہ ہوتا تھا۔ آپ سفیر الٰہی اور فرشتۂ یزدانی نظر آتے تھے۔ آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا۔ اور ان کے تمام کارنامہائے زرّیں کے اندر وہی روح نظر آئی، جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتزاج سے پیدا ہوئی تھی۔ اور جو قرآن پاک کے منشاء کے عین مطابق تھی۔ قرآنِ مجید نے متعدد آیاتِ شریفہ میں انسانی اعمال کی جزاء کو دنیا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے، یعنی یہ بتایا ہے کہ انسان کی نیکی کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور عقبیٰ میں بھی ملے گا۔ یہ نکتہ صحابہ کرامؓ کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا اور جب تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں تکمیلی رنگ نمایاں رہا۔ ان کی دنیا عینِ دین رہی اور دین عین دُنیا،

لیکن جب سے اس نقطۂ نظر میں تبدیلی واقعہ ہوئی، ان کے کام ابتر ہوگئے، اور ان میں اسلام کی بجائے یہودیت اور نصرانیت کا رنگ جھلکنے لگا۔ ان میں اہلِ کتاب کی طرح دین و دنیا دو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں، بعض علانیہ دنیا کو اختیار کرکے دین سے غافل ہوگئے اور یہود کے خیال کو زندہ کردیا، بعض نے ترک دنیا کرکے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کردی، اس کی ایک محسوس اور بیّن مثال خلافت کے حدود میں ملتی ہے۔ پہلے

خیال کے تسلّط کے زمانہ میں خلیفہ دینی مقتدا اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ لیکن جب دوسرا خیال مستولی ہوا۔ تو ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہوگئی۔ یعنی مذہبی پیشوا الگ ہوگئے اور دنیاوی حکومت سلاطین کے قبضہ و اقتدار میں چلی گئی۔ اس تفریق نے مسلمانوں کی قومی قوت اور اجتماعی شیرازہ کو جس طرح توڑا۔ اور منتشر کیا۔ اس کے شواہد دفاتر تاریخی سے باہر ان کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں۔ جن کو ماہرین فلسفۂ تاریخ کے علاوہ امراضِ قومی کا ہر نبض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے۔ اندریں حالات ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی موجودہ ابتری و پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف عود کریں۔ جو ہماری ترقی، سربزی اور تفوق کا ضامن تھا۔ جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی۔ اور جو یہودیت و عیسویت سے بالکل علیحدہ تھا۔

آج اقوامِ اسلامی یا تو یہودی تخیل کا شکار ہیں یا عیسوی تخیل کا۔ محمدی دعوت آج اکثر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ آج منبر اور تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور سپہ سالار اور امام دو گروہ ٹھہرائے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہمارا منبر اور تخت ایک تھا اور ہمارے سپہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے۔ مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے فراموش کر دیا ہے اور خدا اور قیصر دو بادشاہوں کی رعایا بن گئے ہیں۔ وہ سلطنت و حکومت و تجارت و خدمت کسب زر اور تعلّم ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نماز و روزہ اور تسبیح و وظیفہ خوانی کو دین کا کام سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جدوجہد، ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل و خدمت، ہر تجارتی شغل و کاروبار، ہر صنعتی ترقی و اقدام اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور اگر

حُسن نیت نہ ہو تو رات بھر کا قیام نماز اور دن بھر کا روزہ بھی دُنیا ہے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا ہے۔ اس میں دنیا و دین کی تفریق اگر کسی معنیٰ میں ہے بھی تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ نیتوں کے فرق کی وجہ سے ہے اور یہی وہ راز ہے جس کی بناء پر اسلام جب دین بن کر آیا، تو ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کا پیام بھی لایا۔ بدھ مذہب میں دین الگ سے آیا۔ دنیا الگ سے، بنی اسرائیل کو دین ملنے کے چار سو برس کے بعد سلطنت ملی۔ عیسائیت کو حضرت عیسیٰؑ کے صدیوں بعد تخت کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا منبر نصب کیا۔ اس وقت دنیا کا تخت بھی بچھ گیا اور اسی وقت عظیم الشان اخلاقی و روحانی و تجارتی و سیاسی علمی و تعلیمی غرض تہذیب و تمدن کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے۔ تیس برس کے اندر خلیج فارس سے لے کر بحر ظلمات تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف اخوت و مساوات اور تہذیب و تمدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ عرب و عجم، ترک و چین، ہند و روم اور بربر و حبش نے مل کر لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامہ کی بنیاد ڈال دی، جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آتے۔

اس سریع و عظیم انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھا دی تھی۔ رہبانیت اور گوشہ نشینی کا نام اس نے عبادت نہیں رکھا تھا۔ بلکہ ممالک کی فتوحات ہوں، مدارس کی تاسیس ہو، تجارت کے بری و بحری سفر ہوں۔ جنگی مشاغل ہوں، یا امن و صلح کی کوششیں ہوں، حصول رزق اور کسب

دولت کی صحیح مساعی ہوں، یا غریبوں، بیکسوں اور مسافروں کی امداد کے کام ہوں۔ آل و اولاد اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہش ہو۔ یا خدا کے لئے تن تنہا جدوجہد اور جہاد ہو۔ ان میں سے ہر کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا۔ اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ، ہر سعی و محنت اور ہر جدوجہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو۔ سراسر دین تھی۔ مسلمانوں کی گذشتہ تباہی و بربادی کا اصلی سبب یہی ہوا۔ کہ انہوں نے دین و دنیا کی اس وحدت کے نکتہ کو فراموش کردیا۔ بادشاہ دنیاوی کاروبار کا۔ اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار بنا۔ اور نصاریٰ کی طرح دین الگ اور دنیا الگ، قیصر الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا، دینی کاموں کی فہرست الگ بنائی گئی اور دنیاوی کاموں کی فہرست الگ تیار کی گئی۔ کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں مسجدوں اور حجروں میں بند کرکے اپنے کو دین کا خادم کہلایا۔ اور کچھ لوگوں نے دُنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر اپنے کو دنیا دار قرار دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اہل دین ہوتے کے مدّعی دنیا کے کاموں کے لائق نہ رہے اور کھلم کھلا اہل دُنیا کہلانے والے خدا کی خوف و خشیت کو بھلا، اور اس کی رضا کی دولت کو کھو بیٹھے۔

اب امت محمدّیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ پر فرض ہے۔ کہ وہ دین و دنیا کی وحدت کے اس راز کو سمجھے۔ اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر اسی وحدت کے اندر تلاش کرے۔ وہ بازاروں میں خُدا کے لئے دولت پیدا کرے۔ لڑائیوں میں خدا کے لئے اپنی جانیں فدا کرے۔ مدرسوں اور جامعوں میں خُدا کے لئے مفید، نافع علوم و فنون کی تعلیم حاصل کرے۔ تجربہ گاہوں میں خُدا کے لئے ایجاد و اختراع کرے۔ دُنیا کے ساتھ دین کی دولت بھی حاصل کرے۔ اور زمین کی حکومت اور آسمان کی بادشاہی

دونوں کو ایک دوسرے کا سایہ سمجھے۔

(خطبہ رسول وحدت)

ص ۲۴ - ۲۰

"خطبات مدراس" میں اسی حقیقت کا اظہار ان واشگاف الفاظ میں فرمایا:-

"دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی۔ وہ دین و دنیا کا فرق ہے۔ دین کا کام الگ کیا گیا۔ اور دنیا کا الگ، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا۔ اور قیصر کا حکم الگ۔ یہ سب سے بڑی غلطی تھی۔ جو دنیا میں پھیلی تھی۔ اس غلطی کا پردہ پیغام محمدیؐ کی نور افگن شعاعوں نے چاک کر دیا۔ اس نے بتایا۔ کہ اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اس دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا دین ہے یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیاداری ہی دینداری ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ ذکر و فکر گوشہ نشینی و عزلت گیری، کسی غار اور پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دینداری ہے۔ اور دوست و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مدد فکر معاش اور پرورش اولاد دنیا داری ہے۔ اسلام نے اس غلطی کو مٹایا۔ اور بتایا کہ خدا کے حکم کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو ادا کرنا بھی دینداری ہے......

مجھے صفائی سے کہنے دو۔ کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے۔ اسلام جد و جہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے۔ وہ موت نہیں حیات ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (نجم - ۲) انسان کیلئے وہی ہے، جو وہ کوشش کرے
اور كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (مدثر - ۱) ہر جان اپنے کام کے ہاتھ گروی ہے

اسلام سرتاپا جہاد و مجاہدہ ہے۔ لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں۔ بلکہ میدان میں نکل کر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ عام صحابہ کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے اور وہی تمہارا ذریعہ فلاح ہے اور وہی ترقی وسعادت کی راہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بدھ کے پیغام کی طرح ترک خواہش نہیں۔ بلکہ تصحیح خواہش ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت مسیح (علیہ السلام) کے پیغام کی طرح دولت وقوت کی تحقیر اور ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اس کے صحیح استعمال اور مصرف کی تعین ہے۔

ایمان اور اس کے مطابق عمل یہی اسلام ہے۔ اسلام عمل ہے۔ ترک عمل نہیں ادائے واجبات ہے۔ عدم واجبات نہیں۔ ادائے فرض ہے۔ ترک فرض نہیں۔ اس عمل اور ان واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور ان کے یاران باصفا کی زندگیوں اور سیرتوں میں ملے گی جن کا نقشہ یہ ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ — محمدؐ خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ — ہیں وہ کافروں پر بھاری آپس میں رحم دل
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا — ہیں۔ ان کو دیکھو گے۔ کہ وہ رکوع اور سجدہ
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا — میں ہیں۔ وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی
(فتح - ۴) — کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

کافران حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے۔ آپس میں برادرانہ اُلفت کے جذبات بھی ہیں۔ خدا کے سامنے رکوع میں جھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں اور پھر دنیا میں خدا

کی مہربانی اور رضا کے طالب بھی ہیں ۔ خدا کی مہربانی، قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں۔ اس روزی و معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور ۔ ۵) یہ وہ لوگ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہے اور خدا کی یاد بھی قائم ہے ۔ وہ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈھتے، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ ع

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق

مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہے ۔ صحابہ فوج کے سپاہی ہیں ۔ کفار کا سپہ سالار ان مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیمپ میں چند جاسوس بھیجتا ہے وہ یہاں آکر اور مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جاتے ہیں تو سرتاپا اثر میں ڈوبے ہوتے ہیں ۔ وہ جاکر رومی سپہ سالار کو بتاتے ہیں ۔ کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں هُمْ باللیل رهبان وبالنهار فرسان "وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شاہسوار یہی اسلام کی اصلی زندگی ہے"۔

(خطبات مدراس ص۱۹۷ ۔ ص۲۰۰ ملخصاً)

حضرت سیدی الشیخ قدس سرہ نے دین و دنیا کی اسی یکجائی کا اظہار و تشریح فقیر سے فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

" جب دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ ہو۔ تو پھر ساز و سامان، تاج و تخت وغیرہ تمام دنیا موجود ہو تو مضر نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تخت و سامان میں بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور اگر دل میں غیر اللہ سمایا ہو، غیر کی محبت ہو۔ تو ایک کملی

بھی نقصان دے سکتی ہے۔ میں نے بزرگوں سے سنا ہے۔ کہ ایک کملی پوش شخص شیخ کی تلاش میں تھے۔ جہاں جاتے شیوخ میں کچھ ایسی چیز پاتے، جو ان کی دانست میں کمال کے منافی ہوتی تھی۔ ایک بزرگ کے پاس پہنچے۔ وہاں چاندی، سونا اور دوسرے نہایت قیمتی سامان پائے۔ دل میں کہا، یہ کیسا درویش ہے۔ کہ اتنی دنیا اکٹھی کر رکھی ہے۔ شیخ نماز میں تھے۔ اس شخص کے خطرہ پر انہیں نماز میں وقوف ہوا۔ نماز کے بعد فرمایا۔ آؤ! حج کے لئے چلیں۔ وہ شخص بھی تیار ہو گیا اور شیخ، اپنا کل سامان چھوڑ کر اسی وقت سفر پر روانہ ہو گئے۔ کچھ راستہ طے کیا تھا کہ وہی شخص کہنے لگا۔ حضرت ٹھہرئیے۔ میں اپنی کملی آپ کی جگہ پر بھول آیا ہوں۔ اسے لیتا آؤں "شیخ نے ارشاد فرمایا۔

"آپ اپنی ایک کملی کو نہ چھوڑ سکے۔ اور ہم اپنا سارا مال و متاع چھوڑ آئے اور اس کا احساس تک نہ ہوا۔" پھر شیخ نے فرمایا:-

"ما ایں ذرہ در گِل انداختہ ایم نہ در دل"

ہمارے حضرت والا سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔" اگر کملی میں دل اٹک رہا ہو۔ تو مانع ہے اور تخت میں دل نہ الجھا ہو۔ تو وہ مانع نہیں۔ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں   ایں خیال است و محال است و جنوں

عام طور سے اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ دنیاوی مال و متاع کے ساتھ اللہ تعالیٰ نہیں مل سکتے۔ مگر مولاناؒ نے دنیا کا جو مطلب لیا ہے۔ وہ اس سے اگلے شعر میں بیان فرمایا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن ۔ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن،

یہاں "دنیا" سے مراد "خدا سے غافل ہونا" ہے "قماش و نقرہ و فرزند و زن" دنیا نہیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے غافل کرانے والے نہ ہوں

ہمارا ریاض یہ نہیں، کہ بارہ سال جنگل میں بھوکا رہا جائے۔ یا الٹا لٹک کر عبادت کی جائے (راقم نے عرض کیا "صلوٰۃِ معکوس" پڑھتے ہیں۔ فرمایا "صلوٰۃ معکوس" نہیں "تصوف معکوس" ہے۔ یہ چیزیں جوگیوں سے لی ہیں) ...... ہمارا ریاض یہ ہے کہ باطن میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو۔ دل سے غیر کی محبتیں خارج ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت آچکی ہو۔ اور ظاہر میں اعمالِ صالح کی ہر حالت میں پابندی ہو۔ محبت کا یہ مطلب نہیں، کہ نام لے تو رونا آجائے۔ بلکہ محبت کا مطلب یہ ہے کہ جتنی محبت بڑھتی جائے، اتنا ہی اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل ہوتا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کی یہی پہچان بتاتی ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ، لوگ سمجھتے ہیں، کہ اتباعِ نبویؐ میں صرف ظاہری اتباع کافی ہے۔ سیاہ پگڑی باندھ لی، سرمہ لگا لیا۔ تہبند نصف ساقین تک اونچا کر لیا۔ اور اتباع نبوی مکمل ہو گیا۔ ظاہری اتباع کی نفی نہیں کرتا۔ وہ بھی ضروری ہے۔ لیکن باطنی اتباع اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ احوال میں اتباع ہو۔ فکر و کیفیاتِ قلبی میں اتباع ہو۔ اس کی طرف توجہ نہیں جاتی۔ صَابِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ۔ ہر حال میں سختی میں بیماری میں لڑائی کے وقت غرض ہر حالت میں اور ہر وقت اپنی خواہشات کو روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنا اپنا ریاض ہے۔ ضابطِ نفس ہو۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر کا

ہر حال میں پابند ہو۔ یہی اصل مقصد اور یہی تصوف ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا ریاض تو بس یہی ہے ۔ کہ سونے چاندی، زر و جواہر کے ڈھیر اور ھتیلیاں پڑی ہوں اور ادھر (بغیر حق) نگاہ تک نہ ڈالی جائے ۔ کمالِ حسن و جمال ہو۔ تنہائی ہو۔ قدرت ہو۔ لیکن ادھر اللہ تعالےٰ کے تعلق کی بنا، پر قطعاً توجہ نہ کی جاتے۔ یہ کیا ہے کہ بارہ سال جنگل میں روٹی نہیں کھاتی۔ الٹے ٹنگے رہے ۔ یہ تو جوگی بھی کر لیتے ہیں"

اسلامی نظریۂ عبادت کی وسعت

دین و دنیا کی اس غلط تقسیم و دوئی کے نظریہ نے عبادت الٰہی کے مفہوم کو بھی انتہائی ناقص، محدود اور تنگ بنا دیا تھا۔ چند تعبّدی اعمال و مذہبی رسوم کو تو دین اور بندگی سمجھا جاتا تھا۔ باقی جملہ انسانی حقوق و فرائض، معاملات و اخلاق اور حقوق العباد دنیا بن کر عبادت' کے دائرے سے خارج ہو چکے تھے۔ یہ اسلام کا کمال و جامعیت ہے۔ جس نے انسان کو اس تنگ نظری، و تحدید کے گرداب سے نکالا۔ دین و دنیا کی غلط تقسیم کے بُت کو توڑا اور جملہ انسانی افکار و اعمال کو ایمان اور تصحیح عمل کے طریقے عطا فرما کر عبادت بنا دیا۔ کہ انسان اب اخلاص و عمل کی اللہ کی بتائی ہوئی صورتوں کو اختیار کر کے زندگی کے ہر شعبہ میں رضائے حق اور قرب ربّانی سے سرفراز ہو سکتا ہے۔

عبادت کے بارے میں دوسرا مہلک نظریہ یہ تھا۔ کہ عبادت کا مفہوم جسم انسانی کو تکلیف دینا ہے اس تخیّل نے انسان کو تکلیف و آزار دینے والے طرح طرح کے اعمال پیدا کر دیئے تھے جنہیں عبادت و تقرب الٰہی کا ذریعہ گردانا جاتا تھا۔ اسلام نے اس غلط عقیدہ کی نہ صرف تردید کی۔ بلکہ اس کا قطعاً قلع قمع کر دیا۔ اور انسانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ انسان کو آزار میں مبتلا دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ نہ ہی اسے جسم کی یہ مشقتیں

مطلوب ہیں۔ اسے تو ایسا پاکیزہ دل، جو مخلوق کا طالب نہ ہو۔ اور ایسے اچھے اعمال مقصود ہیں جو اس کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے نمونہ کے مطابق ہوں۔

سلوک کیونکہ عبادات کی باخلاص تعیین و تکمیل ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے عبادت کے اس غلط اور تنگ مفہوم نے سلوک کی ہمہ گیری کو بھی محدود کر دیا۔ اور اگر ایک طرف چند مخصوص عبادات واذکار، اوراد و وظائف کو سلوک سمجھا جانے لگا تو دوسری طرف "جسمانی آزار" کے تقرب الٰہی سمجھے جانے کے عقیدہ نے سلوک میں "تکلیف دہ" مجاہدات کی بنا پر درکشش کے سامان فراہم کر دیئے۔ جس کی وجہ سے "شرعی تکلیفات" یعنی احکام الٰہیہ کے اختیار و امتثال کے مجاہدات کو کافی نہ سمجھ کر نام نہاد متصوفین نے سالکین کے لئے "غیر شرعی مجاہدات" کو مقصود گردانا اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھا۔ جس کی وجہ سے سلوک میں طرح طرح کی قباحتیں در آئیں اس غلط طرز فکر اور طریقہ عمل کی اصلاح اور صحیح اسلامی سلوک کے جاننے کے لئے اسلامی عبادات کی وسعت اور عبادات کا اصل مقصد جاننا ضروری ہے۔ حضرت سید الملت قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

"عبادات کے معنی عام طور سے وہ چند مخصوص اعمال سمجھے جاتے ہیں۔ جن کو انسان خدا کی عظمت اور کبریائی کی بارگاہ میں بجالاتا ہے۔ لیکن یہ عبادات کا نہایت تنگ مفہوم ہے۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں پر جو حقیقت ظاہر فرمائی۔ اس کا اصل جوہر یہ نہیں ہے کہ گزشتہ مذاہب کی عبادت کے طریقوں کی بجائے اسلام میں عبادت کے دوسرے طریقے مقرر ہوئے

بلکہ یہ ہے۔ کہ انسانوں کو یہ بتایا گیا۔ کہ عبادت کی حقیقت اور غایت کیا ہے۔ ساتھ ہی عبادات کے گذشتہ ناقص طریقوں کی تکمیل، مبہم بیانات کی تشریح، اور مجمل تعلیمات کی تفصیل کی گئی اہل عرب جہاں آسمانی مذہب کی دوسری حقیقتوں سے بے خبر تھے وہاں عبادت کے مفہوم ومعنیٰ اور اس کے صحیح طریقوں سے بھی ناواقف تھے۔ عرب میں جو یہود اور عیسائی تھے وہ بھی اس کے متعلق اپنے عمل اور تعلیم سے کوئی واضح حقیقت اُن کے سامنے پیش نہ کر سکے تھے۔ اس عہد میں جو عیسائی فرقے عرب میں تھے۔ عقائد میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا۔ کہ وہ حضرت مسیحؑ کی الوہیّت کو تسلیم کرتے تھے اور عبادات میں یہ تھا۔ کہ تمام دُنیا کے عیش وآرام اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر کے عرب کے سنسان بیابانوں اور پہاڑوں میں انہوں نے اپنی عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنالی تھیں اور ان میں بیٹھ کر تمام دنیا کی جدوجہد اور سعی وکوشش کے میدانوں سے ہٹ کر مجرّد اور متقشفانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی لئے عربوں کی شاعری میں عیسائیت کا تخیّل ایک "راہب متبتّل" کی صورت میں تھا۔ عرب کا سب سے بڑا شاعر امرأ القیس کہتا ہے۔

منارۃ ممسیٰ راھب متبتّل ۔ دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے والے راہب کا شام کا چراغ۔

عرب میں یہود اپنی اخلاقی اور مذہبی بدعملیوں کے سبب سے سخت بدنام تھے ان میں روحانی خلوص وایثار اور خدا پرستی نام کو نہ تھی۔ اور صرف سبت (سنیچر) کے دن تورات کے حکم کے مطابق تعطیل منانا اور اس دن کوئی کام نہ کرنا بڑی عبادت سمجھتے تھے۔ قرآن پاک نے ان دونوں فرقوں کی اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہودیوں

پر اس نے بے حکمی، نافرمانی، اکل حرام اور طاغوت کی پرستش کا اور عیسائیوں پر غلو فی الدّین کا صحیح الزام قائم کیا ہے (دیکھو سورۂ مائدہ رکوع ۹، ۱۱ سورۂ حدید رکوع ۴)

یہودی جادو۔ ٹوٹکا اور عملیات کے توہمات میں گرفتار تھے۔ اور جب کبھی موقع ملتا۔ غیر قوموں کے بتوں کے سامنے بھی سر جھکا لیتے تھے۔ عیسائی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ اور مسیحی اولیاء اور شہیدوں کی تصویروں، مجسموں، یادگاروں اور مقبروں کو پوجتے تھے۔ انہوں نے راہبانہ عبادت کے نئے نئے اور جسم کو سخت تکلیف اور آزار پہنچانے والے طریقے ایجاد کیئے تھے۔ اور ان کا نام انہوں نے دینداری رکھا تھا۔ سورۂ حدید میں قرآن پاک نے یہود و نصاریٰ دونوں کو فاسق کہا ہے۔ لیکن ان دونوں کے فسق میں نہایت نازک فرق ہے۔ یہود کا فسق دین میں کمی اور سستی کرنا، اور نصاریٰ کا فسق دین میں زیادتی اور غلو کرنا تھا۔ اور خدا کے مشروع دین میں کمی اور زیادتی دونوں گناہ ہیں۔ اس لیئے قرآن نے دونوں کو برابر کا فسق قرار دیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ

اور ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب رکھی تو ان میں سے کچھ راہ پر ہیں۔ اور اکثر نافرمان ہیں، پھر اُن کے بعد اُن کے پیچھے ہم نے اپنے اور پیغمبر بھیجے۔ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت فرمائی اور جنہوں نے عیسیٰ کی

رَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ

(حدید - ۴)

پیروی کی - اُن کے دل میں نرمی اور رحمدلی بنائی - اور ایک رہبانیت انہوں نے نئی چیز نکالی - جو ہم نے ان پر نہیں لکھی تھی لیکن خدا کی خوشنودی حاصل کرنا تو انہوں نے اس رہبانیت کو بھی جیسا نباہنا چاہیئے تھا نہیں نباہا - تو ان میں جو ایماندار تھے - ہم نے ان کی مزدوری دی - اور اُن میں بہت سے نافرمان ہیں "

(سیرت النبی ۵ ج ۱۷ تا ۱۹)

جسمانی آزار و تکلیف مقصد عبادت نہیں

سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ اسی عنوان کے ماتحت کچھ اور آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"عام خیال یہ تھا کہ بندہ جس قدر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہے - اس قدر خدا خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی بڑی عبادت شمار ہوتی ہے اس لئے لوگ اپنے جسم کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جس قدر جسم کو آزار زیادہ دیا جائے گا - اسی قدر روح میں زیادہ صفائی اور پاکیزگی آئے گی - چنانچہ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا - کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا، کوئی ہفتہ میں یا چالیس دن میں ایک دفعہ غذا کرتا تھا - کوئی سرتا پا برہنہ رہتا - اور ہر قسم کے لباس کو تقدس کا

ننگ سمجھتا تھا۔ کوئی چلہ کی سردی میں اپنے بدن کو ننگا رکھتا تھا۔ کوئی عمر بھر یا سالہا سال تک اپنے کو کھڑا رکھتا تھا۔ یا بیٹھا رہتا تھا اور سونے اور لیٹنے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا۔ کوئی اپنا ایک ہاتھ کھڑا رکھتا تھا کہ سوکھ جاتے۔ کوئی عمر بھر تاریک تہہ خانوں اور غاروں میں چھپ کر خدا کی روشنی تلاش کرتا تھا۔ کوئی تجرد اور ترک دنیا کرکے اہل و عیال اور زن و فرزند کے تعلق سے نفرت رکھ کر خدا کی محبت کا غلط مدعی بنتا تھا، لیکن نبوت محمدیؐ نے یہ راز آشکارا کیا۔ کہ ان میں سے کوئی چیز عبادت نہیں۔ نہ ترکِ لذائذ سے حق کی لذت ملتی ہے۔ نہ ہماری غمگینی خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اور نہ بندوں کی۔ اس غیر معمولی تکلیف سے خدا کو آرام ملتا ہے، نہ زن و فرزند کی نفرت سے خدا کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ نہ ترکِ دنیا سے دین کی دولت ملتی ہے۔ خدا کا دین اتنا ہی ہے جو بندہ کی استطاعت کے اندر ہے۔

اس نے کہا۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (بقرہ - آخر) — خدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ کی تکلیف (حکم) نہیں دیتا۔

.... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ یسرٌ ولن یشادَّ الدین احدٌ اِلَّا غلبہٗ (جمع الفوائد ۱۲ باب الاقتصاد فی الاعمال بحوالہ صحیح بخاری وسنن نسائی) — یہ دین آسان ہے۔ جو کوئی شخص دین سے سختی میں مقابلہ کریگا۔ تو دین اس کو مغلوب کردے گا۔

اور فرمایا۔

انما انا بعثت بالملۃ السمحۃ او — میں تو سہل اور آسان روشن حنیفی دین

السهلة الحنيفية البيضاء دے کر بھیجا گیا ہوں

(مسند ابن حنبل صفحہ ۲۶۶ ج ۵)

مذہب میں رہبانیت اور جوگ کا جو طریقہ ایجاد کیا گیا خواہ وہ کتنی ہی خوش نیتی سے کیا گیا ہو، تاہم وہ دین حق کی اصل تعلیم نہ تھی۔ اس لئے اسلام کے صحیفہ نے اس کو بدعت سے تعبیر کیا، اور کہا

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ (حدید - ۴)

اور عیسائیوں نے ایک رہبانیت کی بدعت نکالی۔ اور ہم نے اُن کو خوشنودی حاصل کرنے کے سوا اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ تو جیسا چاہئیے اس رہبانیت کا حق ادا نہ کیا

ان لوگوں سے جنہوں نے اچھے کھانوں اور زیب و زینت کی جائز چیزوں کو بھی اس لئے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ کہ اس سے خدا خوش ہوگا، یہ سوال کیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (اعراف ۴)

پوچھ اے پیغمبر کہ اس زیب و زینت اور رزق کی اچھی چیزوں کو جن کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے بنایا، کس نے حرام کیا

اسلام نے اس مسئلہ میں یہاں تک سختی کی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بیبیوں کی خوشنودئ مزاج کے لئے شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تھی۔ اس پر عتاب آیا، خدا نے فرمایا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ

اے پیغمبر! خدا نے جس چیز کو تیرے لئے حلال کیا تو اس کو اپنی بیبیوں کی

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (تحریم-۱) خوشی کی خاطر اپنے اوپر حرام کیوں کرتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے

صحابہ میں بعض ایسے لوگ تھے۔ جو عیسائی راہبوں کے اثر یا ذاتی میلان طبع کے سبب سے تجرّد، ترکِ لذائذ اور ریاضاتِ شاقہ کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اس سے باز رکھا اور فرمایا کہ میں یہ شریعت لے کر نہیں آیا۔

قدامہ ابن مظعون اور اُن کے ایک رفیق نے دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک نے عمر بھر مجرد رہنے اور شادی نہ کرنے کا، اور دوسرے نے گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "میں تو دونوں باتیں کرتا ہوں"۔ یہ سن کر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم)

...... ایک دفعہ چند صحابہ نے ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی دن رات کی عبادت و ریاضت کا حال دریافت کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دن رات سوا عبادت کے اور کوئی کام نہ ہوگا۔ انہوں نے آپ کی عبادت کا حال سنا تو بولے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ آپ تو معصوم ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب نے کہا میں تو رات بھر نمازیں پڑھوں گا۔ دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزے رکھوں گا تیسرے صاحب نے اپنا ارادہ یہ ظاہر کیا کہ میں عمر بھر مجرّد رہوں گا۔ کبھی نکاح نہ کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی یہ گفتگو سُن رہے تھے ان کو

خطاب کر کے فرمایا "خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں تاہم میں روزہ رکھتا ہوں۔ افطار بھی کرتا ہوں۔ راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میری جماعت میں نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح)

بعض صحابہ نے جو افلاس اور غربت کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے۔ چاہا کہ اپنا عضو قطع کرا دیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رہبانیت کی اجازت چاہی تو آپ نے سخت برہمی ظاہر فرمائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ کہتے ہیں اگر حضورؐ اس کی اجازت دیتے تو بہت سے لوگ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار تھے۔
(صحیح بخاری و ابو داؤد کتاب النکاح)

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ آپ نے کس اہتمام کے ساتھ لوگوں کو عبادت کا صحیح مفہوم و مقصد تعلیم فرمایا

...... ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک شخص چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ننگے سر کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے اور اس کی یہ کیا حالت ہے لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابو اسرائیل ہے۔ اس نے نذر مانی ہے کہ وہ کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں، اور نہ سایہ میں آرام کرے گا۔ اور نہ بات کرے گا اور برابر روزے رکھے گا، آپ نے فرمایا کہ "اس سے کہو کہ باتیں کرے، بیٹھے، سایہ میں آرام لے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح بخاری، ابو داؤد، وابن جارود کتاب الایمان والنذور)

حج میں دیکھا کہ ایک شخص اپنی ناک میں نکیل ڈالے ہوئے ہے، اور دوسرا اس کو جانور کی طرح اس کی نکیل پکڑ کر کھینچ رہا ہے۔ آپ نے جا کر نکیل کاٹ

دی اور فرمایا کہ" اگر ضرورت ہو تو ہاتھ پکڑ کر اس کو طواف کراؤ۔"

(صحیح بخاری ایمان ونذور)

اس قسم کی غیر ضروری ریاضتوں کے متعلق عیسائی راہبوں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

لا تشدّدوا علی انفسکم فانما هلك من كان قبلكم بتشديدهم على انفسهم وستجدون بقاياهم في الصوامع والديارات	اپنی جانوں پر سختی نہ کرو کہ تم سے پہلے تو میں اپنی جانوں پر سختی کرنے سے تباہ ہوئیں اور ان کی بقیہ نسلیں آج بھی گرجوں اور دیروں میں تم کو ملیں گی۔

(جمع الفوائد بحوالہ معجم کبیر و اوسط للطبرانی

وابوداؤد صنہ ۲ باب الاقتصاد فی الاعمال)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے ان تمام غلط راہبانہ طریقوں کا اپنے ایک مختصر فقرہ سے ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔

لا صرورة فی الاسلام	اسلام میں رہبانیت نہیں۔
(ابوداؤد)	(سیرت پنجم صدا ملخصاً)

خطبات مدراس میں تحریر فرماتے ہیں ا۔

" خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی۔ اور ہے۔ لیکن قدیم مذاہب میں ایک عام غلط فہمی پھیل گئی تھی۔ کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہری جسم کو تکلیف دی جائے گی۔ اسی قدر روحانی ترقی ہو گی۔ اور دل کی اندرونی صفائی ہو گی اور پاکی بڑھے گی۔

پیغام محمدی ۔۔۔۔۔۔۔ نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں۔ ہمارے خدا کو جسم کی شکل نہیں، بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں۔۔۔۔۔۔۔

پیغام محمدی نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کو بتایا کہ عبادت کا مقصود نقطہ ایک ہے اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ — جو میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلت کے ساتھ داخل ہونگے

(مومن - ٦)

یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ ہو، یہی چیز عبادات کے مختلف ارکان کو بجالا کر انسان ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ خدا سے سرکش نہیں، بلکہ اس کا اطاعت گذار اور فرمانبردار ہے۔

اسلام میں عبادت کی غایت کیا ہے، فقط حصول تقویٰ،

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ — اے لوگو تم اپنے اس رب کی عبادت کرو، جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

(بقرہ - ٣)

...... خطبات مدراس ص۱۸۶ تا ص۱۸۹

عزلت نشینی اور قطع علائق عبادت نہیں

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں

" اکثر مذاہب نے دینداری اور خدا پرستی کا کمال یہ سمجھا تھا کہ انسان کسی غار، کھوہ یا جنگل میں بیٹھ جائے اور تمام دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرے، اسلام نے اُس کو عبادت کا صحیح طریقہ نہیں قرار دیا۔ عبادت درحقیقت خدا اور اُس کے بندوں کے حقوق کے ادا کرنے کا نام ہے اس بناء پر وہ شخص جو اپنے تمام ہم جنسوں سے الگ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ وہ درحقیقت ابنائے جنس کے حقوق سے قاصر رہتا ہے۔ اس لئے وہ کسی تعریف کا مستحق نہیں۔ اسلام کا صحیح تخیل یہ ہے کہ انسان تعلقات کے ازدحام اور علائق کے ہجوم میں گرفتار ہو کر ان میں سے ہر ایک کے متعلق جو اس کا فرض ہے اسکو بخوبی ادا کرے جو شخص ان تعلقات و علائق اور حقوق فرائض کے ہجوم سے گھبرا کر کسی گوشۂ عافیت کو تلاش کرتا ہے۔ وہ دنیا کے کارزار کا نامرد اور بزدل سپاہی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو جوانمرد سپاہی دیکھنا چاہتا ہے۔ جو ان سب جھمیلوں کو اٹھا کر بھی خدا کو نہ بھولیں، غرض اسلام کے نزدیک عبادت کا مفہوم ترکِ فرض نہیں، بلکہ ادائے فرض ہے۔ ترکِ عمل نہیں، بلکہ عمل، کچھ نہ کرنا نہیں بلکہ کرنا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان صحابہ کو جو اہل وعیال اور دوست واحباب سب کو چھوڑ کر دن بھر روزہ رکھتے تھے اور راتوں کو عبادت کرتے تھے فرمایا" اے فلاں! تم ایسا نہ کرو۔ کہ تم پر تمہاری بیوی بچوں کا بھی حق ہے تمہارے مہمان کا بھی حق ہے۔ تمہاری جان کا بھی حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا بھی حق ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا۔ کہ اسلام کی نظر میں عبادت ان حقوق کو بجالانا ہے۔ ان حقوق کو ترک کر دینا نہیں، چنانچہ ایک دفعہ کسی غزوہ میں ایک صحابی کا گذر ایک ایسے مقام پر ہوا جس میں موقع سے ایک غار تھا۔ قریب ہی پانی کا چشمہ بھی تھا آس پاس کچھ جنگل کی بوٹیاں بھی تھیں۔ ان کو اپنی عزلت نشینی کے لئے یہ جگہ بہت پسند آئی خدمت بابرکت میں آکر عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھ کو ایک غار ہاتھ آگیا ہے۔ جہاں ضرورت کی سب چیزیں ہیں۔ جی چاہتا ہے۔ کہ وہاں گوشہ گیر ہو کر ترک دنیا کرلوں، آپ نے فرمایا" میں یہودیت اور عیسائیت لے کر دنیا میں نہیں آیا ہوں میں آسان اور سہل اور روشن ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔"

اسلام سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں کئی کئی دن جاکر رہا کرتے تھے اور عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے لیکن جب سے وحی کا پہلا پیام آپ کے پاس آیا اور دعوت وتبلیغ کا بار آپ کے مبارک کندھوں پر رکھا گیا، شب و روز میں رات کی چند ساعتیں اور سال میں رمضان کے چند آخیر دن گوشۂ عزلت اور زاویۂ تنہائی میں بسر ہوتے تھے۔ ورنہ تمام دن پوری جماعت کے ساتھ خالق کی عبادت اور پھر مخلوق کی خدمت میں صرف ہوتے تھے اور یہی تمام خلفا اور عام صحابہ کا طرز عمل رہا۔ اور یہی اسلام کی عملی اور سیدھی سادھی عبادت تھی۔

(سیرت النبی ج ۵ صفحہ ۴۳ تا ۴۴ ملخصاً۔ تفصیل کے لئے سیرت ج ۵ صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۲۲ دیکھئے)

ایک دوسری جگہ " اخلاق و رہبانیت" کے عنوان سے اس حقیقت کو اسطرح کھولا ہے

" اخلاق درحقیقت انسانوں کے باہمی تعلقات میں خوش نیتی اور اچھائی برتنے کا نام ہے یا یوں کہیئے۔ کہ ایک دوسرے پر جو انسانی فرائض عائد ہیں۔ ان کو ادا کرنے کو کہتے ہیں۔ اخلاق کی اس حقیقت ہی سے یہ واضح ہے۔ کہ اخلاق کے وجود کے لئے باہم انسانوں میں تعلقات اور وابستگی کا وجود ضروری ہے۔ جو رہبانیت التجرد اور جوگی پن میں نہیں پائی جاتی ہے اسی لئے گوشہ نشینی، عزلت گزینی، خلق سے کم آمیزی، جماعت سے علیحدگی، اہل وعیال، عزیز واقارب اور دوست واحباب کے تعلقات سے آزادی اخلاق کے استعمال کے موقع ہی کو کھو دیتی ہے یا کم کر دیتی ہے"

اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت اس لئے ہے۔ کہ خلق سے قطع تعلق اور گوشہ نشینی نے مذہب میں اکثر نیکی اور دینداری کی بہترین شکل کی حیثیت حاصل کر لی ہے اسلام سے پہلے راہب اور جوگی اسی اصول پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے اور وہ خود اور ان کے عقیدت مند بھی اس کو ان کی انتہائی نیکوکاری اور دینداری قرار دیتے تھے لیکن حقیقتہً ان مذہبی افراد اور جماعتوں نے زیادہ تر اس پردہ اور حجاب کو اس لئے اختیار کیا۔ کہ اس سے ایک طرف اپنے کو عام نظروں سے چھپا کر بادشاہوں کی طرح اپنے رعب واثر کو نمایاں کرنے اور اپنے کو بالاتر ہستی تصور کرانے میں مدد ملے اور دوسری طرف اپنی زندگی کو زیر پردہ رکھ کر جھوٹا تقدس اور جھوٹی دینداری کا ڈھونگ کھڑا کر سکیں۔ اور تیسری طرف اپنی اس عزلت نشینی کے جھوٹے عذر کی بناء پر کسی ملامت کا نشانہ بنے بغیر اہل وعیال، اعزۂ واقارب، دوست

داحباب اور قوم وملّت کے فرائض وحقوق بجالانے کی تکلیف سے بچ جائیں اسی لئے اسلام نے اپنے اصول اخلاق میں راہبانہ، جوگیانہ اور مجرّدانہ زندگی کی ہمت افزائی نہیں کی ہے۔ نبوّت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری ۲۳ برس کی زندگی اسی مجمع انسانی میں رہ کر اور تمام تر انسانی جدوجہد میں شریک ہو کر گذاری ہے۔ یہی طرزِ عمل خلفائے راشدین اور چند کے سوا تمام اکابر صحابہ رض کا تھا اور پورا قرآن پاک اسی انسانی جدوجہد اور انسانی مجمع کے ساتھ عمل صالح کی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔ تجرّد، علیحدگی، خلوت نشینی، ترکِ عمل اور ترک جماعت کے لئے ایک اشارہ بھی پورے قرآن میں موجود نہیں ہے۔

یہ بالکل ظاہر ہے کہ جماعتی حقوق اور فرائض جماعتوں کے اندر ہی رہ کر ادا ہو سکتے ہیں۔ ان سے ہٹ کر نہیں۔ وہ لوگ جو آبادی سے دور کسی جنگل یا ویرانہ میں گوشہ گیر اور عزلت نشین ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں، کیا وہ جماعتی مشکلات کو حل کرتے ہیں! کیا وہ قوم کی اخلاقی نگرانی کا فرض انجام دیتے ہیں؟ کیا وہ غریبوں کا سہارا بنتے ہیں! کیا وہ اپنے دست وبازو سے اپنی روزی کماتے ہیں؟ کیا وہ یتیموں کے سرپرست ہیں؟ کیا وہ خلق الٰہی کی کوئی خدمت کرتے ہیں؟ کیا وہ لوگوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچاتے ہیں؟ کیا وہ تبلیغ و دعوت تعلیم و موعظت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد جیسے فریضوں سے عہدہ برآ ہیں۔ حالانکہ اخلاقی عبادتوں کے یہی بہترین مواقع ہیں۔ اسی لئے اسلام کی نظر میں نجات طلبی کا عموماً یہ مستحسن طریقہ نہیں، قرآن پاک میں ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم-۱) تم اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

یعنی انسان کا فرض اپنے ہی کو آگ سے بچانا نہیں۔ بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی بچانا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور سے تمام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، تم میں سے ہر ایک دوسرے کا ذمہ دار اور نگران ہے اور اس سے اُس کی ذمّہ داری اور نگرانی میں آئے ہوئے لوگوں کی نسبت پوچھا جائے گا۔

امیر اپنی رعیّت کا چرواہا، مرد اپنے اہل و عیال کا رکھوالا اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے۔

(صحیح بخاری ص۷۸۳ ج۲ کتاب النکاح)

جماعتی مصیبتیں جب آتی ہیں۔ تو کنارہ گیر اشخاص کو بھی نہیں چھوڑتیں۔ یہ آگ اندر اور باہر سب کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے اس لئے وحی محمدی نے اس نکتہ کو علی الاعلان ظاہر کر دیا، اور کہا۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَاصَّةً (انفال-٣٠) اور اس فساد سے بچو جو چن کر صرف گنہگاروں ہی پر نہیں پڑے گا۔

بلکہ اس کی لپیٹ گنہگار و بے گناہ سب تک پہنچے گی۔ کہ اگر جماعت اپنے تمرّد کی مجرم ہوتی ہے تو کنارہ گیر اپنے تبلیغ کے فرض سے غافل رہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں اصحاب سبت کے قصّہ میں ان کنارہ گیر اور فرضِ تبلیغ سے بے پرواہ رہنے والے اشخاص کو بھی گنہگاروں ہی میں شامل کیا ہے۔

دنیا درحقیقت جدوجہد اور دار و گیر کا ایک میدان ہے جس میں تمام انسان باہمی معاونت سے اپنا اپنا راستہ طے کر رہے ہیں۔ راستہ میں سب لوگوں کے ساتھ

چلنے میں یقیناً بہت کچھ تکلیفیں ہیں. ہر ایک کو دوسرے کی تکلیف و آرام کا خیال ولحاظ کرنا پڑتا ہے. اس لئے وہ شخص جو ان جماعتی مشکلات سے گھبرا کر الگ ہو جاتا ہے اور صرف اپنا بوجھ اپنے کندھے پر رکھ کر چل کھڑا ہوتا ہے. دنیا کے معرکہ کا ایک نامرد سپاہی ہے. بیہقی نے شعب الایمان میں اور ترمذی نے جامع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے.

ان المسلم الذی یخالط الناس و	وہ مسلمان جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے
یصبر علی اذاھم افضل من	اور ان کی تکلیف دہی پر صبر کرتا ہے
الذی لا یخالط الناس و لا	اس سے بہتر ہے جو لوگوں سے نہیں
یصبر علی اذاھم	ملتا۔ اور ان کی تکلیف دہی پر صبر نہیں کرتا

(شعب الایمان وجامع ترمذی کتاب الزہد) (سیرت النبی ص ۷۶ تا ۷۹ ج ۶)

اس حقیقت کی وضاحت اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں :-

اسلام کا ہم پر بڑا احسان ہے کہ وہ ہمارے تمام کاموں کو عبادت بنانا چاہتا ہے. اسلام کے متعلق یہ سمجھنا کہ صرف مسجد میں محدود ہے. صحیح نہیں، اسلام تو جس طرح مسجد میں ہے. اسی طرح معرکۂ کارزار میں، اسی طرح بازار میں اسی طرح دفتر میں اور اسی طرح کارخانہ میں، ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے. جسے ہم اسلام سے باہر سمجھ سکیں. یہ دین و دنیا کی تفریق ہی غلط ہے جس طرح مسجد میں نماز پڑھنا عبادت، اسی طرح دفتر میں خلوص نیت سے حکومت کے کسی کام کو انجام دینا بھی عبادت ہے. ایک مسلمان اسلامی حکومت کا عامل ہو کر اپنی دیانت اور امانت کو قائم رکھ کر ہر وقت ہی عبادت میں رہ سکتا ہے

بشرطیکہ اس کی نیت میں اخلاص ہو۔ ایک مجاہد سرحد پر پہرہ دے کر اسی طرح ثواب حاصل کر سکتا ہے، جس طرح ایک نمازی نفل پڑھ کر، بلکہ بعض اوقات مجاہد اس نفل پڑھنے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے ...... عبادت صرف نماز روزہ ہی نہیں بلکہ اللہ ہی کی رضا جوئی کے لئے جملہ خدمات کو انجام دینا عبادت ہے۔ اسلام تو مسلمان کو ہر وقت عبادت کے اندر ہی رکھنا چاہتا ہے۔ اس دین سے زیادہ محبوب و محترم کون سا دین ہو سکتا ہے۔ جو اپنے پیروؤں کی پوری زندگی کو عبادت گذار زندگی بنانا چاہتا ہے۔ اور اپنے پاس ان کی زندگی کے سارے مسائل کے لئے قابلِ ہدایت روشنی رکھتا ہو۔

(خطبۂ اسلامی حکومت کے عاملین۔ ماہنامہ مستقبل ۱۹۵۲ئ)

ایک دوسری جگہ مزید تشریح فرماتے ہیں:۔

" اس مفہوم کو ہم دوسری عبارت میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ پہلے عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ عبادت صرف چندان مخصوص اعمال کا نام ہے۔ جن کو انسان خدا کے لئے کرتا ہے۔ مثلاً نماز، دعا، قربانی، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس تنگ دائرہ کو بیحد وسیع کر دیا۔ اس تعلیم کی رو سے، ہر ایک وہ نیک کام جو خاص خدا کے لئے اور اس کی مخلوقات کے فائدہ کے لئے ہو اور جس کو صرف خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے کیا جائے عبادت ہے۔ اسلام میں خدا کے لئے کسی کام کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کام خواہ خدا کی بڑائی اور پاکی کے لئے ہو، یا کسی انسان یا حیوان کے فائدہ کے لئے ہو۔ لیکن اس کام کرنے سے اس کام کے کرنے والے کا مقصود، نمائش، دکھاوا، حصول شہرت یا

دوسروں کو احسان مند بنانا وغیرہ کوئی دنیاوی اور مادی غرض نہ ہو، بلکہ محض خدا کی محبت، خوشنودی اور رضامندی ہو۔

اس تشریح کی رو سے وہ عظیم الشان تفرقہ جو دین اور دنیا کے نام سے مذاہب نے قائم کر رکھا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے اس کو دفعتہً مٹا دیا۔ دین اور دنیا کی حیثیت اسلام میں دو حریف کی نہیں رہتی بلکہ دو دوست کی ہو جاتی ہے۔ دنیا کے وہ تمام کام جن کو دوسرے مذاہب دنیا کا کام کہتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں اگر وہ کام اسی طرح کئے جائیں لیکن ان کی غرض و غایت کوئی مادی خود غرضی و نمائش نہ ہو، بلکہ خدا کی رضا اور اس کے احکام کی اطاعت ہو۔ تو وہ دنیا کے نہیں دین کے کام ہیں۔ اس لئے دین اور دنیا کے کاموں میں، کام کا تفرقہ نہیں، بلکہ غرض و غایت اور نیت کا تفرقہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کو جو دن رات خدا کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ فرمایا کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو آرام دو۔ تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے کہ اس کو کچھ دیر سونے دو۔ تمہاری بیوی کا بھی حق ہے کہ اس کی تسلی کرو۔ اور تمہارے مہمان کا بھی حق ہے کہ اس کی خدمت کے لئے کچھ وقت نکالو۔ غرض ان حقوق کو بھی ادا کرنا، خدا کے احکام کی اطاعت اور اس کی عبادت ہے۔ چنانچہ پاک روزی کھانا اور اس کا شکر ادا کرنا بھی عبادت ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (بقرہ ۲۲)	اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو پاک اور ستھری چیزیں روزی کی ہیں۔ ان کو کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاک روزی ڈھونڈنا اور کھانا اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا عبادت ہے ایک اور آیت میں توکل یعنی کاموں کے لئے کوشش کرکے نتیجہ کو خدا پر سپرد کردینا بھی عبادت قرار دیا گیا ہے، فرمایا۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ھود-۱۰) اس کی عبادت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو۔

اس طرح مشکلات میں صبر و استقلال بھی عبادت ہے، فرمایا۔

فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ اس کی عبادت کر اور صبر کر

کسی شکستہ دل سے اس کی تسکین و تشفی کی بات کرنا، اور کسی گنہگار کو معاف کرنا بھی عبادت ہے۔ ارشاد ہے

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أَذًى (بقرہ-۳۶) اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ستانا ہو۔

اس آیت پاک کی تشریح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

كُلُّ معروفٍ صدقةٍ (بخاری کتاب الادب) ہر نیکی کا کام خیرات ہے۔

تبسمك فی وجه اخيك صدقةٌ تمہارا کسی بھائی کو دیکھکر مسکرانا بھی خیرات ہے،

واماطة الاذی عن الطريق صدقةٌ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی خیرات ہے

غریب اور بیوہ کی مدد بھی عبادت بلکہ بہت سی عبادتوں سے بڑھ کر ہے، فرمایا۔

الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل اللهِ و كالذی يصوم النهار و يقوم الليل (بخاری - ادب) بیوہ اور غریب کے لئے کوشش کرنے والے کا مرتبہ خدا کی راہ میں جہاد کرنیوالے کے برابر ہے اور اسکے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

باہم لوگوں کے درمیان سے بغض وفساد کے اسباب دور کرنا اور محبت پھیلانا ایسی عبادت ہے۔ جس کا درجہ نماز، روزہ اور زکواۃ سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ نے ایک دن صحابہ سے فرمایا:۔

الا اخبرکم بافضل من درجة الصیام والصلوٰة والصدقة	کیا میں تم کو روزہ، نماز اور زکواۃ سے بھی بڑھ کر درجہ کی چیز نہ بتاؤں۔

صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، ارشاد فرمائیے، فرمایا۔

اصلاح ذات البین (سنن ابی داؤد ص ۱۹۲ ج ۲) وہ آپس کے تعلقات کا درست کرنا ہے .... اس مؤثر طریقۂ ادا نے خدا شناسی اور خدا آگاہی کے کتنے تو بر تو پردے چاک کر دئیے اور دکھادیا کہ خدا کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے کیا کیا طریقے ہیں؟ حضرت سعد جو چاہتے تھے۔ کہ اپنی کل دولت خدا کی راہ میں دیدیں۔ آپ نے انہیں بتایا۔ کہ "اے سعد! جو کچھ اس نیت سے خرچ کرو کہ اس سے خداوند تعالیٰ کی ذات مطلوب ہے اس کا تم کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں بھی دو۔ اس کا ثواب بھی ہے" (ادب المفرد باب یوجر فی کل شیئ) ابومسعود انصاریؓ سے ارشاد فرمایا۔" مسلمان اگر ثواب کی نیت سے اپنی بیوی کا نفقہ پورا کرے تو وہ بھی صدقہ ہے (صحیح بخاری کتاب النفقات)

غریب ونادار صحابہ نے دربار رسالت میں ایک دن شکایت کی کہ "یا رسول اللہ دولت مند لوگ ثواب میں بڑھ گئے۔ ہماری طرح وہ بھی نماز پڑھتے ہیں۔ وہ بھی روزہ رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ مالی عبادت بھی بجالاتے ہیں۔ جو ہم نہیں بجالاسکتے فرمایا۔ کیا تم کو اللہ نے وہ دولت نہیں دی ہے۔ جس کو صدقہ کر سکو، تمہارا سبحان اللہ

اور بحمد اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ جو کوئی اپنی نفسانی خواہش کو جائز طریقہ سے پورا کرتا ہے۔ وہ بھی ثواب کا کام کرتا ہے۔" لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ وہ تو اپنی نفسانی غرض کے لئے یہ کرتا ہے" فرمایا کہ اگر وہ ناجائز طریقہ سے اپنی ہوس پورا کرتا تو کیا اس کو گناہ نہ ہوتا؟ پھر اس کو جائز طریقہ سے پورا کرنے کا ثواب کیوں نہ ملے گا؟

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا، کہ حسن عمل، ثواب اور عبادت کے مفہوم میں اسلام نے کتنی وسعت پیدا کردی ہے۔ اور کتنی تو بر تو انسانی غلطیوں کا ازالہ کیا ہے۔ اس تشریح کے بعد روشن ہو جائے گا۔ کہ وحی محمدیؐ نے بالکل صحیح طور سے خلقت انسانی کی غرض و غایت عبادت الٰہی قرار دی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ (ذٰرِيٰت - ٣)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

اس آیت پاک میں عبادت کا وہ تنگ مفہوم نہیں ہے۔ جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تمام نیک اعمال اور اچھے کاموں تک وسیع ہے۔ جن کے کرنے کا مقصد خدا کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار، اس کی اطاعت اور اس کی خوشنودی کی طلب ہو۔ اس وسعت کے اندر انسان کی پوری زندگی کے کام داخل ہیں۔ جن کے بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے اس کی خلقت ہوئی ہے۔ یہ روحانیت کا وہ راز ہے۔ جو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا کو معلوم ہوا۔

اسلام اس لئے آیا ہے کہ اپنے پیروؤں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہانوں کی بادشاہیاں رکھدے اور یہ اس وقت ممکن ہے۔ جب عبادات کے مفہوم کو اس وسعت کے ساتھ سمجھا جائے۔ جو اسلام کا منشا ہے اور اسی وسعت کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے جو اسلام کا مطالبہ ہے

صد۸۴ تا صد۸۵
(سیرت النبی جلد پنجم)

خاص افراد کو مخصوص حالات میں عزلت نشینی اور جماعت سے علیحدگی کی اجازت

گذر چکا۔ کہ یہ اسلام ہی کا امتیاز ہے۔ کہ وہ اپنے پیروؤں کو کارزارِ حیات کا جوانمرد سپاہی دیکھنا چاہتا ہے۔ جو زندگی کے ہنگاموں میں رہ کر خالق سے غافل نہ ہوں۔ جو مخلوق میں اُلجھ کر مالک کے احکام کے پابند ہوں جن کی ہر حرکت الٰہی رنگ میں نکھر چکی ہو۔ اور دنیا کی کوئی رنگینی انہیں اپنے میں جذب نہ کر سکے۔ جو معاش کے جھمیلوں میں رہتے ہوئے معاد کی ذمہ داریوں سے غفلت نہ برتیں جو ہر نعمت سے مستفید ہوں لیکن منعم کو کسی حال میں نہ بھولیں جو تجارت کی منڈیوں، زراعتی کھیتوں صنعتی کارخانوں، مجالس کے ہنگاموں، جنگ کے میدانوں اور رزم و بزم کی گہماگہمی میں محبوبِ حقیقی میں شاغل رہ کر اُس کی مرضیات کے مطابق اوقات گذارنے والے ہوں۔ زن و فرزند، عزیز و اقارب، تخت و سلطنت، فقر و تونگری، کوئی چیز ان کے قلب کی پہنائیوں پر نہ چھا سکے۔ بلکہ ہر حال و ہر مکان میں وہ اپنے عزیز و جلیل آقا میں مگن، اس کی رضا کے جویا، اس کے احکام کے متلاشی اور متبع ہوں اور زندگی کے ہر میدان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ ان کے لئے مشعل راہ اور قندیل ہدایت ہو۔ اسلام کی یہی اصل تعلیم و نظریہ اور بنی آدم کی سیر سلوک کا

یہی محمدیؐ جادہ ہے لیکن اسلام نے ایک دائمی، عالمگیر، حقیقت پسندانہ دین اور عملی اور ہمہ گیر طریقۂ حیات و مذہب ہونے کی بناء پر بعض خاص مواقع پر مخصوص اشخاص کو ہنگامی حالات کی بناء پر گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی بھی خصوصی احکام کے تحت اجازت دی ہے۔ جو کہ اسلام کے حکیمانہ طرزِ فکر اور حقیقت پسندانہ اندازِ نظر کی دلیل و نشانی ہے۔ لیکن یہ وضاحت ذہن میں رہے کہ اسلام کا اصل طریق یہ نہیں بلکہ خصوصی حالات و عوارض کی بناء پر یہ اجازت دی گئی ہے۔ بہرحال حضرت الشیخ الامام قدس سرہ عزلت نشینی کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

" اسلام میں گوشہ گیری اور عزلت نشینی کی اجازت صرف دو موقعوں پر ہے۔ ایک اس شخص کے لئے جس میں فطرۃً بدی ہے جس کی سرشت، دوسروں کو نفع پہنچانا نہیں بلکہ تکلیف دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برائی سے بچنے کی تدبیر یہ بتائی ہے کہ وہ لوگوں سے قطع تعلق کرے، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بدو نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سب سے بہتر شخص کون ہے، فرمایا ایک تو وہ جو اپنی جان و مال کو خدا کے راستہ میں قربان کرتا ہے دوسرے وہ جو کسی گھاٹی میں بیٹھ کر اپنے رب کی عبادت کرے اور لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رہنے دے (صحیح بخاری کتاب الادب باب العزلۃ راحۃ من خلاط السوء)

اس تعلیم نبویؐ نے انسانوں کی دو قسمیں کر دیں۔ ایک وہ جن کو خلق اللہ کی ہدایت اور خطری توفیق ملی ہے تو ان پر یہ فرض ہے کہ وہ مجمع اور ہجوم میں رہ کر ان کی

بھلائی کا فرض انجام دیں۔ یہاں تک کہ اس راہ میں ان کی دولت بھی خرچ ہو جائے اور ان کی جان بھی کام آجائے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں طبعاً مردم آزاری ہے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کا مادہ ہے۔ ان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح اسی میں ہے کہ وہ اپنے کو مجمع سے الگ رکھ کر خدا کی عبادت میں اپنا وقت صرف کریں تاکہ وہ گناہ کے بار سے اور لوگ ان کے آزار سے محفوظ رہیں"۔

دوسرا موقع جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزلت نشینی کی اجازت دی ہے وہ ہے جب مجمع و آبادی یا قوم و ملک میں فتنہ و فساد کا بازار اس طرح گرم ہو کہ وہ اس کی روک تھام سے عاجز اور اس کی اصلاح سے قاصر ہو، تو ایسے موقع پر اس کے لئے پسندیدہ یہی ہے کہ وہ جماعت سے ہٹ کر گوشہ گیر ہو جائے چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ "ایک ایسا زمانہ لوگوں پر آئے گا جس میں ایک مسلمان کی بہترین دولت بکری ہوگی۔ جس کو لے کر وہ بارش کی جگہوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں کو تلاش کرے گا۔ تاکہ وہ اپنے دین و ایمان کو فتنوں سے بچا سکے،

(صحیح بخاری کتاب الادب باب العزلۃ راحۃ من خلاط السوء)

گوشہ گیری اور عزلت کہ یہ دو مواقع بھی درحقیقت نہایت صحیح اصول پر مبنی ہیں۔ پہلے موقع میں ایسے فرد کا جس سے جماعت اور مخلوق کو فائدے کے بجائے نقصان کا اندیشہ ہو الگ رہنا، جماعت اور فرد دونوں کے لئے فائدہ مند ہے اور دوسرے موقع پر جب کہ جماعت کا نظام ابتر ہو گیا ہو اور کوئی فرد جو بجائے خود نیک اور سعید ہو لیکن اپنی کمزوری کے باعث وہ اس جماعت کی اصلاح پر قادر نہ ہو۔ تو اس کے لئے جماعت کے دائرۂ اثر سے اپنے کو باہر رکھ کر ہی اپنی نیکی

اور سعادت کی تکمیل مناسب ہے" (سیرت النبی پنجم صفحہ ۴۲۵، ۴۲۴ حاشیہ)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :-

گوشہ گیری اور جماعت سے علیحدگی کی اجازت اسلام نے صرف ایک ہی موقع پہ دی ہے کہ جماعت کا قوام اتنا بگڑ جائے کہ ان کا کوئی مرکزی نظام باقی نہ رہے اور فتنہ وفساد کے شعلے اتنے بھڑک چکے ہوں کہ ان کا بجھانا قابو سے باہر ہو جائے تو ایسے وقت میں وہ اشخاص جو اس فساد کو روکنے اور اس آگ کو بجھانے کی طاقت اپنے میں نہ پائیں۔ وہ مجمع سے الگ ہو جائیں۔ فتنہ میں عزلت نشینی کی حدیثیں اسی موقع سے تعلق رکھتی ہیں۔ ورنہ ہر قومی سمت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس حالت میں تبلیغ اور امر بالمعروف کے فرض کو ادا کر کے جماعت کے بچانے میں پوری کوشش صرف کرے۔ یہی وہ نمونہ ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیش کیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ نے اپنے اپنے دائرہ میں اسی کی پیروی کی۔"

(سیرت النبی ششم صفحہ ۷۹، ۸۰)

عزلت نشینی طریقۂ صحابہ وصوفیہ نہیں

عزلت نشینی اور خلق سے گوشہ گیری نہ صحابہ کرام کا شعار تھی۔ نہ صوفیہ صافیہ کا عمومی طریق۔ چنانچہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

" یہ اسلامی تعلیمات ہی کی برکت تھی۔ کہ صحابہ کرام جو اس کے سوا سب کچھ بھول گئے تھے اور اس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار تھے جو چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر حال میں اس کی یاد میں سرمست وسرشار تھے۔"

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وہ خدا کو کھڑے ، بیٹھے اور لیٹے
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (ال عمران - ۲۰) یاد کرتے ہیں۔

اس سرمستی و سرشاری میں بھی انہوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی۔ دولت مندوں کی بھیک کو اپنا سہارا نہیں بنایا۔ دنیا کی کش مکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دے کر اختیار نہیں کیا بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جدو جہد اور سعی و کوشش کو اپنا مذہب سمجھا اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کے ساتھ بجا لاتے اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدار ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا۔ خدا نے ان کی مدح کی

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت
بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور - ۴) خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی (سیرالنبی ج ۴ ص ۴۸۹)

"بعض صاحبوں کو خانقاہ نشینوں کے موجودہ طرز سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ان خاصانِ حق کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ ان بزرگوں کی سیرتوں اور تذکروں کو کھول کر پڑھیں۔ تو معلوم ہوگا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ کہاں فیض پایا اور جو پایا۔ اس کو کہاں کہاں بانٹا اور کہاں جاکر زیر زمین آرام کیا اور یہ اس وقت کیا جب دنیا ریلوں، لاریوں، موٹروں اور سفروں کے دوسرے سامانِ راحت سے محروم تھی۔ معین الدین چشتیؒ سیستان میں پیدا ہوئے۔ چشت واقع افغانستان سے دولت پائی اور راجپوتانہ کے کفرستان میں آکر حق کی روشنی پھیلائی فریدؒ شکر گنج سندھ کے کناروں سے دہلی تک اور دہلی سے پنجاب تک آئے گئے اور ان کے مریدوں در مریدوں میں حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ اور

پھر ان کے خلفاء کے احوال اور ان کے سفر کے مقامات اور ان کے مزارات کی جائے وقوع کو دیکھئے کہ وہ کہاں کہاں ہیں کوئی دکن میں ہے کوئی مالوہ میں ہے کوئی بنگال میں ہے۔ کوئی صوبجات متحدہ میں ہے"

(مقدمہ سوانح مولانا الیاس رح)

ان طویل اقتباسات و مباحث کا مقصد و خلاصہ یہ ہے کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام میں کسی ایسے سلوک و تصوف کی گنجائش نہیں، جو زندگی سے فرار و گریز، ترکِ دنیا، تجرّد و عزلت نشینی، جسمانی اذیت، تعطل اور دین و دنیا کی تفریق کے رہبانی و غیر اسلامی نظریات کا حامل و داعی ہو۔ حضرت سید ملت قدس سرہ کے نزدیک سلوک ایک پیہم مجاھدہ ہے جو اس رزمگاہ حیات کے ہر سپاہی کے لئے مقدر کیا گیا ہے کہ وہ اس آزمائش کدۂ عالم میں رہ کر، اس کے پُر فریب مناظر میں الجھ کر حسنِ ازل کی کیف انگیزیوں کو نہ بھولے، فانی میں پھنس کر باقی سے نگاہیں بند نہ کرے، دنیا کی لذتیں اس کے کام و دہن کو لذائذ عقبیٰ سے اور مخلوق کا تعلق خالق کے لطف و محبت سے بے بہرہ نہ کر دے۔ زن و اولاد کی الفت، زر و جواہر کی دلفریبی، زخارف دنیوی کا انہماک تجارت و زراعت کی مصروفیت، صنعت و حرفت کی مشغولیت اسے مالک حقیقی سے غافل نہ کر دے وہ ان تمام اشیاء کو برتے لیکن ہر لغزش گاہ سے مردانہ وار گذر جائے، باہمہ بے ہمہ اس کا حال ہو اور خلوت در انجمن، اس کی کیفیت، ہر مقام و محل، ہر فکر و عمل کے وقت باطل خواہشات، ناجائز اعمال اور اتباع ہویٰ سے بچے، رضائے الٰہی کی جستجو، اچھے اعمال کی پابندی اور خیر میں مسابقت کرے، حق و باطل، خیر و

شر، نیکی و بدی میں تمیز اس کا معمول ہو، اور اتباع نبوی کمال تقویٰ اس کا شعار تاکہ اس کے فطری جواہر چمکیں۔ اس کی پوشیدہ صلاحیتیں اجاگر ہوں۔ اور وہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر بن کر خلافت خداوندی اور حیات طیبّہ کا سزاوار ٹھہرے۔ اور "ابتلاء" کی اس گھاٹی (دنیا) کو کامیابی سے پار کر کے رضائے الٰہی، قربِ ربّانی اور نعمائے جنت سے نوازا جائے، وَ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ" ۵

زندگی انجمن آراء و نگہدار خود است
اے کہ در قافلہ بے ہمہ شو با ہمہ رو

دُنیا یا مزرعہ آخرت

دُنیا مقصود نہیں بلکہ اسکی حیثیت آخرت کی کھیتی کی ہے

عزلت نشینی وقطع علائق سے پرہیز اور دین و دنیا کی وحدت کا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ دُنیا کو کسی درجہ میں بھی مطلوب بنا کر زخارف دنیوی کو اپنے دل میں بسالیا جائے، کہ اسلام میں جس دنیا کی مذمت ہے اور جسے دنیا کہہ کر پکارا جاتا ہے وہ زندگی کا وہ نظریہ وچلن ہے کہ انسان ذات الٰہی سے قطعاً غافل ہو کر اسی دنیاوی زندگی کی زیب وزینت کو مدعا و مقصد بنا کر ہمہ تن۔ اسی میں مشغول ہو جائے اور احکام الٰہی اور سنن نبویّہ کی کوئی پرواہ نہ کرے۔ دنیا ہی اس کا کعبہ مقصود ہو۔ اور یہاں کا چین وآرام اس کی زندگی کا مقصد ہو ؎

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند

ہر زماں در حق حق در بق بق اند (رومیؒ)

ظاہر ہے کہ ایسی دُنیا یا زندگی کی گنجائش ایک الٰہی دین و آسمانی مذہب میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی بناء پر عارفِ رومیؒ نے اس کریہہ دنیا، کی مذمت کرتے ہوئے کہا۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں — ایں خیال است و محال است و جنوں

اس کے برعکس اسلام، دنیا کے ہراس حصول و استعمال قول وعمل کو سرے سے دنیا کہتا ہی نہیں، جو رضائے الٰہی کے لئے حدود احکام ربانی کی پابندی و تحت میں ہو۔ دنیا اور اس کے حصول و استعمال کے وہ جملہ طریقے جو احکام الٰہی اور سنت نبویہ کے مطابق ہیں۔ سراسر دین اور عین مطلوب ہیں وہ دنیا ہے ہی نہیں۔ کہ دنیا کو دنیا کے لئے چاہنا حرام اور اس کا احکام ربّانی کے مطابق اور رضائے حق کے لئے استعمال و حصول عین دین ہے ؎

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

بات یہ ہے کہ اس دنیا کا قیام و بقا ایک خاص مقصد کی تحت میں ہوا ہے اور وہ مقصد ہے انسانوں کا اس "ابتلا کی گھاٹی" کو اس طرح پار کر لینا کہ یہاں کی زندگی اور اس کے مناظر و وقائع، احوال اعمال، معاملات و تعلقات سب انسان کے لئے معرفت و رضائے الٰہی کا زینہ بن جائے اور اس کی زندگی اس نہج سے گذرے کہ یہاں کا ایک ایک عمل اس کی آنے والی زندگی کو بنا دے اور یہاں کی نیکیوں، بھلائیوں اور احکام الٰہی کی پابندی کے پھل وہ نعمائے جنت و رضوان الٰہی کی صورت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پا سکے۔ اس لئے اس آتی جاتی زندگی کو ایک آنی وفانی، گذر جانے والا وقفہ قرار دیا گیا۔ اور اس زندگی کا جملہ خاکہ آخرت کے منافع و مضار، عقبیٰ کی مصلحتوں اور تقاضوں کو سامنے رکھ کر بنایا گیا کہ آخرت منزل و مقصود ہے اور دنیا محض چند روزہ رہگذر و ذریعہ ہے۔ اس الٰہی خاکہ میں ضمناً و ذیلاً تمام دنیاوی اجتماعی و انفرادی منافع اور ضرورتیں آجاتی ہیں

بلکہ اس خاکہ اور طریقۂ حیات میں دنیاوی منافع خود بخود اس طرح آجاتے ہیں۔ جیسے گندم بونے والے کے لئے بھوسا ذیلاً آہی جاتا ہے۔ اس لئے آخرت کا یہ گھروندا تمامتر آخرت کی بنیاد پر استوار کیا گیا ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

"کیونکہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور ان کے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد اسی آئندہ دنیا کے گھر پر قائم ہے۔ اگر یہ بنیاد متزلزل ہو جائے تو اعمال انسانی کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے اس لئے تمام مذاہب نے کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی اصطلاح میں دوسری زندگی کو متفقاً تسلیم کیا ہے۔"

(سیرت النبی ج ۴ ص ۶۳۵)

دنیا میں ایمان و اعمال صالحہ کے جو درخت لگائے جائیں گے۔ انہیں کا میٹھا پھل اور کفر اور برے اعمال کا کڑوا پھل آخرت میں انسان پائے گا۔ گویا دنیا آخرت کے لئے کھیتی ہے اور "آخرت" اس کے ثمرات اور پھل پانے کا مقام اس لئے حیاتِ دنیا کا ہر ہر قدم آخرت کے نتائج کو سامنے رکھ کر اٹھایا جائے گا اور یہاں کی ہر حرکت و سکون آخرت کی زندگی کے منافع و مضار کی حامل ہو گی۔ بقول حضرت والا قدس سرہٗ "اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا اس آئندہ دنیا کی خریداری کا بازار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔

رضائے الٰہی کے باغستان کی جس کا دوسرا نام جنت ہے وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ کی قیمت کتنی ارزاں اور سستی بتائی گئی ہے۔ جاں و مال کی بازی،

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ　　نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ دنیا اس لئے دی گئی کہ یہاں رہ کر اُس دنیا کا سودا کیجئے۔ مثلاً آپ جسطرح افریقہ اور برما میں رہ کر رانڈیر کو آباد کرتے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا میں سودا کر کے آخرت کی آبادی کی فکر میں رہیں۔ اس دنیا میں رہ کر اور اس دنیا کے کاروبار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انجام دے کر اور خواہشات دنیا سے بچکر اطاعتِ الٰہی کی تعمیل کر کے معرفت الٰہی اور رضائے الٰہی کی جو سرفرازی پائیں تو یہ وہی مجاہدہ ہے جو آدمؑ اور بنی آدم کیلئے مخصوص ہوا ہے۔ اور جو فرشتوں کی حدود سے خارج ہے۔"

آگے مزید ارشاد فرماتے ہیں،

" سارا عالم آفتاب سے لے کر زمین تک قلیوں کی طرح کام میں لگا ہوا ہے۔ تاکہ آدم کے بچوں کو جو اس فیضِ عام کے دسترخوان پر مہمان ہیں۔ کھانے کو روٹی اور پینے کو پانی اور پہننے کو کپڑے اور سایہ کرنے کو گھر ملیں، یہی چاروں چیزیں انسان کی اصلی ضرورتیں ہیں۔ آدمؑ کی جنت کی تعریف یہ فرمائی گئی تھی۔

اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْھَا　　ہماری دنیا دی جنت یہی ہے
وَلَا تَعْرٰی وَ اَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا　　جہاں بھوک، پیاس اور دھوپ
فِیْھَا وَلَا تَضْحٰی　　اور برہنگی سے بچاؤ ہو۔

انہی چیزوں کے مہیا کرنے کیلئے سارا عالم چکر کاٹ رہا　　اور گردش

کر رہا ہے۔ اور اس سامان کے ہاتھ آنے کی غرض یہ تھی، کہ انسان اپنی بقا کو مدت متعینہ تک محفوظ رکھے۔ اور اس میں اپنے میزبان خلاق عالم کے شکر و طاعت کا فرض بجالائے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن — ہم نے جن و انس کو اپنی طاعت ومعرفت کیلئے پیدا کیا ہے۔

غرض سارا سامان انسان کی محدود بقا کے لئے ہے۔ اور انسان خود اللہ تعالیٰ کی طاعت کیلئے بنا ہے۔ یہی مفہوم خطبوں میں ہم کو ان الفاظ میں سنایا جاتا ہے

ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرة — دنیا تمہارے لئے اور تم آخرت کیلئے بنے ہو

.... انسان کے جسم کے مقابلے میں دنیا کی وسعت و عظمت میں کوئی شبہ نہیں لیکن اس سارے نظام عالم میں سب ہی عقل و معرفت، ہوش و رائے علم احساس اور مقصود ارادہ کی سب سے بڑی نعمت سے محروم ہیں اور صرف یہی چھ فٹ والا ایک انسان اس سے سرفراز کیا گیا ہے۔ اسلئے تکلیف و شریعت اور بالارادہ طاعت کا وہی ذمہ دار بنایا گیا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (احزاب-۹)

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی، تو سب نے اسکے اٹھانے سے انکار کیا۔ اور ڈر گئے۔ اور انسان نے اٹھالیا۔ وہ ظالم و جاہل تھا۔

اب یہیں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا۔ کہ انسانوں کو بارگاہ الٰہی سے جو کچھ خاص چیزیں ملی ہیں وہ اس کی اپنی نہیں۔ بلکہ بطور امانت اس کو بضرورت اور مصلحتاً سپرد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کر کے اور اسمار صفات و خواص کا علم عطا فرما کر اس کو اپنی بقا کی بہم رسانی کا سامان بخشا۔ لیکن خود اس کی حیثیت ملائکہ عالم کو یہ بتائی گئی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً میں زمین میں ایک نائب اور نمائندہ بنا رہا ہوں نائب اور نمائندہ وہی ہوتا ہے۔ جو اصل کی طرف سے اصل کے دئیے ہوئے احکام کو جاری کرتا اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام میں لاتا ہے اور ان احکام کے اجرار و اختیار کے کام میں لانے کے لئے جو ساز و سامان ضروری ہے وہ اسی اصل سے عاریتہً اس کو ملتا ہے اور امانتہً اس کے پاس رہتا ہے پس انسان کو عقل و قدرت، ہوش و خرد اور علم و معرفت کا جو سامان ملا ہے وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے اِنَّ اللہَ خلق آدم علی صورتہٖ اسی مبتدار کی خبر ہے اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے سو وہ سب اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں۔ اور ان میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کا سب سے بڑا مظہر ہے اور اس طرح تخلق باخلاق اللہ کا منشار اس سے پورا کرنا ہے

یہ سب کیوں ہوا۔ تاکہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرے اور طاعت بجالائے لیکن غافل انسان کیا کرتا رہا۔ اس عظیم الشان فرض سے جو اس پر عائد ہے غفلت برتتا رہا، اور برت رہا ہے۔ اس کو اس زمین میں متعینہ مدت کی بقار کے لئے کھانے پینے رہنے اور پہننے کی چار چیزوں کی پیدائش اور سامان کے لئے جو محدود علم اور قوت ملی تھی۔ اس کو اس نے ان چاروں چیزوں کے حصول کی غیر محدود بھوک اور پیاس

پیدا کرکے صرف ان کے حصول میں صرف کرنے لگا اور کر رہا ہے۔ اس کا سارا وقت اور اس کی ساری جسمانی و دماغی قوت صرف اس میں خرچ ہو رہی ہے کہ کس طرح ساری دنیا کا کھانا اور پانی اس کو مل جائے۔ ساری زمین اس کے قبضہ میں آجائے اور سارا سامان صرف اسی کے تصرّف میں رہے۔ غرض اسی سامان کے غیر ضروری ہمہ گیر حصول و حفاظت اور پیداوار اور بہتات اور سب کو صرف اپنی ملکیت بنانے میں وہ اپنی قوت اور طاقت کا ہر ذرّہ فنا کر رہا ہے اور اس کھانے پینے اوڑھنے اور رہنے کے سارے ذخیرہ پر بلاشرکتِ غیرے زیادہ سے زیادہ تصرّف کے پیچھے وہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ اور اس مشغولیت اور انہماک میں اس کو اس دنیا کے چھوڑنے اور دوسری دنیا میں جانے اور اس کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ فرائض کی بجا آوری میں خالق کی معرفت اور اس کے احکام کی تعمیل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ بادشاہ سے لے کر مزدور تک سب اسی میں مبتلا ہیں۔ اس کا سارا زور و ظلم، جبر و قہر، چوری و سینہ زوری، غصب، ڈاکہ، قتل کی وارداتیں اور زنا اور بدکاری، طمع و حرص، عدم قناعت، ساری برائیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے۔

لا یملاء بطن آدم الا التراب — آدم کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی بھرے گی

پھر فرمایا۔ اگر آدم کے پاس ایک وادی ہو۔ تو وہ دوسری وادی کا جویا رہتا ہے شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ کسی نے سلطان محمود کو خواب میں دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ ایک صاحب معرفت نے اس کی تعبیر دی "چشمش نگراں است کہ ملکش با دیگراں است"

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ — ہمچناں در بندِ اقلیمے دگر

بادشاہ کو اگر ساتوں اقلیموں کی سلطنت بھی مل جائے تو وہ اس پر بھی ایک دوسری اقلیم کی فکر میں رہے گا۔ یہ حقیقت آج بھی عیاں ہے۔ بادشاہ بادشاہ سے قوم قوم سے اور ملک ملک سے صرف اس لئے لڑنے میں مصروف ہے کہ اس کو وہ بھی چاہئے، جو دوسرے کے قبضے میں ہے اس لئے انسانوں میں بے قراری، قوموں میں تباہ کاری، ملکوں میں پریشاں روزگاری اور بادشاہتوں میں ستم گاری کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اب چاہے کوئی کتنی ہی لیگ آف نیشن اور سان فرانسسکو کی مجلیس بنائے، دنیا میں امن اور اطمینان اور قوموں میں سکون اور ملکوں میں تسکین پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کا علاج صرف ایک ہی ہے۔ سیاسی و اجتماعی قناعت، آتِ کُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ، اور اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَهْلِهَا پر عمل، جو جس کا ہے وہ اس کو دو، ورنہ کوئی قوم سب کچھ پا کر بھی تسلی نہیں پا سکتی، اسی طرح کوئی انسان سب کا سب کھا جائے، تب بھی اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔ کیونکہ وہ اسی کھانے اور پینے کو زندگی کا اصل مقصد سمجھتا ہے اور ظاہری زندگی کی اسی چہل پہل اور رونق کو اصل زندگی جانتا ہے لیکن ہم غور کریں اور سوچیں۔ کہ یہ صفت اصل میں کفر کی ہے۔ ایک مومن اور کافر کا فرق یہی ہے کہ مومن بقدر ضرورت کفاف پر بسر کر کے مالک کے حکم کے مطابق دوسری زندگی کے لئے اس پہلی زندگی کے عائد کردہ فرائض کو بجا لاتا ہے اور اس دنیا کی ضروریات میں ضرورت کی حد تک جو بقا کے لئے ضروری ہے۔ مصروف ہوتا ہے اور باقی وقت کو اصل کام میں لگاتا ہے لیکن وہ لوگ جو دوسری دنیا کے قائل نہیں۔ اپنے اعمال کی جوابدہی اور اپنے کاموں کے مواخذہ سے بے خبر ہیں۔ دیکھ لیجئے کہ ان کا سارا انہماک خواہ نوکری، زراعت،

تجارت، سلطنت، کسی کام میں ہو، جو محض خورد ونوش کی بہتات اور مسکن وملبس کی رونق اور افراط کے لئے ہے اور اس کے لئے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہو سکے تو غیروں کا حصہ بھی چھین کر، جھٹک کر، چوری کر کے، غصب کر کے، ڈاکہ مار کے فریب دے کر، دھوکہ دے کر، قتل کر کے حاصل کرے اور اس خوشی میں مگن رہے کہ سب کچھ ہمارے پاس ہے اور قیامت تک کے لئے ہمارے پاس سامان ہے حالانکہ خود زیست جس کے لئے قیامت کا سامان ہے چند روز سے زیادہ کی نہیں کیا ان سے زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے۔ کیا جانوروں کی زندگی یہی نہیں ہے۔ انہیں کی شان میں اللہ تعالےٰ کا بار بار ارشاد ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَھُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ط اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (فرقان - ۴) کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کافروں میں سے اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں ہیں۔ مگر جانوروں کی مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ کو بھولے اور بھٹکے ہوتے۔

سورۂ محمد میں ہے

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ (محمد - ۲) اور جو کفر میں مبتلا ہیں۔ وہ اسی طرح دنیا کے فائدے اٹھاتے اور پیٹ بھرتے ہیں جیسے جانور، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

ایک اور آیت ہے۔

ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ (حجر - ۱) ان کو چھوڑ دیجئے۔ کہ یہ کھاتے اور دنیا سے تمتع اٹھاتے رہیں اور دنیا کی آرزو ان کو غفلت میں ڈالے رکھے۔

دوسری آیت میں ہے۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا، وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا، وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (اعراف - ۲۲)

ان کافروں کے دل ہیں جن سے سمجھ کا کام نہیں لیتے اور آنکھیں ہیں جن سے نہیں دیکھتے اور کان ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ جانوروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ راہ بھٹکے ہیں

ان کی آنکھیں ہیں، مگر دیکھتے نہیں۔ کان ہیں مگر سنتے نہیں جو عضو جس کام کے لئے بنا ہے جب اس سے اس کا کام نہ لیا جائے تو وہ بیکار ہے۔ گویا اس کا وجود ہی نہیں۔ ان آیتوں میں ان کفار کو جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے اور بھولے ہوئے بتایا گیا ہے۔ اس لئے کہ بہرحال ہر جانور طوعاً وکرہاً زبردستی یا اپنے جی سے اس کام کو بجالا رہا ہے جس کے لئے وہ دنیا میں لایا گیا ہے۔ مگر جو اپنی خلقت اور دنیا میں اپنی آمد کی غرض کو بھلائے ہوئے ہیں۔ وہ تو ان سے بھی بڑھ کر بے عقل اور احمق اور بھٹکے ہیں۔

آج کل مسائل اعتقادی میں جس اعتقاد سے سب سے زیادہ غفلت برتی جارہی ہے وہ یوم الدین اور روز قیامت کا مسئلہ ہے۔ قیامت سے قیامت کی غفلت ہے۔ کافر تو کافر مسلمان تک اگر اس سے غفلت نہیں تو تغافل ضرور برت رہے ہیں یعنی ایماناً تو بہرحال اس کا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں لیکن عملاً اس عقیدہ پر یقین ہونے کی صورت میں ان کے طرز عمل میں جو تبدیلی ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے اس لئے بطور نظریہ کے تو وہ مانتے ہیں لیکن زندگی کے کاروبار اور اعمال میں اس ایمان سے اگر وہ کامل ہوتا۔ جس نتیجہ کی اُمید تھی۔ وہ پوری نہیں ہو رہی ہے اور سمجھتے ہیں:-

ع اب تو آرام سے گزرتی ہے   عاقبت کی خبر خدا جانے

حالانکہ یہ آرام ویسے ہی ہے جیسے جانوروں کو تبیلہ میں اور کیڑوں کو نجاستوں میں اور گندگیوں میں ملتا ہے۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے   وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

خدا فرماتا ہے۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ   اور آخرت ہی کی زندگی زندگی ہے

(عنکبوت - ۷)

آج کل اسی دنیاوی زندگی کے عیش و نشاط کی بہتات اور افراط کا نام ترقی رکھا گیا ہے۔ جس کی ہر طرف پکار ہے ۔ دولت پرست اور سرمایہ پسند قوموں کی تقلید میں ترقی کی تعبیر بڑی بڑی ملازمتوں، بڑی بڑی تنخواہوں اور حکومت کی نگاہ میں اعزاز و اکرام وجاہ و منصب کی طلب اور حصول سے کی جاتی ہے ۔ حالانکہ یہ دولت اور جاہ و منصب ایسا ہی ہے ۔ جیسے شاہی غلاموں کی کمر اور گلے میں طلائی اور نقرئی پٹے اور کمر بند پڑے ہوئے ہوں یا قفس کی سنہری تیلیوں کے اندر خوشنوا اور خوشنما پرندوں کو بند کر دیا جائے ۔

آج کل اس راہ میں دو قسم کی گمراہیاں یکجا ہیں ۔ ایک طرف سرمایہ دار قومیں ہیں ۔ جنہوں نے سونے چاندی کی اینٹوں کے بت تراشے ہیں اور دنیا کے سارے سر سبز علاقوں پر اس لئے حکومت کرنا چاہتی ہیں کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے خزانوں میں جمع کرلیں ۔ دوسری طرف اب سوشلزم کا زور ہے ۔ جو حقیقت میں سرمایہ داری کی پہلی غلطی کا ردِّ عمل ہے ۔ پہلا گروہ اگر صرف تاجروں، زمین کے مالکوں، بینک کے حصہ داروں اور معلت کے ٹھیکیداروں کے خزانوں کے بھرنے میں مصروف ہے

اور اس کو عام انسانوں سے بحث نہیں۔ تو دوسری طرف یہ دوسرا گروہ عام انسانوں کے پیٹ کے بھرنے کے لئے کوشاں ہے اور اس حد تک تو بات صحیح بھی ہے۔ لیکن اس کی افراط یہ ہے۔ کہ اس نے انسان کو صرف پیٹ سمجھا ہے اور اس پیٹ کے مسئلہ کو دنیا کا اصلی مسئلہ بنا رکھا ہے اور اس کو اس قدر اہمیت اور وسعت دی ہے کہ ساری دنیا ایک پیٹ میں سما گئی ہے۔ مذہب، اخلاق، تمدّن، تاریخ، سے لے کر کاروباری زندگی کی صلح و جنگ کے ہر ایک حادثہ کی تشریح اسی پیٹ سے کی جاتی ہے۔ جسم کو پیٹ کی اہمیت سے انکار نہیں۔ حدیث میں جس طرح "شر فتنة الغنی" سے پناہ مانگنے کی دعا کی تعلیم ہے اسی طرح شر فتنہ الفقر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اس لئے اسلام میں دولت کے طغیان اور مفلسی کی ذلّت دونوں سے بچنے کی تعلیم یکساں ہے جس طرح طغیان دولت کا نتیجہ استکبار اور تمرد یعنی فرعونیت و نمرودیت اور شدادیت ہو کر کفر کا موجب ہوتا ہے تو دوسری طرف ذلّت اور مسکنت غضبِ الٰہی کا مظہر ہے "ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ" قرآن میں، "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا" روایتوں میں وارد ہے۔

لیکن ضرورت افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی ہے۔ موجودہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک فقرہ منسوب ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا" سو! یہ بات ٹھیک ہے۔ انسان کے جسم میں پیٹ ہے جس کی مشکل کے حل کرنے کا نام علم معاشی ہے لیکن اس کے سینہ میں "دل" بھی ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ (ق - ۳)

یہ جنت موعودہ اس کے لئے ہے۔ جو باطل کو چھوڑ کر حق کو قبول کرتا ہے اور حقوق آداب کی نگرانی کرتا ہے۔ جو اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور لایا وہ دل جس میں رجوع ہے ان سے قیامت میں کہا جائے گا کہ چلے جاؤ اس میں بسلامت۔

ایک دوسری آیت میں "يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ" وارد ہے یعنی وہ قلب جو ہر باطل اور کجی سے سلامت رہا۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب

ہاں انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ ٹھیک ہوگا۔ تو سارا بدن ٹھیک ہوگا۔ اور جب وہ بگڑے گا تو سارا بدن بگڑ جائے گا۔ ہاں وہ دل ہے۔

اس سے معلوم ہوا۔ کہ پیٹ کا کام اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے قلب کو حیات مادی اور بقا حاصل ہو جب تک کے لئے اس دنیا میں اس کی بقا مقدر ہے اور قلب کا کام یہ ہے کہ سارے نظام جسم کو صالح بنائے رکھے اور فساد سے بچائے اس سے ہمارے لئے جس طرح پیٹ کے سامان کی ضرورت ہے۔ قلب کے سامان کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے۔ دو میں سے ایک سے بھی تغافل نہیں برتا جا سکتا۔ اگر پیٹ سے غفلت برتئے اور صرف قلب کے کام میں لگے رہئے تو عجب نہیں کہ بقول عارف

شیہ الذ جب پچھلی پہر رات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور آپ تہجد کی نماز کو بھوکے پیاسے کھڑے ہوں تو کان میں آواز آئے ع

"چہ خورد بامداد فرزندم"

اگر پیٹ بھرا ہو۔ اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہو۔ تو قرآن پاک کے بموجب "بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا" عیش دنیا میں ناز و غرور کی شان پیدا ہو کر خود حق تعالےٰ سے بغاوت اور طغیان پیدا ہو جاتے۔ فَأَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا' یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی بستی تباہ ہوتی ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس بستی کے دولت مند اور اصحاب نعمت اللہ تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اس کو تباہ کر ڈالتا ہے اس لئے بڑی ضرورت ہے کہ پیٹ کی طرح قلب کی بھی فکر کی جائے"۔

غرض اسلام میں دنیاوی زندگی' آخرت کی زندگی' کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہے، یہاں پیٹ' و دل' کی بقا و صلاح کے لئے وہی احکام اور اوقات گذاری کے طریقے دیئے گئے ہیں۔ جو انسان کی دائمی زندگی کے لئے مفید و نافع ہے۔ گویا یہ زندگی مسافرت اور یہ عالم محض عبرت کدہ ہے۔ جہاں انسان ایک مسافر راہی کی صورت میں آتا اور اپنے وطن اصلی' الآخرۃ' کے لئے توشہ و سامان اکٹھا کر کے چلا جاتا ہے۔ سفر کی منزل ہر آن طے ہو رہی ہے۔ لیکن غافل راہی' راہ کے تماشوں اور ہنگاموں میں کچھ اس طرح گم ہے کہ نہ منزل یاد ہے۔ نہ وہاں کی ضرورتیں اور تقاضے، فانی لذائذ و مشاغل نے اس طرح گھیر رکھا ہے۔ کہ اپنے ہی ذاتی و دائمی اور باقی رہنے والی لذتوں اور راحتوں سے بے پرواہ اور نا آشنا ہو جاتا ہے۔ انبیاء کرام ع اسے اسی عمیق غفلت سے

ہشیار اور وطن اصلی کی تیاری کے لئے بیدار اور اللہ تبارک و تعالےٰ کو مرجع و مقصد قرار دینے کے لئے آتے ہیں۔ حضرت سیدو الا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں "غور کیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ ہر انسان ہر وقت سفر میں ہے لیکن یہ سفر مکانی حرکت نہیں بلکہ زمانی حرکت ہے اور یہ سفر ایسا سفر ہے جو ہمارے اختیار میں نہیں۔ ابلق ایام ہر آن رواں ہے اور اس کی روانی کے ساتھ سارا عالم امکان بحالت سفر ہے۔ مکانی حرکت تو ایسی چیز ہے کہ ہم چاہیں تو حرکت کریں اور نہ چاہیں تو نہ کریں۔ مگر یہ زمانی حرکت تو ایسی چیز ہے کہ ہم ہزار نہ چاہیں مگر یہ سفر ایک لمحہ کے لئے بھی رک نہیں سکتا۔ لیکن گو حرکت ہم کو ہو رہی ہے مگر اس حرکت کے سوار ہم نہیں ؏

نے ہاتھ میں لگام نہ پاؤں رکاب میں۔

کوئی اور ہی شہسوار ہے جو برابر اپنے سوار کو حرکت دیتا چلا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ سارے عالم کو حرکت ہو رہی ہے لیکن کیا عجیب بات ہے کہ ہم کو اپنے مکانی سفر کا تو احساس ہوتا ہے لیکن اپنے زمانی سفر کا کچھ بھی احساس نہیں بچہ پیدا ہوتا ہے بڑھتا ہے اور ہر آن بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اور پھر وہاں سے نیچے کو کھسکتا ہے اور بڑھاپے کو پہنچ جاتا ہے اور آخر قبر میں پہنچ کر اپنی مسافرت کی کمر کھولتا ہے لیکن افسوس کہ زاد سفر پاس نہیں ہوتا۔ وَخَیْرُ الزَّادِ التَّقْوٰی اس سفر کا توشہ اور زاد راہ صرف تقویٰ اور نیک عمل ہے۔ اس زمانہ میں مادیت اس زیب و زینت اور شان و شکوہ اور جاہ و جلال سے جلوہ افروز ہے کہ روحانیت اور تزکیۂ باطن کے حسن لطیف تک نظر پہنچنے نہیں پاتی۔ اور اہتے بائیں اور آگے

پیچھے کا خوشنما منظر اس کا موقع ہی نہیں دیتا کہ خود اپنی طرف دیکھا جائے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ع

تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

حضرات صوفیہ و اولیاء رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم راہ حقیقت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اس دنیا کے رونق خانہ میں کُن فی الدُّنیا کانکَ غریبٌ او عابرِ سبیلٍ کے ارشاد نبوی پر عمل فرما کر اس دنیا کو مسافر خانہ اور اپنے کو راہ چلتا مسافر سے زیادہ نہیں سمجھا، اور اس دنیا کی چیزوں سے اپنے دل کا لگاؤ اتنا ہی رکھا۔ جتنا ایک رات بھر کے مسافر کو مسافر خانہ کے سامان سے ہو سکتا ہے، ؎

حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

مگر یہ مسافرانہ بے تعلقی اگر بے تعلقی ہی کی حد تک ہے تو یہ جوگ اور رہبانیت ہے جس کی جگہ اسلام میں نہیں۔ لیکن اگر ظاہر کی بے تعلقی اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ کیساتھ دل کی وابستگی ہو اور ظاہر کے ساتھ تعلق بھی اسلئے ہو کہ وہ باطنی وابستگی کا نتیجہ ہے اور خلق مخلوق کیساتھ تعلق اس لئے ہو کہ وہ خالق کی رضا کے حصول کا ذریعہ ہے تو وہ عین مطلوب اور عین اسلام ہے اور اسی کا نام اصطلاح عام میں تصوف ہے۔ غرض مومن اور غیر مومن میں بڑا فرق اعمال کی قوت محرکہ اور غایت کے فرق کا ہے

وَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ؕ

(دیباچہ ملفوظات بزرگان دین" مولفہ محبوب سید ایم۔ اے)

ترجمہ:۔ جس شخص نے (حق سے) سرکشی کی ہوگی اور آخرت کا منکر ہو کر) دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی سو دوزخ (اس کا) ٹھکانہ ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگی۔"

شریعت و طریقت کی عینیت
و اتباعِ نبوت

حضرۃ الشیخ الامام قدس سرہٗ نے تصوف و سلوک کی جو تشریح فرمائی ہے ۔
اس سے یہ چیز واضح اور مبرھن ہو جاتی ہے کہ سلوک کمالِ دین ، احکام الٰہی کی کامل پابندی اور سنت نبوّیہ کے مکمل ظاہری و باطنی اتباع کا نام ہے ۔ گویا شریعت مطہرہ اور تعلیمات محمدیّہ کی بکمال اخلاص پیروی و تعمیل و تکمیل ہی طریقت ہے شریعت طریقت ہے اور طریقت عین شریعت ، لہذا طریقت یا سلوک و تصوف کا کتاب و سنّت کے دائرہ کے باہر کوئی وجود ہی نہیں ۔ شریعت و طریقت کی یہ عینیت و یکجائی سلوک سلیمانی کا سب سے بڑا کمال و جمال ہے ۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں ۔

" جاہل پیروں اور دوکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے کہ شریعت و طریقت دو الگ چیزیں ہیں ۔ اور اِس زور و شور سے اسکو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے ۔ حالانکہ یہ تمامتر لغو اور بے معنیٰ ہے ۔ حضرت حکیم الامتہؒ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی ۔ کہ طریقت عین شریعت ہے ۔ احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے ۔ وگرہیچ ، اور

یہی خواصِ امت کا مذہب ہے اور جس نے اس کے سوا کہا وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے نا آشنا ہے۔ اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے۔

اب تو مے تو نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہہ شہر جو مے نوش ہے

(رسالہ معارف اعظم گڑھ ص۱۰۰ ج ۵۲)

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں،

"شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت ہے۔"

سیرت النبی جلد پنجم میں "عبادات قلبی" کی تحت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

" اسلام میں بعض ایسی عبادات بھی ہیں۔ جن کا تعلق تمام تر قلبی احوال اور نفس کی اندرونی کیفیتوں سے ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اسلام میں ہر نیکی کا کام عبادت ہے۔ اس لئے تمام امور خواہ وہ جسمانی یا مالی یا قلبی ہوں عبادات کے اندر داخل ہیں۔ فقہا نے صرف جسمانی اور مالی عبادات سے بحث کی ہے۔ لیکن حضراتِ صوفیہ نے جسمانی اور مالی عبادات کیساتھ قلبی عبادات کو بھی شامل کر لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ فقہا نے اپنا فرضِ منصب صرف جسمانی اور مالی فریضوں تک محدود رکھا ہے۔ اور صوفیہ نے اس سارے فریضوں کو یکجا کیا ہے۔ جن سے اسلام نے انسان کے قلب و روح کی درستی کا کام لیا ہے۔

.... یہ وہ فرائض یا قلبی عبادات ہیں جو اسلام کی روح

اور ہمارے تمام اعمال کا اصل جوہر ہیں۔ جن کے الگ کر دینے سے وہ عبادات پنجگانہ بھی جن پر اسلام نے اِس قدر زور دیا ہے۔ جسد بے روح بن جاتے ہیں .... فقہ و تصوّف کی ایک دوسرے سے علیحدگی نے ایک طرف عبادات کو خشک و بے روح اور دوسری طرف اعمالِ تصوّف کو آزاد اور بے قید کر دیا ہے"

کہ فقہہ و تصوّف دونوں ایک ہی حقیقت (شریعت مطہرہ) کے دُو رخ، ایک ہی نور کی دو شعائیں اور ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں۔ جو اپنی تکمیل میں ایک دوسرے کی محتاج ہیں۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت لے کر آئے تھے وہ ظاہر و باطن کی جامع اور جانی و مالی، قلبی و جسمانی، انفرادی و اجتماعی جملہ امور پر حاوی و محیط ہے۔ جب تک احکام الٰہی اور سنّت نبوّیہ کے جز و کل کو مانا اور اپنایا نہ جائے۔ شریعت کا اتباع مکمل نہیں ہوتا۔ کہ اسوۂ نبویہ کا دوسرا نام شریعت ہے اور جو عقیدہ و نظریہ، قول و عمل، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "قدم مبارک" کے نیچے نہیں وہ عین ضلالت ہے۔ اعمال و اقوال میں مقبولیت و محبوبیت باخلاص اتباع نبوتؐ ہی سے آتی ہے۔ اور جمالِ رسالت ہی سے اعمالِ ایمانیہ کا حسن و نکھار، خوبی اور رونق ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ظاہری و باطنی سے جس قدر مشابہت اخلاص و احتساب کے ساتھ ہوگی۔ اسی قدر انعاماتِ ربانی، کمالات نبوت اور فیوض و برکاتِ رسالت سے انسان بہرہ مند ہوگا۔

حضرت سیّد الملت قدّس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں۔

"بے شبہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات سے ہر امتی بقدر استعداد

بہرہ ور ہوتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ مگر اس کو منصبِ نبوتؐ سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ بند ہو چکا۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا،

" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات ہر وقت جاری ہیں۔ اپنے میں استفادہ کا مادہ ہونا چاہیئے اور اس کی صورت حضور علیہ السلام کی محبت عقلی ہے۔ جس کا مظہر اتباع احکام و سنّت ہے۔"

کسی عمل کی خوبی و کمال یہی ہے کہ وجہ عمل محض رضائے الٰہی ہو۔ اور وہ عمل زیادہ سے زیادہ حضور سید عالم (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق، مشابہ اور قریب ہو۔ رضائے حق کا داعیہ اور یہ مطابقت و قرب جس قدر بڑھتا جائے گا۔ انشاءاللہ قرب و اقربیتِ الٰہی کی منازل طے ہوتی جائیں گی۔ کہ نعمائے ربانی کا اتمام و سبوغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اور اسوۂ مبارکہ میں کر دیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ	آج کے دن تمہارے لئے تمہارے
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ	دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ	تم پر اپنا انعام تام کر دیا۔ اور میں نے
دِیْنًا ؕ (المائدہ - ۱)	اسلام کو تمہارا دین بننے کیلئے پسند کر لیا۔
وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَهٗ	اور اس نے تم پر اپنی ظاہری و
ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ (لقمان - ۳)	باطنی نعمتیں پوری کر دیں۔

اِس لئے کمال انسانی یہی ہے۔ کہ اِس کے عقائد و اعمال، احوال و کیفیات

سیرت و اخلاق زیادہ سے زیادہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطابقت رکھتے ہوں۔ اس کے ہر قول و عمل سے سنّت کا اتباع ظاہر ہوتا ہو۔ اور اس کا دل، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں رضائے الٰہی کی دھن میں مگن غیر سے منقطع، ذاتِ حق میں شاغل اور کیفیاتِ سرمدی میں مشغول ہو" صحت ایمان اور ظاہری عمل صالح کیساتھ اِس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں محبتِ الٰہی، خشیت الٰہی، اخلاق للّٰہ، تعلق مع اللہ کی اور اخلاق وعادات و شمائل میں اتباعِ سنن نبویؐ کی کیفیت ہو۔" کہ جس قدر ختم الرسل نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی اعمال سے حصہ نصیب ہوگا۔ اسی قدر قرب ربانی اور رضائے الٰہی میسر ہوگا۔

منہاجِ رسالت ہی راہ معرفت اور طریقۂ نبوی ہی رہنمائے حق ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر و باطن ہی آئینۂ رضائے الٰہی اور اتباع نبوت ہی جادہ محبوبیت ربّانی ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و عمل جاذبِ رحمت الٰہی، مفتاحِ اسرار اور ذریعہ قربت و رضائے حق ہے۔ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیات ایمانی، احوال باطنی اور اعمال ظاہری کی تلاش و یافت اور عمل ہی ہر امتی کیلئے اس کی استعداد و اخلاص اور احتساب کے بقدر مرادیتِ ربّانی اور محبوبیت الٰہی کا زینہ ہے۔ کہ اب (یعنی بعثتِ نبوت سے قیامت تک) قرب و رضائے الٰہی معرفت ربّانی ولایتِ خاصہ و عامہ، محبوبیت و مرادیتِ حق کی جملہ منازل و مدارج طریقۂ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ) میں مندرج، منطوی اور منحصر کر دیئے گئے ہیں۔ اب جسے بھی ملے گا اور جہاں بھی ملے گا اور جب بھی ملے گا ــــــ

ایمان و معرفت ، اعمال صالحہ ، اخلاقِ فاضلہ کا ہر ذرہ و حصہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع و طریقہ ہی سے ملے گا ۔ کہ نبی امی احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ علیاہی انسانیت کی شاہراہِ معرفت ہے ۔ ایمان و عرفان و رضاء و قربِ ربانی کا کوئی ادنےٰ ذرہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیطۂ نبوتؐ کے باہر اور آپ کے اسوۂ حسنہ سے ہٹ کر نہیں مل سکتا ۔ آپ کا دین ہی مجسم رضائے حق اور آپ کا اسوہ ظاہری و باطنی عین تقرب ربانی ہے ۔ معرفتِ الٰہیہ کی جملہ منازل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ اور طے کردہ جادۂ ہدایت کے اندر ہی منحصر و محصور ہیں

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔
(الشوریٰ - ۵)

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کر رہے ہیں ۔ یعنی اس اللہ کے رستہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔

بقول الشیخ قدس سرہٗ :

سنت بیضا راہ تری ، چاہ خدا کی چاہ تری
شافع عاصی جاہ تری ، عرش پہ مسند صلی علیٰ

لولاک لما عنوان ترا فرمان خدا فرمان ترا
پیغام خدا پیغام ترا ایمان خدا ایمان ترا
تری محبت دین مرا اور دین ترا آئین مرا
ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا عرفانِ خدا عرفان ترا

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا محبوبیت کی شان لئے ہوئے ہے۔ اور آپ کا ہر عمل اجتباء و انجذاب کی کیفیت رکھتا ہے۔ آپ کے اعمال و افعال، اخلاق و شمائل میں قوتِ جاذبۂ رحمت و محبت حق ہے۔ اس لئے آپ کا طریق اتباع جذب و اجتباء اور محبوبیتِ الٰہی کا مقبول اور آسان ترین راستہ ہے جس کا ہر قدم حبِ الٰہی کا مورد، رضائے الٰہی کا مہبط اور عشقِ الٰہی کی دلیل و نشانی ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قہر ہو یا مہر ہو جو کچھ کبھی ہو — ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

بندہ کی محبت ہے آقا کی محبت — جو پیروِ احمد ہے وہ محبوبِ خدا ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی کی — محبوب خدا ہے وہ جو محبوب نبی ہے

اس لئے ایک سالکِ صادق کے لئے سیدھا سادھا اور ارفع و اعلیٰ، انفع و اسہل طریق یہی ہے کہ کمالِ اخلاص اور رضائے الٰہی کی نیت سے اتباعِ نبوت کو اپنی خلوت و جلوت، ظاہر و باطن، اجتماعی و انفرادی زندگی کا مقصد و شعار بنالے اور ہر غل و غش سے اپنے دامن کو بچاتا ہوا، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حال و قال کو مدنظر رکھ کر اس پر اپنی ہمت و عزیمت کے بقدر چلنے کی کوشش کرے۔ انشاء اللہ تعالیٰ محبوبیت الٰہی مرادیتِ ربانی اور قرب و رضا کے اعلیٰ مقام سے نواز دیا جائے گا۔ حضرت والا قدس سرہ ایک طالب کو لکھتے ہیں۔

"بے شبہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ہمارا مرکز ہے اور اس کی اتباع و پیروی میں دارین کی کامیابی ہے۔ اس کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو علم کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی۔

اس کا ذریعہ کتابیں ہیں یا بزرگوں کی صحبت ہے۔ دوسری چیز اس کی پیروی پر عمل ہے۔ اس کے لئے مسلمان کے دل میں عزم اور ہمت پیدا ہونی چاہیئے۔ جس عزم وہمت سے ہم آپ دنیا کے کاموں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی عزم وہمت سے دین کے کاموں میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ"

ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں:۔

تزکیہ اور تصفیہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں،

"تمام امور میں اتباعِ سنت اور احتراز از بدعت پیشِ نظر ہو۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ہے،

"اصل شیٔ احکامِ الٰہی کی کلی اطاعت، حلال وحرام کا خیال، معاملات کی صفائی، اخلاق کی نزاہت، اتباعِ نبوی کا دھیان، اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں۔ کہ یہ اصل ہیں اور باقی سب فروع وتدابیر۔"

یہ بات واضح ہے کہ حضور سرور کائنات سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی کامل، اور کم وکیف میں مکمل وہوبہو مشابہت کیسے میسر آ سکتی ہے۔

بقول حضرت سید الملۃ رحمہ اللہ تعالیٰ:

"ظاہر ہے۔ کہ سنتِ راشدۂ نبویہ پر پورا پورا عمل مشکل ہے۔ مگر صحیح

راستہ پر ایک قدم بھی پڑے گا۔ تو وہ کچھ نہ کچھ منزل کو قریب کردیگا۔"

اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کا شعر ہے:

ایک بھی کافی ہے گر پہنچے وہاں　　گرچہ کرتے ہیں بہت نالہ وفریاد ہم

اِس لئے سالکینِ راہِ وفا کا فرض ہے کہ آخری سانس تک اِس جادہ قرب و رضا پر چلتے رہیں۔ اس بارے میں حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ بلند ہمتی، عزیمت اور دائمی جہد و محنت کا درس دینے کیلئے اکثر یہ شعر لکھتے تھے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق　　باشد بقدر ہمتِ تو اعتبار تو

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا شعر ہے۔

اے مسافر اور تھوڑی ہمت مردانہ کر　　دیکھ لے وہ منزلِ مقصود دو سہ گام ہے

حق تو یہ ہے، کہ اگر جان جا کر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ادا بلکہ ادا سے مشابہت نصیب ہو جائے تو سستا سودا ہے

حضرت سیدی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست

اس امید جانفزا سے سر وبال دوش ہے

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

"کہ اہل اللہ اور بزرگانِ دین کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اعمال ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر نگاہ رکھکر جب وہ اپنے اعمال پر نظر کرتے ہیں۔ تو اپنی کوتاہیوں کے استحضار سے انہیں اپنے اعمال کالعدم اور ہیچ در ہیچ دکھائی دیتے ہیں وہ ندامت سے روتے

ہیں۔ اور اپنے اعمال کے ہیچ اور بے کار ہونے پر قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ہم جیسے لوگ انہیں اعمال کو دیکھ کر انکی بزرگی کے قائل ہوتے ہیں" ـــــ کہ نمونہ اتنا کامل ہے کہ اس کی ہوبہو نقل تو دشوار ہے۔ تاہم اسوۂ وہی ہے اور اسی کے اتباع میں نجات و کامیابی ہے،

حضرت والا نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"........ قبلہ ایک ہی ہے۔ اور وہ کتاب و سنت کی تعلیم ہے اور اس پر عمل کرنا ہے، شیخ کا کام اس پر عمل کرنے کے صحیح اور آسان طریق کی تعلیم ہے"

پس نبی امی (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بخش تعلیمات اور جان پرور اسوۂ کاملہ کا اختیار و عمل ہی سلوک کی غایت اور فوز و کامرانی کا کامیاب اور دلکش راستہ ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب کہا ہے ۔

تو ہے مجموعہ خوبی و سراپائے جمال
کونسی تیری ادا دل کی طلب گار نہیں

اس حرماں نصیب کی محرومی کا کیا ذکر کیا جائے ۔ جو طریق کی اِس نبوی شاہراہ سے بھٹک کر دوسرے ریگزاروں اور خارزاروں میں اُلجھ گیا ہو ۔ کہ وصول و قرب ربانی کا واحد و تنہا راستہ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے ـــ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۔

لے جائے گا منزل سے پرے دور بشر کو
جو جادۂ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے
(سید الملۃ)

سلوک یا طریق ولایت و تقویٰ

سلوک ولایت کی راہ ہے۔ اور ولایت کا مدار ایمان و تقویٰ پر ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے،

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ	یاد رکھو کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے دوستوں
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○	پر نہ کچھ خوف ہے نہ وہ غمگین ہونگے اور
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا	یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں
يَتَّقُوْنَ ۔ (یونس - ۷)	نے تقویٰ (پرہیزگاری و گناہوں سے اجتناب) اختیار کیا۔

اِس آیت میں اولیاء اللہ ، ایمان و تقویٰ والوں کو کہا گیا ہے۔ پس جس قدر ایمان اور تقویٰ ہوگا، اسی قدر ولایتِ الٰہی نصیب ہوگی۔ ادنیٰ ایمان و تقویٰ پر "ولایت عامہ" میسر ہوگی جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ 'اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے'

اور اگر اعلیٰ درجہ کا ایمان و تقویٰ ہوگا۔ تو کامل ولایت یعنی ولایتِ خاصہ نصیب ہوگی۔ اور یہاں مراد ولایت خاصہ ہی ہے۔ جو سلوک کا بھی موضوع ہے۔ اور جسکے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے

وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کا

(الجاثیہ - ۲) دوست ہے

پس راہ ولایتِ خاصہ کمالِ ایمان و تقویٰ کی راہ ہے۔ اور بقول علامہ آلوسی بغدادیؒ:-

فالولیٰ[1] هو المومن المتقی علی الکمال (روح المعانی ص۱۸۶ ج۴)	ولی (کامل) کمال درجہ کا تقوی والا مومن ہی ہے۔

اِس لئے سلوک کو اگر "طریقِ تقویٰ" کہا جائے تو عین حقیقت ہوگا۔ کہ ولایت کی جملہ منازل، تقویٰ ہی کے مختلف مقامات ہیں۔ اور منہاج نبوت و طریقِ رسالت کا منشاء و مقصد بھی تقویٰ ہی کا حصول ہے۔ ارشاد ربّانی ہے

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (انعام - ۱۹)	اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم سیدھا ہے۔ سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم (اس راہ کی خلاف کرنے سے احتیاط رکھو) اور تقویٰ کو پالو۔

---

[1] علامہ آلوسیؒ نے کیا خوب لکھا ہے۔

واحسن ما یعتمد علیه فی معرفة الولیّ اتباع الشریعة الغراء وسلوک المحجة البیضا فمن خرج عنها قید شبرا بعد من الولایة بمراحل فلا ینبغی ان یطلق علیه اسم الولی	اور ولی کی بہترین پہچان یہ ہے کہ وہ روشن شریعت کا تبع اور شریعت سے ثابت و واضح درست طریقت کا پیروکار ہو۔ پس جو شخص شریعت کے اتباع سے ایک بالشت بھی نکل گیا۔ وہ ولایت سے مراحل دور جا پڑا۔
ولو أتى بألف الف خارق (روح المعانی ص۱۸۶ ج۴)	اور اگر وہ لاکھوں خوارق (کرامات) بتائے تب بھی اسپر "ولی" کا اطلاق نہیں کیا جائیگا

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں :

"تقویٰ قلب کی ایک کیفیتِ ایمانی کا نام ہے۔ جسکی بنیاد پر بندہ کو ہر وقت اپنے مالک کی رضاجوئی کا اہتمام رہتا ہے۔ اور ہر کام کے کرتے وقت یہ خیال رہتا ہے۔ کہ یہ کام مالک کی نظر میں جائز ہے یا نہیں۔ اور اسکے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ مطابق ہو تو کرے ورنہ اُس سے احتراز کرے۔

تقویٰ بڑی اہم چیز ہے۔ اور حاصل ہے۔ سارا قرآنِ پاک اس کی اہمیت کے بیان سے معمور ہے۔

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"تقویٰ کا خیال، حلال وحرام کی فکر، جائز و ناجائز کی تمیز، ہر کام میں ضروری ہے۔ تقویٰ حاصل اعمال ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرمایا :

"حصول تقویٰ، تحلی بالفضائل اور تخلی عن الرذائل برائے رضائے الٰہی اصل سلوک ہے۔"

سیرۃ النبی (جلد پنجم) میں تقویٰ کی اہمیت جس انداز سے کلکِ سلیمانی نے ثبت فرمائی ہے۔ وہ قابل دید اور اِسی اجمال کی اچھوتی تفصیل ہے۔ ارقام فرماتے ہیں "تقویٰ سارے اسلامی احکام کی غایت ہے اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں۔ تو ہم اس کو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔ اِسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اِسی تقویٰ کی روح

پیدا کرنا ہے۔ قرآن پاک نے اپنی دوسری ہی سورہ میں یہ اعلان کیا ہے۔ کہ اس تعلیم سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جو تقویٰ والے ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (بقرہ-۱) یہ کتب تقویٰ والوں کو راہ دکھاتی ہے

اِسلام کی ساری عبادتوں کا منشا اسی تقویٰ کا حصول ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی
الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ-۳) پیدا کیا عبادت کرو تاکہ تم تقویٰ پاؤ

حضرت والا قدس سرہٗ اس کے بعد قرآنی آیات سے تفصیلاً یہ بات ثابت اور مبرہن فرماتے ہیں، کہ روزہ کا مقصد، حج کا منشاء، قربانی کی غرض، مساجد کی وجہ بنیاد، اسلام کے اخلاقی نظام کا قیام انسانی مراحل زندگی کا توشہ وسامان اور جملہ اسلامی احکام کا مقصود تقویٰ ہے۔ اور اہلِ تقویٰ ہی تمام اخروی نعمتوں کے مستحق، دنیاد عقبیٰ کی فوز وفلاح وکامیابی کے سزاوار، اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوبین ومقبولین میں شامل اور حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت کے شرف سے ممتاز اور مدد سے سرفراز ہیں۔ لوگوں میں بھی ان ہی کو حسن قبول، عقیدت، محبت اور ہر دلعزیزی عطا فرمائی جاتی ہے۔ اور ان ہی کے کاموں کو دنیا اور آخرت میں بقا اور قیام نصیب ہوتا ہے۔ غرض بقول سید الملتؒ۔ تقویٰ ہی اسلام کی تعلیم کی اصلی غایت اور وہی سارے اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ اور دین ودنیا کی تمام نعمتیں اہل تقویٰ ہی کے لئے ہیں۔

(سیرت پنجم صـ۱۱۳ تا صـ۲۰۴)

حقیقت تقویٰ | سید القلم مزید گوہر بار ہے

تقویٰ قلبی کیفیت کا نام ہے | تقویٰ اصل میں وقویٰ ہے، عربی زبان میں اس کے لغوی معنیٰ بچنے، پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں۔ لیکن وحی محمدیؐ کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے۔ جس کی بنا پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اسکی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات کہ تقویٰ اصل میں دل کی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت سے ظاہر ہے جو ارکان حج کے بیان کے موقع پر ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ	اور جو شعائر الٰہی کی تعظیم کرتا ہے
فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ	تو وہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔

(حج - ۴)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ تقویٰ کا اصلی تعلق دل سے ہے۔ اور وہ سلبی کیفیت (بچنا) کی بجائے ایجابی اور ثبوتی کیفیت اپنے اندر رکھتا ہے وہ امور خیر کی طرف دلوں میں تحریک پیدا، اور شعائر الٰہی کی تعظیم سے ان کو معمور کرتا ہے۔ ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ	بے شک جو لوگ رسول اللہ کے
اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ	سامنے دبی آواز سے بولتے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ	ہیں۔ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے واسطے جانچا ہے۔ ان کو معافی ہے اور بڑا بدلہ۔
(حجرات ـ ۱)	

اِس آیت میں بھی تقویٰ کا مرکز دل کو ہی قرار دیا ہے۔ اور بتایا ہے ۔ کہ رسول کی تعظیم کا احساس تقویٰ سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک اور تیسری آیت میں تقویٰ کے فطری الہام ہونے کی طرف اشارہ ہے

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا	توہر نفس میں اس کا فجور اور اس کا تقویٰ الہام کر دیا۔
(الشمس ـ ۱)	

فجور تو ظاہر ہے کہ گنہگاری اور نافرمانی کی جڑ ہے۔ ٹھیک اسی طرح تقویٰ تمام نیکیوں کی بنیاد اور اصل الاصول ہے۔ اور دونوں بندہ کو فطرۃً ودیعت ہیں۔ اب بندہ اپنے عمل اور کوشش سے ایک کو چھوڑتا اور دوسرے کو اختیار کرتا ہے ۔ مگر بہرحال یہ دونوں الہام ربّانی ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے۔ کہ الہام کا ربانی مرکز دل ہے۔ اسلئے یہی تقویٰ کا مقام ہے ۔

تقویٰ کا لفظ جس طرح اِس دلی کیفیت پر بولا جاتا ہے۔ اس کیفیت کے اثر اور نتیجہ پر بھی اطلاق پاتا ہے ۔ صحابہ نے کفار کے اشتعال دلانے اور ان سے بدلہ لینے پر پوری قوت رکھنے کے باوجود حدیبیہ کی صلح کو تسلیم کرلیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اِس مستحسن روش کو تقویٰ فرمایا ۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا	اور جب کفار نے اپنے دلوں

فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (فتح ۳)

میں پیچ رکھی، نادانی کی پیچ، تو اللہ تعالیٰ نے اپنا چین اپنے رسولؐ پر اور مومنین پر اتارا، اور ان کو تقویٰ کی بات پر لگا رکھا۔ اور وہی تھے اس کے لائق اور اس کے اہل۔

یہاں جنگ و خونریزی سے احتراز، خانہ کعبہ کا ادب اور کفار قریش کی جاہلانہ عصبیت سے چشم پوشی کو تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک اور دوسری آیت میں دشمنوں کے ساتھ ایفائے عہد اور حتی الامکان جنگ سے پرہیز کرنے والوں کو متقی یعنی تقویٰ والے فرمایا ہے۔ اور ان کے ساتھ اپنی محبت ظاہر فرمائی ہے۔

فَاَتِمُّوْآ اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰی مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ (توبہ ــ ۱)

تو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک پورا کرو۔ خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَکُمْ فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (توبہ ــ ۲)

تو جب تک تم سے سیدھے رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو، خدا تقویٰ والوں کو پیار کرتا ہے۔

جس طرح انسان کا فجور بری تعلیم، بری صحبت اور برے کاموں کی مشق اور

کثرت سے بڑھتا جاتا ہے۔ اسی طرح اچھے کاموں کے شوق اور عمل سے نیکی کا ذوق بھی پرورش پاتا ہے اور اسکی قلبی کیفیت میں ترقی ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتَاهُمْ تَقْوٰهُمْ۔ (محمد۔۲)

جو لوگ راہ پر آئے، خدا نے ان کی سوجھ اور بڑھائی۔ اور ان کو ان کا تقویٰ عطا کیا۔

اِس سے معلوم ہُوا۔ کہ تقویٰ، ایک ایجابی اور ثبوتی کیفیت ہے۔ جو انسان کو خدا عنایت فرماتا ہے، اور جس کا اثر یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کو ہدایت پر ہدایت اور فطری تقویٰ پر مزید دولتِ تقویٰ مرحمت ہوتی ہے۔

تقویٰ کی یہ حقیقت کہ وہ دل کی خاص کیفیت کا نام ہے ایک صحیح حدیث سے۔ تصریحاً معلوم ہوتی ہے۔ صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا۔

التقوىٰ هٰهنا (مسلم) تقویٰ یہاں ہے۔

اور یہ کہہ کر دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ جس سے بے شک وشبہہ یہ واضح ہو جاتا ہے کہ تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے۔ جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے۔ اور یہی سبب ہے۔ کہ وہ قرآن پاک کی رہنمائی کی غایت، ساری ربّانی عبادتوں کا مقصد اور تمام اخلاقی تعلیموں کا ماحصل قرار پایا۔

اسلام میں برتری کا معیار اسلام میں تقویٰ کو جو اہمیت حاصل ہے اسکا اثر یہ ہے۔ کہ تعلیم محمدی نے نسل، رنگ وطن، خاندان، دولت، حسب، نسب

غرض نوع انسانی کے صدہا خود ساختہ اعزازی مرتبوں کو مٹاکر صرف ایک ہی امتیازی معیار قائم کردیا۔ جس کا نام تقویٰ ہے۔ اور جو ساری نیکیوں کی جان ہے۔ اور اسلئے وہی معیاری امتیاز بننے کے لائق ہے۔ چنانچہ قرآن نے باآواز بلند یہ اعلان کیا۔

جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ (حجرات - ۲)

ہم نے تم کو مختلف خاندان اور قبیلے صرف اس لئے بنایا کہ باہم شناخت ہوسکے۔ خدا کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔

اس اعلان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن دو مختصر لفظوں میں ادا فرمایا۔

الکرم التقویٰ یعنی بزرگی اور شرافت تقویٰ کا نام ہے۔ اور اسی کے لئے حجۃ الوداع کے اعلان عام میں پکار کر فرمایا کہ:

"عرب کو عجم پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری نہیں، برتر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ تقویٰ ہے۔" (سیرۃ النبی پنجم ص۲۱۱ تا ص۲۱۴)

اسلامی تعلیمات میں تقویٰ کی اس اہمیت اور سلوک سلیمانی کی اِس تشریح کے بعد کہ وہ کمال دین اور حقیقت و تکمیلِ ایمان کے حصول ہی کی کوشش ہے۔ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سلوک طریق تقویٰ ہی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ نے مختلف مکاتیب میں اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے عزیز و محبوب شاگرد مولانا مسعود عالم ندویؒ کو تحریر فرماتے ہیں۔

"بار بار اپنی خوشی و راحت اور اپنے کسی فضل پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کو من جانب اللہ فضلِ محض بلا استحقاق کرنا ہی احسان کا زینہ ہے

جس کا رسمی نام تصوف ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاحات
ہم نے اب اس کا نام طریق تقویٰ رکھنا چاہا ہے۔ اسلام اطاعت ہے،
ایمان اس اطاعت پر سکینت اور طمانیت ہے۔ اور اتقاء یا تقویٰ
دل کی وہ کیفیت ہے۔ جس سے امور زیر ایمان پر عمل بسہولت پر
مداومت قائم ہو جائے، وللہ الحمد۔ (مکاتیب سلیمان ص ١٦٩-١٧٠)

ایک دوسرے گرامی نامہ میں انہی کو لکھتے ہیں

"بڑی خوشی ہوئی کہ بات کی تہہ تک آپ پہنچ گئے زادکم اللہ تعالیٰ علماً و معرفۃ تصوف کا احسان کے ساتھ ایسا تعلق ہے جیسے حکمت کے ساتھ لفظ فلسفہ قرار دیا جائے یا آج کل سائنس یا فلاسفی کہدیا جائے بزرگوں سے لفظ احسان تو اس معنی میں سن رکھا ہے اور ٹھیک ہے کہ اس کا ورود حدیثوں میں ہے لیکن اب تو مجھے اس کے لئے تقویٰ اور اتقا کی اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کا ورود قرآن پاک میں بکثرت ہے اور عادات بلکہ تمام مامورات کا مقصود اسی کیفیت کا حصول معلوم ہوتا ہے۔

ولا یخفیٰ ذالک علی من یتتبع کتاب اللہ یا ایہا الناس
اعبدوا ربکم لعلکم تتقون ۔۔۔۔ کتب علیکم
الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔۔۔
۔۔۔ لکن ینالہ التقویٰ منکم
ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب

آغازِ کتاب : ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ وغیرہ۔ اب ضرورت اِس بات کی تھی۔ کہ حصولِ تقویٰ، حقیقت تقویٰ، شرائط تقویٰ، طریقِ حصولِ تقویٰ، ازالۂ موانعِ تقویٰ، تقویٰ فی الایمان باللہ و اسمائہٖ وصفاتہٖ و انبیائہٖ وکتبہٖ وملائکتہٖ والیوم الآخر اور تقویٰ فی العبادات والمعاملات والاخلاق وکیفیات القلوب، التی ھی الاخلاص فی الدین کو بھی عقائد وفقہ کی طرح مدون کردیا جائے۔ چنانچہ محدثین وصلحائے امت نے یہی کیا ہے۔ امام ترمذی کی کتاب الزہد والرقاق پڑھیں۔

امام احمدؒ کی کتاب الزہد اگر نہ مل سکے تو کتاب الصلوٰۃ پڑھی جائے۔ تو حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ سورۂ واقعہ پڑھیئے اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کے نام لئے ہیں۔ وَّکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً۔ اس کی تفسیر آگے ہے۔ اول مُقَرَّبِیۡنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ، دوم اصحاب الیمین اور سوم اصحاب الشمال، تیسرا گروہ اہل نار کا ہے۔ دوسرا گروہ عامۂ مسلمین کا اور پہلا خواص امت کا، فَاَمَّآ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ فَرَوۡحٌ وَّرَیۡحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیۡمٍ وَاَمَّآ اِنۡ کَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ، وَاَمَّآ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ وَّتَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ۔

اہلِ فن عام مسلمانوں کی کیفیت کو ولایت عامہ اور مقربین کی ولایات کو ولایت خاصہ کہتے ہیں، ولایت عامہ جو وَاللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران) کا

منشا ہے۔ ہر مسلمان کو حاصل ہے اور اس کا مفاد نجاۃ من النار اور دخول فی الجنتہ ولو بعد من برھۃ العذاب ہے۔

اور ولایت خاصہ جو وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (جاثیہ) کا منشا ہے وہ بُعد من النار بفضل اللہ دائما اور دخولِ جنت فی الفور مع رضوان اللہ تعالیٰ، رضی اللہ عنہم ورضوعنہ، اب معلوم ہُوا۔ کہ احسان کا درجہ ایمان سے اونچا ہے۔ اور اس کے بے انتہا مدارج ہیں، مدارج قرب و اقربیت کمالا یخفی، جس طرح ایمان کا حصول شہادت پر مبنی ہے۔ احسان کا قرب کمالِ ایمان وتقویٰ پر اسی سے ان حدیثوں کے معنی مفہوم ہوں گے۔ جن میں آتا ہے:۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون کذا

اور ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔ الغرض ہمارے علمائے ظاہر نے صرف اس ایمان پر توجہ فرمائی ہے۔ جو کفر کے بالمقابل ہے۔ اور علمائے باطن نے اِس کے بعد کی منزل کی رہبری کی اور درجات و مدارج قرب کی نشاندہی فرمائی" (مکاتیب سلیمان صہ۱۶۴،صہ۱۶۵)

اِن اقتباسات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی۔ کہ سلوک طریقِ حصول تقویٰ ہی کا نام ہے۔ اب اسے ہم فنِ احسان کے نام سے پکاریں یا اِسے کمالِ اخلاص و ایمان کے حصول کا طریقہ کہیں، حاصل یہی ہے۔ کہ اِس راہ سے احسان وتقویٰ کی منازل طے ہوکر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور قرب خاص نصیب ہوتا ہے حضرت والاقدس سرہٗ ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"حضرت (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیفِ سے تصوف یعنی علم احسان و اخلاص کا مقصود و مدعاء تو ذہن میں اچھی طرح آگیا ہوگا۔ یہ اولین چیز ہے، (طریق سے) مقصود بذریعہ اعمال حصول رضا و قرب ہے ایک سائل کو ارقام فرماتے ہیں :-

"...... حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے۔ روح دین اور جانِ ایمان ہے۔ یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیۂ قلب اور علمِ حصول تقویٰ کا نام ہے۔"

غرض قربِ حق اور سلوک الی اللہ کی وہ راہ جس کا عام نام تصوف ہے اور جس کا مقصد شریعت مطہرہ کے ظاہر و باطن کے کامل اتباع سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب خاص حاصل کرنا ہے۔ اور جسکا مدعا کامل اخلاص و تقویٰ، و احسان اور کمال ایمان کا حصول ہے۔ اِس طریق و فن کو طریق تقویٰ سے موسوم کیا جائے تو زیادہ مناسب و بہتر ہوگا۔ کہ تقویٰ، کا جامع لفظ اسلامی شاہراہ معرفت، کی جامعیت و ہمہ گیری، شریعت و طریقت کی عینیت و یکجائی، اتباع نبوت اور طریق کی مقبولیت و ماموریت من اللہ سب پر حاوی ہے۔ مزید برآں قرآن و حدیث کا ہر صفحہ بلکہ ہر سطر تقویٰ کی اہمیت سے پُر اور تقویٰ کی دعوت سے روشن ہے۔ اس لئے اسلم و احوط یہی ہے کہ فنِ تصوف و سلوک کو تقویٰ، کی منصوص اصطلاح سے پکارا جائے کہ ایک مومن کی ولایت عامہ سے مقربین کی ولایت خاصہ تک قرب و رضائے الٰہی کی جملہ منازل، تقویٰ ہی سے طے ہوتی ہیں اور قرب و اقربیتِ حقہ اور معیت و رضا الٰہی کے لامتناہی مدارج تقویٰ والے اعمال ہی کے مختلف درجات ہیں۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

(ال عمران - ۱۷)

یہ لوگ اللہ کے نزدیک مختلف طبقات میں ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

(النحل - ۱۶)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو کہ پرہیزگار ہیں اور وہ لوگ جو احسان کرتے ہیں

سلوک یا مجاہدہ و جہادِ پیہم

دین سراپا سوختن اندر طلب　　　انتہائش عشق آغازش ادب

سلوک یا "حصول احسان و تقویٰ" کی راہ سراپا جہد و جہاد ہے.

اللہ تعالیٰ کی معرفت خدا کے قرب و رضا کی راہوں کا جاننا اور اُس پر آخر دم تک چلنا سلوک کا مقصد ہے۔ اور یہ جہد و محنت سے ہی میّسر آتا ہے۔ اِس بارے میں حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ النبی (جلد پنجم) میں جو کچھ "جہاد" کے عنوان کی تحت میں لکھا ہے۔ بصیرت و حقیقت رسی کے لئے سرمہ سلیمانی کا حکم رکھتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

" عام طور سے اسلام کے سلسلۂ عبادات میں جہاد کا نام فقہا کی تحریروں میں نہیں آتا۔ مگر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اسکی فرضیت اور اہمیت بہت سے دوسرے فقہی احکام اور عبادات سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اِس لئے ضرورت ہے کہ اِس فریضۂ عبادت کو اپنے

موقع پر جگہ دیجائے۔ اور اسکی حقیقت پر ناواقفیت کے جو توبر تو
پردے پڑ گئے ہیں ان کو اٹھایا جائے۔"

"جہاد" کے معنی عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔ 'جہاد' کا لفظ جہد سے نکلا ہے۔ جہاد اور مجاہدہ فعال اور مفاعلت کے وزن پر اسی جہد سے مصدر ہیں۔ اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اسکے اصطلاحی معنیٰ بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اسکی اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی ومالی، ودماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں۔ اِس راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے اپنی، اپنے عزیز وقریب کی، اہل وعیال کی، خاندان وقوم کی جان تک قربان کر دینا اور مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا ان کی تدبیروں کو رائگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا، اور اس کیلئے جنگ کے میدان میں اگر لڑنا پڑے تو اِس کیلئے بھی پوری طرح تیار رہنا یہی جہاد ہے۔ اور یہ اسلام کا ایک رکن اور بہت بڑی عبادت ہے۔

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور اتنے وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ کبھی سرسبز ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے صرف "دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ" کے تنگ مفہوم کے میدان میں محصور کر دیا ہے۔ یہ بات بار بار کہی اور دکھائی گئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس تعلیم اور شریعت کو دنیا میں لیکر آئے۔ وہ محض نظریہ اور فلسفہ نہیں بلکہ عمل اور سرتاپا عمل ہے۔ آپ کے مذہب میں نجات کا استحقاق گوشہ گیری، رہبانیت

نظری مراقبہ، دھیان اور الٰہیات کی فلسفیانہ خیال آرائی پر موقوف نہیں۔ بلکہ خدا کی توحید، رسولوں اور کتابوں اور فرشتوں کی سچائی، قیامت اور جزا و سزا کے اعتقاد کے بعد ان ہی کے مطابق عمل خیر اور نیک کرداری کی جدوجہد پر مبنی ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں جہاد کا مقابل لفظ "قعود" (بیٹھنا یا بیٹھ رہنا) استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے مقصود سستی، تغافل اور ترکِ فرض ہے۔ سورۂ نساء میں ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ	مسلمانوں میں سے وہ جن کو کوئی
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	جسمانی معذوری نہ ہو۔ اور پھر بیٹھے
غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ	رہیں۔ اور جو خدا کی راہ میں اپنی جان
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي	و مال سے جہاد کر رہے ہوں
سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ	برابر نہیں، اللہ نے اپنی جان و
وَأَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللَّهُ	مال سے جہاد کرنے والوں کو
الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ	بیٹھنے والوں پر درجہ کی فضیلت
وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ	عطا کی ہے۔ اور ہر ایک سے خدا نے
دَرَجَةً ط وَ كُلًّا	بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور جہاد
وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ط	کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر
وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ	بڑے اجر کی فضیلت بخشی ہے

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (نسا-۱۳)

اس بیٹھنے اور جہاد کرنے کے باہمی تقابل سے کھل جاتی ہے کہ
جہاد کی حقیقت بیٹھنے، سستی کرنے اور آرام ڈھونڈنے کے سراسر خلاف ہے

یہاں ایک شبہہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جہاد" اور قتال دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ قرآن پاک میں دونوں لفظ الگ الگ استعمال ہوئے ہیں۔ اسلئے جہاد فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں جہاد کرنا) اور قتال فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں لڑنا) اِن دونوں لفظوں کے ایک معنیٰ نہیں ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں خاص وعام کی نسبت ہے۔ یعنی ہر جہاد، قتال نہیں۔ بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے۔ اِس لئے قرآن پاک میں ان دونوں لفظوں کے استعمال میں ہمیشہ فرق ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ اسی سورۂ نساء کی اوپر کی آیت میں اور دوسری آیتوں میں جہاد کی دو صریح قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جہاد بالنفس[1] اور جہاد بالمال[2]، یعنی اپنی جان کے ذریعہ جہاد کرنا اور اپنے مال کے ذریعے جہاد کرنا، جان کے ذریعہ جہاد کرنا یہ ہے کہ حق کی حمایت کیلئے ہر قسم کی جسمانی تکلیف بے خطر اٹھائی جائے، یہاں تک کہ اپنی جان تک جوکھوں میں ڈال دینے، آگ میں جلائے جانے، سولی پر لٹکائے جانے، تیر اور نیزے میں چھد جانے اور تلوار سے کٹ جانے کیلئے، ہر وقت آمادہ اور مستعد رہے، مال سے جہاد کرنا یہ ہے کہ حق کو کامیاب اور سربلند کرنے کیلئے اپنی ہر ملکیت کو قربان، اپنی ہر دولت کو نثار، اور اپنے ہر سرمایہ کو وقف کرنے کیلئے تیار رہے۔ اسی جان اور مال کی باطل محبت، شخص اور قوم کی ترقی وسعادت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ گر یہ دونوں بت ہمارے سامنے سے ہٹ جائیں، تو ہم "کامل موحد" ہو جائیں اور پھر ہماری ترقی کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں

روک سکتی۔ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ترقی کا اصل اصول یہی ہے۔ اس کے سوا کچھ اور نہیں۔

ترقی وسعادت کا یہ گُر صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا۔ اور آپ ہی نے یہ نکتہ امت کو سکھایا، اسی جہاد کا جذبہ اور اسی کے حصول ثواب کی آرزو تھی جس کے سبب سے مکہ میں مسلمانوں نے تیرہ برس تک ہر قسم کی تکلیفوں کا بہادرانہ مقابلہ کیا۔ ریگستان کی جلتی دھوپ، پتھر کی بھاری سل، طوق وزنجیر کی گرانباری، بھوک کی تکلیف پیاس کی شدت، نیزہ کی انی، تلوار کی دھار، بال بچوں سے علیحدگی، مال و دولت سے دست برداری، اور گھر بار سے دوری، کوئی چیز بھی ان کے استقلال کے قدم کو ڈگمگا نہ سکی، اور پھر دس برس تک مدینہ منورہ میں انہوں نے تلوار کی چھاؤں میں گذارے وہ دنیا کو معلوم ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ	مومن وہی ہے۔ جو اللہ اور اس
آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ	کے رسول پر ایمان لائے، اور
ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَ	پھر اس میں وہ ڈگمگائے نہیں۔ اور
جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ	خدا کے راستہ میں اپنی جان سے
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	اور مال سے جہاد کیا۔ یہی سچے اترنے
أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ	والے لوگ ہیں

(حجرات ـ ۲)

فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا	پھر جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑا

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا	اور اپنے گھروں سے نکالے گئے
فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا	اور میری راہ میں ستائے گئے۔ اور
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	لڑے اور مارے گئے۔ ان کے
وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ	گناہوں کو ان سے اتاروں گا۔ اور
الاٰیہ (اٰل عمران - ۲۰)	ان کو بہشت میں داخل کرونگا۔

جہاد کی قسمیں ۱۔ جب جہاد کے معنیٰ محنت، سعی بلیغ اور جدوجہد کے ہیں تو ہر نیک کام اس کے تحت میں داخل ہو سکتا ہے۔ علمائے دل کی اصطلاح میں جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور اسی کا نام ان کے ہاں "جہادِ اکبر" ہے۔ خطیب نے تاریخ میں حضرت جابرؓ صحابی سے روایت کی ہے کہ آپ نے صحابہ سے جو ابھی لڑائی کے میدان سے آئے تھے، فرمایا "تمہارا آنا مبارک تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔ کہ بڑا جہاد بندہ کا اپنے ہوائے نفس سے لڑنا ہے۔"
حدیث کی دوسری کتابوں میں اس قسم کی اور بعض روایتیں بھی ہیں (بحوالہ کنز العمال کتاب الجہاد صفحہ ۲۸۵/۲) چنانچہ ابن نجار نے ابوذرؓ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "بہترین جہاد یہ ہے۔ کہ انسان اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرے۔" یہی روایت دیلمی میں ان الفاظ میں ہے۔ "کہ بہترین جہاد یہ ہے کہ تم خدا کیلئے اپنے نفس اور اپنی خواہش سے جہاد کرو۔" یہ تینوں روایتیں گو فن کے لحاظ سے چنداں مستند نہیں ہیں۔ مگر یہ درحقیقت بعض صحیح حدیثوں کی تائید اور قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر ہیں۔

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا	اور جنہوں نے ہمارے بارہ میں
فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ	جہاد کیا۔ (یعنی محنت اور تکلیف اٹھائی)
سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ	ہم ان کو اپنا راستہ آپ دکھائیں
الْمُحْسِنِیْنَ	گے۔ اور بے شبہ خدا نیکوکاروں
(عنکبوت - ۷)	کے ساتھ ہے۔

اس پورے سورہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حق کیلئے ہر مصیبت و تکلیف میں ثابت قدم اور بے خوف رہنے کی تعلیم دی ہے۔ اور اگلے پیغمبروں کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ کہ وہ ان مشکلات میں کیسے ثابت قدم رہے۔ اور بالآخر خدا نے ان کو کامیاب اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا۔ سورہ کے آغاز میں ہے۔

وَمَنْ جَاھَدَ فَاِنَّمَا	اور جو کوئی جہاد کرتا ہے (یعنی
یُجَاھِدُ لِنَفْسِہٖ اِنَّ	محنت اٹھاتا ہے) وہ اپنے ہی
اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ	نفس کیلئے جہاد کرتا ہے۔ اللہ
(عنکبوت - ۱)	تو جہاں والوں سے بے نیاز ہیں۔

اور سورہ کے آخر میں فرمایا کہ " ہمارے کام میں یا خود ہماری ذات کے حصول میں یا ہماری خوشنودی کی طلب میں جو جہاد کرے گا۔ اور محنت اٹھائے گا۔ ہم اس کیلئے اپنے تک پہنچنے کا راستہ آپ صاف کردیں گے۔ اور اس کو اپنی راہ آپ دکھائیں گے، یہی مجاہدہ، کامیابی کا زینہ اور روحانی ترقیوں کا وسیلہ ہے سورۂ حج میں ارشاد ہوا :-

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ	اور محنت کرو۔ اللہ میں پوری

حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ

محنت، اس نے تم کو چُنا ہے اور تمہارے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی، تمہارے باپ ابراہیم کا دین

(حج ۱۰)

یہ "اللہ میں محنت اور جہاد کرنا" وہی جہاد اکبر ہے۔ جس پر ملت ابراہیمی کی بنا ہے، یعنی حق کی راہ میں عیش و آرام، اہل وعیال، اور جان و مال ہر چیز کو قربان کر دینا، ترمذی، طبرانی، حاکم اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ "المجاھد من جاھد نفسہ" (بحوالہ کنز العمال کتاب الایمان ج ۱ ص ۳۹) یعنی "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔" صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ نے صحابہ سے پوچھا، کہ "تم پہلوان کس کو کہتے ہو" عرض کیا "جس کو لوگ پچھاڑ نہ سکیں" فرمایا "نہیں پہلوان وہ ہے جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۹۶) یعنی جو اس پہلوان کو پچھاڑ سکے اور اس حریف کو زیر کر سکے جسکا کھاڑہ خود اس کے سینہ میں ہے۔"

۲: جہاد کی دوسری قسم حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد بالعلم قرار دی ہے۔ انشاء اللہ اس کا بیان آگے تبلیغ و دعوت کے ذیل میں آرہا ہے تیسری قسم جہاد بالمال ہے۔

۳: جہاد بالمال :-

انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت عطا کی ہے۔ اس کا

منشا بھی یہ ہے۔ کہ اس کو خدا کی مرضی کے راستوں میں خرچ کیا جائے یہاں تک کہ اِس کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے آرام وآسائش کیلئے بھی خرچ کیا جائے تو اسی کی مرضی کیلئے، دنیا کا ہر کام روپے کا محتاج ہے اسلئے اس جہاد بالمال کی اہمیت بھی کم نہیں ہے، دوسری اجتماعی تحریکوں کی طرح اسلام کو بھی اپنی ہر قسم کی تحریکات اور جدوجہد میں سرمایہ کی ضرورت ہے اِس سرمایہ کا فراہم کرنا اور اسکے لئے مسلمانوں کا اپنے اوپر ہر طرح کا ایثار گوارا کرنا جہاد بالمال ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وصحبت کی برکت سے صحابہ کرام نے اپنی عام غربت اور ناداری کے باوجود اسلام کی سخت سے سخت گھڑیوں میں جس طرح مالی جہاد کیا ہے۔ وہ اسلام کی تاریخ کے روشن کارنامے ہیں۔ اور ان سیرابیوں سے دین حق کا باغ چمن آرائے نبوت کے ہاتھوں سرسبز وشاداب ہوا۔ اور اس لئے اسلام میں ان بزرگوں کا بہت بڑا رتبہ ہے......

قرآن پاک میں مالی جہاد کی تنبیہہ وتاکید کے متعلق بکثرت آئتیں ہیں، بلکہ بمشکل کہیں جہاد کا حکم ہوگا، جہاں اِس جہاد بالمال کا ذکر نہ ہو، اور قابل لحاظ ہے، کہ ان میں ہر ایک موقع پر جان کے جہاد پر مال کے جہاد کو تقدم بخشا گیا.... اس تقدم کے کئی اسباب اور مصلحتیں ہیں۔

میدان جنگ میں ذاتی اور جسمانی شرکت ہر شخص کیلئے ممکن نہیں۔ لیکن مالی شرکت ہر ایک کیلئے آسان ہے۔

جسمانی جہاد یعنی لڑائی کی ضرورت ہر وقت نہیں پیش آتی ہے۔ لیکن مالی جہاد کی ضرورت ہر وقت اور ہر آن ہوتی ہے۔

انسانی کمزوری یہ ہے کہ مال کی محبت اس کی جان کی محبت پر اکثر غالب آجاتی ہے۔

گر جان طلبی مضائقہ نیست　　گر زر طلبی سخن دریں است

۴: جہاد کے ان اقسام کے علاوہ ہر نیک کام اور ہر فرض کی ادائیگی میں اپنی جان و مال و دماغ کی قوت کو صرف کرنے کا نام بھی اسلام میں جہاد ہے........

۵: اس سے ظاہر ہوا کہ جہاد بالنفس یعنی اپنے جسم و جان سے جہاد کرنا، جہاد کے ان تمام اقسام کو شامل ہے۔ جن میں انسان کی کوئی جسمانی محنت صرف ہو، اور اس کی آخری حد خطرات سے بے پرواہ ہو کر اپنی زندگی کو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دینا ہے۔ نیز دین کے دشمنوں سے اگر مقابلہ آپڑے اور حق کی مخالفت پر تل جائیں۔ تو ان کو راستہ سے ہٹانا اور اس صورت میں ان کی جان لینا یا اپنی جان دینا جہاد بالنفس کا انتہائی جذبۂ کمال ہے ایسے جان نثار اور جانباز بندے کا انعام یہ ہے کہ اس نے اپنی جس عزیز متاع کو خدا کی راہ میں قربان کیا، وہ ہمیشہ کیلئے اس کو بخش دیجائے، یعنی فانی حیات کے بدلہ اس کو ابدی حیات عطا کر دیجائے اس لئے ارشاد ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ	جو خدا کی راہ میں مارے گئے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ	ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ
بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا	ہیں۔ لیکن تم کو اس کا احساس
تَشْعُرُوْنَ۔ (البقرہ - ۱۹)	نہیں۔

ان جانثاروں کا نام شریعت کی اصطلاح میں "شہید" ہے یہ عشق و محبت

کی راہ کے شہید زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہ اپنے اسی خونی گلگوں پیراہن میں قیامت کے دن اٹھیں گے (صحیح مسلم کتاب الجہاد) اور حق کی جو عملی شہادت اس زندگی میں انہوں نے ادا کی تھی، اس کا صلہ اس زندگی میں پائیں گے،

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ (آل عمران ۱۴)

اسی کے ساتھ وہ جانباز بھی جو گو اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترے تھے۔ لیکن ان کے سر کا ہدیہ دربار الٰہی میں اِس وقت اس لئے قبول نہ ہوا۔ کہ ابھی ان کی دنیاوی زندگی کا کارخانہ ختم نہیں ہُوا تھا۔ وہ بھی اپنی حسن نیت کی بدولت رضائے الٰہی کی سند پائیں گے۔ اس لئے ان کو عام مسلمان ادب و تعظیم کیلئے غازی، کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء - ۱۰)	اور جو خدا کی راہ میں لڑتا ہے۔ پھر وہ یا مارا جاتا ہے۔ یا وہ غالب آتا ہے۔ تو ہم اس کو بڑا بدلہ عنایت کرینگے۔
فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا	تو جنہوں نے میری خاطر گھر بار چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ان کو میری راہ

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

(آل عمران — ۲۰)

میں تکلیفیں دی گئیں، اور وہ لڑے اور مارے گئے ہم ان کے گناہوں کو چھپا دیں گے، اور ان کو جنت میں داخل کریں گے، جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، خدا کی طرف سے ان کو یہ بدلہ ملے گا۔ اور خدا کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

اِن آیات کی تفسیر و تشریح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ احادیث میں مذکور ہے۔ جس میں شہیدوں کی فضیلتیں، اور ان کی اخروی نعمتوں کی تفصیل نہایت مؤثر الفاظ میں ہے۔ اسی شہادت اور غزا کے عقیدے نے مسلمانوں میں مشکلات کے مقابلہ اور دشمنوں سے بے خوفی کی وہ روح پیدا کر دی، جس کی زندگی اور تازگی کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی وہی عالم ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو مسلمانوں کو دین کی خاطر جان دینے پر اس قدر جلد آمادہ کر دیتا ہے۔ اور اس حیات جاوید کی تلاش میں ہر مسلمان بیتاب نظر آتا ہے۔ یہ وہ رتبہ ہے جس کی تمنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کی اور فرمایا۔ "کہ" مجھے آرزو ہے۔ کہ میں خدا کی راہ میں مارا جاؤں۔ اور دوبارہ مجھے زندگی ملے اور میں اس کو بھی قربان کر دوں، اور پھر تیسری مرتبہ زندگی ملے اور اسکو بھی خدا کی راہ میں نثار کر دوں۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد)۔

ذرا ان فقروں پر ایک بار اور نگاہ ڈال لیجئے۔ ان میں یہ نہیں ہے۔ کہ میں دوسرے کو مار ڈالوں، بلکہ یہ ہے کہ حق کے راستہ میں مارا جاؤں اور پھر زندگی ملے۔ پھر مارا

جاؤں پھر زندگی ملے اور پھر مارا جاؤں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را * ہر زمان از غیب جان دیگر است

دائمی جہاد | یہ تو وہ جہاد ہے جس کا موقع ہر مسلمان کو پیش نہیں آتا۔ اور جس کو آتا ہے۔ تو عمر میں ایک آدھ ہی دفعہ آتا ہے۔ مگر حق کی راہ میں دائمی جہاد وہ جہاد ہے۔ جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے۔ اِس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر یہ فرض ہے کہ دین کی حمایت، علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، غریبوں کی مدد، زیردستوں کی امداد، سیہ کاروں کی ہدایت، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامت عدل ردّ ظلم، اور احکام الٰہی کی تعمیل میں ہمہ تن اور ہر وقت لگا رہے، یہانتک کہ اسکی زندگی کی ہر جنبش وسکون ایک جہاد بن جائے، اور اسکی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آئے۔ سورۂ ال عمران کی جس میں جہاد کے مسلسل احکام ہیں آخری آیت ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (ال عمران - ۲۰)	اے ایمان والو! مشکلات میں ثابت قدم رہو اور مقابلہ میں مضبوطی دکھاؤ اور کام میں لگے رہو اور خدا سے ڈرو، شاید کہ تم مراد کو پہنچو۔

یہی وہ جہاد محمدی ہے جو مسلمان کی کامیابی کی کنجی اور فتح وفیروزی کا نشان ہے

(سیرۃ النبی ج۵ ص۳۹۶ تا ص۴۰۱)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ مومن

کی زندگی سراپا جہد و محنت، مشقت و جہاد ہے۔ اِس لئے اسلام میں سلوک و معرفت کی راہ بھی دائمی جہد و محنت کا ایک غیر مختتم سلسلہ ہے کہ آخری سانس تک عبدیت کا مجاہدہ ختم نہیں ہوتا ہے

یا بم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم
یا جاں رسد با جاناں یا جاں زتن برآید

ظاہر و باطن کی یکجائی

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کامل دین لے کر آئے تھے اور آپ نے تقوی کی جس راہ کی رہنمائی فرمائی تھی۔ گذر چکا، کہ اسکی جامعیت و کمال میں دین و دنیا اور ظاہر و باطن کی دوئی کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ اسوہ نبویہ (علی صاحبہا الصلوۃ التحیہ) صحابہؓ کا طرز عمل اور خیر القرون کا تعامل گواہ ہے۔ کہ اس عصر سعادت میں ظاہر و باطن کے سوتے یکجا بہتے تھے۔ ظاہری علوم کی تعلیم و تعمیل اور باطنی ملکات کی اصلاح و تربیت کیلئے کوئی دوگونہ نظام و سلسلہ رائج نہیں تھا۔ بلکہ جو ظاہر کو سنوارتے تھے اور کتاب و سنت کی ظاہری تعلیم کے مسند نشین تھے وہی علوم باطنیہ، حکمت و حقائق ربانی اور دقائق احسانی کے رمز آشنا اور تزکیہ قلبی اور اصلاحِ باطن کے پیشوا اور ذمہ دار تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ نبوی اصلاح نفوس اور تزکیۂ باطن کا کام اور شریعت کے ظاہری اتباع کا اہتمام توام تھا۔ سہ گانہ فرائض نبوت، تلاوتِ کتاب، تعلیم قرآن و حکمت اور تزکیۂ کا کام یکجا اور یکساں انجام پا رہا تھا۔ اور ہدایتِ ربانی اور میراث نبوتؐ کی کامل تقسیم ظاہر و باطن کی جامع ہستیوں کے ذریعے کروائی جا رہی تھی۔ اور اسلام کی جامعیت و کمال تربیت و اصلاح کے پورے نظام میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔ لیکن قرون متأخرہ میں متعدد وجوہ کی بنا پر

یہ یکجائی قائم نہ رہ سکی اور ظاہری و باطنی علوم کے حاملین علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ تاہم بحمداللہ تعالیٰ ہر دور میں ایسی مستثنیٰ ہستیاں رہیں اور ہیں جو اپنے اندر ظاہر و باطن کا جمال و کمال سموئے ہوتے ہیں۔ اور حقیقتاً وہی صحیح اور کامل وارثان نبوت ہیں

ہمارے حضرت والا سید الملۃ قدس سرہٗ اِس دور میں ظاہر و باطن کی یکجائی کا عملی نمونہ اور اسی وحدت کے داعی تھے۔ چنانچہ ارقام فرماتے ہیں۔

"........رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے (نبوت کے) ان تینوں فرائض (تلاوت احکام، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ) کو بحسن خوبی انجام دیا، لوگوں کو احکام الٰہی اور آیات ربّانی پڑھ کر سناتے، اور ان کو کتاب الٰہی اور حکمتِ ربّانی کی باتیں سکھائیں اور اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ اپنی صحبت، فیض تاثیر اور طریق تدبیر سے پاک وصاف بھی کیا۔ نفوس کا تزکیہ فرمایا۔ قلوب کے امراض کا علاج کیا اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کر کے اخلاق انسانی کو نکھارا اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری و باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے۔ چنانچہ صحابہ اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تین قرنوں تک یہ دونوں ظاہری و باطنی کام اسی طرح توام رہے۔ جو استاد تھے وہ شیخ تھے اور جو شیخ تھے وہ استاد تھے۔ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہمنشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے۔ ان تینوں طبقوں میں استاد اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی۔

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا۔ جس میں مسندِ ظاہر کے درس گو باطن کے کورے اور باطن کے روشن دل ظاہر سے عاری ہونے لگے اور عہد بہ عہد ظاہر و باطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی۔ تا آنکہ علوم ظاہر کیلئے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم و تزکیہ باطن کیلئے خانقاہوں اور رباطوں کی تعمیر عمل میں آئی، اور وہ مسجد نبوی جس میں یہ دونوں جلوے یکجا تھے۔ اسکی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دو حصوں میں تقسیم ہوگئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علمائے دین کی جگہ علماءِ دنیا نکلنے لگے۔ اور باطن کے مدعی علم شریعت کے اسرار و کمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں۔ جن میں نور نبوت کے یہ دونوں رنگ بھرے تھے۔ اور غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے وہ وہی تھے۔ جو ان دونوں کے جامع تھے۔ امام غزالیؒ جن سے علم معقول و منقول نے جلوہ پایا علم حقیقت نے بھی انہیں کے ذریعہ ظہور پایا۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسۂ نظامیہ کے مدرس، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علماءِ ظاہر سمجھا جاتا ہے۔ جیسے حضرات محدثین امام بخاری، ابن حنبل، سفیان ثوری وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے۔

متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہا اللہ تعالیٰ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان کے احوال و سوانح ان برکات باطنی سے لبریز ہیں۔ ابن قیم کی مدارج السالکین وغیرہ کتابیں پڑھیئے تو اندازہ ہوگا۔ کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے اسلام کی روشنی پھیلی وہ حقیقت میں وہی تھے، جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کے کمالات کی جامعیت تھی، کہ وہ اسوۂ نبوت سے قریب تر تھے۔ اس لئے اِن کا فیض بعید سے بعید تر حصہ تک پھیلتا چلا گیا، آسمان دلّی کے مہروماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر شاہ اسماعیل تک کو آپ ایک ایک کر کے دیکھیں تو ظاہر و باطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہوگا اور اس سے ان کے علمی و روحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، وہ علوم کی تدریس کیوقت "یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ" کا جلوہ دکھاتے تھے اور حجروں میں بیٹھ کر "یُزَکِّیْهِمْ" کی جلوہ ریزی فرماتے تھے۔

پھر ان کے بعد ان کے فیض و برکات کے جو حامل ہوئے جنکی نشاندہی چنداں ضروری نہیں کہ "سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" ان سے دنیا کو جو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت و تبلیغ اور قلوب ونفوس کے تزکیہ و تصفیہ کا جو کام انجام پایا وہ بھی ظاہر و باطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے۔ اور آئندہ بھی سنن الہیہ

کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا۔ وہ وہی ہوں گے۔ جن کے اندر مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بنکر بہیں گی۔ " مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیَانِ " آنکھوں کا نور شب بیداری سے بڑھتا اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے۔ رات کے راہب ہی اسلام میں دن کے سپاہی ثابت ہوتے ہیں۔ سوانح و تراجم کا سیزدہ صد سالہ دفتر اس دعویٰ کا شاہد ہے۔ زبان کی روانی اور قلم کی جولانی دل کی تابانی کے بغیر سراب کے نمو سے زیادہ نہیں۔ خواہ وہ اسوقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو۔ مگر وہ مستقل اور مستقبل وجود سے محروم ہے"

(مقدمہ سوانح مولانا محمد الیاس)

ایک مستفسر کو اسی بارے میں ارقام فرماتے ہیں۔

" اس تقریر کو ایک اور نہج سے ذہن نشین کرتا ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں دو صفتیں تھیں۔ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ ، (یعنی آپ لوگوں کو کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ کی تعلیم دیتے ہیں) وَیُزَکِّیْھِمْ (یعنی آپ لوگوں کو عملاً بھی پاک وصاف بنا دیتے ہیں، ان کے رذائل کو دور کر کے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہیں) ذاتِ پاک میں یہ دونوں صفتیں یکجا تھیں۔ صحابہ میں بھی عموماً یہ دونوں صفتیں یکجا رہیں۔ تابعین میں کچھ کمی رہی، تاہم ان میں بھی خاصی یکجا رہی تبع تابعین میں آکر یہ یکجائی ایک محدود حلقہ میں رہ گئی۔ اس کے بعد سے یہ یکجائی صرف اشخاص میں ہونے لگی ورنہ عام طور پہ حال یہ ہو گیا

کہ یُعلّمھُمُ یعنی زبانی تعلیم کی صفت تو علماء اور فقہا نے اختیار کرلی اور یُزکّیھم یعنی تزکیہ کو صوفیا نے اپنا کام بنالیا۔ پہلی چیز مدرسہ میں چلی گئی، اور دوسری خانقاہوں میں، مگر ہر دور میں بحمد اللہ تعالیٰ ایسے کاملین ضرور ہوتے رہے۔ جو اِن دونوں صفتوں کے جامع اور حامل تھے۔ اور وہی درحقیقت وارثِ نبوت تھے، مثلاً ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ان دونوں کا جامع تھا۔ ان کے جانشینوں میں بھی یہی جامعیت تھی۔

آج کل یہ ہوگیا ہے کہ "یُعلّمھُمُ" یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علماء کا شغل ہے۔ اور "یُزکّیھِم" یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں یکجا ہوں۔

محدثین میں بھی صوفیہ گذرے ہیں امام ابن حنبلؒ، عبد اللہ ابن مبارکؒ امام بخاریؒ، مسلمؒ، ترمذیؒ سب ہی صوفی حقیقی تھے۔ اور اصطلاحاً محدثین میں امام قشیریؒ صاحب رسالہ قشیریہ، ابونعیمؒ اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ طریق قادریہ کے بانی حنبلی المشرب اور ٹھیٹھ محدّث تھے۔ اون کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے اور آپ پڑھ سکتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ کی صوفیت پر ان کی کتاب مدارج السالکین فی شرح منازل السائرین گواہ ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں۔ ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کر سکتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلافِ صدق محدثینِ دہلی بھی صوفی ہیں۔

اور ان کی تصانیف موجود ہیں۔ مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقِ سلوک کو صراط مستقیم نام کتاب میں مرتب کیا ہے جو طبع ہو کر بار بار شائع ہوئی ہے۔ اس کو بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔"

خطبہ راندیر کے آخر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

" ہمارے زمانہ میں ہمارے مدارس میں دوسری سب سے بڑی کمی یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی مجالس اگر 'یعلمہم' اور 'یزکیہم' یعنی تعلیم و تزکیہ دونوں نبوی طریقوں کی جامع تھیں۔ تو اب یہ صرف "یعلمہم" تعلیم کا مظہر رہ گئے۔ اور "یزکیہم" کا نور ہماری درسگاہوں سے مٹتا جا رہا ہے۔ اب نبوی طریق مدرسہ اور خانقاہ میں بٹ گیا ہے۔ مدرسہ تزکیہ کے نور سے اور خانقاہیں تعلیم کی روشنی سے خالی ہیں۔ بڑی ضرورت ہے کہ ان دونوں خصوصیتوں کو پھر ایک چہار دیواری میں جمع کیا جائے۔ اس کے بغیر یہ عربی مدرسے مذہبی مدرسے نہیں کہے جا سکتے۔ اور نہ ان کے فارغین کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ہدایت کا کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم میں بھی اس پہلو پر زور دیا جائے۔ اور تربیت میں اس پر سختی سے عمل کیا جائے۔ اور ایسے مدرسین کا انتخاب کیا جائے جو علم و عمل دونوں کے جامع ہوں۔ اور خصوصیت کے ساتھ اہل دل کی صحبتوں اور کتابوں کے مطالعہ کا شوق ان کے دل میں

پیدا کیا جائے۔"

تزکیہ و تعلیم اور ظاہر و باطن کی اسی یکجائی کی تلقین حضرت والا قدس سرہ کی مجالس میں بھی ملتی تھی۔ فقیر کی موجودگی میں ایک مولوی صاحب سے جو سلوک و تصوف کے قائل نہ تھے۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا:۔

" علوم دو طرح کے ہیں ظاہری و باطنی، دونوں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ ظاہری و باطنی علوم کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہری علم کے بتانے والے اور ہوں اور باطنی کے دوسرے۔ بلکہ اسکی مثال یہ ہے۔ ایک شخص نماز نہیں پڑھتا۔ اسے بتایا جائے، کہ نماز فرض ہے۔ یہ ظاہری علم ہے، باطنی وہ ہے جو اعمال قلب سے متعلق ہے جیسے ریا، کبر، حب جاہ وغیرہ قلب کے امراض ہیں۔ امراض قلب کو امراض باطنی کہتے ہیں اور جو علوم امراض باطنی سے متعلق ہیں انہیں علوم باطنی کہتے ہیں بغض، ریا، کینہ وغیرہ بری چیزیں ہیں ان کا علاج کیوں نہ کیا جائے، حدیث میں ہے "اِنَّ الحسد یاکل الحسنات" اسی طرح ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔ دیکھا جائے، نماز میں اس کی روح بھی ہے یا نہیں۔ بتایا جائے خشوع کیونکر حاصل ہو، جس طرح علم ظاہری ضروری ہے۔ اسی طرح علم باطنی بھی ضروری ہے اور نصوص سے ثابت"۔

یہ بات معلوم ہو چکی۔ کہ حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ دعوت وارشاد کے دوگونہ پہلو تھے۔

(۱) تلاوتِ کتاب و تعلیمِ کتاب و حکمت (۲) اور تزکیہ (و فیض صحبت)

تعلیماتِ نبوی کے ظاہری علوم جس طرح امت کے پاس کتاب و سنت کی ظاہری تشکل

میں پہنچے اور محفوظ ہیں، اسی طرح تزکیہ، اصلاح نفوس، تطہیر قلوب کی نبوی میراث اور کتاب وسنت کی عملی تشکیل یعنی اسوہ نبویہؐ کا ظاہری وباطنی پہلو صحبت نبویؐ کے سلسلہ ناب اور فیوض برکات نبوی کے باطنی تسلسل کے ذریعہ نسلاً بعد نسل اور قرناً بعد قرن منتقل ہوتا رہا۔ خیر القرون میں جماعت نے جماعت سے فیض پایا۔ اور اس عصر سعادت کے بعد جماعتی نظم کے اضمحلال اور بیرونی فتن کے پھیل جانے کی بنا پر "میراث نبوتؐ" جماعت کی بجائے افراد میں "اصحاب کاملین" کے ذریعے منتقل ہونے لگی۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ ہر دور میں ظاہر و باطن کی جامع، تعلیم و تزکیہ کی دوگونہ صفاتِ نبوی کی حامل شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں۔ اور حکمت تشریعی کے مطابق، اور ختم نبوت کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ایسے کامل وجامع الصفات افراد پیدا ہوتے رہیں گے۔ جو نبوی کوثر وسلسبیل کے ان الٰہی چشموں سے انسانیت کے ظاہر و باطن کو پاک وصاف کرتے رہیں گے۔ اور یہی افراد وراثتِ نبوت کے صحیح وارث اور نائبین نبوت ہوں گے جن کے ذریعے مخلوق کی ہدایت وارشاد کا کام لیا جائے گا۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ خود اسی جامعیتِ کبریٰ کی مثال اور ظاہر و باطن کی اسی یکجائی اور جامعیت کے داعی تھے۔ اس لئے "سلوک سلیمانی" کا تابندہ گوہر تعلیم و تزکیہ اور ظاہر و باطن کی یگانگت وعینیت ہے۔

نبوی منہاج تربیت و تزکیہ اور سلسلہ صحبت کا اصطلاحی نام طریق مشیخت و ارادت یا سلوک و تصوف ہے

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہدایت ربانی کی تقسیم کا جامع اور مستقل سبب و ذریعہ تھی۔ اگر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان حکمتِ سرمدی کے موتی بکھیرتی اور آیات الٰہی کی تلاوت فرماتی تھی، اور تعلیم تبیین احکام و سنت کا فریضہ انجام دیتی تھی، تو اس کے سینۂ مطہر کا فیضان و نور کفر و ضلالت کی ظلمتوں کو کافور کرتا تھا۔ اگر اسکے اعمال قابلِ اتباع اسوۂ مبارکہ تھا۔ تو اسکی صحبت کبریت احمر اور اکسیرِ اعظم تھی۔ جو حق کے متلاشیوں کو زر خالص بلکہ سنگ پارس و کیمیا بنا دیتی تھی، بقول شخصے ؎

دُر فشانی نے تیری قطروں کو دریا کردیا — دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا
جو نہ تھے خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے — کیا نظر تھی جسنے مردوں کو مسیحا کردیا

آپ کے قلبِ اقدس کا فیضان قلبی کدورتوں کو دھوتا، نفوس کو رذائل سے پاک کرتا، انہیں سنوارتا، نکھارتا، روشن و تاباں اور نسبت حق کی قبولیت کے قابل بناتا تھا۔ اگر ایک طرف آپ کی تعلیم و دعوت، تلقین و موعظت صحابہؓ کرام کو گمراہی

سے بچایا کہ ہدایتِ ربانی سے فیضیاب کرتی تھی تو دوسری طرف آپ کا فیضِ صحبت، تاثیرِ قلبی اور روحانی اثر انکی باطنی اصلاح و تربیت کا قوی سبب تھا۔

حضرت سید الملۃ قدس اللہ سرہٗ تحریر فرماتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو امام و پیشوا اور ہادی اور رہنما فرمایا ہے، یعنی نبوت اور وحی سے سرفراز ہونے کے بعد ان کی ذات مجسم ہدایت و رہنمائی اور امامت و پیشوائی کیلئے خاص ہو جاتی ہے۔ ان کی بعثت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی فرمائیں۔ اور انہیں ضلالت و گمراہی سے بچائیں۔ جس امت میں مبعوث ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے ہدایت و رہنمائی کے دو چراغ ہوتے ہیں۔ ان دونوں کی روشنی مل کر ایک ہوتی ہے..... ایک تو آیات الٰہی جو ان کو سنائی جاتی تھیں اور دوسرے خود رسولؐ کا مستقل وجود، جو اپنی تعلیم، تلقین، فیضِ صحبت اور اثر سے انہیں بہکنے نہ دیتا، اور ضلالت سے مانع آتا تھا...... (اور) اللہ کی کتابِ صامت (قرآن) اسکی کتابِ ناطق (رسولؐ) سے مل کر اپنے فریضہ کو انجام دیتی رہتی)

تزکیہ انبیاء علیہم السلام کا عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصاً ایک اور امتیازی وصف تزکیہ ہے۔ تزکیہ کے معنی پاک و صاف کرنے کے ہیں۔ نبوت محمدیہؐ کے اس وصف کا ذکر ان آیتوں میں ہے جن میں آپ کی یہ توصیف کی گئی ہے "ایک رسولؐ جو لوگوں پر خدا کی آیتیں تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے۔" ظاہر ہے کہ آپکا یہ تیسرا وصف دو پہلے اوصاف سے الگ ہے۔ یہ پاک صاف کرنا آیات الٰہی کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد نبیؐ کی عملی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے کہ آپکی تعلیم و تربیت کے فیضان صحبت

حسن اخلاق، پند و موعظت اور تبلیغ دعوت کی تاثیر سے بُرے اچھے، بدنیک اور اشرار اخیار بن جاتے ہیں .... یہ وصفِ تزکیہ وحی والہام کے علاوہ ان کے جسم وجان اور زبان و دل کی کیمیا اثری کا نام ہے۔ خواہ ان کی زبان اسوقت وحیِ الٰہی سے مترنم ہو یا خاموش، ہر آن آفتابِ حق کی کرنیں مطلعِ نبوت سے نکل نکل کر دلوں کی سرزمین کو روشن کرتی رہتی تھیں۔

اس لئے نبوت کا سینہ صدق وصفا کا آئینہ ہوتا ہے۔ نبی کا جسم پیکر ظلمت کدۂ عالم کا چراغ اور علم وہدایت کا مطلع النور ہوتا ہے۔ جس سے اندھے دیکھتے، گمراہ راہ پاتے ، اور حق کے طالب روشنی حاصل کرتے ہیں۔ خود آپ کو مخاطب فرمایا گیا :-

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے نبیؐ! ہم نے تجھ کو بتانے
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا	والا، خوشی سنانے والا، چوکنا
وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ	کرنے والا، خدا کی طرف اسکے
وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔	حکم سے بلانے والا اور روشن
(احزاب - ۶)	کرنیوالا چراغ بناکر بھیجا ہے۔

یہ آس پاس کی چیزوں کو روشن کرنے والا چراغ خود رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات ہے .... اور جب آپکی ذات مبارک کی یہ تمام چیزیں ـــــ (جسم وجان، زبان ودل، خلق وعمل، علم وفہم) انوار الٰہی ہیں۔ تو ان انوار میں سے ہر نور کی روشنی میں چلنا ہدایت ہے۔ اور ان میں سے کسی سے قطع نظر کرنا بھی ظلمت کے ایک گوشہ میں قدم دھرنا ہے (سیرت النبی صـ۱۸۶ تا ۱۸۹ ج ۴ ملخصًا)

نبوت کے "سراج منیر" حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی صفت کا اثر و نتیجہ تھا۔ کہ جو شخص آپکی الٰہی دعوت پر لبیک کہتا ہوا، آپ کی خدمت میں جا پہنچتا تھا۔ سینہ اقدس کی تجلّیات و انوار اسے سراپا نور بنا دیتے تھے۔ جو ذرہ بھی طالب بن کر اس مہرِ جہانتاب کے مقابل ہوا وہ شعلۂ طور تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رض کا پاکیزہ گروہ جب اپنی خداداد استعدادوں اور صلاحیتوں کے ساتھ اِس "الٰہی چراغ" کی صحبت میں پہنچا تو ان کا ہر فرد خود مطلع انوار اور پوری بزم چراغاں تھی۔ ہر صحابی اپنی اپنی استعداد و صلاحیت کے بقدرِ ہدایت الٰہی اور نور ربّانی کا جگمگاتا ہوا ستارہ بن کر چمکا۔ جو "مشکواۃ نبوت" اور "سراج رسالت" کے انوار کو اپنے اندر سموئے ہوتے تھا۔ " اصحابی کالنّجوم فبایّھم اقتدیتم اھتدیتم " (میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں۔ ان میں سے جسکی بھی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔ مشکواۃ ص۵۵۴) اسی حقیقت کا نبوی اظہار و اعلان ہے۔ جس طرح چراغ سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ ہدایت ربّانی کے قدسی چراغ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صحابہ کے قلوب منور و روشن ہو گئے۔ ان کی روحیں تجلّیات نبوت ﷺ سے وادی ایمن تھیں اور دل رشکِ سینا، انوار الٰہیہ کی جو قندیل سینہ نبوت ﷺ میں فروزاں تھی۔ اس سے یہ قدسی الصفات ہستیاں یوں چمکیں۔ کہ ہر صحابی رض عالم کیلئے چراغِ طور اور ستارۂ ہدایت تھا، اس طرح صحابہ کرام رض کا وہ پاک گروہ وجود میں آیا جو انبیاء علیہم السّلام کے بعد انسانیت کا سر امتیاز، معرفت و عرفان کا اوجِ کمال، اور تقوٰی و نزاہت کا معراج تام تھا۔ ان کے چہرے تقوٰی کے نور سے چمکتے اور ان کے قلوب انوار الٰہیہ سے جگمگاتے تھے۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔

ان کا ظاہر اعمال و اخلاقِ نبوتؐ کا امین اور ان کا باطن فیضان و برکاتِ رسالت کا حامل تھا، کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح احکام الٰہی کے سب سے بڑے عالم، علوم ربانی کے مُعلّم اور اوامرِ خداوندی کے نافذ کرنے والے تھے اسی طرح آپ کا سینہ مبارک اور قلب مطہر خزینۂ ہدایت کا سب سے بڑا حامل، توحید و معرفت کے "نور امانت" کا سب سے بڑا گنجینہ اور "قاسم" تھا۔ صحبت نبویؐ میں آرائشِ ظاہر کے سامان کے ساتھ جمالِ باطن بھی ملتا تھا۔ بقول حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ:۔

"اسلام کے معلم کی نسبت صرف یہ دعویٰ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے فیض و اثر سے پاک و صاف و مصفّٰی بھی بنا دیتا ہے۔ وہ ناقصوں کو کامل، گنہگاروں کو نیک، اندھوں کو بینا، اور تاریک دلوں کو روشن دل بنا دیتا ہے۔ (سیرت النبی جلد ششم صفحہ ۳۸۶، صفحہ ۳۸۷)

کہ حکمت الٰہیہ جن مبارک ہستیوں کو اِس عالم میں اپنی ہدایت کی فیضان رسانی کیلئے چنتی ہے ان کے "قلوب" کو بھی فیضانِ ہدایت کا سبب و ذریعہ بنا دیتی ہے "قلوب" کے آئینے جب ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں تو "مُزَکّٰی قلوب"، "کثیف قلوب" کو مصفّٰی و مجلّٰی بنا کر انوار الٰہیہ کے قبول کرنے، اور تخم ہدایت (جو یوم ازل میں جذر قلوب[1] میں بکھیر دیا گیا تھا) کے بار آور ہونے کے قابل بنا دیتے ہیں

---

[1] حدیث میں ہے۔ ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ۔

قلوب، قلوب، سے رنگ پکڑتے ہیں۔ اور روحیں روحوں سے متاثر ہوتی ہیں
دل کی تاثیر سے دل زندہ ہوجاتے ہیں۔ اور روحوں کی نورانیت ارواح کو روشن
کردیتی ہے۔ جس طرح نبیؑ ظاہری علوم ومعاملات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا خلیفہ
اور پیام رساں ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کا اجراء اس کی ذات سے اور علوم حقہ کا
اعلان اس کی زبان سے کرایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا قلب مُزکّی ہدایت الٰہی
کے فیضان کا ذریعہ ہوتا ہے۔ جسکی پیہم ضیاپاشیاں اپنے ہم صحبت طالبین کے
قلوب کو سنوارتی، نکھارتی اور پاک بنادیتی ہیں۔ چنانچہ "ربانیین" کی جو جماعت
سید عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتعلیم وفیض
صحبت سے وجود میں آئی۔ وہ آپ کے ظاہری کمال وباطنی جمال کی دوگونہ
حسن کا مرقع اور آپ کی جامعیت کبریٰ کا نمونہ تھی۔ صحابہ کرام کے قبائے
تقویٰ کا امتیاز خصوصی صرف نبوتؐ کا اتباع ظاہر میں نہ تھا۔ بلکہ متابعت ظاہری
کی دلکشی کے ساتھ فیض نبوت سے ان کے دل روشن، روحیں منور اور
نفوس تابندہ تھے۔ ان کے ظاہری اعمال وباطنی احوال منہاج نبوت کے مطابق
تھے۔ اور ان کے اخلاق ومعاملات عادات وشمائل اتباعِ سنن نبوی سے رنگین
تھے۔ ان کی کیفیاتِ قلبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مطہر کے
انوار کا پرتو وعکس لئے ہوئے تھے۔ وہ قلباً اور قالباً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
سے نسبتِ تامہ اور اپنے علم وعمل، فکر ونظر اور ذوق وحال میں آپ سے
خاص مناسبت رکھتے تھے۔

سلسلہ صحبت صحابہ کرام کے ان جملہ کمالات کا سبب حضرت

سیدالانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کی 'صحبت رمعیت'
تھی۔ 'صحابیت' کا امتیاز ہی یہ ہے۔ کہ صحابہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی
'صحبت پاک' وشخصیتِ گرامی سے بے واسطہ فیضیاب ہوئے ہیں 'معیت نبوت'
'وصحبتِ رسالت' نے ان میں ظاہر و باطن کی جامعیت پیدا کردی اور ایمان وتقویٰ
کے ذروۂ کمال تک پہنچا دیا۔ اور ہر صحابی کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اسوۂ کاملہ کا اپنی اپنی استعداد و ظرف کے بقدر نمونہ اور مثنیٰ بنا دیا۔ جن کا
ایمان وتقویٰ، اعمال واخلاق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی سے
مستفاد اور جن کا ظاہر و باطن آپ کے فیوض وکمالات، برکات وانوار سے
مکمل ومستنیر تھا۔ گویا صفاتِ ربانی کے مظہرِ اتم اور مستور ازل کے آخری و
اکمل نقاب کشا حبیب باصفا صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ظاہر و باطن نے اللہ تعالیٰ
کی توفیق سے صحابہ کرام کو قلباً وقالباً الٰہی رنگ میں رنگین بنا کر اپنے یعنی۔
(حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے) ظاہری و باطنی اتباع کامل سے منور بنا دیا تھا۔
صحبت کی تاثیر، معیتِ نبوت کے اثر، اور تعلیم وتربیتِ رسالت کی برکت
نے صحابہ کو اس قابل بنا دیا۔ کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کی حیثیت
سے تعلیم وتزکیہ کے نبوی فرائض انجام دے سکیں۔ اور آپ سے اخذ کردہ
ظاہری و باطنی علوم کو دوسروں کی طرف منتقل کر سکیں۔ اور اپنے فیضِ صحبت،
تاثیر قلب، اور فیضان باطن سے دوسروں میں میراث نبوت تقسیم کر سکیں
اور اپنے مستفیدین کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہر و باطن والے اعمال
سے بتوفیق الٰہی مشرف فرما سکیں، اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی دائمی صلاح و فلاح کیلئے جو ہدایات و فیضانِ ربّانی کا سلسلہ جاری فرمایا ہے۔ اس سلسلہ الذہب کی سب سے مضبوط اور درخشاں کڑی بنا سکیں۔ اور ان کے واسطے سے ہدایتِ نبویؐ تابعین میں منتقل ہو اور پھر تابعین سے تبع تابعین فیض ہدایت کی امانت کو سنبھالیں اور اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ ہدایت ربّانی کا یہ چشمہ ' اصحابِ کاملین' کے ذریعے قیامت تک جاری رہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجّت بندوں پر پوری ہو اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی فیوض و کمالات سے سعید ہستیاں تاقیامِ قیامت فیضیاب ہوتی رہیں۔ کہ 'ختم نبوت' کے مفہوم میں یہ حقیقت بھی منطوی ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ کا اجرا و فیض بھی قیامت تک قائم و دائم رہے گا۔ اور ہر دور میں وراثت نبوت کی جامع قُدوسیوں کی ایک جماعت نیابت نبوت کے فریضہ کو ادا کرتی رہے گی۔ ارشاد رسالتؐ :-

لا یزال من امتی اُمّـة قائمـة بامر اللّٰہ لا یضرّھم من خذلھم ولا من خالفھم حتّٰی یاتی امر اللّٰہ وھم علی ذلك۔	ہمیشہ میری اُمت کا ایک طبقہ اللہ کی امر دین پر قائم رہے گا۔ ان کی عدم مدد و مخالفت انہیں نقصان نہیں پہنچائے گی۔ قیامت تک یہ طبقہ اسی طرح امرالٰہی پر قائم (اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرتا) رہے گا۔
(مشکوٰۃ صد ۵۸۳ بحوالہ بخاری و مسلم)	

کا مژدہ اسی حقیقت کی نبوی خبر ہے۔ گذشتہ تاریخ ملت کے اوراق اِس دعویٰ پر شاہد عدل ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک سنت الٰہیہ فیضان نبوت کے اِس سلسلہ کو جاری رکھے گی۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْکَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ۔

سیدی حضرتِ والا نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:۔

"قرن اول میں جماعت سے جماعت متاثر ہوتی تھی۔ پھر جب اسلامی معاشرے میں اضمحلال آیا۔ تو جماعت کی بجائے 'افراد کاملین' پیدا ہونے لگے اور افراد سے افراد متاثر ہونے لگے ...... دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔ ہمارے آپ کے دل خالی ہوجائیں۔ لیکن ابھی اللہ تعالٰے کے بندے موجود ہیں۔ جیسے چراغ کو چراغ جلاتا ہے، اسی طرح جن کے دل (گناہوں سے) میلے ہوچکے ہیں۔ پھر ان کو روشن قلوب سے ملا دیں۔ وہ صاف اور روشن ہوجائیں گے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'سِرَاجاً مُّنِیْرًا' کہا گیا ہے۔ اب تک جو صلحاء موجود ہیں ان کے دل اسی چراغ (سراجاً منیرا) سے روشن ہوئے ہیں۔ 'شجرہ' میں ان چراغ جلے ہوؤں کے نام یکجا ہیں۔ جیسے محدثین اپنی سندیں ملاتے ہیں۔ اسی طرح یہ چراغ جلے ہوئے اپنا سلسلہ شجرہ میں ملاتے ہیں۔"

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

"زمین و آسمان کی روشنی تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیا جائے تو نور کہاں رہ جاتا ہے۔ ظلمت ہی ظلمت رہ جاتی ہے یہ چیز پروپیگنڈہ سے ہاتھ نہیں آتی، زندہ دل بزرگوں کی صحبت اختیار کیجئے۔ جیسے دیئے سے دیا روشن ہوجاتا ہے۔ صحبت سے دل روشن ہوجاتے ہیں۔"

اندھیرا ہے عالم میں چھایا ہؤا ‏ ‏ ‏ ‏ چراغِ جہاں قلبِ آگاہ ہے

صحراؤں میں رکھے ہوتے چراغوں میں تو حرکت نہیں۔ اپنے اندر انوار پیدا کیجئے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔ ہمارے آپ کے دل خالی ہوجائیں۔ لیکن ابھی اللہ کے بندے موجود ہیں۔

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ایک مستفسر کے جواب میں تعلیم وتزکیہ کی یکجائی اور صحبتِ نبوت وفیضانِ ہدایت کے الٰہی سلسلہ کی اہمیت ذہن نشین کراتے ہوئے ارقام فرمایا تھا:۔

" یہ فن (سلوک) نظری سے زیادہ عملی ہے۔ اس کیلئے ایسے کاملین کی ضرورت ہے جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوۂ نبوی ہوں۔ جو اپنے آداب، اخلاق، عادات اور اتباعِ اوامر ونواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوں۔ جن کی صحبت میں پرتو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلہ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت تک منتھی ہو، جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے۔ جس طرح فن روایت میں اس کا نام سلسلہ ہے۔ اِس مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ کہ علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے۔ یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا فیض صحبت نبوت کی تاثیر کا نتیجہ تھا۔ ان کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اُٹھے، اور تابعین کے فیضِ صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہؤا۔ یہ تین دور ایسے ہیں

جن میں پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہے مگر ہر دور میں جماعت کم وکیف یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی چلی گئی۔ تبع تابعین کے بعد جب فتنوں کا ظہور ہوا۔ تو تعداد بھی کم ہوگئی اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی۔ اب اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاصِ با استعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا۔ جس کا نام متأخرین نے ارادت یا پیری و مریدی رکھ دیا ہے۔ ورنہ قدماء اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی۔ مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے۔ جیسا امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ کو صاحبِ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ اسی طرح حضرت شبلیؒ و جنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے۔ جیسے یوں کہتے تھے۔ کہ فلاں شخص نے شبلی کی صحبت اٹھائی ہے یا جنید کی صحبت اٹھائی ہے۔"

قرآن کریم نے بھی خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے 'صاحب' کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ-۶)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد اس وقت کر چکا ہے۔ جب کہ آپ کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا۔ جب کے دو آدمیوں میں سے ایک آپ تھے۔ جس وقت کہ دونوں غار میں تھے

جب کہ آپ اپنے ہمراہی (صاحب) سے فرما رہے تھے کہ تم دکھ اغم نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی انہیں "صاحبی" فرمایا ہے۔

چنانچہ جامع ترمذی (ابواب المناقب) میں ہے۔

لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر ولکن اخی وصاحبی۔

اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا بھائی اور صاحب ہے

بلکہ اپنے جملہ ساتھیوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اصحابی" کہہ کر پکارا ہے۔ جیسا کہ صحاح کی روایاتِ متواترہ شاہد ہیں۔ اور یہ "صحابہ" اور "اصحاب" کا لفظ خود "صحبت نبوت" کی اہمیت و تحقق پر دال ہے۔

صحبت و معیت کے ثمرات ہی صحابہ کے فضائل و کمالات تھے۔ چنانچہ "معیتِ نبوتؐ" کے حاملین (صحابہ کرام) والذین معہٗ) کا تذکرہ قرآن ان دلستان الفاظ میں کرتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (الفتح - ۴۸)

ترجمہ:۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپکی صحبت یافتہ ساتھی ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں۔ اور آپس میں مہربان

ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت نے جلال وجمال الہٰی کی صفات کا عکس وظلال (شدت علی الکفار، رحم علی المومنین) محبت وعبادات الہٰی کا شغف وکمال اور طلب رضا وفضل کا اشتیاق صحابہ میں پیدا فرما دیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارواحِ شیخین رضی اللہ عنہما کے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک سے متأثر و رنگین ہونے کے بارے میں کیا خوب شعر نقل کئے ہیں۔

رق الزجاج و رقت الخمر　　فتشابها وتشاکل الامرُ

فکأنّھا خمرٌ ولا قدحٌ　　وکأنھا قدحٌ ولا خمرُ

(تفہیمات الٰہیۃ ص۲۴۴، ص۲۴۵: ج: ۱)

یہ سب صحبت نبوت کا ثمرہ تھا۔

امام قشیریؒ "صحابیت" کی فضیلت کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد (شرف وفضیلت کے اظہار کے لئے) صحابہ کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا کہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا۔"

علامہ ابونصر الطوسی کتاب اللمع میں لکھتے ہیں

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو وہ عظمت وخصوصیت حاصل ہے۔ کہ جس شخص کو یہ عزت حاصل ہوگئی۔ اُس کو کوئی دوسرا خطاب

جو اس سے بھی معزز ہو، نہیں دیا جا سکتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ زہاد، عباد، متوکلین، فقرا، اہل رضا، اہل صبر، اہل تواضع واخبات کے امام ہیں۔ اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے حاصل کیا ہے۔ تو جب ان بزرگوں کا انتساب صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جو بزرگ ترین صفات سے ہے۔ تو یہ محال ہے۔ کہ اس بزرگ ترین صفت کے علاوہ ان کو کوئی دوسری فضیلت دی جائے۔ (کتاب اللمع ص۲۲)

غرض یہی "صحبت" کی اہمیت ہے۔ جسکی بنا پر طریقِ تقویٰ وسلوک کا مدار "صحبت" پر قائم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے بھی "صادقین" کی معیت وصحبت کا امر فرمایا ہے۔ کہ "متقین" کی صحبت حصول وازدیادِ تقویٰ کا سب سے بڑا اور قوی سبب ہے۔ ارشاد ربّانی ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور
اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ	(ایمان وعمل کے) سچوں کے ساتھ رہو۔
الصّٰدِقِیْنَ	(یعنی ان کی صحبت بغرض استفادہ اختیار کرو)

یہ "صادقین" ہی اصل "متقین ومحسنین" ہیں۔ اس لئے حصولِ تقویٰ واحسان اور تحسینِ اعمال واحوال کی جدوجہد میں ان کی معیت وصحبت اکسیر اعظم ہے۔

سورۂ زمر میں ہے:۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ	اور جو سچائی لے کر آیا۔ اور اس کو
وَصَدَّقَ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ	سچ مانا، وہی لوگ ہیں تقویٰ والے

هُمُ الْمُتَّقُوْنَ لَهُمْ مَا يَشَاءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِيْنَ (زمر۔۴)

ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ ہے۔ جو وہ چاہیں یہی بدلہ ہے نیکو کاروں کا۔

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح میں ارقام فرماتے ہیں۔

" یعنی تقویٰ والا وہ ہے جو اپنی زندگی کے ہر شعبہ اور کام کے ہر پہلو میں سچائی لیکر آئے۔ اور اس ابدی سچائی کو سچ جانے، وہ کسی کام میں ظاہری فائدہ، فوری ثمرہ، مال و دولت اور جاہ و عزت کے نقطہ پر نہیں بلکہ سچائی کے پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ اور خواہ کسی قدر بظاہر اس کا نقصان ہو مگر وہ سچائی اور راست بازی کے جادہ سے نہیں ہٹنا چاہتا" (تبیر نمبر ۱۱۔ ۱۹۰)

ایسے سچے (صادقین) متقیوں کی صحبت و معیت مسِ خام کو کندن اور گل کو گل بنا دیتی ہے۔ صحبت کی اسی تاثیر کے متعلق شیخ شیرازؒ نے کیا تمثیل دی ہے

گلے خوشبوئے در حمام روزے ــــ رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ــــ کہ از بوئے دلآویزِ تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ــــ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد ــــ وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

انسان فطرۃً دوسرے کی صحبت سے متأثر ہوتا ہے۔ خصوصاً اہل اللہ کی صحبت تو سراپا شعلۂ طور ہے۔ جو ماسوا کے تعلقات کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ یہ سنتِ الٰہی، عادت ربانی اور حکمت تشریعی ہے کہ توحید و معرفت الٰہی کا جو بیج ازل میں انسانی قلوب کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس عالم ناسوت میں

اس کا پھٹنا، آبیاری، نشوونما، اور بارآوری اہل حق کے فیض صحبت و توجہ سے ہوتی ہے۔ اور اس جوہر پاک کا احیاء و سنوار، ترقی و نکھار صاحب دل حضرات کی معیت و فیضان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ گویہ فیض و توجہ مستفیض و مرید کی طلب و ارادہ کی شرط پر عادتاً منحصر ہے۔ گویا اللہ تبارک و تعالیٰ صاحب نسبت 'زندہ دل' اشخاص کے قلوب کو اپنی ہدایت و انوار و تجلیات کا عادی آلہ بناکر مستفیض کے دل پر اپنی صفات کا انعکاس اور اپنی نسبت عالیہ' کا 'ورود' و 'القا' فرماتے ہیں۔ یہ نسبت باطنی مفیض و مستفیض (مراد و مرید) کی قوت نسبت و استعداد کے بقدر متفاوت ہوتی ہے۔ بہر حال کاملین کی صحبت حیات قلبی اور اصلاح باطنی کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا نور ہدایت اور فیضان صاحب دل شیخ کے ذریعہ طالبین کے دلوں میں منتقل فرمادیتا ہے۔ اور دلوں کے آئینے انوار الٰہیہ سے جگمگا اٹھتے ہیں ؎

نورِ معشوقِ ازل در دلم از یار افتاد
عکسِ خورشید ز آئینہ بدیوار افتاد

اور دلوں کی کھیتی شیخ کی آبیاری سے ہری ہوجاتی ہے بقول سید الملۃ ؒ ؎

تیرے اِک چھینٹے سے اے ابرِ بہاری ان دنوں
سبز ہے شاداب ہے سیراب ہے گلزار دل

جس طرح آتشی شیشے کی سوزش کے اثر سے کاغذ جل اٹھتا ہے یا چقماق کی رگڑ سے آگ پیدا ہوجاتی ہے۔ ان ربانی آئینوں (اہل دل کے قلوب) کے مقابل جو دل بھی شوق و طلب و عزیمت اصلاح و عمل لیکر آتا ہے۔ وہ نسبت الٰہی

سے منور و ایمان و تقویٰ کے نور سے مصفّٰی و متجلی ہوجاتا ہے بقول عارف رومیؒ ؎

ہیں کہ اسرافیلِ وقت اند اولیاؒ
مردہ را از ایشاں حیات است و نما
جانہائے مردہ اندر گور تن
بر جہد ز آوازِ شاں اندر کفن

اہل اللہ کے قلوب بھی خدا جانے کیسی قوت رکھتے ہیں جن کی ایک ہی نظر زندگی کو پلٹ دیتی ہے۔

اک نظر میں کچھ سے کچھ ہے میری دنیائے حواس
ہوش جو تھا بیہشی ہے بیہشی اب ہوش ہے (سید الملۃؒ)

سیّدی حضرۃ الشیخ قدس سرہ کی خدمت میں ایک خادم نے عرض کی۔ "حضرت دردِ دل کس طرح حاصل ہو" فرمایا:۔

جو آج لذّت دردِ نہاں کا جویا ہے — وہ پہلے سوز سے دل کو تو داغدار کرے
ابھی تو مشق فغاں گنج میں ہزار کرے — اثر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے

پھر ارشاد فرمایا۔ محبت نہ ہونے کی حسرت بھی بڑی نعمت ہے ؎

محبت تو اے دل بڑی بات ہے — یہ کیا کم ہے اس کی جو حسرت ملے
یہی زندگی جاودانی بنے — جو آبِ حیات محبت ملے
ترے عشق کے غم کی دولت ملے — تو سارے غموں سے فراغت ملے

اس کے بعد فرمایا۔" اس کی خواہش ہو تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے

محبت خاصانِ خدا کے قلوب کا خاص نور ہے ...... " صحبت سے یہ چیز شدہ شدہ آپ میں بھی آجائیگی "

ایک مرتبہ فقیر نے دار منزل کے عزبتکدہ میں جو آج ہزاروں سینہ فگاروں[1] کا حریم شوق ہے۔ عرض کیا " حضرت والا، کیا کسی کا یہ کہنا صحیح ہے ع

نگاہ مستِ ساقی نے میری دنیا بدل ڈالی

فرمایا جی ہاں، سچ ہے، میرا بھی ایک شعر ہے ،۔

تیری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں   وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے

پھر متبسم نگاہوں سے اپنے مجموعۂ غزلیات " غزل الغزلات سے ایک دوسرا شعر نکال کر پڑھنے کو دیا۔

تیری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا

تیری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

یہ شعر پڑھ کر ساقی کی پر معنی نگاہیں فقیر کے چہرہ پر تھیں، اور اس کا دل تھا کہ اڑا جاتا تھا۔

شراب دیتے ہوئے اس پہ چشم ساقی تھی

سرور مے میں کہاں سب نشہ نگاہ میں ہے

مدہوشی و سکر کا یہ عالم شیخ کے اس ارشاد سے ہوش سے بدل گیا " آپ نے شعر پڑھ لیا "

---

[1] کیا عربی شاعر نے اسی وقت کیلئے کہا تھا

لاتدع الارواح والماء والبلاء   من الدار الا مایشوق ویشغف

(ہواؤں، پانی اور دیگر حوادثات زمانہ نے محبوب کے گھر (الدار) کا کچھ حصہ نہ چھوڑا سوائے اس (نشان) کے جو شوق شغف کو بڑھا تا رہے)

عرض کیا، جی ہاں، اور سرور دل وجان کی رگ رگ میں سرایت کرگیا۔
صحبت کی یہی تاثیر و اثر پذیری ہے جسکی بنا پر عارفِ رومی نے کہا ہے ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است
بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

یک زمانے صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی
چو بصاحب دل رسی گوہر شوی

مہر پاکاں درمیان جاں نشاں
دل مدہ الّا بمہر دل خوشاں

گذشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ کہ "سلوک وتصوف"، اور "سلسلۂ مشیخت و ارادت"، حقیقت میں تربیت وتزکیہ نبویؐ اور صحبتِ رسالت کے سلسلۂ جاریہ ہی کا نام ہے۔ تربیت واصلاحِ نفوس وقلوب کا یہ نبویؐ طریق نسلاً بعد نسلٍ صحبت کے ذریعہ پہلوں سے پچھلوں کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ اور فطرتی تربیت کے مطابق سابق سے لاحق اور ایک سے دوسرا راہ پاتا رہا ہے کہ ؎

ہیچ کس از خود بخود چیزے نشد ہیچ آہن خنجر تیزے نشد
ہیچ حلوائی نشد استاد کار تا کہ شاگرد شکر ریزے نشد
مولوی ہرگز نشد مولائے روم تا غلام شمس تبریزے نشد (جامی)

اس بناپر سلوک وطریق کی افادیت مسّلم او، اسکی ضرورت لابدی ہے۔ کہ اس کے مقاصد حسب درجات فرض یا سنت یا مستحب ہیں، اور اس کے ذرائع بعض منصوص اور بعض اجتہادی ہیں۔ اس لئے اس سے کلّی انکار کی عقلاً و شرعاً گنجائش نہیں، بلکہ اسکا اختیار و قبول علی القدر المراتب لازمی و ضروری ہے۔

سلوک فقہہ باطنی یا مستقل فن کی حیثیت میں

گذر چکا۔ کہ اسلام میں ظاہر و باطن کی کوئی تفریق نہیں۔ احکام ظاہری کی جان اعمالِ قلبی ہیں اور باطن کا نکھار و اصلاح ظاہری اعمال کی پابندی کے بغیر محض واہمہ خودفریبی اور حکمتِ تشریعی سے ناواقفیت ہے۔ دونوں لازم و ملزوم اور انسانی اصلاح کامل کے لاینفک اجزاء ہیں۔ تعلیم کتاب و حکمت (ظاہری اصلاح) اور تزکیہ (باطنی تکمیل) ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں تاہم دورِ صحابہ کے بعد جس طرح نبوت کی ظاہری تعلیمات علوم القرآن (تفسیر وغیرہ) علوم حدیث اور علوم فقہ کی صورت میں مدون اور مرتب ہوئیں اور ان میں سے ہر علم فن بن گیا۔ جسکی اپنی اصطلاحیں ہیں اور گو یہ فن اور اسکی اصطلاحیں اس نام اور اس معنی میں عصرِ صحابہ میں موجود اور مستعمل نہ تھیں۔ لیکن ان کی اصل موجود تھی۔ اس لئے ضرورت اور حقیقت پسندی کی بناء پر امت کے مزاجِ سلیم نے ان علوم کو ہر دور میں قبول کیا۔ اور انہیں تعلیمات نبوی ہی کی تشریح تبیین اور وضاحت تسلیم کیا۔ اسی طرح تزکیہ قلب باطنی اصلاح اور صفائی نفس کے نبوی علمی و عملی سلسلہ نے بھی ایک فن کی صورت اختیار کرلی جس کی اپنی اصطلاحیں اور طرق ہیں۔ اور یہ فن اپنے اصول و فروع میں حقیقتاً

اسلامی شریعت اور دعوت وارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک لابدی جزو اور ضروری حصہ ہے۔ جس کے ذریعہ تقدیر الٰہی تزکیہ اور صحبتِ نبوی کے فیضان کو جاری رکھے ہوئے ہے اور بقول حضرت ہجویریؒ

"شرعی علوم ظاہرہ اور یہ فن باہم کسی صورت متضاد نہیں، بلکہ ثانی اول ہی کی اصلاح وتکمیل کا نام ہے۔"

اب اس فن کو اور اسکے ماہرین کو جس نام سے بھی پکارا جائے اس حقیقت سے اختلاف کی گنجائش نہیں کہ اصل فن ہدایت نبوی کے شجر طوبیٰ کی عظیم شاخ ہے جسمیں فنی ضرورت نے خاص اصطلاحات اور عملی مجبوریوں نے خاص مجاہدات کو ناگزیر کردیا ہے۔ لیکن یہ بات بے محابا اور وانشگاف الفاظ میں کہنی ضروری ہے۔ کہ حقیقی اور شرعی سلوک میں کسی غیر شرعی مجاہدہ اور ریاضت کی قطعاً گنجائش نہیں۔ فن کی حقیقت اور اصطلاحات کو سمجھے بغیر اس فن شریف کے متعلق رائے قائم کرلینا تقبیح ناشناس کی بدترین مثال ہے۔ اس بارے میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی ضروری ہے۔ کہ یہ فن نظری سے زیادہ عملی ہے۔ اِس لئے اس کے سمجھنے کیلئے فن کی کتابوں کا مطالعہ ہی کافی نہیں۔ بلکہ کسی صاحبِ ماہرِ فن کی صحبت اور اس کے زیر ہدایت اس کی تعلیمات کی عملی مشق وممارست بھی لازمی ہے۔ جس طرح حضرات محدثینؒ اپنے فن میں کامل ہوتے ہیں۔ اور حدیث اور اس کے متعلقات، طرق ومشکلات علل ورجال اور دگر متعلقہ امور میں ان کی نظر اور فیصلہ ہی کو قابلِ اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ یا جیسے حضرات مفسرین کرام قرآن کریم کے غوامض ومطالب، سیاق وسباق، شانِ نزول وناسخ ومنسوخ اور اصول تفسیر وقرآنی لغات وغیرہ کے متعلق سند کا

درجہ رکھتے ہیں۔ اور انکی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح ہر فن کے سمجھنے کا منصفانہ عقلی اور صحیح طریقہ ہی یہ ہے۔ کہ اس فن کے مستند ماہرین سے رجوع کیا جائے اور ان سے اس فن کی حقیقت سمجھی جائے کہ استفادہ اور تکمیل فن کا یہ طریق جملہ دنیوی اور اُخروی علوم میں جاری اور رائج ہے۔ اسی طرح عقل وفطرت سلیم کا اقتضایہ ہے کہ تزکیہ اور علوم باطنی کی تحصیل کیلئے اس کے ماہرین سے استفادہ کیا جائے کہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ تزکیۂ باطن اور اصلاح نفس کا نبوی طریقہ ومنہاج جب ایک فن کی حیثیت اختیار کر چکا۔ اسے اب ہم تصوف وسلوک کے نام سے یاد کریں، یا فنِ حصولِ احسان وتقویٰ کے نام سے پکاریں۔ یا فن اخلاص کا اور طریقِ تقویٰ کا نام دیں۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ صحبت نبوی کے فیوض وبرکات کے اجرا کا سلسلہ اور تزکیۂ باطنی کے فرائض ایک خاص فن کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں جن کی تحصیل وتکمیل اس فن کے آشناؤں اور ماہرین کی تعلیم وتربیت سے ہی ہوسکتی ہے۔ حضرت سید الملت قدس سرہٗ ایک مستفسر کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"حضرات محدثین رحمہم اللہ پر بحیثیت محدث ہونے کے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات وکمالات کے جاننے اور دوسروں کو سنانے کا فرض عائد ہے۔ یعنی (بحیثیت ٹھیٹ محدث) ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ بتائیں۔ کہ ان حالات وکمالات کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک فن ہوگیا ہے جس طرح فقہ اور کلام اور فرائض وتفسیر وحدیث ایک ایک مستقل فن ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحیں ہیں۔ اس کی علمی و

نظری شکلات ہیں۔ جن کے سمجھانے کیلئے فقہا، مفسرین، محدثین اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح فنِ سلوک کیلئے سالکین کاملین کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس فن کی عملی وعلمی دقتوں کو رفع کریں۔

...... یہ رسمی بیعت جو ایک مدت سے رواج پذیر ہے۔ یہ محض رسم وعرف ہے۔ اور جس کا مقصد یہ ہے۔ کہ پیر و مرید کا باہمی معاہدہ ہے۔ کہ پیر اپنے علم کے مطابق تعلیم و تربیت اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید اس کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے گا۔ اور اس کی اصل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عمل میں ہے۔ کہ آپ کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر بیعت لیتے تھے۔ تاکہ جن سے بیعت لیجائے۔ ان میں اس معاہدہ کی اہمیت ہو۔ اور وہ اس کی تعمیل میں پوری ہمت صرف کریں۔ اور ان کو یہ خیال رہے۔ کہ میں نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے۔ اس کے خلاف کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو۔ اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے اس سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ اور یہی عقیدت و محبت اس کے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے امور کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔ یہی اس بیعت کا حاصل ہے۔ شیخ اپنے سلسلہ کے ارادتمندوں کو امور خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے۔ ان کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے۔ اور سالک کے ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے۔ مثلاً غرور بری چیز ہے۔ اب یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے۔ اور غرور

کہتے کس کو ہیں۔ اور اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ اور آیا ہمارا فلاں کام غرور کی حد میں داخل ہے کہ نہیں۔ اس کا جواب نہ خالص محدث دے سکتا ہے۔ نہ خشک فقیہ ان کو حل کر سکتا ہے۔ نہ مفسر بتا سکتا ہے اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کر سکتا ہے۔ اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے وہ شیخ طریقت ہے جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو، مفسر بھی ہو، یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے۔ نہ ہو تو حرج نہیں مگر متبع ضرور ہو۔ جس نے اپنے بزرگوں سے ان کو سیکھا۔ اور جانا ہے۔ یا اس نے خود کتاب و سنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے اور عمل کر کے اس رتبہ پر پہنچا ہے کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک و صاف ہو گیا۔ اور دوسروں کو بھی اپنی تعلیم و صحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے۔"

صوفی اور تصوف کا لفظ ہمارے اس بیان میں صوفیہ سے مراد رسمی صوفی نہیں۔ جو درحقیقت دکاندار ہیں۔ بلکہ وہ متبعین سنت مراد ہیں جنہوں نے علماً و عملاً اس راہ کا کمال حاصل کیا ہے اور منزل مقصود تک پہنچے ہیں۔ صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی، بعض لوگوں کو بھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے جو لفظی بدعت ہے جس طرح تفسیر و مفسر، حدیث اور محدث، فقہ اور فقیہ کی اصطلاحیں ان کے خاص جدید معنوں میں صحابہ کے عہد میں مروج نہ تھیں۔ یہ لفظ اس زمانہ میں اگرچہ بولے گئے ہیں اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہیں۔ مگر ان کے اصطلاحی معنی ان سے مختلف ہیں یہی حال

تصوّف اور صوفی کا ہے۔ خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو، یعنی پشمینہ پوشی سے جو زہد کی علامت تھی۔ یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیاسوفی سے آیا ہو۔ لفظ کی بحث نہیں۔ تاہم یہ لفظ بے شبہہ بدعت ہے۔ یعنی بنا ہے۔ اور باہر سے آیا ہے۔ مگر اس کی حقیقت بدعت نہیں۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اس کو اخلاص کہیئے اور حدیث کی رو سے اس کو احسان کا نام دیجئے اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہیئے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

یہ امر بے شبہہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون میں غیر جگہوں سے چیزیں آکر شامل ہوئی ہیں۔ مثلاً فقہ کیلئے اصول فقہ تیار ہوگیا۔ اور قیاس نے ایک فنی صورت اختیار کرلی، علم کلام وعقائد میں فلسفہ داخل ہوگیا۔ اور منطقی و فلسفی دلائل وحجج وبراہین کا شیوع ہوا۔ اسی طرح علمِ احسان واخلاص میں بھی بعض باتیں باہر سے آگئی ہیں۔ جن کو خواہ تدبیر کے درجہ میں لاکر مان لیا جائے۔ یا ان سے بھی احتیاطاً پرہیز برتا جائے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں۔ مگر اس سے اصل فن پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس فن کی جو اصطلاحیں نئی ہیں۔ وہ افہام وتفہیم کی سہولت کی خاطر اختیار کی گئی ہیں۔ ان سے بھڑکنا حماقت ہے۔ جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے تو اصطلاحات سے چارہ نہیں ہوتا۔

اب اس فن کے مسائل پر آیئے۔ مسائل اولین یہ ہیں۔

رذائل کیا کیا ہیں۔ ان رذائل کی حقیقت ازروئے قرآن وحدیث کیا ہے۔ اور ان رذائل کی بیخکنی کیونکر ہو۔ ان کے بالمقابل فضائل کیا ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے۔ اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں۔ ہم غیبت سے کیونکر بچیں۔ ریا سے

کیونکر محفوظ رہیں۔ جھوٹ بولنا کیونکر ہم سے چھوٹ جائے۔ اور اس کے بالمقابل صدقِ مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو، توکل، صبر و شکر، استقامت کیسے حاصل ہو، ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کیسے بیٹھے۔

وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (خدا کی طرف سب سے کٹ جا) اور
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ۔

(ترجمہ:۔ ایسے لوگ جن کو بیع و فروخت وغیرہ دنیا کے اشغال خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے) یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہو۔ اور ان فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے نماز میں قنوت یعنی خوف و خشوع کیونکر پیدا ہو۔ اکل حلال کیا ہے۔ تقویٰ کیسے حاصل ہو ایمان باللہ تعالیٰ کیونکر قوی ہو۔ دوام ذکر کیسے حاصل ہو۔

یہاں تک تو میں نے نفس فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ اور ان غلطیوں کو دور کرنا چاہا ہے جو عام لوگوں میں شائع ہیں۔"

اس تحریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اصلاح باطن، اور تزکیہ کا فن مستقل حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ جس کے مسائل کا مستقل دائرہ ہے اور اس کے ماہرین ہی اسے کماحقہٗ جانتے اور عملاً حل کر سکتے ہیں۔

غیر شرعی سلوک یا عجمی تصوف

سلوک کے مستقل فن بن جانے سے جہاں علمی و عملی لحاظ سے گوناگوں فوائد حاصل ہوئے وہاں مرور ایام سے چند در چند قباحتیں بھی در آئیں۔ قرون اولیٰ کے بعد جب اسلامی تربیتی نظام پر اضمحلال آیا۔ اور اسلامی جامعیت اسلامی

معاشرہ اور جماعت میں روز بروز کم ہونے لگی اور بجائے جماعت سے جماعت کے متاثر ہونے کے افراد کاملین پیدا ہونے لگے۔ جو اسلامی احکام و تعلیمات کے ظاہر و باطن کے جامع تھے اور ارشاد و تربیت کے نبوی فرائض کو بدرجہ احسن پورا کرتے تھے۔ لیکن سلوک کے مستقل فن بن جانے کے بعد اصحاب کاملین کے علاوہ متصوفین کا ایک ایسا طبقہ بھی وجود میں آنے لگا۔ جو باطنی علوم کا مدعی تھا۔ لیکن شریعت مطہرہ کے علوم و حکم سے ایک حد تک ناآشنا، اور اسلامی احکام سے ایک گونہ ناواقف تھا۔ کتاب وسنت کے نور و برکات سے خالی ہونے کی بنا پر شریعت وطریقت کی دوئی کا فسانہ تراشا گیا۔ جس نے رفتہ رفتہ ایک مہلک نظریہ کی صورت اختیار کر لی۔ مزید برآں تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں غیر قوموں کے اختلاط، عجمی عناصر کے گھل مل جانے اور یونانی و ہندی فلسفہ خیالات کے اثر سے منہاج شریعت سے ہٹ کر تصوف کی دگر راہیں بھی رائج ہونے لگیں جس کی بنا پر ایک طبقہ سلوک کی حقیقت کو ہی گم کر بیٹھا، ناآشناؤں کو یہ 'عجمی پودا' نظر آیا۔ اور وہ اسلام میں 'سلوک وطریقت' کے وجود کے ہی منکر ہو گئے۔ غرض صحیح و اسلامی تصوف کے علاوہ 'تصوف' کے نام سے فلاسفۂ یونان و عجم کے لادینی و ملحدانہ تصورات نے عجمی "تصوف" کا ایک نظریاتی مدرسۂ فکر پیدا کر دیا۔

جو کبھی یونانی فلسفہ سے بہکا کبھی اس میں ایران و عجم کے اوہام نے بار پایا کبھی ہندی ویدانت و یوگ نے اسے متاثر کیا، تو کبھی مسیحی رہبانیت اس پر چھا گئی۔ یہی وہ نام نہاد عجمی تصوف ہے جس کا اسلامی تصوف سے موازنہ کرتے ہوئے علامہ ندوی

رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی لکھا تھا۔

"حقیقی تصوف جسکی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں۔ کہ زبان شرع میں اس کا نام احسان ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے۔ وہ تو درحقیقت مذہب کی روح، اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ مگر محاورہ میں تصوف اور خصوصاً عجمی تصوف ایک قسم کا فلسفہ ہے جس کو عجم نے اسلام کی بربادی کیلئے اختراع کیا۔" (رسالہ معارف دسمبر ۱۹۲۶ء صفحہ ۴۲۴)

یہ عجمی اور ملحدانہ تصوف، حکماء کی فلسفیانہ موشگافیوں، نوافلاطینیت اور یوگ و ویدانیت سے متاثر ہوکر الحاد و زندقہ کی بولی بولنے لگا۔ اور وحدۃ الوجود وغیرہ کی غلط تعبیرات سے صریح شرک اور علمی تعطل بن گیا۔ دوسری طرف جاہل صوفیا نے تصوف کی غلط تعبیرات کا ایسا صور پھونکا کہ اسکی تاریکی میں اصل تصوف کا نور گم ہوکر رہ گیا۔ احکام الٰہی کی کامل پابندی، سنن نبوی کا اتباع، فضائل اخلاق کا حصول، رذائل کا ترک اخلاص و عبدیت اور احسان و تقویٰ کی تحصیل، قرب و رضائے خداوندی کی لگن، توحید و یقین، محبت و خشیت ربانی کی طلب حضور و ذکر دوام کی فکر و دھن جو تصوف کے اصل عناصر تھے۔ نگاہوں سے گم ہوکر رہ گئے، اور عوام کی اعجوبہ پرستی اور متصوفین کی بے راہ روی نے کشف و کرامات، الہام و وجدانیات ہی کو اصل تصوف اور سلوک کا مقصد قرار دے دیا۔ حالانکہ ان چیزوں کو مقاصد تصوف میں کوئی دخل نہیں۔ یہ صرف انفعالات اور مجاہدات کے ثمرات عاجلہ اور محض راہ کے تماشے ہیں جو اگر کتاب و سنت کے مطابق ہوں۔ تو محمود ہیں۔

لیکن مقصود نہیں۔ کہ اصل مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جو صرف عقائد حقہ اور اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہے۔ اور ان اشیاء (کشف و کرامات وغیرہ) کو رضا و قربِ الٰہی میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ چیزیں مانع طریق اور تنزل کا سبب بن جاتی ہیں۔ کیونکہ سالک ان "بزرگانہ اوہام" "نورانی حجابات" اور "پاکیزہ شعبدوں" میں اس طرح الجھ کر رہ جاتا ہے۔ کہ اصل مقصد بلکہ بسا اوقات راستے ہی کو گم کر دیتا ہے۔ اور تمام عمر ان شعبدہ بازیوں میں سرگرداں اور ان کو حق کا نشان اور رضائے الٰہی کا ثمرہ و انعام سمجھ کر گمراہی اور جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے۔ ؎

رہا نہ حلقہ صوفی میں سوزِ مشتاقی   فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ان تمام غیر شرعی عقائد و اعمال کو ناجائز اور ان رسوم و قیود فلسفیانہ تعبیرات و خیالات کو جو کہ بیرونی اثرات کی بنا پر تصوف میں داخل ہو گئے ہیں۔ سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم سے مذاقاً ارشاد فرمایا۔ "آپ کو فقیری کا ایک آسان نسخہ بتادوں۔" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ "فرمایا۔ دو پیسے کا گیروا رنگ لے لیجئے۔ اور ان سے اپنے کپڑے کو رنگ لیجئے۔ اور اگر ایک ٹیڑھا ساڈنڈا مل جائے تو اور بھی اچھا ہے۔ اور 'ھو حق' کرنی شروع کر دیجئے۔ ہو گئی فقیری! ..... پھر نہایت درد سے فرمایا۔" جاہل اور بازاری صوفیوں نے تصوف کا ناس کر دیا۔" ایک مرتبہ لطائف ستہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ "تصوف جو سراسر عمل تھا اُسے فلسفہ بنا دیا اور یہ یونانی اثر کی بنا پر ہوا" فرماتے تھے۔ اس وقت دنیا میں تین قسم کا تصوف ہے۔ ایک ملحدانہ (یا فلسفیانہ) تصوف، دوسرا

عامیانہ یا بازاری تصوف، تیسرا صحیح اور اسلامی تصوف اور وہی حق ہے۔"

فلسفیانہ تصوف حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ نے اپنی محققانہ کتاب "خیام" میں "حکیم صوفی، عمر خیام کے مذہب کی تحقیق کرتے ہوئے "فلسفیانہ تصوف" پر جو تبصرہ فرمایا ہے۔ وہ پرانا (۱۹۳۰ء کی تحریر) ہونے کے باوجود تاریخی بصیرت، اعماقِ نظر، دقیقہ رسی اور نکتہ فہمی کا نمونہ ہے۔ ارقام فرماتے ہیں:-

"میں نے اوپر کہا ہے، کہ فلسفیانہ تصوف، فلسفہ سے باہر نہیں۔ اصل یہ ہے۔ کہ تصوف کا لفظ اب مدت سے دو معنوں میں بولا جاتا ہے۔ یا یہ کہو۔ کہ تصوّف کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مذہبی تصوّف اور دوسرا فلسفیانہ تصوّف، مذہبی تصوّف سے مقصود مذہبی روح یعنی اخلاص، محبت، زہد، تقویٰ، عبادت اور شریعت پر سنّتِ نبوی کے مطابق عمل ہے اور اسی کا نام حدیث کی اصطلاح میں "احسان" ہے۔ پہلی اور دوسری صدی میں زہّاد اور عبّاد اسی قسم کے تھے۔ عام مسلمانوں سے الگ ان کے کچھ خاص عقائد اور خیالات نہ تھے۔ وہ فلسفہ سے بھی ناآشنا تھے۔ وہ صرف قرآن و حدیث سے توغل رکھتے تھے۔ اور روزہ، نماز، تلاوت قرآن اور نوافل ان کا شب و روز کا شغل تھا۔ اور اخلاص عمل اور خلق کی خدمت پر ان کے ہاں سب سے زیادہ زور تھا۔

اور فلسفیانہ تصوّف سے مقصود الٰہیات کے متعلق حکیمانہ خیالات

رکھنا اور فلاسفہ کی طرح خشک زندگی اختیار کرکے، انکی اخلاقی تعلیمات
پر عمل کرنا ہے۔

پہلے تصوّف کا مرکز خیال نبوّت ہے۔ اور اس میں انبیاء کے احوال
کی پیروی ہوتی ہے۔ اور دوسرے تصوّف کا مرکز 'حکمت' ہے اور اس
میں فلاسفہ اور حکماء کے احوال کی پیروی کیجاتی ہے۔ وشتان بینھما۔

خیام کا تصوّف مذہبی نہیں۔ بلکہ حکیمانہ تھا۔ یعنی اس کے سامنے انبیاء
کے احوال نہیں۔ بلکہ حکماء کے حالات تھے۔ اور انہیں کے خیالات
تھے۔ تصوّف کی ان دونوں قسموں میں امتیاز نہ کرنے کے سبب سے
اسلامی تصوّف کے مغربی مصنفین کو بہت کچھ اختلاط اور التباس پیش
آیا ہے۔ عملی تصوّف کا آغاز تو اسلام میں زہد و ترکِ دنیا میں غلو سے ہوا۔
لیکن بعد کو اس میں جو نظری تصوّف داخل ہوا۔ جس میں خاص خیالات،
خاص عقائد اور ایک خاص قسم کے فلسفہ کی آمیزش تھی۔ وہ جدید
افلاطونی سکول کی تعلیمات تھیں۔ جو اسلام کے خالص تصوّف میں
تیسری صدی کے اواخر سے شامل ہونے لگیں۔ یہی وہ تصوّف
ہے۔ جسکو ہم "فلسفیانہ تصوف" کہتے ہیں۔"

اس فلسفیانہ تصوّف کا ماخذ، یونان کا اشراقی اور اسکندریا کا افلاطونی سکول
ہونا بعض قدیم مسلمان حکماء کے نزدیک بھی مسلّم تھا۔ چنانچہ مشہور حکیم ابوریحان
بیرونی المتوفی سنہ ۴۴۰ھ کہتا ہے۔

وکان فیھم من یری ان   ان حکیموں میں بعض ایسے تھے جو

الاشياء كلها شئ واحد، ثم
من قائلٍ فی ذلك بالكمون
ومن قائل بالقوة وان الانسان
مثلاً لم يتفصل عن الحجر
والجماد الّا بالقرب من
العلة الاولیٰ بالرتبة و
الّا فهو هو، ومنهم من
كان يری الوجود الحقيقی
للعلة الاولیٰ فقط لاستغنائها
بذا المتانيه وحاجة غيرها
اليها، وان ماهو مفتقر فی
الوجود الی غيره فوجوده
كالخيال غيرحق والحق هو
الواحد الاوّل فقط، وهذا
رای الصوفية وهم الحكماء
فان سوف باليونانية الحكمة
وبها سُمّی الفيلسوف پيلا سوپا
ای محب الحكمة، ولمّا ذهب فی
الاسلام قوم الی قريب من

سمجھتے تھے۔ کہ تمام اشیاء حقیقت
میں ایک ہیں۔ پھر ان میں بھی دو
فریق ہیں۔ ایک فریق اس کا قائل ہے
کہ ان اشیاء کی امتیازی صفت ان
میں چھپی موجود رہتی ہے۔ اور دوسرا
کہتا ہے۔ کہ اسوقت اُن میں موجود نہیں رہتی
رہتی بلکہ آئندہ اسکی استعداد ان
میں موجود رہتی ہے۔ مثلاً انسان
پتھر اور جمادات سے صرف اسلئے
ممتاز ہے کہ وہ علتِ اولیٰ (خدا) سے
رتبہ میں قریب ہے۔ ورنہ وہ بھی
پتھر اور جماد ہی ہے۔ ان میں بعضوں کی
یہ رائے تھی کہ حقیقی وجود صرف علتِ
اولیٰ کا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وجود میں
غیر کی محتاج نہیں۔ اور اسکے علاوہ
دوسرے موجودات اپنے وجود میں
اسکے محتاج ہیں۔ اور جو اپنے وجود
میں غیر کا محتاج ہو۔ اس کا وجود خیالی
ہے۔ اور حق نہیں ہے۔ اور حق وہی

رابہم سموا باسمہم ۔ | ایک اول ہے ۔ اور یہ رائے سوفیہ کی ہے اور وہی حکماء ہیں ۔ کیونکہ سوف ، یونانی میں حکمت ، کو کہتے ہیں ۔ اور
(کتاب الہند ص ۱۶ لیڈن)

اسی سے فیلسوف کو یونانی " پیلا سوپا " کہتے ہیں یعنی حکمت کا عاشق ، اور چونکہ اسلام میں بعض لوگ انکی رائے کے قریب ہو گئے ہیں ۔ اسلئے وہ بھی اسی نام (صوفیہ) سے پکارے گئے ۔

علامہ ابن تیمیہؒ المتوفی ۷۲۸ھ جو عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب دونوں کے امام تھے ۔ اپنے رسالہ فی السماع والرقص میں لکھتے ہیں ۔

وابن سینا احدث فلسفة	اور ابن سینا نے ایک فلسفہ پیدا
رکبها من کلام سلفه الیونانی	کیا جنکو اس نے اپنے پہلے کے
ومما اخذه من اهل الکلام	یونانی فلاسفہ اور (مسلمانوں میں سے)
المبتدعین الجهمیة ونحوهم	بدعتی متکلمین جہمیہ وغیرہ کے خیالات
وسلک طریق الملاحدة	سے ملا جلا کر بنایا تھا ۔ اور بہت
الاسماعیلیة فی کثیر من امورهم	سی علمی اور عملی باتوں میں وہ اسماعیلی
العلمیة والعملیة ، ومزجه	ملحدوں کے راستہ پر چلا اور کچھ
بشیء من کلام الصوفیة	باتیں اس میں صوفیہ کی ملا دیں جو
وحقیقته تعود الی کلام اخوانه	حقیقت میں اس کے ہم خیال اسماعیلی
الاسمٰعیلیة القرامطة الباطنیة	قرامطہ باطنیہ کے خیالات سے
فان اهل بیته کانوا من اتباع	ماخوذ تھیں کیونکہ ابن سینا کے

الحاکم الذی کان بمصر کانوا فی زمانہ، و دینھم دین اصحاب رسائل اخوان الصفا۔

(مجموعہ رسائل کبری ابن تیمیہ جلد دوم ص ۲۹۸ مطبعہ عامرہ شہرفیہ مصر)

اہلِ خاندان مصر کے حاکم بامر اللہ (فاطمی اسماعیلی) کے پیروؤں میں تھے یہ لوگ اسی کے زمانہ میں تھے۔ اور ان کا مذہب رسائل اخوان الصفا والوں کا مذہب تھا۔

حاجی خلیفہ چلپی کشف الظنون میں تصوف کے ضمن میں کہتا ہے۔

واعلم ان الاشراقیین من الحکماء الالٰھیین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح، خصوصاً المتاخرین منھم الا ما یخالف مذھبھم مذھب اھل الاسلام، ولا یبعد ان یوخذ ھذا الاصطلاح من اصطلاحھم کما لا یخفی علی من تتبع کتب حکمۃ الاشراق۔

اور جاننا چاہیئے کہ حکمائے الٰہیات میں سے اشراقی مشرباً و اصطلاح میں صوفیوں کی مانند ہیں خصوصاً ان میں سے پچھلے اشراقی، لیکن فرق صرف ان مسائل میں ہے جن میں اشراقیہ کا مذہب اسلام کے مذہب کے مخالف ہے۔ اور یہ کچھ بعید نہیں کہ یہ اصطلاح (تصوف) انہی کی اصطلاح (سوف) سے ماخوذ ہو۔ جیسا کہ یہ اس شخص سے چھپا نہیں جس نے اشراقی فلسفہ کی کتابیں دیکھی ہیں۔

خیر یہ لوگ تو حلقہ تصوف سے باہر کے ہیں۔ شیخ فرید الدین عطار جو مشہور صوفی

ہیں۔ اپنے تذکرۃ الاولیاء میں شیخ ابوالحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ اور شیخ ابوعلی سینا المتوفی ۴۲۸ھ کی باہمی ملاقات کے تذکرہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"تابعد ازاں طریقت (تصوف) بفلسفہ کشید، چنانکہ معلوم ہست"

(ص ۲۰۷ گب، نصف ثانی)

دبستان المذاہب کا مصنف، فانی کشمیری المتوفی ۱۰۸۱ھ جو خود اسی فلسفیانہ تصوف کی شراب سے بدمست تھا۔ صوفیہ کے عقائد کے ضمن میں ایک عارف کی زبان سے نقل کرتا ہے۔

"از عارف بحق سبحانی، نامہ نگار شنیدہ: کہ در عقائد صوفیہ صفیہ ہمانست کہ اشراقیاں راست۔ صوفیہ اکنوں عقائد برمز و اشارات درآمیختہ اند، تا نااہل در نیابد، بر سنت انبیاء و اولیاء و قدمائے حکماء (ص ۳۱۸ بمبئی)

ان حوالوں سے یہ واضح ہے کہ فلسفیانہ تصوف، فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات اور اخوان الصفا کی تاویلات ایک ہی سرچشمہ کی دھاریں ہیں (خیام ۳۱۲ تا ۳۱۸)

فلسفیانہ تصوف کا آغاز

حضرت سید الملت قدس سرہ کے نزدیک اسلام میں حکیمانہ یا فلسفیانہ تصوف کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہوا ہے۔[1] چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] مشہور فرانسوی مستشرق مسنیان (Massignon) بھی چوتھی صدی ہجری تک تصوف کو بیرونی اثرات سے بری سمجھتا ہے۔ اور اسے بنیادی طور پر اسلامی جانتا ہے جو قرآن کے گہرے مطالعہ اور اسکے معانی پر غور و فکر کا نتیجہ ہے دیکھو نکلسن (A Literary History of Arabs) صفحہ ۲۸۱

علوم حکمت کا مسلمانوں میں شیوع تھا۔ تیسری چوتھی صدی ہجری میں یونانی اور دیگر فلسفیانہ علوم نے مسلمانوں پر اپنا سایہ ڈالا۔ تو جہاں دوسرے طبقات و علوم متاثر ہوئے صوفیا کا ایک طبقہ جو فطرۃً یا اکتساباً فلسفیانہ ذہن رکھتا تھا۔ یونانی الٰہیات و عجمی نظریات و حکمت کے پیچاک میں الجھ کر رہ گیا۔ یا فلاسفہ کا وہ طبقہ جو تصوف و سرّیت کی طرف طبعی میلان رکھتا تھا۔ نام نہاد فلسفیانہ تصوف، کا علمبردار بن گیا۔ اور خالص اسلامی سلوک سے علیحدہ ایک نظریہ، طرز فکر و ریاضت کی طرح ڈالی جو حکیمانہ موشگافیوں، فلسفیانہ نظریات اور نو افلاطونی مشائی و رواقی ریاضات کا مجموعہ تھا۔ درحقیقت فلسفی صوفیہ، مسلمان فلاسفہ، یا حکمائے اسلام کی ایک شاخ ہیں جو اسلام میں فلسفۂ یونان و عجم کے نمائندے تھے، علوم قدیمہ اور فلسفہ یونان ان کا خاص فن تھا۔ اور وہ فلاسفہ کی تعلیمات کو اصل و حقیقت جان کر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو ان کے مطابق ثابت کرتے تھے۔ اور دونوں کو حق جان کر ان میں تطبیق دیتے تھے۔ اسلام میں ان حکماء کے ظہور و شیوع کا مسئلہ فلسفیانہ تصوف، اور فلسفی صوفیہ، کے آغاز کے سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔ اِس لئے حکمائے اسلام، کے آغاز کے متعلق حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق و تحریر نقل کی جاتی ہے۔ ارقام فرماتے ہیں :-

"اسلام سے پہلے حرّان واقع عراق میں کچھ حکماء کا گروہ تھا۔ جو "حکیمانہ" تصوف کا آغاز دیلمیوں کے زیر سایہ ہوا جو ۳۲۱ھ سے ۴۲۹ھ یعنی سلجوقیوں کی پیدائش تک برسر عروج رہے" عمر خیام صفحہ ۲۳

اس حکیمانہ و فلسفیانہ تصوف کے اسلام میں پیدا ہو جانے کا بڑا سبب یونانی

ایک طرف ایرانی اور دوسری طرف مصری و یونانی فلسفہ میں ماہر تھا
اس قسم کا گروہ اسکندریہ (مصر) میں بھی موجود تھا۔ جو ایک طرف
عیسائی اصول اور دوسری طرف یونانی فلاسفہ کے خیالات سے متأثر
تھا۔ اسلام آیا۔ تو اس سیلاب میں سب ہی غرقاب ہو گئے۔
عباسیہ نے جب عراق کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ اور علوم و فنون کے
ترجموں کی طرف توجہ ہوئی۔ تو اِس گروہ کے نصیب جاگے۔ ان
میں حرّان کے صابی اور سریانی پیش پیش تھے۔ اسلام سے متأثر
ہو کر وہ اصول تطبیق جو وہ ایرانی، عیسائی اور دوسرے مذاہب اور
فلسفیانہ خیالات کے درمیان برت چکے تھے۔ وہی اسلام کیساتھ
برتنے لگے۔ انہیں کے مسلمان ہم خیالوں کے نام 'حکمائے اسلام'
قرار پایا۔ ان حکماء کی شریعت کا سب سے مکمل صحیفہ اخوان الصفا کے
۵۱ رسائل ہیں۔ نیز یعقوب کندی الموجود ۲۲۲ھ فارابی المتوفی ۳۳۹ھ
ابو علی سینا المتوفی ۴۲۸ھ اور ابن مسکویہ المتوفی ۴۲۱ھ کی تصنیفات
ہیں۔ یعقوب کندی کی تو کوئی فلسفیانہ کتاب ملتی نہیں۔ مگر فارابی ۳۳۹ھ
کے رسائل اور خصوصاً اس کا رسالہ فصوص اس فرقہ کے خیالات کا
آئینہ دار ہے ...... فارابی کے بعد ابو علی سینا کی الٰہیات شفا و
اشارات اور ابن مسکویہ کی الفوز الاکبر و الاوسط و الاصغر اور کتاب
الطہارت وغیرہ کتابیں ہیں۔" (خیام صہ ۳۰۲، صہ ۳۰۳)

اِس "حکمائے اسلام" یا "مسلمان فلاسفروں" کی جماعت کا مقصد "عقل و نقل"

اور مذہب و فلسفہ میں تطبیق تھا۔ ان کے خیال میں حکماء کے آرا اور انبیا کی تعلیمات یکساں صداقت پر مبنی ہیں۔ اور دونوں برابر کی سچائیاں ہیں، پیغمبروں کی تعلیمات میں اگر کوئی ایسی بات ہے۔ جو بظاہر عقل کے خلاف ہے۔ تو اسکی تاویل کر کے اسکے معنیٰ کی تشریح اسطرح کیجائے کہ وہ عقل و فلسفہ کے مطابق ہو جائے۔ یہ فرقہ اسلامی عقائد کی تشریح فلسفیانہ مذاق کے مطابق کرتا تھا۔ اور حکمائے یونان اور انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی تنہ کی دو شاخیں تسلیم کر کے ان دونوں کی تعلیمات میں تطابق پیدا کرتا تھا" (خیام صفحہ ۲)

چنانچہ رسائل اخوان الصفاء کے مصنفین لکھتے ہیں۔

"......... ہمارے معزز اہل علم بھائیوں کا مذہب یہ ہے۔ کہ ان شرعی اور عقلی دونوں علوم میں غور کریں۔ اور دونوں کی حقیقتوں کو کھولیں یعنی علوم حکمت (فلسفہ) اور علوم نبوّت دونوں کی..... پھر جان لے کہ علم حکمت اور علم شریعت دونوں خدائی علم ہیں، غرض اور مقصودِ اصلی میں دونوں متفق ہیں۔ اور جزئیات میں مختلف ہیں۔ یعنی یہ کہ فلسفہ کی برتریں غرض جیسا کہ کہا گیا ہے۔ یہ ہے کہ انسانی قوت کے مطابق صفات الٰہی سے تشبہ پیدا کیا جائے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے سارے رسالوں میں بیان کیا ہے .... اسی طرح نبوت اور شریعت کی غرض بھی نفس انسانی کی تہذیب و اصلاح، اور اس دنیائے کون و فساد کی جہنم سے اسکو رہائی دینا اور دنیائے آسمان کی جنت اور اہل جنت کی نعمت تک پہنچانا ہے .... یہ دونوں کی متحدہ غرض ہے۔

اور یہی علوم حکمت اور شریعت دونوں کا واحد مقصود ہے۔"

(ص ۳۲۹ ج ۲ ، ص ۳۳ ج ۲) (خیام ۔ ص ۳۰۹ ، ص ۳۱۰)

گذر چکا کہ انہیں 'حکمائے اسلام' کی ایک اہم شاخ 'صوفی حکماء' کی تھی۔ چنانچہ ان کا ایک نمائندہ صوفی حکیم عمر خیام ہے وہ جس تصوف کا مداح اور پیروکار ہے۔ اسکے اصول و فروع خدوخال، طرز و طریق، فکر و نظر انہیں مسلمان فلاسفہ کی بولی اور صدائے باز گشت ہے۔ چنانچہ وہ اپنے رسالہ کلیات الوجود کے آخری باب میں شناخت خداوندی کے چار طالب "طبقات متکلمین، فلاسفہ اور اسماعیلی باطنیہ اور اہل تصوف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے

بدانک کسانی کے طالبان شناختِ خداوند سبحانہ وتعالیٰ اند، چار گروہ اند، اوّل متکلمانند کہ ایشاں بجدل و حجتہائی اقناعی راضی شدہ اند و بداں قدر پسند کردند در معرفت باری عز اسمہ و دوم فلاسفۂ و حکما اند کہ ایشاں بادلّہ و عقلی صرف در قوانین منطقی طلب شناخت کردند، و ہیچ ادلّۂ اقناعی نہ کردند۔ لیکن ایشاں نیز بشرائط منطق وفا نتوانستند کرد و آزاں عاجز آمدند سیم اسما علیاں اند و تعلیمیانند کہ ایشاں گفتند کہ طریق معرفت جز اخبارِ خبرِ صادق نیست چہ در ادلّۂ معرفت صانع و ذات و صفات وے اشکالات بسیار است و ادلّہ متعارض، و عقول دراں متحیر و عاجز پس اول تر آں باشد کہ از قول صادق طلبند۔ چہارم اہل تصوف بودند کہ ایشان بتفکر و اندیشہ طلب معرفت نہ کردند، کہ بتصفیۂ باطن و تہذیب اخلاق، نفس ناطقہ را از کدورتِ طبیعت و ہئیات بدنی منزہ کردند، چوں آں جوہر صافی گشت و در مقابلۂ ملکوت افتاد، صورتہائے آں بحقیقت در آنجابنگہ پیدا شود (بے)، ہیچ شکے و شبہتے، و ایں طریق از ہمہ بہتر است (چہ معلوم شدہ است) کہ ہیچ کمال از حضرت خداوند منحول

نیست، و آنجا کہ منع و حجاب نیست، پس ہر آنچ آدمی را نبود از کدورتِ طبع باشد چہ اگر حجاب زائل شود و حائل و مانع دور گردد، حقائق چنانک باشد پیدا شود۔

(خیام ۴۲۲، ۴۲۳)

حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے خیام میں متعدد مقامات پر اس عبارت کو نقل فرما کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ ایک جگہ اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

" یہ اصول یہ طرزِ کلام، یہ اصطلاح تمام تر اسکندرانی اشراقی الٰہیات یعنی جدید افلاطونی حکما کی ہے اور بالکل یہی رنگ رسائل اخوان الصفاء میں جھلکتا ہے۔ اور یہی " فلسفیانہ تصوف " کی غایت ہے "۔ (خیام ص۳۱۹)

ایک دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں :۔

" اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ (یعنی خیام) متکلم حکیم نہ تھا۔ فلسفی حکیم بھی نہ تھا، اسماعیلی حکیم بھی نہ تھا۔ اگر تھا تو صوفی حکیم، اور اسی طریق کو وہ پسندیدہ اور صواب جانتا تھا۔ (خیام ص۳۱۲)

ایک دوسری جگہ اس عبارت کے شروع و آخر میں اس طرح اظہار رائے فرماتے ہیں

" اس رسالہ سے خیام کا دوسرا اصولی خیال یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ متکلمین کے مناظرانہ اور حکماء کی فلسفیانہ شعبدہ بازی اور نکتہ پروری کے طلسم کو بے اثر سمجھ چکا تھا اور تصوف کے دریچۂ اشراق سے جھانک تانک کے نظاروں کا اسکو چسکا پڑ رہا تھا .... اس آخری باب سے واضح ہے۔ کہ خیام متکلمانہ مناظروں، حکیمانہ دلیلوں اور حصولِ

تسکین کے اسماعیلی باطنی طریقوں سے تشفی نہ پاکر، تصوّف کے مشاہدات وانوار سے فیض چاہتا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خیام کے اس آخری باب میں جو کچھ اختصار کے ساتھ ہے۔ وہی امام غزالیؒ کی 'منقذمن الضلال' میں شرح وتفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ انہیں چار فرقوں کا ذکر ہے۔ اور امام کا ان چاروں پر بعینہ یہی تبصرہ ہے اور آخر متکلمین، حکماء، اسماعیلیہ کے دلائل وتلقینیات سے تسلی نہ پاکر صوفیہ کے گروہ میں داخل ہوجانے کا بیان ہے، اب یا تو اس زمانہ میں اکثر اہل نظر اسی ایک راستہ سے تصوف کے مقام پر پہنچے تھے۔ اس لئے خیّام وغزالی کی واردات یکساں ہیں۔ یا ایک کی اصلی اور دوسرے کی نقلی ہیں (امام غزالی نے یہ کتاب جو حقیقت میں ان کی سوانح اور وارداتِ قلبی ہیں، تقریباً پچاس برس کی عمر میں غالباً ۴۹۹ھ میں لکھی ہے اور ۴۸۸ھ سے ۵۰۰ھ تک کا زمانہ خیام کے اس رسالہ کلیاتُ الوجود کی تالیف کا ہے) (خیام ص ۲۰۴، ۲۰۵)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے، کہ عمر خیّام 'صوفی حکیم' تھا۔ اسلئے اسکے سوانح اور اس کا مسلک ومذہب 'صوفی حکماء' کے ایک کثیر طبقہ کے خیالات وطریق کی ترجمانی کرسکتا ہے، مزید برآں اسکے احوال ونظریات سے اسلام میں فلسفیانہ تصوف، کے آغاز ونفوذ کا معمہ ایک حد تک حل ہوسکتا ہے۔ اور انکی روشنی میں فلسفی متصوفین' کے افکار وطرقِ کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلئے خیام کو فلسفی صوفیہ، کی ایک بڑی جماعت کا نمائندہ اور فلسفیانہ تصوف کا حامل سمجھ کر مزید وضاحت

کیلئے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند تحریریں نقل کرتے ہیں۔ غالباً یہ طوالت و دراز نفسی بے محل نہ ہوگی۔ ارقام فرماتے ہیں۔

"خیام کے طریقہ و مذہب کی تفصیل اسکے قدیم سوانح نگار کاتب اصفہانی نے ان الفاظ میں کی ہے۔

"(خیام، خراسان کا امام اپنے زمانہ کا علامہ (تھا) یونان کا علم جانتا تھا۔ اور واحد جزا دہندہ کی طلب کی تلقین کرتا تھا۔ اعمال بدنی کی پاکی کے ذریعہ سے تاکہ نفس انسانی پاکیزہ ہو۔ اور یونانی فلسفیانہ اصول کے مطابق اخلاق کے اختیار کرنے کا حکم دیتا تھا (اخبار الحکماء قفطی ۲۴۴ سنہ لیپزگ)

"ان چند سطور میں خیام کی جو تصویر کھینچی گئی ہے۔ اس سے زیادہ اس کے خیالات کی کوئی صحیح تصویر نہیں مل سکتی۔ غور کرو۔ یہ وہی شریعت ہے جسکی تلقین اخوان الصفاء میں ہے اور جس کا اجمالی نقشہ ابوعلی سینا کی الٰہیات میں نظر آتا ہے۔ اور اُوپر جاؤ تو یونان کے خالص رواقی اور اخلاقی فلاسفروں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ اور بعد کو افلاطونِ الٰہی اور اسکندریہ کے مذہبی فلاسفروں کی تلقینات میں" (خیام صـ۱۳۱)

چنانچہ بقول سید الملۃ قدس سرہ کے :-

"خیام جس زہد و ورع اور پاکیزگی و طہارت کی دعوت دیتا ہے۔ وہ بھی مذہبی نہیں۔ بلکہ یونان و اسکندریہ کے زاہدِ خشک فلاسفروں کی تعلیم کے مطابق ہے۔ قفطی نے کاتب اصفہانی کے ذریعہ اس کے جو خیالات نقل کئے ہیں۔ ان کی حرف حرف تائید اس کے عربی شعر سے ہوتی ہے۔

اصوم عن الفحشاء جہراً وخفیۃ ۔ عفافاً وافطاری تبقدیس فاطری

ترجمہ:۔ میں علانیہ اور چھپی ہر برائی سے روزہ رکھتا ہوں (یعنی باز رہتا ہوں)۔
اپنی عفت اور پاکدامنی کی خاطر، اور میرا افطار یہ ہے۔ کہ اپنے خالق کی تقدیس کروں۔

غرض گناہ اور رذائل سے پرہیز وہ جنت کے حصول یا خدا کیلئے نہیں۔ بلکہ عفت نفس کے لئے کرتا ہے جس کا دوسرا اصطلاحی نام ان کے حکماء کے یہاں تکمیل نفس ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ نفس انسانی تمام تر ناقص ہے۔ اِس عالم امکان میں یہ اپنی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اسکی تکمیل علوم عالیہ اور اخلاق فاضلہ کے حصول سے ہوتی ہے۔ اور جو علوم اور اخلاق اسکو حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا نام ملکات نفسانیہ ہے یہی ملکات نفسانیہ مرنے کے بعد اس کی جنت یا دوزخ ہیں۔ اگر اچھے ملکات ہیں تو نفس کو سرور حاصل ہوگا۔ یہ جنت ہے اور اگر بُرے ہیں تو اس کو افسوس وحسرت وندامت ہوگی اور ہمیشہ کڑھتا رہے گا یہ اس کی دوزخ ہے۔"

.... اسلئے ظاہری بہشت کی طلب اور ظاہری دوزخ کے ڈر سے کسی کام کا کرنا حماقت ہے (العیاذ باللہ) (خیام - ص ۲۲۸ - ۲۳۰)

یہ تمام خیالات وافکار یونان واسکندریہ کے ملحد فلاسفروں کے ہیں" اسی طرح کمالات انسانی کی انتہا "معرفت" کو قرار دینا، جیساکہ خیام کے اس فقرہ سے ظاہر ہے۔ جو اس نے مرتے وقت کہا۔"

"خداوندا میں نے اپنے امکان بھر تیری معرفت حاصل کی۔ مجھے بخشدے۔"

میری یہی معرفت تیرے حضور میں میرا وسیلہ ہے" (بیہقی و شہرزوری)
اسی (حکما و فلاسفہ کے) مذہب و مسلک کی بولی ہے۔

معرفت کا راستہ خیام کے نزدیک ریاضت ہے۔ جیسا کہ اسکے رسالہ 'وصف للموصوف' میں ہے۔

فمن وجد نفسه من المقصرين	تو جو اپنے کو اس علم میں قاصر پائے
فی هذا العلم	.... تو
وعليه بالرياضة التامة والا۔	اس پر کامل ریاضت اور اللہ تعالی
ستعانة بحسن التوفيق من	کی حسن توفیق مانگنا واجب ہے۔
الله تعالیٰ۔	

یہ تعلیم بھی وہی کی ہے۔

خدا اور اسکی ذات و صفات اور نبوت و رسالت کے متعلق (صوفی فلسفی) خیام کے وہی حکیمانہ خیالات ہیں۔ جو اخوان الصفا کے رسالوں اور بو علی سینا کے اشارات و شفا میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ رسالہ کون و تکلیف میں اس نے خود ظاہر کیا ہے فیثاغورث کے مسئلہ عدد سے بھی اس کو دلچسپی ہے، جس کو اس نے اپنے رسالۂ کلیات الوجود میں ذکر کیا ہے، اس مسئلہ کے ساتھ رسائل اخوان الصفا کے مصنفین کو بھی وہی عقیدت تھی۔ جس کا ذکر انھوں نے اپنے رسالۂ حساب میں کیا ہے۔

اس کی حکیمانہ توحید اور ارواح و ملائکہ کی حقیقت کا بیان اس رباعی میں ہے،

حق جان جہاں ست و جہاں جملہ بدن　　ارواح و ملائکہ حواس ایں تن
افلاک و عناصر و موالید اعضا　　توحید ہمیں است، دگر ہمہ فن

دوسرے حکماء کی طرح وہ بھی انسانیت کا کمال معرفت کو جانتا تھا۔ چنانچہ اپنی موت کے وقت جو دُعا اسکی زبان پر تھی، وہ یہ تھی۔

اللّٰھم تعرف انی عرفتك علی	خداوندا تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے
مبلغ امکانی، فاغفر لی فان	امکان بھر تجھکو جانا، تو مجھے بخشدے
معرفتی ایاك وسیلتی الیك	کہ میری یہی معرفت تیرے حضور
(بیہقی وشہرزوری)	میں میرا وسیلہ ہے۔

اُس کی ایک رباعی سے بھی اس کا یہ خیال ثابت ہوتا ہے، کہتا ہے۔

روزے کہ جزائے ہر صفت خواہد بود
قدرِ تو بقدر معرفت خواہد بود

اس سے زیادہ وضاحت ایک اور دوسری رباعی میں ہے۔

ساقی مے معرفت مرا مکرمت است — در شرب بے معرفتاں معصیت است
بے معرفت آدمی چہ کار آید، ہیچ — مقصود ز آدمی ہمیں معرفت است

اس دعاء کے ان الفاظ سے کہ "میں نے تجھکو امکان بھر جانا" یہ اشارہ ملتا ہے۔ کہ وہ خدا کی کلی معرفت کے امکان کا قائل نہ تھا۔ اور سمجھتا تھا، کہ یہ انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ یہ عقیدہ اس کی ایک رباعی میں اس طرح ادا ہوا ہے۔

کنہِ خردم درخورِ اثباتِ تو نیست — واندیشۂ من بجز، مناجاتِ تو نیست
من ذات ترا بواجبی کے دانم — دانندۂ ذاتِ تو بجز ذاتِ تو نیست

خدا کے عالم کل ہونے کا بھی وہ قائل تھا۔ اس کی حسب ذیل رباعی میں یہ خیال کس خوبی سے ادا ہوا ہے۔

سرم ہمہ دانائے فلک می داند ۔ کو موی بموی ورگ برگ میداند
گیرم کہ برزق خلق رابفریبی با اوچہ کنی کہ یک بیک میداند

رسالہ کون میں خدائے تعالیٰ کا نام جس کو وہ الحق ۔ الاول ۔ الواجب ۔ الحق الاول وغیرہ الفاظ سے ادا کرتا ہے بڑے اہتمام و ادب سے لیتا ہے ۔ اور کہتا ہے ۔ کہ تمام ممکنات اسی واجب تعالیٰ کا فیضان ہے .... وہ خدا کو ہمہ خیر اور سراپا نیک تصور کرتا تھا ۔ اور یقین رکھتا تھا ۔ کہ اس کے تمام کام بھی خیر محض ہیں ۔ دوسرے رسالہ (ثلاثۃ اسئلۃ) میں کہتا ہے ۔ " اور میں ہر اس شخص کو جس کو حکماء میں سے سمجھتا ہوں ۔ یہ وصیت کرتا ہوں کہ وہ اس بارگاہ ربانی کو ظلم و شر سے پاک کرے ۔" ....

نبوت و رسالت کے معنی اسکے نزدیک اس شخصیت کاملہ کے ہیں ۔ جو سنت عادلہ لیکر اس دنیا کے امن و نظام کو قائم کرتی اور اہل دنیا کو ملوثات دنیا سے پاک کرکے حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتی ہے ۔ اور وہ روحانی قوتوں سے مؤید ہوتی ہے رسالۂ کون کے آخر میں اس نے نبوت و رسالت کی یہی تشریح کی ہے ۔ اور یہی فارابی کے رسائل اور بوعلی سینا کے اشارات میں ہے ۔

خیام جبر کا قائل ہے .... مگر یہ پیش نظر رہے ۔ کہ خیام کا جبر مذہبی استدلالات پر مبنی نہیں ۔ بلکہ فلسفیانہ دلائل پر مبنی ہے ۔ خود کہتا ہے ۔

نیکی و بدی کہ در نہاد بشر است شادی و غمی کہ در قضا و قدر است
با چرخ مکن حوالہ کاندر رہ عقل چرخ از تو ہزار بار بیچارہ تر است

یہ بالکل اس جدید افلاطونی فلسفہ مشائیہ کے مطابق ہے ۔ جسکی تشریح بوعلی سینا نے

لی ہے۔ گویا آسمان کی گردش ہی سے مادی دنیا کے تمام انقلابات ہیں، مگر آسمان اپنی گردش اور اپنے نتائج کے پیدا کرنے میں بالکل مجبور ہے۔ ....

خیام نے اس مسئلہ کی تقریر رسالۂ کلیات الوجود میں پوری طرح کی ہے اور سلسلۃ الوجود کو مفصل بیان کیا ہے ....

عقول، نفوس، افلاک، اور موالید ثلاثہ اس کے نزدیک مبدء اول (خدا) یا واجب الوجود اور ممکنات کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور اسکی معرفت کو وہ انسانیت کا ضروری جز جانتا ہے۔ چنانچہ کلیات الوجود میں کہتا ہے۔

"و ایں قاعدہ را سلسلۃ الترتیب خوانند، و مردم را مردمی آنگہ درست شود کہ ایں سلسلۃ الترتیب بشناسد و بداند کہ ایں جملہ ارباب متوسط اند، چونکہ افلاک و امہات و موالید، و علتِ وجود او اند، نہ از جنس او ایزد جل جلالہٗ (خیام صہ ۳۱۹ تا صہ ۳۲۸)

اِن اقتباسات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ کہ فلسفی صوفی خیام کسطرح فلاسفۂ یونان کی الٰہیات میں موشگافیوں اور رواقی، نو افلاطونی مشائی طرق کو دگر مسلمان حکماء کی طرح اسلامی عقائد و اعمال سے آمیز کرنے کی کوشش کر رہا تھا، گویا اسکا ذہنی قوام فلسفہ یونان کے تصورات ہی سے بنا تھا۔ اور وہ انہیں کو حق سمجھ کر اسلام کے پاک اور الٰہی نظریات کو ان کے مطابق سمجھ رہا تھا۔ اِس اجمال کی تفصیل اِسکے رسائل و کلام میں ملتی ہے۔ جسکا تذکرہ حضرت والا قدس سرہ نے خیام میں خوب شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ (دیکھئے خیام صہ ۱۸۳ تا صہ ۲۰۸)

غرض اسلامی عقائد کی فلاسفہ یونان کی الٰہیات کے رنگ میں توجیہہ اور

یونانی فلسفہ کے اصول کے مطابق طہارتِ نفس اور حسن اخلاق کی تعلیم اسکا مذہب تھا اور اپنے اسی فلسفیانہ تصوف کے راستہ سے اپنے مقصدِ توحید و معرفت تک پہنچنے کی دل میں امنگ رکھتا تھا۔ اور اسی نہج پر چلتے ہوئے اسی کی دعوت دیتا تھا۔

' فلسفی صوفیہ' کا کثیر طبقہ 'خیام' کی طرح یونانی فلاسفہ سے متاثر تھا۔ ان کے خیالات حکیمانہ اور اخلاق زاہدانہ تھے۔ یہ اسکندریہ کے افلاطونی حکیموں اور یونان کے رواقی فلسفیوں کی طرح اپنے حکیمانہ اصول و خیالات کے مطابق خشک فلسفیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ریاضات شاقہ کے ذریعہ سے تزکیۂ نفس اور ترقی روح کے مدارج ڈھونڈھتے تھے...... فارابی المتوفی ۳۳۹ھ ابن مسکویہ المتوفی ۴۲۱ھ اور شیخ الاشراق سہروردی المقتول ۵۸۷ھ وغیرہ اِسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔" (خیام ص ۳۰۱)

یونانی الٰہیات، نو افلاطونی نظریات، عرفانی، مشائی اور رواقی فلاسفہ کے طریقوں کے علاوہ اس فلسفیانہ یا ملحدانہ تصوّف میں ہندوستانی جوگ اور ویدانت، اور مسیحی رہبانیت کے بعض مجاہدات اور تصورات بھی شامل ہو گئے۔ اسطرح 'عجمی تصوف' کا اجنبی پودا اسلام میں در آیا۔ جسے دیکھ کر صحیح اسلامی سلوک' کے متعلق بھی طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوئیں۔ اور غلط فہمی اور التباس کی بنا پر اس ملحدانہ اور فلسفیانہ طرزِ فکر و عمل کو اصل اسلامی تصوف، سمجھ لیا گیا۔ اس بنا پر مستشرقینِ یورپ کے ایک بڑے طبقہ نے 'اسلامی تصوّف' کو بھی دیگر مذاہب سے ماخوذ اور فلسفہ یونان و عجم کا اثر و نتیجہ بتایا، اور حقیقتِ سلوک سے بیگانہ یگانے بھی تصوف سے متوحش اور بیزار ہو گئے حالانکہ ؎

ایں بدن تا آں بدن فرق است ژرف

اسلامی سلوک اور فلسفیانہ تصوف میں التباس کی وجہ

اس التباس کی ایک وجہ تو یہ تھی۔ کہ "حکیم صوفیہ" کا یہ طبقہ بہر حال مسلمان تھا۔ خدا اور رسول کا قائل تھا۔ دگر حکمائے اسلام کی طرح ان کے عقائد تھے، ایک حد تک نماز و دگر عبادات کا قائل و عامل تھا۔ خشک اور سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ ان کی تزکیۂ نفس کیلئے ریاضت شاقہ (گو فلاسفہ کے اتباع ہی میں سہی) صوفیائے کرام کے مجاہدات کے مماثل تھیں۔ اسلئے حقیقت نا آشنا ظاہر بینوں کو اگر اس تلمیع پر زرِ خالص کا دھوکہ ہوا۔ تو یہ تعجب کی بات نہیں۔ فلسفی متصوفین کا طرزِ فکر و عمل اور فلسفیانہ تصوف ہر چند دگر مذاہب و مکاتیب فکر سے ماخوذ ہو تاہم ایک ایسی جماعت کا عقیدہ و نظریہ اور مسلک و شعار تھا جو مسلمانوں ہی کا ایک گروہ کہلاتا تھا۔ اسلئے اگر بعض طبقات نے اس عجمی ملحدانہ تصوف کو اسلامی تصوف سمجھ لیا، اور فلاسفہ متصوفین، کو صوفیہ حقانی پر قیاس کرنے کی غلطی میں مبتلا ہو گئے تو حیرت کا مقام نہیں کہ ظاہری تشابہ اکثر غلطی کا سبب ہوا ہے۔

فن کی اصطلاحات کا نہ سمجھنا اسی تشابہ اور التباس کا دوسرا سبب ہے حضرت سیدی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔

"اصطلاحات کے نہ سمجھنے سے اکثر غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے"۔ اور یہ خلط و التباس بھی صوفیہ کی اصطلاحات کے صحیح نہ سمجھنے کی بنا پر ہوا۔

ظاہر ہے کہ دیگر اسلامی علوم کی طرح فنِ تصوف سلوک' میں بھی باہر سے آکر اصطلاحات شامل ہوئیں۔ گو فن کی زبان و محاورہ میں ان کی حقیقت اور معنی یکسر بدل گئے، تاہم ظاہری لفظ کی بقا' نے اشتباہ والتباس کا دروازہ کھلا رکھا' اور صوفیہ کی اصطلاح میں جس لفظ کے معنی قطعاً دوسرے تھے۔ اسے لفظی اشتراک کی بنا پر دوسرے فن کی اصطلاح کی روشنی میں دیکھا۔ جانچا اور سمجھا گیا۔ اسلامی فن سلوک میں فلسفہ، کلام اور الٰہیات کے بیرونی ماخذوں سے سینکڑوں اصطلاحات آئیں۔ گو فن میں آنے کے بعد انکے معنٰی اور حقیقت کلیتاً بدل گئی ہو۔ لیکن فن سے ناآشنا حضرات نے انہیں اس معنی میں سمجھا، جو فلسفہ یا دگر علوم میں اس کا مفہوم تھا۔ اس طرح 'فلسفیانہ تصوف' اور 'اسلامی تصوف' کی اصطلاحوں کا لفظی اشتراک بھی اس غلطی کا بڑا سبب بن گیا۔ اس بارے میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے۔ کہ سلوک سراسر عمل ہے۔ اس کی اصطلاحات کی حقیقت محض سننے یا پڑھنے سے سمجھنے میں نہیں آتی۔ اسلئے جو حضرات سلوک کی شد بد کتابوں سے حاصل کرتے ہیں ان پر یہ دقیق فن نہیں کھلتا۔ اور نہ انکی حقیقت کو الفاظ کا تنگ جامہ اپنے اندر سمیٹ سکتا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ قوم (یعنی اہل فن اور صوفیائے کرام) کی زبان غیروں کیلئے عجمی ہے۔ اب جو لوگ 'فلسفیانہ تصوف' اور 'اسلامی تصوف' کا سرسری مطالعہ کتابوں سے کریں گے۔ وہ 'ناآشنائے تحقیق' حضرات دونوں کو ایک ہی سمجھ لیں گے۔ اور بقول عارف روم 'شیر کا نشیر' پر قیاس کریں گے۔

اسلامی سلوک میں فلسفیانہ اور کلامی اصطلاحات کا ورود اور انکے اثرات

چوتھی پانچویں صدی ہجری میں یونانی فلسفہ اور کلامی مباحث کا چرچا اسلامی دنیا کے گھر گھر میں ہوچکا تھا، فلاسفہ اور آئمہ کلام کی تصنیفات نے فلسفہ اور کلام کی اصطلاحات کو گھر گھر پھیلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر تمام اسلامی علوم میں یہ اصطلاحات پھیل گئیں، فن سلوک و تصوف بھی اس عالمگیر اثر سے بچ نہ سکا۔ اور فلسفہ اور کلام کی معتدبہ اصطلاحات اور کلامی مسائل فن میں داخل ہوگئے، الٰہیات و اخلاقی مسائل کی توضیح و تعبیر میں ایک گونہ فلسفہ و کلام کی بولی استعمال ہونے لگی۔ تاہم آئمہ فن اور محققین صوفیہ اول تو ان کانٹوں سے اپنے دامن کو بچاتے رہے لیکن جہاں محاورہ اور زبان کے عام چلن اور عمومی رواج نے ان کے اصطلاحات کا اختیار ناگزیر کر دیا۔ ان الفاظ و اصطلاحات کے جامہ میں وہ شریعت کے معارف و حقائق، احسان و تقویٰ کے رموز و دقائق اور اخلاق و معاملات اسلامی اور تزکیۂ نفوس کے اسرار ہی بیان فرماتے رہے۔ تاہم حقیقت ناآشنا، کم فہم حضرات ان مسائل و اصطلاحات کے فنی مفہوم و استعمال

کو درست نہ سمجھ سکے اور طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہو کر گمراہی و ضلالت کا شکار ہو گئے۔ کہ ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن۔ اسلامی تصوف کے متعلق شکوک و شبہات کی اکثر راہیں غالباً اسی راستے سے کھلی ہیں۔

فلسفیانہ موشگافیوں اور رجحانات کا سب سے بڑا نقصان جو فن کو پہنچا وہ یہ تھا کہ طریق جو سراسر عمل اور عملی تربیت کا نظام تھا۔ فلسفہ بن گیا، اور فرائض و سنن نبوی کا وہ سلسلہ جو ہر مسلمان کیلئے علی قدر المراتب ضروری و لازمی تھا۔ ایک خاص طبقہ میں محدود اور محصور ہو کر رہ گیا۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ تنزلات ستہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حسرت سے فرمایا۔

"تصوف جو سراسر عمل تھا، اسے فلسفہ بنا دیا۔ اور یہ یونانی اثر کی بنا پر ہوا۔"

حضرت سید الملت قدس سرہ کے سامنے ہمیشہ اسوۂ نبوت کا پیکر جمال اور دین حق کی سادہ و حسین تمثال تھی۔ اور فلسفہ کے نقصانات اور کلامی مباحث کی نارسائی سے پوری طرح باخبر تھے۔ اسلئے تصوف میں ان کے دخول و شیوع پر افسوس اور ان کے استعمال کو ناپسند فرماتے تھے۔ متکلمانہ مسائل اور فلسفیانہ اصطلاحات سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض مسائل کو اسلامی روح کے منافی اور فن سے قطعاً خارج تصور فرماتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"ہندوستان میں ہندوؤں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہو گئے۔ جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں۔ حتیٰ کہ وحدت وجود، وحدتِ شہود و لطائف و دوائر کے

مباحث واعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں۔ جو یا تو علم کلام وفلسفہ یا اوہام وخیالات واحوال سے وابستہ ہیں۔ جن کا تعلق نفسیات سے ہے (رسالہ معارف اعظم گڑھ ص۱۶۱ ج ۳۵ نمبر ۲)

ایک سالک نے تنزلات ستہ کے سمجھنے کے متعلق استفسار کیا اور یہ بھی پوچھا کہ کیا اس مسئلہ کو محض عقلاً سمجھ لینے سے عبادات میں خشوع وخضوع اور حضوری قلب میسر آتا ہے۔ کیونکہ اِس میں عبد ومعبود کا تعلق معلوم ہوجاتا ہے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا۔

"تنزلات ستہ وغیرہ کے مسائل علم کیلئے آپ سمجھ لیں تو اچھا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ فلسفہ یا علم کلام کے مسائل ہیں۔ سلوک کیلئے وہ ضروری نہیں...... ممکن ہے کسی کو اس راہ (تنزلات ستہ وغیرہ کے جاننے اور عمل) سے (خشوع وخضوع وغیرہ) مل جائے ورنہ ہمارے سلسلہ میں دوائر اور لطائف اور تنزلات وغیرہ کے مسائل معمول بہا نہیں (تذکرہ سلیمان ص۵۴۹)

تذکرۂ سلیمان کے لائق مؤلف برادرِ طریق مولوی غلام محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"متکلمانہ مسائل اور فلسفیانہ اصطلاحات کے متعلق حضرت متنبہ فرمایا کرتے تھے کہ اِن سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ :۔

" بہت سی باتیں کلام وفلسفہ کی راہ سے تصوف میں داخل ہوگئیں اور پھر عین تصوف سمجھی جانے لگیں۔ خصوصاً فلسفیانہ اصطلاحات

کو دینی اہمیت دی گئی۔ اور پھر ان کی بنیاد پر الہیاتی مسائل کی تشریح و توضیح کی گئی۔ اور اسی کو تصوف یا فن احسان قرار دیا گیا۔ اِس اصطلاحی تصوف کے شیوع سے بڑی گمراہیاں پیدا ہوئیں، اور نبوت، و مہدیت، کے دعویدار پیدا ہو گئے

وحدۃ الوجود و شہود اور تنزلات ستہ کے بارے میں ارشاد تھا کہ:۔

"اول تو یہ مدارِ طریق نہیں، پھر ان میں بعض تو حال کا درجہ رکھتے ہیں۔ (جیسے وحدۃ الوجود و شہود) اور بعض محض افلاطونی فلسفہ کی متبدل شکلیں ہیں (جیسے مسئلہ تنزّلات ستہ) ان کی طرف توجہ نہ ہونا چاہیئے

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ:۔

"سلطان الاذکار، شغل احد، کشف قبور اور اس قبیل کی چیزیں تصوّف نہیں۔ بلکہ تصوّف کا آرٹ ہیں۔ آرٹ میں حقیقت کہاں؟ تصوف کا مقصود تو رضائے الہٰی اور اتباع سنت ہے۔ ہاں اس سلسلہ میں از خود کوئی بات حاصل ہو جائے تو وہ اور بات ہے،

اِس سے بھی بڑھ کر یہاں تک فرماتے تھے کہ:۔

"مثنوی مولانا روم بھی تصوف نہیں، بلکہ فلسفہ تصوّف ہے اور صرف فلسفہ سے بگڑے ہوئے دماغ کا علاج نہ کہ ہر ایک کا۔"
(تذکرۂ سلیمان ص۳۳۱، ۳۳۲)

غرض حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ سلوک کو اپنے اصلی اور نکھرے ہوئے نبوی رنگ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ حضرت سیدیؒ کے نزدیک طریق جملہ بیرونی آلائشوں

اور آمیزشوں سے پاک نبوی تربیت کا قدسی سوتا تھا۔ جس میں کسی غیر الٰہی فلسفہ و عمل کی گنجائش نہ تھی۔ کہ نبوت کا تربیتی سلسلہ اپنی ذات میں کامل و مکمل اور

لہ تاہم مثنوی کی اہمیت اور اپنے دائرہ میں اس کی تاثیر و فیض کے معترف و قائل تھے۔ چنانچہ ایک ناقد مستفسر کو تحریر فرماتے ہیں۔

"مولانا رومی کی مثنوی جس مرض کی دوا ہے۔ آپ بحمداللہ اس کے مریض نہیں۔ اس لئے اس کی قدر آپ کی نگاہ میں نہیں، مگر جو اس مرض کے مریض ہیں۔ ان کیلئے وہ قرابادینِ صحت و شفا ہے اور تجربہ اس پر شاہد ہے۔

حضرت حکیم الامت رح کے آثار علیہ کی تحت میں لکھتے ہیں۔

"طریق اور سلوک کے اسرار و رموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں۔ کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کیجائے تو ہدایت کی بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں۔ اِس سلسلہ میں حضرت مولانا رومی کی نے کی جو مثنوی معنوی کے نام سے سرو و نواز حقیقت ہے خاص اہمیت ہے۔" اور اسلئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خانقاہی درس میں رہی ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمہ اللہ کو اس سے خاص ذوق تھا۔ اور وہ بھی خاص خاص لوگوں کو اسکا درس دیتے تھے ...... (رسالہ معارف اعظم گڑھ صہ ۱۰۸ نمبر ۲ ج ۵۳)

ایک دوسری جگہ حضرت تھانوی رح کی خدمات کے سلسلہ میں تحریر فرمایا۔

"ایک اور سمت مولانا روم کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے سپرد صدیوں سے حقائق و دقائق کے خزانے ہیں۔" (مقدمہ تجدید تصوف و سلوک صہ ۱۲)

جامع و مانع ہوتا ہے۔ وہ نفوس انسانی کی تربیت و آرائش، روحانی تزکیہ اور قلبی تطہیر

وزیبائش میں نہ یونانی فلسفہ کا محتاج ہے نہ نوافلاطونی نظریات واشراقی حکمت کا دست نگر، نہ وہ رواقی اور مشائی دستور وریاض کا پابند ہے نہ اسے ہندی ویدانت کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی اسے جوگ ومسیحی ریاضات ورہبانیت کی حاجت ہے۔ وہ ایک الٰہی نخل ہدایت ہے۔ جو اپنی خالص اسلامی سرزمین میں پھلتا پھولتا اور بار آور ہوتا ہے تعلیمات نبوی کے باہر اسکا کوئی وجود نہیں۔

غیر نبوی الٰہیات کی ملحدانہ بھول بھلیاں توحید ومعرفت الٰہی کے راز کو الجھا تو سکتی ہیں۔ لیکن ایمان ویقین کی نورانی وادی کو نہیں پا سکتیں، فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ، ان کا حال تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ربانی طمانیت قلب، کا گوہر مقصود انکی رسائی سے باہر ہے۔ اور خوارق مکاشفات ومواجید کی ساحرانہ شعبدہ بازیوں کا ظہور ان سے ہو سکتا ہے۔ لیکن موسوی ید بیضا کی روشنی انہیں میسر نہیں آسکتی کہ سلوک وتصوف سے مقصود شریعت مطہرہ کے ظاہری وباطنی احکام کے اتباع کامل سے رضائے حق اور اللہ تعالیٰ کا قرب خاص حاصل کرنا ہے۔ اور تزکیۂ وصفائی باطن سے مراد بھی وہی صفائی قلب اور روح کی پاکی ہے۔ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزکی، اور پرانوار تعلیمات پر عمل کرنے کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو۔ اس لئے اسلامی سلوک وتصوف میں کسی ایسے فلسفیانہ عقیدہ وطرز فکر کی گنجائش اور ریاضات ومجاہدات کی حاجت نہیں۔ جو مسلک رسالتؐ وتعلیمات نبویؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹا ہوا ہو۔ غیر شرعی تصورات ومراقبات، ریاضت وطرق سے حاصل کی ہوئی نام نہاد "روحانی صفائی" اور قلبی طہارت قطعاً دھوکہ وفریب، حقیقتاً ظلمت وسیاہی اور شرعاً مردود اور عنداللہ غیر مقبول

ہے۔ اسی قسم کی غیر شرعی مجاہدات سے حاصل کی ہوئی نورانیت نما ظلمت اور طہارت نما گندگی ذات ربانی سے دوری کا سبب، ان کے قرب و رضا سے بعد کا ذریعہ اور معرفت و ایقان سے محرومی کی وجہ تو یقیناً ہے۔ لیکن مقصودہ و مطلوبہ تزکیۂ باطن اور صفائی نفس ہرگز نہیں۔ اسی مفہوم کی تعبیر حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے کمالِ بلاغت اور ایجاز کے ساتھ اس شعر میں فرمائی ہے۔

شعلے اٹھیں ہزار تجلّی مگر کہاں
یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہیں

مبتدعانہ و عامیانہ تصوّف

اسلامی سلوک و تصوف جانِ ایمان اور روح دین ہے لیکن بقول حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ " طریق و سلوک کے اسرار و رموز اس قدر دقیق و نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کیجائے تو ہدایت کی بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں عارف شیراز نے کیا خوب کہا ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

خدا کی شان ہدایت ربانی کا وہ قدسی سلسلہ جو سینہ نبوت کے فیوض و برکات کا حامل اور تزکیہ کی سنت کا علمبردار اور کمالِ احسان و تقویٰ کے حصول کا ذریعہ تھا۔ اسے حقیقت نا آشنا متصوفین اور مبتدعین کے گم کردہ راہ طبقہ نے کسبِ دنیا کے فنون میں سے ایک فن سمجھ لیا، اور اس کے مبادی و غایات ، مقاصد و اصول کو بھلا کر اسے ایک ایسا مدرسۂ فکر و نظر اور طریقۂ عمل بنا لیا ، جو قابلِ رد و بطلان خرافات و بدعات کا مجموعہ ہے اور اسلامی سلوک کے جہانتاب چہرہ پر ایسے تو بر تو حجابات ڈال دیئے کہ ایک بڑے طبقہ کی نگاہوں سے سلوکِ نبوت کا حسن و جمال چھپ کر رہ گیا اور ایک ایسا منہاج و طریق جو ہر مسلمان کی ظاہری و باطنی اصلاح کا کفیل تھا ، اس کی حقیقت تر دامن رنگے ہوئے نام نہاد صوفیہ کی جہالت و حق ناشناسی اور اعمال غیر شرعیہ کی بنا پر اکثر طبقات امت کی نگاہوں

سے گم ہوکر رہ گئی، اور انہوں نے تصوف کو غیر اسلامی اعمال واشغال یا دنیاداری ونفس پروری کا دھندہ سمجھ لیا۔ اور وہ اصل سلوک کی برکات سے محروم ہو گئے۔

اس راہ میں سب سے بڑی ضلالت فن کے غایات ومقاصد اور اسکی روح در حقیقت کے نہ سمجھنے سے آئی، یونانی وعجمی، ہندی وایرانی علوم، الہیاتی نظریات، اخلاقی تصورات اور ذہنی وفکری سرمایہ نے جب مسلمانوں میں بار پایا، اور مختلف مذاہب وادیان کے مجاہدات رہبانی، کلیسائی اشراقی ورواقی جوگیانہ اور ویدک ریاضات مسلمانوں کی نگاہوں میں آئے۔ اور جب عجمی نفس کشی، ترک دنیا، تجرد، گوشہ گیری، عزلت نشینی اور قطع علائق کے مناظر کو انہوں نے دیکھا تو مغترین ومتصوفین کا ایک طبقہ اس تلمیع ودھوکہ پر اصل وحقیقت کا گمان کر بیٹھا۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی تصوف وسلوک کے جو مقاصد تھے یکے بعد دیگرے انکی نگاہوں سے گم ہوتے چلے گئے۔ اور کسی نے سلوک کو محض ایک 'نظریہ' اور 'طریقہ فکر' سمجھ لیا، کسی نے 'مراقبات' پر قناعت کرلی کسی نے 'ترک دنیا'، 'عزلت نشینی' اور 'قطع علائق' کو مقصد گردانا۔ کوئی 'اوراد ووظائف' کے ایک خاص نصاب ہی کو حاصلِ طریق سمجھا، کسی کی 'نظر' 'مکاشفات ومواجید'، 'الہام ورؤیا' کے 'نورانی حجابات' میں اٹک کر رہ گئی، کوئی اسے باطنی سینہ بسینہ راز سمجھا، کسی نے ہمہ اوست کی غیر شرعی تعبیرات کو اپنا مدعا قرار دیا، کوئی 'اعراس وقوالی، مزارات کی حاضری کو ہی تصوف سمجھا۔ کسی نے متعین 'صوفیانہ' رسوم واشغال میں کمال جانا، کوئی ذرائع کو مقصد سمجھنے کی مہلک غلطی میں گرفتار ہوگیا۔ اور کسی نے شریعت وطریقت کی دوئی کا فسانہ تراش لیا۔

غرض سلوک کے جو غایات و مقاصد تھے ایک کثیر طبقہ اسے بھلا بیٹھا۔ اور خود تراشیدہ غیر شرعی، رسوم و قیود، اشغال و طرق، نظریات و تصورات کو سلوک قرار دے دیا۔

حضرت سید الملت قدس سرہ اپنے شیخ باکمال حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی جو سوانح لکھنا چاہتے تھے اس کے مقدمے میں شیخ وقت علامہ تھانویؒ کی تجدیدی مساعی کا تذکرہ کرتے ہوئے "حقیقتاً تصوف کا مکتشف اعظم اور فنِ حصول احسان و تقویٰ کا مجدد کامل" کے عنوان سے تصوف و سلوک کی کسمپرسی و غربت کا جو نقشہ کھینچا ہے قابل دید ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"......... یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس (حضرت تھانوی) کو تمام دوسرے علمی و عملی کمالات دیئے ہی اسلئے گئے تھے کہ اس فن (تصوف و سلوک) کی تجدید ہو۔ جو دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالتِ غربت تھا، جسکی حقیقت پر تو بر تو پردے پڑ گئے تھے اور جس پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی۔ اور جو دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا اور جہاں اسکا وجود تھا بھی، وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے ایک نصاب کا، سلف صالح نے اس فن کے جو ابواب و مسائل منقح کر کے لکھے تھے، وہ بالکل ہی فراموش ہو گئے تھے۔ اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت و غایت بالکل چھپ گئی تھی۔ اور جہاں کسی قدر اس کا نام و نشان تھا، وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا

یا وحدۃ الشہود کی ناقابلِ افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر، اور اعمال میں صرف ذکر و فکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری قناعت تھی، بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک و تصوف کی جگہ حاصل کرلی تھی طریقت اور شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کو گرانے کی کوشش کیجا رہی تھی۔ عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند مبتدعانہ اصول و اعمال رہ گئے تھے، جن کو طریقت کا نام بخشا گیا تھا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجتباء اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا۔ خانقاہوں کا کام صرف اعراس و فاتحہ کا اہتمام اور سماع و رقص و قوالی کا انصرام رہ گیا تھا، مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہوکر فاتحہ خوانی کرلیں، مٹھائی کھالیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندہ کے ترانے پر ہوحق کرلیں، اور زیادہ بڑھیں، تو وحدۃ الوجود کی آڑ پکڑ کر شوخی و بیباکی اور رندی کے اشعار و مضامین پڑھ لیں، اور سر دھن لیں، چند سینہ بسینہ راز تھے، جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جارہا تھا، تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباعِ سنت، اصلاحِ اعمال اور ادائے حقوقِ عباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا، علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے، یا باطن سے ناآشنا تھے، اسلئے ان کے پند و نصائح کی حیثیت صوفیوں میں تقبیح ناشناس سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا، کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں، اسلئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی، اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا ناآشنا تھے، وہ ان دکاندار

صوفیوں کو دیکھ کر اصل فنِ سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اس کے اصول و مسائل کو خلافِ شریعت اور مخالف کتاب و سنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا۔ بے شبہ جابجا صحیح و صالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے کہیں کہیں ان کے فیوض و برکات بھی جاری اور ان کی تعلیم و تربیت کی برکت بھی عیاں تھی، لیکن یہ جو کچھ تھا۔ خواص کیلئے تھا۔ اور محدود حلقوں میں تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین و ہدایت تو ہو رہی تھی مگر تدوین فن، ترتیب اصول تحقیق مسائل، تالیف رسائل، اصل سلوک کے مضامین کو کتاب و سنت کی اور سلف صالحین اور اولیائے کاملین کی تشریح و توضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام کہیں نہیں ہو رہے تھے۔ اور نہ خطب و مواعظ اور تحریر و تقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کیجا رہی تھی، اور نہ ردِّ شبہات، دفع شکوک، رفع اوہام کیلئے، کوئی سلسلہ تھا۔ اور نہ سالکین کی ظاہری و باطنی تربیت کی کوئی ایسی درسگاہ تھی۔ جس میں راہ کی مشکلات کو علمی اور فنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو۔ اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی، جہاں شریعت و طریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں۔ جہاں تفسیر و فقہ و حدیث کے ساتھ امراضِ قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں، جو کتاب و سنّت میں موجود ہیں۔ جہاں ایک طرف قال اللّٰہ و قال الرسول کا ترانہ بلند ہو، اور دوسری طرف عبودیت و بندگی کے اسرار اور اتباعِ سنت کے رموز بھی

سکھائے جاتے ہوں۔ جہاں جس قلم سے احکام فقہی کے فتاوے نکل رہے ہوں اسی قلم سے سلوک وطریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے ہوں، جس منبر سے نماز وروزہ اور حج وزکواۃ کے فقہی مسائل وانکشاف بیان کئے جا رہے ہوں۔ اُسی منبر سے اُن کی روحانی حقیقت اوران کی قلبی اداکاری کے طریق بتائے جا رہے ہوں، (اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کیلئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت (مرشدی ومولائی مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا۔ اور وہ کام ان سے لیا گیا۔ جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا...... (اوران کی) اس تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم وبدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبوی کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا، رسول کی محبت سے سینے گرمائے اور اللہ کی یاد سے دل روشن ہوئے، اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر سے شبلی وجنید اور بسطامیؒ وجیلانیؒ اور سہروردیؒ وسرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور یہ وہ شان تجدید تھی۔ جو اس صدی میں مجدد وقت کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی تھی۔

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(مقدمہ تجدید تصوف وسلوک ص۱۴ تا ۱۶ بدایو)

اِس سلسلے میں ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں۔

...... " فقر و تصوف، علم و فن اور تمدن و سیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول مبادی کو چھوڑ کر ہندی و عجمی و یونانی و افرنگی تصورِ حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے۔ اور اب تک مصروف ہیں اور اسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں۔ فقر و تصوف میں ہندی و یونانی تصورات جوگ و استشراق کی تقلید ہے، علم و فن میں عجمی و یونانی مذاق کی پیروی ہے۔ تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگ کی آمیزش ہے ....

سلوک اور فقر و تصوف جو درحقیقت اعلیٰ دین اور اعلیٰ اخلاق کا اصطلاحی نام تھا۔ وہ ترکِ عمل اور چند رسوم و رواج کا مجموعہ ہو کر رہ گیا، اور پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام طرقِ حیات پر بدعات اور رسومِ شرک و کفر کے تو بر تو پردے پڑے ہیں، جن کی بزرگوں کی متروکہ وراثت کے نام سے، ہم اب تک بقا کے درپے ہیں۔"

مبتدعانہ تصوف کے متعلق ایک ناقد سائل کو جواباً تحریر فرماتے ہیں۔

" مبتدعانہ تصوف پر آپ کی تنقید تمام تر درست ہے۔ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کی غلط تعبیر نے بہت سی گمراہیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے۔ روح دین اور جان ایمان ہے یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیۂ قلب اور علم حصول تقویٰ کا نام ہے۔"

سلوک و تصوف اصلاح نفس کا راستہ ہے۔ اور یہ اصلاح کیونکہ مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں جس کیلئے شرعی مجاہدات قطعاً کافی ہیں لیکن مبتدعانہ تصوف میں کئی بدعات

اور غیر شرعی مجاہدات، مجاہدہ، کو مقصود اصلی سمجھ لینے کی بنا پر در آئے کیونکہ مذاہب باطلہ میں عام خیال یہ تھا۔ کہ بندہ جس قدر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہے۔ اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے اور وہ اسکی بڑی عبادت شمار ہوتی ہے۔ اسلئے لوگ اپنے جسم کو بڑی بڑی تکلیفیں دیتے تھے۔ اور سمجھتے تھے، کہ جبقدر جسم کو آزار زیادہ دیا جائیگا۔ اسی قدر روح میں زیادہ صفائی اور پاکیزگی آئے گی۔ چنانچہ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندؤوں میں جوگ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا۔ کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا۔ کوئی ہفتہ میں یا چالیس دن میں ایک دفعہ غذا کرتا تھا، کوئی سر تا پہ برہنہ رہتا اور ہر قسم کے لباس کو تقدس کا ننگ سمجھتا تھا۔ کوئی چلہ کی سردی میں اپنے بدن کو ننگا رکھتا تھا۔ کوئی عمر بھر تک یا سالہا سال تک اپنے کو کھڑا رکھتا تھا یا بیٹھا رہتا تھا اور سونے اور لیٹنے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا۔ کوئی اپنا ایک ہاتھ کھڑا رکھتا تھا کہ سوکھ جائے، کوئی عمر بھر تاریک تہہ خانوں میں اور غاروں میں چھپ کر خدا کی روشنی تلاش کرتا تھا۔ کوئی تجرد اور ترکِ دنیا کر کے اہل و عیال اور زن و فرزند کے تعلق سے نفرت رکھ کر خدا کی محبت کا غلط مدعی بنتا تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ۵ صفحہ ۴۱)

غرض طرح طرح سے اپنے جسم کو تکالیف دے کر اور لذائذ دنیوی سے کلیتاً محروم رہ کر روح کی بالیدگی اور نفس کے مٹانے کی کوشش کر کے خدا کی رضامندی تلاش کیجاتی تھی۔

سلوک و تصوف پر جب بیرونی اثرات نے سایہ ڈالا۔ تو بعض حقیقتِ سلوک سے ناآشنا طبقات نے اس قسم کی ریاضات کو مقصد سمجھ کر اپنا لیا، اور اسلامی سلوک کی سیدھی سادی شاہراہ 'عجمی نفس کشوں' سے تنگ اور محدود ہو کر رہ گئی۔ محقق صوفیہ نے بعض اوقات خاص حالات میں بعض طالبین کی تربیت میں محض عارضی علاج اور تدبیر کے طور پر بعض مباح مجاہداتِ شاقہ اور اشتغال غیر مسنونہ کو اختیار کیا ہے۔ لیکن حقیقت

ناآشنا ظاہر بین جاہل صوفیہ ان معالجات وتدابیر اور رسوم ہی کو اصل سلوک مقصدِ تصوف اور طریق کا جزو لاینفک سمجھ بیٹھے اور اپنے کاشانہ کی رونق اسی متاع کاسد کو سمجھے۔ اور بقول سیدی قدس سرہٗ "تصوف کا ناس کر دیا"

اسی طرح مکاشفات، مواجید، کرامات، الہام اور رویاء وغیرہ غیر اختیاری امور کو سلوک کا حاصل اور مقصد قرار دے دیا۔ یہاں تک کہ تصوف کی عامیانہ کتابیں اور عام صوفیہ کی مجالس محض کشف وکرامات کے قصوں سے معمور ہوگئیں حالانکہ یہ اُمور قطعاً مقاصد تصوف میں سے نہیں طریق کے ثمراتِ عاجلہ ہیں جو اگر کسی کو شریعت کے اتباع میں اور اس کے مطابق حاصل ہوں تو محمود ہیں لیکن مقصود نہیں۔ کہ اصل مقصد کمالِ اتباع نبوتؐ سے رضائے حق کا حاصل کرنا ہے۔

غرض گوناگوں اسباب وعوامل نے مبتدعانہ اور عامیانہ سلوک کو ایسے رنگ میں رنگ دیا۔ کہ وہ بطلان وگمرہی کا قابل رد مجموعہ بن گیا۔ جس کے آئینہ میں مہر نبوت کی کوئی جہانتاب کرن نظر نہیں آتی۔

اس کا یہ مقصد نہیں۔ کہ اسلامی سلوک وتصوف کا چشمۂ حیواں اس ظلمات میں قطعاً خشک اور گم ہو کر رہ گیا۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اہل حق صوفیہ اور سالکین کا ایک ایسا طبقہ ہمیشہ موجود رہا، جنکے سینے انوارات نبوت سے روشن، جنکے قلوب فیوض وبرکات رسالت سے مستنیر اور جنکی خلوت وجلوت شریعت وطریقت کی یکجائی ویگانگت اور کمالِ اتباع سنت کا منظر پیش کرتی رہی۔ اور یہی لوگ حقیقت میں ورثائے نبوت تھے اور انہی کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں ہدایت کا الٰہی سرچشمہ جاری رکھا گیا۔ اور قلوب کی

کھیتیاں سیراب و شاداب ہوتی رہیں۔ ہدایت ربانی کی انہیں متبع سنت قندیلوں کے نور سے کاشانہ اسلام کی روشنی باقی رہی، اور نیابتِ نبوت کے فرائض بطریق احسن پورے ہوتے رہے۔ اور انسانیت ہدایت ربانی، برکات نبوت، تعلیم کتاب وسنت، تزکیہ و تربیت سے فیضیاب ہوتی رہی، صحبت نبوت کا یہ الٰہی سلسلہ اور تزکیہ قلوب و تطہیر نفوس کا ربانی نظام 'ختم نبوت' کی برکت سے دائمی و ابدی ہے۔ الحاد و زندقہ بدعات و رسوم کی آندھیاں اس 'سراج منیر' کو گل نہیں کر سکیں۔ اور یہ خدائی چراغ 'ربانیین' کے قلوب میں برابر روشن اور عالم کو اپنے نور سے منور کرتا رہا ہے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ ہمیشہ روشن کرتا رہے گا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ

ان زندہ اور مبارک ہستیوں کے علاوہ اسلامی سلوک وتصوف کا تحریری سرمایہ بھی کم وبیش ہر زمانہ میں حیطۂ تحریر میں آتا رہا ہے۔ جس سے صحیح اسلامی تصوف کی حقیقت متلاشی اشخاص کو ملتی رہی ہے۔

حضرۃ الشیخ نوراللہ مرقدہ مولوی مسعود عالم ندوی مرحوم کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"ابھی اتفاق سے مجموعہ احادیث نجدیہ نظر سے گزرا، جس میں امام ابن حنبل کی کتاب الصلوٰۃ اور ابن قیم کی الوابل الصیب فی الکلم الطیب دو کتابیں بھی ہیں۔ ان دو بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے۔ اس سے زیادہ تصوف حقیقی سے کچھ اور مراد نہیں اگر کچھ رموز و ارشادات ان کی تائید میں کسی نے کہہ دیئے ہیں۔ تو وہ حواشی ہیں باقی خرکیات و بدعات تو ان کا ذکر ہی کیا، لیکن جسطرح مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام پر آج حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ ایسے ہی بازاری دکاندار رنگے ہوئے صوفیوں کو

دیکھ کر تصوف کو بدنام نہ کیجئے"۔ (مکاتیب سلیمان ص۱۶۶)

ایک دوسرے گرامی نامہ میں انہی کو لکھتے ہیں۔

"سلوک کے متعلق آپ نے بدعت و سنت کی جو بحث نکالی ہے یہ محض خشک مزاج اہل حدیث کا شیوہ ہے۔ آپ ابن قیم، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، مولوی سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل شہید وغیرہ کو کیا کہیں گے، کیا وہ بھی متبعین بدعت میں تھے، صراط مستقیم ہی کو غور سے پڑھ لیجئے" (مکاتیب سلیمان ص۱۵۱، ۱۸۰)

ایک اور مکتوب میں مسعود عالم صاحب کے تصوف کے متعلق بعض شبہات کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

(ذکر و شغل میں) غیر ماثور طریقے ہرگز اختیار نہ کریں۔ مگر ماثور و غیر ماثور کی تحقیق کر لے

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مردِ فقہ و حدیث کلام و اسرار و رموز شریعت ہیں۔ تصوف کی کتابوں میں ان کا پایہ ان کے دوسرے علوم کے مطابق نہیں ہے اس لئے ان سے نہ گھبرائیے۔ اور نہ ان کی صوفیانہ کتابوں کی طرف توجہ کیجئے" (مکاتیب سلیمان ص۱۷۶)

تاہم اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں۔ کہ اسلام میں فلسفیانہ اور مبتدعانہ سلوک کی پیدائش اور شیوع نے صحیح اور اصل اسلامی سلوک کے متعلق بھی طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ یگانوں اور بیگانوں کے حقیقت ناآشنا متعدد طبقات کیلئے حق و باطل میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ اشتباہ و التباس کی بنا پر اصل و نقل میں تفرقہ اور تمیز کی لکیر کھینچنی دشوار ہو گئی، اور وہ ملحدانہ اور عامیانہ تصوف کے تو بر تو اندھیروں

میں تحقیقی اسلامی سلوک کی روشنی کے پانے سے قاصر رہے اور اس مہلک غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ کہ فلسفیانہ اور مبتدعانہ نام نہاد تصوف کے نظریات و تصورات و اشغال و اعمال اور رسوم ہی اصل اسلامی سلوک کا سرمایہ ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت طریق سے ناواقف مستشرقین اور ان کے مقلدین و ہمنواؤں نے تصوف کو غیر اسلامی بیرونی عقائد و تصورات، مسیحی رہبانیت، یونانی فلسفہ، نو افلاطونی نظریات اشراقی و رواقی ریاضات ہندی جوگ و ویدانت اور عجمی خیالات سے ماخوذ بتایا، اور 'سلوک' کو اسلام کی ذاتی ملکیت ماننے سے انکار کر دیا۔ خود مسلمانوں کا ایک کثیر طبقہ فلاسفہ متصوفین اور رنگے ہوئے صوفیہ کے ملحدانہ اور مبتدعانہ عقائد و اعمال کو دیکھ کر سلوک سے متوحش و منحرف ہو گیا۔ اور اسے بدعت سمجھ کر اسے 'شجرِ ممنوعہ' قرار دے دیا، اور طریق (جو جان ایمان، روح دین، اور کمالِ تقویٰ و احسان کا دوسرا نام تھا) ـــ کی برکات سے محروم ہو کر رہ گیا۔ یورپ میں اسلامی تصوف کے ماہر مستشرقین میں آنجہانی نکلسن اور ماسنیان فرنساوی اس موضوع پر سند و امام سمجھے جاتے ہیں۔ ان دونوں کی تحریروں نے خاص کر ماسنیان کی تحقیقات نے ناواقف مستشرقین کی اسلامی تصوف کے متعلق غلط فہمیوں کا ایک حد تک ازالہ کر دیا ہے۔ تاہم ہنوز ایک کثیر طبقہ اسلام میں اسے ایک اجنبی اور آوردہ پودا ہی سمجھتا ہے۔

جون ۱۹۲۳ء میں ڈاکٹر نکلسن کے ایک مضمون کا ترجمہ رسالہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا تھا (یہ مضمون ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۲۵ فروری ۱۹۲۳ء کو مسلم ایسوسی ایشن کیمبرج میں پڑھ کر سنایا تھا۔) اس میں نکلسن نے لکھا تھا کہ:۔

"میرے خیال میں تصوف ابتداءً اور اصولاً اسلامی ہے۔ البتہ اثنائے ترقی

میں جن جن چیزوں سے ملا ان سے متأثر ضرور ہُوا۔ "

حضرت الشیخ علّامہ ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانہ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:۔

"ہم مسلمان ڈاکٹر صاحب کے اس خیال کے ممنون ہیں کہ " اسلامی تصوف' دوسرے مذاہب کا سرقہ نہیں۔ جیساکہ عام طور پر نا آشنائے تحقیق علمائے یورپ کا بیان ہے۔ بلکہ وہ اس کو اسلام کی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ اور اس کا مآخذ وہ قرآن وحدیث کو خیال کرتے ہیں۔ لیکن اتنا مانتے ہیں۔ کہ بعد کو اِس اسلامی تصوف میں دوسرے مذاہب کے تصوّف کے بھی کچھ اجزا شامل ہوگئے ہیں۔ یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اِس نظریہ کے اثبات کیلئے پورے مواد کو استعمال نہیں کیا

آئمہ تصوف علمائے اسلام کی کتابیں مثلاً امام قشیریؒ کا رسالہ قشیریہ ابو طالب مکیؒ کے قوت القلوب، امام غزالیؒ کی احیاء العلوم، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیتہ الطالبین شیخ سہروردی کی فتوح الغیب، شیخ ابونصر سرّاج کی کتاب اللمع، شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات وغیرہ کتابوں کا ایک ایک حرف اس نظریہ کیلئے دلیل وبرہان ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغۃ میں بذیل باب الاحسان اس باب میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ مطالعہ کے لائق ہے" (معارف ص ۴۰۵ بر ۴۰۶ ج ۱۱ ماہ جون ۱۹۲۳ء)

مخدومی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب " تصوف اسلام" جب پہلی مرتبہ چھپی تو اس پر سید صاحبؒ نے مئی ۱۹۲۵ء میں تبصرہ لکھا تھا۔ یہ کتاب مولانا دریابادی کے ان تبصروں اور مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مندرجہ ذیل کتابوں اور ان کے

مصنفین کرام پر لکھے (۱) کتاب اللمع (شیخ ابونصر سراجؒ) (۲) کشف المحجوب (شیخ علی عثمان ہجویریؒ)
(۳) رسالہ قشیریہ (امام قشیریؒ) (۴) فتوح الغیب (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)
(۵) عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین سہروردیؒ) (۶) منطق الطیر (شیخ عطارؒ) (۷) لوائح (مولانا جامیؒ)

حضرت سید صاحبؒ تبصرہ میں لکھتے ہیں:۔

ان (مذکورۃ الصدر) کتابوں کے مصنف اپنے اپنے عہد کے مشہور شیخ اور فن تصوف متند ترین معلم اور امام ہیں۔ اس لئے ان کتابوں میں تصوف کی جس طرح تشریح کی گئی ہے۔ اور جن حقائق کو سپرد قلم کیا گیا ہے۔ اور تصوف کے جن مقامات و منازل کو انہوں نے بتایا ہے (زیر تبصرہ کتاب میں) ان کو نہایت بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ ان تفصیلات سے یہ چیز آئینہ ہو جاتی ہے۔ کہ خواص کے نزدیک اصل تصوف کیا ہے۔

اس کے ضروری اجزاء کیا ہیں۔ اور اس کی تعلیمات کیا ہیں ...... آج کل جب تصوف ایک قسم کا فلسفہ اور نظریہ اور چند الفاظ کے گورکھ دھندے کا نام رکھ لیا گیا ہے اس کو شاعرانہ تخیل اور قصص و حکایات کے ذریعہ سے صرف زبان و قلم کی لذت کا سامان کر دیا گیا ہے اور یہ سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ کہ یہ حقیقتِ باطنی ہے اور شریعتِ ظاہری اور چیز ہے۔ ان کتابوں کے مطالب کی روشنی میں معلوم ہوگا۔ کہ تصوف سراپا عمل ہے۔ اور قلب و روح کے علم و عمل اور مغز شریعت کی اصل تعلیم و تعمیل ہے ...... (اور ان کتابوں سے) یہ بھی کھل جاتا ہے۔ کہ ان بزرگانِ دین کے ناموں سے جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اور جو کچھ حقیقت میں وہ کہتے ہیں۔ ان میں کتنا فرق ہے۔

ان (کتابوں کے) مصنفین میں سے ہر بزرگ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اولیائے

کاملین میں داخل ہیں)۔ ان میں سے متعدد بزرگ تصوف کے متعدد خانوادوں اور طریق تعلیم کے بانی ہیں .... "تصوف اسلام" کے فاضل مصنف نے ..... ان کے (جو) معتبر سوانح، اور عالمانہ حالات اور ان کی تعلیمات وکیفیاتِ روحانی کو..... پیش کیا ہے اس سے یقین آجاتا ہے کہ تصوف اسلام کا حقیقی سرچشمہ یقیناً کتاب الٰہی اور سنت نبویؐ ہے۔" (رسالہ معارف ص۳۹۴ و ۳۹۵ نمبر ۵ ج ۱۵)

یہ تو نومبر ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۵ء کی بات تھی۔ ماہ فروری ۱۹۴۴ء میں حکیم الامتؒ کے آثار علمیہ کے عنوان سے جو مقالہ سپردِ قلم فرمایا۔ اس میں شیخ وقت حکیم الامت مولانا تھانویؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سلوک کے بارے میں تجدیدی مساعی کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"علم سلوک وتصوف روح شریعت کا نام ہے۔ جس میں اخلاصِ دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کی جاتی ہے۔ قدماءِ صوفیہ نے اِس فن پر جو کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً رسالۂ قشیریہ امام قشیریؒ، قوت القلوب ابوطالب مکیؒ، کتاب اللمع ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطوسیؒ، کتاب الصدق ابوسعید خرازؒ، فتوح الغیب شیخ سہروردیؒ، اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ انکو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ مصنوعی اور دوکاندار صوفیہ اور مبتدعہ کی تلبیس نے اِس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا۔ کہ وہ کبھی تو بدعات کا مجموعہ، بلکہ بطلان وضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے۔ پھر ہندوستان میں ہندؤوں کے جوگ اور ویدانت کے اثر سے، اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہوگئے جو اسلام کی روح کے تمامتر منافی ہیں۔ حتّٰی کہ وحدت وجود و وحدت شہود ولطائف ودوائر کے مباحث واعمال بھی اصل فن سے الگ ہیں۔ جو یا

توعلم کلام ۔ فلسفہ یا اوہام وخیالات واحوال سے وابستہ ہیں۔ جنکا تعلق نفسیات سے ہے اصل شے جو اخلاص فی الدین، طلبِ رضا، حصولِ قرب اور اعمال واخلاق قلب ومقامات ہیں۔ اور جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی، اور فضائل سے آراستگی ہے تمام تر متروک ہوگیا تھا........جاہل پیروں اور دکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے۔ کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں۔ اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی۔ کہ عوام توعوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تر لغو اور بے معنیٰ ہے۔ حضرت حکیم الامۃ نے تمام عمر لوگوں کو یہی تلقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے احکام الٰہی کی باخلاص تمام تعمیل وتکمیل ہی کا نام طریقت ہے۔ دگر ہیچ، اور یہی خواص امت کا مذہب ہے۔ اور جس نے اس کے سوا کہا۔ وہ دین کی حقیقت سے جاہل اور فن سلوک سے ناآشنا ہے۔ اس بارگاہ کے ایک حلقہ بگوش کا شعر ہے

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہہ شہر جو مے نوش ہے۔"

(معارف نمبر ۳ ص ۱۰۶/۱۰۷ ج ۵۳، ماہ فروری ۱۹۴۴ء)

غرض اصل اسلامی سلوک کو حضرت الشیخ قدس سرہ خالص اسلامی تعلیمات پر ہی مبنی اور مشتمل سمجھتے تھے۔ اسلئے جب بعض طبقات نے اسلامی تصوف جوگ اور ویدانت سے ماخوذ بتایا۔ تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے کمالِ حمیت ومتانت کے ساتھ تحریر فرمایا:۔

" اِسی طرح اسلامی تصوف کو 'جوگ' اور 'ویدانت' سے ماخوذ بتانا محض یورپ کی آواز کی نقالی ہے۔ جس کو اسکا دعویٰ ہو۔ اس کو چاہیئے کہ ائمہ تصوف کے

رسائل و مسائل کے حوالہ سے اس کو ثابت کرے۔ اگر کسی نے 'جوگ' کا ایک آدھ شغل اختیار کرلیا ہو۔ تو اس سے پورا علم اور پورا فن تو جوگ نہیں ہو جائیگا۔ کیا طبیبوں نے اگر بیدک کے ایک دو نسخے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے۔ تو اس سے پورا فن طب 'بیدک' ہو جائیگا۔"

(مقدمہ مولانا سندھی اور انکے خیالات پر ایک نظر ص۱۷ الف)

سلوک کی جامعیت اور اجتماعی حقوق و فرائض

گذشتہ اوراق میں بنی آدم کی جس شاہراہِ معرفت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ سلوک کی ہمہ گیری و جامعیت اور وسعت ہے۔ جس میں انسانی زندگی کا جزو کل سمایا ہوا ہے۔ اور جو اس کی ہر حرکت و سکون اور فکر و عمل پر چھایا ہوا ہے۔ اور اس کے تمام انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی، مادی و روحانی حقوق و فرائض، کوائف و وظائف کو گھیرے ہوئے ہے۔ سلوک محض چند عبادات و اذکار، رسوم و اوراد کا نام نہیں۔ بلکہ انسان کا سلوک زندگی کے ہر شعبہ اور گوشہ میں طے ہوتا ہے۔ اور اسکی ساری زندگی پیہم مجاہدہ، سراپا عبدیت اور ہمہ تن دین بن جاتی ہے ؎

ہمہ دیر تختہ گل ز جبین سجدہ ریزم
کہ نیاز من نگنجد بدو رکعت نمازے

اس لئے احکام الٰہی کا وہ حصّہ جو انسانی اجتماعی زندگی سے متعلق ہے سلوک کے دائرے سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اور اس طریق کے راہی کیلئے اجتماعی حقوق و فرائض کی ادائیگی سے مفر اور انسانی و ملّی ذمہ داریوں سے گریز کی صورت ممکن نہیں۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو کوہ و دشت کی عزلت نشینی میں جنت کا سراغ نہیں بتایا۔ بلکہ انہوں نے احد کے کارزار

میں جنت کی خوشبو سونگھی۔ اور 'الجنة تحت ظلال السیوف' کا مژدہ سنا' اسلام کی رہبانیت ۔۔ (اگر اسی کا نام رہبانیت ہے) ۔ ترک عمل وسعی نہیں، بلکہ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہد وجہاد ہے۔

رھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللہ (کنزالعمال بحوالہ احمد عن انس ص۲۵۶ ج۲) | اس امت کی رہبانیت اللہ کے راستے میں جہاد وکوشش ہے۔

مصلحت در دینِ عیسیٰ غار وکوہ | مصلحت در دین ما جنگ وشکوہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا اسوہ اسی سلوک کا عملی نمونہ اور اسی طریق کا داعی تھا۔ اسلامی صحیفہ آسمانی نے معیتِ نبوتؐ کا ثمرہ ونشان قوت و رحمت، عبودیت وعبدیت، افتقار وابتغاءِ فضل ورضوان کے انہیں مظاہر کو بتایا ہے۔ جو جلال وجمال کی صفات الٰہیہ کا جامع اور کامل عکس وظلال تھا ارشاد ہے:۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ (الفتح-۴)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپکی معیت میں (اور آپکے صحبت یافتہ) ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں۔ اور آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب تو انہیں دیکھے گا۔ کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں ہیں۔

گویا اسلامی طریق کی جامعیت کی نشانی توراۃ میں بھی یہی بتائی گئی تھی کہ امت محمدیہ کا سلوک خلق سے گوشہ گیری اور عزلت نشینی نہیں ہوگا۔ بلکہ کمالِ بندگی و عبودیت، تعلق مع اللہ، محبت الٰہی اور ذات حق میں اشتغال انہی بندوں میں رہتے ہوئے نصیب ہوگا۔ اور دلدارِ ازل کی محبت، طلب اور سرشاری انہیں بندوں کے حقوق سے غافل نہیں کردے گی۔ وہ جلال و جمالِ ربانی کا مظہر بن کر نائبِ حق کی حیثیت سے انسانوں کے حقوق کی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے ؎

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

کہ اسلام رہبانیت کا داعی نہیں بلکہ 'ربّانیت' (اللہ والا بننے) کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم کس بلند آہنگی سے پکارتا ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ	کسی آدمی سے یہ بات نہیں ہوسکتی
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ	کہ اللہ تعالیٰ اسے کتاب اور فہم اور
لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ	نبوت عطا فرماویں۔ پھر وہ لوگوں
اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا	سے کہنے لگے۔ کہ میرے بندے بن
كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا	جاؤ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، ولیکن کہے گا کہ
كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (آل عمران-۸۰)	تم لوگ اللہ والے (ربّانی) بن جاؤ بوجہ
	اسکے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اسکے کہ تم پڑھتے ہو

اور "اللہ والوں" کے اوصاف اس کی ربّانی کتاب میں محض انفرادی تزکیۂ و خلوت نشینی نہیں بلکہ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے عرصۂ پیکار میں شمشیر و سنان سے دو بدو ہونا، قتال اور دائمی جہد و جہاد بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے ۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قُتَلَ لا	اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ ہو کر
مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ج فَمَا	بہت بہت اللہ والے لڑے ہیں
وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي	سو نہ تو ہمت ہاری انہوں نے ان
سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَ	مصائب کیوجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ
مَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ	میں واقع ہوئے اور نہ وہ دبے،
الصَّابِرِينَ (آل عمران۔۱۵۰)	اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے

اسلئے اسلام کی بقا و حفاظت، اشاعت و فروغ، اور اقامت دین کی جملہ شرعی انفرادی و اجتماعی کوششیں تزکیۂ نفس اور اصلاح باطنی سے لیکر دعوت و تبلیغ تک، اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے جہد و جہاد سے لے کر سیاست عادلہ و قتال فی سبیل اللہ تک سلوک ہی کی گھاٹی کی مختلف منازل ہیں۔ انہیں اسلامی سلوک کے دائرے سے خارج سمجھنا دین و شریعت، سلوک و طریقت اور اسلام کی جامعیت و ہمہ گیری سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔ اِس بنا پر سلوکِ سلیمانی میں ارشاد و ہدایت و تزکیہ باطنی کے علاوہ دعوت و تبلیغ، اسلامی سیاست عادلہ کی رہنمائی اور مجاہدانہ اور سپاہیانہ زندگی کی تلقین بھی شامل تھی۔ جس کا خانقاہی زندگی میں عموماً گذر نہیں ہوتا۔

سلوک کی ہمہ گیری و جامعیت کی وجہ

یہ حقیقت واضح ہو چکی۔ کہ اسلامی سلوک صرف ' انفرادی مجاہدۂ، نفس و اصلاح باطنی میں محصور نہیں۔ بلکہ اسلامی شاہراہ معرفت جملہ انفرادی و اجتماعی احکام پر محیط اور تمام ملی و دینی ذمہ داریوں اور حقوق و فرائض پر حاوی ہے۔ سلوکِ (سلیمانی) کی یہی ہمہ گیری ہے جو اسے دگر مسالک و طرق سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ امت مسلمہ کا اپنا خاص مزاج اور انسانی ذمہ داریوں کے متعلق خصوصی نظریہ ہے۔ جس کی بنا پر گوشہ گیری، تجرد، رہبانیت، مخلوق سے کنارہ کشی اور انسانی حقوق و فرائض سے گریز اس کیلئے ممکن نہیں۔ یہ امت خلافتِ ربانی اور نیابتِ نبوت کی دوگونہ ذمہ داریوں سے گرانبار ہے۔ اس نے نائب حق بن کر عالم میں احکام الٰہی کو نافذ اور شریعت مطہرہ کو رائج کرنا ہے۔ اور جملہ انبیاء اور خاص کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کی حیثیت سے تمام اقوام و ملل کو اسلام سے روشناس اور دین حق سے آگاہ کرنا ہے۔ اب قیامت تک اس امت کی ذمہ داری ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ حیات کو ساری دنیا میں پھیلائے اور عام کرے۔ امت محمدیہ کے ان دوگونہ فرائض کی سمجھے بغیر اسلامی سلوک کے جملہ پہلوؤں کو سمجھنا مشکل ہے۔ اسلئے اسکی وضاحت ضروری ہے۔ حضرت والا قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں :-

"...... اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اور اسماء و صفات و خواص کا علم عطا فرما کر اس کو اپنی بقا کی ضرورتوں کی بہم رسانی کا علم بخشا، لیکن خود اس کی حیثیت ملائکہ عالم کو یہ بتائی گئی۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً — میں زمین میں اپنا ایک نائب اور نمائندہ بنا رہا ہوں

نائب اور نمائندہ وہی ہوتا ہے جو اصل کے دیئے ہوئے احکام کو جاری کرتا اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام میں لاتا ہے۔ اور ان احکام کے اجراء و اختیار میں لانے کیلئے جو ساز و سامان ضروری ہوتا ہے۔ وہ اصل سے عاریۃً اس کو ملتا ہے اور امانتہً اس کے پاس رہتا ہے۔ پس انسان کو عقل و قدرت، ہوش و خرد اور علم و معرفت کا جو سامان ملا ہے۔ وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ اسی مبتدا کی خبر ہے اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے۔ وہ سب اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں...... اور ان میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ اور اس طرح تخلقوا باخلاق اللّٰہ کا منشاء اسے پورا کرنا ہے۔ (خطبہ ندیم)

اس نظریہ خلافت کی رو سے اگرچہ سارے بنی آدم اس نیابت الٰہی کے شرف کے مستحق ہیں۔ مگر اہل سعادت وہی ہیں۔ جو ان میں سے اس نظریہ کو مانتے اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کا ذمہ دار جانتے ہیں۔ اور نیابت کی بلندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی اور سرافگندگی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس نیابت اور عبدیت کے دوگونہ فرائض کے اصلی نمائندے تو انبیاء علیہم السلام ہیں۔ مگر ان کی تبعیت میں اپنے اپنے وقت ان کی امتیں بھی شامل رہی ہیں، لیکن اب جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کیلئے خاتم الانبیاء ہو کر تشریف لائے ہیں۔ اور اب آپ کے بعد کوئی دوسرا

قیامت تک آنے والا نہیں تو امتِ محمدیہ بھی اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تبعیت میں دنیا کی آخری امت ہوکر دنیا میں آئی ہے۔ اس لئے قرآن پاک اور حدیث نبوی میں اسکا لقب خاتم الامم اور آخر الامم ہے .... (یہ) امت محمدیہ جو آخری امت ہے اس لئے پردہ عدم سے باہر لائی گئی ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے آخری شاہد کے طور پر اس دنیا میں کام انجام دے۔ اور ہر نبی کے دعویٰ کی شاہد، حمایتی، مددگار اور گواہ رہے۔ وہ دنیا کی ساری قوموں کی نگراں کار بنا کر بھیجی گئی ہے۔ اسکا فرض ہے۔ کہ وہ قیامت تک قوموں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دے۔ اب نبیوں کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ کیونکہ دینِ الٰہی کامل ہوچکا۔ پیغام الٰہی کی ہر حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لے لی، اور اسکی تبلیغ۔ اور اشاعت کا فرض امت محمدیہ کے سپرد ہوگیا۔ اب یہ تنہا اسکے ذمہ ہے کہ قیامت تک تمام دنیا میں کلمۂ الٰہی کی بلندی، حق کی اشاعت دین کی تبلیغ نظام عدل کی برقراری، امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے امام و پیشوا اور وہ ساری امتوں کی امامت اور پیشوائی کرے، قیامت کے دن اس کی یہی فضیلت تمام انبیاء کی امتوں پر شہادت کی صورت میں ظاہر ہوگی .... اس امت محمدیہ کی ساری امتوں پر شہادت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس امت کے شاہد عادل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب قیامت تک کیلئے نبی ہوکر ساری امتوں کیلئے آخری نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے دنیا کی ساری امتیں خواہ وہ اپنے کو کسی سابق نبیؑ کی طرف منسوب کریں وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس فرض کو انجام دیا۔ اور اپنے آس پاس کی ساری امتوں تک اپنے پیغام کو پہنچایا۔ آپ کے بعد آپ

کے خلفاء اور صحابہ نے اس فرض کو انجام دیا۔ ان کے بعد عہد بعہد قیامت تک اِس پیغام الٰہی کی دعوت و تبلیغ امت محمدیہ کا فرض قرار پایا۔ اب جب تک دنیا آباد ہے۔ ہر ملک میں ہر قوم میں، دنیا کے ہر گوشہ میں اِس پیغام الٰہی کی دعوت و تبلیغ الی یوم القیام امت محمدیہ کا فریضہ ہے"   (امت مسلمہ کی بعثت معارف ص ۲۴۵ تا ۲۵۸ ج ۵۷ ملخصاً)

ایک دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں :۔

" اسلام ایک پیغام الٰہی، اور اس پیغام کی حامل امت مسلمہ ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے۔ جسکی طرف سے نہ صرف عام مسلمانوں نے بلکہ مسلمان علماء اور مشائخ تک نے اعراض و تغافل برتا، اور اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمان اپنے کو انہیں معنوں میں قوم سمجھنے لگے جن معنوں میں دنیا کی قومیں اپنے کو قوم سمجھتی ہیں۔ ان میں سے کوئی تو وطنیت کے سہارے اپنی قومیت کی دیوار کھڑی کرتا ہے۔ کسی نے نسل کو قومیت کا معیار سمجھا، اور ان میں سے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان قوم قومیت اور نسل سے نہیں۔ بلکہ مذہب کی بنیاد پر ہے۔ حالانکہ حقیقت اس سے بھی زیادہ آگے ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمان وہ جماعت ہے۔ جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے۔ اس پیغام کو قائم رکھنا اور اِس کو پھیلانا، اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اسکی زندگی کا تنہا فریضہ ہے۔ اس پیغام کے ماننے والوں کی ایک برادری ہے۔ جس کے حقوق ہیں اور یہی ان کی قومیت ہے۔ اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان قوم کا سب سے بڑا فرض اس پیغام الٰہی کی معرفت، اس کی بجاآوری اسکی تعلیم

"اس کی دعوت اور اسکی اشاعت اور اس کے حلقہ بگوشوں کی ایک پوری برادری کا قیام اور اس کے حقوق کو بجالانا ہے....."

"قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کے نصوص سے یہ ثابت ہے کہ امت مسلمہ اپنے نبیؐ کی تبعیت میں امم عالم کی طرف مبعوث ہے۔ اس امت کو باہر ہی اسلئے لایا گیا ہے۔ کہ وہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض کو انجام دے، جیساکہ یہ آیت پاک کھلے لفظوں میں ظاہر کر رہی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم اے مسلمانو بہترین امت ہو۔ جو لوگوں
تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ	کیلئے ظاہر کیگئی۔ اچھے کاموں کو بتلاتے ہو
عَنِ الْمُنْكَرِ	اور برے کاموں سے روکتے ہو

اس آیت نے بتایا۔ کہ امت مسلمہ دنیا کی دوسری امتوں کیلئے باہر لائی گئی ہے۔ اس کی پیدائش کی غرض بھی یہی ہے۔ کہ وہ امم عالم کی خدمت کرے اور ان میں خیر کی دعوت اور معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کرے۔ ایسی حالت میں اگر یہ امت اپنے اس فرض سے غفلت برتے تو وہ اپنی زندگی کے مقصد کے پورا کرنے سے عاری ہے۔" (مقدمہ سوانح مولٰنا الیاس)

امت محمدیہ کے اسی فریضہ اور مقصدِ حیات کا نام بعض علمائے محققین کی اصطلاح میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے، جو مذکورہ بالا آیت سے بھی مفہوم میں آتی ہے اور حدیث صحیح میں اسی بعثت ثانیہ کی تصریح ان الفاظ میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:۔

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین	تم آسانی پیدا کرنیوالے بناکر مبعوث ہوئے ہو۔ نہ کہ تنگی کرنیوالے بناکر

اس سے معلوم ہوا کہ امت محمدیہ ایک پیغام کی حامل ہے۔ اور اپنے رسول کی طرف سے دعوت و تبلیغ پر مامور ہے۔ وہ پردۂ عدم سے اس لئے باہر لائی گئی ہے۔ کہ وہ دنیا کی دوسری قوموں کی اصلاح و تزکیہ کی خدمت انجام دے۔ اور اپنے نبیؐ کے پیغام حق کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع میں اخیر حکم۔

فلیبلغ الشاھد الغائب — میرے پیغام کو جو یہاں موجود ہیں اس تک پہنچا دے جو یہاں موجود نہیں۔

یہ حکم صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک کیلئے محدود نہیں۔ بلکہ قیامت تک کیلئے جاری و ساری فرمایا گیا ہے۔ کہ ہر حاضر العلم دوسرے غیر حاضر العلم کو اسی طرح پہنچاتا رہے۔"

(امت مسلمہ کی بعثت معارف ص ۲۵۷ ج ۵۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

" امت مسلمہ فرائض نبوت میں سے دعوت خیر اور امر معروف اور نہی منکر میں نبی کی جانشین ہے۔ اسلئے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کار نبوت کے جو تین فرض عطا ہوئے ہیں۔ تلاوت احکام، تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ، یہ تینوں فرض امت مسلمہ پر بطور کنایہ عائد ہیں چنانچہ قرناً بعد قرنٍ اکابر آئمہ امت نے ان تینوں فریضوں کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی ہے۔ اور انہیں کے مجاہدات کا نور ہے۔ جس سے کاشانہ اسلام میں روشنی ہے۔ نبوت کے یہ تینوں فرض اس آیت میں یکجا ہیں۔

رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ

ایک رسول انہیں میں سے جو اللہ کی آیتوں کو پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ایسی امت جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلافت، انبیا علیہم السّلام اور خاصکر اپنے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور جملہ انسانیت کی طرف بعثت کے منصب جلیلہ سے نوازی گئی ہو۔ جو تمام عالم کے انسانوں کی قیامت تک نگراں بنائی گئی ہو۔ جسے وجود ہی دنیا میں نظام عدل کے قائم کرنے، احکام الٰہی کے پہنچانے اور جملہ اقوام وملل کیلئے خیر وبھلائی کا نمونہ بنکر امام وپیشوا بننے کیلئے بخشا گیا ہو۔ جسکا فریضۂ منصبی ہی ہدایت رسانی خلق، اشاعت احکام، اقامت دین، امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو۔ جسکا وظیفہ انسانیت کے قلوب ونفوس کا تزکیہ وتصفیہ، اخلاق عالیہ کی حفاظت اور الٰہی رنگ کا عالم میں نکھار ہو۔ کس طرح عزلت، گوشہ گیری، اور رہبانیت کی زندگی گذار سکتی ہے؟ اس منصب رفیع اور ان مقاصد وفرائض کا تقاضا اور لازمہ ہی جہد وجہاد، دعوت تبلیغ نفر وقتال لاعلاء کلمۃ اللہ، شریعت مطہرہ کا نفاذ، احکام ربانی کا اجراء، اسلامی سیاست عادلہ کا قیام اور اقامت دین کے متعلق جملہ امور کی کوشش ٹھہرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ امت محمدیہ مرحومہ کا سلوک زندگی کے سارے شعبوں میں طے ہوتا ہے۔ اور اسکی شاہراہ معرفت حیات انسانی کے جملہ انفرادی واجتماعی تقاضوں، معاملات اور حقوق وفرائض کی گھاٹی میں سے ہوکر گذرتی ہے۔ اور اسی بنا پر رہبانیت، عزلت، خلق سے گوشہ گیری کی اسلامی تصوف میں گنجائش نہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات اسی "جامع سلوک" پر مشتمل تھیں چنانچہ آئندہ اوراق میں اسی جامعیت کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کیجائے گی۔

سیاست و تعمیر ملت

"سیاست ایک دھوپ چھاؤں ہے۔ وہ دم بدم بوقلموں کی طرح رنگ بدلتی ہے" کہ ہر زمانہ کے خیالات یکساں نہیں ہوتے، حالات و ظروف بدلتے ہیں حسن و قبح کے انسانی معیار میں تغیر آتا ہے۔ جو کل حق نظر آرہا تھا۔ وہ آج باطل دکھائی دیتا ہے۔ اور جو آج غلط ہے۔ وہ کل صحیح معلوم ہوتا ہے، انسانی علم کی کوتاہی و نارسائی، مستقبل و مغیبات سے ناآشنائی، حصولِ جاہ واقتدار اور مال و دولت کی حرص و آز سے ملکر ہر روز نئے نئے سیاسی نظریوں کو وجود بخشتی ہے۔ لیل و نہار کی ہر گروش کے ساتھ سیاسی افکار و خیالات، نظریات و طرق میں تغیر و تبدل اور آتار چڑھاؤ جاری رہتا ہے۔ اہل سیاست اپنے مزعومہ فکری و سیاسی نظاموں کی کامیابی اور حصول قوت و اقتدار کیلئے ہر قسم کی جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اس کے لئے ہر قسم کے اسباب و وسائل بروئے کار لاتے ہیں۔ غرض اس تماشہ گاہ عالم میں سیاست کی رنگا رنگی ہر روز ایک نیا منظر پیش کرتی ہے اور زمانہ کے ہر موڑ کے ساتھ سیاست بھی اپنا رُخ بدلتی ہے۔ اسکے مقابل میں دین جو حقِ مطلق اور صداقتِ دائمی ہے۔ وہ ناقابلِ تغیر ہے ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری — بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اسلئے اہل دین کیلئے ہر تغیر پذیر سیاسی نظریہ کی پرکھ کا معیار دین کے غیر متغیر حقائق ہیں اور ہر سیاسی فکر و نظریہ اور اسکے طریقِ کار کے حسن و قبح کی کسوٹی دین کی غیر متبدل حقیقت ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ ہر نظریۂ فکر دین کے معیار پر کامل اتر سکتا ہے۔ اور نہ ہر سیاسی نظام دین کہلایا جا سکتا ہے۔ نہ ہر غلبہ و تفوق کی کوشش کو "اسلامی سیاست" کہا جا سکتا ہے اس بنا پر اہل دین و سالکین کیلئے ہر قسم کی سیاسی تگ و دو، کوشش و جستجو میں شرکت و اشتغال بغیر اسکی حقیقت و مآل جانے ممکن نہیں گو اسلام کی جامعیت اور ہمہ گیری نے "سیاست" کو "شجرہ ممنوعہ" قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی عیسائیوں کی طرح "قیصر و خدا" کی دو علیحدہ علیحدہ مملکتوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور نہ ہی "سیاست" اسلامی حیطۂ عمل اور دائرہ سلوک سے خارج ہے۔ تاہم خالص" اسلامی سیاست" کا شجر طیبہ اپنی ہی زمین میں برگ و بار لاتا ہے۔ اور اسلامی دعوت کی ہمہ گیری اسے پروان چڑھاتی ہے۔

حضرت سید الملت قدس سرہ کا ارشاد ہے۔

" اسلامی سیاست دعوت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ دعوت میں سیاست خودبخود آجاتی ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالیات کے وزیر اور سیاسی قوتیں جمع نہیں کیں۔ نہ یہ کہا کہ آؤ ملکر حکومت کریں۔ صرف کلمہ کی طرف لوگوں کو بلایا۔ دین کی دعوت دی، سیاست ذیل میں خود بخود آگئی۔ گو اسلام میں سیاست اور دعوت علیحدہ نہیں ہے۔ لیکن سیاست کے منافع اور ضرر سے دعوت پر کبھی اثر پڑتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

" یہ ایک افسوناک حقیقت ہے۔ مگر حقیقت ہے۔ کہ اسلامی دعوت کی وسعت جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع تھی۔ وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عقائد اور چند عبادات

تک محدود ہو کر رہ گئی۔ بنی امیہ نے اپنے عمل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا اور عباسیہ نے تہذیب و تمدن و آداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا۔ اِس کے بعد ایرانی و ترکی و تاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین نوشیروانی اور تورۂ چنگیزی کا اضافہ کیا۔ وہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھتے تھے۔ مگر ان کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسریٰ اور چنگیز و ہلاکو کے دستور و قواعد پر مبنی تھے۔ اس لئے ہماری یہ پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی تو ضرور تھیں۔ مگر اسلام کی نہ تھیں۔ یعنی ان کے فرمانروا مسلمان تھے۔ مگر ان کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا۔ جس طرح آج انگریزی عہد میں بھی محمڈن لاء جاری ہونے سے کوئی سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی تھی۔ تو کل صرف نکاح و طلاق و وقف وغیرہ کے اجرا سے سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی۔ الّا یہ کہ اِس کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز و تساہل برتتے ہیں۔

یہ کہنا صحیح نہیں۔ کہ مسلمانوں نے اس اسلامی حقیقت کی تبدیلی کو آسانی سے مان لیا۔ جنگ جمل، جنگ صفین حضرت عبداللہ بن زبیر اور حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرہ جس میں اہل مدینہ نے بنوامیہ کے خلاف لڑائی لڑی، واقعہ قراء جس میں علماء عراق نے بنوامیّہ کے خلاف معرکہ آرائی کی۔ واقعہ نفس ذکیہ جس میں سادات و علمائے حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پر زور بغاوت کی، یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جس میں اصلاح و انقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی نہیں ہوئی، خونریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا۔ اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہا نے یہ اصول بنالیا، کہ ہر اصلاح طلبی میں یہ دیکھنا چاہئیے کہ فتنوں کے نئے دروازے تو نہیں کھلتے اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہو جائیں گے

ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ انقلاب سے پہلے انہوں نے انقلاب کی دعوت کا دور اپنے اوپر نہیں گذارا، اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع کر دی، آخر اسی زمانہ میں ابو مسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسیہ حکومت کا آغاز ہوا۔ اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولت فاطمیہ پیدا ہوئی اور محمد بن تومرت کی تحریک جس سے موحدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی اور پھلی اور پھولی اور مدتوں قائم رہی۔

زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کر دیئے ہیں۔ ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے تخت خالی ہو گئے۔ دستوری اور جمہوری اور عوامی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہو رہی ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی اصول سلطنت پر کوئی سلطنت قائم کیوں نہیں ہو سکتی۔" (معارف اعظم گڑھ ص ۲۵۱ ج ۶۰ نمبر ۴)

اِس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ اسلام میں سیاست دین سے علیحدہ نہیں۔ لیکن اس کے وجود میں آنے اور اسے بروئے کار لانے کیلئے دعوت اور صحیح ذہنی و فکری تربیت کی ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کسی سیاسی تحریک میں حصہ لینا پوری طرح خوش آئند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ہر سیاسی انقلاب سے پہلے مسلمانوں کی صحیح دینی تربیت کو ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ ارقام فرماتے ہیں:-

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے۔ پیش نظر سیاسی انقلاب خواہ کتنا ہی خوش آئندہ ہو۔ ان کا اعلیٰ مطمح نظر نہیں بن سکتا۔ ان کا اصلی مقصد حیات تو اشخاص کا عروج وزوال، پارٹیوں کی شکست و ریخت وزارتوں کا عزل و نصب، اور زمینوں کا

ردوبدل نہیں۔ بلکہ عقائد و اصول کی تصحیح، مقصد حیات کی تعیین اور مسائل زندگی میں اسلامی نظام کی سچی تقلید اور پیروی ہے۔ اور اس کی برقراری کیلئے دلوں میں سچی تڑپ اور ناقابلِ سکون اضطراب، غرض ہم کو نئے سرے سے ایک نئی عمارت کا کام کرنا ہے۔

بحمد اللہ کہ مسلمان نوجوانوں میں اس حقیقت کا ادراک ہورہا ہے۔ اور یہ آواز پہلے کی طرح اب نامانوس نہیں رہی ہے .... (کہ) رجوع الی الاسلام، یعنی زندگی کے ہر اصول میں اسلام کی طرف بازگشت ہی ہماری ہر بیماری کا علاج ہے۔

اس لئے حکومت کا خواب دیکھنے والوں کو پہلے اسلام کا خواب دیکھنا چاہیئے کہ اسلام کیا ہے۔ اس کا نظام کیا ہے۔ اس کے احکام کیا ہیں۔ اور اس کے مطابق ہمارے افراد کی زندگی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے۔ تو ہمارے اندر وہ انقلاب کیسے پیدا ہو۔ جو ہم کو ترکستان کی راہ سے ہٹاکر حجاز کی طرف لے جائے۔ جو ہم کو یورپ کی نقالی کی بجائے خود اپنی اصلیت مفقودہ کی تصویر ہم کو دکھادے۔ تاکہ ہم خلافتِ موعودہ کے مستحق ٹھہریں۔

جب تک ہمارا مقصود صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین نہ ہوگا۔ اور اسی کیلئے روٹھنا اور مٹنا اور مرنا اور جینا نہ ہوگا۔ ہم اسی طرح ممبریوں اور وزارتوں اور لیڈریوں کیلئے آپس میں لڑتے، مرتے اور کٹتے رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اپنا مقصود انہیں شخصی اعزازات اور اسی جاہ و منصب کے حصول کو بنا رکھا ہے۔ اور اسی کا نام ہم نے اسلامی ترقی رکھ چھوڑا ہے۔

ضرورت ہے کہ عقائد و عبادات کے ساتھ اسلامی سیاسیات، اسلامی اقتصادیات

اسلامی طریق تجارت، اسلامی اصول مضاربت (یعنی سرمایہ اور مزدوری کے طریق تعاون) اسلامی طریق کاشتکاری، اسلامی طریق کارخانہ داری، کسانوں اور مزدوروں کے اسلامی حقوق، اسلامی لین دین اور معاملات کے مسائل اور دیگر تمام ضروری امور زندگی کے متعلق خالص اسلامی حل لوگوں کے سامنے رکھا جائے۔ اور اس کے قبول و عمل کی دعوت دیجائے، جس سے اسلام کی نشأۃ ثانیہ ہو اور مسلمان مسلمان بن کر دنیا میں ظاہر ہوں (معارف ص ۲۴۲/۲۴۴ نمبر ۴ ج ۵۸)
سیاسی سطحی و وقتی ہنگامہ آرائیوں سے بچاکر ملت کی صحیح تعمیر کی دعوت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"جماعت کی تعمیر صرف جذبات، جوش وخروش اور ہنگاموں سے نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی مقصد کے ساتھ عشق کی سی وابستگی اور اس کے حصول کی راہ میں جان و مال وعزت ہر چیز کی قربانی کا حوصلہ ہونا چاہیئے۔ اور اس راہ میں موانع کی جو تکلیں پیش آئیں۔ ان کے ازالہ اور برداشت میں صبر و ضبط اور عزیمت واستقلال اور حصول مقصد کے بعد اس حاصل شدہ مقصد کی بقا کیلئے اخلاق کی بلندی، عیش و آرام کی زندگی سے پرہیز، مال و دولت اور جاہ وعزت کی حرص و محبت سے آزادی، مختلف عناصر کے مختلف افراد کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ، اور مقصد کی بقا کو ہر ذاتی منفعت اور ہر شخصی فائدہ مندی سے برتر جاننا اور رکھنا اور اسی کیلئے جینا اور اسی کیلئے مرنا، جب تک کسی جماعت کے افراد میں اکثریت اور اغلبیت کے ساتھ یہ اوصاف پیدا نہ ہوں گے۔ اول تو کوئی جماعتی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا اور ہو بھی جائے تو وہ باقی نہیں رہ سکتا۔

اب ہم کو دیکھنا ہے۔ کہ آیا ہماری اس وقت کی جماعتوں میں یہ اوصاف پیدا ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں۔ تو پیدا کرنا چاہیئے۔ اگر ہیں تو ان میں مزید ترقی اور پختگی کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور ہمارے رہنماؤں کو چاہیئے کہ وہ اپنی مختلف تحریکوں اور تعلیموں میں ان اصولوں کی تعلیم کے سبق دیا کریں۔ جماعتیں بھی بچوں ہی کی خاصیتیں رکھتی ہیں۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی انہی جیسے ہیں۔

اسلام میں بدر کا معرکہ جو ۳۱۳ مسلمانوں کا کارنامہ ہے ہر وقت پیدا کیا جا سکتا تھا۔ مگر بدر کے وقوع کے لئے تیرہ ۱۳ برس کے انتظار کی ضرورت پیش آئی، اور جب تک ٹھوک بجا کر اور آزمائشوں کی آگ میں تپا کر ان کو دیکھ نہیں لیا گیا۔ ان کو معرکوں میں نہیں لایا گیا۔ اس سے اندازہ ہوگا۔ کہ جماعتوں کی تعمیر صرف ضد اور ہٹ اور سب و شتم اور طعن و طنز اور شور و غل اور مختلف نعروں کے شعر پڑھنے اور چیخنے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ مقصد کی بلندی، مقصد سے عشق نما دلبستگی اس کے حصول و بقا کیلئے اعلیٰ اخلاق، پختہ سیرت اور مضبوط کیریکٹر پیدا کرنا ضروری ہے۔ تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں ہیں۔ کہ جماعت نے اپنے وحشیانہ جوش اور شجاعت سے کسی مقصد کو حاصل کر لیا، لیکن چونکہ اس کی بقا کیلئے جو اخلاق اور کیرکٹر چاہیئے ان کے نہ ہونے سے وہ مقصد ان کے ہاتھوں سے بہت جلد کھو گیا ابھی ہندوستان کی تاریخ میں اودھ کی سلطنت، روہیلوں کی ریاست

سکھوں کی شاہی، اور مرہٹوں کی پیشوائی میں عبرت کی داستانیں چھپی ہیں۔ (معارف ص ۱۶۲، ۱۶۳/ ج ۵۷/ نمبر ۳)

۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقع پر مسلمانان ہند کو تلقین فرماتے ہیں :۔

"آج کل مسلمانوں میں الیکشن کا بحران ہے۔ اس بحران میں جس طرح نامعقول طریقوں سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ حد درجہ نامناسب ہے۔ انتہا یہ ہے۔ کہ اس سلسلہ میں سب و شتم، لعن و طعن اور زد و کوب سے بھی پرہیز نہیں کیا جا رہا ہے۔ یہ طریق عمل استدلال کی قوت ظاہر کرنے کی بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ مذہب اور دین کی حمایت کا نام لے کر عوام کو جوش دلانا اور اس سے اپنا کام نکالنا غلط رہنمائی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہونچے گا۔ ضرورت اسکی ہے۔ کہ مسلمانوں کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار، باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی جائے۔ جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہیں۔ صرف زبانی جوش و خروش، گرما گرم محفلی اور اخباری بحث اور براہ راست دست و گریبان ہونا قوم کی طاقت نہیں۔ ہماری بحثوں کا موضوع مسائل کا صواب و خطا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ اشخاص کے محاسن و معائب کا اظہار۔" (معارف ص ۳۲۶/ ج ۵۶/ نمبر ۵)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

قومیں کاغذوں اور مسودوں سے نہیں بنتیں۔ وہ دلوں کے بدلنے اور

ذہنیتوں کی اصلاح اور تعلیم و تربیت سے بن سکتی ہیں۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

" ضرورت دل و دماغ کے انقلاب کی ہے۔ جو صحیح دعوت فکری سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے ظاہر ہے۔ اس کے لئے شور و غل اور ہنگامہ اور دعوت جنگ و نبرد کی راہ غلط ہے۔ ہمارے علماء جدید ذرائع و وسائلِ کار سے ناواقف ہیں۔ جوش سے کام لیتے ہیں ہوش سے نہیں۔ جہاد بالسیف سے زیادہ ضروری کام ان حالات میں جہاد بالقلم ہے۔ ان حضرات میں سراسر جوش ہی جوش ہے۔ جو اس زمانے میں چنداں مفید نہیں۔ دلوں کا انقلاب غیظ و غضب جوش و خروش اور جذبہ انتقام اور استعجال سے نہیں پیدا ہوتا۔"

ملت کی تعمیر میں تعلیم کی جو اہمیت ہے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں :۔

"ہم نے پہلے بھی کہا ہے۔ اور اب پھر کہتے ہیں۔ کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے جس سے مسلمان مسلمان بھی باقی رہیں۔ اور اس راہ میں جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور میں ان سے ہو چکی ہے۔ وہ اس آنے والے دور میں نہ ہو...... تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے۔ یہی وہ سانچہ ہے۔ جس میں ملت کے نوجوان افراد ڈھل کر نکلتے ہیں۔ ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشوونما، دماغی استعداد اور قلبی قوتِ یقین، یعنی ساری ذہنیت اس کے ذریعہ بنائی اور بگاڑی جا سکتی ہے۔ امت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے۔ وہ اسی

کے ذریعہ تیار ہوتے ہیں اور ہوسکتے ہیں۔ خوب سمجھئے کہ ہندوئیت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ذہنی تیقین اور اعمال و اخلاق کے ایک خاص طریق کا نام ہے۔ جس کی بقا تعلیم و تربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہیں۔ اسکی بقا کیلئے تعلیم و تربیت کے ایک خاص نظام کی ضرورت ہے۔ جو مسلمانوں کے مسلمان رہنے اور بننے میں مدد دے"

قیام پاکستان کے بعد حضرت علامہ محمد یوسف صاحب البنوری مدظلہ کو بھوپال ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"معلوم نہیں جہاں آپ ہیں (یعنی پاکستان میں) کیا صورت حال ہے۔ کیا معنوی صورتیں مسلمانوں میں ابھر رہی ہیں۔ یا صرف شور و غل اور ریا و نمائش ہے۔ یہ وقت جوش و خروش کا نہیں ہوش کا ہے مسلمانوں کو۔ اِنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ کے مطابق صالح ہونا چاہیئے اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ" کے مطابق ایمان و عمل صالح میں ترقی کرنی چاہیئے اس وقت ... مسلمانوں میں نظم و ضبط، ثبات قدمی، اطاعتِ امر اور جد و جہد و سعی محنت ایثار و اخلاق پیدا کرنے اور حب مال، حب جاہ اور حب نفس کے خباثت کو اپنے اندر سے نکالنے کی ضرورت ہے۔ کاش میری یہ آواز مسلمانوں تک پہنچ سکتی"

اس خط میں ۱۹۴۷ء کے خونچکاں ہنگاموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں ۔

از ماست کہ بر ماست مسلمانوں پر جو کچھ وبال ہے ۔ وہ ان کے اعمال کی سزا ہے ۔ کاش اب بھی قلوب میں انابت ہو ۔ اور مسلمان سمجھیں کہ ان کا مقصد اول اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ ہے ۔ خواہ وہ تخت سلطنت پر ہو یا بوریائے فقر پر ۔ ان کو شیطان سے اس لئے مخاصمت نہیں کہ یہ شیطان کا تخت زمین پر کیوں بچھا ہے بلکہ اس لئے یہ مخاصمت ہے کہ اس تخت شیطنیت پر شیطان کیوں بیٹھا ہے وہ کیوں نہیں بیٹھے ہیں ۔

مندرجہ بالا مباحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی ۔ کہ حضرت والا قدس سرہ سیاست کی خالص دنیاوی عصری ہنگامہ آرائیوں، سطحی شور و غل، اقتدار کی تگ و دو کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصل کام مسلمان بننا اور بنانا تھا ۔ جس کے لئے مسلمانوں کی صحیح اخلاقی و معنوی، مذہبی و دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت و اہتمام کو ملت کی تعمیر و بقا کیلئے ضروری سمجھتے تھے ۔ اس اعلیٰ مقصد کی طرف وہ مسلمانوں کی سیاست کے رخ کو بھی پھیرنا چاہتے تھے اور ہر اس سیاست کو غلط سمجھتے تھے جو مسلمانوں کے بنیادی مقاصد و عقائد کو زک پہنچائے ۔ مسلمانوں کو وہ ایک بامقصد اور خاص طرز حیات و پیام کی حامل امت سمجھتے تھے ۔ اور اس کی توانائیوں، قوتوں اور استعدادوں کو صرف اقامتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے خاص کر دینا چاہتے تھے ۔ اسی بنا پر علماء اور اہل فکر طبقہ کا موجودہ عملی دنیاوی سیاست میں کلیتاً الجھ جانا پسند نہیں فرماتے تھے ۔ حضرت قدس سرہ

کے نزدیک اس طبقہ کو محض قوم کی فکری و ذہنی رہنمائی اور صحیح اسلامی اخلاقی و روحانی تربیت کرنا چاہیئے۔ اور 'عملی سیاست' کے خارزار میں الجھے بغیر ملّت کو اسلامی سیاست، شرعی مقاصد، دینی اعمال و کردار کی تلقین و تبلیغ کرتے رہنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک خط میں اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیاسات کے باب میں ابھی تک عزلت گزینی پر قائم ہوں۔ اور اسی میں اپنی فلاح سمجھتا ہوں۔ امت کی خدمت صرف سیاست ہی میں منحصر نہیں۔

مسعود عالم ندوی کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سیاسیات" میں میرے خیالات آپ لوگوں سے الگ نہیں۔ لیکن اگر رسالہ (الضیاء) کو چلانا ہے۔ تو اس کو شجرہ ممنوعہ قرار دینا پڑے گا۔ الخیر کلّہ لیس فی السیاسۃ، انما ھو نوع من الخیر، فترکہ لیس ترک الخیر کلہ (مکاتیب سلیمان ص۳۶)

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"اخبار ہلال کا طلوع مبارک! مگر ضرورت ہے کہ صرف قوم و ملک کا سیاسی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ کچھ اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ہمارے دلوں کے اندر ہو، اور اسکی رضا اور رجا کا بھی دل میں خطرہ ہو۔ افسوس ہے کہ جو ہم میں نظری طور سے ملحد نہیں وہ عملی طور سے ملحد ہوتے جا رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کا درد ہندوستانی قومیت کے منافی نہیں"۔

تقسیم ہند سے پیشتر کے چند سالوں میں ہندوستان کا سیاسی مطلع جس طرح غبار آلود تھا۔ اور سیاست جس طرح مسلمانانِ ہند کے دل و دماغ، ذہن و قویٰ پر چھائی ہوئی تھی۔

اس کا آج تصور بھی مشکل ہے۔ حسن و قبح کا مدار، اشخاص کی مدح و ذم کا معیار سیاسی مسالک بن چکے تھے، حضرت والا قدس سرہ کی اس زمانے کی تحریر میں سیاسی اصابت رائے، فکری پختگی، ذہنی بلندی، دینی بصیرت اور اسلامی نظریہ زندگی کی معتدل اور جامع ہدایات ہیں۔ جو ہمیشہ مسلمانوں کیلئے مشعل راہ رہنگی۔

۱۹۴۵ء کے ہنگامہ خیز زمانہ میں کلکتہ میں ایک نئی جمیعۃ علمائے اسلام قائم ہوئی تھی۔ جس کا مسلک پاکستانی نظریہ کی حمایت تھا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اسکے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔

"پچھلے مہینہ کلکتہ میں ایک نئی جمیعۃ علمائے اسلام کی بنیاد پڑی ہے۔ جہانتک اس کے مطبوعہ نظامنامہ کا تعلق ہے۔ وہ بڑی اہمیت کی مستحق ہے۔ اور اس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں، لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی محرک تو اس ساری گردشِ افکار کا محور نہیں ہے۔ ان کاموں کیلئے ضرورت ہے۔ چند جانباز مخلصوں کی جو اس کے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں اور پیہم سرگرمیوں سے اپنے وجود کا یقین دلائیں۔ ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوانگ بہت دیکھنے میں آئے ہیں۔ جمیعت کو ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ ایسی نہیں اور اس سے جو توقعات قائم کیجائیں وہ پوری ہونگی اور وہ متبوع ہو کر رہے گی تابع نہیں۔

آجکل مسلمان اہل سیاست میں علماء کو برا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علمائے جمیعت علمائے اسلام نے ہمت کر کے ان کی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے

علیحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گذشتہ طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی ہو گی۔ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہوگا۔ کہ اس کا مشغلہ غیبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو۔

اس زمانہ میں جب الیکشن کا بازار گرم ہے۔ سیاسیات نے قومی اور تعلیمی و علمی اداروں کو بھی اپنے ساتھ الجھالیا ہے۔ لیکن یہ صورتِ حال خود ان تعلیمی و علمی اداروں کیلئے موزوں نہیں۔ یہ ادارے وہ کارخانے ہیں۔ جن کے سپرد قوم کے دماغوں کی تیاری کا کام ہے۔ اگر گولہ بارود بنانے والے کارخانوں کے مزدور اور جنگی تربیت گاہوں کے معلم بھی فوج میں بھرتی ہوجائیں تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو۔ کبھی لڑائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے؟

مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں۔ تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے۔ اس کو علمی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔" (معارف ص ۲۳۹/۲۴ ج ۵۹ نمبر ۶)

مسعود عالم صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں:۔

"میں بھی اعظم گڈھ سے دور ہونے کے باعث الیکشنوں کے ہر گرد و غبار سے محفوظ رہا۔ ابھی دیوبند گیا تھا۔ ایک دن رہا۔ مدرسہ کانگرس کا قلعہ

بن رہا تھا حسنِ نیت اور اخلاص پر اعتماد ہے۔ مگر مدارس کا اس کشاکش میں پھنسنا کسی طرح علم و دین کیلئے پسندیدہ نہیں۔ ایک طرف علیگڑھ کے طلبہ لیگ کا علم لے کر اور بالمقابل دیوبند کے طلبہ کانگرس کا جھنڈا لیکر صوبہ بھر میں پھیلے ہیں۔" (مکاتیب سلیمان ص۱۹۴، ۱۹۵)

حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب بنوری کو لکھتے ہیں :۔

" ادھر میرٹھ میں قیام کے سبب سے دو دو چار روز کیلئے دیوبند، سہارنپور، تھانہ بھون اور دہلی ہو ہو آیا۔ ہر جگہ سیاسیات کے الجھاؤ سے اصحاب عمائم اور اہل درس و تدریس کو پراگندہ خاطر پایا، اللہ تعالیٰ امت محمدیہ پر رحم فرمائے :۔

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" سیاسیات سے یکسو ہو کر علم اور دین کی خاطر ہم اپنی کوششوں کو یکجا کریں۔"

ایک خط میں مسعود عالم صاحب کو ۱۷ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو اس وقت کی سیاست کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" ملت اسلامیہ کی اکثریت کی ناکامی کا سانحہ بڑا المناک ہوگا۔ مسلک کی صحت و خطا سے بحث نہیں، یوں ہی ایک بات قلم سے نکل گئی ع

" گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے "

حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت پر اس بات کا بہت ہی اثر تھا۔ کہ امت مسلمہ اکثری حیثیت سے اپنے مقاصد اپنے منصب خلافت اور مقام امامت کو بھلا کر فکر و نظر، علم و عمل میں متبوع بننے کی بجائے دوسرے کی تابع اور ناقل

بنتی چلی جا رہی ہے۔ بلکہ بن گئی ہے۔ امت کو اس کے مقامِ رفیع کی یاد دہانی ، اسلامی نظریہ خلافت کی طرف رجوع اور دینی سیاست عادلہ کی طرف عود کی تلقین اپنے حکیمانہ اور پر درد الفاظ میں ہمیشہ فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک جگہ حکیم الامتؒ کی مساعی جمیلہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

" حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار ہے۔ اونچے محلوں، بھرے خزانوں، بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں، اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک وصاف قلب کا نام ہے۔ جو آب و گل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو۔ اور حرص و ہویٰ، حبِّ مال اور حب جاہ کا گرویدہ نہ ہو۔ جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر و تصوف، علم و فن اور تمدن و سیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض و غایت اور اصول و مبادی کو چھوڑ کر ہندی و عجمی و یونانی وافرنگی تصور حیات کی تقلید میں مصروف ہو گئے۔ اور اب تک مصروف ہیں۔ اور اسی کی رونق کو اپنے کاشانہ کی عظمت جانتے ہیں۔ فقر و تصوف میں ہندی و یونانی تصورات جوگ و استشراق کی تقلید ہے۔ علم و فن میں عجمی و یونانی مذاق کی پیروی ہے۔ تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگ کی آمیزش ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت و کسرائیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا۔ اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصریت و کسرائیت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگ گئے کہ اس کے امراء و حکام خلفائے راشدین

کی جگہ قیصر و کسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے۔ وہی تعیش، وہی سونے چاندی اور ریشم حریر اور طاؤس و رباب کی زندگی مسلمان امراء و حکام کی زندگی کا مقصد بن گیا، بیت المال ان کا ذاتی خزانہ ہوگیا، اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیرداری و زمینداری۔ اسلامی اصول کی بجائے قیصر و کسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہوگئی۔

یہ تو عہد گزشتہ کا حال تھا۔ عہد حاضر میں یورپ کے تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے۔ ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں ہماری خواتین کے سامنے انگلستان و فرانس کی عریانی اور رنگینی اور بے حجابی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک و وضع کی اور طرز ماند و بود میں فرنگی مآبی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ غرض مسلمانوں کے دل و دماغ اور ذہن و تصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا۔ یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم و فن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقدیم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت و گمراہیِ خیال کی عکاسی میں معروف ہے اور سوائے تقلید و نقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ سلطنت داری کا تخیل آتا ہے۔ تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہوشربائی اور باطل آرائی کیساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہوجاتی ہے۔ کہ اسلام کا تصورِ سیاست اور تصورِ تمدن اور تصورِ علم و فن اپنا خاص ہے۔ اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی و ملی غرض و غایت ہے۔

"........ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں۔ کہ وہ (اُس آئینہ[1] میں اپنے خط و خال کو دیکھ کر) اپنی شکل کو پہچانیں، اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو اور مقلد بننے کی بجائے دنیا کے امام و پیشوا بنیں، اور ایک نئے تمدن نئے طرز حیات نئے مقصد زندگی اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیا تا گل برافشانیم و مے در ساغر اندازیم ﴿ فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

اور اس وقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینت کی پیاسی دنیا کو امن و سلامتی کا پیغام دیں۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کی تکمیل کریں۔ جو دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کی کفیل ہو۔ اور سیاست اور ملک داری کو حرص و ہوس جھوٹ اور دغا اور مکر و فریب سے آزاد کریں۔

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد   من و ساقی بہم سازیم و بنیادش براندازیم

اِسلام نے ببانگ دہل بتایا ہے۔ اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق کیلئے اخلاقی جوہر لازم ہے۔ حب مال اور حب جاہ یہ دو لبالب زہر کے پیالے ہیں۔ جو شربت زلال کی شکل میں حکام اور لیڈران کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اگر کسی نے اس کی طمع میں آکر ان کو پی لیا تو نہ صرف ان کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اِس لئے وہ **حکومتِ صالحہ** جس کی دعوت اسلام کا آئین دیتا ہے۔ وہ ایثار و اخلاص اور خدمت خلق کے للّٰہی جذبات سے

---

[1] اسلامی تعلیمات کا وہ آئینہ   جسے حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ نے امت کے سامنے پیش کیا اور جسے نئے انداز میں مخدومی مولانا عبدالباری ندوی نے سلسلہ تجدیدات و اصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں مرتب فرمایا۔ (یعنی جامع مجددین / تجدید تصوف و سلوک / تجدید تعلیم و تبلیغ / تجدید سیاسیات و قومیات) آخری جلد کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئی) م۔ا

تعمیر پاتی ہے۔ لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال وجاہ کی محبت سے قلوب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔ جو قرآن سے ہدایت یابی کی پہلی شرط ہے۔ "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خواری، پرمٹ فروشی، بلیک مارکٹنگ جن کی بدولت ہندوستان و پاکستان کے ہنیاویں ہل رہی ہیں۔ وہ حاکموں عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں اور تاجروں اور زمینداروں اور کسانوں کی انہیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں۔ اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیت الٰہی اور جزائے "یوم الدین" سے بیگانگی ہے۔ جس سے قلوب تزکیہ وتصفیہ کے آبِ صافی سے پاک وصاف ہوتے ہیں۔

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیۂ قلب اور تصفیۂ اخلاق کے بغیر فوزِ حقیقی سے محروم رہتے ہیں۔ افراد کے قلوب جب تک عناد وحسد، بغض وکینہ، عجب وغرور، ریا ونمائش سے خالی اور اخلاص وایثار، توکل واعتماد علی اللہ اور صبر وثبات سے معمور نہیں ہوتے۔ دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہمکنار نہیں ہوتے، اور یہ ایسے اصول ہیں۔ جو ایک طرف اصول و تعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی وانفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور مؤید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی غایت رضائے الٰہی کی طلب اور احکام الٰہی کی تعمیل اور اعلاء کلمۃ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں، ورنہ محض دنیاوی فوز و فلاح یعنی دولت وحشمت، عیشِ زندگی اور اسباب راحت کی فراوانی اور بلند

محلات اور خدم وحشم کی کثرت تو وہ پست و مبتذل مقاصد ہیں۔ جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہے۔ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الْبَاطِلُ (لقمان - ۳۰) كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (مقدمہ جامع المجددین)

ایک دوسرے مقام پر سورۂ فاتحہ کی تفسیر کرتے ہوئے مسلمانوں اور ممالک اسلامیہ کے اپنے خاص مقاصدِ حیات وطریقہ زندگی سے گریز اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کاملہ سے افسوسناک اعراض کا بیان اور ان کا یورپین یہود ونصاریٰ کے مردود وگمراہانہ طریقوں کی پیروی کا تذکرہ کس محرمانہ، حکیمانہ پردرد وموثر علمی انداز میں فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

"یورپ کا ہر فتنہ اور ذہنی انقلاب کا ہر ہنگامہ جو دنیائے نصاریٰ میں رونما ہوتا ہے۔ اس کی تہ میں جو قوت کارفرما ہوتی ہے۔ وہ یہودی ہوتی ہے۔ وطنیت کا فتنہ بین الاقوامیت کا فتنہ، ڈیموکریسی کا فتنہ، سوشلزم کا فتنہ، بالشوازم کا فتنہ، ان میں سے کونسی چیز ہے۔ جو یہود کی دماغی سرکشی اور ذہنی طغیانِ خیال کی ممنون نہیں ۔ آج یورپ اور امریکہ میں ایک طرف سرمایہ پرستی اور جمہوریت کا پرا قائم ہے۔ اور دوسری طرف مزدوروں اور کسانوں کی دعوت کی غلط صورت اور سوشیالسٹ تحریک کی لادینی حکومت کے کیمپ لگے ہوئے ہیں۔ اور دونوں چیزیں یہودیوں کی طاغیانہ رہنمائی اور نصاریٰ کی گمراہی کے دوگونہ عناصر سے مرکب ہیں۔ اور ساری دنیا ان دونوں طغیانی وگمراہی کے فتنوں میں سر سے پاؤں تک مبتلا ہے۔

آج ہمارے اسلامی ممالک خواہ وہ اپنے کو آزاد کہیں یا غلام، حاکم کہیں یا محکوم، کیا انہی دو فتنوں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہیں۔ اب یاد کیجئے ...

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ نے اول روز سے ہم کو بتایا تھا۔ کہ تم ہمیشہ، ہر ایک حال اور اپنی ہر چال میں انبیاء علیہم السلام کے راستہ پر قائم رہنا، اور مغضوب اور ضال قوموں سے بچے رہنا، مگر کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے اِس کا الٹا کیا، یعنی انبیاءؑ کے راستے کو چھوڑ کر مغضوب اور ضال قوموں کی راہوں کو اختیار کیا اور آج بھی یہی حال ہے۔ آج مسلمانوں کی ہر جماعت خواہ وہ کسی ملک میں ہو اپنی ترقی و اصلاح اور سعادت کیلئے انبیاء علیہم السلام کی طرف نہیں۔ بلکہ انہیں مغضوب اور ضال قوموں کی امامت کی اقتداء کیلئے بے قرار ہے۔ وضع وقطع، تراش وخراش، صورت وسیرت، تعلیم وتربیت، تہذیب وتمدن اخلاق وعادات، رفتار وگفتار، تجارت واقتصاد ومعاملات اور حکومت وسلطنت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا رخ انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے ؟ یا مغضوب وضال قوموں کی طرف ہے ؟ ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ منہ میرا طرف کعبہ شریف کے، مگر رفتار کی سمت لندن، پیرس، ماسکو، برلن اور نیویارک ہے۔ زبان سے تو اپنی سعادت وہدایت کو انبیاء علیہم السلام کی اور خصوصاً سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں منحصر جانتے ہیں۔ مگر دل میں اپنی ترقی کا راز یورپ اور امریکہ کی پیروی میں منحصر مانتے ہیں۔ ہم میں سے بعضوں نے جو دانشمندی کے مدعی ہیں۔ دین اور دنیا کے دو حصے کر رکھے ہیں۔ اور دین میں انبیاء کی اور دنیا میں ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی کے داعی ہیں۔ لیکن دین ودنیا کی یہ تقسیم کی تاویل بھی انہی گمراہوں کی تعلیم کا اعادہ ہے۔ جنہوں نے اپنے آسمانی صحیفوں میں یہ لکھا پایا ہے کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو اور جو خدا کا ہے خدا کو دو" گویا وہ دو خداؤں

کے قائل ہیں قیصر جو دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اور خدا جو آسمان پر فرمانروا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں وہ واحد ہے۔ وہ قیصر کون ہے۔ جو خدا کے ساتھ برابر کی حکومت کا دعویٰ دار ہے۔ "لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے) ان مغضوب وضال قوموں کی ایجاد و اختراع، دولت و طاقت حکومت وسلطنت کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ ان کی عریانی و بے پردگی، ان کی نفس پرستی و ہوسناکی و خود پسندی، ان کے تکبر و استکبار ان کے کفر و عصیان کی ہر تصویر ہمارے دل کو پسند ہے۔ ہمارے بچے، جوان، بوڑھے عورت اور مرد ہر ایک اس کوشش میں ہے۔ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے اس مشترکہ پیدا کردہ تہذیب وتمدن، طور وطریق، شکل ولباس، تعلیم وتربیت کی راہوں کی اقتدا کی تیز سے تیز دوڑ میں دوسروں سے آگے بڑھ جائے۔ اور ہر اس ناصح کی تکذیب میں مصروف ہے۔ جو ان کو ان مغضوبوں اور گمراہوں کی پیروی سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔

آج مسلمان نوجوان اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اپنے رہنمائے اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ نہیں۔ بلکہ لینن، اسٹالن، ہٹلر، مسولینی، چرچل اور روزویلٹ کے نمونوں کی تلاش اور ان کے روپ بھرنے میں ہر طرح کوشاں ہیں۔ اور انہی کی پیروی میں مسلمانوں کی نجات سمجھتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

اہل سیاست کو موجودہ مغضوب وضال قوموں کے مذموم تمدن وتہذیب اور بے آئین نظام سلطنت وحکومت، ظالمانہ طریق حکمرانی وفرمانروائی، گمراہانہ طریق تعلیم و تربیت، فاسد اخلاق وکردار اور قزاقانہ اقتصاد و وحشیانہ طاقت اور مجرمانہ سیاست پر افسوس نہیں۔ بلکہ اس پر مسرت ہے کہ اس مجرم، گنہگار، عریاں، خوشنما، فاسد الاخلاق

قزاق اور وحشی طاقت کے حکمران و فرمانروا اور ظالم نظام اقتصاد اور فاسد اصول قضا و عدالت کے مالک ہم کیوں نہ ہوئے، ان کو یہ افسوس نہیں، کہ شیطان کا یہ تخت جبروت کیوں بچھا ہے۔ بلکہ یہ افسوس ہے کہ ہم اس پر کیوں بیٹھے نہیں۔ ان کو شیطان کے تخت الٹنے کی فکر نہیں۔ بلکہ اس پر جلوس فرمانے کی فکر مستولی ہے۔

مسلمان مدت سے اس حالت میں ہیں کہ وہ اپنے کو بھول گئے ہیں۔ اور دوسری قوموں کی نقالی میں مصروف ہیں۔ اسلام ایک مستقل نظام حیات، نظام اقتصاد، نظام سیاست اور نظام اخلاق کا نام ہے۔ خود اپنے نظامات سے روگرداں ہو کر یا ان میں ترمیم و تبدیلی کر کے دنیا کے دوسرے ناقص و فاسد نظامات کو اختیار کرنے میں اپنی زندگی کی نجات جانتے ہیں۔

ٹرکی، مصر، شام، عراق، افغانستان، شمالی افریقہ، ہندوستان غرض وہ جہاں کہیں بھی ہیں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، یورپ کی نقالی کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا میں قیصریت اور کسروانیت کے علمبردار اور پیغمبروں کی بجائے ہلاکوؤں اور چنگیزوں کے جانشین بن گئے۔ آج انقلاب کا عہد ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ پھر سے اپنی رفتار سمت اور زندگی کے مقصد کو درست کریں۔ وہ اللہ کے محکوم، اس کی شریعت کے حامل اور دنیا میں اس کی شہنشاہی کے نمائندہ بنیں۔ ان کو پہلے اللہ کے قانون کو اپنے اوپر اور پھر اس کے بعد دوسروں کے اوپر نافذ کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کو ان معنوں میں قوم نہیں کہنا چاہیئے۔ جن معنوں میں رنگ اور نسل و نسب اور وطن کے اجزائے ترکیبی سے دنیا میں قومیں بنائی جاتی ہیں۔ بلکہ انسانی جماعتوں کا وہ ایسا مجموعہ ہے۔ جن کی ترکیبی اجزاء خاص خیالات، خاص عقائد، خاص اعمال، خاص اخلاق

خاص تمدن، خاص اصول سلطنت و حکمرانی ہیں۔ اس لئے وہ دوسری قوموں کے ساتھ متحد و محکوم ہو کر نہیں بلکہ مصالحانہ و معاہدانہ اصول پر دوست بن کر زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ورنہ ان کا وجود دوسری قوموں کیساتھ مخلوط ہو کر پائدار نہ ہوگا ..... (اسلئے مسلمانوں کو) ضرورت ہے ذہنیت کے بدلنے خیالات کے پلٹنے اور صحیح فکر کو سامنے رکھنے اور صحیح نصب العین کو اپنے دل میں جگہ دینے کی، تاکہ دنیا میں وہ انبیاء علیہم السلام کے نمائندے اور اسلام کا نمونہ بن کر ظاہر ہوں) .....“ (معارف نمبر ۵/ ج ۵۶/ ص۱۴۲ تا ۱۰۶)

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں ؛

” زمانہ کے حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں۔ خوشی کی بات ہے۔ کہ مسلمان اس سے بے خبر نہیں۔ معالجوں کی رایوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر مرض کی شدت اور نفسِ علاج کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں۔ قوم و ملت کے معالجوں کو دو حصّوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جو مسلمان قوم کی سیاسی تنظیم کر کے اس کو بر سرِ عروج لانا چاہتے ہیں۔ اور پھر ان کو استخلاف فی الارض کا مستحق ٹھہراتے ہیں۔ لیکن اس کیلئے ضرورت یہ ہے کہ اس پیام کے مبلغ اور رہبر پہلے خود کام کے مسلمان بنیں کہ ؏

خفتہ را خفتہ کے کند ہشیار

سچ یہ ہے۔ کہ اس سے پہلے کہ ہم دوسروں پر حکومت کریں، ہم کو خود اپنے نفس کے اوپر حکومت کرنا چاہیئے۔ حق کے پیام پر غیر متزلزل ایمان، احکام الٰہی پر بے چون و چرا عمل، حق کی راہ میں مجاہدانہ روح و ثباتِ قدم

عزم راسخ۔ حق کیلئے ایثار اور ذاتی خودغرضیوں کا استیصال ۔ (چاہیئے) کہ دنیا کسی دعوت کو اس وقت تک قبول نہیں کرتی، جب تک داعیوں کے جان ومال کا پورا امتحان نہیں لے لیتی، اور دعوت کے حرفوں کو داعیوں کے خون کی روشنائی میں پڑھ نہیں لیتی۔ یہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول ہیں۔ جو نہ کبھی بدلے ہیں۔ نہ بدلیں گے۔

ایک اور نکتہ بھی بھولنا نہیں چاہیئے۔ اسلام اور مسلمان ایک نہیں دو چیزیں ہیں مسلمان اب ایک قوم کا نام پڑ گیا ہے۔ جس کے اسلاف پیام اسلام کے حامل اور تعلیم اسلام کے عامل تھے۔ انہوں نے دنیا پر فتح پائی، اور اپنی مفتوحہ دولت اپنے اخلاف کے سپرد کر دی، زمانہ کے مرور سے یہ اخلاف یہ بھول گئے۔ کہ یہ انعام ان کے اسلاف کو ان کے خاص اوصاف کے صلہ میں ملا تھا۔ جب تک وہ اوصاف رہے۔ وہ انعام ان کے پاس رہا۔ اور جب وہ جاتے رہے۔ تو ان کا یہ انعام بھی چھین گیا۔ اب اگر اس کے حصول کی پھر تمنا ہے۔ تو پھر انہیں اوصاف کو حاصل کرنا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰہُ لِيُغَيِّرَ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۔ حکم ناطق ہے نادانی سے ہم لازم کو ملزوم اور ملزوم کو لازم سمجھتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ پہلے کہ [illegible] حاصل کرنے چاہیئں۔ اس کے ساتھ سلطنت وحکومت کے اوصاف پیدا ہو جائینگے۔ یہ خیال قطعاً غلط ہے۔ پہلے اوصاف حاصل کرو پھر اس کے نتیجوں کی امید رکھو، اگر ان اوصاف کے بغیر کوئی چیز ہم کو رعایت سے ملی بھی۔ تو وہ ہمارے پاس کبھی رہ نہیں سکتی" (معارف شذرات ماہ اپریل ۱۹۴۲ء)

مندرجہ بالا اقتباسات سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی نظریہ پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حضرت والا قدس سرہ عصری سیاست کو خالص اسلامی سیاست نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک عزیز مسترشد کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"...... موجودہ سیاست میں اہواء و اغراض نے دین کا جامہ پہن لیا ہے ڈوب کر دیکھیے..... " (تذکرہ سلیمان ص ۵۵۶)

اس لئے اسمیں سالکین و علماء کا انہماک پسند نہیں فرماتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ پاکستان کے ایک مشہور پیر کے متعلق فرمایا۔ پیر صاحب کو اب کس طرح ادھر (خالص دین کی خدمت کی طرف) لایا جائے۔ وہ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ سب کچھ سیاست میں ہے۔ مذہب کچھ نہیں۔ منہ کو خون لگ گیا ہے چٹخارہ ہے ؎

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی۔

۱۹۴۶ء ۱۹۴۷ء کے "سیاسی طوفان" میں اپنے سیاسی مسلک کی توضیح فرماتے ہوئے اپنے مسترشد خاص برادرِ عزیز مولوی غلام محمد صاحب حیدرآبادی مدظلہ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ جس مقام پر ہیں۔ وہ اس مقام سے جہاں عام مسلمان آباد ہیں سراسر مختلف ہے

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی طپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پارا

میں نے سیاسیات کے خارزار سے مدت ہوئی کہ اپنا دامن چھڑا لیا۔ اب جو کچھ ہے وہ مسلمانوں کی دینی و علمی و تعلیمی خدمات کی بجا آوری کا شوق ہے۔ ان کے علاوہ دیگر امور سے قطعاً عزلت نشین اور مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی دعا دل سے کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا لکھوں، جذبات کے جوش میں بہنے سے کام نہ چلے گا۔

میں ان تمام نزاعات (اختلافاتِ لیگ و کانگرس وغیرہ) سے عملاً کنارہ کش ہوں۔ اور دل میں مسلمانوں کی خیر و فلاح کے خیال کے سوا کچھ اور نہیں رکھتا۔ اور اسی کا داعی ہوں۔ اور اپنے اختیار کی حد تک اس کا ساعی مجھے سیاسیات کا رہبر نہ سمجھئے.....

خدا کرے کہ آپ دین کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر موجودہ شورشوں کیطرف اتنی نہ کریں۔ جو ادھر سے تغافل ہو جائے، دین ثابت و قائم چیز ہے۔ اور سیاست متبدل و متغیر، ہنگامی چیزوں کو اہمیت نہ دیں۔ اور امور دوامی میں مصروف رہیں۔"

انہی کو ان کی ایک سیاسی تحریر اور پھر اس پر پشیمانی کی اطلاع پر ارقام فرماتے ہیں:۔

"آپ جس کو گستاخی سمجھے۔ وہ میرے خیال میں سیاسی بحران ہے۔ جس ماحول میں آپ ہیں۔ اس میں اس قسم کے بحرانی جذبات و خیالات کا پیدا ہونا عین مقتضائے طبع ہے۔ اس لئے آپ کے وساوس کا خیال مجھے ذرا بھی نہیں ہوا۔ سمجھتا ہوں۔ کہ آپ کی طبیعت زود اثر ہے۔ کبھی سیاسیات کا جوش طبیعت پر غالب آجاتا ہے۔ موجودہ سیاسیات کا اثر نازک طبائع پر ایسا ہی پڑتا ہے۔ ان تمام ذہنی شورشوں کا علاج یہ ہے۔ کہ پیش آمدہ امور غیر اختیاری ہیں۔ پھر ہماری فکر اور غم کا حاصل؟ جس امت کی تاریخ میں وفات رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) شہادتِ فاروق رضؓ، عثمان رضؓ جنگ جمل، جنگ صفین، فتنہ حجاج، فتنہ یزید اور شہادت حسین رضؓ جیسے واقعات پیدا ہوئے ہوں۔

اس کے ہاتھ سے موجودہ سیاسیات کا ہیجان صبر کے دامن کو چھڑا دے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حاکم و حکیم بیک وقت ہونے کے اعتقاد سے کیوں تغافل ہو؟

اس تفصیل کا منشاء یہ ہے کہ ہنگامی جوش و خروش یا سردی و مایوسی سے مومن نہ گرم ہو اور نہ نرم ہو، اپنے کام میں یکساں لگا رہے۔

خطرات کے علاج دو ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکیم اور حاکم ہونے کا استحضار اور دوسرے ہنگامی اور دوامی امور میں فرق کا احساس"

راقم کی ایک سیاسی ناکامی پر ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا"۔ اور ایک دوسرے موقع پر ایک صاحب سے میری اس ناکامی کا تذکرہ کر کے فرمایا "سیاست کا کچھ تجربہ انہیں ہوا ہے۔ اب سمجھے ہیں۔ کہ یہ کونین کی کڑوی گولی ہے۔" اور اسی کے متعلق مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا "الخیر فیما وقع۔ بہر حال آپ کو سیاسیات کا تھوڑا سا تجربہ ہو گیا"

اپنے اس زمانہ کے سیاسی انہماک کی وجہ سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضری ہوتی۔ تو سیاسی باتیں اکثر چھیڑ دیتا۔ ایک مرتبہ ندامت کے طور پر عرض کیا "حضرت آپ کی مجلس کے آداب بجا نہیں لاتا، اور سیاسی بکواس شروع کر دیتا ہوں"۔ فرمایا۔ "کیا حرج ہے۔ انسان وہی اگلتا ہے۔ جو اندر ہوتا ہے۔ اچھا ہے قے ہو جائے گی۔"

خدا کی شان حضرت کے اس ارشاد کے بعد روز بروز سیاسی جھمیلوں سے بیزاری اور عملی سیاست سے کنارہ کشی کا میلان بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ تعلیمی خدمت میں مشغول ہو کر رہ گیا۔ جب حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ تو ارقام فرمایا۔ "جماعتی ماحول میں اتنی کثیف گندگی ہے۔ کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں۔" تاہم حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر وقت تک سیاست کے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ میری آخری

حاضری کے ایام میں ایک مرتبہ جب سیاسی خرابیوں کا تذکرہ چھڑا۔ اور ایک دوسرے صاحب نے راقم سے کہا آپ اس گندی سیاست کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ حضرت والا قدس سرہ نے اس موقع پر فرمایا۔ " یہ معاملہ ہر ایک کی اپنی قوت وضعف اور نیت کا ہے، ایک مرتبہ راقم نے تحریر کیا کہ۔ " موجودہ سیاست کے ساتھ چلنا اور انہیں صحیح بنیادوں پر اٹھانا نہایت ہی دشوار کام ہے۔ قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرماویں۔" اس کے جواب میں ارقام فرمایا۔

"تو پاک باش مدار از کس باک"

ایک مرتبہ راقم بغیر اپنی کوشش کے ایک اہم سیاسی جماعت کا عہدہ دار بنا دیا گیا۔ حضرت والا کو مطلع کیا، تو حضرت نے تحریر فرمایا۔" اللہ تعالیٰ اس کی قوت آپ کو عطا کریں۔ جب واقعہ ہو چکا تو مشورہ دینے کا موقع نہیں، اللہ تعالیٰ بہتر کریں۔"

رفقاء کے پیہم دباؤ کی بنا پر عاجز نے سرحد اسمبلی کی ممبری کے لئے کھڑے ہونے کا مشورہ طلب کیا۔ تو نہایت ہی بلیغ جواب تحریر فرمایا:۔

" یہ معاملہ اپنی قوت وضعف کا ہے۔ اگر آپ یہ قوت اپنے میں پاتے ہیں یا کم از کم ارادہ رکھتے ہیں۔ کہ مواقع خیر میں خیر کی اعانت کریں گے۔ تو کھڑے ہو جائیں مگر انتخاب کیلئے وہ مکائد و دسائس کام میں نہ لائیں جو اہل دنیا اور طالبِ جاہ و مال کرتے ہیں۔ پس جاہ و مال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں۔"

ایک مرتبہ چند شامی نوجوان خدمت میں حاضر ہوئے اور نظام اسلامی اور شریعت کے نفاذ پر بات چیت ہوئی۔ ان کے رخصت ہونے پر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقیر

سے فرمایا۔

"آج ہر جگہ نوجوانوں میں دینی احیاء اور شریعت کے نافذ کرنے کا جذبہ ہے لیکن کیا کیا جائے کہ سٹیرنگ دوسروں کے ہاتھ میں ہے۔"

مذکورۂ بالا ارشادات سے سیاست کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر اچھی خاص روشنی پڑتی ہے۔ کہ سیاست کو مقصد سمجھ کر اس میں انہماک کو پسند نہیں فرماتے تھے، لیکن اگر سیاست کو دین حق کے فروغ کا سبب و ذریعہ سمجھکر کمال احتیاط سے اپنے کو حب مال وجاہ کی آلائشوں سے بچاتے ہوئے اس میں شرکت کیجائے۔ تو مسلک سلیمانیؒ میں اس کی گنجائش ہے۔ لیکن یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں اور حضرت شیخؒ کے ہی الفاظ میں جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے۔ کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں۔ اس لئے عموماً حضرۃ الشیخ قدس سرہ کی طالبین کو ہدایات اس طرح کی ملتی ہیں کہ

۱۔ ضرورت اس کی ہے۔ کہ سیاست سے بے پرواہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوا جائے، اخلاص کے ساتھ اس (تبلیغی) کام کو جاری رکھیں، اور کبھی اس میں اپنے اندر استکبار اور دوسروں کے باب میں استحقار نہ آنے دیں۔"

۲۔ اگر میرے مشورہ پر عمل کیا جائے تو عملاً ان (لیگ و کانگریس) میں سے کسی میں شریک نہ ہوں، اور اس کیلئے دعا کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کیلئے خیر ہو۔ آنتِ الفرق کلھا۔"

۳۔ خالص دینی تقریر جاری رکھئے۔ سیاسیات سے کامل پرہیز۔

۴۔ جہاد صرف کانگرس کی ممبری اور اس کیلئے جیل جانے کا نام نہیں۔ بلکہ دین کی بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے تکالیف جانی و مالی کو گوارا کرے۔ یہانتک کہ جان بھی اس راہ میں چلی جاوے۔ گو جان دینے کے بھی شرائط ہیں۔

۱۵۔ "پہلے تو یہ سمجھیں کہ جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سعی و کوشش بالنفس والمال کا نام ہے۔ وہ کسی بادشاہ کی سلطنت کے قیام کیلئے نہیں جسکو آجکل سمجھا جاتا ہے۔ قومی حکومت و سلطنت جسکا تصور آجکل ہے۔ وہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ سے دور ہے ..... صحیح راہ یہ ہے کہ دل میں جہاد کی تمنا رہنی چاہیئے۔ اور وقت پر اس کا ظہور ہو"

غرض حضرت والاؒ طلبہ وعلماء اور سالکین کا سیاست میں الجھنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ حضرت شیخؒ کے نزدیک جو کام ان کے سپرد ہے۔ وہ اتنا ضروری واہم ہے کہ اسکا ترک یا اہمال ملت کے بنیادی نظام اور تعلیم وتربیت کیلئے نقصان دہ ہے۔ تاہم جیسا کہ گذر چکا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ بصیرت اور عمقِ نظر نے کلیۃً ان طبقات کیلئے سیاست کو "شجرِ ممنوعہ" نہیں قرار دیا۔ بلکہ اس بارے میں حضرت سید الملۃؒ کا یہ جملہ قول فیصل ہے۔ یہ معاملہ (سیاست میں شرکت یا عدم شرکت) ہر ایک کی اپنی قوت وضعف اور نیت کا ہے۔

مراد یہ ہے۔ کہ اگر مواقعِ خیر میں، اعانت اِحقاق حق اور ابطال باطل اور خدمت دین وملت کی قوت وہمت پاتا ہو تو گنجائش ہے۔ اور اگر یہ ہمت وعزیمت نہ ہو تو عملی سیاست سے کنارہ کشی ہی قرینِ صواب ہے۔ اپنے دائرہ میں خدمتِ دین اور تعمیر ملت کے کاموں میں کمی نہ کرے، امت کی دینی وذہنی تعلیم وتربیت کی اہمیت کو جانے اور صدق واخلاص سے ملت کی صحیح رہنمائی کی کوشش تحریر وتقریر اور دیگر ذرائع سے کرتا رہے۔ کہ ملت کے 'دل ودماغ' کی تربیت وآبیاری سیاست کے خارزار کی آبلہ پیمائی سے کس طرح کم نہیں وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْل

عسکریّت

جہاد بالنفس جہاد بالسیف سے کم نہیں۔ بلکہ شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ مکی زندگی کا جہاد بالنفس جس طرح مدنی سرفروشانہ (عسکری زندگی کا تربیت گاہ و پیش خیمہ تھا۔ اسی طرح صحیح خانقاہی زندگی انسان میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے۔ خاتم النبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالی و جمالی شان کے مظاہر بدر و حرا اور حنین و شعب ابی طالب دونوں ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصی صفت یہ تھی۔ کہ وہ رات کو عابدِ شب زندہ دار اور دن کو میدانِ جنگ کے شہسوار تھے۔ کامل اسلامی زندگی کی یہ جلالی (عسکریت) اور جمالی (سلوک و تصوف) شانیں ہم نے اسی مردِ حق آگاہ (حضرت سیدی قدس سرہ) میں پائیں۔ حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہٗ کے سلوک کی یہ دوگونہ دلکشی اس ذات جمیل و جلیل صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تھا۔ جو اس عالم میں جمالی اور جلالی صفات الٰہیہ کا برزخ کامل تھا۔

یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا ، بشیری ہے آئینہ دار نذیری

متعدد بار حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو تلقین و ترغیب کے طور پر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا:۔ " آپ کو عسکریت سے دلچسپی نہیں؟ "
۱۴؍اگست ۱۹۵۳ئہ کو یوم پاکستان کے سلسلہ میں ہوائی مظاہرہ اور فوج کی پریڈ تھی

اس سے پہلی رات مجھ سے استفسار فرمایا۔ کہ آپ مظاہرہ دیکھنے جائیں گے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ تو ارشاد فرمایا۔ "آپ کو عسکریت سے دلچسپی نہیں" ایک دوسرے طالب کے انکار پر فرمایا۔ "آپ صرف خانقاہی زندگی سے دلچسپی رکھتے ہیں" پھر مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ " ان فوجوں کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے کم ازکم انہیں اپنی فوجیں تو کہہ سکتے ہیں۔" ان ارشادات سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی عسکریت سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے۔ جو عصری سلوک میں شاید ہی کہیں نظر آئے۔

ایک سالک کو اشکال پیش آیا۔ کہ ہندوستان میں گنتی کے چند بزرگوں کے علاوہ اکابر صوفیہ نے اور خاصکر گذشتہ صدی کے حضرات نے جہاد کی طرف کیوں توجہ نہیں فرمائی" حضرت شیخ قدس سرہٗ نے حکیمانہ طرز میں اس اشکال کو رفع فرمایا۔ ارقام فرماتے ہیں:۔

"پہلے تو یہ سمجھیں۔ کہ جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے سعی و کوشش بالنفس و بالمال کا نام ہے۔ وہ کسی بادشاہ کی سلطنت کے قیام کیلئے نہیں، جسکو آج کل سمجھا جاتا ہے۔ قومی حکومت و سلطنت جس کا تصور آجکل ہے۔ وہ بھی اعلاء کلمۃ اللہ سے دور ہے۔ پھر اکابر صوفیہ جس وقت ہوئے ہیں۔ اس زمانہ میں کسی نہ کسی معنیٰ میں مسلمانوں کی سلطنتیں قائم تھیں۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو خدا کی حکومت کے مطابق بنانے میں کوششیں کیں۔

ہندوستان کی گذشتہ صدی کے کارناموں کیلئے آپ "علماء کا شاندار ماضی" کتاب محمد میاں مرادآبادی کی پڑھیں۔ یہ سب حضرات مجاہد تھے۔ خود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مولانا قاسم صاحب، مولانا رشید احمد صاحب مجاہدین میں تھے۔ اور خلفائے مولانا اسمٰعیل شہید کے کارنامے بھی پڑھیں جنکو مسعود عالم ندوی نے لکھا ہے۔

صحیح راہ یہ ہے کہ دل میں جہاد کی تمنا رہنی چاہیئے۔ اور وقت پر اس کا ظہور ہو۔" (تذکرہ سلیمان صہ۱۵۶، صہ۱۵۶)

اسی سالک نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا۔" احقر فی نفسہ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ کی زندگی ہی کو ٹھیک اتباع سنت کا حامل سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہاں تسبیح و سجادہ اور شمشیر و سناں کی جامعیت پائی جاتی ہے۔ اور خود احقر کی تمنا بھی یہی جامعیت پیدا کرنے کی ہے حضرت الشیخؒ طالب و ماحول پر نگاہ رکھتے ہوئے کیا بلیغ جواب تحریر فرماتے ہیں:۔

"صحیح ہے۔ مگر حضرت اسمٰعیلؒ کہاں ہیں! بہرحال کوشش ہر ایک کو چاہیئے۔"

ایک اور صاحب کو تحریر فرمایا:۔

" یہ راہ ہمت اور عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی۔ اسی کا نام مجاہدہ، و جَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ـــ اللہ کی راہ میں پورا پورا مجاہدہ کرو۔ مجاہدہ یہی ہے۔ کہ نفس کی باطل خواہشوں سے اعراض برت کر مقصدِ حق کو پورا کیا جائے۔ اور اسی پر دین و دنیا دونوں کی کامیابی منحصر ہے۔"

بعض عوامی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

" دین صرف اطاعت الٰہی کا نام ہے۔ اسلئے بے شبہ دین کی بلندی و اقامت اور اس کے کلمہ کے اعلاء کی راہ میں جدوجہد جہاد اور قتال فریضہ اُمت ہے ہو اس کے پورے شعبوں کو بروئے کار لانے کیلئے اقامت دین کے اس شعبہ سے بھی چارہ نہیں۔ جس کا نام زمین کی بالآخر قوت آمرہ یا حکومت دینیہ ہے۔ بلکہ خالص اطاعت الٰہی اور اقامت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے جس مومن کے دل میں مجبوریوں کے باوجود (اقامتِ دین کے اس

شعبہ کو بروئے کار لانے میں) حصہ لینے کی تمنا اور آرزو یا حدیث نفس بھی پیدا نہ ہو۔ وہ کمالِ ایمان سے محروم ہے۔ لیکن یہ فرض حیاتِ دنیا کی آرائش کیلئے نہیں بلکہ حیات اخروی کی فوز و فلاح کی نیت سے ادا کیجئے ..... کہ اسلام کو مطلق حکومت نہیں۔ بلکہ خاص نوع کی حکومت مطلوب ہے کیونکہ اسلام میں "استخلاف فی الارض" ایمانِ کامل اور عمل صالح کے ساتھ محدود ہے۔ اسلئے براہ راست "استخلاف فی الارض" کی ہر دعوت غلط ہے اور ایمانِ کامل اور عمل صالح کی اصل دعوت دے کر اس کے نتیجہ میں 'استخلاف فی الارض' کی امید عین مطلوب ہے۔ پہلی دعوت کا منشاء صرف متاع الحیٰوۃ الدنیا کی تلاش ہے۔ جس کی قرآن پاک نے تحقیر کی ہے۔ اور دوسری دعوت عین اسلام اور عین دین ہے۔ جس کا منشاء اِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کی حقیقی تفسیر اور ان الدنیا خلقت لکم و انکم خلقتم للاخرۃ (دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور تم آخرت کے لئے پیدا کئے گئے ہو) کی اصلی تصویر ہے۔"

(مقدمہ مولانا سندھی اور انکے خیالات و افکار پر ایک نظر ص ۲۰۱، ۲۰۲ الف)

ایک سالک کے "پیر کامل کے اوصاف کیا ہوں۔" کے استفسار کے جواب میں اس بات کی تصریح فرمائی۔ کہ اجتماعی پہلو جو شرع کے مطابق ہوں۔ پیر کے دائرہ سے خارج نہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے (پیر کامل کے) جو معیار بتائے ہیں۔ وہ تمام تر حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن

ہی کو پیش نظر رکھ کر بتائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ "اس کے عقائد و اعمال تمام تر شرع کے مطابق ہوں" تعبیر کا فرق ہے۔ آپ شرع کی جگہ اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ دیجئے۔ ایک ہی بات ہے اجتماعی پہلو اگر شرع ہے۔ تو وہ بھی اس میں آگیا۔ اگر موجودہ زمانہ کی سوشل و پولٹیکل تحریکات ہیں تو ان کی نسبت بھی وہی سوال ہے۔ کہ کیا وہ شرع سے باہر ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو انفرادی و اجتماعی کوئی پہلو شرع کے دائرہ سے خارج نہیں۔"

(تذکرہ سلیمان صہ ۲۹۲/صہ ۲۹۳)

دعوت و تبلیغ

اسلام میں تبلیغ و دعوت کی جو اہمیت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ امت مسلمہ ایک داعی امت ہے۔ جسکا آسمانی صحیفہ دعوت کے نغموں سے پرشور اور جسکے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اسوہ سراپا تبلیغ ہے۔ تاہم یہ دعوت و تبلیغ ایک خاص ترتیب اور اپنے حکیمانہ اصول و آداب رکھتی ہے۔ جس کے بغیر ہر کلمہ خیر شر کا باعث اور ہر تحریکِ عمل ضلالت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لئے حضرت سیّد الملۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مسترشدین کو اس پر خار گھاٹی کے نشیب و فراز سے اور اس کی نزاکتوں سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ اور اس میدان میں اترنے سے پہلے جن اوصاف و محامد کی ضرورت ہے۔ ان کے پیدا کرنے کی پیہم تلقین تھی۔ تبلیغ و دعوت کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاص نظریہ تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سالکین بغیر اپنی اصلاح کے اس میدان میں کود پڑیں۔ حضرت شیخ کے نزدیک سالک کو پہلے اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد دوسری طرف متوجہ ہو۔ ورنہ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک دعوت کی صحیح ترتیب یہ تھی کہ پہلے اپنی اصلاح

کی فکر کیجائے۔ اس کے بعد دوسروں کی، یہ نہ ہو کہ اپنی اصلاح سے غفلت تام ہو۔ اور دوسروں کے غم میں گھلنا شروع کردے۔ اس سے نہ دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہے، اور نہ اپنی اصلاح ہوتی ہے۔ جو خود مجسم تاریکی ہو، وہ دوسروں کو کیا روشن کر سکتا ہے، دلوں کی زندگی اللہ کے فضل اور زندہ قلوب کی تاثیر سے میسر آتی ہے۔ مردہ دل کسی کی کیا مسیحائی کریں گے۔ الفاظ کی رنگینی، زبان کی روانی اور قلم کی جولانی سے دلوں کی ہدایت نہیں ہوتی یہ نورِ خداوندی عطیۂ الٰہی اور زندہ دل بزرگوں کی صحبت سے میسر آتا ہے۔ قلبی ہدایت کے بغیر منبر اور سٹیج کی تقریروں یا کتب و رسائل کی تحریروں سے وقتی جوش و تاثر تو پیدا ہو سکتا ہے علم میں بھی ایک گونہ اضافہ اور ذہنی تسلی بھی ایک حد تک ہو سکتی ہے۔ لیکن روح و قلب کی دنیا شاذ ہی ان سے بدلتی ہے۔ آرام باغ کراچی میں ایک جلسہ منعقد ہونے والا تھا داعی جلسہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی، کہ آپ جلسہ میں تشریف لیجاویں اور تقریر فرمادیں۔ تاکہ ہماری اصلاح ہو جائے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتہائی بلیغ جواب دیا۔ " اصلاح آرام باغ میں نہیں، حجرہ میں ہوتی ہے۔" سچ ہے

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا — دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر | ایک طالب نے لکھا۔" دل کا تقاضہ بار بار یہی ہوتا ہے۔ کہ دین کی خدمت کا کام مجھ سے بن جائے۔" محقق شیخ نے جواباً ارقام فرمایا۔

"دل کا تقاضا بجا ہے۔ لیکن اس کا منشاء یہ ہے کہ آپ دوسروں کی اصلاح کا کام کریں۔ اس سے ایک دعوٰی کی صورت نکلتی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ خود کو اپنی اصلاح سے فارغ پاتے ہیں۔ اور اپنے کو ہر نقص سے پاک اور کامل و مکمل سمجھتے ہیں۔ نوے فی صد لوگ اسی غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور اسلئے دوسروں

کی اصلاح کیلئے تو بیتاب ہیں۔ مگر اپنی اصلاح سے فارغ ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ ہمارے اندر کام کے آدمی پیدا نہیں ہوتے۔ اگر آپ اپنے ہاتھوں سے ناپاک کپڑے کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کا فرض ہے۔ کہ پہلے آپ اپنے ہاتھوں کو پاک کریں۔ اسلئے دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر کر لیجئے۔ اور اس حکیمانہ فقرہ کا مطلب سمجھئے۔" اول خویش بعدہٗ درویش" اسلئے میری نصیحت ہے کہ دوسروں کی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالنے سے پہلے خود اپنی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالیئے۔ ؏

پڑی اپنے عیبوں پہ جب نظر ، تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

اب ذرا پرائے اور بیگانہ سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر اپنی ہی تاک میں آپ بیٹھئے اور غور کیجئے، کہ آپ میں کیا عیب ہے ...."

اسی طرح ایک دوسرے طالب نے لکھا۔" اصلاحِ خلق کا خیال چھا جاتا ہے۔ اور اپنی طبیعت کڑھتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ اللہؐ اپنے دین کے پھیلاؤ کا ذریعہ اور سبب بنائیں۔" سیدی قدس سرہٗ نے لکھا۔" جی ہاں اس اصلاحِ خلق سے مقصود پس پردہ اپنی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ورنہ جو خود پاک نہیں۔ وہ دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا۔"

دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔

" دوسروں کے افادہ پر نظر رکھنے سے پہلے اگر اپنے استفادہ پر نظر نہ رہے، تو افادہ موثر بھی نہیں ہوتا، اپنے نفس کا حق دوسروں کے حقوق سے اہم و اقدم ہے۔ ولنفسك عليك حقا۔ اسلئے پہلے اپنی بہی خواہی کیجئے، پھر دوسروں کی استادی تک پہنچنے سے پہلے استاد بننے کی غلطی سے محفوظ رہیئے۔ آپ تبلیغی جماعت کے ساتھ

کام تو کریں۔ مگر نظر اپنے اوپر ہو، اور اپنی درستی کی نیت ہو۔

اسی طالب نے حضرت سیدی قدس سرہٗ کو لکھا کہ۔ " اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اب طبیعت اپنے کو بھلا کر دوسروں کے فکر میں سرگرداں نہیں رہتی۔ جواباً ارقام فرمایا :۔

" بالفعل یہ کیفیت اچھی ہے۔ ایک وقت آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ جب فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى۔ کی تعمیل ہو گی۔ مگر فطری ترتیب یوں ہی ہے۔ کہ اول خویش بعدہ درویش "

ایک طالب کو جو تبلیغی جماعت کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا :۔

" اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت دیں۔ اس تبلیغی سلسلہ میں صرف ایک احتیاطی تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ غیر کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح پر نظر رہے۔ اور غیر کی اصلاح کی فکر بھی اپنی اصلاح اور حصول اجر کی خاطر ہو۔ تفوق اور دینی بڑائی کا خیال بھی نہ آئے۔

ایک اور طالب نے لکھا۔ " طبیعت چاہتی ہے۔ کہ سوائے اپنی اصلاح کی فکر کے اور کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے تبلیغ میں بھی رکاوٹ ہوتی ہے۔ کیا یہ جذبہ صحیح ہے ؟" حضرت شیخ نے رقم فرمایا :۔ " بے شبہ اول خویش بعدہ درویش ہے۔ پہلے خود بنئے پھر دوسروں کو بنائیے، یہ جذبہ صحیح ہے۔" دوسرے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا " یہ جذبہ بالکل صحیح ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ گندے ہوں۔ تو ان ہاتھوں سے ہم دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتے۔"

ایک طالب نے لکھا "طبیعت قوم کی خدمت اور کام کرنے کو چاہتی ہے۔ لیکن گھر والوں کی خدمت اور قومی خدمت ایک دوسرے کی منافی معلوم ہوتی ہے! کسے ترجیح دی جائے؟" حضرت والاؒ فرماتے ہیں:۔

"قومی خدمت کیا چیز ہے؟ گھر والوں کی خدمت تو میں سمجھا۔ قومی خدمت تو کوئی چیز مجھے معلوم نہیں ہوتی، ہاں دین کی خدمت اور مسلمانوں کی خدمت تو میں جانتا ہوں، مگر اس خدمت کیلئے تیاری کی ضرورت ہے، جو ابھی آپ کو حاصل نہیں، ابھی تو آپ اپنی خدمت کیجئے۔"

اس زمانے میں یہ مرض عام ہے۔ کہ مسلمان عموماً اپنی اصلاح کی فکر سے بے نیاز رہ کر ملت کی زبوں حالی اور تباہی کا رونا روتے ہیں۔ گو کچھ لوگوں کا جذبہ حسن نیت پر مبنی ہوتا ہے۔ مگر مرض کا ازالہ مرثیہ خوانی اور کفِ افسوس ملنے سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح علاج پہلے اپنی اس کے بعد دوسروں کی اصلاح ہے۔

محمد داؤد جان مرحوم ایک صالح اور ملت کا درد رکھنے والے مسلمان تھے۔ انہوں نے حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ کو ملت کی زبوں حالی کی پر اثر داستان لکھ بھیجی، اس کا جواب حضرت شیخ نے مرحمت فرمایا۔ وہ ملت کی اصلاح کا درد رکھنے والے ہر سچے مسلمان کیلئے سرمۂ بصیرت ہے۔ پورا خط درج ذیل ہے:۔

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

مکرمی و محترمی۔ وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ اور آپ کے مذہبی ولولوں کی بڑی قدر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صراط مستقیم پر قائم رکھ کر اپنی اصلاح

اور تزکیہ کی بیش از بیش توفیق عنایت فرماویں۔

آپ کا کہنا سب سچ ہے۔ لیکن اصلاح کی تدبیر کیا ہے۔ وہ لوگوں پر یا مسلمانوں پر ماتم نہیں ہے۔ بلکہ سب سے پہلے خود اپنی حالت پر ماتم ہے۔ اور جب اپنی اصلاح سے فراغت ہوجائے۔ تو دوسروں کی فکر ہو۔ صرف دوسروں کی فکر صرف زبان سے کرنا اور اپنے سے غافل رہنا لیڈرانہ شان ہے۔ میری مخلصانہ خواہش ہے۔ کہ ہم لوگ سب سے پہلے اپنے اپنے احوال پر نظر کریں۔ اپنی صحت روحانی و اخلاقی و دینی کی فکر کریں۔ اس کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کی خبر گیری کریں۔ اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگیں۔ انشاء اللہ اگر ہم اس طرف متوجہ ہونگے۔ تو سارے مسلمانوں کی حالت بدل جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کے ہم مستحق ہوں گے۔ کیا آپ اس نکتہ پر غور فرمائیں گے۔

والسلام سید سلیمان ۲ مئی ۱۹۵۱ء "

اسی طرح ایک دوسرے طالب کو ارقام فرمایا:۔

" بے شبہ امت مرحومہ کی پریشان حالی اور پراگندگی کی کیفیت آپ کو متاثر کرتی ہوگی، مگر غور کیجئے کہ اس کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جب آپ کی استطاعت سے وہ چیز خارج ہے۔ تو اس کی فکر میں پڑکر اپنا وقت آپ کیوں ضائع کرتے ہیں۔ یہ تو لیڈرانہ قسم کا ایک مرض ہے۔ آپ کو اختیار اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال اور متبعین کے اوپر ہے۔ آپ اپنی اور ان کی اصلاح کی فکر فرمائیں۔ کہ یہ آپ کی استطاعت میں ہے۔ آپکی شدتِ

احساس سے متاثر ہوا، خدا کرے کہ یہ احساس صحیح موقع پر صرف ہو۔"

اس کی مزید تشریح دوسرے مکتوب گرامی میں اس طرح فرمائی ہے:۔

"میرا مقصد یہ تھا کہ انسان کو پہلے اپنی پاکی کی کوشش چاہیئے، اس کے بعد دوسرے کی فکر چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ موجودہ سیاسی لیڈروں کی طرح دوسروں کی فکر تو ہو، مگر خود اپنی فکر سے غفلت تام ہو۔ اس سے نہ اپنا ہی بھلا ہوتا ہے۔ نہ دوسروں کا۔"

اسی قسم کی ایک اور تحریر کے جواب میں ارقام فرمایا:۔

"آپ کا خط پا کر بہت خوشی ہوئی، کہ آپ کے دل میں دین کا درد ہے جو اس زمانے کے مسلمان نوجوانوں میں کم ہے۔ آپ نے جو تجویز سوچی ہے وہ سر دست ناممکن العمل ہے۔ آپ ماشاء اللہ ابھی نوجوان ہیں۔ خیالات کی وسعت میں سیر کناں ہیں، بہتر یہ ہے، کہ آپ دوسروں کو چھوڑ کر پہلے خود اپنی اصلاح کی فکر کریں، آپ ماشاء اللہ سعادتمند ہیں۔

شنو ایں پند از حافظ کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را"

حضرت والاؒ کو ایک طالب نے تحریر کیا کہ۔ "اللہ تعالیٰ مجھے دین کی خدمت اور عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والے طریقۂ زندگی کی ترویج کا ذریعہ بنالے" حضرت سیدیؒ نے جواب تحریر فرمایا:۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لیں۔ اور آپ کو پہلے اپنا بنائیں اور پھر دین کی خدمت کا ذریعہ آپ کو بنائیں اور بتائیں۔"

اس مختصر دعاء میں صحیح دینی دعوت کا خلاصہ ہے کہ دعوت کی پہلی شرط اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کا قرب و تعلق ہے۔ جو اصلاح ظاہر و باطن کا حاصل اور طاعتِ الٰہی اتباع نبوی اور ذکر غالب کا ثمرہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی کا تعلق ہے۔ جو داعیان حق کی ہر حالت میں دستگیری و رہنمائی کرتا ہے۔ عالم میں ہدایت کے ان چراغوں کی روشنی اسی تعلق سے عبارت ہوتی ہے۔ یہ تعلق جتنا قوی ہوگا۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا پرتو اس داعی کے ذریعہ منعکس ہو کر دلوں اور روحوں کو ہدایت کے نور سے معمور کرتا رہے گا۔

تعلق مع اللہ کے ساتھ دین کی خدمت کا طریقہ بھی عند اللہ صحیح ہونا ضروری ہے ورنہ انسان بعض اوقات اپنے زعم میں ایک کام دینی خدمت سمجھ کر کرتا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ دین کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ اس لئے دعوت کا علیٰ منہاج النبوۃ ہونا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت کے دو مخلص خادم حاضر ہوئے اور دعوت پر گفتگو شروع ہوئی، ہمارے سید صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا۔ مولانا الیاس تو مامور من اللہ تھے، ورنہ کہاں بنگلہ والی مسجد اور کہاں اللہ تعالیٰ کا حرم اور بدر کا میدان" (اشارہ تبلیغی کام کے ان مقامات تک پہنچنے کی طرف تھا)۔ ان حضرات میں سے ایک صاحب (مخدومی محمد شفیع قریشی صاحب) نے عرض کیا مولانا (الیاس) فرماتے تھے کہ "یہ کام تو ہمیں نظر آرہا ہے۔ کہ ہو کر رہے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ اصولوں کے مطابق ہو" فرمایا "جی ہاں، اصولوں کی پابندی ضروری ہے" پھر فقیر سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "مولانا الیاس کی سوانح کا مقدمہ جو میں نے لکھا ہے۔ آپ نے پڑھا ہے" میں نے اثبات میں جواب دیا۔ فرمایا،

اس کی شرح لکھ سکتے ہو، مقدمہ گو مختصر ہے لیکن قرآن وحدیث سے مطابقت دے کر اس کو بڑھایا جا سکتا ہے۔" اس واقعہ کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت والاؒ تبلیغی دعوت کا دینی اصولوں کے مطابق ہونا نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ ورنہ وہ سراسر فتنہ بن سکتی ہے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا۔ لوگوں کو سختی سے دین کی طرف نہیں بلانا چاہیئے۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا منشاء شفقت تھی، لوگوں کو اپنی ہمدردی کا یقین دلائیے، پھر پیار سے دین کی طرف بلائیے۔

تو برائے وصل کردن آمدی ، نے برائے فصل کردن آمدی

ایک صاحب کو جنہوں نے اپنے متعلق جرأت حق کی کمی اور مداہنت کا اندیشہ ظاہر کیا تھا، ارقام فرمایا:۔

"جرأت حق نام حق کو خوبی اور نرمی کے ساتھ ظاہر کر دینا ہے۔ سختی اور سخت کلامی کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ تو کام کو اور خراب کر دیتی ہے۔" اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔" (نحل - ۱۲۶)

ایک دوسرے گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"حق گوئی ہو مگر اس طرح کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام دیکھیں تو اس موقع پر حق گوئی مفید ہے۔ جب لوگ آپ کی بات سننے کو آمادہ ہوں۔ ورنہ قلب سے اس کو برا سمجھیں۔"

اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے متوسلین کو دعوت و

تبلیغ سے منع فرماتے تھے، بلکہ حضرت کا یہ منشاء تھا، کہ دعوت سے پہلے اپنی اصلاح ہو اور دعوت صحیح اصولوں کے مطابق ہو۔ ورنہ دعوت و تبلیغ کا جو جذبہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تھا، اسکی مثالیں کم ملیں گی۔ ایک مرتبہ نہایت درد سے فرمایا

"آج سب دعوتیں موجود ہیں، لیکن دین کی دعوت (جیسی ہونی چاہیئے) موجود نہیں تمام نظام و مجلس دعوت کے زور سے قائم ہیں۔ سوشلزم ہو یا جمہوریت، لیگ ہو کانگرس ہر چیز دعوت سے قائم ہے، یہ اسلام کی کرامت ہے۔ کہ اندر باہر سے اس قدر مار اور زد پڑنے کے باوجود کچھ لوگ اب بھی اسلام پر قائم ہیں۔ اخبارات ہوں یا ریڈیو، سینما ہوں کہ مخالفین کے پروپیگنڈے ہر چیز مخالف جارہی ہے۔ اسلام کے نام پر اسلام کو زک پہنچائی جارہی ہے۔ اسلام کو سب آواز دیتے ہیں، مگر اسلام کی آواز پر کوئی نہیں جاتا۔"

سیرۃ النبی (ششم) میں "جہاد بالعلم" کے ذیل میں لکھتے ہیں :-

"جہاد کی ایک اور قسم جہاد بالعلم ہے۔ دنیا کا شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ اس کا دور کرنا ہر حق طلب کیلئے ضروری ہے۔ ایک انسان کے پاس اگر عقل و معرفت اور علم و دانش کی روشنی ہے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ وہ اس سے دوسرے تاریک دلوں کو فائدہ پہنچائے، تلوار کی دلیل سے قلب میں وہ طمانیت نہیں پیدا ہوسکتی جو دلیل و برہان کی قوت سے لوگوں کے سینوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے ارشاد ہے :-

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۔ (نمل - ۱۶)	تو لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف آنے کا بلاوا حکمت و دانائی کی باتوں کے ذریعے اور اچھی طرح سمجھا کر دے، اور مناظرہ کرنا ہو تو وہ بھی اچھی طرح کر۔

دین کی یہ تبلیغ و دعوت بھی جو سراسر علمی طریق ہے۔ جہاد کی ایک قسم ہے۔ اور اسی طریقۂ دعوت کا نام "جہاد بالقرآن" ہے۔ کہ قرآن خود اپنی آپ دلیل، اپنی آپ موعظت اور اپنے لئے آپ مناظرہ ہے۔ قرآن کے ایک سچے عالم کو قرآن کی صداقت اور سچائی کیلئے قرآن سے باہر کی کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی جہاد، یعنی روحانی بیماریوں کی فوجوں کو شکست دینے کیلئے اس قرآن کی تلوار ہاتھ میں دی گئی۔ اور اسی سے کفار و منافقین کے شکوک و شبہات کے پردے کو ہزیمت دینے کا حکم دیا گیا، ارشاد ہوا۔

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (فرقان-۵)	تو کافروں کا کہنا نہ مان اور بذریعہ قرآن کے تو ان سے جہاد کر، بڑا جہاد،

"بذریعہ قرآن کے جہاد کر یعنی قرآن کے ذریعہ سے تو ان کا مقابلہ کر" اس قرآنی جہاد و مقابلہ کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کبیر "بڑا جہاد" اور بڑے زور کا مقابلہ فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا۔ کہ اس جہاد بالعلم کی اہمیت قرآن کی نظر میں کتنی ہے۔ علما نے بھی اس اہمیت کو محسوس کیا ہے۔ اور اسکو جہاد کا مہتم بالشان درجہ قرار دیا ہے۔ امام ابو بکر رازی حنفی نے احکام القرآن میں اس پر لطیف بحث کی ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ جہاد بالعلم کا درجہ جہاد بالنفس اور جہاد بالمال دونوں سے بڑھ کر ہے۔ ہر ایک مسلمان کا فرض ہے۔ کہ حق کی حمایت اور دین کی نصرت کیلئے عقل، فہم، علم اور بصیرت حاصل کرے اور ان کو اس راہ میں صرف کرے، اور وہ تمام علوم جو اس راہ میں کام آسکتے ہوں۔ ان کو اسلئے حاصل کرے کہ اُن سے حق کی اشاعت اور دین کی مدافعت کا فریضہ انجام پائے گا۔ یہ علم کا جہاد ہے جو اہل علم پر فرض ہے

'جہاد بالعلم' اور دین کی تعلیم و تبلیغ کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے۔ کہ مسلمان دین کیلئے اپنی جان و مال اور استعدادوں کو اس راہ میں صرف کریں۔"

ایک مرتبہ دین سے مسلمانوں کی موجودہ غفلت اور دینی تعلیم و تبلیغ سے لاپرواہی اور صاحب بصیرت و عزیمت علماء اور خادمان دین کی کمی کا تذکرہ کرتے ہوئے حسرت سے فرمایا:۔

"جہاں ہزاروں کالج اور اسکول ہیں، وہاں عربی کے مدارس ہیں۔ پھر ان کی مالی حالت کیا ہے۔ جب اس کا رواج تھا، ہزاروں پڑھتے تھے اور ذہانت و دیانت کی بنا پر پچاسوں کام کے نکلتے تھے۔ اب ان مدارس میں جاتے ہی کتنے ہیں؟ تمام بڑے بڑے خاندان جن میں صلاحیت ہے۔ انگریزی پڑھ رہے ہیں۔ اور دینی تعلیم سے پوری غفلت برت رہے ہیں۔ عام طور سے لوگوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی منصب اور ملازمت بنا رکھا ہے، غیر اقوام میں مالدار خاندانوں کے لوگ اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد مشنری کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ اور اسے تبلیغ مسیحیت کا ذریعہ بناتے ہیں، کوئی مسلمان ڈاکٹر ہے۔ جو ملت کی سربزی کے لئے اپنے کو صرف کر رہا ہو؟ ہمیں تو ایسے اشخاص کی ضرورت ہے، کہ اعلیٰ تعلیم پانے کے باوجود دین کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کر سکیں۔"

ایک سفر کے دوران میں کچھ اٹالین مشنری ہم سفر ہو گئے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ان سے رومن کیتھولک عقائد کے متعلق بات چیت کرتے رہے۔ بعد میں مجھ سے فرمایا " یہ مشنری روما سے پنجاب میں مسیحیت کی تبلیغ کرنے کیلئے آئے ہیں

اور پنجابی زبان سیکھی، ہم میں سے کوئی ہے، کہ اطالوی زبان سیکھی ہو۔ اور وہاں اسلام کی دعوت دینے کیلئے گیا ہو"

اپنے عزیز و محبوب شاگرد مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو لکھتے ہیں:-

"آپ کے ذاتی حالات اور ارادے معلوم نہیں، میری آرزو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے۔ کہ یہ ہیچمداں اپنے مخصوصین اور محبین کو دین کی طلب اور خدمت دین میں مصروف دیکھے، آپ نے جو باتیں لکھی ہیں، ان سب سے فائدہ کی امید ہے... میں تو اپنے کو عمر کی آخری منزل میں سمجھتا ہوں ساٹھ سے جو اوپر ہوا ہے اسکی عمر کا پیالہ لبریز ہی سمجھئیے۔ اگر کوئی تسکین کا سرمایہ ہے تو آپ جیسے چند محبین کا وجود ہے۔ استاذ مرحوم نے اگر دو تین یادگاریں چھوڑیں، جنہوں نے ان کے کاموں کو چلایا۔ تو مجھ جیسے ننگِ سلف کے بعد بھی کچھ خدام دین و ملت باقی رہیں کہ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا کا مژدہ تقویت روح کا باعث ہو، سلف کی راہ سے سرِ مو تجاوز نہ ہو، یہی اپنی وصیت ہے۔ اور یہی زندگی کی آخری فرمائش۔"

حضرت سیدی قدس سرہٗ کے ایک خادم کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ کچھ وقت تبلیغ و دعوت میں صرف کرنے اور پیدل سفر کرنے کی سعادت بخشی، حضرت کو معلوم ہوا تو گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:-

"مبارک ہو کہ آپ نے دین کی خدمت کیلئے اپنے پاؤں کو گرد آلود کیا
ایک جا رہتے ہیں عاشق بدنام کہیں دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں"

دوسرے موقع پر فرمایا: "جوان ہوتا، تو میں بھی ان پیدل سفروں میں شریک ہوتا، پیدل

کے دینی قافلوں کی مشابہت و نسبت صحابہ کرام سے ہے۔" (او کما قال)

یہی صاحب جب ایک دوسری جماعت کو رخصت کرنے گئے، جو حج کے لئے پیدل جا رہی تھی، اور خدمت اقدس میں دیر سے آنے کی وجہ اس جماعت کی مشایعت بیان کی تو ارشاد فرمایا۔" میرا ایک شعر ہے۔

کچھ تو ہم رنگیٔ مستاں بھی ہے حاصل لیکن — جوشش و لغزش رفتار کہاں سے لاؤں

اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے، جو قدم اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے اٹھائے جاتے ہیں۔ ان پر ثواب ہے۔ حدیث میں ثواب آیا ہے، ان کا ماخذ قرآن ہے۔ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ...... اِلٰى ...... وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (التوبہ-۱۵) اور مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (نسا-۱۴)

حضرت سید الملۃ رحمہ کی تمام عمر دینی خدمت میں گذری، اس شہید علم و دین کے تبلیغی جذبہ کا ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ بیمار تھے، تنفس کا شدید عارضہ تھا، ڈاکٹروں نے چلنے پھرنے کی ممانعت کر رکھی تھی، اسی دوران میں تبلیغی حضرات کا ایک اجتماع لائلپور میں منعقد ہونے والا تھا، حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تبلیغی حضرات نے راقم کے ذریعے اجتماع میں شرکت کی درخواست کی، فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے، میں تو بیمار ہوں، اس بنا پر انہیں میری معذوری کی اطلاع کر دیجئے، لیکن کچھ دیر بعد خود ہی برادرم سید سلمان سلمہٗ کو فرمایا کہ میرے سفر کا سامان درست کیجئے۔ اور راقم

سے مخاطب ہوکر فرمایا" وہ اپنے لئے تھوڑا ہی بلا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت ہے۔ اس لئے انکار نہیں کر سکتا۔ اور اسی بیماری اور ضعف کی حالت میں اسلام کا یہ جواں ہمت سپاہی دین کی خدمت کیلئے آمادہ سفر ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اسی سفر کے دوران میں تبلیغی جماعتوں کو رخصت کرتے وقت آنکھیں اشکبار تھیں اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے۔

" اے اللہ جس طرح تو نے اس امت کے پہلے حصہ سے (دین کی خدمت کا) کام لیا، اس پچھلے حصہ سے بھی کام لے لے۔ اور ہمیں ضائع نہ فرما"

کراچی سے ایک تبلیغی جماعت تبلیغ و حج کا فریضہ ادا کرنے کیلئے پیدل روانہ ہوئی حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ان غرباء کے قافلہ کو بڑی رقت آمیز دعاء کے ساتھ رخصت فرمایا۔ اور بعد میں ان کے امیر کو یہ خط لکھا۔

کراچی - ۵
۱۴ جنوری ۱۹۵۳ء

بخدمت مکرمی جناب میاں جی عادل صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ لوگوں کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں، دل سے دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء کو اتباع مرضیات کی توفیق عنایت فرماویں۔ اور بخیریت منزل مقصود تک پہنچائیں، آپ لوگ اس وقت بفضلہ تعالیٰ ایک بڑے مقصد کیلئے سفر کر رہے ہیں۔ اس راہ کا توشہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور مسلمانوں پر شفقت ہے۔ آپ لوگ اس وقت اسلام کے پیغامبر

اور قاصد اور اللہ تعالیٰ کے داعی ہو کر نکلے ہیں۔ سلامتی اور محبت کا پیغام مسلمانوں میں پھیلاتے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے مسلمانوں کا دل بڑھاتے اپنے راستے کو طے کریں، ذکر و شکرِ الٰہی ہر وقت جاری رہے۔ میری اور سب کی طرف سے سب کو سلام مسنون پہنچائیں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی جماعت میں اپنے متوسلین کی شرکت مستحسن سمجھتے تھے، ایک طالب جنہیں حضرت کی رائے اس سلسلہ میں معلوم نہ تھی، اپنے علاقے کی جماعتوں کے امیر الامراء بنا دیئے گئے۔ ان کے استفسار پر حضرت والا نے ارقام فرمایا:۔

"جی ہاں اس جماعت سے میرا قدیم سے تعلق ہے۔ وہاں (ہندوستان میں) بھی تھا اور یہاں (پاکستان میں) بھی ہے۔ آپ کو کوفت اور پس و پیش لفظ امیر الامراء کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے ہے۔ کہ آپ اس کو عہدہ اور منصب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرائض کی بجاآوری اور خدمات کی چیز ہے، آپ امیر الامرا کو خادم الخدام کے معنوں میں سمجھیں تو کوفت لفظوں سے نہ ہوگی، اس صورت میں فرائض کے بار عظیم سے گھبراہٹ ہو سکتی ہے، اور وہ بجا ہے۔ مگر اس سے کبر و غرور کا شائبہ پیدا نہ ہوگا۔ اگر آپ خلوص اور تواضع کیساتھ اُس جماعت کی خدمت انجام دے سکیں تو قبول کرلیں"......اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت دیں۔ اس تبلیغی سلسلہ میں صرف ایک احتیاطی

تنبیہ کی ضرورت ہے۔ اور وہ یہ کہ غیر کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح پر نظر رہے۔ اور غیر کی اصلاح کی فکر بھی اپنی ہی اصلاح اور حصول اجر کی خاطر ہو۔ تفوق اور دینی بڑائی کا خیال بھی نہ آئے۔"

ایک اور طالب نے پوچھا مولانا الیاسؒ اور ان کی جماعت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، تحریر فرمایا " اچھی رائے ہے۔"

ایک صاحب نے لکھا، " الحمدللہ تبلیغی جماعت کیساتھ کچھ نہ کچھ وقت گذار دیتا ہوں۔" اس کے جواب میں ارقام فرمایا۔ " نیک لوگوں کی صحبت بہت مفید ہے۔"

ایک دوسرے طالب نے لکھا کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور اپنی اصلاح کی نیت سے مولانا الیاس کاندھلوی کی مبلغین کی جماعتوں کے ساتھ جاتا ہوں۔" جواباً تحریر فرمایا۔" اس صحبت کو جاری رکھئے۔

دوسرے خط میں ان ہی کو ارقام فرمایا۔ " آپ جماعت کے ساتھ کام تو کریں۔ مگر نظر اپنے اوپر ہو۔ اور اپنی درستی کی نیت ہو۔"

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کو اس سلسلہ تبلیغ کے متعلق تحریر فرمایا :-

" اب ضرورت ندوہ کی روح کی تربیت اور نشوونما کے کام پر غور کرنے کی ہے جس کیلئے آپکی موجودگی کی سخت حاجت ہے، ..... مدرسہ لکھنؤ اور اودھ کی اہمیت ابھی پوری طرح شاید سمجھی نہیں گئی۔ جمعرات والی جماعت کا سلسلہ بند ہے، اور اطراف میں وفود کا کام التواء میں ہے، طلبہ میں اسی وجہ سے دینی تبلیغی روح کے اضمحلال کا اندیشہ ہے۔

خصوصاً موجودہ سیاسی انتشار میں ان کو کسی دینی کام میں لگائے رکھا گیا۔ تو ڈر ہے کہ دماغ کسی اور طرف متوجہ ہو جائیں، امید ہے، کہ اسکی اہمیت پوری طرح آپ سمجھتے ہیں۔"

دوسرے گرامی نامہ میں انہیں کو ارقام فرماتے ہیں ،۔

"میری شرکت کو جو جماعت تبلیغ کے کاموں میں حجاز میں (ہوئی) آپ صاحبوں نے بڑی اہمیت دی، مولانا یوسف صاحب اور مولانا ذکریا صاحب تک نے اس کیلئے شکریئے ادا کئے اور دعائیں دیں، دعائیں تو ٹھیک ہیں کہ میں اُن کا محتاج ہوں۔ مگر شکریہ کس بات کا، کوئی نماز پڑھے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائیگا۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ بعض لوگوں نے ایسا کیا ہے۔"

برادرِ طریق مولوی غلام محمد صاحب نے حیدر آباد میں اپنے محلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے طرز پر تبلیغی کام کا آغاز فرمایا۔ اور حضرت والا قدس سرہٗ کو اطلاع دی اور استقامت کی دعاء کی درخواست کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرمایا، کہ "بتذکرہ کام میں تفہیم و تقریر کیلئے احقر کو مجبور کیا جاتا ہے ..... احقر کا رجحان تو تبشیر سے زیادہ تنذیر کی طرف مائل ہے۔ مگر فی زمانہ کس پہلو کو غالب رکھنا اولیٰ ہے؟" حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا :۔

"ضرورت اسی کی ہے۔ کہ سیاست سے بے پروا ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوا جائے۔ اخلاص کے ساتھ اس کام کو جاری رکھیں۔ اور کبھی اس میں اپنے اندر استکبار اور دوسروں کے باب میں

استحقار نہ آنے دیں۔ اگر ایسا ہونے لگے۔ تو کچھ دن کام چھوڑ دیا جائے۔"

(تبشیر و تنذیر کے متعلق سوال کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے) کچھ حرج نہیں مگر اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ کے سوا کوئی دوسرا مقصد پیش نظر نہ ہو۔ تبشیر اور انذار کا کلیہ قاعدہ کوئی نہیں۔ اشخاص زیر دعوت کے حالات پر منحصر ہے۔ بہرحال تبشیر کو ترجیح ہے۔" (تذکرہ سلیمان ص۵۵۷، ۵۵۸)

ایک دوسرے گرامی نامہ میں برادر موصوف ہی کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"پچھلے خطوں کو جو آپ کے پاس ہوں۔ تو دوبارہ پڑھیں۔ مکی زندگی سے پہلے مدنی زندگی بہ مشکل کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور پچھلے فرسودہ نظام زندگی کی بنیاد پر تجدید کی دیواریں کھڑی نہیں ہو سکتی ہیں۔

خود مسلمان بننا دوسرے مسلمانوں کو مسلمان بننے کی دعوت دینا وقت کی اہم پکار ہے۔ اور اس فرض کو نفرت کی بجائے محبت کے جذبہ سے انجام دینا سب سے اہم ہے۔ جس کے سامنے آپ دعوت پیش کرتے ہیں۔ اس پر شفقت اور اس سے محبت دعوت کا محرک ہو تب ہی وہ کامیاب ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے۔ اور قرآن کریم بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔

لَا تَحْزَنْ، لَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اور وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ اور عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ وغیرہ آیات ظاہر کرتی ہیں کہ منشائے دعوت شفقت بر کفار تھی۔ کہ داعی اور مدعو نہ ملیں گے اور ایک کو دوسرے سے دلی لگاؤ پیدا نہ ہو گا۔ تو ایک دل سے دوسرے دل کی طرف تاثیر منتقل نہیں ہو سکتی۔" (تذکرہ سلیمان ص۵۵۹)

دینی دعوت کے مختلف طریقے

تاہم حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی وسعت نظر، باریک بینی و جامعیت دینی خدمت اور تبلیغ و دعوت کو کسی ایک 'خاص طرز' میں منحصر نہیں سمجھتی تھی فرماتے تھے "دین کی خدمت کی راہیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو اور سلف کی راہ سے سر مو تجاوز نہ ہو، گو قدیم جوہر کی بقا کے ساتھ جدید نقش و نگار سے پرہیز نہیں لیکن اگر یہ جدید نقش و نگار اصل قدیم جوہر کو فنا کر دے تو اس نقش و نگار سے بے نقش ہی رہنا اچھا ہے فرماتے تھے یہی اپنی وصیت ہے۔ اور یہی زندگی کی آخری فرمائش ؛

چنانچہ ارقام فرماتے ہیں :۔۔۔۔ "رجوع الی الاسلام کی بعض تحریکیں اس وقت قائم ہیں اور جس طرح فضا کے تغیر سے موسم کا حال معلوم ہوتا ہے اسی طرح ان تحریکوں کی وسعتِ رفتار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یاس و قنوط کے بعد ابرِ رحمت کا فیض در افشانی کو آمادہ ہے ضرورت ہے کہ تھوڑے تھوڑے اختلاف رہنے کے باوجود اصل متفقہ مقصد پر سب متحد رہیں"۔۔۔ اسی قسم کی ایک اور تحریر میں مزید وضاحت فرماتے ہیں"۔۔۔۔ اسلامی ملکوں میں بحمد اللہ کہ ہندوستان کی حالت اب بھی غنیمت ہے کہ دینی تغافل اور سیاسی انہماک کے باوجود یہاں علماء، تعلیم یافتہ اور عوام کی ایک جماعت گو وہ تھوڑی ہی ہو ایسی موجود ہے جو دین کی خدمت اور اعلاء کیلئے سرگرمی کیساتھ مصروف عمل اور عوام کو دین سے مربوط اور تعلیم یافتوں کو مذہب سے آشنا کرنے کیلئے اخلاص کیساتھ کام کر رہی ہے اور انکی تاثیر عوام اور تعلیم یافتہ طبقوں میں پھیل رہی ہے۔ ممکن ہے کسی کو ان میں سے کسی کے طریق کار سے مخلصانہ اختلاف ہو تاہم جس حد تک مشترک مقصد کا تعلق ہے ان کی نیک مساعی کا اعتراف اور انکی کامیابی کی دعا کرنی چاہیئے۔ اور اختلاف کو مخالفت کا رنگ نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ اصل مقصود دین کی خدمت ہے۔ اشخاص کی بحث نہیں ؂

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک   غرض اندر میاں سلامت اوست (رسالہ معارف ماہ جنوری ۱۹۴۳ء)

تبلیغی مجالس و دینی تحریکات کا تحزب پسندیدہ نہیں

بات یہ ہے۔ کہ دینی خدمت کے ادارے و مجالس تبلیغی تحریکیں اور دعوتی تنظیمیں جب تک وسعت نظر، فراخ دلی، وسیع المشربی، رواداری، باہمی رفق و ملاطفت مخلصانہ افہام و تفہیم اور نیکی و خیر کے کاموں میں تعاون کے راستہ پر گامزن نہ ہوں محدود و مسالک و نظریات بلکہ محض رسوم و قیود کی تنگناؤں میں پھنس کر رہ جاتی ہیں۔ اور اپنے خاص نظریہ فکر، طرزِ عمل، اور طریقۂ دعوت و تبلیغ، سے ماسوا ہر فکر یہ، جہد و محنت کوشش و تحریک کو نامناسب، بلکہ باطل تک سمجھنے لگتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے یہ مختلف قافلے مسابقت، مشارکت اور تعاون کی بجائے مخالفتِ باہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ قوتیں جو باوجود مخلصانہ اختلاف کے مابہ الاشتراک پر متفق ہو کر بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ باہمی شقاق و مخالفت کی وجہ سے تحزب، پراگندگی اور انتشار میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ اور امت کے یہ طبقات "اختلافُ امتی رحمۃ" کا مظہر بننے کی بجائے "کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ" (ہر گروہ کے پاس جو چیز (دین وغیرہ) ہے وہ اس سے خوش ہے) کا منظر پیش کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ کی بصیرت حق کے دائرہ میں باہمی مخلصانہ اختلاف

.... کی گنجائش وضرورت کا شدید احساس رکھتی تھی۔ اور جماعتی گروہ بندیوں کو ناپسند فرماتی تھی۔ چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو لکھتے ہیں۔

" وہابیت میں غلو اور تشدد نہ چاہیئے۔ تصلّب اور تعصب حکم دین میں چاہیئے۔ نہ کہ اشخاص اور ان کے مسالک میں .... خواہ وہ حنفیت ہو یا وہابیت، بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ"

(مکاتیب سلیمان ص۱۱۷، ص۱۱۸)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اسلامی اور دینی کاموں کی مختلف نوع کی خدمات کو پسند فرماتے تھے۔ اور ان سے تعاون کو اچھا سمجھتے تھے۔ ایک طالب نے خدمتِ دینی کی نیت سے ایک تحقیقی علمی ادارہ کی تاسیس کے سلسلہ میں متعدد بلند پایہ علماء اور تعلیمیافتہ حضرات سے ملاقات کی، اور اس سے حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع کیا اور شرکت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرتؒ نے اپنی رضامندی کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا :۔

" خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے اتنی محنت کی اور جدید و قدیم اصحاب الرائے سے گفتگو اور ملاقاتیں کیں۔ اور ان کو متفق کیا۔ اب آئندہ اجتماع کے موقع پر جو کام طے پائے۔ اس سے مطلع فرمائیں گے حسب استطاعت وتوفیق شرکت ہوگی۔"

ایک صاحب نے استفساراً لکھا۔ " کہ کچھ مخلص دیندار حضرات کا خیال ہے کہ ایک ایسی جماعت کی تشکیل کیجائے، جس میں ہر عمر کے لوگ شامل ہوں۔ اور جو اپنی عمر معمولی تنخواہ پر دینی خدمت کیلئے وقف کردیں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔

ایسی جماعت کے اصول کیا ہوں؟" حضرت والا قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا۔

" ؎ درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

مناسب ہے ایسی جماعت بے غرض اور قانع دینداروں کی بنائی جائے۔
نام خدام الدین رکھ لیں۔ مقاصد یہ ہوں:۔

۱:۔ نوجوانوں اور طالب علموں میں دینی لٹریچر کی اشاعت یا ماہانہ دینی جلسوں میں دعوت۔

۲:۔ عام طور سے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینا۔

۳:۔ نماز کی تاکید۔

۴:۔ صورت وشکل وخیالات وعقائد واعمال میں اتباعِ دین کی تحریک۔

۵:۔ زکوٰۃ کی ترکیب۔

۶:۔ اسلامی اخلاق کی تعلیم شبینہ مدارس یا زبانی تعلیم سے ناواقفوں کو مسائل دین کی تعلیم۔

جو صاحب کوشاں ہوں۔ وہ انشاء اللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔"

مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم کو مختلف مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں۔

" بدل دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس قسم کے دینی کاموں کے لئے صحت وفراغت نصیب فرمائے، دعاگو ہوں۔ کہ آپ کے دستِ قلم کی قوت مسلمانوں کی خیر میں صرف ہو۔"

" اللہ تعالیٰ آپ کو مزید انعامات سے بہرہ مند فرمائیں۔ اور آپ سے نئی مفید خدمات لیں۔ جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔"

مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی کو ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

"امید ہے۔ کہ امسال اور بھی مستعدی سے آپ کا درس جاری ہوگا۔ یہ توفیقات الٰہیہ ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھاتے رہیئے۔ سعدیؒ نے خوب کہا ہے۔ ؎

منّت منہہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　منّت شناس ازو کہ بہ خدمت گذاشتت

زندگی میں ہر کام جو انجام پاتا ہے۔ وہ محض حق تعالیٰ کی توفیق اور نوازش ہے۔ ہم کیا، اور ہماری جدو جہد کیا۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے یہ بات واضح ہے۔ کہ حضرت والا قدس سرہٗ دین کی خدمت کو کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں سمجھتے تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ دین کی کسی مفید و صحیح خدمت میں حسب استطاعت مصروف رہا جائے، لیکن اجتماعی تحریکوں کی کثرت اور ہر گروہ کا ایک نئی دعوت کو پیش کر دینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ کہ ہر کس و ناکس کا یہ کام نہیں ہے۔ کہ دین کے نام پر اپنی طرف دعوت دیتا پھرے۔ حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:۔

(دین کی خدمت و دعوت کیلئے) "کسی نئی مجلس کار کی بالاستقلال بنیاد رکھنے سے بہتر ہے۔ کہ پہلے سے موجود تحریک میں شامل ہو کر قوتِ عمل کا اظہار کیا جائے۔ اور تحریک کا سر رشتہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہو۔ جن کے علم و عمل پر مسلمانوں کو اعتبار ہو۔ ہر عامی کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنے لئے ایک نیا راستہ تجویز کرے۔ اور اپنی ایک نئی دعوت پیش کرے۔ اس طوائف الملوکی کا نتیجہ خوش آئند نہیں ہو سکتا۔"

جامعیتِ سلوک اور انفرادی زندگی

اسلامی نظریۂ سلوک کی جامعیت کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ اجتماعی زندگی کے جملہ پہلوؤں کی طرح سلوک انفرادی زندگی کے جزو کل پر بھی محیط ہے۔ بلکہ "فرد" کی زندگی کے جملہ شعبوں کی اصلاح کیلئے ہی اجتماعی حقوق و فرائض کی ادائیگی کی ضرورت ہے "کہ افراد" ہی کے مجموعہ کا نام ملت و اجتماع ہے۔

حضرۃ الشیخ قدس سرہ کے نزدیک سلوک انسان کے تمام عقائد و اعمال اذکار و اشغال احوال و کوائف پر حاوی ہے۔ اور اعلیٰ دین و اعلیٰ اخلاق اور علم حصولِ احسان و تقویٰ کا اصطلاحی نام ہے۔ اسلئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ "تصحیح عقائد" تحسین عبادات، اتباعِ سنت، اصلاح اعمال اور ادائے حقوق عباد، حصول تقویٰ، تحلی بالفضائل و تخلی عن الرذائل برائے رضائے الٰہی کو ہی اصل دین اور صحیح سلوک سمجھتے تھے (دیکھو مقدمہ تجدید تصوف و سلوک) یہ سلوک توحید کے ارفع و اعلیٰ مقام اور احکام الٰہی کے کامل امتثال اور اتباع نبوی کی مکمل پابندی کا نام تھا۔ کہ دل میں عقائد حقہ کا ایسا ایقان و اذعان ہو جائے کہ قال حال اور غیب شہود بن جائے۔ خلوت خانہ دل غیر کی محبتوں سے پاک ہو کر حجلہ نشینِ ازل کیلئے خاص ہو جائے

تقویٰ و احسان طبعی تقاضے کی صورت اختیار کرلے۔ اخلاق نبویؐ کا پرتو ہر عمل میں جھلکنے لگے۔ عبادات و اذکار کی پابندی، حقوق العباد کی رعایت، معاملات کی صفائی، اور معاشرت کی پاکیزگی میں ادنیٰ کوتاہی نہ ہونے پائے۔ اعمال صالحہ سے رغبت اور برائیوں سے اجتناب فطرتِ ثانیہ بن جائے معاشرت و معیشت، تجارت و زراعت، سیاست و عسکریت، اقتصاد و عمرانیت، زندگی کا ہر شعبہ کلی طور پر اوامر الٰہی اور طریق نبویؐ کا پابند ہوجائے۔ غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقۂ حیات کے کامل و مکمل ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی اتباع کا نام تصوف و سلوک ہے۔ کہ بقول حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ :۔

"احکام الٰہی کی باخلاصِ تمام تعمیل و تکمیل ہی طریقت ہے۔ وگرہیچ۔"

(رسالہ معارف اعظم گڑھ صنا ج ۵۳)

سلوک و تصوف کی یہی حقیقت مختلف طالبین کے نام مکتوبات میں کلکِ سلیمانی نے ثبت کی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرتِ والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکاتیب سے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں :۔

۱ :۔ "اصل شئے احکام الٰہی کی کلی اطاعت، حلال و حرام کا خیال، معاملات میں صفائی، اخلاق کی نزاہت، اتباع نبوی کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں۔ کہ یہ اصل ہیں اور باقی سب فروع تدابیر۔

ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے۔ کہ طاعات و مرضیاتِ الٰہی کے اتباع کا ذوق بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو۔ باقی کیفیات تو آتی جاتی

رہتی ہیں۔ اگر روز پلاؤ ملے تو پلاؤ کا مزہ بھول جائے۔

از دستِ ہجر یار شکایت نمی کنم گر نیست غیبتے ندہد لذت حضور

اپنے کام میں تادم آخر استقامت کے ساتھ لگے رہئیے۔ یہی بڑی دولت ہے۔

۲:۔ "یہ خیال رہے کہ قرب و ولایت کی راہ صرف عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں۔ بقیہ جذب و شوق، و نداء و رویاء وغیرہ محمود ہیں۔ مگر مقصود نہیں اس لئے ان سے دل نہ لگائیں۔ اس کو راستہ کی سیر کا تماشہ جانیں۔"

۳:۔ "اصل شیء ایک ہی ہے۔ اور وہ احوال مع اللہ تعالیٰ ہیں۔ علاقہ الٰہی میں ترقی ہو۔ جس کی علامت عقیدۃً اور عملاً احکام الٰہی کا کامل اتباع ہے۔"

۴:۔ "مقصود بذریعۂ اعمال حصول رضا و قرب ہے۔ رویائے صادقہ بشارت ہیں۔ اور بس۔"

۵:۔ "بندہ ہر حال میں گنہگار ہے۔ اور خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف اور اپنی غلط کاری اور تساہل پر ندامت اور آئندہ گناہوں سے بچنے اور احکام الٰہی پر عمل کرنے پر استقامت اور ساری عمر اسی ریاضت میں گذار دینا ہی بندگی ہے۔"

۶:۔ تقصیرات پر استغفار کر کے آئندہ احتراز کا عزم کیجئے'..... ایک ایک رذیلہ کو لے کر اس کے ازالہ کی کوشش کیجئے، پہلے اُس رذیلہ

کی حقیقت سمجھئے، پھر ازالہ کی تدبیر۔ حصول تقویٰ، تحلی بالفضائل وتخلی عن الرذائل برائے رضائے الٰہی اصل سلوک ہے۔"

۷، "پراگندگی خاطر کی کوئی بات نہیں۔ اعمال سب معلوم ہیں۔ ضرورت عمل کی ہے اور حصول تقویٰ اور رضائے الٰہی کی، ساری کوشش اسی کی چاہیئے۔ باقی سب فلسفہ ہے۔"

۸، ــ......اور ہر قسم کے رذائل سے بقدر امکان دوری اور فضائل کے حصول کی کوشش اور اطاعت الٰہی پر مداومت اور حصول رضائے الٰہی کا شوق (اصل ہے) باقی غیر مقصود ہیں۔ تو امور مقصودہ میں سے ان امور کی طرف بیشتر متوجہ رہیں۔"

۱۲، "اس کتاب "قصد السبیل" کے آخر میں منہیات واوامر کی تصریح ہے وہ پیش نظر رہے۔ مقصود حصول تقویٰ ہے کہ قرآن پاک "هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ" ہے۔ اور عبادت کا منشاء بجا آوری بعد حصول تقویٰ ہے۔ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"۔

۱۳، "اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بعد فرائض وسنن ونوافل کی پابندی علی مراتب الوجوب والاستحباب کے منہیات شرعیہ سے احتراز کا لزوم کیا جائے اور ہمیشہ نظر اپنے احوال پر رہے۔ اور جو عیب سب سے زیادہ ابھرا ہوا، علی العیان معلوم ہو۔ اسکے دفعیہ کی کوشش کیجئے۔ مثلاً کبر، عجب، ریا، حسد وغیرہ۔ آپ اُس عیب کی حقیقت پہلے دریافت کریں۔ اگر معلوم نہ ہو اور پھر اُسکا علاج دریافت کریں"

۱۴، "نماز، نوافل، ذکر، تلاوت اور اخلاق ومعاملات کی نگرانی یہ چند

امور ہیں جو لحاظ کے قابل ہیں۔ ان پر ہمیشہ نظر رہے۔ تو روح مفلوج نہ ہوگی"

۱۵:۔ "اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ مع الخیر اپنے فرائض و معمولات میں مصروف ہیں۔ عبادات کے بعد سب سے زیادہ اہمیت معاملات میں صفائی کی ہے اور پھر حسن خلق کا درجہ ہے۔"

۱۶:۔ "ہمیشہ کے لئے یہی نصیحت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے، حضرت والاؒ کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر بے راہ روی سے آپ کو بچائے گا.... معاملات پر خصوصیت سے نظر رہے۔"

۱۷:۔ بڑی نعمت اس دنیا سے ایمان و عمل صالح کے ساتھ رخصت ہو سکتی ہے جسکا نام حسن خاتمہ ہے

۱۸:۔ "امید ہے۔ کہ اب آپ اپنے معمولات پر قادر ہو گئے ہوں گے۔ سب سے بڑی چیز فرائض کے بعد اخلاق رذیلہ سے نجات حاصل کرنا ہے جس کیلئے دُعا کے علاوہ کوشش کرنا بھی ہے۔"

۱۹:۔ "...... پوری توبہ گذشتہ تقصیروں پر کر کے آگے کیلئے اطاعت کامل کا عزم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں گے۔ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ تمام منہیات سے توبہ کر کے ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس کیلئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور کا مطالعہ کیجئے اور ان کے مطابق عمل کیجئے۔"

۲۰:۔ "عملاً اتباع سنت ہر کام میں اور قولاً درود کی کثرت حب رسولؐ کا ذریعہ ہے۔"

۲۱۔ " اپنی تکمیل اور اصلاح سے کبھی غفلت نہ برتیں، ہم ہر حالت میں ناقص ہیں۔ یادِ الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ ذکر کا مقصود یہی ہے۔ بدعات و رسوم سے احتراز رہے۔ تقریبات میں ہر قسم کے امور پیش آتے ہیں۔ ان میں بھی احتیاط رہے۔ "

۲۲۔ تمام امور میں اتباعِ سنت اور احتراز از بدعت پیشِ نظر رہے۔ رذائل میں سے ایک ایک رذیلہ کو سمجھکر اُس کے ازالہ کی کوشش چاہیئے۔ پہلے اہم کو لیجئے، اور پوچھئے ...... وظائف کی کثرت کا شوق بیکار ہے غرض صحت ہے، نہ کہ نسخوں کی کثرت اور یاد، اور وہ ایک نسخہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ "

۲۳۔ دوامِ عمل اور صحتِ فکر و نظر ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ خلق میں شہرت اور مقبولیت کی خواہش اس راہ کا کانٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہ ہو، اور ہر حال میں ذکر لساناً و قلباً جاری رہے۔ "

۲۴۔ " دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے، اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام، دوم نوافل مسنونہ اور اذکار کی کثرت ان کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے، کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو"

۲۵۔ " ...... تحیلہ ایک ہی ہے۔ اور وہ کتاب و سنت کی تعلیم ہے۔ اور اس پر عمل کرنا ہے۔ شیخ کا کام اس پر عمل کرنے کے صحیح اور آسان طریق کی تعلیم ہے۔ "

۲۶۔ " دینداری آجکل کی اصطلاح میں صرف نماز روزہ اور ظاہری شکل کا

نام رہ گیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ حقوق عباد کو پہچانتا ہو۔ اور معاملات میں راستباز ہو۔ ساتھ ہی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہو۔"

۲۸:۔ "تدریج اور آہستگی سے کام شروع کیجئے۔ پہلے عقائد درست کیجئے، پھر عبادات کی تکمیل کیجئے، پھر اخلاق سنواریئے۔ پھر آگے بڑھیئے۔ گناہوں سے فی الفور کنارہ کشی اور استغفار ضروری ہے۔"

۲۹:۔ "پچھلے اعمال کے تدارک کی صورت یہ ہے کہ توبہ و استغفار کیا جائے، اور جن فرائض متروکہ کی قضا ہو۔ اسکی قضا کی جائے۔ حقوق عباد یا معاف کرائے جائیں یا ادا کئے جائیں ...... معاصی سے کلیتہً احتراز کی عزیمت کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا مانگی جائے۔"

۳۰:۔ "تقویٰ کا خیال، حلال و حرام کی فکر، جائز و ناجائز کی تمیز ہر کام میں ضروری ہے۔ تقویٰ حاصل اعمال ہے۔ یَاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ ..... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔"

۳۱:۔ "تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھیئے۔ اگر غلطی سے کبھی ہو جائے تو یاد آنے پر فوراً استغفار کیجئے۔ اور نیا عہد کیجئے۔ کہ انشاء اللہ اب اپنے قصد سے اس کا ارتکاب نہ ہوگا۔"

۳۲:۔ "قرب الٰہی صرف ایمان و عمل صالح کا نتیجہ ہے۔ اسلئے دوام ذکر اور کثرت اعمال صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے۔"

۳۳:۔ "معمولات کی پابندی استقامت کی دلیل ہے۔ اس کے آثار اعمال، معاملات اور اخلاق میں نمایاں ہونے چاہئیں ...... اصل میں یہی مرحلہ ہے۔ جس کی طرف توجہ کم کیجاتی ہے۔"

۳۴:۔ " اصل نظر اپنے احوالِ قلب اور اعمال پر رہنی چاہیئے کہ صراطِ مستقیم سے کسی حال میں لغزش نہ ہو۔"

۳۵:۔ "کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجئے۔ صرف حسن عمل اور کثرت ذکر کی طرف توجہ رکھیئے۔"

۳۶:۔ "نجات تو صرف فضلِ الٰہی کا کرشمہ ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت اس کیلئے بمنزلۂ شرط کے ہے پس اس میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اسکے فضل میں حصہ مل سکے"

۳۷:۔ " اصل معاملہ عمل کا ہے۔ اس سے ترقی و تنزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ معمولات اور احکام الٰہی کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز یہی اصل چیز ہے۔"

۳۸:۔ "یہ سب احوال مبارک ہیں۔ مگر اصل شیٔ اتباعِ احکامِ الٰہی کا اہتمام ہے۔"

۳۹:۔ امورِ خیر کی تعمیل اور گناہوں سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے۔ پس آپ سب وسوسوں اور خیالات کو چھوڑ دیں اور دل سے طے کرلیں۔ کہ آج سے اللہ تعالیٰ کے کسی چھوٹے بڑے حکم کے خلاف نہیں کریں گے۔"

۴۰:۔ "....محبت کا اخفائے حال اور کیفیات و جذبات پر عقل کو غالب کرنا اور عقل پر حکم شرع کو غالب کرنا اصل دین ہے۔"

۴۱:۔ " انسان کو ہر حال میں اپنے سے چوکنا رہنا چاہیئے۔ کہ اُس کا نفس اُسکو فریب

میں مبتلا نہ کرے۔ معاملات میں ہمیشہ صفائی اور ایمانداری کی سچائی پیش نظر رہے۔"

۲۱۔ " اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا قانونی نسخہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہے۔ طلب رزق حلال میں لگنا بھی عبادت ہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے زیر حکم ہو۔"

۳۱۔ "حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے۔ روح دین اور جان ایمان ہے یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیہ قلب اور علم حصول تقویٰ کا نام ہے۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سلوک اپنی جامعیت میں کامل دین اور جملہ اوامر الٰہیہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوتے ہے اور ایک سالکِ صادق کیلئے لازم ہے۔ کہ اپنی ظاہری و باطنی، انفرادی و اجتماعی تمام زندگی کو احکام ربانی اور سنت نبوی ﷺ کے کامل اتباع سے سنوارے اور اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کو صرف اوراد و اذکار، اشغال و معمولات کی پابندی ہی میں منحصر نہ سمجھے۔ بلکہ اصلاح عقائد، پابندی فرائض و سنن، تحسین عبادات و اذکار کے ساتھ درستگی اخلاق، صفائی معاملات، ادائیگی حقوق العباد اور حسن معاشرت کی طرف بھی پوری توجہ دے۔ اور توحید کاملہ عبدیت تامہ اور حصول احسان و تقویٰ کی اس جدوجہد اور گناہوں اور بدعات سے بچنے کی کوشش میں بکمال اخلاص، و استقامت، عزیمت و ہمت آخر دم تک لگا رہے۔

مندرجۂ بالا مباحث سے ظاہر ہے کہ حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اعمال کی اصلاح، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی صفائی اور معاشرت کی درستگی اور حلال و حرام کی تمیز کو تصوف کا بڑا مقصد قرار دیتے اور اسے سالکین کے لئے ضروری سمجھتے تھے،

ایک مرتبہ راقم سے فرمایا کہ:۔

"حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری دور میں اوراد و وظائف اور اشغال کی تعلیم سے پہلے اخلاق و معاملات کی اصلاح کی طرف متوجہ فرماتے تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ سالک کو اوراد و وظائف میں مشغول کرنے سے پہلے اخلاق و معاملات کی صفائی کیطرف متوجہ کیا جائے، کہ اس جانب توجہ کم کی جاتی ہے۔ بسا اوقات ذکر کی برکت سے طالب کے قلب پر انوار و واردات کا نزول ہو جاتا ہے جس کی بناء پر وہ اسی کو مقصد سمجھ لیتا ہے۔ اور اسی کو بزرگی سمجھ کر اصلاح اعمال اور درستگی اخلاق و معاملات سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف اس کی ترقی رک جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہلاکت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سالکین کی تربیت میں اس چیز کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ کہ وہ دین کے تمام شعبوں کی اصلاح اور جملہ اوامر ظاہری و باطنی کی پابندی کو اپنا شیوہ بنائیں اور ایک کو مقصد سمجھ کر باقی سے اغماض نہ برتیں۔ ان اصولوں پر حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک مکتوب سے روشنی پڑتی ہے اسلئے پورا خط نقل کرتا ہوں۔

مکرمی و محترمی حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ فقیر نے آپ کا خط پڑھا۔ حالات معلوم

ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے، کہ آپ کو صحیح ہدایت نصیب ہوئی
کبھی مصیبتیں بھی ہدایت کا باعث ہوتی ہیں۔ آپ حضرت مولانا تھانوی
کی کتابوں میں سے پہلے قصد السبیل پھر تعلیم الدین پڑھیئے۔ اور
حضرت کے جس قدر مواعظ و ملفوظات مل سکیں مطالعہ کرتے رہیں
اور استغفار کی کثرت کریں۔ اور نماز پنجگانہ باجماعت کا اہتمام کریں
اور معاملات میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز کریں۔ اور
اچھے اخلاق اختیار کریں۔ اور بُرے اخلاق سے پرہیز کریں۔ اگر آپ کا
جی چاہے۔ تو مجھ سے خط و کتابت جاری رکھیں۔ اور اپنے احوال سے
مطلع کرتے رہیں۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات پر چلائے"

سید سلیمان

ایک دوسرے طالب کو ارقام فرماتے ہیں :۔

"تقویٰ کا خیال، حلال و حرام کی فکر، جائز و ناجائز کی تمیز ہر کام میں
ضروری ہے۔ تقویٰ حاصلِ اعمال ہے۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا
رَبَّکُمْ ...... لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"معمولات کی پابندی استقامت کی دلیل ہے۔ اس کے آثار اعمال،
معاملات اور اخلاق میں نمایاں ہونے چاہئیں ......"

دوسرے مکتوب میں اسی طالب کو لکھا۔

"جی ہاں یہی مرحلہ ہے جس کی طرف توجہ کم کیجاتی ہے۔ اس کے لئے

ضرورت ہے کہ رسالہ صفائی معاملات پڑھیں۔

ایک مرتبہ راقم چند سیاسی ساتھیوں کے ہمراہ پشاور سے کراچی کے سفر کیلئے روانہ ہوا۔ خوش قسمتی سے لاہور کے اسٹیشن سے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت کراچی تک نصیب ہوگئی۔ سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ تھا، باقی رفقائے سفر بھی اپنے ہی ساتھی تھے۔ لاہور سے گاڑی روانہ ہوئی تو ایک سیٹ پر میں اور حضرت قدس سرہٗ بیٹھ گئے۔ حضرت والا کی طبیعت نہایت ہی مضمحل تھی۔ اور نیند کے غلبہ کی بنا پر گردن مبارک اِدھر اُدھر جھک جاتی تھی۔ میں نے یہ دیکھ کر پیچھے تکیہ رکھنے کی کوشش کی، لیکن عجیب دلبرانہ تبسم کے ساتھ انکار فرما دیا، کچھ دیر کے بعد حضرت والاؒ کے اضمحلال، ضعف اور نیند کے غلبہ کو دیکھ کر ہمارے ایک ساتھی نے عرض کیا۔ "حضرت آپ لیٹ جائیں اور آرام فرمادیں۔ اشرف صاحب ہمارے ساتھ بیٹھ جائیں گے۔" حضرت والا نے اس کے جواب میں مسکراتے ہوئے فرمایا۔

"گاڑی میں بارہ گھنٹہ کا جلسہ ہوتا ہے۔" مراد یہ تھی۔ کہ ریلوے کے قوانین کے مطابق دن کے اوقات میں بیٹھنے کی جگہ سے زیادہ جگہ لیٹنے کیلئے استعمال نہیں کرنی چاہیئے۔ اس بنا پر لیٹنے سے معذوری ہے۔ تقویٰ اور صفائی معاملات کی ایسی نظیریں کہاں ملتی ہیں۔ اسی سفر میں راقم نے چائے منگوائی۔ اور حضرت والا نے بھی میرے ساتھ نوش فرمائی۔ چائے پینے کے بعد "بل" پوچھا۔ فقیر نے بلطائف الحیل ٹال دیا۔ کراچی اترنے سے پیشتر پھر ارشاد فرمایا۔ "آپ نے بل نہیں بتایا۔" عرض کیا "حضرت میں ادا کر چکا ہوں، کوئی بڑی رقم نہیں۔" فرمایا۔ "کیا معلوم آپ کے حالات اس کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں۔" حضرت والا کے اصرار پر مجبوراً راقم

بتانی پڑی، جو اسی وقت ناکارہ کو عطا فرمادی۔

ایک مرتبہ دار منزل میں حاضری ہوئی۔ دوران ملاقات میں ایک مستعمل ٹکٹ جس پر مہر کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اور دوبارہ استعمال کیا جاسکتا تھا۔ بندہ کو دکھاکر استفسار فرمایا۔ کیا اس کو دوبارہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ عرض کیا۔ "تقویٰ کے خلاف ہے" فرمایا۔ "تقویٰ کے خلاف تو ہے۔ فتویٰ کیا ہے۔ عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا۔ "ناجائز ہے" اور اسے چاک فرمادیا۔

ایک سفر میں ملتان اتر کر مدرسہ خیر المدارس تشریف لے گئے۔ خادم ساتھ تھا چہرہ مبارک راستے کے گرد وغبار سے اٹا ہوا تھا۔ اس لئے وضو کے وقت صابن کا استعمال فرمایا۔ احقر نے دوران وضو میں لوٹا لے کر پانی ڈالنا چاہا۔ حضرت والا نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ۔ "آپ کو نیت کا ثواب تو مل ہی گیا، دوسرے سے وضو کرانے میں پانی زیادہ صرف ہوتا ہے۔ جو مستحسن نہیں۔"

لائلپور کے ایک سفر کی واپسی میں (جس میں خاکسار کو خدمت کی سعادت نصیب ہوئی تھی) حضرت والاؒ کے بستر میں سے ایک روپیہ نکلا۔ میں پشاور جاچکا تھا۔ خط میں استفسار فرمایا۔ "یہاں واپسی میں میرے بستر سے ایک روپیہ نکلا، میرا نہیں ہے، معلوم نہیں کس کا ہے۔ آپ کا تو نہیں۔" میں نے جواباً لکھا کہ میرا نہیں۔ اور ایک دو رفقائے سفر کے نام لکھ دیئے۔ کہ ان سے پوچھ لیا جائے، تحریر فرمایا۔ "ان میں کسی نے اپنا ہونا نہیں بتایا، میں نے پوچھا تھا۔"

اسی طرح ایک دوسرے پشاوری طالب کا فونٹن پن حضرت شیخ قدس سرہ کے مکان پر رہ گیا۔ اور وہ پشاور آگئے۔ حضرت والا نے راقم کو تحریر فرمایا کہ مرتضیٰ

صاحب کو سلام کے بعد کہہ دیں۔ کہ ان کا فونٹن پن یہاں چھوٹ گیا۔ اگر ان کا ہے تو اس کے بھیجنے کی تدبیر بتائیں۔"

ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں آپ کے استعمال کی تمباکو الائچی دانہ پیش کی۔ شیشی کے لیبل پر تصویر تھی۔ حضرت والاؒ نے اس کاغذ کی تصویر کا گردن سے اوپر کا حصہ اڑا دیا۔ جو انتہائی احتیاط کی دلیل ہے۔

گو بظاہر یہ واقعات معمولی معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان ہی سے تقویٰ کے اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔

کسب حلال کی تلقین

معاشی تگ و دو اور رزق حلال کی طلب اور اس کے ذرائع انسانی زندگی میں جو اہمیت رکھتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کا نمایاں پہلو یہ بھی تھا۔ کہ مسترشدین کو کسبِ حلال کی اکثر تلقین فرماتے تھے۔ جس سے اس رسمی توکل کی تردید ہو جاتی ہے۔ جو لوگوں کو اپاہج اور ناکارہ بنا دیتا ہے۔ اس کے متعلق بعض ارشادات ملاحظہ ہوں :۔

"تعلیم اور طلب رزق کے اسباب میں سستی نہ کیجئے۔ کہ اس پر نفس کا اطمینان موقوف ہے۔ جس کی بہت ضرورت ہے۔

ایک صاحب کے اس سوال کے جواب میں کہ :"طلب رزق کے اسباب میں کوشش اور مشورہ طلبی توکل کے منافی تو نہیں" ارقام فرمایا :۔

"ہرگز نہیں، طلب رزق حلال بندہ پر واجب ہے۔ اس کی تدبیر اختیار کرنا بھی واجب۔ مگر نظر اللہ تعالیٰ پر رہے۔ کہ وہی رازق ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

"طلبِ رزقِ حلال از جملہ فرائض و واجبات ہے۔ اس سے تو کسی حال میں تغافل درست نہیں، اللہ تعالیٰ مدد فرماویں، اور غیب سے سامان فرماویں"

ایک طالب کو تلقین ہوتی ہے:۔

"بے شبہہ معاشی پریشانیاں بڑی آزمائش ہیں، اس کے لئے جو تدبیر سمجھ میں آئے کی جائے، برکت دینے والے اللہ ہیں، هُوَ الرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۔"

اسی طالب کو دوسرے مکتوب میں ہدایت ہے:۔

"معاشی پریشانیوں کا علاج دُعاء اور تدبیر دونوں سے کرنا چاہیئے۔"

راقم کو تحریر فرمایا:۔

"تعلیم کے مشغلہ کی نسبت یہ خیال کریں، کہ یہ حصول رزق کی کوشش ہے۔ اس نسبت سے یہ تعلیمی جدوجہد بھی عبادت میں شمار ہوگی۔ بایں ہمہ اوقات نماز و نوافل و ذکر کو قائم رکھیں۔

دوسرے طالبین کے مختلف خطوط میں بھی اسی طرح کی ہدایات پائی جاتی ہیں، چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔

"رزق حلال کی کوشش بھی دین کے اجزا میں سے ہے، نیت درست ہو، تو یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے۔"

"دنیاوی پریشانیاں اگر علاج پذیر ہیں، تو تدبیر سے کام لیجئے، اور اگر علاج سے باہر ہیں، تو حوالۂ خدا کیجئے، کہ جو ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ وہ فرمائیں گے۔"

"طلبِ کسبِ حلال فرض ہے۔ جب دیگر ذرائع کامیاب نہیں تو ملازمت میں کیا حرج ہے۔ اگر وہ کسی شرعی وجہ سے ناجائز نہیں، آپ دُعا اور اور تدبیر میں لگے رہیں۔ جب صورت اچھی نکل آئے تو تجارت شروع کریں"

"پریس کے کاموں کو پوری مستعدی سے انجام کریں۔ کیونکہ طلب رزق حلال واجب ہے۔"

"طلبِ رزق بھی فرض ہے۔ اور اِس کے حصول کی مباح تدبیریں بھی اختیار کرنا ضروری ہے۔"

"طلبِ رزق کیلئے جو کوشش بھی ہو۔ اِس کی کامیابی کی دُعا ہے"

"طلب رزق ہر دروازہ سے کی جاسکتی ہے، طبیعت خیر کی طرف مائل ہے شکر کیجئے، ظاہری اعزاز کوئی چیز نہیں۔" ـــــ "کسی ذریعہ رزق کا حصول ہو جائے تو کافی ہے۔"

"باخلاص تمام آپ کی راحت و سعادت اور کشائش رزق کیلئے بدرگاہ باری تعالیٰ دُعا کرتا ہوں، اگر آپ رزق کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں تو طلب رزق کیلئے سعی و محنت بھی ضروری ہے۔ اس سے تغافل نہیں برتنا چاہیئے اصل مطلب یہ ہے۔ کہ رزق کی طرف سے مطمئن ہونا چاہیئے۔ یہ اطمینان اگر واقعی صدق توکل کے ذریعہ سے پیدا ہوگیا ہے، تو بہت بہتر ہے، ورنہ سعی و محنت سے کسبِ رزق کرنا چاہیئے۔"

ایک مسترشدِ خاص کو بعض مجبوریوں کی وجہ سے ملازمت ترک کرنے اور حیدرآباد سے ہجرت کرنے کے خیال پر تنبیہہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

"ایک بات آپ سمجھ لیں۔ ملی ہوئی روزی کو بلا عذر شرعی کسی حال میں اس وقت تک چھوڑنا نہ چاہیئے۔ جب تک دوسری صورت متعین نہ ہو جائے، ہر جگہ یہی حال ہے ع

زمین سخت ہے آسمان دور ہے

حرمین کی ہجرت بے شبہہ موجب برکات ہے۔ اگر تکالیف سفر اور روزی کی تنگی اور توکل کی وجہ سے دل تنگی کا اندیشہ نہ ہو تو مبارک ہے، مگر وہاں کا ماحول بھی قلب کے اطمینان کا باعث نہ ہوگا۔ اگر قلب کا لگاؤ ماحول سے، خواہ وہ سیاسی ہو، یا کسی اور نوع کا ہو قائم رہا — اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔" (تذکرہ سلیمان ص۵۰۸)

ان اقتباسات سے سلوک سلیمانی میں رزق حلال کی طلب اور ذرائع معاش کی اہمیت اور ان کے لئے تگ و دو کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

دوسرا باب

(دوسرا باب)

ارادت و مشیخت

ضرورت شیخ

شروع میں "تزکیہ وصحبت" کے بارے میں جو کچھ عرض کیا جاچکا ہے۔ اس سے طریق میں شیخ کی اہمیت وضرورت لازماً ثابت ہوجاتی ہے۔ سلوک میں 'شیخ' کا جو مقام واہمیت ہے۔ وہ وضاحت کا محتاج نہیں۔ 'شیخ' و 'طریقت' لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحبت نبوی کے اس سلسلہ کا عام نام ہی 'پیری ومریدی' "مشیخت وارادت" مشہور ہوگیا ہے۔ اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کہ شیخِ کامل کی رہنمائی وہدایت، برکت وفیض اور اسکی محبت واتباع کے بغیر اس راستہ میں ایک قدم بھی اٹھانا دشوار ہے ؎

یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

عارف رومی کا ارشاد ہے

پیر راگبزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست بس پرآفت وخوف وخطر

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد — او زغولاں گمرہ و در چاہ شد

گر نباشد سایہ پیر، اے فضول — پس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

اس راہ میں سالک کو 'شیخ کامل' کی ضرورت ہر قدم پر پیش آتی ہے۔ شیخ کی حیثیت رہبر، مربّی، معالج روحانی، دینی پیشوا، مذہبی اُستاد، اخلاقی رہنما اور عملی گرہ کشا کی ہوتی ہے۔ وہ علم وعمل میں اسوۂ و نمونہ اور تجربہ کار و مشفق مشیر ہوتا ہے اس کی یافت عطیہ الٰہی، اور اس کی صحبت اکسیر اعظم، اس کی تربیت نعمت عظمیٰ اور اسکا فیض و توجہ افزائشِ ایمان و یقین کا سبب ہوتا ہے۔ ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

سیدی حضرۃ الشیخ الامام نوراللہ مرقدہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"شیخ اپنے سلسلہ کے ارادتمندوں کو امورِ خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے۔ انکی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے۔ اور سالک کے ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے۔ مثلاً غرور بری چیز ہے۔ اب یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے اور غرور کہتے کس کو ہیں۔ اور اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ اور آیا ہمارا فلاں کام غرور کی حد میں داخل ہے کہ نہیں، اسکا جواب نہ خالص محدّث دے سکتا ہے۔ اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کر سکتا ہے۔ نہ مفسر بتا سکتا ہے۔ اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کر سکتا ہے۔ اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے۔ وہ شیخ طریقت ہے۔ جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو۔ فقیہ بھی ہو، مفسر بھی ہو، یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے۔ نہ ہو تو حرج نہیں۔ مگر متبع ضرور ہو۔ جس نے اپنے بزرگوں سے ان کو سیکھا اور جانا ہے۔ یا اس نے خود کتاب و سنّت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے اور حل کر کے

اس رتبہ پر پہنچا ہے۔ کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک و صاف ہو گیا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اپنی تعلیم و صحبت سے ایسا بنا سکتا ہے۔ (گو خود بغیر شیخ کامل کی صحبت کے کمالِ اصلاح و استعدادِ تعلیم باطنی اور تاثیر صحبت کا ہونا شاذ ہے۔ جو عقلاً جائز اور عادتاً نادر و مشکل ہے۔ م۔و)

انتخابِ شیخ

شیخ کی ضرورت ثابت ہو جانے کے بعد اصل مرحلہ انتخابِ شیخ کا ہے۔ ہر کس و ناکس اور ہر خطائی و ناقص مدّعی مشیخت کو اپنا 'مربی' نہیں بنایا جا سکتا۔ فن کی بصیرت و مہارت معمولی بات نہیں ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

مزید براں نِری 'فن دانی' سے اس راہ میں کام نہیں چلتا۔ یہ طریق سراسر عمل اور فیض و برکت کا ہے۔ جب تک شیخ خود صاحبِ عمل، سالکِ صادق، عارفِ محقق، اور بصیر و نکتہ رس فن داں نہ ہو، سلوک کی نازک گھاٹی میں بھٹکنے اور بھٹکانے کا ہر آن اندیشہ ہے۔ اسلئے اپنے کو کسی 'مربی' کے سپرد کرنے سے پیشتر 'معیارِ مشیخت' کا جاننا اور اسکے مطابق اسکا جانچ لینا ضروری ہے۔ کہ یہ معاملہ ایمان و دین جیسی متاع بے بہا کا ہے۔ اور یہ سودا عمر بھر کا ہے۔ اسلئے کسی کو راہبر بنانے سے پیشتر خوب سوچ لینا چاہیئے، کہ وہ 'واقفِ راہ و رہنما' بھی ہے یا نہیں، کہ ہر چمکدار چیز سونا، ہر دوا اکسیر اور ہر مدّعیِ مشیخت پیر نہیں ہوتا ؎

اے بسا ابلیس کہ آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کسی کو تربیت میں لینے سے پہلے اس بات کی تسلی

کر لیتے تھے۔ کہ آیا طالب نے 'ارادت' کے ارادے سے پہلے شیخ کو جانا بھی ہے یا نہیں۔ طالب کی سُنی سنائی واقفیت کو قوی نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

" فقیر سے آپ کی واقفیت محض سُنی سنائی ہے۔ اسلئے آپ نے حسنِ ظن سے کام لیا، سننا اور دیکھنا کافی نہیں۔ جاننا بھی ضروری ہے۔"

ایک اور طالب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

" مجھے خدمت سے انکار نہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ..... سے طبیعت کو مناسبت نہ ہوئی، یا کیا وجہ ہے۔ جو اس سلسلے کو آپ نے قائم نہیں رکھا، آپ میری نسبت سمجھ لیں۔ کہ یہ خاکسار حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سب سے کمتر ہے۔ اور رتبہ میں بھی فروتر ہے اس پر بھی اگر اس ذرۂ بیمقدار کی طرف اپنے دل کی کشش بے تکلف محسوس فرمائیں۔ تو ظاہر فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد کو پچتاوا آئے، میرے حالات کو بھی تحقیق فرمالیں، کہ میں اس قابل بھی ہوں، اگر ان سب باتوں کے بعد بھی دل کا میلان ہو۔ تو خدمت سے انحراف نہیں۔"

ایک دوسرے صاحب کو ارقام فرمایا:۔

" یاد فرمایا، شاد فرمایا، آپ نے مجھے انتخاب فرمایا تو میری نسبت آپ نے کچھ جان بھی لیا ہوگا۔ کہ میں اس سلسلہ کا سب سے کم سن اور کمترین ہوں اگر اس کو جان کر بھی آپ میری طرف متوجہ ہیں۔ تو مجھے خدمت سے انکار نہیں..... غالباً یہ ذہن نشین ہوگا۔ کہ عمر بھر کا سودا ہے۔ اسلئے

اس راہ میں جو قدم رکھا جائے۔ خوب سوچ سمجھ کر رکھا جائے۔"

مقصدِ ارادت

آج سلوک و مشیخت کی حقیقت پر جو تو بر تو پردے پڑ چکے ہیں۔ اور عامیانہ و فلسفیانہ تصوف نے مشیخت کی اصل تصویر و معیار اور ارادت کے مقاصد کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا ہے۔ اور طرح طرح کے مفاسد کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اور ایک کثیر طبقہ طریق کی آسان و مسنون راہ گم کر چکا ہے۔ ضرورت ہے کہ انتخاب شیخ سے پہلے مقصدِ ارادت اور معیارِ شیخ کو اچھی طرح جان لیا جائے۔

شیخ سے تعلق کا مُدعا صرف یہ ہے۔ کہ شیخ کی رہنمائی میں اللہ تعالیٰ کی رضا و قرب کے حصول کیلئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل و مکمل ظاہری و باطنی اتباع اختیار کیا جائے اور اس مقصد عالی میں شیخ کے علم و عمل، تعلیم و تلقین، تاثیر و تاثر اور فیض صحبت سے استفادہ کر کے اسوۂ کاملہ محمدیہؐ کو حالاً و قالاً، ظاہراً و باطناً اپنایا جائے، اور اس راہ میں کسی درجہ میں بھی کشف و کرامت، لذت و کیفیت، مواجید و رویاء وغیرہ مقصود نہیں نہ یہ پاک راستہ دنیاوی مال و جاہ، عزت و شہرت کے حصول کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اسلئے تمام سفلی اور غیر مقصودہ اوہام و خیالات سے دل و دماغ کو پاک کر کے محض رضائے الٰہی کی دُھن، اور اتباع نبویؐ کی طلب میں شیخ سے ارادت کا تعلق قائم کرنا چاہیئے۔ کہ نیت کا فساد تمام محنت کو ضائع اور برباد کر دیتا ہے اور ایسی حالت میں عمر بھر کے مجاہدات مقصود حقیقی تک نہیں پہنچا سکتے .....

معیارِ شیخ

ظاہر ہے کہ سلوک کا مقصد کامل اتباع نبوت ؐ کے ذریعہ رضائے الٰہی کو حاصل کرنا ہے۔ پس لازم ہے کہ شیخ بھی اسی مقصد کا طالب و داعی اور اسی صراط مستقیم اور طریقِ قویم کا راہبر و راہی ہو۔ اسلئے شیخ کیلئے ضروری ہے کہ وہ "قلباً و قالباً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھتا ہو، اور اپنے علم و عمل و فکر و نظر، طریق تربیت اور ذوق و حال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مناسبت رکھتا ہو، صحت ایمان اور ظاہری عمل صالح کے ساتھ اس کے باطنی احوال بھی منہاج نبوت پر ہوں، محبت الٰہی، خشیت الٰہی، اخلاق للہ، تعلق مع اللہ کی کیفیت ہو، اخلاق و عادات و شمائل میں اتباعِ سنن نبوی کی کیفیت ہو، حب للہ، بغض فی اللہ، رحمت علی الخلق اور شفقت علی الطالبین اسکی تربیت کا محرک ہو۔ اور سوائے رضائے ربانی اور اجر الٰہی کے اس کا کوئی مقصود نہ ہو۔ اسے جاہ و منصب، مال و دولت، عزت و شہرت اور ذاتی نام و نمود کا خیال نہ ہو، الغرض اسوۂ کاملہ محمدیہ ؐ کا پرتو اس کی ہر ادا میں جھلکتا ہو۔ [1]

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ کے ایک مرید خاص نے سید صاحب ؒ سے استفسار فرمایا جسکا خلاصہ یہ تھا، کہ "مولانا تھانوی ؒ نے جو معیار شیخ بتایا ہے۔ اس سے تشفی نہیں ہوئی، میری فہم ناقص میں پیر کامل کی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا عکس ہو، یعنی اگر زہد و تقویٰ کے اعتبار سے افضل ہو، تو دوسری طرف ملی حقوق و فرائض سے بھی غافل نہ ہو، اور اس کی زندگی انفرادی اور اجتماعی پہلو سے متوازن ہو۔" حضرت الشیخ ؒ نے جواباً تحریر فرمایا:-

---

[1] مقدمہ از سید صاحب کتاب حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت مصنفہ ابوالحسن علی ندوی ص۸ بتغیر۔

"حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے (شیخ کے) جو معیار بتائے ہیں۔ وہ تمام تر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن ہی کو پیش نظر رکھ بتائے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے :۔

"کہ اسکے عقائد و اعمال تمام تر شرع کے مطابق ہوں۔"

تعبیر کا فرق ہے۔ آپ شرع کی جگہ اسوۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھ دیجئے۔ ایک ہی بات ہے، اجتماعی پہلو اگر شرع ہے۔ تو وہ اس میں آگیا اور اگر مقصود موجودہ زمانے کی سوشل اور پولٹیکل تحریکات ہیں۔ تو انکی نسبت بھی وہی سوال ہے کہ کیا وہ شرع سے باہر ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو انفرادی و اجتماعی کوئی پہلو شرع کے دائرے سے خارج نہیں۔" (تذکرہ سلیمان صہ ۳۹۲، صہ ۳۹۳)

حضرت سیدی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی :۔

یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ۔ (یٰسین۔۲)	اے میری قوم ان رسولوں کی راہ چلو (ضرور) ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں۔

اور فقیر سے ارشاد فرمایا کہ :۔

"شیخ کی یہ صفت ہونی چاہیئے کہ وہ خود ہدایت یافتہ (ھُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ) ہو اور اپنی خدمت پر کسی مال و جاہ اور اجرِ دنیوی کا طالب نہ ہو۔ ایسا ہی شیخ قابل اتباع ہے (او کما قال)

غرض شیخ ہدایت یافتہ ہو متبع سنت ہو۔ اہل حق بزرگوں کا مجاز اور ان کے فیض و صحبت سے مستفید و مستفیض ہو۔ کمال کا دعوٰی نہ کرتا ہو، اسکے واقف ہمعصر علمائے

ربانیین اسکی نیکی وخیر وصلاح کے معترف ہوں، اسکی صحبت کی تاثیر اسکے اکثر متبعین و متعلقین کی حالت سے ظاہر ہو۔ طالبین کے حال پر شفیق اور ان کی تربیت کا فکر رکھنے والا ہو۔ یہ صفات جس قدر کسی "شیخ" میں پائی جائیں۔ اسے غنیمت شمار کرنا چاہیئے، شیخ میں کسی کشف وکرامت کا ہونا ضروری نہیں۔

وحدت شیخ

"وحدت شیخ" کا مدعا یہ ہے۔ کہ اپنی تربیت وتعلیم کا تعلق ایک ہی شیخ سے رکھے۔ کہ متعدد شیوخ سے ارشاد وتعلیم طالب کو انتشار وتشتت اور مخمصہ میں مبتلا کردیتی ہے۔ جمعیت خاطر و سکونِ قلب اور تفویضِ تام کیلئے وحدت شیخ لازمی ولابدی ہے۔ گو استفادہ وبرکت دوسرے بزرگوں کی صحبت سے بھی حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن معالجۂ روحانی وتعلیم صرف ایک شیخ ہی کے ساتھ متعلق ہونی چاہیئے۔ یہ طریق کا نہایت اہم اور ضروری مسئلہ ہے، ہرجائی مرید، تشتت ذہنی، انتشار قلبی، پراگندگی فکر میں مبتلا ہوکر کہیں کا نہیں رہتا ہے۔ "وحدت شیخ" میں سکون وآرام، طمانیت وآسانی ہے۔ اور تعدد وآزادی میں بے قراری، پریشانی اور دقت ومشقت۔ حضرت سید صاحب "شیخ واحد" سے تعلق ونسبت کی پابندی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:۔

تھی جو آزادی تو ہر سو دوڑ تھی (وحدت شیخ) قید میں آرام ہی آرام ہے

اب درِ پیر مغاں چھوٹے نہیں اس کی مٹی میں بھی فیض عام ہے

ایک طالب صادق کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"صحبت تو تمام صالحین کی مفید ہے۔ بشرطیکہ متبع سنت ہوں ع

تمتع زہر گوشہ یافتم

مگر ارشاد صرف ایک ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ انتشارِ مقاصد پیدا ہو کر مقصد فوت ہو جائیگا۔ ہر ایک کی راہ الگ الگ ہے۔" (تذکرہ ۳۹۸)

دوسرے خط میں انہیں تحریر فرماتے ہیں:۔

"تمتع زہر گوشہ یافتم پر عمل کیجئے مگر تعلیم کا تعلق صرف شیخ سے رکھنا چاہیئے۔" (تذکرہ ص۵۸۱)

ایک صاحب کو جو ایک شیخ سے تعلق رکھتے اور دوسرے بزرگوں کے علاوہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی مکاتبت کرتے تھے۔ حضرت سید صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا:۔

"متعدد بزرگوں سے خط و کتابت کرنا برکت کی حد تک تو خیر ہو سکتا ہے مگر متعدد لوگوں سے تعلیم لینا اور اپنے احوال کو پیش کرنا اور مشورہ کرنا طالب کیلئے خود مناسب نہیں۔ مقصود یہ ہے۔ کہ آپ اپنا مرکز ایک شخص کو بنائیں۔ سب سے بہتر تو جناب .... (مکتوب الیہ کے شیخ) ہیں۔ یا پھر جس سے آپ اپنا تعلقِ قلب مضبوط پائیں۔ بحث کسی شخص کی نہیں۔"

انہیں کو ایک دوسرے مکتوب میں لکھا:۔

"تعلیم کا تعلق صرف ایک سے رکھنا چاہیئے، دوسروں سے کسب فیوض بھی کر سکتے ہیں۔ مگر نصائح کی حد تک ہے مگر اپنے حالات و واردات و کیفیات کا اظہار صرف شیخ ہی سے کرنا چاہیئے۔ اور اسی سے علاج و تدبیر پوچھنا چاہیئے۔"

"مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے معمولات کیا ہیں۔ اس باب میں آپ کو ....صاحب (طالب کے اصل شیخ) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔"

اگر ایک وقت میں متعدد شیوخ پر نظر ہو۔ تو ان میں سے اس شیخ کے ساتھ

تعلیم و تربیت کا تعلق جوڑے جس سے مناسبت زیادہ ہو اور جس کی طرف دل کا میلان زائد پائے۔ حضرت اقدس قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اگر ایک سے زائد ہستیاں نظر کے سامنے ہوں، تو غور کرنا چاہیئے۔ کہ دل کا میلان کس کی طرف زائد ہے۔ اور کس سے اس کی عقیدت مندی زیادہ ہے۔ اسی کی صحبت اس کیلئے نافع ہوگی۔ (تذکرہ سلیمان صہ ۲۹۳)

لیکن 'وحدت شیخ' کا یہ مدعاء ہرگز نہیں۔ کہ دوسرے شیوخ کو ہلکا جانے، یا ان کی شان و مقام میں گستاخی کرے۔ بس اتنا سمجھنا کافی ہے۔ کہ میری تلاش میں میری مناسبتِ طبعی کی بناپر اس شیخ سے دوسرے شیوخ کی نسبت زیادہ دینی فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔ ع

پیر من خس است برائے من بس است

اس لئے اپنے شیخ کا دوسرے بزرگوں سے ایسا تقابل بھی نہ کرے۔ جس سے دوسروں کی تنقیص یا استخفاف لازم آتا ہو۔ حضرت الشیخ نوراللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے۔ کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ کہ میری نافعیت کے لئے میری تلاش میں یہ سب سے بہتر ہے۔ پس دوسروں سے انکار کی ضرورت نہیں۔ مگر اتباع ایک کا ہے۔ ایک ساتھ دو طبیبوں کا مریض مصیبت میں مبتلا رہتا ہے۔"

ایک دوسرے صاحب کو اسی بارے میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"پیر کے متعلق صرف اتنا اعتقاد رکھنا شرط ہے۔ کہ میری تلاش میں میری نافعیت کے لئے اس سے بہتر کوئی شخص اس وقت نہیں۔"

جانبین کا نفع

حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ تربیت و ارادت کے اس تعلق کو جانبین کیلئے دینی نفع کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور اخلاص و خیر خواہی، بصیرت و دیانت کیساتھ طالب کی حسبۃً للہ تربیت و خدمت کو شیخ کا فریضہ جانتے تھے، اور شیخ کی تحتِ شرع تعلیمات کا بے چون وچرا امتثال و اتباع مرید کی ذمہ داری و مرید پر شیخ کا حق گردانتے تھے کہ جانبین کے اسی باہمی طرزِ عمل سے طرفین کو صحیح فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ چنانچہ متعدد مکتوبات میں اس قسم کی تحریریں ملتی ہیں۔ جنکے بعض اقتباسات درج کرتا ہوں :۔

" میں بیعت میں آپ کو لینے کو تیار ہوں ، اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور آپ کو فائدہ پہنچائیں ۔ "

" مجھے یہ رویاء (شیخ کو خواب میں دیکھنا) محبت کے آثار ہیں دُعا ہے کہ اس محبت فی اللہ سے فریقین کو فائدہ پہنچے ۔ " (تذکرہ سلیمانؒ ص ۵۲)

" یہ کیفیت مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو میرے اور آپ کے دونوں کیلئے وجہٗ ازدیادِ برکات بنائے (تذکرہ سلیمانؒ ص۶۱) ۔

" مزدور جو مزدوری کرتا ہے (یعنی شیخ جو مریدین کی تربیت کرتا ہے) وہ

اس پر شکریہ کا مستحق نہیں، اس نے تو اپنا فرض ہی ادا کیا (تذکرہ ص ۳۹۲)

" یہ (تربیت) احسان نہیں ہے۔ یہ فرض کی بجا آوری ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ دونوں کو آپس کے تعلقات میں برکت عطا فرمائیں۔ اور اس محبت کو حب فی اللہ بنا دیں۔"

" یہ محبت جو صرف خدا کیلئے ہے یہی حب فی اللہ ہے۔ جو اصلاح اور ترقی روحانی کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو طرفین کیلئے موجب سعادت بنائے۔"

" خدا کا شکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق خیر بخشی۔ محنت راہرو کی ہوتی ہے۔ راہ کا بتانے والا اپنا فرض ادا کرتا ہے۔"

محبت کا یہ روحانی رشتہ شیخ و مرید کے درمیان افادہ و استفادہ کی مضبوط کڑی بن جاتا ہے۔ جس سے دونوں کو نفع پہنچتا ہے

حضرت الشیخ قدس سرہٗ ایک مسترشدِ خاص کو لکھتے ہیں:۔

" یہ آپ کی محبت ہے جو اس ہیچمدان ناکارہ کے ساتھ ہے۔ اگر اس محبت کی دل میں پرورش کی جائے تو فریقین کیلئے نافع ہو۔ انشاء اللہ العزیز (تذکرہ ص ۳۹)

"...... بحمد اللہ تعالیٰ طرفین میں محبت ہے۔ اور اسی سے اُمیدِ کامیابی ہے۔ (تذکرہ ص ۶۳۶)

ایک ندوی عزیز کو ارقام فرماتے ہیں:۔

" یہ محبت جو صرف خدا کیلئے ہے۔ یہی حب فی اللہ ہے۔ جو اصلاح اور ترقی روحانی کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو طرفین کیلئے موجب سعادت بنائیں۔"

"...... اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ، دونوں کو آپس کے تعلقات میں برکت

عطا فرمائیں۔ اور اس محبت کو حبّ فی اللہ بنادیں۔"

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ اُنسِ (شیخ) مبارک، جو محبت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اللہ تعالیٰ اس محبت کو طرفین سے بڑھائیں اور دونوں کیلئے نافع فرمائیں۔ (لیکن) محبت کے اظہار میں غلو سے احتیاط لازم ہے "

ایک صاحب کو لکھا :۔

" یہ (دھیان و یادِ شیخ) آثار محبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ طرفین کے لئے۔ اسے موجب سعادت و برکت بنائیں۔ اپنے سب محبوں کیلئے دعاء گو ہوں۔"

حضرت سیدی قدس سرہٗ خود اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبّت میں سرشار تھے۔ اور بڑی عظمت و عقیدت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے اِن کے فنا فی الشیخ ہونے کی کیفیت ان کے ارشادات و احوال اور اشعار و اقوال سے ظاہر ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مجموعۂ غزلیات " غزل الغزلات " جو مولانا تھانویؒ کے تعلق کے بعد کا کلام ہے۔ اپنے شیخؒ عالی مقام کا تذکرہ جس والہانہ انداز میں کیا ہے۔ وہ حضرتؒ کی شیخ سے عقیدت و محبت کی کھلی دلیل ہے۔ کچھ منتخب اشعار سے اسکا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں :۔

تاثیر شیخ :

مجھ پہ جادو یہ چلایا کس نے　　　مجھکو دیوانہ بنایا کس نے

میں تھا آسودۂ خواب غفلت — مجھکو سوتے سے جگایا کس نے
اپنا ہر داغ نظر میں آیا — ایسا آئینہ دکھایا کس نے
عشق کی راہ یقین کی منزل — مجھکو یہ راز بتایا کس نے
کھوگئی عقل و خرد کی دنیا — جام سرشار پلایا کس نے
اب کچھ آباد ہے دل کی بستی — اس خرابہ کو بسایا کس نے
دل تھا مردہ لحد سینہ میں — اس کو قُم کہہ کے جلایا کس نے
جس کو تھا آٹھ پہر کا رونا — ایسے روتے کو ہنسایا کس نے

کس نے بھر دی یہ صدائے دلنواز
ہر رگِ جان ساز الا اللہ ہے

نگاہِ شیخ :

تیری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا — تیری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے
تیری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں — وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے
پلادے ساغر سرشار مجھکو وہ ساقی — خزاں کو ایک اشارے میں جو بہار کرے

یادِ شیخ :

اے خوشا جوشِ محبت اے خوشا تاثیر عشق
گاہے گاہے ان کو میری یاد اب آنے لگی
نامۂ عرضِ محبت شوق سے پڑھنے لگے
خط سے کیا دل کے دھڑکنے کی صدا آنے لگی
میری وارستہ طبیعت مدح کے قابل ہوئی
اب میرے جوشِ جنوں کی سبھی ادا بھانے لگی

فیضِ شیخ :-

یہ کس میکدہ سے اٹھی موج مے　　چلی آرہی ہے جو فیضان ہو کر

حلقۂ شیخ :-

قیل و قال مدرسہ کو چھوڑ کر　　شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان کا　　جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
ایسے کچھ انداز سے تقریر کی　　پھر نہ پیدا شبہۂ باطل ہوا
گھول کر کیا جانیئے کیا دیدیا　　حلق سے اترا کہ شیدا دل ہوا
قید پایا ہے حلقۂ پیرِ مغاں　　پھر نہ اٹھا جو یہاں داخل ہوا

چشمِ ساقی :-

اگر ساقی تری چشمِ فسونگر کام کر جائے　　بدل جائے نظامِ دل بدل جائے جہانِ دل
تری ساقی کرامت اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی　　زبان میری لگی اک گھونٹ میں کرنے بیانِ دل

دیدارِ شیخ :-

یاد آیا چشمِ ساقی کا کرم　　پھر چھلکتے جام کی امید ہے
دید اسکی مایۂ عیش و نشاط　　ابروئے ساقی ہلالِ عید ہے
اس سے پایا روئے ملت نے فروغ　　ختم اس پر دورہ تجدید ہے

چارہ گریِ شیخ

اے مسیحِ دردِ دل، چارہ گرِ آزارِ دل　　پا رہا ہے تیرے درماں سے شفا بیمارِ دل
دور ہوتی جا رہی ہے، ہر کھٹک جو دل میں تھی　　تیرے سوزن سے نکلتے جا رہے خارِ دل

محفل شیخ :

ذرہ ذرہ عالم محسوس کا خاموش ہے ۔ یا رہے گرم سخن محفل سراپا گوش ہے

حبذا پیر مغاں دریا دل و دریا نوال ۔ جمع ہیں میخوار میخانے میں نوشا نوش ہے

تاثیر کلام شیخ :

ادھر کہتا گیا وہ اور ادھر آتا گیا دل میں ۔ اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

حیات نو مجھے انکی نگاہ ناز نے بخشی ۔ بھرا ہے آب حیواں کاسۂ زہر ہلاہل میں

اتباع شیخ :

جو موسیٰ بھی ہوں تو اتباع خضر لازم ہے
ہدایت منحصر ہے اتباع شیخ کامل میں

فیضان شیخ :

سازگار اب گردش ایام ہے ۔ دور میں ہشتاد سالہ جام ہے

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار ۔ آج ہی آغاز کا انجام ہے

فیض ہے یہ کس ولئ وقت کا ۔ اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

فنائیت فی الشیخ :

آتا ہے خدا بھی ترے صدقے میں مجھے یاد
گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں
ہر سمت نظر آتے ہیں ہر وقت وہ مجھکو
دوری مسافت کا گلا بھول گیا ہوں

اے خضر مرا قافلہ کس سمت چلا ہے
تمیزِ صدائے درا بھول گیا ہوں

طلبِ فیضِ شیخ:۔

دور سے آیا ہوں ساقی دیر سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھکو جو عطائے عام ہے

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے تعلق کے بعد کی اس عارفانہ شاعری کو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی 'دماغی' شاعری' قرار دیتے تھے۔ یہ اشعار رسمی شاعری نہیں بلکہ وارداتِ قلبی اور عشق و محبت کا بادہ سرجوش ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ؎

جو شعر بھی سپردِ قلم کر رہا ہوں میں — اب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں

دیوانگانِ عشق کو دے کر صلائے عام — آراستہ یہ مجلسِ جم کر رہا ہوں میں

حضرت سیدی قدس سرہٗ فرماتے تھے۔ "یہ (مجموعہ کلام۔ غزل الغزلاتؔ) میرا غزل نامہ نہیں۔ بلکہ سفرنامہ ہے۔" گویا حضرۃ الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی سیر سلوک کا مختصر روزنامچہ ہے جس میں سید الملتؒ نے اپنی مختلف منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اِس مجموعہ میں سلوک کے متعلق کچھ تعلیمات بھی نظم ہوگئی ہیں۔ اور اپنی تاثیر میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ حضرت والاؒ فرماتے تھے "میں جب تک خاص حالت نہ ہو، ایک شعر بھی نہیں کہہ سکتا۔" بہرحال حضرت والاؒ کا یہ مجموعہ کلام حضرتؒ کی اپنے شیخ سے عقیدت و محبت ان سے والہانہ تعلق اور انکی تعلیمات سے شغف پر گواہ ہے۔

شیخ کی محبت کے سلسلہ میں بعض واقعات قابل ذکر ہیں:۔

"ایک مرتبہ سیدی قدس سرہٗ نے مختلف موضوعات اور سیاست پر گفتگو کے بعد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

"بزرگوں کی مجالس میں ان چیزوں کا نام تک نہ تھا۔ گویا اس زمانہ میں وہ تھے ہی نہیں۔"

---

[1] برادر گرامی مولوی غلام محمد صاحب مصنف "تذکرہ سلیمان" نے حضرت والاؒ کا مجموعہ کلام "ارمغان سلیمان" کے نام سے شائع فرمادیا ہے۔ اسمیں غزل الغزلات بھی شامل ہے۔ م۔ا

ایک مجلس میں مہاجرین کے مال و جائداد کے بھارت میں رہ جانیکا ذکر تھا۔ فرمایا:۔

" اللہ میاں آجکل زبردستی صوفی بنا رہے ہیں۔ صوفیہ اسباب کی کثرت سے مشوش ہوتے تھے۔ ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ہر سال اپنے سامان کا جائزہ لیتے تھے۔ اور گرمی اور سردی کے دُو دُو جوڑوں کے سوا سب اللہ تعالیٰ کے راستہ میں دیدیتے تھے۔"

ایک صاحب کے استفسار پر تحریر فرمایا:۔

" یہ خاکسار لفظاً پیر ہے۔ اللہ تعالیٰ معنًی بھی بنا دیں۔ آپ نے ڈان میں جو پڑھا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ کہ مجھے حضرت والا سے تعلق خدمت ہے۔ اللہ اُنکی تعلیمات کی برکت سے بہرہ مند فرمائیں۔"

مولانا تھانویؒ کے متعلق مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ اور مولانا دریا بادی دام فیضہ کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرتؒ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ تصوف کی حقیقت کو نئی پود کے سامنے اجاگر کرنے کیلئے ہنوز کلک سلیمانی کی ضرورت ہے تو ارشاد فرمایا:۔

" جی ہاں! وہ حضرات اپنا کام پورا کر چکے، لیکن میں مکمل نہ کر سکا۔"

ایک طالب نے عرض کیا۔ کہ حضرت 'حیاتِ شبلیؒ' لکھ کر آپ استاد کا حق ادا کر چکے، اگر 'حیاتِ اشرف' پوری ہو جاتی ...... تو شیخ کا حق بھی پورا ہو جاتا۔ کس سوز و درد سے فرمایا:۔ " حق کیا ادا ہوتا؟ "

حضرت تھانویؒ کے سانحہ ارتحال پر معارف کے شذرات میں موتُ العالِم موت العالَم کے عنوان سے حضرت سید صاحبؒ نے جسطرح صفحہ قرطاس پر اپنے دل کے ٹکڑوں کو بکھیر کر رکھ

دیا ہے۔ اسکا ایک ایک حرف شیخ کی عقیدت و محبت، میں ڈوبا ہوا ہے اور حقیقت ہے کہ یہ مشور مرثیہ سلیمانیؒ درد و سوز صبر و استقامت اور رعایتِ حدود کا اچھوتا نمونہ ہے۔

غرض حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی محبت میں سرشار تھے، اور شیخ بھی اپنے مخلص مرید کی تعریف میں رطب اللسان، چنانچہ حضرت سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک کارنامہ پر فرط مسرت میں بے اختیار جذبات اشرفیہؒ منظوم ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد فرماتے ہیں :۔

از سلیمانؒ گیر اخلاص عمل — داں تو ندوی را منزہ از دغل

اے دلت معمور از اسرارِ حق — اے دلت مخمور از آثار حق

اے دلت پر نور از انوار حق — اے دلت مسرور از اخبار حق

شیخ و مرید کا یہی باہمی جذب و انجذاب اور عشق و محبت تھی جس نے حضرت سید صاحب قدس سرہ کو دیکھتے دیکھتے وراثتِ شبلیؒ اور اپنے بے مثل خصوصی علوم و کمالات کے ساتھ شیخ کے علوم و معارف کا بھی حامل و مثنیٰ بنا دیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

حضرت والا قدس سرہٗ کے رفیق قدیم و صدیق حمیم مولانا عبدالماجد دریابادی مدظلہٗ ارقام فرماتے ہیں :۔

"حکیم الامت و امام طریقت تھانویؒ کا آخری زمانہ تھا۔ کہ ان سے عقیدت پیدا ہوئی، اور والہانہ حد تک پہنچ گئی، بیعت ہوئے اور مرشد کے اندر ایسے جذب ہوئے کہ ایک لفظ فنافی الشیخ جو مدت سے سننے میں آرہا تھا۔ اسکا ایک عملی نمونہ پیش کر دیا۔" (صدق جدید ۲ دسمبر ۱۹۵۳ء)

بیعت

حضرت سیدی قدس سرہٗ بیعت کے رسمی طریقہ کو ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ سلوک میں اصل مقصود تعلیم و تربیت ہے۔ بیعت صرف اسکا ایک ظاہری نشان ہے۔ مقصد کے حصول میں اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں۔ شیخ اگر بیعت کو مناسب سمجھے تو استحسان کے درجہ میں بہتر ہے۔ ورنہ اگر شیخ تربیت میں اور سالک اس کی تعلیمات کی پیروی میں کوتاہی نہ کرے۔ تو بغیر بیعت کے بھی فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں عدمِ بیعت سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا مسعود عالم ندویؒ کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"بیعت کا رسمی طریقہ غیر ضروری ہے۔ یہ میں نہیں کہتا۔ بلکہ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے۔" (مکاتیب سلیمان)

راقم سے ایک مرتبہ فرمایا:۔ "مقصود تو تعلیم ہے۔ لوگوں میں بیعت کی جتنی اہمیت ہے تعلیم کی اتنی نہیں۔"

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:۔

"بیعت ضروری شے نہیں۔ تاہم اگران کو اصرار ہو تو خط کے ذریعے ہو سکتی ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ہے:۔

"بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ تاہم اگر اس سے کوئی دینی نفع سمجھتے ہیں تو مجھے عذر نہیں۔" ایک طالب کو لکھتے ہیں :۔

"بیعت کی اہمیت اسی قدر ہے کہ اس سے طبائع میں مزید مستعدی پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال اگر اسکی خواہش ہے تو انشاء اللہ پوری ہوگی۔"

ایک دوسرے صاحب کو ارقام فرمایا :۔

"جیسا کہ میں نے زبانی کہا۔ کہ بیعت پر نجات موقوف نہیں۔ لیکن اگر آپ کا دل طالب ہے۔ تو پہلے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ قصد السبیل ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ مقصد کا تعین ہو۔ اور باہمی غلط فہمی نہ ہو۔"

درحقیقت 'بیعت' شیخ و مرید کے درمیان ایک 'معاہدہ' ہے کہ شیخ اس کی اصلاح دینی اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید شیخ کی ان ہدایات کی پوری پابندی کرے گا۔ جو خلافِ شریعت نہ ہونگی۔ حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحبِ علم مرید کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ بیعت طرفین سے معاہدہ ہے۔ مُفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ تعلیم و شفقت میں اپنے جانتے کمی نہ کرے گا۔ اور مستفید کی ؍ ف سے اس بات کا کہ وہ اتباع میں حسب استطاعت کمی نہ کریگا۔"

بیعت کے نفع کا مدار مناسبت پر ہے۔ اسلئے بیعت یا اس 'باہمی معاہدہ' سے پیشتر صحبت یا خط وکتابت کے ذریعے شیخ سے مناسبت پیدا کر لینا مستحن ہے۔ اسلئے جب تک یہ مناسبت پیدا نہ ہو، بیعت میں عجلت کئے بغیر

شیخ کی ہدایات پر عمل کرتا رہے۔ اور بیعت کو شیخ کی صوابدید پر چھوڑ دے۔ کہ جب وہ مناسب سمجھے بیعت لے لے۔

اِس سلسلہ میں حضرت الشیخ قدس سرہٗ ایک زیرِ تربیت طالب کو ارقام فرماتے ہیں۔

"بیعت شیخ و مرید کے باہمی معاہدہ کا نام ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ہوگا۔ یہ سب اسی کیلئے تیاری ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں اِسی طالب کو لکھتے ہیں :۔

"آپ اپنے معمولات میں مصروف رہیں۔ پھر بیعت کی خواہش کریں۔ کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہوں، تو پھر میں بیعت انشاء اللہ تعالیٰ لے لوں گا۔"

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"بیعت شیخ و مرید کے باہمی معاہدہ کا نام ہے۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر ہوگا۔ اور یہ سب اسی کیلئے تیاری ہے۔"

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"یہ (بیعت) طرفین سے الحب فی اللہ کا معاہدہ ہے۔ کہ طالب تعمیل میں اور مطلوب یعنی شیخ تعلیم میں کوئی کمی اخلاص میں نہ کرے گا۔ باقی رسم بیعت میں استعجال غیر ضروری ہے۔ یہ بات اپنے وقت پر انشاء اللہ ظہور میں آئیگی۔"

ایک اور صاحب کے خط میں ہے :۔

"یہ (اقرارِ بیعت) اپنے وقت پر ہوگا۔ بیعت ایک اقرار کا نام ہے۔ اقرار سے پہلے اقرار کی تکمیل کیلئے اپنے کو تیار کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ اقرار بھی بے سود

ہوگا...... انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی طبیعت میں عزیمت پیدا ہو جائے تو بیعت
بھی ہو سکے گی۔ ابھی آپ اصلاح کا کام جاری رکھیں۔"

ایک بیعت کے خواہشمند کو تحریر فرمایا:۔

"بیعت کیلئے میں تیار ہوں...... مگر بہتر ہے۔ کہ آپ اس کی تیاری بھی کرلیں، پہلے مطلع کریں۔ کہ نماز پابندی سے اور جماعت سے آپ پڑھتے ہیں۔ اور دیگر معمولات شب و روز آپکے کیا ہیں۔ اور کیا اس راہ پر پورے مستقل آخر تک رہ سکیں گے۔ اپنے عیوب کا بھی جائزہ لیں۔"

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ علماء، تعلیم یافتہ طبقہ اور امراء کی بیعت میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔ اور جب تک ان سے پوری مناسبت اور ان میں جذبہ اصلاح کے عزمِ راسخ کا ظنِ غالب نہیں ہو جاتا تھا، بیعت نہیں فرماتے تھے۔ گذشتہ سطور میں تاخیر و التوائے بیعت کی ہدایات اکثر ایسے ہی حضرات کو ہیں۔ اس بات پر ایک واقعہ سے مزید روشنی پڑتی ہے۔ اسلئے نقل کرتا ہوں۔

راولپنڈی کے ایک سفر میں حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ بیمار تھے، کچھ دنوں تک کرنل سرور کے زیر علاج رہے، قیام ڈی ایم ملک اور محترمی محمد شفیع قریشی صاحب کی کوٹھی پر تھا، دوران قیام میں ایک میجر (ڈاکٹر) صاحب نے میرے سامنے بیعت پر انتہائی اصرار کیا۔ حضرت والاؒ نے پہلے ان سے قصد السبیل کے خاص خاص مقامات پڑھوائے، پھر بیعت کی ذمہ داریاں سمجھائیں، لیکن وہ بیعت پر مصر رہے۔ آخر حضرت والاؒ نے پوچھا، آپ کا بیعت سے مُدعاء کیا ہے۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا۔ "اتنے بڑے عالم کا مرید ہو جاؤنگا۔" حضرت والاؒ اپنی معلوم مروت کی بنا پر خاموش رہے

اور وہ اسی طرح اصرار کرتے رہے، اس وقت مجھے کسی کام کی وجہ سے چلا جانا پڑا۔ واپسی پر رات کو حضرت والاؒ سے پوچھا۔ کیا میجر صاحب بیعت ہو گئے ہیں؟ ارشاد فرمایا:-
"ہم مریدین کے شکار کے پیچھے نہیں پھرتے اور پھر فرمایا۔" آپ نے ان کی بات سنی تھی ان کی نیت اپنی اصلاح کی نہ تھی۔"

اس کے بالمقابل ایک سیدھے سادے فوجی سپاہی کے خلوص و مناسبت اور طلب کو دیکھکر فوراً وہیں بیعت فرمالیا، کہ حضرت الشیخ قدس سرہٗ سیدھے سادہ غربا کی بیعت میں زیادہ تاخیر نہیں فرماتے تھے۔ اور انکی طلب پر بشرط مناسبت انہیں جلد ہی بیعت سے سرفراز فرما دیتے تھے۔ اسی طرح شادی شدہ عورتوں کو ان کے خاوند کی اجازت کے بعد جلد بیعت فرما لیتے تھے۔ لیکن ناکتخدا لڑکیوں کی تربیت بغیر بیعت کے فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا:-

"کنواری عورتوں کی بیعت میں ایک مشکل ہے۔ نہ معلوم آگے چل کر ان کی شادی کس سے ہو، وہ پسند کرے یا نہ کرے۔"

چنانچہ ایک ناکتخدا طالبہ نے جب بیعت کی درخواست کی تو ارقام فرمایا:-

"بیعت آئندہ حالات کے جاننے پر منحصر ہے۔ ابھی انتظار کرو۔ خدا کرے وہ وقت جلد آئے۔ اصل مقصود کام ہے۔ بیعت اصل مقصود نہیں۔"

اِس جواب پر طالبہ نے جب حسرت و یاس کا اظہار کیا تو اسے ارقام فرمایا:-

"اس میں مایوسی اور نا امیدی کی کوئی بات نہیں۔ نہ اس کو بدبختی سمجھیں، بات یہ ہے کہ جب تک لڑکی کا نکاح نہیں ہو جاتا۔ اسکی زندگی پوری نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں اسکا آئندہ شریک حیات کون ہوگا۔ اور کیسا ہوگا

اسلئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس کا لحاظ کیا جائے۔ باقی آپ کی
پوری تعلیم جاری رہے گی۔ آپ اپنے معمولات لکھکر بھیجیں۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ شادی شدہ عورتوں کے خط پر خاوند کے اور لڑکیوں کے خط پر باپ یا بھائی کے دستخط ضروری سمجھتے تھے۔ ایک طالبہ کو لکھتے ہیں:۔

آپ کے خط پانے سے خوشی ہوئی، آپ کو چاہیئے۔ کہ اپنے اس خط پر اپنے بھائی صاحب کے دستخط کرالیتیں۔ یا اپنا تعارف کرالیتیں۔ گو زبانی۔۔ ..... سے آپ کا حال معلوم ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ اپنا نام نہ لکھیں، اسکی جگہ ہمشیرہ فلاں لکھ دیا کریں۔"

ایک صاحب کو جو اپنی چند رشتہ دار عورتوں کو بیعت کرانا چاہتے تھے۔ تحریر فرمایا:۔

"آپ کسی پر زور نہ دیں۔ نہ کسی دوسرے کی وکالت کریں۔ اگر انکی شادیاں ہو گئی ہیں۔ تو وہ اپنے اپنے شوہروں کی اجازت سے خط لکھیں۔ اور اس میں بجائے نام کے اہلیہ فلاں لکھیں۔ شوہر کی اجازت کا رقعہ اس میں رکھیں۔ آپ کی اہلیہ سلمہا بھی اس پر عمل کریں۔"

ان تحریروں سے جہاں مسلکِ سلیمانی کی صفائی و پاکی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں حزم و احتیاط اور حدود کی رعایت اور رکھ رکھاؤ بھی نمایاں ہے۔ کہ خاصانِ خدا کا کمال ہر حال میں اعتدال اور رعایت حقوق و پابندیِ احکام الٰہی ہے

شرائطِ بیعت

حضرت سیدی قدس سرہٗ محبتِ شیخ اور اصلاح کی عزیمتُ ہمت کو شرائطِ ارادت میں سے سمجھتے تھے کہ مناسبت اور اسکا نفع سبھی انہیں دو شرائط کا ثمرہ ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو

ارقام فرماتے ہیں :-

" بیعت کیلئے صرف یہ شرط ہے۔ کہ اپنی اصلاح کی عزیمت دل میں پیدا ہو، اور جس سے تعلق رکھتا ہو۔ اس سے محبت ہو۔"

شرطِ اول : حُبِّ شیخ حبِّ شیخ اس راہ کی کلید، کامیابی کا زینہ، اور اصلاح و ترقی باطنی کا ذریعہ ہے۔ جس سے طرفین (شیخ و مرید) کو نفع پہنچتا ہے۔ اور یہ راہ آسانی سے طے ہو جاتی ہے۔ "شیخ" کی محبت مرید میں اعتقاد و اعتماد اور انقیاد کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور "شیخ" کی مشکل سے مشکل ہدایات پر عمل محبت کی بنا پر سہل اور پھولوں کی سیج بن جاتا ہے کہ بقول عارف رومی :-

از محبت تلخہا شیریں شود   وز محبت مسّہا زریں شود

از محبت خارہا گل مے شود   وز محبت سرکہا مل می شود

از محبت دار تختے می شود   وز محبت بار بختے می شود

از محبت سقم صحت میشود   وز محبت قہر رحمت میشود

اس وجہ سے حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ کی تحریروں میں حبِّ شیخ کی اہمیت و ضرورت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں :-

" بہ ظلِ محبتِ رسول ؐ شیخ سے بھی ویسی ہی محبت رکھنی چاہیئے کہ وہ رہنمائے محبت رسول ؐ اور احکام رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے (تذکرہ سلیمان ص۵۰۶)

حضرت والاؒ اپنے شیخ سے اپنے تعلق کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے رفیقِ قدیم و صدیق حمیم حضرت مولانا شاہ عبدالباری صاحب مدظلہٗ کو لکھتے ہیں :-

" تھانہ بھون کا یہی قصہ ہے۔ حضرت میرے ہر معاملہ حتٰی کہ ذاتی معاملہ سے

بھی خبردار ہیں۔ اور یہ میرا جوشِ محبت ہے۔ کہ اپنے والدِ شفیق کی طرح اُنکو ہر معاملہ لکھے بغیر چین نہیں ملتا، میرا مذاق یہ ہے، کہ شیخِ وقت قائم مقام نبی ہے۔ ان امور میں جو مختص بالنبوۃ نہیں۔ غرض یہ کہ جس طرح نبی کی یہ شان ہے لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ ونفسہ (اوکما قال) اسکا عکس شیخ میں بھی ہونا چاہیئے۔"

شیخ کی محبت ہو۔ تو غیاب وحضور دونوں میں فائدہ ونفع ہوتا رہتا ہے۔

حضرت الشیخ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"کوئی حرج نہیں" (شیخ سے) محبت کیساتھ غیوبت اور حضور دونوں میں فائدے ہیں۔ کام میں لگے رہیئے ؏

"...... آپ سفر سے نہ گھبرائیں۔ ممکن ہے یہ بُعد وہجر محبت کے ازدیاد کا باعث بنے۔ صرف یہ خیال رہے کہ بے دینوں کی صحبت سے احتراز ہو جائے۔ اور ذکرِ الٰہی سے دل کو تازہ رکھا جائے، اور اس (یعنی اللہ) کو حاضر وناظر سمجھا جائے" ......

اس راہ میں قرب وبعد ایک ہے، شیخ کے واسطے سے جسکا قرب مطلوب ہے وہ تو قَرِیْبٌ مُّجِیْب ہے اور اَقْرَبُ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ رگِ جان سے بھی قریب ؏

اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی "

دوسری شرط ہمت وعزیمت :۔ گذر چکا کہ حضرۃ الشیخؒ محبت شیخ کے ساتھ اپنی اصلاح کی عزیمت وہمت کو شرائط ارادت میں سے سمجھتے تھے کہ اس طریق

کے ہر راہی اور اصلاحِ نفس کے ہر طالب کیلئے ضروری ہے کہ اپنی اصلاح و تزکیۂ ظاہر و باطن کیلئے ہمت و عزیمت سے کام لے، اختیاری امور میں بے ہمتی و کسل اور کوتاہی کو دخل نہ دے اور غیر اختیاری امور کے پیچھے نہ پڑے۔ جو شخص ہمت و عزیمت سے کام میں لگا رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ ایک دن مقصد کو پا ہی لے گا۔ بقول حضرت الشیخ ؎

آہی جائیگا کبھی اس تک بھی ساقی دورِ جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تری محفل میں ہے

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو لکھتے ہیں :۔

"اصلاح کا پہلا قدم اپنی گذشتہ غلطی اور تقصیر کا اعتراف اور ندامت اور آئندہ اسکی اصلاح کا عزم بالجزم ہے۔"

ایک دوسرے صاحب کو تحریر فرمایا :۔

"یہ راہ عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی طبیعت میں عزیمت پیدا ہوجائے تو بیعت بھی ہو سکے گی۔ ابھی آپ اپنی اصلاح کا کام جاری رکھیں۔" انہیں کو دوسرے خطوط میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"انشاء اللہ تعالیٰ عزیمت و ہمت کا ارادہ آپ کرینگے۔ تو یہ چیز (عزیمت) بھی حاصل ہوگی۔ آپ اپنی طرف سے امور اختیاری میں تساہل نہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جو ہماری راہ میں محنت کرے گا۔ اس کو راہ دکھائیں گے۔" ؎

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمت تو اعتبار تو۔"

مزید ارشاد ہے :۔

"یہ دنیا اس طرح مفاسد سے بھر گئی ہے۔ کہ کسی دیندار آدمی کو اس کے تقاضے کے مطابق ماحول ملنا مشکل ہوگیا ہے۔ ہر گوشہ سے فتنے سر نکالے ہوتے ہیں۔ اب انسان کی حفاظت کے دو ہی راستے ہیں۔ ایک انسان کی ہمت و عزیمت جو اللہ تعالیٰ نے اسلئے اپنے بندہ کو ودیعت کی ہے۔ دوسرے اسکی توفیق، پس انہیں دو ذریعوں سے کام لینا چاہیئے۔ اپنی عزیمت و ہمت کو اپنی قوت و ارادہ سے ہمیشہ مضبوط رکھنا چاہیئے اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعاء ہمیشہ مانگنی چاہیئے۔ اور دعاؤں میں کہنا چاہیئے کہ 'خداوندا ہم میں کیا ہے تیری ہی توفیق ہمکو برائیوں سے بچا سکتی ہے۔ اور نیکی کی راہ پر چلا سکتی ہے۔' لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ کے یہی معنٰی ہیں۔ کہ انسان میں نیکی کی قوت اور برائی سے بچنے کی صلاحیت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد سے ممکن ہے۔ یہی معنٰی سمجھکر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کی کثرت کیجائے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"یہ راہ ہمت و عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی، اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۔ اللہ کی راہ میں پورا پورا مجاہدہ کرو ، مجاہدہ یہی ہے کہ نفس کی باطل خواہشوں سے اعراض برت کر مقصد حق کو پورا کیا جائے۔ اور اسی پر دین و دنیا دونوں کی کامیابی منحصر ہے۔"

ایک مسترشد خصوصی کو ارقام فرماتے ہیں :۔

"جی چاہنا تو تمنا کے معنوں میں ہے۔ یہ معتبر و مفید نہیں۔ بلکہ ضرورت

ہمت کی ہے ...... علاج صرف دُعاء و ہمت ہے۔ پست ہمتی تو دین و دنیا میں کہیں کارآمد نہیں۔" (تذکرہ سلیمان صفحہ ۶۲۰، ۶۲۱)

اسی ہمت و عزیمت کا درس دیتے ہوئے مختلف مکتوبات میں بار بار تلقین فرماتے ہیں :-

" راستہ صاف ہے، ہمت شرط ہے۔ تمنا کافی نہیں۔ جب تک اسکے ساتھ عزیمت نہ ہو۔"

" اس توبہ کے ٹوٹنے کا علاج بجز ہمت اور عزیمت کچھ نہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود توفیق عطا فرمائیں ...... اصول حق پر استقامت کے ساتھ پہلے تکلف سے زبردستی قائم رہئیے پھر عادت ہوجائیگی۔ پھر اخلاص سے عبادت ہوجائیگی ...... تدریج اور آہستگی سے کام شروع کیجئے۔ پہلے عقائد درست کیجئے، پھر عبادات کی تکمیل کیجئے، پھر اخلاق سنوارئیے، پھر آگے بڑھئے ...... گناہوں سے فی الفور کنارہ کشی اور استغفار ضروری ہے۔"

" اس (معمولات پر استقامت نہ ہونے) کا علاج (بھی) ہمت و عزیمت ہے۔ بہرحال جب چھوٹ جائے تو پھر مستعدی سے شروع کر دیا جائے، یوں ہی گرتے گرتے ایک دن لڑکا دوڑنے لگتا ہے۔ ہمت ہی اصل میں کامیابی کیلئے ضروری ہے۔ دین کے کاموں میں بھی اور دنیا کے کاموں میں بھی، ...... اب آپ ایک روز تہیہ اور عزم کر کے وضو اچھی طرح کیجئے۔ اور خلوص سے دو رکعت نماز توبہ ادا کیجئے، اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی پورے خضوع و خشوع سے مانگیں، اور عزیمت کریں۔

اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں۔ کہ اب کوئی عصیان کا کام نہ ہونے پائے

...... بچے چلنے میں گرتے ہیں۔ تو کیا گر کر پھر اٹھ نہیں جاتے اور

نہیں چلتے، اسی طرح بار بار توبہ کیجئے، اور گذشتہ پر ندامت اور مستقبل

کیلئے عزم کیجئے، کہ گناہ نہ ہو، ہو جائے تو پھر توبہ کیجئے پھر عزم کیجئے۔"

دوسری جگہ ایک صاحب کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"جی ہاں ہمت کی کمزوری معمولات کی ساری بہار کھو دیتی ہے اسکا علاج آپ کے ہاتھوں میں ہے ...... (آپ کے) عزم و ہمت میں تو ضعف معلوم نہیں ہوتا، ورنہ بڑے بڑے کام آپ نہ کر سکتے۔ بلکہ برائی سے بچنے میں آپ اپنی ہمت صرف نہیں کرتے اور ظاہری فوائد پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ عادت چھوڑ دیجئے۔"

دیگر طالبین کے نام خطوط میں عزم و ہمت کا درس مختلف انداز میں دیتے ہوئے مختلف تحریروں میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ آپ کی اس (معمولات پر عمل کرنے کی) کوشش کو کامیاب فرمائے، ..... اگر یہ (دینی زندگی کی عدم تکمیل) آپ کے اختیاری امور میں ہے تو علاج عزم صحیح ہے۔ اور اگر غیر اختیاری امور میں سے ہے۔ تو پھر تفکر بیکار ہے۔"

"اس (دنیا کے ذہن پر غالب آنے) کا علاج توفیق الٰہی کے بعد صرف عزیمت و ہمت ہے۔ آپ یہ تصور کریں۔ کہ دنیا فانی ہے۔ اور آخرت باقی ہے۔ اور اس باقی کیلئے کام کرنا چاہیئے...... کوشش جاری رکھئے

اور ہمت وعزیمت کو کام میں لائیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی... ...سستی وکاہلی اور عدمِ سعی کا نام عدم وسعت نہیں،...... تقصیرات پر استغفار کر کے آئندہ احتراز کا عزم کیجئے...... آپ کسی وقت دو(۲) رکعت نفل باخلاص وخضوع پڑھ کر استغفار کیجئے۔ اور اسی وقت سے کام شروع کر دیجئے، اور پوری توبہ گذشتہ تقصیروں پر کر کے آگے کیلئے اطاعتِ کامل کا عزم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمائینگے۔ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ...... عمل کیلئے صرف ہمت وعزیمت کی ضرورت ہے۔ عمل اور تعویز کی نہیں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دیں۔ انشاء اللہ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جائے گا۔ اصلاح کا سارا کام عزیمت پر موقوف ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل حال رہے گا۔ اور اسی سے سارا کام بن جائیگا۔"

ایک طالب نے عمل میں ارادہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ اس کے جواب میں حضرت والاؒ نے ارقام فرمایا:۔

"پختہ ارادہ عزیمت سے پیدا ہوتا ہے، عزیمت کیجئے جس طرح آپ کو کہیں ریل میں جانا ہوتا ہے۔ تو کیسے جاتے ہیں۔ صرف تمنا سے مقصد حاصل نہیں ہوتا، عمل کیجئے، فرائض پہ عامل ہوں، اور نوافل کو بھی ادا کرنے کی کوشش کریں، تہجد کا اہتمام کریں۔"

ایک اور طالب کی اسی قسم کی شکایت پر تحریر فرمایا:۔

"سستی کا علاج توبقول حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ چُستی ہے، جب

تک دل میں وہ ہمت وعزیمت پیدا نہ کرینگے۔ جو دنیاوی کاموں کے کرنے
میں دیکھی جاتی ہے۔ دین کے کام انجام نہیں پا سکتے ہیں۔ بلا وجہ سستی
کوئی شرعی عذر نہیں۔ اس محرومی کی اہمیت کو محسوس کیجئے جو جماعت
کی محرومی سے ہوتی ہے۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

آپ کو جب اپنی اصلاح کی فکر لاحق ہوئی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی
حالت روز بروز درست ہوتی جائے گی۔ وقت کی پابندی کے بغیر استقامت
حاصل نہیں ہوتی، اسلئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کے
اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ پابندی کے بغیر مداومت اور استقامت
نصیب نہیں ہوتی، جسطرح (کہ) بیمار جب تک پابندی کے ساتھ دوا نہیں
پیتا عموماً تندرست نہیں ہوتا..... اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کو
توفیق اور ہمت عطا کریں، سب سے پہلے بندہ آمادگی ظاہر کرے، تو
اللہ تعالیٰ نصرت فرماتے ہیں۔ بے ہاتھ اٹھائے تو لقمہ بھی منہ تک
نہیں پہنچتا، اپنی جیسی کوشش عزیمت کے ساتھ کیجئے۔ پھر تائید الٰہی
انشاء اللہ شامل حال ہوگی۔"

ایک اور مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"آپ کے حالات معلوم ہوئے، امور خیر کی تعمیل اور گناہوں سے بچنا،
انسان کے اختیار میں ہیں، پس آپ سب وسوسوں اور خیالات کو چھوڑ
دیں۔ اور دل سے طے کریں کہ آج سے اللہ تعالیٰ کے کسی چھوٹے بڑے

حکم کیخلاف نہیں کریں گے۔ معمولات کی تکمیل کی کوشش میں لگے رہیئے وقت کی پابندی کے بغیر معمولات ناغہ ہوتے ہیں۔ اسلیئے وقت کی پابندی کی ضرورت ہے۔ بہر حال گذشتہ پر ندامت بھی توبہ کا ایک جزو ہے لیکن یہ ندامت کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ آئندہ ان لغزشوں سے بچنے کا عزمِ راسخ کیا جائے۔"

ایک صاحب نے حضرت شیخؒ کی خدمت میں لکھا۔ باتیں اور ارادے کرتا ہوں، لیکن عمل کم نصیب ہوتا ہے۔ دعاء فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کی دولت سے نوازیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا:۔

"عمل کی عزیمت اور پختہ ارادہ اور مستقل ہمت اور دعاء کے سوا کوئی تدبیر نہیں.... نفع کیلئے مداومت شرط ہے۔ اگر کسی عذر شرعی سے ناغہ ہوجائے تو کچھ حرج نہیں، مگر اہتمام یہ ہو کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔"

ان ارشادات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی ہے۔ کہ اصلاح کیلئے طالب کی ہمت و عزیمت بنیادی و نہایت اہم شرط ہے۔ بغیر اپنی ہمت و عزیمت کے شیخ پر تکیہ کرنا حماقت اور طریق کی اصل روح سے ناواقفیت کی دلیل ہے شیخ راہ بتاتا ہے۔ طالب توفیق الٰہی اپنے عزم بالجزم اور قوی ہمت سے طریق کو طے کرتا ہے۔ اور اس راہ کے قطع کرنے میں حبِ شیخ اور مربی کا فیضان اسکا معین و مددگار ہوتا ہے۔ نری بیعت و محبت بغیر اصلاح کی عزیمت و ہمت کے اصلاحِ نفس کیلئے کافی نہیں۔ اسلئے طالبین کیلئے ضروری ہے کہ حبِ شیخ کے ساتھ اپنی اصلاح کی ہمت و عزیمت کو اس راہ کی بنیادی اور ضروری چیز سمجھیں

جس کے بغیر اس راہ کا قصد کرنا فریب نفس کے سوا کچھ بھی نہیں ؎

ذرہ را تا نبود ہمتِ عالی حافظ

طالبِ چشمۂ خورشید درخشاں نشود

اصول چہارگانہ

یہ بات واضح ہو چکی کہ حبِ شیخ اور اپنی اصلاح کی عزیمتِ راسخہ بیعت کی بنیادی شرائط ہیں۔ ان شرائط کے لوازم و نتائج ہیں۔ شیخ سے محبت جب اپنی اصلاح کے عزم راسخ اور مقاصدِ سلوک (یعنی رضائے حق، اتباع نبویؐ اور تزکیۂ باطنی وغیرہ) کے حصول کیلئے ہوگی۔ تو یہ محبت نری طبعی محبت نہیں ہوگی، بلکہ 'عقلی' اور 'شرعی' محبت ہوگی، جسکا نتیجہ اتباع احکام اور شیخ کی ہدایات پر عمل ہوگا۔ حضرت سید الملت رحمۃ اللہ علیہ ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"مرشد سے ...... محبت طبعی کی بجائے محبت عقلی چاہیئے۔ جسکا نتیجہ اطاعت اور مشورہ پر عمل ہے۔ (تذکرہ سلیمان ص۵۶۶)

"...... محبت طبعی، بہیمی چیز ہے۔ جسکے آثار ظاہرہ حیوانات تک میں محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن محبتِ عقلی میں کمالِ سادگی ہوتی ہے۔ اور اسکا منشا طلبِ رضائے دوست اور اسکے حکم کی تعمیل ہے (تذکرۂ سلیمان ص۶۲۲)

شیخ و مربی کی اس حبِ عقلی کا نتیجہ 'شیخ' کی شخصیت پر 'اعتقاد' اور اسکے ارشاد و رہنمائی، بصیرتِ فن و احکام اور طرز تربیت پر 'اعتماد' اور اسکی تعلیمات و ہدایات کے 'انقیاد' کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ گویا حبِ عقلی کا لازمہ اعتقاد و اعتماد و انقیادِ شیخ

ہے ۔ اور یہی سہ گانہ جذبہ اعتقاد و اعتماد و انقیاد شیخ و مرید کے درمیان ارتباط کی سنہری کڑی ' وحبل المتین ' ہے ۔ باہمی افادہ و استفادہ اسی رابطہ کے ضعف و قوت کے بقدر ہوگا۔

مزید برآں کیونکہ شیخ و مرید کا تعلق معالج و مریض کا ہوتا ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ مرید شیخ کے ارشادات پر عمل اور انقیاد ظاہری و باطنی کے نتائج ، آثار، ثمرات اور اپنے دیگر اعمال و کوائف سے شیخ کو گاہے گاہے آگاہ کرتا رہے اور مربّی کو اپنی صحتِ روحانی وقلبی اور باطنی احوال وتغیرات وکیفیات سے مطلع کرتا رہے تاکہ شیخ اسکی صحیح حالت کو معلوم کرکے ایک حاذق طبیب ، کیطرح اسکی امراضِ روحانی کی تشخیص و علاج اور اس کی اصلاح و تربیت کا کام بخوبی انجام دے سکے ۔ مرید کے شیخ کے سامنے اپنے احوال و امراض کو پیش کرنے کو ہم ' اطلاع کی ' اصطلاح سے ادا کر سکتے ہیں۔ گویا شیخ و مرید کے اس رابطہ روحانی کا مدار ان چار چیزوں پر ہے ۔ (۱) اعتقاد ۔ (۲) اعتماد (۳) انقیاد (یا اتباع) (۴) اطلاع۔ شیخ الکل حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان چار باتوں کو ' اُصول چہارگانہ ' کے نام سے یاد کیا ہے مریدِ صادق جب ان اصول چہارگانہ کی پیروی کرتا ہے ۔ تو توفیق الٰہی اسکی قدم قدم پر رہنمائی فرماتی ہے ۔ اور حکمت ربّانی شیخ کی توجہ و برکت اور طالب کی استعداد و مجاہدہ کے بقدر جلد یا بدیر اسے مقصد تک پہنچا دیتی ہے ۔

حضرت سیّدی قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں :۔

" اِس سلسلہ میں چار باتیں بمنزلہ اصول ہیں ۔ اعتقاد ، اعتماد ، اطلاع و اتباع ۔ یہاں ' اطلاع ' سے مراد مکاتبت اور اتباع سے احکام شیخ کی پیروی ہے ، جسقدر مکاتبت کا سلسلہ رہے گا انشاء اللہ نافع ہوگا ،

جو حال اس راہ میں ہو۔ اس سے اطلاع دیں۔ اس راہ میں ضرور ہے کہ مربی کے ہاتھ میں اپنے کو اسطرح دیدیں جس طرح مریض طبیب کے ہاتھ میں اپنے کو دے دیتا ہے۔ مریض خود اپنے لئے نسخہ نہیں لکھتا اور نہ قرابادین دیکھ کر دوائیں چھانتا ہے۔"

شیخ و مرید کی مثال معالج و مریض کی ہے۔ طالبین اپنے امراض لکھتے ہیں۔ اور شیخ اسکا علاج بتاتا ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں :۔

"...... اپنی کمیوں اور نقائص کے متعلق مجمل بیان علاج کیلئے کافی نہیں آپ اپنے نفس کے متعلق غور کیجئے اور متعین کیجئے کہ وہ نقائص کیا ہیں۔ تاکہ ان کا علاج کیا جا سکے، جس طرح طبیب سے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ میں بیمار ہوں، جب تک یہ نہ بتائیے کہ کیا کیا بیماریاں اور تکلیفیں ہیں۔ کھانسی ہے، دردسر ہے، ضعف معدہ ہے، بے خوابی ہے! ......

اپنے عیوب و نقائص کے جاننے کا طریقہ یہ ہے ؎

یک زمانے درکمینِ خویش باش

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ"

ایک طالب کو لکھتے ہیں :۔

"قبلہ ایک ہی ہے۔ اور وہ کتاب و سنت کی تعلیم اور اس پر عمل کرنا ہے۔ شیخ کا کام اس پر عمل کرنے کی صحیح اور آسان طریق کی تعلیم ہے ..... تعلیمات شیخ میں اتباع نبوت ہے۔"

غرض بیعت کے حقیقی ثمرات و فوائد کیلئے ضروری ہے کہ شرائط بیعت۔ یعنی شیخ کی

حبِ عقلی، اپنی اصلاح کی عزیمت راسخہ اور اصول پنجگانہ کی پیروی ہو۔ ورنہ بیعت ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے۔ جسکا مقصود و فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات نری بیعت سلسلہ کی بدنامی کا سبب بن جاتی ہے۔

طریقہ بیعت

بیعت شیخ و مرید کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ اور اس بات کا اقرار ہے کہ شیخ اپنے علم و بصیرت و دیانت کے مطابق مرید کی رہنمائی، تربیت اور مشورہ میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید شیخ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ کرے گا۔ اور خلاف شرع اور غیر دینی زندگی کو چھوڑ کر آئندہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کی نیت سے حضور پاک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری و باطنی احکام و اسوہ کا اتباع و پیروی کریگا۔ گویا گذشتہ غلط زندگی پر ندامت اور آئندہ نیکی و اصلاح کا عزم بالجزم بیعت کا مدعا ہے۔ اور یہی 'توبہ' کی حقیقتِ معنوی بھی ہے۔ گویا بیعت اس معنٰی میں توبہ کی ایک صورت اور ظاہری میثاق ہے۔ اسلئے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیعت سے پیشتر بسا اوقات سچی توبہ کی تلقین فرما کر الفاظِ بیعت ارشاد فرماتے تھے، چنانچہ راولپنڈی کے ایک سفر میں ایک صاحب بندہ کے سامنے بیعت ہوتے حضرت والاؒ نے پہلے انہیں توبہ پڑھنے اور سچے دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی تلقین فرمائی، پھر بیعت فرمایا، اس بات (بیعت سے پیشتر توبہ کرنے) کی شہادت حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض ان مکتوبات سے بھی ملتی ہے۔ جو ان حضرات کو

لکھے گئے ہیں، جن سے غائبانہ بیعت ہوئی ہے۔ ان مکتوبات کی متعلقہ عبارات سے کیونکہ بیعت، طریقۂ بیعت، و الفاظِ بیعت پر روشنی پڑتی ہے۔ اسلئے نقل کرتا ہوں۔

ایک خادم کو تحریر فرمایا:۔

"میں بیعت میں آپ کو لینے کو تیار ہوں، اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور آپ کو فائدہ پہنچائے،

آپ کو جب یہ خط ملے تو بعد نماز مغرب، یا جس وقت آپ کو طمانیت ہو، اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز تنہائی میں نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ اور اسکے بعد یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کریں، اور پھر مجھے اپنا پورا حال لکھیں کہ کیا ہوا، اور کیسے ہوا۔

کلمات یہ ہیں:۔

" اے اللہ میں تیری طلب میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ہاتھ اونکے مجاز سلیمان ندوی کے واسطے سے پکڑتا ہوں، اور اپنے کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں ان کے ذریعہ سے داخل کرتا ہوں۔ اے پاک پروردگار مجھے اس راہ پر قائم رکھ اور صراطِ مستقیم پر لے چل۔ اور بھٹکنے نہ دے۔ اے اللہ مجھے اپنے احکام کا تابع بنا اور اپنے رسولؐ کا متبع کر، اور اپنی محبت اور خشیت میرے دل میں ڈال اور اے پروردگار اس سلسلے کی برکات سے مجھکو مستفید فرما۔"

اول و آخر نماز والا درود پڑھکر ختم کریں، سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ

مناجات مقبول میں موجود ہے۔ درود اور قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور قُل اَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ اور قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور اَلحمد پڑھکر اس کا ثواب حضرت مولانا اشرف علیؒ اور بزرگان سلسلہ کو بخشیں۔"

اِن ہدایات کی تعمیل کے بعد طالب نے وقتِ بیعت کے احوال کی حضرۃ الشیخؒ کو اطلاع دی تو تحریر فرمایا :-

"آپ نے وقت بیعت کا حال لکھا ہے، وہ محمود ہے۔ تفصیل آگے آتی ہے، میں نے آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت مرشدی مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے داخل کر لیا اور بیعت کر لیا، اللہ تعالیٰ اِس سلسلہ کو ہم دونوں کیلئے فائدہ مند بنائیں۔

۱:- آپ نے خدا کا ہاتھ محسوس فرمایا، بیعت کی یہی حقیقت مثالی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے :-

اِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم الآیہ [۱]

۲:- چشمہ جاری عمل خیر سے عبارت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ذلک عملہ [۲]

۳:- قدیم صوفیہ میں یہی رواج تھا کہ مرید ہوتے وقت شیخ اپنی کلاہ مرید کو عنایت کرتے تھے [۳]

---

[۱] حسب ارشاد بیعت کے وقت کی حالت لکھتے ہوئے طالب مذکور نے لکھا تھا: "جس وقت یہ الفاظ پڑھے۔ "اے اللہ میں تیری طلب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہاتھ انکے مجاز سلیمان ندوی کے واسطے سے پکڑتا ہوں" تو ایسا محسوس ہوا۔ گویا اس فقیر کے یہ ہاتھ اللہ سبحانہ وتقدس کے ہاتھ پکڑ رہے ہیں اور ذات عالی کے غیر مرئی ہاتھ کو چھو رہے ہیں۔ (سُبحَانَ اللّٰہِ تَعَالیٰ عَمَّا یَصِفُونَ وَلَہُ الکِبرِیَاءُ فِی السَّمٰوَاتِ وَالاَرضِ)

[۲] طالب نے لکھا تھا: "اس کے بعد ایسا محسوس ہوا گویا قلب عاصی کا تعلق ایک بہتے چشمہ سے کر دیا ہے"

[۳] طالب نے تحریر کیا تھا: "اسکے بعد دیکھتا ہوں کہ میری پرانی ٹوپی اتار کر ایک دوسرے شخص کی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے اور تعریف کیجا رہی ہے کہ یہ ٹوپی تمہیں زیادہ اچھی معلوم ہو رہی ہے۔" نوٹ ۱، ۲، ۳ سب غائبانہ بیعت کے وقت کے حالات ہیں۔ م۔ ا

ایک صاحب علم طالب کی درخواستِ بیعت پر ارقام فرمایا۔

"بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ۔ یہ فقیر ہیچمدان اپنی بے بضاعتی کے باوجود حسبِ استطاعت خدمت کو حاضر ہے۔

آپ اس خط کو پاکر کسی اطمینان خاطر کے وقت اچھی طرح وضو کر کے بخلوص دوگانہ نفل توبہ ادا کریں۔ اور اسکے بعد استغفراللہ من کل ذنب واتوب الیہ ستّر دفعہ پڑھکر درگاہِ باری تعالیٰ میں جملہ گناہوں اور تقصیرات سے توبہ کریں۔ اور اپنی اس عزیمت اور توبہ پر قائم رہیں، کہ آج سے میری نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ' اور اس کے بعد الحمد' اور قل ھو اللہ احد' الخ ۳ بار اول و آخر درود پاک کیساتھ بزرگانِ چشتیہ صابریہ پر علی العموم اور خصوصیت کے ساتھ نام لے کر حضرت مولانا شاہ امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کو اسکا ثواب بخشیں، اور زبان سے عہد کریں، کہ آج سے میں اپنے شیخ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر صداقت سے بغیر تعلل کے عمل کروں گا۔ پھر یہ آیت کریمہ پڑھیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ، یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا"

اس کے بعد مجھے اطلاع دیں، اور معمولات شروع کریں، نوافل اوابین و اشراق و تہجد پر استقامت کریں، اور اپنے رذائل پر نظر رکھیں ، اور

ایک ایک کی اصلاح کی کوشش اسطرح کریں کہ پہلے اس کی حقیقت سمجھیں، پھر اسکے ازالہ یا امالہ کی تدبیر دریافت کریں، واللہ یوفقکم ویبصرکم" ۔ الفقیر الی اللہ سلیمان، احدی مسترشدی حضرت شاہ مولانا اشرف علی قدس سرہٗ

طالب مذکور نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اِس والا نامہ کے مطابق بیعت کر کے حضرت والاؒ کو خط لکھا اور داخل سلسلہ کرنے کا شکریہ ادا کیا، حضرت والاؒ نے ان کے تفصیلی خط میں جواباً ارقام فرمایا :۔

"یہ میرے لئے موجب سعادت ہے۔ کہ آپ کو اس ذرۂ بے مقدار کے ذریعہ اس آفتاب رشد و ہدایت کے ساتھ نسبت حاصل ہوئی،

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ ذرہ آفتاب تابانیم

میرا یہ احسان نہیں جسکی شکر گذاری کریں ...... شکر اللہ تعالیٰ کا ادا فرمائیں، یہ حقیر بھی اور آپ بھی، کسی بندہ کے شکر کی حاجت نہیں ...... آپکو بیعت میں داخل کر لیا گیا، ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ بیعت طرفین سے معاہدہ ہے۔ مفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ تعلیم اور شفقت میں اپنے جانتے کمی نہیں کرے گا۔ اور مستفید کی طرف سے اس بات کی کہ وہ اتباع میں حسب استطاعت کمی نہ کریگا۔" د رسالہ بنیات صفر ۱۳۸۴ھ ص ۱۱ تا ۱۹)

ایک صاحب جنہوں نے مع اپنی دو رشتہ دار عورتوں کے حضرت الشیخ قدس سرہٗ سے غائبانہ بیعت کی درخواست کی تھی اور حضرت والاؒ نے تینوں کی بیعت قبول فرمالی تھی، تحریر فرمایا :۔

"آپ اور جن صاحبوں نے بیعت کی۔ ان سب کو چاہیئے کہ میرے

اس خط کے پڑھنے کے بعد اسی روز یا ایک آدھ روز کے بعد کسی جمعیت خاطر کے وقت اچھی طرح وضو نیت کیساتھ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کہکر کریں اور دو رکعت نماز کمالِ خشوع و خضوع کیساتھ نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں. پہلی میں قُلْ یٰٓاَیُّہَا الْکٰفِرُوْنَ اور دوسری رکعت میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھا جائے، اور اسکے بعد کمال استقامت کیساتھ گذشتہ معاصی سے بدرگاہِ الٰہی پوری انابت، عاجزی، مسکینی سے توبہ کیجائے، اور آئندہ ان معاصی سے بچنے کے اہتمام کا عزم صمیم کیا جائے، معاصی تین قسم کے ہوتے ہیں. ایک تو وہ جنکی تلافی نہیں ہوسکتی. جیسے کفر و شرک کا صدور ہوا ہو، کسی سے زنا کا صدور ہوا ہو، تو اسکی توبہ اپنے قصور کا اعتراف بدرگاہِ باری اور ایمان کی تجدید ہے۔ اور اعمال ناقابلِ تلافی کی توبہ محض اعتراف اور عفوِ تقصیر کی طلب ہے۔ اور ندامت اور پشیمانی کا اظہار زبان سے اور دل سے اور آئندہ سے احتراز کا وعدہ،

دوسرے وہ گناہ جن کی تلافی ہوسکتی ہے. جیسے نمازیں قضا ہوں، یا روزے چھوٹے ہوں، یا زکواۃ نہ دی ہو، یا کسی بندہ کا حق باقی ہو، یا قرض باقی ہو، زمین غصب کی ہو، چوری کی ہو، تو اسکی توبہ یہ ہے. کہ عفوِ تقصیر کی طلب کے ساتھ انکی تلافی کرے، نماز اور روزہ قضا کو ادا کرے، اسی طرح بندہ کے سب باقی حق ادا کرے یا اس سے معاف کرائے، اگر وہ مرگیا ہو، تو اسکے وارثوں کو ادا کردے یا معاف کرائے اگر وارثوں کا پتہ نہ چلے تو اسکے نام سے خیرات کردے اور اسکے حق میں

دعائے مغفرت کرے۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے غائبانہ طریقۂ بیعت کی وضاحت ہوجاتی ہے، نیز یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے۔ کہ بیعت توبہ اور اپنی اصلاح کے عزم بالجزم کا دوسرا نام ہے۔

حضرت والا قدس سرہٗ ہر شخص کی استعداد کی رعایت فرماتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عورتوں کیلئے الفاظِ بیعت بھی آسان تحریر فرماتے تھے، چنانچہ ایک طالبہ کو لکھا :۔

"بیعت کی اہمیت اسی قدر ہے کہ اس سے طبائع میں مزید مستعدی پیدا ہوجاتی ہے، .... آپ حسبِ ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھکر بھیج دیجئے'

'میں آپ کی وساطت سے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ چشتیہ میں داخل ہوتی ہوں"

جب موصوفہ نے یہ تحریر خدمت شیخ میں بھیج دی۔ تو ارقام فرمایا :۔

"میں نے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ چشتیہ میں آپ کی بیعت قبول کی، اللہ تعالیٰ اسکے برکات سے آپ کو مالا مال کریں۔"

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کا بالمشافہ بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ طالب قبلہ رو بیٹھ جاتا تھا، حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اسکے روبرو تشریف رکھ کر اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتے تھے مرید با اخلاص اپنے دونوں ہاتھوں سے حضرت والاؒ کے دست مبارک پکڑ لیتا تھا۔ حضرت والاؒ پہلے قرآنؔ کی چند آیات متعلقہ بیعت خطبہ کے طور پر پڑھتے تھے۔ اس کے بعد طالب کو کلمۂ توحید (بعض اوقات کلمہ شہادت بھی) اور ایمان مفصل و ایمان مجمل کی تلقین اسطرح فرماتے تھے، کہ خود پڑھتے جاتے تھے اور طالب انہیں الفاظ کو دہراتا جاتا تھا۔ پھر فرائض و واجبات کی پابندی، سنت کے اہتمام، معاصی و بدعات سے احتراز

اور شیخ کے تحتِ شرع احکام کی کامل پیروی کا عہد لیکر مختلف اشخاص کو انکی استعداد ومناسبت کے مطابق مختلف سلاسل کے انتساب کے ساتھ سلسلہ میں داخل فرماکر بیعت فرمالیتے تھے، (مثلاً کسی شخص کو محض چشتیہ صابریہ میں داخل فرمالیتے۔ کسی کو چاروں سلسلوں میں بیک وقت قبول فرمالیتے)۔

بیعت کے بعد انتہائی تضرعِ وزاری، الحاح وعاجزی سے بارگاہ ربانی میں طالب کی اصلاح ظاہری و باطنی کیلئے دعا مانگتے اور طالب کو مربی حقیقی کے حوالہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے:۔

"کہ اے بارالٰہا! تو ہی سنبھال اور جانبین کو اس عہد کے نبھانے کی توفیق نصیب فرما۔"

غرض دعا پر یہ عمل ختم ہوتا۔

شیخ کی حیثیت محض آلہ و وسیلہ کی ہے

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنے شیخ عالی مقام حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ سے جو محبت و عقیدت تھی، اس کا کچھ اندازہ گذشتہ اوراق سے ہو سکتا ہے۔ بقول مخدومی حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی :-

"حکیم الامت و امام طریقت حضرت تھانویؒ کا آخری زمانہ تھا۔ کہ ان سے عقیدت پیدا ہوئی، اور والہانہ حد تک پہنچ گئی۔ بیعت ہوئے اور مرشد کے اندر ایسے جذب ہوئے کہ ایک لفظ فنا فی الشیخ جو مدت سے سننے میں آرہا تھا، اسکا عملی نمونہ پیش کر دیا (صدق جدید ۱۱ دسمبر ۱۹۵۲ء)

تاہم شیخ کی اس محبت و عقیدت و اسمیں فنائیت کے باوجود حضرت سیدی نور اللہ مرقدہ ایک محقق صوفی کی حیثیت سے شیخ کو محض ایک آلہ اور ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اللہ تبارک تعالیٰ کو معطی حقیقی گردانتے تھے، کہ شیخ کی حیثیت حدیثِ نبوی اَنا قاسم و اللہ معطی سے اسی قدر معلوم ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہمیشہ تلقین یہی تھی، کہ نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ایک خادم کو اس تحریر کا کہ" ہر وقت نظر کرم کا طالب ہوں" ان الفاظ میں جواب دیا :-

"نظر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر چاہیئے ن تبس کیا ہے جو کسی انسان کو دے سکے ...... اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خود دیتے ہیں۔ شیخ صرف واسطہ ہوتا ہے۔ جیسے سیرابی پانی سے ہوتی ہے۔ مگر پانی کسی ظرف سے پیا جاتا ہے۔ تو ظرف کو بجز واسطہ کے کوئی دخل نہیں ہوتا۔ معطی اللہ تعالیٰ ہے۔"

ایک مسترشد خاص نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی شعر میں تعریف کی، حضرت شیخ قدس سرہٗ نے لکھا:۔

"یہ آثار محبت ہیں .... میری نسبت اس حد تک ہے۔ جس حد تک ایک متوسط کی ایک دوست کا خط دوسرے دوست تک پہنچانے کی ہے (تذکرہ صفحہ ۶۳۱)۔ ان کو مختلف مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں،۔

"جو کچھ ہوا، اور ہوتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کا فیض ہے۔ بندہ مامور ہے" (تذکرہ صفحہ ۵۶۴)

"بہر حال آپ کو اس ہیچمدان کے خطوط سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں۔ جو آپ کو آپ کے حسن نیت اور اخلاص پر عطا ہوتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد (تذکرہ صفحہ ۳۹۶)

شیخ کے حقوق اور انکی ادائیگی

ھمارے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیخ کے حقوق کی ادائیگی کے معنٰی یہ تھے کہ اُسکی جو ہدایات شرع کے مطابق ہوں، انکی بجا آوری میں کوتاہی نہ برتی جاتے۔ ایک گرامی نامہ میں ارقام فرماتے ہیں۔

"اس (یعنی شیخ) کے حقوق کی ادائیگی یہی ہے۔ کہ اس کے ہدایات کو جو تحتِ شرع ہوں بجالانے کی کوشش میں لگا رہے۔"

ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"بتائے ہوئے طریقے تو بے وجہ بلا مجبوری نہ چھوڑیں۔"

ایک خادم کو تحریر فرمایا:۔

"میرا کوئی حق نہیں جو آپ نے تلف کیا ہو، اس کی فکر نکریں۔"

مراد یہ ہے۔ کہ اگر سالک شیخ کی ہدایات و تعلیمات کی کامل پابندی ہمت و عزیمت سے کرتا رہے۔ تو یہی شیخ کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ دگر رسمی امور کی فکر میں مبتلا اور رواجی آداب و تعلقات کے درپے ہونا مفید نہیں۔ اصل مقصد کام ہے نہ کہ عامیانہ قیود و رسوم اور ظاہری تکلفات کی پابندی،

تصوّرِ شیخ

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ تکلف کے ساتھ تصورِ شیخ کو منع فرماتے تھے ۔ اور اگر خود بخود آجاتے تو اسے برا نہیں سمجھتے تھے۔ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں :-

" تصورِ شیخ پر ہمارے ہاں بِنا نہیں، اگر از خود بلا تکلف کبھی تصور آجائے تو حرج بھی نہیں کہ بالقصد اس کا تصور کرنا اور اسکو قائم رکھنے کی کوشش کرنا درست بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے شیخ کے حضور کے غلط عقیدہ کی رہبری ہوتی ہے، جو بڑھ کر شرک تک پہنچ جاتا ہے۔ میرا تصور بغیر تکلف کے آجائے تو کوئی حرج نہیں، کہ یہ بہ تقاضائے محبت ہے۔ مگر تکلف کے ساتھ تصور میں لانے کی کوشش نہ کریں۔"

ایک دوسرے طالب کو جن پر حضرت شیخ قدس سرہٗ کا دھیان مستولی ہو گیا تھا۔ ارقام فرمایا :-

" یہ صرف آپ کی محبت کا کرشمہ ہے ۔ اپنے اختیار و ارادہ سے تصور جمانا غلط ہے۔ اگر از خود ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک حال ہے (جسکا) ذکر میرے ایک شعر میں بھی ہے ؎

سجدہ طرف کعبہ ہے دل تیری طرف ہے
اب قبلہ بھی اے قبلہ نما بھول گیا ہوں

ایک ارادتمند کو لکھتے ہیں :-

" اس فقیر کو یاد کرنا محبت فی اللہ کا ثمرہ ہے۔ زادنا اللہ تعالیٰ حبّاً فیہ، اپنا ایک شعر یاد آیا لکھتا ہوں ؎

ہر سمت نظر آتے ہیں، ہر وقت وہ مجھکو
دوری مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں

غرض اگر شیخ کا تصور بلا قصد و تکلف آجائے، اور غلبہ حال کی بنا پر شیخ کا دھیان چھا جائے تو حرج نہیں، لیکن احتیاط اسی میں ہے۔ کہ خود تکلفاً تصور نہ جمائے،

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :-

"تصور شیخ بلا قصد ہو تو حرج نہیں۔"

توجّہ شیخ

توجہ سے (اصطلاحاً) مراد شیخ کا تصرّف و تاثیر ہے۔ کہ شیخ اپنے مریدین کی اصلاحِ باطنی کیلئے اپنی ہمت و دعاء کو استعمال کرتا ہے۔ اور طالبین کی طرف پورے فراغِ قلب سے متوجہ ہوکر ان کی قلبی حالت میں باذن اللہ تصرّف کرتا ہے۔ اس توجہ سے وقتی طور پر سالک کو فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اسکا اثر دائمی نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے یہ توجہ عارضی طور پر مفید رہتی ہے۔ اسمیں مصالح بھی ہیں اور بعض امراض باطنی کیلئے توجہ گاہے زود اثر بھی ہوتی ہے۔ لیکن بعض مفاسد کی وجہ سے ہمارے طریق میں اسکا عمومی چلن اور اشتغال نہیں ہے۔ شیخ کیلئے اسکا بڑا نقصان یہ ہے کہ توجہ کے دوران میں مخلوق (یعنی جسکی طرف توجہ کیجاتی ہے) کی طرف کاملاً متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ اور غیرتِ توحید اسے نہیں چاہتی۔ منفعل یعنی جس پر توجہ کیجاتی ہے۔ وہ شیخ کی توجہ پر تکیہ کرلیتا ہے۔ اور ذاتی محنت و کوشش سے بے پرواہ ہوجاتا ہے۔ اسلئے سلوک سلیمانی میں توجہ پر مدار نہیں ہے۔ بلکہ مسنون طرق وعظ و نصیحت اور دعاء سے " توجہ " کا کام لیا جاتا ہے۔ اور طالب کے عزم و ہمت کو مہمیز کیجاتی ہے۔ ایک خادم نے حضرت سیدی قدّس سرّہٗ کو لکھا :-

"سننے میں آتا ہے۔ کہ کئی بار اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اپنی دعا او ہمت سے نا اہلوں کو کام کا بنا دیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ نابکار نگاہ کرم کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔" حضرت الشیخ نے کیا پُر حکمت جواب دیا :۔

"ہاں بھائی یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت خصوصی ہے۔ جو وہ اپنی مشیت سے کسی پر کرتے ہیں۔ ورنہ سنت اللہ جو جاری ہے۔ ہم کو تو اس کے راستے سے ان تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اس میں لگے رہنا چاہیئے ؎

ملنے نہ ملنے کا وہ مختار آپ ہے　　پر تجھکو چاہیئے کہ تگادو لگی رہے"

لیکن اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس سلسلہ میں تاثیرِ باطنی یا برکتِ شیخ اور فیضِ صحبت کی کمی ہے جاننے والے جانتے ہیں۔ کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے صاحب برکت بزرگ تھے جنکی مثال کم ہی ہوگی۔ آپ کے متعلقین شاہد ہیں۔ کہ حضرتؒ نے مریدین سے زیادہ مجاہدات نہیں کرائے تھے۔ لیکن تھوڑی سی محنت پر وہ اثرات مرتب ہو جاتے تھے۔ جسکا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کسی اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ راقم قلبِ اقدس کیطرف متوجہ تھا۔ کہ ناگاہ دل میں یہ خطرہ گذرا۔ کاش حضرت کچھ ارشاد فرماتے، اس خطرہ کے گذرتے ہی مسکرا کر فرمایا۔ "لوگ کہتے ہیں کچھ کہیئے اور اکبر کہتے ہیں ؟

تاثیر دکھا تقریر نہ کر"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گو معروف توجہ کا دستور و اہتمام نہ تھا۔ لیکن صحبت کے ضمن میں ایک واقعہ بیان کئے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا، حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں میری آخری حاضری ۲، جولائی ۱۹۵۲ء سے ۱۷، اگست ۱۹۵۲ء تک رہی، میرا قیام دوسری جگہ تھا۔ مگر روزانہ حاضری ہوتی تھی۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت عموماً علیل وکمزور رہتی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ حضرتؒ کو وقتِ موعود کے قریب آنے کا گمان ہو چلا تھا۔ اسلئے اشارے تصریح کی حد تک واضح تھے۔ چنانچہ بارہا ارشاد فرمایا کہ:۔

"اپنے آخری ایام میں شبلی مرحوم کہا کرتے تھے" ع۔ چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک۔ جس سے حضرت والا کی اپنی ذات مراد ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک حکیم صاحب نے نبض دیکھکر کہا۔ "تیرہ بار نبض چل کر ٹھہر جاتی ہے۔" فرمایا۔ "اتنی عمر چلتی رہی ہے، آخر آرام بھی کریگی۔ بہرحال حضرت سیدی قدس سرہٗ کو گویا یقین تھا کہ یہ اس کم نصیب کی آخری حاضری ہے اسلئے لطف وکرم کا دریا جوش پر تھا۔ راقم نے عرض بھی کیا تھا۔

اشرف فقیر است وگدا افتادہ در شہر شما، شاید کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری اے

میری واپسی کے قریب پوچھا۔ "کب روانگی ہے۔" جب دو دن رہ گئے۔ تو ایک دن تنہائی میں اس فقیر کے حال پر توجہ خاص فرمائی، تھم تھم کر ملفوظات سے سعادت بخشتے رہے۔ اس دوران میں راقم کو توجہ باطنی کا ایسا شدید احساس ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ دل بیٹھ جائے گا۔ اس تاثیر کی یاد و اثر آج تک تازہ ہے ؎

خدا جانے مجھے کیا دے کے ساقی نے پلایا ہے، وہ کب کا جا چکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

مکاتیب

کہا جا چکا کہ طریق کی بنا محبت ہے۔ اور غیاب میں اسکا بدل محبت شیخ و مکاتبت ہے،
حضرت سیّدی (فداہ روحی) نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں :۔

" مجالست نہ ہو۔ تو مکاتبت اسکی قائم مقامی کر سکتی ہے، جو استطاعت ہو، اس میں تو کمی نہ کیجائے۔"

ایک دوسرے خط میں ارقام فرماتے ہیں :۔

" تاثیر و تأثر کی صحیح بنا محبت ہے۔ ہمارے سلسلے میں اسکی بڑی اہمیت ہے۔ اور اسکا قائم مقام مکاتبت ہے۔"

سلوکِ سلیمانیؒ اور سلسلہ اشرفیہؒ میں مکاتبت کی اہمیت ایک اور وجہ سے بھی ہے۔
شیخ و مرید کی مثال معالج و مریض کی ہے، بسا اوقات متعدد وجوہ کی بنا پر مریض اپنا حال کما حقہٗ شیخ کے سامنے زبانی بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اپنی حالت کو لکھ کر پیش کر دینا نسبتاً آسان ہے۔ شیخ اس 'احوال نامہ' اور 'امراض' کا جائزہ لیکر تشخیص کے بعد نسخہ تجویز کرتا ہے، اور اسے قلمبند کر کے مرید کے حوالے کر دیتا ہے۔ مرید صادق کیلئے یہ نسخۂ باطنی اور علاج روحانی صحت کا بفضلہ تعالیٰ سامان بن جاتا ہے۔ اس نسخہ کے

استعمال کے اثرات ونتائج سے معالج روحانی کو مطلع کرنا بھی ضروری ہے، تاکہ علاج باقاعدہ جاری رہ سکے، اسطرح یہ باہمی خط وکتابت وعلاج معالجہ کا سلسلہ مرید کی شفائے کامل تک جاری رہے گا۔ اسے اصول چہارگانہ (جنکا ذکر گذر چکا) کے مطابق 'اطلاع' کہتے ہیں۔ غرض مرید کی طرف سے باقاعدہ اپنا احوالنامہ پیش کرنا اور شیخ کا اسکا تحریراً علاج تجویز کرنا "مکاتبت" ہے۔ جسکی اہمیت اور ضرورت مسلّم ہے۔ کہ اسکے بغیر رذائل کی بیخکنی اور فضائل سے آراستگی طبعاً مشکل ہے۔ ایک ایک رذیلہ کی حقیقت، اسکی پہچان اور اسکا علاج، اپنی ایک ایک حالت وکیفیت کا حسن وقبح جاننا، مکائدِ نفس سے آگہی اور بچاؤ غرض سلوک کی نازک راہ کا مرحلہ شیخ کی رہنمائی وارشاد کا محتاج ہے۔ جو متواتر 'مکاتبت' ہی سے ممکن ہے۔ اسلئے 'مکاتبت' اصلاح کیلئے بہت ضروری ہے۔

سالکین کی تربیت بڑا دقیق فن ہے۔ حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ، کو اللہ تعالیٰ نے اس فن میں اتنی مہارت، بصیرت، دقت نظر، تاثیر اور برکت عطا فرمائی تھی، کہ سالک نے اپنا کوئی حال لکھا اور حضرت الشیخؒ کی جوابی تحریر نے اس حال کو بہتر 'حال' سے بدل دیا۔ ؎

نسخۂ اکسیر وداروئے شفا تیرے ہاتھوں کا لکھا مکتوب ہے۔

اس تاثیر پر ایک طالب نے لکھا:۔ "حضرت والا کے خطوط بندہ کے حق میں شفا ومرہم کا حکم رکھتے ہیں، ...... ایک خاص قسم کی طمانیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اکثر دیکھا ہے۔ کہ ایک حالت کا غلبہ تھا، اور حضرت کا جواب پڑھنے سے وہ حالت بہتری کی طرف فوراً منتقل ہو گئی۔"

متواضع شیخ نے کیا بلیغ جواب لکھا:۔ "یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور آپکی محبت ہے۔"

حضرت والاؒ اس 'مکاتبت' میں۔ انتہائی دقت نظر سے کام لیتے تھے۔ اور مریدین کے خط (احوالنامہ) کی چھوٹی چھوٹی بات پر گہری نگاہ رہتی تھی، اور کمالِ حذاقت سے اسکا جواب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ الفاظ و کلمات کے استعمال پر بھی فنی اعتبار سے مشفقانہ ہدایات سے سعادت بخشتے تھے، مثلاً ایک صاحب نے لکھ دیا:۔

"کہ اپنا احوال نامہ حضرت والاؒ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" حضرت والاؒ نے 'شرف' کے لفظ پر تنبیہ فرمائی اور لکھا:۔

"شرف عزّت کو کہتے ہیں۔ ہم فقیروں سے کسی کو عزت حاصل نہیں ہوتی عزّت کے معنی غیروں کی نگاہ میں اس کے مرتبہ کا بڑھنا ہے۔ وہ یہاں مطلوب نہیں۔ مطلوب اس سے سعادت و برکت ہے۔"

ایک دوسرے طالب نے لکھا تھا۔ "افتخار نامہ مل کر باعث ہدایت ہوا۔" حضرت شیخ قدس سرہٗ نے 'افتخار' کے لفظ پر تحریر فرمایا:۔

"افتخار تو نام ہے۔ دوسروں پر اپنی بڑائی کے اظہار کا، تو پھر افتخار نامہ تو وجہ بزرگی بنا، کیا یہ توجیہہ دل کو پسند آتی ہے۔"

اسی طرح بعض طالبین نے خط کے شروع میں سلام مسنون نہیں لکھا۔ انہیں تنبیہہ فرمائی اور مختلف حضرات کو ارقام فرمایا:۔

"خط میں ابتدا بالسلام مسنون ہے۔ آپ نے شاید سہواً چھوڑ دیا۔"

"آپ کے خط میں سلام نہیں ہے۔ یہ ترک سنت ہے۔"

یہ مثالیں اسلئے پیش کیگئی ہیں۔ کہ حضرت والاؒ کی تربیت کے بارے میں، دقیقہ رسی، بالغ نظری، عمق نگاہی اور ہمہ جہتی اصلاح کا اندازہ ہو سکے۔ کہ جب

بادی النظر میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی اصلاح کا یہ فکر تھا، تو دگر امور میں کس قدر اہتمام ہوگا۔ حضرت والاؒ کے تربیتی مکتوبات کے بغور مطالعہ ہی حضرتؒ کے اس پہلو کو اجاگر کر سکتا ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ طالبین کے مکتوبات کے جواب انتہائی پابندی اور عجلت کے ساتھ دیتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ حتی الوسع ایک دن کے خط کا جواب دوسرے دن پر ملتوی نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ہم خدام ڈاک کے آنے جانے کے دنوں کا حساب لگاکر حضرت والا قدس سرہٗ کے جوابی خط کا انتظار کرتے تھے ؎

دن گنے جاتے ہیں قاصد کیلئے انتظارِ نامہ محبوب ہے۔

اور اگر کبھی کسی ناگزیر عذر کی بنا پر کچھ تاخیر ہو جاتی، تو طالبین سے کمالِ تواضع کے ساتھ معذرت طلب فرمالیتے تھے، چنانچہ ایسے خطوط میں اس قسم کی عبارات ملتی ہیں:۔

"چند دن کی دیر بوجہ مشاغل ہوئی، معاف کیجئے۔"

ایک صاحب کو تاخیر جواب کی شکایت پر لکھا:۔

"آپ کے ہر خط کا جواب جا چکا۔ شاید اب پہنچا ہو۔"

خط وکتابت کا یہ اہتمام مرض الوفات کے آخری دنوں تک رہا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

اگر طالب شیخ کو خط نہ لکھے تو اسمیں اسی کا نقصان ہے۔ مربی کا اس میں کیا حرج ہے۔ تاہم ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کی بنا پر اس خدمت کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اور انتہائی اخلاص ومحبت سے طالبین کی خیریت کے جویا رہتے

اور ان کو مکاتبت کی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں :۔

" مدت سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ اور مجھے بھی فرصت ہاتھ نہیں آئی مگر دل برابر آپ کی خیریت کا جویا رہا۔ اور آپ کے حسنِ احوال کے لئے دعاگو رہا۔ امید ہے آپ بخیریت ہونگے۔"

ایک دوسرے طالب کو لکھتے ہیں :۔

" آپ کا خط گو زمانہ سے نہیں آیا تھا، اور آپ کا نام و پتہ یاد نہ تھا۔ مگر رہ رہ کر آپ کا خیال آتا تھا۔ اور چونکہ فقیر اپنے تمام محبین کیلئے جو یاد ہوں یا نہ یاد ہوں، دعا کرتا ہے۔ اسلئے اگر اللہ تعالیٰ نے اس بندۂ محتاج کی دعاء کو قبول فرمایا۔ تو آپ بھی اس میں داخل ہوں گے۔"

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرمایا :۔

" رات ہی آپ کا خیال آیا کہ آج صبح کو آپ کا خط ملا ؎

دل را بدل رہے است درین گنبد سپہر

ایک طالب کی اس تحریر پر کہ " آنجناب کو روز روز تکلیف دیتے ڈرتا ہوں۔" کمالِ تواضع و شفقت سے ارقام فرمایا :۔

" آپ کی ہر خدمت دینی ثواب ہے، جس کا یہ بندۂ قاصر محتاج ہے۔"

اِسی طرح ایک صاحب نے لکھا۔ " دل شرفِ مکاتبت کیلئے بیتاب ہوتا ہے لیکن ادب ہاتھ روکتا ہے۔" حضرۃ شیخ نے تحریر فرمایا :۔

" حسنِ ادب مانع مکاتبت نہیں ہے خصوصاً جبکہ مکاتبت ازدیادِ فوائد کا باعث ہو۔"

ایک ندوی طالب کو لکھتے ہیں :۔

"آپکا خط پاکر بہت خوشی ہوئی۔ اور آپکے حسنِ جذبہ پر دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، ہمارے ندوی بھائیوں میں سے جب کوئی ادھر متوجہ ہوتا ہے تو مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔ اور اسکے حق میں دل سے دعا نکلتی ہے۔"

جب کوئی شخص حضرتؒ کے خطوط کا شکریہ اور اپنی احسانمندی کا اظہار کرتا تو اس طرح کے فقرے لکھ دیتے :۔

"یہ احسان نہیں ہے۔ یہ فرض کی بجاآوری ہے۔ مزدور جو مزدوری کرتا ہے۔ وہ اس پر شکریہ کا مستحق نہیں۔ اس نے تو اپنا فرض ہی ادا کیا۔" (تذکرہ سلیمان صـ ۳۹۲)

مکتوباتِ شیخؒ حضرت والاؒ کے مکتوبات بھی محبت و شفقت، رأفت و رحمت کا گنجینہ ہوتے تھے، اور ان کا ہر ہر لفظ لطف و مرحمت اور طالبین کے درد دل کیلئے مرہم شفا ہوتا تھا۔ حضرتؒ کے مکتوبات کی شان ان کے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اپنے شیخؒ کے مکاتیب کی تعریف میں لکھے تھے :۔

آج آیا ہے پیارے کا پیارا مکتوب — دلکش و دلبر و دلچسپ و دلآرا مکتوب
قوتِ جان، قوتِ دل، سرمۂ بینش تحریر — روح افزا و دل آویز و دلآرا مکتوب
روشنائی نظر آئے گی سوادِ خط میں — دیدۂ کور بھی دیکھے جو تمہارا مکتوب
پڑھ لے کوئی تو معطر ہو مشامِ دل و جان — نافۂ مشک ہے یا عنبر سارا مکتوب
سر بسر شوق و ہمہ درد ہماری تقریر — سر بسر مایۂ تسکین ہے تمہارا مکتوب

نامۂ یار کے دیدار میں عالم یہ ہے
ہمہ تن آنکھ ہوں اور آنکھ کا تارا مکتوب "

شفقتِ شیخ

حضرت سیدی و مرشدی قدس سرہٗ اپنے خدام و مسترشدین کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رأفت و رحمت کا پورا عکس حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا تھا۔ طالبین کی تربیت و فیض رسانی جس لطف و کرم اور تواضع و شفقت سے فرماتے تھے۔ اس کی مثالیں کم ملیں گی۔ فقیر نے بہت سے آستانوں میں حاضری دی۔ لیکن جس تواضع و خاکساری، فنائیت و شفقت کا عملی مظاہرہ آستانۂ سلیمانی میں دیکھا۔ کہیں نظر نہ آیا۔ ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

بارگاہِ سلیمانیؒ میں جو قدر و منزلت مساکین و فقراء کی تھی، وہ امراء و اغنیاء کی نہ تھی، فرماتے تھے:۔

"امراء اور وزرا سے ملکر قلب پر جو سیاہی آتی ہے اسکے دھونے کیلئے تالاب چاہئیں۔"

ایک صاحب کو تحریر فرمایا:۔

"گوشہ گیری اغنیاء و کبرائ سے مناسب ہے۔ فقراء اور طالبینِ حق سے نہیں۔"

ایک غریب طالب جنکے سوالات اور باتوں سے سننے والے کبھی تنگ آجاتے تھے، حضرت اقدسؒ دو دو گھنٹے تک پورے انشراح سے اُنکی باتوں کو سنتے اور خندہ پیشانی سے اُنکے جوابات دیتے اور ان کی تسلی کرتے۔

لائلپور کے سفر میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت ناساز تھی، خادم (راقم) ساتھ تھا، ایک صاحب نے دو صفحہ کا ایک لمبا خط جس میں اپنی پریشانیاں لکھی تھیں حضرتؒ کو دینا چاہا۔ میں نے اس خیال سے کہ حضرتؒ کی طبیعت نڈھال ہے۔ اور ان کا منشاء صرف دعاء ہے۔ واپس کرنا چاہا۔ حضرتؒ نے دیکھا تو باوجود ضعف کے باہر تشریف لے آئے، پورا خط پڑھا۔ اور ایک دعائے ماثورہ پڑھنے کیلئے لکھ دی۔

یہ ناکارہ جب اپنی آخری حاضری کے بعد واپس آنے لگا۔ تو کس محبت و شفقت سے رخصت فرمایا، دعائیں دیں۔ معانقہ فرمایا، مصافحہ کے وقت دعائے ماثورہ

استودع اللّٰہ دینکم اماناتکم وخواتیم اعمالکم۔

عجب پُر تاثیر انداز میں پڑھی، ان الفاظ پر ہی اکتفا نہ فرمایا، یہ گنہگار جب رخصت ہوکر باہر آگیا، تو حضرت والاؒ برہنہ پا رخصت کرنے کیلئے باہر نکل آئے یہ دیکھ کر دل کی عجیب کیفیت ہوئی، دعاء کی درخواست کے بعد عرض کیا، حضرت کو تکلیف ہو رہی ہے اب آرام فرمائیں، آہ کیا معلوم تھا، یہ رخصتی دائمی ہے، محبت و شفقت کا یہ بے مثل منظر شیخ کی رخصتی، نظر و مصافحہ اور فقیر کی اشکبار آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ ختم ہوا، کاش جانتا کہ یہ آخری دید ہے ——۔

دل بھر کے دیکھ لو یہ جمال جہاں فروز پھر یہ جمال نور دکھایا نہ جائے گا۔

ایک مرتبہ ایک جلسہ کے سلسلہ میں پنڈی تشریف لائے، ایک عقیدت مند

کے یہاں قیام تھا، راقم بھی ملاقات کی غرض سے حاضر خدمت ہوگیا۔ انتہائی مسرور ہوئے اور فرمایا۔" اللہ تعالیٰ ہر جگہ کوئی نہ کوئی خدمت کا بندوبست فرما دیتے ہیں۔" رات کو میں نے اجازت چاہی کہ کسی ہوٹل میں قیام کرلوں، فرمایا:" آپ فقیر آدمی ہیں، یہیں پڑ رہیئے۔"

اسی طرح ایک مرتبہ کراچی جارہا تھا، حضرت والاؒ لاہور پنجاب یونیورسٹی کمیشن کی میٹنگ کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے، مجھے علم نہ تھا، لاہور ریلوے اسٹیشن پر میرے کاندھے پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا، پلٹ کر دیکھا تو حضرت شیخؒ کا پُرنور چہرہ اور متبسم نگاہیں نظر آئیں۔ اس وقت مجذوب کے اس شعر کا منظر نگاہ کے سامنے آگیا،

چمکتی آنکھیں دمکتا ہے چہرہ　　بڑھاپے میں بھی جانِ جاں ہورہا ہے

پھر بحمد اللہ تعالیٰ کراچی تک ہمسفری کی سعادت نصیب ہوئی۔"

فنائیت و تواضع شیخ

حضرت الشیخ قدس سرہٗ کی فنائیت و تواضع آپکی اس شفقت کے ساتھ مل کر عجب تاثیر پیدا کرتی تھی، حضرت والاؒ کے تربیتی خطوط کا لفظ لفظ اور حرف حرف اس پر گواہ ہے۔ کہ سلیمانیؒ قلب محبت و پاکیزگی، لطف و رحمت، رأفت و شفقت فنائیت و تواضع کا گنجینہ تھا، طالبین کی تربیت فرماتے تھے، ان سے اجر و مدح اور تحسین کے طالب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ الٹا اسے احسان ربانی سمجھکر

طالبین کے شکر گزار ہوتے تھے۔

ایک مسترشد خاص کو لکھتے ہیں:۔

"ان خیالات کا شکریہ، جو آپ کی محبت کا تقاضا ہے، ورنہ ع

من آنم کہ من دانم

مجھ میں بجز اسکے کچھ نہیں ہے۔ کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا دست گرفتہ ہوں۔ اب جو کچھ ہے، یہی نسبت ہے۔ اور اسی کا بفضل خدا بھروسہ ہے۔ آپ میرے لئے دعاء کریں، میں آپ کیلئے دعاء کرتا ہوں، ہر مسلمان بھائی کی دعاء دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں قبول کی استعداد تام بدرگاہ باری تعالیٰ رکھتی ہے۔" (تذکرہ سلیمان ص ۴۲۹)

ایک سالک نے لکھا:۔ تو دستگیر شو اے خضر پے خجستہ کہ من

پیادہ می روم و ہمرہاں سوار انند

حکیم شیخؒ نے جواباً لکھا:۔

"دل سے دعاء ہے، یہ خضر پے خجستہ توفیق الٰہی ہے۔ جسکی دعاء مانگنی چاہیئے"۔۔۔ میں کہاں سے بزرگ آیا، یہ حسن لیلیٰ نہیں، چشم مجنوں کا کرشمہ ہے۔" (تذکرہ سلیمان ص ۵۶۱)

ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"اس ناچیز کے ساتھ آپکی غائبانہ محبت مجھ پر اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک ہے، جو میری بے استحقاقی کے باوجود دوستوں کو میری طرف محض اپنے فضل و کرم سے متوجہ فرماتے ہیں۔۔۔۔ مجھ سے جو خدمت متعلق ہو۔ اسکے لئے خاکسار کو اپنا خادم سمجھئے۔"

ایک صاحب کے استفسار پر لکھتے ہیں :۔

"یہ خاکسار لفظاً پیر ہے۔ اللہ تعالیٰ معناً بھی بنا دیں' ..... مجھے حضرت والا (مولانا تھانویؒ) سے تعلق خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعلیمات کی برکت سے بہرہ مند فرمائیں۔"

طالبین جب شیخؒ کے احسانات و شفقت یا کمالات کا تذکرہ کرتے تو اس قسم کے فقرے لکھ دیتے :۔

"استغفر اللہ میں خود قاصر العمل ہوں اور سب سے کم درجہ، اپنے احباب اور دوستوں کے ساتھ تعلق خاطر رکھتا ہوں، اور آپ تو خاص تعلق و وابستگی رکھتے ہیں ؏

تا نسوزد شمع کہ پروانہ شیدا می شود۔" (تذکرہ سلیمان ص۴۱۳)

"اللہ تعالیٰ اس تعلق کو میرے اور آپ دونوں کیلئے مفید کریں، میرا ایک شعر ہے ؎

احباب کے حسن ظن کا ممنون ہوں میں جو مورِ ضعیف کو سلیمان سمجھے

یہ سب آپ کی محبت کے کرشمے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اخلاص کے ساتھ الحب فی اللہ تعالیٰ کا مرتبہ عنایت فرمائے۔ یہ (تربیت و خدمت) احسان نہیں ہے۔ یہ فرض کی بجا آوری ہے۔"

ایک اور طالب کو ارقام فرمایا :۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق خیر بخشی، محنت راہرو کی ہوتی ہے، راہ کا بتانے والا اپنا فرض ادا کرتا ہے ..... یہ احوال

میرے نہیں خود آپ کے ہیں۔ آئینہ میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔
غیر کا نہیں۔"

فقیر کی دلجوئی فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"میرا کوئی حق نہیں جو آپ نے تلف کیا ہو، اسکی فکر نہ کریں، میری نسبت آپ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ صرف آپ کا حسنِ ظن ہے۔ باقی سچ ہے، ممکن ہے آپ کی طلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو واسطہ محض بنا کر آپ کو بیش از بیش عطا فرمائیں۔"

ایک گرامی نامہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"یہ آپ کے اخلاص و محبت کا کرشمہ ہے، خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اِس کو مزید حسنِ عمل کا ذریعہ بنائیں ..... میرا کیا شکریہ، شکر اللہ تعالیٰ کا ہے جس نے مجھے اور آپ کو یہ توفیق بخشی۔"

ایک طالب جو ملازمت کے سلسلے میں کراچی سے بصرہ جا رہے تھے انہیں کیا شفقت کے پیرایہ میں لکھتے ہیں:۔

"یہ فقیر الی اللہ جب سے پاکستان آیا ہے، آپ کی محبت برابر اسکے ساتھ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی جزائے خیر دیں اور دین و دنیا میں آپ کو سعادت عطا فرمائیں، آپ جا رہے ہیں، میری دلی دعائیں آپ کیساتھ ہیں۔ وصیت کرتا ہوں، کہ قدم استقامت کی راہ پر رہے، اور نگاہ محارم سے بچے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف زیر مطالعہ رہیں، نماز باجماعت کا حتی الوسع اہتمام رہے۔ مشائخ رحمہم اللہ کے

طریق پر ایک تسبیح و دائی ہدیہ کے طور پر قبول کریں، اللہ تعالیٰ برکت دیں ...... ہمیشہ کیلئے یہی نصیحت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو، تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے، حضرت والاؒ کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر بے راہ روی سے آپ کو بچائے گا۔ اور آپ کے قلب کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھے گا۔ عراق کی سرزمین عجائبات سے لبریز ہے۔ لغزش پا کا موقع ہر رہگذر پر ہے۔ ؎

ہشدار کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

معاملات پر خصوصیت سے نظر رہے۔"

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فنائیت کے اس مقام پر تھے۔ جسکا تصور بھی ہما شما نہیں کر سکتے، ایک مسترشد کو لکھتے ہیں۔

"فقیر تو اپنے کو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلقہ میں صفِ نعال کے قابل بھی نہیں سمجھتا، اور نہ ہی میرے احباب اس سے زیادہ مجھے سمجھیں، مجھے اپنے اندر کوئی بات بھی معلوم نہیں ہوتی، سراپا نقص اور مجموعہ عیوب۔" (تذکرہ سلیمان ص ۶۶۴)

دوسرے مکتوبات میں للّٰہیت و فنائیت کا نقش ثبت فرماتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:۔

"بزرگوں کا حسن ظن اس بے استحقاق کیساتھ میرے لئے نعمت بھی ہے، اور ابتلا بھی، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں ..... میری نسبت جس حسن ظن کا آپ نے اظہار کیا ہے۔ خدا کرے کہ وہ آپکی کامیابی اور ترقی کا ذریعہ ہو۔" (تذکرہ سلیمان ص ۶۰۷)

ایک مرید نے لکھا۔ "کہ حق تعالیٰ حضرت والاؒ کو قطب الاقطاب بنائے اور ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کو بیش از بیش توفیق رجوع عطا فرمائے۔"

متواضع شیخ نے کیا وجد آور جواب ارقام فرمایا :-

" فقیر سب دوستوں کی دعاء کا محتاج ہے۔ لیکن اسکی آپ کی دعاء سے زیادہ اس دعاء کی ضرورت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور مجھے اپنا بنائیں۔"

غرض حضرت سیّدی قدّس سّرہٗ سراپا شفقت و فنائیت اور للہیت و تواضع کا پیکر تھے۔ اور آپ کی تربیت انہیں صفات عالیہ کا آئینہ و نمونہ تھی۔

(رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ وارزقنا اتباعہٗ)

تصانیف تھانویؒ

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ سلوک و فن، حقیقت ارادت و شیخت کے سمجھنے، دین کا صحیح فہم حاصل کرنے اور عمل کی ہمت پیدا کرنے کیلئے اپنے شیخ حضرت مجدد الملۃ حکیم الامۃ مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کے مطالعہ کی بہت تلقین فرماتے تھے۔ خصوصاً ملفوظات و مواعظ کے متعلق تو انتہائی تاکید تھی، کہ ان کا بغور بغرضِ استفادہ مطالعہ کیا جائے، اور حق یہ ہے کہ جس نے بھی ان مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کیا، ان سے متأثر ہوا۔ اور اسکی زندگی میں بحمد اللہ تعالیٰ کچھ نہ کچھ مذہبی انقلاب ضرور پیدا ہو گیا۔ اسی لئے نگاہ سلیمانیؒ میں ان کی اتنی قدر و قیمت تھی، کہ میری پہلی حاضری کے وقت استفسار فرمایا۔ "آپ نے مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات و مواعظ پڑھے ہیں۔ راقم نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا:-

"ملفوظات و مواعظ پڑھیئے، وہاں ہر چیز اندر سے پھوٹ کر نکلی ہے۔"

متعلقین و منتسبین کو بکثرت اُنکے مطالعہ کی تاکید فرماتے تھے ایک صاحب سے جنہیں فقیر کے سامنے راولپنڈی میں بیعت فرمایا تھا۔ ارشاد فرمایا "کم از کم ساٹھ یا ستر مواعظ مطالعہ فرمالیجئے۔"

اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کے مکتوبات کے بعض اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، جن سے ان مواعظ و ملفوظات کی اہمیت ظاہر ہوگی، شاید اس سے کسی طالب حق کو فائدہ پہنچے،

"مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ ضرور کیا کریں، بیحد منافع اور علم صحیح اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے اور تمیز حق و باطل عطا ہوگی۔"

"ان کتابوں (ملفوظات و مواعظ اور انفاس عیسیٰ) کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ مفید عمل، محرکِ عمل اور مثمر برکات ہوگا۔"

"اگر آپ حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھا کریں، تو اس سے سب مرحلے طے ہونگے۔"

"اگر کسی زندہ کی صحبت حاصل نہ ہوسکے۔ تو حضرت تھانوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے مواعظ اور ملفوظات دیکھا کریں، اور بری صحبت سے پرہیز کریں انشاء اللہ تعالیٰ صحبت کے فوائد حاصل ہونگے۔"

"اگر آپ دین کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہیں۔ تو حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور مواعظ مطالعہ فرمائیں۔ اس کام میں مجھ سے جو امداد ہوسکے گی، انشاء اللہ تعالیٰ وہ ضرور ہوگی۔ بے جان نماز میں جان پڑجائیگی انشا اللہ تعالیٰ، پہلے آپ ان کتابوں کے مطالعہ سے دین کا صحیح فہم پیدا کریں"

"آپ مواعظ اور ملفوظات تو ضرور ہی پڑھیں اور کوشش کر کے پڑھیں

ہمت اور کوشش کے بغیر دین کی راہ بھی طے نہیں ہوسکتی۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، ملفوظات اور مواعظ سے جو ملے اسکو مطالعہ کریں، کم ازکم چالیس پچاس وعظ پڑھ لیں۔"

"آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے پہلے قصد السبیل پھر تعلیم الدین پڑھیے۔ اور حضرت کے جسقدر مواعظ و ملفوظات مل سکیں، مطالعہ کرتے رہیں۔"

"حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ کم ازکم ایک سو پڑھیں اسکے بعد استفسار مزید فرمائیں، تعلیم الدین کو بار بار مطالعہ کی خاطر نہیں، بلکہ عمل کی نیت سے پڑھیں اور عمل پر دھیان دیں۔"

"آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کو دیکھا کریں۔ اپنے عیوب ونقائص کا پتہ چل جائیگا۔ اور ان کا علاج بھی معلوم ہوگا۔ انفاسِ عیسیٰ ...
... مطالعہ میں رکھیئے۔ بڑی عجیب کتاب ہے۔"

"جی ہاں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات وتالیفات کے مطالعہ سے نئی قوت پیدا ہوگی، دس پندرہ منٹ بھی غنیمت ہیں۔"

"آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ومواعظ پڑھا کریں۔ یہ خود قائم مقام صحبت ہیں۔"

"خوشی ہوئی کہ قصد السبیل کو آپنے پڑھ لیا، اور مواعظ کا مطالعہ کررہے ہیں مواعظ وملفوظات کا مطالعہ مثمر برکات اور باعث ترقیات ہے۔"

"ہمارے حضرتؒ کی تصانیف میں سے جس قدر مواعظ وملفوظات ملیں

مطالعہ کیجئے، ان میں سے التکشف اور شرح دیوان حافظ پڑھیئے۔"

"حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ رکھیں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ کشفِ حجابات ہوگا، اور سلوک کی سیدھی راہ معلوم ہوگی، اور استقامت میں بڑی مدد ملے گی۔"

"حضرت تھانویؒ کے مواعظ و رسائل کا مطالعہ اکسیر ہے۔"

"مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں یہی ہمارے یہاں طریقہ فیض ہے۔"

"مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کی مداومت ہر مرض کیلئے اکسیر ہے۔ اور روحانی ترقی کی کامیاب تدبیر ہے..... وہاں (یعنی بصرہ) جانا مبارک ہو۔ خدا کرے کہ دنیا کیساتھ دین کا بھی فائدہ ہو، اسکے لئے بہتر ہے کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مواعظ و رسائل ساتھ لیتے جائیں اور مطالعہ میں رکھیں۔"

"انفاسِ عیسیٰؒ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے:۔" یہ ہمارے مطب کا قرابادین ہے۔" اور اس ناکارہ سے تو آخر میں فرمایا تھا۔ "کہ اسے دیکھ کر اپنا علاج کیا کریں۔"

یہ چند اقتباسات اسی محتاط قلم کے ہیں۔ جسکی علمی دیانت مسلمہ ہے۔ ان سے مواعظ و ملفوظاتِ اشرفی کی افادیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ مواعظ و ملفوظات طرز ادا کی خوبی تاثیر و دلپذیری کے لحاظ سے نئے طبقہ کیلئے بھی اتنے ہی نافع ہیں۔ جتنے پرانے طبقے کیلئے، اللہ تعالیٰ امت کو ان سے استفادہ کی پوری توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

(باب سوم)

توحید

سلوک کا مقصودِ اعظم توحیدِ تامہ کا کامل حصول اور مکمل ایقان و اذعان ہے۔ سلوک کے احوال و مقامات اسی توحیدِ کاملہ کی سعی وحصول کے ثمرہ و نتیجہ ہوتے ہیں۔ جس قدر سالک کا قدم توحید کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔ صبغۃ اللہ کے رنگ میں نکھرتا چلا جائے گا۔ صفات الٰہیہ کا انعکاس اسے فضائل و اخلاق سے متجلّی اور رذائل سے پاک بنا دے گا، خشیت و محبت الٰہی کا رسوخ اسے معاصی سے مجتنب، اوامرِ الٰہی کا پابند اور یادِ الٰہی میں شاغل کر دے گا۔ فاعلیتِ حقہ، کا استحضار اسے اپنا نفع و ضرر، خیر و شر، عزت و ذلت صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہی میں منحصر دکھائے گا۔ اور وہ ہر ایک سے کٹ کر ایک اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے گا .... کہ اس کے سوا سب ہیچ و باطل ہے اور وہی ایک ذات منبعِ برکات و فیوض و انعامات ہے ؎

کُلّ شیءٍ ما خلا اللہ باطلُ وانّ فضل اللہ غیم ھاطلُ (رومی)

(ہر چیز اللہ کے سوا باطل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہی متواتر خوب برسنے والا بادل ہے)

جب سالک پر توحیدِ ربانی کی حقیقت کھلتی ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کو فاعل حقیقی و مؤثر اصلی جان لیتا ہے، اسباب و وسائل کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ ان کی حکمت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی جانتا اور پاتا ہے، اس بنا پر وہ ہر لحاظ سے تکویناً و تشریعاً اپنے کو ذاتِ حق کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور اپنے جزو کل کو اسی ذات سے وابستہ کر لیتا ہے۔ اسکا قرار وہی ذات بے ہمتا اور اس کا سکون وہی ذات جمیل بن جاتی ہے، اسی کو وہ اپنا مقصود و مطلوب، ملجاء و ماویٰ، وکیل و کفیل ھادی و ناصر سمجھتا ہے۔ اسی میں سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور اسی سے سب کچھ پاتا ہے

غرض "مَن یَّعتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّستَقِیم" کی نصِ صریح کی حقیقت 'توحید کاملہ' کے حصول سے ہی ہاتھ آتی ہے کہ اس طریق کا ہر راہی توحید کی مختلف گھاٹیوں و منازل کا جادہ پیما ہوتا ہے ؎

اِس تجلّی گاہ کا ہر نازنین کشتۂ اندازِ الا اللہ ہے

اِس کے اعمال و افعال، گفتار و کردار، قلب و نظر اور روح و جسد کی جملہ حرکات و سکنات خود نمائی عجب و ریا اور کبر و ناز کی کثافتوں سے پاک ہو جاتی ہیں، اور اسکی ہر ہر حرکت کا کعبۂ مقصود وہ ذات جمیل بن جاتی ہے۔ جسکی رضا کونین کا حاصل اور جس کی محبت انسان کا سرمایۂ حیات ہے اور جس کے سامنے کائنات کا وجود عدم، مخلوقات کی حقیقت گم، ذی ارادوں کے ارادے ختم اور صاحبِ نطق گنگ ہیں، اسی

حی و قیوم کے وجود سے کائنات کی ہستی قائم، اس کے ہنگامے آباد اور اس کی مجلسیں پُر رونق ہیں، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی محبت میں سرگردان ہے کہ اس جمیل مطلق کے سوا کوئی قابل التفات نہیں۔ سالک کا منتہائے کمال بھی یہی ہے کہ سب سے کٹ کر اسی کی محبت میں مست اور اسی کے جمال میں محو ہو جائے۔ نہ نگاہوں میں اس کے سوا کوئی سمائے اور نہ قلب کی گہرائیوں میں کوئی اور بار پائے وہ محیط بے کراں اس کے روح وجسم پر اس طرح چھا چکا ہو۔ کہ اس کی ہر ادا اس فاعلِ حقیقی کے اشاروں کا عکس اور اسکا ہر عمل اسی کا پرتو ہو کہ اسلام کی حقیقت ہی یہی ہے کہ اپنے کو قلباً وجسداً، تشریعاً وتکویناً اسی ایک کے سپرد کر دیا جائے ؎

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن — دل بدست دگرے دادن وحیران بودن

اور شاید اسی رمز کی طرف موحدِ کامل خلیل علیہ السلام کے یہ الفاظ اشارہ کر رہے ہیں

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بقرہ - ۲)

(ابراہیمؑ نے کہا) میں فرمان بردار ہوا عالموں کے پروردگار کا۔

اسلام تسلیم وتفویض کا مترادف ہے، کہ اپنے کو اسی ایک کے حوالے کر دیا جائے تکویناً، اس کی رضا پر راضی اور تشریعاً اس کے اوامر واحکام کی پابندی اختیار کی جائے، اور تمام عمر انقیاد وتسلیم کی مخلصانہ جدوجہد کے وظیفے میں گذر جائے، کہ زندگی وجان خلق وامر[1] دونوں لحاظ سے جاں بخشنے والے خالق وآمر کی ملک ہے اور بندہ کا انتہائے کمال یہ ہے کہ دینے والے آقا کیلئے خود کو مٹا دے کہ اس مٹنے کا نتیجہ ابھرنا اور اس فنا کا حاصل بقا ہے۔

---

[1] اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (القرآن)

آں کسے راکہ چنیں شاہے کشد   سوئے تخت وبہتریں جائے کشد

اسلام کی جو حقیقت سید الانبیاء (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک سے ظاہر ہوئی یہی تھی کہ اپنی جانوں کو بالکل اللہ تبارک تعالیٰ کے حوالے کر دیا جائے اپنے ظاہری وباطنی امور کو اسی قاضی الامور کو سونپ دیا جائے، مخلوق سے قطعاً بے نیاز ہو کر اسی غنی مطلق کا نیازمند اور سارے سہاروں کو چھوڑ کر اسی کا سہارا قبول کیا جائے۔ کہ وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہی وہ رکن شدید[1] ہے جس کی پناہ کے بعد خوف نہیں۔ اور جس کی مدد کے بعد ناکامی نہیں، ہمارے تمام امور اسی سے طے پا رہے ہیں۔ ہمارے تمام کاموں میں اسی سے جان اور ہمارے تمام اسباب میں اسی سے تاثیر آ رہی ہے۔ ہمارے اعمال وافعال کی ہر حرکت اسی سے ہے۔ اور ہمارے ارادوں کی رنگ آمیزیاں اور تنوع اسی کے دم سے ہیں۔ وہی ذات اقدس کونین کے ہر ہنگامہ اور ہماری ہر جنبش کا باعث وسبب ہے بقول عارف رومی

یا خفی الذات محسوس العطاء   انت کالماء ونحن کالرحا
انت کالریح ونحن کالغبار   یختفی الریح وغبراہ جہار
تو بہاری ما چو باغ سبز وخوش   او نہاں وآشکارا بخششش
تو چو جانی ما مثال دست وپا   قبض وبسط دست از جاں شد ادا
تو چو عقلی ما مثال این زباں   ایں زباں از عقل می یابد بیاں
تو مثال شادی وما خندہ ایم   کہ نتیجہ شادی فرخندہ ایم
جنبش ما ہر دمے خود اشہد است   کو گواہ ذوالجلال سرمد است

---

[1] :- اَوْ آوِیْ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ (القرآن)

گردش سنگِ آسیا در اضطراب — اشہد آمد بر وجود جوئے آب

اے بیروں از وہم و قال و قیل من — خاک بر فرق من و تمثیل من

وہ کریم مطلق جو اندرون و بیروں، غیب و شہادت، ظاہر و باطن کے ہر ہر امر کا موثر حقیقی اور لاشریک و بے مثال خالق ہے، جس کی ربوبیت سے موجودات کا ذرہ ذرہ قائم ہے۔ اور جس کی عظمت کے سامنے ہر شے سرافگندہ ہے۔ اسی لائق ہے کہ ماسواء کی ہر چیز کی نفی کرتے ہوئے اسی سرچشمۂ بقا و حیات کی طرف کلیتۂ متوجہ ہو کر اپنے کو اس کے سپرد کر دیا جائے کہ تسلیم و رضا کا مقام اور محبت و خلت کی نعمت "آفلین" کے ترک کے بغیر ملنی مشکل ہے۔ اسی لئے دین حنیفی کے موسس اول ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے اپنی 'ملکوتی سیر' میں پہلا قدم 'آفلین' کی نفی سے کیا:۔

قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (انعام۔۹) میں چھپ جانے والے سے محبت نہیں رکھتا۔

اور پھر پکار اٹھے:۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام۔۹)

ترجمہ:۔ "میں نے متوجہ کر لیا اپنے منہ (و دل) کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین، سب سے یکسو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔"

پس ملتِ ابراہیمی کے ہر پیروکار کا یہ فرض ہے کہ ہر طرف سے ٹوٹ کر اسی کی طرف یکسوئی اختیار کرے۔ کہ حنیفیت ظاہر و باطن میں کسی غیر کی طرف

توجہ کو برداشت نہیں کر سکتی اور کسی سفلی و علوی مخلوق سے قرار نہیں پا سکتی۔
اس کی اصلی منزل اور اس کا مقصد ذات متعال ہے ؎

بزیدہ کنگرہ کبریائش مردانند　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

مردِ حنیف کی تمناؤں کا محور، اس کی امنگوں کا منتہا اس کے ارادوں کا نشیمن وہی ذاتِ جمیل ہے۔ جس کے سوا محبوب بننے کا سزاوار کوئی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسنِ ازل کے سب سے بڑے اداشناس فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو جن تعلیمات سے روشناس کیا، اس میں سرعنوان یہ مضمون تھا، کہ کائنات کی کوئی ہستی، علویات کی کوئی شئے، سفلیات کی کوئی چیز حمید مطلق کے سوا تمہارا کعبہ مقصود نہ ہو، عزت و جاہ کی خواہش، مال و دولت کی حرص، نمود و نمائش، کبر و تفاخر اور کوئی نفسانی خواہش تمہاری توجہ کا مرکز نہ بنے۔ بلکہ تمہاری پوری کی پوری زندگی کا منشا و مقصد صرف ذات باری تعالیٰ ہو۔ ارشاد ربانی ہے

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (الزمر-۱)

"سو بندگی کر اللہ کی خالص کر کے اس کے واسطے جان لو! کہ اللہ ہی کیلئے ہے بندگی خالص۔"

حنیف و موحد بندے کی پہچان ہی یہی ہے کہ اس کا سر نیاز بارگاہ قدس کے سوا کہیں جھکنے نہ پائے۔ اسکا دل حریم ذات کے جلووں میں کھو کر رہ گیا ہو۔ اور اس کی نگاہیں اس حسنِ بے جہت سے اس طرح مسحور ہو چکی ہوں کہ التفات توجہات کا مرکز مولائے قدوس کے سوا کوئی نہ رہا ہو ؏

مصطفیٰ راضی نشد الابذات

کہ وہ دل جس میں وہ سما جاتا ہے۔ اس کے سوا کسی کی طرف نگاہ نہیں ڈال سکتا۔ جیسے سورج کی روشنی میسر آجائے ذروں سے اقتباس نور نہیں کیا کرتا، اس حسنِ بے پردہ کے سامنے تمام حسن مستور اور محبوب ازل کے سامنے تمام محبتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

ع وہ شہ دلربا جب سامنے آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو پر پہلو سے نکلا جائے ہے

کہ دل پر جب حسنِ ازل کا فیضان ہوتا ہے تو وہ انوار و تجلیات الٰہی سے متاثر ہو کر سراپا اس کے جلوؤں میں مستور اور کیفیات سرمدی میں مخمور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کاملاً اسی کے تابع ہو کر اسی سے ہو جاتی ہے۔ اور وہ نائب حق، مظہرِ ربانی اور خلیفہ الٰہی کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ بقول عارفِ رومی!

من زجاناں زندہ ام و زجاں نیم — من زجاں بگذشتم و جانا نیم
چشم و گوش و دست و پایم او گرفت — من بدر رفتم سرائیم او گرفت
ایں بصر ایں سمع چوں آلات اوست — بلکہ ذرات تنم مرآتِ اوست
نغمہ از نائیست، نے از نے بداں — مستی از ساقیست نے از من بداں
گفتنِ من گفتنِ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
من چوں مست از دیدنِ ساقی شدم — مست گشتیم از فنا باقی شدم

کہ جب عین حیات و قسیم محض وہ ہی حیّ قیوم ہے تو پھر عالم کی ہنگامہ آرائیاں اس سے نہ ہوں تو کس سے ہوں

بات یہ ہے۔ کہ اسلام میں عقیدہ "توحید" نرا نظریہ ہی نہیں بلکہ مسلمان

کی زندگی کے جزو کل پر حاوی اور اسکے ایمان و اعتقاد و اخلاق و کردار، اعمال و افعال، احساسات و جذبات کی جان ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدائی وحدت و عظمت، ربانی صفات کی جامعیت، محامد الٰہی کی کاملیت و ہمہ گیری کو اس طرح پیش کیا، کہ انسانی قلوب نے کائنات کے ذرّہ ذرہ میں اسی جمال جہاں آرا کا حسن منعکس پایا، اور ہر وجود کی حقیقت ہر حرکت کا محرک، ہر سکون کی وجہ اور ہر سبب کا مسبب اسی وحدہٗ لاشریک ذات متعال کو سمجھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی جمالی وکمالی صفات نے مسلمانوں کو اسکا والا و شیدا بنادیا اور اسکی جلالی و تنزیہی صفات نے ان میں عبدیت و سرافگندی طاعت و انقیاد کو وجود بخشا، حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-

"........ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدا کا جلوہ نمایاں کیا، جو آسمان کے اوپر سے لیکر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے۔ اس کے کاروبار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس کی شاہنشاہی میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں، اس کے کارخانۂ قدرت میں کوئی دوسرا ساجھی نہیں۔ کائنات کا کوئی ذرہ اس کے حکم سے باہر نہیں، دنیا کی کوئی چیز اس کی نگاہوں سے چھپی نہیں، شجر، حجر، جنگل، پہاڑ، صحرا، دریا، سورج، چاند، زمین، آسمان، انسان، حیوان، زبان والے اور بے زبان سب اس کے آگے سربسجود اور اس کی تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں۔ سب کمزور ہیں، وہی ایک قوت والا ہے۔ سب جاہل ہیں۔ اسی ایک کو علم ہے۔ سب فانی ہیں، اسی ایک کو بقا ہے۔ سب محتاج ہیں، وہی ایک بے نیاز ہے۔ سب اس کے بندے ہیں۔ وہی ایک شہنشاہ ہے، غرض عرش

سے فرش تک جو کچھ ہے وہ اس کا ہے۔ اور اس پر صرف اسی کی حکمرانی ہے وہ ہر عیب سے پاک، ہر برائی سے منزّہ۔ اور ہر الزام سے بری ہے۔ وہ ہر قسم کی صفات عالیہ، اوصاف کمالیہ اور محامد جمیلہ سے متصف ہے۔ اس کی مانند کوئی نہیں، اسکی شبیہ و مثال کوئی نہیں، وہ تشبیہ و تمثیل سے بالاتر اور انسانی رشتہ ناطے سے پاک ہے،

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمْ لَہُ الْمُلْکُ	وہ ہے اللہ تمہارا رب۔ اسی کی بادشاہی ہے
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (زمر۔۱)	اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے
لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (زمر۔۱)	آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (انعام۔۲)	آسمانوں کا اور زمین کا پیدا کرنیوالا۔
عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ (انعام۔۹)	چھپی اور کھلی کا جاننے والا۔
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ	اسی کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے
لَہُ الْحُکْمُ (قصص۔۹)	اسی کے ہاتھ میں فیصلہ کی طاقت ہے
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ	اس کے مانند کوئی چیز نہیں اور وہ
السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (شوری۔۲)	سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
ھُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (مومن۔۷)	وہی زندہ ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ، وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ (انعام۔۷)

غیب کی کنجیاں اسکے پاس ہیں۔ اسکے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا، خشکی اور تری میں جو کچھ ہے وہ اسکو جانتا ہے، درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ہے، لیکن وہ اسکے علم میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي	اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جس کو
الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ	چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے
الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ	اور جس کو چاہے عزت دے۔ اور جسے چاہے
مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ	ذلت نصیب کرے۔ تیرے ہاتھ میں بھلائی
تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ	ہے۔ بیشک تو ہر بات پر قادر ہے
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	(آل عمران۔ ۳)
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ	اور اگر اللہ تجھے مصیبت پہنچائے، تو اس کے
فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ	سوا اسکا کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اور
وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا	اگر وہ تیرے ساتھ بھلائی کرنا چاہے
رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ	تو اسکے فضل و کرم کا کوئی روکنے والا نہیں
مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ	اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنا فضل پہنچا دیتا ہے
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝	اور وہی گناہوں کو معاف کرنے والا اور
(یونس۔ ۱۱)	رحم کرنے والا ہے۔

...... ان معنوں کی ہزاروں آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ ان تعلیمات نے خدا کی عظمت، جلالت اور کبریائی کا وہ جلوہ پیش کیا، جس کے سامنے معبودانِ باطل کی عزت خاک میں مل گئی۔ بتوں کی بڑائی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ سورج چاند تاروں کی خدائی کا چراغ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔ جن و انس، شجر و حجر، بحر و بر، سب اس کے جلال و جبروت کے سامنے سربسجود نظر آتے۔ پھر اس کے سوا کون تھا جو نیرنگ وجود کے ساز سے اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (میں ہوں خدا جسکے سوا کوئی خدا نہیں) کی

صدا بلند کرسکتا" (سیرت النبی ص۸۷، ۱۴۱ تا ص۱۸۱ ج ۱)

.......(حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربّانی تعلیمات سے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا، اس کی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا۔ اس کی مشیت وارادہ اور قدرت ووسعت سے آگاہ کیا، ایک ایسی ہستی کے اعتقاد کی ان کو تعلیم دی، جسکی قدرت بے انتہا، جس کی وسعت غیر محدود ہے۔ جس کی مشیت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ ہے۔ جس کے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے۔ دلوں کے اسرار زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں کے اعمال سب ہر لحظہ اور ہر لمحہ اس کے روبرو ہیں۔ اسکے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار ہے۔ اس کے مواخذہ کا خوف اور اس کی رحمت کی امید ہے، وہ محبوبِ ازل ہے۔ اس کی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی ہشیاری ہے۔ اس کے فضل وکرم اور لطف ومحبّت کی نیرنگیاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں۔ اس کی قوّت ہر قوت پر غالب ہے، اسکا ارادہ ہر ارادہ میں نافذ اور اسکا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے۔ اس کی عبادت ہر مخلوق پر فرض اور اسکی اطاعت ہر مکلف پر واجب ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ومنزّہ اور ہر وصف کا مستحق، اور اسی سے متصف ہے، انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور ان کے تزکیۂ واصلاح کے لئے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا۔ اور ان سے ہم کلام ہوتا رہا، اس کے کچھ احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں، جن کی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکوں کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا مرہم بے قراروں کی تسلی اور بے کسوں کا سہارا ہے۔ وہ ہم سے ہماری گردن کی رگ سے

۱؎ اصل میں اُن ہے یعنی عربوں کو

بھی قریب تر ہے۔ ہم اس کو جب پکاریں وہ سنتا ہے۔ وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے۔ وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کردے۔ اور جب چاہے ان کو پھر رچا دے، اس کی محبت دنیا کا حاصل، اس کی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اسکی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ	ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان
الْقُلُوْبُ (رعد-۴)	حاصل ہوتا ہے۔

ان تعلیمات کا اثر ہوا کہ وہ لوگ جن کو بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہ آتا تھا۔ وہ اس کے سوا سب کچھ بھول گئے۔ اور اسکی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہوگئے، وہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، ہر حال میں اس کی یاد میں سرمست و سرشار رہتے تھے۔

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ	وہ خدا تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے
قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران-۲۰)	یاد کرتے ہیں۔

اسی سرمستی و سرشاری میں بھی انہوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی، دولتمندوں کی بھیک کو اپنا سہارا نہیں بنایا۔ دنیا کی کشمکش سے نجات حاصل کرنے کے لئے بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام دے کر اختیار نہیں کیا، بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں جد وجہد اور سعی وکوشش کو اپنا مذہب سمجھا، اور خدا کا حکم جان کر اس کو پوری مستعدی کے ساتھ بجالائے۔ اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا، خدا نے ان کی مدح کی کہ :-

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ — وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت

وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور-۳) — خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

ان کی محبتِ الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا، خدا نے ان کی توصیف کی کہ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ — ایمان والے سب سے زیادہ خدا

حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ-۲۰) — سے محبت کرتے ہیں۔

ان کا توکل، ان کا صبر، ان کا استقلال، ان کی استقامت، ان کی بہادری، ان کی بے خوفی، ان کی صداقت، ان کی راستبازی، ان کی اطاعت، غرض ان کی ہر چیز ان کے اسی جذبۂ ایمانی کا پرتو تھی۔ اور ہر وقت ان کے پیش نظر یہ تعلیم رہتی تھی کہ

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ — جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔ تو خدا

فَهُوَ حَسْبُهٗ (طلاق-۱) — اس کو بس ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ — کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔

عَبْدَهٗ (زمر-۴)

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ — اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ

اَنْ تَخْشٰهُ۔ (احزاب۔) — سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیئے

ان میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اسی ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوئے" (سیرالنبی جلد ۴ ص ۴۸۷ تا ۴۹۰)

حضرت سیدی قدس سرہٗ نے فقیر سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ "میرا ایک شعر ہے"

کارفرما ایک آتا ہے نظر
منکشف اب رازِ الا اللہ ہے۔

اسے توحید افعالی کہتے ہیں۔ اس کے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔ حاصل کرنے کی تو یہ چیز ہے کہ یہ اذعان و یقین پیدا ہو جائے کہ ہر چیز کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں۔ وہی مؤثر ہیں۔ جو چیز بھی نظر آرہی ہے اس سے نگاہ ہٹ جائے اور ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ہوتی نظر آئے، عرض کیا گیا۔ اس کے حصول کی کیا صورت ہے؟ فرمایا۔ "پہلے اس عقیدہ کو معلوم کیجئے" عرض کیا گیا۔ عقیدہ تو ہے۔ فرمایا۔ "عقیدہ نہیں ہے۔ کیا آپ کو ہر چیز یونہی نظر آتی ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ اسباب پر سے نظر اُٹھ جائے اور یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ہر چیز کے کرنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں۔ اسباب میں تاثیر ان ہی کی ذات سے آرہی ہے۔ اسباب کے متعلق حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک ملفوظ مجھ سے شعر میں ادا ہو گیا ہے۔

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

اسباب کی حقیقت اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ یہ تو بس ایک آلہ ہے۔ اس سے نگاہ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات پر آجائے، یہ سب لا الٰہ اِلّا اللہ میں شامل ہے

سب کچھ کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں

کیا مخلوق کو مؤثر یا کرنے والا سمجھنا شرک نہیں؟ ہر نبی کو کسی خاص، صفت میں خصوصی کمال حاصل تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام تدبیر و توکل کے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ — وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت

وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (نور-۵) — خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی،

ان کی محبتِ الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آگیا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی توصیف کی کہ:-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ — ایمان والے سب سے زیادہ

حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ-۲۰) — خدا سے محبت کرتے ہیں۔

ان کا توکل، ان کا صبر، ان کا استقلال، ان کی استقامت، ان کی بہادری، ان کی بے خوفی، ان کی صداقت، ان کی راستبازی، ان کی اطاعت، غرض ان کی ہر چیز ان کے اسی جذبۂ ایمانی کا پرتو تھی، اور ہر وقت ان کے پیشِ نظر یہ تعلیم رہتی تھی کہ:-

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ — جو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے

فَهُوَ حَسْبُهٗ (طلاق-۱) — تو خدا اس کو بس ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ — کیا خدا تعالےٰ اپنے بندہ کو

(زمر-۴) — کافی نہیں۔

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ — اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے حالانکہ

اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (احزاب) — سب سے زیادہ خدا سے ڈرنا چاہیئے۔

ان میں یہ تمام روحانی و اخلاقی جوہر اس ایمان باللہ کے بدولت پیدا ہوئے (سیرۃ النبی ج۴ ص۵۸۱ تا ۵۸۴)

حضرت سیدی قدس سرہٗ نے فقیر سے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا میرا ایک شعر ہے۔

ؔ کارفرما ایک آتا ہے نظر — منکشف اب رازِ الا اللہ ہے

جامع تھے، قرآن کریم میں ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر جانے لگے، تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا۔

يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ	اے میرے بیٹو، سب کے سب ایک ہی
بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ	دروازے سے مت جانا، مختلف دروازوں
اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا اُغْنِيْ	سے داخل ہونا، اور میں خدا کے حکم کو تم
عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ	پر سے نہیں ٹال سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ	چلتا ہے (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے)
وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ	اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور اسی پر

بھروسہ کرنیوالوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے

اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر و توکل کی جامعیت معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر میں اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا، لیکن باطن میں ان اسباب پر کچھ بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ یہ یقین راسخ تھا، کہ حقیقت میں تو وہی ہوگا جو اللہ تبارک وتعالیٰ چاہیں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ علم تھا جو ہم نے یعقوب علیہ السلام کو مرحمت فرمایا تھا۔ اسباب کے ہوتے ہوتے اسباب پر نگاہ نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی میسر آتا ہے۔

درکف جام شریعت درکفِ سندان عشق

ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید سب سے کامل تھی، ان کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ ارشاد فرمایا ہے:۔

.... فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ	وہ بت) میرے دشمن ہیں مگر تمام عالم کا
الْعٰلَمِيْنَ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ	پروردگار جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے
يَهْدِيْنِ ۙ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ	ہدایت دے گا۔ وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے
وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ	اور پلاتا ہے۔ اور میں جب بیمار پڑتا ہوں
يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ	تو شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے مارے گا،
يُحْيِيْنِ، وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ	اور پھر زندہ کرے گا۔ اور وہی ذات ہے
يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۭ	جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن
(الشعرا۔۵)	میرے گناہوں کو معاف کر دے گا

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام جو ہر قسم کے شرک سے پاک تھے۔ ان کی توحید افعالی ہے۔ پس اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ بغیر اس کے توحید کامل نہیں ہوتی، عرض کیا گیا، کہ اسباب کو ترک کر دیا جائے فرمایا۔ " اسباب دو قسم کے ہیں۔ اسباب حقیقی و اسباب ظنی، اسباب حقیقی کا ترک جائز نہیں کہ اس کے فاعل تو اللہ تعالیٰ ہیں۔ جیسے کھانا کھانے سے اللہ تعالیٰ بھوک رفع کرتے ہیں۔ اولاد بیوی کے پاس جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ظنی جیسے سفارش کرنا، وغیرہ ہیں۔ انہیں ترک کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال فاعل اور مؤثر حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ کو جانیں ....."

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مسترشد خاص کو ارقام فرماتے ہیں:

"توحید کا بڑا مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر کام اور ہر معاملہ میں ہمارا 'اِلٰہ' ہو۔ اور اس کے سوا کسی میں نفع و ضرر اور عطا اور عدم

عطا کی قوت نہیں، سب اس کے اذن و مشیت سے ہوتا ہے، وہی جو چاہتا ہے، سو ہوتا ہے، اور جو نہیں چاہتا سو نہیں ہوتا۔ سارا عالم اس کے زیر فرمان ہے۔ اس کے سوا کسی پر حقیقیؔ نافع وضار اور معطی و مانع ہونے کا گمان بھی نہ ہو"۔ (تذکرہ سلیمانؒ ص۴۵۹)

ایک سالک کو لکھتے ہیں :۔

"جوش و خروش کی کمی کی فکر نہ کیجئے۔ کام میں لگے رہیئے۔ اور اپنی اصلاح و تربیت کی دھن میں لگے رہیئے۔ تاآنکہ اللہ تعالیٰ کے سوا دل سے ہر چیز کی محبت فنا ہو جائے اور لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کی تکمیل ہو۔"

ایک اور صاحب کو تحریر فرمایا :

"ماسوا سے بے نیازی کیلئے لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ کا ذکر و مراقبہ اسکے معنیٰ کے استحضار کے ساتھ کافی ہے۔"

صفاتِ الٰہیہ

اِس عالم میں ہر چیز اپنے خصوصی خصائص وصفات سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان ومعرفت اس کی صفات واسماء سے ہی ہو سکتی ہے۔ حضرت سیّد صاحب قدّس سّرہٗ ارقام فرماتے ہیں :۔

" دنیا کے آغاز میں خدا نے کہا تھا کہ 'ہم نے آدمؑ کو سب نام سکھاتے'۔ دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی۔ اور علم کی وسعت کہاں سے کہاں پہنچی، مگر غور کیجئے تو ناموں کے ہیر پھیر سے ہم اب تک آگے نہیں بڑھے۔ یہی ہماری حقیقت رہی ہے اور یہی ہمارا فلسفہ ہے ہم اپنے مفروضہ اصولِ منطقی کی بنا پر ذاتیات اور حقائق کے مُدعی بن گئے ہیں۔ لیکن ہزاروں صدیاں گزرنے پر بھی ذاتی اور حقیقی تعریف (حد منطقی) کی ایک مثال بھی پیش نہ کر سکے۔ جو کچھ کر سکے وہ یہ کہ صفات و عوارض اور خواص کے مختلف رنگوں سے نئی نئی طفلانہ شکلیں بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ جب مادیات کا یہ عالم ہے تو وراء الوراء ہستی میں ہماری بشری طاقت اس سے زیادہ کا تحمل کیونکر کر سکتی ہے۔ تجلّی گاہ

طور اسی رمز کی آتشیں تصویر ہے۔

ہم خدا کو بھی اس کے ناموں، اس کے کاموں اور اُس کی صفتوں ہی سے جان سکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں (عرب کے جاہلوں) کو اسی نصابِ انسانی کے مطابق تعلیم دی ..... تعلیمِ محمدیؐ ..... نے آگاہ کیا۔ کہ خدا کے اسماء وصفات کی کوئی حد نہیں اس کو سب ہی اچھے ناموں سے پکارا جا سکتا ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ (اسرائیل-۱۲) کہدو (اے پیغمبر) کہ (خدا کو) اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، سب اچھے نام اُسی کے ہیں۔

...... آپؐ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ گنتی اور شمار کی حد سے باہر ہیں۔ اور اس کی باتوں کی کوئی انتہا نہیں۔ آپؐ نے یہ دعاء سکھائی، "اے خداوند تیرے ہر اس نام کے وسیلہ سے، جو تو نے اپنا رکھا، یا اپنی کتاب میں اتارا یا کسی مخلوق کو سکھایا، یا اپنے لئے اپنے علم غیب میں اسکو چھپا رکھا، میں تجھ سے مانگتا ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہ الہامی دُعا تعلیم ہوئی۔ " خداوندا! میں تیرے سب اچھے ناموں کے وسیلہ سے جن میں سے کچھ کو ہم نے جانا اور جنکو نہیں جانا تجھ سے درخواست کرتا ہوں" ......

الغرض تمام اچھے اور کمالی نام اسی کیلئے ہیں۔ اور اسی کو زیبا ہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ نہیں ہے کوئی معبود، لیکن وہی اللہ،

الحُسْنٰی (طٰہٰ-۱) اسی کیلئے ہیں سب اچھے نام،

بڑائی کا ہر نام، اور خوبی کا ہر وصف اسی ذات بے ہمتا کیلئے ہے
خواہ اس کو خدا کہو، یا اللہ کہو، لغت اور زبان کا کوئی فرق اسمیں خلل انداز
نہیں،...... لیکن مشرکوں کی طرح اس کو ایسے ناموں سے نہ پکارو، جو
اس کے کمال اور بڑائی کے منافی ہیں، اور بتوں اور دیوتاؤں کے
ناموں سے بھی اس کو یاد نہ کرو،

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ؕ

اور اللہ ہی کیلئے ہیں سب اچھے نام اس کو ان ناموں سے پکارو، اور اُن لوگوں سے علیحدہ رہو، جو اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں۔ (اعراف - ۲۲)

تعلیمِ محمدی کا صحیفۂ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصافِ حمیدہ اور اسمائے
حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے۔ بلکہ اس کا صفحہ صفحہ خدا کے اسماء وصفات
کی جلوہ گریوں سے معمور ہے۔ قرآن کریم کا کم کوئی ایسا رکوع ہوگا۔ جس کا
خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف اور نام
اس عشق و محبت کو نمایاں کرتے ہیں۔ جو اس محبوب ازل اور
نورِ عالم کے ساتھ قرآن کے ہر پیرو کے دل میں ہونا چاہیئے۔ .....

(سیرت النبی ص۱۹ تا ص۱۹۶ ج ۴ ما)

صفات الٰہیہ کا عقیدہ اسلام میں نرا نظریہ ہی نہیں، بلکہ الٰہی اسماء وصفات
کے کچھ لازمی نتائج وتقاضے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر اسم پاک کی خاص صفت ہے

اور اسکی یہ صفت 'ظہور' چاہتی ہے، اسکا خاص 'تقاضا' و تجلّی ہے۔ یہ تقاضا و تجلّی ایسے فعلِ الٰہی کو چاہتی ہے۔ جس میں وہ خاص اسم وصفت جلوہ گر ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ 'خالق' ہیں۔ ان کی صفتِ خلق کا تقاضا ہے کہ وہ 'مخلوق' کو پیدا فرمائیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کی تجلی کا ظہور 'مخلوق' ہے۔ وہ 'رازق' ہیں انکی رزاقیت ایسی مخلوق کو چاہتی ہے جسے وہ رزق دے۔ وہ 'رب' ہیں انکی 'ربوبیت' کا تقاضا مخلوق کی پرورش کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ 'الملک' ہیں، اور ان کی بادشاہی 'مملکت' حکمرانی تدبیر تصرف، نفاذ احکام، عدل و نظم، ثواب و عتاب اور دگر امور شاہی کی متقاضی ہے وہ 'حکیم' ہیں۔ ان کا ہر فعل پُر حکمت ہے۔ وہ 'حمید و مجید' ہیں۔ وہ محامد و صفات حمید کا ظہور انسان میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور ان صفات کے ذریعہ اسے عزّو شرف بخشتے ہیں، وہ غفور، عفو ہیں۔ وہ گناہوں کے صدور کے بعد اس کو اپنی مغفرت سے بخشنا چاہتا ہے، اور عفو و درگذر کے مناظر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ غرض ان کی ہر 'صفت' و ہر 'نام' اپنے ظہور کا طالب ہے۔ اور اسماء و صفات کا 'یہ ظہور' اور 'اسکے آثار'، 'خلق و امر' میں برابر ساری و طاری ہیں۔ اور خاصانِ خدا کے اس قول کا کہ 'عالم' 'مظہر صفاتِ حق ہے' یہی مدعاء ہے۔ جملہ مخلوقات میں ان ہی کے اسماء و صفات و افعال کی جلوہ گری ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس بنا پر حکمت الٰہی نے اسے اپنی صفات و شیئون کا مظہر اتم بنایا ہے۔ 'خلق و امر' کی نیرنگیاں اس 'عالم اصغر' میں جمع فرما کر اسے اپنی 'خلافت' کا سزاوار بنایا۔ اور جملہ کائنات میں اسے اپنی 'نیابت' کیلئے چنا، اور 'عبدیت تامہ' اور 'معرفت خاصہ' سے اسے 'نوازا' اور مخلوقات

سے استفادہ کی صلاحیتیں اس میں رکھیں۔ اور اپنی ذات عالی سے انتفاع وقربت کے طریقے اِس پر کھولے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وحی کی زبان سے ..... یہ نکتہ سوجھایا۔ کہ انسان اس عالم خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے اور وہ اس دنیا میں خدا کی نیابت کا فرض سرانجام دینے کیلئے آیا ہے قرآن کی ابتدائی سورہ میں آدمؑ کی خلافت کا قصّہ محض داستان نہیں بلکہ انسان کی اصلی حیثیت کو عیاں اور نمایاں کرنے والی تعلیم کا اولین دیباچہ ہے۔ اس کو فرشتوں کا مسجود بنانا گویا تمام مخلوقات کا مسجود بنانا تھا۔ اس کو تمام اسماء کا علم عطا کرنا گویا تمام اشیاء کو اس کے تصرف میں دینا تھا، وہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے فرمان کی رو سے اس عالم میں خدا کا نائب ہے۔ اور اسکا سر خلافتِ الٰہی کے تاج سے ممتاز ہے، کروڑوں مخلوقاتِ الٰہی میں خدا کی امانت کا حامل وہی منتخب ہوا، یہ منصب اعلیٰ نہ فرشتوں کو ملا، نہ آسمان کو عطا ہوا۔ نہ زمین کے حصہ میں آیا، نہ پہاڑ اس کے مستحق قرار پائے، صرف انسان ہی کا سینہ تھا جو اس امانت کا خزینہ دار ہوا۔ اور اِسی کی گردن تھی جو اس بوجھ کے قابل نظر آئی فرمایا:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ	ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، اور زمین پر، اور پہاڑوں پر پیش کی تو سب

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ	نے اس بار (امانت) کے اٹھانے
مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط	سے انکار کیا، اور اس سے ڈرے
(احزاب - ۹)	اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔

وحیِ محمدیؐ نے انسان کا رتبہ یہ بتایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بزرگیوں سے سرفراز فرمایا عالمِ مخلوقات میں برتر بنایا اور انعام و اکرام سے معزز کیا ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ	ہم نے آدمؑ کی اولاد کو عزت دی، اور
فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ	ہم نے خشکی اور تری میں ان کو سواری
الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى	دی، اور ستھری چیزوں کی ان کو روزی بخشی
كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر ان
(بنی اسرائیل - ۷)	کو فضیلت عطا کی۔

انسان ہی وہ مخلوق ہے۔ جو سب سے معتدل قویٰ اور بہترین اندازہ کیساتھ دنیا میں پیدا ہوئی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ	البتہ ہم نے انسان کو بہتر اندازہ پر
تَقْوِيْمٍ (تین - ۱)	پیدا کیا۔

یہاں تک کہ انسان خدا کی صورت کا عکس قرار پایا۔ متعدد حدیثوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا نے آدمؑ کو اپنی صورت پر پیدا کیا" ..... ان حدیثوں کا یہ مطلب نہیں۔ کہ انسان کی طرح خدا کی کوئی خاص جسمانی شکل ہے۔ اور آدم کی شکل اس کی نقل ہے۔ کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ق بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ انسان میں خدا کی صفات کی ایک دھندلی سے جھلک موجود ہے۔

علم قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، غضب، رحم، سخا وغیرہ کی صفات کی ناقص مثالیں اس کے اندر اللہ نے ودیعت رکھی ہیں۔ اور چونکہ انسان کے اعضاء میں اس کا چہرہ اس کی شخصیت کا آئینہ دار اور اس کے اکثر حواس کا مصدر ہے۔ جن سے اس کے تمام اوصاف کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضا میں اسی کو فیضِ رحمانی کا مورد ظاہر کیا۔" (سیرت النبی ص۱۸۱ تا ص۱۸۴ ج ۴)

دوسری جگہ مزید تشریح فرماتے ہیں:۔

"گذر چکا ہے۔ کہ قرآن کا پہلا سبق یہ ہے کہ بحکم اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ۔۴) آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے۔ خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پرتو جتنا زیادہ نمایاں ہوگا۔ اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کریگا۔ اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا۔ یہانتک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہوگا۔ جب وہ سرتاپا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (بقرہ۔۱۶) خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے۔

یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ، خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گذری ہے۔ کہ اس "صورت" سے مقصود جسمانی نہیں بلکہ معنوی

شکل وصورت ہے۔ یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنی صفاتِ کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے۔ اور ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ اور ان میں حدِ بشری تک ترقی کی استعداد بخشی ہے اور انسان کو اخلاق وصفات میں ملاءِ اعلیٰ سے تشبّہ اور ہمشکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے۔ اور یہی صوفیہ اور خاصانِ خدا کے اس مقولہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو۔) کا مطلب ہے۔ حدیث میں یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ "حسن الخُلق خلق اللّٰہ الاعظم" حسن خلق خدا کا خلق عظیم ہے۔" (سیرت النبی ص۵۱۶، ص۵۱۷ ج۶)

اس کا مدعا یہ ہے کہ بقول حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

" (اللہ تعالیٰ) کے محامد واوصاف اخلاقِ انسانی کا معیار ہیں۔ ان اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لئے خاص ہیں۔ اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں۔ بقیہ اوصاف و محامد انسان کیلئے قابل نقل ہیں، کہ وہ خدا کے محامد واوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں۔ اس لئے انسان پر فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو اپنے اندر اسکے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے اور ان کو خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل اور پیروی کی خواہش کرے۔ محامدِ الٰہی گویا استاد اعلیٰ کی وصلی ہے۔ جس کو دیکھ کر شاگرد کو اپنے خط کی خوبی میں ترقی کرنی چاہیئے۔ اس لئے انسان کو

ہر حرف کے لکھنے (محامد الٰہی کی نقل اتارنے) میں ایک نظر استاد ازل کی وصلی پر ڈال لینی چاہیئے تاکہ معلوم ہو۔ کہ اسکی ذاتی مشق کہانتک اصل وصل کے مطابق ہے (سیرت النبی ج ۶ ص ۵۱۹)

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ محامد و اوصاف الٰہی کی نقل بندہ کو ذاتِ حق عزاسمہ سے کسی قسم کی (العیاذ باللہ) برابری عطا نہیں کر دیتی۔ کہ ایسا گمان سراسر شرک و زندقہ ہے۔ بلکہ صفات الٰہی کا یہ ہلکا سا انعکاس بندہ کو ذات باری تعالیٰ سے ایک ادنیٰ درجہ کی مناسبت عطا کر دیتا ہے۔ حضرت سیّد الملۃ نور اللہ مرقدہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"یہ بات ذہن میں رہے کہ کوئی مخلوق خالق تعالیٰ کی کسی صفت میں برابر کی شریک نہیں ہو سکتی، ایسا سمجھنا سراسر شرک ہے۔ بات اتنی ہے کہ بندہ کے جس وصف کو خدا تعالیٰ کی جس صفت سے مناسبت ہوتی ہے اس پر اس صفت کا اطلاق مجازاً کر دیتے ہیں۔ جیسے خدا کے علم کے سامنے بندہ کے علم کا مرتبہ اتنا بھی نہیں ہے جتنا سمندر کے سامنے قطرہ کا ہے۔ مگر خدا کی اس صفتِ علم کیساتھ بندہ کے اس وصف کو بھی علم کہہ دیتے ہیں، حالانکہ حقیقی صفتِ علم خدا میں ہے بندہ میں نہیں۔ لیکن چونکہ خدائے تعالیٰ اپنی صفتِ علم سے بندہ میں ایک انکشافی شان پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے بندہ کی اس ادنیٰ انکشافی شان کو بھی علم کہہ دیتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں، یہی حال بندے کے دوسرے صفات اور اوصاف کے اشتراک کا ہے اسلئے بہت سے اہل حق اور اہل تحقیق کے نزدیک ان دونوں میں اوصاف کا اشتراک اشتراک بادنیٰ مناسبت ہے اور بس لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَّهُوَ

(السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (شوریٰ۔ ۲) سیرت النبی جلد ششم ص۲،۳)

بہرحال اسمائے الٰہیہ اور صفاتِ ربانی کا ظہور گو وہ با دنیٰ مناسبت ہو، انسان کی ذات سے ہوتا ہے اور دیگر مخلوقات کی نسبت سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسلئے انسان کو مظہرِ صفات الٰہی کہتے ہیں۔ حضرت والا اقدس سرہٗ ایک مسترشدِ خاص کو لکھتے ہیں کہ:-

"اس (حدیث شریف ان اللہ خلق ادم علی صورتہ) کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنے اسماءِ حسنیٰ کا مظہر بنایا ہے" (تذکرہ سلیمان ص۴۲۷)

اور اسکا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی صفات سے محبت ہے اور وہ ان صفات کا ظہور جس ذات میں پاتا ہے۔ اس صفت کی وجہ سے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ علامہ ابن قیم نے خوب لکھا ہے:-

وھو سبحانہ یحب موجب اسمائہ وصفاتہ	اللہ سبحانہ اپنے اسماء وصفات کے موجبات اور مظاہر کو پسند فرماتا ہے۔
فھو علیمٌ یحب کل علیم	وہ علیم ہے ہر علم والے کو محبوب رکھتا ہے
"جوادٌ یحب کل جواد وترٌ" یحب الوتر "عفوٌ یحب العفو واھلہٗ" "حییٌ" یحب الحیاء واھلہٗ "برٌ" یحب الابرار	سخی ہے ہر سخی کو پیار کرتا ہے "طاق" ہے طاق کو پسند کرتا ہے۔ وہ "عفو" ہے معافی اور معاف کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے وہ حیادار ہے حیا اور حیا والوں کو چاہتا ہے بر ہے نیکوکار اسے پیارے ہیں
"شکورٌ یحب الشاکرین" "صبورٌ یحب الصابرین" "حلیمٌ	شکور ہے شکر گذاروں سے اسے محبت ہے صبور ہے صبر والے اسے پسند ہیں۔ حلیم ہے

يحب حليم" (مدارج السالکین صفحہ ۴۲۰/۱) بردباری کو پسند فرماتا ہے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ نے سیرت النبی (چہارم و ششم) میں ان مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

غرض صفات الٰہیہ کا انعکاس و ظہور انسان میں مختلف صورتوں اور نوعیتوں سے ہوتا ہے۔ بقول حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی چند قسمیں ہیں، جلالی، کمالی، تنزیہی اور اجمالی۔ صفات جلالی جو کبریائی عظمت شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات انکی مستحق نہیں اور نہ یہ اوصاف بندگی و عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں۔ ان کا انعکاس یہ ہے کہ بندوں میں انکے مقابل کے صفات پیدا ہوں یعنی عاجزی، تواضع، فروتنی، اور خاکساری اسلئے ترفع، تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے۔ اور اسی لئے آدمؑ جس نے فروتنی اختیار کی اور عجز و قصور کا اعتراف کیا، وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا اور شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا۔

أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ (بقرہ-۴) اس (شیطان) نے (آدم کے سجدہ سے) انکار کیا اور غرور کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

قرآن پاک میں ہے، کہ بڑائی اور کبریائی صرف خدا کیلئے ہے اس کے سوا اور کوئی اسکا مستحق نہیں۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (جاثیہ-۴) اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے بڑائی ہے۔

.... الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ (حشر-۲) اسی کی شان ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ

اپنی عزت وجلال اور قوت وجبروت کا فیضان بعض بندوں اور امتوں پر نازل کرتا ہے۔ اور وہ ان کو طاقت اور قوت اور بادشاہی عطا کرتا ہے۔ مگر اس نوازش کے بعد بھی نیک بندوں اور صالح امتوں کا فرض یہی ہے۔ کہ عین اسوقت جب ان کے دست و بازو سے قوتِ حق اور ربانی جاہ وجلال کا اظہار ہو رہا ہو۔ ان کی پیشانیاں فرطِ عبودیت سے اس کے آگے جھکی ہوں۔ اور سرِ نیاز اظہار بندگی کیلئے اس کے سامنے خم ہوں کہ عزت وجلال خاص خدا کی شان ہے جس کا فیضان رسولؐ پر ہوا، اور رسول کی وساطت سے مومنوں پر ہوا، یہ ترتیب خود قرآن میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون۔۱)
اور عزت خدا کیلئے ہے اور اسکے رسول کیلئے اور مومنوں کیلئے ہے

...... خدا کی صفاتِ کمالی میں سے وحدانیت اور بقائے ازلی وابدی کے سوا کہ ان سے تمام مخلوقات اور ممکنات طبعاً محروم ہیں۔ بقیہ اوصاف سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ صفات تنزیہی ...... سے بھی مخلوقات تمامتر محروم ہے۔ ان کی تنزیہہ یہی ہے۔ کہ وہ خدا کے عصیان، نافرمانی اور گنہگاری کے عیب سے بری اور پاک ہوں۔

خدا کے صفاتِ جمالی وہ اصلی اوصاف ہیں۔ جن کے فیضان کا دروازہ ہر صاحبِ توفیق کے لئے حسب استعداد کھلا ہوا ہے۔ ان صفات کا سب سے بڑا مظہر عفو و درگذر ہے ...... قرآن کہتا ہے کہ " تم دوسروں کو معاف کرو کہ خدا تم کو معاف کرتا ہے " ...... ایک دفعہ عہد نبوت میں بارگاہ عدالت قائم تھی ایک مجرم کو سزا دیجارہی تھی۔ سزا کا منظر دیکھ کر حضورؐ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو رہا تھا۔ اداشناسوں

نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا کہ:-

امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا کرو۔ خدا معاف کرتا اور عفو و درگذر کو پسند کرتا ہے۔ تو تم بھی معاف اور درگذر کیا کرو۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ خدا تمہیں بھی معاف کرے۔ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (مستدرک للحاکم کتاب الحدود)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ...... فرمایا:- خدا جمیل ہے۔ جمال کو پسند کرتا ہے وہ سخی ہے۔ سخاوت کو پسند کرتا ہے۔ وہ صاف ستھرا ہے۔ صفائی اور ستھرے پن کو پسند کرتا ہے..... اخلاق عالیہ سے محبت اور بداخلاقیوں سے نفرت رکھتا ہے۔" ....." خدا نرمی والا ہے نرمی کو پسند کرتا ہے.... خدا پاک ہے پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔"

رحمت و شفقت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ مگر خدا کی رحمت و شفقت کے وہی مستحق ہیں۔ جو دوسروں پر رحمت و شفقت کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔" رحم کرنے والوں پر وہ رحم کرنے والا بھی رحم کرتا ہے۔ لوگو! تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ ..... رحم کی جڑ رحمان ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ کہ اے رحم، جو تجھکو قطع کرے گا۔ میں اس کو قطع کرونگا۔ جو تجھکو ملائیگا میں اس کو ملاؤنگا" ..... یہ نصیحت بھی فرمائی کہ:" جو بندہ دوسرے بندہ کی پردہ پوشی کرے گا۔ قیامت میں اس کی پردہ پوشی خدا کرے گا" یہ بھی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ: "جب تک تم اپنے بھائی کی مدد میں ہو۔ خدا تمہاری مدد میں ہے"۔....

آپؐ نے فرمایا کہ" خدا بھی غیرت والا ہے۔ اور مومن بھی غیرت والا ہے

اور خدا کی غیرت یہ ہے کہ اس نے اپنے مومن پر جس بات کو حرام کیا ہے اگر کوئی اسکا ارتکاب کرے تو وہ اس پر خفا ہو۔

اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے...... اس لئے اس کے بندوں کا فرض ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زبان سے اس کی عملی تعلیم کو ان الفاظ میں ادا فرمایا...... اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے۔ اور اس کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ تو تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرنا

پاکیزگی اور لطافت خدا کی صفتیں ہیں۔ اسلئے خدا کے ہر بندہ کو بھی پاک وصاف رہنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا۔ " خدا پاکیزہ ہے۔ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور پاک وصاف ہے۔ پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔ تو تم پاک وصاف رہا کرو، یہودیوں کی طرح گندے نہ بنو۔ (سیرت النبی ج ششم ص ۵۱۷ تا ص ۵۲۲ ملخصاً)

غرض اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا انعکاس بندوں میں دیکھنا پسند کرتا ہے۔ اور ان کا ظہور انسانی اخلاق میں پسند فرماتا ہے۔ اس بنا پر اسلامی نظریہ اخلاق کی بنیاد تمام صفات باری تعالیٰ کے عقیدہ اور معرفت پر ہے۔ جس کی تشریح انشاء اللہ تعالیٰ اخلاق کے ذیل میں آئے گی۔

صفات الٰہیہ کا استحضار اور ان سے استفادہ

سالک کیلئے صفاتِ الٰہی میں سے ہر صفت کی معرفت اور اس کا استحضار قوت و طاقت کا لامتناہی خزینہ ہے۔ جس سے ہر آن اس کی تربیت ہوتی ہے۔ اور اس کے ایمان و یقین کی قوت بڑھتی ہے۔ اور اس میں براہِ راست اس صفت سے استفادہ کی صلاحیت پیدا ہوتی اور بڑھتی ہے۔ صفات الٰہیہ کا مشاہدہ اسے مخلوق سے ہٹا کر خالق میں شاغل کر دیتا ہے۔ اور صفات الٰہیہ کی نیرنگیاں اسے کائنات کے ہر ذرہ، تصرفات کونی کی ہر حرکت و سکون میں نظر آتی ہیں کائنات کے تغیّر و تبدّل، احوال و ظروف کی تبدیلی میں اسے مصرف الامور کا غیر مرئی ہاتھ ہر آن دکھائی دیتا ہے۔ وہ اشیاء سے نہیں دیکھتا۔ خدا سے دیکھتا ہے۔ وہ مخلوق کو نہیں پاتا خالق کی جلوہ سامانیاں صفات کے ظہور کی رنگا رنگی میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے لئے پورا عالم مرآۃِ صفاتِ حق بن جاتا ہے۔ جس کا وجود و بقا، قیام و ظہور خالق و قیّم حیّ و قیّوم ذات ستودہ صفات سے ہے اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے۔ اسے وہ ذاتِ حق سے

کا تعین ہوتا پاتا ہے۔ فاعلیتِ حقہ کی حقیقت اس پر مستورِ ازل کی کارفرمائی کے راز کو کھول دیتی ہے 'مجاز' کے آئینہ میں 'حقیقت' نمایاں ہو جاتی ہے۔

بقول سید الملۃ قدس سرہٗ

دیدۂ دل اگر ہوں باز راز رہے نہ راز میں

جھانکتی ہیں حقیقتیں آئینۂ مجاز میں

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کا ظہور وتاثر عارف کو ہر ایک سے بے نیاز وبیگانہ اور ذات سرمدی کا نیاز مند کر دیتا ہے وہ اس کے جلوؤں میں مستور اور کیفِ الٰہی میں مسرور ومخمور ہو جاتا ہے۔ بقول عارف شیرازیؒ:۔

مادر پیالہ عکسِ رخ یار دیدہ ایم اے بے خبر زلذت شرب مدام ما

خدا آشنا عارف جو ہر ایک سے ٹوٹ کر اسکا ہو جاتا ہے اور "وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا" کی حقیقت جسکا حال بن جاتی ہے، اسکی تربیتِ روحانی وجسمانی ذاتِ جمیل ومتعال اپنی بارگاہ خاص سے کرتا ہے۔ اور صفات باری تعالیٰ کی تجلیات خاصہ اسکی ترقی وقرب کا ذریعہ بن جاتی ہے ارشاد باری "يَجْتَبِيْ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ اور يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ" سے بھی ادھر اشارہ پایا جاتا ہے۔

صفات الٰہیہ کا انعکاس جب بندۂ مومن کے قلب پر ہوتا ہے۔ تو اولاً اس پر اپنی ہیچ میرزی اور فقر واحتیاج کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اور معاً وہ اپنی ضروریات وحاجاتِ روحانی وجسمانی کو ایک اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر پانے لگتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ (فاطر۔۸) کی حقیقت اس پر کھل جاتی ہے۔ عبدیت کاملہ اور فقر تامہ اس کا حال بن جاتا ہے۔ اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے۔ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۔

اب سالک پر تربیت کا وہ صفاتی رستہ کھلتا ہے جس کو اصطلاح میں "سیر فی اللہ" کہتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ کی صفاتِ حاکیت، حکمت، خلق، ملکیت، رزاقیت اور قدرت وغیرہ کا یقین و اذعان استحضار و مشاہدہ اس میں تشریعی و تکوینی امور میں اوامر الٰہیہ کی پابندی، توکل و تفویض صبر و شکر اور جملہ فضائلِ اخلاق پیدا کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ سے استفادہ کی راہ اس پر کھل جاتی ہے۔ معرفت الٰہی کی منازل طے ہونے لگتی ہیں۔ اور احوال خاصہ اور مقامات سے اسے نوازا جاتا ہے۔

عارف کیلئے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اور اسکی تجلی استفادہ اور تربیت کا مستقل ذریعہ بن جاتی ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک ملفوظ سے اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا یقین و مشاہدہ کس طرح بندۂ مومن کی زندگی کو متاثر کرتا ہے۔ اس طویل ملفوظ میں صفت "بصیر" کے مراقبہ کے اثر کی تشریح فرمائی گئی ہے۔ وضاحت کیلئے ملفوظ مبارک نقل کرتا ہوں:

" مسلمانوں کے عقیدہ میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔ کوئی دیکھے یا نہ دیکھے اللہ تعالیٰ ہر حال میں دیکھتے ہیں۔ " لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ " یعنی دنیا میں کوئی شخص خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ سب آنکھوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ارشاد ہے۔ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى۔ ان آیتوں اور بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ کوئی شخص کتنے ہی رات کے اندھیرے میں ہو، کوئی اسے نہ دیکھ رہا ہو، مگر اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے چھپ جاؤ، ممکن نہیں، جس مسلمان سے پوچھو یہی عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اور ہر جگہ ہے۔ لیکن بات یہ ہے۔ کہ یہ عقیدہ حال بن کر ہم پر طاری

نہیں ہوا، اگر یہ حال ہو جائے تو کوئی گنہگار گناہ نہیں کر سکتا، جیسے پولیس کی موجودگی کے وقت جرم کی ہمت نہیں ہوتی۔ اگر یہ عقیدہ ہمارا حال بن جائے تو ہم سے کوئی برائی سرزد نہ ہو، اگر ہم یہ سمجھیں کہ لوگوں سے چھپ چھپ کر گناہ کریں۔ اور ان کے دیکھنے اور شہادت سے بچ جائیں اور اسطرح سزائے الٰہی سے مامون ہو جائیں، تو یہ غلط ہے۔ ہم لوگوں سے تو چھپ اور بچ سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکتے۔ کہ وہ ہر آن و ہر جگہ موجود اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ انسان اگر اس چیز کو اپنے اندر پیدا کر لے تو تمام برائیوں کا سدباب ہو جائے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ ہر قسم کی برائیوں سے بچنا ہو تو اس عقیدہ کو دل کے اندر جمالیا جائے۔

نیت کے بغیر نہ نماز نماز ہے، نہ روزہ روزہ، نیت کے استحضار سے عبادت عبادت بنتی ہے۔ پس انسان ہر عمل کی نیت کرتے وقت یوں سمجھ لے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں۔ اور کڑی نگہبانی فرما رہے ہیں۔ اسطرح اگر اندھیری رات میں چٹان کے نیچے چیونٹی چل رہی ہے۔ تو اسے بھی جانتے ہیں، اگر یہ حال پختہ ہو جائے، تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ کا صدور نہ ہو سکے گا۔

انسان کے شہوات یا جذبات جب ایمان پر غالب آجاتے ہیں تو جرم ہوتا ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اس عقیدہ کو اسقدر مستحضر کر لیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا دھیان اسطرح غالب ہو جائے کہ شہوات و جذبات کی بنا پر گناہ سرزد ہونے نہ پائے، تمام مسلمان نماز کی نیت کرتے ہوئے اس چیز کو مستحضر کریں، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں۔ اور ہمارے قلب کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ

استحضار اسی طرح نمازوں میں بڑھتا جائے گا، اور ایک دن اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین پیدا ہو جائے گا۔ تو پھر نہیں جائے گا۔ اور اس حاضر وناظر ہونے کے یقین کی بنا پر انسان برائی نہیں کر سکے گا۔ اسی لئے قرآن نے کہا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ

نماز اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر جاننے کے دھیان کو حاصل کرنے کا بڑا وسیلہ ہے۔

جو لوگ اس سے زیادہ کی ہمت رکھتے ہوں، بزرگوں نے ان کے لئے اور کئی طریقے بتائے ہیں، جن میں ذکر اور مراقبہ بھی ہے۔ کچھ دیر آنکھیں بند کرلے اور سوچے اور تصور کرے کہ اللہ تبارک تعالیٰ میرے دل کو دیکھ رہے ہیں تو انشاءاللہ تعالیٰ اس کی ساری زندگی پر اس کا اثر پڑے گا۔ مراقبہ کا مطلب نگرانی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو نگران سمجھ کر دھیان کیا جائے گا۔ تو ہر وقت اللہ تعالیٰ سامنے رہیں گے، اور یہ تصور اسقدر غالب آجائے گا کہ برائی کا صدور جاتا رہے گا۔ ایسے تو ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ عیاں اور پوشیدہ، اس سے چھپ نہیں سکتے، قرآن میں ہے "دو سرگوشی کرنیوالوں میں تیسرا وہ ہوتا ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ، جب اللہ تبارک وتعالیٰ ہر جگہ حاضر وناضر ہیں۔ تو اس عقیدہ کا حال اپنے اوپر کیوں نہ طاری کرلیا جائے، اگر اس عقیدہ کو پختہ کرلیا جائے تو انسان گناہوں سے بری ہو جائے گا۔ عقیدہ کو عقیدہ کی حد تک نہ رکھیں، بلکہ اپنے پر اسے طاری کرلیں، نماز بے التفاتی سے نہ پڑھیئے۔ بلکہ یہ تصور کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ رکوع وسجود وتلاوت کے وقت یہی دھیان ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے وقت یہ تصور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی تعریف کر رہے ہیں۔ گناہوں کا ارتکاب اس لئے ہوتا ہے۔ کہ عقیدہ مستحضر نہیں رہتا، صحابہ کے حال میں لکھا ہے کہ انہیں اکیلے میں بھی برہنہ نہاتے ہوئے حیا آتی تھی۔ جبکہ انسان برہنہ ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا دھیان کر کے ان کو اس سے شرم آتی تھی۔ صحابہؓ کا یہ حال اس بنا پر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دھیان اسقدر غالب ومستولی ہو گیا تھا۔ کہ تنہائیوں میں اپنے لئے برہنگی پسند نہیں کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر شخص کے گناہوں کو جانتے ہیں۔ لیکن اس پر فرشتوں کی شہادت قیامت میں پیش کریں گے۔ جن اعضاء کے لئے ہم گناہ کرتے ہیں وہی ہم پر گواہی دیں گے اور یوں کہیں گے۔

" اَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔ پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ شراب خانہ کی طرف گیا تھا۔ بری نگاہ کی آنکھ گواہی دے گی۔ آج ہم آنکھ کی لذّت کیلئے گناہ کر رہے ہیں۔ مگر کل وہی آنکھ ہمارے خلاف گواہی دے گی۔ ہاتھ سے پرایا مال چرایا، ہاتھ اس کی گواہی دے گا۔ غرض جسم کا ایک ایک عضو جس کی خواہش اور لذّت کیلئے ہم گناہ کر رہے ہیں۔ ہمارے خلاف شہادت دے گا۔ اللہ تعالیٰ تو دیکھ ہی رہے ہیں۔ لیکن یہ ہاتھ پاؤں بھی تو ہیں نہیں چھوڑتے۔ ان کو تو چھوڑ کر ہم عمل بھی نہیں کر سکتے ہمارا ظاہر وباطن اللہ تعالیٰ کی خفیہ پولیس ہے، اور کل وہ ہمارے مخالف گواہ ہوں گے۔ سو افسوس ہے اس احمق پر جو بان کو خوش کرنے کیلئے گناہ کرے۔ اور وہ اس کے خلاف پھر گواہی دیں۔ اس لئے گناہوں سے بچنا چاہیے اور اس

عقیدہ کو حال بننا چاہیئے تاکہ گناہ سرزد نہ ہوسکیں۔

اس تشریح سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بصیر کا علمی دھیان و مراقبہ اور اسکے حاضر وناظر ہونے کا تصور بندھ جائے تو تنہا یہ حال انسانی زندگی کو برائیوں سے روکنے کی کتنی عظیم تاثیر رکھتا ہے۔ یہی حال دوسری صفاتِ الٰہیہ کا ہے۔ صفت بصیر کے متعلق چند اور فوائد لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر جاننے کے مراقبے کی بہت تاکید فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ راقم سے فرمایا۔ "ہر وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانیں۔"

ایک طالب کو ایک والا نامے میں تحریر فرماتے ہیں

"آپ کو ان اوقات میں سے جو آپ کی تعلیم سے فارغ ہوں۔ تھوڑا وقت مقرر کرکے ہر روز خواہ پندرہ ہی منٹ ہوں۔ آنکھیں بند کرکے اپنے آپ کو خدا کے سامنے سمجھکر گویا ہم دیکھ رہے ہیں۔ تصور کیجئے کہ ہم خدا کے سامنے ہیں۔

دوسرے گرامی نامہ میں اس کی مزید تشریح فرماتے ہیں۔

"اس مراقبہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو ایمان ہے۔ وہ عملاً نمایاں ہو۔ اب آپ آگے بڑھیں۔ اب یہ کوشش کیجئے کہ نمازوں میں قائم ہو۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ نیت کرتے وقت دل میں یہ توجہ کیجئے۔ کہ بندہ اب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے۔

اسی طالب نے ایک مرتبہ لکھا کہ " اللہ تعالیٰ کی قربت تو اس مراقبہ کی وجہ

سے سائنس سے بھی زیادہ نزدیک معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں"، تو تحریر فرمایا

"جب انسان اللہ تعالیٰ کو ایسا حاضر و ناظر یقین کرتا ہے، تو اس سے ضروری اعمال صالحہ کی بجا آوری میں سستی کیونکر ہو سکتی ہے، وہ جب یقین کر لے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں، اور ہم سے قریب ہیں تو اس کو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ اس حالت اور اس عنایت کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کیوں ہو، اگر پھر بھی حالت نہ بدلے تو موت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور یہ سوچنا چاہیئے کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ایک ایک کا جواب دینا ہے۔ اس وقت بندہ اپنی کوتاہی کا کیا جواب دے گا۔ اور پھر دنیا کی دولت و ثروت جس کی محبت میں انسان گرفتار ہے۔ کیا کام آئے گی۔ اس وقت صرف اعمال صالحہ کام دیں گے۔ اس سے خدا کا خوف پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔"

مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم کو تحریر فرماتے ہیں:-

"کسی وقت کو مقرر کر کے اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی کے مضمون کو سوچا کیجیئے۔ اس تفکر کا اصطلاحی نام مراقبہ ہے۔ اس تصور کا اثر اعمال پر پڑے گا۔ اور ہر عمل پر اس حیثیت سے نظر پڑنے لگے گی کہ سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ اب حق و باطل، صحیح و غلط اور جائز و ناجائز پر غور کرنے کا رُخ بدل جائے گا۔ اور ہر عمل کے وقت

دل کو ٹٹولنے لگیں گے کہ میرے عمل کا قلبی مقصد کیا ہے۔ اس سے
حسن نیت پیدا ہوگا۔ اور حدیث شریف کی یہ حکمت کھل جائیگی۔ الا ان
فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلّہ واذا فسدت
فسد الجسد کلّہ۔ کیا یہ بدعت ہے؟ غور کیجئے اور ہو سکے
تو عمل کیجئے"

ایک طالب نے پوچھا کہ "اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور آپکی ذات عالی پر یقین اور حسن ظن کی کیفیت میں کس طرح ترقی ہوگی" حضرت شیخ قدس سرہٗ نے جواب میں ارقام فرمایا۔ "اسطرح کہ آپ ہر روز کسی خاص سکون کے وقت میں تھوڑی دیر اس کا مراقبہ کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں اور ہر وقت ہم کو دیکھ رہے ہیں"

ایک صاحب نے استفساراً لکھا:۔

"اکثر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایمان اپنا بہت کمزور ہے جو پختگی و رسوخ ہونا چاہیئے وہ نہیں ہے۔ اسلئے نماز و ذکر وغیرہ میں جان معلوم نہیں ہوتی اور جو معاصی ہو جاتے ہیں ان کا سبب بھی یہی کمزوری معلوم ہوتی ہے، حصولِ تقویتِ ایمان اور اس کی حلاوت کیلئے کیا تدابیر اختیار کیجائیں۔"

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:

"صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے عیانی یقین کی کمی ہے آپ تنہائی میں کسی وقت خاص میں کم از کم آدھ گھنٹہ باوضو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے پہلے استغفار کریں ۱۲ مرتبہ، پھر ۱۲ مرتبہ درود پڑھیں پھر

یہ مراقبہ کریں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے پاس ہیں۔ آپ کی ہر آواز اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں۔ اور آپ کی ہر حالت دیکھ رہے ہیں۔ اگر آدھ گھنٹہ کا وقت نہ ملے تو دس (۱۰) منٹ پندرہ (۱۵) منٹ جس قدر وقت ہو سکے اس کو مقرر کر لیجئے۔"

اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر جاننے کا

نتیجہ

کیفیت احسان و حضور

اللہ تبارک وتعالیٰ کے حاضر وناظر جاننے کے دائمی دھیان کا نتیجہ احسان و حضور کی وہ کیفیت ہے۔ جو خاصانِ الٰہی کا سرمایۂ تسکین ہے ؎

قربِ بے غیبت نماز عاشقاں ۔۔۔ فی صلوٰۃٍ دائمون آرزوست
خوش نمی آید نماز بے حضور ۔۔۔ فی صلوٰۃٍ خاشعون آرزوست
می برد بے تابیٔ دل کو بکو ۔۔۔ بر درت صبر و سکونم آرزوست
بسکہ وز دیدہ نظر بر من فگن ۔۔۔ نشترِ زخم درونم آرزوست
(سید الملۃؒ)

حضرت شیخ ہیؒ کا ایک اور شعر ہے

حاصل ہے کیفیت ہر وقت حضوری کی ۔۔۔ آ دل میں مرے چھپ جا اے صورت جانانہ

جب اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا مراقبہ پختہ ہو جاتا ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ کا دھیان رسوخ حاصل کر لیتا ہے تو خود بخود حضور و احسان کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تحسین عمل کے جذبہ سے اعمال میں حسن و خوبی اور صدق و کمال پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" مرتبہ احسان یہ ہے۔ کہ اعمال اس طرح ادا ہوں جیسے مزدور مالک

کے حضور میں کام کرتے ہیں۔"

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے کا یقین اس طرح چھا جائے کہ گویا وہ بالکل سامنے ہیں اور وہ ہمارے کام کو غور سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم اس کی بجاآوری میں کوتاہی تو نہیں کرتے، اس اذعان کا اثر یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دھیان کی نعمت نصیب ہوگی دوسرے اعمال کو سنوار کر ادا کرنے کی کوشش کیجائیگی، کہ مالک کے سامنے مزدور کام کو بگاڑا نہیں کرتے۔ حضرت الشیخؒ ایک دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:-

"(حدیث احسان کا) صحیح (ترجمہ) یوں ہے ' اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اُس سے دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اُس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔"

اب خواہ ہم بادشاہ کو دیکھ رہے ہوں۔ یا بادشاہ ہم کو دیکھ رہا ہے؛ دونوں کا حاصل ایک ہے۔ کہ ہم اپنی نماز کو پورے خضوع، آداب اور انہماک کے ساتھ ادا کریں (تذکرہ سلیمان ص۲۱۷)

مراد یہ ہے کہ اپنی عبادت کو خوب سنوار کر تمام حسن وکمال اور ظاہری وباطنی احکام وآداب کے اہتمام کے ساتھ انجام دیں۔ کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کو گویا عیاں دیکھ رہا ہو۔ یا اس کا یقین واستحضار ہو کہ اللہ تعالیٰ خلوت وجلوت ہر حالت میں مجھے دیکھ رہے ہیں۔ وہ شخص عبادات وجملہ احکام کی بجاآوری میں ذرہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرے گا۔ اور اپنی ظاہری وباطنی جملہ صلاحیتوں کو اپنی پوری قدرت وطاقت کے ساتھ عبادت کی تکمیل' اس کے حسنِ ادا اور اسے باحسن الوجوہ

پورا کرنے میں صرف کر دے گا۔ جیسا کہ حدیثِ احسان کی تشریح میں امام نوویؒ نے وضاحت کی ہے (صحیح مسلم مع شرح نووی ص۲۸ ج۱) اور حدیث کیفیتِ احسان کا نام ہی بقول حضرت تھانویؒ اس لئے 'احسان' ہے کہ اس سے عبادت میں حسن و کمال پیدا ہوتا ہے۔

مرتبہ احسان کی اس دوگونہ تاثیر و دلکشی کا اندازہ عارفِ صادق یا عبدِ کامل ہی کر سکتا ہے۔ کہ عبادت کی تکمیل سے عنایاتِ رب اسکی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور کیفیت احسان سے اسے حضور اور دھیان کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے جس کی کیف انگیزیوں کے بیان سے نطق گنگ اور قلم عاجز ہے۔

'مرتبۂ احسان' کی تشریح حضرت والا قدس سرہٗ نے ایک جگہ یوں ارقام فرمائی ہے :-

"مرتبۂ احسان' اصطلاح حدیث نبوی ہے۔ جس کے معنٰی یہ ہیں کہ عبادت اس طور سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا دل میں پورا استحضار رہے کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں یا یہ کہ میں انھیں دیکھ رہا ہوں۔ (تذکرہ ص۵۱۲)

یہ کیفیت احسان ایک نعمت ہے اس لئے حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ کیفیت احسان گاہے گاہے بھی میسّر آئے تو بہت ہے۔ اس پر شکر کیجئے، اور ترقی کی دعاء مانگا کیجئے۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ہے :-

"حضورِ قلب کا حصول ذکر و شغل کی ترقی کے ساتھ ہوتا جائیگا۔ انشاء اللہ، قلب کو افکار سے خالی رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس میں

نورِ الٰہی بھر سکے " (تذکرہ ص۲۷۲)

حضور کی کیفیت کا دوام بھی کم خوش قسمتوں کو نصیب ہوتا ہے حضرت والاؒ نے ایک صاحب کو لکھا۔

"جس قدر بھی حضور نصیب ہو وہ شکر کے قابل ہے۔ دوامِ حضور کم کسی کو نصیب ہوتا ہے۔"

لیکن اس کمی سے سالک کو ہمت پست نہ کرنا چاہیئے۔ اور استقامت سے اپنے کام میں لگا رہنا چاہیئے۔ جو کچھ عطا ہوا اس پر شکر ادا کرنا چاہیئے، لیکن بعض بندگانِ خاص ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قرب و حضور کی دائمی دولت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت شیخؒ قدس سرہٗ ایک گرامی نامے میں کسی طالب کو ارقام فرماتے ہیں،

"دائم حضوری بھی انشاءاللہ تعالیٰ کبھی حاصل ہوگی۔ لیکن اس وقت بھی جو کچھ حاصل ہو جاتی ہے۔ شکریہ کے قابل ہے۔ شکر سے نعمت کی زیادتی ہوتی ہے۔"

معیت الٰہی | یہی احسان و حضور کی کیفیت راسخ ہو کر عارف کو قرب و معیتِ الٰہی کے دھیان سے شادکام رکھتی ہے۔ اس کا دل مناجاتِ الٰہی میں مشغول اور کیفیاتِ سرمدی میں مخمور رہتا ہے اور بس یہی دل چاہتا ہے کہ ع

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

حضرت شیخؒ کا شعر ہے:۔

سجدہ میں جہاں سر ہے گویا کہ ترا در ہے
کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش

ایک سفر کے دوران میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت بیماری کی وجہ سے پژمردہ سی تھی، عصر کا وقت تھا۔ جس جگہ قیام تھا وہاں ملاقاتیوں کا ہجوم تھا، احقر نے حضرتؒ کے آرام کے خیال سے عرض کیا، اگر خواہش ہو تو کچھ دیر باہر سیر کے لئے چلا جائے، طبیعت تازہ ہوا سے شگفتہ ہو جائے گی۔ اس کے جواب میں دلبرانہ تبسم کے ساتھ ارشاد فرمایا:۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درا
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن درا

حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"معیت اور قرب تام کا یہ مطلب نہیں۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی گود میں جا بیٹھتا ہے۔ بلکہ یہ حال ہے جو اہل دل ہی جانتے ہیں۔"

معیتِ الٰہی کے حصول کیلئے ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"اب آپ کو 'اللہ معی' کا مراقبہ شروع کرنا چاہیئے ...... یعنی "اللہ معی" کا تصور کہ ہر وقت وہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمارے قریب ہے۔ اسکے مضمون پر غور کیا جاتے اور اسکے مناسب آیات کا استحضار رہے جیسے وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ، وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ، یا وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ اور وَلَا تَخْفَىٰ عَلَيْهِ خَافِيَةٌ اور وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ اور نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ اور أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ اور أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ـــــ اسی کیفیت کا رسوخ اصل روح ہے۔ جسکا طریقہ ذکر اور شغل۔"

مسئلہ معیت الٰہی کے متعلق مولانا محمد ادریس صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"مسئلہ معیت الٰہی میں تین قسم کی آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ ایک میں بدلالت قرینہ معیتِ رحمت و نصرت مقصود ہے جیسے :۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰہُ مَعَکُمْ، لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وغیرہ

اور دوسری وہ آیتیں ہیں، جن میں معیت علمی مقصود ہے۔ وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ، وَمَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ وغیرہ

تیسری وہ آیات ہیں جن میں اطلاق ہے۔ جیسے اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ، وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ـــ

اب سوال یہ ہے۔ کہ ان آیات میں کونسا قرب اور معیت مراد ہے ایک گروہ معیت علمی کی آیتوں کے قیاس پر ان سے معیّت و قرب علمی سمجھتا ہے۔ جیساکہ قرآن پاک کی ان آیتوں کا منشاء ہے ۔ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ، اِنَّ اللّٰہَ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا، وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا،

اور بعض صاحبوں نے لغت پر اعتبار کر کے قرب و معیت ذاتی

کو مراد لیا، لیکن چونکہ قرب و معیت ذاتی کے ماننے پر بعض اشکالات
پیش آتے ہیں اور وحدۃ الوجود (؟ واجب الوجود) کے بجائے بہتوں
نے وحدۃ الوجود کا عقیدہ اختیار کر لیا۔ اس لئے متکلمین نے قرب و
معیت ذاتی سے انکار کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب 'مبداء و معاد'
میں اس معیت کو متشابہات میں قرار دیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ
معیت و قرب کا اجمالاً عقیدہ رکھا جائے اور اس کی تفصیل و تشریح کے
پیچھے نہ پڑا جاتے۔" (ماہنامہ صبح صادق لکھنو ماہ جون ۱۹۵۲ء ص ۱۴، ۱۵)

بات یہ ہے کہ کنہ ذات کا ادراک ناممکن اور اس کا دھیان و تصور محال ہے
کہ وہ ذات عالی وراء الورا ہے۔ اس لئے عارفین نے کہا ہے :-

کلّ ما خطر ببالك فهو هالك
والله اجل و اعلى من ذلك

نیز ؎
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

حضرت والا قدس سرہٗ کا شعر ہے ؎
آتے ہو تصور میں بھر بھر کے نئے روپ
ان سب سے پرے سمجھیں تم کو تو یہ ایمان ہے

غرض بقول حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ ،

" وہ تو ہر چیز سے وراء الوراء ہیں "

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کی قرب و معیت کا دھیان بے تکیّف اور بے چوں اور بے چگوں ہوگا ۔ عارف رومی کہتے ہیں :-

اتّصالے بے تکیّف بے گمان و بے قیاس

ہست ربّ الناس باجانِ ناس

حضرت والا قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں :

" تصور ذات کا نہیں ہوتا ، اس کی صفات کا ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا تصور کیجئے " (تذکرہ ص۵۸)

مراقبات

سلوک کی جان اللہ تعالیٰ کا ایمان اور ان کی صفات کا دھیان ہے جیسا گذر چکا۔ صفات الہیہ سالک کیلئے قوت وطاقت کا ایک لامتناہی و بے نہایت خزینہ ہے۔ ہر صفت اپنی خاص تجلّی میں سالک کیلئے اپنا مخصوص اثر رکھتی ہے۔ اس کا انعکاس سالک کے قلب وروح کو رنگین بناتا ہے۔ اور مختلف امراض باطنی کا ازالہ اور فضائل قلبی کا حصول صفات کے استحضار و دھیان سے ہوتا ہے۔ اسلئے اہل سلوک اور محقق مشائخ مختلف اوقات میں سالکین کو ان کے مختلف و متفاوت احوال اور استعدادوں کی بنا پر مختلف اسماء الہیہ اور صفات ربانی کے "مراقبات" کی تلقین کرتے ہیں۔ "مراقبہ" صفتِ حق کے رنگ کو اپنے میں لینے کا ایک عادی زینہ ہے۔ جو اپنی تاثیر وتاثر کی بنا پر خاص کیفیات واحوال کو وجود بخش کر "مقامات خاصہ" تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ "مراقبہ" سے قلب اس صفتِ خاص کے دھیان کا خوگر بن جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس صفت کا استحضار اسکا حال بن جاتا ہے۔ اور اس صفت کی تجلّی کا تاثر قلب میں سما کر "یقین و ایمان" کی "زیادت" کا سبب بن جاتا ہے۔

غرض مراقبات ازدیادِ ایمان، اور اذعانِ صفات کے حصول کا ذریعہ اور استحضار و دھیان حق کی کلید ہیں۔ فضائل کے حصول اور رذائل کے ازالہ کیلئے ممدّ و معین ہیں۔

"مراقبہ کا لفظی ترجمہ" نگرانی یا نگہبانی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْباً بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان (نگران) ہے

اور اصطلاح میں بقول حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ :۔

"حق تعالیٰ کی ذات و صفات یا کسی مضمون کا دل سے اکثر احوال میں یا ایک محدود وقت تک اس غرض سے کہ اس کے غلبہ سے اس کے مقتضا پر عمل ہونے لگے، تدبّر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور مواظبت کے ساتھ رکھنا 'مراقبہ' کہلاتا ہے۔ جو اعمالِ مقصودہ قلب میں سے ہے۔"

اسی کی اصل اس حدیث میں ہے۔ جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کو تلقین فرمائی تھی کہ:۔

احفظ اللّٰہ یحفظک احفظ اللّٰہ تجدہ أمامک ۔ (الدر المنثور للسیوطی ج۲ ص۶۱ بحوالہ احمد، ترمذی، عبدابن حمید، ابن مردویہ، البیہقی)	اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھ وہ تیری حفاظت و دھیان رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو دھیان و توجہ میں رکھ اسے اپنے سامنے پائیگا۔

مراقبات میں ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حاظر و ناظر ہونے کے مراقبہ کو اہمیت دیتے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں "صفات الٰہی کا استحضار اور ان سے استفادہ" کی تحت تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے۔

مراقبات کی افادیت کے مزید اظہار و وضوح کیلئے حضرت سیّدی قدس سرہٗ کی تحریروں سے چند مراقبات نقل کرتا ہوں۔

فنائیت و تواضع کا حصول سلوک کے مقاصد مہمّہ میں سے ہے۔ اس کا حصول اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظمت و جلالت کے مراقبہ اور دھیان سے میسّر آتا ہے۔

حضرت سیّدی قدّس سرّہٗ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"اپنے کو مٹانا یہی ہے۔ کہ اپنے کسی کمال کو اپنا ذاتی نہ سمجھا جائے۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا بلا استحقاق بندہ سمجھا جائے اور اپنے کسی عمل کو مؤثر مستقل نہ سمجھا جائے، دل میں کبر و نخوت و عجب باقی نہ رہے۔ یہ حاصل ہوتا ہے اپنے ضعف اور بیچارگی کے تصور اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کے استحضار سے۔"

ایک دوسرے خط میں ہے :۔

"تواضع کی کیفیت کی کمی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے مراقبہ سے دور ہو گی۔"

ایک سالک کو لکھتے ہیں :۔

(اپنے کو ہیچ سمجھنے وغیرہ کی) یہ کیفیت بھی اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کے استحضار سے یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

خشیت ربّانی جو دین کی بنیادی چیزوں میں سے ہے وہ بھی عظمت الٰہی اور جلالت خداوندی کے استحضار کا ثمرہ ہے۔ حضرت والا قدّس سرّہٗ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں :

"(خشیت الٰہی کیلئے) اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت پر نظر رکھی جائے ..... اور (اس سلسلے میں) خشیت الٰہی کے مضامین اور آیات پڑھا کریں۔"

اسی طرح گناہوں سے احتراز بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کے دھیان و مراقبہ سے نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت سیدی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کے اس مغالطہ کے جواب میں کہ ـــــــ " جب معصیت کا خیال پیدا ہوتا ہے تو ساتھ ہی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ خیال بھی ہوتا ہے۔ کہ اگر گناہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائینگے ـــــ اس سے گناہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور خشیت کم ہوتی ہے۔ ـــــ ارقام فرماتے ہیں:۔

" اللہ تعالیٰ کی قہاری اور جباری کا تصور کیجئے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کے معاف کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ وہ چاہے معاف کرے نہ کرے۔

اور گناہ پر اصرار ایسا گناہ ہے جس سے صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

(اس تصور اور مراقبہ سے گناہ کا جذبہ انشاء اللہ مضمحل ہو جائے گا) "

انہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔

" ایسی حالت میں (یعنی جب گناہ کا خیال پیدا ہو) فوراً عذاب الٰہی کا تصور کیجئے کہ دوزخ کی آگ دھک رہی ہے۔ اور ہم اس میں پڑا چاہتے ہیں۔ یا موت اور قبر کا تصور کیجئے۔ سب مزہ کرکرہ ہو جائے گا۔ نیز یہ مراقبہ کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ "

لا الٰہ الا اللہ کا ذکر و مراقبہ تو گویا ذات باری سے استفادہ کی چابی ہے یہ کلمۂ، کلمہ معرفت، و کلمہ عبدیت سب کچھ ہے، اسلئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ غفلت سے دوری غیر اللہ سے بے خوفی اور ماسوا سے بے نیازی اور گوناگوں روحانی فوائد کے حصول کیلئے اس کلمہ کے ذکر و مراقبہ کی تلقین اس کے معانی کے استحضار کیساتھ فرماتے تھے۔ ایک سالک کو لکھتے ہیں:۔

"ماسوا سے بے نیازی کیلئے لا الہ الا اللہ کا ذکر و مراقبہ اس کے معنیٰ کے استحضار کے ساتھ کافی ہے...... اس (غیر اللہ سے بے خوفی) کیلئے بھی یہی ذکر کافی ہے۔ اس کے معنیٰ کا استحضار چاہیئے۔ (یاد الٰہی کے دوام کیلئے ابھی یہی ذکر ہے۔ اس کی کثرت غفلت کو دور کر دیتی ہے۔"

مسلمان کی قوت و طاقت کا منبع بھی قادر مطلق کی صفتِ قدرت کا استحضار ہے۔ اور اسی سے توکل اور اعتماد الٰہی میں جان پڑتی ہے حضرت والاؒ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"مسلمان کی قوت اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد سے ہے۔ قادرِ مطلق کی قدرت کا استحضار رکھیئے ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اور اَنَّ الۡقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا کا مراقبہ کیجئے اور عمل خیر میں عجلت فرمائیے اور شر سے بچنے میں قوت دیکھائیے اور کسی غیر مسلم طاقت کے سامنے اظہار حق سے نہ گھبرائیے"

فکر آخرت کے پیدا کرنے کیلئے ایک طالب کو یہ مراقبہ تجویز فرمایا :۔

"آیت ہے ۔ "گھاٹے میں وہ ہیں جو قیامت کے دن گھاٹے میں ہوں گے" اس کا استحضار رکھا کیجئے۔ اور سمجھئے کہ یہ ظاہری زندگی فانی اور آنی اور اصل زندگی اور غیر فانی زندگی آخرت کی ہے "

ایک اور مکتوب میں ہے :۔

"یہی مجاہدہ ہے کہ باوجود دلکشی و دلفریبی کے پھر دل کو روکا جائے اور دنیاوی جاہ و حشمت کو گو وہ ایک معنیٰ میں اگر بلا سعی مل جائے نعمت ہے مگر اس میں دل نہ لگایا جائے۔ آپ ایسے موقع پر اُن کے فانی و زائل ہونے کا تصور کر لیا کریں۔ اور سمجھیں کہ ان سب کا جنازہ سامنے رکھا ہے

اور ان کے نعیم کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور وہ لاجواب ہو رہے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر مختلف استعدادیں اور قوتیں ودیعت فرمائی ہیں۔ اہل باطل ان قوتوں کا بے محل استعمال کر کے انہیں ضائع کر دیتے ہیں اور اہل حق اسے مواقع خیر، جائز مصارف اور صحیح نہج پر صرف فرما کر اسکا اصل فائدہ حاصل کرتے ہیں اور نعمت الٰہی کو برمحل استعمال کر کے اسکا حق و شکر ادا کر دیتے ہیں۔ "مراقبہ" اور 'دھیان' کی قوت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ جس کا مقاصدِ حسنہ کیلئے استعمال اس قوت میں بھی جلا دیتا ہے۔ اور ان مقاصد کے حصول میں معین و مددگار بن کر اپنی افادیت ثابت کر دیتا ہے۔ اور نتائجِ مراقبات کئی باطنی فوائد و مزایا کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

ایک سالکِ صادق کے اس اشکال کے جواب میں کہ ———

"حق تعالیٰ کی تجلّیات اور.... وارد شدہ کیفیات سب 'تصوری' 'ذہنی' معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے کوئی اپنے آپ کو ہپناٹائز (Self hepnotized) کرے تو جس نہج کا تصور باندھے گا۔ اس قسم کی کیفیات وارد ہوں گی۔"

——— حضرت والا قدّس سرّہٗ نے کیا بصیرت افزا اور سرمہ بنیش جواب ارقام فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

"یہ شبہ بالکل صحیح ہے۔ اسی لئے یہ انوار و تجلّیات جن کو عام طور پر انوار و تجلیات کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ نفسانی افکار ہیں۔ اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اسی عملِ نفسیاتی کے ذریعہ بعض علمائے نفسیات

بیماری کا ازالہ اور صحت کا حصول کرتے ہیں۔ اور اسی نفسیاتی اصول سے صوفیہ امراضِ باطنی کا علاج کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرتے ہیں۔ اب جس طرح پہلے یہ طے کیا جا چکا ہے۔ کہ صحت اچھی چیز ہے اور بیماری بری چیز ہے۔ اور بیماری کو دور اور صحت کا حصول اس تدبیر نفسیاتی سے کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اسی طرح مشاہدہ واستحضار ربانی کی کیفیت جس کے حصول کا مطلوب ہونا الگ دلیل سے ثابت ہے اس کیلئے یہ نفسیاتی طریق کار اختیار کیا جاتا ہے اور اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اس طریق میں عموماً جو مشاہدات ہوتے ہیں وہ ذہنی ہی افکار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام نقشبند (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ) کا یہ فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے:۔

"کہ آنچہ دیدہ شود و دانستہ شود ہمہ غیر خدا است"

بحمداللہ کہ یہ حقیقت آپ پر ظاہر ہو گئی۔ غرض اصلاً یہ مشاہدات وتصورات مطلوب نہیں، یہ تو بطور تدبیر ہیں۔ اصل ان کے نتائج ہیں یعنی صحت۔" (تذکرہ سلیمان ص۶۱۵، ص۶۱۶)

وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود

راہِ سلوک میں بعض سالکین پر احیاناً صفاتِ حق کا استحضار ایسا غالب ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بعض اسماء کی تجلّی اس وضوح و عظمت سے ہوتی ہے کہ موجودات، صفات کے پردہ میں چھپ جاتی ہیں۔ مخلوق، صفت خلق، میں گم ہو کر رہ جاتی ہے اور "کائنات کی کثرت" وصور اشکال اور انواع کا تعدد" المصور[1]، کی "تجلّی وحدت" میں پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ "تصرفات و تغیرات کونی" "فاعلیت وجود" کی نیرنگیاں اور "کائنات کے شئوں و احوال مختلفہ" "متصرفِ حقیقی کی فاعلیتِ مطلقہ کا کلی کرشمہ نظر آنے لگتا ہے"۔ تجلیات کا غلبہ، صفاتِ الٰہیہ کا غالب تأثر مخلوق کو اس کی نگاہوں سے محجوب کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی اپنی ہستی بھی اس سے پوشیدہ ہو جاتی ہے

اس غلبۂ حال میں وہ ایک سے دیکھتا ایک سے پاتا اور ایک ہی کو پاتا ہے

---

[1] فقیر پر "وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود" کا مسئلہ بفضلہٖ تعالیٰ "هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" کی یکجا تجلیٰ" سے ہی واضح ہوا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الامور و علمہٗ۔ ا م ا ا

"اس کیفیت خاص" اور "حال کی غیر اختیاری حالت" کو باختلاف اصطلاحات و احوال "وحدت الوجود" و "وحدت الشہود" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

'وحدت الوجود' کا مدعا یہ ہے کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی "موجود حقیقی متصف بکمال ہستی و موصوف بصفاتِ اصلی و ذاتی" نہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات عالی قابل توجہ و لائق شمار و التفات ہے اور باقی جملہ موجودات کی ہستی گو موجود تو ہے لیکن اس ذاتِ متعال و کامل کے سامنے ان پر ہستی کا اطلاق بھی زیب نہیں دیتا۔ کہ اس حی و قیوم موجود حقیقی کے امر و ارادہ سے جملہ موجودات کے وجود کا ظہور و بقاء و قیام ہے۔ وہ نہ چاہے تو ہمہ کا وجود آن واحد میں عدم ہو جائے اسلئے اس کے سامنے جملہ وجود مضمحل و کالعدم ہیں۔ اور ایک ہی ہستی قابل اعتبار اور اس کا 'وجود' ہی حقیقتاً وجود ہے۔ مثلاً چاند کا نور سورج سے مستفاد ہے۔ بذاتہ چاند کا کوئی نور نہیں۔ سورج ہی کا نور اسکا نور ہے۔ اسی طرح بلاتشبیہ موجودات کا نورِ وجود ذات حق سے قائم ہے۔ ذاتی و مستقل کوئی وجود نہیں۔ محض ایک ظلی و عارضی وجود ہے جو خالق و مُعطیٔ قَیُّومُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی خلق و عطا ہے اور اسی سے اسکی بقا ہے وگرنہ ہیچ و عدم، ایسا 'پادر ہوا' وجود اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظیم و جلیل ہستی کے سامنے بالکل لاشے اور ناچیز محض ہے۔ "غلبہ حال" میں جب سالک 'غیر' کے وجود کے ادراک سے غافل و عاری ہو کر ایک ہی 'وجود حق' کو پاتا اور سمجھتا ہے۔ اسے "وحدۃ الوجود" کہتے ہیں ——— لیکن اس 'غلبہ حال' کے "ادراک ناقص" سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ حقیقتاً 'وجود غیر' عدم ہے۔ گو مغلوب الحال سالک سمجھ اور دیکھ نہ سکے۔ لیکن مخلوق کا وجود (کیسا ہی ناقص سہی) بہرحال ہے۔ جس پر نصوص شاہد

اور تجربہ گواہ ہے۔ اس لئے وجودی محققین، بھی عدم عالم کے کلیتہً قائل نہین۔ جیسے انکی صوکی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے) واللہ اعلم

"وحدۃ الشہود" شہود کے ایک ہونے کو کہتے ہیں یعنی واقعہ میں تو وجود متعدد ہیں۔ مگر سالک کو ایک ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب موجودات کالعدم معلوم ہوتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب مثال دی ہے۔

مگر دیدہ باشی کہ در باغ راغ | بتابد بشب کرمکِ چوں چراغ
یکے گفتش اے مرغکِ شب فروز | چہ بودت کہ بیروں نیائی بروز
ببیں کاتشیں کرمک خاک زاد | جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بصحرا نیم | ولے پیش خورشید پیدا نیم

مراد یہ ہے۔ کہ جگنو کا وجود اندھیرے میں چمکتا دکھائی دیتا ہے لیکن سورج کی جہانتاب روشنی میں اسکی روشنی باوجود ہونے کے عدم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جن پر نور ربانی اور صفات صمدانی اپنی تجلیات کے ساتھ پرتو افگن ہوتی ہیں۔ ان کی نگاہیں خالق کے مشاہدہ میں مشغول ہوجاتی ہیں اور مخلوق ان کے لئے قابل التفات واعتنا نہیں رہتی۔ گویا ایک معنی میں غیر ان کی نگاہوں سے کلیتہً محجوب ہوجاتا ہے۔ اور وہ گو وجودِ غیر کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن حالاً ان کے لئے 'غیر' کا وجود و عدم برابر ہوجاتا ہے۔

ان تشریحات[1] سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ کہ بقول حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی) وحدت الوجود و وحدت الشہود میں اختلاف لفظی ہے۔" حقیقت بادنی

---

[1] یہ تشریحات اکثر حضرت تھانویؒ کے افادات سے مستفاد ہیں۔ م ۔ ا

تفاوت وہی ہے۔ کہ غلبہ حال میں سالک سے مخلوق محجوب ہوجاتی ہے۔ اور وہ ایک ہی وجود حق میں شاغل ہوجاتا ہے۔ اب جو ایک ہی وجود حق کو پاتا ہے۔ وہ 'وجودی' ہے اور جو ایک دیکھتا ہے وہ شہودی ہے، وحدۃ الوجود کی اصطلاح ذیز و مرد افگن ' ہے۔ اور عوام میں اس کے معنیٰ غلط مشہور ہوگئے۔ اس لئے ' وحدۃ الشہود ' کی اصطلاح کو اختیار کیا گیا۔ کہ دلالتِ معنوی کے لحاظ سے یہ اصطلاح زیادہ مناسب واحوط ہے۔

ان مباحث کا حاصل صرف اتنا ہے۔ کہ " وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود " کا مسئلہ ایک حالی کیفیت سے متعلق ہے۔ جس کی حقیقت " اہل حال " ہی سمجھ سکتے ہیں علمی و کلامی حیثیت سے اس میں زیادہ غور و خوض اور حکم جازم کرنا بقول حضرت تھانوی رح کے "سخت محل خطر و خلافِ مسلک سلفِ صالحین ہے۔ اجمالاً یہ اعتقاد تو جزم کے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ عالم پہلے ناپید تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم و ارادہ و قدرت سے پیدا فرمایا اور اسکا ارادہ و قدرت ہی کائنات کے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ باقی اس بارے میں تفصیلی مُوشگافیاں خلاف احتیاط ہیں۔

بہر حال " وحدۃ الوجود " اور " وحدۃ الشہود " ایک کیفیت حالی کا نام ہے اور یہ حال حدود کی رعایت کیساتھ دیگر ' احوال ' کی طرح بعض کے لئے مُثمر برکات و محمود ضرور ہے۔ لیکن کسی درجہ میں بھی مقصود نہیں۔ نہ ہی سلوک کا کسی درجہ میں اس حال کے علم و یافت پر مدار ہے۔ لیکن اکثر مشاہیر صوفیہ و سالکین پر یہ 'حال ' جس طرح غالب و طاری ہوا۔ اور اسکی تشریحات زبان و قلم کی قاصر تعبیرات سے ادا ہوئیں اس سے بعض طبقے اسے ہی حقیقتِ تصوف جاننے لگے۔ اور "شریعت مطہرہ"

کی نصوص کے خلاف اس کی تشریحات کرنے لگے ۔ حالانکہ 'وحدۃ الوجود' کی غیر اسلامی اور نوافلاطونی تعبیریں جو بھی ہوں۔ اسکی حقیقت صرف اتنی ہے کہ غلبہ حال میں سالک کی نگاہوں سے غیر اللہ بالکل اوجھل ہوجاتا ہے اور اس حالت کی کیف انگیزیاں اور سرجوشیاں اسے "مست ولایعقل از جام ہو" بناکر بعض اوقات سکر کی حالت میں "ناگفتنی باتیں اس سے کہلوا دیتی ہیں جو کہ نہ لائق نقل و تقلید ہیں نہ دسالک کی معذوری کی بنا پر) قابل ملامت ، ویسے بھی ذوقیات وکیفیات" کا زبان و قلم سے اظہار و بیان ممکن نہیں ہے۔ اسلئے ہمارے حضرت والا قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ :۔" وحدۃ الوجود کو تم قال سے سمجھنا چاہتے ہو۔ مگر یہ تو حال ہے جو اکثر سالکین پر طاری ہوتا ہے۔ اس حال میں غیر معدوم نہیں بلکہ محجوب (چھپ) ہوجاتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے کمال کی معرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جیسے قطرہ جب اپنی ہستی کو دیکھتا ہے تو ' انا الماء ' کہنے لگتا ہے۔ مگر جب سمندر کو دیکھتا ہے تو سمندر کے سامنے اپنا نام لینے سے بھی شرماتا ہے۔ اور اپنی ہستی کے ہونے کے گمان تک کو گم کر دیتا ہے۔" اس تشریح کے بعد سعدیؒ کے یہ اشعار پڑھے۔ ؎

یکے قطرہ باراں زابرے چکید — خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من نیستم — گر او ہست حقا کہ من نیستم
ہمہ ہرچہ ہستند از کمتر اند — کہ باہستیش نام ہستی برند

عارف رومیؒ کا شعر ہے ؎

اول و آخر توئی ما در میاں — ہیچ ہیچے کہ نآید در بیاں

غرض حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وحدۃ الوجود کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ سالکین کو کبھی ایسا حال پیش آتا ہے کہ اس کی نگاہ سے غیر اللہ محجوب ہو جاتا ہے. خود ان کا شعر ہے۔

اب مسئلہ وحدت وکثرت کو میں سمجھا   پاکر تجھے سب تیرے سوا بھول گیا ہوں

اس شعر کے متعلق راقم کے استفسار پر فرمایا ۔

"محبت کی وجہ سے عاشق کو محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا. اور ہر چیز میں وہی دکھائی دیتا ہے. یہاں بھی یہی چیز مراد ہے۔ ہر چیز کو اللہ سمجھنا یہ تو وحدۃ الوجود نہیں بلکہ وحدت کو کثرت قرار دے لینا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کو غلبۂ حال کی وجہ سے نہ دیکھے۔ وحدۃ الوجود تو یہ ہے۔"

بات صرف اتنی ہے کہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (اصطلاحات کے اختلاف) کے باوجود سالک کا ایک حال ہے۔ جو بعض صفات الٰہیہ کے دائمی استحضار و تأثر کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ سالک ان تأثرات سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ مختلف صفات وشئون الٰہی کا ظہور مخلوق سے ہٹا کر خالق کی "مختلف الوان" میں 'تجلیات' و 'فاعلیت' کو سالک پر اس طرح کھول دیتا ہے کہ مخلوق کے وجود وبقا قیام اور اس کی صور و اشکال، حوادث واحوال کوائف تغیرات کو ہر آن خالق وباری متعال سے کالعین ہوتا دیکھتا و پاتا ہے۔ وجود کے جملہ سلاسل اور کون و ابداع کی جملہ نیرنگیوں میں اللہ تبارک تعالیٰ کی فاعلیت و قدرت و دگر صفات کو جاری وساری پاتا ہے۔ اس بنا پر بعض سالکین غلبہ حال میں

"محبوب مخلوق" کے "التفات و تذکرہ" تک کو گم کر دیتے ہیں۔ "وحدۃ الوجود" کی یہ کیفیت گو محمود ہو، مقصود اس لئے نہیں کہ مطلوب توحید تنزیہی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی صفات و شئون کا بھی کامل استحضار اور اس کی فاعلیت و تاثر کاملہ کا بھی ہر چیز میں مشاہدہ ہو لیکن "مخلوق" کا وجود "محبوب" و پوشیدہ نہ ہو جائے۔ بلکہ مخلوق میں خالق کائنات کی بے چون و بے چگوں فاعلیت و صفات کا ظہور دیکھے و پائے، لیکن مخلوق کو کلیتہً گم نہ کر دے۔ بلکہ اسے مرآۃِ صفاتِ حق سمجھے اور خالق و مخلوق کا صفات الٰہیہ کے دائمی استحضار کے باوجود وہ ہی رابطہ سمجھے جو نصوص و شریعت میں وارد ہے۔ صفات و شئون کی تجلیات میں گم ہو کر بھی شریعت کی حبل المتین اس کے ہاتھ سے نہ جائے، ذات باری تعالیٰ کو ادراک و کم و کیف سے وراء الوراء سمجھے۔ اور مخلوق کے وجود کو خالق کی صفتِ خلق و ابداع و قدرت و مصوریت کا ظہور سمجھ کر اس میں صنّاع حقیقی کی صنعت گری کا مشاہدہ کرے۔ بقول عارفِ شیرازؒ

ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم — اے بے خبر لذتِ شربِ مدامِ ما

کہ عالم ہمہ اسی کی صنعت گری ہے۔ "صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ" اسی "المصور" کی "صورت گری" اور اسی "قَيُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ" سے ہر آن قائم و باقی ہے۔ گویا وجود و بقا، صورت و ابداع کا ہر ذرہ ذات باری کے صفات کے بے نہایت خزائن سے ہر آن وجود میں آرہا ہے اور "موجودات" و کائنات کو "باقی و قائم" رکھے ہوئے اور اس میں مختلف تغیرات و احوال کو وجود بخش رہا ہے بلا تشبیہ جیسے بھرے ہوئے بادلوں سے موسلا دھار بارش کے وقت لگاتار بارش کے قطرے یکے بعد دیگرے برستے رہتے ہیں۔ اسی طرح وجود کے جملہ

سلاسل، ان کی صورتیں ان کے تغیرات صفات الٰہیہ کے لاتناہی خزائن سے ہر آن بغیر کسی انفکاک کے ظہور میں آتے رہتے ہیں اور مخلوق کو تھامے اور اس کے جملہ حوادث و تغیرات کو وجود بخشتے رہتے ہیں

بہر حال وجود و ابداع کی نیرنگیوں میں صفات و شئون کا مشاہدہ خالق و مخلوق کے ربط کے شرعی بیان و ایضاح کے مطابق ہو خالق کا اشتغال اور اس کی معرفت تنزیہ کے ساتھ ہو۔ اور مخلوق کا مشاہدہ صفات کی تجلیات میں احکام الٰہیہ کی پابندیوں کے ساتھ ہو۔ جوشِ طریقت، شوقِ حقائق، لذت و کیفیت احوال ہوشِ شریعت پر غالب نہ آجائے۔ کہ اصل "توحید" وہی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر کھولی، جو صحابہؓ نے سمجھی، اور امت کے ائمہ ہدیٰ اور سلف صالحین نے جسے بیان فرمایا

حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کی تشریح میں مولانا مسعود عالم مرحوم کو بعض تحریریں لکھی ہیں۔ جن سے اس مسئلہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے ان کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

" وحدۃ الوجود کی بحثیں تمامتر فلاسفہ و حکماء کی الٰہیات میں موشگافیاں ہیں۔ یا یوں کہئے کہ فلاسفہ کے الٰہیات کے مقابلہ کا علم کلام ہے۔ شیخ اکبرؒ۔ صدر قونویؒ رومیؒ، عراقیؒ، جامیؒ، امام ربانیؒ یعنی مجدد الف ثانیؒ، افضل المحققین (یعنی شاہ ولی اللہ صاحب حسبِ اصطلاح صاحب طبقات) ان سب کی الگ الگ آراء ہیں یا مختلف تعبیرات ہیں۔ صاحب طبقات نے ان سب پر تبصرہ کیا ہے۔

اور یہ ثابت کیا ہے۔ کہ ان سب میں صرف اصطلاح اور تعبیر کا فرق ہے حقیقت کا نہیں اور وہی عین شریعت ثابت بالکتاب والسنت بھی ہے چنانچہ طبقہ ۱۰ اور طبقہ ۲۰ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

صراط مستقیم میں امام شہید رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کو محض شدتِ عشق کا نتیجہ بتایا ہے۔ یعنی شدت عشق و استغراق سے عاشق کو ایسا نظر آتا ہے۔ جو واقعہ نہیں۔ اس عشق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ "فنائے عالم یعنی غیبت و عدم شعور بماسوائے محبوب حتیٰ کہ بنفس خود " (ص۵) اس کی تفصیل ص۱۲ میں ہے۔ کہ جس طرح لوہا آگ میں لال ہو کر انا النار پکار اٹھے۔ لیکن وسط کتاب میں بدعاتِ صوفیہ کے ضمن میں ہے:-

" وازجملۂ بدعات ملاحدہ وجودیہ کہ در خواص وعوام اشتہار یافتہ باقوال اکابر طریقت مشتبہ گردیدہ گفتگو ہائے توحید وجود الحادی است کہ بگمان اتحاد خود با خدا ازاں لذتیات نفسانی مبارزند و بتسویل شیطانی ومکر نفوس خبیثہ بیاں آں گفتگو را معارف وحقائق می پندارند الخ ص۱۴۵ "

(مکاتیب سید سلیمان ندوی ص ۱۲۸-۱۲۹)

دوسرے مکتوب گرامی میں ان ہی کو تحریر فرماتے ہیں :-

" وحدۃ الوجود کے باب میں آپ نے کئی دفعہ پوچھا، وحدۃ الوجود کی کئی تشریحات ہیں۔ اور ان کے اختلاف معنیٰ کے بنا پر حکم بدل جاتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک وہ ہے۔ جس کو جاہل صوفیہ مانتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خالق ومخلوق میں فرق اعتباری رہ جاتے ہیں اور ہر مخلوق کو دعوائے خالقی ہو جائے سو یہ تمامتر کفر ہے اور اسکا ماخذ

تو افلاطنیت معلوم ہوتی ہے اور ہندؤں کا فلسفہ بھی اسی قبیل کا ہے۔

ہندوستان میں یہ مسئلہ[1] مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی روایت کے مطابق آٹھویں صدی میں آیا۔ ورنہ حضرات چشت کے کلام میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین سنجری سے لیکر حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ تک کے ملفوظات میں اسکا ذکر یاد نہیں آتا۔ مجدد الف ثانی۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب، مولانا اسماعیل شہید وغیرہ وحدۃ الوجود یا وحدۃ شہود کی جو تشریح کرتے ہیں۔ اس کا مقصد مسئلہ قیومیت کی تفصیل ہے۔ "اَنْتَ قَیُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ" حدیث صحیح میں وارد ہے۔ اور اس کی تشریح برمذاق وحدۃ الوجود یہ ہے کہ ساری مخلوقات اپنے وجود و بقا میں ہرآن اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ جسطرح وہ اپنے خلق میں محتاج تھی۔ انتم الفقراء سے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری حقیقت فقر محض ہے۔ اور 'اللہ ھو الغنی' سے ظاہر ہے کہ وہی غنی ہے۔ فقر کے دوسرے معنی عدم کے ہیں۔ ہماری حقیقت عدم ہی ہے جس میں وجود یا کسی صفت کی نیرنگی اسی ذات غنی کی صفات کے ظلال ہیں ظل کی حقیقت عدم ہی ہے۔ عدم نور کا نام ظل ہے۔ تاہم کسی ظل کا وجود اصل کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسلئے ظل کا وجود اپنی ذات میں ہم معنی عدم ہے۔ لیکن اصل کے پرتو سے وجود کا ایک وہمی نقش پالیتا ہے۔ یہ ان حضرات کا وحدۃ الوجود ہے گو ہمارے نزدیک حضرت مجدد صاحبؒ کا یہ مسلک اخیر مسلک نہیں، اخیر مسلک وہی وحدت تنزیہیہ ہے جس پر شرع وارد ہے۔ کما فی المکتوبات' ہمارے حضرت کے یہاں

---

[1]: فقیر کے سامنے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ "وحدۃ الوجود کو پہلے پہل سہروردی حضرات ہندوستان لائے حضرت ذکریا ملتانی وغیرہ۔" واللہ اعلم۔ (اشرف)

وحدۃ الوجود کا تصور ایک حالی کیفیت ہے۔ جس کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت و جلالت اتنی چھا جائے کہ ساری مخلوقات اس کی نگاہوں سے چھپ جائیں۔ جیسے آفتاب کے طلوع سے سارے ستارے چھپ جاتے ہیں۔ مگر معدوم نہیں ہو تے جیسے مجنوں کا یہ قول ؎

تمثل لی لیلیٰ بکل سبیل

جس وحدۃ الوجود کو ہم نے فلاسفۂ افلاطونی کا خیال کہا ہے یا ہندوؤں سے ماخوذ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ ذات الٰہی ہی پھیل کر عالم بن گئی ہے۔ جیسے انڈا ہی پھٹ کر چوزہ بن جاتا ہے جو ایک رباعی میں خیام کی طرف منسوب ہے۔

حق جان جہاں است و جہاں جملہ بدن　　ارواح و ملائکہ حواس ایں تن

افلاک و عناصر و موالید اعضا　　توحید ہمیں است و دگر ہا ہمہ فن"

اِن مباحث و اقتباسات سے اس مسئلہ کی حقیقت اور حضرت والا کا مسلک پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ وحدۃ الوجود محض ایک کیفیت حالی کا نام ہے جو گو مقاصدِ سلوک میں نہیں لیکن راہ سلوک کے راہیوں کی ایک 'حالت' ہے جس میں محبت و عظمت و جلالتِ ربّ اتنی چھا جاتی کہ غیر اللہ نظروں سے چھپ جاتا ہے۔ لیکن اسکا یہ مقصد ہرگز نہیں۔ کہ غیر معدوم ہو جاتا ہے۔ یہ 'حالت' دگر احوال کی طرح بعض افراد کیلئے مفید و مثمر برکات تو ہو سکتی ہے۔ لیکن مقصود توحید تنزیہہ ہے دگر ہیچ۔ (واللہ اعلم)

ایک مکتوب میں ایک ناقد کو لکھتے ہیں۔ "مولانا رومیؒ اور مولانا جامیؒ وغیرہ کی نسبت جو کچھ خیالات آپ نے ظاہر کئے ہیں باوجود اس کے کہ میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ میں انکی عامیانہ تشریح کا قائل نہیں۔ تاہم ان بزرگوں کی نسبت زبان درازی ناپسند کرتا ہوں۔" ★

فنا و عبدیت

فنائے تام و عبدیت کاملہ جو طریق کی غایت قصوی ہے اور جس کا درس[1] ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ کی بارگاہ سے ان الفاظ میں ملا تھا کہ :-

"ہم نے جو کچھ دیکھا، سنا اور پڑھا ہے۔ اس کا مقصد اپنے کو مٹانا ہی سمجھا ہے"

وہ بھی اسی توحید کاملہ کا ثمرہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کی جلالت و عظمت چھاتی ہے تو اپنی ہستی کے گمان سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ اپنے ہیچ در ہیچ اور محتاج ولاچار ہونے کا ایقان اور ہر خوبی و وجود کا ان ہی کی ذات سے ہونے کا یقین غالب و مستحضر ہو جاتا ہے۔ نگاہوں میں وہی سما جاتا ہے۔ دل اسی کے جلوؤں سے مسرور اور اس کی رضا و لقا کے جذبات سے معمور ہو کر مخلوقات کو گم کر دیتا ہے۔ اسوقت بندہ اسی کی قوت سے دیکھتا ہے۔ اسی سے چلتا ہے اسی سے سنتا ہے۔ اسی سے بولتا ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں اسے جمالِ ازلی اور نورِ سرمدی کا پرتو نظر آتا ہے۔ حضرت شیخ نے ایک

---

[1] حضرت مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے راقم سے تذکرہ کیا تھا کہ جب سیدی و مولائی حضرت شیخ مولانا تھانوی کی خدمت اقدس میں تشریف لے گئے تو رخصتی کے وقت سید صاحبؒ نے فرمایا حضرت کچھ نصیحت کیجئے۔ مولانا نے فرمایا "میں اتنے بڑے عالم و فاضل کو کیا نصیحت کر سکتا ہوں۔ سید صاحبؒ

بقیہ حاشیہ دوسرے صفحہ پر

مرتبہ اپنے کو مٹانے کی تشریح ان الفاظ میں ارقام فرمائی تھی۔

" اپنے کو مٹانا یہی ہے کہ اپنے کسی کمال کو اپنا ذاتی نہ سمجھا جائے بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا بلا استحقاقِ بندہ سمجھا جائے، اور اپنے کسی عمل کو مؤثر مستقل نہ سمجھا جائے، دل میں کبر و نخوت و عجب باقی نہ رہے۔ اور یہ حاصل ہوتا ہے اپنے ضعف اور بیچارگی کے تصور اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے استحضار سے۔"

ایک خط میں تحریر فرمایا،

"تواضع کی کیفیت کی کمی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے مراقبہ سے دور ہوگی۔"

ایک سالک کے اس حال کی اطلاع یابی پر کہ "عمل ہیچ معلوم ہوتا ہے۔ منافقت اور ریا تقریباً ہر عمل میں محسوس ہوتی ہے اس وجہ سے انجام کا بڑا خوف ہے۔" حضرت والا قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا،

"یہ کیفیت بھی اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بے نیازی کے استحضار سے

کا نرم و پاکیزہ دل یہ الفاظ سن کر گداز ہوگیا اور آپ آبدیدہ ہو گئے، حضرت مولانا تھانوی پر بھی سید صاحبؒ کے اس تاثر سے رقت طاری ہوگئی اور ارشاد فرمایا "ہم نے جو کچھ دیکھا، پڑھا اور سنا ہے اسکا مطلب فنا و عبدیت ہی سمجھا ہے۔" میں نے حضرت شیخؒ (سید صاحب) سے ایک مرتبہ استفسار کیا تھا، کہ آپ کی پہلی ملاقات مولانا تھانویؒ سے کس طرح ہوئی تھی، فرمایا "بڑی مدت سے خدمت میں حاضری کا خیال تھا، مگر ہمارے احباب اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک سفر میں لاہور کی واپسی کے بعد بغیر اطلاع کے میں حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ رخصتی کے وقت حضرت والا (مولانا تھانویؒ) نے ارشاد فرمایا۔ "ہم نے جو کچھ دیکھا، سنا اور پڑھا ہے، اس کا مقصد اپنے کو مٹانا ہی ہے۔ (اشرف)

یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس سے مایوسی نہ پیدا ہو۔ کہ وہ کفر ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رحمت و مغفرت کا نیک گمان رکھا جائے۔" (تذکرہ ص۲۸)

ایک طالب نے اپنے ارادہ کو ذاتِ حق کے ارادے میں فنا کر دینے کا ذکر کر کے پوچھا یہ اخلاص کے منافی تو نہیں۔ حضرت سیّدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا:۔

" ارادہ کی یہ فنائیت اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ ارادہ کی فنائیت یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ کو مؤثر نہ جانے، بلکہ مؤثر صرف مشیئت الٰہی کو سمجھے باقی ارادہ تو فنا نہیں ہوتا جب تک بندہ ارادہ نہ کرے کوئی فعل ہی نہیں ہو سکتا۔"

ایک والانامہ میں لکھتے ہیں:۔

" آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر جو حالات لکھے ہیں۔ وہ سب محمود ہیں اور ان پر حق تعالیٰ کا جو محسن حقیقی ہے۔ اکثر شکریہ ادا کیجئے، ورنہ ذرا سا غرور تکبّر اور اپنے نفس کی طرف نظر رکھنے سے سارا کیا کرایا خاک میں مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شرور سے محفوظ رکھیں۔ ہمیشہ تواضع، صغر نفس اور فنا کا حال غالب رہے اور ہر وقت یہ سمجھے کہ جو کچھ ہے وہ اس بے استحقاق پر محض ان کا کرم ہے۔ ورنہ کچھ نہیں ہے۔"

ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں:۔

" مکائد نفس بہت دقیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں، تواضع اور فنائے ذات کی راہ پیش نظر رہے ...... فنائے نفس کیلئے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا کی دعا مفید ہے۔ اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا سب سے بہتر ہے۔ اسکا ہمیشہ اور ہر کام میں خیال رہے۔ اور اپنے عیوب پیش نظر

رہیں اور اُنکی اصلاح کا خیال غالب، اور اس باب میں اپنے نفس کے مکائد پر نظر رہے۔"

دوسرے مکتوبات میں انہیں کو مزید تاکید فرماتے ہیں:۔

"...... اپنے میں شکستگی، افتقار، تواضع پیدا ہونی چاہیئے...... بڑی چیز یہ ہے کہ اپنے پر نظر بڑائی کی نہ پڑے دکہ) یہ راستہ مردودیت کا ہے۔ اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْن۔ ہر حال میں تواضع اور فنا پر نظر رہے۔ تمام ذمائم امراضِ قلب کو ایک ایک کر کے دفع کرنے کی کوشش کی جاتی رہے"

ایک طالب کے احوال کا جواب ان الفاظ میں تحریر فرمایا:۔

"بے شبہہ یہی بات ہے، ہمارے اعمال پوست ہی پوست ہیں۔ انسان جسقدر ترقی کرتا ہے۔ اپنے احوال واعمال متوقع مراتب سے کم نظر آتے ہیں اور یہی صحیح حال ہے۔"

ایک مرتبہ فرمایا:۔ "احساس نقص نقصان کی بات نہیں، احساس کمال نقصان کی بات ہے، بلکہ احساسِ نقص تو ترقی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔"

ایک گرامی نامے میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"اصلاح کامل تو کسی زمانہ میں بھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ جیسے جیسے کمال کی طرف آدمی بڑھتا ہے۔ اس کے نقائص اور زیادہ اس پر واضح ہوجاتے ہیں، مگر بندہ کو چاہیئے کہ اپنی کوشش میں لگا رہے۔"

حضرت شیخؒ کا ایک شعر ہے ؎

جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

اِس شعر کے متعلق فرمایا تھا۔ کہ یہ شعر اہلِ علم اور مولوی حضرات کیلئے ہے۔"

ایک مرتبہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ ایک دن نماز کے بعد مولانا نے مقتدیوں کی طرف منہ کر کے ارشاد فرمایا۔ "جب سے اللہ تعالیٰ نے میری اس دعوت کو فروغ دیا۔ مجھے اپنے اوپر استدراج کا خطرہ ہے۔ اس لئے سب بھائیوں سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا فرمائیں۔"

ہمارے حضرتؒ نے یہ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ "ہمارے بزرگ بڑا بننے کو ابتلا سمجھتے تھے کہ کہیں پول نہ کھل جائے۔"

حضرت والا نور اللہ مرقدہ پر فنا و عبدیت کا جس قدر غلبہ تھا، اس کا کچھ ہلکا سا اندازہ شاید مندرجہ ذیل واقعات سے ہو سکے۔

راقم نے حضرت شیخ قدس سرہٗ سے ایک مرتبہ تنہائی میں پوچھا۔ کہ حضرت بزرگوں سے فیض کس طرح حاصل کیا جاتا ہے۔ میرے سوال کا منشاء حضرت شیخؒ نے یہ سمجھا۔ کہ میں بزرگی کی نسبت انکی طرف کر رہا ہوں۔ جس سے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو گیا، اور بے اختیار زبانِ مبارک سے نکلا۔ "یہ تو انانیت ہے لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ" اور ارشاد فرمایا، "آپ کا کیا مطلب ہے۔ میں نے پھر عرض کیا۔ فرمایا: "جو بزرگ ہوں ان سے فیض حاصل کرنے کے متعلق حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ بتایا تھا، پھر اسکی تصریح فرمائی، اس طرح گویا اپنے متعلق بزرگی کے ادنیٰ گمان تک کو

برداشت نہیں فرمایا۔ فقیر سے فرماتے تھے " جس کے خیال میں اپنی بڑائی کا گمان آئے وہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے دائرے سے خارج ہے (اللّٰهم اعذنا من شرور انفسنا) پھر یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان - ۲) اور فرمایا مختال سے یہی مطلب ذہن میں آتا ہے۔

راقم نے ایک مرتبہ اپنی دوری و مہجوری کا ذکر کر کے عرض کیا کہ حضرت اس خادم کی غرض بھی وہی ہے جو آپ نے اپنے شیخؒ کے سامنے پیش کی تھی '

دیر سے آیا ہوں ساقی دور سے آیا ہوں میں   ہو عطائے خاص مجھ کو جو عطائے عام ہے

ارشاد فرمایا۔ "یہاں کیا رکھا ہے اللہ ہی اللہ ہے۔ یہاں خود پیغمبری وقت پڑا ہوا ہے۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ پشاور تشریف لائے، راقم نے عرض کیا، حضرت کسی چیز کی تو ضرورت نہیں۔ ارشاد فرمایا۔ " جی ہاں ایک چیز کی ضرورت ہے۔ عرض کیا ارشاد ہو۔ فرمایا، " نجات "

ایک مرتبہ درِ دولت پر حاضری ہوئی، حضرت کمرہ میں تشریف رکھتے تھے، میں نے آنے کی اطلاع کی۔ آواز سن کر فرمایا آجایئے۔ اندر گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت والاؒ پر ہیبت کا غلبہ ہے رنگ زرد ہے اور زبان مبارک سے یہ کلمات نکل رہے ہیں۔ " بڑی پٹائی ہوگی، بڑی پٹائی ہوگی"۔ میں گھبرا گیا کہ کہیں مجھ کو تو نہیں سنایا جارہا ہے۔ لیکن شیخؒ محاسبہ کے عالم میں تھے۔ اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے " پوچھا جائیگا۔ ہم نے جو علم دیا تھا۔ اسے تو نے اپنے لئے استعمال کیا "

سچ ہے جتنا علم الٰہی بڑھتا ہے۔ اتنی ہی خشیت بڑھتی ہے۔ چنانچہ سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ " انا اعلمکم باللّٰہ و اخشاکم للّٰہ "

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ " اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا "
اگر کوئی طالب حضرت کے احسانات و برکات کے متعلق کچھ لکھتا تو فوراً اپنی بے مائگی اور ہیچ میرزی کا اظہار فرما دیتے ۔ کسی نے لکھا :۔ " ہر وقت نظر کرم کا طالب ہوں " ۔۔۔ جواب میں تحریر فرمایا :۔۔۔

" میری نسبت آپ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ صرف آپ کا حسنِ ظن ہے ۔ باقی ہیچ ہے ۔ ممکن ہے کہ آپ کی طلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو واسطۂ محض بنا کر آپ کو بیش از بیش عطا فرمائیں ۔"

حضرت سیّدیؒ دار منزل کے کمرہ میں عموماً صوفے پر بیٹھتے تھے ۔ باقی حضرات بھی اسی طرح صوفوں یا کرسیوں پر بیٹھ جاتے تھے ۔ حضرت کے خدام میں سے ایک صاحب صوفی ادریس صاحب ہمیشہ زمین پر بیٹھتے ۔ ایک مرتبہ فقیر صوفے پر اور صوفی ادریس صاحب زمین پر بیٹھے تھے ۔ کہ ایک صاحب آئے ، اور صوفی صاحب کو دیکھ کر زمین پر بیٹھ گئے ۔ اس لئے میں بھی صوفہ چھوڑ کر نیچے بیٹھ گیا ۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہم دونوں کو دیکھ کر نیچے بیٹھ گئے ۔ اور مزاحاً فرمایا :۔

" آپ مجھے گورو بنانا چاہتے ہیں ۔ "

حضرت والاؒ سے فقیر کا تعلق گو ۱۹۴۳ء سے تھا ۔ خط کے ذریعے بیعت بھی ہو چکی تھی ۔ لیکن ملاقات کی سعادت آپ کی کراچی تشریف آوری کے بعد ۱۹۵۰ء میں حاصل ہوئی ۔ سینہ سے لگایا اور فرمایا :۔۔۔

" آپ نے خواب دیکھا تھا ۔ ہم آ ہی گئے "

پھر فرمایا :۔۔۔

"بہتر ہے کہ پہلے ملاقات نہ ہوئی ورنہ میرے عیوب آپ پر ظاہر ہو جاتے۔ ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے میرے عیوب اسے عرصہ پوشیدہ رہے۔"

پھر جامی کا شعر پڑھا ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

بن دیکھے کی محبت اچھی ہوتی ہے۔ عیوب کا پتہ نہیں چلتا۔"

حبِ الٰہی و خشیتِ ربانی

سلوک عشق و محبت کا راستہ ہے۔ اس کی ہر منزل محبت کی شعلہ سامانیوں سے ہی طے ہوتی ہے۔ محبت کا بیج یومِ الست قلبِ انسانی میں بویا گیا تھا۔ سلوک کے مجاہدات سے اسکی آبیاری ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت ہی وہ سرمایہ ہے جو سالک کے مردہ دل میں جان ڈالتا ہے۔ آتشِ محبت ماسوا کے تصورات کو مٹا کر "جلوۂ جانانہ" سے ہم کنار کرتی ہے۔ اور داغ محبت وہ چراغِ طور ہے جس کی تجلیاں عارف کے دل کو تاباں و درخشاں رکھتی ہیں۔ اگر محبت نہ ہو تو دل اور پتھر میں کوئی فرق نہیں۔ اسلئے حضرت رحمہ اللہ محبت و خشیت الٰہی کی بڑی تلقین فرماتے تھے۔ ایک خط میں مولانا مسعود عالم ندویؒ کو لکھتے ہیں:-

"آپ کے اس دوسرے خط نے مجھے بہت بامید بنا دیا ہے۔ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ وہابیوں کی خشکی آپ پر ایسی غالب آگئی ہے کہ عشق و محبت کی گنجائش آپ کے دل میں نہیں رہی ہے۔ الحمدللہ کہ میری یہ غلطی آپ کی نسبت آج جاتی رہی۔ میرا ایک پرانا شعر ہے۔

اظہار کرکے عشق و محبت کے راز کو　　پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج (مکاتیب ص۴۱)

ایک مرتبہ فرمایا:—

"محبت الٰہی اور خشیت تو دین کی بنیادی چیزیں ہیں۔ محبت اللہ تبارک و تعالیٰ کے احسانات میں غور و فکر کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر کسی جابر و قاہر سے خوف کھانے کی طرح نہیں۔ بلکہ اپنے اعمال کے بدلہ ملنے کا اندیشہ ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ ' لا لی ولا علی ' حالانکہ تمام امت ان کے کارناموں پر رطب اللسان ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا:—

"اللہ تعالیٰ عزّ کا خوف سانپ بچھو کے خوف کی طرح نہیں۔ بلکہ محبوب کی ناراضگی کے خیال کی طرح ہے۔"

اگرچہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذاتِ باکمال اپنی دلستانیوں کی بنا پر سالک کے لئے سراپا جمال و محبت ہے۔ مگر جلال الٰہی کا تصورِ عشق کو ان حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جو مجازی اور فانی محبتوں کا خاصہ ہے۔ بلکہ محبت الٰہی خشیت ربانی و تقویٰ کے ساتھ مقرون ہوتی ہے کہ سب سے بڑے عاشق ربانی، حبیب باصفا، محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:—

اما واللہ اِنّی لاتقاکم للہِ — خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ

واخشاکم لہ — اللہ کا لحاظ کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں

...ن لئے معرفتِ الٰہی حضرت حق کی بارگاہ قدس میں جرات و دلیری نہیں سکھاتی.
بلکہ خشیت و عبدیت کی تعلیم دیتی ہے. حضرت الشیخ قدس سرہٗ فرماتے تھے:۔

"محبت کی دوگونہ کیفیت (کا مقصد ہونا) اس آیت سے بھی مفہوم ہے
"قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ." اللہ تعالیٰ سے رجا عمل کے ساتھ
جمع ہوتی ہے. بغیر عمل رجا نفس کا فریب، شیطان کا دھوکہ اور کید ہے.
عمل کرتے ہوتے لرزاں و ترساں رہے. کہ نہ معلوم قبول ہو یا نہ قبول ہو.
والدین کی نافرمانی کرتے ہوئے ان کی مہربانی اور محبت کی امید رکھنا
حماقت ہے۔

حضرت والا قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:۔

"اپنے کام میں لگے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے خشیت و محبت کی دوگونہ دولت
طلب کیجئے، ایمان کی حقیقت انہیں دونوں کے بیچ میں ہے. والہانہ
جذبہ گو لذت بخش ہو، مگر مقصود نہیں، مقصود وہ محبت ہے، جسکا
نتیجہ اتباع و اطاعت ہو. یہ دعائے ماثورہ اِس کے لئے ہے:۔
"اللّٰھم اِنّی اسألك حبّك وحبّ من یحبّك وحبّ عمل یقرّب الی
حبّك"؛ — جوش و خروش کی کمی کی فکر نہ کیجئے. کام میں لگے رہیئے.
اور اصلاح و تربیت کی دھن میں لگے رہیئے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ کے سوا
دل سے ہر چیز کی محبت فنا ہو جائے اور لا اِلٰہ الا اللہ کی تکمیل ہو.....
قلب میں خشیت الٰہی اور محبت الٰہی کے دوگونہ جذبات کا ظہور ہو،

اور جوارح سے ہمیشہ احکام الٰہی کی تعمیل اس کی رضا کی خاطر ہو۔"

ایک سالکِ صادق و مسترشد خاص کو تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر آپ کو اپنے اعمال حسنہ کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سراب ہیں تو ایسا سمجھنا اس بنا پر ہے۔ کہ آپ کو ان میں چمک دمک اور لطف اور تڑپ نہیں محسوس ہوتی۔ جو نتیجہ ہے محبت طبعی اور محبت عقلی میں فرق نہ کرنے کا، محبت طبعی بہیمی چیز ہے۔ جس کے آثارِ ظاہرہ حیوانات تک میں محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن محبتِ عقلی میں کمالِ سادگی ہوتی ہے۔ اور اسکا منشاء صرف طلبِ رضائے دوست اور اس کے حکم کی تعمیل ہے، اس لئے آپ کے دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ یہ کچھ نہیں ہے، ہاں یہ نتیجہ اس طرح ظاہر ہو۔ کہ دوست کی رضا معلوم نہیں حاصل ہو یا نہیں، اسکا علاج یہ ہے۔ کہ اس کا دوسرا رخ بھی سامنے رہے۔ اور وہ رجاء کا رخ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اُمید بھی رکھنی چاہیئے۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ قبول ہی فرمائے جائینگے ایمان ان دونوں کیفیتوں کے درمیان ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا منشاء ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائیگا۔ کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی نہیں ؟ فرمایا مجھے بھی نہیں لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، —— اس کیفیت کو 'ہیبت' کہتے ہیں۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے :- "(خوف و رجاء کی) دونوں کیفیتیں درست ہیں۔ ایک خوف ہے اور دوسری رجاء، اور ایمان دونوں کے بیچ میں ہے عین خوف کی حالت میں رجاء ہو اور رجاء کی حالت میں خوف۔"

خشیت کے بارے میں دعائے ماثورہ ہے۔ اللّٰھم اِنّی اسئلک من خشیتك ما تحول به بيننا وبين معاصيك :- (اے اللہ تجھ سے میں ایسی خشیت

چاہتا ہوں جو ہمارے اور تیرے گناہوں کے درمیاں حائل ہو جائے)۔

گویا خشیت مطلوبہ وہ ہے۔ جو گناہ سے انسان کو روک دے، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی۔ کہ وہ غلبۂ خشیت مطلوب نہیں جو انسان کو اعمال سے معطل کردے اسی طرح وہ خوف بھی پسندیدہ نہیں جو اعمال خیر پیدا نہ کرسکے، کہ وہ نام خشیت ہے بحقیقت خشیت نہیں۔ حضرت سیدی نوراللہ مرقدہ ایک سالک کے بعض احوال کا جواب ارقام فرماتے ہوئے اس حقیقت کو واضح فرماتے ہیں:۔

"مبارک کہ یہ خشیت بنیاد ہے۔ اس خشیت کی جس کا اثر یہ ہے کہ بندہ گناہوں سے باز رہتا ہے۔ اور جس کے لئے دعاء مانگی جاتی ہے۔ اگر خشیت یہ اثر پیدا نہ کرے۔ تو وہ صرف کیفیت نفسی ہے جو مطلوب نہیں ــــ آثار رحمت کا یہ اثر جس کا نتیجہ رجاء ہے یہ بھی مطلوب ہے کہ 'الایمان بین الخوف والرجاء' اور وہ آپ کو حاصل ہے۔ گو احساس نہیں اگر ایسا ہوتا تو خشیت سے افاقہ نہ ہوتا۔"

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ محبت و خشیتِ الٰہی کے دوگونہ جذبات کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں خدا کی محبت و پیار کے ساتھ اس کے خوف و خشیت کو بھی جگہ دی ہے۔ غور کرو۔ انسان میں کاموں کے محرک دو ہی جذبے ہوتے ہیں۔ خوف اور محبت، یہ دونوں جذبے الگ الگ بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ایک ساتھ یا آگے پیچھے بھی، ان دونوں جذبات کے لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ ادعائے محبت کا نتیجہ ناز، تبختر اور کبھی کبھی گستاخی اور کبھی اپنے مہربان و محبوب پر غایت اعتماد کی بنا پر نافرمانی بھی ہے، اور ظاہر ہے

کہ جذبہ محبت کے ان لوازم اور اثرات کا انسداد صرف خوف کے جذبہ سے ہو سکتا ہے۔ اس لئے خالق و مخلوق کے درمیانی رابطہ کی تکمیل نہ تنہا خوف سے ہو سکتی ہے اور نہ تنہا محبت سے، بلکہ ان دونوں کے اشتراک، امتزاج اور اعتدال سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اور یہی نبوت محمدی کی تعلیم ہے۔ اسلام..... نے (یہودیت، عیسائیت کی افراط و تفریط کے برعکس) اسی نقطہ اعتدال کو ملحوظ رکھا ہے...... وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاہر بھی ہے اور رحمٰن و کریم بھی۔ وہ منتقم اور شدید العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی، وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے اور پیار بھی کرتا ہے، خفا بھی ہوتا ہے اور نوازتا بھی ہے۔ اس سے ڈرنا بھی چاہیئے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیئے۔

..... وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا	اور اسکو (اسکے عذاب سے) ڈرتے ہوئے
اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ	اور (اسکے فضل و کرم کی) لو لگاتے ہوئے
الْمُحْسِنِيْنَ۔ (اعراف - ۷)	پکارا کرو۔ بیشک خدا کی رحمت اچھے کام کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔

چند نیک بندوں کی مدح میں فرمایا :۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ	وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہم کو
وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا (انبیاء - ۶)	امید اور ڈر کے ساتھ پکارتے تھے۔

اس سے پر لطف بات یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈراتا تو ہے مگر اس کو جبار اور قہار کہکر نہیں، بلکہ مہربان اور رحیم کہکر، چنانچہ خدا کے سعید بندوں کی صفت یہ

...الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰس - ۱)	اور رحم کرنیوالے سے بن دیکھے ڈرا،
...الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ . ق - ۲)	جو رحم کرنیوالے سے بن دیکھے ڈرا،

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبان اس مہربان کے جلال کے سامنے گنگ ہے۔

وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ   اور رحم والے کے ادب سے تمام

(طٰہٰ - ٦)   آوازیں پست ہوگئیں۔

دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے وہ دو قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ، دوسرے وہ جو محبتِ الٰہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ایسی ہستی بھی آئی، جو ان دونوں صفتوں کی برزخِ کبریٰ، جلال و جمال دونوں کا مظہر اور پیار و ادب دونوں کی جامع تھی۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الٰہی سے اشک بار رہتی تھیں اور دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور رحم و کرم کے سرور سے سرشار رہتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظر آپؐ کے چہرہ انور پر لوگوں کو نظر آجاتے تھے......

رحمتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خوف اور محبت کے کناروں سے ہٹا کر جہاں سے ہر وقت نیچے گرنے کا خطرہ ہے، خوف و خشیت اور رحم و محبت کے بیچ کی شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء، ـــــ ایمانِ کامل خوف اور امید کے درمیان ہے۔ کہ تنہا خوف لوگوں کو خدا

کے رحم وکرم سے نا امید اور محض رحم وکرم پر بھروسہ ان کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا ہے جیسا کہ اس عملی دنیا کے کاروبار میں نظر آتا ہے۔ اور مذہبی حیثیت سے اس کے نتائج کا مشاہدہ عملاً یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ان دونوں متضاد کیفیتوں کو ایمان اور عقیدہ کی رو سے برابر کا درجہ دیا، لیکن ساتھ ہی عاجز و درماندہ انسانوں کو بھی بشارت سنائی، کہ خدا کی رحمت کا دائرہ اس کے غضب کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے، فرمایا۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ — اور میری رحمت ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے

(اعراف - ۹)

اور اس کی تفسیر خود صاحب قرآن علیہ السلام نے ان الفاظ میں کی۔

رحمتی سبقت غضبی — میرے غضب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی۔

(بخاری)

________ (رحمت و رافت، محبت و پیار کے انہیں جذبات کے اظہار کیلئے اسلام نے خالق کا اسم ذات جو تجویز کیا۔ وہ بھی انہیں معانی پر دلالت کرتا ہے کہ) "ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے ...... ہر قوم نے عَلَم اور نام کیلئے اسی وصف کو پسند کیا ہے۔ جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہے۔"

حب الٰہی اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ

ل حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو شعر ہیں جس میں یہی تعلیمات منظوم ہو گئیں ہیں ؎

تو محبت میں قدم حدِ ادب سے باہر نہ رکھ — وہ ہمہ خوبی و محبوبی سراپا ناز ہے

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے انکو — مجال ہے جو انہیں کوئی ہمکنار کرے

لفظ اللہ ہے ـــــ اللہ کے معنٰی " محبوب اور پیارے " کے ہیں جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات سرگرداں، متحیر اور پریشان ہے حضرت مولانا فضل رحمٰنؒ گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے ' اللہ ' کا ترجمہ وہ ہندی میں ' من موہن ' یعنی " دلوں کا محبوب " کیا کرتے تھے۔ ـــــ لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا عَلَم ...لفظ " رحمان " ہے۔ جو رحم و کرم و لطف و مہر کے معنٰی میں صفت مبالغہ کا صیغہ ہے،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا	اس کو " محبوب " (اللہ) کہو یا " مہربان "
الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ	(رحمان) کہو، جو کہہ کر پکارو سب اچھے نام
الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل - ۱۲)	اسی کے ہیں۔

اسلام میں حبِ الٰہی کا تصور .... اب ان آیتوں اور حدیثوں کو دیکھو جن سے یہ روشن ہوتا ہے۔ کہ اسلام کا سینہ اُس ازلی و ابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے۔ اور وہ خمخانہ الست کا پہلا حکم ایمان ہے۔ ایمان کی سب سے بڑی خاصیت اور علامت " حبِ الٰہی " ہے۔ اور یہ وہ دولت ہے۔ جو اہلِ ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبان الٰہی نے شہادت دی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا	اور جو ایمان لائے، وہ سب سے
لِّلّٰهِ (بقرہ - ۲)	زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں

اس نشۂ محبت پر باپ، ماں، اولاد، بھائی، بیوی، جان، مال، خاندان سب کو قربان اور نثار ہو جانا چاہیئے.........

ایمان کے بعد بھی اگر نشۂ محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادۂ حق سے سے دوری ہے...... حضرت مسیحؑ نے فرمایا " درخت اپنے پھل سے پہچانا

جاتا ہے" ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامات سے پہچانی جاتی ہے۔ تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے۔ مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی تڑپ ہے۔ نہ تمہارے سینہ میں صدمۂ فراق کی جلن ہے۔ اور نہ آنکھوں میں ہجر و جدائی کے آنسو ہیں۔ تو کون تمہارے دعویٰ کی تصدیق کرے گا۔ اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بہتیرے ہو سکتے ہیں۔ مگر اس غیر محسوس کیفیت کی مادی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی پیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (ال عمران - ۴)

"اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری پیروی کرو کہ خدا بھی تم کو پیار کرے گا"

محبت کیونکر حاصل ہو۔ وحیِ محمدی نے اس رتبۂ بلند کے حصول کی تدبیر بھی بتا دی فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ (مریم-۶)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے۔ رحمت والا خدا ان کیلئے محبت پیدا کرے گا"

اس آیت میں محبت کے حصول کے دو ذریعے بتائے گئے ہیں۔ ایمان اور عمل صالح یعنی نیک کام، چنانچہ طبقاتِ انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں۔ جن کو ان ذریعوں سے خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے ——————"

دنیا کی عیش و مسرت میں اگر کوئی خیال کانٹا سا چبھتا ہے۔ اور ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدّر اور منغّص بنا کر بے فکری کی بہشت کو فکر و غم کی جہنم بنا دیتا ہے تو وہ ماضی و حال کی ناکامیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے پہلے کا نام حزن و غم اور دوسرے کا خوف و دہشت ہے۔ غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہیں۔ جو عاجز و درماندہ انسان کے پہلوؤں میں ہمیشہ چبھتے رہتے ہیں۔ لیکن جو محبوب حقیقی کے طلبگار اور اس کے والہ و شیدا ہیں،

ان کو بشارت ہے۔ کہ ان کے عیش کا چمن زار ان کانٹوں سے پاک صاف رکھے "......

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے۔ دیکھو کہ حبیب و محبوب میں خلّت و محبت کے کیاکیا ناز و نیاز ہیں۔ آپ خشوع و خضوع کی دعاؤں اور خلوت و تنہائی میں کیا مانگتے تھے، کیا چاہتے تھے اور کیا سوال کرتے تھے؟ امام احمد اور بزاز نے مسندوں میں، ترمذی نے جامع میں حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے معجم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں محبت الٰہی کی دولت مانگا کرتے تھے۔ انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنے اہل و عیال کی جان ہے۔ لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں ہیچ تھیں۔ دعا فرماتے تھے خداوندا

أسئل حبك وحبَّ من يحبّك	میں تیری محبت مانگتا ہوں۔ اور جو تجھ
وحب عمل يقرب الى حبك۔	سے محبت کرتا ہے اسکی محبت اور اس کام
(احمد، ترمذی، حاکم)	کی محبت جو تیری محبت سے قریب کردے۔
اللّٰهمّ اجعل حبّك احبَّ إلىّ	الٰہی تو اپنی محبت کو میری جان سے،
من نفسی واهلی ومن الماء	میرے اہل و عیال سے ٹھنڈے پانی
البارد (ترمذی وحاکم)	سے بھی زیادہ میری نظر میں محبوب بنا۔

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے۔ لیکن حضور کی پیاس اس مادی پانی کی خشکی سے نہیں بجھتی تھی۔ وہ صرف محبتِ الٰہی کا زلالِ خالص تھا جو اس تشنگی کو تسکین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں۔ مگر ایک عاشق الٰہی (مسیح) کا قول ہے کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا" پھر وہ کونسی روٹی ہے جس کو کھا کر انسان کبھی بھوکا نہیں ہوتا۔ حضور دعا فرماتے ہیں:-

اللّٰھم ارزقنی حبّک وحبّ — خداوند! تو اپنی محبت اور اسکی محبت جو
من ینفعنی فی حبک (ترمذی) — تیری راہ میں نافع ہو روزی کر،

عام ایمان خدا اور رسول پر یقین کرنا مگر جانتے ہو کہ اس راہ میں آخری منزل کیا ہے
صحیحین میں ہے۔

من کان اللّٰہ ورسولہ احبّ — یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے
الیہ مما سواھما (مسلم، بخاری کتاب الایمان) — تمام ماسوا کی محبتیں ہیچ ہو جائیں۔

جمال حق کا یہ پہلا مشتاق، اور مستور ازل کے زیر نقاب چہرہ کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری مرحلوں میں ہے۔ مرض کی شدت ہے۔ بدن بخار سے تپ رہا ہے۔ اٹھ کر چل نہیں سکتا۔ لیکن یک بیک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی طاقت پاتا ہے مسجد نبوی میں جانثار حاضر ہوتے ہیں۔ سب کی نظریں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف لگی ہیں۔ نبوت کا آخری پیغام سننے کی آرزو ہے دفعتہً لب مبارک ہلتے ہیں۔ اور یہ آواز آتی ہے۔ لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی برأت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، مجھکو خدا نے اپنا پیارا بنایا ہے۔ جیسے ابراہیمؑ کو اس نے اپنا پیارا بنایا تھا[1]۔ یہ تو وفات سے پہلے کا اعلان تھا۔ عین حالت نزع میں زبانِ مبارک پر یہ کلمہ تھا۔ "خداوندا! بہترین رفیق" (صحیح بخاری ذکر وفات نبویؐ)

...... محبت کا یہ پر کیف نغمہ دنیا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے سنا، تسلی وتشفی کا یہ روح افزا پیام آپ ہی کے مبارک لبوں سے ادا ہوا۔ عفو وکرم کے بحر بیکراں کا یہ ساحل امید آپ ہی کے دکھانے سے ہمیں نظر آیا......
.... صلی اللہ علیہ وسلم۔" (تفصیل کیلئے دیکھو سیرت النبی ج ۶ ص ۵۲۱ تا ص ۵۵۲)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد

محبت کی اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ راہ سلوک معرفت کے جادہ پیماؤں کو حب الٰہی سے سیراب، ان کے سینوں کو آتش عشق سے روشن اور ان کے اعمال میں اسکا اثر نمایاں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک طالب نے عرض کیا۔ "حضرت درد دل کیسے حاصل ہو" فرمایا

جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے وہ پہلے سوز سے دل کو تو داغدار کرے
ابھی تو مشق فغاں کنج میں ہزار کرے اثر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے

پھر ارشاد فرمایا:۔ محبت نہ ہونے کی حسرت بھی بڑی نعمت ہے۔

محبت تو اے دل بڑی بات ہے یہ کیا کم ہے اس کی جو حسرت ملے
یہی زندگی جاودانی بنے جو آبِ حیات محبت ملے
ترے عشق کے غم کی دولت ملے تو سارے غموں سے فراغت ملے

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ اُس کی خواہش ہو۔ تو اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے محبت خاصانِ خدا کے قلوب کا خاص نور ہے "۔

ایک مرتبہ تسبیحاتِ فاطمہؓ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"کہ 'سبحان اللہ' کا مطلب ہے۔ کہ وہ تمام کمیوں سے بری اور پاک ہے۔ 'الحمد للہ' کا مطلب ہے۔ کہ تمام محبوبیتیں اور خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے تو محبت سے جی چاہتا ہے۔ کہ چمٹ جائے۔ لیکن آگے 'اللہ اکبر' کہہ کر یہ بتایا گیا۔ کہ وہ اتنی بڑی ذات ہے کہ وہاں یہ بات ممکن نہیں۔

پاؤں تو حدِ ادب سے عشق میں باہر نہ رکھ
وہ ہمہ خوبی و محبوبی سراپا ناز ہے "

حبِ عقلی و شرعی مطلوب ہے حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ حبِ طبعی کی بجائے ایک محقق عارف کی حیثیت سے حبِ عقلی و شرعی کی تلقین فرماتے تھے۔ حبِ عقلی کا خاصّہ پابندی احکام ہے۔ اور اس کی ترقی بھی اوامرِ الٰہیہ کے ظاہری و باطنی امتثال اور اعمالِ صالحہ پر منحصر و موقوف ہے۔ طبعی محبت گو ایک نعمت ضرور ہے۔ لیکن اِسکی بقا اور مقبولیت کا انحصار بھی کتاب و سنت کے اتباع و فرمانبرداری پر ہے۔ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (آل عمران - ۱۱)	آپ کہہ دیجئے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔

ایک سالک کو لکھتے ہیں :-

"اگر آپ کو اپنے اعمالِ حسنہ کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سراب ہیں، تو ایسا سمجھنا اس بنا پر ہے کہ آپ کو ان میں چمک دمک اور لطف و تڑپ نہیں محسوس ہوتی۔ جو نتیجہ ہے محبتِ طبعی اور محبت عقلی میں فرق نہ کرنے کا۔ محبت طبعی بھی چیز ہے۔ جس کے آثار ظاہرہ حیوانات تک میں محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن محبت عقلی میں کمالِ سادگی ہوتی ہے۔ اور اس کا منشاء صرف طلبِ رضائے دوست اور اس کے حکم کی تعمیل ہے۔ (تذکرہ سلیمان صـ۶۱۳)

ایک طالب کے خط کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں :

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات ہر وقت جاری ہیں اپنے میں استفادہ کا مادہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کی صورت حضور علیہ السلام کی

محبت عقلی" ہے. جسکا مظہر اتباع احکام و سنت ہے۔"

گویا حب الٰہی ایک شجرِ طیبہ ہے۔ اور اس کے برگ و بار اعمال صالحہ ہیں یا یوں کہیئے کہ حب الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور و بقا اوامر الٰہی اور سنت نبویؐ کے ظاہری و باطنی اتباع کا صلہ و نتیجہ ہے۔ اسلئے مطلوب و مقبول عشق الٰہی اور حب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصول بغیر احکام شرعیہ کی کامل پابندی کے ممکن نہیں۔

حضرت والا قدس سرہٗ ایک طالب کو اس شکایت کے جواب میں "کہ طبعی کمزوری کی بنا پر بعض اوقات دوسروں کے اصرار کی وجہ سے لغزش ہو جاتی ہے"

تحریر فرمایا:

"کسی شخص کے کہنے سے یا اصرار سے کام کرنا اگر امرِ مباح ہے۔ یعنی شرع سے اسکی اجازت ہو، تو خیر کسی مسلمان کی خوشی کے ثواب کی نیت سے کرسکتے ہیں۔ لیکن وہ امر اگر غیر مباح اور ناجائز ہے تو کسی حال میں اس کا کرنا درست نہیں۔ لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق۔ دوسرے جس شخص کے اصرار سے آپ کرتے ہیں۔ اس کی رضا آپ کو مقصود ہوتی ہے ___ تو آیا رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہیئے یا کسی غیر کی رضا، پھر دعوائے عشق یا تمنائے عشق کے کیا معنی۔"

ایک طالب کو لکھا:

"یہ طبعی احوال ہیں۔ جو بدلتے رہتے ہیں۔ طبعی احوال پر حکم نہیں لگایا جاسکتا، ایمان کا تعلق عقلی کیفیت (سے) ہے ___ آپکی استقامت و اصلاح احوال کے لئے دعا کرتا ہوں اس سے ترقی تنزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ معمولات اور احکام الٰہی کی اطاعت اور گنا

سے پرہیز یہی اصل چیز ہے۔"

جوش وخروش جو طبعی محبت کا خاصہ ہیں۔ وہ بھی باوجود محمود ہونے کے مقصود نہیں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سالک کو لکھتے ہیں:

"ابتدائی جوش وشوق میں جو کمی ہے۔ وہ فطری ہے۔ یہ مرحلہ زندگی میں پیش آتا ہے یہ کوئی افسوس کی چیز نہیں۔ جوش وشوق ہو یا نہ ہو عمل میں کوتاہی نہ ہونے پائے، جس طرح آغازِ شباب میں عروسِ نو کے ساتھ جو شوق و جوش طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ تمکین سے بدل جاتا ہے۔ اور بجائے بوالہوسی کے دیرینہ محبت و باہمی وفاداری اسکی جگہ لے لیتی ہے۔ میرا ایک شعر ہے۔

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی
ہائے وہ تو جوش تو ہنگامۂ آغاز ہے

ایک اور صاحب کو ارقام فرمایا:

".......محبت کا اخفائے حال اور کیفیات و جذبات پر عقل کو غالب کرنا اور عقل پر حکم شرع کو غالب کرنا اصل دین ہے۔

استغراق مقصود نہیں اسی طرح استغراق بھی مقصود نہیں۔ بلکہ غلبۂ محبت کے باوجود ہوش وحواس کی بقا اور احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری مطلوب ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں:

"باقی جو آپ کی تمنا ہے کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشقِ رسولؐ ملے اور اس میں استغراق ہو جائے تو جہاں تک تمنا کا تعلق ہے مناسب ہے لیکن یہ سمجھنا کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں۔ صحیح

نہیں ہر مومن کو اسکا مرتبہ کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ اور آپ کی یہ صورت تمنا اس کی دلیل ہے۔ البتہ اس میں ترقی اعمالِ خیر میں ترقی ہی سے ممکن ہے۔ جس قدر اعمال خیر میں ترقی ہوگی۔ اور محبوب حقیقی کے احکام کی تعمیل میں ترقی ہوگی۔ اسی قدر اس مرتبہ میں ترقی ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ باقی استغراق اور انہماک کی طلب تو یہ ناسمجھی سے ہے۔ استغراق وانہماک کمال نہیں چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے پاک تھے۔ آپ غور کریں۔ کہ کسی محبوب کے احکام کی تعمیل میں دیوانہ پن اور بے خبری دلیل کمال ہے یا ہشیاری اور بیداری کمال کی دلیل ہے سنا ہے کہ انگریز سپاہی شراب میں مست ہوکر لڑتا ہے اور پٹھان پوری ہشیاری اور بیداری سے، بتائیے ان دونوں میں شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کس میں ہے۔"

ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں :-

"ابھی تک آپ کی سمجھ میں ذکر کی حقیقت نہیں آئی، اس سے مقصود محبت الٰہی کی ترقی ہے ــــ "استغراق" اور "حضور" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ استغراق، تو اس کا نام ہے۔ کہ انسان کا شعور باطل ہو جائے۔ بوجہ شدت انہماک کے تو یہ مطلوب وممدوح نہیں۔ البتہ "حضور" مطلوب وممدوح ہے۔ وہ اس کا نام ہے کہ فی الجملہ ذکر میں مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا نام ہو۔ یا قلب کی طرف توجہ یا خود ذکر کی طرف دھیان ہو، ان میں سے جو بات جس وقت اور جتنی بھی حاصل ہو جائے وہ شکر کے قابل ہے۔ کیونکہ وہ عطائے الٰہی ہے۔ اختیاری نہیں!"

حاصل یہ ہے کہ حبِ الٰہی مقصود ہے۔ لیکن جوش وخروش اور محبت کے طبعی انفعالات مطلوب نہیں۔ بلکہ اسکی عقلی وشرعی کیفیت درکار ہے۔ اور ایسی ہی محبت جو جوشِ طریقت کو ہوشِ شریعت کا تابع رکھے، روحِ سلوک ہے۔ اس محبت سے جو دل روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ سرمدی کیف ویقین سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ شکوک وشبہات اوہام واشکالات، بے یقینی وتذبذب نورِ ایمان کی روشنی سے کافور ہو جاتے ہیں۔ اسی کے متعلق عارف رومی نے کہا ہے۔ ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما　　اے تو افلاطون وجالینوس ما

کہ اللہ تعالیٰ بڑا رؤف ورحیم ہے۔ اس کے در پر جو بھی دردِ دل کی سوغات لیکر حاضر ہوتا ہے۔ نامراد نہیں لوٹتا۔ اس کا دریائے فیض تو ہر وقت جاری ہے، نگاہِ لطف تو بہانہ تلاش کرتی ہے

وہ چشمِ محبت تو جویائے محبت ہے　　دیکھیے تو ذرا کرکے اس سے کوئی یارانہ

حضرت والا ایک دل شکستہ طالب کو تحریر فرماتے ہیں۔

" مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سراسر امید ہیں وہ رؤف ورحیم ہیں۔"

ایک طالب کو جس نے اپنے حالات میں کوتاہی اور کمی کا تذکرہ کیا تھا تحریر فرماتے ہیں۔

" آپ نے اپنے موجودہ حالات جو لکھے ہیں۔ وہ بے شبہہ گذشتہ سے فروتر ہیں۔ مگر کوئی مایوسی کی بات نہیں۔ بحمداللہ تعالیٰ جب تک قلب میں اپنی کمی پستی کا احساس اور بہتر حالت وکیفیت کی طلب کا جذبہ ہے روح کی زندگی کی نشانی باقی ہے۔ اور جب تک یہ کیفیت باقی ہے۔

علاج بہت آسان اور حالات امید افزا ہیں۔

باز آ، باز آ، ہر آنچہ ہستی باز آ، ....

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ،

اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی اپنا بندہ کہتا ہے۔ اور ان کو مایوسی سے روکتا ہے۔

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ (القرآن)

اے میرے وہ گنہگار بندو! جنہوں نے اپنے جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اللہ اکبر! یہ کیسی نوید جانفزا ہے۔ بس اتنی دیر ہے کہ بندہ " استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ" پڑھکر پھر اپنا کام شروع کردے۔ پھر وہی بخشش ہوا گی۔ پھر وہی نوازشیں ہوں گی۔

غور کیجئے۔ اگر بادشاہ سے ملاقات نہ ہو، تو ایک درجہ کی محرومی ہے۔ لیکن دربار میں بار پانے کے بعد پھر وہاں سے فرار، اور کسی دوست سے دوستی بڑھاکر پھر انقطاع نہ صرف اپنی محرومی بلکہ اس بادشاہ کی ناراضی اور اس دوست کے ملال کا باعث ہے۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوا۔ کہ محبوب ازلی تو خود سراپا رحمت اور جویائے محبت ہے اگر انسان کی طرف سے معمولی کوشش بھی ہو تو توفیق خداوندی دستگیری فرماکر عطا سے مالا مال کردیتی ہے۔

ان کے کرم کے ہم نثار، انکی عطا کا کیا شمار

دیدیا عاصیوں کو بار، اپنے حریم ناز میں

وصول بذریعہ جذب ہے حضرت شیخ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے :۔

" وصول تو ہر ایک کا جذب ہی سے ہوتا ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی راہ سلوک کو پہلے طے کرتا ہے کوئی بعد میں،

انہیں کے دینے سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے

حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے کہ:۔

" بندہ اگر کوشش کرے تو وہ ہدایت کیلئے اسے خود قبول فرما لیتے ہیں جیسے بچہ اگر قدم اٹھائے اور دو چار قدم چل کر گر جائے تو ماں باپ پیار سے خود اٹھا لیتے ہیں ۔ اسی طرح اللہ میاں بھی گود پھیلائے ہوئے ہیں ۔ کہ میرا کون سا بندہ میری طرف آتا ہے ۔ کہ اسے میں اپنی رحمت سے قبول کر لوں "

ایک گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں :۔

" کام میں لگے رہیئے ۔ منزل مقصود تک تو رسائی انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ہو ہی جائے گی ۔ "

آ ہی جائیگا کبھی اس تک بھی ساقی دور جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تیری محفل میں ہے

اجتباءٔ و انابت " اجتباء " (چناؤ) کا راستہ ان کی خصوصی رحمت و عنایت کا راستہ ہے ' انابت ' کا راستہ عام سنت الٰہی ہے ۔ اس لئے بندہ کو چاہیئے عام راستے یعنی " انابت " والے راستے کو اختیار کرے ۔ تو انشاء اللہ ہدایت تو ایک دن نصیب ہو ہی جائیگی ۔ اپنا کام کوشش و سعی کرنا ہے نوازنا ان کا کام ہے

ارشاد ہے:۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ـــــ
وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ـــــ

طلب و وصول اس سلسلے میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ یہ چیز خاص طور پر فرمایا کرتے تھے کہ:ـــــ "ہم طلب وکوشش کے مکلف ہیں، وصول کے نہیں اس لئے سالک کیلئے ہمت کرکے کوشش کرلینا ہی کافی ہے۔ اس راستہ میں ہر قدم راہ بھی اور منزل بھی، ذریعہ بھی اور مقصد بھی، یعنی اپنی ہمت وکوشش سے رضائے الٰہی کی جستجو میں لگا رہے۔ اور اس راستہ میں جتنی گھاٹیاں آئیں گی وہ حصول ہی کا حکم رکھیں گی، کیونکہ سالک کا کام صرف محنت وجستجو ہے۔ حضرت والاؒ فرماتے ہیں:۔ ؎

جد وجہد دہر میں ہے ذوق وشوق لطفِ دید   حاصل ہر سعی میری سعی لاحاصل میں ہے
منزل مقصود ہے، راہ طلب کا ہر قدم   وہ سر منزل ہے جو اب تک رہِ منزل میں ہے
ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست   فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

وصول غیر اختیاری ہے بعض سالکین 'وصول' کی فکر میں ذریعہ 'وصول' سے ہی غافل ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ وصول اختیاری نہیں اور انسان غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ اس لئے کوشش کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کامل رکھنی چاہیئے وہ کسی کی محبت اور طلب کو ضائع نہیں کرتی، اور نجات کی کوئی نہ کوئی راہ نکال دیتی ہے ایک طالب نے لکھا۔" ان کی رحمت کا ہی محتاج ہوں۔ ان ہی سے امید ہے کہ اس نااہل سے کرم والا معاملہ فرمائیں گے" اس کے جواب میں سیدی حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا:ـــــ

" انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسنِ ظن ہی رکھنا چاہیئے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ

عبدی بی کا منشاء یہی ہے۔"

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، مقصد یہ تھا، کہ حب الٰہی اور خشیت الٰہی کے جذبات کے ساتھ انسان ایمان کی زیادتی اور اعمالِ صالحہ کی بجاآوری میں لگا رہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ منزل مقصود تک رسائی ہو ہی جائے گی، مگر راستہ میں منزل تک پہنچنے کی بیتابی نہیں چاہیئے۔ اور نہ وصول کو مقصد سمجھنا چاہیئے۔ ذرائع وصول یعنی ایمان باللہ اور اعمالِ صالحہ کی بجاآوری میں لگا رہے۔ وہ خود کبھی نہ کبھی شرف قبول سے نوازیں گے ع

گر نشینی بر سر کوئے کسے　　　عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

صدیقین و مخلصین تو اس کی رضا و طلب میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے ہی کو وصول و فوز سمجھتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے۔

چوتھا باب

اخلاص

از سلیمانؑ گیر اخلاصِ عمل
داں تو ندری رامنزی از دغل (حضرت تھانویؒ)

اخلاص جملہ اعمال کی جان، ایمان کی روح، عطر سلوک، مغز تصوف اور حاصلِ تقویٰ ہے۔ اس وجہ سے حضرت سیدی الشیخ الامام قدس سرہٗ علم تصوف کو علم احسان و اخلاص کے نام سے بھی موسوم فرماتے تھے۔ ایک سالک کو لکھتے ہیں۔

"حضرت (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے تصوف یعنی علم احسانُ اخلاص کا مقصود اور مدعا سمجھ میں آگیا ہوگا یہ اولین چیز ہے۔"

ہم اعمال کے مکلف ہیں۔ اور جب اخلاص کے ساتھ احسان و حضور کی کیفیت اعمال میں رچتی ہے۔ تو جملہ اعمال زندہ، پرنور، بارونق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ہمیں کوشش کرنی چاہیئے کہ ہمارے جملہ اعمال ان صفات سے مزین ہوں۔ حضرت شیخؒ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اللہ تعالیٰ اپنی توفیقات سے آپ کو بہرہ مند فرمائیں۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کو

حاضر ناظر جانیں۔ اور ہر کام اخلاص کے ترازو میں تول کر کریں۔ اخلاص کے معنی ہیں محض رضائے الٰہی کی طلب"۔ اسلئے ، ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولیٰ پر نظر رہے۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ارقام فرمایا۔

" اخلاص کے بغیر تو اعمال مردہ ہیں ۔ مگر اخلاص و ریا کی حقیقت سمجھ لیں ۔ اخلاص نام ہے ۔ خالق کی رضا کیلئے کام کرنے کا اور ریا نام ہے مخلوق کی رضا کیلئے کام کرنے کا ، اب آپ اس روشنی میں اپنے اعمال پر نگاہ رکھیں"..... نفس کا جائزہ لیتے رہیں اور حسن نیت کی کوشش میں لگے رہیں ؛

ارشاد فرماتے ہیں :۔

" فضائل وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے ہوں ، اور ایمان کے بعد ہوں ۔ یعنی جن کی بنیاد ایمان صحیح پر ہو ، اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ظاہری فضائل درحقیقت فضائل نہیں" ____ "اصل شیء احکام الٰہی کی کلی اطاعت حلال و حرام کا خیال ، معاملات میں صفائی ، اخلاق کی نزاہت ، اتباع نبوی کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے ۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں ۔ کہ یہ اصل اور باقی سب فروع و تدابیر ہیں ۔ ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے ۔ کہ طاعات و مرضیات الٰہی کا ذوق بڑھے" ..... خلق میں شہرت اور مقبولیت کی خواہش اس راہ کا کانٹا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہ ہو ..... عجب ریا اور کبر رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور یہ سالک کیلئے سخت خطرناک ہیں ۔ اس لئے

ان سے احتراز کا اہتمام نہایت ضروری ہے۔

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ارقام فرماتے ہیں:—

"بالکل صحیح آپ سمجھے کہ طلب رضا اور ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا ہی اس طریق کا حاصل ہے، اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہوجاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک کی زبان میں اسکی تعبیر یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کیگئی ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً انہی کے لئے نوید بشارت ہے۔ جزاک اللہ، خوب سمجھے، نام و نمود کی خواہش جسکا شرعی نام ریا و سمعہ ہے یہ حقیقت عمل کی مبطل ہے۔ الرّیا ھو الشرك الخفی۔ کیونکہ اعمال خیر کی حقیقت ابتغاء مرضاۃ اللہ ہے۔ اور جب اس میں شرکت ارضائے مخلوق اور طلب شہرت کی ہوگی تو شرک فی القصد ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ، اَوْكَرَمَادِنِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ ہوگا۔ اس جذبہ ریا و سمعہ کے قلع قمع کے بغیر اخلاص فی الدین پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور مخلصین لہ الدین کے سعادت مند گروہ میں داخلہ ممنوع ہوگا۔ اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ، اسی ہویٰ کے روکنے کا نام صوفیوں کی زبان میں مجاہدہ ہے۔ ونھی النفس کا اشارہ ادھر ہی ہے۔"

اسی حقیقت کا اظہار حضرت والا نے اشعار میں بھی فرمایا ہے۔

ہر عبادت نذر بتخانہ ہوتی   دل میں گر بیٹھا بت خودکام ہے

علم و دولت جاہ عزت ہیچ ہے　　گر مجھے حاصل ترا انعام ہے
جب مرا مطلوب ہے تیری رضا　　تب مجھے اوروں سے اب کیا کام ہے

ایک سالکِ صادق کو لکھتے ہیں :۔

" اللہ تعالیٰ کے پانے کے معنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے سوا کچھ اور نہیں، بندہ پر رضائے الٰہی کی طلب اور اس کے لئے سعی و محنت فرض ہے۔ لیکن اس کا حصول بندہ کے اختیار میں نہیں۔ اس لئے وہ اس کا مکلّف نہیں۔ حضرت مہاجر مکی (حاجی امداد اللہ صاحب) رحمہ اللہ کی زبان میں اس کا ڈھونڈنا شرط ہے۔ اس کا پانا شرط نہیں ہے، فرمایا ؎

ملنے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے　　پر تجھ کو چاہیئے کہ لگا دو لگی رہے

احکام الٰہی کی طاعت اور عبادت کئے جائیے۔ یہی آپ کا فرض ہے اسکی فکر نہ کیجئے۔ کہ قبول ہوئی یا نہیں ہوئی۔ گو حضرت مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق جب ایک وقت کی نماز کے بعد دوسرے وقت کی نماز کی توفیق عطا ہوتی ہے تو یہ پہلے وقت کی نماز کی قبولیت کی علامت ہے۔ اور یہی منشاء وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى کا ہو سکتا ہے۔ (تذکرہ سلیمان ص ۶۲۴ - ص ۶۲۵)

ایک صاحب نے لکھا۔ " کسی کی مدد کرتے وقت ذہن میں یہ خیال رہتا ہے کہ آج ہم کسی کی مدد کریں گے۔ تو وہ کل ہمارے کام آئے گا۔ حضرت والاؒ نے جواباً ارقام فرمایا :

" یہ تصور صحیح نہیں۔ سوائے رضائے الٰہی کے کوئی دوسرا اعتقادی تصور

نہ ہو، اسکے حصول کی صورت یہ ہے کہ پہلے زبان سے اس عمل کے کرتے وقت اس نیت کو دہرائیں۔ چند بار کے بعد محض نیت (قلبی) کرلیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ تھوڑی مشق سے یہ بات پیدا ہوجائے گی۔"

ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"(تبلیغ میں) اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کے سوا دوسرا مقصد نہ ہو۔"

ایک طالب کو ارشاد فرماتے ہیں:۔

"نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے آہستہ چلیے مگر دواماً چلیئے فائدہ کثرت میں نہیں دوام میں ہے وَاِنْ قَلَّ مگر اخلاص اور یکسوئی ضروری ہے تاکہ نفع ہو۔ (اوراد و وظائف) میں شرط یہ ہے کہ اخلاص کے سوا نفس کا کوئی داعیہ شامل نہ ہو ورنہ ترک اولیٰ ہے"..... ہر عمل خیر لوجہ اللہ تعالیٰ ہو اصل یہ ہے۔"

ایک طالب جنہوں نے قدیم وجدید طبقے کے بعض اصحاب الرائے حضرات سے بعض اجتماعی دینی کاموں کے چلانے کے سلسلے میں بات چیت کی انہیں ہدایت فرماتے ہیں:۔

"خوشی ہوئی کہ آپ نے اتنی محنت کی اور جدید و قدیم اصحاب الرائے سے گفتگو اور ملاقاتیں کیں اور ان کو متفق کیا...... آپ کے اخلاص اور حسنِ نیت میں شک نہیں۔ اگر چند مخلصین آپ کو مل گئے ہیں تو خیر، ورنہ ایسے اجتماعی کاموں میں رسوم اصل کام کی جگہ لے لیتے ہیں۔"

اسی سلسلے میں ان کے ایک استفسار کا جواب تحریر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

" اگر آپ کے دل میں یہ ہو۔ کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس کام کا سنبھالنے والا آپ کو آپ سے بہتر مل جاتے تو بخوشی یہ کام اس کے سپرد کر کے اس کے تابع ہو جائیں گے۔ تو یہ اخلاص ہے ورنہ اس میں کچھ نہ کچھ حصولِ نام کو دخل ہے۔"

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ سیرت النبیؐ میں " اخلاص " کے عنوان پر کیا خوب تحریر فرماتے ہیں

" مذہب کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسان کے دل کو مخاطب کرتا ہے۔ اس کا سارا کاروبار صرف اسی ایک مضغۂ گوشت سے وابستہ ہے۔ عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات، انسانی اعمال کے ہر گوشہ میں اسکی نظر اسی ایک آئینہ پر رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مشہور حدیث میں یوں ظاہر فرمایا ہے۔"

الا وانّ فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (صحیح بخاری باب من استبرء لدینہ وصحیح مسلم باب اخذ الحلال وترک الشبہات)	ہشیار رہو۔ کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو۔ تو سارا بدن درست ہوتا ہے۔ اور وہ خراب ہو تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ ہشیار رہو کہ وہ دل ہے

دل ہی کی تحریک انسان کے ہر اچھے اور برے فعل کی بنیاد اور اساس ہے اس لئے مذہب کی ہر عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے، اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض نہ ہو۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجاآوری اور خوشنودی ہو۔ اسی کا نام اخلاص ہے۔

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم ہوتا ہے

فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ، تو اللہ کی عبادت کر خالص کرتے ہوئے

اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (زمر-۱) اطاعت گذاری کو اسی کے لئے، ہشیار

کہ اللہ ہی کیلئے ہے خالص اطاعت گذاری۔

مقصود یہ ہے کہ خدا کی اطاعت گذاری میں، خدا کے سوا کسی اور چیز کو اس کا شریک نہ بنایا جائے، وہ چیز خواہ پتھر، یا مٹی کی مورت، یا آسمان و زمین کی کوئی مخلوق یا دل کا تراشا ہوا کوئی باطل مقصود ہو۔ اسی لئے قرآن پاک نے انسانی اعمال کی نفسانی غرض و غایت کو بھی بت پرستی قرار دیا ہے۔ فرمایا:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ کیا تو نے اس کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی

ھَوٰہُ (فرقان-۴) خواہش کو اپنا خدا بنالیا ہے۔

چنانچہ اسلام کی یہ اہم ترین تعلیم ہے کہ انسان کا کام ہر قسم کی ظاہری و باطنی بت پرستی سے پاک ہو ....

..... قرآن پاک کے سات موقعوں پر یہ آیت ہے

مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ اطاعت گذاری کو خدا کیلئے خالص کر کے

اس سے معلوم ہوا۔ کہ ہر عبادت اور عمل کا پہلا رکن یہ ہے۔ کہ وہ خالص خدا کیلئے ہو یعنی اس میں کسی ظاہری و باطنی بت پرستی اور خواہشِ نفسانی کو دخل نہ ہو، اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی (لیل-۱) یعنی خدائے برتر کی خوشنودی کے سوا کوئی اور غرض نہ ہو،

انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت اور تبلیغ کے سلسلے میں ہمیشہ یہ اعلان کیا ہے

کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس میں ہم کوئی دنیاوی مزد، اور ذاتی معاوضہ مطلوب نہیں ،

وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَٰلَمِينَ ط (شعراء ۔ ۶۔۷۔۸۔۹۔۱۰۰)	اور میں اس پر کوئی مزدوری تم سے نہیں چاہتا میری مزدوری تو اسی پر ہے جو ساری دنیا کا پروردگار ہے۔

.... دنیا میں بھی اخلاص ہی کامیابی کی اصل بنیاد ہے کوئی بظاہر نیکی کا کتنا ہی بڑا کام کرے، لیکن اس کی نسبت یہ معلوم ہو جاتے کہ اسکا مقصد اس کام سے کوئی ذاتی غرض، یا محض دکھاوا اور نمائش تھا، تو اس کام کی قدر و قیمت خود نگاہوں سے گر جائیگی۔ اسی طرح روحانی عالم میں بھی خدا کی نگاہ میں اس چیز کی کوئی قدر نہیں۔ جو اس کی بارگاہِ بے نیاز کے علاوہ کسی اور کیلئے پیش کی گئی ہو۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ نیکی کا ہر کام دنیاوی لحاظ سے بے غرض و بے منت اور بلا خیال مزد و اجرت اور تحسین و شہرت کی طلب سے بالاتر ہو۔ یہ تحسین و شہرت کا معاوضہ بھی تو دین تو الگ رہا دنیا بھی اُن ہی کو ادا کرتی ہے، جس کی نسبت اس کو یقین ہوتا ہے، کہ انہوں نے اپنا کام ان ہی شرائط کے ساتھ انجام دیا ہے۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ ایک مادی جو ہمارے ظاہری جسمانی اعضاء کی حرکت و جنبش سے پیدا ہوتی ہے، دوسری روحانی جس کا ہیولیٰ ہمارے دل کے ارادہ و نیت اور کام کی اندرونی غرض و

غایت سے تیار ہوتا ہے. کام کی بقا و برکت دین اور دنیا دونوں میں اسی روحانی پیکر کے حسن و قبح اور ضعف و قوت کی بنا پر ہوتی ہے. انسانی اعمال کی پوری تاریخ اس دعویٰ کے ثبوت میں ہے۔ اس لئے اس اخلاص کے بغیر اسلام میں نہ تو عبادت قبول ہوتی ہے اور نہ اخلاق و معاملات عبادت کا درجہ پاتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر کام کے شروع کرتے وقت ہم اپنی نیت، کو ہر غیر مخلصانہ غرض و غایت سے بالا اور ہر دنیاوی مزد و اجرت سے پاک رکھیں ....

متقی بھی وہی ہوتے ہیں. جو دل کے اخلاص کے ساتھ رب کی خوشنودی کیلئے کام کرتے ہیں. ان ہی کا کام قبول ہوتا ہے. اور ان کو دین و دنیا میں فوز و فلاح بخشا جاتا ہے. ان کو خدا کے یہاں محبوبیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور دنیا میں ان کو ہر دلعزیزی ملتی ہے۔ ان کے کاموں کو شہرت نصیب ہوتی ہے. اور ان کے کاموں سے نسلاً بعد نسلٍ فیضیاب ہوتے ہیں - اور ان کے لئے رحمت کی دعائیں مانگتے ہیں ....

غرض عمل کا اصلی پیکر وہی ہے. جو دل کے کارخانہ میں تیار ہوتا ہے. اسی لئے اس بات کی ضرورت ہے. کہ ہر کام سے پہلے دل کی نیت کا جائزہ لے لیا جائے، اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ نکتہ خودبخود حل ہو جائے گا. کہ اسلام نے ہر عبادت کے صحیح ہونے کے لئے ارادہ اور نیت کو کیوں ضروری قرار دیا ہے۔"

(سیرت النبی پنجم ص۲۲۵ تا ص۲۳۱ بحذف)

اخلاص تام کیلئے ریا کا قلع قمع ضروری ہے عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ریا دکھلاوے کے عمل کا نام ہے۔ ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ "دکھلانے کیلئے عمل ریا بھی ہے اور شرک بھی۔ مگر کسی کے دیکھنے سے بچنے کیلئے نیک عمل کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔ کہ مخلوق کا خوف ترک عمل کا سبب بنا، اس لئے غیر اللہ کی خاطر کسی عمل کا ترک بھی ریا ہے۔ (میں نے شیخ کا مفہوم ومنشا لکھا ہے) اور ریا کا یہ مادہ اس وقت تک نہیں جا سکتا۔ جب تک ماسوا سے تعلق اور اس کی محبت دل سے نہ نکل جائے، جب غیر کا دھیان جاتا رہے گا۔ تو ریا وسمعہ کا جذبہ خود بخود ماند پڑ جائے گا۔ جب تک دوئی باقی ہے۔ دوسرے کا دھیان آ ہی جاتا ہے۔ کامل خلوص کامل فنا کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں

سما جا مرے دل میں ارمان ہو کر — دوئی دور کر دے مری جان ہو کر
بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں — خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کر

حضرت سید اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اسلامی اخلاق کی بحث میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں نیت یعنی قلبی ارادہ اور انسان کی اندرونی غرض وغایت کو ہر اچھے برے کام کی بنیاد قرار دیا ہے بلکہ حقیقت میں روحانی حیثیت سے کوئی کام اپنے نتیجہ کے لحاظ سے اتنا اچھا برا نہیں ہوتا، جتنا قلب کی کیفیت اور اس کی اندرونی نیت کے لحاظ سے ہوتا ہے .... نماز سے بڑھ کر کوئی نیک کام کیا ہو سکتا ہے، لیکن اگر وہ بھی فخر نمائش ریا اور دکھاوے کی خاطر سے کیا جائے تو وہ ثواب کی بجائے الٹا عذاب کا باعث ہوگا۔ اسی طرح آپ اگر کسی معذور

کی امداد اس لئے کریں۔ کہ لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔ تو اسلام کی نگاہ میں یہ نیکی کا کام شمار نہ ہوگا۔ سورۂ ال عمران میں ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا	اور جو دنیا کا بدلہ چاہے گا۔ اس کو
نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ	وہ دیں گے اور جو آخرت کا بدلہ
ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا	چاہے گا۔ اس کو وہ دیں گے۔

ایک اور آیت میں اس کی تصریح کردی گئی ہے کہ جس کام کا مقصد صرف نمائش اور دکھاوا ہو۔ اس کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں، فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا	اے ایمان والو! تم اپنی خیراتوں کو
صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى	احسان دھرکر اور ستاکر برباد نہ کرو جس
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ	طرح وہ اپنے مال کو برباد کرتا ہے
النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	جو لوگوں کے دکھاوے کیلئے خرچ کرتا ہے
الْاٰخِرِ (بقرہ۔ ۲)	اور خدا اور قیامت پر یقین نہیں رکھتا۔

اسی قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر لیکن جامع و مانع الفاظ فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات (صحیح بخاری باب اول)	انسان کے اعمال اسکی نیت پر موقوف ہیں

اور اس کی مزید تصریح کیلئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

ولکل امرئٍ مانوی فمن کانت	ہر شخص کے لئے وہی ہے جسکی وہ
ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ	نیت کرے تو جس کی ہجرت خدا اور
الی اللہ ورسولہ ومن کانت	رسول کی طرف ہے تو اسکی ہجرت

ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او	خدا اور رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت کی
امرءۃ یتزوجھا فھجرتہ الی	غرض دنیا کمانا ہو، یا کسی عورت کو پانا ہو کہ
ما ھاجر الیہ۔	اس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت
(صحیح بخاری جلد اول باب	اسی کی طرف ہے جس کی غرض سے اس
ماجاء ان العمل بالنیۃ)	نے ہجرت کی۔

الغرض عمل کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت اور ارادہ پر موقوف ہے...... حسنِ نیت نہ ہو تو (جملہ عبادات واعمال کی بربادی کی طرح۔ م۔ا) اخلاق کا بڑا سا بڑا کام بھی حسنِ خلق کے دائرہ سے خارج، دنیاوی تعریف وستائش کے حدود سے باہر اور روحانی خیر وبرکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔" (سیرت النبی ص۱۴ تا ص۱۱ ج۶ بحذف)

چونکہ اسلام میں اخلاق بھی دوسری مذہبی چیزوں کی طرح عبادت ہے اس لئے اسکی غرض وغایت بھی ہر قسم کی دنیاوی، نفسانی اور ذاتی اغراض سے پاک ہونی چاہیئے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان کاموں میں کوئی نیکی اور ثواب نہیں۔ اور نہ ان کی حیثیت عبادت کی باقی رہے گی۔ مذہبی کاموں کو چھوڑ کر، دنیاوی کاموں پر بھی نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے کام میں جسقدر اخلاص کا حصہ شامل ہوتا ہے۔ اسی قدر وہ قابلِ قدر ہوتا ہے۔ ہم کسی مہمان کی کتنی ہی خاطر کریں۔ اور اس کے نام کتنے ہی الوانِ نعمت چن دیں۔ لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے۔ کہ اس خاطر داری کی تہ میں ذاتی نفع یا ریاکاری یا نمائش یا خوشامد یا کرنے والے کی کوئی ذاتی غرض ہے۔

تو ہماری یہ تمام خاطر تواضع اور تعظیم و تکریم اس کی نگاہ میں بے قیمت ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم کسی کے سامنے اخلاص و بے غرضی کے ساتھ نان و نمک ہی رکھ دیں۔ تو اسکی وقعت و قیمت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ تو جب دنیاوی کاموں میں اخلاص اور عدم اخلاص کے یہ اثرات ہیں تو روحانی عالم میں ان کے نتائج کہاں تک ہوں گے۔ (سیرت ششم صہ ۴۹ ج-۶)

اخلاص ـــــ عمل کی غرض و غایت

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کاملہ میں نفس عمل مطلوب نہیں، بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جسکی غرض و غایت صحیح ہو، عمل قالب ہے تو صحیح غرض و غایت اسکی روح ہے۔ روح نہیں تو بے جان قالب کس کام آسکتا ہے (سیرت ششم صہ ۵) .....

(اسلئے) اسلام میں ہر قسم کے نیک کاموں کی غرض و غایت صرف ایک ہی قرار دی گئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے۔ ایک سچے مسلمان کو صرف اسی کی خاطر کام کرنا چاہیئے۔ اور اس کے سوا کسی دوسری غرض کو اپنے کام کی بنیاد نہیں بنانا چاہیئے۔" (سیرۃ النبی صہ ۵۹/۶)

" اگر ہمارے اخلاق و اعمال کی غایت خودغرضی اور کسی نہ کسی طرح کی ذاتی منفعت ہے تو وہ ثواب کی روح سے خالی ہے۔ اور اسلام کی اخلاقی تعلیم اس پستی سے بہت بلند ہے۔ بلکہ ایک مقام اسکا وہ بھی ہے۔ جہاں اسکی منزل رضائے الٰہی نہیں بلکہ خود ذات الٰہی ہو جاتی ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (بقرہ - ۳۷)

اور تم خرچ نہیں کرتے مگر اللہ کی ذات کو چاہ کر۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (رعد-۳)	اور جنہوں نے اپنے پروردگار کی طلب کے لئے صبر کیا۔
وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ، اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى - (لیل-۱)	اور جو کسی کے احسان کا بدلہ اتارنے کیلئے نہیں۔ بلکہ اپنے برتر پروردگار کی طلب کیلئے کرتا ہے

(سیرت ص۲۴۔ ج ۶)

اخلاص کیسے پیدا ہو!

جب یہ ظاہر ہو چکا۔ کہ (اسلامی اعمال و) اخلاق کی تمام تر بنا ارادہ و نیت یعنی قلب کے عمل پر ہے۔ تو قلب کی اندرونی کیفیت اور حالت کی درستی کیلئے یہ اعتقاد ضروری ہے۔ کہ کوئی ہستی ہے۔ جو ہمارے دل کے ہر گوشہ کو ہر طرف سے جھانک رہی ہے۔ ہم مجمع میں ہوں یا تنہائی میں، اندھیرے میں ہوں یا روشنی میں تاہم کوئی ہے۔ جس کی آنکھیں اُس کے دل کی تہ کو ہزار پردوں میں بھی دیکھ رہی ہیں دنیا کی تمام قوتیں صرف جسم پر حکمران ہیں۔ مگر ایک قدرت والا ہے جو دل پر حکمران ہے پھر یہ اعتقاد بھی ضروری ہے۔ کہ ہم کو اس ہستی کے آگے اپنے تمام کاموں کا جوابدہ ہونا ہے۔ اور ایک دن آئے گا۔ جب ہم کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی۔ جب تک یہ دو خیال دل و دماغ میں جاگزیں نہ ہوں گے۔ اچھے اعمال کا اچھے ارادہ سے وجود قطعی محال ہے۔ اس لئے وحی محمدیؐ نے خدا اور قیامت پر ایمان لانا، ہر نیک عمل کی بنیاد قرار دی ہے۔ کہ بے اس کے ہر کام محض ریا اور نمائش

بن جاتا ہے

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (بقرہ-۲۶)	اے ایمان والو! اپنی خیراتوں کو جتا کر یا ستا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ برباد کرتا ہے۔ جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے۔ اور خدا اور آخری دن پر یقین نہیں رکھتا۔

یہی ایمان صحیح جس سے حسن نیت پیدا ہوتا ہے۔ آب حیات کا وہ سرچشمہ جو نہ ہو تو ہمارے اعمال سراب سے زیادہ بے حقیقت ہیں ...... یہی وہ مشعل ہے جو ہماری تیرہ و تار زندگی کی روشنی ہے۔ یہ نہ ہو تو ہم کو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آئے اور اپنے کسی کام کی کوئی غایت معلوم نہ ہو ...... (کہ) جب تک کسی واقف اسرار، عالم الغیب، دانائے راز اور دل کی ہر جنبش اور حرکت سے باخبر ہستی کا اور اس کے سامنے عمل کے مواخذہ، بازپرس اور جواب دہی کا یقین نہ ہوگا۔ دل میں اخلاص اور نفس میں دنیاوی اغراض سے پاکی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور نہ بے غرضانہ بلند پایہ اخلاق (اور نیک اعمال م-ا) کا وجود ہوسکتا ہے۔ سیرۃ النبی ص ۴۹، ص ۵۰ ملخصاً

قربِ ربّانی

سلوک قربِ ربّانی کی راہ ہے۔ اس طریق کا ہر راہی قرب الٰہی ہی کا طالب اور اس کی رضا کا متلاشی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی انسان کی شاہرگ سے زیادہ نزدیک اور اس سے اس کی جان سے بھی زیادہ قریب ہے ارشاد الٰہی ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (قٓ ۔ ۲)	اور ہم انسان کے (اسقدر قریب ہیں کہ) اسکی رگ گردن (یا رگ جان) سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی قربت کا مژدہ کن کیف آگین الفاظ میں سناتے ہیں۔

اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرہ۔ ۲۴)	جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہی ہوں

عطارؒ نے کیا خوب کہا ہے

جاں نہاں در جسم و او در جاں نہاں
اے نہاں اندر جاں اے جانِ جاں

اللہ تعالیٰ کی اس قربت و نزدیکی کے باوجود بے بصیرت انسان غفلت میں گم، قربِ الٰہی سے غافل اور دنیا میں اس طرح شاغل رہتا ہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو نہ جانتا ہے نہ پاتا ہے، بقول عارف رومی

یار راہبر من نظر شد دوختہ　　حیف من دراین وآں دل سوختہ

تاہم کریم ورحیم پروردگار خود بندہ کا طالب ہے۔ اور اسے اپنی قربت کی راہیں بتاتا اور اپنی بے پایاں عنایات کا مژدہ سناتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ارشاد باری عز اسمہ ہے۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ	جو شخص میری طرف ایک بالشت آتا ہے
اِلَیْهِ ذِرَاعاً وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ	میں اسکی طرف (راضی ہوکر) ایک ہاتھ
ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعاً وَمَنْ	قریب ہوتا ہوں۔ اور جو میری طرف ایک
اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً	ہاتھ چلتا ہے۔ میں اسکی طرف کھلے ہوئے

دو ہاتھ آتا ہوں۔ اور جو میری طرف چل کر آتا ہے میں اسکی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

قربِ تعلق خاص سالکین جس قرب کے طالب ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ "رضا و عطا والا تعلق" قائم ہو جائے اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ طاعتِ دائمہ و ذکرِ پیہم والا قرب" میسر آجائے۔ جسے ہم "قربِ تعلقِ خاص" بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ بقول حکیم الامۃ امام تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

"ایک قرب تو حقیقی ہے۔ جس کا ترجمہ مل جانے سے کرلو یا ادراکِ حقیقت سے یا اسی کے ہم معنیٰ جس لفظ سے چاہو کرلو، سو قرب حقیقی تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ جسم اور مکان

سے پاک ہیں۔ تو مل جانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے اور ادراک حقیقت کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ادراک احاطہ کو چاہتا ہے۔ اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب، اور ممکن متناہی ہوتا ہے۔ اور واجب لامتناہی پھر لامتناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرب بایں معنی تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اتصال ہو جائے یا ادراک حقیقت ہو جاوے۔ اور ایک (اور قرب) قرب مجازی ہے۔ جس کا حاصل رفع یا تقلیل حجب (معرفت) ہے۔"

ایک قرب علمی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہر چیز کو حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ۔	ہم اس مرنے والے شخص سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے
یا نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۔	ہم انسان سے اس کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

ایک دوسرا قرب قرب تعلق خصوصیت ہے۔ جیسے اردو میں ہم کبھی یوں کہتے ہیں "میں پاس ہوں کہو کیا کہتے ہو۔" یعنی سن رہا ہوں، اس میں تو پاس ہونے سے قرب علمی و قرب سماع کا بیان مقصود ہے۔ اور کبھی ہم یوں کہتے ہیں۔ "کہ فلاں تو ہمارا قریب ہے" یعنی اس کو ہم سے خاص تعلق ہے، نیز کہتے ہیں کہ "تم تو دور رہ کر بھی پاس ہی ہو" یعنی تم سے ہمارے دل کو خاص تعلق ہے۔[1]

(شریعت و طریقت ص۲۴۴، ۲۴۵ بحوالہ اسلام التحقیق و تصوف سلوک)

---

[1] حضرت والا تعالیٰ قدس سرہٗ کے ارشادات معیت الٰہی کی تحت میں لکھے گئے ہیں۔ ان کا اطلاق قرب ربانی پر

غرض قربِ الٰہی سے مراد " اللہ کے ساتھ بندہ کا وہ تعلق خاص " ہے. جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضامندی حق اور انعاماتِ دائمہ کی صورت میں اور بندہ کی طرف سے ایمان کامل اور طاعات پر سبقت و مداومت " کے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے. کہ قرب و تعلق الٰہی کا راستہ صرف ایمان و طاعات کا راستہ ہے. جتنا ایمان و اعمال صالح بڑھتے جائیں گے. قرب حق میں زیادتی ہوگی. ارشاد ربّانی ہے.

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ	اور تمہارے اموال و اولاد ایسی چیز نہیں
بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰی مَنْ اٰمَنَ	جو تم کو ہمارا مقرب بنا دے، ہاں
وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ	مگر جو ایمان لاوے اور اچھے کام کرے
جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ	(یہ دونوں چیزیں البتہ سبب قرب ہیں)
فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ	سو ایسے لوگوں کے لئے ان نیک عمل کا
	دونا صلہ ہے اور بہشت کے بالاخانہ میں
(سبا-۵)	چین سے ہوں گے.

ایمان کے ساتھ طاعات و اعمال صالحہ میں سبقت و کوشش قربِ الٰہی کا زینہ ہے. قرب میں ترقی 'طاعات' میں زیادت پر موقوف ہے کہ قرب و اقربیت کے درجات طاعات کے تفاوت سے طے ہوتے ہیں. اسلئے اعمال صالحہ و طاعات کا کمال میل ایمان و دین کا ذریعہ اور قربِ خاص الخاص کا سبب ہے. ارشاد ربّانی ہے

وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ	اور (نیکی اور طاعات میں) آگے نکل جانیوالے
الْمُقَرَّبُوْنَ (الواقعہ-۵۶)	تو اعلیٰ ہی درجے کے ہیں. اور (وہ خدا تعالیٰ

یہی ہو سکتا ہے اس لئے اسکا مطالعہ کر لیا جائے. (م-۱)

کے ساتھ) خاص قرب رکھنے والے ہیں (الواقعہ - ۵۶)

پس سالک قلبی و جسمانی اعمالِ صالحہ کی جسقدر پابندی و کوشش ظاہری و باطنی آداب و احکام کی رعایت، اخلاص کے اہتمام اور احسان کی کیفیت کے ساتھ کریگا۔ اسی قدر قرب الٰہی کی منازل طے ہوں گی۔ اور خاصانِ خدا اور مقربین بارگاہ رحمانی میں بار پائے گا۔ حضرت والا قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

"سورۂ واقعہ پڑھیئے۔ اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کے نام لئے ہیں۔ وَكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ــــ اس کی تفسیر آگے ہے اول مقربین اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُقَرَّبُوْنَ ، دوم اصحاب الیمین اور سوم اصحاب الشمال، تیسرا گروہ اہل نار کا ہے۔ دوسرا گروہ عامۂ مسلمین کا اور پہلا خواصِ امت کا

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ	پھر (جب قیامت واقع ہو گی تو)[1]
فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ	جو شخص مقربین میں سے ہوگا۔ اسکے
وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ	لئے تو راحت ہے اور (فراغت
الْیَمِیْنِ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ	کی) غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے
الْیَمِیْنِ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ	اور جو شخص داہنے والوں میں سے
الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ فَنُزُلٌ	ہوگا۔ تو اس سے کہا جائیگا کہ تیرے لئے امن
مِّنْ حَمِیْمٍ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ	امان ہے کہ تو داہنے والوں میں سے ہے
(الواقعہ - ۳)	اور جو شخص جھٹلانے والوں (اور) گمراہوں

[1] ترجمہ حضرت والاؒ نے نہیں لکھا تھا۔ (م-۱)

میں سے ہوگا۔ تو کھولتے ہوئے پانی سے اسکی دعوت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ (ترجمہ تھانویؒ)

ولایت عامہ، ولایت خاصہ

مقربین کی ولایت ولایت خاصہ ہے اہل فن عام مسلمانوں کی کیفیت کو ولایت عامہ اور مقربین کی ولایت کو ولایتِ خاصہ کہتے ہیں۔ ولایتِ عامہ جو وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران) کا منشاء ہے۔ ہر مسلمان کو حاصل ہے۔ اور اس کا مفاد نجاۃ من النار اور دخول فی الجنتہ ولو بعد برھۃ من العذاب ہے اور ولایتِ خاصہ جو وَاللّٰہُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (جاثیہ) کا منشائ ہے وہ بُعد من النار بفضل اللہِ دائماً اور دخولِ جنت فی الفور مع رضوان اللہ تعالیٰ۔ رَاضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، ۔ اب معلوم ہوا کہ احسان کا درجہ ایمان سے اونچا ہے اور اس کے بے انتہا مدارج ہیں۔

مدارج قرب واقربیت مدارج قرب واقربیت کما لایخفی، جس طرح ایمان کا حصول شہادت پر مبنی ہے۔ احسان کا قرب کمالِ ایمان وتقویٰ پر ہے۔ اسی سے ان حدیثوں کا معنیٰ مفہوم ہوں گے جن میں یہ آتا ہے۔ لایومن احدکم حتی یکون کذا، اور ایمان کی ستر شاخیں ہیں۔ الغرض ہمارے علمائے ظاہر نے صرف اس ایمان پر توجہ فرمائی ہے۔ جو کفر کے بالمقابل ہے اور علمائے باطن نے اس کے بعد کی منزل کی رہبری کی اور درجات ومدارجِ قرب کی نشان وہی فرمائی۔

طریق قرب واحسان کا حاصل .... بالکل صحیح آپ سمجھے کہ طلب رضا اور اپنے ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا ہی اس طریق کا حاصل ہے۔ اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے۔ تو صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو 'نسبت' کہتے ہیں، اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، ان ہی کے لئے نوید بشارت ہے"

(مکاتیب سلیمان ص۱۶۱ تا ص۱۶۲)

اِس اقتباس سے معلوم ہوا کہ ولایتِ خاصہ کے حاملین کا گروہ 'مقربین' کا طبقہ ہے اور اس قربِ رضا اور تعلقِ خاص کے بھی بے انتہا مدارج ہیں۔ بقول عارف رومی

اے برادر بے نہایت درگہیست — ہر کجا کہ می رسی بر وے مایست

فقیر کو ارشاد ہوا "علم و عمل کے جس مقام پر پہنچ جاؤ یوں سمجھو کہ اب ابتدا ہے۔" — ظاہر ہے کہ ایک عاشق صادق قرب کے کسی ادنیٰ درجہ پر اکتفا نہیں کر سکتا، بلکہ اس کی آتش شوق ہر منزل پر 'ھل من مزید' کی طالب ہوتی ہے۔ ؎

نہ گویم کہ بر آب قادر نیند — کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

حضرت والا کے اشعار ہیں ؎

چلا چل تو منزل بہ منزل یونہی — ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے

ابھی قطع کر اور راہ طلب — مقام محبت بہت دور ہے

اس لئے سالک کی "سیر قرب" آخری سانس تک رہتی ہے اور 'دم واپسیں' قرب کی انتہائی منزل، اور شوق و لقائے ربانی کے جذبہ کا معراج ہوتا ہے۔ بقول حافظ ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم   راحت جان طلبم و سوئے جانان بروم

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثورہ دعاؤں میں ناسوتی زندگی کی انتہا پر نہایت قرب، وحسن خاتمہ کی طلب ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

۱۔ واجعل خیر عمری آخرہ وخیر عملی خواتیمہ وخیر ایامی یوم القاك فیہ (احمد۔ طبرانی)	اور اے اللہ میری عمر کے آخری حصہ کو زندگی کا بہترین حصہ کردے اور میرے آخری عمل کو بہترین کردے اور میرے دنوں میں بہترین دن وہ جس میں تجھ سے ملوں
۲۔ واختم لی بخیر عملی واجعل ثوابہ الجنۃ۔	اے اللہ میرا خاتمہ میرے سب سے اچھے عمل پر کر اور اسکا ثواب جنت کو بنا دے۔

حسن خاتمہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"...... اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔ کہ جو قدم صحیح سمت میں اٹھ چکے ہیں وہ پھر اس وقت تک نہ رکیں۔ جب تک مرحلہ حیات ختم نہ ہو جاتے۔ اسی کا نام حسن خاتمہ ہے۔ جس کی تمنا اور دعاء انبیاء علیہم السلام تک نے کی ہے۔ حضرت یعقوب علیہم السلام نے اپنے بیٹوں کو مرتے وقت وصیت فرمائی:۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت کے کاروبار میں حصہ پانے کے بعد دعاء کی:۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

یہ دعاء حسن خاتمہ کے لئے پڑھنی چاہیئے۔

غرض بقول سیدی قدس سرہٗ۔

" (اس قرب و رضا کی گھاٹی میں) آخری سانس تک تراش خراش لگی رہے

(تاکہ قرب خاص کی دائمی نعمت اور رضائے حق کا ابدی ثمرہ میسر آئے)

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش"

مبارک ہیں وہ لوگ جو خیر و طاعات کی مسابقت میں بازی لے گئے، اور "مقربین" کے زمرہ میں شامل ہو گئے کہ وہی حقیقتاً خصوصی نوازشات ربانی اور "مقام قرب" کے مستحق ہیں۔

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ، وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

ذرائع و اقسام قرب گذر چکا۔ کہ قرب ربانی کا حصول "ایمان و اعمال صالحہ" پر مبنی ہے۔ طاعات کا جسقدر اہتمام، منہیات سے جسقدر پرہیز اوامر الہیہ کی جسقدر پابندی اور سنتِ نبویہ کا جسقدر اتباع ہوگا۔ اسی قدر قرب ربانی کی منازل طے ہوں گی "مدارجِ قرب ایمان و اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ اس لئے مدارجِ قرب کا تفاوت "اعمال" کے فرق پر عادتاً موقوف ہے۔ اس وجہ سے اعمال کی کمی و بیشی اور اس کا ظاہری و باطنی حسن و قبح، مدارجِ قرب کی کثرت و رنگارنگی پر منتج ہوتا ہے۔ اور یہی تفاوت نسبتوں کے اختلاف اور تعدد و تنوع کا سبب ہے ہر "عمل خیر" قرب الٰہی کی ایک مستقل منزل و درجہ ہے۔ ؎

منزل مقصود ہے راہ طلب کا ہر قدم

وہ سر منزل ہے جو ابھی وہ منزل میں ہے

اسلئے جسقدر " اعمال خیر " کی کثرت ہوگی " اعمال " کی قیمت کے بقدر درجات میں ترقی ہوگی۔ ' قرب عام ' و ' ولایت عامہ ' کے بعد ' قرب خاص ' اور ولایت خاصہ کی منازل بھی " اعمال خیر " ہی کے ذریعہ طے ہوں گے۔ کہ اوامر الہیہ کا امتثال اور اعمال صالحہ قرب الٰہی کے مستقل ذرائع ہیں۔ جب سالک احکام الٰہی کی پابندی اور منہیات سے پرہیز کرتا ہے۔ تو اس کے قلب پر ہدایت ربّانی کا ایک خاص ترشح ہوتا ہے، جس سے اسکا سینہ اسلام اور ماموراتِ الٰہیہ کیلئے کھل جاتا ہے۔ اور اسے اعمال خیر سے ایک طبعی مناسبت اور برائیوں سے نفرت ہوجاتی ہے ۔ ' ولایت عامہ ' کے اس مقام پر پہنچ کر سالک مزید ترقیات کا طالب ہوتا ہے اور قرب خاص (جسے ہم ولایت خاصہ ' بھی کہہ سکتے ہیں) کیلئے کوشاں ہوتا ہے۔ اور " اعمال خیر " کی کثرت و بجاآوری میں کماً و کیفاً اضافہ کرتا جاتا ہے۔ اور ہر آن اپنی ترقی کی منازل کو شعوری غیر شعوری طور پر طے کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ' قرب خاص ' کی وادی کا یہ جادہ پیما ، ' قرب و رضا ' کی محنت میں اپنی جان شیرین جان آفریں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور بزبان حال پکارتا ہے ؎

حاصل عمر نثارِ رہ یارے کردم شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

طرق قرب خاص متعدد و مختلف ہیں " قرب خاص " کے طرق حدود شرعیہ کے اندر طبائع و امزجہ کے اختلاف ' ذوق و طلب کے تفاوت اور استعدادوں کے تعدد کی وجہ سے متعدد ہیں۔ جسکی اصولی تقسیم دو بڑی قسموں میں کی جاسکتی ہے۔

قرب بالفرائض سالک مامور بہا امور اور سنن نبویہ کی ظاہری و باطنی پابندی

کے۔ بعد جب ان اعمال کا خصوصی اہتمام کرتا ہے جو دینی فرائض و واجبات سے متعلق ہیں۔ تو اس پر ایک خاص تجلّی الٰہی کا فیضان ہوتا ہے۔ جس سے اس کا ارادہ مضمحل ہو کر ارادۂ الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ اور وہ نائب حق اور آلہ ربّانی بن کر عالم میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور نقشِ حق عالم میں مرقسم کرنے کے بنوی فرائض و واجبات کو بروئے کار لاتا ہے اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشابہ اور "الوان نبویّہ" کا انصباغ اس کے ظاہر و باطن اور قلب و روح کی رونق و روشنی بن جاتا ہے۔ یہ 'نسبت' کیونکہ فرائض و واجبات کے اہتمام سے میسّر آتی ہے۔ اس لئے اسے قرب بالفرائض کہتے ہیں۔

فرائض و واجبات کی پابندی میں انسانی چاہت کو دخل نہیں۔ کہ وہ حکم الٰہی کی عظمت سے متاثر ہو کر طوعاً و کرہاً ان اعمال کو بجا لاتا ہے۔ اس وجہ سے عبدیت کی شان اور اپنے ارادہ کا اضمحلال و فنا فرائض کی ادائیگی میں نوافل اور تطوعات۔ (پسندیدہ غیر لازمی اعمال خیر) کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ عبدیت ہی مقصود ہے اس لئے یہ اعمال (فرائض و واجبات) قربِ ربانی کا اقرب ذریعہ ہیں۔ اس لئے اس قرب کو اعلیٰ و اول درجہ کا قرب کہا جا سکتا ہے۔ اس قرب میں نسبت محمدیہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے اور "الوان نبویہ" کا غلبہ ہوتا ہے۔ اسلئے اسے ہم "سلوک بطرز نبوت" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس 'سلوک' کے آثار بھی خاص ہوتے ہیں۔ اور "قدمِ نبوت" کے نیچے آکر ان سالکین پر عموماً صحو اور حبِ عقلی کا غلبہ ہوتا ہے شریعت مطہرہ کا انتہائی اہتمام، افادۂ خلق اور فرائضِ نیابت نبوت کی ادائیگی کا فکر اور حدود و قیود الٰہی کی پابندی اور اسباب پر مدار نہ سمجھتے ہوتے حکمت الٰہیہ کی معرفت و

قدر دانی کی بنا پر انکا اختیار کرنا انکا معمول ہوتا ہے۔ عبدیت کاملہ اور عبودیت "مطلقہ" تواضع وفقر تام ان کا حال اور امر الٰہی کی ہیبت وعظمت ان کے اعمال کا منشاء ہوتی ہے۔ "نبوت" کے فیض کامل سے وہ بہرہ مند ہوتے ہیں اور ان کا 'نزول' انکے 'عروج' کا پردہ ہوتا ہے۔ اور ان کی کیفیاتِ باطنیہ ضبط کی وجہ سے عموماً ظاہر نہیں ہوتیں۔ غرض قرب الٰہی کے خاص مقام پر فائز ہونے سے شریعت مطہرہ ان کا مزاج اور طریقہ نبویہ ان کی طبیعت بن جاتی ہے۔

۲۔ **قرب بالنوافل** سالک جب احکام الٰہیہ اور سنن نبویہ کے اتباع سے اپنے ظاہر وباطن کو رنگ لیتا ہے۔ تو بعض سالکین کا طبعی میلان نفلی عبادات واعمال کی کثرت کی طرف ہوجاتا ہے۔ اور وہ اپنے اوقات کو اپنی پسند کے 'اعمال نافلہ' میں گذار کر قرب کے منازل طے کرتے ہیں "نفلی عبادت" کے اختیار کرنے میں ایک گونہ بندہ کی پسند اور چاہت کو دخل ہے۔ اسلئے "بندگی" کی وہ سرافگندگی اور "ترک اختیار و چاہت" کا وہ "لون" جو فرائض کی ادائیگی میں میسر آتا ہے۔ نوافل میں نہیں مل سکتا۔ اسلئے نوافل کا درجہ فرائض سے کم ہے۔ اور جو قرب اس راہ سے میسر آئے گا۔ وہ 'قرب بالفرائض' سے کم اور دوسرے درجہ کا ہوگا۔ تاہم چونکہ بندہ قرب رضا حق کی نیت سے اعمال خیر کی ایک قسم پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلئے اسے بھی قرب حق ملتا ہی رہتا ہے۔ لیکن یہ قرب، قرب بالفرائض کے برابر نہیں ہوتا۔

اس 'قرب' میں چونکہ بندہ اختیار نوافل میں ایک گونہ اپنے اختیار کو استعمال کرتا ہے۔ اسلئے ارادہ کی کلی فنائیت جو قرب بالفرائض کا خاصہ ہے۔ اسے میسر نہیں آتی۔ بلکہ جب توحید کے غلبہ سے فاعلیت حقہ کا استحضار وحال اسے نصیب ہوتا ہے

— اس وقت بھی ذات باری تعالیٰ کو وہ اپنے پر اس طرح چھایا ہوا نہیں پاتا۔ کہ اپنے کو "آلۂ حق" سمجھے۔ بلکہ اس کے برعکس "فاعلیت حقہ کا ظہور" اسے اپنی ذات سے ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ وتقدس کی فاعلیت اس پر "آلۂ عبد" کی حیثیت سے کھلتی ہے۔ جو پہلی حالت سے ادنیٰ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) ؎

اے بروں از وہم وقال وقیل من — خاک بر فرقِ من و تمثیل من

حضورِ انور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں ان دونوں راہوں (قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل) کا تذکرہ فرمایا ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے:۔

مَا تقرّب الی عبدی بشیءٍ	میرا بندہ میرا کسی ایسے ذریعہ سے قرب
احبّ الی مما افترضت علیہ و	حاصل نہیں کرتا۔ جو میرے نزدیک
ما یزال عبدی یتقرب الیّ	ادائے فرائض سے زیادہ محبوب ہو
بالنوافل حتّٰی احبہ فاذا	اور میرا بندہ برابر مجھ سے بذریعہ نوافل
احببتہٗ کنت سمعہ الذی	قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہانتک
یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ	کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں
ویدہ التی یبطش بھا و	تو میں اسکا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا
رجلہ التی یمشی بھا وان سالنی	ہے اور اسکی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ
لاعطینّہ ولان استعاذنی لا	دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے
عیذنّہ (مشکوٰۃ صـ۱۹۷)	وہ پکڑتا ہے اور اسکا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے

وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دونگا۔ اور اگر کسی چیز سے)

پناہ چاہے تو میں اسے ضرور بچاؤں گا (مشکوٰۃ صہ۱۹۷)

شیخ الکل حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ "قرب فرائض" اور "قرب نوافل" کی تشریح کرتے ہوئے مسائل المثنوی[1] (التکشف عن مہمات التصوف حصہ سوم صہ۸۳، صہ۸۴) میں ارقام فرماتے ہیں۔

"جاننا چاہیئے۔ کہ جب بندہ ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے۔ تو اس کی صفات رذیلہ دواعی شہوت و غضب زائل ہوجاتے ہیں، اور اس کے نفس میں ایک ملکۂ راسخہ حب مرضیات حق و بغض نامرضیاتِ حق کا پیدا ہوجاتا ہے جس سے بلا تکلف اعمالِ حسنہ و افعال محمودہ صادر ہوتے ہیں۔ اور اعمال قبیحہ و افعال ذمیمہ قریب قریب معدوم ہوجاتے ہیں۔ ایسے شخص کی نسبت حدیث میں آیا ہے۔

فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصرہ الذی یبصر به ویدہ التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔

(رواہ البخاری عن ابی ہریرۃؓ) "

---

[1] ۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ مخدومی المکرم حضرت شاہ عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ "آپ کے پیش نظر دیوان حافظ اور شرح مثنوی نہیں ہے۔ ان میں مسائل پر زیادہ مفصل مباحث ہیں۔ قرب نوافل اور قرب فرائض کی حقیقت شرح دیوانِ حافظ میں جو ہے۔ وہ مجھے بہت پسند آئی تھی۔ آپ کے یہاں بڑا اختصار ہے" ۔ حضرت والا کی اس پسند کا لحاظ کرتے ہوئے مذکورہ عبارت نقل کرتا ہوں (م م) عے حضرت والاؒ کو تسامح ہوگیا۔ یہ عنوان و حقیقت التکشف میں شرح دیوان حافظ میں نہیں۔ بلکہ مسائل المثنوی ہے (م-ا)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ میں اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں، اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں کہ عقلاً و شرعاً محال ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس کے اعضاء و جوارح سے سب افعال میری مرضی کے موافق سرزد ہوتے ہیں۔ پس گویا میں ہی اس کے اعضاء بن جاتا ہوں۔ پس کلام تشبیہ و تمثیل پر محمول ہے چونکہ مجازاً اس حدیث میں حق تعالیٰ کو آلہ اور عبد کو فاعل کہا گیا ہے۔ کہ یسمع و یبصر وغیرہ کی اسناد عبد کی طرف ہے۔ صوفیہ کرام نے اسی اطلاق کا اتباع کر کے یہ عنوان مقرر کیا ہے۔ کہ بندہ فاعل اور حق تعالیٰ آلہ بن جاوے۔ اور چونکہ حدیث میں اس مرتبہ کا حصول تکثیر نوافل پہ وارد ہے۔ چنانچہ حدیث مذکور میں عبارت مذکورہ سے پہلے یہ جملہ ہے۔

وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتّٰی احببتہٗ فاذا احببتہ الخ

اور مجاہدہ و ریاضت میں تکثیرِ نوافل لازم ہے۔ خواہ نماز ہو یا روزہ یا کثرتِ مراقبات یا تقلیل شہوات اسلئے صوفیہ اتباعاً للحدیث اس مرتبہ کو قرب نوافل کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں صفات و افعال رذیلہ کا ازالہ ہوا ہے۔ اس لئے فناءِ صفات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ دوسرا قرب اعلیٰ درجہ کا ہے۔ یعنی عبد کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاوے کہ اپنی قدرت و ارادہ کو قدرت و ارادہ حق کے روبرو ذوقی طور پر کالفانی و کالعدم جاننے لگے۔ اور افعال و اعمال میں بمنزلہ آلہ محضہ کے ہو جاوے اور حق تعالیٰ کی مؤثریتِ مستقلہ پیش نظر ہو جاوے۔ اس مرتبہ کو اس عنوان سے تعبیر کرتے ہیں کہ حق فاعل ہو جاوے اور عبد آلہ بن جاوے۔ اور چونکہ یہ اول سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ اول میں صرف فناءِ رذائل تھا، فنائے اختیار نہ تھا۔ اور اس میں فنائے اختیار ہے۔ اس لئے اس سے

اعلیٰ ہوا۔ اور حدیث میں تقرب بالفرائض کو تقرب بالنوافل سے اعلیٰ وافضل کہا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کا سب سے اول جزو یہ ہے۔

"وما تقرب الیّ عبدی بشیء احبّ الی مما افترضت علیہ"

اس لئے موافقۃً للحدیث صوفیہ اس کو قرب فرائض کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں سالک کو اپنی صفات ذاتیہ قدرت واختیار پر بھی نظر نہیں رہی۔ اسلئے اس کو فنائے ذات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔"

اس حال "فنائے اختیار" کے بارے میں ایک طالب نے حضرت سیدی قدس سرہٗ کو لکھا:۔

"بندہ کی عجیب حالت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ ارادے ختم کرائے جا رہے ہیں۔ بے قصد وارادہ جو چاہتے ہیں کرا دیتے ہیں۔ اپنے اختیار میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ارادہ کرتا ہوں۔ تو اس کے فسخ کی اضطراراً صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو چاہتے ہیں کر رہے ہیں۔ ہیچ محض یونہی بے اختیار مختار کل کے ہاتھوں میں ہے۔"

حضرت والاؒ نے جواباً ارقام فرمایا:۔

"جی ہاں تسلیم ورضا کا یہی مقام ہے خدا کرے یہ حال آپکا مقام بن جائے

کارساز ما بساز کار ما فکر ما در کار ما آزار ما"

ایک دوسرے عریضہ میں طالب مذکور نے تحریر کیا:۔

"اب اپنی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے۔ کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتا ہے اس کے انتظار میں ہوتا ہوں۔ اپنا ارادہ نہیں ہوتا۔ جو وہ چاہتے ہیں۔ کرائے چلے جاتے ہیں۔ یہ خاص ارادہ کا فقدان اور اپنے ارادہ کو ان کے ارادہ کے سامنے فنا کرنا

اخلاص کے منافی تو نہیں۔ کہ جب ارادہ نہ رہا تو ارادہ پر ثواب کا ترتب کیسے ہوگا۔
لیکن میری حالت خود بخود ایسی ہوگئی ہے کہ ارادہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جو چیز
پیش آتی ہے ان کی طرف سے سمجھ کر راضی برضا ہوں، اگر اللہ چاہیں تو کر دیا جاتا۔
بندہ ان کے ہاتھ میں آلہ بے ارادہ ہے۔ اس حال کی اچھائی و برائی کی وضاحت چاہتا ہوں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا حکیمانہ جواب ارقام فرمایا:۔

"ارادہ کی یہ فنائیت اخلاص کے خلاف نہیں۔ ارادہ کی فنائیت یہ ہے
کہ بندہ اپنے ارادہ کو مؤثر نہ جانے۔ بلکہ مؤثر صرف مشیت الٰہی کو سمجھے،
باقی ارادہ تو فنا نہیں ہوتا۔ جب تک انسان ارادہ نہ کرے کوئی فعل ہی نہیں
ہو سکتا۔"

حضرت سیدی قدس سرہ اللہ کی اس توضیح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بندہ کا ارادہ
کلیتاً فنا نہیں ہوتا بلکہ تاثیر الٰہی کا غلبہ اسقدر ہو جاتا ہے کہ اپنی فاعلیت "فاعلیت حقہ"
میں گم و محجوب ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور مشیت ربانی کی تاثیر اس طرح مستحضر اور غالب
ہو جاتی ہے کہ اپنی مشیت ارادہ ربانی کی حالاً و مآلاً تابع اور اسکا اثر و نتیجہ نظر آتی ہے
اور یہ آیت کریمہ:۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

اور تم بغیر اس کے چاہ بھی تو نہیں سکتے کہ اللہ پروردگار عالم چاہ لے
کی حقیقت اس کا حال بن جاتا ہے

قربِ ربّانی
اور
کشوف و مواجید، کرامات و رؤیاء

قربِ ربّانی پر جو مباحث گذر چکے ہیں۔ ان سے یہ بات واضح ہے کہ قربِ الٰہی صرف ایمان و اعمال صالحہ کا نتیجہ ہے۔ اور قرب کی منازل صرف عقائدِ حقّہ کی تحسین کے ساتھ اعمال صالحہ کی تعمیل و تکمیل سے طے ہوتی ہیں چونکہ انسان صرف امورِ اختیاریہ کا مکلّف ہے۔ اس لئے اس کی ترقیات بھی اختیاری اعمال پر منحصر ہیں۔ غیر اختیاری امور، اور انفعالات کا قربِ الٰہی و ترقی روحانی کے حصول میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جملہ ائمہ سلوک اور محقق صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ کشوف و مواجید، الہام و کرامات ندا، و رویاء اور لذت و سرور۔ قربِ ربّانی کی یافت کا قطعاً ذریعہ و نشان نہیں کہ یہ سب امور غیر اختیاری، مجاہدات کے ثمرات عاجلہ، انفعالات اور محض راہ کے تماشے ہیں۔ جن سے بقول مجدد سرہندیؒ اطفالِ سلوک کو بہلایا جاتا ہے مقاصدِ تصوّف سے ان کا کوئی تعلّق نہیں۔ اگر یہ چیزیں کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو محمود اور موہبتِ الٰہی ہیں لیکن مقصود ہرگز نہیں کہ اصل مقصد رضائے حق ہے

جو صرف عقائدِ حقہ اور ایمانِ صالحہ کا ثمرہ[1] ہے

۱ یہ چیزیں بسا اوقات مانعِ طریق اور تنزلِ کا سبب بن جاتی ہیں کہ سالک ان بزرگانہ اوہام" " نورانی حجابات" اور پاکیزہ شعبدوں" میں اس طرح الجھ کر رہ جاتا ہے۔ کہ اصل مقصد بلکہ راستے ہی کو گم کر دیتا ہے۔ اور تمام عمر ان ہی شعبدہ بازیوں میں سرگرداں رہتا ہے اور ان کو حق کا نشان اور رضائے الٰہی کا ثمرہ و انعام سمجھ کر گمراہی اور جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ متصوفین کی بے راہ روی اور عوام کی اعجوبہ پرستی نے اصل مقاصد و عناصر سلوک سے اغماض برت کر انہیں اشیا (کشف و کرامات وغیرہ) کو ہی اصلِ تصوّف اور سلوک کا مقصد قرار دیدیا ہے

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی

فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

حضرت سیّدی نور اللہ مرقدہ نے اسی حقیقت کے متعلق فقیر سے ارشاد فرمایا۔

---

[1] علامہ السیّد محمود الآلوسی البغدادیؒ نے روح المعانی میں حضرت خضرؑ کے قصہ کے ضمن میں ان امور پر قابلِ دید بحث کی ہے اور محقق صوفیہ کے اقوال نقل کر دیئے ہیں۔ جن کا حاصل اُن ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔ انّ تلک الغیوب و المکاشفات بل سائر ما یحصل للصوفیۃ من التجلیات لیست من المقاصد بالذات و لا یقف عندھا الکامل ولا یلتفت الیھا

روح المعانی ج ۵ ص ۱۲۳

یہ تمام غیبی باتوں کی اطلاع اور مکاشفات بلکہ وہ تمام چیزیں جو کہ صوفیہ کو (باطنی) تجلیات کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔ اصلاً مقاصد تصوّف میں سے نہیں اور نہ سالک کامل ان چیزوں کا دھیان و پرواہ کرتا ہے۔

...... ہر حالت میں اور ہر وقت اپنی خواہشات کو روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنا اپنا ریاض ہے۔ ضابطِ نفس ہو، اللہ تعالیٰ کے اوامر کا ہر حال میں پابند ہو۔ یہی اصل مقصد اور یہی تصوّف ہے۔ آنکھیں بند کر کے سبز و زرد نور دیکھنا یا کچھ نظر آنا یہ تو کچھ بھی نہیں۔ اگرچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے بچوں کو کھلایا اور بہلایا جاتا ہے اور بادلوں کو دکھا کر کہا جاتا ہے۔ کہ وہ دیکھو ہاتھی لڑ رہے ہیں۔ لیکن ہاتھیوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بچوں کے بہلانے کی چیزیں ہیں۔ مولانا عیسیٰؒ خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ اب کچھ نظر نہیں آتا، فرمایا تمہارے بلی چوہے نظر نہیں آتے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ حجابات ظلمانی سے حجابات نورانی زیادہ خطرناک ہیں۔ اسے مقصد سمجھ لیا جاتا ہے اور ان ہی قصوں اور بھول بھلیوں میں سالک اٹک کر رہ جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ کیفیات کشف و انوار کو مقصد سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کچھ (اکثر) اپنے دماغ کی پیداوار ہوتی ہے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دماغی اوہام نظر آنے لگے، اور سمجھ لیا کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا نور دیکھ رہے ہیں۔ جس طرح عام لوگوں کے وساوس اور اوہام ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ "بزرگانہ اوہام" ہیں۔

وہ تو ہر چیز سے وراء الوراء ہیں

ہمارا ریاض تو بس یہی ہے کہ سونے چاندی، زر و جواہر کے ڈھیر اور تھیلیاں پڑی ہوں اور ادھر نگاہ تک نہ ڈالی جائے۔ کمالِ حسن و جمال موجود ہو، تنہائی ہو، قدرت ہو، لیکن ادھر اللہ تعالیٰ کے تعلق کی بنا پر قطعاً توجہ نہ کی جائے۔ یہ کیا ہے کہ بارہ سال

جنگل میں روٹی نہیں کھائی۔ اُلٹے لٹکے رہے یہ تو جوگی بھی کر لیتے ہیں"

ایک دفعہ فرمایا" جو آتا ہے یہی کہتا ہے کہ چودہ طبق روشن کر دو۔ کوئی نہیں کہتا کہ دل روشن کر دو۔ حضرت الشیخؒ کی مراد یہ تھی کہ ہر ایک کشفِ کونیات کے درپے ہے۔ کم لوگ ہی خالص معرفتِ الٰہی کے طالب ہیں۔

حضرت الشیخ قدس سرہٗ اپنے متعلقین کو ان حقائق سے ہمیشہ آگاہ و متنبہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ مختلف مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں۔

(۱) کیفیات آتی جاتی ہیں، کشف و الہام کو قرب میں کوئی دخل نہیں"۔

(۲) یہ بھی ذہن میں رہے کہ کشف و الہام وغیرہ محض محمود ہیں مقصود نہیں۔ ان باتوں کو قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں۔ قربِ الٰہی صرف ایمان وعمل صالحہ کا نتیجہ ہے اس لئے دوامِ ذکر اور کثرتِ اعمالِ صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے۔

(۳) "کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجئے۔ اور صرف حسن عمل اور کثرت ذکر کی طرف توجہ رکھئے"۔

(۴) ایک طالب پر انوارات غیبیہ اور مکاشفات کا غلبہ ہو گیا تھا ان کو حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا۔

" میں نے آپکے یہ حالات پڑھے ان چیزوں کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ نہ اس کا حقیقی ہونا ضروری ہے اور نہ وہ مقبولیت کی نشانی ہے۔ بلکہ یہ حجاباتِ نورانی حجابات ظلمانی سے اشد ہیں۔ جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے۔ اصل شے ایک ہی ہے اور وہ احوال مع اللہ تعالیٰ ہیں۔ علاقۂ الٰہی میں ترقی ہو جس کی علامت عقیدۃً اور عملاً احکام الٰہی کا کامل اتباع ہے باقی

کیفیات و حالات سفر کے تماشے اور مناظر ہیں۔ جیسے کوئی پٹنہ سے بمبئی جائے تو راہ کے مناظر، کھیت، درخت، پہاڑ، چشمے جو کچھ نظر آئے وہ مقصود نہیں۔ مقصود تو بمبئی پہنچنا ہے۔ اب اگر کوئی مسافر ان مناظر کے حسن میں پھنس کر رہ جاتے تو مقصود سے محروم رہے گا"......

ایک خادم نے لکھا تھا کہ "نماز میں اسرار وغیرہ منکشف کردیئے جاتے ہیں اور واردات صحیحہ کا بعض اوقات بہت زیادہ نزول ہوتا ہے" اس کے جواب میں حضرت سیدی رحمۃ اللہ علیہ نے عتاباً تحریر فرمایا۔

"نماز کشفِ اسرار اور واردات صحیحہ کا محل نہیں، یہ صرف عبودیت و عبدیت و تواضع و حضور کی کیفیت کا محل ہے آپ ان شعبدوں کی طرف التفات نہ کریں۔ یہ امور قربِ الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتے اور نہ اس سے حصولِ ثواب ہوتا ہے۔ کیا ریل میں راستہ کے مناظر پر نظر منزلِ مقصود کو قریب کر دیتا ہے؟ کیا یہ خیال حماقت نہیں"

ایک مرید کو لکھتے ہیں:۔

.... یہ خیال رہے کہ قرب و ولایت کی راہ صرف عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں بقیہ جذب و شوق و مدار رویا وغیرہ محمود ہیں مگر مقصود نہیں اس لئے ان سے دل نہ لگائیں اس کو راستہ کی سیر کا تماشا جانیں"..........

ایک طالب نے لکھا۔ کہ کتاب و سنت کے مطابق جو علوم و اسرار قلب میں ڈالے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی یہ خیال ہوگیا ہے کہ یہ سب ظنی اور ناقابل التفات چیزیں ہیں۔ اصل چیز کتاب و سنت کی پیروی ہے" حضرت سیدی قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا:۔

"یہ علوم و اسرار کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو بہتر ہیں اور اگر مطابق نہ ہوں۔ تو قابل رد ہیں"۔ ...... "آپ کی استقامت و اصلاح و احوال کے لئے دعا کرتا ہوں، اصل معاملہ عمل کا ہے۔ اس سے ترقی و تنزل کا اندازہ ہوتا ہے معمولات اور احکام الٰہی کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز ہی اصل چیز ہے۔ اللہ تعالےٰ میرے اور آپ کے گناہوں کو معاف فرمائیں"۔

انہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:۔ "اصل نظر اپنے احوال قلب اور اعمال پر رہنی چاہیئے، کہ صراط مستقیم سے کسی حال میں لغزش نہ ہو۔ ...... "نجات تو صرف فضل الٰہی کا کرشمہ ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت بمنزلہ شرط کے ہے بس اس میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اس کے فضل میں حصہ مل سکے"۔ ...... "یہ سب احوال مبارک ہیں۔ مگر اصل شے اتباع احکام الٰہی کا اہتمام ہے"

کسی طالب نے تحریر کیا ۔ "الحمدللہ کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہیں رہی بلکہ ابتداء میں کشف وغیرہ کا جو عموم تھا۔ اب نہیں ہے اور نہ ہی اس کی طرف رغبت ہے" اس کے جواب میں حضرت شیخؒ نے ارقام فرمایا:۔

"بحمداللہ تعالیٰ کہ آپ نے اس گھاٹی کو پار کر لیا" اسی طالب کو ایک دوسرے حکومت نامے میں تحریر فرمایا ہے:۔

اب جو یہ صورتِ حال تو اضع اور افتادگی کی پائی جاتی ہے۔ اس حال سے بہتر ہے جو آپ کی کشف و واردات کی تھی۔ وہ راہ خطرناک تھی، کہ اس میں کبر و غرور کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مانع ترقی ہے"۔

ایک سالک کو تحریر فرمایا:۔

"یہ بھی لکھیں کہ دل پر کیا احوال وارد ہوتے ہیں۔ ورودِ احوال ضروری نہیں مگر اگر ورود ہو تو لکھیں۔ لیکن نہ اس ورودِ احوال کی کوشش کریں۔ کہ یہ مقصود نہیں اور نہ اس غرض سے اس کی طرف توجہ کریں کہ یہ منادنیت کا باعث ہوگا۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک مسترشدِ خاص نے لکھا "جہاں تک ذکر و فکر، حق تعالیٰ کی تجلیّات کے محسوس کرنے کا تعلق ہے۔ یہ سب باتیں اور واردشدہ کیفیات سب تصوری، اور ذہنی معلوم ہوتی ہیں ....."

حضرت والاؒ نے ایک تفصیلی جواب مرحمت فرمایا جس کا حاصل یہ ہے:۔

"یہ شبہ بالکل صحیح ہے اس لئے یہ انوار و تجلیات جن کو عام طور پر انوار و تجلیات کا نام دیا جاتا ہے۔ وہ نفسانی افکار ہیں .... اس طریق میں عموماً جو مشاہدات ہوتے ہیں۔ وہ ذہنی ہی افکار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام نقشبند (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) کا یہ فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

"آنچہ دیدہ شود و دانستہ شود ھمہ غیر خدا است"

بحمداللہ تعالیٰ کہ یہ حقیقت آپ پر ظاہر ہوگئی غرض اصلاً یہ مشاہدات و تصورات مطلوب نہیں یہ تو بطور تدبیر ہیں۔ اصل ان کے نتائج ہیں یعنی صحت"

(تذکرہ سلیمان ص ۶۱۵، ۶۱۶)

بعض طالبین مجاہدات کی کثرت کی وجہ سے دماغی خشکی اور ذہنی پراگندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں گاہے خواب و بیداری میں انہیں کچھ دکھائی دینے لگتا ہے یا پراگندہ اوہام ان کے دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں اور وہ بیچارے انہیں ہی انوارِ غیبی اور الہامات الٰہیہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ایسی حالت میں طالبین کے دماغی

توازن و جسمانی صحت کی فکر کرنا محقق مشائخ کا طریقہ ہے۔ حضرت والاؒ ایک طالب کو تحریر فرماتے ہیں۔

"ان باتوں (انوار و تجلیات) کی طرف توجہ نہ کی جائے، سونے کے اوقات پورے کریں۔ چھ سات گھنٹے روزانہ سے کم نہ ہو۔ پھر کھانے پینے کا بھی اہتمام کیجئے، زیادہ مشقت دماغی یا عملی نہ کیجئے۔

عوام کی اعجوبہ پرستی اور متصوفین کی بے راہ روی نے نہ صرف کشوف و مواجید الہام و کرامات کو مقاصد و غایات کا درجہ دے دیا۔ بلکہ مکاشفات الٰہیہ و الہامات ربّانی کی حقیقت نہ جاننے اور حق و باطل کے امتیاز کے نہ ہونے کی وجہ سے "ہر کشف" اور نام نہاد واردات باطنی، کو حجّت قرار دے دیا، اس وجہ سے امت میں طرح طرح کے مفاسد اور غلط عقائد در آئے، یہاں تک کہ بعض مفترین و مغترین نے اسی راہ سے حریم نبوّت میں دخول کے باطل دعوے کر دیئے ان ہی مفاسد کے پیش نظر محقق صوفیہ نے ہمیشہ کشف و الہام اور رویاء کی صداقت و صحت کا معیار شریعت مطہّرہ اور کتاب و سنت کی واضح تعلیمات کو قرار دیا کہ جو مکاشفات و مواجید اسی ربّانی کسوٹی پر پورے اتریں! اور تعلیمات نبویّہ کے عین مطابق ہوں۔ انہیں موہبت الٰہیّہ، عطائے رب اور محمود سمجھا جائے گا۔ اور جو کشوف و وجدانیات نبوی ہدایات سے سر مو متجاوز ہوں انہیں شیطان کا دھوکہ، نفس کا فریب اور قطعاً مردود و گردانا جائے گا اگر کوئی متبع شریعت شخص بھی ایسی کوئی بات دیکھے یا سُنے یا پائے تو اسے باطل اور غوائل شیطانیہ سمجھا جائیگا کہ شریعت کے دائرہ کے باہر حقانیت کے نور کی کوئی کرن اصلاً موجود نہیں۔

اسی طرح اگر اہل باطل اور غیر متشرع اشخاص سے کسی خرق عادت کا ظہور ہو تو

وہ نری شعبدہ بازی، استدراج و امہال ہے جو کبھی بھی مقبولیت الٰہی اور قرب ربانی کا نشان نہیں ہو سکتا، حضرت الشیخ قدس سرہٗ کا اسی کے متعلق ارشاد ہے ؎

شعلے اٹھیں گے ہزار تجلّی مگر کہاں
یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہیں

کہ احکام الٰہی اور سنت نبویؐ کی صریح خلاف ورزی، بدعقیدگی اور فسق و فجور کے ساتھ ان چیزوں کو ولایت کی نشانی قرار دینا نری جہالت، دعوے باطل اور نظام تشریعی و تکوینی کے حقائق سے بے خبری کی دلیل ہے۔

ایک شخص نے حضرت مجدد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوب دوصد و ہفتم کو اپنے زعم باطل میں بنیاد بنا کر چند غلط دعوے کئے تھے۔ ایک مستفسر نے سید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کے متعلق استفسار کیا، حضرت سیدی قدس سرہ نے اس کا جواب ایک طویل مکتوب میں دیا جس میں کشف و الہام وغیرہ کے بارے میں بعض اہم حقائق واضح فرمادئے اس سے متعلقہ اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ حضرت والا تحریر فرماتے ہیں:۔

"امر اول یعنی شخص مذکور کے ہفوات تو وہ تمامتر ضلالت اور کفر کی باتیں ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو توبہ کرنا چاہیئے۔ کہ اس کے ان باطل خیالات کو حضرت امام ربانیؒ کے مکتوب سے اصلاً تعلق نہیں ہے .... وہ امام ربانی کے قول کو بالکل نہیں سمجھا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر اس نے جو دعوے کیا ہے وہ تمام تر باطل ہے...
...... امام ربانی کے اس مکتوب پر بنیاد رکھ کر شخص مذکور کا یہ کہنا کہ اس وقت نہ حج ہے۔ نہ روزہ ہے نہ زکوٰۃ ہے۔ قول باطل ہے احکام قرآنی کو تمکی کتنا ہی بڑا

ولی ہو نسخ نہیں کرسکتا۔ نہ اولیاء کے کشف والہام سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوتے احکام منسوخ ہوسکتے ہیں۔ ایسے کشف والہام جو وحی نبوّت کے خلاف ہوں باطل اور وسوسہ شیطانی ہیں۔

شخص مذکور کو چاہیئے کہ وہ اپنے اس عقیدہ باطل سے توبہ کرے۔ اور پھر سے کلمۂ اسلام پڑھ کر دوبارہ مسلمان ہو۔

امام ربّانی نے ایک بات اصول کے طور پر خود ہی فرمادی ہے۔ کہ ذوقی علوم ومعارف بلکہ کشوف والہامات جب ہی قابل تسلیم ہوتے ہیں جب وہ کتاب و سنت اور عقائدِ حقہ کے مطابق ہوں ورنہ وہ قابلِ رد ہیں۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جس کو امام ربّانی نے مکتوبات شریف میں جا بجا لکھا ہے۔ چنانچہ اسی مکتوب دوصد ونہم کے آخر میں فرماتے ہیں:۔

"انبیاء اولعزم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ وہ چونکہ کشف والہام پر مبنی ہے۔ جو ظنّی ہیں اس لئے اس کے لکھنے اور حقیقت میں تقریر کرنے سے توبہ کرتا ہے۔ کیونکہ قطعی دلیل کے سوا اس میں گفتگو کرنا جائز نہیں"

اس سے معلوم ہوا۔ کہ صرف کشف والہام سے قطعیات کے بغیر گفتگو کرنا توبہ کے قابل ہے اسی حقیقت کو مکتوب چہل ونہم میں یوں ظاہر فرماتے ہیں:۔

"فرق درمیانِ علم کہ وحی است وعلم ولی کہ بطریق الہام است۔ ایں است کہ در وحی قطع ویقین است ودر الہام ظن وتخمین۔ چراکہ وحی بواسطہ ملک است و ملائکہ معصوم اند از خطا، والہام اگرچہ محلِ عالی دارد وآں قلب است کہ از عالمِ امر

است، اما قلب را با عقل و نفس نحوے از تعلق متحقق است، پس خطا را دروں موطن مجال پیدا شد"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اولیاء کے الہامات ممکن الخطاء ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی وحی خطا سے خالی ہے۔ اس لئے ممکن الخطاء سے ناممکن الخطاء وحی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ حضرت امام ربانیؒ کا قول ہے۔ کہ الہام کی صحت کا معیار یہ ہے کہ وہ علمائے اہل سنت کے قول کے مطابق ہو۔ اور اگر ذرا بھی اس سے مخالف ہو۔ تو وہ دائرہ صواب سے خارج ہے مکتوب صد و دوازدہ میں فرماتے ہیں:۔

" مصداق صحتِ کشف و الہام مطابقت با علمائے اہل السنۃ و اگر سر مو مخالفت است از دائرہ صواب بیروں است ہذا ہو العلم الصحیح والحق الصریح فماذا بعد الحق الا الضلال" جو لوگ صوفی بن کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جن سے نماز، روزہ وغیرہ کا مقصود نہ ہونا ثابت ہو، وہ گمراہ ہیں۔ چنانچہ مکتوب چہل و سوم میں فرماتے ہیں:۔

" اکثر ابنائے ایں زماں بعضے بہ تقلید و بعضے بمجرد علم، و بعض دیگر بعلم ممتزج بذوق و بعضے بالحاد و زندقہ دست بدامنِ توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق میدانند و نگر دیدہائے خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بایں حیلہ می کشایند، و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند، و بایں معاملہ خوش وقت و خورسندی شوند وانیاں اوامر شرعیہ را اگر اعتراف دارند طفیلی می دانند و مقصود اصلی ورائے شریعت خیال می کنند حاشا و کلا نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد السوء"

مکتوب صد ملا حسن کشمیریؒ کے جواب میں جنہوں نے لکھا تھا۔ کہ شیخ کبیر یمنیؒ ایک بزرگ کا قول ہے کہ حق تعالے جزئیات کا علم نہیں رکھتے، فرماتے ہیں۔

"مخدوما! بفقیر را تاب استماع امثالِ ایں سخنان اصلا نیست، بے اختیار رگ فارقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ آن نمی دہد، قائل ایں شیخ کبیر یمنیؒ باشد یا شیخ اکبر شامیؒ، کلام محمد عربی علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین عربیؒ و صدرالدین قونویؒ، مارا بہ نص کار است نہ بافص، فتوحاتِ مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است"

پس جس پیمانہ سے حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ نے دوسرے اولیاء اور بزرگوں کے اقوال اور ان کے الہامات اور کشوف کو ناپا ہے اس پیمانہ سے حضرت کے اقوال والہامات وکشوف کو ناپا جائے گا اور اس سے حضرت امام ربّانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کشف والہام یا ذوق ووجدان ہرگز ظاہر شریعت کے خلاف تسلیم نہیں ہوسکتا ہے اور نہ اس کا ایسا مطلب لیا جاسکتا ہے۔ جو تمام تر خلاف شرع ہو۔ اس بناء پر شخص مذکور کا قول تمامتر ملحدانہ اور زندیقانہ ہے اور حضرت امام ربّانی کے قول کا جو مطلب سمجھا ہے۔ وہ حضرت امام ربّانیؒ پر افتراء وبہتان[1] ہے"

---

[1] یہاں کشوف ومواجید کے متعلق حضرت امام ربّانی مجدد سرہندیؒ کا مکتوب نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے مکتوب سی وششم میں ارقام فرماتے ہیں۔

"شریعت راسہ جزو است علم، عمل، اخلاص	شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم وعمل اور اخلاص
تا ایں ہر سہ جزو متحقق نشوند، شریعت متحقق نشود،	جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں۔ شریعت
چوں شریعت متحقق شد رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ	متحقق نہیں ہوتی۔ جب شریعت متحقق (و حاصل)
حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ واخرویہ	ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی رضا میسر آجاتی ہے جو دنیاو

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کرامات ممیزہ کے بارے میں ایک مستفسر کو تحریر فرماتے ہیں: "کرامات کا صدور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہوا ہے۔ یہ سب بہ تبعیت کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

است۔ و رضوان من اللہ اکبر، پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ آمد و مطلبی نماند کہ بماورائے شریعت دراں مطلب احتیاج افتد، طریقت و حقیقت کہ صوفیہ باں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزو ثالث کہ اخلاص است، پس مقصود از تحصیل آں ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر ورائے شریعت، احوال و مواجید و علوم معارف کہ صوفیہ در اثناء راہ دست میدہند نہ از مقاصد اند بل اوہامٌ وخیالاتٌ تُربیٰ بہا اطفال الطریقۃ، از جمیع اینہا گذشتہ بمقام رضا باید رسید کہ نہایت مقام سلوک و جذبہ است" چہ مقصود از طی منازل طریقت و حقیقت ماورائے تحصیل اخلاص نیست کہ مستلزم مقام رضا است از تجلیات سہ گانہ و

آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے۔ (قرآن) پس شریعت دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں کی ضامن ہے۔ اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کیلئے شریعت کے سوا کسی اور چیز کی حاجت پڑے، طریقت اور حقیقت جن سے صوفیہ ممتاز ہیں۔ تیسرے جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کے خادم ہیں (یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ طریقت و حقیقت شریعت کے طرق واس کی حقائق یابی کے عنوانات ہیں شریعت سے علیحدہ ان کا کوئی وجود نہیں جیسا کہ مجدد صاحب نے معارف لدنیہ میں تصریح کی ہے م۔۱) پس ان دونوں (طریقت و حقیقت) کی تحصیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز مقصد نہیں۔ احوال و مواجید اور علوم و معارف جو صوفیہ کو سلوک کی راہ میں حاصل ہوتے ہیں۔ مقاصد میں سے نہیں۔ بلکہ وہم و خیالات ہیں۔ جن سے طریقت کے بچوں (کا دل لگا کر) تربیت کی جاتی ہے۔ اصل مقصود ان سب سے گذر کر مقام رضا تک پہنچنا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

ہوا ہے جس طرح حکومت کے چپڑاسیوں اور ادنٰی ملازموں تک کے احکام آپ مانتے ہیں یا آپ احترام کرتے ہیں، مگر یہ ان کا شخصی نہیں۔ بلکہ امیرِ وقت یا حکومت کے احترام کے تحت میں ہے۔ گو بہت سے کرامات کے قصّے گھڑے ہوئے بھی ہیں مگر ان کے صحیح ماننے یا نہ ماننے کو ایمان میں کوئی دخل نہیں۔ قبروں کو سجدہ کرنا غیر خدا سے دعائیں مانگنا اور اس قبیل کی چیزیں بے شبہ مشرکانہ رسوم ہیں۔ اللہ تعالٰی محفوظ رکھے۔"

مشاہدات عارفانہ گذارندہ از ہزاراں یکے را بدولت اخلاص و مقام رضا میرسانند، کوتہ اندیشاں احوال و مواجید را از مقاصد می شمرند و مشاہدات و تجلیات را از مطالب می انگارند لاجرم گرفتارِ زندانِ وہم و خیال میمانند و از کمالات شریعت محروم میگردند۔ کَبُرَ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ مَاتَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ، اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔ آرے حصول مقام اخلاص و وصول بمرتبہ رضا منوط بطئ ایں احوال و مواجید است و مربوط بہ تحقق ایں علوم

جو کہ (مقام رضا) سلوک و جذب کا انتہائی مقام ہے کہ طریقت و حقیقت کی منازل طے کرنے سے مقصود صرف تحصیل اخلاص ہے۔ اور اخلاص مقام رضا کا حصول لازماً کرا دیتا ہے۔ (افعالی ذاتی و صفاتی) تین قسم کی تجلیات اور عارفانہ مشاہدات سے گذار کر ہزاروں میں سے کسی ایک کو اخلاص اور مقام رضا کی دولت تک پہنچاتے ہیں نا سمجھ اشخاص احوال و مواجید کو ہی اصل مقاصد گردانتے ہیں اور مشاہدات اور تجلیات کو اصل مطلب جانتے ہیں۔ حقیقتاً یہ لوگ وہم و خیال کے قید خانہ میں گرفتار رہتے ہیں اور شریعت کے کمالات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مشرکین کو وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

و معارف، پس اینہا معداتِ مطلوب
باشند و مقدماتِ مقصود، حقیقت این
معنیٰ بصدقۂ حبیب اللہ علیہ و آلہ الصلوات
و التسلیمات برایں فقیر بعد از دہ سال کامل
دریں راہ بوضوح انجامید و شاہدِ شریعت
کما ینبغی جلوہ گر گشت، ہر چند از اول
گرفتاری احوال و مواجید نداشت و غیر
از تحقق بہ حقیقت شریعت مطلبے در نظر نہ
بود۔ لیکن بعد از عشرۂ کاملہ حقیقت امر
کما ہو بظہور آمد۔
الحمد للہ علیٰ ذٰلک حمدا
کثیرا مبارکا فیہ
(م۔ل)

وہ بات بڑی بھاری اور مشکل معلوم ہوتی ہے۔
جس کی طرف تو ان کو بلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس
کو چاہتا ہے۔ اپنے لئے چن لیتا ہے اور جو اس کی
طرف انابت و رجوع اختیار کرتا ہے۔ اسے ہدایت
دیتا ہے۔ ہاں مقام اخلاص کا حصول اور مرتبۂ رضا
تک رسائی (ذریعہ و تربیت کے درجہ میں) ان احوال
و مواجید کے طے کرنے پر موقوف اور ان علوم
و معارف کے ثابت ہونے کے ساتھ وابستہ ہے پس
یہ سب باتیں مطلوب حاصل کرنے کے اسباب اور
مقصود تک پہنچنے کے مقدمات و وسائل ہیں (یعنی ذریعہ
مقصد ہیں اپنی ذات میں مقصود نہیں) مذکورہ حقیقت
بندہ پر حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے
میں اس فقیر پر پورے دس سال میں کھلی اور شریعت
کا محبوب کما حقہ، جلوہ گر ہوا۔ اگرچہ ابتدا ہی سے
احوال و مواجید کی گرفتاری نہ رکھتا تھا اور شریعت
کی حقیقت متحقق ہونے کے بغیر اور کوئی مطلب
مدنظر نہ تھا لیکن دس سال بعد اصل حقیقت کما حقہ
ظاہر ہوئی، الحمد للہ علیٰ ذالک حمدا کثیرا مبارکا فیہ
(م۔ل)

خواب، رؤیا اور قرب

کشوف و مواجید کی طرح رؤیا اور خوابوں کو حدود سے متجاوز اہمیت دے دی گئی ہے۔ حالانکہ خواب محض بشارت ہیں۔ سچے خواب ولایت کا نشان کیا ہوتے ہیں کافر و مومن کی بھی تخصیص نہیں۔ جیسا کہ عزیز مصر کے قرآنی قصہ سے ثابت ہے۔ اس لئے اسے قرب الٰہی کا نتیجہ سمجھنا یا خوابوں پر نرا اعتبار کر لینا ناواقفیت اور حقیقت ناآشنائی کی دلیل ہے بعض طبائع کو رویا کے ساتھ فطرتی مناسبت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ خواب زیادہ دیکھتے ہیں۔ مزید برآں ہر خواب رویا صادقہ، اور ربانی بشارت نہیں ہوتا بلکہ طبعی مؤثرات ذہنی خیالات، اور شیطانی تاثیرات بھی اکثر خوابوں کا سبب ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمارے خوابوں پر نہ تو (بغیر قرآن و سنت کے دلائل کے) اعتبار کیا جا سکتا ہے اور نہ تو ان پر کسی معاملہ کا مدار ہے اور نہ تو خواب کی وجہ سے کسی مشروع و درست بات کو معلق یا مؤخر کیا جا سکتا ہے۔ غیر انبیاء کے اچھے خوابوں کی حیثیت الٰہی خوش خبری کی ہے جس سے بشارت و ہمت افزائی مقصود ہے۔ اس لئے خواب سبب فرحت اور محمود تو ہیں لیکن مقصود اور مدار احکام و شرائع نہیں۔ اس لئے ان کی وجہ سے بیداری کے معمولات شرعیہ اور احکام الٰہیہ میں قطع و برید، زیادت و کمی قطعاً ناجائز و جہالت ہے

غرض خواب خواب ہیں۔ اور کسی عمل کا موقوف علیہ نہیں، اور بیداری کے جملہ اعمال و معاملات کا مدار، بناؤ اور سنوار شریعت مطہرہ کے احکام و اوامر پر ہے۔ اس لئے ہر خواب سے قطع نظر ہر حال میں احکام الہٰیہ اور تعلیمات نبویہ کی پیروی ہی کامیابی کی کلید اور نجات کا ذریعہ ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو رقم فرماتے ہیں

"خواب اور رویاء کے پیچھے نہ پڑیئے۔ یہ گو بشارت ہو مگر مقصود نہیں۔

مقصود بذریعہ اعمال حصولِ رضا و قرب ہے، رویائے صادقہ بشارت ہیں اور بس"

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"خواب کی حیثیت محض مبشرات کی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ بیداری کے معاملات کی طرف توجہ فرمائیے۔ اُسی کا سوال اور اس کا مواخذہ ہے۔ باقی رویاء اور خواب مبشرات سے زیادہ نہیں۔ دھن کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیئے اور ظاہر و باطن کی تہذیب و درستگی میں لگے رہیئے (خواب وندا وغیرہ) ناقابل التفات امور ہیں۔ اپنے کام میں لگے رہیئے"

مولانا مسعود عالم ندویؒ کو لکھتے ہیں:۔

"خوابوں پر اعتبار مبشرات کی حد تک ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اور لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ کی تفسیر میں وارد ہے۔ اس کے علاوہ خوابوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

چوں غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب جویم" (مکاتیب سلیمان ص۱۷۶)

ایک مسترشدِ خاص کو ارشاد فرماتے ہیں :-

"خواب کو اہمیت نہ دیجئے۔ بس یوں سمجھیں کہ رحمت الٰہی متوجہ ہے اور اس سے فائدہ اٹھائیے .... خواب کی اہمیت اس قدر ہے۔ کہ اگر رویائے صادقہ ہے تو مبشرات میں سے ہے (تذکرہ سلیمان صفحہ ۲۰۳، ۲۰۴)

ایک خط میں ہے "خواب کی حیثیت جیسا کہ آپ جانتے ہیں بشارت ہے"

ایک خواب کی تعبیر دیتے ہوئے ایک سالک کو ارقام فرمایا:-

..... خواب کی حیثیت صرف بشارت کی ہے اور اس ہیچمدان کو دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ساری توفیقات ہیں وہ جب چاہتے ہیں تو کسی بندہ کو خواب یا بیداری میں تنبیہ یا توفیق ارزانی فرماتے ہیں اور اس کے لئے کبھی کبھی "اوقع فی النفس" ہونے کے لئے اس کی شکل وصورت کو وہ بمنزلہ جارحہ وآلہ بناتے ہیں۔ جس سے صاحب معاملہ کو مناسبت اور محبت اور عقیدت ہوتی ہے۔ وَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ...... (بہر حال) خواب کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس بات کا شکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تربیت اس طرح فرماتے ہیں ..... (لیکن) خواب کی طرف توجہ نہ کیا کریں (کہ) رویا (محض) بشارت ہیں۔ ان کے سوا ان کی اور کوئی حیثیت نہیں نہ یہ ذریعۂ قرب ہیں اور نہ ان پر اتکال مفیدِ طریق، البتہ خوش ہونا چاہیئے۔"

انہیں کے نام دوسرے مکتوبات میں ارشاد ہوتا ہے:-

"یہ سب (خواب) بشارات ہیں اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کیفیت عطا ہو رہی ہے۔ جس کا بیان ہے۔

قلبہ معلق بالصلواۃ او بالمسجد فھنیاءً لکم .....

" خواب کی حیثیت شرع میں صرف بشارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اظہار بشارت کے لئے کبھی اُن شکلوں کو منتخب فرماتے ہیں جن سے خواب دیکھنے والوں کو مناسبت ہوتی ہے۔ اس میں خواب میں نظر آنے والے بزرگوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اظہار بشارت میں (انہیں) اپنا آلہ اپنے فضل سے بنالیا۔ وللہ الحمد۔ رویا میں غلیظ و نجاست دیکھنا دنیا طلبی اور حبِ مال دنیا کی تمثیل ہے۔ ظاہری نجاست نہیں۔ اس باطنی نجاست سے اپنے کو پاک کیجئے۔ اور مشتبہات مال سے پرہیز کیجئے"

ایک ندوی فاضل کو لکھتے ہیں:۔

" آپ کا خواب مبارک ہے۔ اور اس میں اس کی بشارت ہے۔ کہ آپ کو سلسلہ اشرفیہ و امدادیہ سے طبعی مناسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید عنایت فرمائیں۔ مگر یہ خیال رہے کہ قرب و ولایت کی راہ صرف عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں۔ بقیہ جذب و شوق و ندا و رویا، وغیرہ محمود ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ اس لئے ان سے دل نہ لگائیں۔ اس کو راستہ کی سیر کا تماشا جانیں۔ انہیں کے دو دگر خوابوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ " آپ کے یہ خواب مبارک ہیں پہلے خواب کا منشاء تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کے سیر سلوک میں میرے مشورے مفید و معاون ثابت ہوں گے۔ دوسرا خواب بھی ادھر ہی ہدایت کرتا ہے۔ چونکہ محبت کا اخفاء حال اور کیفیات و جذبات پر عقل کو غالب کرنا اور عقل پر حکم شرع کو غالب کرنا اصل دین ہے۔ اس لئے پولیس نے آپ کو اس (بے قابو ہونے اور مدہوشی) سے روکا۔ میرا یہ منہ کہاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کروں مگر آپ کا خواب آپ کو یہی بتاتا ہے کہ میری تعلیم میں سنت

نبویؐ کا اتباع ہے۔ بہر حال خواب محض بشارت ہے۔ ان پر اعتماد کر کے اپنی حالت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ (اور) دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام دوم نوافل مسنونہ اور اذکار کی کثرت، ان کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو۔"

ایک اور مکتوب میں ہے:۔ "آپ کا خواب مبارک ہے اور اس سلسلے میں آپ کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اللّٰھم زدفزد"

ایک صاحب نے لکھا کہ "موجودہ بیماری سے پیشتر خواب میں مرض کے بارے میں مطلع کر دیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں کے ساتھ یہی صورت ہوتی ہے اور یہ علو مدارج کا ذریعہ ہے"۔ حضرت والاؒ نے جواب میں عتاباً تحریر فرمایا:۔

"خواب سے مطلع کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے اپنی بزرگی کا زعم نہ ہو، کہ ایسے خواب فاسق بھی دیکھ سکتے ہیں۔

رویائے نبوی

رویائے نبویؐ بہت بڑی نعمت اور اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے۔ لیکن یہ نعمت بھی نہ تو بزرگی کی دلیل ہے نہ تو حجت شرعی، محض عنایتِ رب اور بشارت عالیہ ہے۔ اس لئے وجہ مسرّت و محمود ضرور ہے۔ لیکن عقائد و اعمال کا مبنیٰ ہرگز نہیں۔ اس بارے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ ہم جیسوں کا کیا مقام کہ حضور انور سیّد الانبیاء والمرسلین صلوٰات اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رویتِ مَنامی کا حوصلہ و حرص کریں۔ کہ وہ جمال جہاں آراء استحقاقاً ہر کہ ومہ کو مشرف نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک طالب کی ایسی ہی تمنا پر ارقام فرمایا تھا کہ

"یہ تو بڑی ہمت کی آرزو ہے، ہم کس لائق ہیں، کہ اس دربار میں رسائی کی آرزو کریں"

ایک اور مسترشد کو تحریر فرمایا:۔ بے شک یہ بڑی جرأت کی بات ہے تاہم کثرت درود سے یہ نعمت حاصل ہوتی ہے"

مزید برآں اگر اللہ تعالیٰ کسی کو آپ کی زیارت منامی سے مشرف فرما بھی دے تو اس کا حق حقوق نبوی (عظمت ومحبت، اتباع ونصرت نبوی) کے ذریعہ ادا کرنا مزید برمؤکد ہو جاتا ہے ورنہ سلب نعمت کا خطرہ رہتا ہے۔

ایک خادم جس نے چار پانچ مرتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ اپنے خوابوں سے حضرت والاؒ کو مطلع فرمایا۔ حضرت الشیخ قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا:۔

"بے شبہ رویائے نبویؐ موجب خیر وبرکت اور باعث بشارت ہیں لیکن اس کا شکریہ بھی اتباع نبویؐ کے ذریعہ ادا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ سلب نعمت کا خوف ہے"

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے ایک مسترشد خاص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی سے مشرف ہوئے اور خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے لپٹ گئے اور دہن مبارک کو چوما۔ انہوں نے حضرت والاؒ کو اپنے خواب کی اطلاع دی حضرت والاؒ نے اس رویا کے متعلق تحریر فرمایا۔

" اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک بڑی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہر نعمت کی قدر واجب ہے۔ تاکہ مزید عطا ہو۔ اور کوئی مرتکب عدم شکر ہو۔ تو نہ صرف سلب نعمت کا خوف ہے بلکہ ابتلاء کا بھی، اس نعمت کی قدر یہ ہے کہ معمولات میں درود شریف کی ایک تعداد بھی داخل کریں جس کو باآسانی پورا کرسکیں اگر ہر روز نہ ہوسکے تو جمعہ کو تو ضرور اہتمام کیجئے خواہ

میں کمی ہو جاتے"

دوسرا اہتمام یہ ہے کہ اب اس سینہ کو برائیوں سے پاک اور اس منہ کو ہر خلافِ شرع قول (غیبت و کذب وغیرہ) سے محفوظ رکھئے [1] ...... میری دعا ہے کہ اتباعِ سنت کی مزید توفیق ہو۔"

---

[1] حضرت سیّدی قدس سرہٗ کو تعبیر خواب کے ملکہ یوسفی سے بہرہ وافر عطا ہوا تھا۔ اور اس کا پورا اندازہ تو سالکین کے نام تربیتی مکتوبات سے ہوگا۔ نمونتہً ایک خواب اور اس کی تعبیر پیش کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا محمد اویس ندوی نگرامی مدظلہ نے خواب دیکھا کہ "ریل کے ڈبہ جیسی ایک موٹر ہے اگلی سیٹ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ مگر پائے مبارک میں چوٹ ہے اور پچھلی سیٹ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک ہے۔ سید صاحب نے جسد مبارک سے قلب اقدس کو لے کر انہیں دیا۔ انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور سید صاحبؒ نے پھر اس کو جسد اطہر میں رکھ دیا" حضرت والا قدس سرہ کو انہوں نے اپنے خواب سے مطلع کیا اور سید صاحب نے اس خواب کی کیا عجیب تعبیر دی۔ ملاحظہ فرمائیے سید صاحب ارقام فرماتے ہیں "حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اگلی سیٹ میں ہیں۔ وہ تورات سے عبارت ہے۔ پائے مبارک کو صدمہ تورات کی تحریف کی طرف اشارہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک اسلام سے عبارت ہے اس کا قلب اقدس قرآن پاک ہے جو میرے واسطے سے آپ تک پہنچا۔ خود سیرۃ نبوی کی تالیف میں شرکت بھی میری ہی ذات کے واسطے سے ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی نوازش اور لطف و کرم محض ہے۔ جو اپنی غفاری و ستاری سے ایسے رویائے بشارت سے سرفراز فرماتے ہیں۔"

اسی طرح بقول حضرت الشیخؒ "صالحین کو دیکھنا بھی بشارت و برکت ہے"۔ تاہم نرے خوابوں پر تکیہ و اتکال کسی صورت مفید طریق اور ذریعہ قرب و رضا نہیں محض خوش خبری اور بشارت ہیں جن سے فرحت و انبساط حاصل کر کے مزید ہمت و عزیمت کے ساتھ اعمالِ خیر میں مشغول ہو جانا چاہیئے کہ نعمت کا شکریہ ادا ہو سکے کہ اس بارے میں صلحا اور محققین کا یہی طریق رہا ہے۔

قرب ربانی و لذت

سالکین کو اس راہ میں ایک اور گھاٹی یہ پیش آتی ہے کہ وہ مختلف اذکار و احوال کی لذت کی طلب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے حاصل نہ ہونے پر ناکامی کا گمان کر بیٹھتے ہیں۔ حضرت سیدی و مولائی نور اللہ مرقدہ اس لذت طلبی کو سالکین کے حق میں انتہائی خطرناک سمجھتے تھے ایک طالب سے جو اذکار و نماز وغیرہ میں لذت نہ ملنے پر رنجیدہ تھے۔ احقر کی موجودگی میں فرمایا "لذت کو قرب میں کوئی دخل نہیں یہ دو دھاری تلوار ہے اور بڑے خطرے کی چیز ہے" طالب نے عرض کیا "بغیر لطف و لذت کے عمل مشکل ہو جاتا ہے"۔ فرمایا "یہ تو از الہ مشکل لذت کے لئے ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہوا۔ ممکن ہے۔ ایسا شخص لذت کے لئے نماز پڑھ رہا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے نہ پڑھ رہا ہو" پھر فرمایا "یہ عامیانہ تصوف کہاں سے سیکھ لیا، یہ تو گڑ کے لئے نماز پڑھنا ہو گیا" پھر اپنے چند اشعار پڑھے۔

تیرے نام ہی میں حلاوت ملے
جو ذوق محبت کی لذت ملے

جو تیری رضا کی بشارت ملے
تو دونوں جہانوں کی راحت ملے

محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے اس کی جو حسرت ملے

ہر حال بندے پہ ہے بندگی
کرم ہے جو ذوق عبادت ملے

ترے عشق کے غم کی دولت ملے تو سارے غموں سے فراغت ملے

اور فرمایا "بس طالب مولیٰ بنیئے، طالب لذت نہ بنیئے، دوا سے صحت مقصود ہو۔ دوا کی لذت مقصود نہ ہو۔ حکیم کو منتخب کیا جاتے تو اس سے یہ نہ کہا جائے کہ خمیرہ گاؤزبان لکھ دیجئے۔ اگر وہ چرائتہ لکھ دے تو آپ کو یہ حق نہیں کہ اس سے منع کریں۔

بدرو وصاف ترا حکم نیست دم درکش

کہ ہر کہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

ایک دوسرے صاحب نے ایک موقع پر فقیر کی موجودگی میں عرض کیا "حضرت بعض اوقات ذکر شوق و ذوق سے نہیں ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات دل پتھر سا معلوم ہوتا ہے کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔" فرمایا۔

" یہ احوال ہیں۔ جو بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی فکر کی ضرورت نہیں۔ اصل چیز تو مقامات ہیں معلوم ہوتا ہے۔ ابھی تک آپ ان کیفیات و لذت وغیرہ کے چکر سے نہیں نکلے۔ ان ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کشف و لذت کچھ نظر آنا۔ یہ چیزیں التفات کے قابل نہیں مقامات کو حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ صبر و شکر، رضا وغیرہ، توجہ و کوشش کے قابل تو یہ چیزیں ہیں۔ غیر اختیاری امور کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ جب تک ان چیزوں سے نہ نکلا جائے مقصود کا پتہ نہیں چلتا۔ غیر مقصود کو مقصود سمجھ لینا سب سے بڑی غلطی ہے"

ایک گرامی نامہ میں ارقام فرمایا۔

" ذکر میں لذت کی تلاش اور اس کے نہ ملنے پر مردودیت کا شبہ اس راہ کا سخت پتھر ہے اگر اس ذوق کا جاتا رہنا گناہ کے سبب سے نہ ہو تو مضر نہیں، اور یوں بھی "کل جدید لذیذ" کے اصول سے ایک مدت کے بعد اس کا مزہ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اغذیہ

مادی کا حال ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ لذت ملنے نہ ملنے پر تولید خون موقوف نہیں۔ وہ صرف ہضم ہونے والی غذاؤں سے بنتا ہے۔ آپ اپنی طرف سے کوشش کرکے غذا کھائے جائیں اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ہے:۔

"خوشی کی بات ہے کہ آپ تہجد پڑھتے ہیں۔ پہلے جو کبھی تہجد کا موقع ملتا تھا۔ اس وقت دعا اور گریہ جو ہوتا تھا۔ وہ کبھی کبھی پڑھنے کی وجہ سے تھا۔ اب مداومت سے پڑھنے پر جو وہ کیفیت روزانہ نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یہ ایسی ہی ہے کہ جس کو کبھی کبھی پلاؤ کھانے کو ملتا ہے تو اسکو اسمیں بہت مزہ ملتا ہے۔ لیکن جب وہ ہی غذا کسی کو روزانہ ملنے لگے تو وہ مزہ اس کو نہیں ملتا، مساوات ہو جاتی ہے۔ پھر گریہ سے تہجد کی مداومت ہزار درجہ بہتر ہے اور شکر کے قابل ہے"

ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

"لذت کو نعمت ضرور ہے۔ لیکن اس کو قرب الٰہی میں کوئی دخل نہیں"

ایک مرید کو لکھتے ہیں:۔

"سالک کو بڑا دھوکا ذوق وشوق اور لذت کا ہوتا ہے۔ سو اس کو پوری طرح سمجھ لیجئے۔ کہ یہ چیزیں آثار محمودہ ضرور ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ ان کا منشاء اسی قدر ہے کہ کام میں جی لگتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔ مگر اس کو قرب و رضا اور حصول ثواب میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ یہ امور غیر اختیاریہ میں ہیں اور امور غیر اختیاریہ نہ مطلوب ہیں نہ مقصود، دوا کا اعلیٰ مقصود صحت بخشی ہے۔ خوش ذائقگی اور لذت نہیں۔ جب انسان کے بدن میں صحت آتی ہے۔ تو طاقت اور کھانے کی لذت خود آجاتی ہے۔ اس کے لئے کوئی الگ ذائقہ کی حاجت نہیں۔

ایک سالک کو ارقام فرمایا:

" ابتدائی جوش و شوق میں کمی فطری ہے ، یہ مرحلہ زندگی میں پیش آتا ہے ، یہ کوئی افسوس کی چیز نہیں ، جوش و شوق ہو یا نہ ہو عمل میں کوتاہی نہ ہونے پائے جس طرح آغازِ شباب میں عروسِ نو کے ساتھ جو شوق و جوشِ طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ وہ رفتہ رفتہ تمکین سے بدل جاتا ہے اور بجائے بوالہوسی کے دیرینہ محبت اور باہمی وفاداری اس کی جگہ لے لیتی ہے میرا ایک شعر ہے ۔

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی

ہائے وہ جوش تو ہنگامہ آغاز ہے "

اپنے ایک مسترشد خاص کو ارشاد فرماتے ہیں :

" اگر آپ کو اپنے اعمالِ حسنہ کے متعلق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سراب ہیں تو ایسا سمجھنا اس بنا پر ہے کہ آپ کو ان میں چمک دمک اور لطف و تڑپ نہیں محسوس ہوتی ، جو نتیجہ ہے ، محبت طبعی اور محبت عقلی میں فرق نہ کرنے کا ، محبت طبعی بہیمی چیز ہے ۔ جس کے آثارِ ظاہرہ حیوانات تک میں محسوس ہوتے ہیں ، لیکن محبت عقلی میں کمال سادگی ہوتی ہے اور اس کا منشاء صرف طلبِ رضائے دوست اور اس کے حکم کی تعمیل ہے " (تذکرہ سلیمان ص۱۲۳)

ایک صاحب کو ارشاد فرماتے ہیں : " یہ انبساط و انشراح مبارک ہو ۔ گو یہ انشراح و انقباض آتا جاتا رہتا ہے اس کی پرواہ نہ کیجئے ۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے نیک امید رکھئے اور اپنے کام میں لگے رہیئے "

دوسرے مکتوب میں ہے !

" اس راہ میں ایسا ہوتا رہتا ہے (کہ سرور و لذت نہیں ملتا) ۔ اس کی فکر نہ کیجئے ، یہ

سرور ولذت ہمارے آپ کے اختیار کی چیز نہیں۔ ان کے درپے نہ ہوئیے! ازنکا معصیت، صحبتِ ناجنس اور غفلت نہ ہو۔ اس کا علاج استغفار کی کثرت ہے اور بہت نافع ہے" (تذکرہ صفحہ ۴۰۲)

" ذکر ہر حال میں کرنا چاہئیے۔ اگر لذت ملے تو نعمت ورنہ اداۓ فرض کی نعمت تو بہر حال ہے۔

بہر حال بندہ یہ ہے بندگی۔ کرم ہے جو ذوق عبادت ملے۔۔۔۔۔

۔۔۔۔کیا دوا کے استعمال سے غرض طلبِ صحت ہے یا لذّتِ کام و دہن؟ اگر یہ میسر آجاۓ تو فبہا۔ ورنہ دوا سے انکار تو نہیں کیا جاۓ گا (تذکرہ صفحہ ۴۳۳، صفحہ ۴۳۴)

" یہ احوال پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر کیفیات قائم نہیں رہتیں، جیسے کوئی ہر وقت ہنستا، روتا، یا غصہ میں نہیں رہ سکتا۔ مگر طاعت میں علی کل حال لگا رہنا چاہئیے۔ اس سے کبھی غفلت نہ ہو۔ بلکہ لطف وکیفیت کے نہ ہونے پر بھی جو عبادت کی جاتی ہے۔ اس میں مجاہدہ کا ثواب زیادہ ہے کہ بندہ باوجود حظّ ولذّت سے محرومی کے کام میں لگا ہے۔ غلام کو خواہ آقا کی خدمت میں لذّت آۓ یا نہ آۓ خدمت میں لگا رہنا ہی ہے۔ ورنہ وہ آقا کی راحت کا نہیں بلکہ اپنی لذت کا طالب ہے۔ جو شرط وفا کے خلاف ہے۔ غرض اس راہ میں قبض یا بسط جو کچھ پیش آتے اس پر راضی رہنا چاہئیے۔ آقا کی مرضی وہ جس حال میں رکھے۔"

سالکین کے لئے اس اقتباس کا ایک ایک حرف حرزِ جان بنانے کے لائق ہے کہ لذّت طلبی کے بارے میں حقائق کی عجیب عقدہ کشائی فرمادی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت الشیخ قدس سرہ کے ان ارشادات سے لذّت کی غیر مقصودیّت واضح اور

میسر ہو جاتی ہے تاہم اگر لذت بے طلب خود سے میسّر آئے تو اللہ تعالے کی نعمت محمود اور قابل شکر ہے. چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں .

"حصول لذت محمود ہے مگر مقصود نہیں اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے ۔ وہ خود سے آئے گی ..... (ایسے) حلاوت ایمان ذکر کی کثرت اور اطاعت الہٰی کی مداومت سے حاصل ہوتی ہے ۔"

...... " یہ لذّت و فرحت مبارک ہے جو گو بالذّات مقصود نہیں لیکن محمود ہے ۔ فالحمدللہ. اس پر خدا کا شکر ادا کیجئے ۔ یہ بڑی نعمت ہے"۔

ان مباحث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ لذّت و ذوق و شوق کو قربِ الہٰی میں بالذات کوئی دخل نہیں . اس لئے ذکر و عبادات کو لطف و لذت وغیرہ کے جذبات سے خالی ہو کر صرف رضائے الہٰی کے لئے کرنا چاہیئے کہ خلوت خانہ دل میں اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہونا چاہیئے لذت تو صرف اس میں ہے کہ صرف اس کے لئے اس میں شاغل ہو کر اسی کے جلووں سے لطف اندوز ہو اور اس کی رضا و عطا پر سب کچھ قربان کرے ۔ لذت ملی تو کیا نہ ملی تو کیا ۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از غیر او تمنائے ،

استغراق دلیلِ قرب نہیں

بعض حضرات حبِّ الٰہی اور عبادات میں مدہوشی و استغراق کو علامتِ کمال اور دلیل قرب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بقولِ امام الطریقہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ "اللہ تعالیٰ کا نام ہوش بڑھانے کے لئے لیا جاتا ہے نہ کہ ہوش کھونے کے لئے"۔

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اتباعِ احکام اور سیر سلوک کی جملہ منازل میں ہوشیاری و بیداری، تیقظ و ہوش کو باعثِ ترقی اور دلیل کمال سمجھتے تھے اور نری بے خبری و دیوانہ پن، استغراق و انہماک کو نہ تو نشانِ قرب قرار دیتے تھے نہ تو مفید طریق نہ ذریعہ ترقی روحانی،

چنانچہ ایک خادم کو لکھتے ہیں۔

"باقی جو آپ کی تمنا ہے کہ آپ کو عشقِ الٰہی اور عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) لگے اور اس میں استغراق ہو جائے تو جہاں تک تمنا کا تعلق ہے۔ مناسب ہے لیکن یہ سمجھنا کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں۔ صحیح نہیں۔ ہر مومن کو اس کا مرتبہ کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ اور آپ کی یہ صورتِ تمنا اس کی دلیل ہے۔ البتہ اس میں ترقی اعمالِ خیر میں ترقی ہی سے ممکن ہے۔ جس قدر اعمال میں ترقی ہو گی۔ اور محبوب حقیقی کے احکام کی تعمیل میں ترقی ہو گی۔ اس قدر اس مرتبہ میں ترقی ہو گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ، باقی استغراق و انہماک کی طلب تو یہ ناسمجھی سے ہے۔ استغراق و انہماک کمال نہیں ہے۔ چنانچہ حضراتِ

انبیا علیہم السلام اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے پاک تھے۔ آپ غور کریں۔ کہ کسی محبوب کے احکام کی تعمیل میں دیوانہ پن اور بے خبری دلیل کمال ہے یا ہشیاری اور بیداری کمال کی دلیل ہے۔ سنا ہے کہ انگریز سپاہی شراب میں مست ہو کر لڑتا ہے اور پٹھان پوری ہوشیاری اور بیداری سے بتائیے ان دونوں میں شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کس میں ہے؟"

ایک سالک نے لکھا۔" ذکر کے وقت اکثر " حضور" حاصل نہیں ہوتا ..... گو ذکر کے ناغہ پر بے چینی رہتی ہے ..... پھر بھی اس کا رنج ضرور ہے کہ ذکر میں جو استغراق پیدا ہونا چاہیئے بالکل حاصل نہیں" (ملخصاً)

حضرت الشیخ قدس سرہ نے جواباً ارقام فرمایا۔

" ابھی تک آپ کی سمجھ میں ذکر کی حقیقت نہیں آئی، اس سے مقصود محبت الٰہی کی ترقی ہے۔" استغراق" اور "حضور" دو (الگ الگ) چیزیں ہیں" استغراق" تو اس کا نام ہے کہ انسان کا شعور باطل ہو جائے، بوجہ شدتِ انہماک کے یہ مطلوب و ممدوح نہیں۔ البتہ "حضور" مطلوب و ممدوح ہے۔ وہ اس کا نام ہے کہ فی الجملہ ذکر میں مذکور یعنی اللہ تعالےٰ کا استحضار ہو یا قلب کی طرف توجہ یا خود ذکر کی طرف دھیان ہو۔ ان میں سے جو بات جس وقت اور جتنی بھی حاصل ہو جائے وہ شکر کے قابل ہے کیونکہ وہ عطائے الٰہی ہے اختیاری نہیں۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہو گیا ہے کہ استغراق و بے خبری مطلوب و دلیل قرب و کمال نہیں۔ اس لئے اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے اور جملہ اعمال کو شریعت مطہرہ کے احکام (ظاہری و باطنی) کے مطابق پورے ہوش و توجہ سے بجالانا چاہیئے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ ہے۔

"کیفیات وجذبات اور جوش پر عقل کو غالب کرنا اور عقل پر حکمِ شرع کو غالب کرنا اصل دین ہے"

قربِ ربّانی اور اختیاری وغیر اختیاری امور

انسان اختیاری امور کا مکلّف ہے اور اسے غیر اختیاری امور و اعمال کی تکلیف نہیں دی گئی۔ سورہ بقرۃ میں ارشاد ربّانی ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا — خدا کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ کی تکلیف (البقرۃ - ۴۰) (حکم) نہیں دیتا۔

دوسرے مقام پر ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا مَا اٰتٰہَا ط — اللہ تعالیٰ کسی پر اس سے زیادہ بار نہیں ڈالتا (الطلاق - ۱) چاہتا جتنا اسے دیا ہے۔

یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ — اور (اللہ تعالیٰ نے) تمہارے لئے دین میں (حج - ۱) کوئی تنگی نہیں رکھی۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت انسانوں کے لئے آسانی چاہتا ہے۔

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ - ۲۳) — خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں

اس قسم کی آیتوں کی مزید وضاحت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی سے ہو جاتی ہے۔

فرمایا:-

اِنَّ ھذا الدین یسر ولن یشادّ الدین احدٌ الاّ غلبہ (کنزالاعمال بحوالہ بخاری ونسائی ج۲ ص۹ - سیرۃ النبی بحوالہ جمع الفوائد ج۵ ص۳۵)	یہ دین آسان ہے جو کوئی شخص دین سے سختی میں مقابلہ کرے گا۔ تو دین اس کو مغلوب کر دے گا۔

اور فرمایا:-

لا تشدّدوا علی انفسکم فیشدّدُ علیکم فان قوماً شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلکَ بقایاھُم فی الصوامع والدّیارات رَھْبَانِیَّةَ اِبْتَدَعُوْھَا مَا کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ (کنزالعمال ج۲ ص۹ بحوالہ ابوداؤد)	اپنی جانوں کے اوپر سختی نہ کرو کہ تم پر سختی کی جائے۔ پس ایک قوم نے اپنی جانوں پر (دین) کے بارے میں سختی کی پس اللہ تعالیٰ نے ان پر (ان کی زیادتی کی وجہ سے) سختی کی پس یہ کلیساؤں اور کنیساؤں میں اپنی (دین میں تشدد کرنے والوں کے بچے ہوئے افراد ہیں (جنہوں نے بزعم خود خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بقول قرآن پاک) رہبانیت کو اپنے لئے خود) ایجاد کر لیا تھا اور ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا

ایک اور روایت میں ہے۔

یا ایھا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یملُّ حتیّٰ تملوا (کنزالعمال ج۲ ص۸ بحوالہ صحیح بخاری وصحیح مسلم)	اے لوگو! اعمال میں اتنے ہی کاموں کو اختیار کرو جتنا برداشت کر سکو۔ کیونکہ جب تک تم نہ اکتا جاؤ اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتا۔

اس مفہوم کی متعدد روایات کتب حدیث میں نقل کی گئی ہیں (دیکھئے کنز العمال ج ۲ ص ۱۲۰۵ وسیرۃ النبی ج ۵ ص ۲۴۳)

ان نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو صرف انہیں اعمال کا مکلف بنایا گیا ہے جو اس کے اختیار وطاقت میں ہیں اسے تکلیف مالایطاق نہیں دی گئی اور نہ اس پر غیر اختیاری امور کا بار ڈالا گیا ہے۔ اسی سبب سے تمام "احکام الٰہیہ" اور جملہ "اوامر شرعیہ" انسانی استطاعت واختیار" اور "بنی آدم کی فطری وسعت وقوت" کے مطابق مشروع کئے گئے ہیں اور ہر شخص سے ان احکام کی بجاآوری کا مطالبہ اس کی "شرعی" استطاعت ووسعت کے بقدر ہے۔ اس لئے اسلامی سلوک کی جملہ گھاٹیاں اور قرب ربانی کی جملہ منازل صرف مامور بہا اختیاری امور پر عمل کرنے سے طے ہوتی ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اس راہ میں غیر اختیاری اعمال مقصود نہیں اس لئے ان کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ان امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی پوری ہمت وعزیمت سے اختیاری اعمال میں محنت وکوشش کرنا ہی کلید کامیابی ہے کہ طریق میں مامور بہا اختیاری احکام و اعمال میں تساہل وسہل انگاری کی گنجائش واجازت نہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں۔

" آپ اپنی طرف سے امور اختیاری میں تساہل نہ فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ جو ہماری راہ میں محنت کرے گا۔ ہم اس کو راہ دکھائیں گے ...... یہ راہ ہمت وعزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی۔ اسی کا نام مجاہدہ ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ۔ اللہ کی راہ میں پورا پورا مجاہدہ کرو۔

مجاہدہ یہی ہے۔ کہ نفس کی باطل خواہشوں سے اعراض برت کر مقصد حق کو پورا

کیا جائے اور اسی پر دین و دنیا دونوں کی کامیابی کا انحصار ہے۔

ایک دوسرے سالک کو لکھتے ہیں:۔

"ایک اصول نہایت اہم سمجھ لیجئے۔ امورِ اختیاریہ میں بندہ کمی نہ کرے اور امورِ غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہو۔ ..... تمنا ہو تو صاحبِ تمنا کے پیش کیا کیجئے، وہ جو چاہیں گے اور جب چاہیں گے دیں گے اور اگر مدت تک بھی نہ ملے تو اس کے لئے تشویش نہ کیجئے ع

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند"

.... پراگندگی خاطر کی کوئی بات نہیں اعمال سب معلوم ہے۔ ضرورت عمل کی ہے اور حصول تقویٰ اور رضائے الٰہی کی، ساری کوشش اسی کی چاہیئے، باقی سب فلسفہ ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ مقصود صرف اختیاری اعمال صالحہ ہیں اور وہ جملہ امور جو انسان کی استطاعت و وسعت سے باہر ہیں یا اس کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ انسان ان کا قطعاً مکلف نہیں، نہ وہ مقصود ہیں نہ ان کے درپے ہونا مفید و معین سلوک ہے یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ جملہ کیفیات و احوال، مواجید و مکاشفات، رویا و منام وغیرہ اعمال کے ثمرات عاجلہ ہیں جو انسانی دائرہ اختیار سے خارج اور جو محض عطائے رب ہیں، اس لئے یہ غیر اختیاری امور محمود تو ضرور ہیں لیکن مقصود ہرگز نہیں اور نہ ان پر رضائے الٰہی اور قربِ ربانی کا مدار و انحصار ہے اس لئے سالکین کو ابتداء ہی میں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اس قسم کے غیر اختیاری امور کے درپے ہونا رہزنِ طریق ہے پس امور اختیاری میں کمی نہ کی جائے اور غیر اختیاری امور کو نہ مقصد گردانا جائے نہ اس کے درپے ہوا جائے مقصود صرف عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں باقی تمام چیزیں ان کے نتائج و ثمراتِ عاجلہ ہیں

مربیّ حقیقی کی حکمتِ بالغہ جب اور جیسا مناسب سمجھتی ہے۔ ان نتائج و ثمرات کو مرتب فرماتی ہے، کہ بقول حضرت سیّدی قدّس سرّہ احوال قلبیہ گو غیر اختیاری ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے بھی قواعد مبنی بر حکمت رکھے ہیں۔ اس لئے جب ان قواعد کی پابندی کی جاتی ہے تو عادتاً حکمت ربانی طالب کے مناسب احوال و کوائف کا ترتب فرمادیتی ہے۔

تاہم اعمال و طاعات پر ان احوال و ثمرات کا ترتب اگر عمر بھر بھی نہ ہو اور سالک اخلاصِ تام کے ساتھ مرضیاتِ حق میں مشغول ہو، تو اس کی ترقی روحانی میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی کہ رضاء و قرب ربانی کے حصول میں ان آثار کا عدمِ ظہور قطعاً حارج نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ ثمرات عاجلہ کا انتفاء مجاہدہ کی زیادت کی وجہ سے مزید ترقی کا سبب ہو۔ اس لئے سالک کو ان چیزوں کے فقدان پر رنجیدہ و پریشان نہیں ہونا چاہیئے کہ مربی حقیقی کا معاملہ سالکین کے ساتھ انتہائی حکمت و شفقت پر مبنی ہے اس کا ہر تصرف عینِ لطف و عطا ہے اس لئے اختیاری امور کی بکمال عزیمت و اخلاص پابندی اور "غیر اختیاری" امور میں تفویض و سپردگی ہی ذریعہ قرب و رضا ہے کہ ؎

بدرُد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہرکہ ساقیِ ما ریخت عین الطاف است

بہرحال اختیاری و غیر اختیاری امور میں تمیز اور اختیاری امور کا بکمال ہمت و اخلاص اختیار اور غیر اختیاری امور کا ترک (بقول مرشد تھانوی) "نصف سلوک ہے"۔ بلکہ اس عظیم اصول کا کامل ادراک و تتبّع اور اس پر کمال عزیمت و اخلاص سے عمل پورے سلوک کا خلاصہ ہے جس سے جملہ مراحل و منازل بفضلہ تعالیٰ طے ہو جاتے ہیں اور طالب "کشاکش ہائے

رنگا رنگ سے چھوٹ کر سلوک کی سیدھی اور مسنون راہ پر گامزن ہو جاتا ہے اور رضائے الٰہی کی دولت سے ہمکنار ہو جاتا ہے کہ سالک کا کام تو صرف اخلاص کے ساتھ سنت نبوی ؐ کے مطابق سعی و محنت ہے۔ منزل تک رسائی تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل کا کرشمہ ہے۔

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملفوظ ہے۔ "ہم تو صرف طلب و کوشش کے مکلف ہیں۔ وصول کے مکلف نہیں"۔ سالک کے لئے امور اختیاریہ میں ہمت کرکے اپنی پوری سعی و کوشش کر لینا ہی کافی ہے۔ طالب صادق کو رحمت الٰہی کبھی محروم نہیں رکھتی کہ طریق کا ہر درست قدم راہ بھی ہے اور منزل بھی، ذریعہ بھی ہے اور مقصد بھی کہ بکمال اخلاص سنت نبویہ کے مطابق جو قدم بھی اٹھایا جائے گا۔ وہ رضائے رب کا مورد، اور قرب الٰہی کا سبب ہوگا۔ اس طرح اس راہ کا ہر قدم "وصول" کا حکم رکھے گا۔ کہ مقصودِ طریق رضائے دوست ہے۔ دگر ہیچ،

غرض طلب و کوشش اور اختیاری امور کا اہتمام شرطِ وصول ہے۔ رحمت و فضل الٰہی اس کا ثمرہ جب چاہے گا مرتب فرما دے گا ؎

آ ہی جائیگا کبھی اُس تک بھی ساقی دورِ جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تیری محفل میں ہے

اختیاری و غیر اختیاری امور میں تمیز، مقصودہ و غیر مقصودہ اعمال میں امتیاز، مقاصد و ذرائع میں تفریق طریق کا بنیادی پتھر ہے۔ ان چیزوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے طالب سلوک کی گھاٹیوں میں بھٹک کر رہ جاتا ہے اور سلوک کی صاف اور سیدھی نبوی ؐ شاہراہ پا نہیں سکتا۔ اس لئے محقق اور صاحب بصیرت مشائخ طالب کو اس راہ کے جملہ "مراحل و عقبات"

اور نزاکتوں سے آگاہ کرتے رہتے ہیں اور اس پرخطر اور نازک راہ کو گلکدۂ جنت کی سیر بنا دیتے ہیں کہ ع

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

ہمارے حضرت والا قدس سرہ اس راہ کے دقیقہ رس و مبصر راہی و رہنما تھے۔ چنانچہ اپنے مسترشدین کو ہر ہر قدم پر ان حقائق سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ حضرت الشیخؒ کے تربیتی مکتوبات اس پر شاہد عدل ہیں ایک مسترشد نے شکایت کی کہ "نماز میں وہ سرور و کیفیت نہیں پائی جاتی جو پہلے حاصل تھی ..... یکسوئی سے بھی (باوجود کوشش کے) محروم رہتا ہوں" محقق شیخؒ نے جواباً ارقام فرمایا۔

"اس راہ میں ایسا ہوتا رہتا ہے اس کی کچھ فکر نہ کیجئے' یہ سرور و لذت ہمارے آپ کے اختیار کی چیز نہیں اور جو امور اختیاری نہیں اُن کے درپے نہ ہوئیے' ارتکاب معصیت' صحبتِ ناجنس اور غفلت نہ ہو' اس کا علاج استغفار کی کثرت ہے اور بہت نافع ہے" (تذکرہ ص۲۴۴)

ایک دوسرے مکتوب میں اسی سالک کو لکھتے ہیں۔

"نماز میں دل لگنا یا نہ لگنا اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اور جو چیز بندہ کی اختیاری نہیں وہ اس کا مامور بھی نہیں۔ بندہ پر اپنی طرف سے دل لگانے کی کوشش ہے جو اختیاری ہے جس طرح مریض کا کام دوا پینا ہے جو اس کے اختیار میں ہے۔ شفا کا حصول نہیں جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔ نماز میں استحضار اور خشوع و خضوع کے لئے کوشش چاہیئے اور اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ معانیِ ادعیہ و سورِ قرآنی جو پڑھے ان پر نظر رہے اور ہر لفظ ارادہ سے نکلے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بتوجہ کثرتِ ذکر کا اہتمام رہے' اس سے انشاء اللہ مطلوب حاصل ہوگا۔ یعنی یہ نسخہ ہے جس سے شفا کی اُمید ہے۔ مگر شفا کا ہوجانا یہ

اللہ تعالیٰ کے اختیار اور بخشش کی بات ہے۔ مگر جس طرح عادت الٰہی جاری ہے کہ عموماً صحیح نسخہ کے استعمال کے بعد وہ شفا عنایت فرماتے ہیں۔ ایسے ہی اس طریقہ سے نماز میں استحضار و خشوع بفضلہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر کوشش کے بعد بھی حاصل نہ ہو تو بندہ کے لئے یہ محرومی انشاء اللہ مضر نہیں، طمانیت رکھیں، " لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (تذکرہ ۳۹۳)

ایک دوسرے گرامی نامہ میں انہیں تحریر فرماتے ہیں

" لطف مطلوب نہیں۔ اگر دل نہ چاہے اور پھر عبادت کی جائے تو مجاہدہ کا مزید ثواب ہے۔ لطف اختیاری چیز نہیں اور غیر اختیاری چیزیں عطیہ الٰہی ہیں۔ ..... (سجدہ میں لطف کی) یہ کیفیت محمود ہے مگر اس میں کوئی قرب نہیں۔ قرب اطاعتِ محض میں ہے (تذکرہ ۴۳)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان صرف اختیاری امور کا مکلف ہے اور یہی اختیاری طاعات و اعمال انسان کے لئے قرب ربانی کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ غیر اختیاری اعمال گو محمود ہیں مگر مقصود نہیں اس لئے ان کا قرب میں کوئی دخل نہیں۔ پس سالک کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اختیاری اعمال میں کوتاہی نہ کرے غیر اختیاری امور و احوال و کیفیات کے درپے نہ ہو۔ حکمت ربانی جس وقت جس چیز سے نوازے اسی کو عین حکمت اور عطائے رب سمجھے۔ اگر ان چند باتوں کا اہتمام رہے تو سلوک کے بارے میں بیشمار الجھنوں سے خلاصی میسر آسکتی ہے۔ اور سلوک کی راہ کمالِ آسانی کے ساتھ طے ہو سکتی ہے۔

پانچواں باب

معمولاتِ سلوک

ذکر و تہجد و نوافل و تلاوتِ قرآن وغیرہ

طریقِ محبت کے راہی چونکہ حجلہ نشینِ ازل کے شیدائی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سوختہ سامانوں کا زادِ راہ یادِ حبیب اور توشہ درد و سوز ہوتا ہے۔ محبوب کی یاد میں ہر دم مگن، اس کے نام سے ان کی زبانیں تر، اس کے دھیان سے ان کے قلوب شاداں اور روحیں منور ہوتی ہیں۔ منشائے حبیب پر وہ جانیں قربان کرتے ہیں اور اس کے اشاروں پر ان کی ہر حرکت موقوف ہوتی ہے۔ ان کی زندگی میں اس کے اوامر سے ہی جان آتی ہے اور اس کے مشاہدہ سے ہی وہ قرار پاتے ہیں اس لئے ان محبینِ صادقین کی راہ پر جو گامزن ہونا چاہے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کا طریق اختیار کرے یادِ الٰہی سے اپنا ہر سانس اور قیام و سجود سے اپنی ہر رات زندہ رکھے۔ عبدیتِ کاملہ اس کا مشغلہ ہو، اور فنائے تام اس کا حال، کہ الٰہی رنگ بندگی کے کمال سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ میں اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

عبدیت کے فرائض و واجبات کی ہر حال میں ادائیگی اور سننِ نبویہ و مستحبات دینیہ کی پابندی و استقامت اور آخری سانس تک انہیں فضائل و مزایا کے حصول کی تگ و دو ان کی زندگی کا حاصل ہوتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

رہرواں را خستگی راہ نیست
عشق خود راہ ہست وہم منزل است

معمولات

دینی معمولات کا اہتمام اوران کی پابندی سالک کے تئے ترقیات کا زینہ، کامیابی کا ذریعہ، حصول مقصد کی کلید اور قطع منازل کا کامیاب وسیلہ ہے۔ سلوک کے جملہ احوال ومقامات حقیقتاً مامور بہ اعمال کا ثمرہ اور معمولاتِ شرعیہ کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ "معمولات" و اعمال اصلاً وہ شجرۂ طیبہ ہے جس کے برگ وبار کوائف ومعارفِ سلوک ہیں۔ موجودہ دنیا میں "حیات طیبہ" اور "قرب ورضا" اس کا پھل اور آخرت میں جنت ورضوان اور انعامات خاصہ اس کا ثمر ہوگا۔ آخری سانس تک معمولات اور اعمال صالحہ کے اشتغال و استقامت کے اس پاکیزہ درخت کی آبیاری ہوتی رہتی ہے اور ہر عالم میں اس عالم کے مطابق اس کے پھل اور ثمرات مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ تُؤْتِیْ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا؛ حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ دینی معمولات کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہمیشہ طالبین کو معمولات کے اہتمام وپابندی کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ مختلف سالکین کو اس بارے میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو ارشادات رقم فرمائے ہیں وہ ہر راہی طریق کے تئے سرمہ بینش اور دلیل راہ ہیں۔

مختلف مکتوبات میں طالبین کو ہدایت فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

"معمولات پر استقامت ضروری ہے اگر کسی عذر شرعی سے ناغہ ہوجائے تو حرج نہیں، مگر جیسے ہی موقع ملے، پھر اپنے کام میں لگ جانا چاہیئے۔

"معمولات پر استقامت اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہنا کامیابی کی بڑی دلیل ہے .... مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی مداومت ہر مرض کے تئے اکسیر ہے اور

روحانی ترقی کی کامیاب تدبیر"،

" استقامت اور مداومت حصول مقصد کا سب سے کارگر ذریعہ ہے"

" معمولات میں رخنہ پڑنا ترک ہونے کی تمہید ہے۔ اگر حضرت والا (مولانا تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل روزانہ مطالعہ میں رہتے تو یہ کیفیت نہ ہوتی، نماز، نوافل، ذکر، تلاوت اور اخلاق و معاملات کی نگرانی یہ چند امور ہیں۔ جو لحاظ کے قابل ہیں ان پر نظر رہے تو روح مفلوج نہ ہوگی ...." "ہمیشہ کے لئے یہی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے۔ حضرت والا کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر بے راہ روی سے آپ کو بچائے گا اور آپ کے قلب کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھے گا:"

" امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے اور اپنے معمولات کی بجاآوری میں مصروف ہوں گے .... معمولات میں اتفاقی کوتاہی کا تو کچھ حرج نہیں۔ مگر مسلسل کوتاہی قلبی احوال کے تنزل کا ذریعہ ہوتا ہے اور پھر وہ دوری بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ محرومی تک پہنچا دیتی ہے یہ راہ ہمت اور عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی، اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ اللہ کی راہ میں پورا پورا مجاہدہ کرو۔ مجاہدہ یہی ہے کہ نفس کی باطل خواہشوں سے اعراض برت کر مقصدِ حق کو پورا کیا جائے اور اسی پر دین و دنیا دونوں کی کامیابی منحصر ہے۔"

" آپ کے حالات سے واقف ہوکر اور معمولات کی پابندی کی خبر سے خوشی ہوئی ... آپ کے عراق جانے سے آپ کے متعلق خطرہ تھا۔ کہ آپ ماحول سے متاثر نہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والے اور محافظ ہیں .... بڑی نعمت اس دنیا سے ایمان

و عمل صالح کے ساتھ رخصت ہونے کی ہے جس کا نام حسن خاتمہ ہے ...... انسان کو ہر حال میں اپنے سے چوکنا رہنا چاہیئے. کہ اس کا نفس اس کو فریب میں مبتلا نہ کرے معاملات میں ہمیشہ صفائی اور ایمانداری اور سچائی پیش نظر رکھے"

" امید ہے کہ اب آپ اپنے معمولات پر قادر ہو گئے ہوں گے. سب سے بڑی چیز فرائض کے بعد اخلاقِ رذیلہ سے نجات حاصل کرنا ہے، جس کے لئے دعا کے علاوہ کوشش کرنا بھی ہے ...... اللہ تعالیٰ آپ کی باطنی حالت کو آراستہ کرے اور باطنی احوال میں ترقی عنایت فرمائے ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولیٰ پر نظر رہے"

" بحمد اللہ کوئی شکایت کے قابل تبدیلی نہیں ہوئی. معمولات قائم رہیں، اور منہیات سے احتراز رہے۔ پھر عارضی قلت مضر نہیں .... تعلیم کے مشغلہ کی نسبت یہ خیال کریں. کہ یہ حصول رزق کی کوشش ہے اس نسبت سے یہ تعلیمی جد وجہد بھی عبادت ہی میں شمار ہوگی . بایں ہمہ اوقات نماز و نوافل و ذکر کو قائم رکھیں .... انشاء اللہ تعالیٰ یہ (دوام ذکر کی) نعمت آپ کو حاصل رہے گی"

چند مبتدی طالبین کو تحریر فرماتے ہیں.

اپنے حالات کی درستی اور معمولات کی پابندی میں لگے رہیئے۔ اور غیر ضروری افکار و خیالات کو دل سے نکال دیجئے۔ وقت کی پابندی کے بغیر معمولات

" معمولات کی تکمیل کی کوشش میں لگے رہیئے۔

ناغہ ہوتے ہیں. اس لئے وقت کی پابندی کی ضرورت ہے (ذکر) رات کو نہ ہو سکے ظہر کے بعد بھی، تہجد میں اٹھنا نہ ہو سکے، تو اس کی دو تدبیریں ہیں، ایک یہ ہے کہ عشاء کی نماز و سنت پڑھنے کے بعد لیکن وتر سے پہلے دو دو رکعت کر کے چند رکعتیں صلوٰۃ اللیل

کی نیت سے پڑھیں، پھر وتر پڑھیں، دوسری یہ کہ اشراق و چاشت کے وقت تہجد کی قضا پڑھیں"

"معمولات کی ادائیگی اور تہجد کی پابندی ہو جاتی ہے تو بڑی بات ہے"

ایک طالب کی معمولات کی عدم پابندی پر ارشاد فرمایا۔

" یہ (جماعت سے نماز کا نہ ہونا اور معمولات میں کوتاہی وغیرہ) امور کیوں پیش آئے صرف اپنی سستی کے سبب سے ایسا نہ کیجئے۔ معمولات تو رات یا صبح کو انجام پاتے ہیں وہ کام کے اوقات نہیں ..... معمولات نماز و تلاوت و دعا میں سستی نہ کریں ..... نفع کے لئے (معمولات پر) مداومت شرط ہے۔ اگر کسی عذر شرعی سے ناغہ ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ مگر اہتمام یہ ہو کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔

"(معمولات کی پابندی کے لئے) ہمت کیجئے۔ ہمت سے دین اور دنیا دونوں کے کام ہوتے ہیں .... ان امور (یعنی معمولات) کا فائدہ نفس کی اصلاح اور قلبی ترقی ہے کیفیات پر نظر نہ رکھنی چاہئیے۔ یہ اعمال مثل دوا کے ہیں۔ دوا اگر خوش مزہ نہ بھی ہو اور جی بھی اس کے کھانے کو نہ چاہتا ہو اور پھر بھی کھاتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا فائدہ ضرور ہوگا۔"

ایک طالب نے لکھا: "کبھی کبھی دن رات میں شیطانی و نفسانی خیالات کا غلبہ محسوس ہوتا ہے اس وقت یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ جب یہ چیزیں خیالات کو مکدر کر دیتی ہیں تو اپنی نماز و ذکر و تلاوت وغیرہ معمولات کا کیا فائدہ"۔

حضرت الشیخ قدس سرہ نے حکیمانہ انداز میں ارقام فرمایا۔

"تقاضائے طبیعت کو تو مٹایا نہیں جا سکتا۔ البتہ اس کے اقتضا پر عمل نہ کیا

جائے۔ یہی مجاہدہ ہے اور اسی کا ثواب ہے۔ تقاضائے طبعیت کے ظہور سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ تقاضا نہ ہو پھر گناہ سے بچنا کیا مشکل ہے۔ پھر انسان بھی دیوار کی طرح ہے اگر اس میں کوئی تقاضا نہیں تو پھر اس کے لئے یہ کمال بھی نہیں"۔

ایک طالب کی معمولات میں کوتاہی پر تحریر فرمایا:۔

"یہ حالت تو سخت قابلِ اصلاح ہے اور عزیمت کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں اس حالت سے مرض شروع ہوتا ہے اس لئے آپ کو سخت تنبیہ کی ضرورت ہے"۔

انہی کو ایک دوسرے خط میں لکھا۔

"معمولات میں کوتاہی اگر کسی عذر کے سبب سے ہو تو خیر ورنہ بظاہر اس کمی کا سبب تو اپنے ارادہ اور عزیمت کو کام میں نہ لانا ہے۔ پھر ندامت کس سے ہے۔ مجھ سے تو ہو نہیں سکتی کہ میرے کام میں تو قصور ہوا نہیں ظاھر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ندامت ہے۔ مگر ایسی ندامت جس کے ساتھ آئندہ کی عزیمت نہ ہو بیکار ہے اور رسمی ہے۔ ضروری اشغال میں غفلت کا علاج وقتاً فوقتاً قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول کر لینا ہے"

سفر میں معمولات کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

"ضرورۃً سفر در پیش ہونے میں حرج نہیں حتی الوسع معمولات کا اہتمام چاہیئے"

ایک طالب نے لکھا" سفر میں معمولات وغیرہ چھوٹ جاتے ہیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی "معمولات تو خیر، فرائض میں تو سستی نہ کی جاتے اس لئے بضرورت سفر کیا جاتے"

معمولات پر استقامت

دوسرے مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں۔

"طبیعت کی افسردگی کا اثر معمولات پر نہ پڑنے

افسردگی و خوش طبعی کا نشیب و فراز تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے اس کی فکر نہ کریں۔

" مبارک کہ معمولات پر پابندی سفر میں نصیب ہو رہی ہے۔ سب کچھ ہو نتیجہ اچھا ہے"

" آپ کے حالات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس پر قائم رہئیے۔ استقامت اس میں بڑی چیز ہے اس کی دعا مانگئے کہ اس پر حسن خاتمہ ہو" (تذکرہ سلیمان ص۵۹۹۔ ۶۰۰)

" یہ معمولات کافی ہیں۔ کسی معمول کو نہ کرنا یعنی اپنے معمول میں داخل نہ کرنا اتنا برا نہیں ہے جتنا اس کو معمول مان کر اس سے غفلت کرنا" (تذکرہ ص۶۰۲)

" آپ کے معمولات اور احوال کو معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ اسی طرح چلے چلئے ؎

چلا چل تو منزل بہ منزل یونہی

ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے"

" معمولات کی پابندی استقامت کی دلیل ہے۔ اس کے آثار اعمال، معاملات اور اخلاق میں نمایاں ہونے چاہئیں ...... کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجئے اور صرف حسن عمل اور کثرتِ ذکر کی طرف توجہ رکھئے۔

" بحمد اللہ تعالےٰ کہ آپ نے اپنے جو حالات پہلے لکھے تھے ان میں تبدیلی نہیں ہوئی معمولات پر پابند ہیں۔ ہر کام میں اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی پر نظر ہے"

" یہ کیا کم احسان ہے کہ معمولات پورے کرا دیئے جاتے ہیں۔ جائے شکر ہے"

" یہ نشیب و فراز اور تلوّن عالم کی ہر چیز میں ہے۔ انسان بھی اسی عالم میں ہے۔ اس سے گھبرانا نہ چاہئیے بلکہ اور زیادہ استقامت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہئیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اسی موقع کی ہے اس کو پڑھا کیجئے۔ یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک،

- بحمد اللہ کہ معمولات پورے ہوتے رہتے ہیں۔ تغیر و تبدل اور نشیب و فراز تو اس عالم کی ہر چیز میں ہے .... (آپ نے) طبیعت کے نشیب و فراز اور عدم استقلال کا جو حال لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں اور سب کو اسی طرح پیش آتی ہے۔ اس کی فکر نہ کیجئے اور اپنے کام میں لگے رہیئے..... آپ کی استقامت و اصلاح احوال کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اصل معاملہ عمل کا ہے اس سے ترقی و تنزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ معمولات (کی پابندی) اور احکام الٰہی کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز ہی اصل چیز ہے۔"

.... اپنے کام میں تا آخر دم استقامت کے ساتھ لگے رہیئے۔ یہی بڑی دولت ہے"

" (آپ کو معمولات کی) استقامت پر مبارکباد دیتا ہوں، اب تو زندگی کے آخیر لمحہ تک یہ استقامت قائم رکھنا ہے۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کی دعا چاہیئے ...... دھن کے ساتھ اپنا کام کئے جائیے۔ اور ظاہر و باطن کی تہذیب و درستی میں لگے رہیئے"

(" معمولات میں) جو کچھ ہو رہا ہے اس پر شکر کیجئے اور جو نہیں ہو رہا اس کے لئے ہمت کیجئے

" بارک اللہ تعالیٰ، (معمولات پر استقامت) بے شبہ شکر کا مقام ہے ...... اضطراری عذر کے سبب اگر کسی معمول میں کمی ہو جائے تو انشاء اللہ تعالےٰ ہماری نیت کے مطابق حق تعالیٰ اس کی جزا عنایت فرمائیں گے۔ یہ اُن کی شان رحیمی و کریمی ہے ...... الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ اب اچھے ہیں۔ اگر دوران علالت میں معمولات بعذر ضعف و مرض انجام نہ پا سکے اور ارادہ یہی تھا کہ اگر یہ مانع نہ ہوتا تو آپ ضرور معمولات پورا کرتے تو انشاء اللہ تعالےٰ اس کا اجر بھی ملے گا۔"

" الحمد للہ کہ آپ معمولات کے پابند ہیں۔ اللہ تعالےٰ جلد منزل مقصود تک پہنچائے

.... دوام عمل اور صحت فکر و نظر ہی کامیابی کی کنجی ہے"

"اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے معمولات جاری ہیں"

"اُمید ہے کہ آپ کے معمولات قائم و جاری ہوں گے اور اپنے نفس کے احتساب میں مصروف ہوں گے"

"آپ کا خط ملا، حالات معلوم ہوئے آپکے احوال پابندی معمول و استقامت علی الدین کو معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ اللّٰھم زد فزد۔" ——

"ایک طالب کے اظہار ارادت و عزم استقامت پر ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہ کیفیات محبت کی ہیں۔ اور محمود ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں۔ کہ جو قدم صحیح سمت میں اٹھ چکے ہیں۔ وہ پھر اس وقت تک نہ رکیں۔ جب تک مرحلہ حیات ختم نہ ہو جائے، اسی کا نام حسنِ خاتمہ ہے جس کی تمنا اور دعا انبیاء علیہم السلام تک نے کی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو مرتے وقت وصیت فرمائی۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ، حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت کے کاروبار میں حصہ پانے کے بعد دعا کی۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ، یہ دعا حسن خاتمہ کے لئے پڑھنی چاہیئے۔ حضور صلعم فرماتے ہیں:۔ قُلْ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ"

ایک سالک کو حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ نے معمولات کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے اس کی تفصیل افادہ کے لئے نقل کرتا ہوں۔

"آپ کسی وقت دو رکعت نفل باخلاص و خشوع پڑھ کر استغفار کیجئے اور اسی وقت سے کام شروع کیجئے اور پوری توبہ گذشتہ تقصیروں پر کر کے آگے کے لئے اطاعتِ کامل کا

عزم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ پورا فرمادیں گے۔ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ

۱:۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ حسب ذیل نمازوں پر حتی الامکان مداومت کیجئے۔

نماز تہجد:۔ بعد مغرب ۶ رکعات نفل، طلوعِ آفتاب کے کچھ دیر بعد ۲ یا چار رکعات نفل۔ چاشت چار، نماز پنجگانہ کے بعد نوافل مسنونہ، نوافل اگر بعذر کبھی چھوٹ جائیں تو حرج نہیں۔

۲:۔ تمام منہیات سے توبہ کرکے ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہئیے۔

۳:۔ اس (اوامر و منہیات کے علم) کے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور مطالعہ کیجئے اور ان کے مطابق عمل کیجئے۔

۴:۔ تہجد کی نماز کے بعد درود کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ہر شب بالحاح تمام اپنے لئے دعا کیجئے۔ دعا میں خضوع ہونا چاہیئے۔ عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد بھی دعا خوب کیجئے اور مانگیئے۔ جو آپ کے لئے مناسب ہو، انشاء اللہ ملے گا اس در سے کوئی محروم نہیں ہوا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ اُس کا اعلانِ عام ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ

۵:۔ نماز میں اعتدال ارکان اور حضورِ قلب کی کوشش ہو۔

اب اس کے بعد اپنے احوال سے اطلاع دیتے رہیں۔۔۔۔ جس قدر مکاتبت کا سلسلہ رہے گا۔ انشاءاللہ نافع ہوگا۔ جو حال اس راہ میں ہو اُس سے اطلاع دیں۔ اس راہ میں ضرور ہے کہ مربی کے ہاتھ میں اس طرح دیدیں۔ جس طرح مریض طبیب کے ہاتھ میں اپنے کو دیدیتا ہے

دوسرے مکتوب میں انہیں کو تحریر فرماتے ہیں:" اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بعد فرائض وسنن ونوافل کی پابندی علی مراتب الوجوب والاستحباب کے منہیات شرعیہ سے احتراز کا لزوم کیا جاتے اور ہمیشہ نظر اپنے احوال پر رہے اور جو عیب سب

سے زیادہ ابھرا ہوا علی العیان معلوم ہو۔ اس کے دفعیہ کی کوشش کیجئے۔ مثلاً کبر عجب، ریا، حسد وغیرہ، آپ اس عیب کی حقیقت پہلے دریافت کریں، اگر معلوم نہ ہو، اور پھر اس کا علاج دریافت کریں......

آپ کے لئے عالم مشغول کے اعمال کی تجویز تھی۔ اس سے آگے بڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اس (قصد السبیل) میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کی تقلید کیجئے اس کتاب قصد السبیل کے آخر میں منہیات وادامر کی تصریح ہے۔ وہ پیش نظر رہے۔ مقصود حصول تقویٰ ہے کہ قرآن پاک ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔ اور عبادت کا منشاء بجاآوری کے بعد حصولِ تقویٰ ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔"

ذکرِ الٰہی

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید

رخت بر بندد، بروں آید پلید

چوں در آید نام پاک اندر دہاں

نے پلیدی ماند و نے آں دہاں (رومیؒ)

بادۂ الست کے میگسار عشقِ الٰہی سے سرشار ہوتے ہیں۔

"قرب بے غیبت" ان کا حال اور تصورِ جاناں" ان کا شعار ہوتا ہے ؎

قرب بے غیبت نماز عاشقاں

فی صلوٰۃِ دائمونم آرزوست ! (سید الملۃؒ)

"یادِ حبیب" سے ان کے دل پر انوار اور ان کی خلوت وجلوت عینِ بہار ہوتی ہے ان کے ظاہر و باطن کا نکھار اللہ تبارک وتعالیٰ کے دائمی دھیان و استحضار سے ہوتا ہے۔ حبِّ الٰہی کی طرح "یادِ حق" ان کے ریشے ریشے میں سرایت کر جاتی ہے۔ ان کا ہر بنِ مو "آوازِ دوست" سے پرشور ہو جاتا ہے اور ہر رگِ جان ذکر کی دلنواز صدا بن جاتی ہے۔ تہلیل وتسبیح ان کا مشغلہ، حمد وثنا ان کا معمول اور ہمہ وقت دھیانِ الٰہی ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ وہ اس عالم میں "یادِ الٰہی" کے "زندہ نشان" اور ذکرِ الٰہی

کی ایسی حجابیاں ہوتی ہیں۔ جن کے دیکھے سے غفلت کے قفل کھل جاتے ہیں۔ غافلوں تک کو بے اختیار اللہ تبارک و تعالیٰ یاد آجاتے ہیں۔ حُبِّ الٰہی کا غلبہ انہیں ہر آن حق تعالےٰ جلّ شانہ میں شاغل رکھتا ہے اور "یادِ محبوب" کا دوام ان کے دلوں کو غیر سے فارغ کر دیتا ہے کہ جب ذکر کی حقیقت قلوب پر چھا جاتی ہے اور ذکر دل کے اندر پیوست و راسخ ہو جاتا ہے۔ تو ماسوا کا فکر و دھیان قلب سے کلیتہً خارج ہو جاتا ہے اور سالک پر آیۂ کریمہ " وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا " کی حقیقت جلوہ گر ہو کر اسے "غیر اللہ" سے منقطع اور "ذاتِ ربانی" میں ہمہ تن مشغول کر دیتی ہے۔ ذکر سے دل انوارِ الٰہیہ سے معمور، اور تجلیاتِ ربانیہ کا محل بن جاتا ہے۔ شئون و صفاتِ الٰہیہ کی جلوہ سامانیاں، اور ذاتِ حق کی بارگاہِ قدس میں اس کا ذکر اسے ملاء اعلیٰ کی توجہات و فیضان کا مورد بنا دیتا ہے، الفاظِ ذکر سے حقیقتِ ذکر تک رسائی اسے ذکر، سے "مذکور" تک پہنچا دیتی ہے۔ سلوک کی ابتدا الفاظ ذکر سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا "مذکور" کی "صفات" کی معرفت اشتغال اور ذات متعال کے بے چوں و بے چگوں "دھیان حضوری" کی کیف انگیزیوں میں ہوتی ہے۔ کیفیتِ احسانی "کی ایک پر سکون "نادیدہ تجلی" ہر آن اس کے قلب کو مستورِ ازل کے دھیان میں مشغول رکھتی ہے ؎

' ذکر' "ذاکر" کے دل کو روشن، نرم، منقاد رذائل سے پاک اور فضائل سے

لے۔ حدیث نبوی ہے۔ ان من الناس مفاتیح لذکر اللہ اذا رؤا ذکر اللہ

کنز العمال ص ۱۰۶ ج ۱ بحوالہ مسند کبیر طبرانی عن ابن مسعود)

رفتہ رفتہ آراستہ کر دیتا ہے۔ "تجلیاتِ ذکر" سے ذاکر کو "مذکور" یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص "لگن"، "رابطہ" اور نسبت میسر آجاتی ہے اور وہ "محبوبِ حقیقی" کے رضا و قرب کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اس لئے احکامِ الٰہی کی بے چون وچرا تعمیل اور نواہی سے پرہیز اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔ "ذکر" کی قوتِ محرکہ "ذاکر" کو ہر آن تحسینِ اعمال اور اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے حصول میں سرگرم رکھتی ہے۔ گویا "ذکر" کا لازمہ "احکامِ ربانی" کی پابندی اور منکرات و فواحش سے کلی پرہیز ہے۔ معاصی کے صدور کے ساتھ ذکرِ حقیقی کا اقتران محض دجل و تلبیس ہے وہ ذکر ذکر ہی نہیں جو ذاکر کو گناہوں سے نہ روک دے اور اسے احکامِ الٰہی کا پابند نہ کر دے۔ "ذاکرین" بارگاہ قدس جل جلالہ وعم نوالہ کی رضا و قرب اور اس کی عطایا و نوازشات کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی بارگاہ عالی تک رسائی کے لئے معاصی سے اجتناب اوامرِ الٰہیہ کی پابندی اور اتباعِ سنت کا اہتمام شرط کا درجہ رکھتا ہے۔ گویا "ذاکر" وہی ہوگا۔ جو "مذکور" کے رنگ میں اپنے کو رنگ دے اور اس کے احکام کی کامل اطاعت اپنا معمول، گناہوں سے بچنے کا اہتمام و التزام اپنا شعار اور اتباعِ سنت کو اپنا حال بنا لے۔ ورنہ "صورتِ ذکر" ہوگی۔ حقیقت ذکر کا تحقق و وجود نہیں ہوگا۔

ذکر کی اسی حقیقت و اہمیت کی وجہ سے سلوک و ذکر لازم و ملزوم ہیں۔ یادِ حق سے غافل ہو کر اس راہ کا ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جا سکتا۔ طریق کا مقصد شریعت مطہرہ کے کامل ظاہری و باطنی اتباع سے اللہ تعالیٰ کی رضائے تام کو حاصل کرنا ہے اور چونکہ اصلاح کا سارا مدار قلب کی درستگی، تصحیح نیت اور اعمالِ قلبیہ کے سنوارنے پر ہے اس لئے مشائخ کرام شریعت کے ظاہری احکام کی پابندی، سنت نبویہ کے اتباع و

اہتمام کے ساتھ قلب کی پاکی اور صفائی پر زیادہ توجہ کرتے ہیں، کہ "دل" بن جانے سے انسان بن جاتا ہے اور دل کے بگاڑ سے انسان کا بگاڑ ہے۔ ظاہری اعمال عبادات و اخلاق ہوں یا معاملات و معاشرت ان کی خرابی کی اصل جڑ قلب کے کسی گوشہ میں ہی ہوتی ہے۔ ہدایت و اصلاح کے سب سے بڑے رمز آشنا سیّدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے

"ہشیار رہو کہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہو تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور وہ خراب ہو۔ تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے، ہشیار رہو کہ وہ دل ہے (بخاری مسلم) اس دل کی جلا اور پاکی ذکر الٰہی سے میسّر آتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لکل شیء صقالۃ	ہر چیز کا صیقل (چمکانے والا) ہوتا ہے اور
وصقالۃ القلوب ذکر اللہ	دلوں کا صیقل اللہ تعالےٰ کا ذکر ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۱۹۹ بحوالہ البیہقی)

حضرت سید الملۃ قدس سرہ اس حقیقت کا اظہار اپنے اشعار میں فرماتے ہیں۔

ذکرِ حق سے صیقل کامل ہوا
محو دل سے نقش ہر باطل ہوا
چار جانب بارشِ انوار ہے
جلوہ فرما وہ مہ کامل ہوا
دولتِ کونین سے محروم ہے
جو بھی تیری یاد سے غافل ہوا

قلب کے "تخلیہ" اور "تجلیہ" کے لئے ذکر کی کثرت اکسیر کا حکم رکھتی ہے اس لئے

جملہ مشائخ طریق سالکین کو ذکر کے مختلف طرق بتا کر ان کے قلب کو "غیر اللہ" سے فارغ اور ذات حق میں شاغل بنا کر استحضارِ ربانی کے ساتھ احکامِ الٰہی اور سنت مطہرہ کا پابند بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب دل غیر اللہ کا جویا نہ رہا۔ اور اس میں ایک اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ سما گیا تو انسان ہر چیز سے کٹ کر اس کا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا مظہر بن جاتی ہے۔

نسبت ولونِ تھانویہؒ

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مشائخ سے جس سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑی تھے۔ اس میں ہندوستان میں رائج چاروں سلاسل چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ ایک ہی سلسلہ میں مجتمع ہو گئے تھے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرشدِ روحانی شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ چاروں سلسلوں میں بیعت لیتے تھے، لیکن ان کی نسبت غالبہ چشتی ذوق وشوق اور نقشبندی وقار و سکون کا مجمع البحرین تھی۔ قادری اور سہروردی نسبتیں اپنے الوانِ مختلفہ اور اذواقِ طیبہ کے ساتھ اسی نسبت غالبہ میں مدغم ہو گئیں تھیں۔ سلوک میں حضرت تھانوی قدس سرہ کی عبقریت و مجددیت نے انہیں اپنا ایک خاص لون عطا فرمایا تھا جو اپنی جامعیت میں جملہ سلاسل کی نسبتوں کا خلاصہ تھا۔ آپ کی تجدیدی شان نے اذکار و اوراد کے انتخاب کو بھی نیا رنگ اور رونق بخشی، جو اس عہد کے سالکین کے احوال کے عین مناسب تھے۔

تشخصِ سلیمانیؒ

ہمارے حضرت والا قدس سرہ جب اس سلکِ عالی سے منسلک ہوتے تو شیخ میں "فنائیت" کے کمال کے ساتھ اپنے گوناگوں فضائل و کمالات کی بناء پر "مشیخت" میں اپنی البیلی اور تربیت میں اجتہادی شان کو قائم رکھا علم و فضل میں تمام عمر شبلی مرحوم سے عقیدت و تلمذ کے والہانہ رشتہ کو باقی

دیکھنے کے باوجود سید صاحبؒ کا اپنا ایک خاص تشخص تھا، جو شبلیؒ اور سلیمانؒ میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ کی شخصیت شیخ کامل میں فنا ہو کر بھی اپنے کمالات و فضائل کی امتیازی حیثیت برقرار رکھ سکی۔ اس درازنفسی سے مدعا یہ ہے کہ حضرت والا قدس سرّہ گو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کے اذکار و اوراد سے استفادہ وافادہ فرماتے رہے تاہم ایک شیخ کامل اور محقق مربّی کی طرح اذکار واشغال کی تلقین میں آپ نے اپنی اجتہادی صوابدید کو برقرار رکھا اور سالکین کو ان کے حسب حال اذکار تلقین فرما کر ان کا تعلق اللہ سبحانہ وتقدس سے جوڑتے رہے اذکار کی مثال اغذیہ روحانی کی ہے۔ جیسے جسمانی غذائیں ہر انسان کی طبیعت و مزاج کے مطابق ہی مفید ثابت ہوتی ہیں اور تولیدِ خون کا سبب بنتی ہیں۔ اسی طرح اذکار بھی سالکین کے مزاج، استعداد اور قوت قلبی کے مطابق ہی فائدہ مند ثابت ہو کر روحانی فضائل و مزایا کا سبب بنتے ہیں۔ اذکار کا تنوّع، تعداد اور قلت و کثرت سب سالک کی قوت طبعی و قلبی کو دیکھ کر متعین کی جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک شیخ حاذق اور عطائی پیر میں نمایاں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اور حافظؒ کا یہ پر حکمت شعر حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجا است

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

غرض معمولاتِ ذکر کا تنوع، کمی بیشی، اوقات کا تعین، شیخ کامل کی رہنمائی کے بغیر سالک کو گاہے نقصان پہنچا سکتا ہے اور اسے "سالک" سے "مجذوب" بلکہ "مجنون" تک بنا سکتا ہے حالانکہ بقول حکیم الامت نور اللہ مرقدہ اللہ تعالےٰ کا نام

ہوش بڑھانے کے لئے لیا جاتا ہے نہ کہ ہوش کھونے کے لئے"

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ حذاقتِ فن، مہارت طریق، دقتِ نظر، شفقت علی الطالبین و اشرافِ خوارق کے جس مقام پر فائز تھے اس کا اندازہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے تربیتی نہج اور تلقین کردہ اذکار کے ایک ایک حرف و شوشہ سے نمایاں ہے آئندہ سطور میں اسی اجمال کی کچھ تفصیل ہے۔

اہمیتِ ذکر

حضرت سید صاحب قدس سرہ ذکر کی اہمیت کی وضاحت فرماتے ہوئے ایک طالب کو ارشاد فرماتے ہیں:۔

"دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے، اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام دوم نوافل مسنونہ اور "اذکار کی کثرت" ان کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو"۔

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں

"ہمیشہ کے لئے یہی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو، تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں ہے۔

"تہجد اور ذکر یہ دونوں اس طریق کی ضروری چیزیں ہیں۔ ان پر مداومت رکھئے"

ایک پریشان حال طالب کو کس مشفقانہ انداز میں ذکر کی طرف متوجہ فرماتے ہیں:

"زندگی میں چین کہاں؟ یوں ہی گذر جائے گی، چین کا انتظار کام میں لگ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت میں لگے رہئے اور اسی سے اپنی مشکلوں کے حل کے لئے دعا مانگا کیجئے۔ وہی آپ کی سب مشکلوں کو حل فرمائیں گے۔ دل کو اللہ تعالیٰ ہی سے

لگائے رہیئے"

ایک دوسرے طالب کو تلقین فرماتے ہیں:-

" اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے ..... (ذکر) آپ زبان ہی سے کئے جائیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دل تک اثر کریگا۔ ضروری اشغال میں غفلت کا علاج وقتاً فوقتاً قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول کر لینا ہے"

ایک اور جگہ ارشاد ہے

" دل چاہے تو (ذکر) ضرور کیجئے، ذکر مفرد کیجئے" اللہ اللہ" دو تین ہزار..... نماز پنجگانہ باجماعت تلاوت اور تہجد اور ذکر کا اہتمام چاہئیے"

ایک نو شادی شدہ طالب کو ارقام فرماتے ہیں:-

" شادی کے بعد آپ کی طبیعت میں جو سکون ہوا، اس کو ذکر خدا اور فکر آخرت میں خرچ کیجئے صرف یہ خیال رہے کہ بددینوں کی صحبت سے احتراز ہونا چاہئیے۔ ذکر الٰہی سے دل کو تازہ رکھا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھا جائے ...... اللہ تعالیٰ پابندی سے ذکر کی توفیق بخشیں۔ وَلَذِكْرُ اللهِ أَكْبَرُ ...... (یعنی) یاد الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ ذکر کا مقصود یہی ہے۔

ایک مسترشد خاص کو ارقام فرماتے ہیں۔

اختلاط مع الانام بے شبہ تعلق باللہ میں حارج ہے۔ گو اپنی نیت صحیح ہو، جس کا ثواب ملے گا۔ مگر نجاستوں کی پلیدی سے تو چارہ نہیں۔ اگر کوئی کوئلہ کے گرد و غبار کو حسن نیت سے صاف کرے تو ثواب تو ملے گا۔ مگر ہاتھوں اور کپڑوں میں سیاہی لگنا بھی ممکن ہے.... اس دنیا میں

سکون صرف تعلق باللہ اور ترکِ علائق غیر میں ہے ؎

نہیں جمع دل جمع اسباب سے رہِ جمع دل ذکر اللہ ہے

(تذکرہ سلیمان)

مقصود ذکر

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ‏ اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الجمعہ ۲)

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ‏ اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو جانتا ہے (العنکبوت۔ ۵)

ذکر الٰہی کی اہمیت و تاکید سے قرآن حکیم اور احادیث نبویہ کا صفحہ صفحہ روشن ہے ذکر فریضۂ عبدیت، لازمۂ محبت، موجب رضائے الٰہی جاذب رحمت رحمانی اور جالب توجہات ربانی ہے۔ ایمان کا تقاضا غایت حب الٰہی ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ‏ اور وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت انتہائی درجہ کی رکھتے ہیں۔ (البقرہ۔ ۲۰)

اور ایمان و اعمال صالحہ۔ محبت کی نشوونما کا بڑا ذریعہ ہیں

اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ‏ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ رحمٰن (خدا) ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ (مریم ۔۶)

محبت کا منطقی نتیجہ "یاد محبوب" ہے۔ کہ محبت خود "یاد" کا سب سے بڑا سبب ہے اس لئے "عقل و ہوش" رکھنے والا حقیقت میں "محبین" کا ہی گروہ ہے جو آیات الٰہیہ میں غور و فکر کے ساتھ ہر حال میں یاد الٰہی میں مشغول رہتا ہے

اَلَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ ‏ وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کو کھڑے بیٹھے

قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ الآیۃ   لیٹے (ہر حال میں) یاد کرتے ہیں ....

(آل عمران - ۲۰)   الآیۃ

یہ وہی طبقہ ہے جسے معاش کے مشاغل یادِ حق سے غافل نہیں کرتے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا   ایسے لوگ جنہیں تجارت اور خرید وفروخت

بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ   (النور - ۵)   یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔

"صادقین ومخلصین" کا یہ گروہ "یادِ حق" محض امرِ الٰہی سمجھ کر رضائے ربّانی کے لئے کرتا ہے کہ ان کی محبت بھی حکم ربانی سے ناشی ہوتی ہے اور محبت کا تقاضا بھی اپنی چاہت کا پورا کرنا نہیں بلکہ رضائے دوست کے لئے مرمٹنا ہے

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب

کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

بشیک "داعیہ محبت" "یادِ حبیب" ہے اور ثمراتِ ذکر کا شمار نہیں لیکن اصلاً **مقصودِ ذکر فقط ادائیگیِ فرض اور حصولِ رضائے رب ہے**، عاشقِ صادق کی نگاہ اپنے پر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی نگاہ ہر آن منشائے محبوب کی تلاش وجستجو میں اور اس کے اشاروں پر دل وجان سے عمل کرنے میں گذرتی ہے۔

عاشقی چیست بگو بندہ جاناں بودن

دل بدست دیگرے دادن وحیراں بودن

مدعا یہ ہے کہ ذکر کا اصل منشاء اور حقیقی داعیہ امرِ الٰہی کی عظمت اور رضائے ربّانی کی رغبت ہو اور حبِ طبعی کے تقاضے اس عظمت ورغبت میں اس طرح مندمج ہو چکے ہوں کہ نیّتِ ذکر میں صرف امتثالِ امرِ الٰہی اور رغبتِ حصول

رضا کا جذبۂ صادقہ کارفرما ہو۔ دگر سب ہیچ،

حضرت الشیخ الامام نوراللہ مرقدہٗ اپنے ایک مسترشد خاص کو ارقام فرماتے ہیں

" ذکر ہر حال میں کرنا چاہیئے۔ اگر لذت ملے تو نعمت، ورنہ ادائے فرض کی نعمت تو بہر حال ہے ؎

بہر حال بندہ پہ ہے بندگی

کرم ہے جو ذوق عبادت ملے

ذکر کا خاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق "اُذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ" — تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہو سکتی ہے کہ ذاکر کو بوقت ذکر خود حق تعالیٰ یاد کرتے ہیں ذرا اس کا تصور تو کیجئے اور جب "اللہ" کہیے تو تصور کے کان سے سنئے کہ "عبدی" کی آواز آتی ہے ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے

آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے

(تذکرہ سلیماں ص۳۳۴)

حقیقتِ ذکر

'ذکر' کی حقیقت اس کے مفہوم ہی سے واضح ہے۔ 'ذکر' لغتہً 'یاد کرنے' یا 'یاد رکھنے' کے معنٰی میں آتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ 'محلِ ذکر' یا 'ذاکر' صرف 'دل' ہے۔ کہ جب کسی کی یاد آئے گی یا کسی کو یاد کیا جائے گا۔ تو زبان سے اس کا 'ذکر' یا نام لینا ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ دل ہی میں 'مذکور' کا 'خیال و دھیان' آئے گا اور دل ہی اصلاً ادھر متوجہ ہوگا۔ گویا 'حقیقتِ ذکر' کا تحقق دل[1] ہی میں ہوگا۔ پس دل سے کسی کی طرف متوجہ یا ملتفت ہونا، یا دل میں کسی کی یاد و دھیان' آجانے کا نام ذکر ہے، الفاظِ ذکر اسی مدلول پر دال اور اسی حقیقت کا زبانی اظہار ہیں۔ گویا 'قلبی یاد' حقیقتِ ذکر ہے اور الفاظِ ذکر صورتِ ذکر، قلبی یاد کو اصلاً الفاظِ ذکر کی ضرورت نہیں۔ لیکن الفاظِ ذکر اپنی حقیقت و معنٰی کے تحقق کیلئے سراسر یادِ قلبی کے محتاج ہیں

اس تشریح کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذکر کی شرعی و صوفیانہ اصطلاح کے

[1] یہ افادہ حضرت مولوی شاہ عبدالباری ندوی مدظلہ کا ہے۔ دیکھو تجدید تصوف و سلوک

معنی بھی متحقق و واضح ہو جاتے ہیں، شریعت و سلوک میں ’ذکر‘ سے مراد ’یاد الٰہی‘ ہے گویا ’یاد الٰہی‘ سے مراد حقیقتاً ’دل‘ سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا یاد کرنا اسے دل میں بسانا، اسکا دھیان جمانا اور اسکا فکر و استحضار ہے۔ حضرت والا ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں۔

” اللہ معی کا تصور کہ ہر وقت وہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمارے قریب ہے۔ اور ہمارے ہر فعل و خیال کا حاضر و ناظر ہے۔ اسکے مضمون پر غور کیا جائے اور اس کے مناسب آیات کا استحضار رہے۔ جیسے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ، یا وَھُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ، اور وَلَا تَخْفٰی عَلَیْہِ خَافِیَۃٌ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ اور اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ اور اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ اسی کیفیت کا رسوخ اصل روح ہے۔ جسکا طریقہ ذکر و شغل ہے۔“

اگر کسی خوش نصیب کو کسی وقت بغیر ادائیگی الفاظ کے ذکر کی یہ دولت میسر آجائے اور ایسی حالت میں وہ الفاظ ذکر ادا نہ بھی کرے تو حرج نہیں۔ ایک طالب نے حضرۃ سیدی قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا۔

” قلب کو سکون صرف توجہ الی اللہ سے ملتا ہے اور اس وقت الفاظ ذکر بھی منقطع کر دینے پڑتے ہیں۔ صرف توجہ سے دل کی سیاہی مٹتی محسوس ہوتی ہے۔“

حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا

"ذات کی طرف توجہ اصل ہے۔ اگر اس حالت میں معانی و
الفاظ کا استحضار نہ رہے تو کوئی حرج نہیں۔ اصل توجہ مذکور کی
طرف ہونی چاہیئے یہ نہ ہو تو ذکر کی طرف "

عارفِ رومی نے اس مقام کی طرف اشارہ اپنے شعر

مست ولا یعقل نہٗ از جامِ ہو   اے زہو قانع شدہ بزنامِ ہو

کے پہلے مصرع میں فرمایا ہے۔ مولانا کی مراد یہ ہے کہ ایک طبقہ "احسان"
کی اس کیفیت کا حامل ہونا چاہیئے جہاں حسنِ ازل باوجود 'مستور' ہونے
کے 'تجلیاتِ شہود' سے قلبِ عارف کو اپنے میں مشغول و مسرور رکھتا
ہے۔ اور "انوارِ ماہ کی تابانی"[1] سے سالک کا دل منور ہو کر ان کی "بے حرف و
صوت یاد"[2] میں شاغل ہو جاتا ہے، "جام ہو" کے سرشاروں کا یہ
طبقہ استحضارِ سرمدی میں مخمور رہتا ہے۔ ان کا دھیان ہی اصل ذکر ہے۔
حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ کے یہ اشعار بھی غالباً اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی   آ دل میں مرے چھپ جا اے صورتِ جاناں تم

---

[1] مولانا کا شعر ہے

قلب را تاباں کن از انوارِ ماہ   زانکہ از آسیب ذنب شد دل سیاہ

[2] مولانا فرماتے ہیں:

اے خدا بما جان را آں مقام   کاندرو بے حرف می روید کلام

غرض ذکر سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا دھیان ویادداشت قلبی ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک سالک کے استفسار پر کہ "ذکر سے اصل مقصود قلب کو مشغول رکھنا ہے یا محض زبان کو یا دونوں کو" تحریر فرماتے ہیں۔

"ذکر سے اصل مقصود تو مذکور یعنی 'اللہ' کا استحضار ہے۔ یہ نہ ہو تو 'ذکر' کا بھی نہ ہو تو 'ذاکر' یعنی 'قلب' کا (تذکرہ سلیمان ص ۵۸۲)

مباحث بالا کا حاصل یہ ہے، کہ 'ذکر' کا اصل تعلق دل سے ہے اور "یاد قلبی" ہی حقیقی ذکر ہے

ظہورِ آثارِ ذکر

یا

وسعتِ ذکر

حقیقتِ ذکر کی اس تشریح سے واضح ہوگیا۔ کہ غایتِ 'ذکر' 'دل' میں "یاد و دھیانِ حق" کا ایسا بسانا ہے کہ 'علائق غیر' اشتغال قلبی اور مشغولیتِ حق میں دراندازاور حارج نہ ہوسکیں۔ اور خلوت وجلوت 'تماشائے جمال' کیلئے یکساں ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا اتنا گہرا تعلق و استحضار سالک کی پوری زندگی پر اثرانداز ہوگا۔ کہ انسان کا ظاہر و باطن اور تمام 'جسم' 'دل' کا تابع ہے۔ 'دل' کی لگن پورے جسم کو اسی راہ پر لگادیتی ہے۔ جس 'راستے' 'دل' گامزن ہوتا ہے۔ خصوصاً عشق و محبت کی تاثیر تو جسم کو بھی 'دل' کے حکم میں لے آتی ہے۔ کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ لیس الفواد محل عشقك وحدہ

کل الجوارح فی ھواك فواد

(یعنی صرف میرا دل ہی تیرے عشق کا مقام نہیں۔ بلکہ سارے اعضا تیرے عشق میں دل بن چکے ہیں) اس لئے ذکرِ حقیقی جب 'قلب' ذاکر کی وسعتوں پر چھاتا ہے۔ تو اس کی

تاثیر اس کے رگ و پے اور ریشے ریشے میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور سالک کے تمام اعضاء جوارح اور ظاہر و باطن کو محبوب حقیقی کے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ ؎

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
جیسے شاخِ گل میں باد سحر گاہی کا نم

ذکر کے 'انوار' 'قلب' سے نکل کر پورے 'قالب' کو متجلّی و نورانی اور عظمت الٰہی سے متاثر اور منقاد بنا کر کلیتہً احکام ربّانی کا تابع بنا دیتے ہیں۔ اور ذاکر جملہ اوامر الٰہیہ کا پابند اور تمام معاصی سے مجتنب ہو جاتا ہے۔

ذکر کا کمال یہی ہے۔ کہ 'ذاکر' 'یاد الٰہی' کے دائمی اشتغال و استحضار کے ساتھ ہر حال میں گناہوں سے بچتا رہے اور احکام ربّانی کی پابندی اس کا شعار ہو کہ 'ذکر' کی حقیقتِ شرعی اسی طرح میسر آ سکتی ہے۔ ورنہ اطاعتِ ربانی سے گریز اور معاصی کی آلودگی کے ساتھ 'ذکرِ حقیقی' کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ جو ذکرِ لسانی' یا 'موہوم ذکرِ قلبی' احکامِ الٰہیہ کی پابندی اور معاصی سے اجتناب نہیں سکھاتا۔ اِسے ناقص اور رسمی ذکر' یا "قشر و صورتِ ذکر" تو کہا جا سکتا ہے لیکن اس پر 'ذکر مطلوب و کامل' کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت والا کو ایک سالک نے لکھا:-

"اسم ذات کا ورد و ذکر تو روزانہ ہے۔ مگر کسی خاص کیفیت کا ظہور ہنوز نہیں ہوا ہے۔ عنایت خاص کی ضرورت ہے۔"

حضرۃ الشیخ قدس سرہٗ نے عجب حکیمانہ و محققانہ جواب دیا ہے فرماتے ہیں۔

" ذکر سے کیفیات مقصود نہیں بلکہ اصل شئ احکام الٰہی کی کلی اطاعت، حلال و حرام کا خیال، معاملات کی صفائی، اخلاق کی نزاہت، اتباع نبوی ﷺ کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب ہے۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیں کہ یہ اصل ہیں۔ باقی سب فروع و تدابیر۔

ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے کہ طاعات و مرضیات الٰہی کے اتباع کا ذوق بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو، باقی کیفیات تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ اگر روز پلاؤ ملے تو پلاؤ کا مزہ بھول جائے۔

از دستِ ہجرِ یار شکایت نمی کنم
اگر نیست غیبتے ندہد لذتِ حضور

اپنے کام میں تا آخردم استقامت کیساتھ لگے رہیئے یہی بڑی دولت ہے؛

تا دمِ آخر دمے فارغ مباش"

ایک طالب نے اثراتِ ذکر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"اب جب بھی فکر کروں اللہ تعالیٰ کی قربت یوں محسوس ہوتی ہے گویا وہ میرے سانس کے ساتھ ہیں۔ لیکن بے کیف و بے چگوں بلکہ مجھ سے میری ذات سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں۔ باوجود اس کے اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔"

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:۔

" جب انسان اللہ تعالیٰ کو ایسا حاضر و ناظر یقین کرتا ہے۔ تو اس

سے ضروری اعمال صالحہ کی بجا آوری میں سستی کیوں کر ہو سکتی ہے،

وہ جب یقین کرے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ہم سے ایسے قریب ہیں۔ تو اس کو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ اس حالت اور اس عنایت کے باوجود اعمال صالحہ میں کوتاہی کیوں ہو۔ اگر پھر بھی حالت نہ بدلے تو موت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور یہ سوچنا چاہیئے۔ کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ایک ایک بات کا جواب دینا ہے۔ اسوقت بندہ اس کوتاہی کا کیا جواب دے گا۔ اور پھر دنیا کی دولت و ثروت جس کی محبت میں انسان گرفتار ہے۔ کیا کام آئے گی۔ اس وقت صرف اعمال صالحہ کام دیں گے اس سے خدا کا خوف پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔"

یہ تحریریں تو ہر ذاکر کیلئے مفید ہے۔ لیکن اُن "متصوفین" کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ جو " موہوم ذکر قلبی' (جسے وہ اپنی اصطلاح میں 'قلب کا جاری ہونا' کہتے ہیں) کے زعم باطل میں فرائض الٰہیہ تک سے غفلت برت جاتے ہیں۔ اور پھر گمان کرتے ہیں کہ " ہمیں اب ان اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں تو ہر وقت 'قرب و وصل' نصیب ہے" یاد رکھنا چاہیئے کہ ذکر وہی مطلوب و مقصود ہے۔ جو ہمیں ہر حال میں احکام الٰہیہ کا کامل پابند بنا دے اور گناہوں سے کلیتہً بچا دے۔ بلکہ فقیر سمجھتا ہے۔ کہ " ذکر شرعی " وہی ہے جو شریعت مطہرہ کی ظاہری و باطنی پابندی کے ساتھ مقترن ہو۔ ورنہ رسم ذکر ہے۔ حقیقت ذکر کا تحقق نہیں۔ اور نہ ایسا ذکر غایتاً مامور و مقصود ہے۔

ذکرِ رسمی استحضارِ صفات سے ذکرِ حقیقی بن سکتا ہے

اِس لئے اگر" نام نہاد ذکر و قربت" کا ' واہمہ' (نفسانی فریب اور شیطانی دجل ہے) ہمیں احکام الٰہیہ کا پابند نہ ہونے دے. تو اسکا علاج 'مذکور' کی 'صفات جلالی' کا استحضار اور ' احکم الحاکمین مالک یوم الدین' کی پیشی کا اعماقِ قلب سے دھیان ہے. کہ خشیت ربّانی پیدا ہو جو ہمیں حقیقت ذکر سے ہمکنار اوامر کا پابند اور گناہوں سے روک سکے چونکہ بعض اوقات" عظمت الٰہیہ اور صفاتِ ربّانی سے معرا ذکر' کی کثرت سے بھی مطلوب نتائج مرتب نہیں ہوتے. اس لئے 'مذکور' کی صفات کا دھیان و استحضار حقیقتِ ذکر میں شامل ہے. کہ جلالی صفات کا لازمہ عظمت و خشیتِ رحمانی اور جمالی صفات کا نتیجہ حبّ و اشتیاقِ ربّانی ہے جس سے رغبت و رہبت پیدا ہوتی ہے جو اعمال صالحہ کے شوق اور گناہوں سے نفرت پر منتج ہوتی ہے. اس طرح ذاکر 'ذکر کامل' سے بہرہ مند ہو کر قلباً ذات حق میں شاغل اور قالباً اعمال صالح و احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں مشغول ہو جاتا ہے. اور 'ذکر مطلوب' کا ثمرہ میسر آجاتا ہے. پس 'ذاکر' کیلئے ضروری ہے کہ 'ذکر' صفات الٰہی کے دھیان اور عظمت ربّانی کے استحضار کے ساتھ کرے تاکہ 'حقیقت ذکر' سے ہمکنار ہو سکے. ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے.

" اللہ تعالیٰ اس ذات کا نام ہے. جو تمام صفاتِ حسنہ کی جامع ہے. ' اللہ' کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا دھیان اس کی تمام صفاتِ حسنہ

کے ساتھ ہونا چاہیئے، غالباً مولانا رومؒ نے مثال کے طور پر بتایا ہے کہ جس طرح سو کے عدد میں ایک دو تین کے عدد شامل ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات میں تمام صفات حسنیٰ جمع ہیں جب انسان "اللہ" کہے تو یقین ہو کہ " لا خالق الا اللّٰہ " لا مالک الا اللّٰہ ، لا قادر الا اللّٰہ ، لا رب الا اللّٰہ ، لا فاعل الا اللّٰہ لا موثر الا اللّٰہ ، لا سمیع الا اللّٰہ ، لا بصیر الا اللّٰہ ، لا رازق الا اللّٰہ ، لا معطی الا اللّٰہ ، لا مانع الا اللّٰہ ، لا نافع الا اللّٰہ ، لا ضار الا اللّٰہ .... اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا ہر چیز سے ان جملہ صفات کی نفی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی میں تمام صفات کو سمجھا جائے ......"

جب جملہ صفات کے استحضار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا تو تقاضائے صفات یعنی احکام الٰہیہ، عبدیت وعبودیت اور اس کے لوازم، حساب و کتاب حشر نشر، دوزخ وجنت، ترغیبات و ترہیبات، جزا وسزا، مغفرت و عذاب، جزاءِ اعمال ایک ایک چیز مستحضر ہو جائے گی۔ اور یہ ذکر حبِ ربانی و خشیت الٰہی کے دوگونہ جذبات پیدا کر کے ہر وقت ذاکر کو عنایات الٰہیہ کا راجی ومتمنی اور اپنے اعمال کی پاداش سے خائف وترساں رکھے گا اسکی زندگی کے ظاہر و باطن میں مامور بہ انقلاب آئے گا۔ اب وہ ہر قدم حکمِ الٰہی کو دیکھ کر رضاء و رحمت ربانی کی طلب میں اپنے عجز و کمزوری، کوتاہی و نارسائی پر نظر رکھتے ہوئے رغبۃً ورہبۃً شریعت مطہرہ اور سنت نبویہؐ کے مطابق

اٹھائے گا۔ اس طرح اسکی "زندگی" ذکر کا محل بن جائیگی۔ وہ خالق ہی کا ہوکر رہ جائے گا کہ جو سب کچھ رب العلمین ہی دیکھتا ہے اور جس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس کی زندگی اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا حقیقی مظہر بن جائیگی۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہوکر 'ایک' کا 'نیاز مند' اسی کا طالب اسی سے لینے والا بن جاتا ہے وہ "الحمد" یعنی جملہ محامد وصفات کو جب "اللہ" ہی کیلئے وجداناً و ایقاناً خاص سمجھنے لگتا ہے تو 'العلمین' کی بے نوائی وفقر اس پر کھل جاتا ہے۔ اور وہ اسی کے در کا فقیر بن کر "رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ" اس کا حال بن جاتا ہے۔ اپنی جملوں حاجتوں کو اس کی ذات سے متعلق کر دیتا ہے اور عبدیت وعبودیت، عجز و درماندگی، حاجت وضرورت اسکی جملہ عبادات ومعاملات نماز وقربانی، زندگی وموت کو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے کر دیتی ہے۔ اور وہ اپنی زندگی کے ہر ہر فکر وعمل، قول وفعل اور حرکت وسکون سے 'مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ' کا منظر پیش کرتا ہے۔ تفویضِ کامل وتوکلِ تام اس کا مقام بن جاتا ہے۔ اور تجرید وتفرید کے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اس کی صفات وشئون کی نیرنگیوں کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ "مخلوق وکائنات" کے جملہ احوال وامور میں تصرفات الٰہیہ ہر آن کا لعین مشاہد ہوتے ہیں۔ اور قلب ہر 'غیر' سے پاک وفارغ ہوکر معرفتِ ربانی سے پرنور اور حبِ رحمانی وخشیتِ الٰہی سے معمور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا مشغلہ "طلب رضائے دوست، پابندی احکام محبوب، اطاعتِ حق

اور اتباع نبوی بن جاتا ہے۔ اور تسلیم و رضا، باہمہ بے ہمہ، اس کا حال ہو جاتا ہے۔ حقیقت ایمانیہ۔ اس کے جذرِ قلب میں راسخ ہو کر طاعت و اعمالِ ایمانیہ کو اس کے لئے محبوب اور کفر اور اعمال کفریہ فسوق و عصیان کو مبغوض و ناپسندیدہ بنا دیتی ہے۔ حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد ہے

ہر حالت میں اور ہر وقت اپنی خواہشات کو روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرنا اپنا ریاض ہے یہی اصلی مقصد اور یہی تصوف ہے۔

حضرت سیدی الشیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ان ارشادات سے "ذکر کے اثرات" کی وسعت و حقیقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ 'ذکر' صرف ایک 'نصابِ اذکار و اوراد' کے رسمی طور پر پورا کر دینے کا نام نہیں بلکہ 'ذکر' اپنی وسعت میں پوری زندگی پر محیط ہے

طرق وطرزِ ذکر و منازلِ اذکار

ذکر کی سلوک میں اہمیت کے پیشِ نظر حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ مختلف طالبین، و مسترشدین کو ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق ذکر کی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔ طالب کے "حسبِ حال" ذکر کا تعین اور پھر ذکر کی مختلف "منازل" میں "احوالِ ذاکر" کے مطابق وقتاً فوقتاً حکیمانہ اور تیر بہدف رہنمائی حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا خاص امتیاز و کمال تھا ہر طالب کو ایک ہی تعداد اور طرز یا نصابِ ذکر نہیں بتاتے تھے۔ بلکہ اپنی فراستِ کاملہ، بصیرت تامہ و تربیت باطنی کے خداداد ملکۂ راسخہ سے جس کے مناسب حال جو ذکر خاطرِ عاطر پر القا ہوتا تھا۔ وہی بتا دیتے تھے اور طالب اگر اس ذکر کو حقیقتاً اپنا معمول بنالیتا تھا تو اثرات و آثارِ ذکر کا تعین مشاہد ہو جاتے تھے حضرت والا قدس سرہٗ مراحلِ ذکر کو تدریجاً طے کراتے تھے اور عقباتِ ذکر میں حقیقت، و صورت، اوہام باطلہ اور حقائقِ صادقہ میں تفریق کی ایسی لکیر کھینچتے چلے جاتے تھے۔ کہ حضرتؒ کی پُر حکمت، حاذقانہ و مشفقانہ رہبری

ذاکر کو کیفیاتِ ذکر کی "پُرپیچ گھاٹیوں" میں سے اس آسانی سے نکال لیتی تھی کہ نہ تو اسے 'راہ کے تماشے' اپنے میں الجھاتے تھے، نہ اسے وساوسِ شیطانی و اہوائے نفسانی اپنے میں پھنساتے بلکہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر و ارشاد ہی 'پریشان حال راہی' اور متحیر سالک کو قلبی پریشانی اور 'ورطہ حیرت' سے نجات دلا دیتی تھی اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا تھا: ؎

تیرے اک چھینٹے سے اے ابرِ بہاری ان دنوں
سبز ہے شاداب ہے سیراب ہے گلزارِ دل
دور ہوتی جا رہی ہے ہر کھٹک جو دل میں تھی
تیرے سوزن سے نکلتے جا رہے ہیں خارِ دل

حکیم شیخؒ کا پرشفقت اندازِ تربیت "اذکار و اوراد"، اشغال و مراقبات کے بارے میں بھی راہی کو مقصود و غیر مقصود، مقاصد و ذرائع کی حقیقتوں سے شناسا کرتا جاتا تھا۔ کہ بیشتر ذاکرین ان کے فرق کو نہ جاننے کی وجہ سے "سلوک کی گھاٹیوں" میں بھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ اور عمر بھر کی محنت منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتی۔ بلکہ غیر مقصودہ 'انوار و لذات'، کیفیات و احوال" بزرگانہ اوہام و لاطائل خیالات" "کشوفِ کونیہ و مواجید" ہی ان کا مقصد بن جاتے ہیں اور "اس بھول بھلیاں" میں زندگی بسر ہو جاتی ہے۔ کہ بدایت 'ذکر' سے "حقیقت ذکر" اور پھر مذکور تک رسائی، اور قلب کا ہر غیر سے فراغ اور ذات متعال میں اشتغال عادتاً فی الفور نہیں ہو جاتا۔ بلکہ راہ کی گھاٹیاں 'پُرپیچ' و دشوار خارزار ہیں جن سے کسی آبلہ پا کا صحیح و سالم نکل جانا توفیقِ رب اور خاصانِ حق کی

عنایت و رہبری سے ہی ہو سکتا ہے۔

غرض ہمارے شیخِ محققؒ اپنے زیرِ تربیت "ذاکرین و سالکین" کو راہ کی نزاکتوں، خطرات اور باریکیوں سے بھی آگاہ فرماتے رہتے تھے: تاکہ ہر راہی اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر "عقبات ذکر" کو پار کر لے کہ شیخِ کامل کا کمال ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کی برکت سے خار گل اور سرکہ شراب ؟ بن جاتا ہے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں اور بیابان وصحرا گل کدہ جنت دکھائی دیتا ہے۔ ع

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی یہی حذاقتِ فن اور بصیرت باطنی اور کمالِ تربیت و برکت تھی جس کی وجہ سے ہر ذی استعداد سالک "سلوک کی زہرہ گداز گھاٹیوں" کو طمانیت و انشراح، انبساط و مسرت کے ساتھ علی وجہ البصیرۃ طے کر لیتا تھا اور جادۂ حبیب کی بادیہ پیمائیاں گلگشت کی حیثیت اختیار کر لیتی تھی۔ اور سلوکِ اشرفی کی یہ "شاہی راہ" سلیمانی آئینہ میں انسانیت کی شاہراہِ معرفت دکھائی دیتی تھی۔ جو ہر خاص و عام کو صلائے عام دے رہی تھی کہ ؎

وہ چشمِ محبت تو جو یائے محبت ہے
دیکھے تو ذرا کر کے اس سے کوئی یارانہ

اور اِس راہ کا ہر راہی ببانگ دُہل پکار رہا تھا۔

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سرد بالِ دوش ہے

غرض سلیمانی رہنمائی، سالکین و ذاکرین کو نہ صرف "الفاظِ ذکر" سے آگاہ کرتی تھی

بلکہ حقیقت ذکر کا شناسا بنا کر بادۂ الست کے ان میگساروں کو مستورِ ازل کا والہ و شیدا بنا کر اسی کی ذات میں مگن، اس کی یاد میں شاغل، اسکی مرضیات کا طالب اسکے احکام کا متبع اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی و فرمانبردار بنا دیتی تھی۔ جن کی خلوت و جلوت، ظاہر و باطن تجلیاتِ ربانی سے پر انوار اور اذکارِ الٰہی سے روشن ہوتا تھا، قرب بے غیبت، اور "حضوریِ قلب" سے ان کا دل متجلّی کیفیت احسان و حقیقتِ ذکر سے ان کا باطن آئینہ اور تحسینِ اعمال سے انکی پیشانیاں نورانی ہوتی تھیں۔" سلیمانی تلقین ذکر کے کچھ نمونے آئندہ سطورمیں دیکھنے والوں کو نظر آئیں گے۔"

ایک مرید کو مختلف خطوط میں وقتاً فوقتاً اور تدریجاً 'ذکر' کی تلقین و رہنمائی فرماتے ہیں۔ ان اقتباسات کا بنظرِ غائر مطالعہ جہاں" طالب کے تدریجی مدارج ذکر کو نمایاں کرتا ہے۔ وہاں شیخِ حاذق و کامل کے کمالِ تربیت و شفقت اور دقت رسی اور فن دانی پر بھی شاہدِ ناطق ہے۔ ابتداً ذکر کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

" آپ پندرہ منٹ مراقبہ کیلئے وقت نکال لیتے ہیں، اگر کچھ وقت اور ملے، جیسے صبح کی نماز کے وقت یا تہجد میں یا کسی اور وقت تو ایک ہزار دفعہ" اللہُ اللہ" ذرا ہلکے نغمہ سے اس حد تک کہیں کہ آپ کے کان میں آواز آئے، تسبیح پر گن کر ذکر کر لیا کیجئے، آنکھیں بند ہوں۔ اور یہ تصور ہو۔ کہ اللہ کا کلمہ نورانی حروف میں آپ کے سینے پر لکھا ہے۔ اگر آپ تعلیم یا کسی اور کام میں مصرف ہوں۔ تو اس میں

نقصان نہ ہو۔ ہر کام میں خدا کی رضا کی نیت رہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آپ کے لئے دین کا راستہ کھلے گا۔"

دوسرے والانامہ میں تحریر فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عنایت فرمائیں۔ اسی طرح وقت اور فرصت کے ساتھ ساتھ اس ذکر کی تعداد کو بڑھاتے جائیے بشرطیکہ کسی دوسرے کام میں حرج نہ ہو"

ایک اور مکتوب میں ان ہی کو لکھتے ہیں:۔

"ہر وقت ذکر کی مصروفیت یعنی دوامِ ذکر قلب بڑی نعمت ہے جو آپ کو مل رہی ہے۔ اس کو جاری رکھیئے۔"

دوامِ ذکر اور کثرتِ اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:۔

"یہ بھی ذہن میں رہے۔ کہ کشف والہام وغیرہ محض محمود ہیں مقصود نہیں ان باتوں کو قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں ۔۔ قربِ الٰہی صرف ایمان اور عملِ صالح کا نتیجہ ہے اس لئے دوامِ ذکر اور کثرت اعمالِ صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے۔"

اِن ہی کو تاکید کرتے ہیں:۔

"کیفیات واحوال کی طرف توجہ نہ کیجئے اور صرف حسنِ عمل اور کثرتِ ذکر کی طرف توجہ رکھیئے"

ایک اور گرامی نامہ میں تسلی دیتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

تعلیم کے مشغلہ کی نسبت یہ خیال کریں کہ یہ حصولِ رزق کی کوشش ہے

اس نیت سے یہ تعلیمی جدو جہد بھی عبادت میں شمار ہوگی۔ با ایں ہمہ اوقات نماز و نوافل و ذکر قائم رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نعمت (یعنی دوام ذکر) آپ کو حاصل رہے گی"

ہر جملہ بلکہ ہر ہر لفظ و نکتہ شفقت و حذاقت فن میں اپنی مثال آپ ہے

ہائے کیا دن تھے ؎

حیف در چشم زدن صحبت گل آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

ایک دوسرے طالب کو مختلف مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں :

"عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ دفعہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کریں اور چلتے پھرتے اور سوتے وقت استغفار ——

" اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ "

پڑھا کریں۔ سوتے وقت ستر دفعہ پڑھا کریں اور سوتے جاگتے وقت کی دعائیں یاد کریں۔"

" اگر آپ ذکر کرتے ہوں تو اس کی تعداد بڑھا دیں اور آپ بکثرت تسبیح " سبحان اللہ ، الحمد للہ ، اللہ اکبر ، لا الٰہ الا اللہ " اکثر زبان سے پڑھا کریں۔ ذکر نہ کرتے ہوں تو ذکر کی صورت مجھ سے سمجھ لیں۔"

ان ہی کو دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :۔

"آپ کو میں نے کل ذکر کی زبانی اجازت دی تھی، اب تحریری دیتا ہوں، بعد تہجد پہلے گیارہ دفعہ۔ "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ پھر ۱۱ دفعہ اللّٰھُمَّ صَلِّ علی محمد النبی الامی وعلی آلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلّم پڑھکر تین دفعہ یہ دعا پڑھیں:-

اللّٰھم نوّر قلبی بأنوار معرفتك وطهّر قلبی عمّا سواك،

پھر ڈھائی ہزار دفعہ اللّٰہ ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں۔ ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب (مگر یہ سمجھیں کہ ضرب کوئی دینی امر نہیں ہے بلکہ محض علاج کے طور پر ہے۔ کہ موثر ہو) اس کے بعد درود مذکور پڑھ کر ختم کر دیں۔

ذکر کے وقت یہ تصور کریں، کہ عرش سے نور آپ کے قلب پر پڑ رہا ہے (یہ تصور بھی دینی امر نہیں بلکہ بطور معالجہ کے ہے تاکہ یکسوئی ہو....."

اسی طالب کو ایک دوسرے گرامی نامہ میں شفیق و محقق شیخ تحریر فرماتے ہیں:-

" استقامت اور مداومت حصول مقصد کا سب سے کارگر ذریعہ ہے۔ اگر نیند کا غلبہ ہو تو نوافل تہجد کی جگہ پر دن کو بعد اشراق پڑھیں یا نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے پڑھ لیں۔ ذکر کا وقت دن کو کسی سکون کے وقت مقرر کر لیں۔

نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں یہ مقصود خود نہیں ہے مقصود تو یکسوئی ہے۔ توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو، ورنہ ذکر کی طرف ہو۔"

ان اقتباسات سے یہ بات مبرھن ہو جاتی ہے کہ حضرت الشیخ قدس سرہ ابتدا ہی میں طالب پر 'اصول و مقاصد' اور "ذرائع و آلات" کا امتیاز و فرق واضح فرما دیتے تھے۔ تاکہ راہی کا کوئی قدم' غلط سمت کی طرف نہ اٹھے اور 'ذرائع' کو 'مقاصد' قرار دے کر 'طریق' کی "صراط مستقیم" سے بھٹک نہ جائے۔ اور 'موصل' کو 'اصل' سمجھ کر اپنے اوقات کے ضیاع میں مبتلا نہ ہو جائے۔ آج ایک کثیر طبقہ انہیں اغلاط کے پیچاک میں مبتلا ہو کر "سلوک" کو "عقدۂ لاینحل" اور "بھول بھلیاں" بنا چکا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔

ایک عالم نے (جو پہلے حضرت تھانوی و حضرت مولوی محمد عیسیٰ رحمہما اللہ سے کچھ تعلق رکھ چکے تھے) حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ حضرت الشیخ قدس سرہ نے ان کے قدیم تعلق کے بنا پر ان کی تربیت کا نہج اور ذکر کی تلقین بالکل "اشرفی طریق" کے مطابق رکھی۔ کہ سالک جب کسی ربانی شیخ کے زیر تربیت رہ چکا ہوتا ہے۔ اور اذکار کو ایک خاص طرز کے مطابق کر چکا ہوتا ہے۔ تو اس کی طبیعت اس طریق تربیت اور نصاب ذکر سے انسیت و موافقت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس کے باطنی ملکات کی نشو و نما اس نہج پر ہونے لگتی ہے۔ اس لئے حکیم و محقق شیخ حتی الوسع اس کے معمولات میں تغیر نہیں کرتا، ہاں ضروری تراش خراش اور مزید تربیت اپنی صوابدید کے مطابق سالک کے مناسب حال کرتا رہتا ہے۔ اور یہ عالم مذکور تو حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے شیخ نور اللہ مرقدہ

سے ہی تعلق رکھے ہوئے تھے۔ بہرحال ان کے نام حضرت والاؒ کے خطوط کے اقتباسات افادۂ عام کے لئے نقل کرتا ہوں۔

اولاً حضرت والا قدس سرہٗ نے ان سے استفسار فرمایا۔

"حضرت (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے تصوف یعنی علم احسان و اخلاص کا مقصود و مدعا تو سمجھ میں آگیا ہوگا۔ یہ اولین چیز ہے بالفعل آپ کے معمولات کیا ہیں؟ آپ نے قصد السبیل[1] ملاحظہ فرمائی ہے۔ آپ اپنے کو چار قسموں میں سے کس قسم میں داخل کرتے ہیں۔[2]"

---

[1] قصد السبیل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک مختصر لیکن سلوک و تصوف کی تعلیمات پر نہایت اہم اور جامع و مانع رسالہ ہے۔ شیخؒ نے سمندر کو کوزہ میں حقیقتاً بند کر دیا ہے۔ حضرت سید قدس سرہٗ اس رسالہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"قصد السبیل جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے۔ لیکن اس کوزہ میں دریا بند ہے فن سلوک کے تمام حقائق و تعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکے ہیں۔ اور جن کے نہ جاننے سے سالکین و طالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزلِ مقصود کو گم کر دیتے ہیں۔ اس میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل و تکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی و وافی ہے (رسالہ معارف اعظم گڑھ صفحہ ۱۰ ج ۵۴)

[2] حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے سالکین کی سہولت کیلئے مذکورۃ الصدر رسالہ میں طالبین کی چار قسمیں قرار دی ہیں:

(۱) عامی مشغول۔ (۲) عامی فارغ۔ (۳) عالم مشغول۔ (۴) عالم فارغ

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مولوی صاحب موصوف کا جوابی خط آیا جس میں انہوں نے حضرت تھانویؒ کی تقسیم کے مطابق اپنے کو "مشغول" "عالم مشغول" کے زمرہ میں شمار کیا تھا۔ حضرت والاؒ نے جواباً ارقام فرمایا:۔

اور ان چاروں قسموں کے جداگانہ معمولات (دستور العمل) مقرر فرماتے ہیں۔ حضرت سیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اشارہ ان ہی چار قسموں کی طرف ہے ۔ یہاں حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں طالبین کی اس "چارگانہ تقسیم" کا سبب نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، مرشد تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں :

" طرز تعلیم ہر شیخ کا جدا ہے اس کی تفصیل اس رسالہ میں لکھنا ضروری نہیں لیکن ایک مختصر دستور العمل جو کہ غایت نافع ہونے کے اعتبار سے میرے نزدیک **عطر تصوف** کہنے کے قابل ہے جو بہت سی خاک بیزی کے بعد ہاتھ آیا ہے۔ عام طالبین کے لئے عموماً اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچنے تک کے واسطے اور اپنے دوستوں کیلئے خصوصاً ہمیشہ کیلئے عمل کرنے کے واسطے ضبط کئے دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے قوی امید کرتا ہوں کہ اس کے موافق عمل کرنے والا محروم نہیں رہے گا۔ پھر اگر کسی کا شیخ اسی کو منظور و جائز رکھے تب تو قصہ سہل ہوا۔ اور اگر اوراد و اذکار اور اشغال کے متعلق کچھ اور تجویز کرے تو اسکے موافق کرنا چاہئے البتہ اسمیں جتنے امور شرعاً ضروری ہیں۔ ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بحالہ رہیں گے پس خلاصہ اس دستور العمل کا یہ ہے کہ طالب یا عامی ہے یا عالم اور ہر ایک ان میں سے فکر معاش و حقوق عباد سے فارغ ہے یا مشغول، یہ چار قسمیں طالب کی ہوئیں۔ ایک عامی فارغ، دوسرا عامی مشغول، تیسرا عالم فارغ، چوتھا عالم مشغول ان میں ہر ایک کے لئے ایک ایک دستور العمل خاص ہے ..... "

(قصد السبیل صـ۱۳، صـ۱۴ - (دستور العمل کی تفصیلات کیلئے رسالہ مذکور ملاحظہ ہو۔ م-ا)

"آپ اسی میں اپنے کو شامل سمجھیں" حضرت سیدی قدس سرہٗ کی مراد یہ تھی کہ معمولات و اذکار کا جو دستور العمل حضرت تھانویؒ نے 'عالم مشغول' کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

مولوی صاحب نے لکھا۔ دیگر اوراد مفیدہ بھی معمول میں ہیں"

۱؎ شیخ الکل حضرت تھانویؒ نے "عالم مشغول" کا دستور العمل تعیین فرمایا ہے:
" اوقات فارغہ میں کوئی وقت ایسا جس میں قلب افکار و تشویشات سے کسی قدر خالی ہو اور معدہ نہ پُر ہو۔ نہ بھوک کا تقاضا ہو متعین کر کے اس میں بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) سے چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) تک جس قدر ممکن ہو خلوت میں بیٹھ کر اسم ذات یعنی اللہ اللہ باوضو خفیف جہر و ضرب کے ساتھ قلب کو متوجہ کر کے پڑھا کریں۔ اور تہجد کی پابندی کریں۔ اور کسی وقت قرآن شریف کی تلاوت اور مناجات مقبول کی اصل عربی کی ایک منزل کا التزام رکھیں۔ اور اگر مدرس ہیں فبہا ورنہ ایک معتد بہ وقت تدریس طلبہ علم دین میں ضرور صرف کیا کریں۔ اور گاہ گاہ جب ضرورت دیکھی جاوے ضروری احکام کا وعظ کہہ دیا کریں...... احیاء العلوم وغیرہ مطالعہ میں رکھیں، لیکن شیخ سے دور رہ کر شغل نہ کریں۔ البتہ چندے شیخ کے حضور میں اگر یہ کام کیا ہو۔ اور وہ اب بھی تجویز کرے تو مضائقہ نہیں۔" (قصد السبیل ص۱۷، ص۱۸)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب لکھا، وہ ہر سالک و ذاکر کے لئے سرمہ بصیرت ہے، کلک سلیمانیؒ گوہر افشاں ہوتا ہے۔

"نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے۔ آہستہ چلئے مگر دوامگ چلئے، فائدہ کثرت میں نہیں دوام میں ہے وَ إِن قَلَّ، مگر اخلاص اور یکسوئی ضروری ہے۔ تاکہ نفع جلد ہو" ......

ان ہی کو مزید تاکید ہوتی ہے

"آپ کیلئے" عالم مشغول" کے اعمال کی تجویز تھی۔ اس سے آگے بڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اس میں جو کچھ لکھا ہے۔ اسی کی تقلید کیجئے اس کتاب قصد السبیل کے آخر میں منہیات و اوامر کی تصریح ہے وہ پیش نظر رہے، مقصود حصولِ تقویٰ ہے۔ کہ قرآن پاک ہُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ہے۔ اور عبادت کا منشا بجاآوری بعد حصول تقویٰ ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ"

ایک اور گرامی نامہ میں انہیں توجہ دلائی کہ :-

"آپ نے شاید قصد السبیل کو غور سے نہیں پڑھا۔ اس میں عالم مشغول کا جو شغل و ذکر اور کام بتایا گیا ہے۔ اس کی پوری تقلید کیجئے اور کتاب مذکور کو بار بار پڑھئے۔ تاکہ سلوک کی حقیقت آپ پوری طرح سمجھ جائیں۔"

ایک دوسرے خط میں ارقام فرماتے ہیں :

"ذکر اللہ اللہ آپ کس وقت اور کس قدر کرتے ہیں۔ جو تعداد ہو۔ اس پر مداومت کی جاتے اور یکسوئی کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ نور

کا نزول ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی لکھیں کہ دل پر کیا احوال وارد ہوتے ہیں۔ ورود و احوال ضروری نہیں، مگر اگر ورود ہو تو لکھیں۔ لیکن نہ اس ورود و احوال کی کوشش کریں کہ یہ مقصود نہیں اور نہ اس غرض سے اس کی طرف توجہ کریں۔ کہ یہ فساد نیت کا باعث ہوگا......

نفی و اثبات کا ذکر قبل از وقت ہے۔ قصد السبیل میں اس کی ہدایت آپ دیکھیں۔"

ان کا جواب آیا کہ "اسم ذات کا ذکر قلیل تعداد میں گاہے گاہے کیا کرتا ہوں....."

حضرت والا رحمہ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا:

"اس کی ضرورت ہے کہ وقت معین کر کے پوری توجہ کے ساتھ اسم ذات کی معین مقدار کا ایک نشست میں یا متعدد نشستوں میں حسب سہولت ایسی آواز سے جو سنی جا سکے بغیر ضرب کے ذکر کریں۔ اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴ ہزار اور کم سے کم تین ہزار ہے۔ آپ کم سے کم شروع کر کے حسب ذوق و توفیق جس قدر پہنچا سکیں۔"

مولوی صاحب نے حضرت والاؒ کے ارشاد گرامی کے مطابق ذکر کرنے کے کچھ عرصہ بعد لکھا کہ:

"ارشادات عالیہ پر بدستور سابق عمل پیرا ہوں، لیکن ہفتہ عشرہ سے رقت و گریہ اس شدت سے طاری ہے کہ مسجد میں مقتدیوں کے سامنے اور امامت کے دوران میں اپنے پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ بعض اوقات بے اختیار دوران امامت میں اللہ اللہ جاری ہو گیا....

اب رمضان کی وجہ سے کثرت تلاوت کے باعث گاہے ذکر کا ناغہ کرنا پڑے گا۔"

مشفق وحکیم شیخؒ نے جواباً ارقام فرمایا :

"آپ نے جو حال لکھا ہے. مبارک ہے. اضطراب بھی انشاء اللہ مبدل بہ سکون ہو جائے گا۔ خاکسار نے کبھی کہا تھا ؎

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی
ہائے ہوئے جوش تو ہنگامہ آغاز ہے

اگر آپ کی حالت نماز میں ایسی ہو جو ضبط سے باہر تو چندے امامت سے باز رہیں ..... بے شبہ رمضان المبارک میں آپ کو امامت تراویح کے لئے تلاوت میں زیادہ مصروفیت ہو گی تو ذکر کم کر دیں مگر ترک نہ کریں، ذکر بالقلب نماز میں حارج نہیں باللسان سے احتیاط کرنی چاہیئے اصل شئے نماز میں حضور اور خشوع ظاہری و باطنی ہے ....

اِس (نام حق میں حلاوت ملنے) پر خدا کا شکر ادا کیجئے، یہ بڑی نعمت ہے۔

تیرے نام ہی میں جو حلاوت ملے   تو سارے غموں سے فراغت ملے"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ان ہی کو ارقام فرماتے ہیں۔

"......اب اس (اولاد و معاش کی طرف سے) اطمانیت کو ذکر و طاعت میں صرف کیجئے کہ اسکا شکر یہی ہے۔ جوش و خروش کی کمی کی فکر نہ کیجئے کام میں لگے رہیئے اور اپنی اصلاح و تربیت کی دھن میں

لگے رہیئے تاآنکہ اللہ کے سوا دل سے ہر چیز کی محبت فنا ہو جائے اور لا الٰہ الا اللہ کی تکمیل ہو جائے ..... (اس لئے) اذکار کی تعداد میں اضافہ فرمالیجئے۔ نوعیت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں"

دوسرے مکتوبات میں ان ہی کو تحریر فرماتے ہیں ،

" وظائف کی کثرت کا شوق بیکار ہے۔ غرض صحت ہے نہ کہ نسخوں کی کثرت اور یاد وہ ایک نسخہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے.... کسی نئی چیز کی حاجت نہیں، سبق کا بار بار رٹنا ہی کامیابی کا موجب ہے (اس لئے) ہر حال میں ذکر لساناً و قلباً جاری رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہو"

ماسوا سے بے نیازی کیلئے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر و مراقبہ اس کے معنیٰ کے استحضار کے ساتھ کافی ہے (غیر اللہ سے بے خوفی) کیلئے بھی یہی ذکر کافی ہے اس کے معنیٰ کا استحضار چاہیئے ..... اس کی کثرت غفلت کو دور کر دیتی ہے (اسلئے دوام ذکر اور عدم غفلت کیلئے) بھی یہی ذکر ہے۔"

مولوی صاحب مذکور نے لکھا کہ " خدا کا شکر ہے کہ باہمہ مشغولی معمولاتِ شبانہ روز میں کوئی فرق نہیں ہوا۔"

حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ہمت بڑھاتے ہوئے حکیمانہ جواب دیا ،

" بحمد اللہ تعالیٰ، آپ کو استقامت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اب تو زندگی کے آخر لمحہ تک یہ استقامت قائم رکھنا ہے توفّنی

مُسْلِماً وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کی دُعا چاہیئے ......

اپنی تکمیل اور اصلاح سے کبھی غفلت نہ برتیں۔ ہم ہر حالت میں

ناقص ہیں۔ یادِ الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ ذکر کا مقصود یہی ہے

بدعات و رسوم سے احتراز رہے"

آخری مکتوب میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو ارقام فرماتے ہیں :۔

"آپ کا لفافہ ملا ، حالات سے واقفیت ہوئی، سن کر خوشی ہوئی۔ کہ معمولات پر استقامت نصیب ہے ۔ مبارک ،

الاستقامۃ فوق الکرامۃ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُل ربی اللہ

ثم استقم ، استقامت سلوک کی اصل کلید ہے۔

عوارض کی وجہ سے کمی باعث افسوس نہیں، وہ کمی افسوس کے قابل ہے۔ جو غفلت اپنی ارادی کوتاہی کے باعث ہو ،

ابتدائی جوش و شوق میں کمی ہے (یہ) فطری ہے۔ یہ مرحلۂ زندگی میں پیش آتا ہے ، یہ کوئی افسوس کی چیز نہیں، جوش و شوق ہو یا نہ ہو، عمل میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ جس طرح آغاز شباب میں عروس نو کے ساتھ جو شوق و جوشِ طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ تمکین سے بدل جاتا ہے اور بجائے بوالہوسی کے دیرینہ محبت دباہمی وفاداری اس کی جگہ لیتی ہے ۔

میرا ایک شعر ہے :۔

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی
ہائے صہوئے جوش تو ہنگامۂ آغاز ہے

مولوی صاحب موصوف کے نام حضرت الشیخ قدس سرہٗ کی ان تحریروں کے بنظر غائر مطالعہ سے حضرت والاؒ کا تلقین اذکار' میں مسلک، تدریجی تربیت طالبین پر شفقت اور حذاقت فن اور مہارتِ طریق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

کثرت وتعدّد

اوراد و وظائف میں نہیں

بعض حضرات اوراد و وظائف کی کثرت کے شوق میں 'مجموعۂ وظائف' بن جاتے ہیں، اِس بارے میں مسلکِ سلیمانیؒ انتہائی معتدل، واضح اور درمیانہ روی کا حامل تھا

ایک ندوی فاضل نے (جو اوراد و اذکار کے دلدادہ تھے) حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کیا۔ حضرت الشیخؒ نے ان کے معمولات معلوم کرنے کے بعد ان میں جو حذف وترمیم کی وہ 'اوراد و وظائف' کا مجموعہ بن جانیوالے ذاکرین کیلئے سامانِ بصیرت ہے۔ وضاحت کیلئے حضرت والاؒ اور فاضل مذکور کے خط کا متعلقہ حصہ بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

مکتوبِ فاضل مذکور	جواب حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ
....	....
معمولات	....

بن جاتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں اس بارے میں مسلک سلیمانیؒ

مکتوب فاضل مذکور

معمولات

(۱) تہجد کی نماز کے لئے عموماً ۲ بجے اٹھتا ہوں

(۲) تہجد کے بعد ۱۲ تسبیح پڑھتا ہوں۔ پھر مناجات مقبول کی ایک منزل، سورۂ یٰسین، الرحمٰن، المزمل، الکہف، الملک، صلوٰۃ وسلام، درود تاج، اسمائے حسنیٰ، دعائے گنج العرش، حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کی تلاوت اور چند آیات کو حفظ کر لیتا ہوں، اتنے میں صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔

جواب حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ

. . . .

(۱) صبح صادق سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے اٹھنا کافی ہے آپ اپنے یہاں کے اوقات سے اندازہ لگالیں، صبح اٹھنے کے لئے رات کو سویرے بعد عشا سونا لازم ہے تاکہ صحت پر اثر نہ پڑے۔

(۲) یہ بہت زیادہ ہے، تہجد کے بعد بارہ تسبیح کافی ہے۔ وقت اس سے زیادہ نہیں مل سکتا، وقت ملے تو درود وسلام مختصر پڑھیں، درودِ تاج اور دعائے گنج العرش اور اسمائے نبوی کی تلاوت معمول سے خارج کر دیجئے۔

ان سورتوں کی اس طرح تلاوت سے بہتر یہ ہے کہ روزانہ نمازِ صبح کے بعد ایک پارہ قرآن پاک بہ ترتیب پڑھیں اور اس کے بعد مناجاتِ مقبول کا ایک جز

(۳) ہر فرض کے بعد لَقَدْ كَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ تین بار پڑھ کر انگشت شہادت پر دم کرنے کے بعد آنکھوں میں اپنی انگلیوں کو پھیر لیتا ہوں صرف صبح کی نماز کے بعد سینہ پر دونوں ہاتھ رکھکر الفتاح ۷۱ بار پڑھتا ہوں اَللّٰهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۷ بار، قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ ...... بِغَيْرِ حِسَابٍ اسکے بعد سات بار

(۴) ہر فرض نماز کے بعد الولی، النور، القوی، الودود، الوہاب، الرحمان، الرحیم، الرزاق۔ ۷، ۷ بار یا عزیز یا مجیب ۴۱، ۴۱ بار پڑھنے کا معمول ہے پھر سبحان اللہ، الحمد للہ ۳۳، ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھتا ہوں

(۵) پانچوں وقتوں کی نماز کی فراغت کے بعد لا الہ الا اللہ، سبحان اللہ الحمد للہ، اللہ اکبر سو سو مرتبہ

(۳) ع۵ اگر تبرکاً نور بصر کے قیام و افزائش کے لئے کرتے ہیں تو خیر ورنہ اوراد مسنونہ میں یہ نہیں ہے۔

اسی طرح صبح کی نماز کے بعد الفتاح کا پڑھنا کس غرض سے ہے یہ بھی خارج کریں۔ اللہ لطیف الخ تک پڑھ سکتے ہیں

(۴) ان سب کو موقوف کریں، تحمل کے مطابق کام کرنا چاہیئے

البتہ عصر و صبح کے بعد سبحان اللہ ۳۳ الحمد للہ ۳۳، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھا کریں

(۵) اس کو روزانہ ہر نماز کے وقت تسبیح پر پڑھ لیا کریں۔

پڑھتا ہوں۔	
اس کے بعد اپنے گھر والوں کو قرآن پاک ناظرہ صحت و تجوید کے ساتھ مشق کراتا ہوں۔	مناسب ہے
اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھتا ہوں۔	اشراق ضرور پڑھیں
ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ پھر سو رہتا ہوں۔	نیند کا غلبہ ہو تو سو سکتے ہیں۔ مگر بہتر وقت اس کے لئے قیلولہ کا وقت ہے
اٹھنے کے بعد چاشت کی نماز پڑھتا ہوں۔	چاشت کی نماز پڑھا کریں۔
اس کے بعد مولوی انوار احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں چلا جاتا ہوں۔	صالحین کی صحبت مفید ہے۔
کچھ دیر دینی باتیں سن کر پریس آتا ہوں۔ پریس کے کاموں میں مشغول رہتا ہوں۔ پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتا ہوں۔	پریس کے کاموں کو پوری مستعدی سے انجام دیا کریں۔ کیونکہ طلب رزق حلال واجب ہے۔ پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتا کیا چیز ہے۔ بہرحال یہ ہمارے ہاں مروج نہیں۔ اسکو موقوف کریں، پاسِ انفاس یہ ہے کہ کوئی

ظہر کے بعد وہی وظائف ہیں
جو اوپر لکھ چکا ہوں۔ البتہ ظہر کی نماز
کے بعد کلام مجید کا ناظرہ پاؤ پارہ،
نصف پارہ یا ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں
عصر کی نماز کے بعد بھی وہی
وظائف ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد ان
وظائف و اوراد کے علاوہ اول
و آخر گیارہ مرتبہ درود شریف اور
لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ
کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ایک سو
مرتبہ پڑھتا ہوں۔ الباعث (۱۰۰)
البدیع (۱۰۰) الخافض (۱۰۰)
یا مغنی (۱۰۰) اور اوابین بھی
پڑھتا ہوں۔

اوابین کے بعد اپنے گھر والوں

سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو
اور اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

ظہر کے بعد تلاوت کا مضائقہ نہیں
اگر صبح کو نہ ہو سکے، وظائف کی کثرت
کوئی مفید چیز نہیں، اعتدال سے کام
کرنا چاہیئے

عصر کے بعد تسبیح سبحان اللہ و
الحمد للہ، اللہ اکبر، پر
کفایت کیجئے۔

مغرب کے بعد اوابین پر قناعت
کیجئے۔

...... یہ اوراد کی کثرت کس غرض
سے ہے۔ اور یہ مختلف اسمائے
حسنٰی کا انتخاب کس اصول پر کیا
گیا ہے۔ تشتت اسماء سے
انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ایک اللہ
کا نام کافی ہے۔ اور سب
چھوڑ دیں

کو بٹھا کر حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھکر سناتا ہوں اور ان دنوں بیان القرآن پڑھکر سناتا ہوں یہ سلسلہ عشاء تک رہتا ہے	یہ بہت مناسب ہے۔
عشا کی نماز میں بھی وہی وظائف رہتے ہیں۔ صرف ان وظائف کا مزید اضافہ کر دیتا ہوں، درود شریف اول و آخر سو سو مرتبہ اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ پانسو مرتبہ اور استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ سو مرتبہ الخالق سو مرتبہ۔	عشاء کی نماز کے بعد سو دفعہ استغفار کر کے سونے کے وقت کی دعائے مسنون پڑھ کر سو رہیئے۔
اس کے بعد کھانا کھا کر سو رہتا ہوں یا کبھی کبھار دین کی باتیں اپنے گھر والوں سے کرتا ہوں۔ یا کبھی مولوی انوار احمد صاحب کے پاس آدھ گھنٹہ کے لئے دین کی باتیں سننے چلا جاتا ہوں ......"	عشاء کے بعد کھانے اور سونے کے علاوہ مجلس نہ کریں تو بہتر ہے۔

مندرجۂ بالا طویل اقتباس اور حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ متعدد وظائف کی بے طریقہ کثرت مفید نہیں۔ بلکہ بسا اوقات انتشار ذہنی، تشتت قلبی، پراگندگی فکر کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شیخ کامل میسر نہ آئے تو یہی کثرت دل و دماغ پر اثر انداز ہوجاتی ہے۔ اس لئے بقول حضرت والا قدس سرہٗ :

"نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے۔ آہستہ چلئے مگر دواماً چلئے"
فائدہ کثرت میں نہیں دوام میں ہے۔ و اِن قل مگر اخلاص و
یکسوئی ضروری ہے تاکہ نفع جلد ہو"

مراتبِ ذکر

گذر چکا۔ کہ 'یادِ قلبی' اصل ذکر ہے، اور رفتہ رفتہ وہ اپنی وسعت میں پوری زندگی کو گھیر لیتی ہے۔ 'حقیقت ذکر' کی 'سچی یافت و تحقق' اور اس کے زندگی کے ریشے ریشے میں سرایت کر جانے کیلئے[1] ایک مدت چاہیئے' ؎

اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ دردِ جگر کہاں

'بدایت ذکر' اور 'نہایتِ ذکر' کے درمیان بے شمار مدارج و مراتب ہیں۔ ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
آنکہ بروے می رسی بروے مایست

آسانی و قربِ فہم کے لئے ذاکرین کی عموماً تین درجوں میں تقسیم کر دی

---

[1] اقبال مرحوم کا شعر ہے:۔ آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
جیسے شاخ گل میں ہے باد سحر گاہی کا نم

جاتی ہے۔

(۱) مبتدی۔ (۲) متوسط (۳) منتہی

ورنہ ہر درجہ اپنے اندر 'مدارج' رکھتا ہے خصوصاً منتہی تو 'متعارف وصول' کے بعد بھی ذکرِ لامتناہی منازل میں سیر کناں رہتا ہے، ؎

ہر لحظہ نشانِ حسن بدلتی رہی جگر
ہر آن اک جہان دگر دیکھتے رہے

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ مے بالدبخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

مبتدی کیلئے 'اسم' کی یاد و تکرار ہی 'ذکر' ہے۔ متوسط عموماً قلبی دھیان سے الفاظِ ذکر اور اس کے معانی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ منتہی ذات بحت میں ایک 'خاص لطافت' کے ساتھ قلباً مشغول رہتا ہے جس کا ادراک بھی "چون و چگون" اور گفتنی حدود' سے وراء الوراء ہے۔ کہ اصل تنزیہہ محض ہے۔

حضرت سیدی الشیخ نوراللہ مرقدہ کا شعر ہے ؎

آتے ہو تصور میں بھر بھر کے نئے روپ
ان سب سے سوا سمجھیں تم کو تو یہ ایمان ہے

عارف رومی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اے بروں از وہم و قال و قیل من خاک بر فرقِ من و تمثیل من

شیخ شیرازؒ نے کیا عارفانہ بات کہی ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

خسروؒ کہتے ہیں:

اے باز کن در معانی　　بر ما بکلید آسمانی

ہر چہ از تو گمان برم بچونی　　آن من بوم و تو زاں برونی

حقیقت یہی ہے کہ وہ ذات بے ہمتا ہر کیف و تصور سے بالا ہے بقول سیّدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو

مجال ہے جو انہیں کوئی ہمکنار کرے

اب 'منتہی حضرات' کے دھیان و توجہ حق کے متعلق یہی کہا جائیگا۔ کہ یہ 'وجدانی و ذوقی' کیفیت ہے۔ اور ذوقی کیفیات' کا قلم متحمل بھی نہیں ہو سکتا۔

اور بقول شیخ الکل مرشد تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

"امور وجدانیہ وجدان سے ہی سمجھ میں آتے ہیں۔ اور وجدان محض سننے دیا پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست　　گفتم چوں ما شوی بدانی

حضرت والاؒ ذکر میں اصل توجہ مذکور کی طرف قرار دیتے ہیں۔

یہ نہ ہو تو ذکر میں انتشار ذہنی کے دور کرنے کیلئے' ذاکر یعنی 'قلب' کی طرف اور یہ بھی نہ ہو تو ذکر کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک مکتوب میں تحریر

فرماتے ہیں۔

" ذات کی طرف توجہ اصل ہے۔ اگر اس حالت میں معانیٔ الفاظ کا استحضار نہ رہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ اصل توجہ مذکور کیطرف ہونی چاہیئے۔ یہ نہ ہو تو ذکر کی طرف "

ایک دوسرے گرامی نامہ میں مزید وضاحت فرماتے ہیں :

" ذکر سے اصل مقصود تو مذکور یعنی 'اللّٰہ' کا استحضار ہے۔ یہ نہ ہو تو ذاکر یعنی قلب کا، یہ بھی نہ ہو تو ذکر کا "

ایک اور طالب کو تحریر فرماتے ہیں :

" نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں، یہ مقصود خود نہیں، مقصود تو یکسوئی ہے، توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو، ورنہ ذکر کی طرف ہو'

ایک مسترشد نے اپنی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا، " ذکر کے وقت اکثر حضور حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے بعض مرتبہ گمان ہوتا ہے۔ کہ اس طرح زبان سے اللہ اللہ کہے جانے سے کیا حاصل ہے .... لیکن جب کبھی صبح کسی وجہ سے ذکر ناغہ ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک ذکر پورا نہ کر لیا جائے ...... اس کا رنج ہے کہ ذکر میں جو استغراق پیدا ہونا چاہیئے بالکل حاصل نہیں (ملخصاً)

حضرۃ اقدس قدس سرہٗ نے جواب باصواب رقم فرمایا،

"ابھی تک آپکی سمجھ میں ذکر کی حقیقت نہیں آئی، اس سے مقصود محبّتِ الٰہی کی ترقی ہے۔ "استغراق" اور "حضور" دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ "استغراق" تو اسکا نام ہے۔ کہ انسان کا شعور باطل ہوجائے بوجہ شدت انہماک کے تو یہ مطلوب و ممدوح نہیں، البتہ "حضور" مطلوب اور ممدوح ہے وہ اسکا نام ہے کہ فی الجملہ ذکر میں مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا استحضار ہو یا قلب کی طرف توجہ ہو یا خود ذکر کی طرف دھیان ہو۔ ان میں جو بات جس وقت اور جتنی حاصل ہوجائے وہ شکر کے قابل ہے۔ کیونکہ وہ عطائے الٰہی ہے۔ اختیاری نہیں" (تذکرہ سلیمان صہ ۴۲۹)

ان ہی نے ایک دوسرے عریضہ میں بعض صورتوں میں لفظ 'اللہ' کے 'الف' کی ادائیگی میں دقت اور بعض دیگر مشکلات کا تذکرہ کیا۔

حضرت والا رحمۃ اللہ نے جواباً تحریر فرمایا:

"آپ ان مشکلات اور دقتوں کی پرواہ نہ کیجئے۔ نہ ذکر کے اندر ان لفظوں پر دھیان دیجئے۔ آپ مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور کریں، بشکل نور، خواہ قلب میں لفظ "اللہ" کا نورانی تصور، تلفظ اپنی کوشش بھر صحیح ہو، پھر جو کچھ ادا ہوتا ہے وہ صحیح ہے"۔ (تذکرہ صہ ۴۲۷)

مسترشد موصوف نے استفسار کیا۔ "حق تعالیٰ کی ذات تو وراء الوراء ہے پھر ذکر کے وقت ذات کا تصور کس طرح کیا جائے"۔ حضرت والاؒ نے ارقام فرمایا۔

"تصور ذات کا نہیں ہوتا، اس کی صفات کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کے اسمائے حسنیٰ کا تصوّر کیجئے۔ نورانیت کا تصور بھی اس کی صفت ہی کا تصور ہے"

اگر کسی سالک کو یہ کیفیت میسر آجائے کہ زبان و دل کے اشتراک کیساتھ متوجہ بحق ہوکر ذکر کر سکے تو نورٌ علی نور ہے۔ کہ اسطرح جملہ افراد ذکر، ذکرِ لسانی توجہ قلبی اور استحضارِ ربانی مجتمع ہوجائیں گے۔

مراد یہ ہے کہ زبان الفاظِ ذکر معانی کے استحضار کے ساتھ اسطرح ادا کرے کہ جس وقت لفظِ ذکر زبان سے ادا ہو، اسی وقت "زبان و قلب کا اشتراک و یکجائی" ایسی ہو، کہ وہی لفظ "دل" سے بھی سن رہا ہو۔ اور ادائیگی کے وقت دھیان ذات الٰہی کی طرف ہو، ایک ہی وقت میں ان مختلف باتوں کا " اجتماع " ایک مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ استاد کی فرمائش پر جب کوئی متعلم قرآن کریم کا ترجمہ الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ سنا رہا ہو تو ایک ہی وقت میں اسے چند باتوں کا خیال ہوتا ہے۔ معلّم کی موجودگی اور اس کی رویت و سماعت کا استحضار، تلفظ کا صحیح ادا کرنا، اور معنیٰ کیطرف دھیان کہ ترجمہ میں غلطی نہ ہوجائے، اس کے علاوہ یہ بھی ذہن میں ہوتا ہے کہ اگر قرأت و ترجمہ درست ہوا۔ تو استاد خوش ہوکر انعام سے نوازے گا، اور غلطی ہوجانے پر استاد کی ناراضگی اور سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر سالک قربت و معیّت اور رویت و سماعتِ رحمانی کے استحضار، اجابت و قبولیت الٰہی کے یقین و اذعان اور رضاء و عطائے ربانی کی طلب و امید میں محبت و شوق میں ڈوب کر اللہ تبارک و تعالیٰ کا حق اور

فریضہ عبدیت سمجھ کر رغبتہً و رہبتہً ، ایماناً واحتساباً ذکرِ لسانی قلب کے اشتراک و دھیان کے ساتھ کرتا رہیگا۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس ذکر کی برکات سے اس کے سینہ وقلب کو پرانوار اور اس کے اعضاء وجوارح کو احکام ﷺ کا تابع ومنقاد بنادے گا، آخرت میں انعامات ورضوانِ الٰہیہ کا حصول تو یقیناً ہوکر رہے گا کہ مقصود اصلاً وہی ہے۔ اس دنیا میں بھی اللہ چاہے تو عطائے ربّانی کا نظارہ اپنے اندر کا لعین مشاہد ہوجائیگا۔ توحیدِ خالص، اتباعِ نبوتِ عظمیٰ عبدیت و عبودیتِ کاملہ، مقاماتِ عالیہ، اخلاقِ فاضلہ، حیاتِ طیبہ، استقامت علی الحق، فراستِ ایمانی، بصیرتِ قلبی، عقائد دینیہ کی حلاوت ویقین اور اعمال صالحہ کیساتھ دلی وطبعی مناسبت و محبت وخشیت وغیرہا، انعامات الٰہیہ کی ایسی دولت نصیب ہوگی جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد کی حیثیت نہیں رکھتی۔ انہیں باطنی انعامات سے مالا مال ایک مردِ درویش (سیدنا حضرت عبد القادر جیلانی نور اللہ مرقدہٗ) نے اپنی کیفیت باطنی کا ایک ہلکا سا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد　　در دل بود اگر ہوس ملکِ سنجری

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب　　من ملکِ نیم روز بیک جو نمی خرم

اس کے علاوہ حکمتِ الٰہیہ نے اگر مناسب سمجھا۔ تو علوم ومعارف احسانیہ، دقائقِ تشریعیہ، حقائق کونیہ کا قلب پر ایسا ورود واتقا ہوگا۔ جس کے متعلق حضرت عارف رومی نے کہا ہے۔

بینی اندر خود علوم انبیاء

بے کتاب وبے معید واوستا

حضرت والا نوراللہ مرقدہٗ ایک طالب کو انہی انعامات الٰہیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں،

"جو کچھ اللہ تعالیٰ سے ملا۔ اس کا شکر ادا کیا جاتے اور جو اب تک نہیں ملا اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہیئے کہ وہ مناسب موقع پر اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائیں گے ... جسقدر حضور بھی نصیب ہو۔ وہ شکر کے قابل ہے ... یہ علوم و اسرار کتاب و سنت کے مطابق ہوں تو بہتر ہیں اور اگر مطابق نہوں تو قابل رد ہیں۔"

ان ہی کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں؛

"دائم حضوری بھی انشاء اللہ کبھی حاصل ہو گی لیکن اسوقت بھی جو کچھ حاصل ہو جاتی ہے۔ شکریہ کے قابل ہے شکریہ سے نعمت کی زیادتی ہوتی ہے"

ایک اور طالب کو ہدایت فرماتے ہیں:

ان کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں اور نہ اس کیلئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے ہر چیز اپنے وقت پر حسب استعداد اللہ تعالیٰ عطا فرمائینگے[1] ... ایک اصول نہایت اہم سمجھ لیجئے امور اختیاریہ میں بندہ کمی نہ کرے اور غیر اختیاریہ کے درپے نہو، تمنا ہو، تو صاحب تمنا کے سامنے پیش کیجئے[2]۔ وہ جو چاہیں گے اور جب چاہیں گے دینگے[3]۔ اور اگر مدت تک نہ بھی ملے تو اس کیلئے تشویش نہ کیجئے کہ ؎ "خواجہ خود روش بندہ پروری داند"

---

[1] آہی جائیگا کبھی اس تک بھی ساقی دور جام ـــ منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تیری محفل میں ہے (سید صاحب)

[2] سنا تو دے اسے افسانہ غم ہجراں ـــ وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے (" ")

[3] انہیں کے دینے سے ملتا ہے جسکو ملتا ہے ـــ وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے (" ")

ذکرِ قلبی

ذاکر جب "زبان وقلب کے اشتراک" سے کثرت کیساتھ ذکر الٰہی کرتا رہتا ہے تو "قلب" میں "حدیثِ نفس" کے طور پر ذکر الٰہیٰ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور توجہ سے ذکر محسوس ہوتا ہے۔ اصطلاحاً اِسے ذکر قلبی کہتے ہیں۔ دعائے ماثورہ ہے:۔ اللھم اجعل وساوس قلبی خشیتك وذكرك

"یعنی اے اللہ میرے دل کے وسوسوں کو بھی اپنا ڈر اور یاد بنا دے"

گویا جیسا عامۃ الناس کے وساوس "غفلت الٰہیٰ" سے ناشی ہوتے اسی طرح ایسے قلوب بھی ہیں، جن کے "قلب کے وساوس" "ذکر و خشیت رب" بن جاتے ہیں" وسوسۂ قلبی" کی اس یاد و خشیت بن جانے کی کیفیت کو ہم "ذکر قلبی" کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔ اور کیونکہ خشیتِ الٰہی مطلوبہ وہی ہے جو معاصی سے روک دے تو مطلوب ذکر قلبی بھی وہی ہوگا۔ جو معاصی سے اجتناب کا سبب بن جائے

ا:۔ دعائے ماثورہ ہے:۔ اللھم اقسم لنا من خشیتك ما تحول به بیننا و بین معاصیك (مشکوۃ صہ ۲۱۹ بحوالہ الترمذی) (اے اللہ ہمارے لئے اپنی وہ خشیت مقدر فرما جو ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔

ایک مسترشد نے حضرۃ الشیخؒ سے استفسار کیا کہ "قلب کے ذاکر ہونے کی کیا تدبیر ہے۔"

حضرت سیدی الامام نور اللہ مرقدہ نے جواب تحریر فرمایا:

"قلب کا ذاکر ہونا کوئی فن کی اصطلاح نہیں۔ کثرت ذکر سے قلب میں ذکر لفظ اللہ ھو یا لا الہ الا اللہ یا کوئی اور مرکوز ہو کر حدیث نفس کے طور پر جاری ہو جاتا ہے۔ جو ارادہ کے بغیر بھی قائم رہتا ہے۔ بلکہ اسکا استحضار بھی نہیں رہتا، کہ ذکر جاری ہے۔ بہر حال اسکا طریق صرف کثرتِ ذکر، توجہ تام ہے۔ اور یہ کوئی مشکل نہیں، ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے۔ کہ طاعات و مرضیات الٰہی کے اتباع کا ذوق بڑھے اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو۔"

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اس (ذکر قلبی) کا طریقہ یہی ہے کہ کثرتِ ذکر کی کوشش کیجائے۔"

ایک اور طالب کو ارقام فرمایا:

"ذکر لسانی کی کثرت سے ذکر قلبی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔"

انہی کو تحریر فرمایا:

"یہی (اسم ذات کا ..... ہزار دفعہ ذکر) کافی ہے۔ اس سے ذکر قلبی کی کشائش ہو جاتی ہے۔"

"جذرِ قلوب" میں ایک لطیفہ ہے۔ جو امانتِ الٰہی[1] کا مورد اور فطرتاً مشتاق ربانی اور جویائے 'قرب و یادِ الٰہی' ہے۔ اس کی تسکین و تسلی صرف ذکر حق سے

---

[1] لے انّ الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال (الحدیث بخاری و مسلم)

ہوتی ہے۔ جب توجہِ باطنی سے ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔ تو یہ لطیفہ زندہ ہوکر مشغول بیادِ الٰہی ہوجاتا ہے۔ اسی "لطیفہ" کی یہ "مشغولیت بذکرِ خاص" 'ذکرِ قلبی' کہلاتی ہے۔ اور یہ 'ذکرِ خاص' عادتاً وہی ہوتا ہے جسے ذاکر کثرت سے کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اصلِ قلب میں جڑ پکڑ جاتا ہے۔ یہ 'لطیفہ' قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں۔

"(لطائف ستہ) حدیث و قرآن سے ثابت نہیں۔ حدیث و قرآن سے صرف لطیفہ قلب ثابت ہے، قرآن پاک میں "قلب منیب" اور 'قلب سلیم' کا ذکر آتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک ہوجائے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ 'الا وھی القلب' اس لئے حاجی صاحب رحمہ اللہ کے سلسلے میں سارا زور قلب کے تزکیہ پر ہے"

یہ 'ذکرِ قلبی' گو مامور بہ اور وجہِ تسکینِ قلب ہے لیکن اشتغال اور ذہنی مشغولیت میں 'ذہول' کا بھی اندیشہ ہے۔ اسلئے 'ذکرِ قلبی' کے ساتھ "ذکرِ لسانی کا اقتران بھی ضروری ہے۔ کہ اگر بالفرض 'ذکرِ قلبی' کا ذہول ہوجائے تو 'ذکرِ لسانی' کی برکت سے تو انسان محروم نہ رہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اصل ارادہ اور زبان سے ذکر کرنا ہے۔ تاکہ ذاکر اس خیال سے کہ ذکرِ قلبی جاری ہے۔ ذہول میں مبتلا نہ ہوجائے۔ اس کے علاوہ نئے ارادہ کے ثواب سے محروم نہ رہے۔"

'ذکرِ قلبی' کیونکہ بغیر حرکتِ لسان ہوتا ہے۔ اس لئے نماز میں بھی حارج نہیں۔
حضرت والا ایک سالک کو جس پر "غلبۂ ذکر" کا حال طاری تھا۔ ارقام فرماتے ہیں،
"ذکر بالقلب نماز میں حارج نہیں باللسان سے احتیاط کرنی چاہیئے"

دوامِ ذکر ایک طالب کو جنہیں حق تعالیٰ نے بفضلہٖ دوامِ ذکر کی نعمت عطا فرمائی۔ حضرت والا مختلف مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"ہر وقت ذکر کی مصروفیت یعنی دوامِ ذکرِ قلب بڑی نعمت ہے۔ جو آپ کو مل رہی ہے۔ اس کو جاری رکھئے۔"

"یہ بھی ذہن میں رہے کہ کشف و الہام وغیرہ محض محمود ہیں۔ مقصود نہیں۔ ان باتوں کو قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں ـــ قربِ الٰہی صرف ایمان اور عمل صالحہ کا نتیجہ ہے۔ اس لئے دوامِ ذکر اور کثرتِ اعمالِ صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے۔"

اِن ہی کو تاکید کرتے ہیں:

"کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجیئے۔ اور صرف حسن عمل اور کثرتِ ذکر کی طرف توجہ رکھیئے۔"

پاسِ انفاس

دوامِ ذکر کی ایک نوعیت پاس انفاس ہے۔ کہ کوئی سانس یادِ الٰہی سے خالی نہ جائے یہ بھی 'کثرتِ ذکر' کی مخصوص صورت سے میسر آتا ہے۔ اس کا طریق یہ ہے کہ سالک "ہر سانس" کو اس توجہ سے لے کہ اس سانس کے ساتھ "اللہ اللہ" یا 'اللہ ھو' یا 'لاالٰہ الا اللہ' جاری ہے۔ زبان کا تلفظ نہ ہو 'ذکرِ قلبی' ہو

اور دھیان یہ ہو کہ ہر "تارِ نفس" کے ساتھ 'ذکر' کی آمد و رفت ہے۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

نوائے صبحگاہی نے جگر خون کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے
اگر میں کیمیا گر ہوں تو میری کیمیا کیا ہے
یہی تارِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

ایک سالک نے حضرت والا سے "پاس انفاس" اور اس کے فائدہ کے متعلق پوچھا حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ نے جواباً لکھا:

" پاسِ انفاس یہ ہے۔ کہ کوئی سانس ذکرِالٰہی سے خالی نہ جائے۔ اس کی صورت یہ ہے۔ جو آسانی سے ہو سکتی ہے۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ۔ اللہ جاری رہے۔ بغیر تلفظِ لسانی، محض ذکرِ قلبی کے ساتھ' — اس کا ذکر ہے۔ جو حسب استطاعت مامور ہے۔"

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرمایا:۔ "پاس انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ اور اس کیلئے اللہ کافی ہے "

ذکرِ سرّی

حقیقتِ ذکر، کے ضمن میں یہ بات گذر چکی ہے۔ کہ 'قلبی یاد' ہی حقیقتاً ذکر ہے، پس 'ذکر' کا اصل مدعا، اسی 'قلبی یاد' کی دائماً 'یافت' ہے کہ دل ذکر سے اتنا "زندہ و بیدار" ہو جائے۔ کہ 'یادِ الٰہی اور استحضارِ ربّانی' کا ذاکر اپنے دل میں ہر آن و ہر حال میں عیاناً و حالاً ادراک کر سکے، 'یادِ قلبی' دل کا ملکۂ راسخہ، مزاج اور فطرتِ ثانیہ بن کر 'حقیقتِ ثابتہ' کی صورت میں "حاسّۂ قلبی" یا جذبۂ قلب میں پیوست و مرتسم ہو جائے۔ اور "ذکرِ حق" کی یہ

ا۔ 'قلب ذاکر' ہی دل زندہ ہے۔ حدیث نبویؐ ہے

مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر ربہ مثل الحی و المیت (مشکوٰۃ ص۱۹۶ بحوالہ

اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو نہیں یاد کرتا زندہ مردہ جیسی ہے یاد کرنیوالا زندہ اور نہ کرنیوالا مردہ ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؏

مجھے یہ غم ہے دل زندہ تو نہ مر جائیے کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

یافت قلب ذاکر کا شغلِ دائم بن جائے۔ جو اسے ہر وقت ذاتِ حق میں مشغول اور اس کے دھیان سے خرم و مسرور رکھے۔

اسی ملکہ یاد داشت، کے حصول کیلئے مختلف سلاسلِ سلوک نے مختلف طرقِ اذکار اختیار کئے ہیں۔ مقصود سب کا ایک ہی ہے۔ کہ ذکرِ حقیقی کا دوام و استمرار شریعت مطہرہ کے ظاہری و باطنی اتباع کے ساتھ میسّر آجائے ہے

عبارا تنا شتّٰی وحسنکَ واحدٌ وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان ہی طُرقِ اذکار میں ایک ' ذکر سرّی ' بھی ہے۔ کہ ذاکر اپنے جملہ حواس ظاہری و باطنی کو مجتمع کر کے 'قلب' کی طرف پوری بیداری سے متوجہ ہو کر یوں تصور کرتا ہے۔ کہ ' دل ' سے ' اللہ ' اللہ ' کی آواز نکل رہی ہے زبان میں حرکت نہیں ہوتی ' اور ' دل ' سے یہ آواز ' مسموع ' سمجھ کر ' کان ' گوش بر آواز ' رہتے ہیں۔ اس ذکر میں ' تعداد ' کی بجائے ' اوقات ' کا اعتبار ہوتا ہے۔ ایک معتد بہ وقت کی مشق و ممارست سے ' باطنِ قلب ' میں اللہ کا لفظ مرتکز ہو کر " لطیفۂ قلبی " کی زندگی اور اس میں ' ذکر کے احیاء ' کا سبب بن جاتا ہے۔ اور ' سمع ' اسی ' آواز ' کو قلب سے سنتا ہے ۔
" تصور جاناں " اور " سماعتِ نامِ محبوب " کی یہ مشق ' در جاناں ' تک رسائی کا محض ایک ' ذریعہ ' ہے۔ جس سے حواس پر " تصورِ جاناں " کو مستولی کیا جاتا ہے۔ اور دیگر ' خیالات ' سے بچا کر ' مذکور ' پر ' دل و دماغ ' کو

مرکوز کر دیا جاتا ہے۔ جب حواس 'غیر حق' کے احساس اور دھیان و خیال سے فارغ ہو جاتے ہیں، تو 'مستور ازل' کا 'چہرہ پاقتاب' تجلیات و انوار کے حجابات[۱] میں بھی سالک کیلئے نورِ دیدہ و دل بن جاتا ہے'

عارف رومی کا شعر ہے

لب ببند و چشم بند و گوش بند ، گر نہ بینی روئے حق بر من بخند

بہر حال یہ 'تصوراتِ عشق یادِ محبوب اور دھیانِ حبیب بھی زینۂ قرب ربانی ہے۔ جو سالک کے مراتب وحسنِ باطنی کو بڑھاتا ہے یہ شعر

يزيدك وجهه حسناً اذا ما زدته نظرا

'مجاز' میں مبالغہ ہو تو ہو، لیکن، 'حقیقت' میں عین حقیقت ہے عرب شاعر نے سچ کہا ہے۔

اراى اثرا منه بعينك بيناً لقد اخذت عينك من عينه حسنا

سالک کی کیفیت کا نقشہ اس بارے میں کسی عارف نے خوب کھینچا ہے

جمالت آفتاب ہر نظر باد زخوبی روئے خوبت خوبتر باد

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے ترا ہر ساعتی حسنِ دگر باد'

غرض تصور کے ذریعہ ذکر حقیقی' کی یافت' ذکر سری' کا مقصد و منشا ہے 'ذکر سری' خصوصاً خانوادۂ نقشبندیہ میں معمول بہ ہے۔ ہمارے حضرت والا قدس سرہٗ چاروں سلسلوں میں مجاز تھے۔ اس لئے طالب کی مناسبت و مصلحت کے مطابق جس سلسلہ کے ذکر میں کشائش کار دکھائی دیتی تھی وہی تلقین فرماتے تھے کہ اصل مقصود "حقیقت ذکر" کی یافت ہے نہ طرقِ حصول ذکر'

---

[۱] حجابہ النور الحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ (محمد اشرف)

حضرت والاؒ کے ایک مسترشد خاص جسمانی کمزوری کی بنا پر ذکرِ جہری کا تحمل نہ فرما سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس ضعف کا تذکرہ حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کرتے ہوئے لکھا۔ اس لئے باوجود شوق و ذوق کے ذکر و شغل کی زیادہ تاب بھی نہیں پاتا اور حضرت والا سے خاطر خواہ استفادہ سے محروم ہوں.....“

حکیم و محقق شیخ شفیق نے جواب باصواب عنایت فرمایا:

”جسمانی صلاحیت کے مطابق ہی کام کیجئے۔ یاد ہوگا۔ کہ ذکر کی تعداد بڑھانے میں میں نے سہولت کی قید لگائی تھی۔ ایک مرتبہ بہت زیادہ بڑھا لینے کا مشورہ نہیں دیا تھا۔ اب بھی یہی مشورہ ہے ــــ اگر ذکر جہری[1] سے مشقت ہوتی ہے تو سری کیجئے۔ جو نقشبندی طریقہ میں رائج ہے۔ یعنی یہ کہ زبان بالکل بند تالو سے لگی ہوئی اور تصوّر کیجئے۔ کہ قلب سے اللہ اللہ کی آواز نکل رہی ہے۔ اس میں تعداد کی قید نہیں۔ وقت کا معیار ہے۔ یعنی پندرہ منٹ، بیس منٹ، آدھ گھنٹہ ایک گھنٹہ جیسی فرصت ہو“ (تذکرہ سلیمانؒ ص۵۲۷، ص۵۲۸)

سالک مذکور نے ایک خط میں تحریر کیا ”بحمد اللہ معمولات پر پابندی ہے۔ ذکر سری کر رہا ہوں۔ قیامِ توجہ کے لئے تسبیح بھی رکھ لیتا ہوں اس میں حرج تو نہیں۔“

---

[1] جہری سے یہاں مراد جہر غیر مفرط ہے۔ م-ا

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا:

"الحمد للہ بارک اللہ

ذکر سرّی میں زبان کو حرکت نہیں ہوتی، صرف قلب سے تصور میں ذکر ہوتا ہے۔ اسلئے اس کیلئے قلب کی توجہ اور بیداری کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ تسبیح سے اس توجّہ میں کمی آجاتی ہے۔ کیونکہ توجّہ تسبیح کے دانوں اور مقدار پر ہو جاتی ہے، مگر آپ کو اگر اسی میں آسانی ہے۔ تو کیجئے، مقصود ذکر سے ہے...... (ذکر میں) مقصود کمیت نہیں کیفیت ہے" (تذکرہ سلیمان صفحہ ۵۵، صفحہ ۵۵۱)

ایک دوسرے مکتوب میں ان ہی کے ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"ذکرِ جہری اور سرّی دونوں مشروع ہیں۔ اب جس کو جس سے مناسبت ہو، جہری کے معنیٰ یہ ہیں۔ کہ جس کی آواز اپنے کانوں کو سنائی دے، جس کو قرآن پاک میں "دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" کہا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ جہراً اور حضرت ابوبکرؓ سراً تہجد پڑھتے تھے۔ تو حضرت عمرؓ کو فرمایا گیا۔ کہ ذرا آہستہ پڑھو اور حضرت ابوبکرؓ کو کہا گیا کہ ذرا زور سے پڑھو۔" (تذکرہ صفحہ ۵۸۲)

جیسا کہ معلوم ہوا۔ ذکر سرّی کا مدار قوتِ تصوّر کے استعمال و استمرار پر ہے۔ اور اسی کے ذریعہ یکسوئی اور حقیقتِ ذکر تک رفتہ رفتہ رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ 'تصوّر' کی ان کارفرمائیوں' اور ان سے حواس کی یکجائی' 'یادِ حق کے حصول کی کوشش اور" دھیان ربّانی" کی مشق کا تذکرہ حضرت سیدی الامام قدّس سرہ نے اپنے اشعار میں بھی فرمایا ہے " ارشاد ہوتا ہے :-

دیکھ تجھے حواس بقربِ نوید دید
اجزائے منتشر کو بہم کر رہا ہوں میں
سجدہ میں رکھ کے سر ترے پائے خیال میں
تعمیر اک بہشت ارم کر رہا ہوں میں
سر ہے زمین پر تو تصور ہے عرش پر
تعمیر اک اور حرم کر رہا ہوں میں

بات یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوائے ظاہری و باطنی اور طرح طرح کی استعدادیں مرحمت فرمائیں ہیں۔ اور جس طرح خلقتِ بشری اس ابتلا کی گھاٹی (یعنی عالمِ ناسوت) میں نری 'عبدیت' اور 'فرائض عبودیت' کی بجاآوری کے لئے ہوئی ہے۔ اسی طرح جملہ انسانی ظاہری و باطنی و جسمانی و روحانی استعدادیں و قویٰ اسی" بندگی کے کمال" کے حصول کے لئے عطا فرمائے گئے ہیں۔ کہ بندہ اس عالم میں جس کام کیلئے آیا ہے یعنی بندگی و سرافگندی' اطاعت و معرفت' اس کے حاصل کرنے کیلئے اپنی پوری مایہ ظاہری و جسمانی استعداد باطنی و روحانی جواہر کو

لگادے ۔ قوت متخیلہ وتصور کی طاقت بھی خزائنِ الٰہیہ میں سے بندے کو اس لئے ہی دی گئی ہے کہ اس کا استعمال بھی اسی "مقصد عالی" کے حصول کیلئے کیا جائے اور اس کا جزوکل رضائے الٰہی، معرفت حق، فرائضِ عبدیت کی ادائیگی کے لئے صرف ہو، 'صوفیہ صافیہ' جنہیں اللہ تعالیٰ نے بصیرتِ باطنی سے نوازا ہوتا ہے۔ اور جو اپنی موت وحیات' ظاہر' باطن غرض اپنی جملہ کائنات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے ان گھاٹیوں سے گذر چکے ہوتے ہیں۔ ہر استعداد کا صحیح محلِ استعمال بفضلہ وعونہ تعالیٰ ان کی فراست ایمانی پر کھول دیا جاتا ہے وہ تصور کے اس خزینۂ قوت' کو بھی معرفتِ حق' یادالٰہی اور استحضار وحضورِ ربانی کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ اور جس طرح علمائے نفسیات' نفسیاتی علاج' (Psychological treatment) سے نفسیاتی اور بعض جسمانی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ "حکمائے باطنی" قلبی اور روحانی امراض کا علاج' اسی 'نفسیاتی وتصوراتی طریقہ علاج سے کرتے ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق کے سمجھنے کیلئے 'حکمتِ ایمانی' کا جاننا ضروری ہے "جو محقق اہل ایمان' کی صحبت ہی سے میسر آتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

چند خوانی حکمت یونانیاں　　　حکمت ایمانیاں راہم بخواں ؛

صوفیہ کے اس طریقہ علاج کے متعلق حضرت الشیخ قدس روحہ اپنے ایک مرید باختصاص کو ارقام فرماتے ہیں؛

" یہ شبہ کہ ذکر وفکر میں تجلیات وکیفیات کا ورود سب تصوری وذہنی معلوم ہوتا ہے م-۱) بالکل صحیح ہے۔ اسی لئے

یہ انوار و تجلیات جن کو عام طور پر[1] انوار و تجلیات کا نام دیا جاتا ہے وہ نفسانی افکار ہیں۔ اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اسی عملِ نفسیاتی کے ذریعہ بعض علمائے نفسیات بیماری کا ازالہ اور صحت کا حصول کرتے ہیں۔ اور اسی نفسیاتی اصول سے صوفیہ امراضِ باطنی کا علاج کرتے ہیں۔ اور حق تعالیٰ سے رابطہ پیدا کرتے ہیں۔ اب جسطرح پہلے یہ طے کیا جا چکا ہے کہ صحت اچھی چیز ہے۔ اور بیماری بری چیز ہے۔ اور بیماری کو دور اور صحت کا حصول اس تدبیر نفسیاتی سے کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اسی سے مشاہدہ اور استحضارِ ربانی کی کیفیت جس کے حصول کا مطلوب ہونا الگ دلیل سے ثابت ہے اس کے حصول کیلئے یہ نفسیاتی طریق کار اختیار کیا جاتا ہے۔ اور اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ اس طریق میں عموماً[2] جو مشاہدات ہوتے ہیں۔ وہ ذہنی افکار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام نقشبند (خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ) کا یہ فقرہ اس پر دلالت کرتا ہے

"آنچہ دیدہ شود و دانستہ شود ہمہ غیر خدا است"

بحمداللہ کہ یہ حقیقت آپ پر ظاہر ہو گئی۔ غرض اصلاً یہ مشاہدات و تصورات مطلوب نہیں۔ یہ تو بطور تدبیر ہیں۔ اصل ان کے نتائج ہیں" مقصود مقصد تک رسائی ہے جس کیلئے ہر جائز ذریعہ کا استعمال ہے۔ ذکر سری میں بھی یہی صورت ہے اور مشاہدہ اس کے خاطر خواہ نتائج پر شاہد ہے۔

[1،2] عام طور اور عموماً کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔

لطائفِ ستّہ

اِسی (ذکر سری) کے ضمن میں لطائف کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِن 'لطائف' میں بھی ذکر، تصوّر کی قوتِ متحرکہ سے ہی زندہ ہوکر محسوس ہوتا ہے۔ 'لطائف' کی تعداد اور ان کے مقامات میں اختلاف ہے۔ کہ سوائے لطیفہ قلبی کے (جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے) باقی کشف سے معلوم ہوئے ہیں۔ اِس لئے اختلافِ اہل کشف کی بنا پر ان کی تعداد اور تعین مقامات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر حضرات نقشبندیہ کے ہاں جو 'لطائف' مذکور ہیں۔ ان کا نام اور مقام بیان کیا جاتا ہے

نام لطیفہ	مقام
۱:۔ نفس	زیر ناف
۲:۔ قلب	بائیں پستان کے نیچے
۳:۔ روح	دائیں پستان کے نیچے
۴:۔ سر	قلب و روح کے لطائف کے درمیان
۵:۔ خفی	دونوں ابرو کے درمیان
۶:۔ اخفی	سر کا تالو (ام الدماغ)

ان لطائف کے زندہ، صاف اور جاری یعنی ذاکر کرنے کیلئے بھی 'لطیفہ قلبی' کی طرح ایک ایک[1] لطیفہ کی طرف متوجہ ہوکر 'اللہ اللہ' کی آواز تصور سے اسی طرح سنی جاتی ہے۔ جیسے 'لطیفہ قلبی' سے مسموع ہوتی ہے اور حس کا تذکرہ 'ذکر سری' کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ مشق و ممارست سے بعض اوقات علٰحدہ علٰحدہ لطیفہ 'ذاکر و زندہ' ہوجاتا ہے۔ اور بعض اوقات 'فوقانی لطیفہ' کے 'احیاء' سے دوسرے لطائف بھی جاری و ذاکر اور زندہ ہوجاتے ہیں۔ بہرحال اگر ایک ایک 'لطیفہ' کو صاف کرلیا جائے تو قیام رسوخ و اجراء ذکر میں سہولت رہتی ہے۔ بہرحال شیخ کی صوابدید پر ہے۔ ہمارے ہاں 'لطیفہ قلبی' کے علاوہ دیگر لطائف عموماً معمول بہا نہیں حضرت والاؒ لطائف کے متعلق مختلف مکتوبات میں اپنے ایک عزیز خاص کو ارقام فرماتے ہیں:-

"(نقشبندیہ سلسلہ میں لطائفِ ستہ کا جو ذکر آتا ہے وہ) حدیث و قرآن سے ثابت نہیں۔ حدیث و قرآن سے صرف لطیفہ 'قلب ثابت ہے قرآن پاک میں "قلب منیب" اور قلب سلیم کا ذکر آتا ہے حدیث میں ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ وہ ٹھیک ہوجائے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ الا وھی القلب۔ اسلئے حاجی صاحب کے سلسلہ میں سارا زور قلب کے تزکیہ پر ہے"....

---

[1] اگر استعداد ہو تو احیاناً بیک وقت بھی جملہ لطائف سے اسی اللہ اللہ کی آواز کو سنا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ابتدائے سلوک میں مشق و ممارست کیلئے شیخ کی اجازت سے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن ادنی اولیٰ

لطائف جاری ہونے کا منشا یہی ہے کہ اللہ اللہ کی آواز ہر جگہ سے موہوم ہوتی ہے ...... ہمارے سلسلہ میں دوائر اور لطائف اور تنزلات وغیرہ کے مسائل معمول بہا نہیں۔

(تذکرہ سلیمان ص۵۱۹، ص۵۲۰ و ص۵۲۹)

غرض خانوادۂ نقشبندیہ میں ذکر کو "رگ وپے" میں بسانے کے لئے جملہ لطائف کو بھی ذکرِ سرّی کے ذریعہ پر انوار کیا جاتا ہے۔ اور جو حضرات اس راہ سے گذر چکے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ لطائف کے اجراء سے ذکر کی نورانیت کیسے چھا جاتی ہے اور انسان کیسے آلہ ذکر بن جاتا ہے۔

ذکر جہری و خفی
اور
ذکر دون الجہر

حضرت الشیخ الامام نور اللہ مرقدہٗ 'ذکر لسانی' میں 'جہر مفرط' کو ناپسند فرماتے۔ حدیث شریف میں بھی ہے۔

اربعوا علی انفسکم انکم	کہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار
لا تدعون اصم ولا غائبًا ان	رہے۔ اپنے نفسوں پر نرمی کرو جسے
الذی تدعون سمیع قریب۔	تم پکارتے ہو۔ وہ سننے والا اور
(ابن کثیر ص۲۲۱ ج۲ بحوالہ الصحیحین)	قریب ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مرید سے (جس سے بے اختیار بہت اونچی آواز سے 'الفاظ ذکر' نکل جاتے تھے) تربیتاً فرمایا:-

"اللہ تعالیٰ کا کسی کے چنگھاڑنے سے کیا بنتا ہے۔ انسان غیر اختیاری امور کا مکلف نہیں۔ لیکن اپنی طرف سے تو ضبط کی کوشش ہو"

— کہ ذکر میں کیفیتِ قلبی مقصود ہے۔ نہ آواز کی بلندی و پستی، اسی سبب سے ایک طالب کے استفسار پر کہ ذکر کیسے ہو فرمایا تھا ع

نالہ پابندِ نَے نہیں ہے

پھر مزید ارشاد ہوا تھا، میرے دو شعر ہیں ؎

جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے   وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے
وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں کو   وہ طرزِ نالہ ہو جو ان کو بے قرار کرے

شیخ کی مراد یہ تھی، کہ ذکر کچھ اس درد و سوز، اخلاص و یقین اور تاثیرِ قلبی میں ڈوب کر کیا جائے کہ رحمتِ الٰہیہ کو جوش آجائے اور وہ "انجذابی" صورت میں متوجہ ہو جائے، کہ بقول عارفِ رومی

گر نہ گرید کودکے کہ جوشد لبن   گر نہ گرید ابر کے خندد چمن

ایسا ذکر، جس میں 'خونِ جگر' اور پارہ ہائے دل، کی آمیزش ہو تو عنایتِ الٰہیہ کا خاص مورد ہے۔ غرض ذکر کی کیفیتِ قلبی میں جس قدر طلب و سوز، والہیت اور توجہ تام ہو گی۔ اسی قدر ذکر مؤثر ہو گا۔ اور یہ تمام 'کیفیات' "میانِ عاشق و معشوق رمزیست" کی مصداق ہیں۔ جن کا اظہار و اعلان 'طریقِ عاشقی' و 'آئینِ درویشی' کے خلاف ہے۔ کہ بقول سلطان الہند امامِ خانوادۂ چشتیہ حضرت شاہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ،

"وہ شخص دوستی کے قابل نہیں۔ جو دوست کے راز کو فاش کرے۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا شعر ہے۔

المدد توفیقِ ضبط و المدد تابِ سکوت   لب پہ لے آئے نہ جوشِ دل کبھی اسرارِ دل

۱؎ حضرت سیدی قدس سرہٗ کا شعر ہے۔

قطرہ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل   فطرتِ دیدۂ خونبار کہاں سے لاؤں

سچی بات ہے کہ ہر ایک کا کلیجہ نہیں، کہ دل پر آرے چلیں اور زبان پر اف تک نہ ہوے

تو اے مردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

خصوصاً حضرات چشتیہ جن کا شعار ہی اِس شعر کا مصداق ہے

سوختن وافروختن وجامہ دریدن پروانہ زمن، شمع زمن گل زمن آموخت

غرض 'ذکر' 'مذکور' سے تعلق کیلئے ہے اور 'مستور ازل' سے تعلق قلبی، اور اسکی یاد جس قدر 'مستور' ہو بہتر ہی ہے۔ خصوصاً مبتدی حضرات کا اکثر حالات میں 'سمع وریا' سے بچاؤ ذکر خفی یا جہر غیر مفرط ہی سے ہو سکتا ہے۔ اسلئے شریعت مطہرہ میں جہاں جہر کا حکم ہے وہاں تو بقدر امر الٰہی جہر ماموربہ ہے۔ ورنہ عام حالت میں 'ذکر خفی' ہی مناسب ہے۔ الّا یہ ہے کہ شیخ علاج یا کسی اور حکمت کی بنا پر جہر کی تلقین کرے اور وہ جہر بھی ایسا ہو، جس سے حقوق العباد ضائع نہ ہوں اور کسی کو اذیت نہ پہنچے، کہ جہر مقصود بالذات نہیں بلکہ حدود وقیود کے ساتھ جائز ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سلسلہ میں 'ذکر بالجماعۃ' کا بھی دستور نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض شیوخ وسلاسل تربیتی مصلحتوں وحکمتوں کی بنا پر اسے اجتہاداً بہتر سمجھتے ہوں۔ اس لئے اعتراض کی گنجائش نہیں ؎

وللناس فیما یعشقون مذاھب

ورنہ مسلکِ سلیمانی حضرت الشیخ قدس سرہ کی تحریر سے ظاہر ہے

"ذکر بالجماعہ کا دستور ہمارے ہاں نہیں۔ اس میں ریا اور دوسری خرابیاں"

ہوتی ہیں۔ (تذکرہ سلیمان ۴۲۲)

بہر حال حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ طالبین کو ذکر 'خفی' ذکر سری' یا ذکر 'جہر غیر مفرط' (جسے قرآن میں "دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ' کے لفظوں سے یاد کیا گیا) کی تلقین فرماتے تھے۔ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"آپ جو پندرہ منٹ مراقبہ کیلئے وقت نکالتے ہیں، اگر کچھ وقت اور ملے، جیسے صبح کی نماز کے وقت یا تہجد میں یا کسی اور وقت تو ایک ہزار دفعہ 'اللہ اللہ' ذرا ہلکے نغمہ سے آہستہ آہستہ اس حد تک کہ آپ کے کان میں آواز آئے تسبیح پر گن کر ذکر کر لیا کیجئے۔ آنکھیں بند ہوں' اور یہ تصور ہو کہ اللہ کا کلمہ نورانی حروف سے آپ کے سینہ پر لکھا ہے۔ اگر آپ تعلیم یا کسی اور کام میں مصروف ہوں۔ تو اس میں نقصان نہ ہو' ہر کام میں خدا کی رضا کی نیت رہے۔ انشاء اللہ آپ کیلئے دین کا راستہ کھلے گا"

اپنے ایک مسترشد خاص کو رقم فرماتے ہیں۔

"ذکر جہری اور سری دونوں مشروع ہیں' اب جس کو جس سے مناسبت ہو' جہری کے معنی یہ ہیں۔ کہ جس کی آواز اپنے کانوں کو سنائی دے' جس کو قرآن پاک میں "دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" کہا گیا ہے۔ ...."

ایک اور سالک کو تحریر فرمایا:۔

"...... پھر ڈھائی ہزار مرتبہ ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں، ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب کے، مگر سمجھیں کہ ضرب کوئی دینی امر نہیں،"

ایک اور مرید کو تلقین فرماتے ہیں۔

"اِس کی ضرورت ہے۔ کہ وقت معین کر کے پوری توجہ کے ساتھ اسم ذات کی معین مقدار کا ایک نشست میں یا متعدد نشستوں میں حسب سہولت ایسی آواز سے جو سنی جاسکے بغیر ضرب کے ذکر کریں، اسکی زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴ ہزار اور کم سے کم ۳ ہزار ہے۔ آپ کم سے کم شروع کر کے حسب توفیق جس قدر پہنچا سکیں۔

ذکر جہر میں مستی ہے

ذکر بالجہر کیونکہ نسبتاً اونچی آواز سے ہوتا ہے اس سے طبعاً قلب میں رقت یا جوش اور بعض اوقات مستی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ایک طالب نے لکھا:-

"پچھلے کچھ دنوں سے قلب میں اِک سوز کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ کچھ مستی محسوس کرتا ہوں، عشقیہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان سے تسکین ہوتی ہے۔ ذکر بھی جو کہ ہمیشہ خفی کرتا ہوں (اِلّا ما شاء اللہ) جہری کرنے کو جی چاہتا ہے"۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا ــــ "یہ بھی ایک کیفیت ہے جو مستحسن و محمود ہے، ذکر جہری کرنے یا عشقیہ اشعار پڑھنے کو جی چاہے تو پڑھ لیں، خواجہ مجذوب صاحبؒ کے اشعار اس کیلئے مفید ہیں"۔

ایک اور مسترشد نے لکھا ــــ "ذکر خفی کی بجائے پھر جہری کی طرف طبیعت کا میلان ہے مگر اس میں ضعفِ دماغی کا قوی امکان ہے"۔

حضرۃ الشیخ نور اللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ــــ "ذکر جہری میں مستی ہے۔ اسلئے جی چاہتا ہوگا، اپنی طبیعت کا اندازہ کریں پھر فیصلہ کریں"۔

ذکر اسماء اللہ تعالیٰ
اور
ذکر اسم جلالۃ

اے نام تو دافع بلاہا — بیماری قلب راشفاہا

اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کے جملہ مفرد ناموں سے یاد کیا اور پکارا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط (اسرائیل۔ ۱۲)

آپ فرما دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ کو) خواہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو گے۔ اس کیلئے سب اچھے نام ہیں۔

سورۂ اعراف (۲۲) میں ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط

اور اللہ ہی کیلئے ہیں سب اچھے نام اس کو ان ناموں سے پکارو، اور ان لوگوں سے علٰحدہ رہو جو اس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں۔

محبِّ صادق کیلئے محبوب کی ہر صفت میں کشش و دلستانی کا پیام ہے اور اس سے منسوب ہر چیز میں جذب و شوق کا سامان ہے۔ نامِ محبوب (وہ ذاتی ہو یا صفاتی) چونکہ ذاتِ محبوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے عشاق کیلئے اس کا تذکرہ سرمایۂ سکون وطمانیت ہے اور یاد ازدیادِ محبت و تعلق کا سبب ہے عارف رومیؒ نے مجنونِ عامری کی ایک حکایت نقل کی ہے۔ کہ صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا تھا۔ کسی نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ فراق زدہ قیس (مجنون) رمزِ محبت کا شناسا تھا پکار اٹھا ع

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ میکنم　　　خاطرِ خود را تسلّی می دہم

مجنونِ لیلیٰ کیلئے نامِ لیلیٰ میں جس قدر تسلّی کا سامان ہے۔ ایک عاشقِ ربّانی کیلئے نامِ باری تعالیٰ عز اسمہ میں اس سے بڑھ کر راحت و تسکین ہے کہ ع

عشقِ مولیٰ کہ کمتر از لیلیٰ بود　　　گوئے گشتن بہراد اولیٰ بود

اسماء الٰہیہ چونکہ محبوبِ حقیقی کی ذات و صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے ہر اسم کا تذکرہ و یاد سالک کیلئے حلاوتِ روحانی، ترقی باطنی اور قربِ ربانی کا ذریعہ ہے کہ بقول عارف رومیؒ

از صفت وز نام چہ زاید خیال　　　و آں خیالش ہست دلالِ وصال

اسمائے الٰہیہ سے شغف و محبت حُبِّ الٰہی کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے کہ بقول حضرۃ الشیخ قدس سرہ۔

"—— اسم میں خود محبوبیت نہیں ہوتی۔ اسم میں محبوبیت محبوب کی ذات پر دال ہونے کے سبب سے ہی ہوتی ہے۔ پس اسم کی

محبوبیت ذات کی محبوبیت کا نتیجہ ذلل ہے۔"

ایک طالب علم کو ارقام فرمایا۔ اِس نام حق میں لذت ملنے پر خدا کا شکر کیجئے۔ یہ بڑی نعمت ہے ؎

تیرے نام ہی میں جو حلاوت ملے   تو سارے غموں سے فراغت ملے

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تعلیم محمدی کا صحیفہ وحی اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ سے بھرا ہوا ہے۔ بلکہ اس کا صفحہ صفحہ خدا کے اسماء صفات کی جلوہ گریوں سے معمور ہے۔ قرآن پاک کا کم کوئی ایسا رکوع ہوگا۔ جس کا خاتمہ خدا کی توصیف اور حمد پر نہ ہو۔ اور یہ تمام اوصاف اور نام اُس عشق و محبت کو نمایاں کرتے ہیں۔ جو اس محبوب ازل اور نورِ عالم کیساتھ قرآن کے ہر پیرو کے دل میں ہونا چاہیئے (سیرۃ النبی ج ۴ ص ۵۹۶)

غرض اللہ تعالیٰ کا ہر اسم پاک بندۂ مومن کے قلب کی جلا اور نور ہے اور اسکی پیہم یاد و تکرار محبت الٰہی کی دلیل اور اس کے تعلق باطنی کا نشان ہے۔ جو بارگاہِ کردگار میں بار پانے کا بڑا سبب ہے۔ 'اسم' 'مسمیٰ' تک رسائی کیلئے موصل کا کام کرتا ہے اور اگر صدق و صفا اور اخلاصِ تام شامل حال ہو، تو 'ذکر اسمی' 'فراغت قلبی' اور 'تبتل الی اللہ' کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ قول ربانی ہے

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل-۱)	اور پڑھے جا نام اپنے رب کا اور چھوٹ کر چلا آ اسکی طرف سب سے الگ ہو کر۔

غرض ہر نام الٰہی کی رٹ نام والے تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اس اسم کی تجلی ذاکر کے قلب روح اور جسم و جان کو منور کر دیتی ہے۔ لیکن جملہ اسمائے الٰہیہ میں جو جامعیت و عظمت، برکت و وسعت گہراؤ اور گیرائی اسم جلالہ 'اللہ' میں ہے۔ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں ہر جگہ یہی نام خداوند قدوس کیلئے اسم 'علم' کے طور پر استعمال ہوا ہے اور علماء نے اسے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا نام اور اسم ذات قرار دیا ہے۔ اور جملہ اسمائے الٰہیہ کی معنویت و حقیقت کو اسی 'نام پاک' میں منطوی و مندمج سمجھا ہے۔ اس لئے اسم ذات کا ذکر جملہ اسمائے حسنیٰ کی تجلیات و برکات کا جامع ہے۔ ہمارے حضرت والا قدس اللہ روحہ کا ملفوظ ہے

"اللہ تعالیٰ اس ذات کا نام ہے۔ جو تمام صفات حسنہ کی جامع ہے۔ 'اللہ' کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا دھیان اس کی تمام صفات حسنہ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ وہ نافع بھی ہیں۔ ضار بھی ہیں، معطی بھی ہیں مانع بھی، خالق بھی وہی ہیں، رازق بھی وہی ہیں' اللہ تعالیٰ کہتے ہوئے ان کی تمام صفات کا استحضار ہونا چاہیئے

... اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے ان صفات کی نفی ہو۔ اور اللہ ہی میں تمام صفات کو سمجھا جائے۔"

حضرت سید الملۃ سیرۃ النبیؐ (جلد چہارم) میں اسم 'اللہ' کی تشریح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:۔

"اللہ"۔ یہ خدا کا وہ نام ہے۔ جو قرآن پاک میں بطور علم ہر جگہ استعمال

ہوا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی یہ عرب میں خدائے برحق کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ اِس لفظ کی معنوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے۔ کہ اس کے معنی اس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کیجائے، بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت و معرفت میں عقل انسانی حیران و سرگردان ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اُس کے معنیٰ ہیں۔ وہ اپنی مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت و محبت رکھے جو ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس اخیر تعبیر کی بنا پر اللہ کے معنیٰ پیار کرنے والے یا پیارے کے ہیں۔ (سیرۃ النبیؐ ص۳ ج۴)

اِسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"ہر زبان میں اِس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کیلئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تمثیل اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے۔ تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے تھے۔ ہر قوم نے اس عَلَم اور نام کیلئے اُسی وصف کو پسند کیا ہے۔ جو اس کے نزدیک اس خالقِ ہستی کی سب سے ممتاز صفت ہو سکتی ہے۔

اسلام نے خالق کیلئے جو نام اور عَلَم اختیار کیا ہے۔ وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے۔ اس میں اہل لغت کا یقیناً اختلاف ہے۔ مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ "ولاہ" سے نکلا ہے اور "ولاۂ" کے اصل معنی عربی میں اس 'غم'

'محبت' اور 'تعلق خاطر' کے ہیں۔ جو ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنیٰ پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے۔ اس لئے اللہ کے معنیٰ "محبوب اور پیارے" کے ہیں۔ جن کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگرداں، متحیر اور پریشان ہیں، حضرت مولینا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں 'من موہن' یعنی 'دلوں کا محبوب' کیا کرتے تھے (سیرۃ ص۵۳۳)

یہ تو لفظ اللہ کی لغوی تحقیق تھی۔ دوسری جگہ اسی پاک نام کی عظمت واہمیت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربانی تعلیمات سے انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت سے آشنا کیا۔ اسکی وحدت اور بے مثالی سے باخبر کیا، اسکی مشیت و ارادہ اور قدرت و وسعت سے آگاہ کیا ایک ایسی ہستی کے اعتقاد کی اُن کو تعلیم دی، جس کی قدرت بے انتہا، جس کی وسعت غیر محدود ہے۔ جسکی مشیئت کائنات کے ہر ذرہ میں نافذ ہے۔ جسکے علم کے احاطہ میں اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز داخل ہے دلوں کے اسرار، زبانوں کے الفاظ اور ہاتھ پاؤں کے اعمال سب ہر لحظہ

---

۱ اصل میں 'ان' ہے۔ یعنی عربوں کی

اور ہر لمحہ اسکے روبرو ہیں۔ اسکے سامنے انسان اپنے ہر عمل کا جوابدہ اور ذمہ دار ہے۔ اس کے مواخذہ کا خوف اور اسکی رحمت کی امید ہے۔ وہ محبوب ازل ہے۔ اس کی محبت کا نشہ ہمارے دلوں کی ہشیاری ہے۔ اس کے فضل وکرم اور لطف ومحبت کی نیرنگیاں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہیں۔ اس کی قوت ہر قوت پر غالب، اسکا ارادہ ہر ارادہ میں نافذ اور اُس کا حکم ہر حکم سے بالاتر ہے اسکی عبادت ہر مخلوق پر فرض اور اسکی اطاعت ہر مکلّف پر واجب ہے۔ وہ ہر عیب سے پاک ومنزہ اور ہر وصف کا مستحق اور اس سے متصف ہے۔ انسانوں کو اپنی یاد دلانے اور ان کے تزکیہ واصلاح کیلئے رسولوں اور پیغمبروں کو بھیجتا رہا۔ اور ان سے ہمکلام ہوتا رہا۔ اسکے کچھ احکام اور بندھے ہوئے قوانین ہیں۔ جن کی اطاعت نیکی اور نافرمانی گناہ ہے۔ وہ اندھیرے کی روشنی، بھوکوں کی سیری، مایوسوں کی امید، زخمیوں کا مرہم، بے قراروں کی تسلی اور بےکسوں کا سہارا ہے۔ وہ ہم سے ہماری رگِ گردن سے بھی قریب تر ہے۔ ہم اسکو جب پکاریں وہ سنتا ہے۔ وہ وہ نیکیوں کو پسند اور گناہوں سے نفرت کرتا ہے۔ وہ جب چاہے آسمان وزمین کو فنا کر دے۔ اور جب چاہے ان کو پھر رچا دے۔ اسکی محبت دنیا کا حاصل اسکی عبادت ہماری زندگی کا مقصود اور اسکی یاد ہمارے دلوں کی راحت ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ   ہاں خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان

الْقُلُوْبُ (رعد-۴)   حاصل ہوتا ہے۔

(سیرت النبیؐ ص۴۸۸ تا ۴۸۹ ج ۴)

علامہ ابن قیمؒ نے 'مدارج السالکین' میں اسم جلالہ 'اللّٰہ' کی عظمت و اہمیت پر قابل قدر بحث کی ہے۔ ارقام فرماتے ہیں:

"اسم 'اللّٰہ' باری تعالیٰ کے جملہ اسمائے حسنٰی اور صفات عالیہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اسم مبارک اس خدائی (الاہیت) کو ثابت کرتا ہے۔ جس میں جملہ صفات الوہیت موجود ہوں اور انکی اضداد کی نفی ہو۔

چونکہ صفات الہیہ ایسی صفات کمال ہیں۔ جو تشبیہ و مثال اور عیوب و نقائص سے منزہ ہیں اور (ان پر دلالت کرنیوالا یہ نام اللّٰہ ہے) اس وجہ سے اللّٰہ تعالیٰ نے تمام اسمائے حسنٰی کو اس اسم عظیم کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (۷-۱۸۰)   اور اللّٰہ ہی کیلئے ہیں سارے اچھے نام

اسی بنا پر الرحمٰن، الرحیم، القدوس، السلام، العزیز، الحکیم کو اللّٰہ کے نام کہا جائیگا۔ اور 'اللّٰہ' کو الرحیم یا العزیز وغیرہ کا نام نہیں کہا جائے گا۔ (گویا اسم علَم و ذاتی اللّٰہ ہے)۔

اللّٰہ کا اسم جملہ اسمائے حسنٰی کے معانی کو مستلزم ہے۔ اور ان تمام اسمائے حسنٰی پر اجمالاً دلالت کرتا ہے۔ (نیز) جملہ اسمائے حسنٰی ان صفات الہیہ کی تفصیل و وضاحت ہیں۔ جو اسم 'اللّٰہ' سے مشتق ہیں۔ اور اسم اللّٰہ ان جملہ اسماء پر اس وجہ سے دلالت کرتا ہے۔ کہ 'اللّٰہ'

ایسا ملجا، ماویٰ اور محتاج الیہ[۱] (محبوب) اور معبود ہے۔ جسکی طرف پوری مخلوق تمام حوائج و مصائب میں محبت و تعظیم، عاجزی و ہیبت کے ساتھ سر افگندہ و متوجہ ہے۔ اور حاجت براری اور معبودیت کی ان صفات کا لازمہ کمال ربوبیت و رحمت ہے۔ اور یہ کمالِ ملک و حمد، الٰہیتؐ ربوبیت رحمانیت و فرمانروائی کی جملہ صفات کمال کو مستلزم ہیں۔.... اور جلالی اور جمالی صفات تو اسم ' اللہ' کے ساتھ خصوصاً متعلق ہیں۔

(مدارج السالکین ص۳۲-۳۳ ج:۱)

ابن قیم کی بحث کا حاصل یہ ہے۔ کہ اسم ' اللہ' جملہ اسمائے حسنیٰ کا جامع اور تمام صفاتِ جمال و کمال و جلال پر حاوی ہے۔ اور یہی اسم علم و ذات ہے۔ جسکی طرف باقی اسماء کی نسبت ہوسکتی ہے۔

علامہ آلوسی بغدادی روح المعانی میں حجۃ الاسلام امام غزالی سے ' اللہ' کے بارے میں نقل کرتے ہیں؛

" اللہ' کا نام اللہ تبارک و تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سب سے بڑا ہے کہ یہ اس ذات (عالی) پر دلالت کرتا ہے۔ جو جملہ صفاتِ الٰہیہ کی جامع ہے۔ اور باقی تمام اسماء مفرد معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں

مثلاً علم یا قدرت یا فعل وغیرہ پر' اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص نام ہے۔ جسکا اطلاق کسی غیر پر حقیقتاً یا مجازاً نہیں کیا جاسکتا۔ اور دیگر تمام اسماء

---

[۱] اصل لفظ ' مألوہ' ہے۔ جس میں یہ تمام معنیٰ آجاتے ہیں۔

کے ساتھ دوسروں کو بھی موسوم کیا جاسکتا ہے جیسے قادر، علیم رحیم وغیرہ اور الرحمٰن بھی 'غیر اللہ' نام نہیں رکھا جاسکتا۔ اور اس وجہ سے الرحمٰن کا نام 'اللہ' کے نام کے قریب ہے ...... " (روح المعانی ص۱۱۶ ج ۴)

امام نووی حدیث :۔

اِنَ لِلّٰہِ تسعۃ وتسعین اسما — اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔

کی شرح میں لکھتے ہیں :

" امام خطابی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مشہور ترین نام 'اللہ' ہے کہ باقی اسماء کی اضافت اس کی طرف کی گئی ہے۔ اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ 'اللہ' (خدا تعالیٰ کا) سب سے بڑا نام ہے۔

اور ابو القاسم الطبری نے کہا ہے کہ اسی نام مبارک کی طرف باری تعالیٰ کے تمام نام منسوب کئے جائیں گے (مثلاً) یوں کہا جائے گا۔ کہ الرؤف والکریم، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہیں، اور یوں نہیں کہا جائے گا کہ 'اللہ' الرؤف یا الکریم کا نام ہے (مراد یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسم علم ہے باقی اسماء صفاتی ہیں)۔ (النووی بر شرح صحیح مسلم ص۳۴۲ ج ۲)

اِن اقتباسات سے اسم 'اللہ' کی اہمیت و عظمت و جامعیت کا کچھ اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اسلئے بعض حضرات کا مجرد ذکر 'اللہ' پر اعتراض ان کا تفرد ہے۔ جو جمہور علماء و صوفیہ کے مسلک کے خلاف ہے۔ گذر چکا۔ کہ نصوصِ قرآنی

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (بنی اسرائیل۔۱۱۰)

آپ فرما دیجیے۔ (باری تعالیٰ کو) خواہ اللہ کہہ کر پکارو۔ یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے بھی اسے پکارو گے۔ اسکے اچھے نام ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا (سورہ اعراف۔۲۲)

اور اللہ ہی کیلئے سب اچھے نام ہیں۔ اسکو ان ناموں سے پکارو

سے ثابت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اُس کے مفرد ناموں سے پکارا اور یاد کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب جملہ ناموں سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاسکتا ہے تو اسکا اسم علم جو (اپنی جامعیت و معنویت میں جملہ صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ بطریق اولیٰ پکارے جانے اور یاد کئے جانے کے لائق ہے۔ مزید براں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ (المزمل۔۸) اپنے ربّ کو اسکے نام سے پکارو۔

'اسم' عام ہے۔ جو ذکر 'اسمی' پر وضاحتہً دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح وہ احادیث مبارکہ جن میں ذکرِ عمومی کی ترغیب دی گئی ہے ان میں کسی خاص ذکر کو معین نہیں کیا۔ بلکہ صحیح مسلم کی حدیث میں صاف وارد ہے

عن انسؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الارض اللّٰہ اللّٰہ وفی روایة لا تقوم

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ ایسی حالت ہوجاوے کہ دنیا میں اللہ اللہ نہ کہا جائے اور ایک

الساعة علی احد یقول اللّٰہ اللّٰہ۔ روایت میں ہے کہ قیامت کسی ایسے شخص پر قائم نہیں ہوگی جو اللّٰہ اللّٰہ کہتا ہو

(مشکوٰۃ صفحہ ۴۸ بحوالہ مسلم)

یہاں اسم مفرد "اللّٰہ" کا ذکر مکرر آیا ہے۔ شیخ الکل حضرت تھانوی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"بعض کا اس طریق ذکر (یعنی ذکر مجرد باسم اللّٰہ الشریف) پر اعتراض ہے کہ صرف اللّٰہ اللّٰہ مفرد ہے۔ اس لئے نہ کسی معنی جزی کو مفید ہے۔ نہ معنی انشائی کو، پھر اس ذکر بے معنی سے کیا فائدہ، مگر اس حدیث میں خود اسی افراد کو مقول بنایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ محض اسی کا تکرار بھی مشروع ہے۔ اور معنی کچھ جز اور انشاء میں منحصر نہیں۔ اگر اس سے تبرک و استحضار محض ہی مقصود ہو تو بے معنی اور غیر مفید کیوں ہوگا۔ ارشاد خداوندی وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ ظاہر الفاظ سے محض اسم کے ذکر کو بھی عام ہے (نیز یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے۔ کہ حرف ندا محذوف ہو، اور اسکا حذف نام کے شوق و لذت میں[1] عموماً شائع ہے)۔ (التکشف عن مہمات التصوف صفحہ ۲۶۹)

ایک دوسری حدیث سے بھی "مجرد اسم" کے ذکر و تکرار کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ابن مسعود کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ جس میں حضرت بلالؓ کے متعلق ہے،

کہ حضرت بلالؓ کو لڑکوں کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ اور وہ انہیں مکہ

---

[1] آخری عبارت جو قوسین میں لکھی گئی ہے۔ التکشف کے حاشیہ پر عربی میں ہے فقیر نے اس کا با محاورہ ترجمہ کر دیا ہے۔ (م۔ د)

کی گھاٹیوں میں پھراتے رہتے تھے۔ اس اثنا میں حضرت بلال پیہم 'احد احد' کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ حدیث کے الفاظ ہیں

وھو یقول اَحد احد ۔ اور حضرت بلال اس اثنا میں احد احد پکارتے رہتے تھے (البدایۃ والنہایۃ ص۵۸ ج ۱)

ابن اسحاق کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب بلال رضی کی چھاتی پر پتھر کی سل رکھ دی جاتی تھی۔ اور انہیں دھمکایا جاتا تھا۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر انکار نہیں کرو گے۔ اور لات وعزیٰ کی عبادت نہیں کرو گے تو تمہیں اسی طرح اذیتیں دے کر ختم کر دیا جائیگا۔ اس وقت بھی وہ پیہم 'احد احد' کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ (البدایۃ والنھایۃ ص۵۷، ۵۸ ج ۱ سیرۃ ابن ھشام ص۳۱۸ ج ۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ 'احد احد' بلال کا دائمی ذکر تھا جسے وہ وظیفہ کے طور پر ہر وقت پڑھتے رہتے تھے۔ اس سے 'احد احد' کے ذکر کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ پس جب 'احد احد' کا ذکر جائز ہے۔ تو 'اللہ اللہ' کا ذکر بھی ناجائز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں۔

"ہشام نے محمد سے اور انہوں نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے۔ کہ 'اللہ' اللہ کا سب سے بڑا نام ہے۔ اور یہی امام طحاوی اور علماء اور عارفین کے کثیر طبقہ کا قول ہے۔ یہاں تک کہ انکے نزدیک 'اللہ' کے ذکر سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذکر نہیں۔ جیسا ابن امیر حاج (کی کتاب) "التحریر" میں ہے (رد المحتار علی در المختار ص۶)

علامہ بدر الدین العینی حدیث شریف للہ تسعۃ وتسعون اسماً الخ کی شرح کے ضمن میں لکھتے ہیں :-

المراد بالحفظ القرأة بظهر القلب فيكون كناية عن التكرار لان الحفظ يستلزم التكرار (عمدة القاری ص۲۹ ج۲۲)

(اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانویں ناموں کے یاد کرنے اور) حفظ سے مراد ان کا دل (کی یاد داشت) سے پڑھنا ہے۔ پس یہ (حفظ کا لفظ) تکرار سے کنایہ ہے کہ حفظ کیلئے تکرار لازم ہے

خلاصہ مذکور کی اس تشریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیث مذکور میں اسمائے الٰہیہ کی تکرار کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور ذکر اسما یا ذکر اسم ذات کا بھی یہی منشا ہے

غرض "ذکر مجرد اسمی" کی مشروعیت نصوص سے ثابت ہے۔ اور یہی جمہور علماء اور صوفیہ کا مسلک ہے، اسم (پروردگار) کے بابرکت ہونے پر نص صریح وارد ہے

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ (الرحمٰن۔۳۰) آپکے عظمت واحسان والے پروردگار کا نام بڑا بابرکت ہے۔

جب اِس نام کو بار بار لیا جائیے گا۔ تو اسکی برکات سے قلب وروح منوّر ہوجائیگا۔ اور اسکی تکرار اندرون قلب میں متمکن ہوکر اسے بہار بنادیگی اور حقیقت ذکر میسر آجائیگی۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں۔

"اللہ اللہ آپ زبان ہی سے کئے جائیے۔ انشاءاللہ تعالیٰ دل

تک اثر کرے گا۔"

حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ملفوظ ہے :

"صاحبو غضب یہ ہے کہ کھٹائی مٹھائی کا نام لینے سے تو اثر ہو۔ کہ نام لینے سے منہ میں پانی بھر آئے۔ اور خدا کے نام میں اثر نہ ہو"

حضرت والاؒ فرماتے ہیں ،

تیرے یاد آنے سے ہر غم مٹ گیا
دارُوئے ہر درد تیرا نام ہے
نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

ذکرِ حق سے صیقل کامل ہوا
محو دل سے نقش ہر باطل ہوا

حضرت الشیخ کی کیفیت ذکر

حضرت شیخ کی صحبت میں جنہیں بیٹھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ ان پر ذکر کا کس قدر غلبہ تھا۔ اور حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ پر کیفیت ذکر کس طرح چھائی ہوئی تھی۔ ذکر کی تاثیر مجلس میں کھلی محسوس ہو جاتی تھی۔ سیدی قدس سرہٗ کو دیکھتے ہی مجلس کا وہ حال ہو جاتا تھا۔ جیسے مجذوبؒ نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے

یہ کون آیا کہ مدہم پڑ گئی لو شمعِ محفل کی
پتنگوں کے عوض اڑنے لگی چنگاریاں دل کی

انوارِ ذکر قلوب کو مائل بذکر کر دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی زبان اقدس بے ساختہ لا الٰہ الا اللہ یا اللہ اللہ کی صدا نکل جاتی تھی، خود فرماتے ہیں۔

کس نے بھر دی یہ صدائے دلنواز — ہر رگِ جاں ساز الا اللہ ہے
کوئی ہو آواز میرے کان میں — ہر صدا آواز الا اللہ ہے
ہے اسی کی سانس انفاس حیات — جو کوئی دم ساز الا اللہ ہے

دل سے ہوتا ہے ترانہ خود بلند — قلبِ ذاکر ساز الا اللہ ہے
وجد میں جان ہے تو اعضا رقص میں — جام ہے آواز الا اللہ ہے

"ذاکر" کا ذکر جب اس کے قلب و روح میں رچ جاتا ہے۔ اور رسوخ حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کی 'صورت حال' ہی سالکین کے لئے ازدیادِ ذکر اور تقویتِ نسبت کا سبب بن جاتا ہے۔ جن حضرات نے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ اور جانا ہے۔ وہ جانتے ہیں: کہ نہ صرف قلبِ سلیمانیؒ بلکہ قالبِ سلیمانیؒ بھی مفتاح الذکر بن چکا تھا۔

ایک مرتبہ ایک طالب سے جس کے قلب سے بے اختیار "اللہ اللہ" کی صدا نکل جاتی تھی۔ ارشاد فرمایا:۔

"گو یہ کیفیت مجھے بھی پیش آتی ہے۔ لیکن اصل ارادہ اور زبان سے ذکر کرنا ہے۔ تاکہ ذاکر اس خیال سے کہ ذکر قلبی جاری ہے ذہول میں مبتلا نہ ہو جائے، اس کے علاوہ نئے ارادہ کے ثواب سے محروم نہ رہے۔"

حضرت شیخ نے تواضعاً اپنی کیفیت کو طالب کی حالت کے مشابہ قرار دے دیا۔ ورنہ جس تاثیر میں ڈوب کر حضرت والاؒ کے اندرون قلب سے یہ آواز نکلتی تھی۔ اسکا اندازہ حضرت والاؒ کی اپنی اس تحریر سے ہو جاتا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مرشد حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کو ایک خط میں لکھی ہے۔ ارقام فرماتے ہیں:۔

" ذکر میں کبھی کبھی آواز ایسی دردمند ہوکر نکلتی ہے۔ جیسے کسی دُکھے ہوئے دل کے اندر سے نکلتی ہو۔ دو دفعہ تو ایسا نظر آیا کہ میں حالت نزع میں ہوں اور آواز آرہی ہے۔ اور ایک دفعہ دیکھا کہ میں شہید ہوگیا ہوں۔ اور آواز گلے سے نکل رہی ہے۔ اور دونوں میں عجیب لذت روحانی پائی"

ایک دوسرے احوال نامہ میں اپنے شیخ کامل کو لکھتے ہیں:

"...... اس کے بعد ذکر میں ایسی کیفیت ہوئی، کہ اللہ لفظ زبان سے محبت میں ڈوبا ہوا نکلنے لگا اور نکلتا رہا اور جسم میں ایسا رقص پیدا ہوا کہ بیٹھے بیٹھے عندالذکر جھومنے لگا۔ اور معلوم ہوتا تھا۔ کہ بوٹی بوٹی رقص میں ہے۔ اور اگر خلاف شرع ہونے کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اٹھ کر ناچنے تھرکنے لگتا۔ استغفراللہ"

اِن احوال کا اشارہ حضرت والاؒ نے اپنے اشعار میں بھی فرمایا ہے:

نام اُنکا ہر نفس میں لب پہ یوں آیا کیا　　　تن سے جیسے روحِ بسمل مائلِ پرواز ہے

وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں　　　جام مے آواز الا اللہ ہے

گویہ" احوال" حضرتؒ کے ابتدائے سلوک کے ہیں، لیکن "تمکین" و "نہایتِ سلوک (عرفی)" کے بعد بھی "اللہ" یا لاالہ الا اللہ کی صدا اس سوز و گداز و درد و کرب سے نکلتی تھی۔ کہ صاف "آغشتہ بخون" اور " دل و جگر" کے ٹکڑوں

۱؎ حکیم الامتؒ مرشد تھانویؒ کا عارفانہ جواب سنئے۔ " ذاکرین کو ایسے حالات پیش آتے ہیں جو علامت ہے تاثیر ذکر کی اور یہ سب محمود ہیں مگر مقصود نہیں مقصود ورا الورا ہے جس میں لطافت محض ہے۔ جسکا ادراک بھی بعض اوقات نہیں ہوتا۔ الا بعد العلم المستفاد من علوم الانبیاء۔

کی حامل معلوم ہوتی تھی

برادر معظم مولوی غلام محمد صاحب دام فیضہ شہادت دیتے ہیں،

"...... دوران گفتگو میں کبھی کبھی زبان مبارک سے بیساختہ 'اللہ' یا 'لاالہ الااللہ' یا 'استغفر اللہ' کے کلمات آہستہ مگر اس قدر پُرسوز نکلتے تھے کہ سننے والے کے دل پر بجلی سی گر جاتی تھی۔ بلکہ بعض اہل جذبہ افراد تو بے خود ہو جاتے تھے۔ (تذکرہ سلیمان ص۳۰)

ایک مرتبہ فقیر نے عرض کیا کہ "حضرت ذکر کو کسطرح کرنا چاہیئے" ارشاد ہوا

"نالہ پابند نے نہیں ہے"

پھر فرمایا۔ ع — 'وہ طرزِ نالہ ہو جو ان کو بے قرار کرے'

میرا ایک شعر ہے۔

وہ اپنے کانوں سے سنتے ہیں میرے نالوں کو
وہ طرزِ نالہ ہو جو ان کو بے قرار کرے

ایک مرتبہ سفر میں حضرت قدس سرہ اور فقیر کا ایک ہی کمرہ میں قیام تھا، پچھلی رات میں نطقِ سلیمانی نے جب داؤدی لے میں 'الا اللہ' 'الا اللہ' کا نغمہ ملکوتی ساز میں چھیڑا تو در و دیوار پر وجد کی کیفیت تھی۔ اور سننے والا اپنی ہستی نغمات قدس میں گم کر چکا تھا ؎

کیا بھری تاثیر میں مطرب تیری آواز ہے — جو تری محفل میں بیٹھا وہ سراپا ساز ہے

حضرت والاؒ کے بعض دیگر اشعار سے بھی حضرت کی کیفیت ذکر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

لذتِ خلوت بیاں کیا کیجئے — ایک میں ہوں اور ان کا نام ہے
تیرے یاد آنے سے ہر غم مٹ گیا — داروئے ہر درد تیرا نام ہے
نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا — ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے
دیکھنا ہو تو نگاہ شوق بن — اسکی ہر سو بارگاہ عام ہے
بزم میں تنہا نظر آتا ہوں میں — ایک میں ہوں اور خدا کا نام ہے

استحضار:-

لفظ بیگانہ بھلا کیا ترجمانی کر سکیں — شوقِ بے انداز پیچیدہ وہ میرے دل میں ہے
واکر اے مجنوں تو اپنے دیدۂ مشتاق کو — لیلیٰ پردہ نشین ہر پردۂ محمل میں ہے
ذکر حق سے صیقل کامل ہوا — محو دل سے نقش ہر باطل ہوا
چار جانب بارش انوار ہے — جلوہ فرما وہ مہ کامل ہوا
رٹتا ہوں تیرا نام کرتا ہوں تیرا کام[ل] — آتا ہے نظر جب کچھ اپنے میں ذرا ہوش
معلوم نہیں کس دم فرمائیں مجھے وہ یاد — نام انکا نہ ہوا اے دل اک لمحہ فراموش
سجدہ میں جہاں سر ہے گویا وہ تیرا در ہے — کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش
حاصل ہے تصور میں کیفیت معراج — کیا کیا نہ مزا پایا پایا جو ہم آغوش

ل حاصل سلوک ذکرِ دائم اور ہر حال میں طاعت الٰہی ہی ہے - (م-و)

حصولِ حقیقتِ ذکر کی معالجانہ تدابیر
اُور
اُنکی حیثیت

اللہ تبارک و تعالیٰ کی یاد میں دل کی کامل بیداری اور دھیان کے ساتھ مشغولیت ہی اصلِ ذکر ہے۔ اور 'قلب' ہی حقیقتاً ذاکر ہے۔ اس لئے بشرطِ اخلاص تیقظِ قلبی جس قدر کامل ہوگا۔ اور توجہ جتنی تام ہوگی۔ اس قدر ذکر مقبول و مؤثر نورانی اور طمانیت قلبی کا سبب ہوگا۔ دل کی توجہ کو کلیتہً ذکر میں شاغل رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ 'دل' 'غیر اللہ' سے فارغ اور پریشان خیالی سے مامون ہو۔ کہ جب تک فراغتِ قلبی اور یکسوئی خاطر میسر نہ آئے سالک کو انتشار و تشتت پریشان رکھتا ہے۔ اور وہ ذکر کی کما حقہ 'یافت' سے محروم رہتا ہے۔ پریشان خیالی، اشتغالِ غیر اور وساوس انتشارِ قلبی کا عموماً سبب ہوتے ہیں۔ اس لئے محقق صوفیہ سالکین کی توجہ افرادِ ذکر (یعنی مذکور، ذاکر یا ذکر) پر مرتکز کرنے اور یکسوئی کیلئے مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ یہ تدابیر محض معالجہ کے طور پر ہوتی ہیں۔ انکی حیثیت محض ذرائع کی ہے۔ اس لئے

یہ کسی درجہ میں مقصود نہیں ہوتی۔ یہ تدابیر نہ تو بذاتہٖ عبادت ہوتی ہے اور نہ موجب ثواب و ترقی، اسلئے ان کا قرب ربّانی میں بھی کوئی دخل نہیں ہوتا ان کا بڑا فائدہ صرف اتنا ہے کہ پراگندہ خاطر ذاکر کو ان کے اختیار کرنے سے یکسوئی نصیب ہوجاتی ہے۔ اور اسکی توجہ افراد ذکر پر مرکوز ہوجاتی ہے اور وہ وساوسِ قلبی اور انتشار ذہنی سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی 'سلیم الطبع' طالب 'حقیقت ذکر کو ان معالجانہ تدابیر' کے بغیر ہی حاصل کرسکے تو اسے ان 'تدابیر' کے اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بعض سالکین 'ذریعہ' کو 'مقصد' سمجھنے کی غلطی میں ایسے مبتلا ہوجاتے ہیں کہ مقاصد کو گم کرکے ذرائع ہی کے درپے ہوجاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ تدابیر و ذرائع کو ان کا اپنا مقام دیا جائے۔ اور مقاصد کو پہچان کر ان کے حصول کی کوشش کی جائے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ:۔

"سالکین ذرائع کو مقاصد کا درجہ دے دیتے ہیں۔ اور مصیبت میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔"

اس لئے ضروری ہے۔ کہ سالک 'مقاصد' و 'ذرائع' 'غایات' اور 'تدابیر' میں تمیز و تفریق کرسکے۔ تدابیر و ذرائع میں غلو یا انہیں مقاصد و غایات سمجھ لینا اس راہ کا بڑا پتھر ہے۔ بلکہ بعض اوقات دائمی محرومی اور ناکامی کا سبب بن جاتا ہے۔ کہ سالک غیر مقصود کو مقصد قرار دے کر اس کا ایسے درپے ہوتا ہے۔ کہ منزل ہی کو بھول جاتا ہے۔ شیخ حاذق کا کمال یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ طالب کو اس پرخار وادی سے بچا کرلے جاتا ہے۔ اور اسے راہ کے

کانٹوں سے الجھنے نہیں دیتا۔ اور مقاصد و ذرائع غایات و تدابیر اور حق و باطل میں بے محابا تفریق کی لکیر کھینچتا چلا جاتا ہے۔ اور طالب سلوک کی واضح راہ کو بغیر کسی رکاوٹ علی وجہ البصیرۃ کے طے کرتا چلا جاتا ہے

ہمارے حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ اس راہ کی گھاٹیوں کے ماہر راہ بین و رہنما تھے۔ اس لئے سالکین کو ابتدا ہی میں ان مراحل و 'عقبات' سے آگاہ فرمادیتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کے نام مکتوبات میں اسکی وضاحت ملتی ہے۔ ایک طالب کو 'ضرب' اور "نور کے تصور" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"...... پھر ڈھائی ہزار دفعہ 'اللہ' ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں۔ ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب (مگر یہ سمجھیں کہ یہ ضرب کوئی دینی امر نہیں ہے۔ بلکہ محض علاج کے طور پر ہے کہ موثر ہو)

...... ذکر کے وقت یہ تصور کریں کہ عرش سے نور آپ کے قلب پر پڑ رہا ہے۔ (یہ تصور بھی دینی امر نہیں ہے۔ بلکہ بطور معالجہ کے ہے۔ تاکہ یکسوئی ہو)"

انہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا۔ تو کوئی حرج نہیں۔ یہ مقصود خود نہیں ہے۔ مقصود تو یکسوئی ہے۔ توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو۔ ورنہ ذکر

کی طرف ہو۔"

ایک طالب نے لکھا:

"قلب پر نقش اللہ کا برنگ نقرہ و سفید تصور کرتا ہوں مگر رنگ کا تصور دیرپا نہیں ہوتا"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا:

"زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ اس کے لئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے..... (یہ امور) غیر مقصودہ ہیں۔"

ایک مسترشد خاص نے لکھا:

"دورانِ ذکر لفظ 'اللہ' کا قلب پر تصور قائم نہیں رہتا..... اسکے قیام کی صورت سے ایما فرمائیں۔" حضرت الشیخ قدس سرہٗ نے ارقام فرمایا:

"جتنی دیر ہوتا ہے۔ وہ غنیمت ہے۔ اس پر مزید کاوش کی ضرورت نہیں۔ یہ مقصود بالذات نہیں۔ اور مزید کاوش سے اور پریشانی بڑھے گی۔" (تذکرہ سلیمان ص۲۲۹)

سالک مذکور نے ذکر میں انتشارِ خیالات کی شکایت کی۔ حضرت والاؒ نے علاجاً تحریر فرمایا:

"ذکر میں انتشار خیال سے پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے قلب و دماغ کو ایسا ہی بنایا ہے کہ اس میں حرکت فطری ہوتی رہے۔ یہ شاہی شاہراہ ہے۔ آپ کون اس کا پہرہ بٹھانے والے کہ اس شاہی شاہراہ پر چوپڑے چار نہ چلنے پائیں۔ آپ اپنی راہ چلئے وہ اپنی راہ چلیں۔ حسب تجویز اعلیٰ حضرت حاجی (امداد اللہ) رح

آپ یہ خیال کیا کیجئے۔ کہ "اللہ اکبر! اللہ تعالیٰ کی بھی قدرت ہے۔ کہ دل کے ایک قطرہ میں خیالات کا سمندر بھر دیا ہے۔ اللہ رے اس کی عظمت و کبریائی۔" اس تصور سے یہ خیالاتِ پریشان معرفت کے آیات بن جائیں گے۔ ایسے وقت یہ شعر پڑھ لیا کیجئے۔

دور باش افکار باطل دور باش اغیار دل

سج رہا ہے شاہ خوباں کیلئے دربار دل" (تذکرہ ص۳۴)

خیال رہے۔ یہ تصور بھی تدبیر و معالجہ کے درجہ میں ہے۔ جسکی حیثیت طالب مذکور کو پہلے بتائی جا چکی ہے۔"

یہاں یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ 'یکسوئی خیال' کی بھی اختیاری حد تک کوشش کرنی چاہیئے۔ اپنی کوشش کے باوجود اگر 'یکسوئی' حاصل نہ ہو تو اسکی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ اپنے کام میں لگے رہنا چاہیئے۔ بعض اذہان فطرتاً اتنے سریع الحرکت ہوتے ہیں۔ کہ ایک بات پر ان کا ارتکاز مشکل ہوتا ہے۔ اسلئے عقیدہ و مقصد کی صحت کا اذعان و یقین کافی ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو پھر انتشار کی فکر کئے بغیر اپنے معمولات و مشاغل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ یکسوئی کی امکانی و اختیاری کوشش کافی ہے۔ 'حصول یکسوئی' کے ہم مکلف نہیں۔ حضرت والا قدس سرہٗ کو ایک سالک نے لکھا،

"بحمد اللہ معمولات پر کاربند ہوں۔ لیکن خیال میں یکسوئی نہیں رہتی۔ بلکہ سخت انتشار رہتا ہے۔"

حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہٗ نے جواباً ارقام فرمایا:۔

یہ شکر کا مقام ہے۔ یکسوئی عقیدہ کی مطلوب ہے۔ اور وہ آپ کو حاصل ہے۔ یعنی یہ کہ صرف خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے آپ کام کر رہے ہیں۔ یہی مقصود ہے۔ باقی یکسوئی خیال جس کا دوسرا نام محو ہو جانا یا انہماک ہے۔ نہ مقصود ہے۔ اور نہ ہر ایک کیلئے محمود" (تذکرہ سلیمان ص۵۲۶)

حضرت والاؒ کا حکیمانہ جواب سالکین کیلئے سرمۂ بصیرت ہے۔ اسی سالک کے ایک دوسرے سوال کا جواب بھی عجب پر حکمت اور نافع ہے سالک نے لکھا:

"بعض مرتبہ عجیب حال رہتا ہے۔ کہ نماز میں تو وہ یکسوئی و رجوع کی کیفیت نہیں رہتی لیکن اس کے بعد ذہن و قلب تمام تر متوجہ بحق محسوس ہوتا ہے۔ ... شاید یہ دھوکہ ہے۔ کیونکہ اگر یہ کیفیت واقعتاً رجوع کی ہے۔ تو نماز میں کیوں نہیں رہتی۔ حالانکہ نماز میں تو زیادہ قرب حاصل رہتا ہے۔"

حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا:

"نماز میں اعمال مختلف ہوتے ہیں۔ جس سے وہ یکسوئی جس کو آپ یکسوئی سمجھتے ہیں نہیں ہوتی، کیا خدمتگار خدمات کے انجام دینے میں مالک کی محبت کی یکسوئی کا تصور کرتا ہے؟ مگر یہ خدمت خود ہی محبت کی دلیل ہے اور اطاعت کی، فافہم! نماز سے فراغت کی حالت میں یکسوئی مستمر ہو کر محسوس ہوتی ہے۔ مگر یہ کوئی چیز نہیں۔" (تذکرہ ص۱۰)

ایک دوسرے سالک کے اسی قسم کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

"زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ اس کیلئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر حسب استعداد اللہ تعالیٰ عطا فرمائینگے

ذکر و وساوس

وساوس ولا طائل خیالات ذکر و نماز و تلاوت وغیرہ کی حالت میں عموماً سالکین کو تنگ کرتے ہیں اور طالب کو اپنے میں پھنسا کر اللہ تعالیٰ کے دھیان اور اسکی مناجات سے غافل کر دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت والا قدس سرہٗ کے نزدیک وساوس کا علاج عدمِ التفات ہے۔ وساوس کی طرف جتنا دھیان نفیاً یا اثباتاً کیا جائے گا۔ اتنا ہی بڑھیں گے۔ ان کا علاج صرف یہ ہے کہ وساوس و خیالات سے توجہ ہٹا کر ذات باری تعالیٰ کی طرف یا معانی و الفاظ کی طرف کر لیجائے، وساوس آنا بند ہو جائیں گے۔ چونکہ وساوس کا آنا غیر اختیاری امر ہے۔ اس لئے برا نہیں۔ ان کا لانا برا ہے۔ سالک کو چاہیئے۔ کہ ان خیالات سے یکسو ہو کر ایک ذات حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور کسی کی طرف عمداً التفات نہ کرے۔ پھر ہزار وسوسے آئیں تو بھی مضر نہیں۔ کہ اپنا کام وساوس سے عدمِ التفات اور افرادِ ذکر میں مشغولیت ہے۔

حضرت سیدی قدس سرہٗ نے ایک مرتبہ راقم سے فرمایا کہ " مجھے حضرت والاؒ (یعنی مولانا تھانوی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ابتدائی خط میں یہ جملہ لکھا تھا کہ،" وساوس کا لانا منع ہے۔ آنا منع نہیں۔"

حضرت الشیخؒ فرماتے تھے کہ :

" وسوسہ تو شیطان ڈالتا ہے۔ اور اس لئے ڈالتا ہے۔ کہ سالک کو تکلیف ہو، حضرت مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اعلیحضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے۔ کہ ان وساوس کو مرأۃِ جمال حق بنایا جائے کہ یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان ہے کہ اُس نے قلب کو ایسا بنایا۔ کہ اس میں طرح طرح کی چیزیں اور خیالات آتے جاتے ہیں۔ جب ان وساوس کو ذات حق کے دھیان اور قرب کا ذریعہ بنالیا جائے گا۔ تو شیطان وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا۔ کہ اسکا مقصود تو ذاتِ حق سے ہٹانا تھا۔ اور جب وساوس خود ذات کی طرف توجہ کا ذریعہ بن گئے۔ تو اس کا مقصد کہاں پورا ہوا۔ قلب پر جب حضرتِ حق کا دھیان چھا جاتا ہے تو وساوس خود بخود کافور ہوجاتے ہیں"

اِسی کے متعلق کہا گیا ہے

کشاکشہائے ہر رنگ سے چھوٹوں قرار آئے
مقیم اس گھر میں ہوجاتے اگر یہ میہمان دل

حضرت الشیخ قدس سرہٗ ایک خط میں لکھتے ہیں،

"وساوس کا واقع ہونا مضر نہیں۔ چور وہاں آتے ہیں جہاں دولت ہوتی ہے۔ شیطانی وساوس کے آنے کو بھی ایسا ہی سمجھا جائے، اور انکی طرف سے ذہن کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیا جائے۔ عدم التفات ہی اس کا علاج ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں ہے۔

"بیہودہ اور ناپاک خیالات کا پیدا ہونا اگر اپنی طرف سے نہیں تو انشاء اللہ مضر نہیں۔"

ایک مرتبہ فرمایا:۔

"اگر وسوسہ کفر مضر نہیں تو وسوسہ گناہ کیسے بُرا ہو سکتا ہے"

ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"یہ وساوس کبھی کبھی آتے ہیں۔ اور اسی امر سے کہ آپ اس کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اور اُن کے پیش آنے سے مشوش ہیں، یہ ثابت ہوتا ہے کہ

حاشیہ: صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ اور صحابہؓ نے عرض کیا۔ کہ ہم میں سے کوئی اپنے دل میں ایسے (برے) وسوسے پاتا ہے کہ اسکو زبان پر لانے سے جل کر کوئلہ ہو جانا یا آسمان سے زمین پر گر جانا زیادہ پسند کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ عین ایمان کی علامت ہے" ابوداؤد نے ایک دوسری روایت میں ابن مسعودؓ سے ہی نقل کیا ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا، "الحمد للہ الذی ردّ کیدہ الی الوسوسہ:۔ سب تعریف اللہ کیلئے ہے۔ جس نے شیطان کے مکر کو صرف وسوسہ تک ہی رکھا۔ (جمع الفوائد ج ۱ ص ۱۹ بحوالہ مسلم و ابوداؤد) — م۔ و

بحمداللہ ایمان محفوظ ہے۔ ایسے موقع پر استغفار اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ
کی کثرت کیجئے۔ اور ادھر سے دل پھیر کر دوسرے کام میں لگ جائیے
التفات بھی نہ کیجئے۔ اور دعا کیجئے۔
یا مقلّبَ القلوب ثبت قلبی علی دینکَ " (تذکرہ صفحہ ۵۴)

ایک اور مبتدی طالب کو تحریر فرمایا:۔
" شکوک کا علاج توبہ و استغفار ہے۔ اور اپنے کام میں انہماک
شکوک بیکاروں کو ہوتے ہیں۔ کام کرنے والوں کو نہیں۔ " ۔

بعض اوقات بُرے خیالات دماغی ضعف یا معدہ کی خرابی سے بھی پیدا
ہوتے ہیں۔ انکا علاج دوا وغیرہ کا استعمال اور عدم التفات ہے حضرت والاؒ
اس عارضہ میں مبتلا ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں:

" یا تو آپ کے معدے کا فعل خراب ہے۔ یا دماغی ضعف ہے
غور کیجئے۔ کہ کوئی خاص ایسی بے اعتدالی تو نہیں ہو رہی ہے جس
سے ضعف پیدا ہو۔ اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو محض وہم ہے۔"

بعض اوقات سالک اپنے خیالات و اوہام کی بوقلمونیوں اور حجابات نورانی
کی دلفریبیوں میں الجھ کر ذکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس کے متعلق حضرت
والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ۔

" اصل یہ ہے کہ ان سب کو قلب سے خارج کر کے یوں سمجھئے کہ
اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوں۔ وہ سن رہے ہیں۔ دیکھ رہے ہیں۔
جواب دے رہے ہیں۔ جیسا کہ خود ارشاد ہے۔ ادعونی

اُسْتَجِبْ لَكُمْ اُذْكُرُوْنِیْ اَذْكُرْكُمْ، اس لئے انسان یقین کے کانوں سے کیوں نہیں سنتا کہ جب وہ اللہ اللہ کہتا ہے۔ تو اسکا جواب 'عبدی عبدی' دیا جاتا ہے۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا۔ کہ تمہارا نام اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ تو فرطِ شوق و محبت میں رو پڑے کہ میرا نام اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اور ہمیں اللہ تبارک تعالیٰ خود کہتے ہیں کہ۔ "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا۔ پھر ہمیں کیوں یقین نہیں آتا کہ جب ہم اللہ اللہ کہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ 'عبدی عبدی' کہہ کر ہمارا جواب دیتے ہیں۔"

اگر سالک رؤیت الٰہی، سماعتِ ربانی، قربت رحمانی کے یقین و اذعان کے ساتھ ان کا حق سمجھ کر ذکر کرے۔ تو اس کے اثرات و برکات سے ضرور سینہ و دل سراپا نور ہو جائے گا۔ اور تمام وساوس و اوہام خود بخود کافور ہو جائیں گے۔ ایسے ہی ذکر کے متعلق حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

خانہ دل میں جو پھیلیں گے کبھی انوارِ دل اور ہی مٹ جائیگی تاریکی افکار دل
سوچ کر اسے دل لگانا چاہیئے بازار دل جمع وہ سامان ہو جسکی خریداری بھی ہو
جلوہ فرما مسندِ دل پر اگر ہو یار دل قلب عاشق بھی ہے پھر ہمسایہ عرش بریں

محو دل سے نقش ہر باطل ہوا ذکر حق سے صیقل کامل ہوا
جلوہ فرما وہ مہ کامل ہوا چار جانب بارشِ انوار ہے

ذکر میں تاثیر دور جام ہے نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ایک میں ہوں اور خدا کا نام ہے بزم میں تنہا نظر آتا ہوں میں

ذکر و طمانیّت قلبی و نزول سکینہ

انسانی 'قلوب و ارواح' فطرتاً مستور ازل کے طالب و شیدائی ہیں۔ کہ انسان کا خمیر عشق و محبت کے آب و گِل سے ہوا ہے۔ 'یوم الست' کی نفی میں 'ربوبیتِ کبریٰ' کی تجلی نے 'ارواح' کے اندر جذب الی اللہ اور اشتیاق ربّانی کی تخم ریزی کر دی تھی۔ اسی طرح ازل میں بنی آدم نے تکلیفاتِ شرعیہ کے بارِ امانت کے اٹھانے اور سنبھالنے پر جو آمادگی ظاہر کی وہ بھی اسی جذبۂ عشق کا نتیجہ تھی۔ جو انسانی قلوب کے اندر فطرتاً ودیعت کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:-

انّ الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القران ثم علموا من السنۃ	(ازل میں) امانت کا نزول انسانوں کے دلوں کی جڑ میں ہوا تھا۔ (پھر اس عالم میں اس نورِ امانت کی برکت سے بتوفیق الٰہی) انہوں نے قرآن کو جانا پھر سنت کا علم حاصل کیا۔
(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص۴۶۱ بروایت حذیفہؓ)	

حافظ نے کیا خوب کہا ہے:-

دوش دیدم کہ ملائک درِ میخانہ زدند　　گلِ آدم بسرشتند وبہ پیمانہ زدند
آسمان بارِ امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اِس جذبہ روحانی اور جذبہ عشق نے ارواح و قلوب کے اندر محبوب حقیقی کا اشتیاقِ والہانہ اور اسکی جستجو و طلب، تلاش و یافت کا داعیہ پیدا کر دیا ہے۔ اور ان کا سکون و قرار اسی ذاتِ جلیل و جمیل کا دھیان و اشتغال اور یاد و ذکر کو بنا دیا ہے کہ محبِّ صادق کا سرمایہ تسکین و طمانیت، محبوب و یادِ محبوب ہوتا ہے۔ بقول شخصے

در دو عالم از دو عالم ایں ہمیں خوش آید مرا
روئے تو یا بوئے تو یا خوئے تو یا کوئے تو

خصوصاً عشاق ربانی کیلئے تو چین و سکون کی واحد و تنہا جگہ خلوت گاہ حق ہی ہے۔ بقول عارف رومی

گر گریزی بر امید راحتے　　ہم ازاں جا پیشت آید آفتے
ہیچ کنجے بے دد و بے دام نیست　　جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

حضرت والاؒ فرماتے ہیں:

پناہ اے دل خدنگ ناز قاتل سے نہیں ملتی
جو مل سکتی ہے تو پھر سایۂ دامان قاتل میں
اسے کب غموں سے رہائی ملے　　جو وابستہ ماسوای اللہ ہے۔

حضرت الشیخ قدس سرہٗ ایک گرامی نامہ میں ارقام فرماتے ہیں:

"اختلاط مع الانام بے شبہ تعلق باللہ میں حارج ہے۔ گو اپنی

نیت صحیح ہو، جس کا ثواب ملے گا۔ مگر نجاستوں کی پلیدی سے تو چارہ نہیں۔ اگر کوئی کوئلہ کے گرد وغبار کو حسنِ نیت سے صاف کرے تو ثواب ملے گا۔ مگر ہاتھوں اور کپڑوں میں سیاہی لگنا ممکن ہے۔ اس دنیا میں سکون صرف تعلق باللہ اور ترک علائق غیر میں ہے۔ ے

نہیں جمعِ دل جمع اسباب سے　　　رہ جمعِ دل ذکر اللہ ہے۔"

اِس لئے اہلِ قلوب وسالکین کی "کھفِ سکون واطمینان" خلوت گاہ حق جل مجدہٗ ہے۔ جو ذکرِ حقیقی (یعنی ذکر دائم اور طاعات ربانیہ) کا ثمرہ ہے یہی وجہ ہے کہ "خاصان خدا" کا یہ گروہ مجمع وتنہائی خلوت وجلوت ہر حال میں ہر آن قلباً وقالباً اللہ تعالیٰ میں شاغل رہتے ہیں۔ انکی زبانیں ذکر ربانی سے تر، ان کے دل اسکی یاد سے روشن اور اُن کے اعضاءِ جوارح اس کے احکام و اوامر کی اطاعت وپیروی سے خنک وشاداں رہتے ہیں۔ کہ "خلوت گاہ حق" کا حصول "شغولیت بحق" اور "فراغتِ غیر سے ہی ممکن ہے۔ جو ظاہر وباطن" قلب وجوارح کے جملہ احکام کے امتثال واشتغال سے میسر آسکتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا (المزمل۔ ۱)	پس جس کا جی چاہے۔ اپنے پروردگار کی طرف کا راستہ اختیار کرے۔
فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ مَـَٔابًا (النبا۔ ۲)	پس جو چاہے اپنے رب کے پاس اپنا ٹھکانہ بنا رکھے۔

مزید برآں جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کو

ایک خاص 'عنایت والتفات، محبت وعطا' کے ساتھ یاد فرماتے ہیں۔
ایک عاشق صادق اور طالب مخلص کے لئے اس سے بڑھ کر کیا انعام اور مسرت وچین کا کیا پیغام ہوسکتا ہے۔ کہ اس کا 'ذکر' اسے یادِ محبوب جلّ وعلیٰ میں لے آئے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی توجہات ورحمت کو اسکی طرف مبذول کرادے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

" ذکر کا خلاصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق۔

اُذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا

اس سے بڑھ کر نعمت کیا ہوسکتی ہے کہ ذاکر کو بوقت ذکر خود حق تعالیٰ یاد کرتے ہیں۔ ذرا اس کا تصوّر تو کیجئے۔ اور جب اللہ کہئے تو تصور کے کان سے سنیئے کہ عبدی کی آواز آتی ہے ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے (تذکرہ ص۲۳۴)

حدیث قدسی میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

" جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے (لطف ومحبت، رضا وعطا کے ساتھ) خود یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے۔ میں اسے اس سے بہتر (ملاء اعلیٰ وفرشتوں کے) مجمع میں (فخر ومحبت وستائش کے ساتھ) یاد کرتا ہوں۔'

(روح المعانی بحوالہ صحیحین ص۲۴۰ ج ۱)

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

" جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے کیلئے بیٹھتے ہیں۔ تو رحمت کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں۔ رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اور سکینہ (اطمینان وچین والی رحمت) اُن پر نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ (فخر وعنایت سے) ان کا تذکرہ ان (فرشتوں وغیرہ) سے کرتے ہیں۔ جو ان کے پاس ہوتے ہیں۔" (مشکوٰۃ ص۱۹۶ بحوالہ مسلم)

غرض اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ قدس میں ذاکر کا لطف ورضا کے ساتھ ذکر ذاکر کیلئے گنجینہ سعادت بن جاتا ہے۔ فرشتوں میں اسکا تذکرہ 'ملاءِ اعلیٰ' کی توجہات خاصہ کو ذاکر کی طرف ملتفت کرا دیتا ہے۔ اور فرشتے جب رحمت الٰہیہ سے بھر کر ذاکر کو گھیر لیتے ہیں۔ تو اُنکی 'ملکوتی تاثیر' سے "قلبِ ذاکر" کے 'ملکات قدسیہ' زندہ اور بار آور ہوکر (خصوصی رحمتوں' اور عنایات خاصہ کے سمجھنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ ایسی حالت میں بارگاہ الٰہی سے ایک خاص اطمینان و چین والی رحمت کا 'القا' ہوتا ہے۔ جس کا پیہم نزول ذاکر کے قلب میں سکون وراحت والی ایک "نسبت راسخہ" اور "ذاکر و مذکور' کے درمیان ایک 'رابطہ قویہ' کے تحقق وثبات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ گویا ذکر کی مداومت و مواظبت پر ذاکر کے قلب پر 'حسن طمانیت خاصہ' اور پرسکون و پُرنُور نسبت الٰہیہ کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔ اس کا ایک عنوان 'سکینہ' ہے۔ جس کا کچھ حصہ ہر ذاکر کو ملتا ہے۔ لیکن "دائمی نسبت راسخہ" کی حیثیت سے اس کا حصول انہیں

'خاصان خدا' کا نصیبہ ہے۔" حقیقت ذکر" جن کا مقام ہے۔

طمانیت قلبی و" سکینہ" اہل اللہ کے دلوں کا سرمایہ ہے۔ یہ وہ عطیہ ربانی ہے۔ جسے تمام عالم کی متاع جمع کر لینے یا خرچ کر دینے سے بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا، سچ کہا ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اِس متاعِ عزیز کی تمنا کرتے ہوئے ایک عاشقِ صادق فرماتے ہیں ؎

می برد بے تابی دل کو بجو — بر درت صبر و سکونم آرزوست

بہرحال ذکر کے آثار میں رضائے حق کے بعد" طمانیت و سکینہ" کی دولت سرفہرست ہے۔ جو سالکین کے سینہ کو رشک بہاراں بنا دیتی ہے ؎

سوئے جہاں بھی آنکھ اٹھانا ہے بار دل
سر کو جھکائے دیکھ رہا ہوں بہار دل

نسبت باطنی یا
نسبت الٰہیّہ و نسبت محمدیّہ

سالک کو جب ' ذکر تام میسّر آجاتا ہے۔ جس میں جملہ افرادِ ذکر، ظاہری و باطنی کامل اطاعتِ شریعت و اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہے تو اسے عادتاً رضاء و قربِ ربانی اور عطاء و نوال رحمانی کی ایک ' نسبتِ دائمہ ' سے نواز دیا جاتا ہے۔ اس ' نسبت ' کا فیضان سالک کیلئے مزید مہمیزِ عمل ' محرکِ ذکر ' مُثمر یقین و اذعان ' مُفید احسان و حضور ' سببِ ازدیاد تقویٰ ' ذریعہ استقامت و مداومتِ اعمال اور باعث مواظبتِ سنتِ نبوّیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ) بن جاتا ہے اور اسکی رضا و قربِ حق کی جستجو و کوشش میں اضافہ اور رغبت و رہبت ' و شوق و طلب اور ہدایت و تقوی میں زیادتی ہوجاتی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ	اور جن لوگوں نے راہ پائی۔ اللہ تعالیٰ
هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ	ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے۔ اور
(محمّد - ۳)	انکو تقوٰی کی توفیق دیتا ہے۔

وہ تشریعاً و تکویناً ' قلباً و قالباً اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کو اپنی رضا اور اسکی خوشنودی کو ہی

زندگی کا حاصل و مدعا سمجھتا ہے۔ احکام الٰہیہ سے اسے طبعی مناسبت اور کفر و عصیان سے اسے حقیقی نفرت میسر آجاتی ہے۔ اس عالم میں پیش آنیوالے جملہ 'حوادث و نوازل' کو وہ 'شئون و صفاتِ الٰہیہ' کی 'پُرحکمت تجلیات' سمجھتا ہے۔ اور نتیجۃً 'تفویضِ تام' 'صدقِ توکل' اور 'تسلیم و رضا' کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔

غرض نسبتِ الٰہیہ اس تعلق کا نام ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے محض 'لطفِ خاص' سے بندہ کو نصیب ہوتا ہے۔ اللہ جلّ جلالہ وعمّ نوالہ اپنی رضا و قرب اور ظاہری و باطنی بخششوں سے اسے نوازتے رہتے ہیں اور بندہ ان کی چاہت و قربت، ذکر و فکر، دھیان و دھن، اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی مراد قلبی اور مقصودِ زندگی بنالیتا ہے۔ وہ مراد و محبوبِ حق ہوتا ہے۔ اور اسکا وظیفہ عبدیت و عبودیت کے فرائض کی بجاآوری، نعمہائے الٰہیہ کا شکر اور رضائے دوست پر اپنی خواہشات کی قربانی ہوتا ہے۔ وہ بزبان حال پکارتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

گویا اللہ تبارک و تعالیٰ اور سالک میں محبوبِ حفی[1] و وفی (مہربان و وفا شعار) اور عاشقِ صادق و مطیع کی نسبت قائم ہوجاتی ہے۔ حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ مسعود عالم ندوی مرحوم کو لکھتے ہیں:

"......طلب و رضا اور اپنے ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا یہی

---

[1] قرآن کریم نے ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قول نقل کیا ہے:

اِنَّہٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا (مریم-۴۷) بے شک وہ (اللہ) مجھ پر بہت مہربان ہے

اس طریق کا حاصل ہے۔ اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو نسبت کہتے ہیں۔ اور قرآن پاک کی زبان میں اسکی تعبیر یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے۔ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ ان ہی کے لئے نوید بشارت ہے۔" (مکاتیب سلیمان ص۱۷۶)

سالک اس نسبت باطنہ کو موہبت ربانیہ اور نعمت غیر مترقبہ سمجھتا ہے فریضۂ شکر اور حقوق و واجبات نعمت حسب استطاعت بجا لاتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی خشیت و بے نیازی کا خوف اور اپنے اعمال کے نقص و کمی کے اندیشہ سے "زوال نعمت" کا خدشہ اُسے ہمیشہ خائف و ترساں رکھتا ہے اور آخری سانس تک دغدغہ اور قرب و رضائے حق کی تگ و کوشش میں منہمک رہتا ہے۔ کہ "عبدیت" کا مجاہدہ آخری سانس تک ختم نہیں ہوتا ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دم آخر دمے فارغ مباش

یہ نسبت الٰہیہ محض فضل صمدانی اور عطیۂ رحمانی ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت ذکر کامل کا رسوخ، اور اعمال صالحہ (ظاہری و باطنی) پر استقامت اس کیلئے بمنزلہ شرط کے ہے۔ پس سالک کو چاہیئے کہ وہ عقائد کی درستگی، ذکر کی پختگی، اعمال کی تحسین، اخلاق کی تزئین، معاملات و معاشرت کی صفائی و پاکیزگی اور اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پورے دھن و دھیان اور اخلاص و توجہ سے مصروف رہے۔ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فضل میں سے اسے حصہ مل سکے۔

بات ہے کہ سالک کمالِ اخلاص و تحسین سے جب احکام الٰہیہ کی کامل (ظاہری و باطنی) پابندی کرتا ہے۔ اور اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار بنالیتا ہے 'ذکرتام' کا رسوخ اس کے دل کو ہر غیر سے فارغ اور ذات جلّ وعلیٰ شانہ میں شاغل کر دیتا ہے۔ اور اسے ان اعمال پر مداومت و مواظبت نصیب ہوجاتی ہے۔ تو 'رحمت الٰہیہ' کی ایک خاص تجلّی اس کے 'دل' پر وارد ہوکر متمکن ہوجاتی ہے۔ جو اسے ہر آن ذات واحد و متعال میں بطرزِ خاص شاغل کر دیتی ہے۔ اور اسے اسکے الطاف وعطایا کا محل بنا دیتی ہے

اِس نسبت کا ورود و تحقق اکثر انجذاباً ہوتا ہے۔ بندہ کی طاعات پر استقامت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر مواظبت 'توجہات الٰہیہ' کو اسکی طرف ملتفت کرادیتی ہے۔ احکام کی اطاعت سے قرب کی منازل طے ہوتی ہیں۔ اتباع نبوتؐ میں جذب کی خاصیت ہے۔ جس سے محبوبیت و مراویتِ ربانی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ذکر حقیقی کی یافت و دوام بارگاہِ قدس جلّ جلالہٗ وعم نوالہٗ میں سالک کے رضا و محبت کے ساتھ ذکر و تذکرہ کا سبب بن جاتا ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:۔

"جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے۔ میں بھی اسے (لطف و محبت، رضا و عطاء) کیساتھ خود یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص مجھے مجمع میں یاد کرتا ہے۔ میں اسے اس (ملاءِ اعلیٰ یا فرشتوں کے مجمع) میں (فخر و محبت و ستائش کیساتھ) یاد کرتا ہوں۔ (روح المعانی بحوالہ بخاری و مسلم ص۱۳۱ ج ۱)

اس "نسبت و ارتباط" کی صورت مثالیہ ملاءِ اعلیٰ میں اسطرح ظہور پذیر ہوتی ہے
کہ ذاکرِ محب و مطیع" کا 'ذکرِ خیر' یادِ الٰہی اور[1] اعمالِ صالحہ کی وجہ سے بارگاہِ قدس جل مجدہٗ
میں 'رضا و محبت و رحمت[2] کیساتھ متواتر ہوتا رہتا ہے۔ اس کا انعکاس 'ملاءِ اعلیٰ' میں
رضامندی و محبت و اُنس کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ملاءِ اعلیٰ کی توجہاتِ
خاصہ اس عبدِ صالح و ذاکر' کی طرف[3] ہوجاتی ہے۔ اور اسکا ترشح 'قلبِ ذاکر' پر
ایک خاص قسم کی طمانیت[4] وسکون وسکینہ کی صورت میں موسلا دھار بارش کی طرح ہوتا رہتا
ہے۔ جسکی وجہ سے اُسکے 'ملکاتِ باطنی' 'ملاءِ اعلیٰ سے ایک خاص قسم کی انسیت و
نورانیت کو اپنے اندر پاکر صفاتِ ملکوتیہ کا تشابہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اب ان 'ملکات

---

[1] قرآن کریم میں ہے:۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ (البقرہ۔۱۸) تم میرا ذکر کرو۔ میں تمہارا ذکر کروں گا۔
علامہ آلوسی بغدادیؒ فاذکرونی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

والقلب فاذکرونی ای بالطاعۃ	پس میرا ذکر کرو دل و جسم کی طاعت کیساتھ، پس ذکر
قلباً و قالباً فیعم الذکر باللسان والقلب	زبان، دل اور اعضاء سب کیلئے عام ہے۔ پہلے (زبان کے
والجوارح فالاول کما فی المنتخب الحمد	ذکر (جیسا کہ المنتخب میں ہے) سے مراد الحمد، تسبیح، تحمید
والتسبیح والتمجید وقرأۃ کتاب اللّٰہ والثانی الفکر	اور تلاوت کتاب اللہ ہے۔ اور دوسرے یعنی دل کے ذکر
فی الدلائل الدالۃ علی التکالیف والوعد و	سے مراد ان دلائل میں غور و فکر کرنا ہے۔ جو احکام الٰہی
الوعید و فی الصفات الالٰہیۃ والاسرار	اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کے بارے میں
الربانیۃ والثالث الاستغراق الجوارح فی	ہیں، اسی طرح صفات الٰہی اور رب تعالیٰ کے اسرار کے متعلق
الاعمال الامور بہا خالیۃ عن الاعمال المنھی	سوچنا بھی اسی میں شامل ہے۔ اور تیسری بات اعضاء کا
عنہا۔۔ (روح المعانی ص۳۳۱ ج ۱)	ذکر ہے کہ انہیں مامورات الٰہیہ کے مطابق احکام کا پابند
	رکھا جائے اور منہیات سے روکا جائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کی غذائے باطنی اوامرِ الٰہیہ کی پابندی، سنت نبویہ کا اتباع کامل، فضائل اخلاق سے آراستگی اور توجہ الی اللہ اور کیفیت احسان وحضور وغیرہ ہوجاتی ہے۔ اس کے سفلی تقاضے دب جاتے ہیں۔ اور ملکوتی صفات اور جواہر باطنی متجلّی ہوجاتے ہیں۔ ملاءِ اعلیٰ کی ہرآن کی توجہات اس کے 'باطنی جواہر' کو زندہ، بارآور اور مُثمر کردیتی ہیں۔ اور وہ الٰہی رنگ میں نکھر کر اخلاق الٰہیہ سے متصف ہوجاتا ہے اور بندہ خلیفۂ الٰہی مظہر صفات ربّانی بن کر اور اتباع نبویہؐ سے منور ہوکر کائنات

گویا ذکرِ انسانی سے مدعا، یادِ الٰہیہ کے جملہ اقسام اور اعمالِ صالحہ کی جملہ انواع ہیں

دوسری آیت ہے

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا ؕ اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡـكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ؕ (فاطر-۲)

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام تر عزت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ تک اچھا کلام بلند ہوتا ہے اور عمل صالح اسکو بلند کرتا ہے

(پس جو شخص جس درجہ کی عزت چاہتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ اس درجہ کی ایمان و اعمال صالحہ میں کوشش کرے حسب ظرف وعمل عزت مل جائیگی۔ (دیکھو ابن کثیر ص۵۴۹ ج۳ وتفسیر کبیر زیر آیت مذکورہ)

۲ے مفسر ابن کثیر نے اذکرکم کی تفسیر میں لکھا ہے "میں تمہارا رحمت ومغفرت کیساتھ ذکر کرونگا" (تفسیر ابن کثیر ص۱۹۶ ج۱)

۳ے صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتۂ خاص جبرئیل سے کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ کو پیار کرتا ہوں۔ تم بھی اسکو پیار کرو، تو جبریل اسکو پیار کرتے ہیں اور آسمان والے بھی اسکو پیار کرتے ہیں۔ اور پھر زمین میں اسکو ہر دلعزیزی اور حسن قبول بخشا جاتا ہے۔

(سیرت النبیؐ ص۵۹۱ ج ۴ بحوالہ صحیح مسلم کتاب الادب)

۴ے اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔ (الرعد-۴) خوب سمجھ لو کہ ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

کی زینت بنتا ہے۔ تقدیرِ ربانی اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس پر حقائق و اسرار کو منکشف کر دیتی ہے۔ اور وہ ایسے مقاماتِ خاصہ اور احوال عجیبہ سے نواز دیا جاتا ہے جس کا وہم و گمان بھی عام اذہان نہیں کر سکتے ؂

بینی اندر خود علوم انبیاء   بے کتاب و بے معید و اوستا (رومیؒ)

ہر دمے اور ا یکے معراج خاص   بر سر فرقش نہد حق تاج خاص

صورتش در خاک و جاں در لامکان   لامکانے فوق وہم سالکان

لامکانے نے کہ در وہم آیدت   ہر دمے در وے خیالے زایدت

بل مکان و لامکان در حکم او   ہمچو در حکم بہشتی چار جو

نسبت محمدیہ

یہاں اس نکتہ کو واضح کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت بالغہ نے اس عالم میں اپنے تک رسائی اور اپنی قرب ورضا کو انبیاء علیہم السلام کے طریقوں میں منحصر کردیا ہے۔ اب جبکہ سیدالانبیاء خاتم النبین رحمۃ اللعٰلمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تا قیام قیامت آخری نبی اور رسول بنکر تشریف لائے ہیں۔ اور آپکا دورۂ نبوت قیامت تک ممتد ومستمر کردیا گیا ہے۔ اور آپکے فیوض وبرکات کو بھی قیامت تک جاری وساری رکھا گیا ہے۔ اب تمام انسانوں کیلئے آپ کا اسوہ، آپ کے احوال و سنن اور ظاہری وباطنی انفرادی واجتماعی اعمال ہی قربت حق کا واحد ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ 'نسبت حقّہ' کا حصول اتباع نبوّیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والتحیہ) میں مندرج کردیا گیا ہے۔ اب 'نسبت الٰہیہ' کا ترتّب اور عطائے رب کا ظہور اسی قدر ہوگا جسقدر 'نسبت محمدیہ' کامل ہوگی۔ یا یوں کہیئے۔ کہ رحمت الٰہیہ نے رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمتوں کا 'قاسم' بناکر مبعوث فرمایا ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ کی غذا صرف ماں کے واسطے سے مقدر فرمائی گئی ہے۔ یا

جیسے میٹھا پانی جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا آخری سرا تقدیر الٰہی نے بادلوں پر منتہی کیا ہے۔ اسی طرح ہدایت یابی اور وصول الی اللہ کے جملہ طرق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپکے لائے ہوئے دین کی تابعداری میں منحصر ہیں۔ اور سینہ نبوت کے نورانی سوتے ہدایتِ امت کا واحد ذریعہ ہیں۔ گویا نسبتِ الٰہیہ کا تحقق نسبتِ محمدیہ کے ساتھ مقرون ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔ کہ نسبت الٰہیہ کے حصول کیلئے حقوقِ نبویہ کی ادائیگی ضروری ہے۔ اور حقوق نبویہ اجمالاً چار عنوانات میں بیان کئے جاسکتے ہیں

۱۔ عظمت نبوی | یعنی آپ کے مقام رسالت کو کماحقہ مانا جائے۔ اس کا فرد اعظم ختم نبوت کا، قلباً، قولاً وعملاً اقرار ہے کہ آپ پر زمانی، مکانی ہر لحاظ سے ظاہراً وباطناً نبوت کو ختم کر دیا گیا۔ اب جسے بھی ملیگا۔ جہاں بھی ملے گا۔ اور جب بھی ملے گا اور جتنا ملے گا۔ عطاہائے الٰہیہ کا ہر ذرہ اسی شمس النبوۃ والرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ نبوت میں آکر ملے گا۔ اس 'محیط نبوت' سے باہر ہدایت کی کوئی سبیل نہیں۔ بقول سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ ؎

لے جائیگا منزل سے پرے دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

۲۔ محبت نبوی | یعنی آپ کی عقلی وشرعی وطبعی محبت جو آپ کے احکام کی تابعداری پر منتج ہو۔

۳۔ اتباع نبوت | آپؐ کے ظاہری و باطنی احکام میں آپؐ کے منشاء کے مطابق آپ کی کلی پیروی کا اہتمام، کہ فیضان نبوتؐ اور فیوض وبرکاتِ

رسالت کا اتنا ہی حصہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جتنقدر آپ کے اعمال کو اپنایا جاتا ہے۔ آپ کے اتباع اور آپ والے اعمال میں آپ کی ذات بابرکات سے استفادہ کی قوت اور جلب حب رب کی خاصیت ہے۔

۴:۔ نصرت نبوی | آپ کے دین کی بقا و حفاظت کیلئے حسب استعداد اور بمطابق احکام شریعت نصرت، یہاں تک کہ اگر جان کی بازی لگانی پڑ جائے۔ تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔

بہرحال مدعا یہ ہے۔ کہ نسبت الٰہیہ کا فیضان حقوق محمدیہ کی ادائیگی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ نسبت اپنے ساتھ ہوتا ہے اور یہ نسبت ہے مختلف افراد اپنا

مختلف افراد کی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مطابق ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ اور افراد متعلقہ کو نسبت الٰہیہ کے ساتھ نسبت محمدیہ سے بھی نواز دیتی ہے کہ دونوں نسبتیں لازم و ملزوم ہیں۔ (ذالک ماعندی واللہ اعلم بالصواب)

چھٹا باب

چھٹا باب

نماز

نماز مومن کا معراج اور بقول حضرت مجدد سرہندیؒ اس عالم میں قرب الٰہی کا انتہائی مقام ہے۔ مومن کی زندگی جس قدر نماز سے متاثر ہوتی ہے۔ کسی دوسرے عمل سے نہیں ہوتی۔ کہ کمال عبدیت اور خصائل عبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجاآوری سے پیدا ہوجاتی ہیں۔ کہ عبدیت کا حاصل ہے خواہشِ نفس کو دبا کر ہر حال میں احکام الٰہی کی بحسن اخلاص تعمیل وتکمیل ہے۔ نماز میں بندہ اپنی مرضیات وخواہشات کو مٹا کر ظاہراً و باطناً، قولاً و عملاً اوامرِ الٰہیہ کی پابندی کرتا ہے۔ کبھی رضائے الٰہی کے حصول کیلئے اپنے آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اسکی پسند کے کلمات پڑھتا ہے۔ اور اسکی کبریائی وصمدیت اور عظمت وجبروت اور اپنی نیستی وپستی، کم مائیگی (ہیچمیرزی) کا اعتراف کرتا ہے۔ کبھی اس حسن ازل کے سامنے جھک کر بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیازمندی کی خاک سے عزت بخشتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے وہی کرتا ہے۔ جو اس کی مرضی ہوتی ہے وہی کہتا ہے۔ نماز وہ عبادت ہے جس میں انسان کا دل و دماغ

جسد و روح، ظاہر و باطن بیک وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندگی اس کے احکام کی تابعداری، اس کے دھیان اور اسکی رضا کے حصول کی کوشش میں مشغول ہوتا ہے۔ نماز کی اس پابندی و ممارست سے بندہ جب بار بار اپنی خواہشات اور اور مرضیات کو مٹا کر اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو "راہ عبدیت" کا وہ سنگ گراں جسے 'ہویٰ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان پیہم ضربتوں سے چور ہوجاتا ہے۔ اور انسان منتہائے عبدیت یعنی رضائے مولیٰ سے ہمکنار ہوجاتا ہے۔ کسی عارف کا قول ہے:۔

"اللہ اور بندے میں ایک قدم کا بعد ہے۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہویٰ) پر رکھو گے تو دوسرا قدم منزل پر ہوگا۔"

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے
وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝	سے ڈرا ہوگا۔ اور نفس کو (حرام) خواہشوں
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى (النزعت۔۲)	سے روکا ہوگا۔ سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا۔

غرض نماز کی صحیح ادائیگی ترکِ ہویٰ کا سب سے موثر ذریعہ ہے۔ جس انسان اپنے نفس پر قابو پاکر احکام الٰہیہ پر آسانی سے گامزن ہوجاتا ہے۔ اور اسکے عبدیت و عبودیت کے کمالات و خصائل سے بہرہ وافر پالیتا ہے۔ بلکہ بعض خاصانِ خدا کا قول ہے کہ "نماز مومن کی زندگی کا آئینہ ہے"۔ جس قدر نماز کامل ہوگی اسی قدر زندگی عبدیت کاملہ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوگی۔ نماز کا ظاہر و باطن پوری زندگی کے ظاہر و باطن کی عکاسی کرتا ہے۔ نماز میں

جن پر خشوع طاری ہوتا ہے۔ وہ ہر عمل میں خاشع ہوتے ہیں۔ نماز کی جھکی ہوئی آنکھیں محارم کو بھی دیکھ کر جھک جاتی ہیں۔ لغو باتوں سے بے توجہی ان ہی کانوں کو نصیب ہوگی، جو عالم کے ہنگاموں سے کان بند کر کے مناجات (نماز) میں سراپا گوش ہوتے ہیں۔ جن کے دل ذات حق میں نماز کی حالت میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہ مجمع میں بھی اسکی جانب متوجہ رہ کر "باہمہ بے ہمہ" کا منظر پیش کرتے ہیں۔ نماز کا یہ عظیم عمل مومن کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے چنانچہ مشہور صحابی حضرت سلمان فارسیؓ کا مقولہ ہے۔

الصلوٰۃ مکیالٌ فمن اوفیٰ	نماز ایک پیمانہ ہے۔ جسنے اس سے
اُوفی بہ ومن طفف فقد	پورا ناپا۔ اسکو پورا ناپ کر دیا جائے گا۔
علمتم ما للمطففین ۔	اور جس نے ناپنے میں کمی کی تو تمہیں کم
(کنز العمال صفحہ ۲۳ ج ۴ بحوالہ مصنف عبدالرزاق)	ناپنے والوں کی سزا معلوم ہے

حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ علیہ اس "اثر" کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"اس قول کے جہاں اور مطلب ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ نماز ہر مسلمان کے کام کا پیمانہ ہے۔ اس سے اسکی ہر چیز ناپی جا سکتی ہے" (سیرۃ النبی صفحہ ۱ ج ۵)

ہم نے اپنے اکابر سے سنا ہے۔ کہ مومن کی پوری زندگی "صفت صلوٰۃ" پر گذرتی ہے۔ اور اس میں اسی عبدیت و عبودیت، اسی امتثال اوامر و احکام اسی اجتماع اور اتباع امیر، اسی خشوع و خضوع اسی تعلق مع اللہ اور قربت

حق اور اسی احسان وحضور، توبہ وانابت، تبتّل ودعاء کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو نماز کا خاصہ ہے۔ اس لئے تکمیل صلوٰۃ تکمیل مومن کا سب سے بڑا زینہ ہے۔ اس لئے نماز کو نماز بنانے کی جتنی سعی کی جائے گی۔ اتنی ہی زندگی ایمان وتقویٰ کے نور سے جگمگا اٹھے گی۔

اِس لئے حضرت سیدی رحمۃ اللہ علیہ نماز کی اہمیت اور اسکی تکمیل[1] وتحسین کی طرف پیہم متوجہ فرماتے رہتے ہیں۔
سیرۃ النبیؐ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"اِسلام کی عبادت کا یہ پہلا رکن ہے۔ جو امیر وغریب، بوڑھے جوان، عورت مرد، بیمار وتندرست سب پر یکساں فرض ہے۔ یہی وہ عبادت ہے۔ جو کسی شخص سے کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی۔ اگر اس فرض کو کھڑے ہوکر نہیں ادا کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو، اگر اسکی بھی قدرت نہیں تو لیٹ کر کر سکتے ہو۔ اگر منہ سے نہیں بول سکتے تو اشاروں سے ادا کرو۔ اگر کسی سخت مجبوری میں رک کر نہیں پڑھ سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو۔ سخت خوف کی حالت میں اگر کسی سواری پر ہو تو جسطرف موقع ہو اُسی رخ پڑھو[2]۔

---

[1] حضرت سید صاحبؒ نے سیرۃ النبی جلد پنجم (ص۵۹ تا ص۲۰۰) میں نماز کے احکام حقائق اسرار ورموز پر سیر حاصل اور قابل دید بحث کی ہے تفصیلاً وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ (م۔ ا)
[2] سید صاحبؒ نے مختلف کتب حدیث کے حوالے دیئے ہیں۔ تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے (م۔ ا)

نماز کیا ہے ؟ مخلوق کا اپنے دل، زبان اور ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار، اس رحمان ورحیم کی یاد، اور اُسکے بے انتہا احسانات کا شکریہ، حسنِ ازل کی حمد وثنا، اور اسکی یکتائی اور بڑائی کا اقرار، یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے۔ یہ اپنے آقا کے حضور میں جسم و جان کی بندگی ہے۔ یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز ہے۔ یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے۔ یہ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا شیرازہ ہے۔ یہ بیقرار روح کی تسکین، مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس دل کی دوا ہے۔ یہ فطرت کی آواز ہے۔ یہ حساس واثر پذیر طبیعت کی اندرونی پکار ہے یہ زندگی کا حاصل اور زندگی کا خلاصہ ہے ......"

"...... انسان کی پیشانی کو خود بخود ایک مسجود کی تلاش رہتی ہے جسکے سامنے وہ جھکے اندروں دل سے عرض نیاز کرے۔ اور اپنی دلی تمناؤں کو سامنے پیش کرے۔ غرض عبادت روح کے اسی فطری مطالبہ کا جواب ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسانی روح کے جوش جنون کا علاج ممکن نہیں وحشی سے وحشی مذہب میں بھی عبادت کے کچھ رسوم اس ندائے فطرت کی تسلی کے لئے موجود ہیں۔ پھر آسمانی مذاہب اس سے کیونکر خالی ہو سکتے ہیں۔" (سیرۃ ص ۵۹-۶۰ ج ۵)

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ (نماز) اسلام کا وہ فریضہ ہے۔ جس سے کوئی مسلمان شخص جب تک اس میں کچھ بھی ہوش وحواس باقی ہے۔ کسی حالت میں

بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اسکی تعریف، اسکی بجاآوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ اس کے ادا کرنے میں سستی و کاہلی نفاق کی علامت[1] اور اسکا ترک کفر کی نشانی[2] بتائی گئی ہے۔ یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا اور اسکی تکمیل اس شبستان قدس میں ہوئی جس کو معراج[3] کہتے ہیں، .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی اہمیت پر ہمیشہ خاص طور سے زور دیتے اور اسکے تارک کے متعلق شرک اور کفر کا ڈر ظاہر فرماتے رہے۔

آپنے فرمایا: "نماز دین کا ستون ہے" جسطرح ستون گرجانے سے عمارت گرجاتی ہے۔ اس طرح نماز کے ترک کردینے سے دل کی دینداری بھی رخصت ہوجاتی ہے...... آپ نے یہ بھی فرمایا: "نماز دل کی روشنی ہے"۔ اپنی نسبت فرمایا ہے: "نماز میری آنکھ کی

---

[1] منافقین کی صفت میں ہے۔ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالَىٰ (نساء - ۲۱) جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو سست و کاہل ہوکر اٹھتے ہیں۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ماعون - ۱) افسوس ہے ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ (حاشیہ سیرۃ النبی)

[2] کفار کے بارے میں ہے: "لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ (مدثر ۲) ہم نمازیوں میں نہ تھے" یہ اس وقت کہیں گے جب ان سے پوچھا جائیگا کہ تم دوزخ میں کیوں ہو (حاشیہ سیرۃ النبی)

[3] کتب صحاح واقعات معراج واسرار وصحیح بخاری کتاب الصلوۃ (حاشیہ سیرت النبی)

ٹھنڈک ہے"۔ ایک تمثیل میں آپ نے فرمایا:" انسان آگ میں جلتا رہتا ہے۔ اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔ یہ محبوب ازل کے ہجر و فراق کی آگ ہے۔ اور نماز آبِ زلال ہے۔ جو آگ کو سرد کر دیتا ہے"
—— آپ نے فرمایا:"کفر و ایمان[ا] کے درمیان امتیاز نماز ہی ہے"۔ کیونکہ ایمان اور کفر دونوں انسان کی اندرونی حالت سے تعلق رکھتے ہیں جسکا اظہار اس کے اعمال ہی سے ہو سکتا ہے۔ مسلمان کا وہ عمل جس کے دیکھنے کا دن میں متعدد دفعہ لوگوں کو موقع ملے نماز ہی ہے عین اسوقت جب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر لمحے تھے۔ اور فرض نبوی کے آخری حروف زبان مبارک سے ادا ہو رہے تھے آپ فرما رہے تھے "نماز اور غلام[ا]" (سیرت ص۱۱تا ۷۴)

حضرت سید الملۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نماز کی روحانی غرض و غایت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

" نماز کی روحانی غرض و غایت یہ ہے کہ اس خالقِ کل، رازقِ عالم، مالک الملک منعم اعظم کی بے غایت بخششوں اور بے پایاں احسانوں کا شکر ہم اپنے دل اور زبان (اور جوارح) سے ادا کریں تاکہ نفس و روح اور دل و دماغ پر اُسکی عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و بے چارگی کا نقش بیٹھ جائے اسکی محبت کا نشہ رگ رگ میں سرایت کر جائے۔ اسکے حاضر و ناظر ہونے کا تصور ناقابلِ زوال یقین کی صورت

[ا] یہ تمام حدیثیں کنز العمال کی کتاب الصلوٰۃ (جلد ۴) میں مختلف کتب حدیث کے حوالوں سے درج ہیں۔ (حاشیہ سیرۃ)

میں اس طرح قائم ہو جائے کہ ہم اپنے ہر دلی ارادہ و نیت اور ہر جسمانی فعل و عمل کے وقت اُس ہوشیار اور بیدار آنکھوں کو اپنی طرف اٹھا ہوا دیکھیں۔ جس سے اپنے برے ارادوں پر شرمائیں۔ اور ناپاک کاموں کو کرتے ہوئے جھجکیں۔ اور بالآخر ان سے بالکل باز آئیں۔

صحیحین کی کتاب الایمان میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے سائل کی صورت میں آکر نماز کی حقیقت پوچھی۔ آپ نے اسکی تشریح فرمائی پھر پوچھا۔ یا رسول اللہ! احسان کیا ہے؟ فرمایا" یہ کہ تم اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اسکو نہیں دیکھ رہے ہو، تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے" اسی طرح ایک اور شخص کو نماز کے آداب کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ "۔ نماز کی حالت میں کوئی شخص سامنے نہ تھوکے کیونکہ اسوقت وہ اپنے رب کے ساتھ راز و نیاز کی باتوں میں مصروف ہوتا ہے (صحیح بخاری باب البزاق فی الصلوۃ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات جب آپ اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ اور شاید لوگ الگ الگ تراویح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ تو آپ نے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا۔" لوگو! نمازی جب نماز پڑھتا ہے۔ تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔ اسکو جاننا چاہیئے کہ وہ کیا عرض معروض کر رہا ہے۔ نماز میں ایک دوسرے کی آواز مت دباؤ[1]"

ان تعلیمات سے اندازہ ہوگا۔ کہ نماز کی عادت سے ایک مخلص نمازی کے

---

[1] مسند احمد ج۲ ص۶۶ ، ص۱۲۹

دل و دماغ پر کیسے نفسیاتی اثرات طاری ہو سکتے ہیں۔ اور اس کے اخلاق و عادات پر کتنا گہرا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں اس نکتہ کی شرح اس طرح کیگئی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ	اور نماز کھڑی کیا کرو۔ کہ نماز بے حیائی
تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ	اور برائی کی باتوں سے روکتی ہے۔ اور
وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت۔۵)	البتہ خدا کی یاد سب سے بڑی چیز ہے۔

اس آیت میں نماز کی دو حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نماز برائیوں اور اور بے حیائیوں سے روکتی ہے۔ اور دوسری اس سے بڑھ کر یہ کہ نماز خدا کی یاد ہے۔ اور خدا کی یاد سے بڑھکر کوئی بات نہیں۔ بے حیائی اور برائی کی باتوں سے بچنے کا نام تزکیہ اور صفائی ہے۔ یعنی اس سلبی حالت کی یہ ایجابی صورت ہے۔ جس کا حصول انسان کی منزل مقصود اور حقیقی کامیابی ہے۔ چنانچہ فرمایا :۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ	کامیاب ہوا وہ جس نے صفائی حاصل کی اور اپنے
اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ)	پروردگار کا نام لیا۔ پس نماز پڑھی۔

اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ انسان کی فلاح اور پاکیزگی کے حصول کی تدبیر یہ ہے۔ کہ وہ اپنے پروردگار کا نام لے، یعنی نماز پڑھے۔ اس سے زیادہ واضح یہ آیت پاک ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ	تو ان ہی کو ہشیار کر سکتا ہے جو بن دیکھے
رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا	اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور

الصَّلٰوۃَ ؕ وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا | نماز کھڑی کیا کرتے ہیں۔ اور جو تزکیہ اور
یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ | دل کی صفائی حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے ہی
الْمَصِیْرُ (فاطر۔ ۳) | لئے حاصل کرتا ہے۔ اور (آخر) خدا ہی
کے پاس لوٹ جانا ہے۔

اس سے ظاہر ہوا۔ کہ نماز انسان کو اسکی اخلاقی کمزوریوں سے بچاتی، نفسانی برائیوں سے ہٹاتی اور اسکی روحانی ترقیوں کے درجہ کو بلند کرتی ہے۔ فرمایا۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ ھَلُوْعًا | بے شک انسان بے صبرا بنا ہے جب
وَّاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا | اس پر مصیبت آئے تو گھبرایا، اور جب کوئی
مَسَّہُ الْخَیْرُ مَنُوْعًا اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ | دولت ملے تو بخیل، لیکن وہ نمازی (ان
الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِہِمْ | باتوں سے پاک ہیں) جو اپنی نماز ہمیشہ
دَآئِمُوْنَ ۝ (معارج۔ ۱) | ادا کرتے ہیں۔

آپنے دیکھا کہ پابندی سے نماز ادا کرنے والے کیلئے قرآن نے کن اخلاقی برکتوں کی بشارت سناتی ہے ....

...... اس تفصیل سے ظاہر ہوگا۔ کہ مذہب اپنے پیروؤں میں جس قسم کے جذبات اور محرکات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ان کا اصل سرچشمہ یہی نماز ہے جو اپنے صحیح آداب و شرائط کے ساتھ بجالائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کی عمارت کا اصلی ستون قرار دیا ہے جس کے گرجانے سے پوری عمارت کا گرجانا یقینی ہے (سیرت النبی ۱۴تا۱۵ ج۵)

..... نماز سے مقصود دل کے خضوع و خشوع، توبہ و انابت، پشیمانی و شرمندگی

اطاعت و بندگی اور خدا کی عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و درماندگی کا اظہار، نیز دل و دماغ اور نفس و روح میں پاکی، صفائی اور طہارت پیدا کرنا ہے۔ اس بنا پر نماز کیلئے بھی ایسے آداب و شرائط اور ارکان مقرر کئے گئے جن سے انسان کے اندر اس قسم کے جذبات کو تحریک اور نشو و نما ہو، مثلاً نماز پڑھنے والا یہ سمجھ کر کہ وہ اب شہنشاہ عالم کے دربار میں کھڑا ہے۔ ہاتھ باندھے رہے، نظر نیچے کئے رہے، طور و طریق اور حرکات و سکنات میں ادب و احترام کا لحاظ رکھے، نماز کی جگہ پاک ہو، بدن پاک ہو، کپڑے پاک ہوں، ادب سے اُسکی بارگاہ میں اپنی دعاؤں اور التجاؤں کو پیش کرے۔ اس ظاہری مجموعی ہیئت کا اثر انسان کی باطنی کیفیت پر پڑتا ہے۔ اور اس میں باطنی فیوض و برکات کی استعداد و صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ فرض کیجئے، کہ ظاہری صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ نہ رکھا جائے تو دل کی صفائی اور پاکیزگی کا تصور اس کے اندر مؤثر انداز میں کیونکر پیدا ہوگا، یہی نفسی اصول ہے، جو انسان کے ہر نظام و ارادہ میں جاری و ساری ہے، اندر کے بنانے کیلئے باہر کا بنانا بھی ایک حد تک ضروری ہے۔

اِسی اصول کی بنا پر تنہائی فرض نمازوں سے جماعت کی نماز اور گھر کی نمازوں سے مسجد کی نماز بہتر ہے۔ کہ جماعت کا ماحول اور مسجد کا منظر دلوں کی کیفیت کو دوبالا کر دے گا۔ اسی بنا پر تمام بڑے بڑے کاموں میں اجتماعیت اور نظام کی وحدت کا پورا خیال رکھا جاتا ہے ...... کہ ان ظاہر محرکات کا اثر پوری جماعت کے اندرونی تخیل پر پڑتا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ جماعت میں چند شخص ایسے ہوں جو اصلی کیفیت سے تکیف ہوں۔ انکی یہ حقیقی کیفیت اپنے اثر سے دوسروں

کو پُر کیف بناتی ہے' اور ان سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا متاثر ہو کر کم و بیش پوری جماعت متاثر ہو جاتی ہے' ...... (سیرۃ ص۸۳/۸۲ ج ۵)

"...... یہ بار بار دہرایا جا چکا ہے۔ کہ نماز سے مقصود، خضوع و خشوع' ذکر الٰہی، حمد و ثنا اپنے گناہوں پر ندامت و استغفار اور اسی قسم کے دوسرے پاک جذبات کی تحریک ہے۔ یہ تمام باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں۔ جن کیلئے ظاہری ارکان کی ضرورت نہیں ...... (لیکن) انسان کے قلبی افعال و اعمال کے مظاہر اسکے جسمانی اعضاء ہیں۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے ارادہ و نیت اور اسکے دلی جذبات و احساسات کے متعلق اسوقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک اسکے ہاتھ پاؤں اور زبان سے اُن کے مطابق کوئی عمل یا حرکت ظاہر نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہر انسان اپنی نسبت ولایت اور خیر کل ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور سوسائٹی کا کوئی ممبر اسکی تکذیب نہیں کر سکتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح سوسائٹی کی بنیاد ہی سرے سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اگرچہ انسان کے اندر کی ہر چیز اسی طرح خدا کے سامنے ہے جس طرح باہر کی اور اس لئے خدا کو ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں۔ مگر خود بندوں کو ضرورت ہے۔ کہ وہ اپنی ظاہری اور باطنی دونوں حیثیتوں سے عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جائیں۔

انسان اپنے جسم و روح دونوں کے لحاظ سے خدا کی مخلوق ہے اسکی زندگی کے دونوں جزء خدا کے احسانات و انعامات سے یکساں گراں بار ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ خالق و رازق اور اس ارحم الرحمین کے سامنے

---

[1] سیرۃ النبی ص۸۳ ج ۵

روح و جسم دونوں جھک کر سجدۂ نیاز ادا کریں، غرض یہ وجوہ ہیں جس کی بنا پر شریعت نے جسم وجان دونوں کی رعایت کرتے ہوتے نماز کے ارکان مقرر کئے ہیں۔ (سیرۃ ص ۲۰۸ ج ۵)

"..... قرآن پاک کی مختلف آیتوں میں ہم کو مختلف قسم کے جسمانی، لسانی اور قلبی عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ جسم کو ادب سے کھڑا رکھنے پھر جھکانے اور سرنگوں کرنے کا حکم ہے۔ مختلف دعاؤں کے پڑھنے کی تاکید ہے خدا کی تسبیح و تحمید کا ارشاد ہے۔ دعاء و استغفار کی تعلیم ہے۔ دل کے خضوع و خشوع کا فرمان ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجنے کا امر ہے اس لئے نماز کی تشکیل اسطرح کی گئی کہ اس ایک عبادت کے اندر قرآن پاک کی تمام جسمانی، لسانی اور روحانی عبادتوں کے احکام یکجا ہو گئے۔ اس لئے ایک نماز قرآن کے تمام گوناگوں جسمانی، لسانی اور روحانی عبادات کا مجموعہ ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک میں مسلمانوں کو قیام، رکوع، سجود، تہلیل، تسبیح، تکبیر، قرأت قرآن، ذکر الٰہی اور درود پڑھنے کے جو احکام عطا کئے گئے ہیں۔ انکی مجموعی تعمیل کا نام نماز ہے جسمیں یہ تمام منفرد احکام مجموعی حیثیت سے انجام پاتے ہیں۔ دوسری طرف ان احکام کی بجاآوری میں ایک ترتیب پیدا کی گئی ہے۔ کہ اگر وہ نہ ہوتی اور یہ کام انسانوں کے ذاتی انتخاب پر چھوڑ دیا جاتا کہ جو چاہے سجدہ کرے جو چاہے صرف قیام کرے، جو چاہے زبان ہی سے ذکر و قرأت پر اکتفا کرے اور جو چاہے صرف دل سے دھیان کر کے اس فرض سے ادا ہو جاتے۔ تو ہر فرد سے فرائض الٰہی کے متعدد ارکان چھوٹ جاتے

جن پر کبھی عمل نہ ہوتا۔ اور عجب نہیں کہ افراد کی طبعی سستی اور سہل انگاری ان پورے احکام کی تعمیل میں مانع آتی۔ سب سے بڑھکر یہ کہ تمام مسلمانوں کی عبادت کی واحد اور منظم شکل پیدا نہ ہوتی، نہ جماعت ہوسکتی، اور نہ نماز کو ایک مذہب کی عبادتِ خاص کہا جاسکتا، اور نہ جماعتی رمز وشعار کی وحدت کی شان اس سے پیدا ہوکر مسلمانوں کو واحد امت بناتی اور بتاتی" (سیرۃ ص ۹۶/۹۷ ج ۵)

حضرت سید الملت سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد پنجم میں نماز کے آداب باطنی، کی تحت میں لکھتے ہیں :-

"قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ میں نماز کیلئے متعدد لفظ آئے ہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، دعا، تسبیح، اور ذکر الٰہی اور یہ الفاظ خود نماز کی روحانی خصوصیات اور آداب کو ظاہر کرتے ہیں۔ نماز جسم و روح دونوں کی عبادت ہے اگر اسمیں جسم کی حرکت کے ساتھ دل کی جنبش شامل نہ ہو، اور روح میں اہتزاز پیدا نہ ہو جائے۔ تو ایسی نماز گلِ بے رنگ اور شرابِ بے کیف سے زیادہ نہ ہو گی

۱:- **اقامت صلوٰۃ** | نماز پڑھنے کیلئے قرآن پاک میں جابجا اقامت صلوٰۃ (نماز کو قائم کرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی صرف نماز پڑھنے کے نہیں۔ بلکہ نماز کو اس کے آداب و ارکان و سنن کے ساتھ ادا کرنے کے ہیں..... اس بنا پر نماز میں اطمینان، ارکان کا اعتدال باطنی خضوع وخشوع ملحوظ رہنا چاہیئے جسکے بغیر نماز ناقص ہو گی۔"

۲:- **قنوت** | نماز کے آداب باطنی میں دوسری چیز قنوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (بقرہ۔۳۱) اور خدا کے سامنے ادب سے کھڑے ہو۔

صحابہؓ کہتے ہیں۔ کہ ہم لوگ نماز میں پہلے باتیں کر لیا کرتے تھے۔ لیکن جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرما دیا۔ کہ یہ یکسوئی اور نماز کے باطنی آداب کے خلاف تھا۔ قرآن پاک میں جس قنوت کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ عجیب جامع لفظ ہے۔ لغت میں (دیکھو لسان العرب) اسکے حسب ذیل معنیٰ ہیں۔ چپ رہنا، بندگی کرنا، دعا مانگنا۔ عبادت کرنا کھڑے رہنا، دیر تک کھڑے رہنا، عاجزی کرنا۔ نماز کے جس قنوت کا اس آیت میں ذکر ہے۔ اُس کے متعدد معنوں میں ہر معنیٰ نماز میں مقصود ہے۔ کیونکہ نماز میں ذکر و قرأت، تسبیح و استغفار، سلام و تشہد کے سوا تمام انسانی ضرورتوں اور باتوں سے خاموشی ہوتی ہے۔ وہ خدا کی بندگی بھی ہے، دعا بھی ہے۔ عبادت بھی ہے، اس میں دیر تک قیام بھی ہے۔ اور عاجزی کا اظہار بھی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نماز میں کم ہو تو اسی قدر نماز کے اوصاف میں کمی ہو جائے گی۔

۳:۔ **خشوع** | تیسری چیز خشوع ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں نمازیوں کی یہ صفت آئی ہے

اَلَّذِيْنَ فِيْ صَلَاتِهِمْ (وہ مومنین کامیاب ہیں) جو اپنی نماز میں

خَاشِعُوْنَ (مومنون۔۱) خشوع و خضوع کرتے ہیں۔

خشوع کے لغوی معنیٰ یہ ہیں۔ بدن جھکا ہونا، آواز پست ہونا، آنکھیں

نیچی ہونا، یعنی ہر ادا سے مسکنت، عاجزی اور تواضع ظاہر ہونا (لسان العرب)
اس لئے نماز خدا کے سامنے اپنی مسکینی، بیچارگی اور افتادگی کا اظہار ہے
اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو گویا نماز کی اصلی غرض فوت ہوگئی۔

۴۔ **تبتّل** | تبتل کے اصلی معنی 'کٹ جانے' کے ہیں، اور اسکے اصطلاحی
معنی ہیں۔ خدا کے سوا ہر چیز سے کٹ کر صرف خدا کا ہوجانا، ظاہر ہے کہ
یہ ایک مسلمان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ہے۔ مگر قرآن پاک میں جہاں
اس کا حکم ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی حالت کے
متعلق[۱] ہے۔ یعنی نماز کی حالت میں خدا کا ذکر کرتے وقت اسکی عظمت
اور اپنی عاجزی کے سوا ذہن سے تمام خیالات نکل جانے چاہئیں۔ صحیح مسلم
میں حضرت عمرو بن عنبسہؓ سلمی سے روایت ہے۔ کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم نے جو نماز سکھائی اس کے متعلق یہ فرمایا۔ کہ وضو کرکے جب کوئی نماز
کیلئے کھڑا ہو، پھر خدا کی حمد کی، ثنا کی، اور خدا کی بزرگی کا اظہار کیا۔ جسکا
وہ سزاوار ہے۔ اور اپنے دل کو خدا کے لئے ہر چیز سے خالی کر لیا
(وفرّغ قلبہ للّٰہ) تو وہ نماز کے بعد ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے اسکی
ماں نے اسکو اسی وقت پیدا کیا (صحیح مسلم اول باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا)
یہ حدیث گویا اسی آیت۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۔ (اپنے پروردگار کا نام لے
اور ہر چیز سے کٹ کر اسی کا ہوجا) کی تفسیر ہے۔

---

[۱] حضرتؒ نے سورہ مزمل کا پہلا رکوع "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا" تک نقل کر لیا ہے۔

۵: تضرّع | تضرّع کے معنیٰ زاری اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرنے کے ہیں (لسان العرب) نماز میں بندہ پر عاجزی و زاری اور عجز و الحاح کے ساتھ سوال کرنے کی کیفیت طاری ہونی چاہیئے۔ ورنہ اس حکم پر عمل نہ ہوگا۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً (اعراف ۔ ۷) — تم اپنے پروردگار کو مسکنت اور زاری کے ساتھ اور دھیمی آواز سے پکارو۔

۶: اخلاص | نماز کے باطنی سنن و آداب کا اصل جوہر 'اخلاص' ہے یعنی یہ کہ نماز سے مقصود خدا کے سوا کوئی اور چیز نہ ہو، کیونکہ اگر ایسا نہیں ہے تو نماز نماز نہیں بلکہ ریا اور نمائش ہوگی۔ اور بعض اہل حق کے نزدیک شرک لازم آئیگا۔ فرمایا:۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۔ (اعراف ۔ ۳) — اور تم ہر نماز کے وقت اپنے رخ کو ٹھیک رکھو اور خدا کو اخلاص کے ساتھ پکارو۔

۷: ذکر | نماز خدا کی یاد کیلئے ہے۔ اگر دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ہو۔ تو خدا کی حقیقی یاد نہ ہوگی۔ اسی لئے فرمایا:

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طہ۔۱) — میری یاد کیلئے نماز کھڑی کرو۔

ظاہر ہے۔ کہ یاد صرف زبان سے الفاظ ادا کرنے کا نام نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دل کی معیت اور قلب کا حضور بھی ہونا چاہئے۔ اور یہی نماز کی بڑی غرض ہے۔

۸: فہم و تدبر | نماز میں جو کچھ پڑھا جائے۔ اسکے سمجھنے کی کوشش کرنی

چاہیئے۔ اگر بے پروائی کیوجہ سے معنوں کی طرف دل متوجہ نہ ہوا۔ تو اس سے دل پر کچھ اثر نہ ہوگا۔ اسی لئے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کہ اس حالت میں سمجھنے والا دل شرابی کے پہلو میں نہیں فرمایا

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ	نماز کے قریب نہ جاؤ۔ جب تم نشہ میں
سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا	ہو۔ یہاں تک کہ (اتنا ہوش آجائے کہ)
تَقُوْلُوْنَ ۔ (نساء۔۷)	جو تم کہو اسکو سمجھو۔

اس آیت پاک نے واضح کیا کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جائے اسکے سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔ اسی بنا پر آپ نے نیند کے غلبہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ اس میں بھی انسان فہم و تدبر سے عاری ہوجاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"نماز میں جب تم پر نیند غالب آجائے تو سوجاؤ کیونکہ اگر نیند کی حالت میں نماز پڑھو گے۔ تو ممکن ہے کہ دعا کی بجائے اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگو" (مسلم ص۲۹۳ ج۱)

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا:

"نمازی کو جب نیند آئے تو سوجانا چاہیئے۔ تاکہ وہ جو کہتا ہے۔ وہ سمجھے۔" (بخاری۔ ابوداؤد، مسند احمد عن انس)

حاکم کی مستدرک میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"جو شخص اچھی طرح وضو کرے۔ پھر اس طرح نماز پڑھے کہ جو وہ کہتا ہے۔ اسکو سمجھتا بھی ہے۔ یہاں تک کہ نماز ختم ہوجائے

تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اسی دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا "[۱]

یہ نماز کے وہ باطنی آداب ہیں جن کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی. جس طرح نماز کے ظاہری شرائط سے غفلت برتنا۔ نماز سے غفلت ہے. اسی طرح نماز کے ان باطنی آداب کا لحاظ نہ کرنا بھی نماز سے غفلت ہے اور اس لئے اس آیت ذیل کے مصداق دونوں ہیں.

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ	پس پھٹکار ہو ان نمازیوں پر جو اپنی
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ	نماز سے غفلت برتتے ہیں۔ جو دکھاوے
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ	کی نماز پڑھتے ہیں (ماعون - ۱)

ذرا ان الفاظ پر غور کیجئے۔ " ان نمازیوں پر جو اپنی نماز سے غافل ہیں پھٹکار ہو " نمازی ہونے کے باوجود نماز سے غافل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ نماز کیلئے جو ظاہری آداب، مثلاً وقت کا لحاظ اور ادائے ارکان میں اعتدال وغیرہ اور جو باطنی آداب مثلاً خشوع و خضوع، تضرّع و زاری اور فہم و تدبر وغیرہ ضروری ہیں۔ ان سے نماز میں تغافل برتا جائے۔

نماز کے گذشتہ آداب کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات، تعلیمات اور عملی مثالیں ہیں جن میں آپ نے نماز کی اصلی حقیقت کو آشکارا کیا ہے

---

[۱] ترغیب و ترہیب منذری ص۳۷۔ اس سے ان مسلمانوں کو جو عربی نہیں جانتے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ اور چاہیئے کہ نماز میں جو سورتیں اور دعائیں پڑھتے ہیں۔ ان کے معنی ذہن نشین کریں۔ اور یہ ہر مسلمان کیلئے بہت آسانی سے ممکن ہے بشرطیکہ وہ تھوڑی توجہ کرے ۔ (حاشیہ سیرۃ النبی ص۱۷۶ ج ۵)

ایک دفعہ مسجد نبوی میں ایک شخص نے آکر نہایت عجلت میں نماز پڑھی، آپ نے فرمایا " اے شخص اپنی نماز پھر پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی" اس نے دوبارہ اسی طرح نماز ادا کی آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا ـــــ جب تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا، تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ! کیسے نماز پڑھوں؟ فرمایا " اس طرح کھڑے ہو۔ اس طرح قرأت کرو۔ اس طرح اطمینان وسکون کیساتھ رکوع وسجدہ کرو۔[1]

نماز میں سر اٹھا کر اوپر دیکھنا خشوع کے خلاف ہے۔ اس سے انسان کی توجہ ہٹتی ہے اور حضور قلب میں خلل پڑتا ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :ـــ " نماز میں سر اوپر اٹھا کر نہ دیکھا کرو۔ کیا تمہیں یہ ڈر نہیں کہ تمہاری نظر پھر واپس نہ آسکے۔"[2] ـــ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ، " جب تک بندہ نماز میں دوسری طرف ملتفت نہیں ہوتا خدا اسکی طرف ملتفت رہتا ہے۔ اور جب وہ خدا سے منہ پھیر لیتا ہے۔ تو خدا بھی اپنا منہ اس سے پھیر لیتا ہے[3] طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: " جب تم میں سے کوئی شخص نماز کیلئے کھڑا ہو۔ تو وہ خدا کی طرف پوری طرح متوجہ رہے۔ یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے، اور نماز میں منہ پھیر کر ادھر ادھر نہ دیکھو۔ کیونکہ جب تک تم نماز میں ہو خدا سے باتیں کر رہے ہو۔[4] ـــ مسند بزاز میں ہے

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم (ابوداؤد کتاب الصلوۃ (حاشیہ سیرۃ)

[2] مسند احمد عن جابر بن سمرہ (حاشیہ سیرۃ)

[3] مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۷۲ و ابوداؤد باب الالتفات فی الصلوۃ (حاشیہ سیرۃ)

[4] طبرانی فی الاوسط عن ابوہریرہ بحوالہ کنزالعمال صفحہ ۱ ج ۴م (حاشیہ سیرۃ)

کہ: "جب بندہ نماز میں ادھر ادھر دیکھتا ہے تو خدا فرماتا ہے تو کدھر دیکھتا ہے؟ کیا تیرے نزدیک مجھ سے بھی بہتر کوئی چیز ہے، تو میری طرف دیکھ، دوسری دفعہ بھی یہی فرماتا ہے۔ پھر تیسری دفعہ جب اس سے یہ حرکت صادر ہوتی ہے تو خدا اسکی طرف سے منہہ پھیر لیتا ہے[1] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " نماز میں سکون اور اطمینان پیدا کرنے کی بھی آپ نے ہدایتیں فرمائی ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ:-

"جب نماز ہو رہی ہو (اور تم باہر سے آؤ) تو دوڑ کر مت آؤ بلکہ اس طرح آؤ کہ تم پر سکون اور وقار طاری ہو۔[2]

اس سے اول تو یہ مقصود ہے۔ کہ خود اس شخص پر سکون و اطمینان طاری رہے دوسرے یہ کہ اسکی دوڑ یا چال سے دوسرے نمازیوں کے سکون میں خلل نہ آئے۔ اسطرح بے اطمینانی کے اگر طبعی اسباب ہوں۔ تو نماز سے پہلے ان سے بھی فراغت کر لیجائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

آغازِ اسلام میں لوگ نماز کی حالت میں ہاتھ اُٹھا کر سلام کا جواب دیتے تھے۔ لیکن مدینہ آکر یہ اجازت منسوخ ہو گئی، ایک صحابی نے جن کو اسکی خبر نہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار نماز میں سلام کیا۔ اور جب آپ نے جواب نہ دیا، تو نماز کے بعد انہوں نے اسکا ذکر کیا۔ فرمایا

اِنَّ فی الصلوٰۃ شغلاً — نماز میں اور ہی مصروفیت ہوتی ہے

---

[1] کنز العمال ص۲۰۱ ج: ۴

[2] صحیح مسلم باب استحباب اتیان الصلوۃ بوقار

...... نماز کی روحانی کیفیت کا سب سے اعلیٰ منظر یہ ہے۔ کہ انسان پر ایسی حالت طاری ہو جائے کہ اسے معلوم ہو۔ کہ وہ اس وقت خدا کے سامنے کھڑا ہے۔ گذر چکا ہے۔ کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا تھا۔ کہ احسان کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ " جب تم عبادت کرو۔ تو تم کو یہ معلوم ہو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم خدا کو نہیں دیکھ رہے، تو وہ تم کو بہر حال دیکھ رہا ہے۔" [1] کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں رقت طاری ہو جاتی تھی، اور چشم مبارک سے آنسو نکلنے لگتے تھے۔ ایک صحابیؓ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کیفیت کو ایک دفعہ دیکھا تھا، کہتے ہیں، کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا چکی چل رہی ہے۔ یا ہانڈی اُبل رہی ہے [2]

رات کی نمازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عجیب ذوق و شوق کا عالم طاری ہوتا تھا۔ قرآن پڑھتے چلے جاتے۔ جب خدا کی عظمت و کبریائی کا ذکر آتا پناہ مانگتے، جب رحم و کرم کی آیتیں آتیں تو دعا کرتے [3] ــــــ آپؐ نے فرمایا کہ " نماز دو دو رکعت کر کے ہے۔ اور ہر دوسری رکعت میں تشہد ہے اور تضرع و زاری ہے۔ خشوع و خضوع ہے، عاجزی و مسکنت ہے۔ اور ہاتھ اٹھا کر اے رب اے رب کہنا ہے۔ جس نے ایسا نہ کیا تو اسکی نماز

---

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان (حاشیہ سیرۃ) [2] ترمذی و ابوداؤد باب البکاء فی الصلوۃ (حاشیہ سیرۃ)

[3] مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۹۲۔

ناقص رہی۔[1]

ایک دفعہ آپؐ اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرأت کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا لوگو تم میں سے ہر ایک خدا سے مناجات کر رہا ہے۔ تو وہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔[2]

ایک صحابیؓ نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ ہدایت فرمایئے۔ ارشاد ہوا کہ:-

"جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو، تو تمہاری نماز ایسی ہونی چاہیئے کہ یہ معلوم ہو، کہ تم اسی وقت مر رہے ہو اور دنیا کو چھوڑ رہے ہو۔"[3]

اِس پوری تفصیل سے ظاہر ہوگا۔ کہ اسلام کی نماز کیا ہے؟ قرآن کس نماز کو لے کر اترا ہے؟ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نماز کی تعلیم دی ہے؟ اور اسکی اصلی کیفیتیں کیا کیا ہیں؟ اور اگر نماز یہ نماز ہو، تو وہ انسان کی روحانی اور اخلاقی اصلاحات کا کتنا مؤثر ذریعہ ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے نماز کی محافظت یعنی پابندی اور آداب کے ساتھ ادا کرنے کو ایمان کا نتیجہ بتایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى	وہ قرآن کو مانتے ہیں۔ اور وہ اپنی نماز
صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (انعام-۱۱)	کی نگہداشت کرتے ہیں۔

---

[1] ابوداؤد باب صلوۃ النہار، و ترمذی باب ماجاء فی التخشع فی الصلوۃ (حاشیہ سیرۃ)

[2] ابوداؤد صلوۃ اللیل (حاشیہ سیرۃ)۔ [3] مسند احمد صفحہ ۴۱۲ ج ۵ عن ابی ایوب (حاشیہ سیرۃ)

نماز کی اس نگہداشت اور محافظت کے دو معنی ہیں، اور دونوں یہاں مقصود ہیں۔ یعنی ایک تو اس کے ظاہری شرائط کی تعمیل اور دوسرے اس کے باطنی آداب کی رعایت۔

(ایسی) نماز تو درحقیقت ایمان کا ذائقہ، روح کی غذا اور دل کی تسکین کا سامان ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے اجتماعی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی اصلاحات کا بھی کارگر آلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اخلاق و تمدن و معاشرت کی جتنی اصلاحیں وجود میں آئیں، انکا بڑا حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوا۔ اسی کا اثر ہے۔ کہ اسلام نے ایک ایسے بدوی وحشی اور غیر متمدن ملک کو جس کو پہننے اوڑھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا۔ چند سال میں ادب و تہذیب کے اعلیٰ معیار پر پہنچا دیا۔ اور آج بھی اسلام جب افریقہ کے وحشی سے وحشی ملک میں پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ کسی بیرونی تعلیم کے بغیر صرف مذہب کے اثر سے مہذب و متمدن ہو جاتا ہے اور متمدن قوموں میں جب وہ پہنچ جاتا ہے تو ان کے تخیل کو بلند سے بلند تر، پاکیزہ سے پاکیزہ تر بنا دیتا ہے۔ اور ان کو اخلاص کی وہ تعلیم دیتا ہے۔ جس کے سبب انکا وہی کام جو پہلے مٹی تھا۔ اب اکسیر بن جاتا ہے (سیرت پنجم ص۱۲)

حضرت سید الملۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اخلاقی و تمدنی اور معاشرتی فوائد[1] پر سیرت پنجم میں سیر حاصل و قابلِ دید بحث کی ہے۔ جس کے آخر میں

---

[1] حضرت علامہ قدس سرہٗ نے اسکے بعد نماز کے چند اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی فائدے تفصیلاً بتائے ہیں صرف عنوان نقل کرتا ہوں۔ ۱ ستر پوشی، ۲ طہارت، ۳ صفائی، ۴ پابندی وقت، ۵ صبح خیزی، ۶ ہشیاری

ارقام فرماتے ہیں :-

" ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز اسلام کا اولین شعار اور اس کے مذہبی و اجتماعی و تمدنی و سیاسی و اخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ اسکی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا۔ اور اسکی گرہ کھل جانے سے اسکی نظم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے۔ مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز اور نماز اسی مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔ جس طرح آج ہر جلسہ کا افتتاح اس کے نصب العین کے اظہار و تعین کیلئے صدارتی خطبات سے ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان جب زندہ تھے ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز اسکے تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی۔ ان کے نماز کا گھر ہی ان کا دارالامارۃ تھا۔ وہی دارالشوریٰ تھا۔ وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا، وہی درسگاہ اور وہی معبد تھا۔

جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد، افراد کے باہمی نظم و ارتباط پر ہے اور جماعت کے فائدہ کیلئے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش و فائدہ کو قربان کر دینا۔ اور اختلاف باہمی کوتہ کر کے صرف ایک مرکز پر

---

(۷) خدا کا خوف، (۸) مسلمانوں کا امتیازی نشان، (۹) جنگ کی تصویر، (۱۰) دائمی تنبیہ اور بیداری، (۱۱) الفت و محبت (۱۲) غمخواری، (۱۳) اجتماعیت، (۱۴) کاموں کا تنوع، (۱۵) تربیت، (۱۶) نظم جماعت، (۱۷) مساوات، (۱۸) مرکزی اطاعت (۱۹) معیار فضیلت، (۲۰) روزانہ کی مجلس عمومی (تفصیل کیلئے دیکھئے سیرت پنجم ص۱۷۲ تا ص۱۹۲)

جمع ہو کر جماعتی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اسکے حصول کی لازمی شرط ہے۔ اسکی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے۔ اسلام کی نماز انہی رموز و اسرار کا گنجینہ ہے۔ یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت، اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدتِ قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے اسی لئے اسکے بغیر مسلمان مسلمان نہیں، اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہے۔ نہ انقیاد امامت ہے۔ نہ زندگی ہے۔ اور نہ زندگی کا نصب العین ہے۔ اسی بنا پر داعی اسلام علیہ السلام نے یہ فرمایا :۔

العھد الذی بیننا و بینھم	ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ
الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر	ہے نماز ہے۔ تو جس نے اسکو چھوڑا
(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)	اس نے کفر کا کام کیا۔

کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالبِ بے جان، شرابِ بے نشہ گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی جماعت کا ایک ایک شعار اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے نماز اسلام کا اولین شعار ہے اور اسی کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہے۔" (سیرت ص ۱۹۱، ۱۹۲ ج ۵)

نماز کی عبادت کی تاثیر و برکت سے عرب کی جس طرح روحانی کایاپلٹ ہوئی۔ اس کا نقشہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کھینچتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :۔

"وہ عرب جو خدا کی عبادت سے بے گانہ تھا۔ وہ جسکی پیشانی خدا کے سامنے کبھی جھکی نہ تھی، وہ جسکی آنکھوں نے شب بیداری کا اضطراب انگیز منظر نہیں دیکھا تھا۔ وہ جسکی روح ربانی تسکین و تسلّی کے احساس سے خالی تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دفعتہً کیا ہوگیا؟ اب عبادت الٰہی اُس کے ہر کام کا مقصد بن گئی۔ اب اسکو اپنے ہر کام میں اخلاص کے سوا اور کوئی چیز مطلوب نہ تھی، اسکی پیشانی خدا کے سامنے جھک کر پھر اٹھنا نہیں چاہتی تھی، اُس کے دل کو اس لذت کے سوا دنیا کی کوئی لذت پسند نہیں آتی تھی۔ اسکی زبان کو اس مزہ کے سوا اور کوئی مزہ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکی آنکھیں اس منظر کے سوا کسی اور منظر کی طالب نہ تھیں۔ اسکی روح یاد الٰہی کی تڑپ اور ذکر الٰہی کے بے قراری کے سوا کسی اور چیز سے تسلی نہ پاتی تھی ؎

دل را کہ مردہ بود حیاتے زنور سید
تا بوئے از نسیم میش در مشام رفت

وہ عرب جن کی حالت یہ تھی۔

وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيلًا (نساء۔۲) اور جو خدا کو بہت کم یاد کرتے ہیں

دعوت حق اور فیض نبوت کے اثر و برکت نے انکی یہ شان نمایاں کی کہ دنیا کی کاروباری مشغولیتیں بھی انکو ذکر الٰہی سے غافل نہ کرسکیں

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ ایسے لوگ جنکو کاروبار اور خرید و فروخت کا
وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (نور-۵) شغل خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتا۔

اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، غرض ہر حال میں ان کے اندر خدا کی یاد کیلئے بے قراری تھی۔

يَذْكُرُوْنَ اللهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا جو خدا کو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر لحہ
وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران-۲۰) یاد کرتے ہیں۔

راتوں کو جب غافل دنیا نیند کے خمار میں ہوتی۔ وہ بستروں سے اٹھ کر خدا کے سامنے سربسجود اور راز و نیاز میں مصروف ہوتے تھے

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ جن کے پہلو (رات کو) خوابگاہوں سے
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ علیحدہ رہتے ہیں۔ وہ خوف اور امید کے
طَمَعًا (سجدہ-۲) ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔

وہ جن کا یہ حال تھا کہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا
يَرْكَعُوْنَ (مرسلات-۲) کے آگے جھکو تو نہیں جھکتے

اب ان کی یہ صورت ہوگئی کہ

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا تم انکو دیکھو گے۔ کہ رکوع میں جھکے
يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ ہوئے اور سجدہ میں پڑے ہوئے خدا کے
وَرِضْوَانًا (فتح-۴) فضل اور خوشنودی کی تلاش کرتے ہیں

وہ جن کے دلوں کی یہ کیفیت تھی کہ :-

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (زمر-۵)

اور جب تنہا خدا کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے مکدّر ہو جاتے ہیں۔

آفتاب نبوّت کے پرتو نے ان مکدّر آئینوں میں خشیت الٰہی کا جوہر پیدا کر دیا،

اَلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (انفال-۱) ج-۵)

وہ لوگ کہ جب خدا کا نام لیا جاتا ہے کہ ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

یہ خود قرآنِ پاک کی شہادتیں ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور تعلیم نے عرب کی روحانی کائنات میں کتنا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ وہ تمام لوگ جو حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے تھے۔ خواہ کھیتی کرتے ہوں یا تجارت یا محنت مزدوری، مگر ان میں سے کوئی چیز ان کو خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی تھی۔ قتادہؓ کہتے ہیں۔ کہ یہ لوگ (صحابہؓ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا۔ تو یہ شغل و عمل ان کو یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری باب التجارۃ فی البر مرسلاً)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ وہ بازار میں تھے۔ نماز کی تکبیر ہوئی۔ دیکھا کہ صحابہؓ نے فوراً دکانیں بند کر دیں اور مسجد

میں داخل ہو گئے (فتح الباری ص۲۵۳ ج ۴ بحوالہ عبدالرزاق)

صحابہ تمامتر راتیں خدا کی یاد میں جاگ کر بسر کرتے تھے یہاں تک کہ مکہ معظمہ کی غیر مطمئن راتوں میں بھی عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ خدا نے گواہی دی۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ط (مزمل-۲)	بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب اور آدھی رات اور ایک تہائی رات تک کھڑا رہتا ہے اور تیرے ساتھ کی ایک جماعت بھی اٹھ کر نماز پڑھتی ہے۔

اس زمانہ میں صحابہؓ کو راتوں کے سوا خدا کے یاد کرنے کا موقع کہاں ملتا تھا۔ جلوۂ دیدار کے مشتاق دن بھر کے انتظار کے بعد رات کو کہیں مخفی گوشہ میں جمع ہوتے تھے، ذوق وشوق سے اپنی پیشانی خدا کے سامنے زمین پر رکھ دیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس والہانہ انداز عبادت کو دیکھتے پھرتے تھے۔ قرآن پاک نے اس نظارہ کی کیفیت اپنے الفاظ میں اس طرح ادا کی ہے۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۙ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ (شعراء-۱۱)	اور اس غالب رحم والے پر بھروسہ کر جو رات کو جب تو نماز کیلئے اٹھتا ہے اور سجدہ میں پڑے رہنے والوں کے درمیان آنا جانا تیرا دیکھتا ہے،

مدینہ منورہ میں آکر سب سے پہلا فقرہ جو آپ کی زبان مبارک سے نکلا وہ یہ تھا۔

یَا اَیُّھَا النَّاس اَطْعِمُوا الطَّعَام	اے لوگو! غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور
وَ اَفْشُوا السَّلَام وَصَلُّوا	سلام کو پھیلاؤ۔ اور نماز پڑھو جب
وَالنَّاسُ نِیَام (ترمذی)	لوگ سوتے ہوں۔

بعض صحابہؓ نے اس پر اس شدت سے عمل کیا کہ انہوں نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کو اعتدال اور میانہ روی کا حکم دینا پڑا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ بن مظعون رات بھر نماز میں مصروف رہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "عثمان! تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔" (ابوداؤد باب قصد الصلوٰۃ)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ صحابہؓ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ اور بہت کم سوتے تھے (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ نے رات کے تین حصے کر دیئے تھے۔ ایک میں خود نماز پڑھتے تھے۔ دوسرے میں انکی بیوی اور تیسرے میں ان کا غلام، اور باری باری سے ایک دوسرے کو جگاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ ساری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو ان کو جا کر نصیحت فرمائی، حضرت ابو درداءؓ صحابی کا بھی یہی حال تھا کہ رات رات بھر نماز میں گزار دیتے

تھے، حضرت سلمان فارسیؓ ان کے اسلامی بھائی تھے۔ ایک شب وہ انکے ہاں جاکر مہمان ہوئے، جب رات کو ابودرداءؓ عبادت کیلئے اٹھنے لگے تو حضرت سلمانؓ نے منع کیا۔ پچھلے پہر جب سناٹا چھایا ہوا تھا، حضرت سلمانؓ نے انکو جگایا کہ اب نماز کا وقت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم)

کوئی صحابیؓ ایسا نہ تھا، جس نے اسلام لانے کے بعد پھر ایک وقت کی نماز بھی عمداً قضا کی ہو، یہاں تک کہ لڑائی اور خطرہ کی حالت میں بھی وہ اس فرض سے غافل نہیں رہتے تھے. ایک صحابیؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرخطر کام کے لئے کہیں بھیجا تھا، جب وہ منزل مقصود کے قریب پہنچے تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ ان کو خوف تھا کہ اگر کہیں ٹھہر کر عصر پڑھنے کا اہتمام کیا جائے گا۔ تو وقت نکل جائے گا۔ اور اگر عصر میں تاخیر کیجاتی تو حکم الٰہی کی تعمیل میں دیر ہو جاتی، اس مشکل کا حل انہوں نے اس طرح کیا، کہ وہ اشاروں میں نماز پڑھتے جاتے اور چلتے جاتے تھے (ابوداؤد)

سخت سے سخت مجبوری کی حالت میں بھی نماز ان سے ترک نہیں ہوتی تھی، چنانچہ بیماری کی حالت میں وہ دوسروں کا سہارا لے کر مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ (نسائی)

پھر وہ جس خضوع وخشوع، محبوبیت اور استغراق کے ساتھ

نماز ادا کرتے تھے۔ اسکا نظارہ بڑا پُر اثر ہوتا تھا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اُن پر اس شدت سے رقت طاری ہوتی کہ کافر عورتوں اور بچوں تک پر بھی اسکا اثر ہوتا تھا (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ نماز میں اس زور سے روتے تھے کہ ان کے رونے کی آواز پچھلی صف تک جاتی تھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت تمیم داریؓ ایک رات تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تو صرف ایک آیت کی تلاوت میں صبح کر دی، بار بار اسکو دہراتے تھے اور مزے لیتے تھے (اسد الغابہ) ع

شب شود صبح و ہماں محو تماشا باشم

حضرت انسؓ قیام اور سجدہ میں اتنی دیر لگاتے تھے کہ لوگ سمجھتے کہ کچھ بھول گئے ہیں (بخاری)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کئی کئی سورتیں پڑھ ڈالتے تھے۔ اور اس طرح کھڑے ہوتے تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی ستون کھڑا ہے۔ اور جب سجدہ میں جاتے تو اتنی دیر تک سجدہ کرتے تھے کہ حرم محترم کے کبوتر ایک سطح جامد سمجھ کر انکی پیٹھ پر آکر بیٹھ جاتے تھے (ابن ماجہ و اسد الغابہ وغیرہ)

ایک رات میدانِ جنگ میں ایک پہاڑی پر دو صحابیؓ پہرہ دینے کیلئے متعین ہوتے ہیں۔ ایک صاحب سو جاتے ہیں اور دوسرے نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں، دشمن ان کو تاک کر تیر مارتا ہے

جو بدن میں ترازو ہوجاتا ہے۔ کپڑے خون سے تربتر ہوجاتے ہیں مگر نماز کا استغراق اسی طرح قائم رہتا ہے۔ نماز تمام کرکے اپنے رفیق کو بیدار کرتے اور واقعہ سناتے ہیں۔ ساتھی کہتے ہیں۔ کہ تم نے اس وقت مجھے کیوں نہ جگایا، جواب ملتا ہے۔ میں نے ایک پیاری سورہ شروع کی تھی۔ پسند نہ آیا۔ کہ اس کو ختم کئے بغیر نماز توڑدوں۔

اس سے بھی زیادہ پراثر منظر یہ ہے کہ دشمن کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں۔ تیروں کا مینہہ برس رہا ہے، نیزوں اور تلواروں کی بجلیاں ہر طرف کوند رہی ہیں۔ سروگردن، دست وبازو کٹ کٹ کر گر رہے ہیں کہ دفعتہً نماز کا وقت آجاتا ہے۔ فوراً جنگ کی صفیں نماز کی صفیں بن جاتی ہیں۔ اور ایک اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ موت وحیات سے بے پروا ہوکر گردنیں جھکنے اور اٹھنے لگتی ہیں۔

نور کا تڑکا ہے۔ اسلام کے دائرہ کا مرکز فاروق اعظمؓ امام نماز ہے پیچھے صحابہ کی صفیں قائم ہیں۔ دفعتہً ایک شقی خنجر بکف آگے بڑھتا ہے۔ اور خلیفہ پر حملہ آور ہوکر شکم مبارک کو چاک چاک کردیتا ہے آپ غش کھاکر گر پڑتے ہیں۔ خون کا فوارہ جاری ہوجاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہورہا ہے۔ مگر نماز کی صفیں اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نماز پڑھانے کو آگے بڑھتے ہیں، پہلے صبح کا دوگانہ ادا ہولیتا ہے۔ تب خلیفہ وقت کو اٹھایا جاتا ہے (صحیح بخاری)

حضرت عمرؓ کو جس صبح کی نماز میں زخم لگا اس کے بعد صبح کو لوگوں نے ان کو نماز کیلئے جگایا، تو بولے " ہاں جو شخص نماز چھوڑ دے، اسلام میں اسکا کوئی حصہ نہیں" چنانچہ اسی حالت میں کہ زخم سے خون جاری تھا۔ آپ نے نماز پڑھی (موطا امام مالکؒ)

حضرت علی مرتضیٰؓ صبح کی نماز کیلئے مسجد میں داخل ہوتے ہیں۔ یا صبح کی نماز میں ہوتے ہیں (الریاض النضرہ) کہ ابن ملجم کی تلوار ان کو گھائل کرتی ہے۔ اور کچھ دیر کے بعد وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہیں —

" امام مظلوم حسینؓ بن علیؓ کربلا کے میدان میں رونق افروز ہوتے ہیں۔ عزیزوں اور دوستوں کی لاشیں میدان جنگ میں نظر کے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ ہزاروں اشقیاء آپ کو نرغہ میں لئے ہوتے ہیں۔ اتنے میں ظہر کا وقت آجاتا ہے۔ آپ دشمنوں سے اجازت چاہتے ہیں۔ کہ وہ اتنا موقع دیں کہ آپ ظہر کی نماز ادا کر سکیں" (تاریخ طبری کبیر صفحہ ۳۴)

نماز میں جس خضوع و خشوع کا حکم ہے۔ صحابہؓ کرام نے اس کے یہ نمونے پیش کئے ہیں کہ عزیز سے عزیز چیز بھی اگر ان کے روحانی ذوق و شوق میں خلل انداز ہوئی، تو انہوں نے اسکو اس ذوق پر نثار کر دیا۔ حضرت ابو طلحہؓ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک خوش نما چڑیا نے سامنے آکر چہچہانا شروع کیا حضرت ابو طلحہؓ دیر تک ادھر اُدھر دیکھتے رہے۔ پھر جب نماز کا خیال آیا تو رکعت یاد نہ رہی، دل میں کہا، اس باغ نے یہ فتنہ برپا کیا، یہ

"کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور واقعہ بیان کیا، اور کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے۔

اسی طرح ایک اور صحابیؓ اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے باغ اس وقت نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا۔ پھلوں کی طرف نظر اٹھ گئی تو نماز یاد نہ رہی، جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا یہ حضرت عثمانؓ کا دور خلافت کا زمانہ تھا۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یہ باغ جس نے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ راہ خدا میں دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اسکو بیت المال کی طرف سے بیچا تو ۵۰ ہزار میں فروخت ہوا۔" (موطا امام مالک)

(سیرت النبی[1] صہ ۱۹۲ تا صہ ۲ ج، ۵)

نماز کی کیف انگیزیاں ہی ایسے مافوق العادت واقعات کا سبب بنیں کہ نماز قربت حق کے اس مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ جہاں پر تو جمال کے سوا کسی کا دھیان اور کیف حضوری کے سوا کوئی خیال گوارا نہیں ہوتا۔ نمازی ذات حق ہی سے سرور پاتا ہے۔ اور اسی کا اشتغال اسے شاداں و فرحاں رکھتا ہے۔ کہ نمازی کو اس عالم میں نماز ہی میں اللہ تعالیٰ کا انتہائی قرب نصیب ہوتا ہے

---

[1] حضرت سیدؒ صاحب نے ہر کتاب (جس کا حوالہ دیا ہے) کے ساتھ اسکے باب یا صفحات کا بھی حوالہ دیا۔ راقم نے اختصار کیلئے صرف کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اصل حوالہ جات کیلئے سیرت کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے (م-ا)

امام ربّانی مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں

"ونیز بدانند کہ رتبہ نماز در دنیا در رنگ رتبہ رویت است در آخرت، نہایت قرب در دنیا در نماز است و نہایت قرب در آخرت در حین رویت است و بدانند کہ سائر عبادات وسائل اند از برائے نماز و نماز از مقاصد است۔"

اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں رویت کے رتبہ کی طرح ہے دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے۔ اور آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت، اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لئے وسیلہ ہیں۔ اور نماز اصلی مقصد

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۶۱)

حقیقت نماز کے ایک رمز آشنا اور کیفیت صلوٰۃ سے سرشار عارف (مولانا رومیؒ) اپنی نماز کا کیا نقشہ کھینچتے ہیں۔

چو نماز شام ہر کس بنہد چراغ و خوانے — منم و خیال یارے، غم و نوحہ و فغانے
چو وضو ز اشک سازم بود آتشیں نمازم — در مسجدم بسوزد چو در و رسد اذانے
عجبا نماز مستاں تو بگو درست ہست آں — کہ نداند او زمانے نہ شناسد او مکانے
عجبا دو رکعت ست ایں عجبا چہارم ست ایں — عجبا چہ سورہ خواندم، چو نداشتم زبانے
در حق چگونہ کوبم؟ کہ نہ دست ماند نے دل — دل و دست چوں تو بردی بدہ اے خدا امانے
بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم — کہ تمام شد رکوعے کہ امام شد فلانے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ و خواص امتؒ کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا، وہ محتاج بیان نہیں۔ اور حق تو یہ ہے۔ کہ نماز ہی اسلامی زندگی کا وہ

منبع ہے۔ جس سے حیات اسلامی کا ہر دھارا پھوٹ کر نکلتا ہے۔ حیات اسلامی کا دریا اسی کوزے میں بند اور ایمانی زندگی کا صحرا اسی ذرہ میں پنہاں ہے توحید کے شجر کا پہلا ثمر ہی نماز ہے۔ اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں

اعلم ان الصلوٰۃ اعظم العبادات شأنا واوضحها برهانا واشهرها فی الناس وانفعها فی النفس (حجۃ اللہ البالغہ من ابواب الصلوٰۃ)	جاننا چاہیئے۔ کہ نماز تمام عبادتوں سے بڑھکر عظیم الشان، ثبوت کے لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہے۔ اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں،

اقول الصلوٰۃ من اعظم شعائر الاسلام وعلامۃ التی اذا فقدت ینبغی ان یحکم بفقدہٖ بقوۃ الملابسۃ بینها وبینه . . . . . . ؟	میں کہتا ہوں کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہے۔ اور اسلام کی ان علامات میں سے ہے۔ جسکے جاتے رہنے کے سبب اگر اسلام کے فقدان کا حکم کردیا جائے تو بجا ہوگا کہ اسلام میں اور نماز میں بڑا گہرا اور قوی تعلق ہے
ومن لم یکن له حظ منها فانه لم یبو من الاسلام الا بما	اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا تو اسلام سے سوا اس چیز کے حکم پڑاہ

لا یعبأ بہ ۔ نہیں کیجاتی۔ وہ کچھ حاصل نہ کرسکا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ جلد اول فصل الصلوٰۃ) (یعنی اسے اسلام کا فائدہ نہ ہوا)

نمازوں کے یہی کمالات ہیں۔ جن کی وجہ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا ہے

" اگر نماز کو کامل طور پر ادا کرلیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہوگئی۔ اور خلاصی کے واسطے حبل متین ہاتھ آگئی۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۳۰۴)

ے امام ربانی مجدد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں نماز کے بارے میں کئی مقامات پر تابں وید گفتگو فرمائی ہے۔ مکتوب دو صد شست وکیم میں تحریر فرماتے ہیں۔[۲۶۱]

" جان لیں کہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے۔ نماز تمام عبادات کی جامع ہے۔ اور ایسا جزو ہے جو جامعیت کی وجہ سے کل کے حکم میں ہے اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) تمام مقربہ اعمال سے اونچی ہوگئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر آئی تھی۔ اس دنیا میں اتر آنے کے بعد یہاں کے مناسب آپ کو وہ دولت نماز میں حاصل ہوتی۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصلوٰۃ معراج المومنین نماز ایمان والوں کی معراج ہے

نیز آپؐ نے فرمایا:۔

اقرب ما یکون العبد من الرب سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے
فی الصلوٰۃ ہوتا ہے وہ نماز میں ہوتا ہے۔

اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہاں میں اس دولت کا بہت سا حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت میسر نہیں۔ کیونکہ یہ جہاں اسکی طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) حکم نہ ہوتا تو چہرہ مقصود سے نقاب کون کھولتا، اور طالب کی مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غمزدوں کی غمگسار ہے اور نماز ہی (حب الہی کے) بیماروں کیلئے سامانِ راحت ہے "ارحنی یا بلال" اسی حقیقت (ماجرا) کی خبر و رمز اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اسی مدعا کی طرف اشارہ ہے۔ وہ تمام اذواق و مواجید اور علوم و معارف اور احوال و مقامات و انوار و الوان تلونیات و تمکینات، تجلیات تمکیفہ و غیر تمکیفہ اور ظہورات متلونہ و غیر متلونہ اور اس قبیل کی ہر چیز جو نماز سے باہر ملے اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے سبب ظاہر ہو ان کا منشاء ظلال و امثال بلکہ وہم و خیال ہے۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ نماز ادا کرنے کے وقت گویا وہ عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔

۔اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے حصہ پا لیتا ہے۔

اور اصل سے ظلیت کے شائبہ کے بغیر بہرہ مند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس (اس طرح عالم دنیوی سے نکل کر عالم آخروی میں پہنچنے والے کیلئے) معراج سے چارہ نہیں۔ اور یہ (معراج) مومنوں کیلئے نماز ہے۔ اور یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی اور اس سعادت سے بہرہ مند ہوئی۔ (جو پیغمبر علیہ السلام) شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے تھے اور بہشت میں پہنچکر حق تعالیٰ کی رویت سے مشرف ہوئے۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم مکتوب بنام میر نعمانؒ ص ۱۱۷ تا ص ۱۱۹ مطبوعہ نور کمپنی لاہور)

مکتوب ۲۶۰ بنام مخدوم زادہ شیخ محمد صادقؒ میں تحریر فرماتے ہیں :-

" فرائض ہمہ ہر چند قرب اصل می بخشند جملہ فرائض اگرچہ سب ہی قرب اصلی سے نوازتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

حضرت سیدی الامام نور اللہ مرقدہٗ حقیقت وعظمت کے رازداں اسکے اسرار و رموز وحقائق ومعارف کے نکتہ رس آشنا اور جامع تھے. قرب ربانی کے حصول اور تربیت سالک میں نماز کی اہمیت اور تاثیر وتاثرات ان پر پوشیدہ نہ تھا. حضرت والا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اما افضل و اکمل اینہا صلوۃ است "الصلوۃ معراج المومنین" شنیدہ باشی و "اقرب ما یکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ" و وقت خاص کہ حضرت پیغمبر را بودہ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کہ تعبیر ازاں بر "لی مع اللہ وقت" فرمودہ نزد فقیر در نماز است کہ مکفر سیئات است و نماز است کہ نہی از فحشاء و منکر میفرماید و نماز است کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام راحت خود را دراں میجوید آنجا کہ میفرماید "ارحنی یا بلال" و نماز است کہ ستون دین آمدہ است و نماز است کہ فارق اسلام و کفر گشتہ"

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ چہارم ص ١٠٧/٥٦٤)

لیکن ان میں سے افضل واکمل نماز ہے" نماز مومنین کا معراج ہے" اور "بندے کو زیادہ قرب اپنے پروردگار سے نماز میں ہوتا ہے" آپنے سنا ہوگا. وہ وقت خاص جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا. جسکی تعبیر "میرے اللہ تعالیٰ کیساتھ ایک مخصوص وقت ہے" سے کی ہے فقیر کے نزدیک نماز ہی میں ہے. نماز ہی گناہوں کا کفارہ. اور نماز ہی بے حیائی کے کاموں اور گناہوں سے روکتی ہے نماز ہی ہے. جس میں پیغمبر علیہ السلام اپنی راحت تلاش فرماتے تھے. جیسا کہ آپکا ارشاد ہے." اے بلال مجھے نماز کا بندوبست کرکے راحت پہنچاؤ" اور نماز ہی دین کا ستون ہے اور نماز ہی کفر واسلام کے درمیان فرق ہے

مکتوب دو صد شصت وسوم (بنام میاں تاج شیخ) میں ارقام فرماتے ہیں،

"وہ حالت جو نماز کے ادا کرنے کے وقت میسر ہوتی ہے ان تمام احوال سے جو نماز کے باہر میسر آئیں برتر ہے. کیونکہ وہ حالات اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں. دائرہ ظل سے باہر نہیں ہیں. اور یہ حالت اصل سے حصہ رکھتی ہے. پس جس قدر اصل اور ظل کے درمیان فرق ہے. اسی قدر ان حالات اور اس حالت کے درمیان فرق ہے (مکتوبات دفتر اول جلد چہارم ص ١٢١/٥٧٢

اسی طرح مکتوبات ٢٦٦، ٣٠٤، ٣٠٥ بھی نماز کے متعلق قابل دید فوائد پر مشتمل ہیں (م-ا)

رحمہ اللہ تعالیٰ کا نماز کے ساتھ جو شغف واشتغال تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ نماز میں خضوع وخشوع انابت وتضرع کی جو کیفیت حضرت الشیخ پر طاری ہوتی تھی دیکھنے والا بھی اس کا اثر محسوس کر لیتا تھا۔ عبدیت وعبودیت کا ایک سراپا عجز مجسم اپنے معبود وخالق میں مشغول تمام دنیا سے غافل رازونیاز میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔ ظاہری ارکان کے اعتدال و تحسین کیساتھ باطنی کیفیات کے اثرات کا لعین مشاہد ہوتے تھے۔ "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"

حضرت والا قدس سرہٗ کے کیف نماز اور ذوق سجود کا ایک ہلکا سا اندازہ آپکے بعض اشعار سے کیا جاسکتا ہے۔

سجدہ میں جہاں سر ہے گویا وہ تیرا در ہے ۔۔۔ کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش [1]

حاصل ہے تصور میں کیفیت [2] معراج ۔۔۔ کیا کیا نہ مزہ پایا پایا جو ہم آغوش

سجدے میں رکھ کر سر ترے پائے خیال پر ۔۔۔ تعمیر اک بہشت ارم کر رہا ہوں میں

سر ہے زمین پر تو تصور ہے عرش پر ۔۔۔ تعمیر اور ایک حرم کر رہا ہوں میں

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسترشد خاص مولوی غلام محمد صاحب مدظلہ نے سچ لکھا ہے

"حضرت والا سلوک نبوت کے راہی اور قرب فرائض سے ممتاز تھے۔ اور فرائض میں ام الفرائض یعنی "نماز" سے خاص شغف تھا۔۔۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ کو اصل دولت "معراج المؤمنین" ہی کی رسوخ کی صورت میں حاصل تھی۔ اور اسی میں وہ اپنے دیدہ دل کی ٹھنڈک پاتے تھے (تذکرہ ۲۸۹)

حضرت الشیخ قدس سرہٗ حقیقت نماز کے جس اعلیٰ مقام سے سرفراز تھے، ہیچمیرز اس کا کیا ادراک کر سکتا ہے۔ تاہم ان کی زندگی "فی صلوۃ دائمون" کی تصویر تھی۔ حضرت والا کا شعر ہے

ترب بے غیبت نماز عاشقاں ۔۔۔ فی صلوۃ دائمون آرزوست

---

[1] ایک مرتبہ فقیر سے فرمایا۔ "سجدہ میں ایسا مزہ آتا ہے گویا بچہ نے اماں کے گود میں سر رکھ دیا ہو" او کما قال (م۔ا)

[2] الصلوۃ معراج المؤمنین

ترکِ نماز کسی حال میں جائز نہیں

گذشتہ مباحث سے نماز کی اہمیت و فضائل کا ایک گونہ اندازہ ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ اتنے مہتم بالشان فریضہ کا ترک کسی حالت میں بھی جائز نہیں۔ لیکن بعض بدعقیدہ و گمراہ متصوفین نے اس بنیادی اور اہم عبادت سے اپنے خود ساختہ نظریات کی بنا پر اغماض و اعراض برتنے کی کوشش کی۔ اس طبقہ کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مستفسر کے جواب میں ارقام فرمایا:۔

"جو لوگ صوفی بن کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جن سے نماز، روزہ وغیرہ عبادات کا مقصود نہ ہونا ثابت ہو، وہ گمراہ ہیں۔"

حضرت والا قدس سرہٗ کے پاس ہر طبقہ کے طالبین آتے تھے بعض ایسے حضرات بھی اپنی تربیت کو حضرت والاؒ کے سپرد کر دیتے تھے۔ جو اپنی کمزوری کی بنا پر اپنی نمازوں سے غافل رہے تھے۔ ایسے مبتدی طالبین کے تربیتی خطوط میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ گذشتہ نمازوں کی قضا۔ آئندہ نماز کے اہتمام اور اس بارے میں ہر قسم کی سہل انگاری سے بچنے کی فہمائش فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ مختلف مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"نماز پنجگانہ اُن فرائض میں سے ہے۔ جو کسی حال میں معاف نہیں۔ اگر کسی غایتِ مجبوری سے ایسا پیش آوے تو فوراً قضا پڑھی جائے

اور فوراً استغفار کیا جائے۔ ذرا سستی کو راہ نہ دیا جائے۔ اسکے بغیر اس راہ کی ہوس بے کار ہے۔ خواہ دل چاہے نہ چاہے ہر حال میں پڑھی جائے۔ دل چاہنے پر یہ امر موقوف نہیں۔ اگر دل نہ چاہنے پر دل کو مجبور کر کے پڑھا جائے تو مجاہدہ کا ثواب مزید ہوگا۔

...... ایسے نشیب و فراز عمر میں پیش آتے ہیں۔ لیکن بہرحال جادۂ استقامت سے قدم نہ ہٹے۔ کیا دوا مریض کے دل چاہنے پر موقوف ہے۔ پھر تو مرض کا ازالہ ہو چکا۔"

"نماز کسی وقت کسی حال میں سوائے اضطراری مجبوری کے قضا نہیں کیجا سکتی۔ اور قضا نماز تو ایک ساتھ ایک دفعہ یا فرض نمازوں کے پہلے یا پیچھے قضا کی نیت سے ہر وقت کی نماز ادا کر لی جائے ..... صبح تو نماز کیلئے اٹھنا ضروری ہے۔ عادات میں تبدیلی عزیمت سے ہوتی ہے۔ جیسے کہیں سویرے ریل سے جانا ہو تو کیسے اُٹھ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی توفیق کی دعا مانگیئے .... تراویح کی قضا نہیں۔ اگر جماعت کیساتھ نہ ہو سکے، تو گھر پر پڑھ لیں، مگر معمولی عذرات پر جماعت کی تراویح ترک نہ کریں ...."

"نماز کا رہ جانا تو کسی حال میں درست نہیں۔ اس کے لئے بلا اضطرار ترک کی اجازت نہیں۔"

"نماز فجر کیلئے اگر عزم کر لیا جائے تو کچھ مشکل نہیں، اگر صبح کی گاڑی سے کہیں جانا ہو تو کیسے اُٹھ جاتے ہیں۔ اگر اس پر بھی وقت پر آنکھ نہ کھلے تو جس وقت آنکھ کھلے اسی وقت پڑھی جائے بشرطیکہ

عین طلوع کا وقت نہ ہو...."

"یہ (سفر میں نماز قضا کرنا) درست نہیں۔ نماز سفر ہو یا حضر ہر وقت وقت کی پابندی سے ادا کرنا ضروری ہے۔ سفر میں وقت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن بندہ اگر عزم مصمم کرے تو وہ ضرور ہی پوری ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ، آپ آزما کر دیکھیں، قصداً بلا معذرتِ حقیقی ترک نماز گناہ ہے اگرچہ بعد کو ادا کر لی جائے۔"

قضا نمازیں: جن حضرات کی ایام بلوغ کے بعد سے نمازیں قضا ہوئی ہوتی تھیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو یہ آسان سا طریقہ بتا دیتے تھے۔ کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز دہرا لیا کریں۔ مثلاً فجر کے ساتھ فجر کے دو فرض، ظہر کے ساتھ ظہر کے چار فرض، عصر کے ساتھ عصر کے فرض، مغرب کے ساتھ مغرب کے فرض، اور عشا کے ساتھ فرض اور وتر پڑھ لیا کریں۔ اس طرح آہستہ آہستہ قضا نمازیں آسانی سے ادا ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ مختلف طالبین کو تحریر فرماتے ہیں۔

——— "ایام بلوغ سے جو نمازیں چھوٹی ہوں۔ ان کو ہر نماز کے ساتھ ادا کرنا شروع کیجئے"

"بلوغ کی عمر سے پہلے کی نمازیں چھوڑ کر باقی سالوں کی نمازیں ہر نماز کے ساتھ (ایک ایک کر کے) ادا کر لی جائیں ...... عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ آپ (قضا) فرض عصر سے پہلے پڑھا کریں"

"جی ہاں! فجر کی فرض نماز کے بعد تا طلوع آفتاب کسی نماز کا وقت نہیں۔ قضائے فجر، فجر کی سنت سے بھی پہلے پڑھ لیں کسی اور

نماز کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔"

"قضا نمازیں اور روزے اگر باقی ہوں تو ادا کیجئے۔ تاکہ آئندہ کی راہ صاف ہو"

نماز باجماعت

اسلام میں نماز باجماعت کی جو اہمیت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ایک اثر صحیح مسلم ونسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ،

"حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ جسکی خواہش ہو کہ کل (قیامت میں) وہ اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے۔ اسے چاہیئے کہ ان نمازوں کو ان مساجد میں پابندی سے ادا کرے۔ جہاں سے ان نمازوں کیلئے اذان دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدایت کے طریقے مقرر کئے ہیں۔ اور یہ نمازیں ان ہدایت کے طریقوں میں سے ہیں۔ اور اگر تم اس جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے گھروں میں نمازیں پڑھو گے۔ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے۔ تو گمراہ ہو جاؤ گے جو شخص بھی اچھا وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے اللہ اسکے ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے۔ ایک درجہ بڑھاتا

ہے۔ اور ایک گناہ معاف کرتا ہے۔ اور ہم صحابہ دیکھتے تھے۔ کہ باجماعت نماز سے صرف ایسے ہی اشخاص غیر حاضر ہوتے تھے جنکا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا۔ اور یہ حالت بھی ہم نے دیکھی تھی کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ) سے دو آدمیوں کے درمیان میں گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

(صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ صفحہ ۲۳۱ ج ۱، سنن نسائی باب محافظ علی الصلوٰۃ حیث ینادی بہا صفحہ ۱۲۵ ج ۱)

کتب احادیث جماعت کی نماز کی فضیلت اور ترک جماعت پر شدید وعیدوں سے پر ہیں۔ حضرت والا قدس سرہٗ ہمیشہ جماعت کے اہتمام اور پابندی کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کو تحریر فرماتے ہیں :

" جماعت کی پابندی ضروری ہے۔ کہ اسکا اہتمام رہے "

" نماز باجماعت کا حتی الوسع اہتمام رہے "

" نماز باجماعت کی پابندی پر مبارک ، اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں "

" یہ (جماعت کے فوت ہونے پر) تکلیف کا احساس ایمان کی علامت ہے۔"

ایک صاحب کو جو سستی کی وجہ سے جماعت سے رہ جاتے تھے۔ ارقام فرماتے ہیں :-

" سستی کا علاج تو بقول حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ چستی ہے جب تک دل میں وہ ہمت و عزیمت پیدا نہ کریں گے جو دنیاوی کاموں کے کرنے میں دیکھی جاتی ہے۔ دین کے کام انجام نہیں پا سکتے، بلا وجہ سستی کوئی شرعی عذر نہیں ہے۔ اس محرومی کی اہمیت کو محسوس کیجیے

جو جماعت کی محرومی سے ہوتی ہے۔ اگر مجبوری سے جماعت نہ مل سکی تو حرج نہیں اپنی کوشش جاری رہنی چاہیئے"

حضرت سید الملت نور اللہ مرقدہٗ 'سیرت النبیؐ' میں لکھتے ہیں

"کسی قوم کی زندگی، اسکی نظمِ جماعت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی یہی گرہ جب کھل جاتی ہے تو قوم کا شیرازہ منتشر و پراگندہ ہو جاتا ہے اسلام میں نماز باجماعت مسلمانوں کی زندگی کی عملی مثال ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی عملی مثال کو عربوں کے سامنے پیش کرکے انکی زندگی کا خاکہ کھینچا اور بتایا کہ مسلمانوں کا یہ صف بہ صف کھڑا ہونا ایک دوسرے کے شانہ سے شانہ ملانا، اور یکساں حرکت و جنبش کرنا، ان کی قومی زندگی کی مستحکم و مضبوط دیوار کا مسالہ ہے۔ جس طرح نماز کی درستی اس صف اور نظام جماعت کی درستی پر موقوف ہے۔ اسی طرح پوری قوم کی زندگی اسی باہمی تعاون، تضامن، مشارکت، میل جول اور باہمی ہمدردی پر موقوف ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صفوف کی درستی پر بہت زور دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جب تک تم خوب مل کر کھڑے نہ ہوگے۔ تمہارے دل بھی آپس میں نہ ملیں گے۔"

غرض نماز باجماعت مسلمانوں کی ملّی زندگی کا شعار انکا دینی اجتماع ان کے باہمی نظم و ارتباط کا شیرازہ اور انکی روحانی زندگی کا عملی اور جامع نشان ہے۔ اس لئے نماز باجماعت کی پابندی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔

جس کے بغیر اسے دین و ایمان کا کمال نصیب نہیں ہو سکتا۔

نوافل

نوافل فرائض کا تکملہ، عبادت کی رونق، عبدیت کی بہار، للّٰہیت کا نشان عبد و معبود کا مکالمہ اور تعلق و معرفت الٰہیہ کا کامیاب ذریعہ و سبب ہے فرائض کا کمال نوافل کے اہتمام سے میسر آتا ہے، نوافل جس قدر جاندار ہوں گے، ان کا اثر فرائض پر مرتب ہوگا۔ قیامت میں بھی فرائض کی کمی نوافل سے پوری کی جائے گی۔ چنانچہ امام ترمذی ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، کہ قیامت میں بندہ کے اعمال میں سب سے پیشتر نماز کا حساب ہوگا۔ اگر نماز صحیح ٹھہری تو فلاح و نجات پا جائے گا۔ اور اگر نماز خراب نکلی، تباہ اور نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائے گا۔ اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ میرے بندے کی نفلی نمازوں کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو۔ وہ نوافل سے پوری کرو۔ پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائیگا۔" (جامع ترمذی ص۵۵ ج ۱، فی باب ما جاء ان الاول ما یحاسب بہ العبد الصلوٰۃ)

نوافل کی اسی اہمیت کے پیش نظر سیدی الامام قدس سرہٗ طالبین کو ہمیشہ نوافل کے اہتمام و پابندی کا حکم فرماتے تھے۔ سنن موکدہ اور مستحبہ کے علاوہ نمازِ تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین کی پیہم تلقین فرماتے تھے چنانچہ مختلف طالبین کو ارقام فرماتے ہیں:-

۱:۔ "نمازِ پنجگانہ کے علاوہ حسبِ ذیل نمازوں پر حتی الامکان مداومت کیجئے۔ نمازِ تہجد، بعد مغرب چھ رکعات نفل، طلوعِ آفتاب کے بعد دو یا چار رکعات نفل، چاشت چار رکعت، نمازِ پنجگانہ کے بعد نوافل مسنونہ، نوافل اگر بعذر کبھی چھوٹ جائیں تو حرج نہیں"

۲:۔ "تہجد کی آٹھ سے بارہ رکعتوں تک پڑھا کریں۔ اشراق کی چار اور اوابین کی چھ (رکعات) پڑھیں۔"

۳:۔ "آپ تہجد اور نوافل اوابین چھ رکعات بعد سنت مغرب اور چار رکعات اشراق جب آفتاب کچھ نکل کر بلند ہو جائے، تہجد میں چھ رکعات سے بارہ رکعات تک نصف شب کے بعد پڑھا کریں۔"

۴:۔ "اشراق ضرور پڑھیں..... چاشت کی نماز (بھی) پڑھا کریں۔ مغرب کے بعد اوابین پر قناعت کیجئے۔ ہو سکے تو تہجد کی مداومت اختیار کیجئے۔"

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام، دوم نوافل مسنونہ اور اذکار کی کثرت، انکے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو۔"

نمـــاز تہجد

بندگی و عبدیت اطاعت و فرمانبرداری کے کمال کے ساتھ ذکر دائم و قیام لیل طریق کا ضروری جزء ہے۔ صلوۃ اللیل و تہجد اور پچھلی رات کی عبادت کے فیوض و برکات انوار و اثرات شب زندہ دار خاصانِ حق ہی جان سکتے ہیں۔ نفس کی اصلاح اور قربتِ رب کے حصول میں شب بیداری اور صلوۃ اللیل کا خاص حصہ ہے۔ جس پر قرآن کریم کی آیات کریمہ

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا (المزمل - ۱)	بیشک رات کا اٹھنا (نفس کے) کچلنے کیلئے بہت سخت ہے۔ اور بات خوب سیدھا کرنے والا ہے
اور تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ	ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (سجدہ-۲)

سو کسی شخص کو خبر نہیں جو جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کیلئے خزانہ غیب میں موجود ہے۔ یہ انکو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے۔

اور احادیث کثیرہ شاہد ہیں۔ بمونتہً چند احادیث نقل کرتا ہوں۔

امام ترمذی نے جامع میں، ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد، ابن خزیمہ نے صحیح اور حاکم نے مستدرک میں ابو امامہ الباھلیؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

علیکم بقیام اللیل، فانّہ دأب الصالحین قبلکم وقربۃ الی ربکم ومکفرۃ للسیّات ومنھاۃٌ عن الاثم[۱]

رات کے قیام کی پابندی کرو کہ یہ تم سے پہلے صالحین کی عادت وطریقہ ہے۔ اور تمہارے پروردگار کی طرف قربت کا ذریعہ خطاؤں کا محو کرنیوالا اور گناہ سے روکنے والا ہے

طبرانی اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ مزید آتے ہیں:۔

ومطردۃ للداءِ عن الجسدِ[۲]

اور جسم سے بیماری کو دور کرنے والا ہے

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

افضل الصلوۃ بعد الفریضۃ صلوٰۃ اللیل[۳]

فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز (تہجد) ہے

---

[۱] الترغیب والترھیب للمنذری ص۲۱۴ ج ۱ الحاکم نے اپنی روایت کو بخاری کی شرط پر صحیح لکھا ہے۔

[۲] الترغیب والترھیب ص۲۱۵ ج ۱ بحوالہ کبیر طبرانی وجامع ترمذی

[۳] الترغیب والترھیب ص۲۲۴ ج ۱ بحوالہ مسلم، ابوداؤد، نسائی ابن خزیمہ

عبداللہ ابن سلامؓ کہتے ہیں کہ (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے وقت مدینہ پہنچنے پر) جو میں نے آپکی پہلی بات سُنی وہ یہ تھی :۔

ایھا الناس افشوا السلام واطعموا اے لوگو! سلام (السلام علیکم) کو لوگوں میں پھیلاؤ

الطعام وصلوا الارحام وصلوا باللیل اور (اللہ کیلئے) کھانا کھلاؤ اور صلہ رحمی کرو۔

والناس نیام تدخلوا الجنة اور جب لوگ سوتے ہوں اسوقت رات میں (تہجد کی)

بسلام[۴] — نماز پڑھو۔ (اور ان اعمال کی وجہ سے) جنت میں سلامتی کیساتھ داخل ہو جاؤ۔

اِسماء بنت یزیدؓ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ کہ قیامت کے دن لوگ ایک ہموار میدان میں اکٹھے کیئے جائیں گے۔ اور (اللہ کی طرف سے) ایک منادی پکارے گا :

أین الذین کانوا تتجافی کہاں ہیں وہ لوگ جو (تہجد کیلئے) اپنے پہلوؤں

جنوبھم عن المضاجع کو اپنے بستروں سے جدا کرتے تھے۔

پس وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے۔ اور وہ تھوڑے ہوں گے۔ پس وہ بغیر حساب جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد باقی سب لوگوں کیلئے حساب کا حکم دیا جائیگا[۵]

امام بخاری و مسلم، مالک، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوہریرہؓ سے

---

[۴] رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح وابن ماجہ والحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین کذا فی الترغیب والترھیب صـ۴۲۳ ج ۱

---

[۵] الترغیب والترھیب صـ۴۲۵ ج ۱ بحوالہ البیہقی

روایت کیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"تم میں سے جب کوئی سو جاتا ہے۔ تو شیطان اسکی گردن پر تین گرہیں لگا دیتا ہے۔ اور ہر گرہ لگاتے وقت کہتا ہے" رات کو دیر تک آرام سے سوتا رہ۔" پس اگر وہ جاگے اور اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اور پھر اگر وضو بھی کر لے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ اور اگر نماز بھی پڑھ لے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ (اور شیطانی اثرات زائل ہو جاتے ہیں) اور وہ تر و تازہ پاکیزہ نفسی کی حالت میں سویرا کرتا ہے[1]، ورنہ خبیث النفس اور سستی کی حالت میں صبح کرتا ہے[2]

ابن خزیمہ نے صحیح میں اس کے بعد یہ لفظ نقل کئے ہیں:۔

فحلوا عقد الشیطان ولو — پس شیطان کی ان گرہوں کو کھولو۔ اگر دو
برکعتین[3] — رکعت ہی (تہجد کی) نماز پڑھ سکو

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص رات کو (نماز تہجد کیلئے) اٹھے اور اپنی بیوی کو جگائے اور اگر اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے منہ پر پانی کا چھینٹا دے کر اٹھا دے اور دونوں اپنے گھر میں رات کے کچھ حصہ تک (نماز پڑھ کر) اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔ تو اللہ تعالیٰ دونوں کو بخشش دے گا۔"

---

[1] ابن ماجہ نے یہاں یہ الفاظ مزید لکھے ہیں کہ اسے خیر پہنچ چکی ہوتی ہے۔
[2] اور اسے خیر نہیں پہنچی ہوتی۔

ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"جب کوئی شخص رات کو اٹھے اور اپنی بیوی کو بھی اٹھائے اور دونوں دو رکعت نماز (تہجد) پڑھیں۔ تو دونوں اللہ تعالیٰ کے کثرت سے ذکر کرنے والوں اور والیوں میں لکھ دیئے جاتے ہیں۔"[1]

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نوافل میں نماز تہجد کی اس خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس کی پابندی اور اہتمام کی سب سے زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"تہجد اور ذکر یہ دونوں اس طریق کی ضروری چیزیں ہیں۔ ان پر مداومت رکھیئے"

ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"تہجد کا التزام ازبس ضروری ہے۔ یہی مفتاح اسرار ہے۔ اگر رات کو احیاناً ناغہ ہو جائے تو بوقت چاشت بارہ رکعتیں پڑھیں۔"

ایک اور صاحب کو لکھتے ہیں

"نماز پنجگانہ با جماعت اور تلاوت اور تہجد و ذکر کا اہتمام چاہیئے۔ استقامت اور مداومت حصول مقصد کا سب سے کارگر ذریعہ ہے اگر نیند کا غلبہ ہو تو نوافل تہجد کی جگہ پر دن کو (بارہ رکعات) بعد اشراق پڑھیں۔ یا نماز عشا کے بعد وتر سے پہلے پڑھیں۔"

ایک مکتوب میں ہے:۔ "تہجد کا اہتمام جاری رکھیں"

---

[1] الترغیب والترہیب ص ۴۲۹ ج ۱ بحوالہ

ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، صحیح ابن حبان اور حاکم میں بھی اس کے ہم لفظ روایات ہیں۔

ان ہی کے ایک اور خط میں تحریر ہے:

"خوشی کی بات ہے، کہ آپ تہجد پڑھتے ہیں۔ پہلے جب کبھی آپ کو تہجد کا موقع ملتا تھا۔ اس وقت دعا کی طرف جو توجہ اور جو گریہ ہوتا تھا۔ وہ کبھی کبھی پڑھنے کی وجہ سے تھا۔ اب مداومت سے پڑھنے پر جو وہ کیفیت روزانہ نہیں ہوتی تو اسمیں کوئی حرج نہیں یہ ایسے ہی ہے۔ کہ جسکو کبھی کبھی پلاؤ کھانے کو ملتا ہے۔ تو اس میں اسکو بہت مزہ ملتا ہے۔ لیکن جب وہی غذا کسی کو روزانہ ملنے لگے تو وہ مزا نہیں ملتا، مساوات ہو جاتی ہے۔ پھر گریہ سے تہجد[1] کی مداومت ہزار درجہ بہتر اور شکر کے قابل ہے۔"

---

[1] ایک مولوی صاحب نے (جنہیں حضرت والا قدس سرہٗ سے ارادت کا بھی تعلق تھا) تہجد کے متعلق ایک استفتاء حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت سیدی نور اللہ مرقدہٗ کا جواب چونکہ تہجد کی اہمیت پر برہان ساطع ہے۔ اس لئے استفتاء و جواب دونوں کو نقل کرتا ہوں۔

استفتاء

"نماز تہجد کا مرتبہ محدثین و فقہا کے نزدیک کیا ہے۔ اسپر دوام اور لزوم کرنے والا مثیب ہوگا یا مستی۔ اور یہ نماز نوافل سے ہے یا سنن مؤکدات سے ہے اگر نوافل سے ہے تو حدیث صحیح عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جواب شیخ

استفتاء مفتی سے لیں اور تعلیم مرشد سے، دونوں کا ایک سے نہیں ہو سکتے۔ یہ حدیث مؤکدیت کے خلاف تو نہیں "علیکم" تو لزوم پر دال ہے۔ بہرحال تہجد عجیب عبادت ہے۔ جس پر خود

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

علیکم بقیام اللیل فانه داب الصالحین قبلکم وھو قربة لکم الی ربکم ومکفرۃ للسیات ومنھاۃ عن الاثم (رواہ الترمذی) کا منشاء صحیح کیا ہوگا اور رسالہ کی اس عبارت کا جواب کیا ہوگا۔

"نماز تہجد سنت مؤکدہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے ترک نفرمود واگر احیاناً فوت شدہ دوازدہ رکعت در روز قضا فرمود اھ"

کسی مولوی صاحب کا فرمانا کہ یہ نماز امت کے لئے نہیں یہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص تھی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس کو اپنے اوپر لازم کرے گا۔ اور مداومت کے ساتھ ادا کرے گا۔ اور گاہے قصداً ترک نہیں کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

مولوی مذکور کا قول ضلالت پر مبنی ہے یا ہدایت پر۔ محدثین وفقہا کی تصریحات کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً دوام فرمایا ہے۔ اس لئے سنت مؤکدہ کی تعریف اس پر صادق ہے البتہ قولاً تاکید نہیں فرمائی۔ شفقةً علی الامت، مگر اپنے عمل سے اس کو مؤکد ثابت کردیا، اب اہل محبت کے لئے کیا گنجائش ہے۔ فضائل اعمال کے اکتساب کا سبق محدثین سے نہ لیں، محبین سے لیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ عجیب مشفقانہ وحکیمانہ انداز میں تہجد کی تاکید فرماتے تھے اور طالبین کے عذرات کو رفع فرماتے تھے۔ ایک مسترشد کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا کا شکر ہے۔ کہ رمضان میں (تہجد کی) یہ سعادت نصیب ہوئی، اب شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ کو رمضان بنائیے۔ یعنی وہی تہجد پر مداومت ۲، ۲ رکعت کر کے آٹھ رکعتیں عشا کے بعد سے وقت سحری تک کسی وقت ادا کیجئے۔ اور دل میں تصور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں۔" (تذکرہ ص ۲۹۷)

ایک سالک کو لکھتے ہیں:۔

"(تہجد کے وقت) اگر گرم پانی کے اہتمام سے آپ عاجز ہیں اور ٹھنڈے پانی سے ضرر ہوتا ہے۔ تو خیر تیمم کرلیں، مگر گرم پانی کا اہتمام چنداں مشکل نہیں۔ عشاء کے وقت ایک لوٹا گرم پانی جو خوب گرم ہو۔ اس کو اوپر کٹورے سے چھپا کر کسی روئی یا روئی کے کپڑے میں یا کمبل میں لپیٹ دیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر پورا گرم ملے گا۔"

ایک اور صاحب کو لکھتے ہیں:

"(تہجد کیلئے) صبح صادق سے گھنٹہ دو گھنٹہ پہلے اٹھنا کافی ہے۔ آپ اپنے یہاں کے اوقات سے اندازہ لگالیں۔ صبح اٹھنے کیلئے رات کو سویرے بعد عشا سونا لازم ہے۔ تاکہ صحت پر اثر نہ پڑے۔"

ایک اور طالب کے خط میں رقم فرمایا :

"اس (تہجد کے فوت ہونے کے) افسوس پر شکر ادا کیجئے۔ کہ یہ بھی نعمت ہے۔ کتنے ہیں کہ فرائض سے محرومی پر ان کو افسوس نہیں ہوتا۔ اگر تہجد قضا ہو جائے تو طلوعِ آفتاب کے بعد سے دوپہر تک بارہ رکعتیں پڑھ لی جائیں ..... انشاء اللہ (تہجد کی) عادت پختہ ہو جائیگی ۔ تو پھر آپ اٹھنا نہ بھی چاہیں گے۔ تو بھی انشاء اللہ اُٹھیں گے۔"

تہجد بالجماعۃ

حضرت والا قدس سرہٗ سے کسی مستفسر نے تہجد باجماعت اور تہجد میں قرأت جہری کے متعلق پوچھا۔ حضرت الشیخؒ نے جواباً تحریر فرمایا :

"تہجد کی نماز باجماعت اتفاقاً ہو جائے تو جائز ہے۔ مگر اہتمام و دعوت کیساتھ مناسب نہیں۔" تہجد کی نماز ذرا جہر سے پڑھنا مستحب ہے۔"

ایک حافظ صاحب نے تہجد میں قرآن کریم سنانے کے بارے میں استفسار کیا۔ حضرت والاؒ نے ارقام فرمایا :۔

"تہجد بالجماعۃ اگر اتفاقاً ہو جائے تو جائز ہے۔ ورنہ اہتمام و تداعی کے ساتھ نہیں۔ غور کرنا چاہیئے کہ اس میں ریا اور نمود کی خواہش تو پوشیدہ نہیں۔"

ادعیہ تہجد

تہجد کا وقت اور پچھلی رات عجب برکت و نورانیت، نزول رحمت، اجابت دعاء عطائے رب اور قربت حق کی ساعت سعید ہوتی ہے حضرت ابوہریرۃؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ

"ہمارا رب ہر رات کا جب آخر تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے تاکہ میں اسکی پکار کو سنوں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے پس میں اس کے سوال کو پورا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تاکہ میں اسے بخش دوں۔"

دوسری روایت میں ہے کہ :-

"جب رات کا پہلا تہائی حصہ گذر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے رہتے ہیں۔" کیا کوئی مغفرت کا طالب ہے؟ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے؟ کیا کوئی دعا مانگنے والا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ طلوع فجر تک یوں ہی آواز دیتے رہتے ہیں۔" (جمع الفوائد ص۲۱۶ ج۲ بحوالہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ)

اللہ اکبر کیا نوید جانفزا ہے۔ اور رحمت بیکراں کا کیا مژدہ عام ہے! خوش نصیب ہیں وہ اشخاص جو ندائے رب پر لبیک کہتے ہیں۔ اور ہر رات اپنی مرادیں اور آرزوئیں کریم و رحیم پروردگار کی بارگاہ قدس میں پیش کر کے عطاء ربانی

اور فضلِ صمدانی سے مالامال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت کی سب سے زیادہ مناسب دعائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی امت کو بتا سکتے تھے۔ اس لئے تہجد اور پچھلی رات میں ماثورہ اور مسنون دعائیں پڑھنا خاص برکت وعطا کا سبب ہے۔ ہمارے حضرت والا قدس سرہٗ طالبین کو تہجد کی دعاؤں کے یاد کرنے اور انہیں اسوقت پڑھنے کی خاص تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مسترشد خاص کو ارقام فرماتے ہیں:

"تہجد میں وہی تسبیحیں بالفعل پڑھئے۔ جو عام نمازوں میں پڑھتے ہیں مگر احادیث وادعیہ سے وہ تسبیحیں یاد کر لیجئے جو تہجد میں شروع قیام میں رکوع وسجود میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔"

ایک سالک کو تہجد کی دعائیں خط میں لکھ کر ارسال فرمائیں اور تحریر فرمایا:

تکبیر تحریمہ سے پہلے (یہ دعائیں پڑھیں)

اللّٰھم ربنا لک الحمد انت قیم السمٰوٰت والارض ومن فیھن، ولک الحمد انت نور السمٰوٰت والارض ومن فیھن، (اللّٰھم لک الحمد انت رب السمٰوٰت والارض ومن فیھن) ولک الحمد انت ملک السمٰوٰت والارض ومن فیھن، ولک الحمد انت الحق ووعدک حق ولقاؤک حق وقولک حق، والجنۃ حق والنار حق، والنبیون حق ومحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق والساعۃ حق۔ اللّٰھم لک اسلمت وبک اٰمنت وعلیک توکلت والیک انبت وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفرلی

ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما اعلنت وما أنت اعلم به منّی انت المقدم انت المؤخر لا اله الا انت[1] إنی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفا وما انا من المشرکین

اور یہ دعاء (جو بندہ نے سنائی تھی)۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[2]۔

تہجد کے لئے اٹھتے ہوئے تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھنے کا ارشاد فرمایا پھر

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ[2] کہنے کے بعد تکبیر تحریمہ

تکبیر تحریمہ:۔ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ و أصیلا[3]

ثنا کے بعد تعوذ سے پہلے :۔ اللّٰھُمَّ باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اللّٰھُمَّ نقنی من الخطایای

---

[1] رواہ مسلم واصحاب السنن عن عائشۃ (جمع الفوائد ص۶۲۵ ج۱) وصحیح مسلم ص۲۶۳ ج:۱

[2] جمع الفوائد ص۶۲۶ بحوالہ مسلم، ابوداؤد، نسائی مشکوٰۃ بحوالہ مسلم ص۱۰۰ ج۱)

[3] الوابل الصیب ص۱۳۹ بحوالہ سنن ابوداؤد [4] مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم ص۷۷

كما ينقى الثوب الابيض من الدنس اللّٰهُمَّ اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد

رکوع میں :-

اللّٰهم لك ركعت ولك اسلمت وبك امنت خشع لك سمعى وبصرى ومخى وعظمى

سجود میں :-

اللّٰهم لك سجدت وبك امنت ولك اسلمت سجد وجهى للذى خلقه وصوره وشق سمعه وبصره "

فقیر سے نماز و وضو اور تہجد کی مختلف دعاؤں کے متعلق ایک مرتبہ استفسار فرمایا۔ اور فقیر سے تہجد میں اٹھتے وقت، رکوع و قومہ اور سجدہ وغیرہ سن کر خوشی کا اظہار اور تحسین فرمائی۔ افادہ عام کیلئے ان کی دعاؤں کو اور حضرت سیدی قدس سرہٗ کی بتائی ہوئی ترتیب کو نقل کرتا ہوں

تکبیر تحریمہ سے پہلے

مذکورۃ الصدر دعاء : اللّٰهم لك الحمد انت قيم السموٰت والارض ومن فيهن الى آخره[1]

رکوع میں :- اللّٰهُمَّ لك ركعت وبك آمنت ولك اسلمت خشع سمعى وبصرى ومخى وعظمى وما استقلت به قدمى

---

[1] اس دعاء کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی ابن ماجۃ و نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب آپ تہجد کیلئے رات کو اٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے (جمع الفوائد ج۲ ص۶۳۴) ابن قیم نے صحیحین کے حوالہ سے رب السموٰت والارض الخ کی زیادت نقل کی ہے (زاد المعاد ج۱)

لله رب العلمین[۱]

قومہ میں:- اللّٰھم ربنا لک الحمد ملأ السموات والارض وما بینھما وملأ ما شئت من شیء بعد[۲]

سجدہ میں:- اللّٰھم لک سجدت وبک امنت ولک اسلمتُ سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ و شقّ سمعہ وبصرہ تبارک اللّٰہ احسن الخالقین[۳]

تشہد و درود شریف کے بعد:-

اللّٰھم انت الملک لا الٰہ الا انت انت ربّی و انا عبدک ظلمتُ نفسی و اعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا انہ لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی[ع] لاحسن الاخلاق انہ لا یھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنّی سیٔھا لا یصرف عنّی سیٔھا الا انت لبیک وسعدیک والخیر کلہ فی یدیک والشر لیس الیک انا بک والیک تبارکت وتعالیت وَ

۱؎ کتاب الاذکار للامام النووی ص۴۹ بحوالہ صحیح مسلم

۲؎ صحیح المسلم ص۲۶۳ ج:۱ ۳؎ صحیح مسلم ص۲۶۳ ج،۱

ع علامہ الہیثمی نے مجمع الفوائد میں طبرانی کے حوالہ سے ابوایوبؓ، ابن عمرؓ اور ابوامامہؓ سے احادیث نقل کی ہیں جس میں " اللھم اھدنی لصالح الاعمال والاخلاق کے الفاظ آتے ہیں حضرت رحمہ اللہ علیہ نے بندہ کو فرمایا تھا کہ اس دعا میں اھدنی لصالح الاعمال والاخلاق ہی پڑھ لیا کریں (مجمع الزوائد ص۱۱۱ ج۱۰، ص۱۱۲ ج۱۰، ص۱۷۳ ج۱۰)

استغفرك واتوب اليك[1] اللهم اغفر لی ما قدمت
وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت
وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر
لا الٰہ الا انت[2] اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا
ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک
وارحمنی انک انت الغفور الرحیم[3]

ختم تہجد پر دعا

اللّٰھم انی اسئلک رحمۃً من عندک تھدی بھا قلبی وتجمع بھا امری وتلم بھا شعثی وتصلح بھا غائبی وترفع بھا شاھدی وتزکی بھا عملی وتلھمنی بھا رشدی وتعصمنی بھا من کل سوءٍ اللّٰھم اعطنی ایماناً ویقیناً لیس بعدہٗ کفرٌ ورحمۃً انال بھا شرف کرامتک فی الدنیا والاخرۃ اللّٰھم انی اسئلک الفوز فی القضاءِ ونزل الشھداءِ وعیش السعداءِ والنصر علی الاعداءِ اللّٰھم انی انزل بک حاجتی وان قصر رأیی وضعف عملی افتقرت الی رحمتک فاسئلک یاقاضی الامور ویاشافی الصدور کما تجیر بین البحور ان تجیرنی من عذاب السعیر ومن دعوۃ الثبور ومن فتنۃ القبور اللّٰھم ما قصر عنہ رأیی ولم تبلغہ نیتی ولم تبلغہ مسألتی من خیرٍ وعدتہ احداً من خلقک او خیرٍ انت معطیہ احداً من عبادک فانی ارغب الیک فیہ واسألکہ برحمتک رب العالمین اللّٰھم ذا الحبل الشدید والامر الرشید اسئلک الامن یوم الوعید والجنۃ یوم الخلود مع المقربین الشھود الرکع السجود الموفین بالعھود انک رحیمٌ ودودٌ وانک تفعل ما ترید اللّٰھم اجعلنا ھادین مھتدین غیر ضالین ولا مضلین سلماً لاولیائک وعدواً لاعدائک نحب بحبک من احبک ونعادی بعداوتک من خالفک اللّٰھم ھذا الدعاء وعلیک الاجابۃ وھذا الجھد وعلیک التکلان اللّٰھم اجعل لی نوراً فی قلبی ونوراً فی قبری ونوراً من بین یدی ونوراً من خلفی ونوراً عن یمینی ونوراً عن شمالی ونوراً من فوقی ونوراً من تحتی ونوراً فی سمعی ونوراً فی بصری ونوراً فی شعری ونوراً فی بشری ونوراً فی لحمی ونوراً فی دمی ونوراً فی عظامی اللّٰھم اعظم لی نوراً واعطنی نوراً واجعل لی نوراً سبحان الذی تعطف العز وقال بہ سبحان الذی لبس المجد وتکرم بہ سبحان ذی الجلال والاکرام ——— رواہ الترمذی

تنبیہ :۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے اگر یاد نہ ہوں تو انکی وجہ سے تہجد پڑھنے میں کوتاہی کرنی چاہیئے مزید برآں نماز کے اندر دعائیں حنفیہ کے نزدیک صرف نوافل و تہجد کے ساتھ مختص ہیں

---

[1] صحیح مسلم ص ۲۶۳ ج ۱ : [2] صحیح مسلم ص ۲۶۲ ج ۱ : [3] ریاض الصالحین بحوالہ صحیحین ص ۷۰۲

نماز توبہ

انسان گناہگار ہے۔ خطا ونسیان اسکا خمیر ہے۔ حدیث شریف میں ہے؛

کلُّ بنی آدم خطاء وخیر الخطائین التوابونؔ[1]	تمام بنی آدم خطا کار ہیں لیکن بہتر گنہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں۔

حضرت سیّدی قدس سرّہ اپنے ایک خادم کو لکھتے ہیں۔

"بندہ ہر حال میں گنہگار ہے۔ اور خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کا اعتراف اور اپنی غلط کاری اور تساہل پر ندامت اور آئندہ گناہوں سے بچنے اور احکام الٰہی پر عمل کرنے پر استقامت اور ساری عمر اسی ریاضت میں گذار دینا یہی اپنی بندگی ہے"[2]

---

[1] جمع الفوائد بحوالہ ترمذی صـ۲۰۶ ج۲ و رواہ ایضاً احمد وابن ماجہ والحاکم (اعزاب للوارد)

[2] کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

انا المذنب الخطا والعفو واسع۔ ولولم یکن ذنب لما وقع العفو (الاذکار للنووی صـ۴۵۵)

(میں انتہائی خطاکار و گناہگار ہوں۔ اور اللہ کی مغفرت وسیع ہے) اگر گناہ نہ ہوتے تو عفو و معافی کیسے ہوتی۔

؎ عصیان ما درحمت پروردگار ما — ایں را نہایتے نہ آں را نہایتے

حضرت والاؒ طالبین کو عموماً اور بیعت ہونے والوں کو خصوصاً گناہوں کی بخشش کیلئے توبہ و استغفار کی کثرت کے ساتھ "صلوۃ التوبہ" کی تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ مختلف حضرات کے نام متعدد مکتوبات میں اس قسم کے ارشادات ملتے ہیں:-

۱:- "خوب سوچ سمجھ کر جس وقت اس راہ پر قدم رکھنے کی عزیمت ہوجائے۔ وضو کرکے خضوع و خشوع سے دو رکعت نفل (توبہ) ادا کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگیئے اور استغفار کیجئے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے عہد کیجئے۔ کہ اب خدا کے احکام سے حتی الامکان سرتابی نہ ہوگی۔ اور جھوٹ، غیبت، بدنظری اور تمام لغویات سے پرہیز کروں گا"

انہیں کو دوسرے خط میں لکھا:-

آپ کا خط پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیقات سے آپ کو بہرہ ور فرمائیں۔ آپ نے دو رکعت نماز (توبہ) پڑھ کر جو دعاء مانگی یہ گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کیلئے صحیح راستہ پر چلنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء قبول فرمائیں اور آئندہ کی توفیق عنایت فرمائیں ..... تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھیئے اگر غلطی سے کبھی ہوجائے تو یاد آنے پر فوراً استغفار کیجئے اور نیا عہد کیجئے۔ کہ انشاء اللہ اب اپنے قصد سے اس کا ارتکاب نہیں ہوگا۔"

ایک خادم کو غائبانہ بیعت کرنے پر آمادگی کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:-

"میں بیعت میں آپ کو لینے کو تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور آپ کو فائدہ پہنچائے۔ آپ کو جب یہ خط ملے تو بعد نماز مغرب یا جس وقت آپ کو طمانیت ہو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز تنہائی میں نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں ......"

ایک صاحب نے گذشتہ معاصی پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے تدارک کی صورت پوچھی اور لکھا کہ:

"طبیعت چاہتی ہے۔ کہ کسی صورت زندگی کا گناہوں والا حصہ الگ ہو کر باقی زندگی بے داغ اور عین اسلامی گذاری جائے۔ بہر حال اب اس کے تدارک کی کیا صورت ہے۔"

حضرت والاؒ نے جواباً تحریر فرمایا:

"یہ کیفیت خط زدہ بہت اچھی ہے۔ اب آپ ایک روز تہیہ اور عزم کر کے وضو اچھی طرح کیجئے اور خلوص سے نماز توبہ ادا کیجئے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی پورے خضوع اور خشوع سے مانگیں اور عزیمت کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں۔ کہ اب کوئی عصیان کا کام نہ ہونے پائے۔"

ایک دوسرے طالب کو ارقام فرمایا:-

"آپ کسی وقت دو رکعت نفل (توبہ) باخلاص پڑھ کر استغفار

کیجئے۔ اور اسی وقت سے کام شروع کر دیجئے۔ اور پوری توبہ گذشتہ تقصیروں پر کر کے آگے کیلئے اطاعت کامل کا عزم کیجئے اللہ تعالیٰ پورا فرمائیں گے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

ایک مسترشد کو لکھا :-

"کسی جمعیت خاطر کے وقت اچھی طرح وضو نیت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ کہکر کریں۔ اور دو رکعت نماز کمال خشوع و خضوع کے ساتھ نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں۔ پہلی رکعت میں "قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور دوسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھا جائے۔ اور اسکے بعد کمال استقامت کے ساتھ گذشتہ معاصی سے بدرگاہ الٰہی پوری انابت، عاجزی و مسکینی سے توبہ کی جائے۔ اور آئندہ ان معاصی سے بچنے کا عزم صمیم کیا جائے"

غرض حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نماز توبہ کی گناہوں کے معافی کیلئے بہت تاکید فرماتے تھے۔ حدیث میں بھی صلوۃ التوبہ کی بہت فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے

مامن رجلٍ یذنبُ ذنبا ثم	جس شخص سے گناہ صادر ہوجائے پھر
یقوم فیتطھّرُ ثم یصلّی ثم	وہ اٹھے۔ اچھی طرح وضو کرے پھر
یستغفر اللہ اِلّا غفر اللہ لہٗ	نماز پڑھے پھر استغفار پڑھے تو
ثم قرأ ھٰذہِ الاٰیۃ وَالَّذِین	اللہ تعالیٰ (اس عمل کی برکت) اسے

اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ - الی آخر الاٰیۃ (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

گناہ بخش دیگا۔ پھر آپ نے تائید میں یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اور ایسے لوگ جب کوئی ایسا کام کر گذرتے ہیں۔ جس میں زیادتی ہو۔ یا اپنی ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں۔ پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور وہ لوگ اپنے فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں"

ابوداؤد و نسائی، ابن ماجہ صحیح ابن حبان اور بیہقی میں بھی یہ روایت ہے ابن حبان اور بیہقی نے " ثم یصلی رکعتین " پھر دو رکعت نماز پڑھے کے لفظ روایت کئے ہیں۔ ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح سے روایت بغیر سند کے نقل کی ہے[1]

میلہ، [1] الترغیب والترھیب منذری ص ۱۶۲/۱۷۰

تکمیل و تحسین صلوٰۃ

نماز بقول قاضی بیضاویؒ "ام العبادات، مومنین کا معراج اور رب العلمین سے سرگوشی و مناجات ہے"[1]

امام غزالیؒ لکھتے ہیں

فان الصلوۃ عماد الدین وعصام	نماز دین کا ستون، یقین (و ایمان)
الیقین ورأس القربات وغرۃ	کا گلو بند (زیور) قربت والے اعمال
الطاعات[2]	کی سردار اور طاعات میں سب سے پسندیدہ ہے

نماز روحِ دین، نورِ ایمان، جانِ عبادت اور سہارا طاعت ہے۔ تکمیل صلوٰۃ مومن کا سب سے بڑا زینہ ہے۔ سیرت سازی اور تربیت نفس، تعمیر اخلاق، اصلاح باطنی، صفائی قلب اور حصول عبدیت میں نماز کا عظیم حصہ ہے نماز ایک ایسی قوتِ متحرکہ ہے جو نمازی کو احکام الٰہی کا پابند اور معاصی سے مجتنب و نفور بنا دیتی ہے۔ ایمان و تقویٰ کا کمال نماز کے کمال پر منحصر ہے گذشتہ اوراق میں اس مہتم بالشان عبادت کے متعلق جو مباحث گذرے ہیں۔ اس سے بھی نماز کے ظاہری و باطنی آداب کی رعایت اس کے

---

[1] التفسیر البیضاوی

[2] احیاء العلوم الدین صفحہ ۱۴۵ جلد ۱

احکام کی حفاظت اور تحسین[۱] و تکمیل کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ نماز کی درستگی و کمال، آراستگی و جمال اور اس کی روح وحقیقت کے حصول و بقا اور اسکی ظاہری و باطنی تزئین و آرائش کے لئے طالبین کو ہمیشہ تلقین و فہمائش فرماتے رہتے تھے۔

ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ آپ کی باطنی حالت کو آراستہ کرے اور باطنی احوال میں ترقی عنایت فرمائے۔ ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولیٰ پر نظر رہے۔ اور نماز کی تحسین اور آراستگی کا پورا خیال رہے .... نماز کی تحسین کے معنٰی یہ ہیں کہ نماز کے سارے آداب مستحسن (طریقے سے ادا کئے جائیں) اور سنن کا لحاظ رکھا جائے ارکان کے ادا کرنے میں تعدیل ہو، رکوع و سجود کی تسبیحات تین تین سے زیادہ پڑھائی جائیں۔ مسنون وقت کا خیال رکھا جائے"

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرمایا:۔

"نماز کو اپنی طرف سے پورے ظاہری و باطنی آداب اور خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ جس قدر حاصل ہو

۱؎ حضرت ابوہریرہؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "اے فلاں تو نماز کو اچھا کیوں نہیں پڑھتا کیا نمازی جب نماز پڑھتا ہے۔ تو وہ یہ نہیں جانتا کہ نماز کیسے پڑھ رہا ہے (اسے خیال ہونا چاہیئے کہ) وہ اپنے نفس کے لئے نماز پڑھ رہا ہے (پس اسے تحسین نماز کا اہتمام کرنا چاہیئے) — کنز الاعمال بحوالہ مسلم و نسائی ص۱۱۲ ج ۴

اس پر شکر کیجئے۔ اور آئندہ کیلئے ہمت کیجئے اور دعا کیجئے اس کے حصول کا طریقہ جب آپ پوچھیں گے عرض کیا جائیگا ..... (نماز با جماعت کی پابندی پر) مبارک، اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں" .....

"قلب کی مشغولی (نماز میں) یہ سہواً واقع ہوتی ہے۔ نماز میں صرف نماز کے ارکان اور قرأت اور ادعیہ کی طرف توجہ رکھی جائے اور قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کا معمول کیجئے تاکہ قرأت صحیح ہو"....

ایک خادم سے استفسار فرماتے ہیں :-

"نماز کا کیا حال ہے۔ اسمیں یکسوئی اور خضوع وخشوع اور نماز میں جماعت کی پابندی اوقات مسنونہ کی پابندی اور اتباع سنت کا شوق کہاں تک ہے۔"

ایک سالک کو لکھتے ہیں :

"نماز میں اعتدالِ ارکان اور حضور قلب کی کوشش ہو..... (اور نماز میں) یہ تصور (ہو) کہ بندہ اپنے آقائے حقیقی کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے[1]۔ اس کا اثر یہ ہو کہ قلب میں سکون اور جسم میں پستی اور تواضع کی شان پیدا ہو۔"

---

[1] کسی کا شعر ہے۔

نگاہ نیچی کئے کھڑا ہوں وہ سامنے میرے جلوہ گر ہیں
زبان میری کلام انکا، میں پڑھ رہا ہوں وہ سن رہے ہیں

نماز کے باطنی آداب
یا
حقیقت نماز

نماز کا ظاہر اپنی حقیقتِ باطنی سے جاندار، باوقار اور پرانوار بنتا ہے اس لئے نماز کے ظاہری جمال وتحسین کیلئے بھی اس کے باطنی کمال و تزئین کی ضرورت ہے۔ نماز کی باطنی حقیقت و روح خضوع وخشوع ، تبتل وتذلل ، حضور و احسان ، عبدیت وعبودیت ، انکسار و افتقار ، فروتنی و تواضع ، مسکنت والحاح ، عاجزی وزاری وغیرہ احوال وکوائف جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کے استحضار اور اسکی عظمت وجبروت ، جلالت و کبریائی کے دھیان سے ناشی اور اس کی بارگاہ عالی میں حاضری کی ہیبت سے پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت والا قدس روحہ ایک خادم (جس نے لکھا تھا کہ نماز میں احیاناً اسرار منکشف ہوجاتے ہیں۔ اور واردات صحیحہ کا نزول ہوتا ہے) کو تحریر فرماتے ہیں،

"نماز کشف اسرار اور واردات صحیحہ کا محل نہیں۔ یہ صرف عبودیت وعبدیت اور تواضع اور کیفیت کا محل ہے۔"

ایک اور مکتوب میں ہے :-

" اصل شئ نماز میں حضور اور خشوع ظاہری و باطنی ہے ۔ "

ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں :

" نماز کو اپنی طرف سے پورے ظاہری و باطنی آداب اور خضوع وخشوع کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجئے ۔ جس قدر حاصل ہو اس پر شکر کیجئے اور آئندہ کیلئے ہمت کیجئے ۔ "

قرآن و حدیث کی نصوص نماز کی اس حقیقتِ (مذکورہ) کے حصول کی ترغیب سے مملو ہیں ۔ (جیسا جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں اور گذشتہ اوراق میں کچھ نصوص گذر بھی چکے ہیں) تبرکاً چند احادیث نقل کرتا ہوں ۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

" نماز دو دو رکعت کر کے ہے ۔ اور ہر دوسری رکعت میں تشہد ہے تضرّع و زاری ہے ، خشوع و خضوع ہے ۔ اور عاجزی و مسکنت ہے ۔ اور ہاتھ اٹھا کر اے رب اے رب کہنا ہے ۔ جس نے ایسا نہ کیا اسکی نماز ناقص رہی ۔ "[1]

مسند احمد اور سنن بیہقی میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے :-

---

[1] کنز العمال ص۱۱۳ ج ۴ ۔ عن فضل ابن عباس حاشیہ بحوالہ احمد، حکیم ترمذی، ابن جریر، کبیر طبرانی و نیز مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی ابن جریر سنن بیہقی عن المطلب ابن ابی وداعہ ۔

ان المصلی یناجی ربہ ... نمازی اپنے پروردگار سے راز ونیاز کی باتیں
فلینظر ما یناجیہ بہ[1] ... کرتا ہے۔ پس اسے دیکھنا چاہیئے کہ وہ
کیا مناجات کرتا ہے۔ یعنی غفلت سے نماز نہیں پڑھنا چاہیئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

" جس نے کامل وضو کیا پھر کھڑے ہو کر ایسی نماز پڑھی کہ وہ اس میں جو کہتا تھا۔ اسے جانتا (اور سمجھتا) بھی تھا۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں اس نے نماز ختم کر لی۔ تو وہ ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ جیسا اسکی ماں نے اسے جنا (کنز العمال ص ۱۱۲ ج ۴ بحوالہ عبد الرزاق عن عقبۃ بن عامر)

احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے صحیح میں ابی ذرؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

" جب بندہ نماز میں ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس وقت تک اسکی طرف متوجہ رہتا ہے۔ جب تک بندہ دوسری طرف التفات نہیں کرتا جب بندہ دوسری طرف دھیان کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنی توجہ کو ہٹا لیتے ہیں[2] "

امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے

" جب کبھی بندہ نماز میں ادھر ادھر دھیان کرتا ہے تو اسکا پروردگار اس سے کہتا ہے تو کدھر توجہ کر رہا ہے۔ اے

---

[1] کنز العمال ص ۱۱۳ ج ۴ [2] کنز العمال ص ۱۰۸ ج ۴

ابن آدم میں اس سے تیرے لئے بہتر ہوں جسکی طرف تو دھیان کر رہا ہے[1]

ایک حدیث میں ہے :۔

لا صلوٰۃ للملتفت[1] :۔ نماز میں جو ادھر ادھر دھیان کرتا ہے۔ اس کی نماز کامل ہوتی ہی نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے :

لا صلوٰۃ لمن لا یتخشع فی صلوٰتہ[2] اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو نماز میں خشوع نہیں کرتا۔

غرض نماز اپنے باطنی آداب و ارکان کے اہتمام و رعایت کے ساتھ کامل ہوتی ہے۔ ان باطنی اعمال کے بغیر نماز قالبِ بے روح اور گل بے رنگ و بو ہے کہ بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ

"حقیقتِ نماز مراقبہ حق است بوجہ تعظیم بدل و در کار برداشتن جمیع حواس و قویٰ و جوارح و اعضا"[3]

(نماز کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عظمت سے دل کے ساتھ دھیان و مراقبہ اور تمام حواس و قوٰی اور جوارح و اعضا کا نماز میں ہمہ تن مشغول کرنا ہے

---

[1] کنز العمال ص۱۰۸ ج۴

[2] کنز العمال ص۱۰۸ ج۴ بحوالہ طبرانی معجم کبیر عن عبداللہ ابن سلام

[3] تفسیر فتح العزیز ص۲۷۸

نماز میں خشوع ارشاد باری ہے :-

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون - ۱)

تحقیق فلاح پائی ان ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع (زاری و عاجزی) کرنے والے ہیں۔

علامہ الالوسی بغدادیؒ نے "الخشوع" کے معنیٰ لکھے ہیں۔

التذلل مع خوف و سکون للجوارح (روح المعانی صفحہ ۲۰۸ ج : ۵)

خشوع (اللہ کے) خوف کیساتھ پستی و عاجزی اور جوارح کے سکون کو کہتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

"لغوی حقیقت خشوع کی سکون ہے۔ اور شرعی حقیقت، قلب و جوارح کا ارادی سکون، اور سکون مقابل ہوتا ہے۔ حرکت کے، تو جوارح کی حرکت کے مقابل میں ان کا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعاً حکم نہیں وہ حرکت نہ کرے۔ یعنی ارادہ کرکے بیکار ہاتھ پاؤں نہ ہلائے، ادھر ادھر گردن یا نظر کو نہ پھیرے سر اوپر کو نہ اٹھاوے

۱؎ حضرت علامہ تھانوی قدس سرہٗ بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں :-

"خشوع کی حقیقت ہے سکون، یعنی قلب کا بھی کہ خیالات غیر کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے۔ اور جوارح کا بھی کہ عبث حرکتیں نہ کرے اسکی فرضیت میں کلام ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ صحت صلاۃ کا موقوف علیہ نہیں اور اس مرتبہ میں فرض نہیں اور قبول صلوٰۃ کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ مسائل سلوک میں لکھتے ہیں۔ یہ آیت صراحۃً دال ہے خشوع کے مطلوب ہونے پر اور روح میں ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ صحتِ صلوٰۃ کی شرط نہیں مگر قبول کی شرط ہے۔

بدوں ضرورت نہ کھجلاوے نہ کھنکارے وغیرہ اور قلب کی حرکت فکر ہے۔ اس کا سکون عدم فکر ہے۔ یعنی اپنے ارادے سے کسی بات کو نہ سوچے، سو جیسے جوارح کی حرکت اگر بلا قصد مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ خشوع کے منافی نہیں پس غلطی لوگوں کی یہ ہے، کہ خشوع کے معنٰی یہ سمجھتے ہیں۔

اس بنا کا فاسد ہونا تقریرِ بالا سے معلوم ہوگیا۔ جس سے متعین ہوگیا کہ خشوع اختیاری فعل ہے۔ اور ہر شخص اس پر قادر ہے اور بہت آسان ہے۔ البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے۔ جیسے سب ارادی افعال کی شان ہے۔ کہ ارادہ کرو تو آسان نہ کرو تو دشوار، حتٰی کہ اگر منہ میں لقمہ لیکر بیٹھ جاؤ اور نگلنے کا ارادہ نہ کرو تو وہ بھی آسان نہیں۔ پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا آسان ہے۔ اور سہل طریقہ یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کر کے اس کو منہ سے نکالے ..... اس مراقبہ کا اول سے آخر تک التزام رکھے۔ انشاء اللہ اول تو بلا قصد بھی کوئی خیال نہیں آدے گا۔ اور اگر فرضاً آجائے تو پھر سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے۔ یہ سوچ بھی غیر کا خیال ہے بلکہ رہی مذکورہ بالا طریقہ سے توجہ کی پھر تجدید کرلے تو یہ خطرات رفع ہوجائیں گے۔" (جامع المجددین صـ۳۲۹ بحوالہ اصلاح القلوب صـ۶)

حضرت تھانوی قدس روحہ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ 'مطلوب خشوع' وہ ہے جس میں اعضاء وجوارح سے نماز کی مشروع حرکات کے علاوہ عملاً وارادۃً کوئی حرکت سرزد نہ ہو۔ اور نہ ہی ارادے سے قلب کوئی ایسی حرکتِ فکری کرے۔ جو نماز کے مامور بہا اعمال قلبی و ظاہری کے خلاف ہو۔ گویا 'خشوع شرعی' اور 'سکون مطلوب' ارادی طور پر دل و جوارح کو نماز کے مشروع اعمال ہی میں مشغول رکھنا ہے۔

نماز میں وساوس اس سے یہ بات بھی ضمناً ثابت ہوگئی کہ غیر ارادی وساوس و خیالات کا آنا نماز میں حارج نہیں نہ 'خشوع شرعی' کے خلاف ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مبتدی طالب کو ارقام فرماتے ہیں،۔

" وسوسے اگر بکثرت آتے ہیں اور عادت ہوگئی ہے۔ تو آپ وسوسوں کا خیال نہ کیجئے اور ادھر دھیان نہ کیجئے ... نماز میں وسوسے دور کرنے کیلئے یہ کیجئے کہ نماز کے الفاظ ٹھہر ٹھہر کر ارادہ کے ساتھ پڑھیئے۔"

ایک خادم کو تحریر فرماتے ہیں،

" وساوس کا واقع ہونا مضر نہیں۔ چور وہیں آتے ہیں۔ جہاں دولت ہوتی ہے۔ شیطانی وساوس آنے کو بھی ایسا ہی سمجھا جاوے اور ان کی طرف سے ذہن کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف کرلیا جائے۔ عدم التفات ہی اس کا علاج ہے۔"

ایک صاحب کو لکھتے ہیں:

"بیہودہ اور ناپاک خیالات کا پیدا ہونا اگر اپنی طرف سے نہیں تو انشاء اللہ مضر نہیں۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک سالک کو ارشاد فرمایا تھا:۔

"اللہ تعالیٰ نے قلب و دماغ کو ایسا ہی بنایا ہے کہ اس میں حرکت فطری ہوتی رہے۔ یہ شاہی شاہراہ ہے۔ آپ کون اس کا پہرہ بٹھانے والے کہ اس شاہی شاہراہ پر چوہڑے چمار نہ چلنے پائیں آپ اپنی راہ چلئے وہ اپنی راہ چلیں۔"

مراد یہ ہے کہ وساوس خود بخود آتے رہیں تو حرج نہیں۔ ان سے عدم التفات برتتے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیئے وسوسے کے آنے کی قطعاً پرواہ نہ کیجائے کہ انکی طرف دھیان بھی غیر میں مشغولیت ہے اور یکسو ہو کر ہمت و ارادہ سے اللہ تعالیٰ اور نماز کی طرف دھیان جمانے کی کوشش کیا جاوے۔ ہم کوشش کے مکلف ہیں۔ اگر کوشش کے باوجود وسوسے آئیں تو کوئی حرج نہیں تاہم یہ بات ذہن نشین رہے کہ وساوس کا آنا برا نہیں ارادے سے ان کا لانا اور جمانا برا ہے۔ فافہم

نماز میں یکسوئی

نماز میں چونکہ اعمال مختلف ہیں۔ اس لئے حضور و خشوع کی ایک عمومی کیفیت کے باوجود نماز میں یکساں 'یکسوئی' اور 'استغراق' کی کیفیت عموماً میسر نہیں آسکتی۔ اور نہ یہ مقصود محمود ہے۔ ہر رکن کی ایک خاص کیفیت 'تجلی' ہوتی ہے۔ جو اپنے 'خصوصی لون' سے قلب کو متاثر کرتی ہے اور

دل گوناگوں الٰہی تجلیات و الوان کا مورد بنا رہتا ہے۔ نماز کے علاوہ ذکر و مراقبہ وغیرہ کے اوقات میں طالب ایک ہی عمل میں مصروف ہوتا ہے۔ اس لئے دھیان و توجہ کی یکسوئی بعض حضرات کو ان اوقات میں نماز سے زیادہ محسوس ہوتی ہے اس قسم کے ایک استفسار کے جواب میں حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں :۔

" نماز میں اعمال مختلف ہوتے ہیں۔ جس سے وہ یکسوئی جس کو آپ یکسوئی سمجھتے ہیں نہیں ہوتی۔ کیا خدمتگار خدمات کے انجام دینے میں مالک کی محبت کی یکسوئی کا تصور کرتا ہے ؟ مگر یہ خدمت خود ہی محبت کی دلیل ہے اور اطاعت کی فافہم نماز سے فراغت کی حالت میں یکسوئی مستمر ہو کر محسوس ہوتی ہے مگر یہ کوئی چیز نہیں "

ایسے نماز کی یکسوئی کا حصول بھی ضروری نہیں۔ صرف اس کے حاصل کرنے کی کوشش لازمی ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :۔

" یکسوئی ہونا ضروری نہیں۔ آپ کی طرف سے حصول میں کمی نہ ہو پھر بھی اگر حاصل نہ ہو، تو انسان مکلف نہیں "

ایک سالک صادق نے نماز میں گاہے انتشار واقع ہونے کا گلہ کیا۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے حکیمانہ و مشفقانہ انداز میں تحریر فرمایا

" ایسا بے شک ہوتا رہتا ہے۔ اگر ایسا پیش نہ آیا کرے تو خضوع و خشوع کی حقیقت کیوں کر ظاہر ہو اور اسکی قدر کیوں کر

ہو، ولبضدہا تبین الاشیاء، صحت کی قدر علیل کو علالت ہی سے
ہوسکتی ہے۔ شکم سیری کی قدر بھوک ہی سے ہوسکتی ہے
حالت کی یکسانی میں شے کی قدر چلی جاتی ہے۔ اس لئے یہ تغیر
احوال بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اس پر شکر کیجئے۔ اور سمجھئے۔ کہ
یہ امور غیر اختیاریہ میں سے ہے۔ اللہ جل شانہٗ کی عطا ہے۔
جب وہ دے قبول کیجئے۔ نہ دے تو گلہ نہ کیجئے۔ اس پر جو
غم ہوتا ہے وہ بھی ثواب کا موجب ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود گرز باغِ دل خلالے کم بود

اس احساس کمی اور غم پر مبارک باد قبول کیجئے۔"

غرض مستمر اور یک کیف ولون، یکسوئی نماز میں حاصل نہیں ہوتی کہ نماز
مختلف تجلیات کا محل ہے۔ اور ہر تجلی ہر رکن وفعل کے مناسب کیف وحضور
کو پیدا کرتی ہے۔ گو اس گوناگوں کیفیت پر بھی ایک خاص لون کا کیف
سرمدی چھایا رہتا ہے۔ جو عظمت وجلالتِ حق سے ناشی ہوتا ہے۔

نماز میں کیفیت حضوری اور اسکے اثرات

حقیقتِ نماز کی یافت اور اس کے جملہ باطنی آداب کا حصول اللہ جل جلالہ
کی عظمت وجلالت کے تصور، کمال وجمال ربانی وصفات الہیہ کے دھیان
اور اپنی محتاجی وافتقار بے کسی وبے چارگی کے استحضار ویقین سے
نصیب ہوتا ہے۔ جب بندے پر کیفِ حضوری، چھاتا ہے اور اللہ تبارک
تعالیٰ کی کبریائی وہیبت وجلال کی تجلی اس کے قلب پر ہوتی ہے۔ تو

وہ منقاد وپست ہوجاتا ہے اور اس پر خشوع وخضوع کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس میں تذلّل ومسکنت، عاجزی وفروتنی پیدا ہوجاتی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفاتِ جمال ونوال اس میں تبتل والحاح، ذوق و اشتیاق پیدا کردیتی ہے۔ وہ جب اپنے پروردگار کو سراپا حمد وعطا، جود وسخا، ہمہ خوبی ومحبوبی پاتا ہے تو' اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ' اس کے دل کی صدا اور اسکی روح کی پکار بن جاتی ہے۔ 'عبدیت وعبودیت' کے جذبات زندہ ہوجاتے ہیں۔ غنی مطلق کے سامنے سرافگندگی اپنے عجز وفقر کا اعتراف اس کا حال ہوجاتا ہے۔ اور ہر ایک سے کٹ کر اسی ذات بے ہمتا میں مشغول ہوجاتا ہے۔ جس سے مناجات بے تاب روح کا قرار اور جس میں اشتغال بے چین دل کا سکون ہے۔ غرض کیفیتِ حضوری' یا 'حضورِ قلب' کی نعمت نماز کے جملہ باطنی فضائل ومزایا کی کلید ہے۔ جس پر کیفیت احسانی کا دروازہ کھل گیا۔ وہ احسان ربانی کے حصہ وافر سے بہرہ مند ہوگیا۔ نماز عبدیت کی جان کیفیتِ احسان ہے۔ حدیث جبرئیل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کے استفسار پر کہ احسان کیا ہے۔ ارشاد فرمایا تھا۔

اَن تعبد اللہ کانّک تراہ	اللہ کی عبادت ایسی کرو کہ گویا تم اسے
فان لم تکن تراہ فانہ	دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اس کو
یراک (مشکوٰۃ بحوالہ مسلم کتاب الایمان)	نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کو نقل فرما کر ایک سالک کو

ارقام فرماتے ہیں:

اب خواہ ہم بادشاہ کو دیکھ رہے ہیں. یا وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں کا حاصل ایک ہے کہ ہم اپنی نماز کو پورے خضوع، آداب اور انہماک کے ساتھ ادا کریں۔ نماز کے الفاظ یا معنیٰ پر نظر رہنے سے حضور ہو جاتا ہے۔ اور یوں سمجھئے کہ لفظ اللہ آپ کے قلب پر لکھا ہے۔ ادھر خیال جمائے رکھیئے" (تذکرہ صفحہ ۲۱۷)

'کیفیت احسانی' کا حصول حقیقتِ صلوۃ کی یافت کا مؤثر ذریعہ ہے اس لئے جس قدر رویتِ حق، سماعتِ حق، معیتِ حق، اطلاعِ حق کا یقین و استحضار ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ پر میرا ظاہر و باطن، جسم و روح، قلب و جوارح کلیتہً عیاں اور میرے دل کی نیتیں اور کیفیات اور اعضاء کے اعمال و افعال کھلے ہوئے اور نمایاں ہیں۔ حضور و احسان کی کیفیت میسر آکر نماز جاندار اور حقیقت والی بنے گی۔ اس لئے طالبین کو اپنی نماز کی تکمیل و تحسین کے لئے اولاً حضور اور دھیان کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور یہ حضور و دھیان سالکین کے مدارج باطنی کے بقدر متفاوت ہوگی۔ اور اس کے حصول کیلئے اندرونِ صلوۃ و بیرونِ نماز میں مراقبۂ ربانی کی مشق کی ضرورت ہوگی۔

نماز میں حضور و احسان کے حصول کی ترکیب

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت اس مشق و کوشش کے نتیجے پر عادتاً ہر شخص کو اس کے ظرف و استعداد و صلاحیت کے مناسب حضور عطا فرما دیتی ہے۔ حضرت والا اقدس سرّہٗ تحریر فرماتے ہیں:۔

"نماز میں استحضار اور خشوع و خضوع کے حصول کیلئے کوشش چاہیئے۔ اور اُس کیلئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ معانی ادعیہ و سورۂ قرآنی جو پڑھے اُن پر نظر رہے۔ اور ہر لفظ ارادہ سے نکلے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بتوجہ کثرت ذکر کا اہتمام رہے اس سے انشاء اللہ تعالیٰ مطلوب حاصل ہوگا" (تذکرہ صفحہ ۲۹۴)

ایک سالک کو ارقام فرماتے ہیں؛

" ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولا پر نظر رہے۔ اور نماز کی تحسین اور آراستگی کا پورا خیال رہے...... نماز کی تحسین کے معنٰی یہ ہیں۔ کہ نماز کے سارے آداب مستحسن طریقے سے ادا ہوں۔ اور سنن کا لحاظ رکھا جائے۔ ارکان کے ادا کرنے میں تعدیل ہو۔ رکوع و سجود کی تسبیحات تین سے زیادہ بڑھائی جائیں۔ مسنون وقت کا خیال رکھا جائے۔ نماز میں اعتدال اور حضور قلب کی کوشش ہو

ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کیلئے لفظ کی طرف اور متوسط معنٰی کی طرف اور منتہی ذات بحت کی طرف توجہ کرے"

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں؛

" (بندہ کا نماز میں) یہ تصور (ہونا چاہیئے) کہ بندہ اپنے آقائے حقیقی کے سامنے کھڑا ہے۔ اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ اس

کا اثر یہ ہو۔ کہ قلب میں سکون اور جسم میں پستی اور تواضع کی شان پیدا ہو۔"

ایک طالب کو لکھتے ہیں:۔

"قلب کی (غیر میں) مشغولی کے سبب (نماز میں) یہ سہو واقع ہوتا ہے۔ نماز میں صرف نماز کے ارکان اور قرأت اور ادعیہ کی طرف توجہ رکھی جائے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کا معمول کیجئے۔ تاکہ قرأت صحیح ہو۔"

ایک سالک کو تحریر فرمایا:۔

"حضور قلب کا حصول ذکر و شغل کی ترقی کے ساتھ ہوتا جائیگا۔ انشاء اللہ، قلب کو افکار سے خالی رکھنا چاہیئے۔ تاکہ اس میں نور الٰہی بھرے۔ (تذکرہ ص۱۷۳)

ایک مسترشد خاص نے استفسار فرمایا:۔

" اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کی باتیں کرنے اور سننے میں جو لطف آتا ہے۔ وہ نماز اور دیگر اعمال میں باقی نہیں رہتا"

حضرت الشیخ نور اللہ مرقدہ نے کیا حکیمانہ جواب مرحمت فرمایا:

"جی ہاں! اس گفتگو میں تھوڑا سا حظ نفس بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک کہتا ہے دوسرا سنتا ہے۔ اور نماز و عبادت میں یہ صورت نہیں ہوتی مگر اہل دل جن کو نماز گویا عبد و معبود میں مکالمہ محسوس ہوتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"وجعلت قرة عینی فی الصلوٰۃ" میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے (تذکرہ ۳۲ا)

انہیں کو ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں:

"(تہجد کی نماز میں) دل میں تصور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سے باتیں ہو رہی ہیں۔" (تذکرہ ۳۹)

ایک خادم کو ارقام فرماتے ہیں:

"اس (اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جاننے کے) مراقبہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا جو ایمان ہے وہ عملاً نمایاں ہو۔ اب آپ آگے بڑھیں۔ اب یہ کوشش کیجئے۔ کہ نمازوں میں یہ خیال قائم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ نیت کرتے وقت دل میں یہ توجہ کیجئے کہ بندہ اب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے۔ قرأت قرآن اور تسبیح رکوع و سجود میں ایک ایک لفظ پر ارادہ ہو اور سمجھ کر لفظ ادا ہو۔"

طلب حضوری[1] اور تحسینِ صلوٰۃ کی ان ہدایات پر جب طالب کاربند ہوتا ہے۔ تو توفیقہ تعالیٰ ہر ایک اپنی استعداد و محنت کے بقدر حقیقت صلوٰۃ اور اسکے آداب باطنی سے نواز دیا جاتا ہے۔ جب بندہ پر اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کا حال چھاتا ہے تو نماز کی ہر حرکت کیفیت احسانی سے پر نور ہو جاتی ہے۔ اعمال صلوٰۃ اعتدال پر آجاتے ہیں۔ خشوع و خضوع تذلل و ابتہال کی کیفیت خود بخود پیدا ہونے لگتی ہے۔ تکمیل نماز کا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے اور نمازی ایک ایک رکن توجہ و دھیان سے سنوار سنوار کر ادا کرتا ہے۔ الفاظ کی ادائیگی عادۃً نہیں ہوتی بلکہ ہر لفظ معنی کو سمجھ کر ارادہ سے کرنے کا اہتمام ہونے لگتا ہے۔

---

[1] حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا شعر ہے۔
حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی
آ دل میں میرے چھپ جا، اے صورت جانانہ

رغبت ورہبت تبتّل و مناجاتِ رب کی کیفیت نصیب ہوجاتی ہے اور نمازی 'فراغ قلبی' کے اس مقام پر فائز ہوجاتا ہے۔ جہاں 'مستور ازل' کی جلوہ سامانیوں میں کوئی حائل نہیں ہو پاتا۔ عبدیت و عبودیت 'مکالمہ و مناجاتِ' ربّانی کے اس مقام کو پالیتی ہے۔ جو 'مومن کا معراج' اور اس عالم میں قرب حق کی غایت قصوئی ہے نماز کی حلاوت راحتِ جان اور سکونِ دل اور آنکھ کی ٹھنڈک بن جاتی ہے۔ سیّدی قدس سرہٗ فرماتے تھے:

"سجدہ میں ایسا لطف و مزا آتا ہے۔ گویا اماں کی گود میں سر رکھ دیا ہے۔"

حضرتؒ ارشاد فرماتے ہیں:

سجدہ میں جہاں سر ہے گویا وہ ترا در ہے ۔ کیا کیا نہ کہا تجھ سے پایا جو سراپا گوش
حاصل ہے تصور میں کیفیت معراج ۔ کیا کیا نہ مزہ پایا، پایا جو ہم آغوش
خوش نمی آید سجودِ بے حضور ۔ فی صلوٰۃٍ خاشعونم آرزوست

نماز میں تفاوتِ حضور

اقامتِ نماز کا موضوع یاد الٰہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ-۱) اور قائم رکھ نماز کو واسطے میری یاد کے

اسلیئے نماز کے جزو کل صورت و حقیقت میں اشتغال 'ذکر' ہی ہوگا۔ اس لئے جو شخص متعلقات نماز اور اس کے مالہ وماعلیہ کی طرف متوجہ رہے گا۔ یہی سمجھا جائیگا۔ کہ اسے نماز میں حضور حاصل ہے۔ مثلاً مبتدی اگر الفاظ و ارکان کی طرف متوجہ رہتا ہے اور ان کے سنوارنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اسے نماز میں شاغل سمجھا جاتے گا اور کہا جائیگا کہ اسے اپنی استعداد کے بقدر نماز میں حضور میسر ہے۔ اسی طرح متوسط کا حضورِ صلوۃ' ارکان کے اعتدال کے ساتھ معنیٰ کا دھیان ہے۔ اور منتہی کیلئے حضور ذات بحت اور صفات باری تعالیٰ کے استحضار قوی کے ساتھ ارکان کی تعدیل وتحسین ہے

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کے لئے لفظ کی طرف متوسط معنی کیطرف اور منتہی ذات بحت کی طرف توجہ کرے"

احادیث سے بھی یہ متبادر ہوتا ہے کہ نماز کی طرف توجہ بھی کفایت کرتی ہے۔ چنانچہ حدیث کے لفظ ہیں:

ما من مسلم یتوضأ فیحسن	جو مسلمان اچھا وضو کرے پھر
وضوءہ ثم یقوم فیصلی	اٹھے اور دو رکعت نماز اسطرح
رکعتین یقبل علیھا بقلبہ	پڑھے کہ ان (دو رکعتوں یعنی نماز

و وجھہ الا وجبت لہ الجنۃ کی طرف اپنے دل و دھیان سے متوجہ ہو تو

(کنز العمال بحوالہ مسلم وابوداؤد ج۱۶ ص ۲۲۶ بروایت عقبہ ابن عامر) اسکے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

یقبل علیھا سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے مالہ وماعلیہ میں مشغول و متوجہ ہوگا۔ تو یہ بھی اس کے لئے کافی ہوگا کہ یہ حضور حق کا ہی بدل سمجھا جائے گا۔ گو جیسا کہ دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجہ نماز میں دھیان رب ہی ہے۔

نماز میں استحضار عطیہ الٰہی ہے جسکی طلب و کوشش ضروری ہے حصول و یافت لازم نہیں

یہاں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ * کیفیتِ حضوری، دیگر احوال و کیفیات کی طرح غیر اختیاری اور محض عطیہ الٰہی ہے۔ اسکی طلب و کوشش کا تو انسان مکلف ہے۔ لیکن اسکے حصول و یافت کا انسان مکلف نہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کیا پر حکمت الفاظ میں اسکی تشریح فرماتے ہیں *۔

نماز میں دل لگنا یا نہ لگنا اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اور جو چیز بندہ کی اختیاری نہیں۔ وہ اس کا مامور بھی نہیں۔ بندہ پر اپنی طرف سے دل لگانے کی کوشش ہے، جو اختیاری ہے۔ جس طرح مریض کا کام دوا کا پینا ہے۔ جو اس کے اختیار میں ہے شفا کا حصول نہیں جو اس کے اختیار سے باہر ہے۔ نماز میں استحضار اور خشوع و خضوع کے حصول کیلئے کوشش چاہیئے۔ اور اس

کیلئے دو باتیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ معانیِ ادعیہ و سُوَرِ قرآنی جو پڑھے۔ ان پر نظر رہے۔ اور ہر لفظ ارادہ سے نکلے دوسری بات یہ ہے کہ بتوجہ کثرتِ ذکر کا اہتمام رہے۔ اس سے انشاء اللہ مطلوب حاصل ہوگا۔ یعنی یہ نسخہ ہے۔ جس سے شفا کی امید ہے مگر شفا کا ہوجانا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار اور بخشش کی بات ہے۔ مگر جس طرح عادت الٰہی یہ جاری ہے۔ کہ عموماً صحیح نسخہ کے استعمال کے بعد شفا عنایت فرماتے ہیں ایسے ہی اس طریقہ سے نماز میں استحضار و خضوع بفضلہ حاصل ہوجاتا ہے، اور اگر کوشش کے بعد بھی حاصل نہ ہو تو بندہ کے لئے یہ محرومی انشاء اللہ مضر نہیں طمانیت رکھیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا " (تذکرہ ص۲۹۴)
بہرحال عادت الٰہی یہی ہے کہ طالب کو محروم نہیں فرماتے اور کوشش کرنے والے کو نواز ہی دیا کرتے ہیں ؎

تو مگو مارا بآں شاہ بار نیست ــــ با کریماں کارہا دشوار نیست
گر نشینی بر سر کوئے کسے ــــ عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

طلب و کوشش شرط ہے ۔ عطائے رب بہانہ چاہتی ہے۔ جو سعی و اہتمام کرے گا پا ہی لے گا۔ تاہم اگر حکمتِ رحمانی میں یہ بات مقدر نہ ہو۔ تو طالب کو دلگیر نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ ایسی حالت میں مجاہدہ کا مزید ثواب ہے۔

نماز میں لذت وسرور

نماز میں لذت وسرور مکالمۂ حق اور 'تصورِ حضوری' اور 'فرائض عبودیت' کی بجا آوری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک حقیر و بے نوا انسان کی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ قدس وجلال میں حاضری اور عرض نیاز کیف و سرور کا جو عالم اپنے میں رکھتا ہے۔ وہ 'عبدیت'[1] کے امام سید الانبیاءؑ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے ظاہر ہے

جعلت قرة عيني في الصلوٰة — میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے

(کنز العمال بحوالہ طبرانی فی معجم الکبیر ص۶۳ ج۴ و کنز العمال بحوالہ ابوداؤد و سنن بیہقی ص۶۶ ج۴)

یا بلال اقم الصلوٰة ارحنا به — اے بلال نماز کو (اذان دیکر) قائم کرو اور اس سے مجھے راحت پہنچاؤ۔

(کنز العمال ص۶۴ ج۴ مسند احمد، ابوداؤد)

تاہم لذت وسرور مقصود بالذات نہیں، عطیہ الٰہی ہے جملہ غیر اختیاری امور کی طرح اگر حاصل ہو باعثِ تسلی و برکت اور محمود ہے۔ اور اگر

---

[1] خاصانِ خدا کے ایک فرد فرید عثمان ہارون اپنی کیفیتِ عبدیت کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں

بہر قتلم چو کشد تیغ نہم سر بسجود — او بنازے عجبے من بنیازے عجبے

حاصل نہ ہو۔ تو اس کے درپے نہیں ہونا چاہیئے کہ ثواب وقرب میں اصلاً اسے کوئی دخل نہیں۔

ایک سالک نے لکھا:۔

"تقریباً پندرہ روز سے نماز میں وہ سرور اور کیف نہیں جو اس سے پیشتر تھی (ملخصاً)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا:۔

"اس راہ میں ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اسکی کچھ فکر نہ کیجئے۔ یہ سرور ولذت ہمارے آپ کے اختیار کی چیز نہیں۔ اور جو امور اختیاری نہیں۔ ان کے درپے نہ ہوئیے۔ ارتکاب معصیت، صحبت ناجنس اور غفلت نہ ہو۔ اس کا علاج استغفار کی کثرت ہے اور بہت نافع ہے۔

ایک طالب نے لکھا:۔

"تہجد میں پہلا سا مزا، گریہ اور دعا کی کیفیت نہیں۔ ایسے بحمداللہ پڑھ لیتا ہوں۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا:۔

"خوشی کی بات ہے کہ آپ تہجد پڑھتے ہیں۔ پہلے جو کبھی تہجد کا موقع ملتا تھا۔ اس وقت دعاء وگریہ جو ہوتا تھا وہ کبھی کبھی پڑھنے کی وجہ سے تھا۔ اب ملاومت سے پڑھنے پر جو وہ کیفیت روزانہ نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یہ ایسی ہی (بات) ہے کہ جس کو کبھی کبھی پلاؤ کھانے کو ملتا ہے۔ تو اس کو اس میں بہت مزہ ملتا ہے۔ لیکن جب وہی غذا کسی کو روزانہ ملنے لگے تو وہ مزا اس کو نہیں ملتا۔ مساوات ہوجاتی ہے۔ پھر گریہ سے تہجد کی مداومت ہزار درجہ بہتر ہے اور شکر کے قابل ہے۔

ایک سالک کو لکھتے ہیں:۔

"حصول لذت محمود ہے مگر مقصود نہیں۔ اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔ وہ خود سے آئے گی...... سالک کو بڑا دھوکا ذوق وشوق ولذت کا ہوتا ہے۔ سو اس کو پوری طرح سمجھ لیجئے کہ یہ چیزیں آثار محمودہ ضرور ہیں مگر مقصود نہیں۔ ان کا منشاء اسی قدر ہے کہ کام میں جی لگتا ہے۔ اور آسانی ہوجاتی ہے۔ مگر اسکو قرب ورضا اور حصول ثواب میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ یہ امور غیر اختیاریہ میں ہیں اور امورِ غیر اختیاریہ نہ مطلوب ہیں اور نہ مقصود، دوا کا اعلیٰ مقصود صحت بخشی ہے۔ خوش ذائقگی اور لذت نہیں۔ جب انسان کے بدن میں صحت آتی ہے تو طاقت اور کھانے کی لذت خود آجاتی ہے۔ اس کے لئے الگ دوا کی حاجت نہیں۔ نماز کو اپنی طرف سے پورے ظاہری و باطنی آداب اور خضوع وخشوع کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ جس قدر حاصل ہے اس پر شکر کیجئے۔ اور آئندہ کیلئے

ہمت کیجئے اور دعا کیجئے۔"

ایک مسترشد کو جس نے لکھا تھا کہ:

"گاہے گاہے (نماز و عبادت وغیرہ میں) لذت محسوس ہونے پر فرحت ہوتی ہے"

حضرت والا رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا:۔

"یہ لذت و فرحت مبارک جو گو بالذات مقصود نہیں۔ لیکن محمود ہے۔ فالحمدللہ۔"

مولانا رومیؒ اور اسرار نماز

حضرت مولانا رومیؒ کی مثنوی' اسرار و رموز' معارف و حکم اسلامیہ کا سدا بہار اور عظیم الشان خزینہ ہے۔ نماز اور ارکان نماز کے بارے میں اپنے خاص رنگ میں دقوقی کے قصہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

پیش در شد آن دقوقی در نماز　　قوم ہمچوں اطلس آمد او طراز
چونک با تکبیرہا مقرن شدند　　ہمچو قرباں از جہاں بیروں شدند
معنی تکبیر انیست ای امیم　　کہ خدا پیش تو ما قرباں شدیم
وقت ذبح اللہ اکبر می کنی　　ہمچنیں در ذبح نفس کشتنی
تن چو اسماعیل و جان ہمچوں خلیل　　کرد جان تکبیر بر جسم نبیل
گشت کشتہ تن ز شہوت ما و آز　　شد ببسم اللہ بسمل در نماز
چوں قیامت پیش حق صفہا زدہ　　در حساب و در مناجات آمدہ
ایستادہ پیش یزداں اشک ریز　　بر مثال راست خیز رستخیز

حق همیگوید چه آوردی مرا   اندریں مہلت کہ دادم من ترا

عمر خود را چه پایاں بردهٔ   قوت و قوت در چه فانی کردهٔ

گوہر دیده کجا فرسودهٔ   پنج حس را در کجا پالودهٔ

چشم و گوش و ہوش و گوہرہائے عرش   خرج کردی چه خریدی تو ز فرش

ہمچنیں پیغام ہائے دردناک   صد ہزاراں آید از یزدانِ پاک

در قیام ایں گفتہا دارد رجوع   وز خجالت شد دوتا او در رکوع

قوت استادن از خجلت نماند   در رکوع از شرم تسبیحی بخواند

باز فرماں می رسد بردار سر   از رکوع و پاسخ حق بر شمر

سر برآرد از رکوع آں شرمسار   باز اندر اوفتد آں خامکار

باز فرماں آیدش بردار سر   از سجود و واده از کرده خبر

سر برآرد او دگر ره شرمسار   اندر افتد باز در رو ہمچو مار

باز گوید، سر برآرد بازگو   کہ بخواہم جست از تو مو بمو

قوتِ پا ایستادن نبودش   کہ خطابِ ہیبتے بر جاں زدش

پس نشیند قعده زاں بار گراں   حضرتش گوید، سخن گو با بیاں

نعمتت دادم، بگو شکرت چه بود   دادمت سرمایه، ہیں بنمائے سود

چوں نه سرمایه بود او را نه سود   شافعے خواہد کہ آرد عذر زود

رو بدستِ راست آرد در سلام   سوئے جانِ انبیاء و آں کرام

یعنی اے شاہاں شفاعت کایں لئیم   سخت در گل ماندش پا و گلیم

انبیاء گویند روزِ چاره رفت   چاره آنجا بود و دست افزار رفت

رو بگرداند بسوئے دستِ چپ   در تبار و خویش گویندش کہ خپ

ہیں جوابِ خویش گریا کردگار ... ماکہ ایم اے خواجہ دست از مابدار

از ہمہ نومید شد مسکین کیا ... پس برآرد ہر دو دست اندر دعا

کز ہمہ نومید گشتیم اے خدا ... اول او آخر توئی و منتہا

در نماز ایں خوشش اشارتہا بہ بیں

تا بدانی کایں بخواہد شد یقین

(مثنوی معنوی دفتر سوم ص ۴۸۹، ۴۹۰ مطبوعہ ایران)

غرض نماز کو جب اس کے آداب کی رعایت سے ادا کیا جائے گا تو انشاء اللہ اس کے ثمرات عاجلہ و آجلہ مل کر رہیں گے۔ حدیث شریف ہے :-

الصلوٰۃ میزان فمن اوفی استوفی۔ ... نماز ترازو ہے جس نے پورا تولا اس کیلئے پورا تولا جائیگا

(کنز العمال ص ۶۳ جلد ۴ بحوالہ شعب الایمان للبیہقی)

نماز پر ان طویل مباحث سے نماز کی اہمیت و حکمت و حقیقت واضح ہے۔ حاصل صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقت نماز سے حصہ عطا فرمائے اور وہ نماز میسر آئے جو معراج المومنین ہے۔ اور جس کے متعلق آتا ہے۔

ان فی الصلوٰۃ شغلا ... نماز میں اور ہی مصروفیت ہوتی ہے

(کنز العمال ج ۴ ص ۶۲ بحوالہ سنن بیہقی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تلاوت قرآن

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام، ہدایت ربانی کا آخری پیام الٰہی نوامیس و قوانین، اوامر و احکام کا مجموعہ ہے۔ یہ کتابِ مبین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ، خزینۂ معارف و حقائق، گنجینہ علوم و دقائق، سراپا ہدایت و رحمت، نور و برکت ہے۔ دلوں کی شفا و جلا، روحوں کی روشنی و پاکی، ذہنوں کی صفائی و تابناکی، عقلوں کی ہشیاری و تابندگی انسانوں کی رہنمائی و تق رسانی اسی ایک کتاب سے وابستہ اور قائم ہے یہی صحیفہ آسمانی تا قیام قیامت بنی آدم کے جملہ معاش و معاد کے مسائل و مہمات، مصالح و مفادات کا حامل و کفیل قیم و نگراں ہے۔ جملہ صحفِ الٰہیہ اور علوم انبیائی کا موجز و معجز نگہبان، و مجموعہ یہی نوشتہ ہے

اسکی تلاوت مفتاحِ قلوب، سببِ انشراح صدور، باعثِ نزولِ برکات و ہدایت اور افزائشِ نور و سرور و تقویتِ ایمان و یقین ہے اس میں غور و تدبر معرفت ربانی کا ذریعہ، رضا و قرب حقانی کا وسیلہ

اور کاشف اسرار و حکم اور رموز و معارف ہے۔ اس پر عمل وصول الی اللہ کا واحد و اقرب طریقہ، انسانیت کی فوز و فلاح، نجات و کامیابی کا تنہا راستہ اور تہذیبِ قلوب و تطہیرِ نفوس کی کامل راہ ہے۔ حق یہ ہے کہ قرآن "قرآن" ہے۔ اور انسانی تعریف و ثنا سے بالا، اپنے حسن و جمال، کمال و یکتائی میں اپنی نظیر آپ ؎

خود ثنا گفتن زمن ترکِ ثنا است

زیں دلیل ہستی و ہستی خطا است[1]

قرآن کریم اپنی علو شان، گوناگوں فضائل و کمالات، جلالت و عظمت کی بنا پر اپنے سے کامل استفادہ اور ہدایت یابی کے لئے شرائط کو چاہتا ہے۔ خود قرآن کریم ان شرائط و آداب کا مختلف مقامات پر بیان فرما دیتا ہے۔ استقصا مقصود نہیں۔ تبرکاً و مثالاً چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱:- إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ۔	اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے۔ جس کے پاس فہیم، دل ہو یا وہ کم از کم، دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان ہی لگا دیتا ہو۔
(ق۔۳)	

---

[1] عارف آلہ آبادی نے کہا ہے ؎

داد قرآن کی نہ دو بھائی عمل اسپر کرو

پیش خدا داد کی حاجت کیا ہے

١٢۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف - ٢٤)

اور جب قرآن پڑھا جایا کرے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو۔ اور چپکے رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

١٣۔ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف - ٢٤)

یہ دلیلیں ہیں۔ تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت و رحمت ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

١٤۔ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ (ق-١)

جو ذریعہ ہے بینائی اور دانائی کا ہر رجوع ہونیوالے بندے کیلئے۔

١٥۔ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ (المومن-٢)

اور نہیں نصیحت پکڑتا مگر جو رجوع کرتا ہے۔

١٦۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ .... وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ابراہیم-٧)

یہ (قرآن) لوگوں کیلئے احکام کا پہنچانا ہے .... اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

١٧۔ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (ال عمران - ١٤)

یہ بیان کافی ہے تمام لوگوں کے لئے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنیوالوں کیلئے۔

١٨۔ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس - ٦)

اور رہنمائی کرنے والی ہے۔ اور رحمت ہے (اور ذریعہ ثواب ہے) ایمان والوں کیلئے۔

۹۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ

یہ آیتیں ایک پر حکمت کتاب کی ہیں جو کہ ہدایت اور رحمت ہے نیک کاروں کے لئے

۱۰۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (زمر-۳)

اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے۔ جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دھرائی گئی ہے۔ جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور دل نرم (اور منقاد) ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(یعنی ڈر کر اعمال جوارح و اعمال قلب کو انقیاد و توجہ سے بجا لاتے ہیں۔ تھانوی)

۱۱۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ

(انفال-۱)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں۔ اور جب اللہ کی آتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں۔ اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں

۱۲۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد-۳)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن فہمی اور اس سے اثر پذیری کے مختلف مدارج کے لئے کم از کم مندرجہ ذیل شرائط و اوصاف ضروری ہیں[1]

(۱)۔ ایمان و یقین ۲۔ کامل توجہ سے استماع قرآنی (۳) دل کا تیقظ و بیداری

۴۔ انابت ۵۔ حواس کی موجودگی اور حضور کی کیفیت ۶۔ عقل و فہم

۷۔ تقویٰ ۸۔ خشیت ۹۔ نیکوکاری ۱۰۔ تاثر و اثر پذیری ۱۱۔ تدبر و غور

قرآن کریم کی تلاوت و استماع میں جس قدر یہ صفات موجود ہوں گی۔ دل متاثر ہوگا۔ ہدایت کی راہیں کھلیں گی۔ احکام پر چلنا آسان ہوگا۔ قرآن کے انوار و برکات سے سینہ روشن ہوگا۔ حقائق و معارف قرآنیہ کا فیضان ہوگا قرآن کی تاثیر رگ و پے میں سرایت کرتی جائیگی اور ظاہر و باطن قرآنی اثرات کو قبول کرکے منقاد، اور اوامر قرآنی کا تابع ہو جائے گا۔ رفتہ رفتہ قرآن ہی ہمارے قلب کا نور، ہماری روح کی قوتِ متحرکہ، ہمارے اعمال کا کا اساسی نکتہ، ہمارے اخلاق کا مرکز اور ہماری زندگی کا محور بن جائیگا۔

قرأت و تلاوت اور استماع قرآنی کے حقوق کی ادائیگی ہیں

---

[1] یہاں قرآن کریم کے فہم کیلئے ان ظاہری شرائط سے بحث نہیں جن کا بدیہی ہونا ہر فہیم شخص کیلئے مسلمات میں ہے مثلاً (۱) عربی زبان و لغت اور اس کے متعلقہ جملہ علوم کا احتواء۔

(۲) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآنی مطالب و تفاسیر کا علم۔

۳۔ صحابہ و تابعین اور آئمہ تفسیر کے آراء علم وغیرہ

اصول تفسیر کی کتابوں میں ان کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ (اشرف)

قرآن کریم سے متخلق اور اعمال قرآنیہ سے منور بنا دے گی۔ کہ یہ نور مبین، جتنا سرایت کرتا جائیگا، ہمیں سراپا 'انوار' حق و باطل کے لئے امتیاز و 'فرقان' اور اپنی استعداد کے بقدر مجموعہ اعمال و اخلاقِ 'قرآن' بناتا چلا جائیگا بقول العارف الرومی

ہر چہ کاہ و جو خورد قربان شود ہر کہ نور حق خورد فرقان شود (رومی)

اقبال نے 'مومن' کے متعلق اچھا کہا ہے

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق پوچھا گیا۔ کہ وہ کیسا تھا۔ آپ نے فرمایا:

کان خلقه القرآن[1] آپ کا اخلاق قرآن تھا۔

قرآن کریم کی فہم اور اس سے اثر پذیری کیلئے جن شرائط و اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر ایمان کے بعد دو صفات سے ناشی ہیں۔

(۱) اخلاص (۲) احسان

اخلاص تو جان عمل ہے۔ اور صفتِ احسان کا کمال انسان میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور دگر صفاتِ حسنہ کا دھیان و استحضار پیدا کرتا ہے۔ اس استحضارِ صفاتِ الٰہی سے انسان پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت و کبریائی، محبت و خشیت چھا جاتی ہے۔ اور معرفت و عرفان رب کے دروازے

---

[1] الدر المنثور ص۲۲ ج ۵ بحوالہ البخاری فی الادب المفرد والنسائی وابن المنذر والحاکم وصحہ وابن مردویہ والبیہقی فی الدلائل

کشادہ ہوجاتے ہیں۔ جس کا منطقی لازمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی عظمت ومحبت ہے کہ نفسیات کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ متکلم کی عظمت کے بقدر اسکے کلام کی بڑائی وتاثیر ہوا کرتی ہے۔ پس متکلم ازل جلّ جلالہ وعمّ نوالہ کے کلام کی وقعت وقیمت بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت وعظمت اور اسکی صفات کی یافت و استحضار کے بقدر ومطابق ہوگی۔ غرض صفت احسان، کی حقیقت جب سالک کا حال بن جاتی ہے۔ تو محبوب ازل کا کلام سرمدی اسکی روح کی غذا، اسکے دل کا چین، اسکی آنکھ کا نور بن جاتا ہے۔ اور یہ نور الٰہی بندہ کے رگ وپے کو اپنی تاثیر سے روشن وجاندار کردیتا ہے۔ قلب و روح کو کلام الٰہی کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہوجاتی ہے۔ اسکی تلاوت وفہم اس میں تدبر و غور، دل و دماغ کا وظیفہ بن جاتا ہے۔ اور اعضاء وجوارح اس پر عمل کیلئے منقاد و تابع ہوجاتے ہیں۔ تلاوت واستماع قرآنی میں کامل توجہ، دل کا تیقظ و بیداری حواس کا اجتماع، تدبر وتفکیر، انابت وخشیت اور دگر صفات مطلوبہ لازماً وجود میں آنے لگتی ہیں۔ اور صفت احسان اور استحضار صفات ربّانی کے گہراؤ اور گیراؤ کے مطابق ان صفات میں عمق و وسعت پیدا ہوتی جاتی ہے[1]

---

[1] قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی ابتدا اللہ تبارک وتعالیٰ کی مختلف صفات کے تذکرہ سے ہوتی ہے۔ شاید صفات کا تذکرہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور منزلِ قرآن کی استحضار صفات کی تازگی وقوت کیلئے ہو دیکھئے سورہ الزمر، المومن، حٰم السجدہ الشوریٰ۔ الجاثیہ، الاحقاف وغیرہ۔

غرض جس طرح ہر عمل میں جان اخلاص و احسان سے پڑتی ہے اسی طرح قرآن کریم کے برکات و انوار، تاثیر و ہدایت کا کمال بھی اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب اخلاص و احسان کی کیفیت کے ساتھ تلاوت کی جائے۔ تلاوت کے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کے قرب و حضور کا دھیان اس طرح چھایا ہو کہ انہیں انکی جملہ صفات کے استحضار کے ساتھ حاضر و ناظر سمجھا جا رہا ہو اور ان کا کلام ان ہی کو سنایا جا رہا ہو۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:۔

"قرآن شریف کی تلاوت اس سکون[1] اور استحضار سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں۔ اور آپ ان کو سنا رہے ہیں۔"

ایک صاحب کو تحریر فرماتے ہیں:

"قرآن پاک اس تصور سے پڑھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری تلاوت کو سن رہے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اسکو سماعت فرما رہے ہیں تو ہم کو کس ذوق و شوق سے پڑھنا چاہیئے۔ اگر یہ تصور ہو کہ ہمارا محبوب ہماری فریاد کو پاس کھڑا اپنے کانوں سے سن رہا ہے تو اس فریاد کی لے کیسی پر لذت ہو گی ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے

---

[1] یہ بات ذہن میں رہے کہ "سکونِ قلب و جوارح ہی خشوع کی شرعی حقیقت ہے جس پر نماز کے سلسلے میں گفتگو ہو چکی ہے۔

کلام اللہ اپنی تاثیر میں خارجی عوامل کا محتاج نہیں۔ محض اسکی تلاوت کا بھی حق اگر ادا کر دیا جائے تو دلوں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ سالکین کے لئے روزانہ کی تلاوت (جس قدر ہو سکے) ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کے مکتوبات میں اس قسم کی عبارتیں ملتی ہیں:۔

"حصول ثواب کیلئے تلاوت روزانہ کی عادت الگ ڈالیئے اور یہ (باترجمہ قرآن کا) مطالعہ بھی جاری رکھیں۔"

"یہ (تلاوت قرآن کا مشغلہ) بھی ضروری ہے۔ جو مقدار طے کر لی جائے"

"ان (مختلف) سورتوں کی اس طرح تلاوت سے بہتر یہ ہے۔ کہ روزانہ نماز صبح کے بعد ایک پارہ قرآن پاک بہ ترتیب پڑھیں۔"

"قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کا معمول کیجئے۔"

"قرآن پاک روزانہ پڑھیں.... یہ بھی ضروری ہے مقدار جو طے کر لی جائے[1]"

باترجمہ و باتفسیر قرآن کی غور و فکر کے ساتھ تلاوت کی بھی تلقین فرماتے

---

[1] حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سیر افغانستان میں علامہ اقبالؒ کا تلاوت کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ تلاوت کی مناسبت سے اسے نقل کرتا ہوں۔ تحریر فرماتے ہیں:

"اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد کے ایک قصہ کے اثنا میں اپنے والد مرحوم کا ایک ایسا فقرہ سنایا جس نے میرے دل پر بے حد اثر کیا، فرمایا کہ اپنے وطن سیالکوٹ میں صبح کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ ایک صبح کہ نماز کے بعد حسب دستور میں تلاوت میں مصروف تھا۔ کہ والد مرحوم ادھر آئے اور

تھے۔ اکثر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر بیان القرآن اور بدید لطبدکو حضرت مولانا عثمانیؒ کے حواشی پڑھنے کیلئے ارشاد فرماتے تھے۔

ایک طالب کو لکھتے ہیں :-

(تلاوت مع ترجمہ) بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں۔ نیت عمل کی ہو۔

ایک دوسرے صاحب کو ارقام فرمایا :

"کیا باترجمہ تلاوت آپ نہیں کر سکتے۔ یہ موثر ہو گا"

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دریافت کیا کہ کیا کرتے ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت تلاوت کرتا ہوں۔ فرمایا جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمہارے قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اقدس پر نازل ہوا تھا تلاوت کا مزہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ جب بی۔اے پاس کرلوگے تو بتاؤں گا۔ کچھ دنوں کے بعد جب انہوں نے بی۔اے پاس کرلیا تو اس خوشخبری کے معاوضہ میں اس دن کی گفتگو کا حوالہ دے کر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی۔ مرحوم نے ان کو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں اور نوجوان بیٹے سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے ملت محمدی کی خدمت بجالاتا رہیگا۔" (سیر افغانستان ص۱۶۹)

اقبال کا ایک شعر بھی اس مضمون کا ہے۔

تیرے ضمیر پہ جبتک نہ ہو نزولِ کتاب ۔۔۔ گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دُعاء

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جن انعامات خاصہ سے انسان کو نوازا ہے ۔ان میں ایک دعا بھی ہے۔ دعا ایمان کا نشان تعلق الٰہی کی دلیل، مغز عبادت، حقیقت عبودیت، جانِ بندگی، روحِ فقر اور رونقِ درویشی ہے۔ دعا بندہ و رب کا رابطہ قویہ، مومن کا اسلحۂ بے تاب روح کی غذا، جانِ حزیں کا اقرار، زخمی دل کا مرہم، اور سوختہ سامان عشاق کی نامرادیوں کا مداوا ہے۔ دعا فقراء کا خزانہ مسکینوں کا توشہ، ناداروں کی ڈھارس لاچاروں کی تسکین، بے نواؤں کی تسلی، ضعیفوں کی قوت، راہ حق کے طلب گاروں کی ڈھال اور سالکین طریق کا زاد راہ ہے۔ دعا کا تشغف و اشتغال، اس میں الحاح وزاری، تضرع وخشوع اور ابتہال وتبتل، توحید وللہیت اور صفات الٰہیہ پر ایمان کامل او ریقین راسخ کا نتیجہ ہے۔ دعا جامع الاسباب، ام الذرائع، کلید خیر اور مطلب براری کی احسن واکمل تدبیر ہے۔ دعا دارین کی حاجات و ضروریات کے انجاح وحصول کا اقویٰ واجل سبب ہے۔ دعا درماندہ

بندہ کی اپنے رحیم و کریم آقا کے دربار میں مناجات، پکار و عرضداشت ہے۔ جس کا ہر بول بندہ اور آقا کے تعلق کو قوی سے قوی تر کرتا ہے ایک فقیر بے نوا کا سرمایہ ہی دعاء اور قوتِ دعاء ہے کہ فقر[1] کی حقیقت، ہی 'الحمید' میں سب کچھ دیکھ کر اپنی بے مائیگی، ہیچ در ہیچ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعاء و رضا، تفویض و تسلیم، عبدیت و عبودیت کے وظیفہ میں اپنی زندگی گذار دیتا ہے۔ محبوب ازل کا محب صادق اور حمید مطلق کا طالب حقیقی ہر آن قلباً و حالاً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز اس کے ساتھ مناجات و دعاء میں مشغول رہتا ہے۔ اس لئے فخر الفقراء سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا جزو کل دعاء و مناجات سے مملو ملتا ہے، کہ جس قدر حقیقتِ فقر و عبدیت میسر آئے گی۔ انسان میں تبتل اور التجاء الی اللہ اور احتیاج کی کیفیت بڑھتی جائیگی۔ صحیفہ اسلامی دعاء کی عظمت و برکت پر دال اور قصصِ انبیاء اجابتِ دعاء پر ناطق اور اسوۂ نبویہ اور احادیثِ مبارکہ دعاء کے فضائل و اہمیت پر شاہد ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] دیکھو آیت کریمہ:- يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر-۳)

(اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اکیلا بے نیاز اور سراپا ستائش ہے)

۱۱۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (المومن۔ ۶)	۔۔۔ پروردگار نے دعا کرو مجھ سے قبول کروں گا۔ واسطے تمہارے تحقیق وہ لوگ کہ تکبر کرتے ہیں عبادت میری سے شتاب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر۔

دوسری آیت ہے

۱۲۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ۔ ۲)	اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو آپ میری طرف سے فرما دیجئے میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار (دعا) کو قبول کر لیتا ہوں جب وہ مجھ کو پکارتا ہے پس ان کو چاہیئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں۔ اور مجھ پر یقین رکھیں۔ امید ہے کہ وہ لوگ رشد (فلاح) حاصل کر سکیں گے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

۱۳۔ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ (ہود۔ ۶)	تحقیق میرا پروردگار نزدیک ہے دعا قبول کرنے والا۔
۱۴۔ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ	بیشک میرا رب سنتا ہے دعا (کو)

پہلی آیت مبارکہ میں دعا کو عبادت کے مرادف قرار دیا ہے

حدیث شریف میں بھی ارشادِ نبوی ہے۔

الدعاء ھو العبادۃ　　　دعا ہی عبادت ہے

پھر آپ نے تائید میں محولہ بالا آیت پڑھی (جمع الفوائد ص۶۱۵ ج ۲، بحوالہ ابوداؤد و الترمذی)

دوسری روایت میں ہے

الدعاء مخ العبادۃ　　　دعاء عبادت کا مغز ہے۔

(جمع الفوائد ص۶۱۵ ج ۲، بحوالہ ترمذی)

دوسری مرفوع روایات میں ہے:-

"اللہ کے نزدیک دعاء سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز معزز نہیں"۔ جس کے لئے دعاء کے دروازے کھل گئے۔ اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے ...... دعاء نازل شدہ (مصائب) میں اور جو ابھی نازل نہ ہوتے ہوں سب میں فائدہ دیتی ہے۔ قضا کو صرف دعاء ہٹا دیتی ہے۔ پس دعاء کو لازم پکڑو" (جمع الفوائد ص۶۱۵ ج ۲، بحوالہ ترمذی)

شیخ الکل حضرت تھانوی قدس سرہ دعاء کے بارے میں "مناجات مقبول[1]" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو ہر قسم کے صلاح و فلاح کی

---

[1] مسنون دعاؤں کے بے شمار مجموعے قدیم زمانے سے مرتب ہوتے رہے ہیں جن میں اب تک کئی مروج ہیں۔ اور برصغیر میں الحصن الحصین الجزری اور حزب الاعظم ملا علی قاریؒ کو مقبولیت عام نصیب رہی ہے حضرت تھانویؒ کا یہ مجموعہ متداول کتابوں میں سب سے مؤخر ہے لیکن حسن ترتیب و جامعیت و ایجاز میں اپنی نظیر آپ ہے

ضرورت نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دارین کے صلاح و فلاح کے واسطے اسباب متکثرہ و ابواب متعددہ موضوع فرما دیئے کہ اہلِ حاجت ان سے مدد لیں۔ اور عقبات و مہالک سے نجات پائیں۔ ان اسباب مذکورہ میں بجز دعاء کے جتنے اسباب ہیں۔ ان کے مسببات خاص خاص امور ہیں۔ چنانچہ اسباب طبعیّہ کا (مثل زراعت و تجارت و طبابت کے) اصلی مقصود فلاح دینوی بنایا گیا ہے۔ گو بواسطہ معین دین بھی ہو۔ اور اسباب شرعیّہ کا (مثل صوم و صلوٰۃ و حج کے) مقصود بالذات فلاح دینی ٹھہرایا گیا ہے۔ گو بالعرض نافع دنیا بھی ہو۔ مگر صرف دعاء ایک ایسی چیز ہے۔ کہ فلاح دین و فلاح دنیا دونوں کے لئے بالمساواۃ ایک مرتبہ میں مشروع و موضوع ہے۔ جس سے بوجہ اس جامعیّت کے اسکی وقعت و عظمت ظاہر و باہر ہے اس لئے قرآن مجید و حدیث شریف میں نہایت درجہ اسکی ترغیب و فضیلت اور تاکید جا بجا وارد ہے ۔ ۔ ۔ ۔ (ان احادیث) سے معلوم ہوا کہ دعاء تمام تر تدبیروں اور احتیاطوں سے بڑھ کر مفید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قبل مصیبت بھی دعاء کرتا رہے۔ اسکی برکت سے مصیبت نہیں آتی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی قبولیت کی یہ بھی شکل ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے کوئی

بقیہ حاشیہ:۔ وبالناس فیما یعشقون مذاهب

اس کا مقدمہ فوائد متعددہ پر مشتمل ہے۔ اس لئے نقل کرتا ہوں

بلا ٹل جاتی ہے۔ پس دعاء کرکے خواہ قبول ہونا معلوم ہو یا نہ ہو بدگمان نہ ہونا چاہیئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز قدر و منزلت کی نہیں۔" ـــــ اور ارشاد فرمایا:

" جس کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ سختیوں کے وقت اسکی دعاء قبول فرمالیا کریں۔ اس کو چاہیئے کہ خوش عیشی کے وقت کثرت سے دعاء مانگا کرے۔"

اس سے معلوم ہُوا کہ بلا مصیبت کے دعاء مانگنے کا اثر مصیبت کے وقت مانگنے میں ہوتا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ:

" دعاء میں ہمت نہ ہارو۔ کیونکہ دعا کرتے ہوئے کوئی ضائع نہیں ہوتا" ـــــ اور ارشاد فرمایا:

" کہ دعاء مسلمان کا ہتھیار ہے۔ اور دین کا ستون ہے۔ اور آسمان اور زمین کا نور ہے۔"

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بلا زدہ قوم پر گذر ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

" یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عافیت کیوں نہیں مانگتے۔"

اور فرمایا: ـــــ " کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں جو دعاء میں اڑ جائے اور پھر اس کو عطا نہ ہو۔ خواہ سردست اس کو دے دیں یا آئندہ کے لئے جمع کر دیں۔"

اس سے معلوم ہوا۔ کہ دعاء قبول تو ضرور ہوتی ہے۔ مگر صورتیں اسکی مختلف ہیں۔ کبھی وہی چیز مل جاتی ہے۔ اور کبھی اس کے لئے جمع ہو جاتا ہے۔ اور اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ کہ کبھی اسکی برکت سے بلا ٹل جاتی ہے۔ غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے۔ لیکن باوجود اس کے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگوں کو عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس سے محض بے رغبتی و بے توجہی ہے۔ حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعاء کے ہیں۔ جیسے نماز پنجگانہ ان میں بجز آموختہ سا پڑھ لینے کے اصلا الحاح یا دلچسپی کا اثر تک نہیں پایا جاتا۔ اور یہ سمجھ کر دعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا، کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں پیش کر دینا اور بار بار التجا کرنا اپنی مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اور تکرار عرض و معروض سے روزانہ امیدیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں ۔ اگر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب بمجبوری کسی ایک آدھ کو شاذ و نادر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ بھی دعاء کے ساتھ نہیں بلکہ بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ، عمل عزیمت شروع کر دیا۔ خواہ شرع کے موافق ہو یا مخالف اور اگر کسی نے بڑی احتیاط کی اور موافقت شرع کا بھی لحاظ کر لیا تب بھی ان اعمال میں وہ برکت کہاں جو اللہ د

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دعاؤں میں ہے۔ غرض مقدمۂ دعاء میں چند کوتاہیاں واقع ہو رہی ہیں۔

اول :۔ "بدون آڑے وقت کی دعاء کی طرف توجہ نہ ہونا"

دوم :۔ "ایسے وقت میں بھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دعائیں چھوڑ کر نئے نئے وظائف پڑھنا"

سوم :۔ "بدشوقی و بے رغبتی سے دعا کرنا اور جی نہ لگانا۔"

چہارم :۔ "قبولیت کا یقین اور امنگ نہ ہونا۔"

پنجم :۔ "جلدی اور تقاضا مچانا اور ذرا توقف ہو جائے تو تنگ ہو کر چھوڑ دینا"۔۔۔۔۔

ان کوتاہیوں کے تدارک کرنے کیلئے بمقتضائے مصلحت و ضرورتِ وقت مناسب معلوم ہوا۔ کہ جو جامع دعائیں قرآن و حدیث میں وارد ہیں ان کو جمع کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کو دوسری دعاؤں پر بچند وجوہ ترجیح ہے۔

اوّل یہ کہ جب خود حاکم مضمون عرضی کا بتلا دیتا ہے۔ تو اسکی منظوری میں پھر کوئی تردد نہیں رہتا۔ اس طرح جو دعائیں اللہ تعالیٰ نے بواسطہ وحی جلی یا خفی خود تعلیم فرمائیں تو بلاشک اقرب الی الاجابتہ ہیں۔

دوسرے ان میں جس قدر دینی و دنیوی ضرورتوں کی رعایت کی گئی ہے۔ اگر ہم لوگ قیامت تک بھی سوچیں تو ممکن نہیں کہ ایسے جامع مضامین تجویز کر سکیں۔

تیسرے بعض اوقات مضمون دعا میں سوءِ ادب ہوجاتا ہے
جس سے وہ اُلٹی وبالِ جان ہوجاتی ہے......
غرض اپنی رائے اور قیاس سے مضمون معین کرنے سے اس
قسم کا احتمال اس میں رہتا ہے۔ اور جو دعائیں منصوص ہیں وہ
ان خدشات سے منزہ و مبرا ہیں اور..... افضل و اکمل طریقہ
یہی ہے کہ وہ دعائیں بعینہٖ انہی الفاظ سے پڑھی جائیں جس
طرح منقول ہیں۔"

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالی اپنے شیخ عالی مقام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مرتب کردہ مجموعہ ادعیہ "مناجات مقبول" کو بہت پسند فرماتے تھے۔ اور طالبین کو تلاوت کے بعد اس کے پڑھنے کی پیہم تلقین فرماتے تھے۔ چنانچہ مختلف طالبین کو مکتوبات میں اس قسم کی عبارات ارقام فرمائی ہیں۔

"تلاوت کریں، اور مناجات مقبول کا ایک حزب روزانہ پڑھیں"

"مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ لینا مناسب ہے بالکل اسی طرح (یعنی جیسے کتاب میں ہے) پڑھیں۔ ساتھ ہی ساتھ ترجمہ بھی پڑھ لیں"

"قرآن پاک کی تلاوت کے بعد مناجات مقبول روزانہ پڑھیں۔"

"دن میں کسی وقت ہوسکے تو قرآن پاک کی تلاوت اور دعاء مناجات مقبول پڑھا کریں"....

"بہت مبارک مناجات مقبول پڑھتے رہیں۔"

"معمولات نماز وتلاوت و دعاء (مناجات مقبول) میں سستی نہ کریں۔"

حضرت سیدی قدس سرہٗ دعاء کے آداب، الحاح وزاری، تفرع و ابتہال، خضوع وخشوع کی رعایت اور اجابت کے یقین کے ساتھ دعاء مانگنے کی تاکید فرماتے تھے۔ ایک طالب کو لکھتے ہیں۔

"گو ایک مسلمان بھائی کی دعاء دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں مستجاب ہے۔ مگر مناسب یہ ہے کہ ضرورتمند خود پورے خضوع وخشوع سے درگاہ الٰہی میں متوجہ ہوکر دعا مانگیں۔ ہوسکے تو تہجد کے بعد دعاء مانگی جاتے۔ آپ ملازمت کے امتحان کیلئے جو دعاء کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق دل میں یہ نیت کیجئے کہ طلب رزق کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اس کی تعمیل میں یہ کوشش کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ دعاء کامیاب ہوگی۔ خواہ بعینہٖ ہو یا بمثلہٖ ہو، اور ہر ایک پر بخوشی رضامند رہنا چاہیئے"

انہی کو دوسرے مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:۔

اچھی کامیابی کیلئے بدل بدرگاہ الٰہی میں دعاء ہے۔ اگر قبول ہو تو شکر کیجئے اپنے پروردگار کا۔ اور اگر خدانخواستہ نہ ہو، تو ہمت نہ ہاریئے صبر کیجئے۔ غرض دونوں حالتوں میں بندہ خدا تعالیٰ ہی سے لگا رہے۔ ماں مارتی بھی ہے تو بچہ ماں ہی کی گود سے چمٹا رہتا ہے۔"

"آپ کی کامیابی کی بدل دعاء ہے۔ لیکن دعاء کی مقبولیت کے یہ معنیٰ نہیں کہ مطلوبہ چیز بعینہٖ مل جاتے۔ کیا عجب کہ جس

کو ہم خیر سمجھ کر مانگتے ہوں۔ عالم الغیب کی نگاہ پاک میں وہ ہمارے لئے خیر نہو۔ اس لئے دلگیر نہوں، اور ہر حال میں امیدوار رہیں۔ بندہ کو یہی سمجھنا چاہیئے کہ اس کے ہاتھ میں صرف کوشش ہے نتیجہ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ تیمادار اور طبیب دوا تجویز کرنے اور پلانے کے ذمہ دار ہیں دواؤں کا مؤثر ہونا یا بنا دینا نہ طبیب کے اختیار امکان میں ہے اور نہ تیماردار کے۔ یہ صرف قادر مطلق اور شافی حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ جبر و اختیار کے مسئلہ کیلئے آپ سیرت جلد چہارم میں اس مسئلہ کا باب پڑھیں۔"

ایک سالک کو تحریر فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اغنِنی عمن سِواکَ وارزقنی عندک' نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر خضوع و خشوع کے ساتھ دعاء میں کہا کریں۔ اور بار بار کہا کریں۔" ایک مسترشد کو لکھا:

"تہجد کی نماز کے بعد درد کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ہر شب بالحاح تام اپنے لئے دعا کیجئے۔ دعاء میں خضوع ہونا چاہیئے عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد بھی دعاء خوب کیجئے اور مانگیئے۔ جو آپکے مناسب ہوگا۔ انشاء اللہ ملے گا۔ اس در سے کوئی محروم نہیں ہوا ہے۔" اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" اس کا اعلان عام ہے۔

انہیں دوسرے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں:

"جو کچھ ملتا ہے اس کو لیجئے۔ اور اس پر منعم حقیقی کا شکر ادا کیجئے۔ اور جو نہیں ملا ہے۔ اسکی طلب دعاء سے کیجیے یہ

دعاء بھی خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کی کڑی ہے۔"

"...... طمانیت قلب اور دماغی سکون کے عدم حصول کا باعث تو کوئی دینی یا دنیاوی فکر ہوگی۔ اگر دینی فکر ہے تو مبارک اور اگر دنیاوی فکر ہے تو اس فکر کا حاصل کیا ہے۔

کارساز ما بساز کار ما فکر ما در کار ما آزار ما

جو حاصل ہے۔ اس پر شکر کیجئے۔ تاکہ بموجب "لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اور زیادہ عطا ہو۔"

"...... طبعی پریشانی بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اضطرار کیساتھ دعا کریں...... میں بھی دعا کرتا ہوں۔

ایک طالب کو تحریر فرمایا؛

"جو حاجت اور ضرورت پیش آئے اس کیلئے آپ اللہ پاک سے دعاء مانگا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بے شبہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن بندہ کی سمجھ میں اس حکمت کا آجانا ضروری نہیں۔ مگر یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ کام بندہ ہی کے فائدہ کیلئے ہے"

ایک دوسرے طالب کو تحریر فرمایا؛

"دعائیں کیجئے اور قوت بھر تدبیر میں لگے رہیئے۔ آخر وقت تک ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ بھروسہ رکھیئے اس کے در سے کوئی ناامید نہیں ہوتا۔"

اسمائے حسنیٰ کے ذریعے دعا

حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ اسمائے الٰہیہ سے بھی حاجت براری کیلئے

دعا کی بعض اوقات تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ایک صاحب کو لکھا۔

"آپ قرض کی ادائی اور وسعتِ رزق کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعاءُ مانگا کریں۔ اور ہو سکے تو نماز عشاء کے بعد سو سو دفعہ یا مُغنی اور یا باسطُ کی تسبیح پڑھ کر ادائے قرض اور وسعتِ رزق کی دعاء اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگا کریں۔"

ایک طالب کو ارقام فرماتے ہیں؛

"پانچوں نمازوں کے بعد اپنی پریشانی کے دور(ہونے) اور وسعت رزق کیلئے خود دعاء کیا کریں۔ اور کوئی خاص وقت مقرر کر کے یا 'رزّاق' یا 'وھاب' پانچ سو بار اول و آخر درود کے ساتھ پڑھا کریں۔ اور یقین رکھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ موعودہ رزق ضرور عنایت فرمائیں گے۔"

ایک مسترشد خاص نے استفسار کیا کہ؛

"احقر کو کشادگی رزق یا دفع بلا وغیرہ کے اوراد و وظائف سے کچھ لگاؤ نہیں۔ البتہ دعاء میں کم و بیش دل لگ جاتا ہے۔ یہ حالت خدانخواستہ محرومی کی تو نہیں۔"

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے عجب حکیمانہ جواب مرحمت فرماتے ہوئے لکھا؛

"ان امور کے لئے عمل یعنی اوراد و وظائف سے دلچسپی نہ ہونا دل کی سلامتی اور فہم کی استقامت کی دلیل ہے مگر دراصل ان کو عمل سمجھ کر کرنے سے یہ کیفیت ہوتی ہے۔ اگر ان کو

بھی دعاء ہی سمجھا جائے تو یہ کیفیت جاتی رہے گی، مثلاً کوئی کشائش رزق کے لئے یہ بتائے کہ ' یا رزاقُ' ' یا وھابُ' 'یا باسطُ' پڑھا کرو۔ تو یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ ان ناموں کی نسبت رزق اور وسعت و کشائش سے ہے۔ تو گویا یہ اپنے رزق کی وسعت کی دعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس نام سے پکار کر جس نام کو ہماری دعاء سے مناسبت ہے! جیسے کوئی فقیر کسی دروازہ پر کھڑا ہو کر یہ کہے۔ کہ اے سخی داتا، اے سخی داتا، تو یہ بھی درخواست ہے۔ اور اس خاص نام سے پکارنا اس لئے ہے۔ کہ اس نام کے آثار کا اس کے فعل سے ظہور رہے؟

ایسے اسمائے ربّانی کے وسیلے سے دعاؤں کا مانگنا احادیث سے ثابت اور معروف ہے۔ امام ابن تیمیہ تک نے اسے جائز سمجھا ہے۔ (منہاج السنتہ صفحہ ۲۹۲ ج : ۱)

دوسروں کیلئے دعاء

ایک مسلمان کی اپنے دوسرے مسلمان کے حق میں غائبانہ دعاء مقبول و مستجاب ہے۔ اس لئے ایک دوسرے کیلئے دعاء کرنی چاہیئے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک طالب کو جسنے دعاء کی درخواست کی تھی تحریر فرمایا :

فقیر نے دعاء کی اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ گو خود جیسا ہوں ظاہر ہے۔ مگر دوسرے مسلمان بھائی کے حق میں اللہ تعالیٰ قبول فرمایا کرتے ہیں۔ یا اس سے بہتر چیز عطا کرتے ہیں۔"

ایک دوسرے گرامی نامہ میں ہے:

"جی ہاں! ہر بھائی کی دعاء دوسرے بھائی کے حق میں غائبانہ قبول ہوتی ہے..... الحمدللہ بخیریت ہوں۔ شفا دواؤں سے زیادہ بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ کے محض فضل وکرم کا نتیجہ ہے۔"

ایک مسترشد خاص کو لکھتے ہیں:

"(اہل تقویٰ سے) ضرور دعاء کرائیں، حاجت اور تکلیف کا ذکر نہ کریں۔ بلکہ صرف یہ کہیں کہ میری فلاحِ دین ودنیا کے لئے دعاء کریں۔" (تذکرہ ص۵۶)

مسترشد موصوف نے ایک خط میں اپنی اس کیفیت کا اظہار کیا کہ تواضع دوسرے کیلئے دعاء کرنے میں حائل ہوجاتی ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارقام فرمایا:

"جی ہاں یہ کیفیت ہے۔ بات تو یہی ہے (کہ ہم دوسرے کیلئے دعاء کرنے کے قابل نہیں۔ م-ا) مگر ہم اس پر مامور ہیں۔ کہ اپنے دوسرے بھائیوں کے حق میں دعائے خیر کریں۔ ہیں تو ہم ایسے ہی ناقابل مگر ربّ العلمین نے اپنی غایت کرم سے ہم کو

یہی حکم دیا ہے۔ کہ تم ہر حال میں جیسے بھی ہو دعاء کرو اور مانگو اس لئے یہ حکم بجالانا ہے۔ وہ اپنی ربوبیت اور رحمت سے قبول فرمائیں گے" (تذکرہ ص۲۲)

مضطر کی دعاء

قرآن مجید میں ہے:

أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ (النمل-۵)	آیا کون ہے کہ قبول کرتا ہے دعاء مضطر (بے قرار آدمی) کی جب وہ اسکو پکارتا ہے اور اسکی مصیبت کو دور کردیتا ہے (سوا اللہ کے)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے:

"گو دوسرے سے دعاء کرانا بھی اچھا ہے۔ لیکن سب سے بہتر اضطرار کی حالت میں خود دعاء کرنا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعاء کو رد نہیں فرماتے (اوکمال قال)"

دعاء میں توسّل بالذوات

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ توسّل اور واسطہ سے دعاء مانگنے کو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن اسے بے توسل کی دعاء سے زیادہ مؤثر نہیں سمجھتے تھے۔

ایک مسترشد خاص نے استفسار کیا کہ "کیا دعاء واسطہ سے

کی جائے تو زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔" حضرت والا قدس سرہ نے جواباً ارقام فرمایا :۔

"جی نہیں! ادعیہ ماثورہ بکثرت مروی ہیں۔ مگر ان میں کہیں واسطہ اور توسل ہے؟ شاید ایک آدھ مقام پر ہو۔ اسلئے اگر توسل بالعمل ہو تو جائز ہے۔ اور اشخاص سے توسل بھی ان کے اعمال سے ہوتا ہے ـــ جب حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ 'ادعونی استجب لکم' مجھ سے مانگو میں دوں گا، مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔ تو پھر واسطہ کی کیا ضرورت ہے۔" (تذکرہ ص ۴۳۶)

اس مسئلہ میں مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کے نام آپ کی تحریر قولِ فیصل اور بصیرت انگیز ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

" توسل بالذوات بے شبہہ جائز ہے۔ احیاء میں تو کلام کسی کو نہیں جس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کے توسل سے استسقاء کیا۔ رہ گیا اموات کے ساتھ توسل کے معنی ہیں کہ ان کے اعمالِ خیر و مقبولہ سے توسل کیا جائے۔ جس طرح اپنے اعمالِ خیر سے توسل جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث الغار سے ثابت ہے (کما رواہ البخاری) اسی طرح دوسرے احیاء و اموات کے اعمال خیر سے بھی۔ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ الآیۃ کی تفسیر بھی توسل بالاعمال سے کی گئی۔ البتہ اموات سے خطاب کر کے اگر مستقلاً ان سے مانگا جائے تو یہ شرک ہے

اور ان سے کہا جائے کہ میرے لئے خدا سے دعا کریں۔ تو اہلِ دیوبند جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اس کو بدعت سمجھتا ہوں۔ کہ یہ طریق دعاء منقول و ثابت نہیں۔ علامہ آلوسی نے (روح المعانی) آیت کریمہ وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کی تفسیر میں اس کو بدعت کہا ہے۔ بعد کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے فتاویٰ میں بھی یہ ملا۔ مولانا تھانویؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اور بعد کو ان راویوں کے توافق سے مجھے تسکین ہوئی۔

شرک یہ ہے کہ خدا کی ذات و صفات و عبادات میں کسی کو شریک بنایا جائے۔ توسّل بالذوات الی اللہ تعالیٰ شرک فی الذات ہے نہ فی الصفات نہ فی العبادات۔ اصحابہ نجدیہ کہتے ہیں تو یہ ان کا غلو ہے۔

ہاں اگر ذوات سے کوئی یہ سمجھ کر توسل کرے کہ اللہ تعالیٰ ان کی درخواست کے سامنے مجبور و مضطر ہے تو بے شبہ یہ شرک ہوگا۔ اور اگر کوئی یہ سمجھ کر کرے۔ کہ جامع اعمال خیر ہیں اور ان کے اعمال بظاہر مقبول ہیں۔ تو ان کی ذات سے خدا کی طرف بہ سبب ان کے اعمال کے توسّل کیا جائے۔ کہ شاید ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری دعاء قبول فرمالیں۔ تو جائز ہے۔ مگر حضرت عمرؓ کے فعل سے کہ انہوں نے توسل بالنبیؐ کی بجائے توسّل بعم النبیؐ فرمایا۔ یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ عمل

قابلِ اعتراض ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر انہوں نے عم النبیؐ سے کیوں توسل کیا۔ کسی اور صحابی سے کیوں نہیں کیا۔ بالآخر عم النبیؐ کی مقبولیت عند اللہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تھی ملحوظ رہی اور بالآخر بواسطہ توسّل بالنبی ہی ہوا۔ فَافہم۔ (مکاتیب سلیمان ص۱۴۲ بنام مسعود عالم ندوی)

دعاء اور ہمت و توجہ

اہل اللہ کے قلوب مناجاتِ الٰہیہ، توجہ الی اللہ، اور وصیانِ ربّ کا مرکز ہوتے ہیں۔ حقیقتِ دعاء جب ان قلوب میں رسوخ پاتی ہے۔ اور وہ کیفیتِ دعاء میں ڈوب جاتے ہیں۔ تو ان کے اندر اللہ تعالیٰ سے طلبِ دعاء، افتقار و التجاء کا ایک اندرونی جذبہ کارفرما ہوجاتا ہے۔ ان کے دل ہر وقت الحاح و ابتہال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز اور طلبِ خیر کے داعی رہتے ہیں۔

"رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ" (القصص ۳)

(اے میرے پروردگار (اس وقت) جو نعمت آپ مجھ کو بھیج دیں میں اسکا سخت حاجتمند ہوں)

ان کے دلوں کا حال بن جاتا ہے۔ التجاء و افتقار، الحاح و توجہ کی یہ کیفیت ان کے اندر قوتِ دعاء کا ایک ملکہ راسخہ پیدا کر دیتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت و عطا اور صفتِ جود و سخا انہیں مستجاب الدعوات بنا دیتی ہے۔ اور انکی قلبی توجہ و ہمت کو انجاح حاجات کا عادتاً سبب قرار دے دیتی ہے۔ اور بقول عارف رومی

توچنیں خواہی خدا خواہد چنیں می دہد مولا مراد متقین

ان کا مقام بن جاتا ہے۔

حضرت والا قدس روحہ ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

"غوث صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ حق تعالیٰ جب اپنے مقبول بندہ کو اپنے عام بندوں کے مقاصد کے پورا کرنے کا بذریعہ دعاء وہمت ذریعہ بنالیں۔ وہ غوث کہلاتا ہے۔ اور اس کا دوسرا نام قطب تکوین ہے۔ جیسے قرآن پاک میں حضرت خضرؑ کا قصہ ہے اس اصطلاح کے مطابق جائز ہے۔"

قوتِ دعاء کے حامل یہ نفوس قدسیہ اور قلوب مطہرہ جب اپنی اس قوت قلبی کا استعمال کسی کی خیر کیلئے کرتے ہیں۔ تو اسے اصطلاحاً توجہ وہمت کہتے ہیں۔ گویا توجہ حقیقتاً عارف کی اس التجاء الی اللہ کا نام ہے جو وہ اپنے رب میں مشغول اور ملتجی ہو کر کسی شخص کی قلبی حالت کو خیر کی طرف پلٹا دینے کیلئے کرتا ہے۔ چونکہ اس حالت میں عارف کسی خاص شخص یا طبقہ کی طرف اپنی اس قوت کو متوجہ کرتا ہے۔ اس لئے اس توجہ کو اسکی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ حقیقتاً توجہ کا اثر اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ جو اس مقبول بندہ کو ذریعہ بنا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ توجہ بھی اصلاً قلبی دعاء کی ایک قسم ہے۔ جس میں عارف کی دعاء وہمت توجہ کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ورنہ کوئی عارف بھی اپنے قلب کو مستقلاً سبب ہدایت یا مؤثر سمجھ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہونے

کا گمان بھی نہیں کر سکتا۔

بلکہ بعض ہمارے اکابر تو معروف توجہ کو جائز سمجھنے کے باوجود اس لئے پسند و مستحسن نہیں فرماتے کہ غیر کی طرف دھیان و توجہ بھی غیرتِ عشق الٰہی کے خلاف ہے۔ بہر حال جس شخص کی ہمت و دعاء کو اللہ تعالیٰ عادتاً خلق کی ہدایت کا سبب قرار دے دیتے ہیں۔ اسے قطب الارشاد کہتے ہیں۔ دگر خاصان خدا اپنے درجہ کے مطابق اس شرف کو پاتے ہیں۔

زکوٰۃ و صدقات

سلوک اصلاح نفس، تزکیہ قلب، حصول فضائل اور ازالہ رذائل کا دوسرا نام ہے۔ نفس کے امراض خبثیہ و قبیحہ میں بخل و امساک اور حرص و آز نہایت مہلک مرض اور بے شمار باطنی بیماریوں کی جڑ اور بنیاد ہے بخل و حرص اصلاً ایک ہی حقیقت کے دو مظہر اور ایک ہی بیماری کی دو صورتیں ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے بخل و حرص کو ایک جامع لفظ 'الشح' سے تعبیر کیا اور انسانی نفوس سے اس کا گہرا تعلق ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے؛

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ — اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے

(النساء - ۱۹)

'الشح' عربی میں اس رذیلہ کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے حرص و بخل

انسان کے نفوس میں جگہ اور پرورش پاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے الشح کا معنی "بخل مع حرص" لکھا ہے (مفردات راغب ص۲۵۶)

یہ رذیلہ انسان کو اپنے مال کے خرچ کرنے میں بخیل اور دوسرں کے مال کا حریص بنا دیتا ہے۔ حرص وبخل ایسا قبیح مرض ہے جو بیشمار امراض قلبی، حب مال، حب جاہ، دنائت، پستی خیانت، چوری، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ، ناجائز نفع اندوزی وغیرہ کو جنم دیتا ہے۔ بقول حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ،

"بہر حال حرص تمام پریشانیوں کی جڑ ہے۔ اور ایسا مرض ہے کہ اس کو ام الامراض کہنا چاہیئے کیونکہ اسکی وجہ سے جھگڑے فساد ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ سے مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔ اگر لوگوں میں حرص نہ ہو تو کوئی کسی کا حق نہ دبائے اور پھر ان فسادات کی بھی نوبت نہ آئے۔ بدکاری، چوری وغیرہ کا منشاء حرص ہی ہے کہیں حرص مالی، کہیں حرص لذات، نیز اخلاقِ رذیلہ کی جڑ بھی یہی حرص ہی ہے۔ عارفین کا قول ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ کی اصل کبر ہے۔ اور کبر کا منشاء بھی ایک گونہ حرص ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ بھی حرص ہی کا ایک فرد ہے۔ تو حرص منشاء ہوا تمام معاصی کا یہاں سے اس حدیث کا مطلب واضح ہوگیا

حب الدنیا راس کل خطیئۃ ۔ حُبّ دنیا ہی کا نام تو حرص ہے

(علاج الحرص ص۱۱، ص۱۲)

۱۰ اس شنیع رذیلہ کی انہیں قباحتوں کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

ا؎ روح المعانی ص۳۸-۳۷ ج: ۹ میں تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

نے تحریر فرمایا ہے کہ :

الشح اقبح الاخلاق — حرص مع البخل سب سے بدترین خلق ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ صـ۲۹ ج ۲)

حضرت سیدی الشیخ قدس اس کے مظاہر کے بارے میں فرماتے تھے :

"حب مال وحب جاہ زہر کے دو لبالب پیالے ہیں جسکے منہہ سے لگ گئے ہلاک ہوگیا۔"

ایک جگہ ارقام فرماتے ہیں :

"حقیقت میں ترقی جسکی اس وقت دم بدم پکار ہے۔ اونچے محلوں، بھرے خزانوں، شاہانہ احتراموں۔ بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک وصاف قلب کا نام ہے۔ جو آب وگل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو۔ اور حرص وہوا حب مال وحب جاہ کا گرویدہ نہ ہو۔ جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔ (مقدمہ جامع المجددین صـ۲۹)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بدترین اخلاقی بیماری سے بچنے والوں کی تعریف فرمائی۔ چنانچہ انصار کے بارے میں ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ — اور نیز ان لوگوں کا (بھی حق ہے) جو

وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الحشر۔ ۲)

حق ہے) جو دارالاسلام (یعنی مدینہ) میں ان (مہاجرین) کے (آنے کے) قبل سے قرار پکڑے ہوئے ہیں اور ایمان والے۔ جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں۔ اس سے یہ لوگ محبت کرتے ہیں۔ اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ انصار اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے اور اپنے سے انہیں مقدم رکھتے ہیں (کھانے کھلانے میں) اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں انصار کی جن صفات کی تعریف کی گئی ہے۔ اس میں، "الشح" (حرص و بخل) کے نہ ہونے کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا

اور نہیں پاتے ہیں دلوں اپنے کے خلش (حرص کی وجہ سے) اس چیز سے کہ دیئے جاویں مہاجرین۔

میں حرص کی نفی اور

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

اور اپنی جانوں سے مہاجرین کو مقدم

وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ — رکھتے ہیں (کھلانے کھلانے وغیرہ میں) اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

میں عدم بخل کو سراہا گیا ہے۔

گویا انصار کا خاص کمال یہ تھا کہ وہ حرص و بخل سے بری تھے۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حقیقی کامیابی کے مستحق تھے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ' الشح ' سے بچنے کیلئے حرص و بخل سے بچاؤ اور دوسروں پر انفاق ضروری ہے۔ کہ اس مہلک مرض کا عملی علاج ہی انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ	تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے
فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ	لئے ایک آزمائش کی چیز ہیں اور
اَجْرٌ عَظِيْمٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ	(جو شخص ان میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھے)
مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَ	تو اللہ کے پاس (اس کیلئے) بڑا اجر ہے۔
اَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا	تو جہاں تک ہو سکے اللہ تعالیٰ سے
لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ	ڈرتے رہو۔ اور اس کے (احکام کو)
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ	سنو اور مانو اور (بالخصوص مواقع
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اِنْ تُقْرِضُوا	حکم میں) خرچ کیا کرو۔ یہ تمہارے
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ	لئے بہتر ہوگا اور جو شخص نفسانی حرص سے
لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ	محفوظ رہا ایسے ہی لوگ آخرت میں فلاح

شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ — پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح (یعنی خلوص کیساتھ) قرض دوگے تو وہ اسکو تمہارے لئے بڑھاتا چلا جاوے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(التغابن۔۲) — اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے (کہ عمل صالح کو قبول فرماتا ہے) اور بڑا بردبار ہے

ان آیتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حرص و بخل کا علاج "انفاق فی سبیل اللہ" ہے۔ اور زکوٰۃ و صدقات کے وجوب و حکم کی ایک بڑی وجہ اسی رذیلہ کا علاج ہے۔

حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ "دولت" کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کی وضاحت فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"اس سلسلہ میں دولتمندی کی سب سے بڑی بیماری بخل کو دنیا میں انسانیت کا بدترین منظہر اور آخرت میں بڑی سے بڑی سزا کا مستوجب قرار دیا۔ اور جو اس گناہ سے پاک ہوا اسی کو کامیابی کی بشارت دی۔"

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ — اور جو اپنے جی کے لالچ سے بچایا گیا۔ وہی لوگ ہیں مراد پانیوالے

(الحشر۔۱)

بخل کا مبتلا دوسروں کے ساتھ بخل نہیں کرتا۔ بلکہ درحقیقت وہ خود

اپنے ساتھ بخل کرتا ہے۔ وہ اسکی بدولت اس دنیا میں اپنے آپ کو ہر دلعزیزی اور نیک نامی بلکہ جائز آرام و راحت تک سے اور آخرت میں ثواب کی نعمت سے محروم رکھتا ہے، فرمایا:

وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد-۴)

اور جو بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اللہ تو غنی ہے اور تم ہی محتاج ہو۔

اس آیتِ پاک میں درپردہ یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ جس دولت کو تم اپنی سمجھتے ہو وہ درحقیقت تمہاری نہیں۔ اصل مالک خدا ہے۔ اور تم خود اس کے محتاج ہو۔ پھر جو شخص مال کا اصلی مالک نہ ہو۔ بلکہ محض امین ہو، وہ اصلی مالک کے حکم کے مطابق اس کو صرف نہ کرے اور یہ سمجھے کہ یہ خود اس کی ملکیت ہے۔ اور اس کو اپنی ملکیت میں سے کسی کو کچھ دینے نہ دینے کا اختیار ہے۔ خائن اور بے ایمان نہ کہا جائے گا؟ درحقیقت یہی تصور کہ یہ مال میرا ہے۔ اور میری شخصیت اور انانیت کی طرف اسکی نسبت ہے۔ دنیا کی تمام برائیوں اور بدیوں کی جڑ ہے۔ اس آیت پاک کی یہ تعلیم اسی جڑ کو کھودتی ہے۔ اور بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

پھر دولت کے ان مجازی مالکوں اور امینوں کو یہ بتا دیا گیا کہ ان کو خدا کی عدالت میں اپنی دولت کے ایک ایک ذرہ کا حساب دینا پڑے گا۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ

پھر اس دن تم سب سے نعمتوں

عَنِ النَّعِيْمِ (تکاثر-۱) کا حساب پوچھا جائیگا۔

اس لئے ان کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی دولت کو کہاں اور کس طرح صرف کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو جو اپنے روپے کی تھیلیوں کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں تنبیہ کی۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ	برائی ہو اسکی جو طعنہ دینا اور عیب
لُّمَزَةِ نِ الَّذِي جَمَعَ مَالًا	چنتا ہو، جو مال کو سینت کر رکھتا ہو
وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ	اور اسکو گن گن کر، وہ خیال کرتا ہے
اَخْلَدَهٗ كَلَّا	کہ اس کا مال اس کے ساتھ سدا
(الہمزۃ-۱)	رہے گا، ہرگز نہیں

فرمایا، "رشک کرنا صرف دو آدمیوں پر جائز ہے۔ ایک تو اس پر جس کو خدا نے علم دیا ہے۔ اور وہ اس کے مطابق شب و روز عمل کرتا ہے۔ اور دوسرے اس پر جس کو خدا نے دولت دی ہے اور وہ اس کو دن رات خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔" (بخاری کتاب العلم) جو لوگ سونے چاندی کو زمین میں گاڑ کر رکھتے ہوں۔ اور کار خیر میں خرچ نہ کرتے ہوں۔ ان کو خطاب کیا۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ	وہ لوگ جو سونا چاندی گاڑ کر رکھتے
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ	ہیں۔ اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ	نہیں کرتے۔ ان کو دردناک عذاب
اَلِيْمٍ (توبہ-۵)	کی بشارت دے دو۔

"........ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم موسویؑ اور عیسویؑ دونوں شریعتوں کی جامع ہے۔ اسلام نے خیرات کے درجے مقرر کر دیئے ایک قانونی اور دوسری اخلاقی، قانونی خیرات کی وہی مقدار باقی رکھی جو موسوی شریعت میں ملحوظ تھی یعنی نصف مثقال نقد اور عشر پیداوار میں، یہ وہ کم سے کم خیرات ہے جس کا سالانہ ادا کرنا ہر مستطیع اور صاحب نصاب پر واجب ہے اور اس کا وصول اور خرچ کرنا جماعت کا فرض ہے۔ اور اخلاقی خیرات جس کو ہر انسان کی مرضی اور خوشی پر منحصر رکھا ہے۔ اس کو حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کی طرح بلند سے بلند روحانی تخیل کے مطابق قرار دیا، اور بلند ہمت انسانوں کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی، صحابہؓ میں دونوں قسم کے لوگ تھے۔ وہ بھی تھے جو کل کے لئے آج اٹھا کر رکھنا حرام سمجھتے تھے جیسے حضرت ابوذرؓ (بخاری باب ما ادی زکوٰۃ فلیس بکنز) اور وہ بھی تھے جو وقت پر اپنی تمام دولت اسلام کے قدموں میں لاکر ڈال دیتے تھے (ترمذی کتاب المناقب فضائل ابی بکرؓ) — اور ایسے بھی تھے جو اپنی تجارت کا تمام سرمایہ خدا کی راہ میں یک وقت لٹا دیتے تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (اُسد الغابہ جلد ۳ ص۳۱۶) — اور وہ بھی تھے جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتے تھے جیسے حضرت علی مرتضیٰؓ اور بعض انصار کرامؓ، خدا نے انکی مدح فرمائی؛

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى	اور وہ اپنی ذاتی حاجت کے باوجود
حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا	اپنا کھانا مسکین اور یتیم اور قیدی کو
(دھر۔۱)	کھلادیتے ہیں۔
وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود حاجتمند
(حشر۔۱)	ہوں۔

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مختلف انسانی طبیعتوں کے موافق اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہے۔ اور ہر ایک کیلئے اس کی استعداد اور اہلیت کے مطابق نجات کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس نے وہ طریقہ سکھایا ہے۔ جس سے اہل حاجت اور نیک کاموں کے لئے عملاً ہر وقت امداد مل سکے، اور ساتھ ہی ساتھ اہل دل اور اہل استعداد کے مرتبۂ کمال کیلئے بلند سے بلند روحانی معیار کی دعوت اور ترغیب بھی پیش کردی ہے۔ اور اس کی خوبیاں اور برائیاں بھی بیان کردی ہیں۔ تاکہ امت کے باحوصلہ حضرات ہمت کے شہپروں سے اڑ کر اس سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں اسلام کے اس آخری مرتبہ کمال کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وایں طائفہ جان و مال در	اس فرقہ نے اپنی جان و مال کو
باختہ اند و باہیچ کس ما سوا اللہ	ہار دیا ہے۔ اور خدا کے سوا کسی

نہ پرداختہ اند گفتہ ایشاں است
اَلْفَقِیْرُ مالُہٗ مباحٌ ودَمُہٗ
ھدرٌ یعنی درویشِ صادق آن
بود کہ بخون و مال او را دعویٰ
نہ بود..... اگر مالش برند خوش
گردد گوید الحمد للہ کہ حجابے از
پیش من برداشتند تا گفتہ از
زکوٰۃِ نعمت دنیا نزدیک ایں
طائفہ محمود نہ باشد، از انکہ بخل
ناستودہ است و بخلی تمام باید
تا دویست درم را در بند کند
ویکسال محبوس دارد، آنگاہ پنج درم
ازاں بدہد۔

سے دل نہیں لگایا۔ اسکا مقولہ
ہے کہ درویش وہ ہے جسکا مال
وقف اور جس کا خون معاف ہو
اس کو اپنی جان و مال پر کوئی دعویٰ
نہ ہو..... اگر لوگ اس کا
مال اٹھا لیجائیں تو خوش ہو کہ الحمد للہ
اس کے اور خدا کے درمیان جو ایک
پردہ پڑا تھا وہ اٹھا یہاں تک کہ
ان کا کہنا یہ ہے کہ دنیا کی دولت
کو جمع کر کے زکوٰۃ دینا کچھ اچھا نہیں
ہے کیونکہ بخالت تعریف کے
قابل نہیں۔ اور اس کے لئے
سال میں دو سو درم جمع ہوں اور
پھر وہ ایک سال تک بند پڑے
رہیں۔ تب جا کر ایک سال کے
بعد پانچ درم ان میں سے خدا
کی راہ میں دے بڑی بخالت کی
ضرورت ہے

اس کے بعد حضرت شبلی کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے۔

یکے از فقہا بر سبیل آزمائش شبلی
رحمۃ اللہ علیہ را پرسید کہ زکوٰۃ
در چند لازم آید، گفت جواب
بر مذہب فقیہاں خواہی، یا بر
مذہبِ فقیراں؟ گفت بر ہر دو
جواب فرما، شبلیؒ گفتہ بر مذہب
فقیہاں از دویست درم بعد از
حولانِ حول پنج درم باید داد و بر
مذہب فقیراں در حال دویست درم
باید داد و جان بشکرانہ بر سر باید
نہاد، فقیہ گفت ما ایں مذہب
از ائمہ دین گرفتیم، شبلیؒ گفت
ما ایں مذہب از صادقِ ربّ
العالمین گرفتیم یعنی ابی بکر صدیق
رضی اللہ عنہ او ہر چہ داشت
پیش سید عالم صلی اللہ علیہ و
سلم نہاد و جگر گوشہ خویشتن
بشکرانہ داد۔

(مکتوب ۴۳ سی صدی)

کسی فقیہ نے حضرت شبلیؒ سے
امتحاناً پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے پر ہوتی ہے
فرمایا فقہا کے مسلک پر جواب
چاہتے ہو یا فقراء کے، کہا دونوں
کے، فرمایا فقہا کے مذہب کے
مطابق ایک سال گزرنے پر دو سو
میں سے پانچ درم اور فقراء کے
مسلک پر فوراً پورے کے پورے
دو سو، اور اس نذرانہ کی خوشی
میں اپنی جان بھی سر پر رکھ کر
پیش کرنی چاہیئے۔ فقیہ نے کہا
ہم نے یہ مذہب آئمہ دین سے
حاصل کیا ہے۔ فرمایا ہم نے یہ
مسلک صدیق اکبرؓ سے حاصل کیا
ہے کہ جو کچھ تھا وہ سب سرورِ
عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
رکھ دیا اور اپنی جگر گوشہ (حضرت
عائشہ صدیقہؓ) کو شکرانہ میں
دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی مثال اسی دوسرے فریق کے مطابق تھی، آپ کے پاس عمر بھر کبھی اتنا مال جمع نہ ہوا کہ زکوٰۃ کی نوبت آتے، جو کچھ ہوتا وہ اسی دن اہل استحقاق میں تقسیم ہو جاتا، اگر گھر میں رات کو سونے چاندی کے چند خزف ریزے بھی پڑے رہتے تو گھر میں آرام نہ فرماتے۔ مگر عام امت کیلئے اپنے مسلک کو فرض نہیں قرار دیا، بلکہ اتنا ہی ان کے لئے مقرر کیا گیا جو ان کی قوت استطاعت اور ہمت کے مطابق ہو، تاکہ نجات کا دروازہ غریبوں اور دولتمندوں کے ہر طبقہ کیلئے یکساں کھلا رہے۔ اور اس لئے تاکہ بے قیدی اور عدم پابندی لوگوں کی سستی اور عدم عمل کا باعث نہ ہو مقدار معین کے مالک پر ایک رقم قانوناً فرض کی گئی۔ تاکہ جماعت کے مجبور و معذور افراد کی لازمی طور سے دستگیری ہوتی رہے (سیرۃ پنجم ص۲۵۵ تا ص۲۵۹)

اِس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کے ایک عظیم مرض و رذیلہ حرص و بخل (الشح) کا علاج اللہ تبارک و تعالیٰ نے زکوٰۃ کی فرضیت و صدقات کے استحباب کے ذریعہ سے اس حد تک فرما دیا۔ کہ ہر شخص اپنی باطنی استعداد کے بقدر اپنی اس نفسانی آلائش سے پاک ہو کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کا مورد بن سکتا ہے۔ اور انسانوں کی غمگساری، خدمت گذاری اور ہمدردی کا شرف حاصل کر سکتا ہے کہ بقول سیدی قدس سرہٗ:۔

"زکوٰۃ یا دوسرے لفظوں میں غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دست گیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی خبر گیری، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت نماز کے بعد اسلام کا دوسرا رکن ہے (اشرف الجواب)

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ مقاصد زکوٰۃ کے بارے میں مزید ارقام فرماتے ہیں:

"زکوٰۃ کا اصلی اور مرکزی مقصد وہی ہے جو خود لفظ زکوٰۃ کے اندر ہے، زکوٰۃ کے لفظی معنیٰ 'پاکی وصفائی' کے ہیں۔ یعنی گناہ اور دوسری روحانی، قلبی اور اخلاقی برائیوں سے پاک وصاف ہونا، قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنیٰ میں بار بار آیا ہے۔ سورۂ والشمس میں ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَ	مراد پایا وہ جس نے اپنے نفس کو
قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا	پاک وصاف کیا اور نامراد ہوا وہ
(الشمس-۱)	جس نے اس کو میلا اور گندہ کیا

ایک اور سورہ میں ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (اعلیٰ-۱) مراد پایا وہ جو پاک وصاف ہوا

یہ تزکیہ اور پاکی وصفائی نبوت کی ان تین عظیم الشان خصوصیتوں میں سے ایک ہے جن کا ذکر قرآن پاک کی تین چار آیتوں میں ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ	وہ نبی خدا کی آیتیں پڑھ کر ان کو
وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمْ	سناتا ہے اور ان کو گناہوں سے پاک و

اَلْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ   صاف کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب
(بقرہ رکوع ۱۵)   اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے

ان آیتوں سے اندازہ ہوگا کہ زکوٰۃ اور تزکیہ یعنی پاکی وصفائی کی اہمیت اسلام اور شریعت محمدی میں کتنی ہے؟ یہ دل کی پاکی، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت مذہب کی اصل غایت اور نبوتوں کا اصل مقصد ہے انسانوں کی روحانی ونفسانی بیماریوں کے بڑے حصہ کا سبب تو خدا سے خوف ورجا اور تعلق ومحبت کا نہ ہونا ہے۔ اور اسکی اصلاح نماز سے ہوتی ہے۔ لیکن دوسرا سبب ماسوی اللہ کی محبت اور مال ودولت اور دیگر اسباب دنیا سے دل کا تعلق ہے۔ زکوٰۃ اسی دوسری بیماری کا علاج ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب بعض صحابہ باغ وبستان کی محبت کے سبب سے جو ان کی دولت تھی غزوہ میں (شریک نہ ہوسکے) اور پھر ان کی صداقت اور سچائی کے باعث خدا نے ان کو معاف کیا ہے وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا،

خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ   ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لے
صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ   کر ان کو صاف وپاک بنا۔
وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا۔   (توبہ ۔ ۱۳)

اس آیت سے ثابت ہوا۔ کہ اپنے محبوب مال میں سے کچھ نہ کچھ خدا کی راہ میں دیتے رہنے سے انسانی نفس کے آئینہ کا سب سے بڑا

زنگ جس کا نام محبتِ مال ہے دل سے دور ہوجاتا ہے۔ بخل کی بیماری کا اس سے علاج ہوجاتا ہے۔ مال کی حرص بھی کم ہوجاتی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ شخصی خودغرضی کی بجائے جماعتی اغراض کے لئے اپنے اوپر ایثار کرنا انسان سیکھتا ہے اور یہی وہ دیواریں ہیں۔ جن پر تہذیب نفس اور حسن خلق کی عمارت قائم اور جماعتی زندگی کا نظام مبنی ہے۔

...... ظاہر ہے کہ استغنا اور قناعت ایسی چیز ہے۔ جو تمام اخلاقی محاسن کا سنگ بنیاد ہے۔ بلکہ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے نہایت بلیغ و حکیمانہ طریق سے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ :

لیس الغنیٰ من کثرۃ العرض ولکن الغنیٰ عن النفس۔ (بخاری کتاب الرقاق)

تونگری دولت کی کثرت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ دل کی بے نیازی کا نام ہے۔ اسی حدیث کا ترجمہ سعدی نے ان لفظوں میں کیا ہے ؛ "تونگری بدل ست نہ بمال" دوسرے لفظوں میں یوں کہو، کہ دولت آمدنی کی زیادتی کا نام نہیں بلکہ ضروریات کی کمی کا نام ہے۔ لیکن یہ غیر فانی دولت حرص وطمع سے نہیں بلکہ صبر وقناعت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر کیا کسی کو زکوٰۃ وصدقہ کے مطہر، مزکی اور مصلح اخلاق ہونے میں شبہہ ہوسکتا ہے ...... جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ ہمیشہ قابلِ ہمدردی اشخاص کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں تاکہ وہ اپنے مال و دولت سے اسکی مدد کرکے اس کے زخمِ دل پر مرہم رکھ سکیں۔

"زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف کا بڑا حصہ غریبوں اور حاجتمندوں کی امداد ہے۔ انسانیت کا یہ وہ طبقہ ہے جس کے ساتھ تمام مذہبوں نے ہمدردی کی ہے لیکن ..... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے پہلے اور وہی پچھلے پیغمبر ہیں جنہوں نے اس طبقہ کے ساتھ اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت دیا۔ اور اسکی تکلیفوں اور مصیبتوں کو کم کرنے کیلئے عملی تدبیر جاری اور نافذ فرمائی .... اسلام نے ..... روحانی تسلیوں اور بشارتوں کے ساتھ جو مزید کام کیا وہ ان کی دنیاوی تکلیفوں اور مصیبتوں کے کم کرنے کی عملی تدبیریں ہیں۔ جن کا نام صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔ اسکی تعلیم نے اس عملی ہمدردی اور اعانت کو صرف اخلاقی ترغیب و تشویق تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ اس کے لئے دو قسم کی تدبیریں اختیار کیں۔ ایک یہ کہ ہر مسلمان کو نصیحت کی کہ جس سے جتنا ہوسکے اپنی دولت سے ان کی مدد کرے یہ اخلاقی خیرات ہے جس کا نام قرآن کی اصطلاح میں " انفاق " ہے۔ لیکن چونکہ یہ اخلاقی خیرات ہر شخص کو اس ضروری نیکی پر مجبور نہیں کرتی۔ اسلئے ایک مقدارِ معین کے مالک پر ایک ایسا قانونی محصول عائد کیا۔ جس کا سالانہ ادا کرنا اس کا مذہبی فرض ہے۔ اور اس مجموعی رقم کا بڑا حصہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کے لئے مخصوص کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس تعلیم کو ایک ایک ناقابلِ تغیر دستور العمل کے طور پر اپنی امت کو ہمیشہ کیلئے سپرد فرمایا۔ چنانچہ آپ نے معاذ بن جبل رضؓ کو اپنا نائب بنا کر یمن بھیجا۔ تو توحید اور نماز کے بعد جس چیز کا حکم دیا۔ وہ

یہی زکوٰۃ ہے۔ پھر اسکی نسبت ان کو ہدایت فرمائی کہ،

توخذ من اغنیاء هم — وہ ان کے دولتمندوں سے لے کر

وترد علی فقراءهم — ان کے غریبوں کو لوٹا دیا جائے

(بخاری صفحہ ۱۰۹۶ جلد ۲)

صحابہؓ نے آپ کی ہدایت کے بموجب ان دونوں قسموں کی خیراتوں پر اس شدت سے عمل کیا کہ جو استطاعت نہ بھی رکھتے تھے۔ وہ بازار جاکر مزدوری کرتے تھے۔ تاکہ جو رقم ہاتھ آئے وہ غریب اور معذور بھائیوں کی اخلاقی اعانت میں خرچ کریں۔ اور اس معاملہ میں خود آپ نے یہاں تک اس طبقہ کی دلجوئی کی کہ فرمایا،

"اگر کسی کے پاس کچھ اور نہ ہو تو لطف وکرم ومہربانی سے
بات ہی کرنا اس کا صدقہ ہے۔"

اس سے زیادہ یہ کہ اس کی ممانعت کی گئی کہ جو تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اس کو سختی سے واپس نہ کیا کرو، خدا نے تعلیم دی۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ — تو یتیم کو دبایا نہ کر اور نہ مانگنے

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ — والے کو جھڑک (ضحیٰ-۱)

ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ اگر تم کسی حاجتمند کی مدد کرو تو اس پر احسان مت دھرو کہ وہ شرمندہ ہو، بلکہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو یہ نعمت دی، اور اس کی توفیق عنایت کی، احسان دھرنے سے وہ نیکی کا پیالہ حباب کی طرح ٹوٹ کر بیٹھ جائے گا۔ فرمایا،

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ تم اپنی خیرات کو احسان دھر کر یا
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (البقرہ۔۳۶) طعنہ دیکر برباد نہ کر۔

اس لطف، اس مدارات، اور اس دلجوئی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے انسانیت کے قابل رحم طبقہ کی چارہ نوازی فرمائی۔ اور ہم کو باہمی انسانی محبت اور ایک دوسرے کی مدد کا سبق پڑھایا ....." (سیرت النبی صفحہ ۲۲۱-۲۴۱ ج ۵)

یہ حقیقت ہے۔ کہ انسان کی باطنی صفائی اور اس کے جواہر خلافت کا نکھار بڑی حد تک جود و سخا، داد و ستد، انفاق و صدقات اور زکوٰۃ وخیرات پر مبنی ہے۔ حضرت سیدی قدس روحہٗ ارقام فرماتے ہیں:

"صدقہ وخیرات درحقیقت وہ پانی ہے۔ جو دینے والوں کے قلوب ونفوس کے تمام میل اور گندہ پن کو چھانٹ کر ان کو پاک وصاف بنا دیتا ہے....... (اور اپنے ساتھ قلب ونفس کی گندگی کو بہا لے جاتا ہے۔ اشرف) ..... اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ ھٰذِہِ الصدقات یہ صدقہ تو لوگوں کا میل ہے"
اِنَّمَا ھی اوساخ النَّاس (یعنی رذائل کی گندگی کو اپنے ساتھ بہا
(مسلم کتاب الزکوٰۃ) لے جانیوالا ہے) (سیرۃ صفحہ ۲۶۸ ج ۵)

حقیقتاً یہ میل مال کی محبت ہے۔ جو اس امت کا سب سے بڑا فتنہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لکل شیءٍ فتنۃ و ہر ایک چیز کیلئے کوئی فتنہ ہوتا

فتنۃ امتی المال — ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے
(کنز العمال بحوالہ ترمذی و مستدرک حاکم ص ج ۲)

یہی مال کی محبت نفس و قلب کو ان تمام آلودگیوں اور گندگیوں سے گدلا اور میلا کر دیتی ہے۔ جسے ہم حرص و طمع، بخل و دنائت، خود غرضی و حرام خوری، فریب و دھوکہ، بے غیرتی و بے حیائی کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور پھر یہ رذائل چند در چند کبائر اور شنیع افعال کے ارتکاب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جس سے بد دیانتی، چوری و ڈاکہ، رشوت و قمار، سود و احتکار اور ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ انسان کو مال کی محبت اور دولت کی حرص میں حلال و حرام جائز و ناجائز کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ اپنے منافع و مفادات کے حصول میں احکام الٰہیہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ بنی نوع انسان قوم و ملت، خویش و اقارب، اپنے اور بیگانے کے نفع و ضرر سے بے نیاز ہو کر ہر طرح سے مال کی لوٹ کھسوٹ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی اقدار کو پامال کر کے وہ معاشرہ کے بگاڑ اور زمین میں فساد کا سبب بنتا ہے۔ مال کی بہتات کی حرص اسے پہلے اپنی ہلاکت کے گڑھے پر کھڑا کر دیتی ہے اور مال کا وہ قومی و ملی معشیت کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسے کم نصیبوں کو قرآن نے وعید سناتے ہوئے فرمایا:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ؕ — (دنیا کے مال کی) بہتات کی حرص نے تمہیں (اللہ و آخرت سے) غافل کیا

(التکاثر-۱) — یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ — برائی ہو، اسکی جو طعنہ دیتا، اور

نِ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ — عیب چنتا ہو، جو مال کو سنیت

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ — کر رکھتا ہو۔ اور اس کو گن گن کر،

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ الی آخر — وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس

(الھمزۃ-۱) — کے ساتھ رہے گا۔ ہرگز نہیں۔

واللہ وہ شخص ایسی آگ میں ڈالا

جائے گا۔ جس میں جو کچھ پڑے

توڑ پھوڑ ڈالے

غرض مال کی برباد کن محبت اور حرص و آز کا علمی علاج زکوٰۃ اور صدقات کی کثرت ہے۔ جو دل سے رفتہ رفتہ مال کی محبت کم کر دیتی ہے۔ اور انسان ان رذائل سے پاک ہو جاتا ہے۔ جو دنیا و آخرت دونوں میں تباہی و رسوائی کا سامان ہیں۔

زکوٰۃ فریضہ الٰہی اور رکن اسلام ہونے کیساتھ قلب کی پاکی و نفس کی صفائی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس لئے سالکین کو اسکی ادائیگی سے چارہ کار نہیں۔ اسلئے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ طالبین کو نماز کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی ادائیگی کی برابر تلقین فرماتے تھے۔

ایک مبتدی طالب کو از خود فرماتے ہیں:

"ایام بلوغ سے جو نمازیں چھوٹی ہوں ان کو ہر نماز کے ساتھ

ادا کرنا شروع کیجئے۔ اگر روزے رہ گئے ہوں۔ تو ان کی قضا کیجئے۔ اگر زکوٰۃ واجب ہو۔ زکوٰۃ حساب کر کے دیجئے۔"

دوسرے طالبین کے خطوط میں زکوٰۃ کی تاکید اس قسم کے الفاظ میں ملتی ہے:

"وہ گناہ جن کی تلافی ہو سکتی ہے۔ (انکی تلافی کیجائے) جیسے نمازیں قضا ہوں، یا روزے چھوٹے ہوں، یا زکوٰۃ نہ دی ہو"

"زکوٰۃ کی رقم (نذرانہ) ضرور بھیج دیں۔ اور تصریح سے لکھ دیں۔ کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے مستحقین میں خرچ کیجائے۔"

متعدد مکتوبات میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی تلقین مختلف عبارتوں میں ملتی ہے۔ جسے بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ بہر حال گذشتہ مباحث سے زکوٰۃ وصدقات کی سلوک میں اہمیت و مقام کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ جادۂ حبیب کے راہی جان و مال دونوں کی قربانیوں ہی سے منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند جان و مال و خانماں را چہ کند

ہمارے حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا دل حبِ مال و جاہ کی آلائشوں سے پاک استغنا، سیر چشمی، اور جود و کرم کی دولتوں سے مالا مال تھا۔ حضرت سیدی قدس سرہٗ کی یہ دولت خاندانی ورثہ اور فطرتی جوہر تھا۔ آپ کا تعلق جس خانوادہ سیادت سے تھا۔ وہ دنیاوی فارغ البالی و وجاہت

کے ساتھ دینی فرایا اور درویشانہ کمالات کا مجموعہ تھا۔ اس لئے آپ فطرتاً و وراثتاً سیر چشمی، قناعت و سخاوت کی صفات کے حامل تھے۔ حضرت سیّدی رحمہ اللہ علیہ کی دنیا سے بے رغبتی و قناعت کے دشمن تک قائل ہیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک بڑے ناقد ان کے عیوب گناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شبلیؒ کے جانشین سیّد سلیمان ندوی کو دنیا سے کوئی لگاؤ یا محبت نہیں۔ ان کے والد بہار کے ایک مشہور صوفی تھے۔ اور یہ درویش طبعی انہیں وراثت میں ملی ہے۔ وہ پرلے درجے کے قانع انسان ہیں....." (رودِ کوثر ص۱۰۴)

روزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و الصلٰوۃ و السّلام علی صفوۃ البریۃ سیّدنا و مولانا محمد خاتم النبیین و آلہ و اصحابہ و ازواجہ اجمعین والعاقبۃ للمتقین ⊙ امّا بعد :

سلوک ضبط نفس، پابندی احکام الٰہی واتباع سنت نبویؐ کا نام ہے اور غایۃ حصول تقویٰ کی راہ ہے۔ تقویٰ حاصل عبادات، غایت اوامر ربانی اور قرآنی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ وحی الٰہی نے انسانی پیدائش کا مقصد عبادت قرار دیا، ارشاد ہے

وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون	اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے
الذاریات آیۃ ۵۶	پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔
	(حضرت تھانویؒ)

اور مقصود عبادات تقویٰ کو ٹھہرایا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

یا ایھا الناس اعبدوا ربکم الذی	اے لوگو اپنے اس پرودگار کی عبادت کرو
خلقکم و الذین من قبلکم لعلکم	جس نے تم کو اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا
تتقون ⊙ البقرۃ ۲۱	تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو۔

سیّدی ومرشدی حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے "اگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کا خلاصہ ہم صرف ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو اسکو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں۔" تقویٰ جیسی نعمت ودولت کے حصول کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں مختلف عبادات کو مشروع فرمایا اور احکام نازل فرمائے۔ وہاں "روزہ" جیسی خاص عبادت امت پر فرض فرمائی جسکی

کماحقہ. بجا آوری گنتی کے چند دنوں (ماہ صیام کے ایک مہینہ) میں پوری امت میں "تقویٰ" کو عام وتام کر سکتی ہے۔ قرآن کریم روزہ کی فرضیت کا حکم ارشاد فرماتے ہوئے اسکی غایت کا اظہار یوں فرماتا ہے:

یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ○ ایّامٍ معدودات۔	اے ایمان والو ! روزہ تم پر اسی طرح فرض ہوا جس طرح تم سے پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ والے (یعنی پرہیزگار) بنو۔ (یہ روزوں کے دن) چند روز ہیں گنتی کے۔
البقرۃ ۱۸۳، ۱۸۴	

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں روزہ کا حکم وفرضیت، اسکی تاریخ یعنی پہلی امتوں میں اسکا ہونا اور اسکا مقصد وفائدہ بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ عظیم وپر اثر عبادت گنتی کے چند دنوں کے لئے فرض کی گئی ہے یعنی ہر سال کے قمری مہینے کے انتیس یا تیس دن کا روزہ مسلمانوں پر فرض ہے اور پورے سال کے مقابلے میں یہ گنتی کے دن ہی تو ہیں (ایام معدودات) اور اپنے فائدہ کے اعتبار سے اس قدر شاندار اور نتیجہ خیز ہے کہ پوری ملت کی کایا چند دن میں پلٹ سکتی ہے اور تقویٰ کی اس دولت سے مالا مال کر سکتی ہے جو دینی تعلیمات کا خلاصہ و حاصل اور غایت قصویٰ ہے، حضرت الشیخ مرشدی المکرم علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ مذکورہ بالا آیت نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

"۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی اور نیک باتوں کی طرف اس کو بے تابانہ تڑپ ہوتی ہے اور روزہ کا مقصود یہ ہے کہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو۔ بات یہ ہے کہ انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے اکثر جذبات بہیمی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ انسان کے ان جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کا علاج جو اپنی مالی مجبوریوں کے سبب نکاح کی

قدرت نہیں رکھتے اور ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی قابو نہیں رکھتے، روزہ بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ "روزہ" شہوت کو توڑنے اور کم کرنے کے لئے بہترین چیز ہے۔" (۱)
(سیرۃ النبی ج ۵ ص ۳۱۱)

بقول حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ قرآن نے روزہ کے مقاصد اور اغراض تین مختصر فقروں میں بیان کر دئے ہیں۔

۱۔ لتکبرو اللہ علی ما ھداکم		تاکہ خدا نے جو تم کو ہدایت کی ہے۔اس پر اسکی بڑائی اور عظمت ظاہر کرو۔
۲۔ و لعلکم تشکرون	البقرۃ ۱۸۵	اور تاکہ اس ہدایت کے ملنے پر تم خدا کا شکر کرو۔
۳۔ لعلکم تتقون	البقرۃ ۱۸۳	تاکہ تم پرہیزگار بنو (یا تم میں تقوی پیدا ہو)

مذکورہ بالا ان تین مختصر فقروں میں صحیفہ الٰہیہ نے روزہ کے اغراض ومقاصد بیان فرما دیئے ہیں حضرت سید لملۃ قدس سرہ نے ان فقروں کی جو وضاحت فرمائی ہے سیرۃ النبی سے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تعلیم ربانی محض حکم کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ سرتاپا حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے۔ اس کے فرائض کی عمارت روحانی، اخلاقی، اجتماعی اور مادی فوائد اور منفعتوں کے چہارگانہ ستونوں پر قائم ہے۔ شریعت والے پیغمبروں کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے شریعت کے اترنے سے پہلے ایک مدت متعینہ تک ملکوتی زندگی بسر کی اور تابہ امکان کھانے پینے کی انسانی ضرورتوں سے وہ پاک رہے اور انھوں نے اپنی روح کو عالم بالا سے اتصال کے لائق بنایا، یہاں تک کہ وہ مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوئے اور پیغام ربانی نے ان پر نزول کیا۔ حضرت موسیٰؑ نے چالیس روز اسی طرح بسر کئے، جب تورات کی لوحیں ان کو سپرد ہوئیں، حضرت عیسیٰؑ نے بھی چالیس روز اسی

(۱) صحیح بخاری کتاب الصوم

طرح گزارے تب حکمت کا سرچشمہ ان کو زبان اور سینہ سے ابلا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں ایک مہینہ یعنی تیس دن مصروف عبادت رہے اس کے بعد فیضان الٰہی کا نور اس غار کے دہانہ سے طلوع ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس روزہ کی فرضیت سے سب سے پہلا مقصد انبیاء علیہم السلام کے ان متبرک مقدس ایام کی تقلید و پیروی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے رسول کی پیروی میں یہ چند دن اسی طرح گزاریں چنانچہ ارشاد فرمایا:

یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم — اے مسلمانو! جیسے تم سے پہلے لوگوں پر (ان کے رسولوں کی پیروی اور ہدایت ملنے کے شکریہ میں) روزہ فرض کیا گیا تھا، تم پر بھی فرض کیا گیا۔

بقرة ۱۸۳

دین الٰہی کی تکمیل، نبوت کے اختتام اور تعلیم محمدی کے کمال کی یہ بھی بڑی دلیل ہے کہ گذشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس سبق کو چند ہی روز میں بھلا دیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لاکھوں اور کروڑوں امت اس کو اب تک یاد رکھے ہوئے اور اپنے رسول کی پیروی میں وہ بھی ایک مہینہ اسی طرح دن کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے اپنے پاک رکھتی اور ملکوتی زندگی بسر کرتی ہے۔ یہ روزہ انبیاء علیہم السلام کی صرف پیروی اور تقلید ہی نہیں ہے بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کا جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کے ذریعے انسانوں پر کیا، شکریہ ہے اور اس کی احسان شناسی کا احساس ہے۔ وہ کتاب الٰہی، وہ تعلیم ربانی، وہ ہدایت روحانی جو ان ایام میں انسانوں کو عنایت ہوئی، جس نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلماتی سے نورانی بنایا، پستی وذلت کے عمیق غار سے نکال کر ان کو اوج کمال تک پہونچایا، ان کی وحشت کو تہذیب واخلاق سے، ان کی جہالت کو علم ومعرفت سے، ان کی نادانی حکمت ودانائی سے اور تاریکی کو بصیرت اور روشنی سے بدل دیا۔ جس نے ان کی قسمتوں کے پانسے

الٹ دئے اور دولت اور خیر و برکت کے خزانوں سے ان کی کاسائوں کو معمور کر دیا ۔ جس نے ذرہ بے مقدار کو آفتاب اور مشت خاک کو ہمدوش ثریا بنا دیا ۔ قرآن پاک اپنے ان الفاظ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔

و لتکبروا اللہ علی ما ھدا کم و لعلکم تشکرون ۝	اور (یہ رمضان کا روزہ اس لئے فرض ہوا) تاکہ تم اللہ کی بڑائی کرو کہ تم کو اس ہدایت نے دی
البقرۃ ۱۸۵	اور تاکہ تم اسکا شکریہ ادا کرو ۔

اس ہدایت ربانی اور کتاب الہی کے عطیہ پر شکر گزاری کا یہ رمزو اشارہ ہے کہ اس مہینہ کی راتوں میں مسلمان اس پوری کتاب کو نمازوں (تراویح) میں پڑھتے اور سنتے ہیں اور اس مہینہ کے خاتمہ پر اللہ اکبر اللہ اکبر کا ترانہ بلند کرتے ہوئے عید گاہوں میں جاتے اور خوشی و مسرت کے ولولوں کے ساتھ عید کا دوگانہ شکر ادا کرتے ہیں ۔

انسانوں میں کوئی غریب ہیں کوئی امیر ۔ کوئی نان جویں کو ترستے ہیں تو کوئی سر وقت انواع واقسام کی رنگا رنگ لذیذ و قیمتی اغذیہ سے اپنے کام و دہن کو لذت بخشتے ہیں ۔ فقروفاقہ ہے تو کہیں عیش و نعم ، کہیں قورمہ وقلیا ، پلاؤ وبریانی مرغ و بٹیرے ہے تو کہیں سوکھی روٹی بھی بمشکل میسر ہوتی اور دال پیاز مل جائے تو گویا عید آجاتی ہے ۔ اسلام چاہتا ہے کہ جہاں پیٹ بھرے اور آسودہ حال ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے رہتے ہیں وہ بھی کبھی غربا و مساکین کی طرح اختیاری طور پر فاقہ کی کیفیت سے اپنے کو آگاہ کریں تاکہ انہیں اپنے غریب بھائیوں پر گزرنے والی تکلیف کا ایک گونہ اندازہ ہو اور وہ ضرورت کے مواقع پر اپنے محتاج ، غریب اور بھوکے بھائیوں کے دکھ کا علاج ومداوا کر سکیں اور اپنی خداداد دولت سے مساکین کی مدد کر سکیں ۔ اس طرح ان کی اس داد وستد اور خیرات وصدقات سے اگر ایک طرف ضرور تمندوں کی حاجت روائی ہو تو دوسری طرف مالداروں کی مال کی حرص و آز کا بھی علاج ہو سکے کہ انسانی نفوس میں حرص موجود ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی

ہے۔

و احضرت الانفس الشح   اور نفوس کو حرص کے ساتھ اقتران ہوتا ہے

الشح اصلاً اس رذیلہ نفس کو کہتے ہیں جسکی وجہ سے انسان اپنے مال کے بارے بخیلی و کنجوسی برتتا ہے اور دوسروں کے مال پر حرص و طمع رکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا مہلک مرض ہے کہ حسد، بخل، حرص و طمع، چوری وڈاکہ زنی، سود و فریب وغیرہ گوناگوں مالی فساد کا مورث ہے اسلئے قرآن کریم نے دو بار ارشاد فرمایا ہے

و من یوق شح نفسه فأولئک   جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ
هم المفلحون۔   آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

الحشر ۹ التغابن ۱۶

غرض روزہ سے بھوک پیاس کا ذاتی تجربہ ہو جانے کی وجہ سے غرباء و مساکین کی حالت کا جو احساس ہوتا ہے جو مال کی محبت کو کم کر کے غرباء و مساکین پر خیرات وصدقات کا موجب وسبب بنتا ہے، اتنی بڑی خوبی ہے جو معاشرہ کی بے شمار مالی برائیوں کو ختم کر سکتی ہے اور پورے معاشرہ کو ایک ایسی اکائی بنا سکتا ہے جو جسد واحد کی طرح معاشرہ کے دکھ سکھ کو اکٹھا اٹھا سکیں اور یہی اسلامی مالی تعلیمات کا مقصد ہے حضرت سید والا تحریر فرماتے ہیں۔

"روزہ ہی امیروں اور پیٹ بھروں کو بتاتا ہے کہ فاقہ میں کیسی اذیت اور بھوک وپیاس کی تکلیف ہوتی ہے اور اسی وقت اس کو اپنے غریب اور فاقہ سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چند نعمتوں سے ان کی تکلیف کو دور کرنا کتنا بڑا ثواب ہے۔ جو خود بھوکا نہ ہو اس کو بھوک کی اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی تکلیف کا احساس کیونکر ہوگا۔ بقول حافظ ابن حجر سوز جگر سے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے روزہ اسی احساس کو زندہ اور ایثار رحم کو ہمدردی کے جذبہ کو بیدار کرتا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا

حال تھا کہ بعض صحابہؓ کہتے ہیں کہ رمضان میں آپؐ کی سخاوت بادرواں کی طرح ہوتی تھی (صحیح بخاری باب بدء الوحی) اور اسی کا اثر ہے کہ آج تک مسلمانوں کے یہاں اس مہینہ میں غریبوں اور فقیروں کی امدادو اعانت اور ان کا شکم سیر کیا جاتا ہے" (سیرت النبی جلد ۵ ص ۲۳۲)

یہ دنیا دھوپ چھاؤں ہے کبھی ایک ہی شخص دولت میں کھیلتا اور دنیا کی باغ بہار عیش وعشرت اور آرام وراحت میں زندگی گزارتا ہے اور کبھی وہی شخص فقروفاقہ میں مبتلا غیروں کا دست نگر اور ایک وقت کی روٹی کا محتاج ہو جاتا ہے۔ زندگی کے ایسے مواقع کیلئے ضرورت ہے کہ آرام و راحت اور فراخی وسعت کے ایام میں انسان کچھ مدت کیلئے اختیاری فقروفاقہ کی مشق کرے تاکہ خدا نخواستہ اگر کبھی متوقع مصائب گھیر لیں تو وہ انکا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرسکے۔ اسی طرح مسلمان جہاد کے میدان میں جس میں بھوک پیاس کا پیش آجانا کوئی بعید نہیں تحمل وبرداشت اور صبروضبط کا نمونہ پیش کر سکے۔ روزہ مسلمانوں میں اسی برداشت وسہار کی قوت وہمت پیدا کرنے کی مشق ہے۔ بقول حضرت سید الملۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ

" یہ گویا ایک قسم کی جبری فوجی ورزش ہے جو ہر مسلمان کو سال میں ایک مہینہ کرائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر قسم کے جسمانی مشکلات کے اٹھانے کے لئے ہر وقت تیار رہے اور دنیا کی کشمکش، جدوجہد، سختی ومحنت کا پوری طرح مقابلہ کرسکے۔ اس لئے روزہ کو قرآن پاک نے کبھی صبر کے لفظ سے بھی ادا کیا ہے تاکہ اس سے روزہ کی یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جائے"

(سیرت النبی جلد ۵ صفحہ ۲۳۶)

سلوک کے مجاہدات کا مقصد انسان سے گناہوں کی گندگیاں دور کرکے نیکی اور بھلائیوں کا حصول ہے جسے رذائل سے پاکی اور فضائل سے آراستگی کہتے ہیں۔ پس جس عمل سے بھی انسان کا نفس رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ ہو سکے وہ سلوک کی راہ کا مقصود ومدعا ہے۔ اس اعتبار سے روزہ انتہائی مفید ونافع اور کارگر بلکہ کلید اصلاح ہے۔ قرآن کریم نے روزہ کی فرضیت کا ایک بڑا سبب اسکی تقویٰ کی

خاصیت کو قرار دیا ہے جو روزہ کا مقصد ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

لعلکم تتقون (البقرۃ ۲۲) تاکہ تم پرہیزگار (تقوی والے) بنو

علامہ آلوسیؒ اس کی شرح یوں فرماتے ہیں۔

" ای کی تحذر و المعاصی فان الصوم یعقم الشھوۃ التی ھی امھا او یکسرھا ـــــ و الصیام کالصوم مصدر صام و ھو لغۃ الامساک ـــــ قال ابن درید کل شئی تمکث حرکۃ شئی تمکث حرکۃ فقد صام ـــــ و شرعاً امساک عن اشیاء مخصوصۃ علی وجہ مخصوص فی زمان مخصوص ممن ھو علی صفات مخصوصۃ۔"

تاکہ روزہ کی وجہ سے گناہوں سے بچے کہ روزہ شہوت عقیم (ختم) کر دیتا ہے کہ جو کہ گناہوں کی جڑ ہے یا اسے توڑ دیتا ہے اور صیام صوم کی طرح صام کا مصدر ہے جسکے لغت میں معنی رکنے کے ہیں ابن درید نے کہا ہے کہ ہر چیز جس کی حرکت ٹھہر جائے اسے "صام" کہیں گے اور شرع میں اس کا مطلب رکنا ہے مخصوص چیزوں سے مخصوص وجہ سے مخصوص زمانے میں۔ وہ مخصوص چیزیں خاص صفات پر ہوں۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں ارشاد فرماتے ہیں

ازاں جملہ ست حیات روح بگرسنہ وتشنہ داشتن بدن در صوم

ازاں جملہ روح کی زندگی ہے روزہ میں بدن کو بھوکا اور پیاسہ رکھتے ہیں

(تفسیر عزیزی ص ۴۲)

علامہ امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر میں لعلکم تتقون کی تفسیر میں جو فرماتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام سے واضح فرمایا ہے کہ روزہ کا نتیجہ وحاصل التقویٰ اس وجہ سے ہے کہ اس سے شہوت ٹوٹتی ہے اور خواہشات نفسانی کا قلع قمع (خاتمہ) ہوتا ہے کہ روزہ کھانے پینے کی خواہش اور رغبت سے روکتا بے حیائی اور فواحش سے۔ بچاتا اور دنیا کی لذتوں اور ریاست کو حقیر و ہلکا کر دیتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ روزہ پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کو مضمحل کر دیتا ہے

حالانکہ ان دونوں بطن وفرج کی خواہشات کی تگ ودو ہی میں لوگ لگے رہتے ہیں جیسا کہ مثل السائر میں ہے " المرء یسعی لغاریہ بطنہ و فرجہ " آدمی اپنے پیٹ و شرمگاہ کی خواہشوں کو پورا کرنے میں لگا رہتا ہے پس جو شخص کثرت سے روزہ رکھتا ہے ان دونوں کا معاملہ ہلکا ہو جاتا ہے اور ان کا سنبھالنا آسان ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے وہ محارم اور خواہش کو آسانی سے ٹھکرا دیتا ہے اور دنیا میں ریاست کا معاملہ اسکے کی لئے سہل ہو جاتا ہے اور یہ معاملات اسکے لئے التقویٰ کی اسباب کو آسانی سے اکھٹا کر دیتے ہیں کہ انسانوں کیلئے کھانے پینے اور نکاح کی خواہش سب سے اشد ہوتی ہے اور جب روزہ کی وجہ سے یہ کمزور ہوگی تو اللہ تعالیٰ اور تقویٰ کے تقاضے سے دگر جملہ اشیا کو چھوڑنا جنکا شرعاً تقاضا ہو زیادہ آسان اور ہلکا ہوگا اس طرح حصول تقویٰ اور ترک معاصی روزہ کی برکت سے سہل ہو جائیں گے ۔"

تفسیر کبیر رازی (۱۷۰،۱۴۹) جلد ۲

علامہ راغب اصفہانی الصوم کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں

الصوم فی الاصل الامساک عن الفعل مطعما کان او کلاما او مشیا و الصوم فی الشرع امساک و المکلف بالنیۃ من الخیط الابیض الی الخیط الاسود عن تناول الاطیبین والاستمناء و الاستقاء۔

مفردات راغب الاصفہانی ص ۲۹۳

الصوم فی الحقیقت لغت کے اعتبار سے کسی فعل (کام) سے رکنا ہے وہ کام کھانا کھانے کا ہو یا بات چیت ہو یا چلنا ہو اور شرع میں الصوم سے مراد رکنا ہے نیت کا مکلف ہوتے ہوئے یعنی ضرور نیت روزے کے کرتے ہوئے کہ بچوں گا فجر کی سفید دھاری (پو پھٹنے) سے لیکر مغرب کی سیاہ دھاری (جو افق پر چھاتی ہے) تک پاکیزہ کھانوں کے کھانے سے پانی پینے اور استمنا (خواہش نفسانی پورا کرنے) سے

مولانا روم فرماتے ہیں۔

و　هست روزه ظاهر امساک طعام　روزه معنی توجه دان تمام
این دهان بندد که چیزے کم خورد　واں بہ بندد چشم و غیرے ننگرد

یعنی ظاہر کا روزہ کھانے سے رکنا ہے اور باطنی و اصلی روزہ اپنی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ میں مشغول ہو جانا ہے۔ ظاہری روزہ منہ کو بند کر دیتا ہے کہ چیزیں کم کھائے اور باطنی روزہ غیر اللہ سے آنکھیں بند کر لیتا ہے کہ غیر کی مشغولیت ہی نہ رہے۔

یوں تو احادیث مبارکہ میں روزہ کے فضائل بہت آئے ہیں نمونہ کیلئے ایک حدیث نقل کرتا ہوں۔

عن ابی هريرةؓ ان رسول صلى الله عليه و سلم قال الصيام جنة فلا يرفث و لا يجهل فان امرو قاتله او شاتمه فليقل انى صائم مرتين والذى نفسى بده لخلوف فم الصائم اطيب عند الله من ريح المسك يترک طعامه و شرابه و شهوته من اجلى الصيام لى و انا اجزى به و الحسنة بعشر امثالها۔

بخاری شریف جلد ۱ صفحه ۲۵۷

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ ڈھال ہے پس روزہ دار فحش بے حیائی کا کام نہیں کرتا۔ نہ جہالت والا عمل کرتا ہے۔ پس اگر کوئی اس سے قتال کرتا ہے یا اسے گالی دیتا ہے پس اسے چاہیئے کہ وہ دو بار کہہ دے میں روزہ دار ہوں۔ پس اس ذات کی قسم روزہ دار کے منہ کی وہ بو (جو روزہ کی وجہ سے خلو معدہ کے باعث اس کے منہ سے نکلتی ہے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار (پاک و بہتر) ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ دار اپنا کھانا اور پینا اور خواہش نفس میرے لئے چھوڑتا ہے۔ روزہ خالص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا بدلہ دونگا۔ حالانکہ جزا کا عام قاعدہ یہ کہ نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں الصيام لى و انا اجزى به کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

ان الاستغناء عن الطعام و غيره من الشهوات من صفات الرب جل جلاله فلما تقرب الصالح اليه بما يوافق صفاته اضافه اليه — و قال القرطبي معناه ان الاعمال العباد مناسبة لاحوالهم الا الصيام فانه مناسب لصفته من صفات الحق كانه يقول ان الصائم يتقرب الى بامر هو متعلق بصفته من صفاتي

فتح الباری جلد ۴ ص ۸۸

کھانے وغیرہ کی خواہشات سے استغناء اور بری ہونا اللہ جل جلالہ کی صفات سے ہے پس جب کوئی صالح شخص اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرتا ہے ایسی صفت سے جو اس کی صفات کے موافق ہوتی ہے تو وہ اسے اپنی صفت کی طرف اضافہ یا منسوب کرلیتا ہے ـــــ علاّمہ قرطبیؒ کا قول ہے کہ انسان کے اعمال ان کے اعمال سے ہی مناسبت رکھتے ہیں سوائے روزے کہ وہ حق تعالیٰ شانہ کے صفات میں سے ایک صفت میں اس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ دار میرے قریب ہوتا ہے ایک ایسی صفت میں جو میری صفات سے متعلق (یعنی) مشابہ ہے۔

قال البيضاوي ـــ و المعنى ان الحسنات جزاء ها من عشرة امثالها الى سبع مائة ضعف الا الصوم الى هذا القدار بل ثوابه لايقدار و لايحصيه الا الله تعالى ولذالك يتولى الله جزاءه بنفسه و لا يكله الى غيره قال و السبب في اختصاص بهذه المزية امران احدهما ان سائر العبادات مما يطلع عليه و الصوم سر بين العبد و بين الله

قاضی البیضاویؒ کہتے ہیں کہ نیکیوں کا ثواب بڑھایا جاتا ہے دس گنا سے سات سو گنا تک سوائے روزہ کے کہ اس کا ثواب صرف اس قدر نہیں بڑھایا جاتا بلکہ اسکا ثواب کا نہ کوئی اندازہ کیا جا سکتا ہے نہ کوئی گن سکتا ہے سوائے اللہ تعالی کے اس لئے اس کی جزا اللہ تعالی نے اپنے ہی سپرد کی اور کسی اور کے حوالے نہیں کی اور بیضاوی کہتے ہیں کہ اس مزیت کے خاص ہونے کا سبب دو وجہ سے ہے کہ باقی جتنی بھی طاعات ہیں وہ دیکھی جا سکتی ہیں اور روزہ جو ہے وہ بھید ہے بندہ اور اللہ تعالی کے درمیان میں جو بندہ

تعالی یفعله خالصا له یعامله طالبا لرضاه و الی ذالک اشارة بقوله فانه لی و الآخر ان سائر الحسنات الی صرف المال واستعمال البدن و الصوم یتضمن کسر النفس و تعریض البدن للنقصان و فیه الصبر علی مغض الجوع و العطش و ترک الشهوات و الی ذالک اشار بقوله شهوة من اجلی۔

فتح الباری جلد ۴ ص ۸۸

خالص اس کیلئے کرتا ہے اور وہ اسے خالص اس کی رضا کے طلب کرنے کیلئے کرتا ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے حدیث قدسی کے ان لفظوں میں "وہ خالص میرے لئے ہے" اور دوسرا سبب یہ ہے کہ ساری عبادات مال کے خرچ کرنے اور بدن کے استعمال تک ہوتی ہیں اور روزہ جو ہے وہ نفس کے توڑنے، بدن کو نقصان کے سپرد کرنے اور بھوک وپیاس کی شدت برداشت کرنے اور شہوات کو ترک کرنے وغیرہ اور پر شہوات کو ترک کرنے وغیرہ پر مشتمل ہے جسکا اشارہ حدیث قدسی کے اس بول کی طرف ہے کہ اس نے اپنی خواہش میرے لئے چھوڑدی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی روزہ کی بحث میں رقم طراز ہے۔

الصوم فی اللغة الامساک ـــ و ان فی الشرع الامساک عن الاکل و الشرب و الجماع و هو ملحق به من الطلوع الفجر الثانی الی غروب الشمس و قال ابن العربی وقع الصوم فی عرف الشرع علی امساک مخصوص فی زمن مخصوص مع النیة و قال ابن قدامه هو

الصوم کا لغت میں معنی رکنے کا ہے اور شرع میں کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے لیکر سورج کے غروب ہونے تک رکے رہنے کا نام ہے اور علامہ ابن عربی فرماتے ہیں کہ عرف شرعی میں ایک مخصوص زمانے میں ایک "خاص رکنا" نیت کے ساتھ صوم کہلاتا ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں روزہ طلوع فجر ثانی سے لیکر غروب آفتاب تک افطار یعنی روزہ توڑنے والی چیزوں سے رکنا ہے۔

الامساک عن المفطرات من
طلوع الفجر الثانی الی غروب
الشمس۔

عمدۃ القاری جلد ۳ صفحہ ۲۵۲

علامہ عینی مزید ارشاد فرماتے ہیں یقیناً روزہ نیکی البر تک پہنچانے والا ہے جو کہ انسان کو روک دیتا ہے بہت سے گناہوں سے اور بدن کا تزکیہ بھی اس سے ہوتا ہے اور شیطان کے بہت سے راستے روک دیتا ہے اور روزہ دوزخ سے بچانے والا ہے کہ یہ شہوات سے بچاتا ہے جو کہ دوزخ کو گھیرے ہوئے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ جنت مکارہ یعنی ان کاموں سے ڈھانپ لی گئی ہے جو نفس پر گراں ہیں اور دوزخ شہوات سے ڈھانپی گئی ہے

(عمدۃ القاری جلد ۱۰ ص ۲۵۲، ۲۵۴)

غرض روزہ انسانی اصلاح وفلاح کا ایک جامع نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے امت پر رمضان المبارک کے پرانوار وبرکات والے مہینہ میں فرض کیا۔ یہی مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے اور اسکی تجلیات وخیروں کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ اسی میں ہزار مہینے سے بہتر ایک رات شب قدر کی ہے۔ اسی میں اعتکاف جیسی عبادت ہے۔ اسمیں تراویح جیسی نماز ہے جس میں تمام دنیا میں مسلمان پورا قرآن مہینہ بھر میں امام سے نماز کے اندر سنتے رہتے ہیں۔ یہ شب بیداری سحری وافطار جیسی نورانی ساعات کا حامل مہینہ ہے۔ باہمی ہمدردی ومواسات خیروخیرات زکوٰۃ وصدقات انہی ایام میں اپنی بہار دکھاتے ہیں۔

غرض روزہ اور اسی کی متعلقہ عبادات سے رمضان کی رونق ہے اور رمضان اپنی خیروں وبرکتوں کی بارش روزہ داروں پر کرتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ مبارک سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے اور اپنی نجات ومغفرت کا سامان کر لیتے ہیں۔

حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ ایک طالب کو لکھتے ہیں۔

"رمضان المبارک کی برکات بھی جب ہی حاصل ہوتی ہیں جب اس کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں"۔

حضرت سید صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ مختلف اشخاص کو مختلف خطوط میں ارقام فرماتے ہیں۔

۱۔ رمضان المبارک بخیریت تمام ہوا روزے پورے ہوئے اور تراویح بھی کامل ہوئیں. بحمد اللہ۔

۲۔ خدا کا شکر ہے کہ رمضان المبارک کا حق آپ نے پورا کیا اس زمانے میں سب سے بہتر عبادت کثرت تلاوت ہے۔

۳۔ سفر میں اگر تراویح باجماعت نہو سکے تو چند رکعت رات کے کسی حصہ میں پڑھ لیجیے انشاء اللہ تعالیٰ باعث برکت ہوگا۔

۴۔ نفل روزہ دوشنبہ کو یا جمعرات کو رکھ سکتے ہیں۔

۵۔ تراویح کی قضا نہیں۔ اگر جماعت کے ساتھ نہو سکے تو گھر پر پڑھ لیں مگر معمولی عذرات پر جماعت ترک نہ کریں امتحان کی تیاری کی محنت کے سبب عذر موقت ہو تو گھر پر پڑھ لیا کریں۔

۲۳ اپریل ۱۹۹۵ء

ی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حج

حج توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اسلام کا چوتھا اور آخری رکن ہے جو اسلامی عبادات کی تکمیل کرتا ہے۔ اسلام ملت ابراہیمی کا دوسرا نام ہے۔ اشاد ربانی ہے:

قل صدق اللّٰہ فاتبعوا ملة ابراھیم حنیفاً و ما کان من المشرکین۔ انّ اول بیت وضع للنّاس للذی ببکة مبارکاً و ھدًی للعلمین۔ فیه آیة بینٰت مقام ابراھیم۔ و من دخله کان آمناً۔ و للّٰہ علی النّاس حج البیت من استطاع الیه سبیلاً۔ و من کفر فان اللّٰہ غنی عن العلمین۔

آل عمران ۱۰

کہہ کہ خدا نے سچ فرمایا تو ابراھیم کے دین کی پیروی کرو، شرک سے منہ موڑ اور ابراھیمؑ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ بے شک وہ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہی ہے جو بکہ میں ہے، بابرکت اور دنیا کیلئے راھنما، اس میں کچھ کھلی نشانیاں ہیں، ابراھیم کے کھڑے ہونے کی جگہ، اور جو اس میں داخل ہو وہ امن پا جائے اور خدا کا لوگوں پر اس گھر کا قصد کرنا فرض ہے، جسکو اسکے راستہ (سفر) کی طاقت ہو اور جو (اس قدرت کے باوجود) اس سے باز رہے تو خدا دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

حضرت سید الملتؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"کہ حج کی حقیقت خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مورد خاص میں حاضری، حضرت ابراھیمؑ کی طرح خدا کی دعوت پر لبیک کہنا اور اس عظیم الشان قربانی کی روح کو زندہ کرنا ہے یعنی ان دو برگزیدہ بندوں کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کے

حکم کے سامنے تسلیم و رضا اور فرمانبرداری اور اطاعت کیشی کے ساتھ اپنی گردن جھکا دینا کو اور اس معاہدہ کو اور عبودیت کے اظہار کو اسی طرح بجا لانا جسطرح وہ ہزاروں برس پہلے بجالائے اور خدا کی نوزشوں اور بخششوں سے مالامال ہوئے، یہی ملت ابراہیمی اور یہی حقیقی اسلام ہے۔ یہی روح اور یہی باطنی احساس اور جذبہ ہے جسکو حاجی ان بزرگوں کے مقدس اعمال اور قدیم دستوروں کے مطابق حج میں اپنے عمل اور کیفیت سے مجسم کرکے ظاہر کرتے ہیں۔ تمدن کی اسی ابتدائی دور کی طرح وہ ان دنوں بن سلے اور سادہ کپڑے پہنتے ہیں۔ وہ خود اپنے کو حضرت اسماعیلؑ کی طرح خدا کے حضور میں نذر کرنے جاتے ہیں۔ اس لئے اتنے دنوں تک سر کے بال نہ منڈاتے ہیں، نہ ترشواتے ہیں۔ دنیا کے عیش و نشاط اور تکلف کی زندگی سے پرہیز کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر چھپاتے ہیں اور اسی والہانہ انداز سے جسطرح ابراھیم و اسماعیل علیہما السلام تین دن کے سفر کے گرد و غبار میں اٹے ہوئے دوڑے ہوئے خدا کے گھر میں آئے تھے، آتے ہیں اور جسطرح حضرت ابراھیمؑ نے خدا کی پکار پر لبیک کہا تھا وہی تین ہزار پہلے کا ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے۔

لبّیکَ اللّٰھُمَّ لبّیکَ۔ لبّیکَ لا شَرِیکَ لکَ لبّیکَ۔ اِنَّ الحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لکَ وَ المُلْکَ لا شَرِیکَ لکَ	میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ سب خوبیاں اور نعمتیں تیری ہی ہیں، اور سلطنت تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ خدمت کی آمادگی کا ترانہ، اور یہ توحید کی صدا، ان تمام مقامات اور حدود میں بلند کرتے پھرتے ہیں، جہاں جہاں ان دونوں بزرگوں کی نقش قدم پڑے تھے، اور چونکہ وہ خود اپنے آپ کو روحانی طور پر خدا کی قربانگاہ پر نذر کرنے چلتے ہیں، اسلئے اپنے آپ کو سات دفعہ اس بیت ایل یا بیت اللہ کے چاروں طرف پھرا کر تصدق کرتے ہیں پھر جہاں سے جہاں تک (صفا سے مروہ تک)

حضرت ابراہیمؑ دوڑ کر گئے تھے کہ مروہ پر پہنچ کر بیٹے کی قربانی کریں گے، وہاں ہم دوڑتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں، اور گناہوں کی بخشائش چاہتے ہیں، اور عرفات کے سب سے بڑے میدان میں جمع ہوکر، اپنی تمام گزشتہ عمر کے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں، خدا کے حضور میں گڑگڑاتے ہیں، روتے ہیں، قصور معاف کراتے ہیں، اور آئندہ زندگی کے لئے، خدا کے ہاتھ پر اس کی عبودیت، بندگی اور اطاعت کا نیا عہد و پیمان باندھتے ہیں، اور یہی در حقیقت حج کا اصلی رکن ہے (۱)، یہ تاریخی میدان اس تاریخی عہد کی یاد، ان بزرگوں کے نقش قدم، اور ان کی دعا کے مقامات، اور تجلیات ربانی کے مناظر، دور دراز سفر اور ہر قسم کی محنت کے بعد، اکثروں کو عمر میں ایک دفعہ اس مقام پر آسکنے کا موقع، اور لاکھوں بندگان خدا کا، ایک ہی وحدت کے رنگ میں، ایک ہی لباس و شکل و صورت، ایک ہی حالت اور جذبہ میں سرشار ایک بے آب و گیاہ اور خشک میدان، اور جلے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں اکٹھے ہوکر، دعا و مغفرت کی پکار، گزشتہ عمر کی کوتاہیوں اور بربادیوں کا ماتم، اپنی بدکاریوں کا اقرار، اور پھر اس احساس کے ساتھ کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ابراہیمؑ خلیل اللہ سے لیکر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم رسول اللہ تک بہت سے انبیاء علیہ السلام اسی حالت اور اسی صورت میں اور یہیں پر کھڑے ہوئے تھے، ایسا روحانی منظر، ایسا کیف، ایسا اثر، ایسا گداز، ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے، جس کی لذت تمام عمر فراموش نہیں ہوتی، پھر اپنے نذر کے دن پورے کرکے، اپنی طرف سے ایک جانور حضرت ابراہیمؑ کی پیروی اور اپنی روحانی قربانی کی تمثیل میں جسمانی طور سے ذبح کرتے ہیں، اور اس وقت اسی اطاعت، اسی فدویت، اسی سرفروشی، اور اسی قربانی کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں جو کبھی اسی میدان میں اسی موقع پر اور اسی حالت، اور اسی شکل میں دنیا کے سب سے پہلے داعی توحید نے اپنے عمل اور اپنی زبان سے ظاہر کی تھی، اور وہی جذبات اس وقت حاجیوں کے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں اور ان کی زبانوں سے حضرت ابراہیمؑ ہی کے الفاظ کی صورت میں ظاہر ہوتے

(۱) ترمذی کتاب الحج باب ما جاء من ادرک الامام فقد ادرک الحج

ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الحج)

انی وجهت وجهی للذی فطر السمٰوات و الارض حنیفا و ما انا من المشرکین۔ (انعام۔ ۸۰)	میں نے ہر طرف سے منہ موڑ کر اس کی طرف منہ کیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، موحد بنکر اور میں ان میں نہیں جو خدا کا شریک بناتے ہیں۔
قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلٰمین۔ لا شریک لہ و بذالک امرت و انا اول المسلمین (انعام ۱۶۳، ۱۶۴)	میری نماز اور میری قربانی، اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے، جو تمام دنیا کا پروردگا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہی حکم مجھ کو ہوا ہے، اور میں سب سے پہلے فرمانبرداری (اسلام) کا اقرار کرتا ہوں۔

حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ کی مندرجہ بالا طویل تحریر سے حج کی اہمیت اس کے گوناگوں فوائد و مزایا اور اسکی ہمہ گیر اور عالمگیر خوبیوں اور کمالات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوا ہوگا۔ اسلامی انفرادی و اجتماعی زندگی کے بنانے میں حج کی کارفرمائی قدم قدم پر نمایاں ہے، حاجی جو اخلاص اور توجہ سے حج کرلیتا ہے اسکی لاحقہ یعنی حج سے بعد کی زندگی اسکی پہلی زندگی سے نمایاں طور پر ممیز ہوجاتی ہے یعنی سدھر جاتی ہے۔ اس کی زندگی کے جزو کل پر اسکا حج اثر انداز ہوتا ہے۔ حج کے معمولات، کعبۃ اللہ کی حاضری، مناسک کی ادائیگی، عرفات و منیٰ کا قیام اور اس خطہ پاک کے اعمال روحانی زندگی پر ایسی گہری چھاپ لگا دیتے ہیں کہ زندگی کا سانچہ کلیۃً بدل جاتا ہے پہلے دور میں جب حج پیدل ہوا کرتا تھا اور حاجی ایک دوسرے کے استقبال والوداع کے لئے ایک دوسری بستی تک حاجیوں کے ساتھ جاتے آتے تھے یہ تاثر زیادہ قوی ہوتا تھا اور یہ حج کے قافلے جو ایک طرف مراکش اور سپین سے لیکر چین اور ہندوستان تک اور دوسری طرف مالابار کے ساحل سے لیکر وسط افریقہ کے ساحلوں تک آتے جاتے تھے۔ حج کے قافلوں

کی روحانی برکات و اثرات اور زندگی پر انکی اثر اندوزی کا بولتا اثر پیش کرتے تھے ۔ دین کی دعوت اور اسلام کی تبلیغ کا یہ چلتا پھرتا نظام تھا جو بغیر کسی ظاہری تطمیع و نمائش کے اپنے اثرات معاشرے پر مرتب کرتا رہتا تھا ۔

نوٹ ۔ یہ وہ مقام ہے جسکے تحریر فرمانے کے بعد حضرت کو اولاً بیماری کی وجہ سے اور بالآخر وصال فرمانے کی وجہ سے مزید تحریر فرمانے کا موقع نہ مل سکا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

حضرت کی یہ خواہش تھی کہ جلد دوم میں روزہ اور حج کی کمی ہے اسکو پورا کیا جائے ۔ الحمد للہ روزہ تو حضرت کی زندگی میں ہی پورا ہوکر صاف بھی ہوگیا تھا اور حضرت نے اسکا پروف ملاحظہ بھی فرمایا تھا لیکن حج پر تحریر فرمانے کی حضرت نے ابتدا ہی فرمائی تھی کہ وہ وقت آپہنچا جسکے لئے حضرت یہ سب کچھ کر رہے تھے ۔ راقم کا حضرت کے ساتھ اسکے لئے مسلسل رابطہ رہا لیکن جتنا تحریر فرما چکے تھے اس سے زیادہ نہ ہوسکا ۔

اسلام آباد ہاسپیٹل کمپلکس میں علاج کے سلسلے میں جب حضرت تشریف لائے تو اس وقت ٹیلیفون خراب ہونے کی وجہ سے راقم کو اطلاع نہ ہوسکی اور اسطرح اسی نامکمل حالت میں اسکو لکھنا پڑا ۔ موجودہ تحریر پر غور کیا جائے تو پیغام کے لحاظ سے یہ مکمل ہے کیونکہ مناسک کے مسائل تو ماشاء اللہ حج کی کتابوں میں کافی موجود ہیں یہاں تو حج کی عظمت و مقصد پر تحریر فرمانا مقصود تھا جو موجودہ صورت میں بھی انشاء اللہ حاصل ہوسکتا ہے ۔ حضرت شیخ مولانا زکریاؒ کی فضائل حج ، حضرت مفتی سعید احمدؒ کی معلم الحجاج اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زبدۃ المناسک حج کے فضائل اور مناسک کے مسائل کیلئے انشاء اللہ کافی ہیں ۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے روح پاک پر بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے ۔ اور ہم سب کو آپ کے فرمودات مبارکہ اور تحریرات معطرہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ جس مقصد کیلئے حضرت آخر دم تک اس کتاب کے تکمیل کیلئے

بیچین رہے وہ مقصد پورا ہوسکے۔ حضرت کا اپنی زندگی میں یہی مقصد رہا کہ امت مسلمہ اپنی قدر و منزلت پہچان لے اور پھر سے اپنے اسلاف کی طرح اتباع سنت کی عظیم نعمت سے سرفراز ہوکر دنیا کی قیادت سنبھال لے۔ جن کو بھی اس کتاب سے فائدہ ہو ان سے درخواست ہے کہ وہ حضرت کیلئے ایصال ثواب فرمائے جس میں جانبین کا نفع ہے۔ انشاء اللہ۔

اس کتاب کی کتابت اور انتظام و طباعت میں جن ساتھیوں نے حصہ لیا ہے ان کی طرف سے قارئین کی خدمت میں دعا کی درخواست ہے کہ اس عظیم کام میں ان سے جو کوتاہیاں اور غفلتیں ہوئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور ان سب کو اللہ تعالیٰ جمیع امت کے ساتھ اپنی کامل اور دائم رضا کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ حضرت کے متعلقین کیلئے ایک مژدہ ہے کہ حضرت کے خلیفہ مجاز ڈاکٹر شیر حسن صاحب مدظلہ نے حضرت کی زندگی میں جو مواعظ اور ملفوظات تحریر فرمائے تھے حضرت کے متعلقین کا ارادہ ہے کہ ان کو چھاپا جائے۔ الحمد للہ ان کی کتابت پر کام شروع ہوچکا ہے۔ اسطرح حضرت کے مقالات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ جہاں سے بھی میسر ہوں ان کو چھاپنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مشن کو تکمیل تک پہنچانے کی غیب سے صورتیں پیدا فرمائیں۔

آمین۔ اللھم اغفرلہ و لنا و لجمیع المومنین و المومنات یوم یقوم الحساب۔ و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و علی آلہ و صحبہ و سلم۔

از کاتب مھجور

شبیر احمد غفرلہ

قرانُ السّعدَین

اخی المحترم جناب ڈاکٹر مولوی غلام محمد صاحب تذکرہ سلیمانؒ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کاش مکاتیب سلیمان و اشرف مل جاتے تو آج اس مرقع سلیمانی میں جان پڑ جاتی۔ سلوک و معرفت کے کیسے دلکش مناظر دیکھنے میں آتے اور منتہی سالکین کی کتنی گھتیاں ان سے سلجھتیں!" (تذکرہ سلیمان ص۱۲۶ حاشیہ)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان و کرم تھا کہ حضرت اقدس مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے دو اجل خلفاء ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب قدس سرہٗ اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بندہ کو ترتیب و اشاعت کی غرض سے اس مکاتبت کی نشاندہی فرمائی۔ جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اعلی اللہ مقامہ اور حضرت سیدی و مولائی علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ہوئی تھی اور اس سلسلے میں اپنے النور کے رسالے بندہ کے سپرد کئے۔ بندہ النور کے ان رسائل سے حضرات شیخینؒ کی اس مکاتبت کو برکت و خیر اور افادہ عام کے لئے نقل کرتا ہے۔ اور اپنے اس مجموعہ

کی ابتداء ان بابرکت مکتوبات شیخین سے کرتا ہے۔ اور اسے قرانِ السعدین سے معنون کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض سے بندہ قاصر اور پوری امت کو رہتی دنیا تک مستفید فرماتا رہے اور اسے سب کے لئے سرمایہ آخرت بنائے۔ آمین۔

مکاتبت

حضرۃ سیدالملۃ قدس سرہٗ

و

حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ

مکتوب نمبر ۱

(النور نمبر ۷۔ جلد ۲۲ ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ ص ۵/۹۱، ۶/۹۱)

س: (حال) السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ والا نامہ کو پڑھ کر آنکھیں آبدیدہ ہوئیں کہ حضرت نے اس قدر نوازش فرمائی۔

ت: (تحقیق) میں اپنے ذمہ کا حق بھی ادا نہ کر سکا۔ نوازش تو کیا ہوتی۔

س: (حال) پچھلے عریضہ کے دن سے یعنی ۶ ر رمضان المبارک سے بحمد اللہ کہ ذکر اللہ چھ ہزار سے بڑھا کر بارہ ہزار روزانہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں۔

ت: (تحقیق) آمین وقد فعل انشاء اللہ۔

س: (حال) ذکر کے اوقات کے علاوہ کبھی کم اور کبھی زیادہ بلا ارادہ بلا تحریکِ لسان اندر سے اللہ اللہ جاری رہتا ہے۔ اور ذہول

بھی ہوجایا کرتا ہے۔ مگر تذکر کے علاوہ خشیت یا محبت کی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔

ت (تحقیق) انفعالات غیر اختیاری ہوتے ہیں۔ اور کوئی غیر اختیاری مقصود نہیں گو محمود ہوں۔ ان کے ساتھ یہ معاملہ رکھنا چاہیئے۔ کیلا تا سوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم۔

س (حال) ایک بات عرض کرتا ہوں۔ کیفیت ہے۔ اس لیئے عرض کرتا ہوں۔ میں تصور شیخ کا کبھی قائل نہ تھا۔ اور نہ مستحسن سمجھتا تھا۔ مگر میرا یہ حال ہے۔ کہ اکثر اوقات ذکر میں اور کبھی یوں بھی حضرت کی شبیہہ مبارک (صورت) نظر کے سامنے آجاتی ہے اور میں اس کو دور بھی نہیں کرتا۔

ت (تحقیق) جو چیز بعض مفاسد کی وجہ سے بعض کے لئے غیر مستحسن ہے وہ تصور ہے جو باختیار ہو۔ اور غیر محل مفسدہ میں دور کرنا واجب نہیں۔ حدیث میں ہے۔ کأنی انظر الی وبیص ساق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

س (حال) تہجد جاری ہے۔ اتنا اضافہ ہوا ہے۔ کہ اس موقعہ کے ادعیۂ ماثورہ یاد کر کے پڑھنے لگا ہوں۔ جیسے لک الحمد انت نور السمٰوت والارض اور اللھم لک سجدت وبک امنت وغیرہ۔

ت (تحقیق) سنت کا مورث برکات ہونا یقینی ہے۔

س (حال) میرے والد مرحوم ابوالعلائی طریقہ کے حضرت شاہ ابواحمد صاحب بھوپالی کے مرید و خلیفہ تھے۔ بچپن میں ان دونوں بزرگوں نے اپنے حلقہ میں مجھے شامل کیا۔ والد صاحب مرحوم ذکر جہری معروف کراتے تھے۔ مگر مجھے رغبت نہ ہوئی۔ بعد کو مجھے یہ کچھ بدعت سا معلوم ہونے لگا۔ قصد السبیل میں حضرت نے ادہر جو اشارہ کیا ہے اس سے تسکین ہوئی۔ کہ نفسِ ضرب اور طریقۂ ضرب کوئی ثواب کا کام نہیں آپ نے ضرب کی اجازت دی ہے۔ مگر ابھی تک اس پر عمل نہ کر سکا۔ اور میلان نہیں پاتا۔

ت (تحقیق) اجازت مستلزم ترجیح نہیں۔ راجح فی نفسہ خفی ہے۔ اور بعض مصالح کی بنا پر غیر مفرط بھی مطلوب ہے۔ اور مغلوبیت میں مفرط بھی عفو ہے۔

س (حال) بھائی صاحب مرحوم توجہ دیتے تھے۔ اور مراقبہ کراتے تھے۔ مگر بچپن تھا۔ قدر اس نعمت کی ہوئی پھر ایام تعلیم میں اور احوال پیش آئے جو اُدہر سے مانع اور حاجب بن گئے۔

ت (تحقیق) اس میں تو ذکر جہر سے زیادہ بدعت کا شبہ ہے گو دونوں شبہے غلط ہیں۔ مگر ذکر جہر کی اصل منقول تو ہے۔ یہ تو کہیں منقول ہی نہیں۔

مکتوب نمبر ۲

(النور نمبر ۸۔ ج ۲۲۔ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ صفحہ ۳/۹۲)

س (حال) اب حضرت کے فیض سے اس عمر میں جب خمسین وستین کے بیچ کی منزل ہے۔ پھر ادھر پلٹنا ہوا۔ عرض یہ ہے کہ ذکر کے وقت خیال کی مرکزیت کے لئے کسی تصور کو قائم رکھنے کا خیال دل میں پہلے کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ کیا کوئی ہدایت اس باب میں مل سکتی ہے۔

ت (تحقیق) اس کا انجام تشبیہ کا غلبہ ہے۔ تنزیہ پر۔ جو نہایت خطرناک ہے۔ اگر کوئی مرکز قائم بھی ہو گیا تو وہ غیر مقصود کام ہوگا۔ اور ذکر اس کو مقصود سمجھے گا تجویز کردہ ہر تصور خلاف واقع ہوگا۔

س (حال) توجہ کی نسبت حضرت کے کلام میں ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عارضی فائدہ کی چیز ہے۔ مگر شاید معین عمل تو ہوگی۔

ت (تحقیق) احیاناً ایسا بھی ہوتا ہے۔ اور دوسرے احیان میں مانع بھی ہو جاتا ہے جیسے رکوب کی عادت سے مشی علی الرجل سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اور مرکب نہ ملنے کے وقت سفر المقصود سے محروم۔

س (حال) زیادہ کیا عرض کروں ع

در حضرت کریم تمنا چہ حاجت است

ت (تحقیق) مجھ جیسا طالب علم خوگر کلام ایسا کریم کب ہو سکتا ہے

س (حال) عرض کیا تھا کہ مجھے اپنی ہر بات میں بڑائی اور اپنی تعریف

سننے کو جی چاہتا ہے۔ اور میرے ہر کام میں سستی پائی جاتی ہے
ارشاد ہوا۔ کہ ان دونوں کے درجے ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری، کون
سے درجہ کی شکایت ہے۔ اس سے یہ سمجھا۔ کہ جس حد تک غیر اختیاری
ہے۔ وہ معذور ہے۔ لیکن جو اختیاری ہے اس کو دور کیا جائے۔ اگر
یہ میری تقصیر فہم ہے۔ تو تنبیہ فرمائی جاوے۔

ت (تحقیق) ماشاء اللہ تفسیر میں ذرا بھی تقصیر کا احتمال نہیں۔

س (حال) بحمد اللہ کہ تکبّر نہیں۔ مگر تکبّر سے ڈرتا ہوں۔ یہی سبب سوال تھا

ت (تحقیق) یہ ڈر ہی تو جالبِ رحمت و نصرت ہے۔

واعلموا ان اللہ مع المتقین اس میں نص ہے

مکتوب نمبر ۳

(النور نمبر ۱ - جلد ۲۲، ماہ صفر ۱۳۶۱ھ ص ۳/۹۷ تا ۵/۹۹

س[۱] :- از ہیچمدان

بخدمت حضرت اقدس دام فیضہٗ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ل :- السلام علیکم۔ یہی اعتقاد (ہیچمدانی کا) ہمہ دانی کی مفتاح ہے۔

س :- دوستوں کی زبانی مراجعت تھانہ بھون اور صحت مزاج گرامی کی خبر ملی جس سے
مسرت ہوئی۔ ادام اللہ بقاءکم فینا بالصحۃ والعافیۃ والسلامۃ

الجواب :- جزاکم اللہ تعالیٰ علی ھذہ المحبۃ

---

[۱] س کی جگہ 'مضمون' اور 'ل' کی جگہ 'جواب' لکھا ہے

س:- بحمداللہ معمولات جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ استحکام و استقامت
ارزانی فرمائیں۔

ل:- آمین

س:- ان دنوں تذکرۂ رشیدیہ کا مطالعہ رہا۔ اور معلوم ہُوا۔ کہ علماء صالحین
وکاملین کی تصویر کیسی ہوتی ہے۔ اس سے جذبہ عمل کو بھی تقویت
ہوئی۔ فبحمداللہ

ل:- زادکم اللہ نفعا۔

س:- حضرت والا کی متعدد تصانیف "بہشتی زیور، حیوۃ المسلمین،
صفائی معاملات اور مواعظ مختلفہ اشرف العلوم" زیر نظر رہتے
ہیں۔ ان کا اثر ہے کہ میں اپنی نظر میں آپ بے وقعت ہو گیا۔ اعوذ
باللہ من علم لا ینفع کی حقیقت جلوہ گر ہو گئی۔ ان مواعظ میں
عوام تو عوام اہل علم کے لئے بھی کیسی بصیرتیں ہیں۔ ان میں بہت
سے ایسے نکاتِ علمی ملے۔ جن تک اپنی راہ پہلے گو پہنچ چکا
تھا۔ مگر اُن کو ان تصانیف میں پڑھ کر ذوقِ تازہ بہم پہنچا۔ اور کتنے
ایسے شبہات علمی تھے، جو ان اوراقِ شریفہ کے مطالعہ سے دور
ہو گئے۔ فبحمداللہ تعالیٰ۔

ل:- ھنیئاً لکم ھذہ العلوم و رزقنیھا ببرکۃ حسن ظنکم۔

س:- میں نے اپنی سستی کی شکایت کی تھی۔ حضرت نے پوچھا تھا۔ کہ
یہ طبعی ہے۔ یا اور کسی سبب سے۔ سو وہ طبعی تھی۔ اور میں اس سے

ملول تھا۔ آج حضرت کے وعظ ملقب بہ 'شعبان' میں اس بیان کو پڑھا۔ کہ طبعی سستی پر پھر احکام کو بجالانا میں حامل ثواب ہے۔ اس سے میرا وہ ملال آج خدا کا شکر ہے۔ کہ دور ہوگیا۔ اور انبساط عجیب کا باعث ہوا۔ اور خیال ہوا۔ کہ شاید 'وضوء علی المکارہ' جو حدیث میں آیا ہے۔ اس سے بھی یہ اشارہ نکلتا ہو۔

ق:۔ بالکل صحیح ہے۔ اور نصوص میں اس کی صریح تائیدات بہت ہیں۔

س:۔ صفائی معاملات سے حقوق عباد کی اہمیت دل میں اتر گئی۔ میری پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا تھا۔ دَین مہر واجب تھا۔ میں نے عزم کیا کہ سب ورثہ سے اس کو معاف کراؤں گا۔ خواہ وہ مجھ سے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اعزہ ورثہ بکھرے ہوئے تھے۔ اتفاق عجیب کہ ابھی میرے بڑے سالے کا انتقال ہوا۔ تعزیت میں سب ورثہ جمع تھے۔ میں نے سب سے معاف کرایا۔ یہاں تک کے اپنے چھوٹے بالغ لڑکے سے۔ اور دل نے راحت محسوس کی۔ وما ھذا اباد ل برکاتکم۔

ق:۔ ماشاء اللہ توفیق حق یہی ہے جعلہ اللہ لنا رفیقا لنا ولکم۔

س:۔ میں نے عرض کیا تھا۔ کہ مرکزیت خیال کے لئے ذکر کے وقت کیا تصور قائم کیا جائے۔ ارشاد ہوا یہ مرتبہ تنزیہ کے خلاف ہے۔ یہ بات میرے دل میں بھی آرہی تھی۔ مگر ایک دفعہ خود بخود کعبہ کا خیال آگیا اور میں اس میں اپنے تصور میں مقام ابراہیم میں بیٹھ کر ذکر کرنے لگا مگر وہ چیز آتی تھی۔ جاتی رہی۔ اتفاق سے حضرت کے ایک وعظ

میں اوپر اشارہ پایا۔ (حوالہ ڈھونڈا مگر اس وقت نہیں ملا) کیا ارشاد ہے۔

ا:۔ میں کلمہ "ادھر" کا اور کلمہ "حوالہ" کا مدلول نہیں سمجھا۔

س:۔ میں نے توجہ کی خواہش کی تھی۔ جواب سے تشفی ہوئی اور مصلحت سمجھ میں آئی۔ پھر وعظ 'وحدۃ الحب' میں پڑھ کر مزید تشفی ہوئی۔ مگر میں تصور میں بلا مقصد آپ سے باتیں کرتا ہوں۔ پھر متنبہ ہو جاتا ہے۔

ا:۔ دونوں میں منافع ہیں اول میں مقدمہ کی شان ہے۔ ثانی میں مقصود کی۔

س:۔ اس دفعہ عمر میں پہلا رمضان گیا۔ جس میں نہ جسم نے نہ روح نے کمزوری دکھائی یعنی روزہ میں مشقت کی بجائے فرحت نصیب ہوئی۔ اور اور آخری تراویح کے دن تھکن اور تکان کی بجائے یہ حسرت محسوس ہوئی کہ یہ برکت آج رخصت ہو رہی ہے۔

ا:۔ حُبّ عبادت حب معبود سے ناشی اور دولت عظمیٰ ہے۔

س:۔ میں اپنے یہ احوال لکھتا ہوں۔ مگر دل میں کھٹک رہتی ہے۔ کہ آیا مجھے یہ حضرت کے سامنے عرض کرنا چاہیئے یا نہیں۔

ا:۔ بہت ضروری۔ اور اس میں پوری آزادی سے کام لیا جائے۔ میرا بھی نفع ہے شاید آپ کے سوال کی برکت سے جواب القا ہو جاوے

س:۔ مجھے کبھی اکابر و خواص امت سے مکاتبت کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لئے ڈرتا ہوں کہ معلوم نہیں کہ میرے قلم سے جو نکلتا ہے اور جسطرح نکلتا ہے وہ حضرت کے انقباض کا سبب نہ ہو۔

ل:- میں تو اکابر میں سے نہیں۔ دوسرے اخلاص خود مانع انقباض ہوتا ہے
س:- اُمید ہے۔ کہ ایسے موقع پر مسامحت نہ فرمائی جاوے۔ بلکہ سرزنش
کی جاوے کہ نفس کو تنبیہ ہو۔
ل:- استلزام محال للمحال کے درجے میں امتثال کا وعدہ - والسلام

ـــ٥ـــ

مکتوب نمبر ۴

(النور نمبر ۱ - جلد ۲۲، ماہ صفر ۱۳۶۱ھ ص ۶/۱۰)

تمہید :- اس کے بعد ان ہی صاحب کا دوسرا خط آیا۔ جس میں اس مدلول غیر مفہوم کی تفسیر تھی جس کی نسبت مجیب نے یہ لکھا تھا کہ میں کلمہ ادھر کا اور کلمہ حوالہ کا مدلول نہیں سمجھا۔ یہ دوسرا خط مع جواب کے ذیل میں منقول ہے۔

س، از سیمران

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ

ل:- جعل اللہ تعالیٰ ھذا التواضع مفتاحًا للرفعۃ

س:- صحیفہ شریفہ نے بشاشت تازہ بخشی، جس فقرہ کا مدلول میرے قصور بیان کی وجہ سے واضح نہیں ہوا تھا۔ اس کی توضیح یہ ہے۔

ل:- یہ بھی ہے کہ میرے ادراکِ دماغی کا قصور ہو۔

س:- ایک دفعہ اتفاقًا ہنگامِ ذکر کعبہ مقدس کی صورت سامنے آگئی۔ اور میں اپنے تصور میں مقام ابراہیم پر بیٹھ کر معروف ذکر رہا۔ اتفاق سے اس کے دوسرے دن میں نے حضرت کے ملفوظات مندرجہ اشرف

العلوم بابت ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ صفحہ ۱۱ میں لاصلوٰۃ الا بحضور القلب کی تشریح میں یہ پڑھا کہ پھر اس احضار مامور بہ کی کامل صورت یہ ہے۔ کہ مذکور کی طرف متوجہ رہے۔ اور اگر نہ ہوسکے تو ذکر ہی کی طرف متوجہ رہے۔ یا مثلاً یہ سوچے کہ کعبہ کی طرف منہ کئے کھڑا ہوں اور کعبہ سامنے ہے۔ انتہی اسکی نسبت استفسار تھا۔ کہ ذکر میں کعبہ کا تصور کریں اس کے سامنے بیٹھا ہوں، کیا جائے تو کیسا ہے۔

ل:۔ اب جواب عرض کرتا ہوں، کہ ابتدائے سلوک میں دفع خطرات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ منتہی کو اسکی چنداں حاجت نہیں۔

(اور یہ ابتدا و انتہا باعتبار مراتب قرب عند اللہ کے نہیں۔ بلکہ اصطلاحی ضابطہ کی باعتبار حالت ظاہری نصاب طریق کے ہیں)

اگر اس مراقبہ سے دفعہ خطرات میں اعانت ہوتی ہو۔ تو اس کو اختیار کیا جاوے۔

س:۔ نماز میں توجہ کے لئے حضرت نے جو تجویز اپنے ملفوظات و تحریرات میں فرمائی۔ کہ الفاظ کو ارادہ کے ساتھ سوچ سوچ کر پڑھا جاوے میرے لئے بہت مفید ہوئی ہے۔ فبحمد اللہ۔

ل:۔ رزقکم اللہ ثمراتہ۔

مکتوب نمبر ۵

(النور ۱۲۰- جلد ۲۲- ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ صفحہ ۳/۱۰۱، ۶/۱۰۴)

س:۔ اب میں نے دو ہفتوں سے صلوٰۃ اشراق کی بھی پابندی شروع کی ہے۔ حق تعالیٰ استقامت بخشیں۔

ا:۔ آمین

س:۔ انفاس عیسےٰ اور امداد الفتاوی کی جلدیں ان دنوں مطالعہ میں ہیں

ا:۔ نفعکم اللّٰہ بھما

س:۔ ہمت کرتا ہوں کہ بارہ تسبیح کا شغل تہجد کے بعد شروع کروں مگر شغل کے لئے تسہیل شرح قصد السبیل میں شیخ کی موجودگی میں یعنی اس کے پاس رہ کر اُس کے شروع کرنے کی ہدایت ہے تو آیا اسی ہدایت کی پابندی کی جائے۔ یا مجھے ابھی سے اجازت ہوتی ہے۔

ا:۔ پاس رہنا درجۂ اشتراط میں نہیں بعض مصالح کے لئے ہے جس میں زیادہ دخل ضرب اور جہر کو ہے۔ اگر ان کو اختیار نہ کیا جاوے تو پھر پاس ہونا درجۂ مصلحت میں بھی مطلوب ہے۔

س:۔ خاکسار نے ۱۵ر شوال کو ایک بڑے فرض سے سبکدوشی پائی یعنی منجھلی لڑکی کے نکاح سے فراغت پائی۔ لڑکا دیندار اور جناب مولانا عیسیٰ صاحب دام فضلہ کا شاگرد و مسترشد ہے۔ سید حسین نام ہے۔

ا:۔ میں پہچان گیا وھو کذلک انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔

س:۔ اس تقریب کی بدولت جناب مولانا عیسیٰ صاحب کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ ماشاء اللہ ان کو اپنے شیخ کی تصویر پایا۔

ل:۔ مگر غیر متغیّر۔ اور اس تصویر کی اصل میں بہت تغیر ہوتا رہتا ہے اور یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ ان دونوں میں کیا تفصیل ہے۔

س:۔ میری یہ اُن سے سب سے پہلی ملاقات تھی۔ میں حضرت کا رسالہ اصلاح الرسوم پہلے پڑھ چکا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ قیامت صغریٰ کے مراسم سے تو بالکل پاک وصاف رہا۔ قیامت کبریٰ کے بہت سے رسوم سے بھی نجات رہی۔ اسی سلسلہ میں دو سنتیں خوبی سے ادا ہوئیں یعنی ماہ شوال اور یہ کہ باپ نے خود اپنی بیٹی کا نکاح پڑھایا اور دین مہر، مہر فاطمی قرار دیا۔ مجھے پہلے اس میں تامل تھا۔ احوال نوجوانان زمانہ کو دیکھ کر، مگر جناب مولانا عیسےٰ صاحب کی حوصلہ افزائی سے میں نے بھی شرح صدر پائی۔ جزاہ اللہ عنی

ل:۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

البتہ اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا۔ اس رہ جانے کا سبب زہد عیسٰی ہے جس کو ملک سلیمان نے ایثار کرکے اپنے اوپر ترجیح دے دی جس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمانی کا ایک حق گم ہوگیا جسمیں رعیت کی رضا سے اعتراض بھی نہیں رہا لیکن فی نفسہ کمی ہوگئی۔

س:۔ خطبۂ نکاح میں میں نے مختصر رسوم نکاح کی تردید میں اور میرے بعد مولانا عبدالغنی صاحب نے اعتصام بالسنۃ پر وعظ فرمایا اور

دونوں بزرگوں نے (یعنی مولانا عیسٰے صاحب اور مولانا عبد الغنی صاحب نے) برکت کی دعائیں فرمائیں۔ حضرت سے بھی خواستگاری ہے کہ برکت اور موافقت زوجین کی دعاء فرمائیں۔

حضرت الشیخ رح : صمیم قلب سے دعا کرتا ہوں۔ سید سلیمان

مکتوب نمبر ٦

(النور ماہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ جلد ۱۲/۲۲ صفحہ ۴/۱۰۱ تا ۶/۱۰۴)

(تمہید) اس کے بعد انہی صاحب کا تیسرا خط آیا جس میں اُنہوں نے مجیب کی ایک عبارت کا حل دریافت کیا تھا۔ یہ تیسرا خط مع جواب ذیل میں منقول ہے۔

س :۔ از ہیچمدان

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ

ل :۔ مکرمی دام جہم للدین و ھذا المسکین

س :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ل :۔ السلام علیکم۔

س :۔ والا نامہ موجب عزت ہوا۔

ل :۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ اُس کا وصول کرلینا میری مسرت کا موجب ہوا باقی رہی عزت سو اُس سے زیادہ مطلوب مُسرت ہے کہ اُس کا اثر اپنے اندر ہوتا ہے اور عزت کا اثر دوسروں پر اور خود اپنی غذا دوسروں کی غذا سے اہم ہے۔

س:۔ عجیب بات ہے کہ والا نامہ پاکر بہت خوشی ہوتی ہے لیکن اس خوشی میں آنکھیں پرنم ہوجاتی ہیں۔

ا:۔ یہ کبھی خوشی کا اثر ہوتا ہے اور کبھی خوشی سے بالاتر محض جوش محبت کا جس کو ہمارے حضرت شیخؒ نے گرم بازاری عشق کا لقب عطا فرمایا ہے۔

س:۔ میں ذکر نماز مغرب کے بعد کرتا ہوں میرے لئے سکون کا وقت یہی ہوتا ہے۔ توجّہ الی الذکر تو بحمد اللہ حاصل ہورہی ہے۔ انوار و الوان جنکی قدر مجھے پہلے بھی نہ تھی مگر حضرت کی تحریرات کے بعد تو اُن کی طرف توجہ بھی ہوجاتی ہے تو محض یکسوئی کیلئے۔

ا:۔ مضائقہ نہیں خود یکسوئی مقصود بالذات نہیں۔ فضلاً عن مقدمتہ۔

س:۔ توجّہ الی المذکور بلاکیف سمجھ میں نہیں آتی تھی اتفاقاً مولانا عیسٰے صاحب سے اُن کے وطن میں ملاقات ہوئی۔ میں نے اسکو پوچھا تو اُنہوں نے حدیث مشہور اعبد ربک کانک تراہ پڑھی جس سے ساری مشکل حل ہوگئی اور یہ دولت بھی نصیب ہوئی۔

ا:۔ میں احتیاطاً آپ کے اشکال اور ان کے حل اور آپ کی تسلی کی تقریر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

س:۔ مگر ایک عارض ایسا پیدا ہوگیا کہ اس حضور سے (جو حدیث ان تعبد اللہ کا بعض کے نزدیک مدلول ہے ۱۲ اشرف) شرم آتی ہے خیال آجاتا ہے کہ میں تو ایسا گنہگار اور سیہ کار ہوں میں سامنا

کیسے کروں یہ خیال آتے ہی ہٹ جانا پڑتا ہے۔

ا:۔ (بعد تسلیم دلالت) یہ بُعد اُس قرب سے کبھی زیادہ معین فی المقصود ہے بلکہ اُس قرب کی روح یہی ہے اسی عظمت کے پیدا ہونے کے لئے اُس مراقبہ کی تعلیم کی گئی تو یہ بُعد صوری ہے اور قرب حقیقی

س: کمالات اشرفیہ اور بعض حصص مواعظ مطالعہ میں ہیں۔

ا:۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حُسن ظن کے واسطہ سے اُن کو نافع فرماوے۔

س:۔ ذکر میں کبھی کبھی آواز ایسی دردمند ہو کر نکلتی ہے جیسے کسی دُکھے ہوئے دل کے اندر سے نکلتی ہو۔ دو دفعہ تو ایسا نظر آیا کہ میں حالت نزع میں ہوں اور آواز آ رہی ہے اور ایک دفعہ دیکھا کہ میں شہید ہو گیا ہوں اور آواز گلے سے نکل رہی ہے اور دونوں میں عجیب لذت روحانی پائی۔

ا:۔ ذاکرین کو ایسے حالات پیش آتے ہیں جو علامت ہے تاثیر ذکر کی اور یہ سب محمود ہیں مگر مقصود نہیں۔ مقصود وراء الوراء ہیں جس میں لطافت محض ہے جس کا ادراک بھی بعض اوقات نہیں ہوتا۔ الا بعد العلم الراسخ المستفاد من علوم الانبیاء۔

س: حضرت کا ہر فعل مصلحت پر مبنی ہوتا ہے جسمیں دخل دینا مجھ جیسے مبتدی کا کام نہیں۔ تاہم ایک خطرہ محسوس کرتا ہوں اس لئے عرض سے چارہ نہیں۔ حضرت میرے لفافہ پر جو کچھ الفاظ دعائیہ لکھتے ہیں وہ تو میرے لئے آب حیات ہیں مگر نام سے پہلے میری تطییب خاطر یا حضرت

اپنے فرط خلق سے الفاظ تعظیمی لکھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ میرے لئے عجب و خود بینی کا سبب نہ بنے حضرت میری مصلحت کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

ا۔ ماشاء اللہ آپ کو یہی زیبا ہے لیکن اس کا ایک سہل علاج ہے کہ اگر ایسے الفاظ میری تحریر میں سے گذرا کریں اُن کو حال پر محمول نہ کیا کیجئے بلکہ استقبال اور حسن فال پر محمول کر لیا کیجئے۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں انشاء اللہ تعالیٰ

س: میں نے اپنی لڑکی کے نکاح میں مہر فاطمی بہ مشورہ مولانا عیلی صاحب مقرر ہونے کی جو اطلاع دی تھی اس کے متعلق حضرت نے ارقام فرمایا۔ البتہ اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا۔ اس رہ جانے کا سبب زہد علیے ہے جس کو ملک سلیمان نے ایثار کر کے اپنے اوپر ترجیح دے دی جس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمانی کا ایک حق کم ہو گیا جس میں رعیت کی رضا سے اعتراض بھی نہیں رہا لیکن فی نفسہٖ کمی ہو گئی یہ کمی میری سمجھ میں نہیں آئی یعنی مقدار مہر کی تعیین کی طرف اگر اشارہ مقصود ہے تو میں نے نکاح کے وقت چار سو مثقال چاندی جس کے روپیہ بنانے میں علماء کا کچھ اختلاف ہے رکھ دیا تھا۔

ا۔ میں نے قصداً مبہم لکھا تھا تاکہ آپ مجھ کو اسکی تفسیر لکھنے کا حکم دیں اور آپ کے حکم سے میں تفسیر لکھوں۔ بدون حکم کے از خود لکھتے ہوئے

شرم آئی۔ اب اجازت کے بعد عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ جہاں تقلیل مہر سنت ہے وہاں مہر مثل کی رعایت ولی کے ذمہ فرض ہے حتیٰ کہ اگر ولی صغیرہ کا نکاح مہر مثل سے اقل پر کرے۔ بعض صورتوں میں نکاح ہی نہیں ہوتا۔ تو مہر مثل منکوحہ کا حق ضروری ہوا۔ اس میں خود منکوحہ بالغہ ہو تو ایثار کر سکتی ہے دوسرے کو اس کا حق نہیں اور اس سنت اور اس فرض میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ سب قوم متفق ہو کر مہر مثل کم مقدار کا مقرر کر دیں اور بدون اس کے فرض مقدم ہوگا۔

- - - - - - - - - - - - - - -

مکتوب نمبر ۷

(النور - ا - جلد ۲۳ ، جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ صفحہ ۳/۱۵ ، ۵/۱۰۷)

(اس کے بعد ان صاحب کا چوتھا خط آیا جس کا تعلق تیسرے خط سے ہے)

س:۔ از ہیچمدان

بحضرت اقدس و اعلیٰ متعنا اللہ بفیوضہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

ا:۔ محترمی دام لطفکم۔ السلام علیکم

س:۔ والا نامہ نے سعادت بخشی اور اشکالات رفع ہوئے۔

ا:۔ ھنیئاً لکم العلم

س:۔ بحمد اللہ معمولات جاری ہیں۔

ا:۔ بارک اللہ فیہا۔

س:۔ اور ان کے آثار خیر و برکت جو محض بفضل خدا میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں جن کا تصور بھی حضرت کے فیض کے بغیر میں تصور نہیں کر سکتا تھا

ا:۔ زاد اللہ فی ثمراتہ۔

س:۔ ہر چند احوال و کیفیات مطلوب نہیں جو حضرت کی تحریرات سے اچھی طرح سمجھ میں آ گئی تاہم جو وارد ہوتا ہے اُس کا عرض کرنا ضروری ہے ایک دفعہ اثنائے ذکر میں یہ معلوم ہوا کہ میری روح آسمان پر پرواز کر رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں ساتھ ہی نظر بھی اُٹھتی گئی۔

ا:۔ یہ آثار مبتدی کو ہوتے ہیں جس سے دل بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔

س:۔ پرسوں شب بعد تہجد دعا میں اپنی گنہگاری و سیہ کاری کے اعتراف اور مغفرت الٰہی کی طلب میں ایسی خشیت طاری ہوئی کہ آنکھیں آبدیدہ ہوئیں اور جسم پر لرزہ کی سی حالت محسوس ہوئی اور اس کے بعد ذکر میں ایسی کیفیت ہوئی کہ اللہ کا لفظ زبان سے محبت میں ڈوبا ہوا نکلنے لگا اور نکلتا رہا اور جسم میں ایسا رقص پیدا ہو کر بیٹھے بیٹھے عند الذکر بلا قصد جھومنے لگا اور معلوم ہوتا تھا کہ بوٹی بوٹی رقص میں ہے اور اگر خلاف شرع ہونے کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں اُٹھ کر ناچنے تھرکنے لگتا۔ استغفر اللہ

ا:۔ یہ سب اُن ہی آثار کے آحاد ہیں۔ اور خلوت میں ایسا رقص منکر بھی نہیں۔

س:۔ حضرت نے اپنی تعلیمی شفقت سے میرے اشکال توجہ الی المذکور بلا کیف

اور مولانا عیسیٰ صاحب کے جواب اعبد ربک کانک تراہ سے اپنی تسلی پا جانے کی تفصیل دریافت فرمائی جواباً عرض ہے مجھے اشکال یہ تھا کہ مذکور یعنی ذات بحث آلہی تصور میں بلاکیف کیونکر آسکتا ہے۔ نور محض کا تصور کیا جائے تو وہ بھی ایک شکل ہے اور لیس کمثلہ کے خلاف ہے۔ مولانا عیسیٰ صاحب کے محض اس حدیث پڑھ دینے سے اس حدیث کا جو مطلب معلوم تھا سامنے آگیا یعنی یہ کہ مطلق رابطۂ علمی اور پس پردہ ہیبت و جلال و عظمت و کبریائی کے تصور سے اپنے اندر اُس کا علمی تعلق اور معیّت اور پھر اُس کے پس پردہ ہیبت و جلال و عظمت و کبریائی کے تصور سے اپنے اندر خضوع و تذلل محسوس کیا جائے۔ اس کی ایک مثال یوں ذہن میں آتی ہے کہ بادشاہ حاکم اپنے جاہ و جلال اور عظمت کے ساتھ گو پس پردہ ہو مگر رعایا پر اُس کے دیکھے بغیر ہیبت اور رُعب جلال اور خضوع طاری ہو جاتا ہے۔ اب حضرت اس کی تصویب یا تصحیح فرمادیں۔

ا: معالجہ کے درجہ میں صواب اور صحیح ہے اور تحقیق کے درجہ میں ہنوز اس میں کلام ہے کہ وہ اشکال اس سے کیسے رفع ہوا کیونکہ یہ خاص مراقبہ محمول ہے۔ ایک موضوع کا اور ثبوت شئی للشئی فی الذہن فرع ہے ثبوت مثبت لہ فی الذہن کی اور یہی محمل تھا اشکال کا۔ فالاشکال باق اور تحقیق کے درجہ میں اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ تصوّر ذات کا بلاکیف عادۃً ممتنع ہے۔ مگر کیف کا تلبس اختیار سے خارج ہے لہذا

عفو ہے۔ نصوص اس پر قائم ہے۔ مولانا نے اسی کو بیان فرمایا ہے
کہ اول بعض تمثیلات کا ذکر کیا مثلاً

انت کالریح ونحن کالغبار ٭ یختفی الریح وغبراہ جھار

اور بھی متعدد تمثیلات ہیں جو اس وقت یاد نہیں آگے ان سے تنزیہ
کا ذکر ہے۔

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرقِ من و تمثیل من

آگے ان سے غلو ذہن کا غیر مقدور ہونا فرماتے ہیں ؎

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت
ہر دمے گوید کہ جانم مفرشت

بقدر الضرورۃ۔ اور حدیث کا جو مفہوم صحیح ہے خلاف مشہور وہ ہنوز
محتاج تحقیق ہے۔ اس وقت اُس سے تعرض نہیں کیا گیا۔

مکتوب نمبر ۸

(النور نمبر ۳۔ جلد ۱۴۔ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ صفحہ ۸ تا آخر صفحہ)

خط ذیل ان صاحب کا ہے جن کا ایک خط النور ۱ جلد ۲۳ کے صفحہ ۳
پر گذرا ہے جس کے جواب کے ختم پر میری یہ عبارت ہے اور حدیث کا جو
مفہوم صحیح ہے خلاف مشہور وہ ہنوز محتاج تحقیق ہے اسوقت اُس سے تعرض
نہیں کیا گیا۔ وہ خط ذیل میں معہ جواب منقول ہے۔

س، از ہیچمدان

بحضرت اقدس متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
صحیفۂ شریفہ نے سعادت اندوز کیا ۔ ذات بحت کے تصور بلا کیف
کی نسبت کلام تھا ۔ اس ہیچمدان نے حدیث 'اعبد ربک کانک تراہ'
کا جو مطلب سمجھا تھا حسب ارشاد عرض کیا تھا ۔ اس پر حضرت نے
اس کو معالجہ کے درجہ میں صواب اور صحیح فرمایا ۔ اور تحقیق کے درجہ
میں اُسکو ناکافی فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اگرچہ تصور ذات کا بلاکیف
عادۃً ممتنع ہے مگر کیف کا تلبس اختیار سے خارج ہے لہذا
عفو ہے ۔ نصوص اس پر قائم ہیں پھر مثنوی کے چند شعر سپرد قلم فرمائے

انت کالریح و نحن کالغبار
تختفی الریح و غبراہ جہار

اور آخر ہے

اے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرقِ من و تمثیل من

مکتوب نمبر ۹

(النور نمبر ۴ ۔ جلد ۲۳ ۔ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۲)

خاکسار نے مثنوی کی جلد خامس ۵ سے یہ اشعار نکال کر پڑھے اور مولانا
کے مطالب کو ذہن نشین کیا ۔ ان تمام تمثیلات میں یہ بات دکھائی گئی

ہے کہ ذات باری تعالیٰ مخفی اور اُس کے آثار پیدا ہیں۔

یا خفی الذات محسوس العطا — انت کالماء ونحن کالرحا

انت کالریح ونحن کالغبار — تختفی الریح وغبراہ جہار

تو بہاری ما چو باغ سبز وخوش — اونہان وآشکارا بخشش

تو چو جانی ما مثال ایں زباں — ایں زباں از عقل دارد ایں بیاں

تو مثال شادی وما خندہ ایم — کہ نتیجہ شادی فرخندہ ایم

جنبش ما ہر دمے خود اشہد است — کو گواہ ذوالجلال سرمد است

گردش سنگ آسیا در اضطراب — اشہد آمد بر وجود جوئے آب

اے بروں از وہم وقال وقیل من — خاک بر فرق من وتمثیل من

ان شعروں کے پڑھنے سے طبیعت میں بشاشت آئی خصوصاً اے بروں از وہم وقال وقیل من۔ اس سے ذہن ایک خاص نکتہ کی طرف متوجہ ہوا۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا مثل (بسکون وسط) محال۔ اور اُس کا اعتقاد موجب کفر لیکن اُس کا مثل (بفتحتین) جائز اور توضیح معنی کے لئے ضروری۔ اور یہ تطبیق ہوگی درمیان لیس کمثلہ شئی کے (جس کو میں نے اپنے اشکال میں عرض کیا تھا) اور درمیان وللہ المثل الاعلی کے جو مولانا کے شعروں میں ہے۔ کیا اس ہیچمدان کا یہ خیال درست ہے۔ مقصود اس ہیچ مداں کا اپنا اظہار علم نہیں بلکہ تصحیح علم ہے اور استفادۂ مزید اور استشفاء جدید۔ میں کیا اور میرا علم کیا ہے۔

ل:۔ ماشاء اللہ بالکل صحیح جس کا رتبہ اصح سے فوق ہے لیھنکم العلم۔ اپنے علم کو ہیچ سمجھنا اور تحصیل اخلاص کے لئے اظہار کی نیت نہ ہو یہی تو مفتاح ہے علوم کی رزقنی اللہ معکم۔

س، حضرت نے والانامہ میں ارقام فرمایا ہے۔" اور حدیث اعبد ربک کا جو مفہوم صحیح سے خلاف مشہور وہ ہنوز محتاج تحقیق ہے اس وقت اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔" دل اس کے سننے کا مشتاق ہے۔ اگر میرے لئے خلاف مصلحت ہو یا حضرت کی زحمت کا باعث ہو تو اصرار نہیں اسی لئے اس وقت دوسرے حالات عرض نہیں کئے گئے کہ زحمت جواب مزید نہ ہو۔

ل:۔ اس شق کے خلاف مصلحت ہونے کا ذہن میں آنا ناشئی ہے غایت تواضع سے ورنہ اہل کیلئے کسی علم کا خلاف مصلحت ہونا متحمل ہی نہیں اس لئے امتثال امر کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مشہور حدیث کے معنی میں یہ ہے کہ اس میں دو مراقبوں کی تعلیم ہے ایک رؤیتہ العبد للہ تعالیٰ۔ دوسرا رؤیتہ اللہ تعالیٰ للعبد۔ اور دو کی تعلیم اس لئے کی گئی کہ اصل مقصود اول ہے جو اس پر قادر نہ ہو اُس کے لئے اول کی جگہ دوسرا ہے لیکن اگر الفاظ حدیث میں غور کیا جاوے اس معنی کی کوئی دلیل نہیں بلکہ لفظ کانک اس کے خلاف پر دال ہے کیونکہ یہ تشبیہ کیلئے ہے تو تشبیہ پر قادر نہ ہونا کیا معنے۔ پھر دوسرے جملہ میں حرف فا بے ربط ہوا جاتا ہے۔ اگر یہ دوسری شق ہے تو مقابلہ کا اقتضا واؤ ہے نہ کہ فا، وہ تفریع یا تعلیل کیلئے ہوتا ہے اور دونوں مقابلہ کے معارض ہیں۔

اس لئے صحیح معنے یہ ہیں کہ عبادت ایسی اچھی طرح اخلاص وادائے حقوق کے ساتھ کرو کہ تمہاری حالت اُس حالت کے مشابہ ہو جیسے تم فرضاً اللہ تعالیٰ کو دیکھتے ہوتے تو کس طرح عبادت کرتے یہ تو تشبیہ کا حاصل ہوا آگے فاء تعلیل کے لئے ہے کہ ایسی طرح عبادت کرنا کیوں مامور بہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ہم نہیں دیکھتے تو ایسی عبادت کیسے کر سکتے ہیں اس کی علت بیان فرماتے ہیں کہ اس طرح تحسین عبادت کا حکم اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تم کو دیکھ ہی رہے ہیں۔ اور اُس کا بھی مقتضا یہی ہے کہ ایسی طرح عبادت کرو جیسا کہ اگر علم ہو جائے کہ حاکم کسی کو کام کرتے دیکھ رہا تو اُس وقت ایسے ہی اہتمام سے کام کیا جاتا ہے اتنا فرق ہے کہ حاکم صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اُس کے دیکھنے کی چیز کو سنوا کر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کو دیکھتے ہیں اس لئے دونوں کو درست کرنا ضروری ہوگا۔ بس یہ حاصل ہے حدیث کا جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ عبادت کا کام اچھی طرح کرو اسی لئے اس کا نام احسان ہے یعنی حسن کردن عبادت ممکن ہے کہ اضمحلال و اعتلال طبیعت کے سبب مجھ سے کچھ ادا میں کمی رہ گئی ہو اس لئے ایک بزرگ کی تحقیق کا پتہ بھی دیتا ہوں شاید ان کی عبارت کے انضمام سے خوب توضیح ہو جائے وہ بزرگ نووی شارح مسلم ہیں اُنہوں نے کتاب الایمان کی پہلی حدیث کی شرح میں اس عبارت سے لکھا ہے۔

هذا من جوامع الکلم الیٰ قولہ فی اہتمام الخشوع والخضوع وغیر ذلک

(ضمیمہ خط) مثنوی معنی کے جو اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ اُن سے مقصود استدلال نہیں بلکہ جو دعویٰ مستقل دلیل سے ثابت ہے اُس کی تائید ہے اور یہ تنبیہ ہمیشہ قابل التزام ہے اس سے ذہول بہت سے اغلاط کا منشاء ہو سکتا ہے۔ مولانا خود مطلقاً کلام منظوم کے کسی حقیقت کے لئے حاوی نہ ہونے کی تصریح فرماتے ہیں ؎

معنی اندر شعر جز باخبط نیست
چوں فلاسنگ است آنرا ضبط نیست

س (حال) خاکسار اب تک احوال وکیفیات کو ایک گونہ مقصود سمجھے ہوئے تھے اور ان کے حصول کے درپے تھا مگر حضرت کی تصانیف میں اور قصد السبیل میں بھی ان کو محمود ذکر فرمایا گیا ہے مگر مقصود نہیں بلکہ ایک پچھلے صحیفہ میں (جو اس کے قبل النور م۱۲ جلد ۲۲ کے صفحہ ۴ پر بعنوان تیسرے خط کے نقل ہو چکا ہے۔ میرے اپنے بعض کیفیات کے عرض کرنے پر ارشاد ہوا کہ یہ آثار محمود ہیں مگر مقصود نہیں۔ مقصود وراء الوراء ہے۔ اس وراء الوراء مقصود کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے منزل مقصود کا نشان بتا دیں اور اُس راستہ پر چلا دیں۔

ل (ت) اگر وہاں پہنچنا ممکن ہوتا تو وراء الوراء ہی کیوں ہوتا اگر برائے

نام وہاں تک رسائی کا کچھ مفہوم ہے تو یہی ہے ؎

اے برادر بے نہایت در گہے ست
ہر چہ بروے مے رسی بروی مالیت

اور یہی ہے ؎

نگرود قطع ہر گز جادۂ عشق از دویدنہا
کہ می بالا بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

اور یہ ہے ؎

کل ما خطر ببالک فھوھالک
واللہ اجل واعلی من ذٰلک

اور یہ ہے ؎

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم
وز ہر چہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم
مجلس تمام گشت وبپایاں رسید عمر
ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

جب یہ ناممکن ہے تو صرف خدمت حسب حکم وحسب ہمت کرنا اس کا فرض ہے اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اس کی استعداد کی موافق وہ خود مسافت کو تقصیر کر کے اس کے مناسب مقصود تک پہنچا دیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اس مسافت کو یہ قطع نہیں کر سکتا وہ خود قطع کر کے اس کو پہنچا دیتے ہیں۔ حدیث اس میں نص ہے۔ من تقرب الی

شبراً تقربت الیہ ذراعًا الحدیث

س۔ (ح) بحالت ذکر دو ہفتوں سے اپنے اندر عجیب بے کیفی اور بے رنگی محسوس کرتا ہوں بار بار استغفار کرتا ہوں مگر دل کی تنگی دُور نہیں ہوتی۔

ر۔ (ت) قفل خزانہ کا اول مغلق ہوتا ہے پھر مفتوح ہوتا ہے یہی تنگی تھی جسکو القبض ظاہر کر کے فرمایا ہے اور جس کے بعد المر نشرح کا وقوع ہوتا ہے

س۔ (ح) اب حضرت سے دستگیری اور دُعا کی التجا ہے، کیفیات سے خلو اس کا سبب ہے گمان کرتا ہوں کہ پچھلی ایک کیفیت کے وقت جس پر مجھے بہت خوشی تھی۔ دل میں یہ ہوس پیدا ہوئی تھی کہ دوسروں سے بھی پوچھوں کہ اُن پر بھی ایسی کیفیت ظاہر ہوتی ہے یا نہیں اسی کے لئے استغفار کیا اور بارگاہ الٰہی میں بعجز و زاری کی۔ مگر ہنوز کشود کار نہیں، ہر چند کہ حضرت کی تعلیم سے یہ جانتا ہوں کہ امور غیر اختیاریہ کے درپے ہونا چاہیئے تاہم آثار محمودہ کے فقدان کی حسرت ہے۔

ر۔ (ت) یہی حسرت حضرت تک لیجاتی ہے۔ ولو بعد الموت کما قیل ؎

جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت
کاسماں برفرق ایشاں خاک بیخت

(تتمہ ضروریہ) اس خط میں جو وراء الوراء کے متعلق لکھا گیا ہے
اُس وقت وہ خط جس میں اس کے اجمالی تعرض ہے جسکا پتہ
بعد تلاش کے اس خط میں لفظ صحیفہ کے بعد بین بین القوسین
لکھ دیا گیا ہے نظر میں نہ تھا۔ پھر بعد تلاش جب اس میں
نظر کی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہاں اُس صحیفہ میں وراء الوراء کے وہ معنی
نہیں جو ادراک کنہ ذات کے متعلق ہے اس لئے یہ جواب بے محل
ہے بلکہ مراد وہ ہے جو وراء الاحوال ہے اور وہاں رسائی ممکن
ہے گو بعض اوقات اُس کا ادراک نہیں ہوتا اور وُہ تعلق ساذج
ذات ہے جو ثمرہ ہے اعمال واتباع کا اور اس میں نہ کیفیات متعارفہ
ہیں نہ جذبات نفسانیہ جن میں رنگ طبیعت کا غالب ہوتا ہے
اور جن میں تغیر بھی بعید نہیں صرف محبت وخشیت روحانیہ ہیں
جن میں عقلیت غالب ہوتی ہے۔ اور جن میں تغیر کالنادر ہے
اور یہی امور جنت میں ہوں گے اور ان ہی کا ثمرہ قرب ہے
اور یہی ثمرہ بھی ہیں قرب کا۔

۳۰/۱۶۰

(النور بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

س (حال) حضرت کے قول "یہی امور جنت میں ہوں گے" کی تشریح میں نے چاہی
تھی۔ اس پر ارشاد ہوا کہ یہ سب ایمان کامل کے لازم سے ہیں اور لوازم کا

انفکاک ملزوم سے ممتنع ہے، جب جنت میں ایمان کامل ہوگا، تو ان لوازم کی تحقیق بھی واجب ہے

میرا وسوسہ یہ ہے، کہ آخرت میں جب اہل ایمان دیدار الٰہی سے مشرف ہوں گے اور یوں بھی آخرت میں سب پر انکشاف ہوجائے گا تو ان منکشفات اور محسوسات و مرئیات میں سب کا حال یکساں ہوگا، تو درجۂ ایمان میں یکسانی ہوجائیگی پھر فرق مراتب کیسے ہوگا، الا یہ کہ تسلیم کیا جائے کہ یہ دیدار و انکشاف علی قدر مراتب ایمانی فی الدنیا ہوگا۔

٣
١٦١

النور بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

(تسلسل تحقیق) حدیث میں اسکی تصریح ہے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله علیه وسلم فی حدیث طویل اکرمهم علی الله من ینظر الی وجهه غدوة وعشیه الحدیث (رواه احمد والترمذی مشکوٰۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ) یہ بمفہومہ دال ہے کہ بعض کو دو وقت تجلی نہ ہوگی۔ واصرح منه فی الباب ما (رواہ الترمذی وابن ماجہ) عن ابی هریرة قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل ان اهل الجنة اذا دخلوها نزلوا فیها بفضل اعمالهم ثم یوذن لهم فی مقدار

يوم الجمعة من ايام الدنيا فيزدرون ربهم الحديث (مشكوٰة باب صفة الجنة الفصل ثانی)

حدیث بالا کا جو مفہوم تھا وہ اس کا منطوق ہے یہ تفاوت تو رویت میں ہے بقیہ منازل و مدارج کا تفاوت بھی احادیث میں وارد ہے

س (حال) یا یہ کہا جائے اس دیدار اور انکشاف سے ایمان میں کوئی زیادتی وہاں نہ ہوگی۔

ت (تحقیق) میں اس شق کو نہیں سمجھا اور جب ایک شق نص سے متعین ہوگی پھر دوسری شق کے سمجھنے کی حاجت بھی نہیں۔

س (حال) دوسرا وسوسہ مجھے یہ ہوا کہ حضرت کے ارشاد کے مطابق جنت میں محبت کے ساتھ اہل ایمان میں خشیت بھی ہوگی تو اس کی تطبیق آیۂ کریمہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ وغیرھا من الآیات الدالة علی عدم الخوف سے کیونکر ہوگی۔ اس ہیچمدان کی فکر کا سد میں آتا ہے کہ عدم خوف زوال نعمت بہشت کا ہوگا اور خشیت جلال الٰہی سے ہوگی۔

(ت) تحقیق:۔ ماشاء اللہ صحیح سمجھے۔

(س) حال، اس پر یہ شبہ میرے دل میں ہوتا ہے کہ بہشت میں تو جمال الٰہی کا فقط مظہر ہوگا پھر جلال الٰہی کا منظر وہاں کیسے نظر آئے گا جو

ص، یہ خط اس سے چار پانچ خط پہلے ہے جسمیں   کے عنوان سے مراد اور راد کے متعلق ایک مضمون ہے

خشیت ہو

ت (تحقیق) وہاں جمال اور یہ جلال متضاد نہیں جمال بھی عین جلال ہوگا وھو معنی قوله علیه السلام وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم الا رداء الکبریاء علی وجهه رواه مسلم فی باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة ربھم اثبت الجلال المعبر عنه بالکبریاء فی عین شاھدة الجمال المعبر عنه بالرؤیة وھذا الجلال ھو المانع عن ادراك کنه الذات مع وقوع الرؤیة فالجمال محل الرؤیة والجلال حجاب الادراک۔ اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوقات کو وہ عظمت دی ہے کہ عین جمال میں ان کے جلال کا ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ عمرو بن العاصؓ کا قول ہے وما کان احد احب الی منه صلی اللہ علیہ وسلم ولا اجل فی عینی منه وما کنت اطیق ان املأ عینی منه الحدیث رواه مسلم فی باب کون الاسلام یھدم ما قبله۔ اور پھر مخلوقات میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص شان ہے معمولی اور خسیس محبوب کے جمال میں ظہور ہیبت کا ہوتا ہے۔ کما قال ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکل جائے ہے

وفی امثالھا کثرة فی کلام العشاق۔

(تمہید) خط بالا سے پہلے خط کے جس میں بعض احادیث اجتماع جمال و

جلال کی منقول ہیں)

جواب میں خط ذیل آیا جو مع جواب ذیل میں درج ہے

س (حال) عطوفت نامہ نے بہرہ مند کیا محبت وخشیت اور جمال وجلال کی یکجائی اور جامعیت کے سمجھنے میں خاکسار کو جو اشکال پیش تھا بحمد اللہ کہ تحریر پر تنویر سے وہ مندفع ہو گیا۔ یہ بھی تائید الٰہی ہے کہ اس سے پہلے کہ حضرت کا جواب آئے شوال ۱۳۶۰ھ کا مبلغ نظر سے گزرا جس کے دوسرے صفحہ میں حضرت نے اسی اشکال کو دور فرمایا تھا۔ اور اس کا عنوان محبت اور خشیت کی یکجائی کے بجائے محبت اور ہیبت کی یکجائی ہے اُسی سے تمثیلی جواب سمجھ میں آگیا تھا مگر اس والا نامہ میں احادیث سے استشہاد نے ہر خطر کو دور کر دیا۔ فبحمد اللہ۔

ت (تحقیق) اس سے بید مسرت ہوئی کہ بحمد اللہ تعالیٰ احادیث کا اثر آپ کے قلب پر نکاتِ تصوف سے زیادہ ہوا۔ اصلی مذاق ہر مسلمان کا یہی ہونا چاہیئے کہ اُس کو اصل یعنی مشکوٰۃ نبوۃ سے زیادہ نور حاصل ہو بہ نسبت اس کے عکوس وظلال کے۔

س (حال) الحمد للہ کہ بفضل وتوفیق الٰہی ذکر جاری ہے، ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ زبان اس خیال سے بند ہو گئی کہ یہ گنہگار منہ اور اس سے یہ اسم اعظم واقدس ادا ہو پھر یہ کیفیت جاتی رہی۔

ت (تحقیق) دونوں محمود ہیں، پہلی کیفیت اس حال کا غلبہ ہے ؎

احب لناجاه الحبيب باوجه ولكن لسان المذنبين كليل

اور دوسری کیفیت غلبہ مقام کا ہے اور مظہر ہے اس حقیقت کا ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

والثانی افضل۔

س (حال) حضرت کا تصور اکثر اوقات قائم رہتا ہے حتیٰ کہ کبھی نماز میں بھی رفع کرتا ہوں مگر قادر نہیں ہوتا ہوں۔ کبھی یہ کیفیت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم۔

ت (تحقیق) جو بدون اختیار ہو اسکی کمی اور بیشی دونوں محمود اور مظہر ہیں اور تجلیوں کے اور اسی کے متعلق یہ تعلیم ہے۔

چونکہ بر بخت بہ بند و بستہ باش
چون کشاید چابک و برجستہ باش

س (حال) پرسوں شب کو خاکسار نے رویا میں حضرت کے سامنے پایا۔ میں دوزانو ہوں اور حضرت بھی اسی ہیئت سے ہیں اور یہ ناکارہ ہاتھ حضرت کے دست مبارک میں ہے۔ حضرت نے حلقۂ ارادت میں داخل کیا اسی اثنا میں ایک لڑکے نے کچھ خس و خشاک سامنے ڈالدیئے۔ میں نے ادباً اُس کے ہٹانے کی جرأت نہ کی۔ اس پر حضرت نے مجھ پر برہمی ظاہر فرمائی میں نے مؤدبانہ معافی چاہی اس کے بعد حضرت کسی سفر پر روانہ ہوئے اور مجھے ہمرکابی کا شرف بخشا حقق اللہ تعالیٰ ذالک

ت تحقیق، لا یلتفت الی الرویا اذا رزق الرویۃ ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شد گناہ

س (حال) کل شمائم امدادیہ کا مطالعہ کیا تھا، رات بھر نیند میں وہی مضامین اور حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا تصور بلا زیارت د رویت قائم رہا۔

ت (تحقیق) یہ بھی ایک گونہ صحبت ہے رزق اللہ تعالیٰ برکاتھا

س (حال) ذکر میں بقول حضرت کے ایک ملفوظ کے کہ جب کیفیت ہو تو اس کو غذا سمجھو اور جب نہ ہو تو اُس کو دوا سمجھ کر کرو۔ سو دوا ہی پینے کی نوبت ان دنوں زیادہ آتی ہے

ت (تحقیق) ھدی اللہ تعالیٰ لاکمل و انفع من ھذا

س (حال) حضرت کے فیضان صحبت میں جو حقائق مجھ پر ظاہر ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) پہلی چیز ذکر اللہ قلباً ولساناً علی کل حال۔

۲۔ دیانت اور تقویٰ کا لحاظ ہر کام میں۔

۳۔ اہتمام ادائے فرائض باحسن وجوہ

۴۔ احتراز عن المعاصی کبارہا و صغارہا

یہی چار باتیں خلاصہ معلوم ہوئیں اور انہیں کے اہتمام میں عمر گزارنا ہے۔

ت (تحقیق) عین عرفان ہے۔ لیکن متن کے درجہ میں جو محتاج شرح ہے جیسا مشہور ہے۔ کافیہ کافی ست باقی دردسر یعنی بانضمام شرح جامی۔ اس شرح کی مثالیں معروض ہیں۔

ع۱ : یہ حدیث النفس وکلام نفسی کے درجہ تک ہے اس کی ساتھ ضرورت فکر کی ہے. خواہ اپنی اصطلاح میں اسکو ذکر کی فرد بنالی جاوے. قرآن مجید میں یذکرون اللہ کے بعد یتفکرون بھی ہے
۲۔ ظاہراً بھی باطناً بھی کماورد التقوی ھھنا واشار صلی اللہ علیہ وسلم الی صدرہ
۳۔ مع التوابع عن السنن والتطوعات لان الطاعات کلھا سوابیۃ فی لزوم اداء حقوقھا۔
۴۔ سواء کانت ظاھرۃ او باطنۃ لقولہ تعالی وذروا ظاھر الاثم وباطنہ ودخل فیھا الکبر والریاء وحب المال والجاہ وغیرھا من الرذائل وتتبع الاحتراز الاستغفار اذا صدر شیئ منہ لا سیما حقوق العباد من الاموال والاعراض۔
اس تفصیل کے ساتھ ان کا خلاصۂ طریق ہونا صحیح ہے. ورنہ سب آٹھ نو ہیں ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ولکل اصطلاح وجھۃ
س (حال) باقی جوش طبیعت وکیفیات مطلوب نہیں وارد ہوں تو بہتر. ورنہ بالقصد اس کے درپے نہ ہو۔
ت (تحقیق) بالکل صحیح ہے اسکی ساتھ ہی اگر کیفیات محمودہ پیش آویں حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن پر شکر واجب ہے باقی ان کا محمود نافع ہونا شیخ کی تحقیق پر موقوف ہے لیکن ان سے حرمان یا بعد عطاء کے فقدان یہ بھی خاص مصالح کے اعتبار سے نعمت ہے اور یہ بھی شیخ کی

رائے پر ہے۔

س (حال) حضرت میرے اس بیان کی تصویب یا تصحیح فرمادیں

ت (تحقیق) گو مجھ میں اتنی لیاقت نہیں لیکن مشورہ کے درجہ میں امتثال امر کر دیا۔ دعائے توفیق و ہدایت کا طالب ہوں۔

۹
۱۶۷

(النور ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ)

رسالہ قید العلو عن کید العدو

س (مضمون از ہیچمدان بحضرت اقدس متعنا اللہ بفیوضہ و برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ت (جواب) محترمی زاد اللہ تعالیٰ عرفانہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

س (مضمون) مکرمت نامہ نے سعادت تامہ بخشی۔ حضرت نے میرے متن کی جو شرح ارشاد فرمائی ہے۔ اس سے اپنی نظر کا قصور معلوم ہوا۔

ت (جواب) قصور پر نظر بھی مفتاح ہے کمال کا۔

س (مضمون)۔ بے شبہ اگر یہ تنبیہ مبین ارشاد نہ فرمائی گئی ہوتی تو میرا خلاصہ ناکافی ہوتا۔

ت (جواب) آپ کی سلامت فطرت سے ایک وقت میں اس کے کافی ہو جانے کی امید تھی۔

س (مضمون) اب خاکسار نے اپنے متن اور حضرت کی شرح کو یک جا
کرلیا ہے۔

ت (جواب) **متعکم اللہ بہ وایانا**

س (مضمون) اور جو انشاء اللہ میری زندگی کا کامل ہدایت نامہ ہوگا۔

ت (جواب) **اعانکم اللہ تعالیٰ۔**

س (حال) اس شرح میں امراض روحانی مثلاً ریاء۔ وکبر وفخر وحبِّ جاہ ومال وغیرہ سے پاک ہونے کی بھی ہدایت فرمائی گئی۔ اس سلسلہ میں عرض ہے اللہ تعالیٰ کا یہ عجیب معاملہ اس بے استحقاق کے ساتھ ہے کہ خاکسار نے کبھی کسی منصب یا عہدہ کے لئے یا کسی اعزاز کے لئے کبھی جد وجہد نہیں کی بلکہ اکثر اشراف نفس بھی نہیں ہوا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق میں ظاہری قومی وعلمی مناصب کے اعزاز بلا طلب مرحمت فرمائے۔ اب تک مجھے اس بارہ میں صرف اس قدر اہتمام رہا کہ میری طلب اور اشراف نہ ہو۔ اور مل جائے تو قبول کرلیا اب اس باب میں حضرت کی ہدایت کا منتظر ہوں کیونکہ ایسے موقع پیش آتے رہتے ہیں۔ شرم وحیاء کو کچھ دیر نظر انداز کرکے یہ بھی عرض کروں کہ بحول اللہ تعالیٰ وفضلہ۔ یہ چیزیں نفس میں فخر وکبر کا موجب اب تک نہیں بنیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ورنہ بندہ کی کیا مجال جو کچھ کہہ سکے یا کرسکے حضرت سے اپنے [illegible] چھپانا طبیب سے اپنی بیماریوں کا اخفا ہے۔ اس لئے عرض کی [illegible]

ت (تحقیق) مشورہ میں تو برکت ہی ہے برکت ہے۔ جو تفصیل تحریر فرمائی ہے
اپنی ذات میں تو یہی کافی ہے اور اخیر حالت منتہی اور کامل کی یہی
ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ طریق غامض بہت ہے اور اس کا پورا
مصداق ہے ع

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست

اس لئے احتیاط بلیغ ہے اس میں کام لیا گیا ہے اور مصرعہ اولی کے
ساتھ دوسرا مصرعہ اس پر ترتیب کے طور پر لگایا گیا ہے ع

ہشدار و گوش را بہ پیام سروش (وحی) دار

اور وحی بتلاتی ہے کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد
جس سے دو امر پر صاف دلالت ہے ایک یہ کہ اس کے مکائد دقیق
ہیں۔ دوسرا یہ کہ اُن مکائد پر فقیہ کو اللہ تعالیٰ مطلع فرما دیتا ہے۔
اس لئے اُس کی ھستی شیطان پر اشق ہے پس اُن کے مکائد میں سے ایک
مکیدہ یہ ہے کہ سالک پر تلبیس کر دیتا ہے۔ لیعنی کسی مقدمۂ معصیت سے
جلدی کام نہیں لیتا۔ سالک جب اُس میں رنگِ معصیت نہیں پاتا تو
اُس کے مقدمہ ہونے سے اُس کو ذھول ہو جاتا ہے۔ پھر اُس سے ایسے
وقت کام لیتا ہے کہ وہ لا یدری ولا یحتسب کے درجہ میں آجاتا ہے،
اس لئے مصلحین شبۂ ضعیفہ میں بھی معالجہ کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ
اس شبہ میں آئمہ طریق نے یہ تدبیر کی ہے کہ افعال مباحہ جو صورۃ ذلت
ہوں اختیار کرتے ہیں مگر اس نادان نے اس میں بھی ایک فتنہ سمجھا ہے،

یعنی شہرت اس لئے ایک دوسرا علاج تجویز کیا ہے، یعنی ایسے اعزاز و امتیاز کے اوقات میں استحضار اپنے عیوب و ذنوب و نقائص و رذائل کا اور ساتھ ساتھ تکرار استغفار کا۔ اس کا مدتِ طویلہ تک التزام رکھا جاوے جب تک مبصر شہادت صحت کے راسخ ہونے اور علاج کے ضروری نہ ہونے کی نہ دیدے فقط

س (حال) ذکر کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ ذکر کی کوئی خاص صورت میرے لئے فرمائی نہیں گئی ہے۔

ت (تحقیق) کوئی خاص حیثیت مقصود بالذات نہیں جتنے امور اس قبیل سے منقول ہیں سب استعداد کے اختلاف سے درجۂ معالجہ میں ہیں۔ جیسے طبیب نے ایک ہی مرض کے ۲ دو مریض کیلئے ایک ہی اجزاء تجویز کئے لیکن ایک کے لئے اُن کا سفوف بنوایا اور ایک کے لئے اس کے حبوب بنوائے۔ کیونکہ وہ سفوف کو نگل نہ سکتا تھا۔

س (حال) میرا عمل یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے تصور ذات مذکور کا بصورت ذکر کے اور کبھی قلب کی طرف دھیان کر کے کہ آواز قلب سے نکل رہی ہے اسم ذات اللہ اکثر بجہر ادا کرتا ہوں اور جوش میں اکثر اضطراراً جہر ہو ہی جاتا ہے

ت (تحقیق) ع ہمچنین میرو کہ زیبا میروی

البتہ سورت نور کی ساتھ تقیید اختیاراً اگرچہ بدرجہ اعتقاد نہ ہو مضر ہے۔

س (حال) بارہ ہزار کی تعداد ہر روز پوری کر لیتا ہوں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اعضاء میں وجد کی کیفیت ہوجاتی ہے اور کبھی کبھی چیخ مارنے کو جی چاہتا ہے نماز میں بھی احیاناً یہ صورت نمودار ہوجاتی ہے اور کبھی کوئی کیفیت نہیں ہوتی۔ ذکر اللہ حدیث نفس کی طرح اکثر جاری ہوجاتا ہے سوتے سوتے تک یہ حالت رہتی ہے مگر دوسروں اور گفتگو اور صحبت میں یہ بات جاتی رہتی ہے۔ ذکر میں تصور کامل یا دیر تک یکساں قائم نہیں رہتا، اسکی آرزو رہتی ہے۔

ت (تحقیق) یہ سب تغیرات نفسانیہ لازم فی العادۃ ہیں، ان کے اختلاف کی طرف التفات نہ کیا جاوے۔ البتہ اپنے مشیر کو اطلاع برابر دینا ضروری ہے۔

س (مضمون) حضرت کی دعاؤں کو اپنی کشائش کار کے لئے وسیلہ سمجھتا ہوں اور اس کا طلب گار رہتا ہوں۔

ت (جواب) دل سے دعاگو ہوں اور اپنے لئے دعا جو بھی۔

(تمت الرسالہ)

۱۸
۱۷۶

(النور بابت ماہ محرم ۱۳۶۲ھ)

س (حال) مکرمت نامہ نے سعادت بخشی

ت (تحقیق) جیسا آپ کے محبت نامہ نے خاص فرحت بخشی کئی روز سے آپ

زیادہ یاد آرہے تھے

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

س (حال) خاکسار آج دو ہفتوں سے اپنے وطن میں ہے جو...... میں ایک دیہات ہے اور جو پہلے بزرگوں کے زمانہ میں علماء اور مشائخ سے معمور تھا۔ یوں تو خاکسار گرمیوں کے موسم میں مع اہل وعیال وطن آیا کرتا تھا، مگر اس سال مزید تقریب یہ ہے کہ خاکسار یہ ہے کہ خاکسار کی بڑی لڑکی کا نکاح یہاں عزیزوں میں چچا زاد بھائی سے درپیش ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کون جا سکتا ہے کہ اس سے پہلے جب چھ ماہ قبل تاریخ مقرر ہوئی، تو لڑکے کے باپ نے وفات پائی۔ اور اب جب مقرر ہوئی تو لڑکے کے چچا نے وفات پائی۔ یہ دونوں میرے چچا زاد بھائی تھے۔ اور اب یہ ذمہ داری اس ناتواں کے سر ہے۔ یہ ذاتی حالات اس لئے عرض خدمت ہوئے کہ حضرت کے کلمات میرے لئے تسکین کا باعث ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ت (تحقیق) بزرگوں سے کان میں پڑا ہے کہ جیسے مداوات میں کامیابی نعمت ہے اسی طرح ناکامی بھی نعمت ہے۔ جیسے غذا کا عطا ہونا نعمت ہے اسی طرح مریض کیلئے (وکلنا مریض) دوا کا عطا ہونا نعمت ہے۔ اگر اس نعمت میں صحت ہے جو خود شرط لذت بھی ہے۔

(النور بابت ماہ صفر ۱۳۶۲ھ ۱۹/۷۷)

س (حال) حضرت نے میری عرض پر حب جاہ و مال کے جن حقائق اور انکے

غیر محسوس رگ و ریشہ کی طرف متنبہ فرمایا بے شبہ وہ میری ظاہر بین نگاہ سے اوجھل تھے، حضرت کی تنبیہ سے متنبہ ہوا اور اب ہر واقعہ کے وقت بحمد اللہ تعالیٰ اُن پر نظر پڑنے لگی، اور جب کوئی رگ و ریشہ نظر آیا۔ حسب الامر استغفار کیا اور اپنے عیوب و نقائص کا استحضار اور اس علاج سے فائدہ پاتا ہوں۔

ت (تحقیق) هنیئاً لکم علم الحقیقۃ والعمل (دوسرا امر بیساختہ ذھن میں نہیں آیا)

س (حال) اب دل میں خلش یہ ہے کہ اس تحلیہ بالفضائل اور تخلیہ عن الرذائل کا کام کس نہج اور کس ترتیب سے شروع کیا جائے کہ الاھم فالاھم کے اصول کے مطابق ہو اب اسکے لئے حضرت ہی کی خدمت بابرکت میں درخواست ہے کہ میرے لئے میری صلاحیت و استعداد ناقص کے پیش نظر کوئی طریق متعین فرمایا جائے۔

ت (تحقیق) گو بعض اکابر نے (کالغزالیؒ فی منہاج العابدین) اس میں کسی قدر ترتیب کی بھی رعایت فرمائی ہے، مگر ممکن ہے کہ وہ ان کے اجتہاد میں اکثری ہو اور اس وقت تجربہ سے اکثری بھی نہیں رہا اور میرے ذوق میں تو کبھی بھی اکثری نہیں ہوا بلکہ شریعت کے دوسرے توسعات و سہولات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علاج میں طبیب یا مریض کو ایسے قیود کا مقید نہیں کیا گیا بلکہ میرے تجربہ میں یہی طریقہ سلوک رہا کہ جس وقت جس مرض کا احساس ہوا۔ (وھذا یختلف باختلاف الاحوال والرجال کما فی الطب الجسمانی) اس وقت طبیب سے مشورہ کر لیا گیا اور

اُس مشورہ پر عمل کر کے علاج کیا گیا اور اس علاج کے نافع و موثر ہونے کیلئے کسی دوسرے مرض کا رہنا مانع نہیں ہوتا۔ (و بھذا یتمیز هذا الطلب من الطلب الجسمانی) اور یہ نعمت ہے حق تعالیٰ کی اللھم الاقلیلاً و اذا وقع یراعیہ الطبیب) اُمید ہے کہ جواب ہوگیا ہوگا۔ والسلام

۲۶/۱۸۴

(النور بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۶۲ھ)

حاس (حال) (بعض واقعات کے ذکر کے بعد) ان حالات و افکار نے ذہن کو منتشر کر رکھا ہے۔ معمولات میں بحمد اللہ فرق نہیں آیا مگر خطرات وخیالات کی یورش نے ذکر و نماز کی یکسوئی اور طمانیت میں فرق ڈال دیا ہے۔ الّا تہجد کہ وہ ہجوم افکار سے بحمد اللہ پاک ہے۔

ت (تحقیق) ایسے واقعات و تشویشات میں بھی رحمت و حکمت ہے کہ ان سے انکسار و افتقار پیدا ہوتا ہے۔

۲۷/۱۸۵

(النور بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

س (حال) انہیں ایام میں ایک اور ابتلاء پیش آیا۔ ہمارے وطن میں مسجد ہمارے گھر سے کچھ فاصلہ پر ہے پھر بھی حضور جماعت فی المسجد کی توفیق

شامل حال ہے۔ ہماری طرف ان دنوں سخت گرمی اور حدتِ شمس اور لو کی شکایت تھی ظہر کی نماز باجماعت میں اس حالتِ گرما کو دیکھ کر شمول کی نیت مذبذب ہو رہی تھی۔ مگر بار بار آیت قل نار جہنم اشد حرا زبان پر بے ساختہ آرہی تھی اور توکلاً بخدا منہ لپیٹ کر مسجد سے محرومی رہی اور ایام مشغولی میں پہلی دفعہ معمولات سے معذور رہا اس سے دل نے یہ سبق لیا کہ ہم جیسے خفیف الہمت کا ایسے موقع پر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت پر عمل کرنا شاید موجب حرمان ہوا۔

ت (تحقیق) حرمان تو خدا نہ کرے کیوں ہوتا جبکہ مضاعفا اجر ملتا ہے عمل کا بھی اور مشقت کا بھی یہ تو زمانۂ عمل ہے اور اس سے جو معذوری پیدا ہوگئی ہے اُس میں بھی ایک اجر عمل حکمی کا عطا ہوتا ہے جیسا حدیث میں زمانۂ عذر میں اجر مثل کا لکھا جانا وارد ہے۔ البتہ کیفاً جو رخصت پر ثمرات مرتب ہوتے اُس میں من وجہ نقصان کا موجب ضرور ہوگا اور وہ ثمرات یہ ہیں۔ اعتراف اپنے عجز کا۔ شکر انعام رخصت کا۔ مشاہدہ رافت محسن کا۔ افناء دعوت قوت کا والاخذین الرخصۃ امثالہا اسی لئے وارد ہے۔ ان اللہ یحب ان یوتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ اور بعض تعلیمات میں جو اتباع رخصت کا غیر مرضی ہونا وارد ہے۔ تر ددات طویلہ کے بعد ایک محقق کے کلام میں اسکا محمل نظر سے گزرا یعنی جو رخصت خود اُس نے تاویل سے بنائی ہو شارع سے اُس میں اذن نہ ہو۔

۲۸/۱۸۶

(النور بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ)

س۔ (حال) ہمارے اطراف میں حضرت کا اسم گرامی تو سب جانتے ہیں مگر ہدایات وتعلیمات ورسائل وتصنیفات سے لوگوں کو محرومی ہے میرے حضرت سے تعلق کا جن لوگوں کو علم ہوا وہ حضرت کی تصنیفات کے شائق ہوئے اور میرے پاس جو چیزیں تھیں وہ ان کو دے رہا ہوں۔ معلوم نہیں ایک مبتدی کی یہ جرأت کہاں تک درست ہے۔

ت (تحقیق) ابتداء فی القدم مستلزم نہیں ابتداء فی العلوم کو ایسی صفتی کو جامع الشرائط خیر الناس من ینفع الناس کا قرار دے کر اُس پر عمل جائز ہوگا۔

س (حال) ہمارے وطن میں جناب شاہ تجمل حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متروکات میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت مولانا قاسم صاحب حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت جی صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کی تحریریں اور خطوط کی زیارت اور مطالعہ کی سعادت ملی۔ مولانا عبد الغنی صاحب بہاری، صاحب شمائم امدادیہ کی دوسری شادی بھی اس قریہ میں اور اسی گھر میں ہوئی تھی۔ اُن کی بدولت بھی کچھ برکات کاغذی یہاں موجود ہیں۔ نفعنا اللہ تعالیٰ بہا۔

ت (تحقیق) تبرکات جبکہ موجب حرکات ہوں ایک درجہ میں نافع ہیں ایک شرط اُن میں خلو عن المنکرات ہے۔ حلیتہ کا نت اور خفیۃ

وعن الخفي تصرف الناظرين والحافظين فيها مع كونها مشتركة
وقل من تنبه لها۔

مکاتیب بنام ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بصیرت افروز مکاتیب کا سلسلہ ہم نے حضرت مولانا مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد سے شروع کر دیا ہے۔ اس اشاعت میں ہم حضرت مولانا مرحوم کے مکاتیب بنام حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

(بشکریہ ماہانہ صبح صادق لکھنؤ اگست ۱۹۵۴ء)

ندوہ لکھنؤ

برادر عزیز اسعدکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں ۱۱ جنوری کو لکھنؤ اس توقع سے آیا کہ آپ سے ملاقات ہوگی۔ اور آپ نے جیسا کہا تھا کہ میں کچھ آنے کا حال بیان کروں۔ میں یہاں دو ہفتوں کے قیام کی نیت سے آیا تھا۔ بہر حال کل تک کا وقت تو وفد حیدرآباد کی تقریبوں میں گذرا۔ بحمد اللہ کہ سب کام بخیریت انجام پا گئے۔ مدارالمہام صاحب نے پانچ سو لڑکوں کے قیام و وظائف کے طور پر دیا۔ مفتی محمد سعید صاحب نے بھی بحمد اللہ بات مان لی اور تدریس و نگرانی کو قبول کر لیا۔ صرف مطبخ سے معذوری ظاہر کی۔ اب

ضرورت ندوہ کی تربیت اور نشو نما کے کام پر غور کرنے کی ہے جس کے لئے آپ کی موجودگی کی سخت حاجت ہے. میں کب تک رہوں گا بہتر ہوتا کہ اب آپ واپس آجاتے۔ مدرسہ لکھنو اور اودھ کی اہمیت ابھی پوری طرح شاید سمجھی نہیں گئی. جمعرات والی جماعت کا سلسلہ بند ہے اور اطراف میں وفود کا کام التواء میں ہے. طلبہ اسی وجہ سے دینی تبلیغی روح کے اضمحلال کا اندیشہ ہے۔ خصوصًا موجودہ سیاسی انتشار میں اُن کو کسی دینی کام میں نہ لگائے رکھا گیا تو ڈر ہے کہ دماغ کسی اور طرف متوجہ ہو جائیں۔ اُمید ہے کہ اس کی اہمیت پوری طرح آپ سمجھتے ہیں۔

والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

۱۵ جنوری ۴۶ ۱۹ ء

مکتوب نمبر ۲

دلیسنہ۔ پٹنہ

اخی العزیز رفع اللہ تعالیٰ شانکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط ملا تھا۔ خط میں دو باتیں تھیں ایک میرے قیام کے متعلق اور دوسری نصاب کے متعلق، میں منتظر رہا کہ آپ نصاب کا مسودہ مجھے

بھیج رہے ہیں، یا بھیجا ہے، مگر وہ اب تک مجھے نہیں ملا، اب انتظار کے بعد جواباً لکھتا ہوں، میرا اور میرا عصر عمل گذر چکا۔ نکل عصر رجال اب اس دور کے لئے آپ کا خاکہ موزوں ہوگا۔ مجھے چونکہ آپ پر اعتبار و اعتماد ہے۔ اس لئے دیکھے بغیر میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نافع فرمادے

جائے قیام کے متعلق ہنوز فیصلہ نہ ہوسکا میں نے اعظم گڑھ دماغی سکون۔ ذہنی امن داماں اور باہمی تصادم سے بچنے کے لئے چھوڑا اور یفوری طور سے حیدرآباد کی تعلیمی خدمت کے بجائے بھوپال کی مذہبی خدمت قبول کی اگرچہ ریاست کے انقلاب کے دست برد سے اب تک میری جگہ وہاں محفوظ ہے گو اصلی رائے تو وہاں پہونچ کر ہی معلوم ہوگی مگر چونکہ نفسیاتی طور سے اب اسلامی ریاست کا تصور نہیں رہا۔ اس لئے سمجھتا ہوں کہ وہاں بھی اب دل نہیں لگے لگا۔ اور بہتوں کا خیال ہے کہ مجھے اب وہاں سے ہٹنا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض گوشوں سے میری طلب جاری ہے، ایک ہمسایہ ملک کی طرف سے گفتہ آید در حدیث دیگراں کے عنوان سے بعض امورِ دینی د آئینی شرعی کے سلسلہ میں مجھے یاد کیا جارہا ہے اور اس خدمت کے لئے دینی اور دنیاوی عام تعلیم میں کیوں انقلاب برپا کیا جائے اور کیا اصلاحی تجویزیں پیش کی جائیں میرا نام لیا جارہا ہے۔ لیکن اب تک میری طبیعت یکسو نہیں ہوئی ہے۔

وطن آیا تھا کہ گوشۂ عزلت کی زندگی نبھ سکتی ہے یا نہیں، مگر بعض بزرگوں کی متبرک جائدادوں اور اعزہ کے عناد و خلش نے یہاں بھی مطمئن ہونے نہ دیا۔

دارالعلوم ندوہ کی خدمت ہمیشہ زندگی کا مقصد رہا اور اب بھی اس کی خدمت سے انکار نہیں، مگر ندوہ کے لئے جو اس وقت سب سے ضروری چیز مالی امداد ہے یعنی چندوں کا جمع کرنا۔ میں اس کے لئے بیکار ہوں۔ پھر میری اقتصادی اور مع اہل وعیال کی قیامی مشکل کا حل وہاں کوئی مجھے نظر نہیں آتا۔

غرض حالات نے قوت فیصلہ کو معطل کر رکھا ہے اور راستہ صاف دکھائی نہیں دیتا، سر دست حج کا سفر پیش نظر ہے۔ اس کے انجام کے بعد شاید کوئی راہ انشراح قلب کے ساتھ نظر آئے۔

عراق سے مولوی مسعود عالم صاحب کا خط آیا ہے۔ ہلالی صاحب سے ملاقاتیں ہو رہی ہیں۔ بخیریت ہیں۔

آج ۱۵ر جون ہے، ۱۷ کو یہاں سے روانہ ہونا ہے۔ لکھنؤ اور اناؤ کی راہ بھوپال قبل رمضان المبارک پہنچنے کا خیال ہے۔ امید ہے کہ بعض الجھنیں وہاں پہونچ کر دور ہوسکیں۔ اگر آپ بھوپال کے پتہ سے مجھے دینی مزید مشوروں سے مستفید کرسکیں تو شکریہ

والسلام

سید سلیمان

۱۵ر جون ۱۹۴۹ء

بھوپال

عزیز محترم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

عیادت نامہ ملا شکر گذار بنایا۔ الحمدللہ تعالیٰ بخیر وعافیت ہوں ضعف ابھی دور ہو رہا ہے۔

میری شرکت کو جو جماعت تبلیغ کے کاموں میں حجاز میں ہوئی۔ آپ صاحبوں نے بڑی اہمیت دی۔ مولانا یوسف صاحب اور مولانا زکریا صاحب تک نے اس کے لئے شکریہ ادا کئے اور دعائیں دیں۔ دعائیں تو ٹھیک ہیں کہ میں ان کا محتاج ہوں مگر شکریہ کس بات کا۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے گا۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ بعض صاحبوں نے ایسا کیا ہے۔

بے شبہ جو چیز آپ کے لئے آثار سعادت میں سے ہے وہ یہ ہے کہ بحمداللہ تعالیٰ کہ دو سال گذرنے کے بعد آپ کے نام اور کام کو میں نے زندہ پایا بلکہ آپ کی نسبت سے مجھے بزرگی ملتی رہی۔

آپ کی ملاقات اور ندوہ کے حالات سننے کا مشتاق ہوں۔ اب تو آپ بھوپال کے لئے پا برکاب ہوں گے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء

عزیز محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اِس خط کے پہنچنے کے ساتھ عید آجائے گی، مبارکباد قبول کیجئے آپ نے جس امر کی نسبت لکھا ہے۔ وہ میرے پیش نظر ہے صاحب موصوف بیحد نیک ہیں تدریسی سیاست مطلق نہیں، مگر ان کی فضیلت علمی بھی مسلّم ہے۔ اگر آپ لوگ آپ کا ہونا ضروری اور مفید کسی نہج سے سمجھتے ہیں تو مجھے بھی اتفاق ہے۔

حبیب اصغر مرحوم کے لڑکے کی سفارش مجھ سے اور صاحبوں نے بھی کی ہے مگر سوال فنڈ کی گنجائش کا ہے۔ انشاء اللہ اسکا معاملہ پیش نظر رہے گا۔

الندوہ آپ لوگوں کا ہے اور مضامین کے انچارج آپ دو صاحب ہیں اس دفعہ اُس میں ایک مضمون جو گو ضروری و مفید ہے، مگر ذرا معیار سے کم ہے اس میں شامل ہو گیا ہے۔

آپ یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ ہمارے شروانی صاحب نے رحمت عالم کی اسقدر قدر کی کہ فی نسخہ کے حساب سے اس کے ۱۰۰ نسخے خریدے۔

الندوہ کے شذرات میں رحمت عالم پر نوٹ لکھ دیجئے کہ اس کے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل رہے ہیں۔ قدر دانوں کو چاہیئے کہ جلد خرید فرما کر قومی و مذہبی احساس کا ثبوت دیں۔ میں ۱۵ نومبر کو انشاء اللہ آؤں گا

والسلام

سید سلیمان

۲۸ رمضان ۱۳۵۹ھ

خطوط

بنام محمد ادریس ندوی نگرامی صاحب

بھوپال

برادر عزیز شفاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اُمید ہے کہ اب آپکی آنکھوں کو آرام ہوگا اور اپنے مشاغل علمی وتعلیمی میں مصروف ہوں گے۔ لآلی الحکم پہنچی رسالہ اچھا ہے۔ مگر مختصر بہت ہے، مزید اضافہ کی ضرورت ہے کم ازکم سو صفحے ہوں۔

مسئلہ معیت الٰہی میں تین قسم کی آیتیں قرآن پاک میں ہیں۔ ایک میں بدلالت قرینہ معیت رحمت ونصرت مقصود ہے جیسے۔ إنّ اللہ مع الصابرین۔ إنّ اللہ مع المحسنین۔ وانتم الاعلون واللہ معکم۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ انّ معی ربی سیھدین۔ ان اللہ مع الذین اتقوا وغیرہ اور دوسری وہ آیتیں ہیں جنمیں معیت علمی مقصود ہے۔ وھو معکم اینما کنتم۔ ومایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الّا ھو سادسھم ولا ادنیٰ من ذلک ولا اکثر ھم الّا ھو معھم وغیرہ تیسری وہ آیات ہیں جن میں اطلاق ہے جیسے۔ اینما تولّوا

فَثَمّ وجہُ اللہ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون۔ اب سوال یہ ہے کہ ان آیات میں کون سا قُرب اور معیت مراد ہے ایک گروہ معیت علمی کی آیتوں کے قیاس پر اُن سے معیّت و قرب علمی سمجھتا ہے۔ جیساکہ قرآن پاک کی ان آیتوں کا منشا ہے۔ وسع کل شیٍٔ علمًا۔ ان اللہ احاط بکل شیٍٔ علمًا واحصٰی کل شیٔ عددا۔

اور بعض صاحبوں نے لغت پر اعتبار کرکے قرب و معیت ذاتی کو مراد لیا۔ لیکن چونکہ قرب و معیت ذاتی کے ماننے پر بعض اشکالات پیش آتے ہیں اور وحدۃ الوجود کے بجائے بہتوں نے وحدۃ الوجود کا عقیدہ اختیار کرلیا اس لئے متکلمین نے قرب و معیت ذاتی سے انکار کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبداء و معاد میں اس معیت کو متشابہات میں قرار دیا ہے۔ غرض یہ ہے کہ معیت و قرب کا اجمالاً عقیدہ رکھا جائے اور اسکی تفصیل و تشریح کے پیچھے نہ پڑا جائے

والسلام

سید سلیمان

۹ر فروری ۱۹۴۷ء

—۵—

بھوپال

عزیزم دعا ہائے خیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کو اس ماہ مبارک میں جو توفیقات ملیں اون کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جو توفیق عمل ہے وہ بھی انہی کی بخشی ہوئی ہے۔ سلسلۂ فقہ کی ترتیب جو پہلے رسالہ میں ہے وہ مناسب ہے اسی پرواز پر اب آئندہ باب شروع کیا جائے بڑا کام ہوگا۔ اپنے والد صاحب کو سلام کہئے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۹ ؍اگست ۱۹۴۷ء

بھوپال

عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط گو مدت کے بعد آیا مگر آپ اکثر یاد آتے رہے میرا ارادہ یہاں سے ۲۵ ستمبر کو سہارنپور اور ۴؍اکتوبر سے پہلے کراچی پہونچنے کا ہے واللہ اعلم یاد رہا تو دعاء انشاء اللہ کروں گا۔

یاد رکھنے کا خیال رکھوں گا۔ آپ رسائل میرے پاس ہیں کیا اچھا ہوتا کہ اگر فقہ والا سلسلہ آپ جاری رکھیں مفید دنیا و نافع آخرت ہے۔ اپنے والد صاحب کو میرا سلام کہہ دیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ

— ٥ —

بھوپال

برادرم عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم رحمۃ اللہ۔

الحمد للہ خیریت ہے۔ امسال بعد رمضان شوال کے وسط یا آخر میں سفر کا قصد ہے سید حسین بھی مع اہل و عیال ہوں گے۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپکی رفاقت ہو۔

اللہ تعالیٰ تمام مشکلات رفعہ دفعہ فرمائیں۔

سید حسین صاحب اٹاوہ میں ہیں۔

والسلام

سید سلیمان

۱۲ مئی ۱۹۴۸ء

— ٥ —

(بنام مولانا محمد ادریس ندوی نگرامیؒ)

-۵-

بھوپال

برادر عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مؤرخہ یکم ستمبر ملا۔ مبارک کہ آپ نے ایام مبارکہ کا حق ادا کرنے کی توفیق پائی فھنیا لکم۔ طلبہ کی خدمت کا ذوق بھی مبارک۔

کتاب الطہارۃ کی تکمیل پانے سے خوشی ہوئی یہاں بھی فقہاء اور اہل افتادہ موجود ہیں۔ وہ اطمینان کے قابل ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں۔ بھجوا دیجئے۔ اب کتاب کتاب الصلوٰۃ جلد شروع کیجئے فتاویٰ امدادیہ اور البوادر وغیرہ جدید مسائل کے لئے ضرور پیش نظر رہیں۔

ابھی یہاں کے دارالتصانیف کا کام قاعدہ سے شروع نہیں ہوا ہے۔ ہر روز منظوری کا انتظار ہے۔ امید ہے کہ امسال اور بھی مستعدی سے آپ کا درس جاری ہوگا۔ یہ توفیقات الٰہی ہیں ان سے فائدہ اٹھاتے رہئے۔ سعدی نے خوب کہا ہے ؎

منت منہہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بہ خدمت بداشتنت

زندگی میں ہر کام جو انجام پاتا ہے وہ محض حق تعالیٰ کی توفیق اور نوازش ہے ہم کیا اور ہماری جدوجہد کیا۔

والسلام
سید سلیمان

۲۲ر شوال ۱۳۶۵ھ

میرٹھ بذریعہ سید حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر

برادر عزیز ادام اللہ توفیقکم

آپ کا کارڈ مشتمل بر بشارت رویا ملا تھا۔ میں ہفتہ عشرہ کے لئے دیوبند و سہارنپور و تھانہ بھون چلا گیا تھا چند روز ہوئے کہ واپس آیا

اللہ تعالیٰ آپ کے ظاہری و باطنی مدارج بڑھائے۔ خواب کی حیثیت صرف بشارت کی ہے آپ کے لئے بھی اور اس ہیچ مداں اور ہیچ میرز کے لئے بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اگلی سیٹ میں ہیں وہ توراۃ سے عبارت ہے۔ پائے مبارک کو صدمہ توراۃ کی تحریف کی طرف اشارہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک اسلام سے عبارت ہے۔

اس کا قلب اقدس قرآن پاک ہے جو میرے واسطے سے آپ تک پہنچا خود سیرۃ نبوی کی تالیف میں شرکت بھی میری ہی ذات کے واسطے سے ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی نوازش اور لطف و کرم محض ہے جو اپنی غفاری و ستاری سے ایسے رویائے بشارت سرفراز فرماتے ہیں ؎

ورنہ من آنم کہ من دانم ! سراپا عیوب

الحمد للہ کہ میں اچھا ہوں اور عزیزوں کے لئے دعا گو ہوں۔ آپ نے اپنی خیریت مزاج نہیں لکھی، امید کہ آپ اپنے کاموں میں مصروف ہوں گے۔ دسمبر تک قیام کا ارادہ ہے

والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

۱۰ محرم ۱۳۶۵ھ

لے مکتوب الیہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ ریل کے ڈبہ جیسا ایک موٹر ہے۔ اگلی سیٹ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں مگر پائے مبارک میں چوٹ ہے، اور پچھلی سیٹ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش مبارک ہے۔ سید صاحب قبلہ نے جسد مبارک سے قلب اقدس کو لے کر مجھ کو دیا۔ اس کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور سید صاحب قبلہ نے پھر اس کو جسد اطہر میں رکھ دیا۔

میرٹھ

عزیز مکرم اسعدکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کارڈ ملا خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اب اچھی ہے اور اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دیں اور اچھے نتائج کا ظہور ہو نصائح سے بھی کام لیں کہ طلبہ میں دین اور تقویٰ اور علم کا ذوق پیدا ہو اس طرف مسلم یونیورسٹی مظاہر العلوم۔ دیوبند اور جامعہ ملیہ کو سرسری دیکھا۔ سیاسیات نے دین و تقویٰ اور حصول علم کے ذوق کو برباد کر رکھا ہے۔ خدا کرے کہ آپکی درسگاہ بفضل خدا اس طوفان سے بچی رہے۔

سیرت جلد سوم زیر طبع ہے آپ اپنا حصّہ جلد واپس بھیجدیں روایات کی نظر ثانی نہیں ہوئی ہے وہ تو آپ کے ذمہ تھی فقہ کی کتاب کے لئے کوئی وقت نکالیئے، مسح کا باب تو پورا ہی کر دیں تھوڑی مزید محنت کیجئے۔ مدرسہ میں بعض مدرسین کی غیر حاضری کے سبب سے شاید کوئی گھنٹہ خالی نہ مل سکے۔ والسلام

سید سلیمان ۲۱ محرم ۱۳۶۵ھ

لے: استاد محترم مرحوم کی خواہش تھی کہ اُردو میں فقہ پر ایک جامع کتاب ترتیب کی جائے دارالمصنفین میں یہ خدمت میرے سپرد فرمائی تھی۔ ندوہ کے تعلیمی مشاغل کی وجہ سے وقت بچتا نہ تھا میں نے درخواست کی تھی کہ یہاں کچھ وقت خالی کرا دیا جائے تو کام میں آسانی ہو۔

انادٗ

برادر عزیز   وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔

چلتے وقت خط ملا۔ لکھنؤ دو تین روز کے لئے جا رہا ہوں۔

۲۷۔ ۲۸ کو عربی و فارسی کمیٹی کا جلسہ ہے

خواب تو بشارت میں سے ہےؔ بہر حال یہ میرے اور آپ کے دونوں کے لئے بشارت ہیں۔ اپنا قصد تو شوال میں مغل لائن سے روانگی کا ہے۔ واللہ اعلم

آپ ابن قیم کا مسودہ تفسیر ساتھ لے لیں شاید کوئی راہ نکل سکے۔ رباط بھوپال کے لئے قاضی ریاست کے نام سے درخواست آپ بھیج دیں انتظام انشاء اللہ ہو جائے گا۔

والسلام

سید سلیمان

۲۵ رمئی ۱۹۴۸ء

لے مکتوب الیہ اس سال حج کا ارادہ کر رہا تھا۔ سید صاحب قبلہ بھی عازم تھے مگر بعد کو تشریف نہ لے جا سکے۔ اسی زمانہ میں خواب دیکھا کہ میں مدینہ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) میں حاضر ہوں اور ایک شخص مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اگر تم یہاں سید صاحب کے ساتھ آئے ہوتے تب یہاں کی رونق دیکھتے۔

بھوپال

عزیزی ادام اللہ توفیقکم صاحب دیرھنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں نے آپ کے لئے مدار المہامی میں سفارش لکھ دی تھی مگر ہنوز منظور ہو کر نہیں آئی جس کی وجہ میری سمجھ میں آپ کی درخواست عدد کثیر پر مشتمل ہونا ہے یعنی آپ نے ایک ساتھ (۱۷) آدمیوں کی اجازت چاہی۔ اب یہ جریدہ شائع ہوا ہے کہ باشندگان بھوپال سے جگہ باقی رہے تو دوسروں کو دی جائے۔ دو چار آدمیوں کی درخواست بھیجئے تو پھر تحریک کروں۔

ہمارا ارادہ ستمبر کے وسط کے جہاز سے جانے کا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام

سید سلیمان

۲۷ر رمضان

۱ؔ : مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ (صلی اللہ علی صاحبہا) میں قیام رہا۔ بھوپال گئے۔

۲ؔ : سفر حج ۱۹۴۸ء

بھوپال

عزیز گرامی تقبل اللہ منک

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مبارک کہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت سے آپ کو سرفرازی[1] ہوئی میرے قافلہ کا سفر سید حسین کے بڑے لڑکے کی خطرناک علالت کے سبب سے رہ گیا۔ یہ تو ظاہر سبب ہے اور باطن وہ ہے جس کو حضرت عراقی نے کہا ہے:

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادند
کہ بروں درچہ کردی کہ درون خانہ آئی

سنا ہے کہ آپ کے والد صاحب کی طبیعت ان دنوں خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا بخشیں۔

والسلام
سید سلیمان
۵ر دسمبر ۱۹۴۸ء

بھوپال

عزیز مکرم زادکم اللہ تعالیٰ علماً و عملاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

---

[1] سفر حج ۱۹۴۸ء

الحمدللہ کہ واپس آگیا۔ جہاز میں بیمار ہوگیا تھا۔ اب اچھا ہوں صرف ضعف باقی ہے۔ میں نے حج کو جاتے وقت آپ کی کتاب الطہارۃ کا مسودہ رجسٹری سے آپ کو واپس کیا تھا۔ آپ نے رسید نہیں لکھی، مہربانی کرکے رسید لکھئے تاکہ تسکین ہو۔ بحمداللہ کہ حجاز میں آپ کا تذکرۂ خیر باقی تھا۔ آپ کی کتاب تفسیر ابن قیم یہ نام التفسیر مصر میں چھپ گئی اور میں نے کہ علمائے نجد میں اس کی بڑی مانگ ہے۔ ایک نسخہ اس کا مجھے بھی ملا جو ساتھ آیا ہے

والسلام

سید سلیمان

۱۷ر جنوری ۱۹۵۰ء

بھوپال

عزیز مکرم اسعدکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خوشی ہوئی کہ آپ ایک خانگی ذمہ سے سبکدوش ہوئے اور زیادہ خوشی اسکی ہے کہ لائق اور رشید داماد ہاتھ آیا۔ خلف رشید سے بڑھ کر صاحب اولاد کے لئے شاید ہی کوئی نعمت ہو۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو برکت و سعادت اور عمر و حیات بخشیں۔

مسائل حج کے متعلق آپ کو جو خیال پیدا ہوا مجھے بھی ہوا اگر آپ کا رسالہ کار آمد ہوا تو پھر دوسرے رسالہ کی ضرورت ہی نہیں خدا کرے کہ آپ کا رسالہ مفید اور نافع ہو۔[1]

اب اچھا ہوں کچھ دنوں بعد لکھنؤ وغیرہ کے سفر کا ارادہ ہے آپ کو خبر انشاء اللہ تعالیٰ ہو جائے گی۔

والسلام

سید سلیمان

۳۰ جنوری ۱۹۵۰ء

---

[1] مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ حج [illegible] ایسا رسالہ تیار کیا جائے جس میں حج کی عملی تصویر کھینچ دی جائے اور حج کرنیوالے کو عملی نقشہ ہاتھ آجائے۔

مکتوب بنام مولانا محمد علی حیدرآبادی مرحوم
سابق استاد حدیث وفقہ جامعہ عثمانیہ

مکتوب نمبر ۱

۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

مسترشد: بخدمت سیدی ومولائی ومرشدی دامت برکاتکم علینا

حضرت الشیخ: اخی حبیبی فی اللہ تعالیٰ رفع اللہ تعالیٰ احوالکم

مسترشد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد: عرصہ دراز کے بعد ارسال عریضہ کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ لیکن کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ آں قبلہ کا خیال دل سے محو ہوا۔ آں مخدوم کی ہدایت ہر روز میرے آگے رہتی ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ معمولات جاری ہیں۔ بہت کم قضا ہوتی ہیں۔

حضرۃ الشیخ: یہ آپ کے مخلصانہ محبت کا اثر ہے کہ مجھے اسطرح یاد فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو میرے اور آپکے دونوں کیلئے باعث خیر و برکت بنائے۔

مسترشد: حسب ارشاد آوردوں کی اصلاح سے اپنی اصلاح میں لگا ہوا ہوں۔ عملی مسلمان بننا آسان سمجھا تھا۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جب سے آپ نے اس میدان میں ڈال دیا ہے۔ قدم قدم پر مزاحمتیں ہیں۔ خواہشات تعلقات اڑے آتے ہیں ان

سے مقابلہ کرنا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: خوشی ہوئی کہ اب آپ کے پیش نظر اصلاح کی صحیح صورت ہے۔

مسترشد: نفلیں پڑھ لینا روزے رکھ لینا بہت آسان ہے لیکن جہاد بالنفس بہت شاق گذرتا ہے۔ بہرحال یہ تو کرنا ہی ہے تدریجاً قدم بڑھا رہا ہوں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے مایوس نہیں ہوں یہ ابتلائیں اسی منزل کے لئے ناگزیر ہیں "حفت الجنۃ بالمکارہ" حضرت کی رہنمائی اور برکتِ دُعا سے یہی تلخ دوائیں غذا بن جائیں گی۔

حضرۃ الشیخؒ: بے شبہہ جہادنفس بہت بڑا کام ہے مگر جنت کا دروازہ اسی جہاد نفس سے کھلتا ہے

واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوٰی۔

وکما جاء فی الحدیث یکون ھواہ تبعًا بما جئتُ بہ

مسترشد: آپ سے ربط سامان توفیق سے مؤثر سبب تصور کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے اس راہ کو میرے اور آپ کے لئے آسان فرمائے

مسترشد: میری بڑی لڑکی کا نکاح ۲۶ ذی الحجہ یوم پنجشنبہ قرار پایا ہے

آپ کو زحمت دینے کی ہمت نہیں ہوتی دعاء خیر و برکت اور تحبب بین الزوجین کے لئے کبھی رات کی ساعتوں میں ہاتھ اٹھا دیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ہاتھ خالی واپس نہ ہوں گے انا عند ظن عبدی بی

محمد علی

حضرۃ الشیخ، مجھے اس موقع پر یاد فرمایا اس کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ اس میں خیر و برکت عطاء فرمائیں۔ دلی دعاء ہے حق تعالیٰ زوجین توافق عنایت فرمادیں اور باہم مودت اور سکینت کا سامان بہم پہنچائیں

والسلام

ہیچمدان سلیمان

۱۱ر ذالحجہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۲

مسترشد:۔ ۴ر شوال ۶۲ھ

یا من ہو لقلبی مقناطیس۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخ۔ اخی فی اللہ تعالیٰ ادام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ آں مخدوم کا والا نامہ مورخہ ۱۸ر رمضان المبارک موجب شرف سعادت ہوا۔ بعض احباب سے معلوم ہوا کہ مزاج گرامی کچھ ناساز ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو مع الخیر والعافیۃ رکھے۔ آمین۔ واقعہ کچھ یوں ہی ہے کہ آپ کی زندگی سے بہت سی زندگیاں وابستہ ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ کہ اب اچھا ہوں گو بغایت ضعف ہے اس لئے جیسے بسط کو جی چاہتا ہے اُس بسط سے لکھ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حُسنِ ظن کو میرے لئے اور آپ کے لئے موجب خیر و برکت بنائے۔

مسترشد:۔ مخدومی! میری علمی لیاقت علوم حدیث میں تو صفر ہے اور علوم قدیمہ عربیہ میں معمولی سی ہے لیکن اس نعمتِ عظمیٰ پر رب العزۃ کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ اُس نے دین حق اور صراط مستقیم کی راہیں سمجھا دی ہیں باوجود اس کے اس راہ کی منزلوں میں نفس کے دھوکوں اور کیدِ شیطانی سے مامون نہیں ہوں۔ یہی وہ مقام ہے کہ خضرِ راہ کی جانب نگاہیں اٹھتی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بے شک یہ بڑی نعمت ہے۔

مسترشد:۔ اس دور میں جو حضرات اسلامی فکر و نظر پر تبلیغانہ خدمات انجام دے رہے ہیں ان میں میرا میلان طبع زیادہ تر مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی جانب ہے۔ اُن کی خدمات کو میں اس دورِ جہالت و ضلالت میں وقت کی سچی صحیح خدمت تصور کرتا ہوں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میرا قلبی رُجحان اُن کی جانب کبھی نہیں ہوا۔ جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد ؛ پر طبیعت اُدھر نہیں آتی۔
دماغ میں تو وہ سما جاتے ہیں مگر دل میں نہیں اترتے[1]

آپ کی محبت میرے دل میں یوماً فیوماً کچھ زیادہ ہی ہوتی جارہی ہے اسی جذبۂ محبت نے تحدیثاً للنعمہ اظہارِ محبت پر مجبور کیا تھا میرا پہلا عریضہ اسی اثر کا نتیجہ تھا۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے حسنِ ظن کا اہل بنائیں۔

مسترشد:۔ مخدومی! میں بیعت کا کچھ زیادہ معتقد نہیں ہوں، ایک امرِ مستحب کے لئے کسی کے ہاتھ میں ایسا پڑ جانا جیسے مردہ بدستِ زندہ۔ کبھی ایسا خیال نہ آیا۔ بلا اس کے بھی استفادہ کی اور شکلیں ہو سکتی ہیں۔ کسی کے ہاتھ بک جانے کے بعد آقا کے حکم کی خلاف ورزی معاہدہ کے خلاف ہے۔ پھر ہر وہ بات و طریقۂ کار پر عمل کرنا ضروری ہو جاتا ہے جس کی ہدایت کی جائے خواہ دل مانے یا نہ مانے۔ میں ایسی کوئی عبادت جو بادلِ ناخواستہ ہو جو استحبابی درجہ سے زائد ہو مقتضیاتِ اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔ جو بات انشراح

---

[1] اس کا جواب حضرت شیخؒ نے کچھ نہیں دیا مگر تعلق کی برکت سے مولانا پر حقیقت کھل گئی اور ان کا دماغی رجحان بھی بالکل بدل گیا تھا۔ (نج۔م)

قلبی کے ساتھ جاں گزیں نہ ہو جائے اور اُسکو محض تقلیداً یا احتراماً قبول کر لیا جائے نشاط و تسکین خاطر کا سبب نہیں ہو سکتی۔ یہ میری کمزوری ہو یا اس کے سوا کچھ اور، بہر حال، حالِ دل و مذاقِ طبع کچھ یوں ہی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بیعت کی حقیقت ایک معاہدہ ہے درمیان مفید اور مستفید کے۔ مفید وعدہ کرتا ہے کہ وہ شفقت اور تعلیم میں حتی الامکان کمی نہ کرے گا۔ اور مستفید اس کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ اطاعت میں حتی الوسع کمی نہ کرے گا۔

بیعت اس راہ کی ضروری چیز نہیں۔ بیعت کے بعد اطاعت فی معروف کی قید ہے۔ یعنی غیر احکام شریعت میں اطاعت ضروری نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لیتے وقت فی معروف کی قید لگا دی ہے

مسترشد :۔ میں نے اپنے حدِ علم تک جس جس پر نظر ڈالی یہی دیکھا کہ کسی کے پاس دماغ ہے تو دل غائب اور کسی کے پاس دل ہے تو دماغ غائب، اور کہیں تو محض دوکانداری و تجارت ہی تجارت ہے، دُکانیں اونچی مگر پکوان پھیکا۔ میرا آپ کی بابت یہ گمان ہے کہ آپ کی صرف نگاہ ہی مسلمان نہیں بلکہ قلبِ سلیم بھی عطا ہوا ہے اور اسکی حرارت میں ارتعاش تھانہ بھون کے تعلق سے زیادہ ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے بہ نسبت اوروں کے مجھے انس زیادہ ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ راہِ سلوک میں کوئی ایسی بات درمیان میں نہ آئے گی جو محض احتراماً یا تقلیداً ماننی ضروری ہو بلکہ براہ نسی جو نص کی دلالت اور اشارۃ سے خالی ہو آپ نہ مانیں، مگر نص کے اقسام پر تو تسلیم و رضا اور عمل

بالانشراح ضروری ہے

مسترشد:۔ اپنی یہ حالت ہے کہ حتی الامکان کبائر و محرمات سے بچتا ہوں۔ فقہی نماز روزہ ادا ہو جاتا ہے۔ حیدر آباد کا ماحول مدفنِ علم و عمل ہے، گھِر گیا ہوں۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، دوست احباب، عزیز و اقارب، گھر اور باہر سب جگہ کے نقشے بگڑے ہوئے ہیں۔ دائرہ ملازمت میں بہو لکوشش کرتا ہوں کہ اُسے حلال کر کے کھاؤں۔ عرصہ سے سب سے تعلقات چھوڑ دیئے ہیں۔ چھوٹوں سے بھی بڑوں سے بھی، امیروں سے بھی غریبوں سے بھی، کوئی مجلس کوئی صحبت ایسی نہیں جو منکرات سے خالی ہو۔ جھوٹی شیخیاں، تعلیاں، مکر و زور کا جال بچھا ہوا ہے۔ تملق و خوشامد کی گرم بازاری ہے، دامن بچاتا ہوں مگر کہیں نہ کہیں دانستہ یا نادانستہ وہ اُلجھ ہی جاتا ہے۔ کبھی اختیاراً کبھی اضطراراً ان لوگوں کی راہ سے گذرنا پڑتا ہے۔ دُعا فرمائیے آپکی مخلصانہ دُعا رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ والسلام

آپ کا دور اُفتادہ محتاج دعا و ہدایت

محمد علی

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ نے اپنی جو حالت لکھی ہے وہ بہت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عنایت فرمائیں۔

اصل شئے اللہ تعالیٰ کا قلبی تعلق اور اس کے احکام کی اطاعت ہے باقی سب فروع اور اس مقام کے حصول کے لئے اسباب اور مُعدّات ہمارے حضرت رحمۃ اللہ کے مواعظ اور تالیفات مطالعہ فرمائیں تو

باطن میں ترقی ہوگی۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۹ر شوال ۱۳۶۴ھ

مسترشد: گذارش: پتہ میں صرف دارالمصنفین اعظم گڈھ لکھنا کافی ہے یا کچھ اور فضول بھی ہیں، تاکہ بسہولت بلا تاخیر عریضہ پہنچ سکے۔

حضرت الشیخ: بالکل کافی ہے

مسترشد: نوٹ: مودبانہ گذارش ہے، آپ نے مولانا لکھا، تواضعًا نہیں کہتا حقیقتًا بھی بہ مشکل مولوی کے معیار پر اُتر سکوں گا۔ میں نے اپنا مقام خود متعین کر دیا ہے، جو جوابی لفافہ میں ہے

حضرت الشیخ: اس فقیر نے جو کچھ لکھا ہے اُس کو واقعہ کے بجائے تفاول پر محمول فرمائیں

مکتوب نمبر ۳

مسترشد: جمعہ ۶ر صفر ۶۵ھ

مخدوم و محترم ذوالمجد والکرم سیدی و مولائی ادام اللہ ظلکم الظلیل علی رؤس المسلمین

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ۔

حضرۃ الشیخ: اعظم گڈھ / ۲۷ر صفر ۱۳۶۵ھ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: سخت نادم و شرمندہ ہوں کہ عرصہ دراز کے بعد عریضہ ارسال کر رہا ہوں

احباب، اخبار در سائل کے ذریعے مزاج گرامی کا علم ہوتا رہا۔ حق سبحانہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے اور ہم جیسے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کام آپ کے ہاتھوں انجام پائے۔ آج مولوی سید ہاشم صاحب ندوی سے علم ہوا کہ آں مخدوم میرٹھ سے اعظم گڑھ پہنچ چکے ہیں۔ دل چاہا کہ عریضہ کے ذریعہ معلوم کروں، اور کچھ اپنا حال بھی سناؤں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں، اور داعیِ خیر

مسترشد: اپنا تو یہ حال کہ عبادت میں اکثر دل نہیں لگتا۔ بس فرائضِ فقہی قانون کے مطابق ادا ہو جاتے ہیں، کوئی لذت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ ایک عام حالت ہے لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے سنتے ہوئے نماز اور خارج نماز میں، گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت کبھی آیاتِ عذاب پر اور کبھی آیاتِ رحمت پر ہوتی ہے۔

ایسا کوئی عمل بتائیے کہ عبادت غذائے نفس بن جائے، اور لذت محسوس ہونے لگے۔ گو یہ مقصود نہیں۔ لیکن ازدیادِ محبت و عبادت کی موجب ضرور ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ تو حالات مرض ہیں، مگر اب ان کا جو علاج ہے ان کی طرف متوجہ ہوں، آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر عشق کے آثار طاری ہوں لیکن حصولِ عشق کے جو طریق ہیں اُن سے آپ اپنے کو مانوس کرنا نہیں چاہتے۔ یہ بتائیے کہ اگر آپ کو کسی سے طبعی عشق نہ ہو یا کسی نادیدہ سے عشق کرنا ہو تو اُس کی کیا صورت ہے، صورت یہی ہے کہ اُس کا نام بار بار دُہرایا جائے دل سے، زبان سے

خیال سے اور اُس کے کمالاتِ حُسن پر ہر طرح سے غور کیا جائے اور اس سے مادۂ عشق کو ترقی دی جائے۔

اسی کے قریب تدابیر غیر محسوس وغیر مرئی حسن وعشق کے لئے ہیں پہلے کا نام ذکر اور دوسرے کا نام فکر ہے۔ اللہ کا نام رٹا جائے اور اس کے کمالات قدرت وعظمت ورحمت واحسان پر غور کیا جائے یہی ذکر وفکر ہے جو صوفیہ کے ہاں مروج ہے اور قرآن پاک میں ان دونوں کی طرف اشارات ہیں۔

یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم اور یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا۔ وغیرہ من الآیات

مسترشد:۔ ایام زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی مجددی نقشبندی کے ہاتھ پر رسمی طور پر بیعت کی تھی۔ صرف بیعت کی کچھ کیا نہیں بالکل کورا ہوں۔ میرے مربی ومحسن حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مجھے لے جاکر خود مرید کرایا تھا۔ میں کچھ زیادہ اس کا قائل بھی نہیں جیسا کہ اپنے ایک عریضہ میں لکھ چکا ہوں۔ ”حسبنا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ“ باوجود اس کے راہ سلوک میں اگر یہ اقصر طریق ہو تو انکار بھی نہیں۔ آپ کے علم ودیانت پر اعتماد ہے۔ آپکا مشورہ صحیح ہوگا اوقات خاصہ میں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے دعا کا طالب ہوں

والسلام۔ آپ کا

محمد علی جدید نارائن گوڑہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیمات تصوف حقیقیؒ ”حسبنا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ“ الگ

آپ نے اس حیثیت سے ابھی ان مسائل پر شاید غور نہیں فرمایا۔
" اعبد ربك كانك تكراه " مطلوب ہے یہ مطلوب کیونکر حاصل ہو
فی صلوتھم خاشعون مقصود ہے۔ اس کا حصول کیسے ہو
والذین امنوا اشد حبًا للہ ۔ یہ محبت مراد ہے۔ یہ مراد کیسے ہاتھ آئے۔

بیعت موجب برکات ویسے ہی ہے جیسے ظاہری علوم میں کتابوں کے باوجود استادی وشاگردی کی نسبت۔ اقصر طریق ذکر وفکر اور ہمت وعزیمت

ع آب کم جو تشنگی آور بدست

والسلام

ہیچمدان سلیمان۔ ۲۷ صفر ۶۵ھ

مکتوب نمبر ۴

مسترشد، ۲۹ ربیع الاول ۶۵ھ دوشنبہ

از محمد علی حیدر آبادی

بشرف ملاحظہ مخدوم ومطاع سیدی ومولائی ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخ: اعظم گڈھ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد: طالبِ خیر مع الخیر۔ میرے ۶ صفر کے عریضہ پر جو ہدایات درج تھیں مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ ادھی طرف آرہا ہوں جدھر کو آپ لے جانا چاہتے ہیں۔ آخر شب کی ساعتوں میں تفکر فی خلق السمٰوٰت و الارض اور اس کے غیر مختتم عجائبات پر نظر رکھ کر اپنے منعم و محسنِ حقیقی کے آگے سرِ نیاز جھکا دیتا ہوں جس نے محض اپنے فضل و کرم سے بلا طلب و استحقاق وہ نعمتیں بخشیں جو لاتعداد لاتحصیٰ ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: بڑی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہمِ دین عنایت فرما کر صراطِ مستقیم کی ہدایت فرمائی۔ ذالكَ فضل الله يوتيه من يشآء والله ذوا لفضل العظيم ۔ یہ وہ آیاتِ پاک ہیں جن کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ و سلم تہجد کے وقت آسمان کی طرف آنکھ اٹھا کر پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مسترشد: آپ نے ٹھیک تحریر فرمایا کہ "بیعت موجبِ برکات ویسے ہی ہے جیسے ظاہری علوم میں کتابوں کے باوجود استادی و شاگردی کی نسبت" اس لئے اب اس کارِ خیر میں مزید استخارہ کی ضرورت نہیں۔ اب تو سپردم بتو کے سوا چارہ نہیں۔ اسیرِ دام ہونا چاہتا ہوں، رشتہ بیعت سے باندھ دیجئے انشاء اللہ تعالیٰ اس برکت سے وہ مقامِ احسان بھی حاصل ہوجائے گا جسکی جانب آپنے "فاعبد کانک تراہ" لکھ کر اشارہ فرمایا[1]

[1] انشاء اللہ تعالیٰ (سلیمان)

حضرۃ الشیخؒ :- اس سیمدان کو تو آپ کے ذوقِ سلیم سے اُمید ہے کہ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور مواعظ سے انشاء اللہ جلد فائدہ ہوگا۔

یہ عزم مبارک ہو مگر جلدی نہ فرمائیں۔ یہ سیمدان تو خدمت کیلئے حاضر ہے۔ ضرورت ہے کہ چند سے مکاتبت جو ہمارے سلسلہ میں قائم مقام فیض و توجہ جاری رہے۔

مسترشد :- پھر اس راہ میں جس طریقہ عمل کی ضرورت ہو اس پر بھی متنبہ فرمایا جائے۔ ایک خواب رات ہی یہ دیکھا کہ ایک مکان جو باہر سے خراب خستہ کھنڈر سا دکھائی دیتا ہے یہ ایک عالم کا مکان ہے جو میرے ملنے والے ہیں ان کا انتقال ہوگیا مگر میں انہیں زندہ تصور کر کر ایک حدیث کی کتاب دینے گیا ہوں۔ میں نے آواز دی کسی نے میری آواز پہچان کر کہا کہ محمد علی آگیا۔ یہ بزرگ دو آدمیوں کے سہارے میرے استقبال کے لئے آئے پھر مجھے اندر لے گئے۔ مکان کا اندرونی حصہ نہایت روشن صاف ستھرا وسیع سفید چاندنی کا فرش یوں محسوس ہوا کہ آج یہاں کوئی مجلس ذکر و تذکیر ہے مختصر لوگ جمع ہیں۔ ایک جانب مصلے پر سبز لباس پہنے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور دوسری جانب سفید عمامہ لنگی باندھے ہوئے آپ بیٹھے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ تمہارے خط کا انتظار رہتا ہے۔ یہ بھی ارشاد ہوا کہ میں کچھ بیمار تھا اس لئے میں نے خود تمہیں خط نہیں لکھا اپنی ہمشیرہ سے لکھوایا ہے، کچھ اور باتیں ہوئیں جو یاد نہیں رہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- ہمارے حضرت کا مذاق عموماً یہ تھا کہ اکثر خواب کو اہمیت نہیں دیتے

تھے، اور ٹھیک احادیث کے مطابق اس کو محض مبشر جانتے تھے جو
کوئی مرد مومن اپنے لئے دیکھے یا کسی دوسرے مسلم کے لئے

خواب کی تعبیر اپنی سمجھ کے مطابق عرض کرتا ہوں۔ مکان کی حالت ظاہر کی سادگی اور باطن کی معموری ہے۔ سبز لباس اہل جنت کی نشانی ہے سفید کپڑا سنت کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث میں یہ احسن لباس مردوں کے لئے ہے۔ دفیہ کفنوا امواتکم اور یہ صوفیہ کی اصطلاح میں موتوا قبل تموتوا ہے، جس کا دوسرا نام فنا ہے۔ بندہ پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس کی زندگی صرف رضائے آلٰہی کی زندگی ہو جاتی ہے۔ اپنے اختیار سے کچھ نہیں ہوتا۔

مسترشد :۔ وہ بزرگ جن کے گھر میں گیا تھا اُن کی شکل وصورت دنیوی میں پہچان نہ سکا۔ یعنی مقدس نورانی چہرہ سفید داڑھی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ وہ کتاب غالباً طبقات ابن سعد تھی جو مولانا حبیب الرحمان صاحب کی مملوکہ تھی انہیں بزرگ کو دینے کے لئے دی تھی میں خوش ہوا کہ یہ امانت میں نے خود اُنہیں کی مواجہہ میں دے دی۔ اللھم خیرلنا

والسلام

محمد علی حیدر آبادی

حضرۃ الشیخؒ :۔ طبقات ابن سعد صحابہؓ کی سیرت و زندگی ہے

ہدایات ذیل عرض ہیں

۱:۔ قصد السبیل حضرت والاؒ ملاحظہ فرمائیں اور عالم مشغول کی ہدایات

پر عمل فرمائیں۔

۲:۔ جس وقت داخل سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ ہونے کا عزم راسخ ہو یہ سمجھ کر داخل ہوں کہ اب اسی منہاج پر زندگی کے آخیر لمحہ تک گذارنا ہے۔"

"توفّنی مسلماً وّ الحقنی بالصّٰلحین۔" اور
"ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔" اور
"واعبد ربّک حتی یأتیک الیقین۔"

کی آیتیں پیش نظر رہیں۔

۳:۔ اس عزم کے بعد وضو کریں اور ممکن خضوع و خشوع کے ساتھ دوگانہ ادا کرکے استغفار کریں اور خوب تضرع سے گناہوں کی معافی چاہیں اور اپنی نئی زندگی کے عزم کی توفیق مانگیں، اور سمجھیں کہ آج سے اللہ تعالیٰ سے اطاعت کاملہ کا عہد آپ کر رہے ہیں۔

۴:۔ جو فرائض فوت ہوئے ہیں ان کی قضا کی جائے جو حقوق عباد تلف ہوئے ہوں یا آپ کے ذمہ باقی ہوں ان کو ممکن ہو تو ادا کیجئے یا صاحب حق سے معاف کرائیں اگر مر گیا ہو تو اس کے ورثہ سے معاف کرائیں اور اس کے لئے دعائے خیر کریں غرض تلافی مافات کا تہیہ اور سابقہ ذنوب سے استغفار ضرور ہے تو یہ اس راہ کا پہلا قدم ہے، پھر اصلاح الا الذین تابوا و اصلحوا

ہیچمدان سلیمان

۶ ربیع الآخر ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۵

مسترشد ۲۹ رجمادی الاولیٰ پنجشنبہ

من عبدہ المسکین المدعو محمد علی کان اللہ لہٗ

بہ حضرت مخدوم و مطاع سیدی و مولائی ادام اللہ فیوضکم

علیٰ رؤس المسلمین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- دیسنہ ضلع پٹنہ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- کامل دو ماہ کے بعد عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ منجملہ وجوہ تاخیر ایک یہ امر بھی پیش نظر تھا کہ آں قبلہ نے جو ہدایات درج فرمائی تھیں ان پر کچھ نہ کچھ عمل کر کر اپنا حال لکھوں

حضرۃ الشیخؒ :- بہتر عمل وہی ہے جو اَدْوَمْ ہے۔ اگرچہ اقل ہے جو کچھ شروع کیا جائے وہ دوام عملی کو مدنظر رکھ کر اختیار کیا جائے۔

مسترشد :- بفضلہ تعالیٰ و توفیقہ قصد السبیل کا مطالعہ کیا۔ اُس کے اکثر حصّہ پر عمل ہے لیکن بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک اسم ذات کا ذکر ایک دن

بھی نہ ہو سکا۔ طبیعت پر بار معلوم ہوتا ہے، بادل ناخواستہ عبادت
کرنے کو جی نہیں چاہتا، اور نہ اتنا وقت و اطمینان ہی ہے۔
ادائی فرائض اور واجبات و سنن مؤکدہ میں تو چون و چرا کی گنجائش
ہی نہیں اور ان کا "کم" گراں گزرتا ہے۔ نوافل اور مستحبات میں محنتِ
شاقہ برداشت کرنے سے کم از کم میری طبیعت گریز کرتی ہے۔ البتہ اقل
و اَدْوَم کوئی عمل ہو تو بار نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ۲۴ ہزار انفاس شب و روز حضرات مشائخ نے مقرر فرمایا ہے۔
بے شبہہ یہ تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ آپ تین ہزار روزانہ سے شروع
کریں پھر جیسے جیسے طبیعت میں آمادگی پیدا ہو بڑھائیں جہاں تک بڑھ سکے
اور جب اُس کے اثرات میں رسوخ نمودار ہو گا تو پھر عرض کیا جائے گا۔

مسترشد :۔ چونکہ آپ کو اپنا طبیب روحانی تصور کرتا ہوں۔ اس لئے اپنا ہر
اچھا و بُرا آپ کے آگے رکھ دینا چاہتا ہوں، نہ تو تیری نفس بالسوء پیش
نظر ہے۔ نہ اُس کو مزکی دکھلانا ہے۔ البتہ تحدیثاً النعمۃ عرض ہے کہ بحمد اللہ
تعالیٰ صغائر اور کبائر سے طبعی نفرت ہے۔ مجالس اثم و عدوان سے بہت
بچتا ہوں۔ باوجود اس کے کبھی اختیاراً کبھی اضطراراً مبتلا ہو جاتا ہوں۔
توبہ کرتا ہوں توفیق خیر طلب کرتا ہوں۔ ایک صالح مسلمان کی زندگی جیسی
ہونی چاہئے، اپنے زندگی کے سارے شعبوں میں وہی حُسن پیدا کرنے
کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ نسبتاً انقلاب محسوس کرتا ہوں۔ قصد السبیل
کے مطالعہ کے بعد ۹۵ فی صد خود کو تہجد کا پابند بنا لیا ہے۔ کبھی کبھی

صلوٰۃ الاوابین و چاشت بھی پڑھ لیتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- یہ حال بہت اچھا ہے، اس پر شکر کیجئے کہ اور ترقی عطا ہو۔

ولئن شکرتم لازیدنّکم۔

آپ تعلیم الدین اور تبلیغ دین کا مطالعہ اس نیت سے فرمائیں کہ اس آئینہ میں اپنے کو دیکھیں جو اپنے میں خیر یا مطابق عمل پائیں اس پر شکر کریں اور جو کمی پائیں اُس کے حصول اور عمل کی کوشش فرمائیں۔ تبلیغ دین میں کہیں کہیں زمانہ کے لحاظ سے کچھ غلو معلوم ہوگا۔ اوسکی اصلاح حسب تجویز حضرت والا رحمۃ اللہ پوچھنے پر عرض کی جائے گی۔

مسترشد :- حقوق العباد کے ایفا اور تلافیِ مافات کا بہت خیال ہے جو نمازیں قضا ہیں اُن کی اداء کا فکر ہے۔ میں صاحب ترتیب تو نہیں ہوں کچھ نہ کچھ قضا ضرور ہوں گی۔ بجائے نوافل کے قضاء کی نیت کرکر ادا کرتا ہوں بہرحال دونوں میں سے کوئی ایک ہو ہی جائے گی۔

ظہر، عصر، عشاء۔ قضا کی نیت کرنے میں کیا ہر رکعت میں قرأت ضروری ہوگی؟ نفل کی ہر رکعت میں تو قرأۃ ضروری ہے فرائض کی آخری رکعتوں میں لازم نہیں میں تو ہر رکعت میں احتیاطاً فاتحہ کے ساتھ ضم سورت کر لیتا ہوں

حضرۃ الشیخ :- بہت بہتر، اسی طرح قضا کیجئے ورنہ نوافل کی نیت کر لیجئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جیسی فرض نمازوں میں کمی ہوگی وہ سنن و نوافل سے پوری کی جائے گی۔

جی نہیں فرائض کی قضا میں آخر دو رکعتوں میں ضم سورہ نہیں ہے۔ نفل

ادا پڑھنا چاہیئے البتہ سنن و نوافل میں ضمّ سُورہ بھی ہے پس قضا یا ادائے نفل جیسی نیت ہو اُسی طرح پڑھنا چاہیئے۔ آپ اندازہ کرکے قضائے فرائض حسابِ قیاسی کرکے صرف نفل کی نیت کرلیا کریں۔

نوافل و سنن میں سب سے اہم چیز تہجد کی رکعات ہیں جن کو بزرگوں نے اقتداءً بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم سنت مؤکدہ کا درجہ دیا ہے۔ اور اس کو من شیم الصالحین قرار دیا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں ہے۔

مسترشد: میں ایک معمولی استعداد کا آدمی ہوں چندے لکھے پڑھے صحیح العقیدہ اہل علم و فضل حضرات کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ آں قبلہ عالم سمجھ کر مخاطبتہ نہ فرمائیں کچھ یوں ہی سطحی معلومات ہیں گہری نظر نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: اِس تواضع پر دلی مبارک باد۔ جس نے پایا ہے۔ اسی راہ سے پایا ہے۔

مسترشد: سیدی! المریأن الحین اَن ابایع علی یدك ۔ وما یدریك لعله یزکیٰ لکن و الشرط املك ای فیما استطعتُ لعل اللہ یحدث بعد ذلك اَمراً ۔ من مزید فضله وکرمه

والسلام

محمد علی

حضرۃ الشیخؒ: بیعت سے مقصود تعلیم پر باہمی معاہدہ ہے سو تعلیم جاری ہے اپنا رسوخ دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر اس برکت کے حصول کی خواہش فرمائیں گے تو دریغ نہ ہوگا۔

میرے پاس بجز حضرت والا کی نسبت کے کوئی اور چیز نہیں ہے یہی نسبت انشاء اللہ تعالیٰ پیش ہوگی۔

والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲ ج سنہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۶

مسترشد: ۲۹ رجب سنہ ۶۵ھ

سیدی و مولائی مخدومی محترمی ذوالمجد والکرم ادام اللہ ظلکم الظلیل علی رؤس المسلمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ بھوپال۔ بذریعہ سیکرٹری تعلیمات

اخی فی اللہ تعالیٰ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مسترشد:۔ دیسنہ ضلع پٹنہ سے گرامی نامہ شرف صدور لایا تھا جس میں تعلیم دین' اور تبلیغ دین' کے مطالعہ کی ہدایات تھیں۔ دونوں کتابیں میرے مطالعہ میں ہیں۔ جس قدر دیکھا منقولات کو معقولات پایا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مناسبتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ آپ کا مذاق چشتی جوش وخروش کے بجائے سکینت کا طالب ہے۔ اس میں کوئی خرج نہیں۔ ممکن ہے

مسترشد :- ہنوز صوفیاء کرام کے استنباط اور اُن کی اصطلاحوں وطرق اذکار سے مجھے اب تک انس پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ بسا اوقات تو مجھے اُن کی باتوں سے توحش ہوتا ہے چوں کہ ان نفوس قدسیہ سے عقیدت ہے اس لئے کبھی بھی کسی درجہ میں ان پر تنقید یا ان کی تنقیص کا وہم تک بھی دل میں نہ آیا۔

حضرۃ الشیخ :- ان بزرگوں کے ظاہر طرز تعبیر سے آپ کو توحش ہو۔ مگر معنیٰ توحش کی بات نہیں۔ کوئی ضروری امر اس راہ کا ایسا نہیں جو کتاب و سنت کے خلاف ہو بلکہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو کتاب وسنت سے مؤید نہ ہو۔

مسترشد :- احب الصالحین ولست منہم۔ لعل اللہ یرزقنی صلاحا۔ قرآن اور سنت کی راہ سے جس طرح باتیں دل میں اترتی چلی جاتی ہیں ان کی باتیں نہیں آتیں۔ ذکر سے زیادہ فکر میں لذت محسوس ہوتی ہے میرا مذاق کچھ ایسا ہی ہے۔

حضرۃ الشیخ :- تعلیم الدین کا وہ حصہ جس میں اصطلاحات صوفیانہ ہیں چھوڑ دیں، بقیہ حصہ تو محض احادیث کا ترجمہ ہے، حاشیہ پر اصل حدیثیں لکھی ہیں، اور تبلیغ دین کی بنیاد بھی احادیث ہیں، بہر حال اگر اس میں جی نہ لگتا ہو تو آپ جامع ترمذی کی کتاب الزہد والرقاق مطالعہ میں رکھیں، اور کتاب الدعوات کو عمل میں رکھیں، اور فکر و مراقبہ کیا کریں۔ جن کی نسبت آگے عرض کروں گا۔

مسترشد :- ان مخدوم نے روزانہ تین ہزار بار اسم ذات کے ذکر کی ہدایت

فرمائی تھی۔ اپنی حرماں نصیبی پر نادم ہوں کہ آج تک اتنا موقعہ ہی نہیں ملا کہ ایک ہی نشست میں تعمیلِ ارشاد کی سعادت حاصل کر سکوں

البتہ اذکر اللہ حالاً و قالاً فی کل احیان

حضرۃ الشیخؒ :- ذکر ایک نشست میں مؤثر ہوتا ہے۔ اگر کئی نشستوں میں ہو تو بھی خیر۔ اور اگر سرے سے اس میں جی نہ لگتا ہو تو فکر اور تسبیح سے کام لیں۔ مقصود یہ ہے کہ کثرت ذکر کی عادت پڑ جائے والذاکرین اللہ کثیراً اور واذکر اللہ کثیرا اور رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ کے تحت ذکر لسانی و قلبی جاری ہو جائے۔

مسترشد :- میرا خیال ہے کہ کامل انقیاد و سرافگندی بلا محبت کامل کچھ ناممکن ہی سی ہے۔ محبت کامل کے حصول کا ایک مؤثر منتج ذریعہ رشتہ بیعت سے منسلک ہو جانا بھی ہے۔

آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ " اپنا رسوخ دیکھ کر انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر اس برکت کے حصول کی خواہش فرمائیں گے تو دریغ نہ ہوگا۔ تہیدست حاضر خدمت ہوں۔ خالی ہاتھ نہ لوٹائیے کیا خبر کہ کل جی کہلاؤں یا میت لا یعلمہ الا ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- بے شک محبتِ شیخ کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ پہلے آپ اپنے عزم میں رسوخ پیدا کریں، پھر اس رسم بیعت کو اختیار کریں تاکہ بعد کو اپنے فعل پر ندامت نہ ہو۔ اگر آپ انتخاب شیخ

ہیں رسوخ اور عزم کا یہ مرتبہ حاصل کر چکے ہیں تو مضائقہ نہیں۔
فکر و مراقبہ کی صورت یہ ہے کہ با وضو کسی مقررہ وقت میں آنکھ بند کر کے ہاتھ باندھ کر کسی اطمینان کے مقام میں بیٹھ کر کسی معنی پر اتنا غور کریں کہ وہ آپ میں رچ جائے اور آپ اس میں رنگ جائیں اور اس کا یقین قلب میں پیوست ہو جائے۔ قرآن پاک میں ہے۔

اللہ نور السمٰوات والارض

حدیث میں ہے۔

ھو نورٌ اور ہے انت نور السمٰوت والارض ومن فیھن۔

آپ اس کا مراقبہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کا نور آپ میں اور تمام آسمان و زمین میں پھیلا ہے۔ قلب کی طرف دھیان کریں کہ اس میں اللہ کا نور یا لفظ اللّٰہ بخطِ نورانی لکھا ہے۔

مسترشد :- یہ سُن کر بڑی مسرت ہوئی کہ آں مخدوم کا قصد اوائل اگست میں حیدر آباد تشریف لانے کا ہے۔ اگست کا مہینہ رمضان المبارک کا ہوگا۔ کیا ہمیں ایک ساتھ دو عیدیں منانی نصیب ہوں گی ؟

خویدلکم۔ محمد علی

جدید نارائین گوڑہ مکان ۲ءء حیدر آباد دکن

حضرۃ الشیخؒ ، حیدر آباد کا قصد شاید پورا نہ ہو۔ والسلام

ہیچدان سلیمان۔ ۱۰ر شعبان ۱۳۶۵ھ

مکتوب نمبر ۷

مسترشد: بہ ملاحظہ سیدی و مولائی مخدومی و مطاعی دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱۰ ؍شعبان کا والانامہ بھوپال سے روانہ کیا ملا۔ جو میرے لئے موجب برکت وسعادت ہوا

حضرۃ الشیخؒ: بھوپال۔ ۲۰ ؍شعبان

اخی فی اللہ تعالیٰ زادکم اللہ تعالیٰ علماً وعملاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد:۔ آں قبلہ نے میری تقصیر عمل اور مذاقِ طبع کے پیش نظر جس حکیمانہ و مشفقانہ انداز میں ہدایات درج فرمائی ہیں۔ ان کے پڑھنے سے قلب میں شگفتگی اور ارادہ میں پختگی پیدا ہوئی انشاء اللہ تعالیٰ حسب ہدایات "جامع ترمذی" کی کتاب الزہد مطالعہ میں رکھوں گا۔ اور کتاب الدعوات پر بھی عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔

حضرۃ الشیخؒ: امید ہے کہ آپ نے ہمت و عزیمت کے ساتھ عمل شروع کر دیا ہو گا۔

مسترشد:۔ فکر و مراقبہ کی جو صورت آپ نے تجویز فرمائی انشاء اللہ تعالیٰ انہیں شرائط کے ساتھ اس کی بھی مشق کروں گا۔ حضرۃ الشیخ:۔ عمل فرما کر کیفیت سے مطلع فرماتے رہیں۔

مسترشد:۔ اب رہی وہی سخن گسترانہ بات یعنی بیعت، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یہ ازدیادِ محبت و اقتداء کی موجب ہوتی ہے۔

تاوقتیکہ آدمی اس رشتہ سے منسلک نہ ہو جائے اعمال میں آوارگی اور خیالات میں انتشار رہتا ہے۔ الاّ ماشاء اللہ اس مطلق العنانی کے نتائج مشاہد ہیں کہ تقلید کی جگہ تحقیق لے لیتی ہے اور محبت کی بجائے عقل نارسا کی حکومت ہوتی ہے اور انسان کو خود سے اتنا حسنِ ظن پیدا ہو جاتا ہے کہ مکائدِ نفس کا احساس کم ہوتا چلا جاتا ہے یہ اور اسی نوع کے دواعی ہیں جو مجھے بیعت پر جھکاتے ہیں۔ آپ میرے عزمِ راسخ کو پوچھتے ہیں۔ بغرض یہ ہے کہ اس وقت شمالی ہند میں جو قابل قدر ولائق احترام ہستیاں ہیں جن کا آں مخدوم بھی احترام فرماتے ہیں۔ ان سے کچھ نہ کچھ تعلقات ہیں۔ آپ سے میرا خاص تعلق کبھی نہیں رہا۔ پچھلے رمضان ایک دن دفعتہً اصلاح و اعمال اور اتباع سنت کے خیال نے عملی زندگی پر آمادہ کیا۔ میں نے اس راہ کی امامت کے لئے ہر ایک پر انتخابی نظر ڈالی۔ بفضلہ تعالیٰ یہ سب آسمان رشد و ہدایت کے تارے ہیں۔ پر طبیعت ادھر نہیں جاتی، اپنی طبیعت کو کیا کروں، آپ کی جانب اپنا میلان پاتا ہوں، میں ہنگاموں اور " مشار بالانامل " بننے سے گھبراتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ ادائیں آپ کو بھی پسند نہیں آپ کے کمالات میں بجائے اظہار کے ظہور متجلی پاتا ہوں۔ یہی وہ باتیں ہیں جس نے مجھے آپ کی جانب مائل کیا ہے، کیا اب اس کے بعد بھی میری استدعا بے اثر رہے گی۔

حضرۃ الشیخ: بسم اللہ وعلیٰ برکۃ اللہ یہ فقیر ہیچمدان اپنی بے بضاعتی کے باوجود حسب استطاعت خدمت کو حاضر ہے۔

آپ اس خط کو پا کر کسی اطمینانِ خاطر کے وقت اچھی طرح وضو کر کے بخلوص

دوگانہ نفل توبہ ادا کریں، اور اسکے بعد استغفر اللہ من کل ذنب و اتوب الیہ سَو دفعہ پڑھ کر درگاہ باری تعالیٰ میں جملہ گناہوں اور تقصیرات سے توبہ کریں، اور اپنی اس عزیمت و توبہ پر قائم رہیں کہ آج سے میری نئی زندگی شروع ہوتی ہے، التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔ اور اس کے بعد الحمد اور قل ھو اللہ احد الخ ۳ بار اول و آخر درود پاک کے ساتھ بزرگان چشتیہ صابریہ پر بالعموم اور خصوصیت کے ساتھ نام لے کر حضرت حاجی مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس سرہٗ کو اس کا ثواب بخشیں، اور زبان سے عہد کریں کہ آج سے میں اپنے شیخ کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر صداقت سے بغیر تعلل کے عمل کروں گا، پھر یہ آیت کریمہ پڑھیں۔

یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عاھد عَلَیْہُ اللّٰہُ فسیوتیہ اجراً عَظِیْماً۔

اس کے بعد مجھے اطلاع دیں اور معمولات شروع کریں۔ نوافل اوّابین و اشراق و تہجد پر استقامت کریں اور اپنے رذائل پر نظر رکھیں اور ایک ایک کی اصلاح کی کوشش اس طرح کریں کہ پہلے اسکی کی حقیقت سمجھیں، پھر اُس کے ازالہ یا امالہ کی تدبیر دریافت کریں۔ واللہ یوفقکم وینصرکم

الفقیر الی اللہ

سلیمان احمد مسترشدی
حضرت شاہ مولانا اشرف علی قدس سرہٗ

مسترشد :۔ آج کے 'رہبر دکن' میں یہ خبر پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آں محترم بھوپال میں کسی علمی ادارہ کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جسقدر آپ کی تصنیفات اور تالیفات سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا وہ آپ کے اقتداء و فیض صحبت و درس و تدریس سے بھی فیضیاب ہوں۔

آئندہ مراسلت کس پتہ پر کی جائے۔

آپکا خادم۔ محمد علی

مکتوب نمبر ۸

مسترشد :۔ ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

سیدی و مرشدی و وسیلتی دامت برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

حضرۃ الشیخ ۔ بھوپال موتی مسجد / ۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

مسترشد :۔ ۲۰ر شعبان المعظم کا والانامہ میرے لئے موجب برکت و سعادت ہوا۔ آں قبلہ نے اس آزاد کو سلسلۂ بیعت سے منسلک فرماکر اللہ کی رسی سے باندھ دیا۔ حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ نہ ٹوٹنے والی رسی کبھی دست ناتواں سے چھوٹے بھی نہیں۔ میں آپ

سکے اس احسان کا شکر گذار ہو۔ اِس لالچ کی بنا پر کہ

لئن شکرتم لا زیدنکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ میرے لئے موجبِ سعادت ہے کہ آپ کو اس ذرۂ بے مقدار کے ذریعہ اُس آفتاب رشد و ہدایت کے ساتھ نسبت حاصل ہوئی۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

ذرۂ آفتاب تابانیم

میرا یہ احسان نہیں جس کی شکر گذاری کریں۔ یہ طریق ادا بھی اصلاح چاہتا ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ کا ادا فرمائیں۔ یہ حقیر بھی اور آپ بھی کسی بندہ کے شکر کی حاجت نہیں۔

مسترشد:۔ آپ نے طریق بیعت میں داخل ہونے کے لئے جو طریقِ عمل تحریر فرمایا تھا حسبہ عمل کرتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں عہد کیا کہ اپنی قدرت اور استطاعت کے موافق کوتاہی نہیں کروں گا اور دانستہ نقضِ عہد نہ ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کو بیعت میں داخل کر لیا گیا۔

ہمارے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بقول یہ بیعت طرفین سے معاہدہ ہے۔ مفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ تعلیم اور شفقت میں اپنے جانتے کمی نہ کرے۔ اور مستفید کی طرف سے اس بات کا کہ وہ اتباع میں حسب استطاعت کمی نہ کرے گا۔

مسترشد:۔ حسب ہدایت اشراق، اوابین، تہجد پڑھتا ہوں کبھی کبھی ناغہ بھی

ہو جاتا ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ ناغہ اگر معذرت کی بنا پر ہو تو خیر معذوری ہے، اور اگر کسل یا غفلت کی بنا پر ہو تو یہ حرمان کا باعث ہو سکتا ہے۔ مثل ایک شاگرد کے مطالعہ نہ دیکھنے اور سبق نہ یاد کرنے میں کہ عذر معتبر ہے، مگر کسل و غفلت حرمان تعلیم کا موجب ہے۔ فافہم۔

مسترشد :۔ کتاب الزہد کا مطالعہ صرف برکت ہی کی خاطر نہیں بلکہ اصلاح اخلاق و اعمال کی خاطر کر رہا ہوں۔ و ھوالموافق والمعین حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

چند روز سے کچھ بیمار تھا۔ اس لئے عریضہ خدمت عالی میں ارسال نہ کرسکا

والسلام۔ از خویدیم الاحقر

محمد علی

حضرۃ الشیخؒ :۔ بالکل صحیح ہے اسی نیت سے پڑھیں اور ہمیشہ ہدایت والی کتابوں اور رسالوں کو اسی نیت سے پڑھیں، اور اپنے میں کمی پاکر اپنی اصلاح و تکمیل میں مصروف رہیں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

مکتوب نمبر ۹

مسترشد، سیدی و مولائی وسیلتی فی الدارین ادام اللہ برکاتکم علی رؤس المسترشدین

السلام علیکم وعلی من لدیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرۃ الشیخؒ :- ۱۱؍شوال ۶۵ھ/ یکشنبہ-۱۱ بجے
بھوپال ۔موتی مسجد

اخی فی اللہ تعالیٰ نور اللہ قلبکم وشفاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :- ۱۵؍ رمضان المبارک کے والانامہ میں آں مطاع کی اس تصریح سے کہ "تجھ کو داخلِ بیعت کرلیا گیا" مزید مسرت حاصل ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ :آپ کی اس مسرت پر مجھے مسرت ہے

مسترشد :-بفضلہ تعالیٰ ہدایات پر عمل کر رہا ہوں۔ پوری کوشش اس کی رہتی ہے کہ کسل وغفلت سے کوئی عمل ناغہ نہ ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ :- بحمد اللہ تعالیٰ۔ یہ علامات خیر سے ہے۔ زادکم اللہ خیراً

مسترشد :-بحمد اللہ تعالیٰ عبادت کے بعد قلب میں شگفتگی اور ترک سے انقباض محسوس ہوتا ہے۔ پھر بھی ناروا باتیں سرزد ہو جاتی ہیں۔ اختیاراً بھی اور اضطراراً بھی۔

حضرۃ الشیخؒ :- اس کا علاج علی الفور استغفار ہے۔

مسترشد :-جس گندے ماحول میں ہوں اُس قعر دریا میں رہتے ہوئے دامن بچانا بڑے سخت مجاہد کا کام ہے۔ دُعاء فرمایئے کہ قوت ایمانی اِس درجہ کی نصیب ہو۔

مجھ میں بڑی کمزوری فقدانِ جرأت کی ہے۔ مروتیں کچھ ایسی اڑے آجاتی ہیں کہ بسا اوقات اظہارِ حق نہیں ہو سکتا اپنی اس کوتاہی پر ندامت ہے

حضرۃ الشیخؒ : بے شبہ یہ مجاہدہ ہے۔ اسی سمندر سے ہوکر ہم کو پار ہونا ہے۔
اظہارِ حق کسی سبب سے نہ ہو سکے تو خیر، مگر اُس میں شرکت تو نہ ہو۔
ع وہ کہیں اور سُنا کرے کوئی ؟
اِس ندامت کے تخم ہی سے آئندہ جراُتِ حق کا نخل بار آور پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :۔ حیدر آباد دکن مدفن علم و عمل ہے[۱] ۔ الا من وقاہ اللہ تعالیٰ من الشرور والفتن۔ یہاں عام طور پر علماء و مشائخین کی جو صحبتیں ہیں اُن میں بھی سوائے رسم اذان کے روح اسلام نہیں محسوس ہوئی۔ بدعتیں اتنی جڑ پکڑ چکی ہیں کہ اُن کو ان مشائخین نے جزو اسلام بنا دیا ہے۔ عوام تو کالانعام ہی ہیں جو بات اسلام کا نام لے کر ان کے آگے پیش کی گئی وہ خوش اعتقادی سے ان کے قدموں پر ٹوٹ پڑے، کوئی طاقت روکنے والی نہیں، کچھ اللہ کے بندے ہیں مگر وہ فتنوں سے گھبراتے ہیں۔ عزیمت کی بجائے رخصت پر عمل کرتے ہیں۔ مجبور ہیں، اب تو ہمارے ملک میں خدا پرستی کی جگہ شاہ پرستی بڑھتی جارہی ہے[۲] ۔ پیشوایانِ مذہب اسلام کی پچھلی صفوں میں بھی نظر

[۱، ۲] مولانا کی یہ برہمی طبقۂ مشائخینِ دکن کے حالات کی وجہ سے ہے، جن کی شاہ پرستی کا یہ حال تھا کہ جب آصف شابع نے "تفضیلی مسلک" کی طرف اپنا محض رجحان ظاہر کیا تو انہوں نے بڑھ کر اس پر صاد کر دیا بلکہ ایک مشیخت مآب نے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر علانیہ سب و شتم کا اظہار کر دیا۔ دوسری طرف اسی طبقہ نے بادشاہ کے تیور دیکھ کر اُس مردِ حق آگاہ مجاہدِ اسلام (بہادر یار جنگ مرحوم)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں آتے، اس لئے میں یہاں کے علماء و مشائخ سے حسنِ عقیدت نہیں رکھتا۔ آپ کی نگاہ میں جو لوگ ایسے ہوں کہ اُن سے ملا جائے اُن کے نام و پتے معلوم ہوں تو ربط رکھوں۔ دو ایک تو میرے ملنے والے ہیں جن کے ظاہر پر اعتماد ہے۔ مزید کچھ ایسے حضرات جو آں قبلہ کے سلسلے سے تعلق رکھتے ہوں ان کے نام چاہتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ میری عرض بھی سُن لیں۔

غیروں کی حالت کا رونا بے کار ہے۔ ہم کو اپنی ہی حالت پر رونا چاہیئے مجھ ہیچمداں کو تو وہاں کے اشخاص کا علم نہیں۔ اپنے علم کے مطابق چند اشخاص سے حُسنِ عقیدت رکھتا ہوں۔ ایک تو چل بسے مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے احوال کے آدمی تھے۔ دوسرے مولانا سید عبداللہ صاحب مجدّدی کے ساتھ حسن ظن ہے حیدر آباد کے

(بقیہ حاشیہ)

کے خلاف خفیہ محاذ قائم کر لیا ہے۔ جس کی للکار سے مسلمانان دکن میں حق و باطل کا شعور پیدا ہو چکا تھا۔ اور وہ بیدار ہو چلے تھے۔ خدا کی شان کہ بہت جلد ان مشائخوں میں خود تفرقہ پڑ گیا اور ایک "جمعیت مشائخین دکن رجسٹرڈ" (!) بن گئی اور دوسری بلا رجسٹری چلتی رہی ۔۔۔ (یہی منظر ہمارے نوزائیدہ ملک میں بھی اب رونما ہو رہا ہے!!) اس شرمناک اور حسرت خیز ماحول سے فاضل مکتوب نگار کا دل مجروح تھا۔ ورنہ عام طور پر یہ زمانہ علم و عمل کی عین بیداری وافزونی کا تھا۔ (خ۔م)

مشائخ میں مغتنم ہیں[1]۔ تیسرے آپ کے پاس مولوی محمود الغنی صاحب ہیں جو بڑے متواضع اور حضرت والا رحمۃ اللہ کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں۔ انسان جس نعمت کو ہمیشہ دیکھتا ہے۔ اُس کی قدر نہیں کرتا۔

مسترشد: یہ استدعا اس لئے بھی ہے کہ ان کے باہمی مشورہ ورائے سے اگر کسی کام کے کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو آں قبلہ کی ہدایت کے بعد کیا جاسکے، اس بارہ میں آں قبلہ مناسب ہدایت دے کر ہماری رہبری فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ اِس وقت کرنا یہی ہے کہ اپنی تربیت میں آپ لگئے۔ جب دوسروں کے قابل ہو جائیے گا تو دوسروں کے کام کیجیئے گا۔

مسترشد: میرے پیشِ نظر اکثر یہ آیت رہتی ہے۔ ماکنا معذبین حتی نبعث رسولاً۔ پھر وہ لوگ جو ما انزل کی تبلیغ کرسکتے تھے اپنی استطاعت کی قدر عمل نہ کریں تو ذمہ داری ان پر ہے۔ عوام میں جب تبلیغ ہی نہ ہو تو وہ کیسے مواخذہ دار ہوسکتے ہیں تکلیف تو بقدر تبلیغ ہے۔ موجودہ حالات میں ذمہ داریاں کچھ زیادہ ہی ہیں۔ انفرادی طاقت توپوں میں مثل تلوار کے ہے تاوقتیکہ اجتماعی قوت حاصل نہ ہو۔ مسلم لیگ. مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی مُوقف کے لئے لڑ رہی ہے

---

[1] حضرت مولانا مدظلہ (صاحب زجاجۃ المصابیح) کا مذکور مشائخین دکن سے کبھی دور کا بھی تعلق نہیں رہا۔ حضرت ممدوح تو بہادر یار جنگ مرحوم کے خاص دُعاگو تھے، دام اللہ فیوضہٗ (غ۔م)

بلاشبہ انسان کے لئے دل کے ساتھ دماغ اور معدہ کی بھی ضرورت ہے وہ امامت کے مدعی نہیں علماء کو دعوت دے رہی ہے۔ دوسری طرف عبداللہ بن اُبی اور ابوجہل و معید بن خلف جیسے رؤس الکافرین و المنافقین دجال جنت کی طرف بلا رہے ہیں مسلمان کو ہر مقام سے گرانا چاہتے ہیں[1]۔

حضرۃ الشیخ۔ تبلیغ مختلف نوعیتوں کی ہو سکتی ہے ان میں سے جس نوعیت کی آپ استطاعت رکھتے ہوں، اُس کی تبلیغ کریں، اللہ تعالیٰ ثواب دیگا۔ مگر تجربہ یہ ہے کہ جب تک نفسانیت اور انانیت اور خودغرضی اور حب جاہ فنا نہیں ہوتی تبلیغ مؤثر نہیں ہوتی۔

(۱) ذکر ان نفعت الذکریٰ

ان الذکر تنفع المومنین

لعلك باخع نفسك ان لا یکونوا مومنین

لا تحزن علیھم

لا یحزنك

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ تبلیغ اُس وقت تک مؤثر نہیں جب تک اخلاص تام اور شفقت علی الخلق اُس کا محرک نہ ہو۔ اور اُس کے حصول کی راہ وہی ہے جس پر آپ گامزن ہو رہے ہیں۔

---

[1] مولانا محمد علی مرحوم کے مزاج میں تلون، تذبذب اور جذباتیت قریب قریب آخر وقت تک رہی۔ البتہ موت اور قبل موت کا کچھ عرصہ بڑی یکسوئی رسوخ مسلک اور سکینت کا زمانہ تھا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ع م)

مسترشد:۔ کیا بحد مفاد مسلم، گروہ مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔ اگر آں قبلہ اجازت دیں تو کچھ آئندہ عرض کروں گا۔

خوید ملکم۔ محمد علی

حضرۃ الشیخؒ: کر سکتے ہیں۔

ہیچمدان سلیمان۔
۱۷ر شوال ۶۵ھ

مکتوب۔ نمبر ۱۵

مسترشد:۔ ۲۹ر مئی ۱۹۴۷ء

بملاحظہ سیدی و مولائی دوسیلتی ادام اللہ فیوضکم علی رؤس المسلمین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضرۃ الشیخؒ، بھوپال

محبی و مخلصی و صدیقی دامت توفیقاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ ایک عرصہ کی غیر حاضری کے بعد حاضر خدمت ہوں، اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے، بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں۔ معمولات جاری ہیں، کبھی کبھی آنکھ نہ کھلنے سے ناغہ ہو جاتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ معمولات کی پابندی کی خبر سے خوشی ہوئی۔ زادکم اللہ تعالیٰ حرصًا علی الخیرا۔

مسترشد :- بحمد اللہ تعالیٰ کبائر سے طبعی تنفر ہے۔ صغائر سے محفوظ نہیں ہوں، گو اُن سے بھی بچنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں۔ لیکن کبھی کامیاب کبھی ناکام، اس میں کچھ اختیار کو دخل ہے تو کچھ اضطرار کو بھی۔ اُس کی وسیع تر رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- طبعی تنفر موجب ثواب نہیں، ارادی تنفر خشیۃ الٰہی سے ہونا چاہیئے لیکن رحمت کا امیدوار کرتے ہونا چاہیئے نہ کہ نہ کر کے۔ اسکو سمجھ لیں۔

مسترشد :- آج کل عجب حال ہے، سکونِ قلب نصیب نہیں، یہ معاشی جھگڑے سنبھلنے نہیں دیتے، گرانی نے آمد و خرچ کا توازن باقی نہ رکھا، بڑھتا ہوا خرچ اور قرض دونوں جزوِ زندگی بن گئے۔ انہیں اُلجھنوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ عبادت سکونِ قلب سے ادا نہیں کی جاتی۔ بس ایک فقہی صورت قائم ہو جاتی ہے۔ بہر حال وابستہ ہوں۔ دنیا کے ان جھگڑوں میں پھنس کر حدودِ الٰہیہ پر قائم رہنا بھی عبادت تصوّر کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آجکل ہر جگہ یہی صورتِ حال ہے۔ روپیہ رہنے کے باوجود بھی سامانِ راحت میسّر نہیں، حدیث میں آیا ہے کہ جو ادا کرنے کی نیت سے قرض لے گا تو اللہ تعالیٰ اُسکی مدد کریں گے مگر اس پر بھی نظر رکھنا ضرور ہے کہ بے ضرورت باتوں اور کاموں میں تو ہم خرچ نہیں کر رہے ہیں ہمیں خرچ سے پہلے بقول حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ غور کرنا چاہیئے کہ اِس میں خرچ کرنے کی ضرورت ہم کو ہے بھی یا نہیں۔

مسترشد :- دنیا کی زندگی کو بھی جنت بنانا چاہتا ہوں کہ "آزارے نہ باشد"

یعنی اس آزار میں بھی لذت محسوس ہو جو داء ہیں وہ دوا بن جائے رضا بالقضا کے آثار عمل میں شاہد ہوں جس چیز کو فکری اور نظری حیثیت سے صحیح سمجھتا ہوں عمل سے اُس کی شہادت پیش کر سکوں، یہ مقام کسطرح حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- دنیا تو دار المحن ہے یہاں آرام صرف قناعت اور رضا بالقضا سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ فقرائے الٰہی کو جو آرام ہے وہ اُمراء کو نہیں ہے۔

مسترشد :- حضرت قبلہ توسیع رزق اور سکونِ قلب کے لئے دعا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ : دلی دعا ہے۔

مسترشد :- میری طبیعت کا رنگ ہے کہ جب روپیہ ہاتھ میں رہتا ہے تو عبادت میں دل خوب لگتا ہے ورنہ پراگندہ روزی پراگندہ دل، اس حالت کو کچھ محمود نہیں سمجھتا کمزوری ہے۔ آں قبلہ کی ہدایتوں کا منتظر ہوں۔

والسلام۔ کفش بردار

محمد علی

حضرۃ الشیخؒ :- پراگندہ روزی، پراگندہ دل۔ سعدی جیسے شیخ کا مقولہ ہے۔ علاج صرف ترکِ حرص ہے، جیساکہ دعا میں ہے۔ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ

دوسرا علاج حدیث نبوی انظر الی من ھو اسفل منکم ولا تنظر الی من ھو فوقکم وذلک اجدر ان لا تزدروا نعمۃ اللہ علیکم۔

والسلام۔ ہیچمدان سلیمان

مکتوب نمبر ۱۱

مسترشد :- ۹ رشوال ۱۳۶۶ھ

سیدی و مولائی و مرشدی ادام اللہ فیوضکم و برکاتکم علینا۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- محبی و حبیبی و مخلصی زادکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- الحمد للہ کہ آپ مع الخیر رہے

مسترشد :- گو ایک عرصہ مدید کے بعد بمشکل عریضہ حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں لیکن واقعہ کچھ یوں ہی ہے۔

جمالك فی عینی و وجهك فی قلبی

و ذکرك فی فمی فاین تعیب

دن اور رات کی ساعتوں میں نہ معلوم کتنی بار آں قبلہ کا تصور آتا ہے ہر عمل پر آں مخدوم کی ہدایتوں پر نگاہ ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ سب محبت کے کرشمے ہیں، قرآن پاک کی آیات۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت سیجعل لھم الرحمٰن ودّا (مریم) کے معنی پر غور فرمائیں۔

مسترشد :- بحمد اللہ کہ اپنے آپ کو آپ کی رہنمائی میں منزل کی طرف بڑھا رہا ہوں۔ اگر کسی منزل پر آگے نہیں بڑھا تو پیچھے بھی نہیں ہٹا

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نعمت میں ترقی ہو۔

مسترشد :۔ سینکڑوں افکار ہیں کہ دل و دماغ کو کھائے جا رہے ہیں۔ سیاسی معاشی فتنے تو جزوِ زندگی بن گئے۔ عبادت میں جس سکونِ خاطر اور اطمینان کی ضرورت ہے وہ نصیب نہیں، 'چہ خورد بامداد فرزندم' والا مضمون ہے بہرحال ان ادوار سے گزرنا ہی ہے، ان دھندوں میں پھنسنا اور اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولنا مردِ مسلم کا کام ہے۔ خدائے تعالیٰ توفیق عملِ صالح اور شدائد میں صبر و استقامت عطا فرمائے۔ دعا کا بہرحال محتاج ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ معاشی و سیاسی معاملات کا حل اگر آپ کے ہاتھ میں نہیں تو راضی برضا رہیئے اسی میں سکون ہے۔

آمین ـــــ بدل دعا ہے۔

مسترشد :۔ یہاں کی شورشوں و ہنگاموں کا جتنا علم اخباروں سے ہوا ہوگا وہ یہاں کی پیداوار کا عُشر ہے خطرہ کے امکانات قوی ہیں نہ معلوم کب کیا صورتِ حال پیدا ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ : اللھم انصر امۃ صلی اللہ علیہ والسلم و ارحمھم

مسترشد :۔ مشرکین کی جرأت اتنی بڑھ گئی ہے کہ قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر۔ وانّا لا ندری اشرا اُرید بمن فی الارض ام اراد بھم ربھم رشدا

والسلام۔ کفش بردار۔ محمد علی

حضرۃ الشیخؒ : دستِ بدعا رہیئے اور انابت الی اللہ سے قوت حاصل کیجئے اور مشکلات پر صبر واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ والسلام ۔ ہیچمدان سلیمان

۱۶ / شوال ۱۳۶۶ھ / ۲ / ستمبر ۱۹۴۷ء

مکتوب نمبر ۱۲

مسترشد :۔ ۶ر محرم ۶۷ھ پنجشنبہ

سیدی و مولائی حضرت قبلہ دامت برکاتہم۔

حضرۃ الشیخؒ : محب مخلص ۔ انزل اللہ تعالیٰ علیکم السکینۃ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ بفضلہ تعالیٰ یوں تو اچھا ہوں لیکن طبعی خوف و پریشانی مسلسل ہے حیدر آبادیوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس وقت میدانِ جنگ میں ہیں نہ معلوم کل کیا ہونے والا ہے۔ وفد ۲۳ر نومبر کو جا رہا ہے۔ یہ جانا بالکل آخری ہے۔ یونین سے تو توقع نہیں کہ وہ اُن شرائط پر راضی ہو جائے جو مر بھیجے جا رہے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے دل نرم پڑ جائیں، اگر یونین نے قبول نہ کئے تو سخت تصادم کا اندیشہ ہے جس کا انجام نہ معلوم کیا ہو۔

حضرت قبلہ باوقات خاص دعا فرمائیں

حیدر آبادی اس کے لئے آمادہ ہیں کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت اختیار کریں۔ وقت آئے تو وہ اپنی جان جان آفریں کے نام پر قربان کر دیں اور اپنی جان مال عزت و آبرو کی محافظت میں لڑ کر شہید ہو جائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جو اُمور انسان کے اختیار میں نہیں، اُن میں حصولِ طمانیت کا نسخہ یہ ہے کہ جو کچھ پیش آئے اس پر اپنی رضا ظاہر کی جائے رضا بالقضا

طمانیت کی کیمیا ہے پھر یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں حکمت و مصلحت ہے۔ گو اس کی حقیقت ہم کو فوراً معلوم نہ ہو۔ دیکھئے ممالک عرب کے ٹرکی سے علیحدہ ہوجانے پر مسلمانوں کو کتنا غم تھا مگر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے تیس برسوں میں کیا دکھلایا

لا ییئسوا من روح اللّٰہ

میں بحمد اللہ تعالیٰ روزانہ پروردگار سے دعاء والتجاء میں مصروف ہوں۔

مسترشد:۔ باوجود ان حالات اور عذاب کے جو بشکل یونین مسلط ہے مسلمان غافل ہیں۔ مسجدیں اُسی طرح ویران جیسے پہلے تھیں عیش وطرب کھیل تماشے برابر جاری ہیں۔ آغاز محرم سے علم بجنے شروع ہوگئے۔ پڑھے لکھے بھی عقیدۃً ان کا احترام کرتے ہیں۔ اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے اندر خدائی حقیقتیں مانتے ہیں۔ بادشاہِ وقت سے لے کر ادنیٰ آدمی تک اس بت پرستی میں مبتلا ہے الاماشاء اللہ علماء مشائخ کی زبانوں پر مہر لگی ہوئی ہے وہ ڈرتے ہیں خدا سے نہیں خدا کے بندوں سے ہی عزت وجاہ کے زوال سے مالی وبال سے جب یہ حالت مسلم قوم کی ہو تو کیا ہماری دعائیں اثر پیدا کریں گی۔ آدے کا آدا ہی بگڑا ہوا ہے۔ حکام میں دینی احساس نہیں، رشوت کا بازار گرم ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے اعمال بد کی سزا ہے۔ خدا نے انگریزوں کے بعد ہندوؤں کو ہم پر مسلط کر دیا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بے شبہ ہماری دینی پستی اور اخلاقی ناپاکی ایسی ہی ہے مگر

پھر بھی ہم کو ایک نسبت رب العالمین اور رحمۃ للعالمین سے حاصل ہے
کوشش کیجئے کہ ہر مسلمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہو، اور اسکی صورت
یہ ہے کہ ہر فرد اپنی طرف متوجہ ہو۔ ہم جماعت کا ماتم کرتے ہیں مگر خود
اپنا نہیں۔ آپ اپنے کو درست کیجئے، پہلے آپ اپنے کو بھنور سے
نکالئے پھر دوسرے فریق کے نکالنے کی فکر کیجئے۔

مسترشد :۔ دل نہیں چاہتا کہ حیدرآباد میں بقیہ زندگی گذرے ہجرت کے لئے
حالات ساعد نہیں۔ نہ تو کچھ اندوختہ ہے اور نہ کوئی اور ذریعۂ معاش بجز
ملازمت۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ صبر اور استقامت کے لئے دعا فرمایئے
اور یہ کہ جس طرح مسلمان ہوا ہوں اور بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان ہوں مسلمان
ہی مروں۔ والسلام۔

کفش بردار محمد علی

حضرۃ الشیخؒ :۔ لفظ "ہجرت" کا استعمال غلط ہے، یہ ہجرت نہیں یہ فرار من الزحف
ہے جو جہاں ہے وہیں رہے اور غزوۂ احد کے تیر اندازوں کی طرح اپنی جگہ
نہ چھوڑے وکان الانسان عجولاً حالانکہ ان یوماً عند ربک کالف
سنۃ مما تعدون دعا و استغفار میں رہیئے، اپنے لئے اور مسلمانوں کے
لئے اللھم اغفرلی وللمسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات
واعز الاسلام والمسلمین واخذل الکفرۃ والمشرکین۔

والسلام۔ ہیچمدان سید سلیمان

۲۳ر نومبر ۱۹۴۷ء / ۹ محرم ۱۳۶۷ھ

مکتوب نمبر ۱۳

مسترشد :۔ ۲۸ ربیع الاول ۶۷ھ

سیدی و مولائی و مرشدی دامت برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

حضرۃ الشیخؒ :۔ بھوپال ۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

المد حبیبی و حمیمی رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مسترشد :۔ بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوں ۔ مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ آں قبلہ پٹنہ تشریف لے گئے ہیں آج ہی یہ علم ہوا کہ واپس تشریف لائے ہیں ۔ کئی روز سے عریضہ نہیں گذرانا ، بات تو کوئی خاص قابل ذکر نہیں لیکن اس نصف حاضری سے ایک گونہ تسکین خاطر ہو جاتی ہے ۔ حضرت قبلہ کی ہدایتیں ہمیشہ پیش نظر رہتی ہیں اور ان پر بحمداللہ تعالیٰ حتی الامکان عمل بھی ہے ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمدللہ خیریت ہے ۔ مکاتیب سے زخم دل تازہ ہوتا رہتا ہے اور اس کے ثمرات و برکات ظاہر ہیں ۔ ایک ظاہری عشق کا سرشار کیا خوب کہتا ہے ۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

مولانا رومیؒ نے مجنوں و لیلیٰ کی حکایت میں کہا ہے ؎

گفت مشق نام لیلیٰ مے کنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

مسترشد :- حیدرآباد میں اب سے ایک ماہ قبل جو اندیشے تھے اب بظاہر وہ نہیں رہے۔ ۳۰ر جنوری[1] سے موجودہ سیاست میں جو انقلاب ہوا ہے اس واقعہ سے خطرہ کے امکانات میں ایک حد تک کمی ہوگئی ہے حق سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمان عزت آبرو چین اور اطمینان کے ساتھ رہیں۔ کافروں کے شر اور حسد سے محفوظ رہیں۔ اگر حالات اچھے رہے تو گرمیوں کی چھٹیوں میں حاضری کا خیال ہے کہ دو تین روز کے لئے شرف قدمبوسی حاصل کروں۔ اُمید ہے کہ آں قبلہ کا مزاج بفضلہ تعالیٰ اچھا ہوگا حق تعالیٰ آپ کو ہم لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تا دیر بعافیت قائم رکھے۔ آپ کی زندگی سے بہتوں کی زندگی وابستہ ہے۔ آمین

خویدکم محمد علی

حضرۃ الشیخ :- بحمد اللہ کہ حالات بدل رہے ہیں اور اب لوگوں کے نقطۂ نظر میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے ؎

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

کل یوم ھو فی شان۔ دیکھئے کہ اگر کسی کی زندگی سے جو کام نہیں نکل رہا تھا وہ کام اس کی موت سے نکالا گیا فسبحانہ

---

[1] ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء گاندھی جی کی تاریخ مرگ ہے (ع۔م)

ملکوت کل شئ ـــــــــــــــ
ولا یشرک فی حکمہ احداً۔

اللہ تعالیٰ صناع مطلق ہیں۔ ہم افراد اور جماعات اس کے اوزار ہیں۔ صناع اپنے کام میں کسی متعین اوزار کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ دین کی بقا اور اسلام کی حیات کا وعدہ فرما چکے ہیں۔ و انا لہ لحافظون سو دین کی بقا اور اسلام کی حیات میں شبہ نہیں۔ شبہ اس میں ہے کہ آیا وہ کام ہم سے لیا جائے گا یا دوسروں سے۔ یستبدل قوماً غیرکم کا خطرہ ہے۔ ڈر یہ ہے کہ آیا صناع عالم اپنی صنعت کے لئے ہم سے کام لیتا ہے یا دوسروں سے محرومی ہماری ہوگی۔ اگر ہم نکمے اوزار ثابت ہوں گے تو ماہر صناع دوسرے اچھے اوزار کو کام میں لائے گا اور ہم محروم کر دیئے جائیں گے آپ مسلمانوں کی حفاظت کو نہ سوچیں اسلام کی حفاظت کو سوچیں، لیکن لوگ مسلمانوں کو سوچتے ہیں، اسلام کو نہیں۔

من و تو گر ہلاک شویم چہ باک
غرض اندر میاں سلامت اوست

آپ میری حالت قیام میں تشریف لا سکتے ہیں۔ بحمد اللہ خیریت ہے اور خیریت کا طالب۔ آپ کے لئے دل سے دعا ہے

ہیچمدان
سلیمان

مکتوب نمبر ۱۴

(سقوطِ حیدرآباد اور اس کے مابعد اثرات سے متاثر ہو کر مولانا نے ایک کارڈ لکھا۔ حضرتِ والاؒ کی طرف سے یہ جوابی کارڈ ہے!)

محبی و مخلصی، رزقکم اللہ السکینۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، جی ہاں رضا بالقضا سے چارہ نہیں لیکن گو چارہ نہ ہو، تاہم یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ گو ہماری مرضی کے خلاف ہو لیکن ہمارے لئے مصلحت بھی اسی میں ہے جو قضائے الٰہی ہے۔

عسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیرلکم وعسی ان تحبّوا شیئًا وھو شرٌ لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

آپ صاحبوں کو میری وہ گفتگو یاد ہوگی جو بمبئی میں کی گئی تھی۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مسّتھم الباساء والضراء حتی یقول الرسول والذین امنوا متٰی نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب۔

صبر کی بڑی اہمیت ہے، صبر نام ہے ناگوار باتوں کے پیش آنے پر بھی حق پر قائم رہنا۔

واستعینوا بالصبر والصلوۃ وانھا لکبیرۃ الا علی الخاشعین الذین یظنون انّھم ملاقوا ربھم وانھم الیہ راجعون۔ پھر فرمایا

واذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم اللہ کے مملوک ہیں اور مالک کو اپنے مملوک میں ہر طرح کے تصرفات کا

حق حاصل ہے۔ مملوک کو خیر ہو یا شر شکایت کا حق حاصل نہیں

اب آپ کا پنشن کا زمانہ آگیا، اس کے بعد ترک مستقر کے مشورہ کا جی نہیں چاہتا، بے شبہ دین کی حفاظت کے لئے ہجرت ہے مگر اس زمانے میں مدینہ کہاں ہے اس لئے اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو کم از کم سردست تو اپنی جگہ سے حرکت نہ کرتا۔

میرا ابھی یہاں قیام مستقل نہیں، ابھی ارادہ متعین نہیں، یہاں کچھ دین کا کام ہو رہا ہے، بہتر یہ ہو کہ فرصت متوقع کے بعد کچھ دنوں کے لئے پہلے یہاں تنہا آجا کر دیکھیں۔

محبی مولوی مناظر صاحب[1] اور مولوی فضل صاحب[2] کا کوئی خط نہیں آیا، ان کی خیریت سننے کا متمنی ہوں۔ والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

۲۲ ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ

مکتوب نمبر ۱۵

مسترشد:۔ یکشنبہ ۲۲ ر اگست ۱۹۴۸ء

سیدی و مولائی و مرشدی حضرت قبلہ دام اللہ فیوضکم علی رؤس المسلمین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

۱؎ مولانا مناظر احسن گیلانی

۲؎ مولانا فضل اللہ صاحب مؤلف " الفضل اللہ الصمد شرح الادب المفرد "

حضرۃ الشیخؒ :۔ محبی العزیز زادکم اللہ تعالیٰ معرفتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ بمبئی[ا] سے جدا ہونے کے بعد کوئی عریضہ ہی نہ لکھ سکا۔ اس عرصہ میں بیمار بھی ہوگیا تھا درد گردہ کا شدید حملہ ہوا پتھری نکلی کئی دن علیل رہا۔ اس کے سوا بچے اور اہلیہ کی علالت کا سلسلہ رہا۔ دوسرے تفکرات تو جزو زندگی بن گئے ہیں قلب میں شگفتگی پیدا نہیں ہوتی، بڑی ابتلائیں ہیں جن سے ہم گذر رہے ہیں، دعا اور دوا ہر دو جاری ہیں لعلی اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ ان مع العسر یسرا۔ حضرت کی دعائیں چاہئیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ تعالیٰ کہ آپ کو صحت ملی، کنکری کا نکلنا اچھا ہوا اللہ تعالیٰ خیر فرمائیں۔ فقیر بھی دعاء کرتا ہے۔

مسترشد :۔ بفضلہ تعالیٰ حضرت کی ہدایت پر عمل ہے کوئی دن ایسا نہیں کہ حضرت یاد نہ آتے بلکہ دن میں کئی کئی بار آں قبلہ کا خیال آتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ خوشی ہوئی کہ مداومت فرما رہے ہیں، مداومت اصل ہے اس کے بغیر فائدہ نہیں۔ کما جاء فی الحدیث کان عملہ صلی اللہ علیہ وسلم دیمۃً

مسترشد :۔ ہر عمل کرتے وقت آپ کا تصور آ ہی جاتا ہے گو عرائض کے لکھنے میں مقصر رہا مگر دل سے یاد کبھی فراموش نہ ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ اب نسبتاً ہم سب اچھے ہیں۔ مولانا مناظر احسن صاحب مولانا فضل اللہ صاحب بھی اچھے ہیں۔

خویدکم محمد علی

[ا] بمبئی میں علماء ہند کا کوئی اجتماع ہوا تھا اس میں شرکت کیلئے حیدرآباد حضرت مولانا گیلانی اور مولانا محمد علی مرحوم گئے تھے۔ (غ۔م)

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس فقیر کو یاد کرنا محبت فی اللہ کا ثمرہ ہے زاد نا اللہ تعالیٰ حُبًا فیہ۔ اپنا ایک شعر یاد آیا، لکھتا ہوں۔

ہر سمت نظر آتے ہیں، ہر وقت وہ مجھ کو
دوریِ مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں

بلکہ یہ حال ہو گیا تھا:

سجدہ طرفِ کعبہ ہے دل تیری طرف ہے
اب قبلہ بھی اے قبلہ نما بھول گیا ہوں

یہ آغاز کے احوال ہیں، اللہ تعالیٰ کمال کی دولت عنایت فرمائیں۔ والسلام

فقیر سید ابوالحسن سلیمان

۲۰ ر شوال ۱۳۶۷ھ

مکتوب نمبر ۱۶

مسترشد : ۲۲ ر جنوری ۱۹۵۰ء

بشرف ملاحظہ اقدس سیدی و مرشدی و وسیلتی ادام اللہ فیوضکم و برکاتکم علینا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ محب عزیز ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ کل مولوی غلام محمد صاحب کے خط سے اور آج مولانا فضل اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ آں قبلہ بھوپال پہنچ چکے ہیں، ان حضرات

نے یہ بھی بیان کیا کہ ان کے کسی خط کا جواب نہیں ملا حق سبحانہ تعالیٰ مع الخیر والعافیت رکھے۔ آں قبلہ کی صحت سے بہت سے مردہ دلوں میں جان پڑ گئی۔ اس زمانے میں آں قبلہ کا وجود ہم لوگوں کے لئے آئیہ رحمت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں بہرہ اندوز ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ ہیچمدان ۲۹ر دسمبر کو بمبئی اور ۸ر جنوری کو بمبئی سے چل کر ۹ر کی صبح بھوپال پہنچا۔ جہاز پر کچھ مزاج ناساز ہو گیا تھا اس لئے ہفتہ عشرہ بمبئی ٹھہرنا پڑا، یہاں آکر بھی ضعف غالب تھا۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ مزاج اعتدال پر آگیا ہے اور کام کرنے لگا ہوں۔

عزیزی غلام محمد کے دو خط حرمین میں ملے تھے مگر اس دفعہ میرا یہ حال رہا کہ قلم پکڑنے سے طبیعت متنکرہ ہو گئی اس لئے نہ کوئی خط لکھ سکا نہ کوئی نوٹ ہی تیار کر سکا۔ حالانکہ بیرون ہند سیاحتوں میں اور سفروں میں برابر اس کا اہتمام رہا مگر اس دفعہ تو گویا قلم سے بیزاری ہی غالب رہی۔

مسترشد: پاکستانی ایک دستی خط سے آں قبلہ سے متعلق کچھ باتیں سُنی گئیں اگر درحقیقت وہ لوگ جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگیں ہیں صحیح معنی میں اسلامی حکومت بنانا چاہتے ہیں تو اس میں روح بس آپ ہی پھونک سکتے ہیں۔ آپ کے ہاتھوں جو بنیاد رکھی جائے گی وہ تقویٰ اور علم صحیح پر ہوگی اور ہمسایہ حکومتیں بھی ان کی معقولیت کے آگے سرنگوں ہو جائیں گی۔

مجھے اس دن سچی صحیح خوشی حاصل ہوگی دوحرفی جواب تسکین خاطر کا موجب ہوگا۔

خورد مکرم
محتاجِ دعا محمدؐ علی

حضرۃ الشیخؒ :- جو بات آپ نے آخر میں لکھی ہے اس کے متعلق اپنا خیال یہ ہے کہ طبائع پر یورپ کا اقتدار اتنا مستولی ہے کہ ایک طرف اسلام بھی چاہتے ہیں دوسری طرف یورپ کے رنگ ڈھنگ اور خیالات کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ یہ حال صرف کسی ایک اسلامی ملک کا نہیں بلکہ سارے اسلامی ملکوں کا یہی حال ہے کہ ان میں وہی قانون، وہی ادا، وہی طرز محبوب ہے جو فرنگی ہے، باقی نام اسلام کا صرف زبانوں تک ہے اور اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کی خواہشوں کو عین اسلام ثابت کردیا جائے[1] ضرورت پہلے قلب کے مومن بننے کی ہے۔ اس کے بعد دوسرے کام ہیں۔ لوگ الٹی گنگا بہانے کو کہتے ہیں[2]۔

والسلام سید سلیمان

ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ/۲۶ جنوری ۱۹۴۹ء

---

[1] :- اس پیشگوئی کی صداقت آج کس قدر کھلی ہوئی نظروں کے سامنے ہے، ریسرچ انسٹیٹیوٹ کراچی اور ادارہ ثقافت لاہور کیا کر رہے ہیں، کیوں کر رہے ہیں اور کس کی ایما سے کر رہے ہیں! (غ۔م)

[2] یہ لوگ وہ نادان دوست ہیں جو نرے بے دین اور بدنیت نہیں بلکہ دین دوست ہیں مگر تمام تر سیاست زدہ "لاالٰہ" میں منحصر سمجھنے والے اور اسلام کو "تحریک" اور بعثت نبوی کی غایت "قیام حکومت" گرداننے والے۔ (غ۔م)

مکتوب نمبر ۱۷ (آخری مکتوب)

مسترشد:۔ ۲۵ فروری ۱۹۵۳ء

بملاحظہ اقدس سیدی و مرشدی و مولائی و وسیلتی حضرت قبلہ دام اللہ ظلکم الظلیل علینا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبی و مخلصی وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد:۔ ندامت ہے کہ عرصہ سے عریضہ خدمتِ والا میں گذارنے کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ گو عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہے لیکن یہ تصور بھی پیش نظر تھا کہ آں قبلہ کو زحمتِ جواب کی تکلیف اٹھانی ہوگی، آپ کے مشاغل میں مزید اضافہ ہوگا۔

مولوی غلام محمد صاحب سے آں قبلہ کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ جواب میں زحمت کی بجائے مسرت کا موقع ہے

مسترشد:۔ میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آں قبلہ نے جو ہدایات دی ہیں ان پر بڑی حد تک عمل پیرا ہوں۔ یہی چیزیں ہر عمل کے وقت آپ کی یاد تازہ کر دیتی ہیں۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہو کہ آپ کی یاد نہ آتی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ، استقامت و مداومت اصل طریق ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں۔

مسترشد، حضرت ہی کی برکتِ دعا سے یہاں کچھ کام شروع کیا ہے۔ جس کا مختصر خاکہ اس لیئے عرض ہے کہ آں قبلہ ہدایات عطا فرمائیں۔¹

۱۔ جامع سکندر آباد میں قرآن اور حدیث وفقہ کا درس جاری ہے۔ ۲۵، ۳۰ حضرات تعلیم پاتے ہیں جن میں بعض سمجھدار تعلیم یافتہ حضرات ہیں۔

۲۔ اسی سلسلہ میں ایک تربیت گاہ قائم کی ہے جس میں ان حضرات کے علاوہ اور لوگ بھی شریک ہیں اور سب کے سب ایسے ہیں کہ پورے عزم اور ارادہ کے ساتھ عمل کی خاطر آتے ہیں۔

۳۔ میں نے ایک فہرست تیار کی ہے جس میں معروفات اور منکرات درج ہیں حکمت اور موعظت کے ساتھ ان کی طرف بلایا جاتا ہے جس معروف پر عملی عہد لینا ہو یا جس منکر کو چھڑانا ہو ایک ہفتہ تک اس کے محاسن و مصائب ذکر کیئے جاتے ہیں۔ پھر جب حقیقت ان کے ذہن نشین اور دل نشین ہو جائے تو آخذ و ترک پر عہد لیا جاتا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ وہ ایک ایک معروف کو لے رہے ہیں اور ایک ایک منکر کو چھوڑ رہے ہیں۔ بڑی خوشی اس سے ہے کہ وہ ان پر سختی سے عامل ہیں اور اپنے گھر میں انقلاب پیدا کر رہے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ انھیں استقامت عطا فرمائے۔ یہ جماعت بحمد اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتی۔ غیبت نہیں کرتی۔ معصیت گاہوں میں نہیں جاتی۔ ایسی تقاریب میں حصہ نہیں لیتی جہاں اثم اور عدوان ہو۔ نماز باجماعت

۱۔ اور یہاں خاص طور پر اسکی نقل کا منشا یہ ہے کہ ایک چیز شاید کسی مخلص خادم ملت کے کام آجائے۔ (غ۔م)

کی پابند ہے رسوم جاہلیت اور آباء اور اجداد کے نامحمود اور نامشروع طریقوں سے الگ ہے۔ سچی خالص توحید ان کے عمل سے ظاہر ہے اتباع سنت کے لئے اسوۂ حسنہ زندگی کے ہر شعبہ میں معلوم کرکر عمل کر رہے ہیں کچھ لوگ تہجد گذار ہیں اپنی ظاہری صورت بھی ٹھیک کرلی ہے میں انہیں تقریر کی مشق کرا رہا ہوں عقائد اور فقہ کے مسائل بتلا رہا ہوں ضروریاتِ دین سے واقف کرا رہا ہوں تاکہ یہ حضرات دیہات میں جاکر تبلیغ کریں نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنائیں کسی قسم کی جلب منفعت ان سے نہ کریں اپنا کھائیں اور گاؤں میں قیام کرکر اسلامی مطالبات و تعلیمات سے انھیں آگاہ کریں۔

حضرۃ الشیخ: اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو کام آپ نے شروع کیا ہے اس سے خیر کی امید قوی ہے۔ طریق کار کا علم ہوا مفید ہے اسکو جاری رکھیں اور نفس کی آلائش سے بچائیں سوائے رضاحق کے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔

مسترشد: ہر مہینہ ایک شب مسجد میں جمع ہوتے ہیں، گناہوں سے معافی چاہتے ہیں صلوۃ تسبیح پڑھتے ہیں، خلوت میں اپنے اعمال کا جائزہ لے کر اور استغفار کرتے ہیں۔ کچھ حصہ رات کا آرام لینے کے بعد تمام شب ذکر و عبادتِ الٰہی میں گذارتے ہیں تہجد کے بعد یہ ناچیز اور کبھی مولانا فضل اللہ صاحب نصائح فرماتے ہیں مولانا فضل اللہ صاحب بھی میری دعوت پر کبھی کبھی تشریف لاتے ہیں۔

میں اس تبلیغی جماعت کو قرآن عزیز کی ایسی چالیس آیات جو

زندگی کے اہم شعبوں سے متعلق ہوں یاد دلا رہا ہوں۔ اور اسی نوعیت کی چہل حدیث کا بھی انتخاب کیا ہے یہ بھی یاد دلا رہا ہوں اور چالیس ایسی دعائیں جو کھاتے پیتے سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے مسجد اور گھر میں جاتے آتے نیز مختلف حالتوں میں جو ماثورہ دعائیں ہیں انھیں بھی یاد دلا رہا ہوں۔

خدائے تعالیٰ کے فضل وکرم سے اصلاح ہو رہی ہے اور خطبۂ جمعہ سننے کے لئے تو بہت دور دراز سے لوگ آتے ہیں جامع مسجد کی توسیع کرائی گئی پھر بھی جامع مسجد سکندر آباد ناکافی ہو رہی ہے۔ میں ہر وقت خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ شیطانی کید سے محفوظ رہوں، اخلاص اور تقویٰ کی بنیاد پر جو کام ہو رہا ہے اس میں ریا نہ پیدا ہو، بغیر کسی اعلان و تشہیر کے خاموشی سے یہ کام ہوتا رہے۔

حضرۃ الشیخؒ: اِس کو نصب العین بنا کر ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

انما یتقبل اللہ من المتقین

مسترشد:۔ یہ سب کچھ آں قبلہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ حضرت قبلہ ہم سب کی نیتوں میں اخلاص اور ہمارے کاموں میں برکت اور استقامت عطا فرمانے[1] کے لئے بارگاہ رب العزت میں دعا فرمائیں ـــــ اس بارہ میں آں قبلہ کی ہدایات کا طالب ہوں۔ خویدکم محمد علی

---

[1] الحمد للہ کہ اس کام میں بڑی برکت رہی، بیسیوں مسلمان، مومن صادق

(بقیہ حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

حضرۃ الشیخؒ :۔ دل سے دعا ہے۔

سید سلیمان

(بقیہ حاشیہ)

بن گئے۔ سینکڑوں ہزاروں کے عقائد کی اصلاح ہوگئی جو بیت المال قائم کیا گیا اس میں مولانا مرحوم کے انتقال کے وقت ایک لاکھ سے زائد کی رقم تھی اور سینکڑوں بیواؤں، طالب علموں اور ناداروں کی اس سے امداد ہورہی تھی اور بڑی بات یہ ہے کہ یہ کام اب تک چل رہا ہے۔

یہاں مولانا مرحوم کی موت کا تذکرہ بھی باعث برکت ہوگا۔ انتقال سے آٹھ روز قبل مولانا کو خواب میں معلوم ہوگیا کہ بس اب وقت بالکل قریب ہے۔ مولانا باہر اور گھر میں ایک خوش طبع انسان تھے مگر اس رویاء صادقہ کے بعد خاموش سے ہوگئے فکر آخرت دل و دماغ پر مستولی ہوگئی۔ اپنے مخصوص شاگردوں اور فیض یافتوں کو دو چار روز قبل جمع کر کے اپنے خواب کا ذکر فرمایا۔ پھر سب سے معافی مانگ لی اور مناسب ہدایتیں ان کو عطا فرمائیں موت والی رات بعد عشا لیٹے ہی تھے کہ پیٹ میں شدید درد محسوس ہوا۔ مولانا اپنے خُسر محترم حکیم مقصود جنگ بہادر ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ حکیم صاحب مرحوم فوراً آئے دوا دی مگر مولانا نے فرمایا نہیں اب تو آپ سب میری کوتاہیوں کو معاف فرمادیں پھر اسی درد و کرب کی حالت میں خود ہی قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئے اور بس لا الہ الا اللہ کہہ کر رخصت ہوگئے ع مرگے کہ زاہداں بہ دعا آرزو کنند

رحمۃ اللہ علیہ ـــــ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے سلسلہ عالیہ کی خاص برکت "حسن خاتمہ" الحمد للہ کہ حاصل ہو کر رہی، اللہ تعالیٰ ہم سب کا انجام بخیر فرمائے۔

(نغ، م)

مکتوبات بنام سید عبدالرؤف صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مکتوب نمبر ۱

۲۰ شعبان سنہ ۶۳ھ
۲۲ اگست ۴۴ء

۲۔ مسترشد :۔ مولانا المحترم و مرشدنا المکرم افادنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہٖ

حضرت شیخ رح : محب المکرم وفقکم اللہ تعالےٰ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت الشیخ رح :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ :۔ مجھے خدمت سے انکار نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت مولانا محمد علی صاحب سے طبیعت کو مناسبت نہ ہوئی۔ یا کیا وجہ ہے جو اوس سلسلہ کو آپ نے قائم نہیں رکھا۔

مسترشد :۔ میں نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا سلسلہ قائم کرنا چاہا۔ لیکن حضرت نے تعلیم و اصلاح سے معذرت ظاہر کی۔ اور فرمایا بیعت سے عذر نہیں مگر کوئی مصلح تجویز کر کے اس کا دستخط دکھلاؤ۔ اس پر میں نے حضرت مولانا

محمد عیسٰی صاحب کو اپنا مصلح تجویز کر کے تعلیم و اصلاح کی درخواست کی۔ انہوں نے قصد السبیل کا بغور مطالعہ اور اس کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا۔ لہذا از ان بعد طلب اوراد و وظائف پر ۵۰۰ بار لاحول پڑھنے کی اجازت ملی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نے اجازت دی کہ اگر وہ (محمد عیسٰی صاحب) مصلح پسند نہ ہو تو کسی دوسرے کو بناؤ۔ اور اس کا دستخط دکھلاؤ۔ اس پر میں نے مولانا ظفر احمد تھانوی کو مصلح بنا کر ارشاد و تعلیم کی درخواست کی لیکن انہوں نے معذرت ظاہر کی۔ تو پھر میں نے حضرت ہی سے درخواست کی کہ حضور ہی کوئی مصلح تجویز فرمائیں ارشاد ہوا کہ اپنی مناسبت اور دلچسپی کو دیکھ کر تجویز کرلیں۔

چنانچہ اسی حیص بیص میں تھا کہ حضرتؒ کا انتقال ہوا۔ اب حضرتؒ کے انتقال کے بعد بوجہ تقاضائے ضمیر آپ سے بیعت کا طالب ہوں اور التزام سنت و اجتناب بدعت اور تعمیل تعلیمات و ارشاد کا وعدہ کرتا ہوں۔

ارشاد کا طالب

خادم دیرینہ

سید عبدالرؤف غفرلہ۔ اورنگ آبادی۔

حضرۃ الشیخؒ: آپ میری نسبت یہ سمجھ لیں کہ یہ خاکسار حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سب سے کمتر ہے۔ اور رتبہ میں بھی فروتر ہے۔ اس پر بھی اگر اس ذرۂ بےمقدار کی طرف اپنے دل کی کشش بے تکلف محسوس فرمائیں تو ظاہر فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بعد کو کچھ پچھتاوا آئے۔ میرے حالات کو بھی تحقیق فرمالیں کہ میں اس قابل بھی ہوں۔ اگر ان سب باتوں کے بعد بھی دل کا میلان ہو تو خدمت سے انحراف

نہیں ۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان۔ ۱۲؍شعبان ۱۳۶۲ھ

مکتوب ۲

یکم رمضان ۶۲ھ

۲؍ستمبر ۴۳ء

مسترشد :۔ مخدومی المحترم و مرشدی المکرم افاذنی اللہ بطول بقائہٖ ۔

حضرت الشیخؒ :۔ از ہیچمدان سلیمان

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت الشیخ :۔ السلام علیکم

مسترشد :۔ بہر کیف خدا شاہد ہے کہ دل کی بے تکلف کشش حضور والا کی جانب محسوس ہورہی ہے۔ گرامی جناب کی ذات ستودہ صفات بندہ کے لئے عرصہ سے آشنا ہیں۔

بعد وفاتِ حضرت والا (حکیم الامتہ) ایک خواب دیکھا کہ ایک پُرفضا مقام پر ایک بزرگ کے ہاتھوں کو ہاتھوں میں لے کر بار بار بوسہ دے رہا ہوں۔ اور رو رہا ہوں مگر وہ بزرگ نقاب پوش ہیں۔ علاوہ ازیں

پیرِ من خس است ، اعتقادِ من بس است

کے اصول کے مطابق اب اعتقاد ذاتِ گرامی کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور بیعت کا خواہش مند ہوں۔

میری نذرِ عقیدت قبول فرمائیں۔ یہ شرف قبولیت میرے لئے سرمایۂ سعادت

۱ اور باعث افتخار و ناز ہوگا

بندہ عہدِ واثق کرتا ہے کہ تا امکان التزامِ سنت اور اجتناب بدعات کرے گا۔ اور تعلیمات اور ارشادات پر عمل پیرا رہے گا۔

لہٰذا بیعت قبول فرمائیں اور حاضری کی اجازت دیں۔ اور ارشاد و تعلیم فرماکر اصلاح حال، تصفیۂ قلب اور تزکیہ نفس کا موقع دیں۔

ایک عزیز نے حضرت مرشدؒ کی رخصت پر ایک قطعہ تاریخ کہا ہے۔ بغرض اشاعت ارسال ہے۔

نیاز مند قدیم

سید عبدالرؤف غفرلہ۔ اورنگ آبادی

حضرت الشیخ: غالباً یہ ذہن نشین ہوگا کہ یہ عمر بھر کا سودا ہے۔ اس لئے اس راہ میں جو قدم رکھا جائے خوب سوچ سمجھ کر رکھا جائے۔

پیر کی نسبت صرف اتنا اعتقاد رکھنا شرط ہے کہ میری تلاش میں میری نافعیت کے لئے اس سے بہتر کوئی شخص اسوقت نہیں۔

بہرحال یہ طرفین سے الحبّ فی اللہ کا معاہدہ ہے کہ طالب تعمیل میں اور مطلوب یعنی شیخ تعلیم میں کوئی کمی اخلاص میں نہ کرے گا۔ باقی رسم بیعت میں استعمال غیر ضروری ہے۔ یہ بات اپنے وقت پر انشاء اللہ ظہور پذیر ہوگی۔

اب تمہید بالا کے بعد عرض ہے کہ آپ نے قصد السبیل ملاحظہ فرمائی ہے۔ آپ اپنے آپ کو چار قسموں میں سے کسی قسم میں داخل کرتے ہیں۔

بالفعل آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کو جو مل سکیں مطالعہ کرنا شروع کردیں۔ اور ہر بیان کا اپنے کو مخاطب سمجھیں۔

حضرت رحمت اللہ علیہ کی تصانیف سے تصوف یعنی علم احسان و اخلاص کا مقصود و مدعا تو ذہن میں اچھی طرح آگیا ہوگا۔ یہ اولین چیز ہے۔ بالفعل آپ کے معمولات کیا ہیں۔

والسلام۔ ۳ ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

ح افتخار و نازغیر محمود ہے کہ اس کا منشاء کبر اور حصول جاہ کی محبت ہے

ح انشاء اللہ

ح ابھی جلدی نہ کیجئے

ح مل گیا

والسلام ۳ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۳

۱۸ ر رمضان المبارک

مسترشد ۔ مخدومی و مرشدی دام بقائہٗ

حضرت الشیخ ۔ محب صمیم رزقکم اللہ تعالیٰ علماً نافعاً و عملاً صالحاً

مسترشد ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرت الشیخ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد ۔ مزاج اقدس بخیریت کا طالب

حضرت الشیخ ۔ الحمد للہ علی کل حالٍ

مسترشد ۔ بے شبہ طلب ارشاد عمر بھر کا سودا ہے

حضرت الشیخ یہ سودا نفع بخش ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ

مسترشد :۔ عواقب و نتائج پر نظر ڈال کر یہ طے کر لیا ہے کہ ذات ستودہ صفات کی طرف رجوع کر کے اصلاح حال چاہوں۔

حضرۃ الشیخ :۔ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو توفیق سے بہرہ ور فرمائیں۔

مسترشد :۔ عالی جناب کی علمی و روحانی برتری و برگذیدگی کا اعتراف بھی بندہ ہاتھ بڑھاتا ہے۔

حضرۃ الشیخ :۔ یہ آپ کا نرا حسن ظن ہے۔

مسترشد :۔ ارشاد مرشد تاخیر میں ہے تو قبول ہے ورنہ جذبہ دل تو بار بار یہی کہتا ہے۔

" دل می رود ز دستم صاحب دلان خدا را "

حضرۃ الشیخ :۔ مصلحت اسی میں ہے۔ آتش شوق تیز می گردد۔

مسترشد :۔ بندہ نے علوم دینیہ کی تحصیل ایک حد تک کی اور بعض درس گاہوں سے سند فراغ بھی حاصل کی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔

حضرت الشیخ : بحمد للہ

مسترشد :۔ عالم فارغ تو نہیں ہوں۔ عالم مشغول کی صورت ہے

حضرت الشیخ :۔ آپ اسی میں اپنے کو شامل سمجھیں۔

مسترشد :۔ وجہ معاش کے لئے ہائی انگلش سکول اورنگ آباد میں ہیڈ مولوی کی آسامی پر مامور ہوں۔ اور اہل و عیال کے حقوق ذمہ عائد ہیں

حضرت الشیخ : اللہ تعالیٰ برکت دیں

مسترشد :۔ حضرت رحمۃ اللہ کی تصانیف تصوف میں صرف قصد السبیل کے مطالعہ کا موقع آیا ہے۔ اور بس۔

حضرت الشیخ :- مزید کتابوں کی تلاش میں رہیں۔ اور حسب موقع مطالعہ جاری رکھیں۔
قصد السبیل کو پھر پڑھیں اور اوس کی ایک ایک نصیحت پر اپنے کو
جانچیں اور جو کمی پائیں اوسکے دور کرنے کی ہمت کریں

مسترشد : نماز پنجگانہ باجماعت کا التزام تا امکان ہے۔ تہجد گزاری بلا التزام
گاہے گاہے عمل میں آتے ہیں

حضرت الشیخ :- تہجد کا التزام بھی از بس ضروری ہے۔ یعنی مفتاح اسرار ہے
اگر رات کو احیاناً ناغہ ہو جائے تو بوقت چاشت بارہ رکعت پڑھیں۔

مسترشد :- تلاوت قرآن کا مشغلہ داخل صلوۃ اور خارج صلوۃ ہے۔

حضرت الشیخ :- یہ بھی ضروری ہے۔ مقدار جو طے کر لی جائے۔

مسترشد :- بالالتزام بعد نماز عشاء وقت خواب سو بار استغفار، درود
شریف سو بار کلمہ طیبہ سو بار اور سو سے زائد۔

حضرت الشیخ :- سوتے وقت کا دوسرا کوئی عمل استغفار کے علاوہ جو ہو وہ دوسرے وقت
ہٹا کر آخر میں بستر پر لیٹ کر ایک دفعہ سورہ بقرہ کا آخیر رکوع اور یہ دعا
پڑھا کریں،

اللّٰھم اسلمتُ وجھی الیك وفوضتُ امری الیك
رغبۃ ورھبۃً الیك لاملجأَ ولا منجأَ منكَ اِلَّآ اِلَیْكَ
الجأتُ ظھری الیكَ۔ اَللّٰھُم اٰمنتُ بکتابك الّذی انزلت بنبیّك
الذی ارسلتَ اَللّٰھم باسمك اموتُ واحیٰی۔

یہ کہہ کر اپنے کروٹ دائیں ہاتھ یعنی ہتھیلی گال کے نیچے رکھکر سو جائیے۔ نماز
عشاء کے بعد دنیاوی بات چیت نہ کی جائے۔

مسترشد :- بعد از پنجگانہ دیگر اوراد مفیدہ معمول میں ہیں

حضرت الشیخ : نفس اوراد کی کثرت غیر ضروری ہے کہ آہستہ چلئے، مگر دواماً چلئے فائدہ کثرت میں نہیں۔ دوام میں ہے وإن قلّ مگر اخلاص اور یکسوئی ضروری ہے تاکہ نفع جلد ہو۔

مسترشد :- پنجگانہ امامت اور ہفتہ واری وسالانہ خطابت۔ ہفتہ واری وسالانہ تذکیر و وعظ اور تذکرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم معمولات سے ہیں۔

حضرت الشیخ : اس میں شرط یہ ہے کہ اخلاص کے سوا نفس کا کوئی داعیہ شامل نہ ہو۔ ورنہ ترک اولیٰ ہے

مکتوب نمبر ۴

(نوٹ :- یہ خط بھی مولوی عبدالرؤف صاحب کے مندرجہ بالا مراسلہ ہی کے جواب میں ہے۔)

مکتوب حضرت الشیخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از ہیچمدان سلیمان محب صمیم رزقکم اللہ علماً نافعاً وعملاً صالحاً

السلام علیکم۔ آپ کسی وقت دو رکعت نفل باخلاص وخضوع پڑھ کر استغفار کیجئے۔ اور اسی وقت سے کام شروع کر دیجئے۔ یہی توبہ گذشتہ تقصیروں پر کر کے آگے کے لئے اطاعت کامل کا عزم کیجئے۔ اللہ تعالیٰ پورا فرما دیں گے من یتوکل علی اللہ فهو حسبه۔

۱:- نماز پنجگانہ کے علاوہ حسب ذیل نمازوں پر حتی الامکان مداومت کیجئے۔ نماز

تہجد — بعد مغرب چھ رکعت نفل۔ طلوع آفتاب کے کچھ دیر بعد ۲ یا چار رکعت نفل۔ چاشت چار رکعت نماز پنجگانہ کے بعد نفل مسنونہ۔ نوافل اگر بعذر کبھی چھوٹ جائیں تو کچھ حرج نہیں۔

۲:۔ تمام منہیات سے توبہ کر کے ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

۳:۔ اس کے لئے حضرت والا رحمت اللہ علیہ کی اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور مطالعہ کیجئے۔ اور ان کے مطابق عمل کیجئے۔

۴:۔ تہجد کی نماز کے بعد درد کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں ہر شب بالحاح تمام اپنے لئے دعا کیجئے۔ دعا میں خضوع ہونا چاہیئے۔ عصر اور صبح کی نمازوں کے بعد بھی دُعا خوب کیجئے۔ اور مانگیئے جو آپ کے لئے مناسب ہو۔ انشاء اللہ ملے گا۔ اس در سے کوئی محروم نہیں ہوا ہے۔ اُدعونی استجب لکم اس کا اعلان عام ہے۔ الدّعاء مُخ العبادۃ

۵:۔ نماز میں اعتدال ارکان اور حضور قلب کی کوشش ہو۔ اب اِس کے بعد اپنے احوال سے اطلاع دیتے رہیں۔

۲۲ رمضان ۱۳۶۲ھ

مکتوب نمبر ۵

۲۷ شوال ۶۲ھ

مسترشد:۔ مخدومنا المکرم ومرشدنا الاعظم متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہٖ

حضرت الشیخؒ:۔ محب کریم صمیم رزقکم اللہ تعالیٰ علماً نافعاً وعملاً صالحاً

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت الشیخؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ جناب والا کے ہدایات پر پورے عزم و استقامت کے ساتھ عمل درآمد شروع کر دیا ہے۔

حضرت الشیخ :۔ الحمد للہ کہ آپ نے عمل شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں ہم باتیں بمنزلہٗ اصول ہیں۔ اعتقاد، انقیاد۔ اطلاع اور اتباع۔ جس قدر مکاتبت کا سلسلہ رہے گا۔ انشاء اللہ نافع ہوگا۔ جو حال اِس راہ میں ہو۔ اوس سے اطلاع دیں۔ اس راہ میں ضرور ہے کہ مربّی کے ہاتھ میں اس طرح دیدیں جس طرح مریض طبیب کے ہاتھ میں اپنے کو دیدیتا ہے۔ مریض خود اپنے لئے نسخہ نہیں لکھتا اور نہ قرابا دین دیکھ کر دوائیں چھانٹتا ہے۔

مسترشد :۔ آج کل مرشد اعظم اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ نور اللہ مرقدہٗ کے کلیات کا وہ حصہ جو "ضیاء القلوب" کے نام سے موسوم ہے۔ مطالعہ میں ہے

حضرت الشیخ :۔ ضیاء القلوب کا مطالعہ علم کے لئے تو اجازت ہے مگر عمل کے لئے وہ قرابا دین ہے۔ اوس کے نسخوں پر عمل طبیب کے مشورہ سے کرنا چاہیئے آپ کے لئے عالم مشغول کے اعمال کی تجویز تھی۔ اوس سے آگے بڑھنے میں جلدی نہ کیجئے۔ اوس میں جو کچھ لکھا ہے۔ اوسی کی تقلید کیجئے۔ اس کتاب قصد السبیل کے آخر میں منہیات و اوامر کی تصریح ہے۔ وہ پیش نظر رہے۔ مقصود حصول تقویٰ ہے۔ کہ قرآن پاک ھدی للمتقین ہے۔ اور عبادات کا منشاء بجاآوری بعد حصول تقویٰ ہے۔ لعلکم تتقون

مسترشد :۔ جب کبھی غفلت و تکاہل ہوجاتا ہے۔ تو حضور والا کی صورت مثالی پیش نظر ہوجاتی ہے۔ اور عہد معاہدہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

حضرت الشیخ :۔ یہ نشان محبت ہے۔

مکتوب ۶

(نوٹ : یہ خط بھی مرسل کے گذشتہ خط ہی کے جواب میں ہے مستقل لکھا گیا ہے)

مکتوب حضرت شیخ

از ہیچمدان سلیمان بہ محب صمیم مولوی سید عبدالرؤف صاحب نفع اللہ تعالیٰ بفضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ہدایات حاشیہ پر لکھ دی گئی ہیں۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ بعد فرائض و سنن و نوافل کی پابندی علی مراتب الوجوب والاستحباب کے، منہیات شرعیہ سے احتراز کا لزوم کیا جائے اور ہمیشہ نظر اپنے احوال پر رہے اور غور کر کے الاشد فالاخف اپنے عیوب کی تلاش میں رہے۔ اور جو عیب سب سے زیادہ ابھرا ہوا علی العیان معلوم ہو اوسکے دفعیہ کی کوشش کیجئے۔ مثلاً کبر، عجب، ریا، حسد۔ وغیرہ آپ اوس عیب کی حقیقت پہلے دریافت کریں۔ اگر معلوم نہ ہو۔ اور پھر اوس کا علاج دریافت کریں۔ ذکر اللہ اللہ آپ کس وقت اور کس قدر کرتے ہیں۔ جو تعداد ہو اوس پر مداومت کی جائے۔ اور یکسوئی کے ساتھ یہ تصور کیا جائے کہ نور کا نزول ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی لکھیں کہ دل پر کیا احوال وارد ہوتے ہیں۔ ورود احوال ضروری نہیں۔ مگر اگر ورود ہو تو لکھیں۔ لیکن نہ اس ورود احوال کی کوشش کریں۔ کہ مقصود نہیں اور نہ اس غرض سے اسکی طرف توجہ کریں کہ یہ فساد نیت کا باعث ہوگا۔ نفی و اثبات کا ذکر قبل از وقت ہے۔ قصد السبیل میں اسکی ہدایت آپ دیکھیں۔ آپ نے جو نظم بھیجی ہے اصلاح کے بعد شائع ہو سکتی ہے ان میں اغلاط ہیں۔

حضرت والا رحمت اللہ علیہ کے مواعظ ملیں تو ضرور دیکھا کریں۔ بڑی نعمت ہیں۔ والسلام

۱۴ر ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ جونپور

مکتوب ۷

مکتوب مسترشد

مخدومی المکرم ومرشدی المحترم دام بقاؤ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
۱۔ ہدایت نامہ موصول ہو کر بصیرت افروز ہوا۔ اور غفلت کے لئے تازیانہ۔
اصول اربعہ، اعتقاد، انقیاد، اطلاع اور اتباع کی تشریحات کو بغور مطالعہ کیا۔ اور اپنی نادانی اور خودسری پر بیحد نادم ہوا۔ آئندہ بلا اطلاع وبلا استرضاء قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

۲۔ ہمارے شہر میں ایک بزرگ مقیم ہیں جو چپ شاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ مجذوب ہیں۔ لیکن تعقل اور تفہم سے بہرہ ور ہیں۔ ایک رات خواب میں اُن

مکتوب حضرت الشیخ رح

برادر عزیز نفعکم اللہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ
۱۔ آپ کی اس اثر پذیری سے خوشی ہوئی

۲۔ ہمارے سلسلہ میں حضرات مجاذیب کی نسبت یہ حکم ہے کہ اون کا ادب کیا جائے مگر نہ اون سے کچھ لیا جائے اور نہ پوچھا جائے۔

کو دیکھا۔ خواب ہی میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ ذکر لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں کرتے اس کی بڑی ضرورت ہے۔ بیدار ہوا تو شاہ صاحب کو پلنگ پر بیٹھا ہوا پایا۔ میں نے اُن سے طریق ذکر دریافت کیا۔ لیکن وہ خاموش رہے الغرض اس واقعہ کے تحت چند ماہ سے یہ ذکر کرتا تھا۔ مگر اب بغیر مرضی کے نہیں کروں گا۔

۵:۔ یہ ذکر جاری رکھوں یا ترک کر دوں

۶:۔ اسم ذات کا ذکر گاہے گاہے تھوڑی تعداد میں کرتا تھا۔ اب جیسا حکم ہو۔ کروں اسم ذات کا ذکر کروں یا کلمہ طیبہ۔

۷:۔ تلاوت قرآن کا التزام تو بعد فراغت حفظ ۳۰ سال سے ہے اور خدا کا شکر ہے کہ آپکے فیض برکت سے تہجد میں بھی ایک پارہ تلاوت کیا کرتا ہوں

۵:۔ ترک

۶:۔ اسکی ضرورت کہ وقت معین کر کے پوری توجہ کے ساتھ اسم ذات کی معین مقدار کا ایک نشست میں یا متعدد نشستوں میں حسب سہولت ایسی آواز سے جو سنی جا سکے بغیر ضرب کے ذکر کریں۔ اسکی زیادہ سے زیادہ تعداد ۲۴ ہزار اور کم سے ۲ ہزار ہے۔ آپ کم سے کم سے شروع کر کے حسب ذوق و توفیق جس قدر پہنچا سکیں۔

۷:۔ جزاک اللہ بارک اللہ

۸ ،۔ جناب کے کیمیا اثر سے بلا جبر و اکراہ بخوشی و رغبت سنن و نوافل پنجگانہ کے علاوہ اشراق و چاشت و اوابین ادا کر رہا ہوں۔	۸ ، نفعکم اللہ بہا و اضاعف اجورکم ۔
۹ ،۔ منہیات شرعیہ سے بے شبہ پاک نہیں ہوں۔ ریاء و حد جلی تو نہیں ہے مگر خفی ہے. گاہے گاہے اس کا ظہور ہو جایا کرتا ہے	تقصیرات پر استغفار کر کے آئندہ احتراز کا عزم کیجیے۔
۱۰ ،۔ غلط گوئی. کلمات خوشامدانہ اور غیبت کا صدور بھی گاہے گاہے ہو جایا کرتا ہے. خاص توجہ مبذول فرمائیں کہ خدائے کریم ہمیں ان عیوب سے پاک کرے۔	۱۰ ۔ ایک ایک رذیلہ کو لے کر اس کے ازالہ کی کوشش کیجیے۔ پہلے اس رذیلہ کی حقیقت سمجھئے پھر ازالہ کی تدبیر۔
۱۱ ۔ گاہے گاہے تلاوت یا عبادات میں لذت ملتی ہے۔ مگر دیر نہیں اور ہمیشہ نہیں۔	۱۱ ۔ حصول تقوی، تحلّی بالفضائل و تخلّی عن الرذائل پر ہے۔ رضائے الٰہی، اصلِ سلوک ہے۔ حصول لذت محمود ہے مگر مقصود نہیں۔ اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے۔ وہ خود سے آئے گی۔
۱۲ ،۔ آرزو تھی کہ زیارت نصیب ہوتی اور صحبت کا موقعہ حاصل ہوتا اسکی کیا صورت ہو سکتی ہے۔	۱۲ :۔ انشاء اللہ اس کا موقع ملے گا۔

۳: نظم مذکورہ اگر بعد اصلاح شائع ہوسکتی ہے تو اسکی اصلاح کر دیجائے اور شائع کرادیجائے یا کم ازکم اغلاط کی جانب ارشاد فرمایا جائے۔

۳: اس بحث کو چھوڑئے

مکتوب۔ ۸

۲ محرم ۱۳٦۳ھ/ ۳۰ دسمبر ۴۳ء

مسترشد:۔ مخدومی و مرشدی مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ:۔ محب صمیم ارشدکم اللہ تعالیٰ

مسترشد: السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد: ہدایت نامہ موصول ہوا۔ اکثر و بیشتر پڑھتا ہوں ہر خواندگی میں اس کے محاسن معنوی ایک نئے عنوان سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور قلب و دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ

مسترشد: اصول اربعہ اعتقاد، انقیاد، اطلاع اور اتباع پر تا امکان عمل پیرا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: یہاں اطلاع سے مقصود شیخ سے مکاتبت اور اتباع سے مقصود احکام شیخ کی پیروی ہے۔

مسترشد:۔ صحت کی خرابی اور دماغ کی کمزوری کے باعث شب خیز و شب بیداری اور اسم ذات کا ذکر مشکل تھا مگر ہدایات موصولہ کے اثر اندازی نے ساری مشکلیں آسان کر دیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کچھ حرج نہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا مگر سستی و کاہلی و عدم سعی کا نام عدم وسعت نہیں ہے۔

مسترشد:۔ خرابئ صحت کے باعث بعد از نماز صبح ٹہلتا ہوں۔ اور اسی چہل قدمی کے دوران اسم ذات کی دوسری قسط پوری کرتا ہوں۔ کیا اس صورت سے اسم ذات اور دیگر اوراد و تلاوت قرآن میں کوئی حرج ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کچھ حرج نہیں۔

مسترشد:۔ بندہ مجموعہ ذمائم اخلاق ہے۔ بایں ہمہ چند ذمیمۂ اخلاق پیش کر کے اس کے ازالہ کی تدبیر کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اپنے کو ایسا ہی سمجھنا خیر و برکت کا موجب ہے۔

مسترشد:۔ اخفاء اسرار اور رازداری کی بڑی کمی ہے۔ گاہے گاہے بر سبیل تذکرہ احباء و اعزہ سے اسرار قلبی اور راز روحانی کو ظاہر کر دیا کرتا ہوں۔ شاید نفس شہرت پسندی کا طالب ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس سے احتراز چاہیئے کہ اس میں استکبار اور ریا کو دخل ہے

مسترشد:۔ نادانستہ طور پر اثنائے گفتگو غیبت بھی ہو جایا کرتی ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ غیبت بہت بری عادت ہے۔ اس سے اپنی نیکیاں دوسروں کو مل جاتی ہیں۔

مسترشد:۔ ہدایت یابی سے پیشتر استغفر اللہ سو بار اور سو بار درود شریف پڑھنے کا معمول تھا۔ مگر اب سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور دعاء جس کی ہدایت جناب نے فرمائی تھی۔ پڑھ لیا کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ استغفار اور درود بھی جاری رہ سکتا ہے۔

مسترشد:۔ ایک شب جمعہ کو سو بار استغفار اور سو بار درود شریف پڑھ کر سو رہا ایک خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک بیل دار سبز درخت ہے۔ جس کے بیل پھیلے ہوئے ہیں۔ اور ہر پتے پر یا رسول اللہ احسنت لکھا ہوا ہے۔ اس خواب کا منشاء کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ خواب اور رؤیا کے پیچھے نہ پڑیئے۔ یہ گو بشارت ہے۔ مگر مقصود نہیں۔ ؎ نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

معصود بذریعۂ اعمال حصول رضا قرب ہے۔ رویائے صادقہ بشارت ہیں اور بس۔

مسترشد:۔ اس طرح ایک دوسرا خواب دیکھا کہ جناب نے دار المصنفین کی طرف سے بندہ کو ایک کہنہ عبا عطا کی ہے۔ جس کے کالر پر شبلی نعمانی مرقوم ہے شاید اس کی تعبیر یہ ہو۔ کہ گرامی جناب سے استفادہ کر رہا ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ ممکن ہے۔

مسترشد:۔ مولانا شاہ محمد فصیح کے دو غیر مطبوعہ مسودات ایک بصورت "استفتا" اور دوسرا "ترک تعزیہ" بصورت مناظرہ بندہ کے پاس ہیں۔ اگر ارشاد ہو تو ان کو معارف میں پیش کروں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس کا ہمارے آپ کے موجودہ تعلقات سے تعلق نہیں۔

ع کار خود کن ۔ کار بیگانہ مکن

اورنگ آباد ۔ گیا مکتوب ۔ ۹

۱۳ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ

۹ مارچ ۱۹۴۴ء

مسترشد :۔ محترم قبلۂ من ! دام بقائہ

حضرۃ الشیخ :۔ از علی گڈھ

از ہیچمدان سلیمان بہ صمیم زاد حبہ اللہ تعالی

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم ورحمت اللہ ۔ میں چند روز ہوئے کہ حیدر آباد سے لکھنؤ آیا ۔ اور آپ کا خط ملا ۔ دوسرے ہی دن علی گڈھ آنا پڑا ۔ کل واپس کانپور جارہا ہوں ۔ اور وہاں سے لکھنؤ ہوکر جونپور اور پھر اعظم گڈھ ۔ ۲۴، ۲۵ مارچ کو اعظم گڈھ میں حضرت کے اور خلفاء بھی جمع ہوں گے ۔ اگر آپ آنا چاہیں تو ان دنوں میں آسکتے ہیں ۔ مئی و جون میں شاید میرا قیام وطن (دلیسنہ بہار) میں ہو ۔ آپ وہاں بھی آسکتے ہیں ۔ اور وہاں آنا بہتر ہے ۔ کیونکہ وہاں تنہائی ہوگی

مسترشد :۔ تصور شیخ اور زیارت و قدمبوسی کی کشش صبر و ضبط سے باہر ہے ۔ مگر بلا استیذان و استمزاج حاضری میں سوء ادبی تھی ۔ اس لئے روانہ ہونے سے باز رہا ۔

عرض مدعا یہ تھا کہ حاضری کی کوئی مناسب تاریخ مقرر فرمائی جائے ۔ بندہ اپریل کی تعطیلات یا مئی و جون میں قدمبوس ہوسکتا ہے ۔

مسترشد :۔ توقع ہے کہ ارشادات مزید کے ساتھ طمانیت و سکون کا موقع دیں گے۔

سیّد عبدالرؤف غفرلہ

حضرت الشیخؒ :۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو منزل مقصود تک پہنچائے۔ اب آپ کو اللہ معی کا مراقبہ شروع کرنا چاہیئے۔

اپنے قلم سے خود کو مولوی لکھنا کبر کے آثار میں سے ہے۔ گویا اس کا اظہار ہے کہ لوگ آپ کو بڑا سمجھیں۔ فافہم۔

مکتوب۔ ۱۰

مسترشد :۔ ۲۱ر مارچ ۴۴ء
اورنگ آباد۔ گیا

حضرۃ الشیخ :۔ اعظم گڈھ۔ ۲ر ربیع ۲ ۱۳٦۳ھ

مسترشد :۔ مولائی المحترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخ :۔ از ہیچمدان سلیمان۔ السلام علیکم

مسترشد :۔ عرض ہے کہ بندہ بتاریخ مذکورہ اعظم گڈھ پہنچ نہیں سکتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ۔ آپ نہ آسکے تو کچھ حرج نہیں جب موقع بآسانی ملے آئیں

مسترشد :۔ مقصد کے پیش نظر ویسے پہنچنا بہتر ہے۔ آپ مقام مذکورہ کے قیام اور مدت تاریخ قیام سے مطلع فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ مئی و جون میں

مسترشد :۔ ارشاد گرامی ہے کہ "اللہ معی" کا مراقبہ کیا کروں۔ کیا اس کی کوئی

خاص صورت ہے یا بصورت عام کوئی وقت بھی مخصوص ہے۔ اور کیا تصور کرنا چاہئیے۔ ارشاد مزید فرما کر تسکین فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ معی کا تصور کہ ہر وقت وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہمارے قریب ہے۔ اور ہمارے ہر فعل و خیال کا حاضر و ناظر ہے۔ اس کے مضمون پر غور کیا جائے۔ اور اس کے مناسب آیات کا استحضار رہے۔ جیسے

واذا سالك عبادی عنی فانی قریب، وھو معکم اینما کنتم۔ یا وھو علیم بذات الصدور۔ اور ولا تخفی علیہ خافیہ۔ اور ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ اور ونحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون اور الا یعلم من خلق۔ اور الم یعلم بان اللہ یری۔

اسی کیفیت کا رسوخ اصل روح ہے۔ جس کا طریقہ ذکر اور شغل ہے۔

مسترشد :۔ بندہ نے اپنے پتہ کے ساتھ مولوی حافظ تفاخر کی نیت سے نہیں بلکہ تعارف کی نیت کے ساتھ لکھا ہے۔ کیونکہ ہمنام متعدد ہیں۔ بااین ہمہ حسب ہدایت ترک کرتا ہوں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ کیا امام و خطیب جامع مسجد بھی بایں نام متعدد ہیں۔؟ اگر نہیں تو پھر وجہ اشتباہ کیوں ہے۔؟ مکائد نفس بہت دقیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں۔ تواضع اور فنائے ذات کی راہ پیش نظر رہے۔

مکتوب ۔ ۱۱

مسترشد :- ۲ مئی ۴۴ء

اورنگ آباد گیا

مرشدی المحترم دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :- از سیمرا ن سلیمان السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد : ارشاد ہوا تھا۔ کہ قیام دلیسنہ کے موقع پر تمہیں طلب کروں گا۔ لہذا مطلع فرمائیں کہ وہاں حضور والا کا قیام کب سے کب تک رہے گا کہ قدمبوسی کا شرف حاصل کرسکوں۔

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخؒ :- میں ۱۱ اپریل سے درد گردہ کے دورہ میں مبتلا ہوں۔ گو اب دورہ خفیف ہورہے ہیں مگر ضعف بے حد ہے۔ اسی لئے دلیسنہ کا سفر اب تک نہیں ہوسکا اور نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کب تک ہوگا۔ آپ اپنے کام میں مصروف رہیئے۔ میرے لئے دعائے خیر کرتے رہیئے۔

(پوسٹ کارڈ سے) مکتوب۔ ۱۲

مکتوب حضرت الشیخؒ

دلیسنہ ضلع پٹنہ

مولوی سید عبدالرؤف صاحب امام مسجد اورنگ آباد
مقام ڈاکخانہ اورنگ آباد۔ ضلع گیا

محبِّ عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمدللہ فقیر کو صحت ہوئی۔ اور چند روز

گیا، اورنگ آباد، بہار، دلیسنہ، صوبہ بہار (بھارت) کے مردم خیز علاقے ہیں

ہوئے کہ وطن آیا۔ آپ کی محبت للہٖ تعالیٰ کا شکریہ۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔

آپ اگر چاہیں تو ۱۵ر جون تک یہاں تشریف لا سکتے ہیں۔ آسان شکل یہ ہے کہ گیا سے سیدھے بہار لاری آتی ہے۔ اور ۲ بجے شام کو بہار سے لاری استھاوان آتی ہے۔ جہاں سے دلیسنہ ایک میل ہے۔ اور قلی و مزدور مل جاتے ہیں۔

مسلمانانِ اورنگ آباد کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں کہ اونہوں نے اس فقیر کی صحت کی دعا کی۔

والسلام سید سلیمان ۲۳ر مئی ۱۹۴۴ء

مکتوب ۔ ۱۳

مسترشد:۔ ۲۵ر جمادی الآخر ۶۳ھ
۱۷ جون ۴۴ء
محترم قبلہ من دامت فیوضکم وبرکاتکم۔

حضرۃ الشیخؒ: از سیدان سلیمان بمحبت صمیم دام سعدکم

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ بخیریت گھر پہنچا۔ زیارت وصحبت سے قولی وفعلی وہ فیوض وبرکات حاصل ہوئے۔ جو مدتوں کے مراسلات سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق خیر بخشی۔

محنت راہرو کی ہوتی ہے۔ راہ کا بتلانے والا اپنا فرض ادا کرتا ہے۔

مسترشد :۔ ذاتِ گرامی کے صفات جلال و جمال ہر دو نے اپنا اپنا اثر ڈالا۔ حضوری میں پرتو جلال طاری رہا ماسوا سے بے خبر اور خود فراموش رہا۔ اور غیاب میں صفاتِ جمالی نے اس طرح اثر کیا کہ ذکر کی آواز جمالی ہوگئی اور اس سے دل کے گداز اور جذبۂ محبت میں اضافہ ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ احوال میرے نہیں۔ خود آپ کے ہیں۔ آئینہ میں اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے غیر کا نہیں۔

مسترشد :۔ ہر وقت ذکر کرنے کا شوق دامنگیر رہتا ہے۔ دعا کیجئے کہ موفق حقیقی اس پر قائم دائم رکھے۔ اور خاص توجہ فرمائیے۔ کہ عمل خیر کی توفیق کے ساتھ خلوص نصیب ہو۔

حضرۃ الشیخ : دل سے دعا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو منزل بمنزل مقصود تک پہنچائیں اور استقامت بخشیں۔ الاستقامہ فوق الکرامۃ

" الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا "

مسترشد :۔ درخواست ہے کہ کوئی ایسی دعا بتائیں جس سے حب اللہ اور حب الرسول اور اطاعت رسول کا والہانہ جذبہ پیدا ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ والہانہ جذبہ گو لذت بخش ہو۔ مگر مقصود نہیں۔ مقصود وہ محبت ہے جس کا نتیجہ اتباع و اطاعت ہو۔ یہ دعائے ماثورہ اس کے لئے ہے

اللّٰھم انی اسالك حُبّك وحُبّ من
یُحبّكَ وَحُبَّ عملٍ یُقرّبُ الیٰ حُبّك

مسترشد :۔ تہجد کی دعاء ماثورہ اور سجدہ کی وہ تسبیح مسنونہ جو حضورؐ نے

تلاوت فرمائی تھی بندہ فراموش کر گیا ہے۔ لکھ کر روانہ فرمائیں

سید عبدالرؤف غفرلہ

تکبیر تحریمہ سے پہلے:

اللّٰھم لک الحمد انت نور السّمٰوت والارض
ومن فیھنّ ولک الحمد انت ربّ السّمٰوات
والارض ومن فیھن ولک الحمد انت ملک
السّموات والارض ومن فیھن انت الحقّ
ووعدک الحقّ ولقاءک حقّ وقولک حق والجنۃ
حق والنّار حق والنّبیّوْن حقّ ومحمدٌ حق
والسّاعۃ حق

اللّٰھم لک اسلمتُ وبک آمنتُ وعلیک
توکلتُ والیک انبتُ وبک خاصمتُ والیک
حاکمتُ۔ فاغفرلی ما قدّمتُ وما اخّرتُ
وما اسررتُ وما اعلنتُ انتَ اِلٰھی لآ
اِلٰہ اِلّا انتَ انّی وَجّھتُ وَجْھِیَ الخ

رکوع میں:-

اللّٰھم لک رکعتُ ولک اسلمتُ وبک
آمنت خشع لک سمعی وبصری ومخّی وعَظْمی

سجود میں:

اللّٰھم لک سجدتُ وبک آمنت ولک اسلمتُ

سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہٗ وبصرہٗ۔

مکتوب - ۱۵

مسترشد :- شعبان ۶۳ھ
۲۷ جولائی ۴۴ء

دستگیرمن ازیدت فیوضکم

حضرۃ الشیخؒ :- ازاعظم گڈھ
ازسیحدان سلیمان بحجب عزیز زادکم اللہ حرصاً علی الدین

مسترشد :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :- اُمید ہے کہ عزیزہ جو بیمار تھی اب بخیریت ہوگی۔ اور حضور والا کا مزاج اچھا ہوگا

حضرۃ الشیخؒ :- الحمدللہ سب خیریت ہے

مسترشد :- ہدایات و ارشادات پر عمل پیرا ہوں۔ اور تا امکان معمولات یومیہ بڑی مستعدی اور تندہی سے ادا کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- بارک اللہ تعالیٰ

مسترشد :- مسلسل کم خوابی کے باعث ہفتہ رواں میں متواتر ایسی غفلت ہوئی۔ کہ دو شب نماز تہجد قضا ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ غفلت بھی جس پر ندامت ہو خیر ہے۔

مسترشد:۔ ایک خواب دیکھا کہ حضور والا کی آمد ہے۔ اور میں منتظر ہوں۔ پھر ملاقات ہوتی ہے۔ باہم مزاج پرسی ہوتی ہے۔ اثنائے گفتگو میں بیدار ہوتا ہوں۔ تو دیکھتا ہوں کہ تہجد کا وقت ہوتا ہے۔ بہرکیف اس خواب سے حضور والا کی توجہ اور فیض روحانی کا اظہار ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ہر غفلت کے موقعہ پر اسی طرح تنبیہ اور ہدایت اور فیضان ہوتا رہے گا۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ خواب کی حیثیت صرف بشارت کی ہے۔ اور اس ہیچمدان کو دیکھنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ساری توفیقات ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں تو کسی بندہ کو خواب میں یا بیداری میں تنبیہ یا توفیق ارزانی فرماتے ہیں۔ اور اس کے لئے کبھی کبھی اوقع فی النفس ہونے کے لئے اوس کی تشکل و صورت کو وہ بمنزلۂ جارحہ و آلہ بناتے ہیں۔ جس سے صاحب معاملہ کو مناسبت اور محبت اور عقیدت ہوتی ہے۔

و ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء

مسترشد:۔ بندہ کی طرف مزید توجہ اور خاص فیضان کی ضرورت ہے۔ حضور والا کا بھی کچھ ایسا خیال ہے اور بندہ اس کا امیدوار بھی ہے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائیں۔ فنائے نفس اور اللّٰھم اجعلنی فی عینی صغیراً کی دعاء مفید ہے۔ اپنے کو سب سے بدتر سمجھنا سب سے بہتر ہے۔ اس کا ہمیشہ اور ہر کام میں خیال رہے۔ اور اپنے عیوب پیش نظر رہیں

اور اونکی اصلاح کا خیال غالب اور اِس بات میں اپنے نفس کے مکائد پر نظر رہے۔

مسترشد:۔ حضرت تھانوی کے مراسلات کے دیدار کا اشتیاق حضور والا کے ایک گرامی نامے سے معلوم ہوا تھا۔ لہذا ارسال خدمت ہیں۔

اگر مراسلات مولانا محمد عیسٰی (جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد و ہدایت کے متعلق ان کو لکھے تھے) کے متعلق حکم ہو تو ارسال کر دوں۔

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ تحریریں واپس ہیں۔ دوسری تحریروں کی ضرورت نہیں۔

مکتوب ۱۵

مسترشد:۔ ۲۰ر شعبان ۶۳ھ

۲۰ر اگست ۴۴ء

محترم قبلۂ من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ رفع اللہ احوالکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ مزاج اقدس۔ خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخ:۔ الحمدللہ خیریت ہے

مسترشد:۔ ارشادات عالیہ پر بدستور سابق عمل پیرا ہوں۔ عشرہ دو ہفتہ سے وقت ذکر رقتِ قلب اور اضطراب اس درجہ بڑھ گیا ہے۔ کہ بعض اوقات گریہ طاری ہو جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ نے جو حال لکھا ہے۔ مبارک ہے۔ اضطراب بھی انشاء اللہ

تعالیٰ مبدل بہ سکون ہو جائے گا۔ خاکسار نے کبھی کہا تھا ے

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکونِ عشق کی

ہائے ہوئے جوش تو ہنگامہ آغاز ہے

مسترشد :۔ گاہے یہ صورت پیدا ہوتی ہے۔ کہ نماز کے اوقات میں مسجد میں مصلین کے حضور بلا قصد و ارادہ بے ساختہ زبان پر ذکر اللہ اللہ جاری ہو گیا۔ شرم دامنگیر ہوئی کہ مصلین کیا سمجھیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اگر آپ کی حالت نماز میں ایسی ہو۔ جو ضبط سے باہر ہو تو چندے امامت سے باز رہیں۔

بے شبہ رمضان المبارک میں آپ کو امامت تراویح کے لئے تلاوت میں زیادہ مصروفیت ہو گی تو ذکر کو کم کر دیں۔ مگر ترک نہ کریں۔

ذکر بالقلب نماز میں حارج نہیں۔ باللسان سے احتیاط کرنی چاہیئے اصل شئی نماز میں حضور اور خشوع ظاہری و باطنی اور ہر قسم کے رذائل سے بقدر امکان دوری اور فضائل کے حصول کی کوشش اور اطاعت الٰہی پر مداومت اور حصول رضائے الٰہی کا شوق۔ باقی غیر مقصود ہیں۔ تو امور مقصودہ میں سے ان امور کی طرف بیشتر متوجہ رہیں۔

رشد :۔ جب شیخ کا تصور کرتا ہوں۔ کچھ تسکین ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تصور شیخ بلا قصد ہو تو حرج نہیں۔

مسترشد :۔ دعا فرمائیں کہ خدائے پاک ہمارے قلب کو ریا اور دیگر عوارض قلبیہ سے پاک کرے۔ اور موفق حقیقی توفیق خیر عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے بدل و جان دعا ہے۔ آپ بھی دعا

کریں۔ ہمارے حضرت کے خلفاء میں سے جناب خواجہ عزیزالحسن صاحب کا ۱۷رشعبان کو انتقال ہوگیا۔ دعائے مغفرت ایصال ثواب بتلاوۃ القرآن کیجئے۔ صالحین کی محبت کلید کامیابی ہے۔

ہیچمدان سلیمان ۳ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۔ ۱۶

مسترشد :۔ ۲۱ر رمضان المبارک ۶۳ھ

۲ر ستمبر ۴۴ء ۔ اورنگ آباد

دستگیر من۔ دامت فیوضکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ اعظم گڈھ ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ

اخی فی اللہ تعالیٰ زادکم توفیقاً

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخ : السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رات ہی آپ کا خیال آیا تھا۔ کہ آج صبح کو آپ کا خط ملا۔ دل راہ بدل رہے است۔ دریں گنبد سپہر

مسترشد :۔ رقت قلب اور گریہ کا دورہ ہوا کرتا ہے۔ مگر اطلاع احوال اور ورود گرامی نامہ کے بعد وہ زور شور نہیں ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ یہ حالت انشاء اللہ تعالیٰ اعتدال پر آجائے گی۔ اور اس کا اعتدال محبوب مطلوب ہے۔ دعائے ماثور ہے

مسترشد :۔ کوئی ایسا مخلص اور پابند اوقات شخص ہے جو جامع مسجد اورنگ آباد کی امامت للہ فی اللہ کر سکے۔ اگر امامت ترک کرتا ہوں تو مسجد کے

نظم کے برہم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اور بری الذمہ ہو جانے کی صورت میں تخلف عن الجماعتہ اور تکاہل پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ کیوں مولوی صاحب اگر ہم اندھوں میں کوئی ایک کانا موجود ہو تو اوس کو فخر کا کیا موقع ہے۔ یہ میں نے اس لئے لکھا کہ آپ جہاں ہیں وہاں اگر ان صفات کا کوئی دوسرا نہیں تو اس صاحب صفات کے لئے لغزش کی بڑی جگہ ہے کہ وہ اپنی نسبت استکبار وافتخار وغرور کہ ہمچون من دیگرے نیست کے شیطانی پھندے میں نہ گرفتار ہو جائے فتبنہ! اپنے میں شکستگی، افتقار، تواضع پیدا ہونی چاہیئے۔ اور ہر وقت اپنے عیوب پر نظر جمی رہے اور اوس اصلاح کی فکر دامنگیر ہو۔

مسترشد:۔ خدا کا شکر ہے۔ معمولات یومیہ اور فرائض وسنن کی ادائیگی میں ہنوز کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ گاہے گاہے ذکر اللہ کا ناغہ ہو گیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کچھ حرج نہیں۔ ایسی صورت اکابر کو بھی پیش آتی ہے۔

مسترشد:۔ حضور والا کی توجہ اور کرم ہے۔ کہ اسم پاک میں جو حلاوت اب ملتی ہے پیشتر محسوس نہیں ہوا کرتی تھی۔ لذت تو گاہے ایسی ملتی ہے کہ تلاوتِ قرآن میں ایسی لذت نہیں ملتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس پر خدا کا شکر ادا کیجئے۔ یہ بڑی نعمت ہے

مسترشد:۔ دعاء کیجئے کہ الذین امنوا اشد حبا للہ کی وہ صفت نصیب ہو جو اسلاف کرام کو حاصل تھی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مجھے بھی نصیب فرمائیں۔ یہ احوال ہیں بدلتے رہتے ہیں، جو کچھ ذات حق سے جب ملتا ہے وہ بندہ کے لئے عین

مناسب ہے

مسترشد :۔ با ادب عرض ہے کہ ذات عزاسمہ کے الفت و محبت کا اگر یہ وسیلہ ہے۔ تو خود خدا کے محبوب سے الفت و محبت کا کون مؤثر و قوی ذریعہ ہو سکتا ہے۔ گرچہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں بھی بندہ کو ایسی کشش محسوس ہوا کرتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اسم میں خود محبوبیت نہیں ہوتی۔ اسم میں محبوبیت محبوب کی ذات پر دال ہونے کے سبب ہی ہوتی ہے۔ پس اسم کی محبوبیت ذات کی محبوبیت کا نتیجہ اور ظل ہے، فافہم

مسترشد :۔ عیدالفطر کے بعد حضور والا کے سفر و حضر کا پروگرام کیا ہے، بندہ ۴ شوال سے ۱۲ شوال تک حاضر ہو سکتا ہے۔ بندہ کو سفر و حضر کی روداد سے خبر دی جائے

حضرۃ الشیخؒ :۔ میرا ارادہ ۴ شوال کو لکھنؤ کا ہے۔ اور وہاں چند ہفتے رہنے کا

مسترشد : عنایت کا طالب۔ سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے لئے دعا گو ہوں۔ ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۔ ۱۷

مسترشد :۔ ۱۵ اکتوبر ۴۴ء / ۲۶ شوال ۶۳ھ

مرشدی المحترم ! دامت فیوضکم و برکاتکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ از اعظم گڈھ

اخی فی اللہ زادک اللہ تعالیٰ توفیقاً۔

اور ملا بدمنہ کی اس عبارت کا جواب کیا ہوگا

"نماز تہجد سنت مؤکدہ است۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم گاہے ترک نفرمودہ واگر احیاناً فوت شدہ دوازدہ رکعت در روز قضا فرمودہ الخ"

سید عبدالرؤف

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ حدیث مؤکدیت کے خلاف تو نہیں عَلَیْکُمْ تو لزوم پر دال ہے بہر حال تہجد عجیب عبادت ہے جس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً دوام فرمایا۔ اس لئے سنت مؤکدہ کی تعریف اس پر صادق ہے۔ البتہ قولاً تاکید نہیں فرمائی شفقۃً علی الامۃ مگر اپنے عمل سے اس کو مؤکدہ ثابت کردیا۔ اب اہل حجیت کے لئے کیا گنجائش رہی۔ فضائل اعمال کے اکتساب کا سبق محدثین سے نہ لیں محبین سے لیں۔

ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۔ ۱۸

مسترشد : ۶ ؍ ذی الحجہ ۶۳ھ ؍ ۲۳ نومبر ۴۴ء

بخدمت سراپا برکت حضرت مولانا مقتدانا سیدنا الحاج المولوی سید سلیمان صاحب قبلہ دامت برکاتہ ومدظلہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ اعظم گڑھ ۔ ۸ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

اخی السعید الرشید اسعدہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ ہدیہ مسنون کے بعد بالوف ادب عرض ہے

حضرۃ الشیخؒ یہ طریقہ مسنونہ سلام نہیں ہے اس لئے اس کا جواب بھی واجب نہ تھا۔

مسترشد :۔ خادم حضور والا کے الطاف وعنایات کا بے حد منت شناس ہے اور تاحیات شکر گزار رہے گا

" خدایا تو این سایہ پائندہ دار "

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ اس محبت کو طرفین سے بڑھائیں۔ اور دونوں کے لئے نافع فرمائیں۔

مسترشد :۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھ جیسے گندہ کو بھی توفیق عنایت فرمائی۔ کہ احسان وسلوک کا درس لے سکے۔ اور مشہور عالم ہادی و مرشد سے ہدایت و ارشاد حاصل کر سکے

حضرۃ الشیخؒ :۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس کے ثمرات سے مستفید فرمائیں۔

مسترشد :۔ خدا کا شکر ہے کہ حسب ہدایت معمولات شبانہ روز پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد للہ تعالیٰ ۔

مسترشد :۔ ذکر اللہ کے وقت قلب پر نقش اللہ کا رنگ نقرہ وسفید تصور کرتا ہوں۔ مگر رنگ کا تصور دیرپا نہیں رہتا ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ جو کچھ ملتا ہے اس کو لیجئے اور اس پر منعم حقیقی کا شکر ادا کیجئے۔ اور جو نہیں ملا ہے اس کی طلب دعا کیجئے۔ یہ دعا ہی خالق و مخلوق کے درمیان تعلق کی کڑی ہے۔

مسترشد :۔ کیا صورت ہو سکتی ہے۔ کہ قلب میں روشنی محسوس ہو اور نقش اللہ کا بزنگ سفید ویرپا ہو سکے اور قلب کے ذاکر ہونے کی کیا صورت ممکن ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس کا طریقہ یہی ہے کہ کثرت ذکر کی کی جائے۔ زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں۔ اور نہ اسکے لئے تشویش خاطر کی ضرورت ہے۔ ہر چیز اپنے وقت پر حسب استعداد اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

ایک اصول نہایت اہم سمجھ لیجئے۔ امور اختیاریہ میں بندہ کمی نہ کرے اور امور غیر اختیاریہ کے درپے نہ ہو۔ تمنا ہو تو صاحب تمنا کے سامنے پیش کیا کیجئے۔ وہ چاہیں گے اور جب چاہیں گے دیں گے۔ اور اگر مدت تک نہ بھی ملے تو اس کے لئے تشویش نہ کیجئے۔ کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

مسترشد :۔ ایک شب غسل کی ضرورت تھی بروقت غسل نہ کر سکا اور آنکھ لگ گئی۔ تو خواب دیکھا کہ حضور تشریف فرمائیں اور حضور کے لئے غسل کا اہتمام کر رہا ہوں۔ اسی میں بیدار ہو گیا۔ تو تہجد کا آخری وقت تھا۔ فوراً غسل کیا۔ اور تہجد کی نماز پڑھی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ خواب کی کوئی اہمیت نہیں اسی بات کا شکریہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تربیت اس طرح فرماتے ہیں۔

مسترشد :۔ بندہ کی دیرینہ عادت ہے کہ ضرورت غسل کے (وقت) موقع پر ہر موسم میں بروقت غسل کر لیا کرتا ہوں۔ طبیعت مضمحل ہو تو تاخیر ہو جاتی ہے۔ لیکن نماز صبح سے پیشتر ہمیشہ غسل کر لیا کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ مسائل فقہیہ میں موجود ہیں قوت ہو تو ضرور ہی ایسا کیجئے۔ ورنہ نماز صبح سے پہلے نو کر ہی لینا چاہیئے۔

مسترشد :۔ اس خواب میں بندہ کے لئے کیا ہدایت ہے۔

ستید عبدالرؤف

حضرۃ الشیخؒ :۔ جواب اوپر ہو گیا

ہیچمدان سلیمان

مکتوب - ۱۹

مسترشد :۔ ۴ محرم ۶۴ھ ۔ اورنگ آباد۔ گیا

سیدی و مرشدی المحترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ :۔ اعظم گڑھ

از ہیچمدان سلیمان الی اخی فی اللہ تعالی رزقہ اللہ الیہ علماً نافعاً و عملاً صالحاً

مسترشد :۔ مزاج اقدس ۔خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں تین ماہ سے باہر تھا۔ اور ڈاک یہیں رہی۔ اس لئے بر وقت جواب نہ جاسکا۔

مسترشد :۔ حسب معمول معمولات شبانہ روز پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہوں مزید اذکار کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اذکار کی مقدار میں اضافہ فرما لیجئے۔ نوعیت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

مسترشد :۔ شدت سرما اور گرم پانی کی نایابی کی وجہ سے بائیں ہاتھ میں اوپر

سے نیچے حصے تک درد پیدا ہو گیا ہے۔ بحمد اللہ معمولات کی ادائیگی میں ہر چند مانع نہیں ہے۔

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ اس عزیمت پر عمل کرنے کا ثواب انشاء اللہ ملے گا۔

مسترشد:۔ تصوف کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق بے حد ہے۔ تصوف کی کوئی نافع و جامع کتاب کی طرف ہدایت کی جاتی۔ کہ استفادہ کرتا۔ اور پراگندگی خیالات سے نجات ہوتی۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ ہمارے حضرت کی تصانیف میں سے جس قدر ملفوظات و مواعظ ہیں مطالعہ کیجئے۔ ان میں سے التکشف اور شرح دیوان حافظ پڑھیئے۔ پراگندگیٔ خاطر کی کوئی بات نہیں۔ اعمال سب معلوم ہیں۔ ضرورت عمل کی ہے۔ اور حصول تقویٰ اور رضائے الٰہی کی ساری کوشش اسی کی چاہیئے۔ باقی سب فلسفہ ہے۔ ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۔ ۲۰

مسترشد:۔ ۱۸ ربیع الثانی ۶۴ھ / ۲ اپریل ۴۵ء

اورنگ آباد۔ گیا

قبلۂ دستگیرمن متعنا اللہ تعالیٰ لطول بقائہٖ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ اعظم گڑھ

از ہیچمدان سلیمان بہ اخی فی اللہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب

رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ

مسترشد:۔ انتظار شدید کے بعد گرامی نامہ ملا۔ زمانہ انتظار میں ایک اضطراری کیفیت تھی۔ اس عالم اضطرار میں حالتِ خواب میں گاہے اعلیٰحضرت کی تشریف آوری کی خبر سے اور گاہے خود تشریف آوری سے تسکین ہوجایا کرتی تھی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ اُنس مبارک جو محبت کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے

مسترشد:۔ خادم کو مئی کے تیسرے ہفتے سے آخر جون تک فرصت ہے۔ ان ایام میں حضور والا کا قیام کہاں رہے گا

حضرۃ الشیخؒ:۔ اِس سال وطن کا قصد نہیں۔ یہاں اس وقت آسکتے ہیں

مسترشد:۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھ سے نالائق کو عزیمت کے ساتھ تہجد گزاری کی توفیق دیتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جو ہوا ہے اور جو ہوتا ہے اس پر شکر کیجئے۔ اور جو نہیں ہوتا اس کی تلافی کی کوشش یہی تدبیر ہے۔

مسترشد:۔ مطالعہ کے سلسلے میں ارشاد ہے کہ " التکشف اور شرح دیوان حافظ کا مطالعہ کرو۔ " التکشف کا مصنف کون ہے۔ اور یہ کتاب کس پتہ پر دستیاب ہوگی۔ اور دیوان حافظ کی شروح بہت سی ہیں کس کی شرح کا مطالعہ کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ نے مسائل تصوف کے جاننے کا شوق ظاہر کیا تھا۔ اس پر ان دو کتابوں کے نام بتائے تھے۔ التکشف فی التصوف اور بادۂ عرفان شرح دیوان حافظ دونوں حضرت والا رحمۃ اللہ کی تصنیف ہیں۔

مسترشد:۔ معلوم نہیں حضور کا مزاج کیسا رہا۔ اور ہر وقت کیسا ہے۔

خیریت کا طالب ، سید عبد الرؤف

حضرۃ الشیخ :- الحمد للہ خیریت ہے ۔

مکتوب - ۲۱

مسترشد :- ۱۲ رجادی الاخریٰ ۶۲ھ / ۱۵ مئی ۔ء

سیدی و مولائی المحترم دامت فیوضکم

حضرۃ الشیخ :- میرٹھ ۔ کوٹھی ڈپٹی سید حسین صاحب

اخی فی اللہ تعالیٰ رزقکم اللہ نعمہ ظاہرۃ و باطنہ

مسترشد :- مزاج اقدس ۔ خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں ۔

مسترشد :- بندہ زادہ یونیورسٹی کے میٹریکولیشن امتحان میں ایک سال ناکامی کے بعد اس سال کامیاب ہوا ۔

حضرۃ الشیخ :- صاحبزادہ کی کامیابی سے اس لئے خوشی ہوئی کہ اس سے آپ کی طمانیت میں ترقی ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ باطن و ظاہر کی مزید طمانیت عطا فرمائیں ۔

مسترشد :- بندہ زادہ کے لئے امتحان میں دعا کرتا تھا ۔ ایک رات خواب دیکھا ۔ کہ کوئی شخص آکر کہتا ہے کہ خواجہ شرف الدین کی جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں طلبی ہے ۔ اس خواب کے چند روز بعد دیکھتا ہوں کہ ایک مجذوب درویش آکر کہتے ہیں ۔ کہ خواجہ کامیاب ہے ۔ خدا کا شکر ہے ۔ کہ یاس و ناامیدی کی حالت میں نتیجۂ امتحان خاطر خواہ

رہا۔

حضرۃ الشیخ رح : رؤیا بشارات ہیں ان کے سوا ان کی اور کوئی حیثیت نہیں۔ نہ یہ ذریعہ قرب ہیں۔ اور نہ ان پر آنکال مفید طریق۔ البتہ خوش ہونا چاہیئے

مسترشد :- میری دعاء والتجاء تو بارگاہ مستجاب الدعوات سے تھی اور بشارت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب سے دی جاتی ہے۔ کیا واقعات عالم اور حوادث روزگار کا وقوع وحدوث اسی جناب عالی سے ہوا کرتا ہے۔

حضرۃ الشیخ رح :- استغفر اللہ۔ واقعات عالم اور معاملات تکوین صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باعث رحمت ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ کی جو یہ ظاہری رحمت ہوئی مثال میں وہ رحمۃ للعلمین کے توسط سے دکھایا گیا۔

مسترشد :- خانقاہ امدادیہ اور خانوادۂ امدادیہ سے متعلق کوئی درود شریف بھی ہے

حضرۃ الشیخ رح :- ہمارے حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ کو یہ درود پسند تھا۔

"اللّٰھم صلّ وسلّم علیٰ سیّدنا ومولانا محمّد
وعلیٰ آل سیّدنا ومولانا محمّد وبارك وسلّم۔"

جمعہ کے دن بالخصوص تکثیر درود چاہیئے۔

مسترشد :- قلب کے ذاکر ہونے کی کیا تدبیر ہے۔ اسم ذات کا ورد تو روزانہ ہے۔ مگر کوئی خاص کیفیت کا ظہور ہنوز نہیں ہوا ہے۔ غنایت

خاص کی ضرورت ہے۔ سید عبدالرؤف

حضرۃ الشیخ رح۔ قلب کا ذاکر ہونا کوئی فن کی اصطلاح نہیں۔ کثرت ذکر سے قلب میں ذکر کا لفظ اللہ ہو یا لآالٰہ الّا اللہ یا کوئی اور مرکوز ہو کر حدیث نفس کے طور پر جاری ہوجاتا ہے۔ جو ارادہ کے بغیر بھی قائم رہتا ہے بلکہ اس کا استحضار بھی نہیں رہتا کہ ذکر جاری ہے۔ بہرحال اس کا طریق صرف کثرت ذکر بتوجہ تام ہے۔ اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ اصل تیئے احکام الٰہی کی کلّی اطاعت۔ حلال و حرام کا خیال معاملات میں صفائی اخلاق کی نزاہت۔ اتباع نبوی کا دھیان اور تمام امور میں رضائے الٰہی کی طلب۔ ان امور کی طرف توجہ فرمائیے کہ یہ اصل ہیں اور باقی سب فروع اور تدابیر۔

ذکر کے اثر کا ظہور یہی ہے کہ طاعات و مرضیات الٰہی کی اتباع کا ذوق بڑھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد ہر حال میں ہو۔ باقی کیفیات تو آتی جاتی رہتی ہیں۔ اگر روز پلاؤ ملے تو پلاؤ کا مزہ بھول جائے۔

از دست ہجر یار شکایت نمی کنم

گر نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

اپنے کام میں تا آخر دم استقامت کے ساتھ لگے رہیئے۔ یہی بڑی دولت ہے۔

تا دم آخر دمے فارغ مباش

ہیچمدان سلیمان

۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۔ ۲۲

مسترشد :۔ ۱۱ر شعبان ۶۴ھ / ۲ر جولائی ۴۵ء ۔ از اورنگ آباد ۔ گیا

مخدومی و مرشدی المحترم ! دامت فیوضکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم

مسترشد :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔ مزاج اقدس بخیریت کا طالب ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔ سفر میں تھا ۔ آج شب واپسی ہوئی اس لئے تاخیر جواب معاف کی جائے ۔ الحمدللہ بخیر ہوں ۔

مسترشد :۔ بے شبہ خدا کے فضل سے اور حضور والا کی مرشدانہ توجہ سے جو امور خیر نفس پر شاق و گران تھے ۔ اب بے تکلف اور بہ سہولت عمل میں آتے ہیں ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بدل ادا کیجئے کہ یہ اُنہیں کا فضل ہے ۔

مسترشد :۔ بے شبہ ہنوز معاملات و اخلاق کے بعض مواقع پر لغزش ہو جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس لغزش کو معاف فرمائیں ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ علاج عزیمت کے سوا کوئی دوسرا نہیں ۔ البتہ دعا بھی کیا کیجئے ۔

مسترشد :۔ بہت افسوس ہے کہ خانگی الجھنوں میں الجھ کر رہ گیا ۔ اور قدمبوس نہ ہو سکا ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوئی حرج نہیں ۔ محبت کے ساتھ غیوبت اور حضور دونوں میں فائدے ہیں ۔

کام میں لگے رہیں ۔ ؎ تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

ہر وقت اپنی فکر رہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جو دیا ہے اس پر صبر و شکر کیجئے ۔

مسترشد:۔ اللہ کے فضل سے توام بچے پیدا ہوئے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں حیات طیبہ نصیب کرے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو حیات طیبہ نصیب فرمائیں۔

مسترشد:۔ رمضان میں تراویح کے ساتھ ساتھ وتر بھی باجماعت ادا کی جاتی ہے اور نمازِ تہجد کا مسنون طریقہ فرض اور وتر کے درمیان ہے۔ اب کون سی صورت اختیار کی جائے وتر کو چھوڑ دیا جائے۔ یا باجماعت ادا کی جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ وتر باجماعت ہی پڑھیئے۔ اسی میں مصلحت ہے۔

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ حضور والا کا مزاج اقدس بخیریت ہوگا۔ گاہے گاہے مرض لاحق سے تعلق خاطر پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا احوال سے آگاہ فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمدہ خیریت ہے۔ علاج جاری ہے مگر تدبیر اپنی جگہ پر ہے۔ اور رضا بالقضا اپنی جگہ پر۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۱۲ر شعبان ۱۳۶۴ھ

مکتوب۔ ۲۳

مسترشد:۔ از اورنگ آباد

۱۷ر رمضان ۶۴ھ / ۲۶ر اگست ۴۵ء

مخدوم مکرم و مرشد محترم دامت فیوضکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ اعظم گڑھ

اخی العزیز زادکم اللہ توفیقاً۔

مسترشد :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ مزاج اقدس ۔ خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
الحمد للہ حالت بدستور ہے ۔ گاہے چنین ، گاہے چنان ۔

مسترشد :- ہدایات و ارشادات پر تا امکان بحسن وخوبی عمل پیرا ہوں ۔

حضرۃ الشیخؒ :- بحمد اللہ یہ بڑی نعمت ہے ۔

مسترشد :- خدا کا شکر ہے ۔ کہ ہر وقت عمل خیر کی طرف توجہ مرکوز رہتی ہے

حضرۃ الشیخؒ :- جی ہاں ہر عملِ خیر لوجہ اللہ تعالیٰ ہو ۔ اصل یہ ہے ۔

مسترشد :- تساہل و تغافل کے وقت حضور اقدس کا خیال اور عہود پیش نظر ہو جاتے ہیں ۔

حضرۃ الشیخؒ :- قصداً نہیں چاہیئے ۔

مسترشد :- بندہ نے یکے بعد دیگرے خواب دیکھے ۔

حضرۃ الشیخؒ :- خواب کی حیثیت مبشرات کی ہے ۔ اس سے زیادہ نہیں ۔

مسترشد :- ماہ صیام کے بعد حاضر ہونے کے لئے وقت دیجئے ۔

حضرۃ الشیخؒ :- انشاء اللہ تعالیٰ موقع ملے گا ۔

مسترشد :- امر مطلوب کی طرف گاہے گاہے اضطراب پیدا ہو جاتا ہے کہ کہیں بے نیل مرام دنیا سے رخصت نہ ہو جاؤں ۔

حضرۃ الشیخؒ :- امتحان کی تیاری کے لئے جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بیکار نہیں جاتا ہے ۔ نمبر اسی سے ملتے ہیں ۔

ہیچمدان سلیمان
۲۰ ، رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۔ ۲۴

مسترشد:- از اورنگ آباد

۱۰ شوال ۱۳۶۴ھ / ۱۸ ستمبر ۱۹۴۵ء

سیدی و مولائی المحترم مدظلہ تعالیٰ

حضرۃ الشیخؒ:- اعظم گڈھ

اخی العزیز ادام اللہ توفیقکم

مسترشد:- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ:- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد:- معارف بابت ماہ ستمبر کے شذرات کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ گرامی جناب کی طبیعت ۱۹ رمضان سے ناساز ہے اور ضعف بعید بڑھ گیا ہے۔ اس خبر سے تشویش پیدا ہوئی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- الحمد للہ اب اچھا ہوں۔ گو ضعف بہت ہے تاہم دو روز سے مسجد جانے لگا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں۔

مسترشد:- جناب کے گرامی نامہ مرقومہ ۲۰ رمضان سے اشتداد مرض کی خبر اور ضعف کے آثار زبان قلم کے کسی کلمے سے ظاہر نہیں تھے۔

حضرۃ الشیخؒ:- اظہار کی ضرورت نہ تھی۔

مسترشد:- دست بدعا ہوں۔ کہ خدائے کریم کرم فرمائیں اور شفائے عاجلہ نصیب فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ:- آمین

مسترشد:- گرامی جناب سے اجازت ہو تو عسل خالص جو معتمد ذرائع سے

حاصل کیا گیا ہے۔ ارسال خدمت کرسکوں۔ سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس محبت سے خوشی ہوئی۔ میں نے ہدیہ کو قبول کیا۔ لیکن آپ بھیجنے کی تکلیف گوارا نہ کریں۔ آپ اپنے صرف میں لائیں یا جس طرح چاہیں صرف کریں۔ والسلام۔

ہیچمدان سید سلیمان

۱۲ر شوال ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۔ ۲۵

مسترشد :۔ ۱۴ر اکتوبر ۴۵ء۔ از اورنگ آباد

بحضور فیض گنجور حضرت مرشدی المحترم متعنا اللہ بطول بقائہم

حضرۃ الشیخؒ :۔ ۱۰ر ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ

اخی فی اللہ تعالیٰ

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مسترشد :۔ خدا کے فضل سے توقع ہے کہ مرض میں افاقہ اور طبیعت میں سکون ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ کہ مع الخیر ہوں

مسترشد :۔ بحمد اللہ معمولات شبانہ روز پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بہت مبارک

مسترشد :۔ اور جب ہدایات حضرت والا کے مواعظ کا مطالعہ کرتا ہوں۔ مجموعہ

مواعظ ہشتگانہ کا مطالعہ کیا۔ بہت دلچسپی پیدا ہوئی۔ اور قلب و دماغ پر اثر انداز ہو کر باعث گریہ ہوئے۔

حضرۃ الشیخؒ :- بہت جی خوش ہوا۔

مسترشد :- نماز بالاخلاص میں حضور قلب اور توجہ الی اللہ روح صلوۃ ہے۔ اس کے حصول کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفات کا تصور کرنا چاہیئے۔ یا ذات کا ؟

حضرۃ الشیخؒ :- ہمارے حضرت کی تحقیق یہ ہے کہ مبتدی نماز میں یکسوئی کے لئے لفظ کی طرف۔ اور متوسط معنیٰ کی طرف اور منتہی ذات بحت کی طرف۔

یہ تصور کہ بندہ اپنے آقائے حقیقی کے سامنے کھڑا ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا اثر یہ ہو کہ قلب میں سکون۔ اور جسم میں پستی و تواضع کی شان پیدا ہو۔

مسترشد :- آج کل ہندوستان میں دین و مذہب سے زیادہ سیاسیات غیر اسلامیہ کا زور و شور ہے۔ تو موجودہ فضا میں کس جماعت میں شرکت کی جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اگر میرے مشورہ پر عمل کیا جائے تو عملاً ان میں سے کسی میں شریک نہ ہوں۔ اور اس کے لئے دعا کریں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مسلمانوں کے لئے خیر ہو۔ اِتَّقِ الفرقَ کُلَّهَا

مسترشد :- حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ایک خواب کے پیش نظر مسلم لیگ کی رفاقت کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ امور کہے جاتے ہیں۔ مگر حضرت نے کسی کو شرکت کا حکم

نہیں کیا۔

مسترشد:۔ شاید حضرت والا نے اجلاس مسلم لیگ پٹنہ میں اپنے معتمد سفراء اور وکلاء کے ذریعے تحریری طور پر مسلم لیگ سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔

حضرۃ الشیخ:۔ بغرض مشورہ وفد بھیجا تھا۔ مگر وفد کا کوئی مشورہ قبول نہ ہوا۔

مسترشد:۔ مذکورہ سوال اصلاح عوام اور اعلان عام کے لئے نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف اپنی تسکین و طمانیت کی خاطر ہے۔

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخ:۔ جواب عرض ہو چکا۔

ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۔ ٢٦

مسترشد:۔ از اورنگ آباد۔ گیا

۷ محرم ۶۵ھ / ۱۳ دسمبر ۴۵ء

حضرت محترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخ:۔ میرٹھ

بذریعہ سید حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

صدیقی الحمیم زادکم اللہ تعالےٰ عرفاناً۔

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اُمید ہے کہ حضور والا کی طبیعت بخریت ہوگی۔

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمدللہ خیریت ہے

مسترشد :- نادم ہوں کہ سکول کے منصبی فرائض کی مشغولیت کے باعث حاضری میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ باایں ہمہ مشغولی معمولات شبانہ روز میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حضرۃ الشیخؒ :- مجھ سے نادم ہونے کی کوئی بات نہیں کہ میرا کوئی قصور آپ نے نہیں کیا۔ ہاں یہ ندامت اپنے آپ سے چاہیئے۔ اور اس کے لئے غیر سے اظہار کی ضرورت نہیں۔ بحمداللہ تعالیٰ آپ کو استقامت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ اب تو زندگی کے اخیر لمحہ تک یہ استقامت قائم رکھنا ہے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ کی دُعا۔ چاہیئے۔

مسترشد :- شدّت سرما کے باعث اور گرم (تازہ پانی کے انتظام نہ ہونے کے سبب بائیں ہاتھ میں گذشتہ موسم سرما میں درد پیدا ہُوا تھا۔ اس خوف کے پیش نظر تیمم سے تہجد ادا کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ : اگر گرم پانی کے اہتمام سے آپ عاجز ہیں اور ٹھنڈے پانی سے ضرر ہوتا ہے تو خیر تیمم کریں۔ مگر گرم پانی کا اہتمام چنداں مشکل نہیں۔ عشاء کے وقت ایک لوٹا گرم پانی جو خوب گرم ہو اُس کو اوپر کٹورے سے چھپا کر کسی روئی میں یا روئی کے کپڑے میں یا کمبل میں لپیٹ دیا جائے۔ انشاء اللہ پورا گرم وقت پر ملے گا۔

مسترشد :- حاضر ہو کر قدمبوس ہونا چاہتا ہوں۔ خبر نہیں کون سا وقت مقدر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- انشاء اللہ اب کی گرمیوں میں

مسترشد :- نور نظر خواجہ شرف الدین سلمہٗ کے لئے دقت خاص میں دعا فرمائیں ملازمت کا طالب و متلاشی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اپنی تکمیل اور اصلاح سے کبھی غفلت نہ برتیں۔ ہم ہر حالت میں ناقص ہیں۔ یاد الٰہی سے غفلت نہ ہو۔ ذکر کا مقصود یہی ہے۔ بدعات و رسوم سے احتراز رہے۔ عزیزی شرف الدین احمد سلمہٗ اللہ تعالیٰ و وفقہٗ کے لئے دلی دعا ہے۔

مسترشد :- وہ محترم برادر جو گورکھپور سے حضور والا کی زیارت کو دلیسنہ بندہ کی موجودگی میں پہنچے ہوئے تھے۔ ان کا نام اور پتہ کیا ہے۔

سید عبد الرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- ان کا نام اور پتہ یہ ہے۔ حامد علی صاحب وائس پرنسپل جارج میاں صاحب کالج۔ گورکھپور۔

ہیچمدان سلیمان

۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

مکتوب - ۲۷

مکتوب حضرۃ الشیخؒ

اعظم گڑھ

از ہیچمدان سلیمان بہ برادر عزیز مولوی عبد الرؤف صاحب رفع اللہ شانکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ نے شاید قصد السبیل کو غور سے نہیں پڑھا۔ اس میں عالم مشغول کا جو شغل و ذکر اور کام بتایا گیا ہے۔ اس کی پوری تقلید کیجئے۔ اور کتاب مذکور کو بار بار پڑھیئے۔ تاکہ سلوک کی حقیقت آپ پوری طرح سمجھ جائیں۔

سالک کا بڑا دھوکا ذوق وشوق اور لذت کا ہوتا ہے۔ سو اس کو پوری طرح سمجھ لیجئے۔ کہ یہ چیزیں آثار محمودہ ضرور ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ ان کا منشاء اس قدر ہے کہ کام میں جی لگتا ہے۔ اور آسانی ہوجاتی ہے مگر اس کو قرب و رضا اور حصول ثواب میں کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ یہ امور غیر اختیاریہ میں ہیں۔ اور امور غیر اختیاریہ نہ مطلوب ہیں۔ اور نہ مقصود۔

دوا کا اصلی مقصود صحت بخشی ہے۔ خوش ذائقگی اور لذت نہیں۔ جب انسان کے بدن میں صحت آتی ہے۔ تو طاقت اور کھانے کی لذت خود آجائے گی۔ اس کے لئے کوئی الگ دوا کی حاجت نہیں۔

نماز کو اپنی طرف سے پورے ظاہری و باطنی آداب اور خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ جس قدر حاصل ہو اس پر شکر کیجئے اور آئندہ کے لئے ہمت کیجئے۔ اور دعاء کیجئے اس کے حصول کا طریقہ جب آپ پوچھیں گے عرض کیا جائے گا۔ تمام امور میں اتباع سنت اور احتراز از بدعت پیش نظر رہے۔ حضرت والا رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ اصلاح الرسوم وغیرہ دیکھیں۔ رسوم شادی وغمی میں بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔

رذائل میں سے ایک ایک رذیلہ کو سمجھ کر اس کے ازالہ کی کوشش چاہیئے۔ پہلے کسی ایک اہم کو لیجئے اور پوچھیئے۔ خاکسار انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے

ملنے کا اور کچھ دن پاس رکھنے کا سامان کرے گا۔ مگر آپ کی طرف سے اصول اربعہ اعتقاد و انقیاد، اطلاع و اتباع کی پیروی رہے۔ اسی پر مدار ہے۔ وظائف کی کثرت کا شوق بیکار ہے۔ غرض صحت ہے نہ کہ نسخوں کی کثرت اور یاد، اور وہ ایک نسخہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے کہ اپنے شیخ کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ میری نافعیت کے لئے میری تلاش میں یہ سب سے بہتر ہے۔ پس دوسروں سے انکار کی گو ضرورت نہیں مگر اتباع ایک کا ہے۔ ایک ساتھ دو طبیبوں کا مریض مصیبت میں رہتا ہے۔

والسلام

مکتوب - ۲۸

مسترشد :- از اورنگ آباد - گیا

۹ جنوری ۴۶ء

سیدنا المکرم و مرشدنا المحترم متعنا اللہ بطول بقائہٖ

حضرت الشیخ رحؒ :- ندوہ - لکھنؤ

اخی العزیز زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

مسترشد :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرت الشیخ رحؒ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- گرامی نامہ کے وصول ہونے سے بیشتر ہدایت قلبی ہوئی۔ اور تیمم سے تہجد گزاری ترک کر کے وضو سے ادا کرنا شروع کیا تھا۔ اور عزم و استقامت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

حضرت الشیخؒ :- الحمدللہ

مسترشد :- باشندگان اورنگ آباد سے مخلصین اصحاب کی تمنا تھی کہ حضور والا ماہ ربیع الاول میں یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید کے موقع پر تشریف لاکر ہدایت کا موقع دیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کو معلوم ہے کہ مجالس مروجہ میں شرکت سے معذوری ہے آپ بھی ان مسائل کو سمجھ لیں۔ اپنے سلسلہ کے مسائل سے واقفیت ہونی چاہیئے۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۱۰ صفر ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۔ ۲۹

مسترشد :- از اورنگ آباد گیا

۲۹ صفر ۶۵ھ / ۳ فروری ۴۶ء

مرشدی المحترم دام بقائہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- اعظم گڑھ

اخی فی اللہ تعالیٰ زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

مسترشد :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خیریت۔ مزاج اقدس

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمدللہ مع الخیر ہوں۔

مسترشد :- شکر ہے تعلیمی فرائض اور امتحان کی تیاری کے باوجود معمولات

شبانہ روز تندہی کے ساتھ ادا کرتا ہوں۔

حضرت الشیخؒ:۔ مبارک کہ یہ بڑی سعادت ہے۔

مسترشد:۔ تخلیہ اور فراغت کے اوقات میں تصور اور صورت پیش نظر رہتی ہے وقت ملاقات قدم بوسی تو کیا دست بوسی تک نصیب نہ ہو سکی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبت کے اظہار میں غلو سے احتیاط لازم ہے۔ قدم بوسی لغوی معنوں میں مشروع بھی نہیں۔

مسترشد:۔ بندہ کو انجمن ترقی اردو کا ناظم بنایا گیا ہے۔ ارکان انجمن نے فرمائش کی تھی۔ کہ حضور والا کو لکھوں کہ تشریف لا کر ہم لوگوں کو فیض یاب فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ زندگی ہے تو فقیروں کا بھی پھیرا ہوگا۔

مسترشد:۔ بندہ کم مایہ کثرت عیال و کثرت خرچ کے باعث کچھ پریشان خاطر رہا کرتا ہے۔ بندہ زادہ جو میٹرک پاس ہے۔ ملازمت کا متلاشی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ان پریشانیوں کو دور فرمائیں۔ صاحبزادہ کے لئے بھی بدل دعائے خیر ہے۔

مسترشد:۔ حضور والا اگر روحانی امداد کے ساتھ قلمی امداد فرماتے تو شاید یہ مشکل حل ہوتی۔ چند ماہ سے شہر گیا میں مسٹر نیاز احمد صاحب آئی۔سی۔ایس ڈسٹرکٹ جج گیا کے عہدے پر فائز ہیں۔ جو حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ کے عزیزوں میں سے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ صاحب موصوف سے میری ملاقات سرسری ہے۔ تاہم اگر کوئی جگہ خالی معلوم ہو تو آپ کی خاطر میں لکھ سکتا ہوں۔ مگر جگہ کے بغیر یوں ہی لکھنا شاید بیکار جائے۔ اور جی نہیں چاہتا کہ نشانہ خالی جائے۔

مسترشد:۔ امید ہے کہ اس گستاخی کو جو اضطراری طور پر سرزد ہوئی ہے۔ معاف فرمائیں گے۔ اور کوئی وجہ مانع نہ ہو تو خیال فرما کر عزیز سلمہٗ پر کرم فرمائیں گے۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی حرج نہیں والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲۵ر صفر ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۔ ۳۰

مسترشد:۔ ۳ر مارچ ۴۶ء

از اورنگ آباد۔ گیا

مخدومی المطاع الکریم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ عزیز سلمہ کے خط سے معلوم ہوا کہ سول کورٹ میں چند آسامی ہوئی ہیں جن کا اشتہار و اعلان اس ماہ میں ہونے والا ہے۔ مبارک ساعت ہے کہ ایک نوشتہ سفارش بنام نیاز احمد صاحب ڈسٹرکٹ جج گیا ارسال فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ جج صاحب سفارشوں کا کیا اثر لیتے ہیں۔ آپ

وہاں تحقیق کرلیں۔

بہرحال ایک خط ملفوف ہے۔ اس کو کسی لفافہ میں بند کرکے گھر پر پیش کیا جائے۔ خدا کرے کامیابی ہو کہ آپ کو اطمینان میسر آئے۔

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ اِس غیر معمولی تکلیف دہی اور بے جا استفادہ کو معاف فرمائیں گے۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں بارِ خاطر ضرور ہوتا ہے۔ ڈر ہے کہ آیندہ ایک سلسلہ نہ شروع ہو جائے۔ اِس لئے میرا نام مخفی رکھا جائے۔

والسلام ہیچمدان سید سلیمان

۷؍ مارچ ۱۹۴۶ء

مکتوب۔ ۳۱

مسترشد:۔ ۷؍ جمادی الاول / ۱۱؍ اپریل

از اورنگ آباد گیا

حضرت محترم قبلہ مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ: پٹنہ محلہ کھنور پوکھر

مکان سید ابو عاصم صاحب وکیل

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

مسترشد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :- اُمید ہے کہ مزاج اقدس بخیریت ہوگا۔

حضرۃ الشیخ :- الحمدللہ تعالیٰ مع الخیر ہوں۔ بالفعل یہاں مقیم ہوں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ مئی اور جون دیسنہ میں گذریں گے۔

مسترشد :- بندہ زادہ کی عارضی تقرری عمل میں آئی۔

حضرۃ الشیخ :- خوشی ہوئی کہ آپ کے صاحبزادہ کا کچھ انتظام ہوگیا۔ جس سے آپ کو گونہ طمانیت حاصل ہوئی۔ اب اس طمانیت کو ذکر و طاعت میں صرف کیجئے کہ اس کا شکر یہی ہے۔

مسترشد :- سابقہ سوز وگداز اور ذوق و شوق اب نہیں ہے۔ سید عبدالرؤف

حضرۃ الشیخ :- جوش و خروش کی کمی کی فکر نہ کیجئے۔ کام میں لگے رہیئے تا آنکہ اللہ کے سوا دل سے ہر چیز کی محبت فنا ہو جائے۔ اور لا الٰہ الا اللہ کی تکمیل ہو جائے۔ والسلام

یسجدان سلیمان

۱۷ جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

مکتوب - ۳۲

مسترشد :- از اورنگ آباد - گیا
۲۴ مئی ۱۹۴۶ء

بملاحظہ اقدس جناب مرشد المطاع متعنا اللہ بطول بقائہ

حضرۃ الشیخ :- دیسنہ ضلع پٹنہ

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :۔ مزاج اقدس

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمدللہ مع الخیر ہوں

مسترشد :۔ صحیفہ گرامی (جو پٹنہ سے موصول ہوا) سے مظہر تھا کہ ویسنہ میں مئی وجون میں قیام رہے گا۔ حضور والا کب تشریف لائے اور کب تک قیام رہے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ارادہ ختم جون تک قیام کا تھا۔ مگر بعض حالات ایسے پیش آئے کہ وسط جون ہی میں سفر کرنا ضروری ہوا۔ بلکہ شاید اس سے بھی پہلے چلا جانا پڑے۔

مسترشد :۔ احباب واعزہ کی ایک دو تقریبات ہیں۔ ان میں شرکت کرنا چاہتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تقریبات میں ہر قسم کے امور پیش آتے ہیں۔ ان میں بھی احتیاط مدنظر رہے۔ غالباً اب موقع نہ ملے۔

مسترشد :۔ ہفتہ گذشتہ میں ایک شب تہجد گزاری میں تاخیر ہوئی۔ اور آنکھ لگ گئی۔ خواب دیکھا کہ حضور والا سامنے ہیں۔ اور کلمات خیر ارشاد فرما رہے ہیں۔ دفعتہً آنکھ کھلی۔ وقت ختم ہو چکا تھا۔ ایسے کئی مرتبہ ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بیداری کے معاملات کی طرف توجہ فرمائیے۔

اسکی سوال اور اسی کا مواخذہ ہے۔ باقی رؤیا اور خواب مبشرات سے زیادہ نہیں۔ دھن کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیئے۔ اور ظاہر و باطن کی تہذیب و درستی میں لگے رہیئے

مسترشد:۔ توجہ کریمانہ کا طالب ہوں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کو توفیقات خیر ارزانی فرمائیں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان ۲۷ر جمادی الاخری ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۔ ۳۳

مسترشد: از محلہ کریم گنج۔ گیا
۱۰ مئی ۴۶ء

قبلہ و دستگیر من متعنا اللہ لطول بقائہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم

مسترشد: السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد:۔ بحمد اللہ بخیریت گیا تک پہنچ گیا۔ اور آج شام تک اورنگ آباد روانہ ہو جاؤں گا۔ قیام دینے کی مزید خواہش تھی۔ مگر حضور والا کے بے حد اخلاق و استقامت کے باعث زیادہ قیام کرنا مناسب نہ تھا۔

حضرۃ الشیخؒ :- اُنْبِیْرِ فِیْ مَا وَقَعَ

مسترشد :- گھر سے سوچ کر نکلا تھا۔ کہ ایک دو باتیں دنیا داری کی بھی کروں گا۔ مگر جب تک وہاں رہا۔ دنیا و مافیہا سے بےنیاز رہا۔ اور اتنا رعب رہا۔ کہ عرض نہیں کر سکا

حضرۃ الشیخؒ :- مرعوب ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بہرحال مختلف کیفیات طاری ہوتی ہیں۔

مسترشد :- بندہ زادہ شرف الدین کی ملازمت عارضی ہے۔ اگر ڈاکخانہ یا ریلوے میں ملازمت ہو جاتی تو بہتر ہوتا۔ اگر حضور والا کے احباب میں کوئی صاحب ایسے ہوں۔ کہ جن سے یہ کام ہو سکے۔

حضرۃ الشیخؒ :- افسوس ہے کہ میرے تعلق کے کوئی صاحب ان محکموں میں نہیں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کشائش عنایت فرمائے

مسترشد :- واپسی پر ہمارے بستر کی گٹھڑی مع کپڑے وغیرہ غائب ہوگئی خدا کا شکر ہے۔ کہ مجھے اسکی غم و ہم نہیں ہے۔ آپ سے جو دولت نصیب ہوئی۔ اس کی مسرت و لذت ایسی ہے کہ سارا غم غلط ہے

حضرۃ الشیخؒ :- افسوس ہوا۔ مگر آپ خوش ہوں۔ کہ حالاً آپ بہتر رہے

مسترشد :- حضور والا دیسنہ کب تک روانہ ہو رہے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- میں کل روانہ ہو رہا ہوں۔

مسترشد :- عزیز نواسی کی طبیعت اب کیسی ہے

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخ رح :- الحمدللہ اچھا ہے۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

از دیسنہ پٹنہ۔ ۱۵ر جون ۱۹۴۶ء

مکتوب ۔ ۳۴

مسترشد :- از اورنگ آباد۔ گیا

۲۱ر رمضان ۱۳۶۵ھ/۱۹اگست ۱۹۴۶ء

سیدی و مرشدی المحترم متعنا اللہ لطول بقائہ

حضرۃ الشیخ رح :- بھوپال متصل موتی مسجد

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم۔

مسترشد :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج اقدس۔

حضرۃ الشیخ رح :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمدللہ یہ فقیر بخیریت ہے

مسترشد :- بیعت کی تاریخ سے امتحانات اور انعامات کا سلسلہ رہا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ صبر وشکر کے مقامات میں ثابت قدم رہا۔ دیسنہ کے سفر میں بستر اور کپڑے گم ہو گئے۔ چند روز بعد یہ متاع گم شدہ مل گیا۔ بی اے کے امتحان میں کامیابی پر ماہانہ میں اضافہ ہو گیا۔ لڑکا علیل ہو گیا۔ بڑے لڑکے کی تقرری ہو گئی۔ قیام گاہ کا انہدام ہوا۔

حضرۃ الشیخ رح :- حضرت والا رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے کہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو بندہ کو نعمت ملتی ہے۔ تو اس پر شکر

واجب ہے اور یا ابتلا پیش آتا ہے تو اس پر صبر مامور ہے۔ اور دونوں حالتیں موجب ازدیاد ترقی ہیں۔ اور یہ صبر و شکر کی دوہری منزل پوری زندگی کے سفر میں بنتی رہتی ہے سبحان اللہ۔

مسترشد:۔ غرضیکہ خوشی کے ساتھ غم اور غم کے ساتھ خوشی پیدا ہوتی رہی۔ اور ہر موقعہ پر خدائے کریم کا شکر بجا لاتا رہا۔ بحمدللہ ہنوز سلسلہ ابتلاء و امتحان کا جاری ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ دونوں توام ہیں۔

مسترشد:۔ موفق حقیر کا ہزار ہزار شکر کہ ہجوم افکار میں مشاغل شبانہ روز میں ذرہ کمی پیدا نہیں ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ: مقام شکر

مسترشد:۔ مزید عنایات و ہدایات کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی نئی چیز نہیں۔ سبق کو بار بار رٹنا ہی کامیابی کا موجب ہے۔

مسترشد:۔ ایک رات خواب دیکھا کہ کوئی غفور غفور (والد مرحوم کا نام) کر کے پکار رہا ہے۔ گھبرا کر اٹھا تو کوئی نہیں تھا۔ ایک شب سرہانے سے ٹوپی غائب ہوئی کہ تلاش پر ہنوز دستیاب نہیں ہو سکی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ناقابل التفات امور ہیں۔ اپنے کام میں لگے رہیئے

مسترشد:۔ صد شکر کہ بیعت تو ہو چکی مگر شجرہ بیعت ارسال نہیں ہوا۔

حضرت الشیخؒ :۔ شجرہ مناجات مقبول کے آخر میں مطبوعہ ہے۔

مسترشد :۔ دلینہ میں جو کتابیں ہدیتہً پیش کی گئی تھیں۔ ان کی بابت محترمی اسلم صاحب نے اطلاع دی۔ کہ حسب ارشاد جناب دار المصنفین میں وہ کتابیں منتقل کی گئی ہیں اور حسب طلب کتابوں کی قیمت ادا کرنے کی ہدایت ہے۔ میں نے تو وہ کتابیں تحفتہً پیش کی تھیں۔ تاہم جو ارشاد ہو۔ منظور ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے لئے یہی مناسب نظر آیا۔

مسترشد :۔ حضور والا کی روحانی و مادی توجہات کا شکریہ کیونکر ادا کروں۔ بس دُعا ہے کہ ذات گرامی تا دیر سلامت بکرامت رکھے۔ کہ استفادہ کا موقع ملتا رہے۔

حضرۃ الشیخؒ : میرا کیا شکریہ۔ شکر اللہ تعالیٰ کا جس نے مجھے اور آپ کو یہ توفیق بخشی۔

مسترشد :۔ بندہ زادہ ابو المبر وعبد الغنی سلمہ کو جو عربی سلسلہ تعلیم میں ہے۔ ندوۃ العلماء میں داخل کرنے کا خیال ہے

سید عبد الرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ درخواست میں آپ نے بہت دیر کی۔ بہرحال جلد از جلد دفتر دار العلوم میں مہتمم کے نام بھیجدیں۔ اگر جگہ خالی ہو گی تو ممکن ہے۔ ورنہ سردست معذرت۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

۸ شوال ۱۳۶۵ھ

مکتوب۔ ۷۹

۱۹ ذی قعدہ ۶۵ھ
۵ اکتوبر ۴۶ء

از اورنگ آباد۔ گیا

مسترشد: مرشدی المحترم مدظلہ العالی
حضرۃ الشیخؒ: بھوپال موتی مسجد
اخی فی اللہ تعالےٰ دام توفیقکم
مسترشد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ
حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد: مزاج اقدس

حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ مع الخیر۔ تین ہفتوں سے باہر تھا۔ اب آیا ہوں۔ الحمدللہ

مسترشد: حکایۃ عرض ہے۔ کہ ابتلاء وامتحان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مکان خریدا تھا۔ اس پر ایک غیرمسلم مفسدنے حق شفعہ کا مقدمہ دائر کیا۔ مقدمہ کے سلسلے میں ہفتوں علیل اور پریشان رہا۔ علیل ہی تھا کہ ایک کمسن لڑکے کو کتے نے کاٹ لیا۔ اِس کے ساتھ تیسرا لڑکا بیمار پڑگیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ سب بچے اچھے ہوگئے۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ

مسترشد: گود کا بچہ ہنوز علیل ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالےٰ شفا بخشیں۔

مسترشد: مخصوص طور پر دعا فرمائیں۔ کہ مشکلیں حل ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- دلی دعا ہے

مسترشد :- بایں ہمہ شکر ہے۔ کہ معمولات شبانہ روز میں کسی وقت فرق نہیں آیا۔

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے یہ نعمت بڑی نعمت ہے

مسترشد :- علالت و پریشانی میں عجیب وغریب خواب دیکھنے میں آئے۔ اور جملہ خوابوں کا تعلق نمازوں یا مساجد کے ساتھ ہے

حضرۃ الشیخؒ :- یہ سب بشارات ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کیفیت عطا ہو رہی ہے جس کا بیان ہے۔ وقلبهٗ معلق بالصلوٰة او بالمسجد فهنيئاً لكم۔

مسترشد :- رویت منامی سے ملاقات ظاہری کا اشتیاق تازہ ہو گیا

حضرۃ الشیخؒ :- یہ از راہ محبت ہے

مسترشد :- حضور والا بندہ کے فلاح دنیا و دین کے لئے مخصوص اوقات میں دعاء فرمائیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ : دل سے دعا کرتا ہوں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان۔

۲۹ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب - ۳۶

مسترشد:۔ ۱۶ر ذی الحجہ ۶۵ھ
۱۱ر نومبر ۴۶ء اورنگ آباد گیا

محترم وقبلۂ من

حضرۃ الشیخؒ:۔ مجبی زاد توفیقکم

مسترشد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ میرے چھوٹے بھائی مولوی حکیم عبدالحلیم ہاشمی مدرسہ پٹنہ سے عالم اور مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے سند فراغت کئے ہوئے ہیں۔ اور طبیہ کالج الٰہ آباد سے ڈی۔ آئی ایم کی ڈگری حاصل کی ہے۔ کیا بھوپال سٹیٹ کے کسی طبیہ شعبہ میں ان کی ملازمت ہوسکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مملکت بھوپال میں عام ملازمت کی شرط اس ملک کا باشندہ ہوتا ہے۔ اس کے بغیر یہاں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی۔

مسترشد:۔ معارف کے شذرات سے معلوم ہوا تھا کہ اسٹیٹ مذکور کو نادر مخطوطات قدیم کی ضرورت ہے۔ بندہ کے پاس ایسی کتابوں کا کچھ ذخیرہ ہے۔ فہرست پیش خدمت کی جاتی ہے۔ اگر قابل انتخاب ہوں تو خبر دی جائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ معارف کے شذرات میں اس قسم کی خبر میری نظر سے نہیں گذری۔ یہاں سردست قلمی کتابوں کی مانگ نہیں۔

مسترشد:۔ تحریک مودودی اور جماعتِ اسلامی کی شرکت وحمایت کی بابت کیا ارشاد گرامی ہے۔ چند خطوط احباب کے شرکتِ جماعت وحمایت کے آرہے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ نوجوان تعلیم یافتوں سے اگر کوئی شخص سوشلزم وغیرہ کا شکار ہو تو اس کو اِس جماعت کی طرف رہبری کی جائے۔

مسترشد:۔ مجاہدینِ اِسلام یا مجاہدین ہند کے تذکرہ میں کوئی خاص کتاب مرتب موجود ہو۔ تو نشان و پتہ سے اطلاع دی جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: مجھے معلوم نہیں۔

مسترشد:۔ الحمدللہ۔ حسب دستور بندہ اعمال شبانہ روز پر عزیمت واستقامت کے ساتھ بیش از بیش کاربند ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمداللہ

مسترشد:۔ حضور والا کے اہل وعیال کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ۔ سب بخیر ہیں۔

بیچدان سلیمان۔ ۳ر محرم ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۔ ۲۰۷

مسترشد: ازاورنگ آباد۔ گیا
۲۸ نومبر ۴۶ء

مخدومنا ومرشدنا المکرم والمحترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ بھوپال

محب مکرم نصرکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ گذشتہ خط میں برادرم حکیم عبدالحلیم سلمہٗ کی ملازمت کی بابت عرض کیا تھا۔ مزید عرض ہے کہ بندہ کے مناسب حال اگر کوئی ملازمت وہاں حاصل کرسکے۔ تو بندہ بھی بھوپال حاضر ہوکر سلسلہ جنبانی کرلے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اِس ریاست میں اور ہر ریاست میں ملازمت کے لئے اس ریاست کا باشندہ ہونا ضروری ہے۔

مسترشد :۔ بھوپال ریاست کی جانب سے سکونت پذیر آفاقیوں میں وطنی و غیر وطنی کا امتیاز تو غالباً روا نہ رکھا جائے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آباد کاروں کو زمین بشرائط دی جاتی ہے۔ کہ وہ زراعت کریں۔ اگر آپ پسند کریں تو وزارت مال کو درخواست دیں۔

مسترشد :۔ اُمید ہے کہ اس غیر متعلقہ درخواست پر کچھ خیال نہ فرمائیں گے۔ جو کچھ اس دورِ فتن میں لکھے جائیں گے۔ یا کہے جائیں گے۔ وہ سب حالت اضطراب و اضطرار میں ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ لوگ مضطرب نہ ہوں۔ انشاء اللہ تعالےٰ سکون حاصل ہوگا۔

مسترشد :۔ ایک استفسار خدمت گرامی میں ارسال ہے۔ اُمید ہے کہ جواب بواسطۂ معارف یا بواسطۂ واپسی ڈاک ارسال فرمائیں گے۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ معارف کے شذرات میں آپ اس کا جواب پائیں گے۔

سید سلیمان

مکتوب ۔ ۳۸

مسترشد:- از اورنگ آباد - گیا

۲۱ر دسمبر ۴۶ء

محترم قبلۂ من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ : از بھوپال

محب مخلص نصرکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:- بہار کے موجودہ دور حکومت اور ہمسایہ قوم کے ظالمانہ سلوک کے پیش نظر جبکہ خاص خاندان کے بیشتر افراد اور برادران امادہ ہجرت ہیں۔ تو بندہ کے لئے کیا ارشاد ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- میرا مشورہ تو یہ ہے کہ آپ صبر و عزیمت کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہیں۔ اور جس طرح اب تک رہ رہے تھے رہیں۔

مسترشد:- ہجرت و ترک وطن کی صورت میں توطن اور سکونت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کس صوبہ یا کس اسلامی ریاست میں توطن اختیار کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :- ترک وطن میں بڑی بڑی دقتیں ہیں۔ یہاں کی جائداد کوڑیوں کے مول جائے گی۔ اور دوسری جگہ وہ میسر نہ آئے گی۔ پھر آب و ہوا، موسم، تمدن اعزہ، احباب کا ایسا تغیر ہوگا۔ جس کا بدل مل سکے یا نہ مل سکے

مسترشد:- بندہ بلاشبہ ملازمت پیشہ ہے۔ یہی ذریعہ معاش و حیات ہے اس صورت میں اسلامی ریاستیں بھوپال۔ حیدرآباد میں کون سی ریاست مناسب حال ہو سکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- افسوس ہے کہ عموماً ہر ریاست میں وطنیت کا سوال ہے۔ غیر کے لئے گنجائش مشکل ہے۔ اِلّا یہ کہ کوئی ہر محنت یہاں تک کہ مٹی

اٹھانے کو بھی گوارا کرے تو ہو سکتا ہے۔

مسترشد:۔ بندہ کم علم و کم مایہ اور محدود الوسائل ہے۔ ایسی صورت ریاست اور ارباب ریاست کے بارگاہ عالی تک بندہ کی رسائی دشوار ہے۔ کیا حضور والا بندہ کے لئے کوئی سعی مشکور فرما سکتے ہیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرت الشیخؒ:۔ صورت حال عرض کر چکا۔

سیّد سلیمان۔

مکتوب - ۳۹

مسترشد:۔ ۳ ربیع الاول سنہ ۶۶ھ
۲۷ جنوری سنہ ۴۶ء

حضرت مرشدی المحترم مدظلہ العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ: محبی ومخلصی ادام اللہ توفیقکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ گرامی نامہ باعث طمانیت ہوا۔ باین ہمہ برادران قبیلہ مشرق و مغرب کی سمت عازم ہجرت ہیں۔ مگر بندہ اپنی جگہ ثابت قدم ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ آپ کو امن وطمانیت بخشیں۔

مسترشد:۔ وظائف شبانہ روز کا پابند ہوں۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ خوشی ہوئی کہ معمولات جاری ہیں۔

مسترشد:۔ کلکتہ رائل ایشیاٹیک سوسائٹی میں ایک سینیئر مولوی کی معقول جگہ ہے۔ یہ جگہ امپیریل لائبریری کلکتہ کے لائبریرین مسٹر اسد اللہ صاحب آئی سی ایس

کے انتظام میں ہے۔ اگر بارِ خاطر نہ ہو تو کلکتہ کے کسی بااثر شخص کے نام سفارشی خط ارسال فرمائیں۔ اور نیز ایک سند صلاحیت و اہلیت عطا فرمائیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- میں ایک تحریر ملفوف کر رہا ہوں۔ اس کو آپ خان بہادر اسد اللہ صاحب کے پاس اور جہاں مناسب سمجھیں بھیج دیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ موثر ہوگی۔

والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب : ۴۰

مسترشد :- از اورنگ آباد۔ گیا

۲۹ مارچ / ۵ جمادی الاول ۶۶ھ

سیدی و مولائی المحترم مدظلہ العالی ـــــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :- از بھوپال

محبی و مخلصی زادکم اللہ تعالیٰ معرفتہا ـــ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :- مزاج اقدس

حضرۃ الشیخؒ :- الحمد للہ خیریت۔

مسترشد :- سفارش نامہ مبارک بنام اسد اللہ صاحب موصول ہو کر باعث طمانیت اور صد اعزاز ہوا۔ اس کو صاحب مذکور کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا جس کا انہوں نے بروقت جواب دیا۔ کہ میں علامہ سید صاحب سے واقف ہوں۔ اور ان کے خط کا احترام کرتا ہوں۔ مگر علامہ موصوف کا خط دیر

سے آیا۔ اس لئے معذوری ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ الخیر فیما وقع

مسترشد :۔ اگر بہار کے کسی گوشہ میں آمد کا عزم ہو۔ تو بندہ کو چند روز پیشتر اطلاع ہونی چاہیئے۔ تاکہ قدم بوس ہوسکوں

حضرۃ الشیخؒ : بالفعل سفر بہار کا کوئی ارادہ نہیں۔

مسترشد :۔ اہلیہ اور بندہ زادے نے یک شب خواب دیکھا کہ حضور اورنگ آباد تشریف فرما ہیں۔ اور مسلمانان اورنگ آباد میں بڑی مسرت ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ خدا کرے اونکے اس خواب کی تعبیر نکلے۔

مسترشد :۔ اس سال حضور والا کے پروگرام میں وطن مالوف آمد کا پروگرام ہے یا نہیں۔

حضرۃ الشیخ :۔ ابھی تک ارادہ نہیں

مسترشد :۔ حسب ہدایت شبانہ روز کے وظیفہ اور اعمال تا امکان عزیمت کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔

مسترشد :۔ محمد شاہ غازی (شاہ ہند) کا ایک فرمان ہمارے نانہال خاندان میں دستیاب ہوا ہے۔ جسکی عبارت درج ذیل ہے۔

"چمن .... حسب السطور بالا العمل آرند"

(دستخط بر پشت)

شجاع الدین محمد خان

جانپناہ وزیر اعظم

سید عبدالرؤف عفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ امور سید ریاست علی صاحب کو بھیج دیجئے وہ جواب دیں گے

انشاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۱۲ر جمادی الاول ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۔ ۱۸۱

مسترشد :۔ از اورنگ آباد۔ گیا

۱۳ر مئی ۴۷ء

قبلہ محترم و مرشد مکرم مدظلہ العالی ـــ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ از بھوپال

محب مخلص من زادکم اللہ تعالےٰ عرفاناً ـــ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ مزاج اقدس۔ مدتوں سے حضور والا کی خیریت کی کوئی خبر نہیں

ہے۔ گو نہ تعلق ہے

حضرت الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالےٰ مع الخیر ہوں۔

مسترشد :۔ حضور والا کے پروگرام میں بہار کا سفر بھی ہے یا نہیں۔

حضرت الشیخؒ :۔ ابھی تک بہار کے سفر کا کوئی خاص خیال نہیں ہے

مسترشد :۔ مجالست منامی [illegible] گاہے گاہے ہو جایا کرتی ہے۔ مگر اس سے

سیرابی حاصل نہیں ہوتی۔ افسوس تعلقات کی پابندی اور اپنی کم ہمتی

مانع ہوتی ہے۔ کہ بھوپال حاضر ہو سکوں۔

حضرت الشیخؒ :۔ مجالست نہ ہو تو مکاتبت اسکی قائم مقامی کر سکتی ہے جو استطاعت

میں ہو، اس میں تو کمی نہ ہو۔

مسترشد :۔ عرض ہے، کہ بندہ میں اگر صلاحیت ملاحظہ فرماتے ہوں۔ تو ان ادعیہ اور اوراد کی اجازت عنایت فرمائیں جو حضور کو حضرت والا سے تفویض ہوئیں۔

حضرت الشیخؒ :۔ مناجات مقبول میں جو کچھ ہے۔ وہی ہمارے ہاں معمول ہے۔ اسکی اجازت ہے۔

مسترشد :۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ بندہ معمولات شبانہ روز پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ بارک اللہ تعالےٰ۔ بے شبہ شکر کا مقام ہے۔

مسترشد :۔ نماز یا تلاوت قرآن میں یکسوئی بہت کم پیدا ہوا کرتا ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ یکسوئی ہونا ضروری نہیں۔ آپکی طرف سے حصول میں کمی نہ ہو۔ پھر بھی اگر حاصل نہو تو انسان مکلف نہیں۔ یہ چیز ذکر کی کثرت سے حاصل ہوگی۔

مسترشد :۔ بندہ زادہ خواجہ شرف الدین احمد ریلوے ملازمت میں دشوار گذار فرائض سے گھبرایا ہوا ہے۔ اور ترک ملازمت پر آمادہ ہے۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے صبر و استقامت نصیب فرمائیں۔

حضرت الشیخؒ :۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالےٰ اون کے مشکلات کو حل فرمائیں۔ اور رزق کا دروازہ کھولیں۔

مسترشد :۔ عزیز مذکور کے لئے صلاح و فلاح کی دُعاء فرمائیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرت الشیخؒ۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔

ہیچمدان سید سلیمان
۱۵ مئی ۱۹۴۷ء

مکتوب - ۴۲

مسترشد:۔ ۲۵ ر رجب ۱۳۶۶ھ/۱۶ر جون ۱۹۴۷ء

قبلۂ من محترم دام بقائہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرت الشیخؒ:۔ از بھوپال

حبیبی و محبی زادکم اللہ تعالیٰ حباً فی اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمدللہ خیریت ہے۔

مسترشد:۔ گرمی کی شدت، شب بیداری اور مطالعہ کتاب و اخبار کے باعث دورانِ سر کا دورہ اور زبردست حملہ ہوا۔ جسکی وجہ سے ایک روز صبح کی نماز باجماعت اور کئی رات متواتر تہجد ادا نہ کر سکا۔

حضرت الشیخؒ:۔ کسی اضطراری عذر کے سبب سے اگر کسی معمول میں کمی ہو جائے۔ تو انشاءاللہ تعالےٰ ہم کو ہمارے نیت کے مطابق حق تعالےٰ اسکی جزاء عنایت فرمائیں گے یہ ان کی شان رحیمی و کریمی ہے

مسترشد:۔ دوبار حضور والا کی زیارت منامی ہوئی۔ جب کبھی زیارت کے لئے طبیعت بے چین ہوتی ہے۔ تو صورت مثالی پیش نظر ہو جاتی ہے۔

حضرت الشیخؒ:۔ یہ آثار محبت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو طرفین کیلئے موجب سعادت و برکت بنائیں۔

مسترشد۔ "باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را" کوئی ایسا موقع ہوتا کہ قدمبوسی حاصل ہوتی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ انشاء اللہ تعالیٰ

مسترشد:۔ عرض ہے کہ حضور والا توجہ روحانی پوری طرح بندہ کی طرف مبذول فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اپنے سب محبّوں کے لئے دُعاگو ہوں۔

مسترشد:۔ گاہے گاہے کچھ لذّت ہونے پر فرحت محسوس ہوتی ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ لذت و فرحت مبارک۔ جو گو بالذات مقصود نہیں لیکن محمود ہے فالحمد للہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ سوال ہے کہ زوجۂ اولیٰ نے مرض الموت میں غائبانہ عورتوں کی فرمائش سے دینِ مہر کو معاف کیا تھا، اور یہ معلوم ہے کہ مرض الموت میں دین کی معافی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اب دینِ مذکور کی ادائیگی یا معافی کی صورت شرعی کیا ہو سکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ۔ مرض الموت کی معافی سے معافی نہیں ہوتی۔ اب صورت یہ ہے کہ اس دینِ مہر کا ایک چوتھائی حصّہ تو آپ کا ہوا۔ باقی تین چوتھائی اگر آپ کی ساس وغیرہ نہیں ہیں تو آپ کی اولاد کا حصّہ ہے۔ اب اولاد چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔

مسترشد:۔ پاس انفاس بصورت معلوم اس کی مشق بہم پہنچانے کے لئے اجازت کی ضرورت ہے

حضرۃ الشیخؒ۔ پاس انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہ چاہیے۔ اسکی

صورت یہ ہے جو آسانی سے ہوسکتی ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ جاری رہے۔ بغیر تلفظ لسانی محض ذکر قلبی کے ساتھ۔

مسترشد:۔ اور یہ مجاہدہ (یا پاس انفاس) کوئی مفید نتیجہ مرتب کرسکتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس کا فائدہ دوام ذکر ہے۔ جو حسب استطاعت مامور ہے۔

مسترشد:۔ تقسیم ہندوستان و پاکستان کے بعد مسلم آبادی کو ہندوستان میں علی حالہ قائم رہنا مفید ہوگا یا منتقل ہوجانا فائدہ مند ہوگا۔

سید عبدالرؤف عفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہندوستان و پاکستان کی کشمکش میں نہ پڑیئے۔ جہاں ہیں وہیں رہیئے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا کرتے ہیں۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان۔

مکتوب ۔ ۴۳

مسترشد:۔ ۲۴ رمضان ۶۶ھ / ۱۲ اگست ۴۷ء

از اورنگ آباد۔ گیا

قبلہ محترم مدظلہٗ العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ از بھوپال

محب مکرم زادکم اللہ تعالےٰ معرفتہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں

مسترشد:۔ رمضان المبارک کے مشاغل ختم تراویح سنانے کی تیاری۔ ملازمت کے

فرائض اور خانگی معاملات کی نگرانی کے باعث غیر معمولی تاخیر سے عریضۂ ہٰذا ارسال خدمت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس توفیق پر مبارکباد

مسترشد:۔ ختم تراویح کے بعد اب تہجد میں ختم قرآن پڑھ رہا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بارک اللہ تعالیٰ فی اعمالکم

مسترشد:۔ خواہش تھی کہ جماعت سے تہجد ادا کروں۔ اور اسمیں دوسرا ختم پڑھوں، مگر مصلین کے تکاہل کے باعث نہیں ہوسکا۔ تہجد بالجماعت اور بصورت قرأت جہری کی بابت حضور والا کا کیا ارشاد ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تہجد بالجماعت اگر اتفاقاً ہو تو جائز ہے۔ ورنہ اہتمام اور تداعی کے ساتھ نہیں غور کرنا چاہیئے کہ اس میں ریا اور نمود کی خواہش تو پوشیدہ نہیں۔

مسترشد:۔ خیال ہے۔ کہ بر وقت رمضان المبارک اور آخر عشرہ رمضان کے باعث غالباً حضور والا کا قیام مرکز پر ہوگا۔ اس لئے اعظم گڈھ کے پتہ پر یہ خط ارسال ہے۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی نہیں یہ کوتاہ عمل تو ہیں تھا۔ آخر ستمبر میں سفر حج کا قصد ہے۔ پنجاب کی بے اطمینانی دیکھئے کب دور ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔

والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲۶ راگست ۴۷ء

مسترشد:- از اورنگ آباد - گیا　　　　مکتوب :- ۴۴

۱۵ر شوال ۱۳۶۶ھ / یکم ستمبر ۱۹۴۷ء

قبلۂ محترم و مرشد مکرم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ:- از بھوپال

محب صمیم زادکم اللہ تعالیٰ معرفۃً

مسترشد:- السلام علیکم و رحمۃ اللہ - سفر حجاز - زیارت روضۂ اقدس و حج بیت اللہ کے عزم بالجزم سے بجد مسرت ہوئی -

حضرۃ الشیخؒ:- السلام علیکم و رحمۃ اللہ - کراچی اور پنجاب کی راہ بالفعل بند ہونے سے فکر دامنگیر ہے - کہ دیکھئے کب امن پیدا ہو - اور کیسے سفر ہو - دعاء ہے. کہ اللہ تعالیٰ موانع کو دور فرمائیں - دسمبر تک واپسی کا قصد ہے -

مسترشد:- حضور والا سے نیازمندانہ عرض ہے کہ روضۂ اقدس پر بندہ ناچیز کا سلام پہنچائیں - اور دعاء فرمائیں -

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:- انشاء اللہ تعالیٰ اگر سرفرازی حاصل ہوئی تو دعاء کروں گا - اور سلام پیش کروں گا - والسلام

سیمان سلیمان

۲۰ر شوال ۱۳۶۶ھ

مکتوب نمبر ۴۵

مسترشد:- از شہر گیا۔ کریم گنج مکان سید ابوالفضل وٹنری انسپکٹر۔ گیا

۶ر جنوری ۱۹۴۸ء

قبلۂ محترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:- برادر عزیز شفاکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:- میں اس دھوکہ میں تھا۔ کہ حضور والا حجاز مقدس بغرض حج روانہ ہوچکے ہیں۔ اس لئے خط و کتابت کا سلسلہ بند رکھا گیا۔

حضرۃ الشیخؒ:- ملک کے حالات نے اجازت نہ دی۔ کراچی کی راہ جہاں ٹکٹ تھا۔ بند تھی۔

مسترشد:- بندہ دو ماہ سے بواسیر میں مبتلا ہے۔ اور زیر علاج ہے۔ دعاء خاص کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:- اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل و عاجل عطاء فرمائیں۔

مسترشد:- مرض سے پیشتر موجودہ مرض اور اس کی کیفیت خواب میں دکھادی گئی تھی۔

سید عبدالرؤف

حضرۃ الشیخؒ:- خواب سے مطلع کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس سے اپنی بزرگی کا زعم نہ ہو کہ ایسے خواب فاسق بھی دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کے لئے دلی دعاء ہے۔ شکر اور رضاء بڑی چیز ہے۔ اور بڑی نعمت۔ اِس توفیق پر بھی شکر کیجئے۔

والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب : ۴۶

مسترشد:- ۲۲ ربیع الثانی ۶۷ھ / ۴ مارچ ۴۸ء

از اورنگ آباد۔ گیا

قبلۂ محترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ:- از بھوپال

برادر عزیز رفع اللہ احوالکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:- بحمد اللہ آپ کی دعاؤں کی برکت سے اب اچھا ہوں۔ مگر ہنوز حسب سابق وظائف شبانہ روز کی پابندی میں دشواری ہے۔ یا نفس سرکش کی کوتاہی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- الحمد للہ تعالیٰ کہ آپ اب اچھے ہیں۔ اگر دوران علالت میں معمولات بعذر ضعف و مرض انجام نہ پاسکے۔ اور ارادہ یہی تھا کہ اگر یہ مانع نہ ہوتا تو آپ ضرور معمولات پورا کرتے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا اجر بھی ملے گا۔

مسترشد:- علمی اور روحانی کسی مشغلہ میں دلچسپی نہیں ہے۔ بجبر کسی طور انجام دیتا ہوں لیا توجہ اور کسی عمل و وظیفہ کی ضرورت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- عمل کے لئے صرف ہمت و عزیمت کی ضرورت ہے۔ عمل اور تعویز کی نہیں

مسترشد:- حضور والا کا عزم اِس سال وطن کی طرف آمد اور قیام کا ہے یا نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- ابھی تک وطن کی سمت سفر کا ارادہ نہیں۔

مسترشد:- اہلیہ نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ جس میں قرآن پاک کے حروف دھلوانا، اور پھر پی جانا، اوراق قرآن کو کھا جانا اور پھر کنویں

کے پانی کا جوش مارنا اور پھر یہ کہنا کہ اس کی بے حرمتی ہوگی۔ وغیرہ چیزیں ذکر ہیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کی اہلیہ نے جو خواب دیکھا ۔ اس کی تعبیر میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا آپ کی اہلیہ سے کوئی کم سن بچہ حفظ قرآن کے لائق ہے۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب ۔ ۴۷

مسترشد:۔ ۱۶ رجب ۶۷ھ / ۲۶ مئی ۴۸ء

از اورنگ آباد۔ گیا۔ بہار

قبلہ محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے کہ مزاج عالی بخیریت ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ از بھوپال

مجبی زادکم اللہ تعالےٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ تعالےٰ مع الخیر ہوں۔

مسترشد:۔ گذشتہ مہینہ بندہ پٹنہ گیا ہوا تھا۔ تو معلوم ہوا تھا کہ حضور والا عزیز خاص کی تقریب کی انجام دہی کے لئے تشریف لائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں میرا آنا جانا جلدی میں ہوا۔ کسی کو مطلع نہ کرسکا۔

مسترشد:۔ مکرر کسی تقریب سے بہار کی آمد کا عزم ہے یا نہیں۔ اگر ہو۔ تو بندہ

کو ضرور خبر دی جائے۔

حضرۃ الشیخؒ۔ ایک موقع متوقع ہے۔ شاید اس ماہ ہو یا آئندہ۔

مسترشد۔ مخصوص اوقات میں دعاء خیر فرمائیں۔ کہ مصائب و آلام کا سلسلہ ختم ہو۔

حضرۃ الشیخؒ۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور انشاء اللہ آئندہ بھی کروں گا۔

مسترشد۔ بندہ زادہ خواجہ شرف الدین احمد بے روزگار ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں بارزگار بنائے۔

سید عبد الرؤف

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیزی شرف الدین کی کامیابی کی دل سے دعا ہے۔ والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلمان

۲۴ رجب ۱۳۶۷ھ

مکتوب۔ ۸۴

مکتوب حضرت شیخؒ:۔ (یہ مکتوب پوسٹ کارڈ پر تھا)

بنام حافظ سید عبد الرؤف امام مسجد جامع مقام وڈاکخانہ اورنگ آباد۔ ضلع گیا۔

از بھوپال

عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ خط مل کر خوشی ہوئی۔ فقیر بضرورت ایک ڈورہ رہکر رانچی اور پٹنہ سے واپس آگیا۔ اور اس وقت بھوپال میں بدستور مقیم ہے۔ شوال میں ۱۱، ۱۲ اگست کو لکھنؤ ندوہ رہوں گا۔ اور پھر بھوپال

واپس آجاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ - دیسنہ کا قصد نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو رمضان المبارک کے برکات سے سرفراز فرمائیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

مکتوب - ۴۹

مسترشد:- ۲۱ر رمضان ۶۶ھ / ۲۹ر جولائی ۴۸ء

از اورنگ آباد - گیا، بہار

مرشدی المحترم مدظلہ العالی - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرت الشیخؒ:- ۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

محب عزیز زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً - السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:- ماہِ رواں میں ایک دو بار زیارت منامی اور مصافحۂ منامی سے شرف یاب ہوا -

حضرۃ الشیخؒ:- یہ سب آپ کی محبت کا کرشمہ ہے۔

مسترشد:- اگر کسی طرح وسعت مالی پیدا ہوئی۔ تو لکھنؤ میں حاضر خدمت ہو جاؤنگا

حضرۃ الشیخؒ:- لکھنؤ آنے کی زحمت نہ کریں۔ آج کل سفر آسان نہیں۔

مسترشد:- شکر کہ مقامی مسجد میں ختم قرآن تراویح سنا کر فارغ ہوا۔ اور اس کے بعد تہجد میں ختم قرآن شروع کر دیا۔

حضرۃ الشیخؒ:- یہ توفیق مبارک۔

مسترشد:۔ رمضان المبارک میں صرف ایک رات میں تہجد قضا ہوئی جس کا افسوس رہا۔
حضرت الشیخؒ:۔ اس افسوس پر شکر ادا کیجئے کہ یہ بھی نعمت ہے۔ کتنے ہیں کہ فرائض سے محرومی پر بھی ان کو افسوس نہیں ہوتا۔ اگر تہجد قضا ہو تو طلوع آفتاب کے بعد دوپہر سے پہلے تک بارہ رکعتیں پڑھ لی جائیں۔
مسترشد:۔ تا امکان عمل خیر کی سعی کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ گرامی جناب کی مرشدانہ توجہ کا نتیجہ ہے
حضرت الشیخؒ:۔ یہ سب کچھ فضل خدا سے ہے۔ انسان کی کیا مجال
مسترشد:۔ عزیزی خواجہ شرف الدین سلمہ کی بیکاری سے پریشان خاطر رہا کرتا ہوں
حضرت الشیخؒ:۔ طبعی پریشانی بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اضطرار کے ساتھ دعا کریں۔ میں بھی دعا کرتا ہوں
مسترشد:۔ اگر ڈاکٹر سید محمود یا شاہ عمیر پارلیمنٹری سکریٹری تک بندہ زادہ کے حق میں پرزور سفارش ہو جائے تو زبردست کامیابی کی توقع ہے
حضرت الشیخؒ:۔ ڈاکٹر محمود صاحب سے خود کام ہو تو ہو سکتا ہے۔ مگر دوسروں سے سفارش نہیں کر سکتے۔ شاہ عمیر صاحب سے یا ملاقات نہیں یا یاد نہیں۔ تاہم دیکھئے کہ کیا کہتا ہے۔
مسترشد:۔ تہجد باجماعت اور قرأت جہری سے ادا کرنا جائز ہے۔
حضرت الشیخؒ:۔ تہجد کی نماز باجماعت اتفاقاً ہو جائے تو جائز ہے۔ مگر اہتمام و دعوت کے ساتھ مناسب نہیں۔ تہجد کی نماز جہر سے پڑھنا مستحب ہے۔
مسترشد:۔ منبر کو کہ جس پر خطبہ دیا جاتا ہے۔ عام مصلین کے استفادہ کے لئے اگر اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو ناجائز یا غیر مسنون تو نہ ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ: کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ دیکھ لیں کہ اس تبدیلی سے عوام میں کوئی بے چینی تو نہیں ہوگی۔ اگر ممبر کے پہلے زینہ پر پڑھا جائے تو شاید حجاب نہ ہو۔

مسترشد: فن تصوف کا رسالہ حضرات خمس مصنفۂ مخدوم شیخ حسین بلخی فردوسی الملقب بہ نوشۂ توحید کی فنی حیثیت کیا ہے۔ اور یہ رسالہ قابل توجہ اور لائق اعتماد ہے یا نہیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ: رسالہ معتمد ہے۔ مگر اس کو صحیح سمجھنا ضرور ہے۔ آپ صحیح سمجھ سکتے ہوں تو دیکھیں ورنہ اس علمی تصوف سے عملی تصوف پر وقت صرف کرنا مفید تر ہے

والسلام

فقیر ہیچمدان سلیمان

مکتوب: ۵۰

مسترشد: ۹ رشوال المعظم/ ۱۴ر اگست ۴۸ء

قبلۂ محترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ: از بھوپال

عزیز محترم ادام اللہ تعالےٰ توفیقکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: خیریت مزاج گرامی۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ خیریت ہے

مسترشد: ۲۶ر رمضان سے مسلسل اور پُرزور بارش ہوئی۔ جس کی وجہ سے بیشتر

گاؤں اور شہر میں سیلاب آگیا۔ ذرائع آمد و رفت و رسل و رسائل بند تھے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں پر رحم فرمائیں۔

مسترشد : خواجہ شرف الدین کے بارے میں حضور والا ایک سفارشی خط بنام ڈاکٹر سید محمود صاحب ارسال فرمائیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ ڈاکٹر صاحب کی علیحدگی سے اب کوئی بات قابل تعمیل نہیں رہی۔ اس لئے خط واپس ہے۔

سید سلیمان

مکتوب : ۵۱

مسترشد :۔ ۱۶ اگست ۴۸ء۔ از اورنگ آباد

قبلۂ محترم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم۔ السلام علیکم رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ خواجہ شرف الدین احمد سلمہٗ کی ملازمت کے بارے میں سید عمیر صاحب پارلیمنٹری سکریٹری کے نام اگر مناسب سمجھیں تو ایک سفارشی خط ارسال فرمائیں۔

سید عبدالروف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ شاہ عمیر صاحب سے میری ملاقات نہیں۔ بے تعارف کے لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ والسلام

سید سلیمان۔

مکتوب : ۵۲

۲۰ستمبر ۱۹۴۸ء ۔از اورنگ آباد۔ گیا، بہار

مولائی المکرم وسیّدی المحترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ مزاج اقدس۔ خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخؒ الحمدللہ خیریت ہے۔

مسترشد:۔ خدائے کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے ناکس سے ابتلاء و آلام کی منازل صبر و شکر کے ساتھ طے کراتا ہے۔ بڑا لڑکا بیکار ہے۔ منجھلے لڑکے کو تپ محرقہ۔ سکونتی مکان بیٹھ گیا۔ تعمیر مکان کے لئے پس انداز کرنا دشوار ہے۔

ڈاکٹر سیّد محمود صاحب ہنوز برسرکار ہیں۔ لہٰذا عزیزم شرف الدین کی ملازمت کے لئے ایک زوردار سفارشی خط روانہ فرمائیں۔

خادم: سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرت الشیخؒ:۔ آپ کے حالات معلوم کر کے دل پر اثر ہوا۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ میرے اثر و رسوخ کو جتنا سمجھتے ہیں۔ اوتنا نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو فراتی معاملات میں بھی بے اثر پایا۔ اور دوسروں کے معاملہ میں بھی۔ الّا یہ کہ خود انہیں کے اختیار کی بات ہے میرے اور میرے ذاتی اعزہ کی جائدادیں بعض گم کردہ راہ کانگرسیوں کے بدولت ہم سے زبردستی چھینی جارہی ہیں۔ ہزاروں روپے مقدمہ بازی میں خرچ ہوچکے — مگر کوئی مدد نہ مل سکی۔

بہرحال آپ کی خواہش کے مطابق میں ڈاکٹر صاحب کے نام خط بھیجتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔ نتیجہ سے مطلع فرمائیے گا۔ میرے اِس خط کو سادہ لفافہ میں رکھ لیں۔ آپ کے دفع مشکلات اور خواجہ شرف الدین سلمہٗ کی کامیابی کی دعا کرتا ہوں۔

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

۳ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ

مکتوب : ۵۳

مسترشد: ۵ محرم ۶۸ھ مطابق ۸ نومبر ۴۸ء

از اورنگ آباد۔ گیا۔ بہار

قبلۂ محترم و مکرم مدظلہ العالی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرت الشیخؒ: ۹ محرم ۱۳۶۸ھ

محبی و عزیزی رفع اللہ احوالکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: خدا کا شکر ہے۔ بقید حیات ہوں۔ اور حسب ہدایات سرگرم عمل ہوں، مزید روحانی توجہ کا طالب ہوں۔

حضرت الشیخؒ: دوام عمل اور صحت فکر و نظر ہی کامیابی کی کنجی ہے۔ خلق میں شہرت اور مقبولیت کی خواہش اس راہ کا کانٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا عمل کا دوسرا محرک نہ ہو۔ اور ہر حال میں ذکر لساناً و قلباً جاری رہے۔

مسترشد: خواجہ شرف الدین کی ملازمت کے سلسلے میں کوشاں ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔

مسترشد:- حضور والا کے حکم و استمزاج کے بغیر ریڈیو والے فتوے کو انجمن ترقی اردو کی جانب سے طبع کرا کر شائع کر دیا۔ اور شائع کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ ناراضامندی کا باعث نہ ہوگا ملاحظہ کے لئے ایک کاپی ارسال خدمت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- لا بأس

مسترشد:- مقامی ارباب خیر کا خیال ہے کہ مجلس وعظ و پند قائم کی جائے۔ اور حضور والا تشریف لائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- ابھی تو مشکل ہے۔ ممکن ہے چند روز میں موقع ملے۔

مسترشد:- ضرور موقع نکال کر مشتاق اصحاب کو فیضیابی کا موقع دیں

سید عبد الرؤف غفرلہ

حضرت الشیخؒ:- جو صاحب ایسے مشتاق ہوں۔ وہ اپنے عمل کی مزید صحت کی طرف توجہ فرمائیں یہی محبت فی اللہ تعالیٰ ہے۔ والسلام

فقیر سید سلیمان

مکتوب - ۵۴

مسترشد:- ۲۶ نومبر ۴۸ء

از اورنگ آباد۔ گیا (بہار)

مرشدی المحترم متعنا اللہ بطول بقائکم

حضرۃ الشیخؒ:- عزیز محترم زادکم اللہ تعالیٰ معرفتہ

مسترشد:- السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ ریاء کے بواعث اور صورتیں پیش نظر رہتی ہیں۔ اور تا امکان احتراز کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: ریاء اور عجب اور کبر رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور یہ سالک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اس لئے ان سے احتراز کا اہتمام نہایت ضروری ہے معلوم نہیں آپ حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ کے ملفوظات و رسائل و مواعظ پڑھا کرتے ہیں یا نہیں۔

مسترشد:۔ بیشتر خیال ہوتا ہے کہ ہمارے سلسلہ میں ذکر اللہ کی تاکید بجد ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ سلسلہ اشرفیہ کی بڑی اہم چیز ہے

مسترشد:۔ ہمارے سلسلے میں صلوٰۃ وسلام کی تاکید و ہدایت نہیں ہے حالانکہ صلوٰۃ وسلام کا ارشاد عام ہے۔ اس کا سبب کیا ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ صلوٰۃ وسلام بطور ذکر کے نہیں۔ بلکہ بطور ورد کے پڑھ سکتے ہیں خصوصاً جمعہ کے روز اگر بجائے ذکر درود پڑھا جائے تو اچھا ہے۔

مسترشد:۔ ماسوا اللہ سے بے نیازی حاصل کرنے کا کونسا ذکر و شغل مفید ہو سکتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ماسوا سے بے نیازی کے لئے لآ الٰہ الا اللہ کا ذکر و مراقبہ اس کے معنی کے استحضار کے ساتھ کافی ہے۔

مسترشد:۔ بعض اصحاب کو غیر اللہ، حاکم وقت، دشمن جان و مال اور ارواحِ خبیثہ کا خوف بے حد ہوا کرتا ہے۔ اس کے دفعیہ کے لئے کون سا ذکر مفید ہو سکتا ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس کے لئے بھی یہی ذکر کافی ہے۔ اسکے معنی کا استحضار چاہئیے۔

مسترشد :- لسانی وقلبی یادِ الٰہی سے کسی وقت غفلت نہ ہو سکے۔ اس کیلئے کونسا ذکر و شغل مفید ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اس کے لئے بھی یہی ذکر ہے۔ اس کی کثرت غفلت کو دور کر دیتی ہے۔

مسترشد :- مسلمانان اورنگ آباد کا عزم ہے۔ کہ مسلمان لڑکیوں کا یتیم خانہ اور مدرسہ قائم کریں اور حضور والا کی تشریف آوری کے موقع پر اس کا افتتاح کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ عزم مبارک۔ فقیر کا سفر دیکھئے کب ہو۔

مسترشد :- ماہِ رواں کے عشرۂ آخر میں بندہ زادہ کے ہمراہ آپ کا سفارش نامہ لے کر ڈاکٹر سید محمود صاحب سے ملنے پٹنہ گیا۔ حضور والا کے گرامی نامہ کی وجہ سے کافی توجہ فرمائی۔

حضرۃ الشیخؒ :- ڈاکٹر صاحب کا خط میرے نام بھی آیا ہے۔ اونہوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے

مسترشد :- بہرکیف حضور والا کی توجہ اور دعا کی برکت سے بندہ زادہ کی تقرری کا خط آیا ہے۔ اب پولیس کے ذریعے شرف الدین کے بارے میں تحقیقات کی جائیں گی۔ غرض ایک مرحلہ اور ہے۔ توقع ہے کہ توجہ فرمائیں گے۔ کہ یہ مرحلہ آخر بھی طے ہو جائے۔

خادم سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کے اور صاحبزادہ کی فلاح کے لئے دعاء کرتا ہوں۔

فقیر سیحدان سید سلیمان

مکتوب - ۵۵

مسترشد :- ۲۸ دسمبر ۴۸ء - از اورنگ آباد - گیا۔

مخدومی المحترم مدظلہ العالی

حضرت الشیخؒ :- از بھوپال ۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۸ء

محب عزیز زادنی اللہ تعالےٰ و آیاکم حبا فی اللہ!

مسترشد :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد :- میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ حضور والا ہمارے زنان خانہ کے صحن میں تشریف لائے ہیں اور بندہ کے ساتھ گفتگو فرمائی۔

حضرۃ الشیخؒ :- خواب کی حیثیت شرع میں صرف بشارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اظہار بشارت کے لئے کبھی ان شکلوں کو منتخب فرماتے ہیں۔ جن سے خواب دیکھنے والوں کو موانست ہوتی ہے۔ اس میں خواب میں نظر آنے والے بزرگوں کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس اظہار بشارت میں اپنا آلہ اپنے فضل سے بنا لیا۔ وللہ الحمد

مسترشد :- گاہے گاہے توحش کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اور نوشت و خواند اور ملنے جلنے سے طبیعت گھبراتی ہے۔ کبھی طبعیت کو سکون و قرار نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ ہوتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر خدمت خلق اس توحش کے بعد اپنے دل پر جبر کر کے کرنا چاہیئے۔ پاخانہ میں بیٹھنا کس کو پسند ہے۔ مگر جبراً جانا ہی پڑتا ہے۔ اور اسی پہ صحت موقوف ہے۔

مسترشد :- وحشت کو دور کرنے کے لئے یا دل کو بھلانے کے لئے یہ مراسلہ ارسال کر رہا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- وحشت کے دور کرنے کیلئے کسی مختصر درود کی کثرت کیجئے۔

اے نام تو دافع بلاہا بیماری قلب را شفاہا

مسترشد : ڈاکٹر سید محمود صاحب نے کریمانہ توجہ فرمائی اور سفارشی نوٹ لکھ کر متعلقہ دفتر میں بھیجا ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حضرت الشیخؒ : اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے

مسترشد :۔ اخوت انسانی کے موضوع پر اگر مستقل کتاب یا مضمون مرتب ہو، تو نام و نشان سے خبر فرمائیں۔ اس موضوع پر اطلاعات حاصل کرنے کیلئے کن کتاب اور کتاب کے کن ابواب کا مطالعہ کیا جائے ۔ سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرت الشیخؒ :۔ کونوا عباد اللہ اخوانا۔ حدیث میں وارد ہے۔ نیز الخلق عیال اللہ کوئی رسالہ یا مضمون میرے ذہن میں نہیں ہے

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب - ۵۶

مسترشد :۔ ۲۷ جنوری ۴۹ء

از محلہ کریم گنج بشہر گیا

سیدی المحترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ :۔ از بھوپال

عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد :۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ معمولات پابندی کے ساتھ انجام پا رہے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- الحمدللہ کہ آپ معمولات کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلد منزلِ مقصود تک پہنچادے۔

مسترشد :- حضور والا کو اگر واقفیت ہو تو تحریر فرمائیں کہ حضرت والا کے مؤلفات کس پتہ پر دستیاب ہو سکتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ :- پتہ یہ ہے : دارالاشاعۃ۔ دیوبند ضلع سہارنپور و امداد الغرباء مظاہر العلوم سہارنپور

مسترشد :- شرف الدین کے سلسلے میں ڈاکٹر سید محمود صاحب نے وعدہ کیا تھا مگر ہنوز انہیں عملاً ہمدردی کا موقع نہیں آیا۔ ایک بار پھر آپ یاد دہانی کروائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- بھائی ڈاکٹر محمود صاحب کو یاد دہانی کرونگا۔ انشاءاللہ۔ مگر وہ توجہ کم کرتے ہیں آپ کی مشکل سے ہمدردی ہے۔ مگر کام اپنے قابو کا نہیں۔ والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ

مکتوب ۔ ۵۷

مسترشد :- یکم جمادی الثانی ۶۸ھ / یکم اپریل ۴۹ء
از اورنگ آباد۔ گیا

قبلۂ محترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ :- از بھوپال

محب عزیز ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم لما یحب و یرضیٰ

مسترشد :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ اُمید ہے کہ گرامی جناب بخریت ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد :۔ قلبی طمانیت اور دماغی سکون حاصل نہیں ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ طمانیت قلب اور دماغی سکون کے عدم حصول کا باعث تو کوئی دینی یا دنیاوی فکر ہوگی۔ اگر دینی فکر ہے تو مبارک۔ اور اگر دنیاوی فکر ہے۔ تو اس فکر کا حاصل کیا ہے۔

کارسازِ ما بسازِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

جو حاصل ہے اوس پر شکر کیجئے تاکہ بموجب لئن شکرتم لازیدنکم اور زیادہ عطا ہو۔

مسترشد :۔ رای العین مشاہدہ اور زیارت کی بے حد تمنا ہے۔ کیا کل ہند جمعیۃ العلماء کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔ اگر نہیں تو وطن کا قصد کب ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ شوق ملاقات محبت کا نتیجہ ہے۔ سفر لکھنؤ کا بالفعل ارادہ نہیں۔ وطن کا قصد تو ہے۔ مگر ابھی تعین تاریخ نہیں۔

مسترشد :۔ کچھ مدت سے تلاوت قرآن کے موقعہ پر قرآن مجید کی بابت ناپاک اور بیہودہ خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ نیز رؤیا میں گاہے گاہے غلیظ و نجاست دیکھتا ہوں

عبدالروف

حضرۃ الشیخؒ :۔ بیہودہ اور ناپاک خیالات کا پیدا ہونا اگر اپنی طرف سے نہیں ہے تو انشاء اللہ مضر نہیں۔ اور رؤیا میں غلیظ و نجاست دیکھنا دنیا طلبی اور

حبِ مال دنیا کی تمثیل ہے۔ ظاہری نجاست نہیں۔ اس باطنی نجاست سے اپنے کو پاک کیجئے۔ اور مشتبہات مال سے پرہیز کیجئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی اصلاح سے غافل نہ فرمائے۔ آپ نے ریڈیو کا جو فتویٰ میرا چھپوایا ہے۔ وہ مولوی عبد الصمد صاحب رحمانی امارت شرعیہ پھلواری کے پتہ سے بھیجد یجئے۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۴؍ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

مکتوب۔ ۵۸

مسترشد:۔ ۱۲؍ رجب ۶۸ھ ۲؍ مئی ۴۹ء

از اورنگ آباد۔ گیا

قبلۂ محترم۔ مدظلہ العالی۔ مزاج اقدس، خیریت کا طالب

حضرۃ الشیخؒ:۔ از دیسنہ۔ ضلع پٹنہ

عزیزی وحبیبی رفع اللہ تعالیٰ احوالکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ صد شکر، گذشتہ ہفتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی زیارت منامی سے مولینا سید شاہ ولایت حسین صاحب رحمہ اللہ کے ہمراہ شرفیاب ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ایسا خواب بشارت ہے۔ تعلق روحانی پر دال۔ اور محبت پر شاہد

مسترشد:۔ فالنامہ ماخوذ از آیات قرآن مرتبہ محی الدین ابن عربی اور دیوان حافظ سے تفاؤل حاصل کرنا کیسا ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ تفاؤل محض ہے یعنی کسی اچھے نام یا خیال سے دل کو قوی کرنا۔ یہ اطلاع

غیب کا ذریعہ نہیں۔ ایسا سمجھنا عقیدۂ غلط ہے۔ اور قابل توبہ۔

مسترشد:۔ وطن مالوف کی طرف رجوع کرنے کا پروگرام حضور والا کا کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمد اللہ کہ ۱۳ر مئی کو یہاں پہنچا۔ اور جون کے وسط تک قیام رہے گا۔

مسترشد:۔ عزیزی شرف الدین کی شادی کا رشتہ ایک صاحب سید اعظم حسین کی دختر سے ہو چکا ہے۔ اب وہ صاحب عقد نکاح کر کے پختہ کرنا چاہتے ہیں امید ہے کہ حضور والا اس رشتہ کی پختگی کی بابت اجازت دیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ برکت دیں۔

مسترشد:۔ عبد الصمد رحمانی صدر جمعیۃ العلماء صوبہ بہار نے دفتر امارت شرعیہ سے اس نوشتہ کی نقل کو بندہ کے پاس روانہ کیا تھا۔ جو حضور والا کے پاس روانہ کیا ہے۔ اس کی بابت میں نے واپسی ڈاک سے اطلاع دی تھی۔ کہ میرا منشاء ہرگز مطلقاً نہیں تھا۔ اور نہ ہے۔ ہم بھی ریڈیو کی نشریہ بابت رویت ہلال در رمضان و عید و نحر کو شرائط و قیود کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ مطبوعہ فتوے کے بعد رحمانی صاحب کو پوری بصیرت ہوئی۔

سید عبد الرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ مولوی صاحب کو میرے اصل فتوے سے اختلاف نہیں۔ آپکی عبارت سے اختلاف تھا۔ آپنے اس عبارت کی توضیح کردی تو اچھا کیا۔ مقصود یہ ہے کہ ریڈیو سے رویت ہلال کی شہادت معتبر نہیں۔ البتہ اس سے شہادت و تحقیق و اثبات کے فیصلہ کا اعلان کرنا اور اسکو ماننا بقیود مذکورہ درست ہے۔ لیکن موجودہ ریڈیو میں ابھی اس کا انتظام نہیں۔ والسلام

بندہ سیمپران سید سلیمان
۲۳ر رجب ۱۳۶۸ھ

مکتوب - ۵۹

مسترشد :- ۲۸ رجب ۶۸ھ / ۲۸ جون ۴۹ء

از اورنگ آباد - گیا

قبلہ محترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخؒ : دیسنہ ضلع پٹنہ

محب عزیز زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد : خیریت مزاج اقدس

حضرۃ الشیخؒ :- خط میں ابتداء بالسلام مسنون ہے۔ آپ نے شاید سہواً چھوڑ دیا۔

مسترشد :- بوجہ اشتیاق بسیار زیارت وحضوری کی سبیل سوچ رہا ہوں۔ اگرچہ درد معدہ اور درد گردہ کے دورہ سے صاحب فراش ہوں۔ ہمارے بزرگوں میں سے ایک صاحب الحاج ڈاکٹر سید محمد اسحاق جو ایک تہجد گزار نیک صالح اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد ہیں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رسمی ارادت حاصل کرنا چاہتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ : میں غالباً یہاں ۱۰ جون تک رہوں گا۔ آنا ہو تو اس کے اندر آئیں ڈاکٹر صاحب چاہیں تو آسکتے ہیں۔

مسترشد :- عزیزم خواجہ شرف الدین سلمہ کی تقریب عقد انجام پذیر ہو گئی۔

حضرۃ الشیخؒ : انجام تقریب پر مبارکباد

مسترشد :- دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو برسر روزگار فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ خیر وبرکت دیں اور سامانِ رزق فرمائیں

مسترشد:۔ توقع ہے کہ اہل وعیال کے ہمراہ تشریف لائے ہوں گے
سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ خیریت ہے۔ والسلام

بندۂ ہیچمدان سید سلیمان
۶/ شعبان ۱۳۶۸ھ

مکتوب نمبر ۶۰

مسترشد:۔ ۳/ اگست ۴۸ء
از اورنگ آباد ۔ گیا

قبلہ محترم مدظلہٗ عالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت الشیخؒ: از بھوپال
محب عزیز زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ مدتوں سے حضور والا کی خیریت معلوم نہیں تھی۔ گو نہ تعلق تھا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

مسترشد:۔ مولوی ریاست علی صاحب کے موصولہ خط سے معلوم ہوا تھا کہ حضور والا حج بیت اللہ کے لئے پابہ رکاب ہیں۔ خبر نہیں کب تک حضور کی روانگی ہے

حضرت الشیخؒ:۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۲۰/ اگست تو یہاں سے بمبئی اور ۲۶/ کو بمبئی سے

بہار پر

مسترشد :۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور بندہ کا ہدیہ سلام پہنچ جائے تو زہے نصیب

حضرۃ الشیخ :۔ بشرط یاد عرض کروں گا۔

مسترشد :۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب کی کریمانہ توجہ سے بندہ زادہ کو پٹنہ پراونشل کواپریٹو بنک میں کلرک کی جگہ مل گئی ہے۔

حضرۃ الشیخ : اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایک گونہ آپ کو اطمینان حاصل ہوا،

مسترشد :۔ امید ہے کہ مقام عرفات کے موقع پر بندہ کے لئے توفیق حج کی دعاء خیر فرمائیں گے۔

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بندہ ہیچمدان سلیمان

۱۲ شوال ۱۳۶۸ھ

مکتوب : ٦١

مسترشد :۔ ۱۴ نومبر ۴۹ء ۔ از اورنگ آباد گیا

سیدی و مولائی المحترم مدظلہ العالی

حضرۃ الشیخ :۔ عزیز سعید زادکم اللہ تعالیٰ معرفتہ

مسترشد :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ خبر نہیں حضور والا کب تشریف فرمائے ہند ہوئے۔ اور قیام کب تک کہاں کہاں رہا۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ آپ کا خط مورخہ ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء کو ملا۔ میں سفر حجاز سے بمبئی ۲۹ دسمبر ۱۹۴۹ء پہنچا۔ جہاز میں طبیعت اچھی نہیں رہی۔ بمبئی بخار کی حالت میں اترا۔ احباب نے وہیں روک لیا۔ کہ علاج و استراحت ہو سکے۔ وہاں سے بخار اترنے پر اور کچھ ضعف دور ہونے پر ۸ جنوری ۱۹۵۰ء کو بھوپال پہنچا۔ ضعف اب کم ہو رہا ہے۔

مسترشد :۔ امید ہے کہ بندہ کے لئے کسی موقع پر دعاء کا موقع آیا ہوگا۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ بحمد اللہ کہ آپ کے لئے حرمین میں دعائے خیر کی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مسترشد : کچھ مدت ہوئی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت منامی سید شاہ ولایت حسین کی معیت میں نصیب ہو گئی۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرت الشیخ رح :۔ آپ کا خواب مبارک ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ اللّٰھم زد فزد

بڑی چیز یہ ہے۔ کہ اپنے پر نظر بڑائی کی نہ پڑے۔ یہ راستہ مردودیت کا ہے۔ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین۔ ہر حال میں تواضع اور فنا پر نظر رہے۔ اور تمام ذمائم امراض قلب کو ایک ایک کرکے دفع کرنے کی کوشش کی جاتی رہے۔ تا دم آخر دمے فارغ مباش

والسلام ۔ سید سلیمان

۴ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ

مکتوب شیخ : ۶۲

(مکتوب الیہ کا خط پوسٹ کارڈ پر ہے)

(مکتوب الشیخ بنام مولوی حافظ سید عبدالرؤف صاحب امام مسجد جامع۔ مقام ڈاکخانہ اورنگ آباد۔ گیا)

از بھوپال

عزیز سعید ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آج ہی کی ڈاک سے آپ کے لفافہ کا جواب دے چکا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ پہنچے گا۔

بحمد اللہ تعالیٰ کہ اب میں اچھا ہوں۔ باقی آثار مرض بھی انشاء اللہ تعالیٰ دور ہوں گے اخبارات کی گپوں کا کیا اعتبار۔ مستقبل کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

شاہ ابوالخیر صاحب قادری الجھری ہمارے رفیق سفر تھے۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک اور مدینہ سے جدہ تک ہمارے ساتھ تھے۔ میرے ساتھ میرے کل ہمراہیان سفر بخیریت پہنچے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ دنوں میں دیار پورب کا قصد ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۱ جنوری ۱۹۵۰ء

مکتوب - ۶۳

مکتوب شیخ بنام مولوی حافظ سید عبدالرؤف صاحب امام مسجد جامع۔ مقام وڈاکخانہ اورنگ آباد۔ گیا

از بھوپال

عزیز مکرم رزقکم اللہ تعالیٰ رزقاً حسناً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

الحمد للہ مع الخیر ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بشرط یادروانگی کی حالت میں آپ کو مطلع کردوں گا۔

آپ کی اور صاحبزادہ صاحب کی کامیابی کے لئے دعاء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ انکی شادی کو میمون ومبارک کرے۔ والسلام

سید سلیمان

۲ر فروری ۱۹۵۰ء

مکتوب - ۶۴

(مکتوب الیہ کا خط پوسٹ کارڈ پر ہے)

از بھوپال

برادر عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

عزیزی خواجہ شرف الدین احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی تقریب نکاح کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ میمون ومبارک فرمائیں۔ اگر اول دنوں میں میرا آنا ہوتا تو شرکت ہوسکتی تھی۔ مگر حالات ایسے ہیں کہ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آپ کی دعوت کا دلی شکریہ۔ اور دلی دُعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ مرض کے اثر کو دور فرمائیں۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان - ۱۲ر مارچ ۱۹۵۰ء

مکتوب : ۶۵

مسترشد :- ۱۲ را پریل ۵۰ء - از اورنگ آباد - گیا

مخدومی المحترم و مرشد المکرم مدظلہ

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی و حبیبی ادام اللہ توفیقکم

مسترشد : السلام علیکم و رحمۃ اللہ -

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ -

مسترشد :- مدتوں سے گرامی جناب کی خیریت اور نقل و حرکت کی کوئی خبر نہیں ہے گو نہ تعلق ہے - اُمید ہے کہ کوائف و حالات سے خبر دی جائے گی -

حضرۃ الشیخؒ :- میں نے یہاں سے تین ماہ کی رخصت لی ہے - اور وطن کا قصد ہے - ابھی وہاں پہنچنے کی تاریخ نہیں معلوم - شاید اوائل مئی ہو -

مسترشد :- عزیزم خواجہ شرف الدین کی شادی بخیریت ہوگئی - خدا کا شکر ہے -

سید عبد الرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخؒ :- عزیز موصوف کی شادی پر دلی مبارک باد - اللہ تعالیٰ میمون و مبارک کریں - والسلام

سید سلیمان - ۱۶ را پریل ۱۹۵۰ء

مکتوب - ۶۶

(حضرت شیخ کا یہ مکتوب پوسٹ کارڈ پر ہے)

بنام حافظ سید عبد الرؤف صاحب مقام و ڈاکخانہ اورنگ آباد - گیا

از کانپور

محب عزیز ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مع الخیر ہوں۔ ایک ماہ سے زیادہ سے مسلسل سفر میں ہوں۔ ابھی تک دیسنہ نہیں پہنچا۔ اور نہ ابھی امید معلوم ہوتی ہے۔ آج شام کو دہلی کا قصد ہے۔ پھر خدا جانے کہاں جانا ہو۔ آپ ابھی تکلیف نہ کریں۔ والسلام

سید سلیمان

۸ رجون ۱۹۵۰ء

مکتوب ۔ ۶۷

مسترشد:۔ یکم جمادی الثانی ۶۹ھ / ۱۰ مارچ ۵۱ء

سیدی المکرم دام بقائہم

حضرۃ الشیخؒ:۔ کراچی جمس اسٹریٹ ڈار منزل ۔ ۱۶ ر مارچ ۱۹۵۱ء

عزیزی و مخلصی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد:۔ اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل

می گویمت دعا و ثنای فرستمت

خبر نہیں یہ مجبوری کی راتیں کب تمام ہوتی ہیں۔

دریں شب سیاہم گم گشتہ راہِ مقصود
از گوشہ بیروں آ اے کوکب ہدایت

دارالمصنفین اعظم گڈھ سے پتہ طلب کر کے جوابی خط ملفوف کیا۔ مگر جواب نہیں ملا۔ پھر مکرمی جناب سید الحلیم صاحب دلسنوی سے پتہ دریافت کر کے نیاز نامہ ارسال کر رہا ہوں

خدا را کرم کیجئے۔ جواب عنایت فرمائیں۔

سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخ رح:۔ آپ کا ایک لفافہ پہلے بھی ملا تھا۔ جواب نہیں دیا کہ مستقبل متذبذب تھا۔ اور اب بھی ہے۔ تاہم یہاں ابھی تک قیام ہے۔ اور بحمد اللہ بخیریت ہوں آپ کی دینی و دنیاوی ترقیوں کا داعی و طالب ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ کے معمولات قائم و جاری ہوں گے۔ اور اپنے نفس کے احتساب میں مصروف ہوں گے۔

یہاں کے حالات قرین عافیت ہیں۔ مگر مکائد نفس اور رذائل طبع سے کہاں کسے آزادی نصیب ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی فلاح عنایت فرمائیں

والسلام

سید سلیمان

۱۶ر مارچ ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۶۸

مسترشد: یکم شعبان ۷۰ھ / ۸ مئی ۵۱ء
از اورنگ آباد گیا (بہار)

سیدی المحترم و مولائی المکرم مدظلہ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ: کراچی ۱۴ر جون ۱۹۵۱ء
عزیزی وصدیقی وفقکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کے خطوط ملے۔ ہندوستانی لفافہ بھیجنا بیکار ہے۔ وہ یہاں سے بیرنگ ہو جائے گا۔ اس لئے اُن کو واپس بھیجتا ہوں۔

مسترشد: خدا کا شکر ہے کہ معمولات شبانہ روز تا امکان بدستور ہیں۔ گرچہ خرابیٔ صحت اور ضعف دماغ کے باعث ناغہ یا کمی ہوتی ہے

حضرۃ الشیخؒ: اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کے معمولات جاری ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالےٰ کے ملفوظات و مواعظ کا مطالعہ جاری رکھیں۔ ہندوستان میں حضرت والا کے خلفاء میں سے مولانا عبدالباری صاحب ندوی ہارڈنگ روڈ قدم رسول لکھنؤ کے پتہ سے میرا حوالہ دے کر آپ مشورہ جاری رکھیں۔ انشاء اللہ تعالےٰ مفید ہوگا۔

مسترشد: خبر نہیں رمضان المبارک میں قیام کہاں رہے گا۔ قدمبوسی و

حضوری کی امید کب تک کی جائے۔ والسلام

سید عبدالرؤف غفرلہ

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ رمضان المبارک کا زمانہ یہیں بسر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالےٰ مستقبل کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۸ شعبان ۱۳۷۰ھ

مکتوب حضرت شیخ - ۶۹

(مسترشد کا خط غالباً پوسٹ کارڈ پر ہے)

سید سلیمان ندوی۔ لاہور

محب گرامی و مخلص زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا خط ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ آپ کے احوال پابندی معمول و استقامت علی الدین کو معلوم کرکے مسرت ہوئی اللّٰھم زد فزد۔ آپ سے جس قدر ہوسکے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کریں۔ اس سے انشاء اللہ تعالیٰ کشف حجابات ہوگا۔ اور سلوک کی سیدھی راہ معلوم ہوگی اور استقامت میں بڑی مدد ملے گی۔ فقیر آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرب و بعد کوئی چیز نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ملاقات کی کوئی راہ پیدا کرے۔

حضرت مخدوم بہاری اور حضرت مظفر شمس وغیرہ حضرات کے علم وفن میں کیا شک ہے۔ اول کے فضائل ظاہری ومعنوی روشن ہیں۔ مگر آپ نے اُن کی سند حدیث اور درس صحیح بخاری ومسلم کا ثبوت خوب پیدا کیا۔ معلوم نہیں کہ آپ کو وہ کہاں سے ہاتھ آیا۔ اس میں جگہ جگہ (حدیث) کا لفظ بریکٹ میں لکھا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ حضرت مخدوم بہاری اور حضرت مظفر شمس رحمہما اللہ تعالیٰ کے تصوف سے میری ایسی واقفیت نہیں کہ کوئی مضمون لکھ لوں۔ اُن کی کتابیں بھی یہاں موجود نہیں۔ اس لئے معذوری ہے۔

ایک زمانہ ہوا کہ معارف میں ہندوستان میں علم حدیث پر ایک سلسلہ معارف میں شروع ہوا تھا۔ پھر بند ہوگیا۔ آپ چاہیں تو اس سند کو پیش کر کے ایک مختصر مضمون لکھ دیں

آپ کے فلاح وصلاح ظاہر و باطن کے لئے بدرگاہ الٰہی دعاگو ہوں۔

آپ کا خط سند کی خاطر رکھ لیا ہے۔ والسلام

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان ۱۴ر صفر ۱۳۷۱ھ

مکتوب - ۷۰

مسترشد :- ۱۱ر شوال ۷۲ھ، ۲۴ر جون ۵۳ء

از امام جامع مسجد اورنگ آباد۔ ضلع گیا

محترم قبلہ۔ مدظلہ العالی۔

حضرۃ الشیخؒ : محبی و مخلصی دام توفیقکم و زاد عرفانکم

مسترشد :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد : عرض خدمت ہے کہ مدت گذری زمانہ ہوا نامہ و پیام کا سلسلہ بند ہے۔ حالانکہ بندہ نے اس عرصہ میں لفافہ۔ کارڈ۔ رجسٹری بھیجے۔ پتہ نہیں خطوط دستیاب ہوئے بھی تھے یا نہیں۔ ملاقات نہ ہونے کے باعث بے حد پریشانی اور حیرانی رہا کرتی ہے۔

مرا امید وصال تو زندہ می دارد

وگرنہ ہر دمم از ہجر تست بیم ہلاک

حضور والا ڈھاکہ سے کلکتہ اور پٹنہ ہوتے ہوئے گذرے اگر بندے کو خبر ہوتی تو سٹیشن پر حاضر ہو کر قدمبوس ہوتا۔ محی الدین صاحب ندوی سے آمد و رفت اور ملاقات کی خبر پا کر بے حد متألم ہوا۔ بس تمنا یہی ہے کہ بدست خود چند سطور خیریت اور دعائے خیر کے لکھ کر تسکین خاطر کا موقع دیں گے

دعاء کا طالب سید عبدالرؤف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ : آپ کے خطوط جو آئے اُن کے جوابات جاتے رہے۔ شاید آپ تک نہ پہنچے ہوں۔ آپ کے خطوط آتے رہے۔ پچھلے دنوں ہندوستان میں حاضری کے وقت آپ کی دوری کے سبب آپ کو زحمت نہیں دی۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔ الحمد للہ خیریت ہے۔ اور اپنے مشاغل میں مصروفیت ہے۔ اُمید ہے کہ آپ کا حال بھی اچھا ہے۔ معمولات جاری ہوں گے

4

اور احوال میں ترقی ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ و رسائل کا مطالعہ اکسیر ہے

کسی ڈاکٹر صاحب کا آپ نے ذکر کیا تھا میں اُن کا منتظر رہا۔ اللہ

اور اُن کے لئے دعاگو ہوں۔ صاحبزادہ کیا کر رہے ہیں۔

والسلام۔ سید سلیمان

۲۵ شوال ۷۲ ۱۳ھ

مکتوب - ۱۷

مکتوب حضرت الشیخ رہ

از کراچی

جناب مولوی حافظ عبدالرؤف صاحب

خطیب جامع مسجد اورنگ آباد (بہار) ہندوستان

محب صادق الوداد زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا لفافہ ملا۔ حالات سے واقفیت ہوئی۔ سُنکر خوشی ہوئی کہ معمولات پر استقامت نصیب ہے۔ مبارک۔ الاستقامۃ فوق الکرامۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ استقامت سلوک کی اصل کلید ہے۔ عوارض کی وجہ سے کمی باعث افسوس نہیں۔ وہ کمی افسوس کے قابل ہے۔ جو غفلت و اپنی ارادی کوتاہی کے باعث ہو۔ ابتدائی جوش و شوق میں کمی

فطری ہے۔ یہ ہر مرحلۂ زندگی میں پیش آتا ہے۔ یہ کوئی افسوس کی چیز نہیں۔ جوش وشوق ہو یا نہو۔ عمل میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ جس طرح آغاز شباب میں عروس نو کے ساتھ جوشوق وجوش طبع کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ تمکین سے بدل جاتا ہے۔ اور بجائے بوالہوسی کے دیرینہ محبت، باہمی وفاداری اسکی جگہ لے لیتی ہے۔ میرا ایک شعر ہے

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکون عشق کی
ہائے وہ ہوئے جوش تو ہنگامہ آغاز ہے

صاحبزادوں کے حالات معلوم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ دین ودنیا کی ترقیات نصیب فرمائے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۱۸ اگست ۱۹۵۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنام مختار احمد خان صاحب

مکتوب ۱

مکتوب مسترشد

۱۴ اپریل ۱۹۶۱ء

مکرمی و محترمی! السلام علیکم

تین سال حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جایا کرتا تھا۔ اور حضرت سے خط و کتابت بھی تھی۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد عیسیٰ سے ملاقات ہوئی اور خط و کتابت بھی رہی۔ ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اب جناب سے درخواست ہے کہ بندہ کی اصلاح فرمادیا کریں اور مرید بھی فرمالیں۔

خادم
مختار احمد

مکتوب حضرت الشیخؒ

اعظم گڑھ

از ہیچمدان سلیمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یاد فرمایا شاد فرمایا۔ آپ نے مجھے انتخاب فرمایا ہے تو میری نسبت آپ نے کچھ جان سمجھ بھی لیا ہوگا۔ کہ میں اس سلسلے کا سب سے کمتر اور کمترین ہوں۔ اگر اسکو جان کر بھی آپ میری طرف متوجہ ہیں۔ تو مجھے خدمت سے انکار نہیں۔

والسلام۔

مکتوب - ۲

حضرۃ الشیخ رح

از: ہیچمدان سلیمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بالفعل اعظم گڑھ یا اس کے اطراف کا کوئی قصد نہیں ہے۔ اعظم گڈھ کے سفر کو وقت مناسب تک ملتوی رکھیئے۔ میں آج کل وہاں نہیں ہوں

دُعاء آپ کی سعادت دارین اور کامیابی کیلئے دل سے دعاء ہے اور آپ کے والد ماجد کی صحت کیلئے بھی اللہ تعالیٰ سے دُعاء ہے۔ گو ایک مسلمان بھائی کی دُعاء دوسرے مسلمان بھائی کے حق مستجاب ہے۔ مگر مناسب یہ ہے کہ ضرورت مند خود پورے خضوع و خشوع سے درگاہ الٰہی میں متوجہ ہو کر دُعاء مانگیں۔ ہوسکے تو تہجد کے بعد دُعاء مانگی جائے۔

طلب رزق آپ سکریٹریٹ اور قانون کے لئے جو دعاء کرانا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق دل میں یہ نیت کیجئے کہ طلب رزق کا جو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اسکی تعمیل میں یہ کوشش کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ دُعاء کامیاب ہوگی۔ خواہ بعینہٖ ہو۔ یا بمثلہٖ۔ اور ہر ایک پر بخوشی رضامند رہنا چاہیئے۔

والسلام

۵ مئی ۱۹۴۴ء

مکتوب ۳/۸۰ ؎۱

حضرۃ الشیخ برح ــــ دیسنہ ضلع پٹنہ

۱ر جون ۴۴ء ۔ ۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ

جناب مختار احمد صاحب ۔ ۷ ممتاز ہاؤس

مسلم یونیورسٹی ۔ علی گڈھ

محب عزیز زادکم اللہ صلاحاً

۱:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ خاکسار اس وقت اعظم گڈھ سے دور صوبہ بہار کے ایک گاؤں میں جو میرا قدیم وطن ہے ۔ مقیم ہے اور جون بھر یہاں قیام رہے گا ۔ انشاء اللہ جلد ملاقات کی صورت نکلے گی ۔

۲:۔ حسن معاشرت | اخلاقاً آپ کے مہمان کے دوست کو آپ سے اجازت لینی چاہیئے تھی ۔ اور آپ کے دوست کو آپ کے استفسار و اجازت کے بعد دوسرے کی دعوت قبول کرنی چاہیئے تھی ۔ آپ مختار تھے ۔ کہ اجازت دیتے یا نہ دیتے ۔ تاہم اگر ان کی خوشدلی کے خیال سے اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتے ۔ تو اس میں بھی ثواب پاتے ۔ جس طرح مہمان کی خاطر تواضع کا ثواب ہے ۔

۳:۔ آپ کی سعادت دارین کی دلی دعا ہے ۔

۴:۔ حلاوت ایمانی و ذکر | حلاوت ایمان ذکر کی کثرت اور اطاعت الٰہی کے مداومت سے حاصل ہوتی ہے

؎۱ پوسٹ کارڈ ہے

۵۔ مواعظ تھانویؒ | حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ کم از کم ایک سو پڑھیں۔ اس کے بعد استفسار مزید فرمائیں۔ تعلیم الدین کو بار بار مطالعہ کی خاطر نہیں بلکہ عمل کی نیت سے پڑھیں اور عمل پر دھیان دیں۔

۶:۔ تصانیف مودودی صاحب | مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتابیں اور رسائل ان نوجوانوں کے لئے مفید ہیں جو بالشوازم وسوشلزم و فسنزم وغیرہ تحریکات میں مبتلا ہوکر اپنا دین و ایمان کھو رہے ہیں۔ جو لوگ اس فتنہ سے محفوظ ہیں۔ ان کیلئے حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف و رسائل مفید ہیں۔ والسلام

سید سلیمان ۱۱ر جون ۱۹۴۴ء

مکتوب ۔ ۸۱/۴

اعظم گڑھ

اخی فی اللہ دام سعدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱:۔ سفر میں تراویح | سفر میں اگر تراویح باجماعت نہ ہو سکے تو چند رکعت رات کے کسی حصے میں پڑھ لیجئے۔ انشاء اللہ باعث برکت ہوگا

۲:۔ طلب رزق | اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی تلاش رزق میں کامیاب فرمائے۔

۳:۔ دنیا کی غفلت پر تأثر | اس عیش طلب اور غافل دُنیا کو دیکھ کر تو اس پر تو افسوس کرنا چاہیئے نہ کہ اس سے یہ اثر قبول کیا جائے۔ کہ

خود بھی عیش طلب اور غافل بن جائیے۔ یہ تو الٹی منطق ہے۔

۴:- علی گڑھ کی حاضری کے مواقع تو کئی ملے۔ مگر سفر کی صعوبتوں کے سبب سے ہمت نہیں ہوتی۔ اور نہ آئندہ کوئی معین تاریخ ابھی ہے۔

۵:- آپ الٰہ آباد سے اعظم گڈھ آسکتے ہیں۔ انشاءاللہ شعبان و رمضان قیام یہیں رہے گا۔

۶:- **نماز کی ادائیگی عزم پر منحصر ہے** | نماز فجر کے لئے اگر عزم کرلیا جائے تو کچھ مشکل نہیں۔ اگر صبح کی گاڑی سے کہیں جانا ہو تو کیسے اُٹھ جاتے ہیں۔ اگر اس پر بھی وقت پر آنکھ نہ کھلے تو جس وقت آنکھ کھلے۔ اسی وقت پڑھی جائے۔ بشرطیکہ عین طلوع کا وقت نہ ہو۔

۷:- **مطالعہ برائے عمل** | صرف پڑھنا نہیں بلکہ عمل کی خاطر سے پڑھنا چاہیئے۔

۸:- **بہترین زندگی کی طلب اور دنیا و آخرت کا فرق** | بہترین زندگی کی خواہش دنیا اور دین دونوں میں ہے۔ تو بتائیے کہ ان دونوں میں اصل کون ہے۔ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ (بے شبہ آخرت ہی کی زندگی زندگی ہے)۔ اگر اس زندگی کے تحت دنیا کی زندگی بھی مل جائے۔ جس کو لوگ آرام کی زندگی کہتے ہیں۔ تو بہت بہتر دعائے الٰہی ہے۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة وقنا عذاب النار - لیکن دنیا کی زندگی کی خاطر آخرت سے تغافل تو خسرانِ دنیا و آخرت ہے ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد
کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

سید سلیمان
۱۴ شعبان ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۵/۸۲

مسترشد۔ بجنور۔ ۱۹ر ستمبر

مکرمی و محترمی السلام علیکم

۱:۔ میری بہبودیٔ دارین، ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کی کامیابی۔ والد صاحب کی صحت (جو کہ کافی علیل ہیں) اور قرضہ کی ادائیگی کیلئے دعا فرمائیں۔ قرضہ کی وجہ سے مجھے معاش کی جستجو و فکر اور زیادہ ہوگئی ہے۔

۲:۔ سفر میں نماز کم ہو پاتی ہے۔ اکثر سفر کے بعد کئی وقت کی قضا سکون سے پڑھ لیتا ہوں۔ کوئی حرج تو نہیں!

۳:۔ روزانہ صبح قرآن شریف مع ترجمہ کے پڑھ لیتا ہوں۔ مولانا محمود الحسن صاحب کا ترجمہ دیکھ لیتا ہوں کوئی حرج تو نہیں۔

۴:۔ آپ نے جو وظائف لکھ کر عنایت فرمائے تھے۔ اُن کی پابندی کی کوشش کرتا ہوں۔ ابھی تک تو کامل طریقہ پر تو پابندی نہیں کر پایا۔

۵:۔ مقابلہ کے امتحانوں کی مشغولیت کے بنا پر اعظم گڑھ سے آنے کے بعد صرف حضرت مولانا کا ایک وعظ ہی پڑھ سکا۔ باقی فرصت نہ ملی۔

۶:۔ قبلہ والد صاحب کی خدمت نہ کرنے کا افسوس ہوتا ہے۔ اول ملازم نہ ہونے کی بناء پر۔ دوم امتحانات کے سلسلے میں باہر رہنے کی وجہ سے بعض اوقات اس فرض کی کوتاہی سے قلق ہوتا ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔

۷۔ قومی خدمت اور گھر والوں کی خدمت ایک دوسرے کی منافی معلوم ہوتی

ہیں۔ کس خدمت کو ترجیح دی جائے۔ طبیعت قوم کی خدمت اور کام کرنے کو جی چاہتی ہے۔ 12/

۸۔ سلمان میاں کو دعا۔ دیگر رفقاء اور مسعود علی صاحب وغیرہ کی خدمت میں سلام نیاز پیش ہے۔

۹۔ بعض اوقات اس خیال سے کہ میں دنیوی علوم میں نہ کوئی خاص قابلیت رکھتا ہوں۔ یعنی اردو۔ فارسی۔ انگریزی۔ تحریر وتقریر پر حاوی اور نہ تقویٰ و مذہبی علوم میں دخل اپنی کم مائیگی پر قلق ہوتا ہے۔ زندگی کے تیس سال قطعاً ضائع ہوئے اور اس پر اور افسوس کہ اب اسکے تدارک کی صورت نظر نہیں آتی۔

۱۰۔ ریل میں بغیر ٹکٹ سفر کرنے یا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر انٹر میں بیٹھ جانے سے گناہ تو نہ ہوگا ——— خادم۔ مختار

حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ

۱ طلب رزق | آپ کی کامیابی کے لئے بدل بارگاہِ الٰہی میں دُعا ہے۔ اگر قبول ہو۔ تو شکر کیجئے اپنے پروردگار کا۔ اور اگر خدانخواستہ نہ ہو۔ تو ہمت نہ ہاریئے۔ صبر کیجئے۔ غرض دونوں حال میں بندہ خدا تعالیٰ ہی سے لگا رہے۔ ماں مارتی بھی ہے تو بچہ ماں ہی گود سے چمٹا رہتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کیلئے بھی دعا ہے۔

۲ نماز سفر | یہ درست نہیں۔ نماز سفر ہو یا حضر ہر وقت کی پابندی سے ادا کرنا ضروری ہے۔ سفر میں دقت ضرور ہوتی ہے۔ لیکن بندہ اگر عزم مصمم کرے تو وہ ضرور ہی پوری ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آپ

آزما کر دیکھیں۔ قصداً بلا معذرتِ حقیقی ترک نماز کا گناہ ہے۔ اگرچہ بعد کو ادا کر لی جائے۔

۳۔ تلاوت قرآن | بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں۔ نیت عمل کی ہو۔ کچھ ہرج نہیں۔ اس کے حواشی بھی پڑھ لیں۔

۴۔ معمولات کی پابندی عزم پر موقوف ہے | ہمت کیجئے ہمت سے دین اور دنیا کے کام ہوتے ہیں۔

۵۔ مواعظ تھانویؒ | کچھ حرج نہیں جب فرصت اور موقع ہاتھ آئے۔ تو اس سے محروم نہ رہیئے۔

۶۔ خدمت والدین | بے شک افسوس کے قابل بات ہے۔ اپنے اختیار کی بات میں کمی نہ کیجئے۔ اور جو امر اختیار سے باہر ہو۔ اس کے لئے دعا کیجئے۔

۷۔ خدمتِ دین | قومی خدمت کیا چیز ہے۔ گھر والوں کی خدمت تو میں سمجھا۔ قومی خدمت تو کوئی چیز مجھے نہیں معلوم ہوتی۔ ہاں دین کی خدمت اور مسلمانوں کی خدمت تو میں جانتا ہوں۔ مگر اس خدمت کے لئے تیاری کی ضرورت ہے۔ جو ابھی آپ کو حاصل نہیں ہے ابھی تو آپ اپنی خدمت کیجئے۔

۸۔ سلمان کی طرف سے سلام قبول کیجئے۔ مولوی مسعود علی صاحب سے آپ کا سلام یاد رہا۔ تو کہہ دوں گا۔ مگر یہ رسمی باتیں ہیں۔ ان کا ترک ہی ہمارے اور آپ کے درمیان اولیٰ ہے۔

۹۔ **تواضع سبب کاہلی نہیں** | واقعہ اور اس کے نتیجہ کو ذرا دوسری نگاہ سے دیکھئے۔ اور وہ یوں کہ آپ گو بہتوں سے کم ہیں۔ مگر بہتوں سے زیادہ بھی جانتے ہیں۔ تو یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے بہتوں سے اچھا بنایا ہے۔ مگر یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے بندہ کو اس میں فخر کی جگہ نہیں۔ کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے اسی نے دیا ہے۔ اپنے کو حقیر سمجھ کر کاہل دست نہ ہوں۔ یہ غلط ہے۔ بلکہ اور زیادہ تیز ہوں۔ اللہ سے مزید کے طالب ہوں بالفرض جو ضائع ہوا وہ ضائع ہوا مگر بقیہ عمر کے اس ضائع جانے کو، صرف افسوس میں ضائع نہ کیجئے۔ بلکہ اس کی تلافی میں خرچ کیجئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے پُر امید رہیئے۔ دیکھئے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کو تواضع اور خاکساری کی بناء پر اپنے کو سب سے کم سمجھتے تھے۔ مگر پھر بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ ملک فتح کرتے تھے، سلطنت کرتے تھے۔ دین اور مسلمانوں کے کام کرتے تھے۔

۱۰۔ **بغیر ٹکٹ کے سفر** | ریل میں بغیر ٹکٹ سفر کرنا یا کم درجہ کے ٹکٹ سے بڑے درجہ میں سفر کرنا اور اس کا کرایہ نہ ادا کرنا، دوسروں کے مال میں تصرف ہے۔ جو ناجائز ہے۔ البتہ اگر سرکاری ریل ہو۔ اور آپ کوئی ٹیکس غیر واجبی ادا کرتے ہوں۔ تو بعض علماء نے اس ٹیکس کے مطابق اجازت دی ہے۔ پھر بھی زیبا نہیں کہ اس سے مسلمانوں کے اخلاق پر دھبہ لگتا ہے۔ والسلام۔ ہیچمدان۔ سید سلیمان۔

۶ر شوال ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۸۳/۶

اعظم گڈھ۔ شبلی منزل

محترم زادکم اللہ تعالےٰ توفیقا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ خاکسار ۳؍ شوال سے یہاں مقیم ہے اس درمیان میں آپ تشریف لاسکتے ہیں۔ اگر زحمت نہ ہو تو مولانا نامی کی خدمت میں اس گُم نام کا سلام پہنچا دیجئے ۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان ۔ ۱۲؍ شوال ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۸۴/۷

حضرۃ الشیخ رح	مسترشد ڈیوٹی ہوسٹل ۱۴؍ اکتوبر علیگڈھ
از ہیچمدان سلیمان باخی فی اللہ دام سعدکم	مکرمی ومحترمی السلام علیکم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کی بہبودی اور آپ کے والد صاحب کی صحت کیلئے دل سے دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں	۱:۔ میرے لئے بہبودی دارین کی دعاء فرمائیں۔ اور قبلہ والد صاحب کے لئے صحت کی۔
۲:۔ بہت مبارک اور بہت خوب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تاثیر بخشیں۔	۲:۔ پہلے خط کے لکھنے کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کے تقریباً دس مواعظ پڑھے۔
طلب رزق | یہ مذاق صحیح اور درست ہے۔ لیکن طلب رزق بھی	مواعظ وغیرہ پڑھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثواب کا کام کررہا ہوں مگر

مقابلہ کے امتحان وغیرہ کی تیاری میں خوب طبیعت نہیں لگتی کیونکہ محسوس ہوتا ہے کہ دین اور ثواب کا کام نہیں حالانکہ دماغ میں ایک حدیث بھی ہے کہ دوسرے فرائض کے بعد تلاش معاش فرض ہے

بھی فرض ہے۔ اور اس کے حصول کی مباح تدبیریں بھی اختیار کرنا ضروری ہیں۔

مولانا کے ایک وعظ سے معلوم ہوا کہ مال اور جاہ بھی مطلوب ہیں۔ بشرطیکہ حب مال وحب جاہ نہ ہو

طلب مال وجاہ | [۳] بے شبہ طلب مال اور طلب جاہ بغرض دفاع ظلم صحیح ہے۔

کچھ عرصے سے کتب عمل کی نیت سے پڑھتا ہوں۔

مطالعہ برائے عمل ہو | [۴] اس نیت سے پڑھنے میں عمل کی توفیق ملتی ہے

کیا رشوت دینا اس حالت میں بھی حرام ہے کہ بغیر رشوت کے کام نہ چلتا ہو؟

رشوت [۵] | رشوت دینا اس غرض سے کہ دوسرے کا حق مارا جائے حرام ہے لیکن اپنے سے ظلم کو دور کرنے یا تکلیف کو دفع کرنے کی غرض سے دینا درست ہے

۲:- ایک دفعہ دہلی سے والد صاحب کیلئے طبیب لایا۔ بغیر رشوت کے گاڑی میں جگہ نہیں ملتی تھی آخر کار کلرک کو رشوت دے کر جگہ کرائی۔ یہ عمل[۶] درست تھا۔

[۶] یہ عمل درست ہوا

۴:۔ ماہِ اکتوبر و نومبر میں آپ کا قیام کہاں رہے گا۔ ۱؎

۵:۔ طبیعت چاہتی ہے کہ ہر لمحہ کا کام اور ہر کام حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں ہو۔ اس سلسلے میں جو چیزیں معین اور مفید مقصود ہوں تحریر فرمائیں مجھے

۶:۔ حضرت مولانا کا وعظ محاسن الاسلام قیمتاً یا عاریتاً اگر مل جاتے تو روانہ کرادیجیے۔

۷:۔ طبیعت چاہتی ہے کہ کسی بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس لڑکی سے شادی کروں۔ کیونکہ خیال ہے اس طرح زندگی اچھی گذرے گی۔ ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم کا بھی خیال ہے۔ آپ کا کیا مشورہ ورائے ہے۔ شادی کا طریقہ عین اسلامی کیا ہے؟

۱؎ اسوقت لکھنؤ میں ہوں۔ اکتوبر و نومبر میں انشاء اللہ اعظم گڈھ میں رہونگا۔

اتباعِ نبوت کیلئے مفید کتاب | آپ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو سیرت میں ہے پڑھیں۔ اس کے آخر میں شمائل کا رسالہ ہے۔

وعظ محاسن الاسلام | افسوس یہاں لکھنؤ میں تلاش کیا۔ نہیں ملا میرے پاس نہیں مل سکا۔

انتخاب زوجہ | احادیث میں ہے کہ نکاح میں عورت کا انتخاب تین وجہوں سے ہوتا ہے۔ اس کی خوبصورتی کے سبب سے یا اسکی دولت کے سبب سے اور یا اوس کے دین کے سبب سے تو عورت کا انتخاب صرف دین کے اعتبار سے کرنا چاہیئے۔ یعنی مسلمان ہو۔ نیک ہو پابند شرع ہو، مطیع اور شوہر کی اطاعت گزار ہو۔ شریف اخلاق ہو نیک خو ہو۔ انگریزی تعلیم یافتہ خاتون

وہ پھول ہے جو خوش رنگ ہے۔ مگر خوشبو نہیں۔ جیسے انگریزی پھول ہوتے ہیں۔ شباب کی اُمنگ میں ایسی بیویاں نوجوانوں کو پسند آتی ہیں۔ مگر شوہروں کی زندگیاں بعد کو تلخ ہوتی ہیں۔ بہرحال اگر آپ تعلیم یافتہ چاہتے ہیں تو ساتھ ہی دیندار کی قید بھی لگا دیجئے۔

لڑکی کو خود پیغام دینا اور گفت و شنید کرنے یا بذریعہ خط و کتابت معاملات طے ہونا چاہیں۔ یا پیغام لڑکی کے والد کو خود دیا جائے۔

خادم مختار۔

خطبہ بذریعہ ولی ہو | جی نہیں پیغام ولی کی معرفت دینا چاہیئے گو شریعت میں عورت کو بھی براہ راست پیغام دیا جا سکتا ہے تاہم ولی کی رضامندی اور اطلاع بہت مناسب ہے۔ والسلام

سید سلیمان ۲۲ شوال ۱۳۶۲ھ

مکتوب ۸/۸۴ (بنام مختار احمد خان)

مسترشد ـــــــــ مکرمی و محترمی السلام علیکم۔

۱:- امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

۲:- میرے لئے بہبودئ دارین اور صحت کیلئے دعا دیجئے گا اور قبلہ والد صاحب کے لئے بھی عرصہ سے علیل ہیں۔

۳:- آج کل فنانس اور ڈپٹی کلکٹری کا امتحان دے رہا ہوں۔ ڈپٹی کلکٹری کا دہلی میں دیا تھا۔ ان میں کامیابی کے لئے دعا فرما دیجئے۔

۴:- اگر خدانخواستہ ان امتحانات میں رہ گیا تو ابھی سے آئندہ کیلئے تیاری کرنا پڑے گی۔ اور یا امسال مارچ میں ایم۔ اے پورا کروں گا۔ بہر حال اس صورت میں میں یہ طے نہ کر سکا کہ امسال ایم۔ اے کروں یا نہ۔ اس لئے آپ استخارہ سے مشورہ کے طور پر تحریر فرمائیں کہ کونسی صورت اختیار کیجائے۔

۵:- بہت سے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ مگر بہت جلد توبہ غائب۔ اور پھر ان گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہوں۔ توبہ کامل کیسے نصیب ہو۔

خادم مختار

حضرت الشیخؒ

اخی فی اللہ زادکم اللہ تعالیٰ توفیقا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱:- الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

۲:- آپ کے بہبود و کامیابی و فلاح کیلئے بدل دعاء اور آپ کے والد کیلئے بھی۔

۳:- طلب رزق | طلب رزق کیلئے جو کوشش بھی ہو۔ اوس کی کامیابی کی دُعا ہے۔

۴:- استخارہ کی حقیقت | استخارہ صاحب معاملہ کو خود کرنا چاہئیے استخارہ ایک دعاء ہے۔ اس کا معاملہ بھی دعاء کا ہے۔

تکمیل علم | ایم۔ اے پورا کر لینا اچھا نظر آتا ہے۔ اس کا ادھورا رکھنا برا معلوم ہوتا ہے۔

۵:- توبہ پر استقامت بغیر ہمت و عزیمت کے ممکن نہیں | اس کا علاج بجز

ہمت اور عزیمت کے کچھ نہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود توفیق عطا فرمائیں، دعاء کیا کیجئے۔ یہ فقیر بھی آپ کے لئے دعاء کرتا ہے۔

والسلام ہیچمدان سلیمان ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ

مکتوب ۸۵/۹

(پوسٹ کارڈ ہے۔ اعظم گڈھ کی ۳ نومبر ۱۹۴۴ء کی مہر ہے)

اعظم گڈھ ——— اخی فی اللہ رزقکم اللہ الصبر والاستقامہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے والد صاحب مرحوم کی دفات کی اطلاع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اونکی مغفرت فرمائے۔ دلی دعاء ہے۔ اور آپ لوگوں کو صبر و استقامت نصیب فرمائے۔ یہ دنیا یوں ہی رہی ہے۔ یوں ہی رہیگی۔ الی یوم القیامہ۔

میت کیلئے خیرات | مرحوم کیلئے مساکین کو خیرات اس نیت سے دیجئے کہ اوس کا ثواب مرحوم کو ملے۔ سوم، پنجم و چہلم اور کھانا پکوا کر تقسیم کرنے میں خرابیاں ہیں۔ ان سے احتراز لازم ہے۔ نقد یا کپڑا یا غلہ بغیر ریاء اور نمائش کے دینا چاہیئے۔ قرآن پاک تلاوت کر کے بخشیں۔

آپ کی ملازمت کی کامیابی کی دعاء ہے

والسلام

ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۱۰/۸۶

مکرمی و محترمی السلام علیکم

۱:۔ جب سے جناب سے اصلاح کا سلسلہ جاری ہے دو لفافہ جن کے اندر ایک ایک سادہ لفافہ بھی تھا بھیج چکا ہوں۔ کہ جن کے جواب سے محروم رہا شاید نہ پہنچ سکے

۲:۔ اپنا ایمان قوی محسوس نہیں ہوتا۔ بعض اوقات عقائد کے متعلق وساوس و شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا عمل کیا جائے۔

۳:۔ اسلام میں تو انسان کی برتری صرف تقویٰ پر منحصر ہے۔ پھر اخوت کے خلاف شیخ، سیّد، مغل، پٹھان، درزی، جولاہے کے امتیازات کو کیوں حیثیت دی جاتی۔ اور ان میں ایک کو دوسرے سے اچھا کیوں سمجھا جائے۔

اسلام اس تفریق کو مٹانے کیلئے آیا تھا۔ بہشتی زیور میں صا۱ ج۴ پر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تحریر بہ عنوان "کون کون لوگ اپنے برابر برادر میل کے ہیں اور کون کون لوگ اپنے برابر اور میل کے نہیں" دیکھ کر تعجب ہوا اور سمجھ میں نہیں آیا۔

۴:۔ سوٹ پہننے کے متعلق کیا حکم ہے۔ کیا اب بھی اس سے تشبہ بالکفار ہوگا جبکہ مسلمان بھی کافی تعداد میں اسکو پہننے لگے ہیں۔

۵:۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے کے متعلق کیا حکم ہوگا۔

۶:۔ پہلے خط کے بعد سے جسکا جواب مجھے نہیں ملا۔ مولانا کے کچھ مواعظ اور پڑھے۔

۷:۔ بہبودی دارین اور فائننس کے امتحان میں کامیابی کیلئے دعاء فرما دیجیئے گا۔

۸:۔ مقابلہ کے امتحان کیلئے پھر تیاری شروع کردی ہے۔ مگر طبیعت اسطرف کم لگتی ہے۔ مذہبی کتب کا مطالعہ کرنے کو طبیعت چاہتی ہے۔

۹:۔ اپنے اندر تعدیل جذبات نہیں پاتا۔ اس کے حصول کا کیا طریقہ ہے۔

۱۰:۔ نماز پنجوقتہ تقریباً جماعت سے ہوجاتی ہے۔ فجر کے بعد قرآن شریف دوچار رکوع مع ترجمہ کے پڑھتا ہوں۔ فجر کے بعد قرآن کریم اور بتائے ہوئے وظائف پڑھتا ہوں۔ سوتے وقت پانچ منٹ مراقبہ موت کرتا ہوں۔

۱۱:۔ کیا اپنے پرانے گناہ یاد کرنے چاہئیں۔ اس کو یاد کرکے دل پر عجیب یاس و افسوس کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

۱۲:۔ کیا مشاعرہ میں بحیثیت شاعر یا سامعین کے شرکت جائز ہے یا نہیں۔ اگر نیت یہ ہو کہ اس سے اردو کی ترقی ہو۔

۱۳:۔ ایک سوال دل میں آیا۔ جواب سمجھ میں نہیں آیا کہ یعنی ایک کافر اور مسلمان کے آخر کے امتیاز چھوڑتے ہوئے دنیا میں کیا فرق ہے۔ بشرطیکہ دونوں کا اخلاق ایک سا ہو۔ دونوں کی زندگیاں یکساں طور پر گذر رہی ہوں۔ دونوں کا ما بہ الامتیاز کیا ہوگا۔

۱۴:۔ اسلام کا نظریہ شاعری کے متعلق کیا ہے۔ کس حد تک جائز ہے۔ مختار

حضرت الشیخ رح

۱:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دونوں خطوط ملے

۲:۔ تقویت ایمان کیلئے دعاء و علاج | ایمان میں قوت کیلئے دعاء کیجئے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

اردو میں دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ثبات ایمان بخشیں وساوس وشبہات اگر قوی ہوں اور قائم ہوں تو پوچھ کر دفع کر لیجئے۔ ورنہ التفات نہ فرمائیے وساوس کچھ نہیں۔

۳:۔ انساب کا اختلاف وامتیاز | انساب کا اختلاف وامتیاز صرف نکاح کے باب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں بزرگی اور مقام صرف تقویٰ اور عمل سے ہے۔ نسب سے نہیں اور نہ پیشہ سے ہے۔ اس طرح قانون میں سب مسلمان برابر ہیں۔ ہر ایک کیلئے ایک حکم ہے۔

کفو کا فائدہ | یہ بیان نکاح کے متعلق ہے۔ نکاح میں کفو کا مسئلہ معاشرت خاندانی میں یک جہتی کی خاطر ہے۔ اگر خاندان والوں کو اعتراض نہ ہو تو نکاح میں کوئی حرج نہیں۔

۴:۔ سوٹ کا حکم | ہندوستان میں تو ضرور تشبہ بالنصاریٰ کے حکم میں ہے۔

۵:۔ چوڑی دار پائجامہ | چوڑی دار پائجامہ صلحاء کا لباس نہیں۔ اور اگر ٹخنے کے نیچے ہو تو ناجائز ہے۔

۶:۔ مواعظ تھانویؒ | مبارک (۷) دلی دعا ہے

۸:۔ طلب رزق | طلب رزق ہر دروازے سے کی جاسکتی ہے۔ طبیعت خیر کی طرف مائل ہے شکر کیجئے۔ ظاہری اعزاز کوئی چیز نہیں۔

۹:۔ اصول حق پر طریق استقامت | اصول حق پر استقامت کے ساتھ پہلے تکلف سے زبردستی قائم رہیئے۔ پھر عادت ہو جائے گی۔ پھر اخلاص سے عبادت ہو جائے گی۔

۱۰:۔ معمولات | مناسب ہے۔ اللہ برکت دیں

۱۱:۔ گذشتہ معاصی کی یاد | جی نہیں استغفار کر کے بھول جائیے

۱۲:۔ مشاعرہ میں شرکت | نیت بخیر ہو تو شریک ہوں۔ بشرطیکہ فضولیات میں شرکت سے پرہیز ہو۔

۱۳:۔ امتیاز کافر و مسلم | بڑا فرق یہ ہے کہ مسلمان کا ہر کام خواہ وہ اخلاقی ہی ہو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہوتا ہے۔ اور کافر اس سے محروم رہتا ہے اس لئے اسکا کوئی کام بھی بظاہر نیک سمجھا جاتا ہے۔ نیک نہیں۔ نیک کام وہی ہیں جو صرف خدا تعالیٰ کی رضامندی کیلئے اور اوس کے حکم کی تعمیل میں ہو۔

۱۴:۔ مستحسن شاعری | شاعری جس میں حق کی حمایت اور خدا و رسول کی حمد و مدح اور مواعظ اور اخلاقی تعلیمات ہوں۔ جائز ہیں یا جن سے نیک جذبات کی تحریک ہو

مکتوب ۸۷/۱۱

مسترشد

۱:۔ اکثر طبیعت پریشان رہتی ہے۔ سکون کم ملتا ہے

۲:۔ علی گڑھ کی فضا تو عجیب ہے۔ جو میری طبیعت کو موافق نہیں۔ یہاں کے لوگوں سے کس طرح میل ملاپ رکھا جائے۔

۳:۔ قرآن شریف روزانہ بلا ترجمہ پڑھتا ہوں۔ ترجمہ سے پڑھنے کو طبیعت چاہتی ہے

۴:۔ جھوٹ بولنے کی عادت کافی ہے۔ اس کے چھوڑنے کی کیا صورت ہے

۵:۔ کسی غیر مسلم یا مسلم سے اس نظریہ سے دوستی رکھنا کہ کبھی اس سے نفع پہونچنے کی امید ہے توکل کے خلاف اور برا تو نہیں ہے۔

۶:۔ کس صورت سے اسلام پر مکمل طریقہ سے عمل ہوسکتا ہے۔

۷:۔ اپنے کو دنیا بھر سے ہیچ سمجھتا ہوں۔ اس کا یہاں تک اثر ہوتا ہے کہ اپنے کو کچھ معطل سا پاتا ہوں۔

۷:۔ مزاج میں تلون بہت زیادہ ہے۔ ذہنی کشمکش سے قوت ارادی بہت کمزور ہوگئی ہے۔ معاملات بہت دیر میں طے کر پاتا ہوں۔

۸:۔ بہبودیٔ دارین کیلئے دعا فرمادیجئے

۹:۔ کبھی کبھی احباب سینما لے جانے پر مجبور کرتے ہیں۔ میں عام طور سے بچ جاتا ہوں۔ لیکن کبھی مجبوراً جانا بھی پڑ جاتا ہے۔ اس معاملہ میں کیا رویہ ہونا چاہیئے

۱۰:۔ صبح فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن شریف کرتا ہوں۔ اور کچھ حصہ حیات المسلمین پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ پنجوقتہ نماز اکثر جماعت سے۔ اور جب یاد آجاتا ہے تو لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ اس کے علاوہ اور کیا معمولات ہونے چاہئیں۔

۱۱:۔ میری صحت تو اچھی نہیں ہے۔ کیا ہر جمعہ کو روزہ رکھ لیا کروں؟

۱۲:۔ شکر کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے حصول کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخ رح

۱:۔ پریشانی کا سبب کیا ہے۔

۲:۔ لوگوں سے میل ملاپ کا طریقہ | اپنے کاموں میں معروف رہیں اور غیر سے بلا ضرورت میل جول نہ بڑھائیں۔ صالحین سے ملنا چاہیئے اور غیر صالح سے بقدر ضرورت۔

۳:۔ مطالعۂ ترجمہ قرآنی برائے عمل ہو | مولانا (حضرت اشرف علی تھانوی مراد ہیں مرتب۔) کا ترجمہ پڑھیں اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو دریافت کرلیں۔ ترجمہ صرف عمل کی نیت سے پڑھیں۔

۴:۔ کذب | استغفار کیجئے۔ اوس مواخذہ کو یاد کیجئے جو کاذب سے کیا جائے گا۔ اور اوس عذاب کو یاد رکھیئے۔ جو جھوٹے کو دیا جائے گا۔ اللھم ارحمنا۔ خدا نے جھوٹے پر لعنت بھیجی ہے۔

۵:۔ مسلم اور غیر مسلم سے میل | کسی مسلمان یا غیر مسلم سے اس نیت سے میل رکھنا کہ اوس کے شر سے بچا رہوں جائز ہے۔ نفع کی امید تو خدا تعالیٰ ہی سے ہے

حب و بغض للہ ہو | محبت اور دشمنی صرف خدا کیلئے چاہیئے۔

۶:۔ اسلام پر عمل کا طریقہ | تدریج اور آہستگی سے کام شروع کیجئے۔ پہلے عقائد درست کیجئے۔ پھر عبادات کی تکمیل کیجئے۔ پھر اخلاق سنواریئے۔ پھر آگے بڑھیئے۔ گناہوں سے فی الفور کنارہ کشی اور استغفار ضروری ہے۔

تواضع | یہ باتیں اچھی ہیں۔ ابھی گو مستقل نہیں پھر انشاء اللہ مستقل

ہوجائیں گی۔

۷۔ تلون مزاجی | اس کے ازالہ کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے۔ اور اس سے مدد مانگیئے۔ وہ انشاء اللہ مدد فرمائیں گے۔ مایوس نہ ہوجئے

۸۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

۹۔ سنیما کا حکم | کبھی نہ جائیے۔ اور دوستوں سے صاف کہہ دیجئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہے۔

۱۰۔ معمولات | بالفعل یہ کافی ہے۔

۱۱۔ روزہ | دوشنبہ کو یا جمعرات کو رکھ سکتے ہیں۔

۱۲۔ شکر کیا ہے | شکر کے معنی یہ ہیں کہ انعامات کو محض فضل الٰہی جانا جائے۔ جو اوس نے اپنے بندہ کو اوس بندہ کے کسی ذاتی استحقاق کے بغیر عطا فرمائے ہیں۔ بحمد اللہ یہ کسی مسلمان پر مشکل نہیں ——— "سید سلیمان"

مکتوب ۱۲/۸۸

علی گڈھ[1] ——— از سید سلیمان بہ اخی فی اللہ دام رشدہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ میں تین ماہ سے مدراس و بمبئی و دکن کے سفر سے دو تین روز ہوئے کہ واپس آیا ہوں۔ آپ کے کئی خطوط ملے آپ کی اس محبت اور یاد فرمائی کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔

---

[1] پوسٹ کارڈ ہے علی گڑھ غلطی سے لکھا گیا ہے۔ ڈاکخانہ کی مہر اعظم گڑھ کی ہے (مرتب)

کچھ اعزہ و احباب اگر بے تکلف بلا دعوت و اہتمام جمع ہو جائیں تو کچھ حرج نہیں ورنہ خلاف سنت ہے۔

مسواک و برش کا حکم | حدیث شریف میں خاص طور سے پیلو کی مسواک کی خصوصیت نہیں آئی۔ تاہم اتباع کامل اسی کو چاہتا ہے۔ ٹوتھ برش اگر کسی ضرورت یا مصلحت سے کیا جائے جیسے مصنوعی دانتوں کے سٹ کی صورت میں تو جائز ہے۔ ورنہ اس سے بچا جائے۔

سینما اور اس کے ذریعہ تعلیم کا حکم | سینما میں شرکت ہر حال میں برا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اوسکی برائی کم یا زیادہ ہو جائے گی۔ سینما کے ذریعے سے تعلیم کا وہی حکم ہے۔ جو تصاویر کے ذریعہ سے تعلیم کا۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قلبی و جسمانی راحت عطا فرمائیں۔

والسلام۔ سید سلیمان ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

مکتوب ۱۳/۸۹

مسترشد

۱۔ مکرمی و محترمی۔ السلام علیکم

اس سے قبل کئی عریضہ ارسال کر چکا ہوں۔ مگر جواب سے محروم رہا۔ شاید آپ سفر میں تھے۔

۲۔ امسال P.C.S اور finance کے امتحانات میں ناکامی

رہی۔ آئندہ سال پھر ان دونوں امتحانات میں بیٹھنے کا خیال ہے۔ آپ بہبودی دارین کے لئے دعا فرمائیں۔

۳:۔ آج کل سکون قلب قائم نہیں رہتا۔ ان ناکامیوں کی بناء پر اپنی ناقابلیت محسوس ہوتی ہے۔

۴:۔ جو کام کرتا ہوں ثواب کی نیت اور یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ پھر نہ معلوم مقابلہ کے امتحان کی تیاری کیوں نہیں کرپاتا۔

۵:۔ کچھ خانگی مالی حالت کی وجہ سے طبیعت پریشان رہتی ہے۔ اور ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ جتنی زندگی گذری سب ضائع ہوئی۔

۶:۔ آج کل چار وقت کی جماعت ہے۔ فجر کی اکثر قضا ہوجاتی ہے۔

۷:۔ یہاں پر ہم لوگوں نے ایک مجلس اسلامیات قائم کی ہے۔ ہم لوگ دار المصنفین کی بھی اکثر اچھی مذہبی کتابیں اپنے یہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ مجلس نے مجھے اس کام پر مامور کیا ہے۔ اگر مناسب ہو تو کتب میرے پتہ پر بھجوا دیجئے گا۔

۸:۔ پچھلے خطوط میں جناب کے تشریف لانے کے متعلق اصرار کرچکا ہوں۔ آپ مارچ میں تشریف لائیں تو بہت بہتر ہوگا۔

۹:۔ میرے دوست جو کہ اچھے عہدوں پر ہیں وہ جب مجھے ملنے آتے ہیں تو ان کے سامنے ذلت محسوس ہوتی ہے۔

۱۰:۔ شائد خلفشار کی وجہ سے بھی لوگوں کے ذہنوں میں مرتسم ہے کہ جسکے پاس عزت و مال ہے۔ اسکی کامیاب زندگی ہے۔ اور غریب شخص کی ناکامیاب۔ (خادم مختار)

۱:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔ معذوری لکھ چکا ۔

۲:۔ طلب رزق | اللہ تعالیٰ کی مصلحت اسی میں ہو گی ۔ پریشانی اور مایوسی نہ ہو ۔ ہر وہ شے جس کو ہم پسند کرتے ہیں ۔ ضرور نہیں کہ وہ ہمارے لئے بہتر ہی ہو ۔ علم غیب خدا ہی کو ہے ۔ اسی کو معلوم ہے کہ ہمارے لئے کیا مفید ہے ۔ ہمارا غم اپنے جہل کے سبب ہے بہبودئی دارین کی دعاء ہے ۔

۳:۔ اسباب معیشت میں ناکامی کی حکمت | مایوس نہ ہوں ۔ خدا پر توکل رکھیں کہ وہ ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں ۔ (کیا) ڈاکٹر زخم پر نشتر جو لگاتا ہے ۔ جس سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے ۔ مگر وہی نشتر ہمارے لئے بہتری کا سامان ہے ۔

۴:۔ اعمال صالحہ کا صلہ رضائے دنیا نہیں | اس کا خیال نہ کیجئے ۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام اور آئمہ اور اولیاء رحمہم اللہ پر کیسی کیسی مصیبتیں آئیں نیک کاموں کا صلہ بڑی کالی نوکری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت اور حصول رضائے الٰہی ہے ۔

۵:۔ نیک عمل ضائع نہیں ہوتے | جو نیک اعمال اس عمر میں ہو جاتے ہیں ۔ وہ ضائع نہیں ہوں گے ۔ انشاء اللہ ۔

۶:۔ مناسب ہے جماعت کی پابندی اپنی طرف سے قائم رکھیئے ۔ غفلت ہو جائے تو استغفار کیجئے ۔

۷۔ مبارک ہے۔
آپ منیجر صاحب دار المصنفین کو لکھیں۔

۸۔ معذرت ظاہر ہے۔

۹۔ فکر دین نعمت عظمیٰ ہے | اس سے شرمندہ نہ ہوجئے۔ بلکہ شکر کیجئے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہ رحم فرمایا کہ دین کا خیال بخشا۔ اس نعمت کی قدر کیجئے اور سب نعمتوں سے بڑھ کر سمجھئے۔

زخارف دنیوی لائق التفات نہیں | سوٹ بوٹ، کوٹھی اور موٹر وغیرہ بے وقعت چیزیں ہیں۔ دنیاوی اہل کمال تک ان چیزوں کو خاطر میں نہیں لاتے پھر دینی اہل کمال ان کو کہاں تک وقعت کے قابل سمجھ سکتے ہیں۔

۱۰۔ معیار عزت تقوی | بے شبہ یہی بات ہے۔ عزت کا معیار غلط ہے۔ اس کو سمجھ لیں تو پھر خلفشار نہ ہو۔ عزت کا معیار تقوی ہے نہ کہ مشاہرہ و تنخواہ

مکتوب ۱۴/۹۰

مسترشد

۱۔ مکرمی و محترمی السلام علیکم۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

۲۔ میرے لئے بہبودئی دارین کی دعا فرمادیا کیجئے۔

۳۔ طبیعت مذہبی کتب کے مطالعے کو چاہتی ہے۔ قرآن شریف کی تلاوت مع معنی کرتا ہوں۔

۴: مقابلے کے امتحانات کی تیاری بھی طبیعت پر جبر کر کے کرتا ہوں۔

۵: آج کل معاشی و مالی مسائل کی بنا پر طبیعت پریشان رہتی ہے۔ جب پریشانی زیادہ ہوتی ہے تو قرآن شریف کی تلاوت کر لیتا ہوں۔ اس کیلئے بہتری کی دُعاء فرما دیجئے۔

۶: تقویٰ کس چیز کو کہتے ہیں۔ اور اس کے حصول کے ذرائع کیا ہیں۔

حضرت الشیخ رح

عزیز مکرم ان سلیمان بہ اخی فی اللہ حقق اللہ آمالکم

۱: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمدللہ۔ حسب سابق مع الخیر ہوں۔

۲: بدل اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے دعا ہے

۳: مطالعہ کتب دینی | یہ شغل مبارک ہے

۴: طلب رزق | ذریعہ حصول رزق سمجھ کر اسکی طرف دل لگائیے۔

۵: ذکر سبب اطمینان ہے | اچھی بات ہے۔ اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے۔ ہر حال میں دعا ہے۔

۶: اہمیت و حقیقت تقویٰ | تقویٰ قلب کی ایک کیفیت ایمانی کا نام ہے۔ جس کی بناء پر بندہ کو ہر وقت اپنے مالک کی رضا جوئی کا اہتمام رہتا ہے۔ اور ہر کام کے کرتے وقت یہ خیال قائم رہتا ہے کہ یہ کام مالک کی نظر میں جائز ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق ہے یا نہیں۔ مطابق ہو تو کرے ورنہ اس سے احتراز کرے۔

تقویٰ بڑی اہم چیز ہے اور حاصل سے سارا قرآن پاک اسکی اہمیت سے معمور ہے

۱۵-۱-۶۴ھ ۱۳

مکتوب ۱۵/۹۱

مسترشد

مکرمی و محترمی السلام علیکم

۱:- اُمید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے. بندے کیلئے بھی بہبودیٔ دارین کی دُعا فرمادیجئے۔

۲:- آجکل سینما میں بعض تصاویر خاص طور سے انگریزی سوشل اور تعلیمی آتی ہیں۔ ان کے متعلق کیا حکم ہے۔

۳:- تصاویر کے ذریعہ تعلیم کا کیا حکم ہوگا

۴:- عمل صالح کی کیا حدود ہیں۔ عمل صالح میں کیا شامل ہے۔

۵:- مودودی صاحب کی تقریباً سب کتابیں پڑھیں۔ جہاں تک ملازمت کا تعلق ہے وہ کافر حکومت کی ملازمت کرنیوالے کو صحیح مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اس معاملہ میں اور اُن کی تحریرات کے معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

۶:- کیا حال میں آپ دہلی یا علی گڑھ کی طرف تشریف لائیں گے۔

۷:- انگریزی تعلیم کے متعلق جمہور علماء کی کیا رائے ہے ——— خادم مختار

حضرت الشیخ رحمہ اللہ

اخی فی اللہ اسعدکم اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱:- اچھا ہوں اور آپ کی بہبودی اور خیر کا داعی ہوں۔

۲:- **تصاویر کا حکم** | اسلام میں ذی روح تصاویر ناجائز ہیں۔ یہ تصاویر درحقیقت فحاشی اور گنہگاری کے مجسمے ہیں۔ اور ان کا سینما بنانا اگر کوئی

۳۔ اچھائی بھی رکھتا ہو تو اس کے مقابلے میں اوسکی برائیاں صدہا مرتبہ زیادہ ہیں۔ یہ گنہگاری اور عریانی اور عفت سوزی کے اڈے ہیں۔ جن کا اعتراف بارہا کیا جاچکا ہے۔ اور ہر روز شاہد ہے وہاں جانا برائیوں اور بدیوں کے ساتھ موالات اور معاونت کرنا ہے۔

۳۔ جواب گذر چکا۔

۴۔ تعریف عمل صالح | عمل صالح ہر وہ کام ہے۔ جس کے کرنے کا شرع نے حکم دیا ہے یا اوس کا کرنا اچھا سمجھا ہے۔

۵۔ کافر کی حکومت کی ملازمت کا حکم | مولانا مودودی صاحب اس بارہ میں جو کچھ کہتے ہیں وہ سب ہی علماء محققین کہتے ہیں۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ مودودی صاحب ہر مسلمان پر اوسکو ہر حال میں واجب ٹھہراتے ہیں۔ اور دوسرے علماء اس میں کچھ تفصیل کرتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ اصحاب عزیمت کیلئے وہ وہی کہتے ہیں۔ لیکن ضعیف الہمۃ کیلئے جو رزق کی تنگی کی تاب نہ لاسکے۔ اسکی اجازت دیتے ہیں۔ کہ وہ رسوخ ہمت تک یا کسی دوسری جائز آمدنی کے ذریعہ تک اس ذریعہ سے مستفید ہو۔ اور اپنے اس فعل کو دل سے بُرا سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے جائز اور غیر مشکوک آمدنی کی دعاء مانگے۔ اور کوشش میں لگا رہے۔ تا آنکہ کامیابی ہو۔ وہ اجازت اس لئے دیتے ہیں۔ کہ ایسا نہ ہو کہ سخت زندگی یا فقر و فاقہ کی زندگی کی تاب نہ لاکر دوسری بدترین برائی میں گرفتار نہ ہو جائے دوسری چیز یہ ہے کہ اگر سارے مسلمان گورنمنٹ کی ملازمت کو اپنے

اوپر حرام کرلیں تو اس محکومی کی صورت میں حکومت کے افراد سے اون پر جو مظالم ہوں گے۔ اون کے انسداد کی کیا تدابیر ہوں گی اور مسلمانوں کی حالت محکومی کی کیسی ہوگی۔ اس لئے جو لوگ ناجائز گورنمنٹ ملازمت میں جائیں تو یہ دونوں باتیں سامنے رکھ لیں کہ اون کا مدعا صرف حصولِ رزق ہے۔ جو اس وقت صحیح ذریعہ سے نہیں مل رہی ہے۔ لیکن جب ملیگی تو چھوڑ دیں گے۔ اور دوسری یہ کہ وہ مسلمانوں پر سے مظالم کے انسداد کا اہتمام کریں گے۔

۶:۔ شاید سفر ہو۔ میرٹھ جانا ہوگا۔

۷:۔ اس کا جواب تفصیل کا محتاج ہے جبکی اسوقت فرصت نہیں۔

(سید سلیمان ۸ مئی ۱۹۴۵ء)

مکتوب ۱۶/۹۲

مسترشد ——— (بذریعہ ڈپٹی سید حسین صاحب) ———

مکرمی و محترمی۔ السّلام علیکم۔

۱:۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

۲:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دُعا فرما دیجئے گا۔

۳:۔ کیا حال میں آپ میرٹھ تشریف لائیں گے۔

۴:۔ معاش کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے طبیعت کو سکون نہیں۔ جو لوگ عیش و عشرت سے زندگی گزارتے ہیں۔ اور بڑے لوگ کہلاتے ہیں۔ ان کی طرف طبیعت کھنچتی ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ ویسی ہی زندگی بسر کیجاتے۔

۵:۔ آپنے گورنمنٹ سروس کے متعلق جو کچھ لکھا اس سے میں یہ سمجھا کہ تقویٰ اور اہل ہمت کیلئے اس سے احتراز ہی لازم ہے۔ لیکن بوجہ مجبوری اِس کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ——— خادم۔ مختار

حضرۃ الشیخ رح

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

۱:۔ الحمدللہ بخیر ہوں۔

۲:۔ آپ کے رزق ظاہری و باطنی کیلئے اللہ پاک کی بارگاہ میں دُعا ہے۔

۳:۔ میں ۲۱ر مئی کو آیا تھا۔ آج ۱۶ر جون کو واپس جا رہا ہوں۔

۴:۔ طلب رزق و اسباب معیشت | بالکل صحیح ہے۔ کہ آپکی طبیعت کو یکسوئی حاصل نہیں۔ کیونکہ آپ اسباب معیشت کیطرف سے مطمئن نہیں۔ اور اسباب معیشت سے دوسری طرف قناعت بھی نہیں۔ اسباب معیشت اسقدر جس سے متوسط گزران ہو سکے گو کافی ہے۔ اور اس سے زیادہ کی خواہش ہوس ہے۔ اور ایسا آدمی جسمیں قناعت نہیں۔ کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اول کوئی رزق کی تدبیر اور کوشش کرنی چاہیئے۔ اور جو مل جائے۔ اوس پر قناعت کرنی چاہیے۔ ظاہری زندگی کی خوشحالی اللہ تعالیٰ کی نعمت ضرور ہے۔ مگر اوس کا اثر آخرت پر کچھ نہیں۔ جو جتنا ہلکا ہے۔ وہ قیامت میں بھی اتنا ہی ہلکا رہے گا۔

دولتمندی ذریعہ عزت نہیں | دولت مندی ہی سے عزت نہیں ملتی
عزت نیکی اور نکوکاری سے ملتی ہے۔ ان العزۃ للہ ولرسولہ
وللمؤمنین ۔ اس خیال کو دور کیجئے۔ اور دنیا کے غرف ریزوں
کو عزت کا مدار نہ جانئے ۔ کہ یہ لوگ اللہ کی راہ سے دور ہیں ۔
آپ صرف رزق ضروری طلب فرمائیں اور جو ملے اوس پر قناعت
فرمائیں یہی اطمینان کا راستہ ہے

۵: صحیح ہے ۔

والسلام ۔ سید سلیمان ۱۶ جون ۱۹۴۵ء

مکتوب ۱۷/۹۳

مسترشد

مکرمی و محترمی ۔ السلام علیکم

۱: اُمید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے ۔

۲: میرے لئے بہبودی دارین کی دعا فرما دیجئے گا ۔

۳: اس ہفتہ طلب کی عجیب کیفیت رہی ہے انتہا پریشان رہا۔ سکون قطعی میسر نہ تھا۔ نماز پنجوقتہ بھی ٹھیک نہ ہوسکی ۔ اور حسب دستور قرآن مبارک بھی نہ پڑھ سکا۔ نماز پڑھنے پر طبیعت ٹھیک مائل نہ ہوتی تھی۔

۴: آجکل میں finance کے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں ۔ امید کامیابی کی کافی ہے۔ لیکن جب ناکامی کا وسوسہ آجاتا ہے تو طبیعت عجب پریشان ہوتی

ہے۔ شاید یہ پریشانی ایمان کی کمزوری کے باعث ہے۔

۵:۔ مجھے کچھ محسوس ہوتا ہے کہ میں شکر بہت کم ادا کرتا ہوں۔

۶:۔ کیا آپ میرٹھ حال میں تشریف لائیں گے۔ جون و جولائی کا آپ کا کیا پروگرام ہے۔

۷:۔ آجکل والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ بھی علیل ہیں۔ ان کی صحت کے لئے بھی دُعاء فرمادیجئے گا۔

۸:۔ کیا غیر متقی والدین و اعزہ ان غیر رشتہ دار متقی احباب سے زیادہ قابل عزت اور حقدار خدمت اور لائق محبت ہیں۔ یا ایک سچے مسلمان کی محبت متقی لوگوں ہی سے ہونی چاہیئے۔ چاہے وہ غیر ہوں یا عزیز، کیونکہ مسلمان کی دوستی دشمنی سب بوجہ اللہ ہوگی؟ خادم مختار

حضرۃ الشیخ رح

اخی فی اللہ زِدکم اللہ تعالیٰ

۱:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمد للہ بخیر ہوں۔

۲:۔ دلی دُعا ہے۔

<u>فرائض کی پابندی طوعاً کرھاً چاہیئے</u> | نماز پنجگانہ اون فرائض میں سے ہے۔ جو کسی حال میں معاف نہیں۔ اگر کسی غایت مجبوری سے ایسا پیش آئے تو فوراً قضا پڑھی جائے۔ اور استغفار کیا جائے۔ ذرا سستی کو راہ نہ دیا جائے۔ اس کے بغیر اس راہ کی ہوس بے کار ہے خواہ دل چاہے یا نہ چاہے ہر حال میں پڑھی جائے۔ دل چاہنے پر یہ امر موقوف نہیں

اگر دل نہ چاہنے پر دل کو مجبور کر کے پڑھا جاتے۔ تو مجاہدہ کا ثواب
مزید ہوگا۔

دوا مریض کی خواہش کے مطابق نہیں ہوتی | ایسے نشیب و فراز عمر میں پیش آتے ہیں۔ لیکن بہرحال جادۂ استقامت سے قدم نہ ہٹے کیا دوا مریض کے دل چاہنے پر موقوف ہے۔ پھر تو مرض کا ازالہ ہوچکا۔

۴:۔ طلب رزق و پریشانی | اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں آپ کسی نماز کے بعد "یا رزاق" "یا وہاب" ۳۰۰ دفعہ پڑھا کریں۔

یہ بات ایمان کی کمزوری کے باعث نہیں پریشان روزگاری کے باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ اِسکو جلد دور فرمائیں۔

۵:۔ شُکر | شکر کے معنی یہ ہیں کہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جانیں۔ زبان سے اور دل سے اقرار کریں۔ زبان سے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہیں اور دل سے سمجھیں کہ یہ رب کے فضل سے ہے اور اوس نعمت کا عملاً شکر یہ ہے کہ اس نعمت سے کام لیں اور دوسروں کو بھی اس سے مستفید کریں۔

۶:۔ جون تو اب ختم ہے۔ جولائی کے اول میں تو یہیں قیام ہے۔ اواسط میں سورت احاطہ بمبئی کا قصد ہے۔ پھر اواخر میں واپسی۔

۷:۔ ان مریضوں کی صحت کی دُعا کی گئی۔ آپ درود کے بعد "یا سلام" ۳۰۰ بار پڑھ کر ان پر دم کریں۔

۸:۔ **محبت، محب طبعی و ایمانی** | محبت قلب کا فعل ہے اور خدمت جوارح یعنی اعضاء کا یا مال کا۔ ایمانی محبت تو صرف اہل تقویٰ سے ہو۔ طبعی محبت والدین و اقرباء غیر متقی سے ہو تو کچھ حرج نہیں۔

غیر متقی اعزہ کے تعلق و محبت | والدین اور اعزہ اگر غیر متقی بھی ہوں تو بھی ان کا حق خدمت ادا کیا جائے۔ یہاں تک کہ کافر ہوں تو بھی۔ اون کی جسمانی اور مالی امداد کی جائے۔ اگر ضرورت ہو۔

والسلام۔ ہیچمدان سید سلیمان۔ ۱۷ رجب ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۱۷/۹۴

مسترشد

حضرت مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

۱:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

۲:۔ فائنلس کے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔ کامیابی کی دعا فرما دیجئے۔

۳:۔ اس ماہ رمضان میں مشغولیت کی بنا پر مسجد میں تراویح پڑھنا مشکل نظر آتا ہے۔ کیا گھر پڑھنا ضروری ہے۔ یا بعد فراغت امتحان بھی ادائیگی کی کوئی صورت ممکن ہے تراویح کے متعلق کیا حکم ہے۔

۴:۔ آجکل فجر کی نماز جماعت سے نہیں ہوتی کہ دیر میں اٹھتا ہوں۔

۵:۔ نماز سن بلوغ سے متواتر پڑھتا ہوں۔ لیکن سال میں سب مل کر تقریباً ایک ماہ کی نمازیں اندازاً قضا ہو جاتی ہوں گی۔ ان کی قضا کا خیال ہے۔ کس طرح ادا کی جائیں۔

۶:- آجکل بعد نماز فجر ایک تسبیح استغفار اور درود شریف کی اور کبھی کبھی نماز کے بعد تسبیح " یا رزاق، یا وھاب " کی تین تسبیح پڑھ لیتا ہوں۔

۷ بعض لوگ مولانا تھانویؒ کے خلفاء مثلاً محمد عیسیٰ صاحب و خواجہ مجذوب صاحب پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ وہ لوگ اگر متقی پرہیزگار اور اہل محبت تھے تو کیا آخری عمر تک یہ نہ کر سکے۔ کہ گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ دیں۔ اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار کریں۔ اگر وہ ملازمت پر مطمئن تھے۔ جیسا کہ ان کے ملازمت کو ترک نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو وہ لوگ اتنے بڑے متقی کہاں ہوئے اس اعتراض کا کیا جواب دیا جائے۔

۸:- بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا تھانویؒ اور ان کے مسلک والوں میں جہادی جذبہ کی کمی ہے۔ وہ لوگ غلامی سے مطمئن ہیں۔ اور گورنمنٹ جو باطل کا پتلا ہے اس کے ساتھی ہیں۔ اس اعتراض کا کیا جواب ہے۔؟

۹:- میں مسلم لیگ کو حق پر سمجھتا ہوں۔ اس بنا پر مولانا حسین احمد مدنی اور دگر علماء جو کانگریس کے حامی ہیں۔ اُن سے بُعد ہے۔ کیا ان علماء سے بُعد ہونا اور مناسبت نہ ہونا اور تھوڑا سا جذبۂ نفرت بھی ہونا معصیت تو نہیں؟

۱۰:- بجنور کے دیندار لوگوں کی درخواست ہے کہ آپ بجنور تشریف لا کر وعظ وغیرہ فرمائیں۔

۱۱:- مجھے پیوند وغیرہ کا کپڑا پہننے میں کچھ عار محسوس ہوتی ہے۔ یعنی اپنے ساتھیوں میں پہننے کو طبیعت نہیں کرتی۔ کیا یہ تکبر ہے۔؟

۱۲:- رمضان شریف میں آپ کا قیام کہاں رہے گا۔

۱۳:۔ کبھی کبھی کسی دوست کے ساتھ کھانے میں کسی ہوٹل وغیرہ میں چھری کانٹا استعمال کرتا ہوں۔ کیا ایسا نہ چاہیئے۔ خادم مختار

حضرت الشیخ رح ۳۱ جولائی ۱۹۴۵ء

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱:۔ الحمدللہ یہ ہیچمدان مع الخیر اور داعی خیر ہے

۲:۔ دلی دعاء ہے۔

۳:۔ قضاءِ تراویح | تراویح کی قضا نہیں۔ اگر جماعت کے ساتھ نہ ہو سکے تو گھر پر پڑھ لیں۔ مگر معمولی عذرات پر جماعت کی تراویح ترک نہ کریں۔ امتحان کی تیاری کی محنت کے سبب سے عذر موقت ہو تو گھر پر پڑھ لیا کریں

۴:۔ عزیمت صبح اٹھنے کیلئے ضروری ہے | صبح کو اٹھنا ضروری ہے۔ عادات میں تبدیلی عزیمت سے ہوتی ہے۔ جیسے کہیں سویرے سے جانا ہو تو کیسے اٹھ جاتے ہیں۔ ساتھ ہی توفیق کی دعاء مانگیئے۔

۵:۔ قضائے نماز | نماز کسی وقت کی کسی حال میں سوائے اضطراری مجبوری کے قضا نہیں کی جا سکتی۔ اور قضا نماز کو ایک ساتھ ایک دفعہ یا فرض نمازوں کے پہلے یا پیچھے قضا کی نیت سے ہر وقت کی نماز ادا کر لی جائے۔

۶:۔ پڑھا کریں۔

۷:۔ ملازمت کا حکم | سرکار کی تمام ملازمتوں کا یکساں حکم نہیں۔ مثلاً فوجی ملازمت اور قضائے خصومات (ججی و منصفی و ڈپٹی کلکٹری وغیرہ)

کا جو حال ہے۔ وہ ڈاکخانہ اور ریلوے کی ملازمتوں کا نہیں۔ اسی طرح تعلیمات کی ملازمتوں کا درجہ بھی محرمات بعینہ کا نہیں ہے۔ خواجہ صاحب کا حال آپ کو معلوم نہیں کہ ڈپٹی کلکٹری سے مستعفی ہو کر تعلیمات کی انسپکٹری قبول کی تھی۔ اسی طرح مولانا عیسیٰ صاحب جو بی۔ اے تک پڑھے تھے۔ اسکول میں انگریزی کے ماسٹر تھے۔ مگر بفضل خدا اونہوں نے عربی پڑھی اور عربی کے مدرس ہو گئے۔ کوئی اتنا بھی تقویٰ کرے تو بہر حال ہم سے اور معترضوں سے بہتر ہے۔

۸: **جہاد** | جہاد صرف کانگریس کی ممبری اور اس کیلئے جیل جانے کا نام نہیں۔ بلکہ دین کی بلندی اور اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے تکالیف جانی و مالی کو گوارا کرے۔ یہاں تک کہ جان بھی اس راہ میں چلی جائے۔ گو جان دینے کے بھی شرائط ہیں۔

۹: **شخصی نفرت جائز نہیں** | شخصی نفرت نہ کیجئے۔ اوس کے اوس کام کو برا سمجھئے۔ خصوصاً مولانا حسین احمد صاحب کے تو بڑے مرتبے ہیں۔ مگر اونکی رائے کی اگر غلطی ہے۔ تو ایسی غلطی ہر ایک سے ممکن ہے۔ بہر حال اکرام مؤمن یعنی مؤمن کا بحیثیت مؤمن کے اکرام ضروری ہے دل پر اگر قابو نہیں تو معذوری ہے۔ مگر زبان اور ہاتھ پاؤں سے بالقصد اس اکرام کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

۱۰: بوجہ ضعف اور بیماری کے میرا حال تقریر و وعظ کیلئے یکساں نہیں رہتا۔ ممکن ہے کہ کبھی طبیعت حاضر ہو تو میں حاضر ہو جاؤں۔ مگر وعدہ نہیں کرتا۔

۱۱۔ تکبر و خجلت | اگر آپ دل سے اس کو برا سمجھتے ہیں تو یہ تکبر ہے۔ اور اگر الف و عادت کے خلاف ہونے کی وجہ سے آپ کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ جیسے آپ بے شیروانی کے کبھی گھر سے باہر نہ نکلنے میں عادت کے خلاف ہونے کی وجہ سے حجاب محسوس کرتے ہیں۔ تو یہ تکبر نہیں۔ تاہم کبھی کبھی بالقصد اس عادت کے خلاف کرنے سے یہ بات دور ہو جائے گی۔ انشاء اللہ

۱۲۔ غالباً یہیں رہے گا۔

۱۳۔ چھری کانٹے کا حکم | اگر سخت معذوری نہ ہو تو پرہیز کرنا چاہیے۔ کہ یہ ہمارے ملک میں تشبہ بالنصاریٰ ہے۔ مگر یورپ میں تشبہ نہیں کہ وہاں سب ہی اس طرح کھاتے ہیں۔ مگر سنت کے ثواب سے محرومی ہوگی۔ والسلام۔ ہیچمدان سلیمان ۲۸ شعبان ۱۳۶۴ھ

مکتوب ۱۹/۹۵

۹۔ ممتاز ہاؤس۔ اکتوبر ۴۵ء

۱۔ مکرمی و محترمی السلام علیکم

۲۔ اس سے قبل دو تین خطوط جو میں نے ارسال کئے۔ ان کے جواب سے اب تک محروم ہوں۔

۳۔ یہاں پر میں نے امسال اپنے احباب کی مدد سے ایک مجلس اسلامیات قائم کی ہے۔ جس میں خدا کا شکر ہے کہ خلوص سے کام کرنے والے

تقریباً ۱۰۰ طلبہ اور اساتذہ شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پر اشتراکیت کے مقابلہ میں اسلامی لٹریچر کی خاص ضرورت ہے۔

۴۔ آپ بھی تشریف لا کر مجلس اسلامیات میں تقریر فرمائیں۔

۵۔ مجلس اسلامیات کے سلسلے میں ہم نے ایک ریڈنگ روم اور لائبریری بھی قائم کی ہے۔ اگر آپ مجلس اسلامیات کے سکرٹری کے نام معارف جاری کرا دیں تو بہتر ہوگا۔ ابھی ہمارے پاس فنڈ بہت ہی کم ہے۔ خادم مختار حضرت الشیخ رح

از ہیچمدان سلیمان

۱۔ اخی فی اللہ زادکم اللہ توفیقا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲۔ میں سفر میں تھا اور ڈاک یہیں رکی رہی۔ آپ کے متعدد خطوط ملے سب کے جواب علیحدہ علیحدہ لکھتا ہوں اور لفافے واپس کرتا ہوں۔

۳۔ اشتراکیت کے مقابلے کا اسلامی لٹریچر مبارک کام ہے ضرور شرکت کیجئے۔ اور تمام لٹریچر کو جمع کیجئے جو مسلمانوں نے اس بحث پر لکھے ہیں۔ مثلاً: (۱) رسائل مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔ (۲) مضامین مولوی مسعود عالم صاحب ندوی۔ (۳) "اسلام اور سود" ڈاکٹر انور اقبال قریشی حیدر آباد دکن۔ (۴) مضامین مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی۔ (۵) "رسالہ اشتراکیت اور اسلام"۔ مولوی مسعود عالم صاحب ندوی۔ دار المصنفین۔

۴۔ اس وقت حاضری سے معذوری ہے۔

۵۔ معارف میرا ذاتی رسالہ نہیں۔

مکتوب ۲۰/۹۶

مسترشد۔ (۱) مکرمی ومحترمی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح:۔ اخی فی اللہ اسعدکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ (۲) امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ کچھ پریشانیوں کے سلسلے میں باہر رہا۔ شملہ وغیرہ۔ آج کل جاڑے بخار میں مبتلا ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ اللہ تعالیٰ بخیر وعافیت رکھے اور کامیاب فرمائے

(۳) مسترشد: میرے لئے صحت وبہبودیٔ دارین اور فائنینس میں کامیابی کے لئے دعاء فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آپ کی صحت اور کامیابی کی دعاء بدل وجان ہے۔

(۴):۔ مسترشد:۔ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان میں تو ناکامی رہی۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ طلب معاش میں ناکامی | اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ مصلحت سے کوئی کام اللہ تعالیٰ کا خالی نہیں۔ گو ہم کو معلوم نہ ہو۔ عدم علم کی بناء پر اس حکمت سے ناواقف ہو کر بے صبری اور شکایت کا کلمہ منہ سے نکال لیتے ہیں۔ استغفر اللہ

(۵): مسترشد:۔ میں کس صورت سے ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی پیروی میں گذار سکتا ہوں

حضرۃ الشیخ رح:۔ حیات نبوی مرکز امت ہے اس پر عمل کا طریق | بے شبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ہمارا مرکز ہے۔ اور اسی کی اتباع و پیروی میں دارین کی کامیابی ہے۔ اس کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے

ایک تو اس علم کی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی۔ اس کا ذریعہ کتابیں ہیں یا بزرگوں کی صحبت ہے۔ دوسری چیز اوسکی پیروی پر عمل ہے اس کیلئے مسلمانوں کے دل میں عزم اور ہمت پیدا ہونی چاہیئے۔ جس عزم وہمت سے ہم آپ دنیا کے کاموں میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی عزم وہمت سے دین کے کاموں میں بھی کامیاب ہوسکتے ہیں۔ انشاءاللہ تعالےٰ

۶:۔ مسترشد :۔ آپ سے ملاقات کو طبیعت چاہتی ہے۔ کیا حال میں علیگڈھ یا گرد ونواح میں تشریف لائیں گے۔

حضرة الشیخ رہ:۔ بالفعل علی گڈھ کا قصد نہیں۔ مدراس ودکن کا ارادہ ہے۔

۷:۔ مسترشد :۔ حضرت تھانویؒ کے تقریباً ۱۰ مواعظ پڑھے۔ (خادم مختار)

حضرت الشیخ رہ:۔ بہت خوب۔ اللہ تعالیٰ برکت وفائدہ بخشیں۔

ہیچمدان سلیمان

مکتوب $\frac{۲۱}{۹۷}$

پوسٹ کارڈ
اعظم گڈھ

جناب مختار احمد خان صاحب

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرا ارادہ ۱۰/ نومبر تک میرٹھ پہنچنے کا ہے۔ مقام قیام سید حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر میرٹھ کینٹونمنٹ لال کرتی میں بیگم پل کے پاس ہے۔ کامیابی کا داعی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان
۱۷/ اکتوبر ۱۹۴۵ء

پوسٹ کارڈ۔

مکتوب ۹۸/۲۲

عزیزی مختار احمد خان معرفت جلیل ولد احمد خانصاحب ایم۔ اے
لکچرار۔ وارڈن آفتاب ہوسٹل علیگڑھ مسلم یونیورسٹی
کینٹونمنٹ میرٹھ بنک اسٹریٹ
مکان سید حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر

عزیزی محترم حقق اللہ تعالیٰ آمالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں ۷/ نومبر کو یہاں آگیا۔ آپ آسکتے ہیں۔ باقی خیریت ہے۔ شاید کہ پروفیسر رشید احمد صاحب کے یہاں چند روز میں اگر وہ ضرورت سمجھیں تو میں خود بھی آؤں۔ ہنوز طے نہیں ہوا۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان ۸/ نومبر ۱۹۴۵ء

مکتوب ۹۹/۲۳

۱:- مسترشد:- مکرمی و محترمی! السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح:- اخی فی اللہ تعالیٰ زاد اللہ تعالیٰ توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲:- مسترشد:- امید ہے کہ جناب بخیر و عافیت ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ رح:- الحمد للہ بخیر ہوں۔

۳:- مسترشد:- والدہ صاحبہ علیل رہیں۔ اب خدا کا شکر ہے بخیر ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ صاحبہ کو جلد شفائے عاجل وکامل بخشیں ان کی خدمت اور خوشنودی جنت کی کنجی ہے۔

مسترشد :۔ (۴) میرے لئے بہبودی دارین، استقامت اور امتحان میں اعلیٰ کامیابی کی دعاء فرمادیجئے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دلی دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ دین و دنیا کے حسنات اور امتحان کی کامیابی سے شاد کام فرمائیں۔

مسترشد :۔ (۵) آپ کا ماہ جنوری کا کیا پروگرام رہے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ میں انشاء اللہ ۱۰ جنوری کو لکھنؤ جاتا ہوں۔ ندوہ بادشاہ باغ میں قیام رہے گا۔

مسترشد :۔ (۶) طبیعت چاہتی ہے کہ گناہ بالکل نہ ہوں اور اگر ہو جائیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت تک کی تمام زندگی بے کار ہوئی۔ خواہش ہوتی ہے کہ پچھلے گناہوں کے تدارک کی کیا صورت ہو کہ پچھلی زندگی بے داغ نظر آئے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ گناہ نہ ہونے کی خواہش | یہ تمنا ضرور رکھنی چاہیئے۔ مگر انسان انسان ہے۔ اس لئے اس کے اہتمام کے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت کی دعاء مانگتے رہنا چاہیئے۔ جب تک گناہ نہیں ہوا اوس کے روکنے کا اہتمام چاہیئے۔ اور اگر بھول ہی جائے۔ فوراً اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا جائے۔ تدارک کی صورت یہ ہے کہ پچھلے تقصیرات میں سے جس کی تلافی ہو سکتی ہو اسکی تلافی کی جائے۔ جو حقوق باقی ہوں ادا کئے جائیں نمازیں یا دوسرے فرائض باقی ہوں۔ اُن کی قضا کی جائے۔ جن بندوں

کے حقوق باقی ہوں ادا کئے جائیں. یا اون سے معاف کرایا جائے۔

مسترشد:۔ (۷) خشیت الٰہی پیدا ہونے کی کیا صورت ہے ؟

حضرۃ الشیخؒ:۔ **خشیت الٰہی کا حصول** اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت پر نظر رکھی جائے۔ موت اور قیامت کے ہولناک مناظر کا استحضار کیا جائے۔

مسترشد:۔ (۸) معمولات پر پابندی کیسے نصیب ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ **معمولات پر طریق استقامت** اس کا علاج ہمت و عزیمت ہے بہر حال جب چھوٹ جائے تو پھر مستعدی سے شروع کر دیا جائے۔ یوں ہی گرتے گرتے ایک دن لڑکا دوڑنے لگتا ہے۔

مسترشد:۔ (۹) ذہن میں سختی کے ساتھ ہر وقت اسلامی تصور حیات نہیں رہتا. عام ساتھیوں کی صحبت سے مادی زندگی کا اثر پاتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ **غیر اسلامی تصورات کا علاج** دینی کتابیں مطالعہ میں رکھیں اور بلا ضرورت شدید ایسے احباب کی صحبت سے پرہیز کیا جائے۔

مسترشد:۔ (۱۰) ذکر وغیرہ میں کیفیت پیدا نہیں ہوتی. حصول کیفیت کی کیا صورت ہے کہ جو کچھ زبان سے نکلے اس کا اثر قلب پر ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ **معمولات مثل دوا ہیں** ان امور کا فائدہ نفس کی اصلاح اور قلبی ترقی ہے۔ کیفیات پر نظر نہ رکھنی چاہئیے۔ یہ اعمال مثل دوا کے ہیں۔ دوا اگر خوش مزہ نہ بھی ہو اور جی بھی اس کے کھانے کو نہ چاہتا ہو۔ اور پھر بھی کھاتے رہیں۔ تو انشاء اللہ اس کا فائدہ ضرور ہوگا۔

مسترشد : (۱۱) ضائع شدہ زندگی کا افسوس ہوتا ہے. اور اس کے تدارک کی فکر رہتی ہے

حضرت الشیخؒ

حیات دنیادی کی ناپئداری اور طلب معاش | تدارک کی صورتیں پہلے بیان کی گئی۔ اجی دنیادی زندگی ہے کئے دن کی جو آپ پر اسکی فکر مسلط رہتی ہے تاہم کوشش اس کیلئے بھی جاری رکھی جائے۔ اور طلب رزق کی تدبیروں سے غفلت نہ کی جائے۔ تاہم اپنے سامنے بڑی بڑی نوکریوں اور عیش و آرام کا جو تخیل ہم نے اپنے سامنے کر رکھا ہے۔ وہی ہماری بے اطمینانی کا سبب ہے۔

اَللّٰھُمَّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ (اے اللہ مجھے اپنے رزق مقسوم پر قناعت عطا فرمایئے)
یہ دعائے ماثورہ ہے۔ زندگی کی ناکامی بڑی نوکری نہ ملنے کا نام نہیں۔ بلکہ گناہوں کی زندگی کا نام ہے۔

مسترشد: (۱۲) صبر و شکر کا مطلب کیا ہے اور حصول صبر و شکر کے کیا ذرائع ہیں۔

حضرت الشیخؒ

تعریف صبر | صبر نام ہے نفس کو ناخوشگوار واقعات پیش آنے پر بھی حق پر جمائے رکھنا اور اس ناخوشگواری کے باوجود احکام الٰہی کی بجا آوری میں کمی نہ کی جائے۔ جیسے مال حرام کھانے کو جی چاہے۔ اور ضرورت بھی (محسوس ہو) تاہم نفس کو اوس سے باز رکھنا۔ جاڑوں میں وضو کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ مگر اس تکلیف کو برداشت کر کے وضو کر لیا۔ کسی نے آپکے ساتھ برائی کی۔ اوس سے انتقام لینے کو جی چاہتا ہے۔ مگر نفس کو اوس سے باز رکھنا۔

شکر | شکر کے معنی یہ ہیں کہ ہر نعمت کو محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھا جائے۔ دل سے بھی زبان سے بھی الحمد للہ کہہ کر اس کا اقرار کیا جائے۔ اور عمل سے بھی۔ والسلام ۲ر صفر ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۱۰۰/۲۴

مسترشد: (۱) ۲۵ر محرم الحرام ۔ مکرمی و محترمی! السلام علیکم

حضرت الشیخ رح: ـــــ اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: (۲) امید ہے کہ جناب بخیر و عافیت ہوں گے

حضرت الشیخ رح: ـــــ الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

مسترشد: (۴) میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعاء فرما دیجئے گا

حضرت الشیخ رح: ـــــ دلی دعاء ہے

مسترشد: (۵) بعض احباب مجھے مسلم لیگ کے الیکشن کے کام میں حصہ لینے کیلئے مجبور کر رہے ہیں۔ اگر اجازت ہو تو حصہ لوں۔

حضرت الشیخ رح: ـــــ سیاست میں شرکت کی اجازت | حصہ لینے پر آپ مُصر ہیں۔ تو حصہ لیکر تجربہ کر لیجئے: کہ آپ کی زندگی اور روزانہ کاموں پر قلبی کیفیت پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ تجربہ کے بعد جو بات معلوم ہو گی۔ وہ بہتر ہو گی۔ اسلئے اجازت ہے۔

مسترشد: (۶) میری پچھلی نمازیں بہت قضا ہیں۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ارادہ کرتا ہوں کہ فوراً شروع کر دوں۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ معاشی الجھنوں

سے فرصت ملے تو شروع کروں۔ اس کے بارے میں جو ارشاد ہو عمل کروں گا۔

حضرت الشیخ رح :۔ قضائے نماز | فرصت کا انتظار نہ کیجئے۔ فوراً شروع کر دیجئے۔ ہر نماز کیساتھ اوس وقت کی قضا پڑھ لیا کیجئے۔

۷:۔ مسترشد :۔ بہت سی احادیث اور آیات کا ترجمہ۔ روزانہ حیوۃ المسلمین سے پڑھتا ہوں۔

حضرت الشیخ رح :۔ ایسا ہی کیجئے

۸:۔ مسترشد :۔ جو پڑھتا ہوں۔ اس پر اپنے کو عامل نہیں پاتا۔ یا عمل کی رغبت پیدا نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ حدیث شریف پڑھی کہ " اللہ تعالیٰ طاقتور مسلمان کو کمزور مسلمان سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔" مگر اس پر عمل پیرا ہونے۔ یعنی طاقت پیدا کرنے کی زیادہ کوشش کی رغبت نہیں ہوتی۔

حضرت الشیخ رح :۔ توکل اور مراقبۂ قدرت الٰہی | مسلمان کی قوت اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد سے ہے۔ قادر مطلق کی قدرت کا استحضار رکھئے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ اور اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا کا مراقبہ کیجئے۔ اور عمل خیر میں عجلت فرمائیے۔ اور شر سے بچنے میں قوت دکھائیے۔ اور کسی غیر مسلم طاقت کے سامنے اظہار حق سے نہ گھبرائیے۔

۹:۔ مسترشد :۔ خشیت الٰہی اپنے اندر کم پاتا ہوں۔

حضرت الشیخ رح :۔ (خادم۔ مختار)

دوسرے خط میں اس کا جواب آچکا۔

ہیچمدان سلیمان۔ ۲ر صفر ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۲۵/۱۰۱

۱:- مسترشد :- مکرمی و محترمی ! السلام علیکم

حضرت الشیخؒ :- اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲:- مسترشد :- امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرت الشیخؒ :- الحمدللہ مع الخیر ہوں۔

۳:- مسترشد :- میرے لئے بہبودئ دارین اور فائننس کے امتحان میں کامیابی کی دعا فرما دیجئے گا

حضرت الشیخؒ :- دلی دعاء ہے۔

۴:- مسترشد :- میں چاہتا ہوں کہ اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کروں۔ اس لئے کوئی مختصر جامع اور صحیح کتاب اسلامی تاریخ کی تجویز فرما دیجئے گا۔

حضرت الشیخؒ :- مختصر تاریخ اسلام "ہماری بادشاہی" تو آپ دارالمصنفین سے لے گئے۔ طویل سلسلہ "خلفاء راشدین اور تاریخ اسلام" ہے مطبوعات دارالمصنفین۔

۵:- مسترشد :- مولانا حفظ الرحمان کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے

حضرت الشیخؒ :- وہ کتاب بہت حد تک صحیح ہے۔

۶:- مسترشد :- میں بعض اوقات انٹر کلاس کا ٹکٹ لیتا ہوں۔ لیکن اسٹیشن پر سیکنڈ کلاس کے ویٹنگ روم میں آرام کے خیال سے یا جگہ کی وقعت کی بناء پر ٹھہر جاتا ہوں کیا یہ بھی غیر مناسب اور ناجائز ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ ریل انٹر کلاس کا ٹکٹ اور سیکنڈ کلاس کا ویٹنگ روم بلاشبہ احتیاط اور تقوی کے خلاف ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیئے جس کا اذن مالک سے نہیں ملا اور جس کا کرایہ نہیں دیا۔ اوس سے فائدہ اٹھانا درست نہیں۔ اس لئے گناہ کی حد تک بھی پہنچ سکتا ہے۔

۷ :۔ مسترشد :۔ شاہ الیاس صاحب (قدس سرہٗ) اور ان کی تحریک کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ اچھی رائے ہے۔

۸ :۔ مسترشد :۔ دل چاہتا ہے کہ میں جلد اسلامی تعلیم مکمل کر لوں۔

حضرت الشیخؒ :۔ دل سے دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس آرزو کو پورا فرمائیں۔

اب خط اعظم گڈھ کے پتہ سے لکھا کریں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۶ء

مکتوب ۲۶/۱۰۲

۱ :۔ مسترشد :۔ مکرمی و محترمی! السلام علیکم

حضرت الشیخؒ :۔ اخی فی اللہ تعالیٰ۔ اسعدکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

۲ :۔ مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرت الشیخؒ :۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

۳ :۔ مسترشد :۔ ایک ماہ مسلم لیگ کے کام میں مشغول رہا۔ اس سلسلے میں سفر

بھی سکئے ۔ اس کام کو اہم سمجھتا ہوں ۔ لیکن اس مشغولیت اور سفر کی بناء پر روزانہ کے معمولات ٹھیک نہ ہوسکے ۔ اور طبیعت کو انتشار رہا ۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ باوجود ضروری ہونے کے یہ کام میرے مناسب نہیں ۔

حضرت الشیخ رح :۔ بالکل صحیح فیصلہ ہے ۔ یہ کام مبتدی کا نہیں ۔

۴ :۔ مسترشد :۔ میرے لئے فائنس کے امتحان میں اعلیٰ کامیابی کی دعا فرما دیجئے گا ۔

حضرت الشیخ رح :۔ دلی دعاء ہے

۵ :۔ مسترشد :۔ آپ کا قیام ماہِ مارچ میں اعظم گڈھ میں رہے گا یا کہیں باہر ۔

حضرت الشیخ رح :۔ ۲۰ ؍ مارچ تک اعظم گڈھ ہی میں رہے گا ۔ پھر لکھنؤ جانا ہوگا ۔ پھر کہیں اور ۔

۶ :۔ مسترشد :۔ جناب کی رائے مبارک میں اسوقت کانگرس حق پر ہے یا لیگ

حضرت الشیخ رح :۔ سیاست | علم غیب اللہ تعالیٰ کو معلوم ۔ اور قیاس سے جو کچھ کہا جائیگا ۔ اوس کا یقینی ہونا ضروری نہیں

۷ :۔ مسترشد :۔ اور مسلمانوں کا مفاد کس جماعت میں شامل ہونے میں ہے ۔ (مختار)

حضرت الشیخ رح :۔ آپ اپنا کام کیجئے ۔

ہیچمدان سید سلیمان ۔ ۲ ؍ مارچ ۱۹۴۶ء

مکتوب ۲۷/۱۰۳

۱ :۔ مسترشد :۔ مکرمی ومحترمی ! السلام علیکم

حضرت الشیخؒ :۔۔۔۔ اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲ :۔ مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔۔۔۔ الحمدللہ مع الخیر ہوں۔

۳ :۔ مسترشد :۔ مارچ اور اپریل میں جناب کا قیام کہاں رہے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔۔۔۔ مارچ تو ختم ہو رہا ہے۔ آج ۲۴ر مارچ کو لکھنؤ جا رہا ہوں

۲۹ر کو میرٹھ اور شروع اپریل میں پٹنہ، مظفر پور اور پھر انشاء اللہ تعالیٰ جولائی

کے وسط تک اپنے وطن دیسنہ (P.O. Desna) ضلع پٹنہ میں

۴ :۔ مسترشد :۔ میرا ارادہ داڑھی رکھنے کا ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔۔۔۔ داڑھی | مبارک خیال ہے۔ خدا کرے یہ ارادہ

جلد قوت سے فعل میں آجائے۔

۵ :۔ مسترشد :۔ امسال پھر فائنس کے امتحان میں ناکامیاب رہا۔ حالانکہ اس

کا شبہ بھی نہ تھا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔۔۔۔ تقدیر | اللہ تعالیٰ کی اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ صبر اور

تقدیر کا ایمان ایسے ہی موقع پر کام آتا ہے

۶ :۔ مسترشد :۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرمادیں

حضرت الشیخؒ :۔۔۔۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

۷ :۔ مسترشد :۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آجکل (باوجود صلہ رحمی کے بھی)

اقربا اور اعزہ کی نسبت اغیار زیادہ ہمدرد اور شفیق پائے جاتے ہیں۔ نہ

معلوم کیوں ؟

حضرت الشیخ رح: ـــــ صلہ رحمی | صحیح ہے۔ دنیا کا تجربہ ایسا ہی ہے۔ مگر اس پر بھی ہم کو اپنی طرف سے ادائے حقوق اور صلۂ رحم ہی کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

۸:۔ مسترشد:۔ ترقی کا مفہوم کیا ہے؟

حضرۃ الشیخ رح: ـــــ ترقی کا مفہوم | ترقی کا دینی مفہوم یہ ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اوس کے مرضیات کی تعمیل کرے اور گناہوں سے بچے۔ دنیاوی ترقی مال و دولت اور سلطنت و حکومت کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ سب بھی حسب مرضیات الٰہی ہو تو یہ بھی خیر ہیں ورنہ ہیچ۔

۹:۔ مسترشد:۔ کیا قوموں اور افراد کی ترقی کے فطرتی اصول منضبط نہیں کہ جو اِن اصولوں پر چلے کامیاب ہو۔ اور جو نہ چلے نہ ہو۔

حضرت الشیخ رح: ـــــ اُصول ترقی | سب اُصول منضبط ہیں۔ مگر ترقی کی حقیقت سمجھنے میں اختلاف ہے۔

۱۰:۔ مسترشد:۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ مسلمان قوم کی ترقی کے اُصول ہی جدا ہیں۔ یعنی یہ ان اصولوں پر ترقی کر سکتی جن اصولوں پر عمل کرنے سے غیر قومیں ترقی کر رہی ہیں۔

حضرت الشیخ رح: ـــــ مسلمانوں کی ترقی | مسلمان قوم کی ترقی کا مفہوم تحت احکام الٰہی اور اس کی ہر نوع کی اطاعت کے اندر منحصر ہے۔

۱۱:۔ مسترشد :۔ کیا ترکی نے ترقی (اگو مادی سہی) ان مغربی اقوام کے اصولوں پر ہی عمل کرنے سے نہیں کی۔

حضرت الشیخؒ :۔ مجھے تو ترکی قوم کی کسی ترقی کا حال معلوم نہیں۔

۱۲:۔ مسترشد :۔ مسلمان افراد اور مسلمان قوم کی ترقی تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنے پر ہی منحصر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بالکل ٹھیک

۱۳:۔ مسترشد :۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مغربی اور دیگر اقوام بغیر ایمان کے اور بغیر اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کئے ترقی یافتہ اور طاقتور رہیں اور مسلمان کمزور اور ذلیل۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ترقی کے مفہوم کی تعیین کر کے دیکھئے کہ آپ ترقی کس کا نام رکھتے ہیں۔ اگر مسلمان چند صدی پہلے اصولِ اسلامی پر عمل کر کے ترقی کر سکتے تھے۔ تو آج کیوں نہیں کر سکتے۔

۱۴:۔ مسترشد :۔ ترکی نے جو ترقی کی ہے۔ اس کو ہم تنزل کہیں گے یا ترقی؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ عرض کر چکا کہ ترکی کی کوئی ترقی ہم کو معلوم نہیں۔

۱۵:۔ مسترشد :۔ شاید قرآن شریف کی آیت ہے کہ نماز فحش اور خراب باتوں سے روکتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور خراب باتوں میں بھی مبتلا رہتے ہیں۔ (خادم ۔ مختار)

حضرۃ الشیخؒ :۔ **نماز اور فواحش** | یہ نہیں ہے جیسی ہماری نمازیں ہیں اوسی حد تک ہم فواحش سے بچے ہیں۔ جن کی جیسی نماز ہوتی ہے

ویسے ہی وہ فواحش سے محفوظ رہتے ہیں۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۱۸ ربیع ۲ ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۲۸/۱۰۴

جہانگیر منزل/بجنور

۱: مسترشد:۔ مکرمی و محترمی! السلام علیکم۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ پٹنہ بھنور پوکھر بذریعہ سید ابو عاصم صاحب وکیل

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲: مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ الحمدللہ بخیر ہوں۔

۳: مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا ضرور فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آپ کے لئے بدل و جان دعا ہے

۴: مسترشد:۔ آجکل مسلمان اس وجہ سے مسلمان ہیں کہ وہ مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور کافر اس لئے کہ وہ کافر گھرانوں میں پیدا ہوئے۔ اور دونوں اپنے باپ دادا اور اپنے مذہب کو برحق سمجھتے ہیں۔ تو جس طرح ایک مسلمان سے عدم تلاش حق کا مؤاخذہ نہ ہوگا تو کافر سے کیوں مؤاخذہ ہوگا

حضرۃ الشیخ رح:۔ پس مسلمان مسلمان کیوں ہیں | یہ بات پوری طور پر صحیح نہیں، بلکہ وہ یہ اس لئے مسلمان ہے کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا اور بلوغ کے بعد اپنے کو حق پر اور اپنے دین کو برحق مانتا ہے۔ خواہ یہ ماننا دلائل

سے نہ ہو اور اسکی ضرورت نہیں کہ دلائل سے بھی جانے۔ اور جب تک کوئی اپنے کو حق پر اور اپنے دین کو برحق نہ مانے گا مومن نہ ہوگا

۵:۔ مسترشد:۔ اگر کوئی کافر غور وخوض کے بعد اس بات پر قائم ہو کہ اس کا مذہب صحیح ہے۔ تو کیا اس سے بھی مؤاخذہ ہوگا۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ کافر جن تک دعوت نہیں پہنچی | کافر پر اگر اوس تک دعوت اسلام پہنچ چکی اور حق واضح کیا جاچکا ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اگر اس پر بھی وہ ایمان نہ لائے گا تو وہ جہنمی ہوگا۔ اور اگر اوس تک دعوت نہیں پہنچی تو وہ جانور ہیں۔ اون کے ساتھ جانوروں کا معاملہ ہوگا۔

۶:۔ مسترشد:۔ کیا اس مسلمان کا درجہ جو کہ کافی غور وخوض کے بعد شعوری طور پر مسلمان ہوا۔ اس مسلمان سے جو کہ بغیر کسی غور کے اپنے آبا کے اسلام پر قائم ہے بڑا ہوگا۔ اور اسکی کدو کاوش ومحنت کا کچھ ثمرہ ہوگا۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ ایمان کامل اور اسکے اثرات | ایمان خواہ دلائل سے ہو یا بغیر دلائل کے، اس ذریعۂ ایمان کے اختلاف سے مرتبہ کا اختلاف نہ ہوگا۔ بلکہ مرتبہ کا اختلاف کیفیاتِ ایمان، کمی زیادتی اور ضعف و شدت سے ہوگا۔ جس کا ایمان جتنا زیادہ قوی ہوگا اور اعمالِ صالحہ کا باعث بنے گا۔ اتنا ہی وہ اعلیٰ واکمل ہوگا۔

۷:۔ مسترشد:۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جلد سکون عطا فرمائے تو اپنی عربی کی اسلامی تعلیم مکمل کرلوں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ کام سکون پر موقوف نہیں | اللہ تعالیٰ آپ کو یہ سکون عطا فرمائیں

مگر حصول تعلیم عربی اس سکون پر موقوف نہیں یہ ہمت اور عزیمت
اور دھن پر موقوف ہے۔

۸: مسترشد:۔ سوچتا ہوں جب ہماری تعلیم کا مقصد ہی ملازمت کے ذریعہ کمانا ہے
تو تجارت کیوں شروع نہ کروں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ **طلب رزق** اگر اپنے میں یہ اہلیت پائیں تو کر سکتے ہیں۔

۹:۔ مسترشد:۔ (ا) کیا خاص توجہ ابھی ملازمتِ خاص کی طرف ہی رکھی جائے؟
(ب) یا تجارت کی طرف رُخ کیا جائے؟
(ج) کیا یہ ممکن ہے کہ تجارت ذریعۂ معاش رہے اور علمی و دینی و تبلیغی کام بھی
ہوتا رہے؟
(د) اگر فی الحال کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ میں کسی اسلامی علمی ادارہ میں کام
کرتا رہوں اور وہ ادارہ میری معاشی ضروریات کا کفیل ہو جائے۔
(ھ) محسوس ہوتا ہے کہ تجارت وغیرہ میں پڑ کر دینی و اسلامی خدمت کے
کام نہ ہو سکیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

حضرۃ الشیخؒ:۔ **طلب رزق**

(۱) کسی ذریعۂ رزق کا حصول ہو جائے تو کافی ہے۔
(۲) اگر آپ میں اہلیت ہو۔ (۳) ہو سکتا ہے۔
(۴) اگر کوئی صحیح المسلک ادارہ ایسا آپ کو مل سکے تو حرج نہیں۔
(۵) حب مال کا نتیجہ تغافل ہر ذریعۂ رزق میں پیدا ہو سکتا ہے۔
(۶) انشاء اللہ تعالیٰ

۱۰:۔ مسترشد :۔ کیا جناب جولائی تک بہار میں رہیں گے ۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ انشاء اللہ

۱۱:۔ مسترشد :۔ (ل) پنجوقتہ نماز باجماعت پڑھتا ہوں۔ کبھی کبھی فجر قضا ہو جاتی ہے۔ صبح کو تلاوتِ قرآن مع تفسیر بیان القرآن کے کرتا ہوں۔ پھر حیوۃ المسلمین سے کچھ احادیث کا ترجمہ، پھر مناجات مقبول اور اسکے بعد تین تسبیح "یا رزاق" "یا وھاب" اور ایک استغفار کی پڑھ لیتا ہوں۔

(ب) کیا بیان کردہ معمولات مناسب ہیں۔ (خادم ۔ مختار)

حضرت الشیخ رح :۔ (ل) معمولات | الحمد للہ معمولات پر پابندی فرمائیں۔ فجر کا اہتمام رکھیں۔ اسکی بڑی تاکید آئی ہے۔ قرآن پاک میں ہے

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ؕ

(ب) مناسب ہے ۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان / ۱۴ ج ۔ ا ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۲۹/۱۰۵

۱:۔ مسترشد :۔ مکرمی و محترمی ! السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح :۔ دلینہ ضلع پٹنہ

اخی فی اللہ تعالیٰ ۔ دام توفیقکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۲:۔ مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے ۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں ۔

۳:- مسترشد :- میرے لئے بہبودئی دارین کی دعاء فرمائیں۔
حضرۃ الشیخؒ :- فلاح دین و دنیا کی دلی دعاء ہے
۴ :- مسترشد :- میں تفسیر بیان القرآن کا ایک رکوع روزانہ مع تفسیر کے پڑھتا ہوں۔ بغیر ترجمہ یا تفسیر کے قرآن شریف پڑھنے میں دل نہیں لگتا۔ کیا اس کی عادت ڈالنا ضروری ہے۔
حضرۃ الشیخؒ :- تلاوت و مطالعہ تفسیر | حصول ثواب کیلئے تلاوت روزانہ کی عادت الگ ڈالئے اور یہ مطالعہ بھی جاری رکھیں
۵ :- مسترشد :- معلوم ہوا ہے کہ خطبات مدراس کا انگریزی ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ یہ کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔
حضرۃ الشیخؒ :- چار خطبوں کا ہوا ہے۔ آپ مکتبۂ دین و دانش نیا محلہ بانکی پور پٹنہ سے پوچھئے۔
۶ :- مسترشد :- اسلام کے اقتصادی نظام میں زمینداری کی کیا حیثیت ہے۔
حضرۃ الشیخؒ :- زمینداری | زمینداری کی حیثیت یہ ہے کہ جائز ہے۔ مگر کاشتکار سے تعلق صرف اجیر کا ہے۔ حقوق کچھ نہیں۔
۷ :- مسترشد :- (الف) آج کل ہمارے معاشرے میں رسمی جو دعوتیں ہوتی ہیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے
(ب) رسمی دوستی و تعلقات کی بنا پر جو دعوتیں ہوتی ہیں۔ ان میں ثواب کی نیت بناوٹی ہوتی ہے۔ اور اصل دلی نیت رسمی ہوتی ہے۔ کیا ایسی دعوتوں کو ترک کر دیا جائے۔
حضرۃ الشیخؒ :- ضیافت کا حکم | (الف) یہ ریاء اور نمائش سے ہو تو گناہ ہے۔

اخلاص سے ہو تو جائز اور ثواب کا موجب ہے کہ طرفین کی محبت بڑھتی ہے۔

(ب) مصلحت دین و دنیا پر نظر رکھ کر فیصلہ کر لیا جائے

۸:- مسترشد:- ہمارے اکثر و بیشتر انگریزی تعلیم یافتہ احباب ایسے ہیں کہ گویا ان کے کچھ عقائد نہیں ہیں۔

علم و ایمان و عقائد میں کیا فرق ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- عقائد و ایمان | عام حالت یہی ہے اور اسکی اصلاح ضروری ہے۔ علم حقیقی اور ایمان ایک چیز ہے عقائد ان امور کو کہتے ہیں۔ جن پر ایمان لایا جائے۔

۹:- مسترشد:- کبھی کبھی شیطانی و شہوانی خیالات کا غلبہ محسوس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اپنی نماز، ذکر و تلاوت بہت ہی بیکار محسوس ہوتی ہیں۔

حضرت الشیخؒ:- مجاہدہ و تقاضائے طبعی | تقاضائے طبیعت کو تو مٹایا نہیں جا سکتا۔ البتہ اوس اقتضاء پر عمل نہ کیا جائے۔ یہی مجاہدہ ہے۔ اور اسی کا ثواب ہے۔ تقاضائے طبیعت کے ظہور سے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ تقاضا نہ ہو تو پھر گناہ سے بچنا کیا مشکل ہے۔ پھر انسان بھی دیوار کی طرح ہے۔ اگر اوس میں تقاضا نہیں تو پھر اس کیلئے یہ کمال بھی نہیں۔

۱۰:- مسترشد:- آجکل کے کالجوں اور سکولوں کے اساتذہ جن کے عقائد و اخلاق اسلام کی رو سے بالکل خراب ہوں۔ کیا اُستادی کے اسلامی حقوق رکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں کافر استاد کا حق ہوگا۔

۱۱۔ حضرۃ الشیخؒ: حسن معاشرت | الصاحب بالجنب (یعنی رفیق کار کا بھی حق ہے) اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں۔ الا یہ کہ اس سے علم یا عمل کی خرابی پیدا ہو۔

۱۲: مسترشد: جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حالات پڑھتا ہوں تو ایک نئی اور عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک خاص جذبہ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن عمل کے میدان میں آتے ہیں۔ خود کو اس عمل سے کوسوں دور بھاگتا ہوں۔ غرض ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: کشمکش ذہنی | یہ اچھی کیفیت ہے۔ کشمکش ہی سے عمل کی توفیق ملے گی۔ کشمکش اگر عمل کی طرف نہ لے جائے تو بے کار ہے

۱۳۔ مسترشد: ممکن ہے کہ اس کشمکش کی وجہ حب مال و حب جاہ ہو۔

حضرۃ الشیخؒ: حب مال و طلب مال | حب مال بے شک برا ہے مگر طلب مال بضرورت بری نہیں۔ حرص مال سے طبیعت کو بچانا چاہیئے۔ ورنہ نفس کسی مرتبہ پر قانع نہ ہوگا۔ اور ہمیشہ بے اطمینانی رہے گی۔

۱۴۔ مسترشد: صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

طریقے کے مطابق زندگی بسر کرنے کو طبیعت چاہتی ہے۔
لیکن عملی دنیا میں اپنے کو اس سے بہت دور پاتے ہیں

خادم
مختار

حضرۃ الشیخؒ : اتباع نبوت

ظاہر ہے کہ سنت راشدہ نبویہ پر پورا پورا عمل تو
مشکل ہے۔ مگر صحیح راستہ پر ایک قدم بھی پڑے گا۔
تو وہ کچھ نہ کچھ منزل کو قریب کر دے گا۔

والسلام

ہیچمدان
سید سلیمان
۷ ج۔ ۲۔ ۱۳۶۵ھ

۳۰
۱۰۶

۱: مسترشد:- مرشدی و مولائی

حضرت الشیخ رح:- اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم۔

۲:- السلام علیکم

حضرت الشیخ رح:- السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۳: مسترشد:- امید ہے کہ حضرت بخیر ہوں گے۔

حضرت الشیخ رح:- الحمد للہ مع الخیر ہوں

۴:- مسترشد:- میرے لئے بہبودیٔ دارین اور راحت وسکونِ قلب کی دُعا فرمادیں

حضرت الشیخ رح:- باخلاص تمام آپ کی راحت وسعادت اور کشائش رزق کے لئے بدرگاہ باری تعالےٰ دعا کرتا ہوں۔

۵:- مسترشد:- حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ وملفوظات وتصانیف پڑھتا ہوں۔ اور کسی چیز میں بھی جی نہیں لگتا۔ حالانکہ امتحان قریب ہے۔ عجیب وغریب کیفیت ہے۔

حضرت الشیخ رح: طلب رزق | آپ کا یہ حال اچھا ہے۔ مگر یہ تو ہنگامی حال ہے

۱ اگر آپ رزق کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں تو طلب رزق کے لئے سعی ومحنت بھی ضروری ہے۔ اس سے تغافل نہیں برتنا چاہیئے

۶: مسترشد: حضرت تھانوی رح کی اس تحریر کا کیا مطلب ہے کہ اس مردار دنیا کو حاصل کرنے کے بعد چھوڑنا چاہیئے

حضرت الشیخ رح:۔ طلب رزق وتوکل۔ | اصل مطلب یہ ہے کہ رزق کی طرف سے مطمئن ہونا چاہیئے۔ یہ اطمینان اگر واقعی صدقِ توکل کے ذریعے پیدا ہو گیا ہے تو بہت بہتر ورنہ سعی ومحنت سے کسب رزق کرنا چاہیئے۔

۷: مسترشد:۔ اب خدا کا شکر ہے کہ کچھ خیال خاص طور سے محنت کا ضرور ہو گیا ہے کہ ہمت سے کام لیں۔ خیالات کچھ بھی آتے رہیں۔

حضرت الشیخ رح:۔ ہمت | ہمت ہی اصل میں کامیابی کے لیئے ضروری ہے۔ دین کے کاموں میں بھی اور دنیا کے کاموں میں بھی۔

۸: مسترشد:۔ میرے بہت سے انگیزی تعلیم یافتہ دوست چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ مگر دین کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے۔ ان لوگوں سے تعلقات چھوڑنے کا خیال ہوتا ہے۔ مناسب ہے

حضرت الشیخ رح:۔ اہل دنیا سے تعلقات | جی ہاں ایسے لوگوں سے دلی مناسبت اور قلبی موانست پیدا نہ کیجیئے کہ خود اپنے پھسلنے کا اندیشہ اور ان کے ریس کرنے کا شوق پیدا نہ ہو۔ لیکن ان سے بھی وقت پر مدارات اور حسن خلق برتنا چاہیئے۔

۹: مسترشد:۔ اسلامی اور صلحاء کا لباس کون سا ہے جس کو اختیار کیا جائے۔ ہمارے علماء کرام جو لباس پہنتے ہیں۔ نہ معلوم اس کا سنت سے کیا تعلق ہے مجھے تو ہر اسلامی ملک کا لباس علیحدہ معلوم ہوتا ہے۔ اب تو اکثر ممالک میں مغربی لباس رائج ہو گیا۔ بہرحال لباس کے متعلق کیا حکم ہے۔

حضرت الشیخؒ:۔ **اسلامی لباس** | اسلامی لباس وہی ہے جو اس ملک کے صالحین پہنتے ہوں۔ ہمارے ہاں کرتہ گھٹنوں تک اور پاجامہ ٹخنے سے ذرا اونچا اور ٹوپی مروج ہے۔ اسلامی لباس ہر ملک کے صالحین کا ملک کی آب و ہوا اور ضرورت کے لحاظ سے الگ الگ ہے۔

ممنوعات لباس جیسے ریشم، شوخ رنگین وغیرہ کپڑے اور ٹخنے سے نیچے پاجامہ اور زرتار کپڑے مردوں کے لئے حرام ہیں۔ اس طرح ناز و تکبر کے کپڑے اور غیر قوموں کی تقلید حرام ہے۔ یورپ میں البتہ یورپ کے کپڑے پہنیں گے۔ نکٹائی اگر صلیب کی نشانی ہو تو اوس سے پرہیز چاہیئے۔

۱۰ا:۔ مسترشد:۔ میں آج کل یہ لباس پہنتا ہوں۔ علی گڑھ کٹ پاجامہ بوٹ جوتہ مع موزہ جناح کیپ، قمیض کفدار اور شیروانی استعمال کرتا ہوں۔ اور کبھی کبھی چل کرتہ اور دو کلیہ ٹوپی بھی گھر پر پہن لیتا ہوں اس کا کیا حکم ہے۔

حضرت الشیخؒ:۔ مباح ہے

۱۱ا:۔ مسترشد:۔ کبھی کبھی انٹرویو وغیرہ میں سوٹ پہن لیتا ہوں۔

حضرت الشیخؒ:۔ انٹرویو بغیر اس کے بھی کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔

۱۲ا:۔ مولانا تھانویؒ کے سوانح کا چوتھا حصہ پڑھ کر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔

حضرت الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ مبارک کریں۔

۱۳ا:۔ مسترشد:۔ درسی کتب، مقابلہ کے امتحان کی کتابیں۔ انگریزی زبان یا مغربی سیاسیات

حصول معاش کی نیت سے یا تبلیغ دین میں معاونت سے پڑھی جائیں تو کیا کارِ ثواب نہ ہوگا۔

حضرت الشیخ: نیت | جی ہاں یہ سب امور نیت کے مطابق ثواب یا گناہ ہیں۔

۱۴: مسترشد: اسلامی کتب کے مطالعہ میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ اسلئے گاہے خیال ہوتا ہے کہ کہیں میں یہ مطالعہ حظِ نفس کے لئے تو نہیں کر رہا۔

حضرت الشیخ: احتساب نفس | نفس کا جائزہ لیتے رہیئے اور حسن نیت کی کوشش میں لگے رہیئے۔

۱۵: مسترشد: محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو غیر شعوری طور پر دیندار سمجھتا ہوں کیا یہ برا ہے

حضرت الشیخ: اپنے کو دیندار سمجھنا: اس احساس میں ذرا اصلاح درکار ہے یوں سمجھیئے کہ بفضلہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دین پر قائم ہوں۔ خود اپنی محنت سے نہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے یہی معنی ہیں

۱۶: مسترشد: بعض غیر دیندار لوگوں میں فضائل کا مشاہدہ ہوتا ہے اور بعض اخلاقِ رذیلہ مثلاً کبر و حسد و بغض اُن میں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ بعض کا اسلام کے ساتھ کوئی خاص علاقہ بھی نہیں ہوتا۔

کیا یہ فطری بات ہے۔

حضرت الشیخ: حقیقت فضائل | فضائل وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت سے ہوں اور ایمان کے بعد ہوں یعنی جن کی بنیاد ایمان صحیح پر ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ ظاہری فضائل درحقیقت فضائل نہیں۔ صورت فضائل کی ہے حقیقت فضائل کی نہیں۔

۱۷:۔ مسترشد:۔ اگر مسلمان دنیا چھوڑ کر فقر کے حامل ہو جائیں اور بقدر ضرورت دنیا پر اکتفا کریں تو پھر موجودہ دنیا میں وہ بحیثیت ایک قوم کے کفار کا مقابلہ کیسے کریں گے۔

حضرت الشیخؒ:۔ دین و فقر کے ساتھ دنیا پر غلبہ پایا جا سکتا ہے جیسے ہمارے اسلاف کرام اور صحابۂ عظام نے کفار کا مقابلہ کیا۔ اور فارس و روم کو زیر کیا۔

۱۸:۔ مسترشد:۔ جب معاشی حالت اچھی نہ ہو، تجارت و صنعت و حرفت کی باگ ڈور اُن کے ہاتھ میں نہ ہو اور اس لئے جنگی قوت نہ ہو تو کفار کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ اور کفار کے مقابلے میں باعزت و وقار زندگی کیسے بسر کریں گے۔

حضرت الشیخؒ:۔ یہ سب چیزیں ہوں گی۔ اور ہو سکتی ہیں۔ مگر بہ تحت احکام الٰہی۔

۱۹:۔ مسترشد:۔ کیا صحابہ کرام کی طرح دنیا کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے بھی اس زمانہ میں انہیں کی طرح جاہ و ملک سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں

حضرت الشیخؒ:۔ ہو سکتے ہیں۔ صحابہ کرام کی روح پیدا کرنی چاہیئے۔

۲۰:۔ مسترشد:۔ اپنے اندر کبر کا غلبہ تو نہیں پاتا مگر کبھی کبھی اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہوں۔ اگر اپنے کو دوسروں سے افضل نہ سمجھے تو کیا احقر و کمتر سمجھنا چاہیئے۔ صحیح تخیل کیا ہے؟

حضرت الشیخؒ:۔ علاج تکبّر یہ سمجھئے کہ یہ فضیلت جو مجھے حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور اسکی عطا سے ہے۔ اور آخری فضیلت جو

اُخروی ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں اس لئے کسی کی تحقیر جائز نہیں صحیح طریق یہ ہے کہ اپنے عیب پر اور دوسرے کے ہنر پر نظر رہے تاکہ اپنے اندر غرور اور دوسرے کی تحقیر کا خیال پیدا نہ ہو۔

والسلام۔ ہیچمدان سلیمان
۱۲ج ۲۔ ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۳۱/۱۰۷

۱:۔ مسترشد: مرشدی و مولائی! السلام علیکم

حضرت الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

۲:۔ مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرت الشیخؒ: الحمدللہ مع الخیر ہوں۔

۳:۔ مسترشد:۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعا فرمادیں

حضرت الشیخؒ:۔ دلی دعا ہے۔

۴:۔ مسترشد: جب کسی معصیت کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ تو ساتھ ہی ساتھ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اگر گناہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ اس سے گناہ کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے اور خشیت کم ہوتی ہے۔

حضرت الشیخؒ:۔ خشیت و احترازعن المعصیت کا طریق | اللہ تعالیٰ کی قہاری وجباری کا تصور کیجئے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کے معاف کردینے

کا وعدہ نہیں فرمایا ہے۔ وہ چاہے معاف کرے چاہے نہ کرے
اور گناہ پر اصرار ایسا گناہ ہے جس سے صغیرہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے۔

۵:۔ مسترشد:۔ حضرت تھانویؒ نے تعلیم الدین میں بخل کی تعریف میں لکھا ہے "کہ جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروۃً ضروری ہو۔ اسمیں تنگدلی کرنا بخل ہے کیا شرعاً میں مروۃً نہیں آگیا۔ پھر مروۃ کے کیا معنی ہوئے۔

حضرت الشیخؒ:۔ مروت و شرع | مروت میں شرعاً نہیں آگیا۔ شرعاً سے مقصود ضروری ہے اور مروت سے مقصود اخلاقاً یعنی جس کا کرنا اخلاقاً مناسب ہے۔ مگر شرعاً اوس کا کرنا واجب نہیں۔

۶:۔ مسترشد:۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے بغض رکھنا تو جائز ہے لیکن۔ فاعل سے نفرت نہ ہو۔ بلکہ فعل سے نفرت ہو۔

حضرت الشیخؒ:۔ فعل سے نفرت اور فاعل سے نفرت نہ ہونے کا طریق اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر بار بار بالقصد عمل کرنے سے اس میں سہولت ہوجاتی ہے۔

حصول کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اپنے عیوب اور نقائص کو سامنے رکھ کر دوسرے شخص پر نظر کیجئے۔ تو انشاءاللہ اصلاح ہوجائیگی۔

۷:۔ مسترشد:۔ کبر کی کیا تعریف ہے۔ بعض لوگ عقائد و اعمال کے لحاظ سے صریحاً خراب ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو ان سے شعوری یا غیر شعوری طور پر افضل سمجھتا ہوں۔ کیا یہ کبر ہے کیا کفار و مشرکین سے اپنے کو افضل سمجھنا بھی کبر ہے۔

حضرت الشیخؒ۔ کبر کی تعریف کسی کمال میں اپنے کو دوسرے سے اس طرح بڑا

سمجھنا کہ اوس کو حقیر و ذلیل سمجھے اگر ایسا سمجھنا غیر اختیاری طور پر ہے
تو مؤاخذہ نہیں ہے۔

لیکن اوس کے مقتضا پر عمل نہ کرے یعنی اپنی زبان سے اپنی
فضیلت اور دوسروں کے نقص قول و عمل سے نہ کرے اور اگر بالقصد
اپنے کو اچھا اور دوسرے کو برا سمجھتا ہے تو وہ کبر کا مرتکب ہے اس
کا علاج یہ ہے کہ اوس دوسرے شخص کی حمد و ثنا بالقصد زبان سے
کرے اور برتاؤ میں تعظیم و تکریم کرے۔

تواضع اور اپنے کو حقیر سمجھنا | کفار مشرکین سے تارکین صلوٰۃ
سے اپنے کو اچھا سمجھنا باعتبار فعل کے صحیح ہے۔ مگر اعتبار اوس
اچھائی یا برائی کا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہو اور اوس کا حال کسی
کو معلوم نہیں۔ کیا معلوم جس کو آپ کافر مشرک سمجھتے ہیں۔ وہ تائب ہو کر
ہم سے آپ سے بہتر ہو۔ اور آخرت میں اوس کا درجہ بڑا ہو۔ علاج
یہی ہے کہ اپنی کوتاہیوں پر نظر رہے۔

۸: مسترشد:۔ میں اپنے اعزہ جو قریب ہی رہتے ہیں۔ اس خیال سے اکثر نہیں
جاتا کہ جب بھی جاؤں، غیبت ہوتی ہے۔ جس کا گناہ ہے۔ کیا اس
صورت میں اس وجہ سے نہ ملنے میں میرا طرز عمل ٹھیک ہے۔

حضرت الشیخ: حسن معاشرت | (ا) ٹھیک ہے مگر حقوق سے غفلت نہ ہو۔

۹: مسترشد:۔ میں ایک مخلص دوست کے پاس مہمان تھا انکی کہیں دوسرے دوست نے دعوت کی
مجھے اپنے میزبان دوست اصرار کرکے لے گئے۔ رواج یہی ہے کہ مہمان بھی مدعو ہوتا ہے۔ کیا میرا جانا
صحیح تھا۔ والسلام۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ (ب) احتیاط اسی میں تھی کہ آپ نہ جاتے۔ جب تک تصریح نہ ہوتی۔

پانچ سوالوں سے زیادہ ایک وقت میں نہ کیا جائے۔ والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب ۱۰۸/۳۲

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ حضرت بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمدللہ مع الخیر ہوں

مسترشد:۔ میرے لئے فلاح دارین کی دُعا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ داعی خیر ہوں

مسترشد:۔ پچھلا عریضہ میری خاص کیفیت کی بنا پر انتہائی طویل ہوگیا۔ بہرحال اوسکی طوالت کی معافی چاہتا ہوں۔

خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ: خیر جو ہو چکا۔ وہ ہو چکا۔ آئندہ خیال رکھیں کہ طول نہ ہو۔

والسلام ۔ ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۱۰۹/۳۳ (پوسٹ کارڈ پر)

از ہیچمدان سلیمان بہ محب عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ ابھی علی گڑھ کے سفر کا موقع نہیں

۱۔ نماز | خوشی ہوئی کہ نماز کے آپ پابند اور متعدد اوقات کی جماعت کی شرکت سے سعادت اندوز ہوتے ہیں۔ اللھم زد فزد

۲۔ مطالعہ برائے عمل | تعلیم الدین کا مطالعہ بہ نیت عمل مفید ہے۔ اس پر ہر حال میں عامل رہیں۔ اِن کتابوں اور دعاؤں کی مشغولیت بھی فائدہ مند ہے۔ آئندہ کے لئے دل میں کھٹک عین مطلوب ہے۔ یہی ترقی کا دروازہ ہے۔

۳ دعاء و نتیجہ دعاء | آپ کی کامیابی کی بدل دعاء ہے۔ لیکن دعا کی مقبولیت کے یہ معنی نہیں کہ مطلوبہ چیز بعینہ مل جائے۔ کیا عجب کہ ہم جس کو خیر سمجھ کر مانگتے ہوں، عالم الغیب کی نگاہ پاک میں وہ ہمارے لئے خیر نہ ہو۔ اس سے دل گیر نہ ہوں۔ اور ہر حال میں امیدوار اور شاکر رہیں۔ بندہ کو یہی سمجھنا چاہیئے کہ اوس کے ہاتھ میں صرف کوشش ہے۔ نتیجہ اوس کے ہاتھ میں نہیں۔ تیمار دار اور طبیب دوا تجویز کرتے ہیں۔ اور پلانے کے ذمہ دار ہیں۔ دواؤں کا مؤثر ہونا یا مؤثر بنا دینا نہ طبیب کے امکان میں ہے نہ تیمار دار کے یہ صرف قادر مطلق اور شافی حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ جبر و اختیار کے مسئلہ کے لئے آپ سیرتؐ جلد چہارم میں اس مسئلے کا باب پڑھیں۔ آپ کے والد صاحب کے لئے دعا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔

۴۔ مسئلہ کفو | اسلام میں قانون کفو کا بعض مسائل میں اعتبار ہے۔ مگر قبولیت عنداللہ اور سعادت اُخروی میں اصلاً فرق نہیں

مکتوب $\frac{110}{44}$

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ:۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں۔ آئندہ بھوپال ہی کے پتہ سے کچھ دنوں تک خط لکھیں میرا نام کافی ہے

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودی دارین کی دعا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ: دلی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں

مسترشد:۔ بجنور کے دیندار لوگ جناب کی زیارت کے خواہش مند ہیں۔ اور میرے ذریعے جناب کو مدعو کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کب تشریف لا سکیں گے

حضرۃ الشیخ:۔ قیام بھوپال اور مشاغل | ان صاحبوں کا کرم اور حسن ظن ہے۔ بالفعل تو یہ خاکسار ریاست میں بعض عربی مدارس کی اصلاح و تنظیم میں مصروف ہے جس سے فرصت کہیں ایک سال کے بعد ملے گی۔ اس لئے بالفعل معذرت ہے

مسترشد:۔ مولانا تھانویؒ کے مواعظ پڑھے۔ جن سے بعض اوقات پریشانی کی حالت میں تسکین و راحت محسوس ہوئی

حضرۃ الشیخ:۔ الحمد للہ

مسترشد:۔ اب تو خدا کا شکر ہے۔ طبیعت سکون پر ہے۔ پچھلے عرصہ میں شیطانی خیالات و وساوس کا غلبہ رہا۔ گناہ کے بعد بڑی وحشت ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخ: گناہ بعد الٰہی کا سبب ہے | اس سکون پر مبارکباد۔ بہرحال گناہ سے دربار الٰہی سے بعد ہو جاتا ہے۔ اور اس کا علاج استغفار ہے

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

مسترشد استغفار کرتا ہوں مگر استغفار کرتے ہوئے بھی معلوم

ہوتا ہے کہ زبان سے ہے دل سے نہیں۔
حضرۃ الشیخؒ:۔ خشیت الٰہی کے مضامین و آیات پڑھا کریں۔

مسترشد، بہت سے گناہ موقع نہ ملنے کی وجہ سے نہیں کرتے۔ اگرچہ دل میں مزہ ہونے کی وجہ سے ان کے کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔ معاصی سے کس طرح بچا جائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ گناہ سے بچنے کا طریقہ | ایسی حالت میں فوراً عذاب الٰہی کا تصور کیجئے کہ دوزخ کی آگ دھک رہی ہے اور ہم اس میں پڑا چاہتے ہیں۔ یا موت اور قبر کا تصور کیجئے۔ سب مزہ کرکرہ ہو جائے گا۔ نیز یہ مراقبہ کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان
۲۶ر شعبان ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۱۱۱/۳۵

مسترشد، جہانگیر منزل بجنور
۱۹ر رمضان المبارک

مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ از بھوپال متصل موتی مسجد
اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد : اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ :- الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد :- اس سے قبل ڈاک خانہ کی ہڑتال شروع ہونے سے پہلے ایک عریضہ دیسنہ کے پتے پر روانہ کر چکا ہوں۔ تا ہنوز جواب سے محروم رہا۔

حضرۃ الشیخؒ :- جواب دینا یاد آتا ہے۔

مسترشد :- بجنور کے دیندار لوگ عرصہ سے آپ کی تشریف آوری کے خواہش مند ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- اِن صاحبوں کی یہ محبت اور حسن ظن ہے۔ اب تو ایسے سفر سے معذرت ہے۔ کچھ دنوں کے لئے بھوپال میں پابند ہو گیا ہوں۔

ع خود بخود آزاد بودم خود گرفتار آمدم

یہاں قضا اور عربی مدارس کی نگرانی کا کام مجھے متعلق ہو گیا ہے۔

وَالْاَمْرُ بِیَدِ اللّٰہِ

مسترشد :- جناب کا قیام اگست اور ستمبر میں کہاں رہے گا

حضرۃ الشیخؒ :- اب تو قیام یہیں رہے گا۔

مسترشد :- میرے لئے بہبودئ دارین کی دعا فرماویں۔

حضرۃ الشیخؒ :- دلی دعا ہے

مسترشد :- عرصہ سے میری خواہش تھی۔ کہ اسلامی تعمیری کاموں کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جائے۔ حضرۃ تھانوی کی دو کتابوں حیوۃ المسلمین اور صیانۃ المسلمین سے میں نے تحقیقی، تعلیمی و تبلیغی کاموں کیلئے ایک سکیم مرتب کی ہے اور اسکو چند محترم بزرگوں اور علیگڑھ کے احباب نے پسند فرمایا۔

حضرۃ الشیخؒ: | اجتماعی کام رسم بن جاتے ہیں | آپ کے اخلاص اور حسنِ نیت میں شک نہیں، اگر چند مخلصین آپ کو مل گئے ہیں تو خیر! ورنہ ایسے اجتماعی کاموں میں رسوم اصل کام کی جگہ لے لیتی ہیں۔

مسترشد: اس سلسلہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع سے ملنے دیوبند گیا۔ اور سہارنپور اور ڈابھیل وغیرہ کے علماء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اور علی گڑھ میں بھی کئی فضلاء کو متفق پایا۔ اساتذہ میں ڈاکٹر برہان احمد صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمان، ڈاکٹر محمود صاحب، ڈاکٹر عشرت صاحب، ڈاکٹر سید ظفر الحسن صاحب، ڈاکٹر افضال احمد صاحب وغیرہ بھی ہیں۔ آئندہ ستمبر میں اجتماع رکھ کر ان سب حضرات کو مجتمع کر کے مشورہ کرنے اور لائحہ عمل طے کرنے کا خیال ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: | اصلاحی کام | خوشی ہوئی کہ آپ نے اتنی محنت کی اور جدید و قدیم اصحاب الرائے سے گفتگو اور ملاقاتیں کیں۔ اور اُن کو متفق کیا۔ اب آئندہ اجتماع کے موقع پر جو کام طے پائے اس سے مطلع فرمائیں گے۔

مسترشد: اس سلسلے میں اسلامی تحقیقی کام کے لئے اسلام پر غلط کتابوں کے رد کے لئے ایک اکیڈیمی قائم کرنے کا بھی خیال ہے۔ اور تعلیمی اصلاح اور تبلیغی نظام بھی صلاح و مشورہ سے قائم کرنے کا خیال ہے۔

(ا) اِن گذارشات کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے۔

(ب) اس سلسلے میں جناب کی توجہ اور شرکت کی خاص ضرورت ہو گی۔

(ج) ستمبر میں کون سی تاریخیں رکھی جائیں کہ جناب علی گڑھ تشریف لا سکیں اور دوسرے حضرات کو بھی مدعو کر لیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:- (ل) خیال اچھا ہے۔ اگر عمل سے مقترن ہو۔

(ب) حسب استطاعت و توفیق شرکت ہوگی

(ج) ستمبر کے ۲۰ تک سہارنپور کا قصد ہے۔ جہاں آج کل عزیزی سید حسن سپلائی آفیسر ہیں۔

مسترشد:- اس کام کے سلسلے میں خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ کید نفس ہو اور یا حظِ نفس کے لئے ہو۔ اس بارے میں اخلاص کا علم کیسے ہو۔

والسلام۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ:- اجتماعی کاموں میں اخلاص کا معلوم کرنا | اگر آپ کے دل میں یہ ہو کہ اگر کوئی آپ سے بہتر مل جائے تو بخوشی یہ کام اوس کے سپرد کر کے آپ اس کے تابع ہو جائیں گے۔ تو یہ اخلاص ہے۔ ورنہ اس میں کچھ نہ کچھ حصولِ نام کو دخل ہے۔

آپ نے لفافہ کو بری طرح چپکایا تھا۔

والسلام

ہیچمدان سلیمان

مکتوب : ۱۱۲/۳۶

مسترشد:- مرشدنا و مولانا۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:- اخی فی العزیز دام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ علی کل حال

مسترشد:۔ میرٹھ کب تک تشریف لائیے گا۔

حضرت الشیخؒ:۔ تاریخ کا تعین نہیں کر سکتا۔

مسترشد:۔ میں دوستوں اور بزرگوں کے خطوط میں آخیر میں خادم مختار لکھ دیتا ہوں کیا یہ شرعاً نامناسب تو نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی حرج نہیں

مسترشد:۔ کوئی عنایت کرے، اس کے جواب میں "شکریہ" کہہ دینا اسلاف کے طریق کے خلاف تو نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ شکریہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر جزاک اللہ کہا کیجئے۔

مسترشد:۔ کیا حضرت تھانویؒ کا کوئی خاص رسالہ گورنمنٹ سروس کے بارے میں ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی خاص رسالہ نہیں۔

مسترشد:۔ بعض اوقات مسجد کی دوری کی وجہ سے جماعت کی نماز میں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ مسجد کی دوری | رخصت پر عمل کیجئے۔

مسترشد:۔ حضرت مولانا کے مواعظ میں دیکھا ہے کہ وکیل کی کمائی حرام ہے۔ تو کیا وکیل دعوت کرے تو اسکی کھا سکتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ استفسار مسائل بغیر نیت کے مناسب نہیں | کھا سکتے ہیں اور نوکری بھی کر سکتے ہیں۔ جب تک عمل کی نیت نہ ہو۔ مسئلہ نہ پوچھئے۔

مسترشد: باوجود توبہ کے گناہ ہوجاتے ہیں اور توبہ ٹوٹ جاتا ہے

حضرۃ الشیخؒ: ہر بار توبہ کیجئے۔

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ: دلی دعا ہے

مسترشد:۔ اردو میں کوئی تفسیر پڑھنا چاہتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ مولانا تھانویؒ کی تفسیر "البیان" پڑھیئے

مسترشد:۔ آپ نے مطالعہ کے لئے تعلیم الدین اور مواعظ اشرفیہ کے ۱۰۰ مواعظ تجویز فرمائے تھے۔ میں وہ پڑھ چکا۔ اب جو تجویز فرمائیں

والسلام۔ خادم ۔ مختار

حضرۃ الشیخؒ:۔ مطالعہ برائے عمل | مطالعہ کافی ہوچکا۔ اب عمل کا وقت ہے

ہیچمدان سلیمان
۴ شوال ۱۳۶۵ھ

مکتوب ۱۱۳/۳۷

مسترشد:۔ جہانگیر منزل بجنور / ۲۸ ستمبر

مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: از سہارن پور۔ مکان ڈپٹی سید حسین

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ میں اس خیال سے کہ آپ ۲۰ تاریخ تک سہارنپور تشریف لائیں گے، میں اور میرے ایک بھائی ۲۰ ستمبر کی شام تک سہارن پور پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن ۲۵ ستمبر تک آپ تشریف نہ لائے۔ اس لئے ۲۶ کو واپس آگیا

حضرۃ الشیخ:۔ میں پرسوں ۲۷ ستمبر کی دوپہر کو پہنچا۔ اب یکم اکتوبر براہ لکھنؤ اعظم گڑھ جا رہا ہوں غالباً ۸ کو لکھنؤ واپس پہنچ جاؤں گا۔

مسترشد:۔ ۲۴،۲۳ کو کچھ احباب بھی جناب کی ملاقات کی نیت سے سہارن پور حاضر ہوئے۔

حضرۃ الشیخ:۔ آپ کے احباب کا شکریہ۔

مسترشد:۔ علی گڑھ میں اسلامک اکیڈمی کے سلسلے میں مولانا ظفر احمد صاحب، مولانا شبیر علی صاحب سے مولانا ظہور الحسن اور نواب احمد علی خان صاحب کی معیت میں ملاقات کی سب نے اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

حضرۃ الشیخ:۔ علی گڑھ سے امیر احمد صاحب قدوائی کا خط آیا تھا۔ جواب دیا گیا۔ کل مولانا ظہور الحسن صاحب نے آکر اپنے سفر علی گڑھ کی کل کیفیت بیان فرمائی۔

مسترشد:۔ آپ کا اکتوبر کا پروگرام ہے

حضرۃ الشیخ:۔ مجھے صرف ۱۸ روز کی رخصت ہے۔ جس میں سہارنپور، لکھنؤ اور اعظم گڑھ جانا ہے اور آنا ہے۔ آپ اس کام میں مولانا ابرار الحق صاحب مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی سے کام لیں۔ بڑے مخلص اور حضرت کے نوجوان خلفاء میں سے ہیں۔

مسترشد:۔ جناب پر سب کچھ منحصر ہے۔ جناب کی تشریف آوری سے امید ہے کہ اچھی تحریک علی گڑھ سے چل سکے گی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مجھ پر انحصار رکھنا صحیح نہیں۔ میں سال ڈیڑھ سال کے لئے اپنے کو بھوپال کے نذر کر چکا۔ حضرت کے جن خلفاء سے آپ مل چکے۔ اور ان کو متفق بنا چکے وہ کافی ہیں۔

مسترشد:۔ عوام کی تبلیغ کے لئے دستور العمل ابھی واضح طور پر متعین نہیں ہو سکا

حضرۃ الشیخؒ:۔ عوام کی تبلیغ | عقائد توحید اور نماز کی تحریک عوام تک پہنچنے کے لئے کافی ہیں

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودی دارین کی دعا فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دلی دعا ہے

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر و عافیت ہوں گے۔

والسلام۔ خادم۔ مختار احمد

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ

سید سلیمان

مکتوب ۱۱۴/۳۸

(پوسٹ کارڈ)

دار المصنفین اعظم گڑھ

اخی فی اللہ تعالےٰ رزقکم اللہ تعالیٰ الصلاح فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں سہارنپور سے پرسوں یہاں آیا۔ ۷ کو انشاء اللہ لکھنؤ جاؤں گا۔ الحمد للہ بخیر ہوں۔ اس وقت میرا علی گڑھ جانا ممکن نہیں۔ سہارنپور میں

مولانا ظہور الحسن صاحب سے عرض کر دیا ہے کہ وہ کام کو انجام دیں۔ میری دعاء شامل حال رہے گی۔ قدوائی صاحب کا خط بھی آیا۔ جواب معذرت کے ساتھ دیا گیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا کام کریں گے۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۳ ر اکتوبر ۱۹۴۶ء

مکتوب ۱۱۵/۳۹

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ:۔ الحمد للہ کہ اب اچھا ہوں۔

مسترشد:۔ میرے لیے بہبودیٔ دارین اور فائنینس کے امتحان میں کامیابی کی دُعاء فرما دیجئے۔

حضرۃ الشیخ:۔ آپ کی فلاح دارین کے لئے دلی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرما کر آپ کو مطمئن فرمائیں۔

مسترشد:۔ ۲۷ ر اکتوبر کو میرا امتحان ختم ہوگا۔ اِس کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ میرٹھ کب آئیے گا۔

حضرۃ الشیخ:۔ یہ فقیر الی اللہ اس زمانہ میں یہاں نہیں ہوگا۔ لکھنؤ کا قصد ہے۔ اور اوائل نومبر میں

میرٹھ کا اور وہاں کچھ دنوں قیام رہے گا

مسترشد :۔ میرے گھر میں ایک بوڑھی عورت جس کی عمر پچپن سال یا اس سے زائد ہوگی ملازم ہے۔ وہ پردہ نہیں کرتی اور نہ اس سے کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کیا کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس سے پردہ نہیں۔

مسترشد :۔ کچھ بے پردہ پھرنے والی عورتیں جن کا ہمارے خاندان کے ساتھ واسطہ ہے گھر میں آجاتی ہیں۔ ان میں جوان اور بوڑھی دونوں سے گھر والوں کا پردہ نہیں ہوتا۔ میں بھی نہیں کرتا۔ بوڑھی عورتیں اور نامین گفتگو بھی کر لیتی ہیں۔ کیا صورت اختیار کی جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ پردہ ان سے عورتوں کا نہیں۔ البتہ آپ غض بصر یعنی آپ ان پر نظر نہ ڈالیں۔ خصوصاً جوان عورتوں پر۔

مسترشد :۔ گھر میں بڑے بھائی بھی رہتے ہیں۔ اور بھابھی صاحبہ مجھ سے پردہ نہیں کرتیں حالانکہ گفتگو بھی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ غض بصر سے اور تنہائی میں یک جائی سے پرہیز کریں۔

مسترشد :۔ میری بہن و بھابی صاحبہ وغیرہ جب کبھی شفاخانہ وغیرہ جاتی ہیں تو برقعہ وغیرہ پہن کر یا تو صرف تانگے والے کے ساتھ چلی جاتی ہیں اور یا اپنے گھر سے چپراسی یا ملازم کے ساتھ۔ کیا اس میں کوئی حرج ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : اگر وہ معتبر ہیں تو بضرورت کچھ حرج نہیں مگر بہتر ہے کہ کوئی محرم عزیز یا بوڑھی عورت ساتھ ہوں۔ اس میں اور بھی فائدے ہیں۔

مسترشد :۔ آپ کی تقریر "علم" کے بارے میں جو آپ نے راندھیر میں فرمائی (ماہ شعبان میں) مدینہ میں شائع ہوئی۔ اس سے بڑا فائدہ ہوا۔ کیا وہ معارف میں بھی شائع ہوئی

حضرۃ الشیخؒ، وہ رسالہ جاتا ہے

مسترشد:۔ کیا جناب کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہفتم شائع ہو گئی۔

حضرۃ الشیخؒ: نہیں

مسترشد: معمولات کا پابند ہوں۔ الحمد للہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ خدا کا شکر کیجئے کہ مزید توفیق ہو۔

مسترشد:۔ استقامت کی دعاء فرما دیجئے گا۔

خادم۔ مختار

حضرۃ الشیخؒ:۔ دلی دعاء ہے۔

بیچدان سلیمان۔

مکتوب ۱۱۶/۴

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ، الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد میرے لئے بہبودی دارین اور توفیق عمل کی دعا فرما دیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دلی دعائیں آپ کے لئے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرما دیں۔

مسترشد:۔ اِس سکیم کے سلسلے میں جس کا میں نے تذکرہ کیا تھا۔ کہ اسلامی نظام میں

تعلیم نسواں ضروری ہے۔ اس کا نصاب کیا ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیم نسواں عورتوں کی مناسب تعلیم بے شبہ ضروری ہے۔ پردہ کے اہتمام اور مذہبی تعلیم کے ساتھ دنیاوی خانہ داری اور ابتدائی طبی، حفظان صحت، اور صنعت وحرفت، کچھ تاریخ، کچھ جغرافیہ کی تعلیم ہو سکتی ہے۔

مسترشد:۔ انفرادی طور پر گھروں میں تعلیم کی بجائے اسکولوں میں اچھی اور باقاعدہ تعلیم ہو سکتی ہے۔ زنانہ سکولوں میں پردہ کا انتظام اور دیندار استانیوں کا اہتمام ہو سکتا ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ اسکول میں سب کچھ کرنے کے بعد بھی زمانہ کے فسادات سے بچانا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے

اگر کوئی نمونہ کا کام کر کے دکھا سکے تو شاید رائے بدل جائے۔

مسترشد:۔ نصاب کے سلسلے میں اگر تفسیر وحدیث وفقہ کے علاوہ تھوڑا حساب، ریاضی، جغرافیہ تاریخ، انگریزی ہو۔ تو گویا ہائی سکول تک کی ضروری تعلیم ہو گئی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جالندھر میں ایک مدرسۃ البنات قائم ہے۔ اوس کا نصاب اور اوس کے قواعد منگوا کر دیکھئے۔ ہو سکے تو خود جا کر اوس کو دیکھئے۔

مسترشد:۔ تعلیم کے متعلق جناب کے مضامین کہاں سے مل سکتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ میرے تعلیمی مضامین اس موضوع سے متعلق نہیں ہیں۔

مسترشد:۔ ڈاکٹری کے لئے مستورات کا ایف۔ ایس سی اور بی۔ ایس۔ سی ہونا ضروری ہے۔ اس طرح دوسروں کی تعلیم کے لئے ان کا ایم۔ اے، بی۔ اے ہونا ضروری ہے۔ تو جناب کی کیا رائے ہے۔ کہ اگر پردہ اور اسلامی تعلیم کا اہتمام

ہو جائے۔ والسلام

خادم۔ مختار احمد خان

حضرۃ الشیخؒ :۔ باقی امور کے متعلق کیا کہا جائے۔ تجربہ نے اب تک کوئی عمدہ نمونہ پیش نہیں کیا۔ والسلام

سید سلیمان

۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ / ۲ نومبر ۱۹۴۶ء

مکتوب ۱۱۷/۱۴

مسترشد :۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ محبی و عزیزی دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمدللہ کہ بخیریت ہوں

مسترشد :۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ دل سے دعاء کرتا ہوں

مسترشد :۔ اسراف کو شرعاً برا سمجھنے کے باوجود اپنے میں اس کی عادت پاتا ہوں۔ اسے کس طرح دور کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اسراف | اسراف کے معنی یہ ہیں کہ انسان بلاضرورتِ واقعی یا بے محل یا اپنی حد سے زیادہ صرف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے مسرف کو شیطان کا بھائی

کہا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ ۝

اِس کا علاج یہ ہے کہ ہر صرف کے وقت یہ سوچا جائے۔ اگر یہ نہ کیا جائے تو کیا ضرر ہے۔ اگر ضرر نہ معلوم ہو تو نہ کیا جائے۔

مسترشد: کذب کی عادت بھی ابھی تک کلی طور پر دور نہیں ہوئی۔ گو کذب دوسروں کے لئے غیر مضر ہوتا ہے۔ شاید اسکی منشاء دوسروں پر اپنی عظمت جتاتا ہو یا کبر کا نتیجہ ہو۔ کس تدبیر سے اس کو ختم کیا جائے۔

حضرۃ الشیخ: کذب | یہ عادت بہت بری ہے۔ کذب ہر بیماری کی جڑ ہے۔

کذب سے بچنے کی تدبیر اور عجیب حکمت | بڑا بننے کی خواہش تو بری نہیں مگر اوس کے مقتضی پر عمل کرنا بُرا ہے۔ اس کو اس تدبیر سے ختم کر دیجئے۔ کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے۔ کہ میں جھوٹ بولا کرتا ہوں۔ میرا اعتبار نہ کیا کریں۔ آپ اس پر اس طرح عمل کریں کہ نفس کو کہیں کہ میں لوگوں سے کہہ دوں گا۔

مسترشد:۔ اپنی زندگی کو پُر معاصی پاتا ہوں۔ طبیعت چاہتی کہ زندگی کا پُر معاصی حصہ الگ ہوکر باقی زندگی بے داغ اور عین اسلامی گذاری جائے۔ بہر حال اب اس کے تدارک کی کیا صورتیں ہیں

حضرۃ الشیخ:۔ اسلامی زندگی گذارنے کا عزم | یہ کیفیت خط زدہ بہت اچھی ہے۔ اب آپ ایک روز تہیہ کر کے وضو اچھی طرح کیجئے اور خلوص سے دو رکعت نماز توبہ ادا کیجئے۔ اور اوس کے بعد اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی پورے

خضوع اور خشوع سے مانگیں اور عزیمت کریں۔ اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں۔ کہ اب کوئی عصیان کا کام نہ ہونے پائے۔

مسترشد:۔ طبیعت چاہتی ہے کہ سوائے اپنی اصلاح کی فکر کے اور کوئی کام نہ کیا جائے۔ اس وجہ سے تبلیغ سے بھی رکاوٹ ہوتی ہے۔ کیا یہ جذبہ صحیح ہے یا نہیں ؟

خادم۔ مختار احمد

حضرۃ الشیخ رح:۔ تبلیغ کی تربیت | بے شبہ اول خویش بعدہ درویش ہے پہلے خود بنیئے پھر دوسروں کو بنائیے۔ جذبہ صحیح ہے

والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲۰ ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

مکتوب $\frac{118}{42}$

حضرۃ الشیخ رح:۔ محبی عزیزی زاد توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخ رح:۔ الحمد للہ خیریت ہے

مسترشد:۔ کسی معاملہ میں سفارش کرانا یا کرنا جائز ہے یا نہیں

حضرۃ الشیخ رح | سفارش | سفارش اگر کی جائے جس میں صفات اصلیہ واقعیہ

کا اظہار ہو تو جائز بلکہ مستحسن ہے۔ اور کار ثواب ہے

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ

مِّنْهَا الاٰية۔

مسترشد :- کبھی تو بڑے بڑے گناہ کر جاتا ہوں اور کبھی چھوٹے چھوٹے ثوابوں اور مستحبات کی بھی فکر رہتی ہے۔ اس سے کوفت ہوتی ہے کہ جب بڑا گناہ کر لیا تو چھوٹے ثوابوں اور مستحبات کی فکر کیوں۔

حضرۃ الشیخ :- نیکیوں پر عمل و احتراز گناہ | بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی کوشش کیجئے اور ان چھوٹی چھوٹی نیک باتوں کو بھی کیجئے۔

مسترشد :- مولانا ابو الکلام آزاد کی تفسیر "ترجمان" مستند و صحیح ہے یا غیر مستند۔ اس کو پڑھا جائے یا نہیں۔

حضرۃ الشیخ :- آپ کے لئے مفید نہیں۔

مسترشد :- آپ کی تشریف آوری لکھنؤ و سہارن پور وغیرہ کی طرف کب ہو گی۔

خادم۔ مختار احمد

حضرۃ الشیخ :- ابھی نہیں۔

والسلام۔ سید سلیمان

۳ر محرم ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۱۹/۴۳

مسترشد :- مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ از بھوپال

عزیزی زادکم اللہ توفیقا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دلی دعاء ہے

مسترشد:۔ سہارنپور میں جناب سے ملاقات کے بعد دیوبند ہوتا ہوا علی گڑھ گیا تھا۔ دیوبند میں مفتی شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ علی گڑھ میں مجلس اسلامیات کا کام پروفیسر حضرات اور طلباء میں کرتا رہا۔ اس کے بعد حسب قرارداد مولانا قاری طیب صاحب، مولانا شبیر علی صاحب، مولانا ظہور الحسن صاحب، مفتی شفیع صاحب تشریف لائے۔ دو روز کے بعد تشریف لے گئے۔ آئندہ کام کے متعلق بھی خاصہ مذاکرہ، مشورہ و گفتگو ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ علماء اور تعلیم یافتہ اصحاب کا میل جول | بہرحال کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے۔ علماء اور تعلیم یافتہ اصحاب کا باہم میل جول دونوں کے لئے مفید ہوگا۔

مسترشد:۔ علماء کرام کے آنے سے دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ڈاکٹر افضال قادری صاحب مسلم لیگ کی طرف سے تعلیمی اسکیم پر کام کرکے شائع کرانے والے ہیں۔ اور اس طرح پروفیسر علیم صاحب مسلم لیگ کی ا۔ Planning

Committee کے سیکرٹری کی معاشی سکیم پر کام کر رہے ہیں۔
اس لئے اگر ان لوگوں کو علماء کے صحیح مشورے ملتے رہیں تو مسلم لیگ کے پاس صحیح اسلامی سکیم پہنچ سکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مجھے بھی ان کاموں سے ہمدردی ہے۔

مسترشد:۔ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ جانے کا پہلی مرتبہ اتفاق ہوا۔ مفتی سعید صاحب شاہ علیم شاہ اور مولوی اسحاق صاحب سے مختصر ملاقاتیں ہوئیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ خدا کرے کہ یہ ملاقات مفید برکات ہو۔

مسترشد:۔ آئندہ تعلیم کے لئے انگلستان جانے میں شرعاً تو کوئی حرج نہیں جبکہ نیت صرف اپنی قابلیت بڑھانے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیم کے لئے انگلستان جانا اِس خیال سے اور پوری احتیاط سے جانے میں کچھ حرج نہیں۔

مسترشد:۔ اکثر سفر پیش آنے سے معمولات چھوٹ جاتے ہیں نماز بھی ٹھیک اوقات میں نہیں ہوتی۔

والسلام

خادم۔ مختار احمد

حضرۃ الشیخؒ:۔ معمولات تو خیر مگر فرائض میں سستی نہ کی جائے۔ اس لئے سفر بضرورت کیا جائے۔

ہیچمدان سلیمان

۴ محرم ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۲۰/۴۴

مسترشد: مرشدی و مولائی بالسلام علیکم

حضرۃ الشیخ:- محب مخلص ادام اللہ توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ: الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد: میرے لئے بہبودئ دارین کی دُعاء فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ: دل سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہوں

مسترشد: دسمبر اور جنوری کا آپ کا کیا پروگرام ہے

حضرۃ الشیخ: بظاہر یہیں قیام رہے گا۔

مسترشد: حسب حکم کئی روز تک رات کو نماز توبہ پڑھی پہلے اور گناہوں سے معافی چاہی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ کیا ہے لیکن اب بھی کبھی کبھی نماز فجر قضا ہو جاتی ہے اور کبھی جماعت نہیں ملتی۔

حضرۃ الشیخ: آپ کوشش جاری رکھیں۔ اور حق تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں۔

مسترشد: اسلامی و قومی کام کے سلسلے میں ایک سال قبل مولانا آزاد سے کچھ گفتگو ہوئی تھی۔ پھر ایک دو خط بھی ان کو لکھے۔ پھر سلسلہ ختم ہو گیا۔ کیا اس تعمیری کام کے سلسلے میں ان کو متوجہ کرنا مفید ہو گا۔

حضرۃ الشیخ: ملئے، گفتگو کیجئے۔ ہر چند کہ وہ اپنی رائے میں مستقل ہیں۔

مسترشد: دعوت احباب میں چاہے رسمی دوست ہوں یا علماء وغیرہ۔ روزانہ کے کھانے رکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ جب تک کہ معیاری دعوت نہ ہو۔

حضرت شیخؒ:۔ ضیافت میں ما حضر نہ رکھنا | اس کے اندر غور کیجئے کہ کہیں آپ اپنی شہرت اور تعریف یا پوزیشن کے ڈر سے تو ایسا نہیں کرتے۔ کہ لوگ کیا کہیں گے۔ تو یہ ریا ہے، اس سے بچئے۔

مسترشد: کیا کسی کی دعوت اس غرض سے کرنا کہ آئندہ چل کر اس سے کام لینا ہے، گناہ ہے؟ دعوتیں تو بالکل ایسی ہوتی ہیں۔ ــــ خادم مختار احمد

حضرۃ الشیخؒ: ضیافت بغرض مطلب برآری | جی ہاں۔ یہ اخلاص کے خلاف ہے۔ اور ثواب اخروی سے خالی ہے۔ ہر کام میں حسن نیت کی کوشش کیجئے

ہیچمدان سلیمان

۲۲ محرم ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۲۱/۵

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: عزیزی زادکم اللہ توفیقا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ مع الخیر ہوں

مسترشد: میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرماویں

حضرۃ الشیخؒ: دل سے دُعا کرتا ہوں

مسترشد: اعلیٰ تعلیم کے لئے آکسفورڈ جانے کا خیال ہے۔ امید ہے گورنمنٹ سے وظیفہ مل جائے گا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اکسفورڈ وظیفوں کی کمیٹی میں ہیں اگر مناسب ہو اور خلاف اصول نہ ہو۔ تو آپ ڈاکٹر ذاکر حسین کو

تحریر فرمادیں. کہ اس سلسلے میں کوئی مدد فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ: بشوق جایئے. مگر احتیاط کی زندگی اور نماز قائم رکھیئے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے نام خط لکھ کر بھیج رہا ہوں. آپ اونہیں بھجوادیں

مسترشد:۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مجھے امید ہے کہ میں خود بھی فائدہ اٹھا سکوں گا۔اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچا سکوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے. کہ ایسا ہی ہو۔

مسترشد:۔ آج کل طبیعت ذرا شکستہ اور مایوس سی رہتی ہے۔ اور جب معمولات وغیرہ گڑبڑ ہو جاتے ہیں۔ تو اور پریشان ہو جاتی ہے۔ اور سکون کم محسوس ہوتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مایوسی اور کم ہمتی نہ چاہیئے خادم. مختار

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بقدر ہمتِ تو اعتبار تو

والسلام. سید سلیمان

۴ صفر ۱۳۶۶ھ

مکتوب: ۱۲۲/۴۶

مسترشد: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ، محبی و مخلصی دام توفیقکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ میرے لئے فلاح دارین کی دعا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کی فلاح دارین کیلئے بدل دعا ہے

مسترشد:۔ پچھلے والانامہ میں جناب نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کو خط لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ تاکہ وہ میرے انگلستان جانے میں مدد فرمائیں۔ مگر خط ملفوف نہ تھا۔ ممکن ہے جناب نے براہ راست ان کو روانہ کر دیا ہو۔ براہ مہربانی اگر ان کو تحریر نہ فرمایا ہو تو تحریر فرمادیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بے شبہ مجھے یاد نہیں رہا۔ میرے ذہن سے بات ہی اُتر گئی۔ اور یہ بھی یاد نہیں رہا کہ آپ کس غرض سے جانا چاہتے ہیں۔ اور اس کا تعلق ڈاکٹر ذاکر حسین سے کیا ہے کل وہ میرے پاس تھے۔ اور دیر تک رہے۔ اور ابھی تک ہیں۔ میں نے ابھی ٹیلیفون پر اون سے آپ کے متعلق کہدیا ہے۔ اونہوں نے یہ کہا کہ آپ اون سے دلّی میں مل لیں۔ اگر وہ کچھ کر سکتے ہوں۔ تو انشاءاللہ تعالیٰ دریغ نہ کریں گے۔

مسترشد: اپنی زندگی میں بے اطمینانی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں۔ زندگی کی بے اطمینانی قلب کی بے اطمینانی، معاش کی بے اطمینانی ہے۔

مسترشد: خدا کا شکر ہے کہ ہم اسلامیات کے ذریعے کچھ اسلامی خدمت کر رہے ہیں۔ بیداری محسوس طریقہ پر ہو رہی ہے۔

والسلام۔ مختار احمد

حضرۃ الشیخ:۔ تبلیغی خدمت | اسلامیات کی خدمت مبارک ہو۔ کبھی کبھی حالات سے مطلع کرتے رہیئے۔

والسلام

ہیچمدان سلیمان۔ ۱۹ر جنوری ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۲۳/۱۴۷

مسترشد:۔ مرشدی ومولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ محبی وعزیزی زادکم اللہ توفیقا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ مع الخیر ہوں۔ اور دائی خیر ہوں۔

مسترشد:۔ خدا کا شکر ہے کہ مجلس اسلامیات کا کام تین چار ہفتوں سے زور پر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مجلس اسلامیات کے حالات معلوم ہوئے۔

مسترشد:۔ ۲۱ جنوری ۴۲ء کو مولانا طیب صاحب اور مولانا ظہور الحسن صاحب تشریف لائے۔ پروفیسر حضرات اور وائس چانسلر صاحب کیساتھ گفتگو ہوئی۔ مختلف پروفیسر حضرات کے یہاں مختلف اوقات میں چائے وطعام کی دعوتیں ہوئیں اور تقاریر ہوئیں

حضرۃ الشیخؒ: رسم پرستی | ان تقریروں کے پروگرام میں کھانے پینے ہی کے تذکرے ہیں۔ جو تمام تر علی گڑھ کی روایات کے مطابق ہیں۔ اور وہی رسوم پرستی ہے جو علی گڑھ کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

مسترشد: آج کل یہاں پر طلباء میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے خیالات کا زور ہے

لڑکیوں میں بہ نسبت لڑکوں کے زیادہ تیزی سے ملحدانہ خیالات

پھیل رہے ہیں۔

بہت ضرورت ہے کہ ایک ہفتہ یا تین چار دن کے لئے تشریف لائیں

حضرۃ الشیخؒ: اِن خیالات کی تصحیح کے لئے مودودی صاحب کے رسائل مفید ہوں گے۔

کبھی حاضر ہوں گا انشاء اللہ۔ اس وقت تو معاف رکھا جائے۔

مسترشد: میں نے ان تین چار مہینوں میں ملک کے اطراف میں مختلف حضرات سے تبلیغی سلسلہ میں ملنے کے لئے سفر کئے۔ خط و کتابت میں اپنی حیثیت سے زیادہ روپیہ اور زیادہ وقت صرف کیا۔ لوگوں نے ہمت افزائی کی۔ مگر وقت پر اپنی جگہ رہے۔ جس کی وجہ سے مایوسی ہو رہی ہے۔ اور انفرادی کام کی طرف مائل ہو رہا ہوں

حضرت الشیخؒ: تجربہ کے بعد چھڑوانا۔

اچھا ہے کہ آپ کو خود بھی دنیا کا تجربہ ہو جائے۔

مسترشد:۔ اگر آپ فروری میں تشریف لا سکیں تو مناسب ہوگا۔ تشریف آوری کی تاریخ سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

خادم مختار احمد

حضرۃ الشیخ:۔ بالفعل معذرت ہے۔

ہیچدان سلیمان / ۱۳ر فروری ۱۹۴۷ء

مکتوب $\frac{۱۲۴}{۴۸}$

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: عزیز مکرم دام توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعا فرماویں۔

حضرۃ الشیخؒ: دل سے دعاء کرتا ہوں

مسترشد: اپنی زندگی دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے ناکام محسوس کرتا ہوں۔ تمام زندگی پر ظلمت چھائی ہوئی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: یاس نہ ہونا چاہیئے | اگر یہ احساس واقع بھی ہو۔ تو بھی مایوسی کی کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ۔

اے میرے گنہگار بندو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

مسترشد: تمام زندگی میں ہمیشہ گناہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے شکستگی اور مایوسی ہوتی ہے

حضرۃ الشیخؒ: جواب گذر چکا۔

مسترشد: توبہ کرتا ہوں۔ پھر ٹوٹ جاتی ہے۔ طبیعت چاہتی ہے۔ کہ ایک دفعہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ نہ ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: تجدید توبہ | بچے چلنے میں گرتے ہیں۔ تو کیا گر کر پھر اُٹھ نہیں جاتے۔ اور نہیں چلتے۔ اسی طرح بار بار توبہ کیجئے۔ اور گذشتہ پر ندامت اور مستقبل کے لئے عزم کیجئے کہ گناہ نہ ہو جائے۔ ہو جائے۔ تو پھر توبہ کیجئے۔ پھر عزم کیجئے۔

مسترشد:- میرے بھائی صاحب کی اکلوتی بیٹی کا انتقال ہوگیا۔ اس کے دل پر خاص اثر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- اللہ تعالیٰ اوس بچے کو والدین کیلئے باعثِ اجر بنائے۔

مسترشد:- کبھی تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر موت جلد آگئی تو اعمالِ صالحہ کی پونجی تو میرے پاس نہ ہوگی۔

حضرۃ الشیخؒ:- اِس کے لئے زندگی کی خواہش کرنا۔ تاکہ اعمالِ خیر میں زیادتی ہو سکے۔ جائز ہے۔

مسترشد:- کیا آپ مارچ میں علی گڑھ تشریف لاسکیں گے۔

والسلام۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ:- نہیں۔ ادھر سفر کا قصد نہیں۔ والسلام

سید سلیمان

۱۱/ مارچ ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۲۵/۱۹

مسترشد: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:- عزیزی و محبی دام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد:- اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ:- الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

مسترشد:۔ میرے لئے سکون قلب و بہبودی دارین کی دعاء فرمائیں۔

حضرت الشیخؒ:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں

مسترشد:۔ تہیہ کر چکا ہوں کہ کوئی کام خلاف احکام خداوندی نہ کروں گا

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس عزم اور فیصلہ پر دلی مبارکباد قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔

مسترشد:۔ آج کل میں کوٹھی میں رہتا ہوں۔ قریب میں کوئی مسجد نہیں ہے۔ اس لئے کوٹھی ہی پر بغیر جماعت کے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ کبھی کبھی دوسرے اصحاب کیساتھ کوٹھی پر جماعت کر لیتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: مجبوری ہے۔ تو معذوری ہے۔

مسترشد:۔ عرصہ سے خواہش ہے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہوں اور تقریباً چالیس روز رہوں۔ والسلام

خادم مختار احمد

حضرۃ الشیخؒ:۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا موقع بھی کبھی حاصل ہوگا۔

ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۱۲۶/۵۰

مسترشد: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ: محب عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ: الحمد للہ خیریت ہے۔

مسترشد: میرے لئے بہبودئی دارین، سکون قلب، استقامت دین اور حصول دین کی دعاء فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کے سکون اور فلاح دارین کی دلی دعاء ہے

مسترشد: میری عمر اب تقریباً ۲۵ سال کی ہے۔ اس کو میں دنیوی و دینی لحاظ سے بیکار و ضائع سمجھتا ہوں۔ پچھلے اعمال کے تدارک کی کیا صورت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: ضائع پر افسوس نہ، بلکہ تلافیٔ مافات | جو ضائع ہوا اس کے صرف افسوس میں حال کو ضائع نہ کیجئے۔ اب تلافیٔ مافات کا موقع ہے۔

تدارک اعمال کا طریقہ | پچھلے اعمال کے تدارک کی صورت یہ ہے کہ توبہ و استغفار کیا جائے۔ اور جن فرائض متروکہ کی قضاء ہو۔ اوسکی قضا کی جائے۔ اور حقوق عباد یا معاف کرائے جائیں یا ادا کئے جائیں

مسترشد:۔ جب تک معاصی سے کلیتہً اجتناب نہ ہو تو کیا اس وقت تک زبان سے استغفار بے معنی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ احتراز معاصی | جی نہیں۔ ہر حال میں استغفار جاری رہے۔ اور معاصی سے کلیتہً احتراز کی عزیمت کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا مانگی جائے۔ یہ وسوسہ ہے۔ اس کو دور کیجئے۔

مسترشد:۔ جب یہ خیال ہوتا ہے کہ آئندہ کبھی پھر گناہ ہو جائیں گے۔ اور توبہ قائم نہ رہیگی تو مستقل توبہ میں تامل ہوتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مستقل توبہ نہ کرنا کہ توبہ ٹوٹ جائیگی

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

مسترشد : جناب کا سہارن پور کی طرف کب تک سفر کا ارادہ ہے۔

والسلام۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخ رح : بالفعل کوئی ارادہ نہیں۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۲۷/۵۱

مسترشد :۔ مرشد و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح :۔ محب مخلص ادام اللہ توفیقکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخ رح :۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

مسترشد :۔ اکثر محسوس ہوتا ہے کہ ایمان اپنا بہت کمزور ہے۔ نماز وغیرہ میں کوئی جان سی معلوم نہیں ہوتی۔ حصول تقویت ایمان اور اسکی حلاوت کے احساس کیلئے کیا تدابیر اختیار کیجائیں۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر ہونے کا مراقبہ | آپ تنہائی میں کسی وقت خاص میں کم از کم آدھ گھنٹہ باوضو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے پہلے استغفار کریں۔ ۱۲ مرتبہ پھر ۱۲ مرتبہ درود پڑھیں۔ پھر یہ مراقبہ اور سوچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپکے پاس ہیں۔ آپکی ہر آواز سن رہے ہیں اور آپکی ہر حالت کو دیکھ رہے ہیں پھر درود ایک دفعہ پڑھ کر آنکھیں کھول دیں۔ اگر آدھ گھنٹہ وقت نہ ملے تو ۱۰-۱۵ منٹ جس قدر وقت ہو سکے اوس کو مقرر کیجئے۔

مسترشد : جو معاصی ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی اس کا نتیجہ ہیں کہ ایمان میں وہ پختگی نہیں جو کہ ایک مسلمان کو حاصل ہونی چاہیئے۔

حضرۃ الشیخؒ : صحیح ہے اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے کے عیانی یقین کی کمی ہے

مسترشد : مختلف اشخاص کی دنیاوی طور پر کامیابی دیکھ کر اس طرف طبیعت مائل ہو جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : **اہل دنیا پر رشک** | جہاں اُن کی ظاہری زندگی پر رشک آنے لگے ان کی باطنی حالت پر غور کیجئے تو رشک نہ آئے گا۔

مسترشد : پھر طبیعت اس طرف لگاتا ہوں کہ سب سے زیادہ کامیاب زندگی وہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گزر جائے۔ اور آخرت کے لئے بڑا سامان مہیا کرے

حضرۃ الشیخؒ : درست ہے

مسترشد : اس تخیل کے استحضار رکھنے اور برتری محسوس کرنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ والسلام

خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ : **مراقبہ آخرت** | آیت ہے

"گھاٹے میں وہ ہیں جو قیامت کے دن گھاٹے میں ہوں گے"

اس کا استحضار رکھا کیجئے اور سمجھیئے کہ یہ ظاہری زندگی فانی اور آنی اور اصل زندگی اور غیر فانی زندگی آخرت کی ہے۔

ہیجپراں سلیمان / ۱ مئی ۱۹۴۲ء

مکتوب ۱۲۸/۵۲

مسترشد: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مخلص فی اللہ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرمائیں۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ خیریت ہے اور آپ کے حق میں دعائے خیر ہے

مسترشد: گو مذہبی، روحانی و اخلاقی قدر ذہن میں سب سے بہتر ہے۔ لیکن علمی قدر کا بھی طبیعت میں ایک خاص اثر ہے۔ اگرچہ ذہن میں یہ چیز ہے کہ علم کا حصول بڑا کمال نہیں اصل چیز ایمان و عمل صالح ہے۔ تاہم علم کے حصول کا جذبہ پاتا ہوں اور حصول کی کوشش بھی کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: حصول علم کا حکم | جی ہاں۔ علم سے اگر مقصود علم دین ہے۔ تو ظاہر ہے۔ اور اگر علم معیشت ہے تو وہ بھی رزق حلال ہونے کے سبب سے ضروری ہے۔ اور دوسرے مباح علوم کو بھی فی الجملہ کمال میں دخل ہے اس لئے اُن کا حصول بھی ممنوع نہیں۔

مسترشد:۔ کچھ عرصہ سے علمی اور تبلیغی کام کرنے کے بعد طبیعت پر یہ اثر غالب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح مکمل ہو۔ پھر ان کاموں میں شرکت کیجائے۔

حضرۃ الشیخؒ تبلیغ کا طریق۔ پہلے اپنی فکر | یہ جذبہ بالکل صحیح ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ گندے ہوں تو ان ہاتھوں سے ہم دوسروں کو پاک نہیں کر سکتے۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ کے حاضر (ناظر) ہونے کا جو مراقبہ آپ نے پچھلے خط میں تجویز فرمایا تھا

اس پر اسی روز سے عمل ہے ۔ والسلام

خادم مختار

حضرت الشیخ ؒ: مبارک۔

سید سلیمان / ۱۹ مئی ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۲۹/۵۳

(پوسٹ کارڈ)

حضرۃ الشیخؒ :۔ محب عزیز دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت ہے ۔ کوئی خط بے جواب نہیں دیا ہے

دل سے دُعا کرتا ہوں

مئی جون میں اِدھر آنے کا خیال نہیں۔

ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۳۰/۵۴

مسترشد : مرشدی و مولائی ۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ : برادر مخلص وفقکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔ میرے لئے بہبودئی دارین کی دعا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ: خیریت ہے اور دعائے خیر ہے۔

مسترشد: خدا کا شکر ہے کہ یہاں پر علی گڑھ یونیورسٹی میں حضرت مولانا تھانویؒ کے معتقدین کا ایک گروہ پیدا ہوگیا ہے۔ گو ابھی چند ہی حضرات پر مشتمل ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: بحمد اللہ تعالیٰ!

مسترشد:۔ حال ہی میں لوگوں نے حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مولانا جلیل احمد صاحب کی سرپرستی میں "مجلس صیانۃ المسلمین" قائم کی ہے۔ خیال ہے کہ مجلس اسلامیات کا بھی نظام عمل صیانۃ المسلمین کے مطابق بنا دیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ حافظ مولوی جلیل احمد صاحب سے میں واقف ہوں۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص خلفاء میں ہیں۔ اُن کے مشورہ سے آپ جو کچھ کریں گے امید ہے کہ وہ باعث برکت ہوگا۔

مسترشد: محمد اسد جو انگریز نو مسلم ہیں۔ اُن کے عقائد واعمال کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔ انہیں ہم نے بلایا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: محمد اسد وغیرہ | یہ لوگ اس لائق نہیں کہ اُن کی تقلید کی جائے۔

مسترشد: اسلام کے معاشی نظام میں معیار زندگی کا درجہ کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: اسلام میں معاشی معیار | سادہ اور کم خرچ زندگی پسندیدہ ہے۔ مگر جو لوگ کہ اہل وسعت ہیں اُن کو چاہیئے کہ اپنی وسعت کے مطابق اپنی راحت کا سامان کریں۔ اور جمع سامان راحت میں اتنا تکلف اور انہماک نہ ہو کہ ذکر الٰہی سے تغافل ہو۔

والسلام سید سلیمان

۱۹ مئی ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۳۱/۵۵

بنام مختار احمد خان صاحب

حضرت الشیخؒ:۔ عزیزی ومخلصی۔ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ خیریت ہے۔

آپ کا کوئی لفافہ ایسا ہے۔ جو بے جواب رہا ہو۔ ممکن ہے راہ میں

ضائع ہوگیا ہو۔

الحمد للہ مع الخیر ہوں

دعاء ہے۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲۹ جون ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۳۲/۵۶

مسترشد:۔ مرشدی ومولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: عزیز محترم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ خیریت ہے

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دُعاء فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد۔ میری زندگی کا عجب حال ہے۔ جیسی گذارنا چاہتا ہوں ویسی نہیں گزرتی۔ اس لئے میں ایک ڈیڑھ مہینے کے لئے بھوپال ہونا چاہتا ہوں۔ تحریر فرماویں کہ کب مناسب ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: معیاری زندگی نہ ہونا | ایسی تو کسی کی آئیڈیل زندگی نہیں۔ تاہم اپنی اصلاح میں لگا رہنا چاہیئے بالفعل میں عید کے بعد ہی چند روز کے لئے دلی جاتا ہوں۔ پھر اخیر ستمبر میں ۲۵ تک سہارن پور کا قصد ہے۔ پھر کراچی ہو کر حج کا قصد ہے

مسترشد:۔ ۲۸ر اگست کو جناب نے دہلی تشریف لانے کو فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں کیا سہارن پور وغیرہ بھی تشریف لائیگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ۲۳ر اگست ۴۷ء کو دہلی پہنچوں گا۔ اس وقت سہارن پور کا قصد نہیں اگر ہو بھی تو ایک دو روز کے لئے۔

مسترشد، اکثر معمولات ٹھیک شروع ہو جاتے ہیں۔ مگر دوام نہیں ہونے پاتا۔ اس کے لئے کیا صورت ہو۔ یہی سلسلہ گناہوں سے توبہ میں ہے کہ مستقل نہیں رہتی۔

حضرۃ الشیخؒ: دوامِ عمل کا طریق | ہمت سے آپ کام نہیں لیتے۔ ہمت بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

۲۵ر رمضان المبارک

۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۳۳/۵۷

مسترشد :- مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی و مخلصی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے، میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرماویں۔

حضرۃ الشیخؒ : بخیریت ہوں۔ بحمد اللہ۔ اور آپکی فلاح دارین کا داعی

مسترشد :- ستمبر کے پہلے و دوسرے ہفتہ میں جناب کا قیام کہاں ہوگا۔ خیال ہے کہ اس وقت حاضر خدمت ہوں آپ جہاں بھی تشریف رکھتے ہوں۔ ورنہ جو ارشاد ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- ستمبر کے ۱۳، ۱۴ کو میں دہلی میں ہوں گا۔ آپ مولوی سمیع اللہ صاحب مالک کتب خانہ عزیزیہ زیر جامع مسجد دہلی سے میرا حال پوچھ سکتے ہیں یہاں کا سفر مشکل ہے۔ آخر ستمبر میں سفر حج کا قصد ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :- مجھے ضرورۃً اکثر سفر درپیش آتے ہیں۔ معمولات گڑبڑ ہو جاتی ہے

حضرۃ الشیخؒ :- سفر میں معمولات | ضرورۃً سفر درپیش ہونے میں حرج نہیں۔ حتی الوسع معمولات کا اہتمام چاہیئے۔

مسترشد :- حج سے جناب کی واپسی کب ہوگی۔

حضرۃ الشیخؒ : انشاء اللہ تعالیٰ دسمبر کے آخر میں۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان / ۲۶ اگست ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۳۴/۵۸

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ محب عزیز ادام اللہ توفیقکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ

مسترشد: میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہمیشہ دعاء ہے

مسترشد:۔ کیا حضرت تھانویؒ کی سوانح جو آپ تصنیف فرما رہے تھے شائع ہوگئی
سیرت النبیؐ کی ساتویں جلد کب تک شائع ہوگی۔

حضرۃ الشیخؒ: نہیں مرتب بھی نہیں ہوئی
اور یہ بھی مرتب نہیں ہوئی۔

مسترشد:۔ کیا جناب کی دہلی، سہارن پور یا کراچی وغیرہ کا پروگرام ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ راہ کی بدامنی سے سفر ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ نہ دہلی کا نہ کراچی کا
اور نہ حج کا۔

مسترشد:۔ حج کے سفر سے پیشتر ہفتہ عشرہ جناب کے پاس رہنا چاہتا ہوں کس
جگہ چند دن کیلئے حاضر خدمت ہوجاؤں۔ والسلام۔ مختار

حضرۃ الشیخؒ:۔ بالفعل کوئی صورت سامنے نہیں۔ ذرا صبر کریں

والسلام ۔ ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۳۵/۵۹

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلاعلیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبی۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ دلی دعاء ہے۔

مسترشد:۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ ۱۳، ۱۴ ستمبر کو آپ دہلی میں ہوں گے۔ کیا اس سلسلہ میں سہارن پور بھی تشریف لائیگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ راہ کی بدامنی سے سفر مشکوک ہے۔

مسترشد:۔ کیا اپنے پچھلے گناہوں کا اس لئے یاد کرنا مناسب ہے کہ استغفار کے لئے متوجہ ہو۔

حضرۃ الشیخؒ: گناہ کی یاد ہوسکتا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ استغفار کیا جائے اور اگر بلاقصد گناہ کا خیال آجائے تو کچھ حرج نہیں ورنہ بالقصد گناہ کو یاد کرنا بزرگوں نے اس لئے منع کیا ہے۔ کہ اس سے دوری ہوتی ہے۔

مسترشد:۔ استغفار و ذکر معلوم ہوتا ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے۔ مگر حالی و قلبی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لئے کس چیز کا لحاظ رکھا جائے

والسلام۔

خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ:۔ ذکر لسانی کا اثر دل تک پہنچ ہی جاتا ہے ۔
آپ زبان ہی سے کئے جایئے۔ وہ انشاء اللہ تعالیٰ دل تک
اثر کرلے گا۔ والسلام

ہیچمداں سید سلیمان
۲۰؍ شوال ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۳۶/۶۰

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔
حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیزم ادام اللہ توفیقکم
مسترشد:۔ السلام علیکم۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔
حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ الحمد للہ علی کل حال
مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعا فرماویں۔
حضرۃ الشیخؒ:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔
مسترشد:۔ آج کل ہندوستان میں مسلمانوں پر جو مصائب کی عمومیت ہے۔ اس
کی وجہ کیا ہے۔ کیا اُن کے اعمال؟ اور اس کا حل کیا ہے۔
حضرۃ الشیخؒ:۔ بے شبہ مسلمانوں کے گناہوں اور غفلتوں کی سزا ہے۔ علاج
استغفار اور تدبیر ہے۔
مسترشد:۔ اب اس طرف (سہارن پور، دہلی وغیرہ) کب تک تشریف
آوری کا ارادہ ہے۔

حضرۃ الشیخ رح: آپ کو معلوم ہے۔ کہ مسلمان کے سفر کے لئے سب راہیں ادھر سے بند ہیں۔

مسترشد:۔ معمولات تو روزانہ پورے ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات پنج وقتہ باجماعت نماز نہیں ہوتی۔

حضرۃ الشیخ رح، معمولات | جو ہوتا ہے اوس پر شکر کیجئے۔ اور جو نہیں ہوتا اس کے لئے کوشش کیجئے۔ نماز کا رہ جانا تو کسی حالت میں درست نہیں بلا اضطرار ترک کی اجازت نہیں۔

مسترشد:۔ مناجات مقبول۔ تلاوت کلام مجید آدھ پارہ۔ تین تسبیح یا رزاق یا وھاب تین تسبیح استغفار، ایک تسبیح لاحول ولاقوۃ الا باللہ ایک تسبیح درود شریف ایک تسبیح یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

والسلام

خادم: مختار

حضرۃ الشیخ رح:۔ جاری رکھیں۔

والسلام

ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۳۷/۹۱

حضرۃ الشیخ رح:۔ محب عزیز ادام اللہ توفیقکم

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :- الحمد للہ خیریت ہے

مسترشد :- میرے لئے بہبودیٔ دارین وعافیت کی دعاء فرماویں

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ آپ کو فلاح دارین عنایت فرمائیں

مسترشد :- میرے ذمہ تقریباً بارہ سو روپے قرض ہے۔ اسکی ادائیگی زیور بیچ کر کر سکتا ہوں۔ لیکن جن حضرات کا وہ قرض ہے۔ وہ فی الحال مانگتے نہیں بہرحال۔ جناب کی جو رائے ہو

حضرۃ الشیخؒ : صفائی معاملات اور ادائیگی قرض

قرض جس قدر جلد ادا کیا جائے۔ بہتر ہے۔ اس وقت شاید زیورات کی قیمت بھی زائد مل سکے

مسترشد :- میرا اور متعلقین کا جلد یہاں سے ترک وطن کر کے پاکستان میں سکونت اختیار کرنے کا ارادہ ہے۔ اس سلسلہ میں بھی رائے سے مطلع فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- ترک ہند | اگر کوئی اضطرار ہو تو خیر ورنہ استقامت بہتر ہے

مسترشد : اب تک عمر میں جو بہت سے گناہ ہوتے رہے ہیں۔ ان کے جلد تدارک کی کیا تدبیر ہے۔ ہر نماز کے ساتھ ایک نماز قضا اور روزانہ دو چار تسبیح استغفار پڑھ لیتا ہوں۔ والسلام

خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ : تدارک معاصی | فرائض الٰہی جن کے ترک کا گناہ ہے۔ اس کو ادا کیا جائے۔ اور استغفار کیا جائے۔ جن کی قضاء نہیں۔ اون کے لئے محض استغفار۔ حقوق العباد میں جو کمی ہو اوس کو ادا کیجئے۔ یا

لوگوں سے معاف کرائیے اگر وہ یا اون کے وارث زندہ ہوں۔ اور اگر زندہ نہ ہوں، تو اون کی طرف سے خیرات کیجئے۔ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے۔

نوٹ:۔ ہوائی ڈاک کا ٹکٹ بیکار ہے۔ آپ کا ۷ ار کا خط یہاں ۲۹ کو پہنچا

والسلام

سید سلیمان

مکتوب ۱۳۸/۶۲

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح:۔ محبی و عزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخ رح: الحمدللہ تعالیٰ۔ مع الخیر ہوں

مسترشد:۔ میرے لئے عافیت و بہبودیٔ دارین کی دُعاء فرماویں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ دل سے دُعاء کرتا ہوں۔

مسترشد:۔ مجھے غصہ جلد اور زیادہ آتا ہے۔ کیا یہ گناہ ہے۔ اور اس کا علاج کیا ہے؟

حضرۃ الشیخ رح:۔ **غصے کا علاج** | غصہ کے وقت یہ سوچیے کہ جتنی قدرت مجھے اس شخص پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مجھ پر اوس سے کہیں زیادہ قدرت حاصل ہے۔ اور بہتر ہے کہ آپ اگر کھڑے ہوں تو بیٹھ جائیں۔ اور بیٹھے ہوں تو لیٹ جائیں یا

وضو کرلیں۔

مسترشد:۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے مصائب کا سبب ہم لوگوں کے گناہ اور غفلت ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کو بطور علاج و تدبیر انفرادی اور اجتماعی طور پر کیا کرنا چاہیئے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ عذاب گناہ کا نتیجہ ہے | بے شبہ عذاب گناہ کا نتیجہ ہے۔ استغفار اور ساتھ ہی صدق عمل اس کا علاج ہے۔ معصوموں کو مارنا مسلمان کی شان نہیں گناہ عظیم ہے۔ اور اوس کا عذاب وبال عظیم ہے۔

مسترشد:۔ دلی، آگرہ اور اودھ میں جہاں پر سینکڑوں سال مسلمانوں کی حکومت رہی مسلمانوں کی آبادی کم کیوں ہے۔ کیا یہ سب انقلاب انگریزوں کے زمانے میں ہوا۔ یا اُن کے زمانے میں بھی یہی حالت تھی۔

حضرۃ الشیخؒ: دعوت | اس لئے کہ سلاطین نے خراج و باج کو منتہائے مقصد سمجھا۔ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی طرف دھیان نہیں دیا۔
پہلے بھی یہی حالت تھی۔

والسلام

سید سلیمان

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ

مکتوب ۱۳۹/۶۳

حضرۃ الشیخؒ: عزیز مکرم۔ دام توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ خیریت ہے

مسترشد:۔ میرے لئے عافیت و بہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ عافیت دارین عطا فرمائے۔

مسترشد:۔ کیا عنقریب جناب کا اس طرف دہلی یا سہارنپور تشریف لانے کا پروگرام ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ نہیں

مسترشد:۔ حال ہی میں تقریباً ایک ہفتہ بیمار رہا۔ اس میں بعض نمازیں قضا ہو گئیں اب ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھ لیتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ پڑھ لیجئے

مسترشد:۔ کیا مناجات مقبول کا بھی روزانہ معمول رکھا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ رکھا جائے۔

مسترشد:۔ ایک خاص حلاوت ایمانی یا دُھن و جذبہ دینی کی کمی محسوس کرتا ہوں۔ جو کہ تمام زندگی میں جاری و ساری ہو۔ خادم مختار

حضرۃ الشیخؒ: دائمی جذبہ و دھن و دھیان

ایک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں

والسلام

ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۱۴۰/۹۴

بنام مختار احمد خان

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبی و عزیزی نصرکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ بخیر ہوں

مسترشد:۔ میرے لئے عافیت و بہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ دعاء کرتا ہوں

مسترشد:۔ آج کل کے حالات کی بناء پر سکون قلب بالکل ختم ہوگیا ہے۔ طبیعت میں انتشار رہتا ہے۔ کیا سبب ہے اور کیا علاج؟

حضرۃ الشیخؒ:۔ بہر زمین کہ رسی یاد رت خدا باد

تقسیم کی پریشانیوں سے بچاؤ | ایک تو یہ کہ اخبارات نہ پڑھے جاویں۔ اور نہ اسکی گفت گو کی جائے۔

مسترشد:۔ پچھلے ہفتے علی گڑھ گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری مجلس اسلامیات اس پر آشوب زمانے میں بھی کافی اور پہلے سے زیادہ کام کر رہی ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ خدا کرے کہ کامیابی سے جاری رہے۔

مسترشد:۔ آج کل معمولات پورے کرنے کی کوشش کرتا ہوں

والسلام۔ خادم مختار احمد

حضرۃ الشیخؒ :۔ اِس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔ کہ اور زیادہ ملے

والسلام

سید سلیمان۔ ۲۰ر نومبر ۱۹۴۷ء

مکتوب ۱۴۱/۶۵

بنام مختار احمد خان

مسترشد :۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

مسترشد : میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دُعا فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ بدل وجان دعا ہے فلاح دارین ہے

مسترشد :۔ میں ۲۸ر نومبر کو بجنور سے روانہ ہو کر لکھنؤ، الہ آباد، بمبئی رکتا ہوا۔ آج ۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی پہنچا۔ لکھنؤ میں مولانا محمد حسن صاحب مالک انوار بکڈپو اور بمبئی میں حضرت تھانویؒ کے عزیز ظفر احمد صاحب جو کہ انجنیئر ہیں۔ ملاقات ہوئی بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کا سفر طولانی بحمداللہ کہ بخیر ختم ہوا۔ راہ میں بھوپال بھی پڑا ہوگا۔ مولوی محمد حسن اور مولوی ظفر احمد صاحب دونوں صاحب حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ

کے
خاص تعلق رکھنے والے ہیں۔

مسترشد:۔ اب خدا کا شکر ہے کہ پہلے جیسے بے چینی اور بے اطمینانی نہیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ سکون | الحمد للہ کہ آپ کو سکون حاصل ہے۔

مسترشد:۔ کیا جناب کا قیام دسمبر و جنوری میں بھوپال ہی میں ہوگا۔ حاضر خدمت ہونے کا ارادہ ہے۔ والسلام۔

خادم مختار

حضرۃ الشیخ رح:۔ جنوری کے آخر میں امید ہے کہ قیام بھوپال میں رہے گا۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۲۸ر محرم ۱۳۶۸ھ

مکتوب ۱۴۲/۶۶

بنام مختار احمد صاحب

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ رح:۔ عزیزی دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔ اس سے قبل ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ جواب سے محروم رہا

حضرۃ الشیخ رح:۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

جواب دیا گیا تھا۔ شاید اب مل گیا ہوگا۔

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دُعا فرمائیں

حضرۃ الشیخ:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں

مسترشد:۔ جناب کا ارادہ اس طرف تشریف آوری کا حال میں تو نہیں ہے

حضرۃ الشیخ:۔ بظاہر یہیں قیام رہے گا۔

مسترشد: مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب اور مولانا بدرعالم صاحب یہاں موجود ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب کے بلانے کی بھی تجویز ہے۔ اسلامی نظام کی تشکیل کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ ہم لوگ بھی حتی المقدور جدوجہد کر رہے ہیں۔

حضرۃ الشیخ:۔ معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔

مسترشد:۔ کیا مولانا محمد اسحاق صاحب جناب کے ارشاد پر اس سلسلہ میں (نظام اسلامی کی کوشش میں) مدد کے لئے آسکتے ہیں۔

حضرۃ الشیخ، بالفعل اُن کا سفر مشکل ہے

مسترشد:۔ اسلامی نظام کے سلسلے میں مولانا محمد اسحاق صاحب نے جو کتابیں لکھی ہیں یا جناب کی جو تحریریں ہیں اُن کی سخت ضرورت ہے۔ غالباً مولانا محمد اسحاق صاحب نے مسلم کمیٹی کے سلسلہ سے اسلامی معاشی نظام و سیاسی نظام جناب کی سرکردگی میں مرتب کیا تھا۔ شاید شائع ہو گیا ہوگا۔

حضرۃ الشیخ: | اسلامی نظام کی کوشش | ایک رسالہ تو اون کا حیدرآباد میں چھپا ہے۔ اصل کتاب کا مسودہ نواب صاحب چھتاری کو بھیجا گیا تھا۔ معلوم نہیں اون کے پاس ہے یا نہیں۔ وہاں کراچی میں کسی نظامِ اخبار کے ایڈیٹر جناب

عزیز ہندی صاحب ہیں۔ نیپر روڈ ۶۰۸ اون کا پتہ ہے۔ ان صاحب نے مولوی عبدالماجد صاحب سے نظامِ اسلامی مرتبہ مولوی محمّد اسحاق صاحب کا ٹائپ شدہ مصحح نسخہ دیکھنے کے لئے منگایا تھا۔ اور پھر واپس نہیں کیا۔

بڑا کام ہوگا۔ اگر آپ اس مسودہ کو حاصل کر کے مجھے مطلع کریں۔ چاہے آپ اُدن کو میری یہ تحریر دکھادیں۔ میں نے اُن کو سی پی کے پہلے پتہ سے خط لکھا تھا۔ جواب نہیں ملا۔ اس کام کو آپ ضرور انجام دیں۔

مسترشد:۔ لاہور سے کچھ آدمی آئے تھے۔ وہاں پر مولانا مودودی صاحب اور علامہ اسد صاحب کوشش کر رہے ہیں۔ پنجاب و سرحد کے علماء و عوام اس نظام اسلام کی جدوجہد کے سلسلے میں سندھ سے آگے ہیں۔ رائے عامہ اس کی منتظر ہے۔ کہ اس سلسلہ میں کوئی ان کو آگے بڑھائے۔ تو جدوجہد کریں۔ چاہے انقلاب کی صورت میں رونما ہو۔ اس سلسلہ میں مولانا عثمانی صاحب کے یہاں بھی سندھ و سرحد و پنجاب کے علماء جمع ہوتے رہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: دینی انقلاب | خدا کرے۔ ان سے کوئی مفید کام ہو سکے۔

ضرورت دل و دماغ کے انقلاب کی ہے۔ جو صحیح دعوتِ فکری سے ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی سے ظاہر ہے۔ اس کے لئے شور وغل اور ہنگامہ اور دعوتِ جنگ و نبرد کی راہ غلط ہے۔ ہمارے علماء جدید ذرائع و وسائل کار سے ناواقف ہیں۔ جوش سے کام لیتے ہیں۔ ہوش سے نہیں۔

جہاد بالقلم | جہاد بالسیف سے زیادہ ضروری کام جہاد بالقلم ہے

حقوق ذمیین | افسوس ہے کہ وہاں کے لوگ حقوق ذمیین سے بے خبر ہیں۔ اور بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ان حضرات میں سراسر جوش ہی جوش ہے۔ جو اس زمانے میں چنداں مفید نہیں۔ دلوں کا انقلاب غیظ و غضب، جوش و خروش اور جذبہ انتقام اور استعمال سے نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ ذرا سی غلطی "سلب نعمت" کا سبب بن سکتی ہے۔ امن و امان اور ملت کی وحدت کا ضیاع خسران مبین ہے

مکتوب ۱۴۳/۶۷

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیزی اعزکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ خط کا آغاز بغیر سلام و دعاء سمجھ میں نہیں آیا۔ شاید آپ بھول گئے۔

مسترشد:۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دُعاء فرماویں

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ خیریت ہے۔ آپ کے لئے دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد:۔ عزیز ہندی صاحب سُنا ہے کراچی میں ہیں۔ ۴۰۸ نیپر روڈ پر نظام اخبار کا دفتر ہے۔ وہاں سے ان کا پتہ نہیں چلا۔ نظام اخبار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اُمید ہے کچھ معلوم ہو ہی جائے گا۔ مل جائیں۔ تو ان سے مسودہ لے لوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز ہندی سے مسودہ ضرور واپس لیں۔ انہوں نے بڑا نقصان کیا۔

مسترشد:۔ یہاں آنے کے بعد مجھے اپنے معاشی مسئلہ کو حل کرنا تھا۔ اس تگ و دو میں گورنمنٹ کی دو تین عارضی ملازمتیں بھی مل گئی تھیں۔ اس کے علاوہ سورت کے احمد میاں، محمد میاں وغیرہ چار بھائی ہیں۔ ان کا تجارت کا کام جوہنز برگ وغیرہ میں بھی ہے۔ ان لوگوں نے یہاں ایک فرم کھولی ہے۔ میں نے ان کے پاس ڈیڑھ سو روپیہ کی ملازمت کر لی ہے۔ آئندہ تنخواہ بھی بڑھ جائے گی۔ ایسے سرکاری ملازمت کے ایک امتحان میں شریک ہوا تھا۔ اس کا انٹرویو باقی ہے۔ امکان ہے کہ حکومت -/۲۵۰ یا ۳۵۰ روپے ماہوار پر تقرری کرے۔ بہرحال میں نے ہر چیز پر تجارت کو ترجیح دی۔ فی الحال کام شروع کر دیا ہے۔ لیکن آخری فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تلاش رزق | اس معاملہ میں آپ خود اچھا فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن مجھے تو یہ تجارتی سلسلہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میں ان لوگوں سے مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے ذریعہ واقف ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔ اور برکت دیں۔

میرے بڑے داماد سید ابو عاصم ایم۔ اے ایل ایل۔ بی (علیگ) جو پٹنہ میں کئی سال سے وکالت کر رہے تھے۔ بہار کے ہنگامہ میں پریشان ہو کر میرے پاس آ گئے تھے۔ وہ دار المصنفین میں بھی کچھ کام کر چکے تھے۔ اردو کے ایم۔ اے ہیں۔ انگریزی بھی اچھی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوض سے آشنا ہیں۔ ایک سال وہ یہاں کی مجلس نشر و تالیف

میں انگریزی سے ایک تاریخی اسلامی کتاب کا ترجمہ کر رہے تھے۔ اور اُس سے پہلے حضرت والاؒ کی پسندیدہ کتاب "سائنس اور اسلام" کا انگریزی میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ یہاں کی مجلس کی سرکاری امداد بند ہونے سے وہ بھی پاکستان کا عزم رکھتے ہیں۔ کل بمبئی گئے ہیں اور وہاں سے کراچی کا خیال رکھتے ہیں۔ کہ وہاں کوئی علمی یا تعلیمی یا تجارتی کام شروع کریں۔ اون کے بعض احباب اور اعزہ وہاں ہیں۔ میں نے اون کو ہدایت کی ہے۔ کہ وہ آپ سے بھی ملیں اور آپ سے بھی مشورہ کریں۔ اگر وہ آپ تک پہنچیں تو آپ سے اُمید ہے، کہ آپ انہیں مخلصانہ مشورہ دیں گے۔ اور جو مدد ممکن ہو۔

عزیزی سید حسینؒ کا تبادلہ شاید سیتاپور ہو۔

مسترشد:۔ اسلامی نظام کے سلسلے میں جدوجہد جاری ہے۔ دیکھئے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ نظام اسلام کی کوشش جاری رکھیئے۔ ہم پر کوشش فرض ہے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

ابھی آپ کا کارڈ ملا جس سے نظام اسلام اور عزیز مہدی کا پتہ چلا

مسترشد:۔ جوابی لفافہ پر ٹکٹ اس وجہ سے نہیں لگایا کہ پاکستان کے ٹکٹ لگانے سے یہ بیرنگ ہو جاتا ہے۔ اور ہندوستانی ٹکٹ نہیں تھا۔

والسلام: مختار عفی عنہ

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی حرج نہیں۔

والسلام: ہیچمدان سلیمان

مکتوب ۱۴۷/۹۸

مسترشد :۔ مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم دام توفیقکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمدللہ خیریت ہے

مسترشد :۔ میرے لئے سکون قلب وبہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ دل سے دعاء کرتا ہوں

مسترشد :۔ پچھلی دفعہ نہ معلوم کیوں خط کے آغاز میں القاب لکھنا بھول گیا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ کچھ حرج نہیں۔ میں نے تنبیہاً لکھ دیا ہے

مسترشد :۔ فی الحال میں جی۔ ایم سید صاحب کے یہاں مقیم ہوں۔ دو چار یوم میں جبکہ میرے اور گھر والوں کے لئے جو کچھ عرصے بعد آنے والے ہیں۔ انتظام ہو جائیگا تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ سن کر خوشی ہوئی۔ کہ انتظام ہونے والا ہے

مسترشد :۔ اسلامی نظام کے سلسلہ میں جدوجہد جاری ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بھی حال معلوم نہیں ہوا۔

مسترشد :۔ آج کل سکون قلب محسوس نہیں ہوتا۔ جسکی وجہ ایک جگہ پر قیام نہ ہونا ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ امید ہے کہ اب حالات میں بھی سکون پیدا ہو گیا ہوگا

مسترشد :۔ پریشانی کے باعث صبح کے معمولات اور نماز باجماعت بھی نہیں ہونے پاتی۔

والسلام۔ مختار عفی عنہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ انشاء اللہ اب سامان ہو گیا ہوگا۔

سید سلیمان

مکتوب ۱۴۴ ۶۸ب سلہ

لہ یہ گرامی نامہ گذشتہ مکتوب کے کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ مستقل خط ہے لیکن کیونکہ حضرت والاؒ نے سابقہ خط کے ساتھ ہی اسے بھی لکھ دیا ہے اس لئے مستقل نمبر اسے نہیں دیا گیا۔ بلکہ امتیاز کیلئے "۶۸ب" کر دیا ہے

(مرتب)

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کا دوسرا خط مورخہ ۱۴ اپریل کو ملا۔ اوس میں آپ کے لئے کوئی ہدایت کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہاں اوس کی ضرورت بوجہ مشورہ کی تھی۔ اس لئے اوسکو واپس نہیں کرتا۔

اسلامک ریسیرچ انسٹی ٹیوٹ کے متعلق مزید معلومات کی ضرورت ہے مجھ سے اس کے بانی کیا چاہتے ہیں۔ وہاں مستقل قیام۔ یا چند روز کی حاضری تفصیلات سے مطلع کیجئے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ کہاں قائم ہوگا۔

میں یہاں ریاست کا ملازم ہوں۔ جب تک یہاں سے مستقل قطع تعلق نہ ہو۔ مستقل آمد کیونکر ہو سکتی ہے۔ پھر ہندوستان میں ندوہ اور دارالمصنفین کا کام بھی مجھ سے متعلق ہے۔ اوس کا انتظام بھی کچھ کرنا ہوگا، بہرحال اگر یہ معلوم ہو کہ وہاں واقعی مجھ سے کام انجام پا سکے گا۔ تو ہمت کی جائے۔ میں درس و تدریس کے کام کا نہ ہوں۔ عمر ساٹھ سے اوپر ہو چکی ہے۔ یہ بھی لکھیں کہ کیا

مجلس علمی کا دفتر ڈابھیل سے کراچی آگیا۔ اور محبی مولوی یوسف صاحب بنوری کہاں ہیں۔ کیا کراچی آگئے ہیں۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب ۱۴۵/۶۹

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی!

حضرۃ الشیخ:۔ عزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر وعافیت ہوں گے۔ میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرماویں

حضرۃ الشیخ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ کہ مع الخیر ہوں دل سے فلاح دارین کی دعاء کرتا ہوں

مسترشد:۔ کچھ دنوں سے طبیعت پریشان ومنتشر رہتی ہے

حضرۃ الشیخ:۔ شاید مسافرت کے سبب یہ پریشانی ہوگی۔

مسترشد:۔ بعض اوقات بیکسی سی محسوس ہوتی ہے۔ جیسے کہ قلب کو کسی دوست ومددگار کی تلاش ہو۔

حضرۃ الشیخ:۔ دوست اللہ ہیں دوست ومعاون تو صرف ایک ہی ہے۔ آپ یہ دعاء پڑھا کریں۔ حسبی اللہ نعم الوکیل۔ نعم المولی ونعم النصیر

مسترشد:۔ بھائی عاصم صاحب سے ملاقات ہوگئی ہے۔ اب تقریباً روزانہ ہوتی ہے

حضرۃ الشیخ:۔ اچھا ہوا۔ کہ ملاقات ہوگئی۔ اون کیلئے اللہ تعالیٰ جلد کوئی صورت پیدا کریں۔ آمین

مسترشد:۔ نماز تو دن میں تقریباً تین چار وقت کی ہوجاتی ہے۔ گو جماعت ہی کر لیتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ دوری مسجد کے سبب سے اگر یہ ہے۔ تو خیر کچھ عذر ہے۔

مسترشد:۔ مناجات مقبول، قرآن کریم پاؤ پارہ بغیر ترجمہ تلاوت اور گیارہ تسبیح استغفار درود شریف، لا الٰہ الا اللہ اور یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی ملا کر کر لیتا ہوں یا رزاق یا وھاب کی تین تسبیح بھی کر لیتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ معمولات | یہ سب ٹھیک ہیں۔

مسترشد:۔ تقریباً ایک ماہ سے داڑھی بھی رکھ دی ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ داڑھی | بارک اللہ۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں۔ اور استقامت عطا فرمائیں۔

مسترشد:۔ اس سے قبل ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ جواب سے ہنوز محروم ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی خط بے جواب نہیں رہا۔ یا تو خط آیا نہیں۔ یا جواب آپ تک پہنچا نہیں۔

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۴۶

امیر جامعہ احمدیہ۔ قاضی ریاست

بھوپال

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز مکرم۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ میں خیریت سے ہوں۔ اور اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ آپ کے لئے دعاء کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فلاح دارین عنایت فرماویں۔ آپ کا لفافہ ملا۔ حالات سے واقفیت ہوئی جن حضرات کے نام آپ نے لکھے ہیں۔ اون میں سے اکثر سے واقف ہوں میری موجودہ وابستگی جو اس ریاست سے ہے۔ اوس کو تو میں نے کبھی بھی مستقل طور سے قبول نہیں کیا تھا۔ خیال تھا۔ کہ ایک امیر وقت اپنے حدود ریاست میں عربی و مذہبی تعلیم اور علمی مجلس کی ترویج واشاعت میں مجھ سے میری خدمت کا طالب ہے۔ اور مجھے بہرحال کسی نہ کسی خطہ میں مسلمانوں کی خدمت کرنی ہے۔ یہاں چلا آیا تھا۔ اور ظاہر کر دیا تھا۔ کہ یہ قیام ڈیڑھ دو برس کے لئے ہے۔ آگے اللہ جانے۔ اس لئے موجودہ گرفتاری میرے لئے زنجیر پا نہیں۔ جو ہے وہ ندوہ اور دار المصنفین ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ ندوہ جہاں اس وقت میری سخت ضرورت ظاہر کی جا رہی ہے۔ مولوی احتشام الحق صاحب تشریف لائے تھے۔ چند روز ٹھہرے پھر تھانہ بھون گئے۔ شاید وہ دلی سے بذریعہ ہوائی جہاز واپس جائیں۔ مجھے جس کام کے لینے کیلئے آئے تھے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔

قوموں کی تعمیر | قومیں کاغذوں اور مسودوں سے نہیں بنتیں وہ دلوں کے بدلنے اور ذہنیتوں کی اصلاح اور تعلیم و تربیت سے بن سکتی

ہیں۔ ایک بات صاف کہدوں۔ کہ میرے قوائے جسمانی و دماغی میں باقتضائے
عمر اب ضعف ہے۔ حاکمانہ اور منتظمانہ قوت بھی مضمحل ہے۔ جو کچھ ہے وہ
زبان اور قلم کی قوت ہے۔ جس سے کچھ کام لے سکتا ہوں۔ باقی میرے
متعلق دور سے سننے والے حسن ظن میں مبتلا ہوں۔ جو بہتر ہے۔ دور ہوجائے
مولوی عبدالباری صاحب لکھنؤ میں بے کار ہیں۔ وہ آسکتے ہوں گے ان
سے علماء اور طلبہ سب کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مگر وہ آدمی بہت اصول کے ہیں میں
نے ابھی تک یہ طے نہیں کیا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ اور کہاں رہنا چاہیئے
اگر ہندوستان کے لئے میں بیکار ہوا تو پھر کوئی دوسرا خطہ تلاش کروں گا۔
بالفعل حجاز کے سفر کا قصد مقدم ہے۔ اس سے فراغت کے بعد فیصلہ
ہوسکے (گا)

عزیزی عاصم سلمہ کا خط بہت دنوں سے نہیں آیا ہے۔ خدا کرے کہ
اون کے لئے کوئی بہتر صورت پیدا ہوسکے

ابھی اون کا خط آیا نقی بھی خط نہیں لکھتے۔ اون سے کہیئے۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۲۴ر اپریل ۱۹۴۸ء

مکتوب ۱۴۷/۷۱

عزیزم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد اللہ خیریت ہے

طالبین پر شفقت | مدت سے آپکی خیریت نہیں معلوم۔ عزیزی ابوعاصم سلمہ
کا بھی تو کوئی حال نہیں معلوم۔ سب کے لئے دعاء خیر کرتا ہوں۔ سفر حجاز کا قصد ہے
مگر حاجیوں کی کثرت سے جگہ (کی) مشکل پڑ رہی ہے۔
یاد رہے، اور ملاقات ہو تو مولوی احتشام الحق، مولوی محمد حسن اور حافظ
محمد عثمان صاحبان سے سلام کہہ دیویں۔ والسلام

فقیر ہیچمدان۔ سید سلیمان

۲۶ اگست ۱۹۴۸ء

مکتوب ۱۴۸/۷۲

مسترشد :۔ مرشدی و مولائی
حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی ادام اللہ تعالےٰ توفیقکم
مسترشد :۔ السلام علیکم
حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ
مسترشد :۔ امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔
حضرۃ الشیخؒ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔
مسترشد :۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعاء فرماویں۔
حضرت الشیخؒ : دل سے دُعا ہے
مسترشد :۔ جناب حج کے لئے کب تشریف لیجا رہے ہیں
حضرۃ الشیخؒ :۔ جانے کی تاریخ ۲۷، ۲۸ ستمبر ۱۹۴۸ء ہے۔ اگر توفیق ملی سید حسین کا

بڑا لڑکا اناؤ میں ٹائفائیڈ میں دو ہفتوں سے علیل ہے۔ والدۂ سلمان مع سلمان کل اناؤ روانہ ہوئے۔ اب معاملہ بچہ کی صحت پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ اس کو صحت کاملہ وعاجلہ دیں۔ اور مانع سفر دور فرمائیں جہاز کے کراچی رکنے کا قرینہ نہیں ہے۔

مسترشد: ابوعاصم صاحب سے روزانہ ملاقات ہو جاتی ہے۔ بخیر ہیں۔ پریکٹس شروع کی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: عزیزی عاصم کے لئے ہر روز دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد: میاں صاحب ابوظفر صاحب ندوی (مصنف تاریخ سندھ) کی تاریخ گجرات کو دیکھنا چاہتے ہیں اور طباعت کی شرائط طے کرنا چاہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: اس معاملہ کے متعلق آپ مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی سے حسب ذیل پتہ سے مراسلت کریں۔

گجرات ورنیکلر سوسائیٹی احمد آباد

مسترشد: مولوی عبدالباری صاحب اور مولوی ابرارالحق صاحب کو بلانے کے لئے لکھا جاچکا ہے۔ غالباً آجائیں گے

حضرۃ الشیخؒ: مولوی عبدالباری صاحب اور مولوی ابرارالحق صاحب کے سفر کا حال معلوم ہوا۔ ایک کارڈ بھی آپ کو بھیجا ہے۔ شاید آپ کو ملا ہو۔ آپ کا ایک تولیہ یہاں چھوٹ گیا ہے

ہیچمدان۔ سید سلیمان

۶ر ستمبر ۱۹۴۸ء

مکتوب ۱۴۹/۴۳

مسترشد : مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی وحبیبی وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر و عافیت ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ : الحمد للہ خیریت ہے

مسترشد :۔ سید حسین کا بچہ اچھا ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ سید حسین کا بچہ بھی اب اچھا ہے۔ میں نے آپ کو کارڈ طلب خیریت کا لکھا تھا۔ شاید نہ ملا۔

مسترشد : میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ سے آپ کی فلاح دارین کی دعاء ہے۔

مسترشد :۔ پچھلے دنوں گھر والوں کو لینے بمبئی گیا تھا۔ ہفتہ عشرہ بمبئی گذرا۔ اب سب یہیں ہیں۔ ابوعاصم صاحب بھوپال آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اچھا ہُوا آپ کے گھر کے لوگ بھی آپ کے ساتھ آگئے عاصم میاں کل شام کو بخیریت پہنچے۔

مسترشد : مولانا عبدالباری صاحب اور مولانا ابرارالحق صاحب سفر ختم کر کے اپنے اپنے مقام پر پہنچ گئے۔ ابھی تک اپنے فیصلہ سے مطلع نہیں کیا۔

حضرۃ الشیخؒ : مولوی عبدالباری صاحب کا خط پہنچنے کا لکھنؤ سے آیا ہے۔

مسترشد : آج کل طبیعت میں انتشار ہے۔ سکون قلب نہیں ہے۔ معمولات

میں بھی کوتاہی ہوجاتی ہے۔ قضا نمازوں کا کوئی صحیح اندازہ نہیں۔ خیال ہے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک قضا ادا کر لیا کروں۔ سکون کے لئے بھی دعاء فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ، معمولات میں کوتاہی | یہ حالت تو سخت قابل اصلاح ہے اور عزیمت کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس حالت سے مرض شروع ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کو سخت تنبیہ کی سخت ضرورت ہے۔

مسترشد، آپ نے اپنا فیصلہ حج تک ملتوی کیا تھا۔ اب آپ نے کیا فیصلہ فرمایا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں۔

مسترشد:۔ مفتی صاحب، مولانا محمد حسن صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے

والسلام ۔ مختار

حضرۃ الشیخ، ان صاحبوں سے ملاقات ہو۔ تو سلام کہہ دیویں۔

والسلام

سید سلیمان ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ

مکتوب ۱۵۰/۷۴

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی ۔ السلام علیکم۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیزی مکرم ادام اللہ توفیقکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دُعاء فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ آپ کے لئے فلاح دارین فرمادیں۔

مسترشد: طبیعت میں انتشار ضرور ہے۔ گو پہلے سے کم۔ معمولات پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور نماز پنجوقتہ کی بھی۔

حضرۃ الشیخؒ: پابندیٔ معمولات | جو کچھ ہو رہا ہے اس پر شکر کیجئے۔ اور نہیں ہو رہا ہے اوس کے لئے ہمت کیجئے۔

مسترشد: بھائی عاصم صاحب معلوم نہیں کب تک واپس ہو رہے ہیں۔ جناب نے بھی غالباً کوئی فیصلہ (اپنے آئندہ جائے قیام وغیرہ کا) فرمالیا ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ: وہ یہاں سے روانہ تو ۷ نومبر کو بمبئی ہو گئے۔ مگر بمبئی میں اُن کو رکنا پڑا۔ اب ۱۷ کو چلے جائیں گے

تفویض شیخ | میرا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ خود سامان فرمائیں گے۔

مسترشد: ایک ماہنامہ "مستقبل" مجلس علمی کی طرف سے ماہ محرم سے شائع کر رہے ہیں۔ اس کیلئے جناب بھی کوئی مضمون، چاہے مختصر ہی ہو۔ روانہ فرمادیں

والسلام۔ مختار

حضرۃ الشیخؒ: بہت اچھا ہے۔ نکالیئے۔ ابھی ذہن میں کسی نئے ۔ یہ کچھ سوچنے کی صلاحیت نہیں۔ کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

والسلام: فقیر ہیچمدان سید سلیمان ۔ ۱۸ محرم ۱۳۶۸ھ

مکتوب ۱۵۱/۵

مسترشد: مرشدی ومولائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخ ؒ: محبی وعزیزی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

مسترشد: میرے لئے بہبودئ دارین کی دعا فرماویں۔

حضرۃ الشیخ ؒ: بدل وجان دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد:۔ ابو عاصم صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

حضرۃ الشیخ ؒ: الحمد للہ تعالیٰ

مسترشد: معمولات میں کوتاہی ہورہی ہے۔ جس کیلئے ندامت ہے۔ آئندہ کیلئے کوشاں ہوں۔

حضرۃ الشیخ: معمولات میں کوتاہی اور اس کا علاج | معمولات میں کوتاہی اگر کسی عذر کے سبب سے ہے۔ تو خیر ورنہ بظاہر اس کمی کا سبب تو اپنے ارادہ اور عزیمت کو کام میں نہ لانا ہے۔ پھر ندامت کس سے ہے۔ مجھ سے تو ہو نہیں سکتی۔ کہ میرے کام میں تو قصور ہوا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ندامت ہے۔ مگر ایسی ندامت جس کے ساتھ آئندہ کی عزیمت نہ ہو۔ بیکار ہے۔ اور رسمی ہے۔

مسترشد:- طبیعت منتشر سی رہتی ہے۔ سکون قلب محسوس نہیں ہوتا۔ مشغولیت بہت زیادی رہتی ہے اور کاموں کے سلسلے میں لوگوں سے ملنے ملانے میں بھی کافی وقت صرف ہوجاتا ہے۔ غالبا اس بناء پر انتشار رہتا ہے اس کیلئے کیا کیا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: علاج غفلت | ضروری اشغال میں غفلت کا علاج وقتاً فوقتاً قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول کرلینا ہے

مسترشد: مولانا محمد حسن صاحب، مولانا احتشام الحق صاحب مفتی محمد شفیع صاحب و بھائی صاحب سب بخیر ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام۔ خادم مختار

مسترشد: اِن بزرگوں کو بھی بوقت ملاقات میرا سلام پہنچا دیں

والسلام

سید سلیمان۔ ۱۵ جنوری ۱۹۴۹ء

(ہوائی ڈاک کے لفافہ پر ۳ کے ٹکٹ لگتے ہیں)

مکتوب ۱۵۲/۷۶

مسترشد: رشدی و مولائی۔ السلام علیکم۔

حضرۃ الشیخؒ: محب صمیم ادام اللہ توفیقکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد: اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ تعالیٰ کہ خیریت ہے۔ کچھ موسمی اسباب سے طبیعت مضمحل ہے

مسترشد: میرے لئے بہبودیٔ دارین کی دعاء فرما دیا کریں

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ فلاح اور اصلاح دارین عنایت فرمادیں۔

مسترشد: کچھ عرصہ سے سکون قلب میسر نہیں۔ معمولات میں بھی کوتاہی ہوتی ہے۔ کچھ لوگوں کے غلط معاملات کی بناء پر تکدر ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اگر لوگوں سے بہت کم تعلق رکھا جائے اور گوشہ تنہائی میں آدمی زندگی گزارے تو سکون ملے ملنے والے معاملات میں تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: **سکون قلب نہ ہونے کا سبب** | سکون قلب کیوں میسر نہیں۔ اگر دنیا کے معاملات میں قناعت اور دین میں حرص پیدا ہو جائے۔ تو سکون قلب برہم نہ ہو۔ مگر ہم اس کا الٹا کرتے ہیں۔ یعنی دین میں قناعت اور دنیا میں حرص اس کا لازمی نتیجہ بے اطمینانی ہے۔

لوگوں سے ملاقات | ایک کاروباری ملنا ہے۔ جیسے بازار میں جاکر بوقت ضرورت دکانداروں سے ملتے ہیں۔ اس ملاقات کا کوئی برا اثر انشاء اللہ نہیں پڑے گا۔ اور ایک وہ ملاقات ہے۔ جس میں قلب کا لگاؤ اور ملاقات کی لذت بھی شامل ہے۔ یہ ملاقات بے شبہ نا اہلوں سے پیدا کرنا دین کو مضر ہے۔ ان سے بچنا چاہیئے۔

مسترشد: میاں عاصم صاحب بخیر و عافیت ہیں۔ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔

والسلام مختار احمد عفی عنہٗ

حضرۃ الشیخؒ: میاں عاصم صاحب کی خیریت ایک مہینہ سے نہیں معلوم۔ اُن کو سنا تھا کہ مکان کی تکلیف ہے۔ جس مکان میں پہلے تھے وہ پردہ دار نہ تھا۔ اب معلوم نہیں۔ کیا حال ہے۔ وہ مکان شاید میاں صاحب کا ہے۔ اگر آپ اُن کی اس بارہ مدد کر سکتے ہوں تو کیجئے۔ یہ بھی نہ معلوم کہ اب ان کی صحت کیسی رہتی ہے۔

والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

مکتوب ۱۵۳/۷۷

مسترشد: مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ: عزیزی و محبی وفقکم اللہ تعالیٰ۔

مسترشد: السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد: اُمید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

مسترشد: میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء ضرور فرمادیں

حضرۃ الشیخ: حسب دستور دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد: جمعیت قلب اب بھی میسر نہیں۔ گو پہلے سے کیفیت بہتر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : **جمعیت قلب** | جمعیت قلب کیوں حاصل نہیں۔ اس پر غور کیجئے کیا وہ دنیاوی پریشانی ہے۔ یا دینی ہے۔

مسترشد : معمولات پر پورے طور پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ نماز چار وقت کی تو جماعت سے ہو جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : **معمولات پر عمل** | معمولات پر پورے طور پر کوشش عمل کی ہے مگر یہ کوشش کامیاب ہوتی ہے۔ یا ناکام۔ اگر ناکام ہوتی ہے۔ تو کیوں۔

مسترشد : کچھ شکوک بھی ذہن میں آج کل کے نوجوانوں کی طرح آتے رہتے ہیں۔ جو کہ تکلیف دہ ثابت ہوتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ : **شکوک کا علاج** | شکوک کا علاج توبہ استغفار ہے اور اپنے کام میں انہماک۔ شکوک بیکاروں کو ہوتے ہیں۔ کام کرنیوالوں کو نہیں

مسترشد : ابو عاصم صاحب بخیر ہیں اور گاہے گاہے ملتے رہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ : عاصم میاں کی خیریت تو معلوم نہیں۔ مگر آپ مکان کے متعلق ادان کا کوئی کام کر سکے یا نہیں۔

مسترشد :۔ کیا آپ بھوپال میں مقیم رہیں گے۔ یا لکھنؤ وغیرہ تشریف لیجانے کا خیال ہے۔ والسلام مختار

حضرۃ الشیخ : ابھی تک فیصلہ نہیں کیا ہے۔ والسلام

بندہ ہیمدان سید سلیمان

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۶۸ھ

مکتوب ۱۵۴/۷۸

مسترشد: مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخ: محبی و عزیزی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقا

مسترشد: السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد: امید ہے کہ جناب بخیر ہوں گے۔ غالباً ابو عاصم صاحب تو پہنچ گئے ہوں گے اور یہاں کے مفصل حالات بیان کئے ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: آجکل وطن میں مقیم ہوں۔ وسطِ جون میں بھوپال واپسی ہوگی عاصم میاں پہنچے۔ حالات معلوم ہوئے۔ ایم۔ بی۔ اے احمد صاحب کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔

مسترشد: پنجوقتہ با جماعت نماز اور معمولات پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب قلبی کیفیت بہتر ہے۔ گو کچھ دنیوی تفکرات اور کچھ دینی مکمل نہ ہونے کی وجہ سے رہتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ: معمولات | اللہ آپ کی اس کوشش کو کامیاب فرمادیں۔ حالت کی بہتری پر مبارکباد۔

دینی زندگی کی عدم تکمیل | اگر یہ عدم تکمیل آپ کے اختیاری امور میں ہے تو علاج عزم صمیم ہے۔ اگر غیر اختیاری امور میں سے ہے تو پھر تفکر بیکار ہے۔

مسترشد: میرے لئے بہبودیٔ دارین و سکون قلب کی دعاء فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ : آپ کے لئے دلی دعا ہے

مسترشد : معلوم نہیں آج کل جناب کہاں ہیں اور آئندہ کیا پروگرام ہے

حضرۃ الشیخؒ : آج کل رخصت پر وطن میں ہوں وسطِ جون تک بھوپال واپسی ہوگی، بھوپال پہنچ کر معلوم ہوگا کہ آئندہ کیا صورت ہوگی۔ ذی قعدہ میں پھر سفرِ حج کی نیت کرتا ہوں۔ والسلام

۲ ر شعبان ۱۳۶۸ھ

(مہربانی کرکے دوسرا خط مولوی احتشام الحق صاحب تک پہنچادیں اگر وہ وہاں مقیم ہوں۔)

مکتوب ۷۹/۱۵۵

مسترشد : مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ : محبی و عزیزی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم۔

مسترشد : السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ : السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد : اس سے قبل دو عریضے ارسالِ خدمت کرچکا ہوں مگر جواب سے محروم رہا۔

حضرۃ الشیخ : عجب بات ہے۔ کہ آپ نے دو خط پہلے بھیجے۔ مجھے ایک ملا۔ مگر وہ بھی خدا جانے کہاں گم ہوگیا۔ اب تک نہیں ملا۔ پتہ یاد نہ رہنے کے سبب سے جواب نہ دے سکا۔ اب آپ کا تیسرا خط آیا

آپ کا ایک تولیہ یہاں چھوٹ گیا ہے

مسترشد: جناب حج کے لئے کب تشریف لے جائیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: میرا ارادہ ہے۔ کہ ستمبر کے وسط میں سفر حج اختیار کریں ممکن ہے یہ جہاز کراچی ٹھہرے۔

مسترشد: کچھ مخلص دیندار حضرات کا خیال ہے کہ یہاں پر ایک جماعت دیندار حضرات کی بنائی جائے۔ جس میں ہر عمر کے لوگ شامل ہوں جو دین کی خدمت معمولی تنخواہ پر کر سکیں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ اصول کیا ہوں۔ شجاعت علی صاحب صدیقی ڈپٹی ایڈیٹر جنرل پاکستان بھی اس سلسلہ میں کافی کوشاں ہیں۔ والسلام

مختار عفی عنہٗ

حضرۃ الشیخؒ: خدمتِ دین | در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست مناسب ہے کہ ایسی جماعت بے غرض اور قانع دینداروں کی بنائی جائے نام "خدام الدین" رکھ لیں۔ مقاصد یہ ہوں۔

۱: نوجوانوں اور طالب علموں میں دینی لٹریچر کی اشاعت یا ماہانہ دینی جلسوں میں دعوت

۲: عام طور سے لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینا۔

۳: نماز کی تاکید

۴: صورت وشکل وخیالات وعقائد و اعمال میں اتباع دین کی تحریک۔

۵:- زکوٰۃ کی ترغیب

۶:- اسلامی اخلاق کی تعلیم۔

۷:- شبینہ مدارس یا زبانی تعلیم سے ناواقفوں کو مسائل دین کی تعلیم جو صاحب کوشاں ہوں۔ وہ انشاء اللہ اجرِعظیم کے مستحق ہوں گے

عزیزی ابو عاصم کے متعلق معلوم نہیں کہ اون کو کوئی ذریعہ رزق حاصل ہوا یا نہیں ؟

والسلام

فقیرِ بیمدان سید سلیمان

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

مکتوب ۱۵۶/۸۰

مسترشد :- مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :- السلام علیکم۔

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :- اُمید ہے کہ جناب بعافیت ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :- الحمدللہ بعافیت ہوں۔

مسترشد :- میرے لئے بہبودئ دارین کی دعاء فرماویں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کی خیر دارین کے لئے بدل وجان داعی ہوں

مسترشد :- جناب حجاز میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک عریضہ ارسال کیا تھا

مگر جواب سے محروم رہا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ممکن ہو، ملا ہو، مگر جواب نہ جا سکا ہو۔

مسترشد :۔ ابو عاصم سے صبح و شام ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آجکل اُن کی چھوٹی بچی کی طبیعت کچھ علیل ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس بچی کی خیریت ایک ہفتے سے معلوم نہیں۔ اگر آپ لکھ سکیں تو لکھیئے۔

مسترشد : مولانا احتشام الحق صاحب کو پرسوں ہم لوگوں نے رخصت کیا۔ غالباً پہنچ گئے ہوں گے۔ ہم سب لوگ منتظر ہیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ جی ہاں آئے تھے۔ مستقبل کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے یہ خط اون کی موجودگی میں آیا تھا۔ وہ انتظامات میں مصروف ہیں

مسترشد :۔ کچھ بے سکونی سی رہتی ہے۔ معمولات بھی مکمل طور پر پورے نہیں ہو پاتے۔ وجہ غالباً ہمت و ارادہ کا ضعف ہو۔

والسلام

مختار عفی عنہٗ۔ پوسٹ بکس نمبر ۸ ۷ ۲ کراچی

حضرۃ الشیخؒ :۔ معمولات کی بہار ہمت پر موقوف ہے | جی ہاں، ہمت کی کمزوری معمولات کی ساری بہار کو کھو دیتی ہے۔ اس کا علاج خود آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۲۲ مارچ ۱۹۵۰ء

مکتوب ۸۱/۱۵۷

مسترشد: مرشدی ومولائی

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

مسترشد: السلام علیکم۔ اُمید ہے کہ جناب بعافیت ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

مسترشد:۔ بہبودئ دارین اور مقدمہ کے سلسلے میں بریت کی خاص طور پر دعاء فرماویں۔ فیصلہ اپریل کے اوائل تک ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کی بہبودی دارین اور براءت کی دعاء ہے

سالک کو مواقع تہمت سے بچنا چاہیئے | آپ کو بھی مواقع تہمت سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے ورنہ سلسلے کی بدنامی اور دین کی اہانت کا باعث ہوتا ہے۔

مسترشد:۔ پنجوقتہ نماز باجماعت کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرت الشیخؒ:۔ مبارک

مسترشد:۔ اگر صبح کو دیر میں آنکھ کھلے اور جماعت جاتی رہے یا نماز قضا ہو جائے۔ تو اگر یہ قصداً نہ ہو۔ تو کیا گناہ ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ قصداً اگر نہ ہو۔ تو گناہ نہیں صبح کو جس وقت آنکھ کھلے بشرطیکہ مکروہ وقت نہ ہو نماز پڑھ لی جائے۔

مسترشد:۔ کیونکہ گھر پر اٹھنا میرے لئے دشوار ہے۔ اس لئے اکثر مکی مسجد یا تبلیغی جماعت کے ساتھ دوسری مساجد میں سوتا ہوں تاکہ

نماز تہجد بھی ہو جائے۔ کچھ ذکر کا وقت بھی ملے اور نماز فجر بھی باجماعت ہو جائے۔ ذکر بالجہر کرلیتا ہوں بہ نسبت خاموشی سے کرنے کے مفید معلوم ہوتا ہے

حضرۃ الشیخؒ: مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں۔

مسترشد: کیا دنیاوی پریشانیاں سب گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔
والسلام۔ مختار

حضرۃ الشیخؒ: دنیاوی پریشانیوں کا سبب | کُل تو نہیں مگر بعض ہوتی ہیں۔

والسلام

فقیر الی اللہ سلیمان

یکم جمادی الثانی ۱۳۷۰ھ

مکتوب ۸۲/۱۵۸

مسترشد:۔ مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: اُمید ہے کہ جناب بعافیت ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

مسترشد :۔ بندہ کے لئے بہبودئ دارین اور سکون قلب کی دعاء فرمادیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے لئے دل سے دعاء ہے۔

مسترشد : اس ڈیڑھ سال کی پریشانی کے بعد ۱۵ دسمبر سے میں نے انجمن اشاعتِ قرآن میں -/۳۵۰ روپے ماہوار عارضی طور پر بطورِ معاوضہ اعزازی قبول کرلیا ہے۔ مستقل طور پر تجارت ہی کی طرف رہنے کا خیال ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تلاش رزق | اچھا کیا کہ یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ ہم خرما و ہم ثواب

مسترشد : طبیعت اکثر پریشان رہتی ہے۔ سکون قلب حاصل نہیں ہوتا۔

حضرۃ الشیخؒ : انشاء اللہ ظاہری پریشانی ختم ہونے سے باطنی پریشانی بھی دور ہو جائے گی۔

مسترشد :۔ کبھی کبھی اپنے اندر کبر کا شبہ معلوم ہوتا ہے۔ بظاہر ایسا تو نہیں ہے حقیقتاً نہ معلوم کیا صورت ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ کبر | کبر خود سے نہیں لگ جاتا جب تک غیر کی تحقیر کی نیت شامل نہ ہو۔

مسترشد :۔ انجمن اشاعتِ قرآن کے علاوہ کچھ وقت تبلیغی جماعتوں اور "ماہنامہ مستقبل" کے لئے صرف کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ رضا بالقضا اور تفویض میں راحت ہے | تبلیغی کام میں شرکت اور "مستقبل" اور رابطہ قرآن وغیرہ کے کام حسن نیت سے کریں

تو مناسب ہے ۔ الجھن کا سبب زیادہ تر بندہ کی اپنی تجویزیں ہوتی ہیں۔ ان تجویزوں کو ختم کر کے راضی برضا ہو جائے ۔ تو کوئی الجھن نہیں۔

مسترشد :۔ خواہش ہے کہ کسی ایسے تعلیمی ادارہ یا یونیورسٹی کی تشکیل کر سکوں۔ جس میں علوم معاش و علوم معاد کو صحیح توازن کے ساتھ سمویا جا سکے۔ اور اس کے ساتھ ایک علمی تحقیقی ادارہ بھی ہو، حضرت والا کا کیا مشورہ ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اپنی بساط سے بڑھے ہوئے کام کا ارادہ | ابھی اس باب میں کوئی خاص مشورہ نہیں دے سکتا۔ ابھی اسی راہ پر آپ چلتے رہیں۔ جس پر چل رہے ہیں۔

مسترشد :۔ بعض حضرات تو دستور سازی وغیرہ کی مہم کو ہی سب سے زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ والسلام

خادم۔ مختار عفی عنہٗ۔

حضرۃ الشیخؒ : سیاست | آپ ادھر متوجہ نہ ہوں

والسلام

۱۴ر جنوری ۱۹۵۱ء

مکتوب ۱۵۹/۸۳

مسترشد :۔ مرشدی و مولائی

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :- السلام علیکم

حضرۃ الشیخؒ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :- اُمید ہے کہ حضرت بخیر وعافیت ہوں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :- الحمد للہ خیریت ہے

مسترشد : میرے لئے بہبودئ دارین کی دعا فرماویں۔ اب میرے معاملہ کی تاریخ ۱۴ اپریل مقرر ہوئی ہے

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کے لئے درگاہ الٰہی میں دعاء ہے۔ اللہ تعالیٰ بری فرما کر آپ کو توفیق خیر عطا فرمائیں

مسترشد :- مجھے عرصہ سے اسراف کی عادت ہے۔ اس کو دور کرنے کی کیا تدبیر ہے ؟

حضرۃ الشیخؒ :- اسراف | اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ مال کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھیں اور ایک امین کو امانت میں جس طرح احتیاط برتنی چاہیئے برتیں اور اس کا استحضار رکھیں کہ آپ کو اس کا حساب دینا ہوگا۔

مسترشد :- کذب کا بھی صدور ہو جاتا ہے۔ گو اکثر بے ضرر قسم کا ہوتا ہے۔ اس سے نجات کی کیا صورت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : کذب | کذب خواہ بے ضرر ہی ہو۔ پھر بھی وہ کذب ہے اور یہ بہت سی برائیوں کی جڑ ہے۔ یہ تصور فرمائیں کہ ہر آن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ہر قول وعمل کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

مسترشد:۔ عزم وہمت میں ضعف کی وجہ سے گناہ ہوجاتے ہیں ہمت میں تقویت کی کیا تدبیر ہے کہ گناہ نہ ہونے پائے

والسلام۔ مختار عفی عنہ

حضرۃ الشیخ:۔ عزم وہمت نہ ہونے کا شبہ | عزم وہمت میں تو ضعف معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ بڑے بڑے کام آپ نہ کرسکتے بلکہ برائی سے بچنے میں آپ اپنی ہمت صرف نہیں کرتے اور ظاہری فوائد پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ عادت چھوڑ دیجئے۔

والسلام۔ سید سلمان

مکتوب ۸۴/۱۶۰

مسترشد:۔ مرشدی ومولائی

حضرۃ الشیخ:۔ محب مخلص۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں۔

مسترشد:۔ السلام علیکم

حضرۃ الشیخ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا تار بھی ملا۔

مسترشد:۔ اب مقدمہ کی تاریخ ۲۴ اپریل ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے جلد نجات بخشیں۔ والسلام۔ مختار عفی عنہ

حضرۃ الشیخ: دل سے دعا کرتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس ابتلاء سے نجات بخشیں۔ آج شام تبلیغی جماعت کے اصرار سے پشاور جارہا ہوں جلد واپس آؤں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

والسلام۔ سید سلیمان

۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء

بنام حکیم مولوی محمد عبد اللہ صاحب ندوی

ٹنڈو آدم

متعلق مجوزہ دار العلوم ندوۃ العلوم لکھنو

ٹنڈو آدم

☆

اِنَّهُ من سليمان وَانه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

برادرم مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

خط ملا حالات معلوم ہوئے۔ تفصیلات معلوم کرکے تشفی ہوئی بسم اللہ کرکے آپ کام شروع کریں

ایک مسئلہ فقہی باقی رہتا ہے۔ ایک پیسہ یا دو پیسے کسی سے لینے ہیں۔ کسی سے کسی کا مال بغیر اسکی رضا کے لینا جائز نہیں۔ کیا یہ مقصد ہے کہ بائع مشتری سے جو قیمت فی گانٹھ مقرر کرتا ہے اُس پر دو پیسہ فی گانٹھ مشتری سے زائد وصول کرتا ہے۔ اور مسجد میں دے دیتا ہے۔ یا یہ کہ بائع فی گانٹھ دو پیسہ قیمت بڑھا کر مقرر کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے وہ روپے فنڈ میں دے دیتا ہے۔ پہلی صورت میں وہ رقم مشتری کی ہے اور وہ اُسکی رضا سے مسجد میں داخل ہونا چاہیئے۔ اور دوسری صورت میں وہ رقم بائع کی ہے اور وہ اپنی رضا سے دے سکتا ہے۔ اِس لئے اسکی فقہی صورت معین ہونی چاہیئے۔ میرے خیال میں دوسری

صورت واضح اور اسلم ہے کہ قیمت ہی بائع دو پیسے بڑھا کر متعین کریں اور وہ اپنی طرف سے مسجد میں دیں۔

مسجد سے فراغت ہونے لگے تو مدرسۂ ابتدائیہ کی بنیاد ابھی سے ڈال دیں اور اعلان و اشتہار سے ابھی بچیں، ابتدائی مدرسہ کا نصاب اور مختصر قواعد بنائیں۔ دارالعلوم ندوہ سے قواعد اور نصاب منگوائیں۔

الحمدللہ خیریت ہے اور آپ کے لئے دعائیں۔

والسلام

فقیر سید سلیمان

.ننننننہ

برادرم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں بحمداللہ اچھا ہوں ضعف باقی ہے۔ ۲۳-۲۴ نومبر کی تاریخ اس لئے مناسب نہیں کہ انہیں تاریخوں میں بنیادی حقوق کی کمیٹی یہاں ہوگی۔ جس میں شرکت ضروری ہے۔ نومبر میں اب کوئی تاریخ نہیں ہوسکتی۔ ۱۶، ۱۷ نومبر بھی نہیں ہوسکتی کہ یہ پنجاب یونیورسٹی کمیشن کی تاریخیں ہیں۔ اس لئے آپ پسند کریں تو دسمبر کے اوائل میں رکھدیں۔

مدرسہ کا نام دارالعلوم ندوۃ العلمائے پاکستان غور کے قابل ہے کیا اچھا ہو کہ اشتہار میں یہ نام نہ دیں۔ بالکل یہ لکھیں کہ دارالعلوم ندوہ کے طرز و اصول اور مقصد کے مطابق مدرسہ قائم کیا جائے۔ والسلام

سید سلیمان

۱۴ نومبر ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۳

انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

برادر عزیز   وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مراکش کے جلسوں کی وجہ سے جواب میں چند روز کی تاخیر ہوئی۔

خوشی ہوئی کہ چندہ کے متعلق مجھے جو شبہ ہوا تھا وہ دور ہو گیا میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان آکر دیوبند اور ندوہ کی تفریق پیدا نہ ہو۔ البتہ کام اپنے اپنے اصول کے مطابق کئے جائیں گے۔ اس لئے آپ اپنے پیش نظر تنگی کے بجائے وسعت خیال کو رکھیں۔ اس لئے جلسہ میں جن اصحاب کو بلائیں ان میں علمائے دیوبند بھی ہوں تو مناسب ہے۔ مولانا احتشام الحق صاحب اور مفتی محمد شفیع صاحب کو بھی بلائیں۔ اور ہم لوگوں کو بھی بلائیں۔ میرے علاوہ یہاں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

مولانا محمد ناظم صاحب، مولوی عبدالقدوس ہاشمی۔ مولوی محمود علی خان صاحب پیر کالونی۔ رئیس احمد جعفری صاحب۔ شاہ حسن مثنی صاحب۔ مولوی محمد یحییٰ صاحب۔ مولوی عبدالرشید صاحب (ٹنڈو والہ یار مدرسہ دار العلوم) مولوی محمد حنیف صاحب گوجرانوالہ۔ مولوی صلاح الدین صاحب کراچی مولوی عبداللہ صاحب لائل پور۔

جلسہ اور اس کے اشتہار میں تکلف نہ کریں۔ اور نہ عبارت

میں مغالطہ ہو۔ نہ دعویٰ ہو۔

والسلام
سید سلیمان
۲رجمادی الثانی ۱۳۷۰

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مورخہ ۲ رجمادی الاول ۱۳۷۰

برادر مکرم زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

کرم نامہ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ آپ کے خط کو متعدد احباب ندوہ کو دکھایا۔ سب نے آپ کی تجویز کو پسند کیا۔ اور سب نے یہی خیال ظاہر کیا کہ مدرسوں کا تعدد ہو تو پسندیدہ ہے۔ آپ حسب ذیل امور کا جواب دیں۔

۱۔ قصبہ میں مہاجرین اور انصار کی نسبت کیا ہے۔

۲۔ آپ کی تحریک میں شرکت بلا امتیاز سب کی ہے یا کسی خاص گروہ کی۔

۳۔ باہر والوں کا اہل قصبہ والوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے۔

۴۔ آپ کے ساتھ اہل قصبہ کو کچھ وابستگی ایسی ہے جو قائم رہے۔

۵ - کارخانہ دار سب کیا آپ کی تجویز سے متفق ہیں
اخبارات میں کچھ نہ لکھیئے

۶- کیا جامع مسجد کی تکمیل ہو گئی ۔

۷- کیا مقامی طور سے مدرسہ کے لئے طلبہ مل سکتے ہیں ۔

۸- اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔ اور معمولات جاری ہوں گے

والسلام

الفقیر الی اللہ الغنی

سلیمان

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ ستمبر ۱۹۵۱ء

کراچی ۵ چمن سٹریٹ

برادر عزیز۔ نصرکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

لفافہ ملا۔ میرا دل چند دنوں سے خود آپ سے ملنے اور آپ کے احوال سُننے کا منتظر تھا خصوصًا آپ کے صاحبزادہ کی صحت کی خبر کا مشتاق تھا۔ تو آپ نے اس خط میں بھی اُس کا ذکر نہیں کیا۔ مہربانی کر کے اب مطلع فرمائیں۔

خوشی ہوئی کہ آپ نے مشکلات پر قابو پالیا۔ اور اس قابل ہوگئے کہ جلسہ بلاسکیں۔ میں اس وقت ایک ہفتہ کے لئے راولپنڈی اور مری پنجاب یونیورسٹی کمیشن کے سلسلے میں جارہا ہوں۔ یکم اکتوبر تک واپسی ہوگی۔

میں نے ندوہ سے نصاب منگوالیا ہے۔ وہ میرے پاس آگیا ہے۔ خوشی ہوئی کہ مفتی محمد سعید صاحب آپ کے استاد غالبًا اب اچھے ہیں اور دارالعلوم کے قائم مقام مہتمم ہیں۔ انہوں نے نصاب بھیجا ہے۔

یہاں ایک جلسہ دسمبر تک جمعیۃ علمائے اسلام کی طرف سے ہورہا ہے۔ اس میں اکثر علماء کو دعوت دی جارہی ہے۔ اوسی کے قریب یہ جلسہ (ہو) تو اچھا ہے۔ جی یہ چاہتا ہے کہ یہاں دیوبندی اور ندوی تصادم نہ ہو میں سفر سے واپس آجاؤں تو پھر تاریخ کا تعین کروں۔

جامع مسجد کے ساتھ مدرسہ کے تعلق سے دارالاقامہ اور کتب خانہ کی عمارت بھی ہوگی یا نہیں سامنے کے مکان کا جھگڑہ کس طرح ختم ہوا یہاں ندوہ کے بعض اشخاص موجود نہیں مگر اُن میں مولوی ناظم صاحب کے سوا کوئی تعلیم و تدریس کا اہل نہیں ہے۔ باقی اور علماء اور مدرس مل سکتے ہیں۔ تنخواہ کا معیار بتائیے۔ اسکو طے کرکے ضرور بتائیے

الحمد للہ خیریت ہے

والسلام سید سلیمان ندوی

مولانا شبیر علی صاحب تھانوی حضرت کے بھتیجے کی خدمت میں آپ کو نیاز حاصل ہے وہ حیدرآباد سندھ میں ہیں۔

إنهٗ من سليمان وإنهٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر عزیز۔ زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا خط مل گیا تھا میرا سفر مولانا احتشام الحق صاحب کے ساتھ تھا وہ اول یہاں موجود نہ تھے۔ اس لئے اول سے مراجعت نہ کر سکا اشتہار بھی میرے پاس بھیجا نہ گیا تھا۔ عین اس وقت پر شام کو مجھے چلنے کیلئے استفسار کیا گیا اپنی بے اطمینانی اور قلبی افسردگی کے سبب سے وقت پر تیار نہ ہو سکا اس لئے میں آپ کو جواب بھی بروقت نہ دے سکا۔ آپ کو یقیناً میری تاخیر جواب سے انتظار جواب کی تکلیف ہوئی ہوگی۔ لیکن میری پریشانی خیالی اور پریشان حالی پر نظر رکھ کر معاف کر دیں گے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

والسلام

سید سلیمان

۳ ر ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

انہٗ من سلیمان وانہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادرعزیز۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا ایک لفافہ ملا جب میں لاہور جارہا تھا دوسرا جب ملا جب میں ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق بستر علالت پر پڑا تھا۔ آج تیسرا ملا۔ رات حکیم نصیر صاحب اور مولوی ناظم صاحب آئے تھے۔ ہم لوگوں کا سفر انشاء اللہ ۲۹ر نومبر کی صبح کو 7 ربجے یہاں سے ہوگا۔ سفراء کو دعوت دے دی گئی ہے۔ مولوی تمیز الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ اپنی صحت کے سبب سے کچھ معذرت کر رہے تھے میں نے اُن سے پہلے ۳۰ر نومبر کی حاضری پر آمادہ کیا ہے۔ وہ کھانا سبزی کھاتے ہیں بے مرچ کے۔

مولانا احتشام الحق صاحب کے خط کا مضمون کل حکیم نصیر صاحب نے بتایا تھا مجھے انہی باتوں کا شبہ تھا جسکی بنا پر نام سے اختلاف کیا تھا بہرحال اب تو اجلاس خود طے کرے گا۔ آپ نے جو جواب ان کو دیا ہے وہ مناسب ہے۔ میں نے اپنی علالت کے باعث جسکی بنا پر ہر قسم کی دماغی محنت سے روکدیا گیا ہوں خطبہ صدارت لکھا نہیں ہے۔ مولوی ناظم صاحب سے کہا تھا مگر انہوں نے بھی نہیں کیا۔ اب تو زبانی ہی تقریر صدارت ہوسکتی ہے۔

مولوی عبدالحامد صاحب سے بھی خطرہ تھا خدا کرے کہ وہ پہلو بھی محفوظ رہے۔ آپ دوسروں کی مدد کی توقع نہ رکھیں اگر مل جائے فبہا ورنہ خود اپنی ہمت وعزیمت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ونصرت پر بھروسہ کریں

ایک حیدرآباد کے مولوی عبدالجبار صاحب کو جو سنا ہے کہ اچھے مقرر ہیں چلنے کی دعوت دی ہے۔ شاید کہ انٹر کا کرایہ دینا پڑے۔ قادری صاحب بھی ہوں گے وہ کہیں نہیں گئے۔

مولوی امین الحق صاحب غالباً واپس گئے ان کی شرکت سے فائدہ بھی نہ تھا۔

والسلام

سید سلیمان

۲۴ رنومبر ۱۹۵۱ء

اِنَّہٗ مِن سلیمان و اِنَّہٗ بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

مکتوبؑ

(بنام جناب سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

مکتوب نمبر ۱

مسترشد :-

حضرت الشیخؒ ۔ مکرم ۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔

مسترشد :- حضرت مولینٰا احتشام الحق صاحب کی ہمت افزائی سے عرض شوق کا موقع حاصل ہوا ۔"

حضرۃ الشیخؒ :- فقیر سے آپ کی واقفیت محض سنی سنائی ہے ۔ اس لئے آپ نے حسنِ ظن سے کام لیا

مسترشد :- بیعت کا خیال اس لئے آتا ہے کہ کوئی ایسی بزرگ شخصیت مادی طور پر سامنے رہے جیسے مثال بنا کر صحیح راستے پر چلنے کی کوشش ہو سکے ..

..... آپ کی ذات ستودہ صفات سے یہ رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اور انشاء اللہ میں تعجیل احکام کی پوری پوری کوشش کرونگا ۔

ع٥ یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ کے ۹ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ (۵ جولائی ۱۹۵۰ء) کے خط کے جواب میں جو ۲/۹۶ مارٹن روڈ کوارٹرز کراچی سے مکتوب الیہ نے لکھا ۔ مکتوب نگار نے تاریخ تحریر درج نہیں کی ۔ لیکن ۵ یا ۶ جولائی ۱۹۵۰ء کا خط قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کراچی میں جب طالبین حاضر ہوتے تھے تو دستی رقعہ خط کی صورت میں دے دیتے تھے ۔ جس کا جواب دوسرے دن عموماً مل جاتا تھا ۔ (اشرف) اس مکتوب میں مکتوب الیہ نے تعارف پیش کیا ، اپنے ذاتی احوال و کوائف تفصیل سے لکھے (اشرف)

حضرۃ الشیخؒ:- جیسا کہ میں نے زبانی کہا بیعت پر نجات موقوف نہیں، لیکن اگر آپ کا دل طالب ہے۔ تو پہلے آپ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ قصد السبیل ملاحظہ فرمادیں، تاکہ مقصد کا تعین ہو، اور باہمی غلط فہمی نہ ہو، پھر یہ لکھیں کہ آپ کے معمولات کیا ہیں۔

مسترشد:- .... کبھی کبھی دل پر وساوس کا غلبہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات خطرات اور خدشات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- آپ کے وساوس و خدشات کا منشا کیا ہے؟

والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲ [۱]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:- مکرم۔ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کے خط میں کوئی سلام نہیں، جو خلاف سنت ہے۔

مسترشد:- آپ کی تعریف سنی بہت تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کی زیارت سے بھی مشرف فرمایا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- سننا اور دیکھنا کافی نہیں، جاننا بھی ضروری ہے

---

[۱] یہ مکتوب گرامی رمضان ۱۳۶۹ھ کے مکتوب الیہ کے خط کے جواب میں ہے تاریخ تحریر غالباً ۲۵ رمضان ۱۳۶۹ء ہوگی خط کے آخر میں حضرت والا کا دستخط موجود نہیں (اشرف)

مسترشد :- ..... میں جو بیعت کی خواہش کر رہا ہوں، اس کا باعث محض یہ امر ہے کہ میں نے تجربۃً محسوس کیا ہے کہ اگر میں بزرگوں کے پاس بیٹھوں تو دل میں اچھے خیال زیادہ آتے ہیں۔ اور برے خیال بہت ہی کم اور بعض اوقات بالکل مفقود ہو جاتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- تاثیر و تأثر کی صحیح بنا صحبت ہی ہے، اور ہمارے سلسلہ میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اور اس کا قائم مقام مکاتبت ہے۔

مسترشد :- یہ تعلق (یعنی بیعت کا تعلق۔ اشرف) قائم ہو جانے کے بعد انشاء اللہ تصور شیخ بھی ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہوگا

حضرۃ الشیخؒ :- تصور شیخ پر ہمارے ہاں بنا نہیں۔ اگر از خود بلا تکلف کبھی تصور آجائے تو حرج بھی نہیں۔ مگر بالقصد اوسکا تصور کرنا اور اس کو قائم رکھنے کی کوشش کرنا درست نہیں، کیونکہ اس سے شیخ کے حضور کے غلط عقیدہ کی رہبری ہوتی ہے۔ جو بڑھ کر شرک تک پہنچ جاتا ہے۔

مسترشد :- ابھی رسالہ قصد السبیل دستیاب نہیں ہوا ......"

حضرۃ الشیخؒ :- قصد السبیل ضرور دیکھیں۔

مسترشد :- میرے معمولات درج ذیل ہیں۔

صبح ۹½ بجے سے ۴ بجے تک دفتر اس کے علاوہ باقی اوقات فارغ ہوتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ معمولات تو خیر ہیں، مقصود معمولات دینی کا پوچھنا ہے یعنی نوافل و اوراد و عبادت وغیرہ

مسترشد :- وساوس و خدشات .... جنسی خواہشات سے تعلق رکھتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ وساوس و خدشات تو عدم نکاح کے سبب ہیں۔ آپ میں استطاعت

ہو تو کسی شریف دیندار بی بی سے نکاح کرلیں۔ باقی غضِّ بصر کا اہتمام ضروری ہے۔ روزہ کی کثرت بھی کسرِ شہوت میں مفید ہے۔

مسترشد :۔ الحمد للہ کہ مذہب حقہ کے متعلق خدشات پیدا نہیں ہوتے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ تعالیٰ کہ اصول مذہب میں کوئی خدشہ نہیں۔ ایسے ایمان محکم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے۔

مکتوب نمبر ۳[۱]

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب ۔ ۳)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم ۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مسترشد :۔ ...... باوجود محبت کے شیخ کا تصور انشاء اللہ شرک کی طرف مائل نہیں ہوگا، اور جب واسطہ آپ جیسے صحیح العقیدہ بزرگوں سے پڑے تو انشاء اللہ شرک کا شائبہ بھی نہیں پیدا ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہی اُمید ہے

مسترشد :۔ دینی مشاغل میں نماز اشراق، اوابین اور تہجد کچھ عرصے سے پڑھتا ہوں موخر الذکر میں پابندی پابندی کی حد تک نہیں ہو پاتی۔ انشاء اللہ اب اس کی کوشش کرونگا۔

---

۱ :۔ یہ خط مکتوب الیہ کے ۲۶ رمضان ۱۳۶۹ھ خط (دستی رقعہ) کے جواب میں ہے۔ تاریخ تحریر غالباً ۲۷ رمضان ۶۹ھ ہوگی۔ آخر میں حضرتؒ کا دستخط موجود نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تہجد کی ۸ سے ۱۲ رکعتوں تک پڑھا کریں، اشراق کی ۴ اور اوابین کی ۶ ر پڑھیں

تلاوت کریں اور ساتھ ہی مناجاتِ مقبول کا ایک حزب روزانہ پڑھیں عصر اور فجر کی نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ یعنی ۳۳ دفعہ سبحان اللّٰہ ۳۳ دفعہ الحمد للّٰہ اور ۳۴ دفعہ اللّٰہ اکبر پڑھا کریں۔ اور چلتے پھرتے اور سوتے وقت استغفار، استغفر اللّٰہ ربی من کلِ ذنبٍ وَّاتوبُ الیہ پڑھا کریں۔ سوتے وقت ستر دفعہ پڑھا کریں اور سوتے اور اور جاگتے وقت کی دعائیں یاد کریں۔

مسترشد :۔ جب بزرگانِ دین سے کبھی کچھ سننے کا موقع ہو۔ یا ان حضرات کی کوئی تحریر پیش نظر ہو تو اپنے عقائد کو ان کے مطابق پاتا ہوں۔ الحمد للّٰہ۔ اور اس پر شکر بجا لاتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللّٰہ کہ حالت اچھی ہے

مسترشد :۔ شاید چھوٹا چھوٹا اور تنگ تنگ لکھنے سے جناب کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہو۔

حضرۃ الشیخ :۔ ٹھیک ہے کوئی دقت نہیں ہوتی ۔

مسترشد :۔ قصد السبیل مل گیا۔ اور آج سے مطالعہ شروع کروں گا ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ مطالعہ کے اثر سے مطلع کیجئے گا۔

مکتوب نمبر ۴[۱]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی۔ زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :- آج صبح سے حسب الارشاد تلاوت باقاعدگی سے شروع کردی ہے۔ لیکن اسکو کیا کروں کہ دو دن سے تہجد نصیب نہیں ہوئی۔ کل صبح تو اشراق سے بھی محرومی رہی اور قلبی اور دماغی حالت میں بھی انحطاط ظاہر ہوا۔ پھر سے عہد باندھ رہا ہوں کہ انشاء اللہ آج سے معمولات میں سستی نہ ہو۔ استغفار کا شغل بفضلہ تعالیٰ جاری ہے۔ دعاؤں کی ایک کتاب مہیا ہوگئی ہے۔ آج رات سے سونے کی دعا اور کل صبح سے جاگنے کے وقت کی دعاء پڑھ لیا کروں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :- تلاوت کے آغاز پر مبارکباد، اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔ یوں ہی رفتہ رفتہ حالت انشاء اللہ تعالیٰ سدھرتی جائے گی

مسترشد :- ...... یہ خواہش بڑھ گئی ہے کہ آپ سے تعلق اور باضابطہ ہو جائے ..... مجھے ضرورت ہے کہ ایک باقاعدہ تصویر اپنے دل و دماغ پر نظر آئے

بقول اقبالؒ ؎ من بندۂ بے قیدم شاید کہ گریزم باز
آں طرۂ پیچاں را در گردنم آویزے !

---

۱ :- یہ مکتوب گرامی ۲ر شوال المکرم کے مکتوب نگار کے دستی رقعہ کے جواب میں لکھا گیا۔ تاریخ تحریر غالباً ۳ر شوال ۱۳۶۹ھ ہوگی۔

اس باقاعدہ تصور سے انشاء اللہ تعالیٰ مجھ ایسے تن آسان کے لئے عمل کی گھاٹیاں آسان ہو جائیں گی ؏

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے شیشے میں ہے ماہ تمام اے ساقی!

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ اپنے وقت پر ہو گا۔ بیعت ایک اقرار کا نام ہے۔ اقرار سے پہلے اقرار کی تکمیل کے لئے اپنے کو تیار کرنا چاہیئے۔ ورنہ یہ اقرار بھی بے سود ہو گا۔ داڑھی جب ایک مٹھی تک آجائے تو تراش خراش میں حرج نہیں۔

مسترشد :۔ ویسے بھی یہ چیز علم میں تھی کہ نماز فرض جماعت کے بغیر ادا نہیں ہوتی جبکہ دو مسلمان بھی جمع ہو سکیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ نماز تو ہو جاتی ہے مگر ترک سنت کا گناہ ہوتا ہے

مسترشد :۔ ظہر کی نماز دفتر میں ہوتی ہے۔ نماز کا نظام درست نہیں۔ ایک چپراسی ہیں جن کو لوگوں نے امام مقرر کر رکھا ہے۔ یوں ان صاحب کی کوئی عزت نہیں ہوتی ویسے بھی وہ علم میں ناقص معلوم ہوتے ہیں۔ پھر انہیں خود امام بننے سے بہت شغف ہے ...... اس خیال سے کہ جب ہمارے دل میں اس امام کی عظمت نہیں ہے تو جماعت ادا کیا خاک ہو گی۔ ہم نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ خود الگ جماعت کا اہتمام (غلط فہمی پھیلنے کے) اندیشہ سے نہیں کیا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ نہیں آپ اُس چپراسی کے پیچھے نماز پڑھیں، تاآنکہ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرا بندوبست ہو جائے اور آپ کے دل سے چپراسی کا خیال

نکل جائے۔

کوئی گستاخی نہیں۔ والسلام

مکتوب نمبر ۵ [ا]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز محترم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ معمولات مجوزہ میں بہت غفلت ہوتی ہے اور بظاہر ایسی صورت نظر آتی ہے کہ پابندی اپنے بس کی بات نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ راہ عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی

مسترشد:۔ آپ کے ارشاد کے مطابق دفتر میں ظہر کی نماز باجماعت شروع کر دی ہے الحمدللہ کہ دل میں کوئی منافرت کا جذبہ پیدا نہ ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ جس کم بخت کو اپنے فوت شدہ نمازوں کا شمار بھی نہ ہو وہ کیا کرے، قضا واجبات کا طریقہ کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بلاغ کی عمر سے پہلے کی نمازیں چھوڑ کر باقی سال کی نمازیں ہر نماز کے ساتھ ادا کر لی جائیں۔

مسترشد:۔ ۱۹۴۵ء میں بیوی کو طلاق دی تھی۔ میں نے بہت کوشش کی، لیکن

ا؎ مکتوب گرامی ۱۵ شوال ۱۳۶۹ھ کو غالباً تحریر کیا گیا ہوگا۔ مکتوب الیہ کا دستی رقعہ ۴ شوال ۶۹ھ کا ہے۔

ان لوگوں نے حق مہر شرعی واپس نہیں لیا، اور کہہ دیا کہ یہ ادا ہو چکا ہے۔ میں پھر سے ادائیگی کی کوشش کروں گا

حضرۃ الشیخؒ :۔ جی ہاں یا ادا ہو جائے یا معاف ہو جائے۔

مسترشد :۔ میں شیخ کامل کی تلاش میں رہوں گا۔ تا آنکہ آپ قبول فرمالیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ جو کام لینا چاہیں اس کے لئے سردست حاضر ہوں

مسترشد :طبعاً خاصہ یہ ہے کہ شیخ کو (بیعت کیوجہ سے) زیادہ توجہ ہو جاتی ہے۔ میں اس حکمت کے ماتحت بیعت کا خواہاں ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی طبیعت میں عزیمت پیدا ہو جائے تو بیعت بھی ہو سکے گی۔ ابھی آپ اصلاح کا کام جاری رکھیں۔

والسلام

فقیر ہیچمدان ۔ سلیمان

مکتوب ۔ ۶[۱]

(بنام سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ ۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ کل سے ہر نماز کے ساتھ ایک قضا نماز پڑھنا شروع کر دی ہے۔

---

[۱] :۔ یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ کے ۱۷ شوال ۱۳۶۹ھ کے دستی رقعہ کے جواب میں ہے۔ تاریخ غالباً ۱۸ شوال ۶۹ھ ہوگی

حضرۃ الشیخؒ :۔ مبارک باد

مسترشد :۔ دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔

حضرۃ الشیخؒ : دعاء ہے۔

مسترشد :۔ برائے کرم کوئی ایسا رسالہ تجویز فرمائیں۔ جس سے ضروری احکام سے واقفیت ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بہشتی زیور اور بہشتی گوہر دیکھیں۔

مسترشد :۔ مزید دعاء کے لئے درخواست کرتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :۔ دل سے دعاء ہے

مسترشد :۔ محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی شفقت پدرانہ اس حقیر کے شامل حال ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ معمولات، چاہے یہ کتنے ہی ٹوٹے پھوٹے

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔

مکتوب[1] نمبر ۷

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ عصر کے بعد مغرب سے پہلے صحبت والد سے مستفیض ہو سکوں لیکن کبھی کبھی ادھر ادھر کے بکھیڑں.... میں دیر ہو جاتی ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوئی حرج نہیں۔

---

[1] :۔ یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ کے ۲۶ ؍شوال ۶۹ ۱۳ھ کے دستی رقعہ (خط) کے جواب میں ہے۔ تاریخ تحریر غالباً ۲۷ ؍شوال ۶۹ھ ہو گی۔

مسترشد :- ..... صحیح قسم کی دینی تعلیم سے نابلد ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کے پاس بیٹھنے اور مکاتب کی سعادت عطا فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مصنفات و مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ کرتے رہیں، انہیں سے دین اور دین کے معلومات کا فائدہ انشاء اللہ ہوگا۔

مسترشد :- رب کعبہ مقصود کا یقین تو ہوچکا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کے پہنچنے کے لئے جس عزیمت و ہمت کی ضرورت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- انشاء اللہ تعالیٰ عزیمت و ہمت کا ارادہ آپ کریں گے۔ تو یہ چیز بھی حاصل ہوگی۔ آپ اپنی طرف (سے) امور اختیاری میں تساہل نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو ہماری راہ (میں) محنت کرے گا۔ ہم اسکو راہ دکھائیں گے۔

والسّلام

مکتوب ۱؎ نمبر ۸

بنام عبد الرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ (حاشیہ ۱؎ دوسرے صفحہ پر)

انشاء اللہ تعالیٰ اس کے اثرات بھی ضرور ادبی شکل میں برآمد ہوں گے۔ بقول اقبالؒ

؎ نالہ بہ آستان دیر بے خبرانہ می زدم :: تا بہ حرم فنا شدم راہ مقام خویش

مسترشد :۔ رات نیند کا غلبہ ہوا۔ میں مناجات کی منزل پڑھ نہ سکا...... سحری کے وقت تہجد کے بعد دوسری منزل پڑھ لی خدا کرے اس کے نقص واقع نہ ہوا ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوئی حرج نہیں

مسترشد :۔ قضا نمازوں کا سلسلہ شروع ہے۔ میں صرف فرائض کو ادا کر رہا ہوں قضا صبح کے فرض میں تہجد یا اشراق کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ ظہر کی نماز سے پہلے یا بعد نماز عصر کے جماعت سے پہلے مغرب کے اوابین کے بعد اور عشاء کے فرض اور وتر اس دن کے وتروں کے بعد یا جماعت سے پہلے صحیح طریقہ سے مطلع فرما دیں

حضرت الشیخؒ :۔ یہ طریقہ ٹھیک ہے

مسترشد :۔ بہشتی زیور خرید لیا ہے۔ اس کا باقاعدہ مطالعہ انشاء اللہ جلد شروع کر دوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

مسترشد :۔ دو چار دن جو آپکی صحبت سے محروم رہنا پڑا اسکا کافی تنزل محسوس ہوتا تھا۔ کل یونہی آپ مل گئے جس سے طبیعت کو بہت سکون ملا

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ آثار محبت ہے

مسترشد :۔ نماز کے وقت وضو کی حاجت ہو جاتی ہے۔ حضور کے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر (حضرت کی جگہ پر وضو کی) جسارت کر لیتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :۔ کچھ حرج نہیں۔

والسلام۔

مکتوب نمبر ۹ [1]

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخ :- عزیزی، زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :- پرسوں آپ کے اشعار سننے کی سعادت نصیب ہوگئی۔ میں نے لکھے نہیں شاید غلط یاد کر لئے ہوں درست فرمادیں۔

(حضرت کی اصلاح کے بعد اشعار یہ ہیں۔ اشرف)

شعلے اٹھے ہزار تجلی مگر کہاں ؛ یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہیں

ہر ضرب تیشہ ساغر ایک وصال دوست ؛ جو بات کوہکن کی ہے مزدور کی نہیں

تیرے رخ روشن پردہ نور ہے ؛ کہ بے پردہ ہو کر بن مستور ہے

حضرۃ الشیخ :- درست کر دیئے گئے۔

مسترشد :- دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مستعدی اور استقامت عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ :- اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں

والسلام

ہیچمدان

سید سلیمان

---

[1] یہ مکتوب گرامی غالباً ۶ ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ کا ہوگا مکتوب الیہ کا دستی رقعہ با خط ۵ ذیقعدہ کا لکھا ہے (اشرف)

مکتوب نمبر ۱۰

(بنام سیّد عبد الرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم۔ وفقکم اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ کل شام میں ٹائم پیس ہدیۃً پیش کرنے کی خاطر لے کر حاضر ہوا تھا لیکن معذرت خواہ ہوں۔ کہ میرا پیش کرنے کا طریقہ ہی کچھ ایسا بھونڈا تھا۔ کہ وہ قبول نہ ہو سکا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کی پیش کردہ ٹائم پیس کے قبول کے لئے پہلے یہ ضرور تھا۔ کہ آپ مجھ سے اجازت لے لیتے، تاکہ میں آپ کو اپنی ضرورت اور خواہش سے مطلع کر دیتا۔ تاکہ وہ خواہش اور پسند کے مطابق نہ مل سکے یا اوس کی قیمت زیادہ ہو تو آپ اسی کو لے آئیں۔ اور یہ آزمالیں کہ ٹھیک وقت دیتی ہے۔

مسترشد :۔ مناجات مقبول کی ایک منزل روز پڑھ لیتا ہوں ..... پہلے خطبہ پھر اس دن کی منزل پھر استفادہ۔ اور پھر دعا جو درج کتاب ہے براہ کرم یہ بتلا دیجئے کہ دعا بالکل اسی شکل میں پڑھنی چاہیئے یا کسی رد و بدل کے ساتھ

حضرۃ الشیخؒ :۔ مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھ لینا مناسب ہے۔ بالکل اسی طرح پڑھیں۔ ساتھ ساتھ ترجمہ بھی پڑھ لیں۔

لے :۔ یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ کے خط کے جواب میں ہے، تاریخ غالباً ۱۱ ذی قعدہ ہوگی۔ (اشرف)

مسترشد :- استعاذہ میں دو مقامات کی قرأت کے متعلق شک رہتا ہے۔ پہلا مقام یہ ہے۔ وَاَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وصَلُحَ علیه

ص پر زبر یا فتح۔ ل پر پیش اور ح پر زبر" صَ لُ حَ "

حضرۃ الشیخ :- جی ہاں اسی طرح ہے۔

مسترشد :- اس کے ساتھ دوسرا مقام ہے۔

" ان تحِلَّ علی غضب وتنزل عَلیَّ سَخطَكَ "

عَلٰیَّ ۔ل کے اوپر کا '۱' زاید معلوم ہوتا ہے۔ زیادہ اشکال یہیں پیدا ہوتا ہے

حضرۃ الشیخ :- ہاں زائد ہے۔ بلکہ غلط ہے۔ "عَلَیَّ" پڑھئے۔

والسلام

مکتوب نمبر ۱۱

حضرۃ الشیخ :- عزیزی ومحبی۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد :- قبولیت ہدیہ (ٹائم پیس۔ اشرف) کیلئے تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

حضرۃ الشیخ :- آپ کے تحفہ کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

مسترشد :- پچھلے تین چار دن سے تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھل سکی، الارم وغیرہ ناکافی ثابت ہوئے۔

حضرۃ الشیخ :- انشاء اللہ تعالیٰ عادت پختہ ہوجائیگی۔ تو پھر آپ اٹھنا چاہیں گے تو بھی انشاء اللہ اٹھیں گے۔

مسترشد :- اپنی حالت پر طبیعت کڑھنے لگتی ہے۔ اور سوچتا ہوں

یہ راہِ شوق کس سے کبھی طے ہوئی ریاض

حضرۃ الشیخ :- اس قسم کے واقعات پر یہ سمجھ کر صبر کرنا چاہیئے، کہ اس وقت مرضی الٰہی یہی تھی۔

مسترشد :- آپ کی توجہ اور محبت سے ہمت پھر بڑھ جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق

باشد بقدرِ ہمت تو اعتبار تو

مسترشد :- اپنی دعاؤں میں یاد فرمالیا کیجیے۔

حضرۃ الشیخؒ :- دل سے دعا ہے۔

مکتوب نمبر ۱۲

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- محب عزیز زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :- کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے۔ کہ کہیں آپ واپسی کا قصد نہ فرمالیں۔ اس سے طبیعت کو بہت وحشت ہوتی ہے۔ ویسے تو آپ سے وابستگی ہوگئی ہے۔ کہ انشاءاللہ زمان و مکان کا بعد اس کو کم نہ کر پائے گا۔ پھر بھی موجودگی موجودگی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اس راہ میں قرب و بعد ایک ہے۔ شیخ کے واسطہ سے جس کا قرب مطلوب ہے وہ تو قریبٌ مُجیبٌ ہے اور اقربُ من حبل الورید

— رگ جان سے بھی قریب
اک ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مسترشد :- اگر گستاخی نہ ہو تو چند شعر عرض کروں۔ براہ کرم اصلاح فرما دیجئے

کب عشق ہو مفقود گو بڑھ گئے فرزانے
اس دور خرد میں بھی مل جاتے ہیں دیوانے
کیوں اشک ڈھلک آئے کیا ٹھیس لگی دل کو
موجود تو ہیں اے شمع کم ہی سہی پروانے
اب فیض محبت سے ہر گام پہ منزل ہے
اک لطف دیا ہم کو اس وسعتِ صحرا نے

حضرۃ الشیخؒ :- اچھے شعر ہیں محتاج اصلاح نہیں، لیکن میں شاعر نہیں اور نہ اصلاحِ شعر کی ہمہ گیر اہلیت۔

مسترشد :- میں اپنے طور پر یہ سمجھتا ہوں۔ کہ "تجرد" خیالات کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ یہ محض ایک فریب خیال ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی حکمتیں رکھی ہوں، اور خدا ہی جانے تاہل کی زندگی کی برکات زیادہ ہوں یا تجرد کی دعا فرمائیں کہ ایسے خیالات ذہن اور دل پر بُرے اثرات نہ ڈالیں۔

حضرۃ الشیخ :- جی ہاں تجرد سے خیالات میں انتشار ہوتے ہیں، گو تاہل میں بھی انتشار ہوتا ہے۔ مگر دونوں انتشاروں کی نوعیت میں فرق ہوتا ہے۔ تجرد میں دوامی انتشار اور تاہل میں گاہے چنیں و گاہے چناں، لیکن اخلاق کی درستی اور

نظر کی قید کے لئے تامل بہت مفید ہے۔

مکتوب نمبر ۱۳[1]

(بنام سید عبد الرحمان صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی و مخلصی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- ایک دن آپ نے اپنے ارشادات کے دوران 'اللہ' کہا اور پھر اس (متعلق) بیان فرمایا۔ اس سے متأثر ہو کر (اللہ کے عنوان سے) ایک غزل لکھی جو حاضر خدمت ہے۔

نام ان کا اور جان کے ساز پر ❊ ہر رگ جان[2] ص کھنچ گئی آواز پر

کچھ تمہارے دیکھنے کا طرز ہے ❊ پھول ہیں شاہد تمہارے ناز پر

جبؔ پکارا سامنے آپ آگئے ❊ ہمؔ تو مرتے ہیں اسی انداز پر

شوق بڑھ جائے تو کھل جاتا ہے راز ❊ فوقیت افشا کو ہے یوں راز پر

آخر شب ان کا وعدہ ہے ریاض ❊ آفریں ہے گوش بر آواز پر

---

۱ یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ کے ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ کے خط کے جواب میں ہے۔ تاریخ تحریر غالباً ۱۶ ذی الحجہ ۶۹ھ ہو گی۔ اشرف

۲ حضرت والا نے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے۔ "ہر رگ جان کھنچ گئی آواز پر"۔ نیز تیسرے شعر کے دونوں مصرعوں۔ 'جب پکارا سامنے آپ آگئے ❊ ہم تو مرتے ہیں اسی انداز پر' 'صاد' کا نشان ثبت فرمایا ہے۔ (اشرف)

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس غزل کے چند مصرعے مجھے پسند آئے۔ جن پر صاد بنا دیا ہے خیر غزل تو ایک رنگ طبیعت ہے۔ ضرورت اسکی ہے کہ واقعاً اس آواز کو ہر رگ جان میں اتر جانا چاہیئے۔

مسترشد :۔ بعض اوقات عصر کی جماعت ہونے والی ہوتی ہے یا ہو رہی ہوتی ہے تو طبیعت کو چار سنت چھوڑتے ہوئے کوفت ہوتی ہے۔ لیکن جماعت میں شامل ہوجاتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بے شک جماعت ہی میں شامل ہوجانا چاہیئے اور طبیعت پر ترک سنت سے کوفت ہونا۔ بڑی مبارک حالت ہے۔ اس لئے اسکا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وقت سے پہلے مسجد پہنچ جائیں۔

مکتوب[1] نمبر ۱۴

(بنام سیّد عبد الرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز محب زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ عرصے سے کوئی عریضہ حضرت کی خدمت میں پیش نہیں کیا معذرت خواہ ہوں۔

حضرت الشیخؒ :۔ اس میں معذرت کی کوئی بات نہیں

---

[1] :۔ یہ مکتوب غالباً ۲۱ یا ۲۲ محرم ۱۳۷۰ھ کا ہوگا۔ کہ مکتوب الیہ کا ایک دوسرا دستی رقعہ ۲۳ محرم ۱۳۷۰ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے یہی قیاس ہوتا ہے کہ اس رقعہ میں یہ عبارت تاریخ کے تعین میں رہنمائی کر سکتی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مسترشد:۔ اگرچہ اپنے آپ کو بیعت کے قابل نہیں پاتا پھر بھی .... اس گنہگار کو اپنے حاشیہ نشینوں میں جگہ دے دیجئے۔

حضرۃ الشیخ:۔ بیعت کوئی ضروری چیز نہیں۔ تاہم اگر اس سے کوئی دینی نفع سمجھتے ہیں، تو مجھے عذر نہیں۔

مسترشد:۔ تعلیم الدین کو ایک مرتبہ سرسری طور پر پڑھ لیا تھا۔ اب دوسری دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ اخذ مطالب میں علے المخصوص سلوک کے ابواب میں دقت ہوتی ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انشراح قلب عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ:۔ آمین

مسترشد:۔ براہ کرم اس عاصی وہیچ میرز کے نکاح کی دعا بھی فرمایا کریں۔ کیونکہ جو ٹوٹے پھوٹے اعمال بن پڑتے ہیں۔ وہ بھی عدم نکاح کی وجہ سے پیدا شدہ انتشار سے ضائع ہو جانے کے خدشے میں رہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخ:۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔

مسترشد:۔ آخر میں اپنی بیعت کی درخواست دہرانے کی جسارت کرتا ہوں ؎

دل رکھ دیا ہے سامنے لاکر خلوص سے ... اب اس سے آگے کام تمہاری نظر کا ہے

حضرۃ الشیخ:۔ دوشنبہ کی صبح کو بعد نماز و فراغتِ تفسیر انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام

(بقیہ حاشیہ) "آپ نے اس حقیر کی درخواست (بیعت) کو فی سبیل اللہ شرف قبولیت بخشا انشاء اللہ کل صبح بعد از تفسیر اس سعادت کیلئے حاضر ہو جاؤنگا ... کل سے دل ایک عجیب کیفیت محسوس کر رہا ہے۔"

بہر حال یہ راقم کا قیاس ہے واللہ اعلم (اشرف) ۲۳ کے رقعہ پر حضرتؒ کے ہاتھ کی کوئی تحریر نہیں۔

مکتوب نمبر ۱۵

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ عزیزی ومحبی وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ آج حضرت سے بیعت کو ایک ہفتہ پورا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس عرصے میں اشغال ماموره میں کوتاہی نہیں ہوئی بیعت سے مشرف ہوجانے کے بعد یہ خیال آیا آپ نے شفقت سے شغل بھی کم سے بتائے ہیں۔ ان میں تو غفلت مناسب نہیں انشاء اللہ اب اس میں کوتاہی نہ ہوگی ..... آخر شب اٹھنے کی عادت راسخ ہوتی جاتی ہے" خط کشیدہ عبارت کے مقابل حضرت والا رحؒ نے 'مبارک' لکھا ہے۔

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ مبارک

مسترشد:۔ دعاء فرمایا کریں کہ جو عمل مجھ ایسے حقیر و بے عمل سے ہوجائے وہ خامیوں سے بچا رہے۔

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ دعا ہے۔

مسترشد:۔ کل بازار میں ایک کمبل دیکھا تھا۔ میری یہ خواہش ہے کہ اگر اجازت ہو تو وہ خرید کر ہدیۃً پیش کردوں۔

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ یہ تو آپ کرچکے

مسترشد:۔ اس ہدیہ سے مجھ پر بار بالکل نہیں پڑے گا۔

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ اگر بار نہ ہو تو آپ کو اختیار ہے۔

لے :۔ یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے یکم صفر ۱۳۷۰ھ کے دستی رقعہ (خط) کے جواب میں ہے
تاریخ غالباً ۲ صفر ۷۰ھ ہوگی۔ (اشرف)

مکتوب نمبر ۱۶[لے]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ مخلص عزیزی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ حضرت کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ چند دن ہوئے دفتر میں مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا میں بصرہ جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے رضامندی ظاہر کردی.....

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ بہتر فرمائیں۔

مسترشد :۔ پہلے تو میں کسی دوسرے ملک میں جانے سے پہلے شادی ضروری سمجھتا تھا۔ لیکن اب یہ سوچنے لگا ہوں۔ کہ میں واقعات کو اپنے خیال کے مطابق توڑ ڈھال نہیں سکتا۔ جب مشیت ایزدی ہوگی کوئی کام سرانجام دیا جائے گا۔ میری تقدیم و تاخیر سے کیا ہوتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس معاملہ میں آپ کے اہل خاندان بہتر مشورہ دے سکتے ہیں، فقیر دعاء کرتا ہے۔

لے :۔ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے ۱۷، ۱۸ صفر ۱۳۷۰ھ کے دستی رقعہ (خط) کے جواب میں ہے
تاریخ تحریر غالباً ۱۹ صفر ۷۰ھ ہوگی۔ (اشرف)

مسترشد :- میں کبھی کبھی عصر کی نماز کے بعد قضا عصر پڑھ لیتا ہے۔ ایک دوست نے اس سے منع کیا۔ صحیح صورت سے مطلع فرما دیجئے۔

حضرۃ الشیخؒ :- عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ آپ فرض عصر سے پہلے کریں۔

مسترشد :- آج کل بہت ایذا پہنچ رہی ہے۔ دفتر میں ہمارے سپرنٹنڈنٹ بدل گئے ہیں۔ اور آنے والے صاحب خواہ مخواہ کی پنخ نکالتے رہتے ہیں... زیادہ میرے ساتھ ہی الجھنا ہوتا ہے۔ دعا فرمائیے۔ کہ اللہ تعالیٰ سکون عطا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ کا کرم چاہیئے۔ ؎

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

مسترشد :- جب آپ لائیلپور تشریف لے گئے تھے تو کچھ شعر لکھے تھے وہ پیش کرتا ہوں؛ سفر ۱۴ صفر ۸۰ھ (حضرت والاؒ نے بعض اشعار پر صاد اور بعض کی حاشیہ پر اصلاح فرمائی ہے جو درج ہے : اشرف)

۳- آپ جاتے ہیں شوق سے جائیں ؛ ہم کہاں جا کے دل کو بہلائیں

۴- آ گئی ہے نمی سی آنکھوں میں ؛ منع گریہ نہ دوست فرمائیں

ظلمت شب سے دل لرزتا ہے ؛ پڑ رہی ہیں اندھیری پرچھائیں (پرچھائیاں چاہیئے)

یہ محفل اداس و تیرہ و تار ؛ کس کی باتیں دلوں کو برمائیں (گرمائیں)

(یہ غلط ہے۔ تیرہ و تار کے مقابل نور ہو جائے اور گرمی کے مقابل سردی (حضرت والاؒ)

کاش ممکن ہوں یار کے جلوے ؛ دلِ بے کیفیت میں بس جائیں (صحیح لفظ کیفیت ہے)

حضرۃ الشیخؒ :- دیکھے اور محظوظ ہوا

مکتوب نمبر ۱۷ [۱]

حضرۃ الشیخؒ :- (بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی و مخلصی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

مسترشد :- الحمد للہ کہ حضرت والاؒ کے اہل و عیال بخیریت آگئے ہیں اب حضرت کے پاکستان میں مقیم ہوجانے کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- انشاء اللہ تعالیٰ

مسترشد :- میرے پاس کافی رقم ہوتی ہے جو یونہی خرچ ہو جاتی ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہر ماہ ۵۰/- (پچاس) روپے میں پیش خدمت کر دیا کروں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کی اس ہمت پر آپ کو مبارکباد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید خیر و برکت عطا فرمائیں۔ مجھے بحمد اللہ تعالیٰ سردست ضرورت نہیں، مگر آپ کو (آپ) خود اپنے لئے پس انداز کیجئے۔ آپ کو بوقت ضرورت کام آئے گا۔

مسترشد :- اگر صبح کی نماز کے بعد یا پہلے قضا فرض ایسی صورت میں پڑھ لئے جائیں کہ اشراق کے ساتھ وقت نہ ملنے کا اندیشہ ہو۔ تو بھی شاید درست ہو۔ اگر کسی وقت

---

[۱] :- یہ گرامی نامہ سید عبدالرحمٰن صاحب کے ۲۳ صفر ۱۳۷۰ھ کے جواب میں ہے غالباً ۲۴ صفر کا ہوگا۔ اشرف

کی نماز کے ساتھ اس کے قضا فرض کسی وجہ سے نہ پڑھے جا سکیں تو ان کو کسی اور نماز کے ساتھ تو ادا کیا جا سکتا ہوگا۔ صحیح صورت سے آگاہ فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:- جی ہاں فجر کی فرض نماز کے بعد تا طلوع آفتاب کسی نماز کا وقت نہیں قضائے فجر، فجر کی سنت سے بھی پہلے پڑھ لیں، کسی اور نماز کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

گرمائیں ^۱

مکتوب نمبر۔ ۱۸ ^۲

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:- عزیز من ومخلص من زادکم اللہ تعالیٰ توفیقا

---

۱ مکتوب الیہ نے اپنے گذشتہ خط میں جو غزل بھیجی تھی وہ ترمیم کے ساتھ اصلاح ثانی کے لئے دوبارہ پیش کی۔ حضرت والاؒ نے اس شعر میں 'برمائیں' کو گرمائیں سے بدل دیا

وہ نہیں تو اداس ہے محفل ؛ کسی کی باتیں دلوں کو "برمائیں"

اور اس شعر پر صاد کا نشان لگا دیا۔

وہ تو جاتے ہیں اے ریاض حزیں ؛ ان کے جو ہو چکے کہاں جائیں۔ (اشرف)

۲ یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے ۲۹ صفر ۱۳۷۵ھ کے دستی رقعہ کے جواب میں ہے تاریخ تحریر اسی دن یا اس سے ایک دن بعد ہوگی۔ (اشرف)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ مناجات مقبول کے ختم پر جی چاہتا ہے کہ حضرت کا اسم گرامی بھی شامل کرلیا کروں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں شامل کرلیجئے اور میرے لئے حسنِ خاتمہ کی دعاء کیجئے۔

مسترشد:۔ اب حضرت والا سے زیادہ اور کسی سے تعلق ہے نہیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ آپ کے اخلاص و محبت کا کرشمہ ہے۔ خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مزید حسن عمل کا ذریعہ بنائیں۔

مسترشد:۔ مکتوب الیہ نے چند اشعار لکھ کر بھیجے جن میں حضرۃ شیخؒ کا بھی تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا تھا۔

شیخ کی گفتار الا اللہ ہے ∴ افضل الذکر الا اللہ ہے
پیروی شیخ واجب ہوگئی ∴ شیخؒ کا کردار الا اللہ ہے
روئے روشن پر ہے بارش نور کی ∴ مصدر انوار الا اللہ ہے
دل میں کب اترے یہ جذبہ دیکھئے ∴ شیخؒ کی تکرار الا اللہ ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ میں آپ کے شعروں میں ذکر کئے جانے کے قابل نہیں

مسترشد:۔ اب حضرۃ والا کو چھوڑ کر کسی دور دراز جگہ (بصرہ) چلے جانے کے خیال سے دل کو تکلیف سی ہوتی ہے۔ یہاں دفتر کے حالات کی بنا پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے۔ اطمینان قلب کی دعاء کا متمنی ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ سفر سے نہ گھبرائیں۔ کیا عجب کہ بُعد و ہجر محبت کے ازدیاد کا باعث بنے۔ صرف یہ خیال رہے کہ بے دینوں کی صحبت سے احتراز ہوتا

جائے اور ذکر الٰہی سے دل کو تازہ رکھا جائے اور اسکو حاضر و ناظر سمجھا جائے۔
آپ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۱۹[1]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ مخلص عزیز۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ اس چیز سے خوشی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم چشموں میں رسوا نہیں کیا۔ اور جہاں لوگ دنیاوی سفارشوں سے کامیاب ہوتے ہیں۔ وہاں ایک ناکارہ انسان بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرے۔ مجھے کل ۴۷۰/۰ روپے تنخواہ ملے گی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو یہ دنیاوی ترقی نصیب کی۔ آپ کو دینی سعادت بھی عطا فرمائیں۔

مسترشد :۔ استخارہ کیا تھا خواب کچھ ایسا دکھائی دیا۔ جس میں ہمارے افسر صاحب مجھ سے خواہ مخواہ بگڑ رہے ہیں۔ اگرچہ مجھے کچھ خاص پریشانی محسوس نہ ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تو پاک باش برادر مدار از کس باک

مسترشد :۔ جانے سے پہلے اگر نکاح کی مشکل حل ہو سکے تو بہتر ہوگا۔ حضرت سے

---

[1] :۔ حضرت والا کا یہ گرامی نامہ ۲۱ ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کے مکتوب الیہ کے دستی رقعہ کے جواب میں ہے۔ تاریخ تحریر ۲۲ ربیع الاول ۷۰ھ ہوگی۔ (اشرف)

دعاء کی درخواست کرتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- نکاح کے لئے میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں۔ اس کے لئے آپ کو اپنے حلقۂ قرابت میں کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی میں انجام کی راحت ہے۔ دعاء برابر کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۰ [1]

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی و مخلصی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

مسترشد :- چند روز بعد بصرے روانگی ہوگی .... وہاں کی فضا بھی کچھ ساز گار نہیں اور مسافر ابھی سے شکست خوردہ ہے۔ دعاء فرمائیں کہ ایسے بے یار و مددگار مسافر کو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- وہاں جانا مبارک ہو۔ خدا کرے دنیا کے ساتھ دین کا بھی فائدہ ہو اس کے بہتر ہے کہ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ اور رسائل بھی ساتھ لیتے جائیں اور مطالعہ میں رکھیں

مسترشد :- پچھلے دنوں اپنے ہاں کے دور کے عزیزوں میں سے ایک رشتے کا پتہ

---

[1] ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ کے عبدالرحمٰن صاحب کے خط کے جواب میں ہے تاریخ تحریر ۱۴ ربیع الثانی ہوگی۔

چلاتھا۔ ماموں جان نے ان سے کچھ ذکر کیا۔ انہوں نے آمادگی سی ظاہر کی ابھی پیام کا سلسلہ نہیں ہوا۔ میں کچھ مطمئن نہیں۔ ان کا وہی نقشہ ہے جس سے مجھے چڑ سی ہے۔ دین سے دوری اور دنیا میں انہماک۔ طبیعت کو ذرا برابر انشراح نہیں۔ یہ اس لئے عرض کررہا ہوں۔ کہ اس سے قبل جو رشتہ ہوا تھا وہ بھی اسی وضع کے لوگ تھے۔ اور پہلی ملاقات میں جو پہلی فرمائش ہوئی تھی۔ وہ ڈاڑھی منڈانے کی تھی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ شادی میں لڑکی کا انتخاب

میری رائے میں تو کسی مناسب جگہ دیکھ کر آپ فیصلہ کرلیں۔ اور اس کو حضرت کی تصانیف کے مطالعہ کے ذریعے راہ راست پر لائیں۔ معمولی تعلیم کی لڑکی ہو تو بہتر ہے۔

مسترشد :۔ موجودہ رشتے کے متعلق یہ بھی عرض کردوں کہ لڑکی کے والد صاحب نے خود غیر سید رشتہ کیا تھا۔ اور شاید اس سے نجیب الطرفین ہونے میں بھی فرق آجاتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ پہلے سے شرائط طے کرلیں۔ نجابت خاندان کے باب میں اس درجہ تدقیق نہ کریں۔

مسترشد :۔ آپ سے دعاء کی درخواست ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے لئے دعاء گو ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۱

(بنام سید الرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- محب عزیز زادکم اللہ تعالیٰ حباً فی اللہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مسترشد :- سوتے وقت بعض اوقات استغفار ۷۰ مرتبہ پورا نہیں ہوتا ..... اب کہ بصرہ میں فرصت زیادہ ملنے کے امکانات ہیں ..... خواہش ہے کہ حضرت کچھ مزید شغل تجویز فرمادیں۔ باقی کمی بیشی حضرت والا کے فیصلے پر منحصر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- استغفار سو مرتبہ کریں۔ اگر آپ ذکر کرتے ہوں تو اوس کی تعداد بڑھا دیں۔ اور آپ بکثرت تسبیح سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ اکثر زبان سے پڑھا کریں۔ اگر ذکر نہ کرتے ہوں۔ تو ذکر کی صورت مجھ سے سمجھ لیں۔

مسترشد :- گھر کے سامان میں کچھ ایسا ہے کہ اسے بصرہ لے جانا مشکل ہے۔ اگر اس میں سے کوئی چیز حضرت کے کام آسکے تو اجازت بخشیں کہ میں خدمت والا میں پیش کرسکوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ چیزیں آپ چاہیں تو ہمارے ہاں رکھوادیں۔ والسلام

لے یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے ۲، جمادی اول ۱۳۷۰ھ کے خط کے جواب میں ہے تاریخ تحریر ۳، جمادی الاول ۱۳۷۰ھ ہوگی۔

مکتوب۔ نمبر ۲۲

بنام سید عبد الرحمٰن صاحب

انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مورخہ ۵ جمادی الاولی ۱۳۷۰ھ۔

عزیزی سید عبد الرحمٰن صاحب وفقہ اللہ تعالیٰ۔

عزیزی ومخلصی وحبیبی فی اللہ تعالیٰ رزقکم اللہ تعالیٰ رزقا حسنا فی الدنیا والآخرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کو میں نے کل ذکر زبانی اجازت دی تھی۔ اب تحریری دیتا ہوں۔ بعد تہجد ۱۱، دفعہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ پڑھ کر پھر ۱۱، دفعہ اللھم صل علی محمد النبی الاُمّی وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم پڑھ کر یہ دعا پڑھیں اللھم نَوِّرْ قَلْبِی بِاَنْوارِ مَعْرِفَتِكَ وَطَهِّرْ قَلْبِی عَمَّا سِوَاكَ ۳۰ دفعہ پھر ڈھائی ہزار دفعہ اللہ ذرا ہلکی آواز سے پڑھیں۔ ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب (مگر یہ سمجھیں کہ ضرب کوئی دینی امر نہیں۔ بلکہ محض علاج کے طور پر ہے کہ مؤثر ہو) اس کے بعد درود مذکور پڑھ کر ختم کردیں۔

ذکر کے وقت یہ تصور کریں کہ عرش سے نور آپ کے قلب پر پڑ رہا ہے (یہ تصور بھی دینی امر نہیں ہے۔ بلکہ بطور معالجہ کے ہے، تاکہ یکسوئی ہو)

یہ فقیر الی اللہ جب سے پاکستان آیا ہے۔ آپکی محبت برابر اُس کے ساتھ رہی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں۔ اور دین و دنیا میں آپ کو سعادت عطا فرمائیں۔ آپ جا رہے[1]

[1] بصرہ (جامع)

ہیں۔ میری دلی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں، وصیت کرتا ہوں کہ قدم استقامت کی راہ پر قائم رہے، اور نگاہ محارم سے بچیں۔ حضرت والا[1] رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف زیر مطالعہ رہیں۔ نماز با جماعت کا حتی الوسع اہتمام رہے۔

مشائخ رحمہم اللہ کے طریق پر ایک تسبیح و داعی ہدیہ کے طور پر قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ برکت دیں۔

والسلام

الفقیر الی اللہ الغنی

سلیمان

مکتوب نمبر ۲۳

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

کراچی ۵

عزیزی مخلص ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا تار بر وقت ملا اور آپ کا خط بھی پہنچا، آپ کے بخیریت تمام پہنچنے سے اطمینان ہوا۔ آپ کے خط کا انتظار تھا۔ بحمد اللہ تعالیٰ کہ وہ دور ہوا۔

گو میں عراق نہیں گیا، لیکن آنے جانے والوں سے جو کچھ سنتا رہا، اسی کی بنا پر میں نے آپ کو چند نصیحتیں لکھی تھی، یہ دنیا اس طرح مفاسد سے بھر گئی ہے۔ کہ کسی دیندار

---

[1] حضرۃ حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ (جامع)

آدمی کو اس کے تقاضے کے مطابق ملنا مشکل ہو گیا ہے، ہر گوشہ سے فتنے سر نکالے ہوئے ہیں۔ اب انسان کی حفاظت کے دو ہی راستے ہیں، ایک انسان کی عزیمت و ہمت جو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اپنے بندہ کو ودیعت کی ہے، دوسرے اس کی توفیق، پس انھیں دو ذریعوں سے کام لینا چاہیئے، اپنی عزیمت و ہمت کو اپنی قوت ارادہ سے ہمیشہ مضبوط رکھنا چاہیئے۔ اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا ہمیشہ مانگا (مانگنا۔ اشرف) چاہیئے۔ اور دعاؤں میں کہنا چاہیئے۔ کہ خداوندا ہم میں کیا ہے تیری توفیق ہم کو برائیوں سے بچا سکتی ہے، اور نیکی کی راہ پر چلا سکتی ہے۔ لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ کے یہی معنی ہیں، کہ انسان میں نیکی کی قوت اور بدی سے بچنے کی صلاحیت صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی سے ممکن ہے۔ یعنی معنی سمجھ کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کی کثرت کی جائے۔

• نامحرم عورتوں سے خلوت میں ملنا بڑے خطرہ کی بات ہے۔

اپنے لباس میں اور جسم میں صفائی اور بے تکلف صفائی اور ستھرائی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ لیکن اس سے نمائش اور دیکھاوے کا جذبہ نہ اُبھرے۔

نماز پنجگانہ باجماعت اور تلاوت اور تہجد اور ذکر کا اہتمام چاہیئے۔ آپ نے نکاح کے متعلق فیصلہ کر لیا ہوتا تو جسم و قلب کے اطمینان کا باعث ہوتا۔ معمولی دنیاوی فائدوں کیلئے غلط راہ اختیار نہیں کرنی چاہیئے کہ وہ تشویش قلب کا باعث بھی بنتی ہے، اور خسارۂ آخرت بھی۔

عزیزی غلام محمد صاحب نے کہا ہے کہ اگر آپ کے مکان میں میرے قیام کے سبب سے آپ کو کوئی زحمت ہو رہی ہو تو بے تکلف آپ اُنہیں لکھدیں۔ وہ تعمیل کریں گے۔ آپ کیلئے دعا ہے۔

والسلام — فقیر سید سلیمان۔ ۴ مارچ ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۲۴

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز مخلص وفقکم اللہ تعالیٰ وسلم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا لفافہ ملا۔ آپ کے پہلے لفافہ کے جواب میں جو خط میں نے لکھا ہے۔ وہ شاید آپ کو مل چکا ہو، آپ کے اس تازہ خط سے آپ کے مزید حالات معلوم ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ (آپ) کو نیکی کی توفیق اور اپنی ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کی سعادت عطا فرمائیں، بے شبہہ اللہ تعالیٰ کی امداد و توفیق کے بغیر کوئی کام انجام نہیں پا سکتا، انسان کو اپنے فرض سے کام رکھنا چاہیئے۔ لوگوں کی قیل وقال کی پرواہ نہ کی جائے۔ آپ ابو لحیہ کہنے سے چڑھیں نہیں، کیا کوئی آپ کو مسلم کہہ کر چڑھائے تو چڑھیے گا۔ اور اسلام چھوڑ دیجیے گا۔

آپ نے فرنیچر کے لئے مشورہ پوچھا ہے، تو کوئی حرج نہیں، خرید لیجئے۔

اس سے خوشی ہوئی کہ آپ کے معمولات جاری ہیں، اللہ تعالیٰ راہِ حق پر قائم رکھیں، یہ دنیا تماشا گاہ ہے، اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔

عزیزی سلمان اور ابو عاصم صاحب کی طرف سے سلام قبول فرمائیے

یہاں حالات پرامن اور باسکون ہیں۔ والسلام

الفقیر الی اللہ

سلیمان۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۲۵

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

کراچی ۵ - چمن اسٹریٹ

صدیق مخلص وعزیز صادق الوداد وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط مورخہ (ندارد) ملا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ آپ مع الخیر اپنے فرائض ومعمولات میں مصروف ہیں، عبادت کے بعد سب سے زیادہ اہمیت معاملات میں صفائی اور حسن خلق کا درجہ ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف اور رسائل ومواعظ کے مطالعہ سے یہ حقیقت اب آپ پر مخفی نہ رہی ہوگی، اسلامی ملکوں پر تفرنج کا اثر بعید غلو کے ساتھ پڑا ہے۔ اور وہاں کے مسلمانوں نے یورپ کی ظاہری معاشرت ہی کی نقالی کو سمجھا ہے۔ اسکی اہم دفعات عورت، شراب اور سامان آرائش وتفریح کو سمجھا ہے۔ حالانکہ یہ یورپ کے تمدن کے عیوب ہیں، ہنر نہیں ہیں۔

[میں نے (؟)] ..... لباس اور جسم کی صفائی سے میرا مقصود یہ ہے۔ کہ لباس صاف ستھرا رکھیئے، لباس ایسا پہنیئے جو ملک میں اچھے اخلاق والوں کا شیوہ ہو، مثلاً شیروانی پہن کر نکلیں، صرف قمیض، پاجامہ میں نکلنا وہاں معیوب سمجھا جاتا ہوگا۔ بدن بھی صاف رہے۔ داڑھی اور بالوں (اور) کنگھا کیجئے۔ داڑھی کے بالوں جو ادھر ادھر بے قاعدہ ہوں۔ ان کو کترواکر قاعدہ بنالیں، کہ دیکھنے میں بُری نہ معلوم ہو۔ تاکہ لوگ آپ کی بے پرواہی سے نفس داڑھی کو برا نہ سمجھنے لگیں، مونچھیں بڑی نہ رہیں۔ کہ ان کو لب پر نہ آنے دیجئے بلکہ بہت چھوٹی رکھئے۔

علالت کی معذرت سے اگر معمولات میں اتفاقاً رخنہ پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب ملے گا۔ آپ اپنے اندر سستی و کوتاہی کے سبب سے کوئی رخنہ نہ پڑنے دیں۔

مسجد میں قرآن پاک کا سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا ہے۔

آج میں ایک ہفتہ کے لئے لاہور پنجاب یونیورسٹی کمیشن میں جا رہا ہوں۔

بحمد اللہ تعالیٰ خیریت ہے۔

غلام محمد صاحب نے آپ کو خط لکھا ہے۔ جس میں کوارٹر کی صورت حال لکھ دی ہوگی، وہ بھی میرے ساتھ چند روز کے لیے آج لاہور جا رہے ہیں۔

ابو عاصم اور سلمان اور ان کی والدہ کی طرف سے بھی سلام مسنون قبول کریں۔ دو ہوائی لفافے آپ کے پہنچے تھے۔ میرے دو خط بھی آپ کو ملے ہوں گے۔ والسلام

سید سلیمان

۲۴ / مارچ ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۲۶ [۱]

(بنام سید عبد الرحمن صاحب)

حضرۃ الشیخ:۔ محب عزیز حفظکم اللہ تعالیٰ و سلم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔

۱:۔ یہ گرامی نامہ سید عبد الرحمن صاحب کے بصرہ کے ۶ جمادی الآخر ۱۳۷۰ھ کے خط کے جواب میں ہے۔ حضرت والا کے خط پر تحریر تاریخ ثبت نہیں۔

مسترشد :- ۸ جمادی الاخر کو زبیر گیا تھا۔ اسے پرانا بصرہ کہنا چاہیئے، وہاں حضرت طلحہ، زبیر اور حسن بصری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت ہوئی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی قبر خستہ حالت میں ہے۔ ایک گنبد میں ایک بڑی سی قبر ہے اور کوئی خادم وغیرہ وہاں نہیں۔ پاس ایک ویران آبادی کے نشانات ہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر زبیر نامی آبادی ہے۔ جامع مسجد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آرام فرمائیں۔ اس آبادی سے ملحقہ قبرستان میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ مدفون ہیں۔ وہاں ایک خاص اطمینان سا محسوس ہوا۔ ان مقامات پر حاضری کے آداب سے واقفیت کی خواہش ہے کیونکہ وہاں جانے کو جی چاہتا ہے۔

حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ :- مزارات پر حاضر ہو کر اصحاب مزارات کے لئے دعا کرنی چاہیئے اور دعائے قبرستان پڑھنی چاہیئے۔ ان سے کوئی دعا اپنے لئے نہیں چاہنا چاہیئے۔ اس کا لحاظ رہے۔

مکتوب نمبر ۲۷ [۱]

(بنام سید عبدالرحمن صاحب)

حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ :- عزیزی وحبیبی وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مسترشد :- داڑھی کے متعلق میرا خیال یہی تھا۔ کہ کترنا درست نہیں۔ حضرت والا کے

---

[۱] :- یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے عشارہ بصرہ کے ۲۲ جمادی الاخرہ ۱۳۷۰ھ کے خط کے جواب میں ہے۔ تاریخ تحریر

ارشاد کے بعد میں اسے درست کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- داڑھی کی لمبائی ایک مشت سے زیادہ ہو تو اسکو قینچی سے لے لیں

مونچھیں لبوں سے نیچی رہیں

مسترشد :- اللہ تعالیٰ سفر لاہور کو ہر طرح مبارک فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- بخیریت واپسی ہوئی۔

مسترشد :- اللہ تعالیٰ مسجد میں درس قرآن پاک میں اور برکت عطا فرمائیں اور یہ

فیض کا سرچشمہ جاری رہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور سننے والوں کو فائدہ پہنچائیں۔

مسترشد :- میں نے برادر محترم غلام محمد صاحب کی خدمت میں ایک دوسرا عریضہ

ارسال کیا تھا..... خدا کرے (اسٹیٹ آفیسر) کوارٹر کے سلسلے میں مناسب کاروائی کی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- مجھے یاد رہا تو ان سے پوچھوں گا۔

مسترشد :- اللہ تعالیٰ عبادات، صفائی معاملات اور حسن خلق سے بہرہ یاب فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- سید ابو عاصم و سلمان سلمہ اور حضرت پیرانی صاحبہ کی خدمت میں سلام۔

حضرۃ الشیخؒ :- ان کی طرف سے بھی سلام قبول ہو۔

"عوالت" کے متعلق ہر خط میں کچھ نہ کچھ لکھا کریں۔

مسترشد :- حضرت کو میرے خط کے جواب میں کچھ نہ کچھ خرچ کرنا پڑ رہا ہے

اگرچہ: "برکریماں کارہا دشوار نیست"

تاہم یہ خیال تکلیف دہ ہے۔ اجازت فرمائیں تو کوئی شکل نکالوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- میرے پاس جب تک سامان ممکن ہے۔ضرورت نہیں۔کوئی سامان اگر کرسکتے ہوں تو کرلیجئے۔

مکتوب نمبر ۲۸

(بنام سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزی وحبی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :- ایک عریضہ تین ہفتے پہلے ارسال کیا تھا۔جواب نہ آنے سے طبیعت بےچین رہتی ہے۔خدا کرے حضرت والا بخیر وعافیت ہوں...... اگر حضرت والا نے مشغولیات کی وجہ سے نہ لکھا ہو تو خیر مضائقہ نہیں جس چیز سے ڈر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ کہیں خاطرِ اشرف پر بار تو نہیں گذرا .....“

حضرۃ الشیخؒ :- الحمدللہ تعالیٰ کہ خیریت ہے، البتہ کئی ماہ سے داہنے ہاتھ میں درد ہے اللہ تعالیٰ شفا دیں۔

آپ کے خطوط ملتے رہے۔آپکی خیریت معلوم ہوتی رہی۔آپکے لئے دعاء خیر وبرکت اور ترقی ظاہری وباطنی کرتا ہوں۔

مسترشد :- میرے معمولات میں رخنہ پڑتے گئے ہیں اور میں انہیں بعد از وقت پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔کچھ روح ہی مفلوج سی نظر آتی ہے۔براہ کرم اس حقیر ترین خلائق کی کوتاہیوں پر نگاہ عفو وکرم ڈالیئے۔

حضرۃ الشیخؒ :- معمولات میں رخنہ پڑنا ترک ہونے کی تمہید ہے۔اگر حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ

کے رسائل روزانہ مطالعہ میں رہتے تو یہ کیفیت نہ ہوتی، نماز، نوافل، ذکر، تلاوت اور اخلاق و معاملات کی نگرانی، یہ چند امور ہیں، جو لحاظ کے قابل ہیں ان پر ہمیشہ نظر رہے تو روح مفلوج نہ ہوگی۔

فقیر سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲۹

(بنام سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

مورخہ۔ ۶ مئی ۱۹۵۱ء

عزیز مکرم سلمکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط ملا تھا۔ جس بات کی آپ نے تصریح کی ہے۔ اس کو تو اشارہ و کنایہ سے آپ نے یہاں بھی ظاہر کیا تھا۔ میں نے اسی اشارہ و کنایہ میں آپ کو جواب بھی دے دیا تھا۔ پھر تصریح چنداں ضروری نہ تھی۔ نکاح اور بیاہ کے معاملات اہل خاندان ہی میں مفید ہیں، اسی لئے میں آپ کو اسی کا مشورہ دیتا رہا، اور اب بھی یہی مشورہ رہا۔

آپ نے ایک دفعہ کسی کے ہاتھ کھجور بھیجی تھی۔ وہ کھجور محفوظ نہیں پہنچی، بکس توڑ کر ۸ بنڈل نکالے گئے تھے، معلوم نہیں کہ یہ آپ ہی نے کیا تھا، یا کسی نے راستہ میں کیا، پھر ایک اور صاحب کے ہاتھ کھجوریں پہنچیں جو محفوظ تھیں۔ ان میں دو پیکٹ تھے، ایک خط کے ساتھ پندرہ روپے بھی ملے۔

آپ نے جو کمبل ہدیہ دیا تھا۔ لاہور کے سفر میں دوسری چیزوں کے ساتھ وہ بھی
چوری ہوگیا، کچھ حرج نہیں، وللہ الحمد
یہاں ہر طرح خیریت ہے۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۳۰

(بنام سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

عزیزی المخلص ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں تقریباً ایک عشرہ کے سفر لاہور و راولپنڈی کے بعد کراچی واپس آیا، الحمدللہ تعالیٰ خیریت ہے۔

آپ کا خط مورخہ ۲، شعبان ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی، آپ کے لئے بارگاہ الٰہی میں دعاء ہے کہ وہ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو اپنی توفیق سے بہرہ ور فرماتا رہے۔

ہمیشہ کیلئے یہی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ تہجد اور ذکر کا اہتمام رہے۔ حضرۃ والا کی تصانیف کا مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ ہر بے راہ روی سے آپ کو بچائے گا۔ اور آپ کے قلب کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ رکھے گا۔

عراق کی سرزمین عجائبات سے لبریز ہے۔ لغزش پا کا موقع ہر راہگذار پر ہے۔
ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

معاملات پر خصوصیت سے نظر رہے۔

آپ نے جو پندرہ روپیہ بھجوائے ہیں، اُن کو میں آپ کی ڈاک میں صرف کرتا ہوں مگر احتیاط کے ساتھ اُس کا پورا حساب رکھنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے اگر اُس میں پوری احتیاط برتی نہ جا سکی تو آپ معاف کردیں، اور تصریح کردیں۔ کہ یہ آپ کی امانت ہے۔ جو غرض خاص کے لئے میرے پاس رکھوائی ہے۔ یا اس میں مجھے تصرف کی بھی اجازت ہے۔

آپ نے چھوٹے موٹے تحفوں کی اجازت چاہی ہے تو اسکی اجازت ہے

والسلام

سید سلیمان

۲۵ شعبان ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۱۳

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

کراچی

عزیزی و مخلصی وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ رمضان المبارک کے دن بخیر و خوبی سے گذر رہے ہیں۔ آج پندرہواں روزہ ہے۔ رات کو تراویح میرے ہی صحن میں ہوتی ہے۔ غلام محمد صاحب اور محلہ سے ڈاکٹر برکت صاحب اور دو تین اہل محلہ اور میرے گھر کے اعزہ اور ملازمین شریک ہوتے ہیں۔ والحمد للہ تعالیٰ۔

آپ کا لفافہ ملا۔ حالات معلوم ہوئے۔ آپ نے میرے اُس فقرہ کے جو آپ کے مرسلہ پندرہ روپیوں کے بارہ میں آپ کو لکھا تھا غلط معنی سمجھے۔ آپ کے روپے محفوظ ہیں میں نے حساب لکھ لیا ہے۔ اب تک صرف ۱۲؍ خرچ ہوئے ہیں، باقی سب موجود ہیں۔ کسی روپے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امانت بھی بار ہے۔ میری قلت حافظہ کی بنا پر اس میں اگر کمی بیشی ہو جائے تو اس کے معاف کئے جانے کی خواہش کی تھی اور بس۔

اور صاحبوں کی معرفت کھجوروں کے بکس پہنچے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ پہلے صاحب نے بحفاظت پہنچایا، یہ کوئی تاجر تھے، دوسرے صاحب جو ساتھ میں ایک شکستہ تولیہ اور ایک میز پوش لائے تھے بکس ٹوٹا ہوا اور اُس میں سے دو پیکٹ نکلے ہوئے تھے۔ میز پوش وغیرہ بھیجنے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ یہ اسباب وسامان اب میرے لئے بیکار ہیں۔ اور کھجوروں کا یہ تانتا بھی اب موقوف کریں۔ برس میں ایک دو دفعہ کافی ہے۔

دعا ہے کہ آپ کے معمولات جاری ہوں گے۔ اور حالات بہتر ہوں گے۔

حضرۃ حکیم الامۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف سے غفلت نہ کریں گے معلوم نہیں وہاں تراویح کا کیا اہتمام ہے۔ اور تلاوت کلام پاک کی کیا صورت ہے، تہجد کا اہتمام ہے یا نہیں۔

آپ کی آمد کی خبر سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے لائے۔

والسلام

سید سلیمان

۱۵؍ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۳۲

(بنام سید عبدالرحمن صاحب)

سید سلیمان ندوی

کراچی ۵ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۵۱ء

عزیز مخلص و محب گرامی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مدت سے آپ کا کوئی خط نہیں، اور مجھے بھی فرصت ہاتھ نہیں آئی، مگر دل برابر آپ کی خیریت کا جویا رہا۔ اور آپ کے حسن احوال کے لئے دعا گو رہا۔ اُمید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے، اور اپنے معمولات کی بجا آوری میں مصروف ہوں۔

آپ نے اپنے آنے کی خبر لکھی تھی۔ مگر پھر معلوم نہ ہوا، مانع بخیر ہو۔

آپ جہاں ہیں وہاں اچھی صحبت میسر نہ آتی ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر طرح محفوظ رکھیں۔ اور اپنے مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشیں۔ اور قدم و نظر کی پوری حفاظت کریں۔

یہاں کے حالات قرین شکر ہیں، اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ ہمارے ہمسایہ ڈاکٹر برکت صاحب بخیریت ہیں۔

میں نے آپ کو لکھا تھا۔ کہ بغداد کے کسی کتب فروش عربی کی فہرست لے کر میرے پاس بھیجدیں۔ شاید یاد نہ رہا ہو۔ والسلام

فقیر الی اللہ

سلیمان ندوی

مکتوب نمبر ۳۳
(بنام سید عبد الرحمان صاحب)

سید سلیمان ندوی

عزیزی و محبی و مخلص حفظکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط مورخہ ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ ملا۔ حالات مندرجہ سے آگاہی ہوئی۔ ۲۵ اگست کا خط نہیں ملا۔

آپ کو تجربہ ہو گیا ہوگا۔ کہ ایک ناجائز پہلو کتنے ناجائز پہلوؤں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور پھر بھی قلب کا وہ اطمینان موجب نہیں بنتا۔ بلکہ وہ پریشانیوں میں اور اضافہ ہی کرتا ہے۔ قلب کی طمانیت صرف روپے سے نہیں ہوتی، بلکہ اسکے حصول کی اور راہیں بھی ہیں۔ جن میں سے سب سے زیادہ مفید قناعت اور صداقت کا راستہ ہے۔

معمولات میں اتفاقاً کوتاہی کا تو کچھ حرج نہیں مگر مسلسل کوتاہی قلبی احوال کے تنزل کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور پھر وہ دوری بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ محرومی تک وہ پہنچا دیتی ہے۔

یہ راہ ہمت اور عزیمت کے بغیر طے نہیں ہوتی۔ اسی کا نام مجاہدہ ہے۔

وجاهدوا فی الله حق جهاده — اللہ کی راہ میں پورا پورا مجاہدہ کرو۔

مجاہدہ کرو۔ مجاہدہ یہی ہے کہ باطل خواہشوں سے اعراض برت کر مقصدِ حق کو پورا کیا جائے اور اسی پر دین اور دنیا دونوں کی کامیابی منحصر ہے

یہاں خیریت ہے آپکی خیریت کے لئے دعا گو ہوں۔ یہاں ۲۱ ستمبر کو عید اضحیٰ شاید ہو۔

میں نے آپ سے کسی عربی کتب خانہ تجارتی کے عربی مطبوعات کی فہرست طلب

کی تھی۔ اگر مل جائے تو بھیجدیں۔

والسلام

الفقیر الی اللہ سید سلیمان

۴ ستمبر ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۳۴

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

کراچی۔ ۵

عزیزی و مخلص وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کے دو لفافے پہنچے۔ آپ کے حالات سے واقف ہو کر اور معمولات کی پابندی کی خبر سے خوشی ہوئی۔ یہ معلوم کر کے کہ آپ رخصت لے کر آنا چاہتے ہیں، آپ کی ملاقات کا خیال کر کے مزید مسرت ہوئی۔

یہ سنکر افسوس ہوا۔ کہ بغداد میں کتابوں کی فہرست نہیں ملی۔ تعجب ہوا۔ کہ اس درجہ تنزل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔

بڑی نعمت اس دنیا سے ایمان و عمل صالح کے ساتھ رخصت ہونیکی ہے۔ جس کا نام حسن خاتمہ ہے۔

شہید ملت لیاقت علی خان کی شہادت عالم اسلامی کیلئے سانحۂ غم ہے۔ قوم میں افراد کی کمی ہے۔ جو جاتا ہے۔ اپنا بدل نہیں چھوڑتا۔ اللہ تعالیٰ پاکستان اور اُمت مسلمہ پر رحم فرمائے۔

بحمد اللہ میں اور میرے اہل وعیال بخیریت ہیں۔ سب کی طرف سے سلام مسنون قبول کیجئے۔

والسلام

الفقیر الی اللہ سید سلیمان

۳۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء / ۲۸ محرم ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۳۵

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

کراچی۔ ۵

مخلصی وعزیزی ادام اللہ توفیقکم لما یحب ویرضے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

اِن دنوں میری طبیعت زکام اور کھانسی اور نزلہ کے سبب سے کچھ خراب رہی اب بحمد اللہ تعالیٰ اچھّا ہوں، آپ کے خطوط ملتے رہے۔ آپ کا فرستادہ تحفہ کھجوروں کا بحفاظت ملا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ آپ نے میرے لئے الارم گھڑی اور کمبل خریدنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ گھڑی تو میرے پاس آپ والی موجود ہے۔ وہ چوری نہیں ہوئی ہے، آپ کو غلطی ہوئی۔ البتہ آپ کا کمبل چوری ہوگیا۔ مگر اللہ تعالیٰ (نے) ایک اور قسم کا کمبل دلوا دیا، مجھے ضرورت گھڑی کی مطلق نہیں، البتہ اگر کمبل ولایتی وہاں کا ایسی عمدہ ملے تو لے لیجئے، مگر قیمت آپ کی وسعت سے زیادہ نہ ہو، جبر نہ ہو، بلکہ رضائے خاطر سے ہو۔

ان دنوں مسجد کا درس جاڑوں کے سبب اور میری سستی طبع کے موقوف ہے۔ آپکے معمولات کا حال سُن کر خوشی ہوئی۔ آپ کے عراق جانے سے آپ کے متعلق خطرہ تھا کہ آپ

ماحول سے متاثر نہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والے اور محافظ ہیں

آپ کے مکان کی نسبت غلام محمد صاحب نے کارروائی کرلی ہے۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپ کا کوئی تعلق اب اوس مکان سے باقی نہیں رہا۔ اب براہ راست ان کا تعلق اسٹیٹ آفس سے ہوگیا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔

انسان کو ہر حال میں اپنے سے چوکنا رہنا چاہیئے۔ کہ اس کا نفس اسکو فریب میں مبتلا نہ کرے۔ معاملات میں ہمیشہ صفائی اور ایمانداری اور سچائی پیش نظر رکھے۔

آپ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں، معلوم نہیں آپ کی درخواست رخصت منظور ہوئی یا نہیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲۲ر دسمبر ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۳۶

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

کراچی

عزیزی و مخلصے ادام اللہ توفیقکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کا محبت نامہ ملا۔ آپکی خیریت معلوم کرکے خوشی ہوئی۔ اب عراق کے نئے سفیر جارہے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کو اُن سے مناسبت اور اُنکو آپ سے مناسبت ہو۔ میں اُن سے واقف نہیں ہوں مگر نیک اُمید رکھتا ہوں۔

بغداد میں احترام صاحب جو پاکستان کے نمائندہ ہیں۔ وہ مجھ سے واقف ہیں، وہ بہار کے اصلی باشندہ ہیں، اور میرے ایک عزیز کے عزیز ہیں۔ ابھی عراق سے یہاں علماء الاسلام کے جو دو نمائندے آئے تھے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ احترام مجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ گو میری ان کی ملاقات نہیں ہے۔

معلوم نہیں۔ آپ کی رخصت کی درخواست منظور ہو گئی یا نہیں۔ اگر یہاں رخصت کے متعلق کوئی کوشش کرانا چاہتے ہوں، تو لکھئے کہ کس سے کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپکی باطنی حالت کو آراستہ کرے اور باطنی احوال میں ترقی عنایت فرمائے ہر بات میں اور ہر حال میں رضائے مولیٰ پر نظر رہے، اور نماز کی تحسین اور آراستگی کا پورا خیال رہے۔

والسلام

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۳۷

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

عزیزی و مخلصی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا لفافہ ملا۔ جس سے آپ کی بخیریت بصرہ پہنچ جانے کی اطلاع ملی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت و سلامت (سلامتی۔ اشرف) سے رکھیں۔ اور آپ کے لئے آپ کے نئے خانگی تجربہ

کو مبارک کریں۔ اسکی کامیابی کے لئے طرفین کا صبر و تحمل ضروری ہے۔

عزیزہ موصوفہ کو دینی کتب و رسائل پڑھنے کو دیتے رہیں۔ اور نماز اور تلاوت کی تاکید رکھیں۔

نماز کی تحسین کے معنی یہ ہیں۔ کہ نماز کے سارے آداب مستحسن اور سنن کا لحاظ رکھا جائے، ارکان کے ادا کرنے میں تعدیل ہو۔ رکوع و سجود کی تسبیحات ۳، سے زیادہ بڑھائی جائے، مسنون وقت کا خیال رکھا جائے۔

بغداد کا سفر بالفعل ملتوی کر دیا، کچھ تو مجھے لاہور، ملتان و بھاولپور کے سفر میں دیر ہوئی۔ ۲۲ر کو کراچی پہنچا۔ کچھ آپ کی حکومت نے جواب میں تاخیر کی اس لئے سفر ملتوی کرنا پڑا۔ انشاء اللہ تعالیٰ پھر کبھی۔

الحمد للہ تعالیٰ یہاں خیریت ہے۔ میں بھی اچھا ہوں، غلام محمد صاحب بھی بخیریت ہیں۔ سب کی طرف سے اپنی اہلیہ کو دعائے خیر کہدیجئے۔

والسلام

سید سلیمان

۲۶ر مارچ ۱۹۵۲ء

مکتوب نمبر ۳۸

کراچی۔ ۵

عزیزی و محبی زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

آپ کے بصرہ پہنچنے کا خط ملا تھا۔ میرا پورا اپریل کا مہینہ لاہور و ملتان و راولپنڈی و جہلم و لائل پور کے سفروں میں گذر گیا۔ اب چند روز ہوئے کہ واپس آیا ہوں۔ الحمدللہ تعالیٰ خیریت ہے۔

آپ کے اور آپ کی اہلیہ کے لئے دعاگو ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں میں موافقت اور موانست بیش از بیش پیدا کریں۔ اور یہ مقصد صرف دین کی اتباع میں میسر آسکتی ہے۔

اُمید ہے کہ اب آپ اپنے معمولات پر قادر ہوگئے ہوں گے۔ سب سے بڑی چیز فرائض کے بعد اخلاق رذیلہ سے نجات حاصل کرنا ہے۔ جس کے لئے دعا کے علاوہ کوشش کرنا بھی ہے۔

عراق کا سفر نہ ہوسکا کچھ عوائق و موانع پیش آگئے۔ اب ایران کا خیال ہے اور اس کے ساتھ عراق کا بھی۔ واللہ اعلم

الحمدللہ خیریت ہے۔ عزیزم غلام محمد صاحب کے لڑکی تولد ہوئی ہے۔

والسلام علیکم

الفقیر الی اللہ

سید سلیمان ندوی

لے: یہ مکتوب ایرلیٹر پر مرقوم ہے۔ جس پر چھ مئی ۱۹۵۲ء کی مہر کراچی کی ثبت ہے تاریخ تحریر ۵ مئی ہے جیسا کہ دوسرے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے (اشرف)

مکتوب - ۳۹

(بنام سید عبد الرحمٰن صاحب)

کراچی - ۵

عزیزی و محبی شفاکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

کل سفر سے واپس آکر میں نے آپکو سرسری خط لکھدیا ہے۔ آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ اب خط ملا۔ تو اس میں بعض باتیں جواب کے قابل تھیں۔ ان دواؤں کی تحقیق تو میں نے نہیں کی۔ لیکن سنا ہے۔ کہ دوائیں والا الکحل محض لکڑی کے برادہ سے بنتا ہے۔ اس لئے اوس کے استعمال میں خرج نہیں۔ خصوصاً جبکہ ڈاکٹروں کی تجویز میں حصول صحت کے لئے کوئی دوسری مفید دوا نہیں۔ آپ دوائیں استعمال کریں اور استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے۔ شکر آنے کا علاج پابندی سے کرائیں۔ یہاں ہوتے تو طبیب کا علاج بھی ہوسکتا۔ وہاں تو صرف ڈاکٹروں کا ہی علاج ممکن ہے

اپنی خیریت سے جلد مطلع کیجئے۔ اپنی اہلیہ سلمہا کو دعا کہیئے۔ یہاں ہر طرح خیریت ہے

والسلام

سید سلیمان ندوی

۶ر مئی ۱۹۵۲ء

مکتوب نمبر ۱۰۴

(بنام سید عبدالرحمن صاحب)

کراچی

محب عزیز عجل اللہ شفاءکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

ڈاکٹروں کی تجویز محض سطحی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ مجھے تجویز کردیا کہ قارورہ میں شکر ہے۔ مگر بالکل غلط تھی۔ بہرحال شکر کے خیال کا جب تک پورا دفعیہ نہ ہوجائے۔ ادھر سے بے توجہی بھی نہ کی جائے، جس کو شکر آتی ہے۔ اس کی تین علامتیں بہت ظاہر ہیں۔ ایک یہ کہ ایسے شخص کو پیاس بہت معلوم ہوتی ہے اور پانی بہت پیتا ہے۔ دوسری یہ کہ اس کو پیشاب بہت آتا ہے۔ تیسری یہ کہ اس کے پیشاب میں چیونٹیاں بہت لگتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے، تاہم آپ اس کی طرف سے بے فکر نہ ہوں۔

دشمن نتواں حقیر و بیچارہ شمرد

آپ کی سینیارٹی کی خبر سے خوشی ہوئی، شادی کے بعد آپ کی طبیعت میں جو سکون ہوا۔ اس کو ذکر خدا اور فکر آخرت میں خرچ کیجئے۔

آپ کی طرف سے ایک صاحب کھجور کا ایک بکس دے گئے یہ رمضان المبارک کا تحفہ ہوا۔ یہاں رمضان آج ۲۶ رمئی سے شروع ہوا۔ تراویح گھر ہی پر باہر چبوترہ پر ہو رہی ہے۔ اس چبوترہ پر کل رات پہلی تراویح میں تین صفیں ہو گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ پوری فرمائیں۔

سب کی طرف سے سلام و دعاء، اور گھر میں بھی سب کی طرف سے سلام و دعاء کہیں۔ رمضان کے مہینہ میں تلاوت کا شغل زیادہ مفید ہے۔

والسلام

سید سلیمان

یکم رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۱۴

(بنام سید عبدالرحمان صاحب)

کراچی۔ ۵

عزیز مکرم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ الحمدللہ تعالیٰ خیریت ہے۔ رمضان بخیریت تمام ہوا عید ۲۱ر جون کو ہوئی۔ غلام محمد صاحب کے یہاں خیریت ہے۔ ان کی بچی اب اچھی ہے۔

میرا اس وقت رات کو سفر ہے۔ نتھیا گلی جانا ہے۔ وہاں (سے ؟) ایک ہفتہ قیام رہے گا۔ بنیادی حقوق کی سب کمیٹی کا جلسہ ہے۔

امید ہے کہ آپ مع اہلیہ سلمہا بخیریت ہوں گے۔ اور اپنے معمولات میں مصروف ہونگے آپ نے بصرہ کے رمضان و تراویح کی کیفیت نہیں لکھی۔

سب کی طرف سے آپ اور آپ کی اہلیہ سلمہا سلام و دعاء قبول کریں

والسلام۔ سید سلیمان ندوی

۲۸ر جون ۱۹۵۲ء

مکتوب نمبر ۴۲

(بنام سیّد عبدالرحمٰن صاحب)

کراچی۔

عزیزی و محبی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

میں نے بہت دنوں سے خط نہیں لکھا۔ میں ایک ماہ سے کراچی سے غائب تھا۔ راولپنڈی میں زیر علاج تھا۔ آخیر جولائی کو کراچی واپس آیا۔ بحمد اللہ کہ اب اچھا ہوں۔ کچھ ضعف کی شکایت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یہ بھی بتدریج دور ہوگا۔

آپ کا خط ملا تھا۔ خدا سے دعاء ہے کہ آپ کو صحت جسمانی و روحانی حاصل ہو۔ اپنے کام میں لگے رہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے خشیت و محبت کی دوگونہ دولت طلب کیجئے۔ ایمان کی حقیقت انھیں دونوں کے بیچ میں ہے۔

ضعف کے سبب سے زیادہ نہ لکھ سکا۔ والسلام

اپنی اہلیہ کو دعا کہیئے۔

فقیر

سید سلیمان

۲۵ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۴۲

کراچی ۵

عزیز مکرم ادام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

الحمد للہ تعالیٰ کے اب میں پہلے سے بہت اچھا ہوں۔ بالفعل تنفس کی تکلیف نہیں رہی ہے۔ انگریزی علاج ہے۔ نمک اور روغن کھانا بالکل منع کردیا گیا ہے۔ اُبلا ہوا بے نمک کا کھانا ایک ماہ سے کھا رہا ہوں۔

آپ کا خط ملا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد سے بھی نوازیں۔ اللّٰھم ھب لی من أزواجي وذرّيتي قرّةَ أعيُن واجعَلْني للمتقين اماماً دعاء میں پڑھا کریں۔

ابھی رئیس الدین صاحب بصرہ سے آپ کے پاس سے ہو کر آئے اور کھجوروں کا بکس ان کے ذریعہ سے محفوظ پہنچا۔ شکریہ

عراق کی مذہبی حالت بہت خراب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے۔ اور توفیق سعید بخشے۔

یہ آپ کا آخری کاغذ[ل] ہے۔ اپنی اہلیہ کو سلام ودعاء کہیئے۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۴ر دسمبر ۱۹۵۲ء

ل : یعنی Air Letter (ہوائی ڈاک کا چھ آنے والا خط کا کاغذ) اشرف

مکتوب نمبر ۴۴

(بنام سید عبدالرحمن صاحب)

عزیزی و مخلصی و محبی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ آپ کا خط ملا۔ ایک صاحب کی معرفت کھجور کا دوسرا ڈبہ بھی بحفاظت ملا۔ شکریہ۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔

غلام محمد صاحب ابھی تک اسی مکان میں ہیں۔ اور ان کے دفتر کا پتہ بھی وہی ہے گو بلڈنگ بدل گئی ہے۔ اسسٹنٹ وزارت مالیات (سی۔سی۔آئی برانچ) بلاک ۸ کمرہ ۱۶ کراچی۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ کے چھوٹے بھائی حسن ظاہر اب کمیونزم سے کسی قدر کٹ گئے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ جلد صراط مستقیم پر آجائیں، اور ان کو کامل ہدایت نصیب ہو۔

آپ دونوں زوجین میں حسن سلوک اور موافقت کی دعاء کرتا ہوں۔ مگر ایک نصیحت بھی سن لیں کہ یہ راہ بغیر تحمل، برداشت اور ایک دوسرے کے ساتھ حدود شرع کے اندر روا داری کے بغیر طے نہیں ہوتی۔ جب ایک کو غصہ آئے تو دوسرا برداشت کرے اور خاموش ہو جائے۔ غصہ کا مقابلہ غصہ سے نہ کیا جائے۔

اپنی اہلیہ کو سلام و دعا سب کی طرف سے کہہ دیجئے۔ اور یہ خط بھی پڑھنے کو دیجئے۔ تاکہ وہ بھی بات کو سمجھیں اور عمل کریں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی

۱۲ر فروری ۱۹۵۳ء

مکتوب نمبر ۴۵

(بنام سید عبدالرحمن صاحب)

کراچی۔ ۵

حبی فی اللہ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط ملا۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ میں مشرقی پاکستان گیا تھا۔ اور واپسی ہندوستان ہوکر ہوئی۔ بحمد اللہ کہ تمام سفر بخیر وخوبی طے ہوا

معمولات پر استقامت ضروری ہے۔ اگر کسی عذر شرعی سے ناغہ ہوجائے تو حرج نہیں۔ مگر جیسے ہی موقع ملے پھر اپنے کام میں لگ جانا چاہیئے۔

زیوروں کی زکوٰۃ کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے کل وزن معلوم کرلیا جائے۔ اس میں سے چالیسواں حصہ نکال لیا جائے۔ اب خواہ وہی سونا یا چاندی زکوٰۃ میں دیدیجئے۔ یا اس کی بازار میں اس وقت جو قیمت ہو ادا کردیں۔ زکوٰۃ روپیہ یعنی نقد کی شکل میں ادا کریں۔ نوٹ یا چیک کی شکل میں نہیں۔

غلام محمد صاحب بخیریت ہیں۔ انہوں نے ہوائی خط کے پانچ کاغذ مجھے آپکے لئے دیئے ہیں

آپ کی اہلیہ کی صحت سے خوشی ہوئی۔ سب کی طرف سے سلام قبول فرمائیں۔

سلمان ۸ر مئی کو امتحان کے لئے لاہور گئے ہوئے ہیں۔

مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ جاری رکھیں۔ یہی ہمارے یہاں طریقۂ فیض ہے

والسلام۔ سید سلیمان

۳ر مئی ۱۹۵۳ء

مکتوب نمبر۴۶

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

کراچی - ۵

اخی فی اللہ زادکم اللہ تعالیٰ حباً فی اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا لفافہ ملا۔ مجھے جواب کی تاخیر سے حیرانی تھی۔ بحمداللہ کہ دور ہوگئی۔ معمولات پر استقامت اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگے رہنا کامیابی کی بڑی دلیل ہے، مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی مداومت ہر مرض کے لئے اکسیر ہے۔ اور روحانی ترقی کی کامیاب تدبیر ہے۔

ہمارے یہاں خیریت ہے۔ موسم اچھا ہے۔ بدستور چبوترہ پر تراویح کا اہتمام ہے۔ ایک حافظ صاحب اچھے مل گئے۔ دو صفوں کی جماعت ہو جاتی ہے۔ بحمداللہ سلمان میاں اچھے ہیں۔ ابھی نتیجہ نہیں نکلا

آپ کے لئے دعاء کرتا ہوں، اپنی اہلیہ کو دعا کہدیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲۰[۱] رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

۱: ایرلیٹر کے کاغذ پر کراچی ۳ جون ۱۹۵۳ء اور بصرہ ۸ جون ۱۹۵۳ء کی مہر ہے

مکتوب نمبر ۴۷

(بنام سید عبدالرحمٰن صاحب)

کراچی۔ ۵

محبی و مخلصی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

الحمد للہ تعالیٰ کے بخیریت ہوں۔ حکیم ابرار الحق صاحب صدیقی سے میں واقف نہیں ہوں۔ اور نہ اُن سے ملنا مجھے یاد آتا ہے۔ بہرحال ظاہر صورت سے انہوں نے جو قیاس کیا وہ آپ سے بیان کیا۔ میں بحمد اللہ اچھا ہوں۔

آپ کے لئے مآلاً جو بہتر اور مفید ہو وہی اختیار کیا جائے۔ میری ملاقات تو خیر عارضی رخصت پر بھی ہو سکتی ہے۔ آپ کی اہلیہ بھی اپنے عزیزوں سے ملنا چاہتی ہوگی اور ان کی یہ خواہش بجا بھی ہے۔

استقامت اور مداومت حصول مقصد کا سب سے کارگر ذریعہ ہے۔ اگر نیند کا غلبہ ہو۔ تو نوافل تہجد کی جگہ پر دن کو بعد اشراق پڑھیں، یا نماز عشاء کے بعد وتر سے پہلے پڑھ لیں۔ ذکر کا وقت دن کو کسی سکون کے وقت مقرر کریں۔

نور کے تصور کا استحضار نہیں ہوتا تو کوئی حرج نہیں۔ یہ مقصود خود نہیں۔ مقصود یکسوئی ہے توجہ ذکر کے وقت دراصل مذکور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ ورنہ ذاکر یعنی قلب کی طرف ہو۔ ورنہ ذکر کی طرف ہو

سب کی طرف سے دعاء و سلام پہنچے۔ اپنی اہلیہ کو بھی دعا کہہ دیں۔

والسلام۔ سید سلیمان ندوی

۳۰ر جولائی ۱۹۵۳ء

مکتوبات بنام نظام الدین صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا ایک طویل خط مورخہ ......

وقت پر ملا تھا۔ آپ کا یہ خط مختلف اور کثیر الجہات مسائل پر مشتمل تھا۔ اس لئے چاہتا تھا کہ اس کے بہ تفصیل جواب کے لئے موقع ملے۔ بحمد اللہ تعالیٰ کہ آج اس کے لئے موقع بہم پہنچا۔ تاہم اتنے طویل خط کا جواب آسان نہیں۔ آپ نے میرے نام کے ساتھ مولانا یا قبلہ یا شریف نہیں لکھا تو اچھا کیا۔ اس ~~سے~~ کسی معذرت کی ضرورت نہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا۔ کہ میری تصانیف پر میرا سادہ نام رہتا ہے۔ مولوی تک نہیں ہوتا۔ اس سے یہ تو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ان اداب و القاب کا میں طالب نہیں۔ علامہ لکھنا بھی میری طرف سے نہیں ہے۔ احباب یوں اپنے حسن ظن سے لکھ دیں تو یہ اُن کی محبت کا نشان ہے۔ اب رہی مسئلہ کی حیثیت۔ تو وہ یہ ہے۔ کہ مولانا میں مولیٰ کے معنی آقا کے ہیں (نا) کے معنی ہمارے، مولانا۔" ہمارے آقا" تو اب اس لفظ کی کراہت کہ وہ غیر خدا کے لئے نہ بولا جائے۔ ظاہر ہے کہ" نا" یعنی ہمارے لگنے کی وجہ سے نہ ہوگی۔ بلکہ نفس مولیٰ کی وجہ سے ہوگی۔ خواہ وہ متکلم کی طرف مضاف ہو یا غائب کی طرف یا مخاطب کی طرف۔ یعنی مولانا

لے یہ مکتوب گرامی" ایک استفسار کے جواب میں" کے عنوان سے" ماہنامہ مستقبل" کراچی نے اپنی ماہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں شائع کیا تھا۔ راقم نے وہیں سے نقل کرلیا ہے۔ کہ اس میں بھی بعض مسائل تصوف وسلوک کا جواب و اشارہ پایا جاتا ہے۔

(مرتب)

اگر درست نہیں۔ تو مولاہم اور مولاکم بھی درست نہ ہوگا۔ اب دیکھئے۔ کہ مولیٰ اللہ تعالیٰ کو بھی کہا گیا ہے۔ جیسے نعم المولی ونعم النصیر، اور بندہ کے لئے بھی کہا گیا ہے۔ جیسے۔ وھو کلٌ علی مولاہ۔ باقی قبلہ تو وہ حقیقی معنی میں سمت نماز کے معنی میں بولا نہیں جاتا۔ البتہ مرکز ہدایت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ تو مسئلہ کی رو سے تو یہ ناجائز نہیں۔ لیکن احترام کعبہ کے لئے نہ بولا جائے تو اچھا ہے۔

شریف کے لفظ کے بولنے میں جیسے مزاج شریف، بخدمت شریف لکھنے یا بولنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ شریف میں کوئی مذہبی احترام نہیں ہے۔ جیسے قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے لئے ملکہ سبا نے کتاب کریم کہا ہے۔ بہرحال عام طور سے یہ تکلف کی باتیں ہیں۔ جس کا رواج صحابہ میں اور صدر اوّل میں نہ تھا۔ وہاں تمام تر سادگی اور بے تکلفی تھی۔ صحابہ اور آئمہ کے ناموں تک کے ساتھ 'حضرت' یا 'سیدنا' تک نہیں لکھتے تھے۔ سادہ نام لکھتے اور بولتے تھے۔ یہ تکلفات اہل عجم سے مسلمانوں میں آئے ہیں۔

آپ کی توحید کی پختگی کے خیالات سے بڑی خوشی ہوئی۔ اس اعلیٰ انگریزی تعلیم کے ساتھ یہ پاکیزہ خیالات بحد قابل قدر ہیں۔ پاکستان کی نسوانی دنیا کی بے اعتدالی اور بے پردگی پر آپ کی تنقید بالکل درست ہے۔ کاش آپ جیسے حضرات پبلک میں نکل کر باتیں کریں۔ کہ ملاؤں کے کہنے سے آپ کا کہنا زیادہ مؤثر ہے۔

مبتدعانہ تصوف پر آپ کی تنقید تمام تر درست ہے۔ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کی غلط تعبیر نے بہت سی گمراہیاں پیدا کی ہیں۔ لیکن حقیقی اور شرعی تصوف جس کا صحیح نام احسان ہے روح دین اور جان ایمان ہے۔ یہ اخلاص فی اللہ اور تزکیۂ قلب اور علم حصول تقویٰ کا نام ہے

افسوس ہے کہ یہ باتیں ملاقاتوں میں طے ہو سکتی ہیں۔ خطوط میں لکھنا اور سمجھنا مشکل ہے۔

یہ کہنا صحیح ہے کہ کسی شخص کو یقینی طور سے ولی اللہ ماننا یا کہنا غلط ہے کہ اس میں غیب دانی کا دعویٰ ہے۔ لیکن کسی کے حالات اور آثار اور قرائن و اعمال سے اس کے ولی ہونے کا غلبۂ ظن درست ہے۔ اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کی جائے۔ مولانا رومی اور مولانا جامی وغیرہ کی نسبت جو کچھ خیالات آپ نے ظاہر کئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ کا ان کی عامیانہ تشریح میں قائل نہیں۔ تاہم ان بزرگوں کی نسبت زبان دراز کرنا ناپسند کرتا ہوں۔

مولانا رومی کی مثنوی جس مرض کی دوا ہے۔ آپ بحمد اللہ اس کے مریض نہیں ہیں اس لئے اس کی قدر آپ کی نگاہ میں نہیں۔ مگر جو اس مرض کے مریض ہیں ان کے لئے وہ سراپا دین صحت و شفا ہے۔ اور تجربہ اس پر شاہد ہے۔

کرامات کا صدور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہوا ہے۔ یہ سب بہ تبعیت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہوا ہے۔ جس طرح سے حکومت چپراسیوں اور ادنیٰ ملازموں تک کے احکام آپ مانتے ہیں۔ یا آپ احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ ان کا شخصی نہیں بلکہ امیر وقت یا حکومت کے احترام کے تحت میں ہے۔ گو بہت سے کرامات کے قصے گھڑے ہوئے بھی ہیں۔ مگر ان کے صحیح ماننے یا نہ ماننے کو ایمان میں کوئی دخل نہیں۔ قبروں کو سجدہ کرنا، غیر خدا سے دعائیں مانگنا، اور اس قبیل کی چیزیں بے شبہ مشرکانہ رسوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

زچہ کی نماز کا جو مسئلہ آپ نے نقل کیا ہے۔ اس کی تفصیلات آپ بہشتی زیور باب حیض و نفاس میں ملاحظہ فرمائیں۔ تاہم کسی چیز کے مسئلہ پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے۔ تقلید و عدم تقلید کے مسئلہ میں اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ اس پر گفتگو مزید ضروری نہیں۔ مولانا تھانوی جیسے عالم اپنے آپ کو اجتہاد مطلق نہیں سمجھتے تھے ان کا فیصلہ اپنے باب ہمارے آپ کے فیصلے سے زیادہ صحیح ہوگا۔ کوئی عالم بغیر کتاب اللہ اور حدیث نبوی کے اسناد یا قیاس کے نہ کسی چیز کو حرام کر سکتا ہے، نہ حلال۔ اگر کوئی عالم ہو کر ایسا کرے تو اس کا علم ہی معتبر نہیں

بے شبہ واعظوں کا غیر اہم یا بیکار مضامین کا بیان کرنا تضیع وقت ہے۔ اور افسوس ہے کہ ملت میں اچھے واعظ اور خطیب کم ہیں۔ اور وہ بہت کچھ اصلاح کے محتاج ہیں۔ ضرورت ہے۔ کہ قوم کے عیوب اور حیات ملی کے اصل مقاصد پر خطبے ہوں۔

جن مولانا صاحب کا آپ نے تذکرہ کیا ہے۔ ان کے خیالات کی نسبت کچھ کہنا اس لئے بے سود ہے۔ کہ وہ اس طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں، جن کے خیالات معلوم ہیں لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کا یہ فعل یا قول ان کے طبقے میں بھی درست ہے۔ یا نہیں۔ یہ 'یوم'، کی ہوا جو قوم میں چلی ہے۔ مجھے بھی پسند نہیں۔ یہ غیروں کی نقالی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ریڈیو والوں نے اپنے دن کاٹنے کے لئے یہ طریقے ایجاد کئے ہیں۔

عامہ افراد ملت خواہ وہ لیڈر ہوں یا وزیر ہوں یا سفیر ہوں۔ اسلامی تعلیم و تربیت سے کلیتہً محروم ہیں۔ عام امت جہل کے سبب سے اور تعلیم یافتہ گروہ خالص

دنیوی مدنی تعلیم پاکر دین سے بے بہرہ ہے۔ جب تک ہماری تعلیمی درسگاہوں میں صحیح انقلاب نہ ہوگا۔ ملت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ ضرورت ہے۔ کہ یہ آواز نئی جماعت کے سمجھدار طبقہ کی طرف سے بلند ہو کر ملاؤں کی باتیں تو توجہ کے قابل نہیں رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے لوگوں کو توفیق ہمت اور عزیمت دے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ تاکہ دوسرے امور پر بھی گفتگو ہو سکے۔ اور افراط و تفریط سے ہٹ کر صراط مستقیم اختیار کیا جا سکے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

استفسار

صاحب الفضل والکرم بسلام مسنون

نیاز مند نے اس سال حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے۔ دعا فرمادیں۔ کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ خلاصہ عرض ہے۔ کہ میرے شہر میں ایک آدمی ہیں۔ وہ فرما رہے ہیں کہ۔ مکتوب امام ربانی علیہ الرحمۃ دوصد و نہم میر محمد نعمان بدخشی عبارۃ کہ در رسالہ مبدأ و معاد واقع شدہ کہ

بعد از یک ہزار و چند سال از زمان آن سرور کائنات زمانے می آید کہ حقیقت محمدی از مقام خود عروج فرماید و بمقام حقیقت کعبہ متحد گردد، این زمانہ حقیقت محمدی حقیقت احمدی تام باید و مظہر ذات احد جل سلطانہ گردد و بہر دو اسم مبارک ہمسی متحقق شود و مقام سابق از حقیقت محمدی خالی ماند تا زینکہ حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید و عمل بشریعت محمدی نماید علیہا الصلوٰت والتحیات...... وآنوقت حقیقت عیسوی از مقام خود عروج فرمودہ بمقام حقیقت محمدی کہ خالی ماندہ بود استقرار کند"

مکتوب سنایا اور فرمایا۔ کہ اس وقت حقیقت محمدی روضہ اقدس میں موجود نہیں۔ اور حقیقت محمدی اور حقیقت کعبہ دونوں مظہر ذاتِ احد جل سلطانہ" احمد زماں لواری والا" ضلع حیدرآباد سندھ میں موجود ہے۔ احمد زمان لواری والہ نے تقریباً دس سال پہلے

مظہریت کا دعویٰ کیا تھا۔ اب اس کی (کا) مزار نواری شہر ضلع حیدرآباد میں ہے۔

صاحب مذکور فرما رہا ہے۔ کہ اس وقت نہ حج ہے۔ نہ روزہ نہ زکوٰۃ وغیرہ میدان بالکل خالی ہے۔ جب تک حقیقت عیسوی نزول فرمائیے گی۔ حقیقت عروج کرنے کا دیل یہ ہے۔ کہ اب ساری دنیا میں شریعت کا کما حقہ نشانیاں نہیں۔ نہ اس کی پابندی نہ اس کا وقار نہ روضہ اقدس کی حرمت ہے۔ نہ کوئی فیض وکرامات کا نشان وہ سب عنقا ہے۔

اگر روضہ اقدس میں کوئی حقیقت موجود ہو۔ تو اپنی شریعت کا ضرور کچھ نہ کچھ احساس ہو۔

حضرت براہ نوازش مذکورہ عبارت مفصل اور واضح طور حل لکھ کر روانہ کریں تاکہ سوال جواب وغیرہ میں جرأت ہو۔ نیاز مند نے پہلے بھی سندھی مولویوں کو درخواست کی ہے۔ لیکن تاحال کوئی خاطر خواہ جواب روانہ نہ کیا ہے۔ اب آپ بزرگوں کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ براہِ نوازش ہمیں جلد مطلع فرماویں۔ فقط والسلام

نیاز کیش نظام الدین

بمقام ڈیرہ ڈاکخانہ خیرپور۔ ناتھوشاہ

دادو سندھ

(بنام جناب نظام الدین صاحب ڈیرہ ڈاکخانہ خیرپور سندھ)

الجواب[1]

محترم ومکرم ۔ زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا خط سے معلوم کرکے کہ آپ نے حج کا ارادہ فرمایا ہے ۔ خوشی ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج کے برکات وثمرات سے متمتع فرمائے اور قبول فرمائے ۔

آپ کے اس خط میں درحقیقت دو سوال ہیں ۔ ایک تو شخص مذکور کے خیالات کی نسبت جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوب دوصد ونہم کی بنیاد پر اوس نے قائم کئے ہیں ۔ دوسرا یہ کہ مکتوب مذکور کا صحیح مطلب کیا ہے ۔

امر اوّل یعنی شخص مذکور کے ہفوات تو وہ تمام تر ضلالت اور کفر کی باتیں ہیں ان سے ہر مسلمان کو توبہ کرنا چاہیئے ۔ اس کے ان باطل خیالات کو حضرت امام ربانی کے مکتوب مذکور سے اصلا تعلق نہیں ہے ۔

احمد زمان لواری جو تیرہ سو برس کے بعد ظاہر ہو کر مدعی مظہریت الٰہی کا ہوا ہے

---

[1] یہ گرامی نامہ مع مکتوب الیہ کے استفسار خط کے ماہنامہ مستقبل کراچی کی ماہ اکتوبر ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا ۔

وہ مفتری اور دروغ گو ہے۔ اُس کا قول مستلزم کفر ہے۔ وہ امام ربانی کے قول کو بالکل نہیں سمجھا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر جو دعوٰی اس نے کیا ہے۔ وہ تمام تر باطل ہے۔

امام ربانی نے جس چیز کی نسبت کلام کیا ہے۔ اس کے ظہور کا زمانہ اس کے ایک ہزار اور چند سال بتایا ہے۔ نہ کہ ایک ہزار تین سو، ہزار اور چند سال خود حضرت امام ربانی کا زمانہ ہے۔ نہ کہ ان سے بھی تین سو برس کے بعد، اس لئے احمد لواری کا امام ربانی کے کلام کا خود مصداق جاننا لغو ہے۔ بلکہ اس کے مصداق خود امام ربانی ہیں۔ جس کی تصریح خود اسی مکتوب میں موجود ہے، اسی طرح عروج کے معنٰی معدوم ہوجانا سمجھنا جہالت ہی جہالت ہے۔ عروج کے معنی ارتقاء اور بلندی کی طرف جانے کے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے

وَمَا ینزل مِن السماءِ وَمَا یعرجُ فیھا۔

جو آسمان سے نزول کرتا ہے اور جو آسمان کو عروج کرتا ہے

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے موقع پر ہے

عرج بی الی السماء: مجھے آسمان کی طرف اوپر چڑھایا گیا۔

اسی طرح حضرات صوفیہ نے عروج و نزول کی اصطلاحیں بنائی ہیں۔

امام ربانی کے اس مکتوب پر بنیاد رکھ کر شخص مذکور کا یہ کہنا کہ اسوقت نہ حج ہے، نہ روزہ ہے۔ نہ زکوٰۃ۔ قول باطل ہے۔ احکام قرآنی کو کوئی کتنا ہی بڑا ولی ہو نسخ نہیں کرسکتا۔ نہ اولیاء کے کشف و الہام سے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام منسوخ ہوسکتے ہیں۔ ایسے کشف و الہام جو وحی نبوت

کے خلاف ہوں۔ باطل اور وسوسہ شیطانی ہیں

شخص مذکورہ کو چاہیئے کہ وہ اپنے اس عقیدہ باطل سے توبہ کرے اور پھر سے کلمہ اسلام پڑھ کر دوبارہ مسلمان ہو۔

امام ربانی نے ایک بات اصول کے طور پر خود فرما دی ہے کہ ذاتی علوم و معارف بلکہ کشوف و الہامات جب ہی قابل تسلیم ہوتے ہیں۔ جب وہ کتاب و سنت اور عقائد حقہ کے مطابق ہوں۔ ورنہ وہ قابل رد ہیں۔ اور یہ وہ حقیقت ہے۔ جس کو امام ربانی نے مکتوبات شریف میں جابجا لکھا ہے۔ چنانچہ اسی مکتوب دوصد و نہم کے آخر میں فرماتے ہیں۔

" انبیاء اولو العزم کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کے بارہ میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ چونکہ کشف و الہام پر مبنی ہے۔ جو ظنی ہیں۔ اس لئے اس کے لکھنے اور حقیقت میں تقریر کرنے سے توبہ کرنا ہے۔ کیونکہ قطعی دلیل کے سوا اس میں گفتگو کرنا جائز نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا۔ کہ صرف کشف و الہام سے قطعیات کے بغیر گفتگو کرنا توبہ کے قابل ہے اسی حقیقت کو مکتوب چہل و یکم میں ظاہر فرماتے ہیں۔

" فرق درمیان علم کہ بطریق وحی است و علم ولی کہ بطریق الہام است ایں است کہ در وحی قطع و یقین است و در الہام ظن و تخمین۔ چراکہ وحی بواسطۂ ملک است و ملائکہ معصوم اند از خطا و الہام اگرچہ محل عالی دارد و آن قلب است کہ از عالم امر است، اما قلب را با عقل و نفس نحوے از تعلق متحقق است، پس خطا را دروں موطن مجال پیدا شد "

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ اولیاء کے الہامات ممکن الخطاء ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی وحی خطا سے خالی ہے۔ اس لئے ممکن الخطاء الہام سے ناممکن

الخطاء وحی منسوخ نہیں ہو سکتی بلکہ امام ربانی کا قول ہے۔ کہ الہام کی صحت کا معیار یہ ہے۔ کہ وہ علمائے اہل سنت کے قول کے مطابق ہو۔ اور اگر ذرا بھی اس سے مخالف ہو تو وہ دائرہ صواب سے خارج ہے۔ مکتوب صد و دوازدہ[۱۱۲] میں فرماتے ہیں

" مصداق صحتِ کشف والہام مطابقت با علمائے اہل السنۃ۔
و اگر سرمو مخالفت امت از دائرہ صواب بیروں است ھذا
ھوالعلم الصحیح والحق الصریح فما ذا بعد
الحق الا الضلال "

جو لوگ صوفی بن کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ جن سے نماز، روزہ وغیرہ عبادات کا مقصود نہ ہونا ثابت ہو وہ گمراہ ہیں۔ چنانچہ مکتوب چہل و سوم میں فرماتے ہیں۔

" اکثر ابنائے ایں زمان بعضے بہ تقلید و بعضے بمجرد علم و بعض دیگر بعلم ممتزج بذوق و بعضے بالحاد و زندقہ دست بدامن توحید وجودی زدہ اند و ہمہ را از حق میدانند و گردنہائے خود را از ربقۂ تکلیف شرعی بایں حیلہ می کشانید، و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند و بایں معاملہ خوش وقت و خورسندی شوند، و انیاں اوامر شرعیہ را اگر اعتراف دارند طفیلی می دانند و مقصود اصلی ورائے شریعت خیال می کنند حاشا و کلا نعوذ باللہ من ھذا الاعتقاد السوء "

مکتوب، صد ملا حسن کشمیری کے جواب میں جنہوں نے لکھا تھا کہ شیخ کبیر یمنی ایک بزرگ کا قول ہے۔ کہ حق تعالیٰ جزئیات کا علم نہیں رکھتے فرماتے ہیں:

"مخدوما! فقیر را تاب استماع امثال این سخنان اصلانیست، بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ آن نمی دہد قائل این شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی علیہ و آلہ الصلوۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین عربی و صدرالدین قونوی مارا بانص کاراست نہ بافص، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ ست"

پس جس پیمانہ سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعاً نے دوسرے اولیاء اور بزرگوں کے اقوال اور ان کے الہامات اور کشوف کو ناپا ہے۔ اوسی پیمانہ سے حضرت کے اقوال و الہامات و کشوف کو بھی ناپا جائے گا۔ اور اس لئے حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کشف و الہام یا ذوق و وجدان ہرگز ظاہر شریعت کے خلاف تسلیم نہیں ہوسکتا ہے۔ اور نہ اس کا ایسا مطلب لیا جاسکتا ہے۔ جو تمام تر خلاف شرع ہو۔ اس بنا پر ہر شخص مذکور کا قول تمام تر ملحدانہ اور زندیقانہ ہے۔ اور حضرت امام ربانی کا قول کا جو مطلب سمجھا ہے وہ حضرت امام ربانی پر اختراع و بہتان ہے۔

اب رہ گیا امر دوم کہ حضرت امام ربانی کی اس عبارت کا مطلب کیا ہے تو حضرت ممدوح نے اس مکتوب ۲۰۹ کے اندر اس عبارت کی خود تشریح فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرات صوفیہ کے نزدیک یہ عالم امکان تمام تر اسماء و صفات الٰہی کا مظہر ہے۔ اور جس اسم الٰہی کا جو شئی مظہر ہے۔ اس شئے کی حقیقت وہی اسم الٰہی ہے۔ اس بنا پر حقیقت محمدیہ تعلیم ہے۔ اور حقیقت احمدیہ

اس معنیٰ سے کنایہ ہے۔ جو اس شان کا مبداء ہے۔ اور حقیقت کعبہ بھی اس معنی سے مراد ہے؟ یہ حضرت کے اصل الفاظ کا ترجمہ ہے۔ اس مکتوب کے آخر میں حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ حدیث مجددیت سے ظاہر ہے۔ کہ ہر سو برس کے بعد ایک مجدد کا ظہور ہوتا ہے۔ جو بدعات کو مٹا کر سنت کو قائم کرتا ہے۔ لیکن ہزار برس بعد جو مجدد پیدا ہوگا اسکی شان تجدید صدی کے مجدد سے ہر چیز میں بڑھ کر ہوگی۔ مقصود یہ ہے کہ ایک ہزار اور چند سال کے بعد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا ظہور ہوا ہے۔ نام نامی ان کا احمد تھا۔ امام ممدوح نے اس وقت جب کہ سلاطین و امراء کی ضلالت کے سبب سے دین اسلام مسخ ہو رہا تھا اپنی تجدید سے شریعت محمدیہ کو دوبارہ رونق بخشی، اور شریعت محمدیہ طریقت احمدیہ سے متحد ہوگئی، طریقت احمدیہ نے اس چیز کو ظاہر و واضح کیا۔ جو شریعتِ محمدیہ میں تھی۔ اور مبدعتی صوفیہ کے طریقے مٹ کر احمدی طریق سلوک جاری ہوا۔ جو شریعت محمدیہ کے ساتھ عین متحد ہے اور شریعت و طریقت میں کوئی فرق نہیں رہا۔ شریعت عین طریقت ہے اور طریقت عین شریعت ہے۔ اور محمدیت و احمدیت کا یہ تجدیدی اتحاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک قائم رہے گا۔ جو خود شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے۔ غور فرمائیے کہ امام ربانی کے قول کی جو تشریح شخص مذکور نے آپ کے سامنے کی ہے وہ کس درجہ غلط اور مسخ ہے۔ حقیقتِ احمدیہ حقیقت محمدیہ کی اقامت کیلئے ہے نہ کہ اسکے نسخ و ابطال کیلئے۔ ایسی ہی غلط تاویلات ہیں جس نے قادیانیت کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ امت کو ضلالت سے محفوظ رکھے۔ واللہ اعلم بالصواب

والسلام۔ سید سلیمان ندوی۔

تلخیص مکاتیب

بنام جنابہ عظمت خاتون صاحبہ

مکتوب - ۱

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ ووفقہا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشدہ :- موصوفہ نے ایک طویل خط میں اپنے حالات اور بکثرت دینی کتابوں کا ذکر لکھنے کے بعد لکھا تھا کہ حضور کے حکم و ہدایت (بذریعہ سید محی الدین صاحب) کے بعد اب توجو کچھ ہے، بہشتی زیور ہی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- عورتوں کا سلوک | تم نے جو کچھ لکھا ہے۔ اوس کو پڑھ کر خوشی ہوئی، اگر بہشتی زیور کوئی عورت صحیح طور سے سمجھ کر پڑھ لے، اور اوس کے مطابق زندگی بسر کرے، تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ اللہ تعالیٰ کی پیاری بن جائیگی، اپنے عقیدوں کو اس کتاب کے مطابق صحیح کرنے اور قلب کی صفائی اس کے مطابق کرکے اعمال کو درست کرے تو انشاء اللہ بہشت کے دروازے اس کیلئے کھل جائیں گے۔

مطالعہ بہشتی زیور برائے اصلاح وعمل

تم نے یہ کتاب چھوٹی عمر میں پڑھی ہوگی۔ اب اصلاح اور عمل کی نیت سے اسکو پڑھو، تو اور ہی کیفیت حاصل ہوگی۔

مسترشدہ :۔ دولہا بھائی کی زندگی میں یکایک انقلاب آیا ..... اور گھر میں لوگوں کی تربیت اور اصلاح کا کام شروع کیا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تلقین شکر | تمہارے دولہا بھائی کو اللہ تعالیٰ نے جو توفیق بخشی وہ اللہ تعالیٰ کی ان پر بڑی نعمت ہے، اوس کی وہ قدر کریں اور استواری سے اس پر قائم رہیں۔

مسترشدہ :۔ درخواست کرتی ہوں کہ حضور اس گنہگار کی بیعت فرمالیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بیعت | بیعت آئندہ حالات کے جاننے پر منحصر ہے ابھی انتظار کرو۔ خدا کرے کہ وہ وقت جلد آئے۔ اس کی فکر نہ کرو۔ اپنے کام میں لگی رہو، اصل مقصود کام ہے، بیعت اصل مقصود نہیں۔

مسترشدہ :۔ پکا ارادہ اور عزم صمیم کرلیا ہے کہ دین پر ثابت قدم رہوں گی، اور کوئی کام اور کوئی قدم انشاء اللہ تعالیٰ دین کے خلاف نہ ہوگا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دعائے استقامت | اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر قائم کرے

مسترشدہ :۔ میرے معمولات وہی تھے، جو میری خالاؤں جنابہ سعیدہ خاتون اور کلثوم النساء صاحبہ کے بیعت سے پہلے تھے، اب میں نے بھی ان تمام اوراد و اذکار دعائے گنج العرش وغیرہ چھوڑ کر وہی معمولات اختیار کرلئے ہیں، جس کی ہدایت حضور نے دولہا بھائی کے خط میں کی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- غیر مسنون اوراد | ہاں دعائے گنج العرش وغیرہ چھوڑ دیجئے۔

مسترشدہ :- قضا نمازوں اور روزوں کی ادائیگی شروع کردی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- تلاوت۔ مناجات مقبول | قضا نمازیں اور روزے اگر باقی ہوں تو ادا کیجئے، تاکہ آئندہ کی راہ صاف ہو، قرآن پاک کی تلاوت اور مناجات مقبول روزانہ پڑھیں۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فلاح وصلاح دارین عطا فرمائیں۔

مکتوب - ۲ (بنام عظمت خاتون صاحبہ)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشدہ :- حضرت والا کے خط پانے سے انتہائی خوشی ہوئی۔ لیکن جب حضرت کے اس جملہ پر پہنچی کہ "بیعت آئندہ حالات کے جاننے پر منحصر ہے، تو آنکھوں کے سامنے مایوسی اور بدبختی کا تاریک پردہ حائل ہو گیا، اپنی بدنصیبی پہ روئی کہ حضرت نے مجھے بیعت کے لائق نہیں سمجھا اس لئے کہ میں گناہوں سے لدی ہوئی ہو'

حضرت الشیخؒ :- بیعت لڑکی | اس میں مایوسی اور ناامیدی کی کوئی بات نہیں، نہ اسکو بدبختی سمجھیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک لڑکی کا نکاح نہیں ہو جاتا، اوسکی زندگی پوری نہیں ہوتی، معلوم نہیں اوس کا آئندہ

شریک حیات کون ہوگا ۔ اور کیسا ہوگا ۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے، کہ اوس کا لحاظ کیا جائے، باقی آپ کی تعلیم جاری رہے گی ۔ آپ اپنے معمولات لکھ کر بھیجیں ۔

مسترشدہ :۔ ہم لوگوں نے اپنی پوری زندگی کو دینی بنالیا ہے۔ ہر وہ کام جس سے اللہ کی ناراضی ہوتی ہے اس سے بچتی ہوں، بہشتی زیور کا مطالعہ بغور کر چکی ہوں، اور بغرض اصلاح و عمل اب بھی کرتی ہوں، وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی زندگی کے ہر ہر شعبہ کو اللہ اور اس کے رسول کے بتلائے اسوۂ پر گذاروں گی ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دعائے توفیق | یہ سب حالات اچھے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں ۔

مکتوب ۳۰ (بنام عظمت خاتون صاحبہ)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشدہ :۔ اپنے معمولات لکھتی ہوں، تقریباً تین برسوں سے نماز پنجگانہ کی شدت سے پابند ہوں ۔ تقریباً ڈھائی برس سے تہجد کی پابند ہوں، تہجد کے لئے کبھی ۳ بجے کبھی ۴ بجے اٹھتی ہوں، ۱۲ تسبیح پڑھتی ہوں ۔ اگر وقت ملا فجر کی نماز سے پہلے بھی قرآن مجید پڑھتی ہوں، فجر کی نماز کے بعد نصف پارہ قرآن پاک ترتیب

سے پڑھتی ہوں، اس کے بعد مناجات مقبول کی ایک منزل پڑھتی ہوں، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھتی ہوں، چاشت بھی پڑھتی ہوں، پھر خانہ داری کے کاموں میں لگی رہتی ہوں، ظہر کی نماز پڑھتی ہوں حسب موقع بہشتی زیور کا مطالعہ کرتی ہوں، اور کوشش جاری ہے کہ اسی کے مطابق اپنی زندگی گذاروں.... اس کے بعد عصر کی نماز پڑھتی ہوں، عصر اور فجر کی نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھتی ہوں۔ مغرب کی نماز کے بعد آدابین پر اکتفا کرتی ہوں بقیہ چار نماز کے اختتام پر ۱۰۰ مرتبہ سبحان اللہ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ **استقامت** آپ کے حالات معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ آپ کے معمولات ٹھیک ہیں، اسی پر قائم رہیئے، استقامت اصل میں بڑی چیز ہے۔ اسکی دعاء مانگئے، کہ اسی پر حسن خاتمہ ہو۔

سید سلیمان

(تلخیص مکاتیب بنام کلثوم النساء صاحبہ)

مکتوب ۔ ۱

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزہ مکرمہ وفقکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشدہ :۔ آپ کی لونڈی ہجرت کر کے کراچی چلی آئی ہے۔ وہاں معاش کی کوئی سبیل بظاہر نہ تھی، میں بیوہ ہوں، چند بچے بچیاں یتیم ہیں، جنکی خوراک

و پوشاک کا بار مجھ بیکس پر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مولوی محی الدین صاحب کے خط سے آپ کے قصد کراچی کی اطلاع ملی تھی، یہاں آنا مبارک ہو، اور یہاں اللہ تعالیٰ آپ کے لئے سکون قلب اور رزق حلال کا سامان فرمائیں۔

مسترشدہ:۔ میں مڈل ٹریننگ پاس ہوں، یہاں میں اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ ٹھہری ہوں، یہاں ایک بس میرے بھائی چلاتے ہیں، اس میں میرا کچھ حصہ ہے۔ یہ اُمید لے کر آئی ہوں، کہ منافع اتنا ہو جائیگا کہ بسر اوقات ہو جائے گی، مگر اب تک بظاہر نفع گویا ہے ہی نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ رزق حلال | یہاں زنانہ اسکول اور مدرسے ہیں، شاید کوئی جگہ مل جائے۔ بس کا کاروبار تو یہاں چلتا ہوا ہے، پھر نفع نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں، شاید انتظام و نگرانی اچھی نہ ہو۔

مسترشدہ:۔ اللہ تعالیٰ رزق کا سامان فرمادیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ انشاءاللہ تعالیٰ

مسترشدہ:۔ اب میں چاہتی ہوں کہ حضور اقدس اجازت مرحمت فرمائیں کہ یہ لونڈی ایک آدھ گھنٹے کے لئے حضور اقدس کے در پر حاضری دے سکے، مقصد بجز اس کے کچھ نہیں کہ حضور کے پُر انوار قیام گاہ کی زیارت ہو جائے، اور شرف سے مستفیض ہو سکوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہمارے یہاں آج کل کچھ مہمان ٹھہرے ہیں جو ۲۲ دسمبر کو جانے والے ہیں۔ آپ ۲۳ کے بعد تشریف لائیں، جہانگیر روڈ

پر ہندوستان ہائی کمشنر کا دفتر ہے اسی کے مقابل گلی ہے، جس کا نام چمن اسٹریٹ ہے، اس گلی میں چوتھا مکان ہے، مکان پر سید ابو عاصم ایڈوکیٹ کی تختی لگی ہوئی ہے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۱۷ر جنوری ۱۹۵۳ء

مکتوب - ۲

(بنام کلثوم بی صاحبہ)

جنابہ کلثوم بی صاحبہ

اشتیاق اطلاع احوال مریدین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مدت کے بعد آپ نے یاد کیا آپ کا خیال بار بار آتا رہا۔ کہ معلوم نہیں آپ کا کیا ہوا اور کوئی جگہ آپ کو ملی یا نہیں؟

شفقت شیخ میں ادھر چند ماہ سے بیمار تھا، اور اب بھی ہوں۔ امید ہے، کہ اب صحت شروع ہو رہی ہے اب جب چاہیں صبح ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک آسکتی ہیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی۔ ۱۷ر نومبر ۱۹۵۳ء

مکتوب نمبر ۱

بنام سید علی احمد صاحب سابق صدر آزاد کشمیر

مورخہ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

عزت مآب نصرکم اللہ تعالیٰ

والا نامہ، افتخار کا باعث ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ۔

اس سے پہلے ایک رسالہ بھی انگریزی میں موصول ہوا تھا۔ جس سے آپکی مذہبی دلچسپی اور قرآنی اطلاع کا حال معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ یہی وہ کمی ہے جس سے ہمارے اکثر ارباب اقتدار محروم ہیں ....

.... ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء

نتھیا گلی جانے کی خبر قبل از وقت تھی۔ اب دستور ساز کمیٹی کا اجلاس ۱۶ جولائی کو کراچی ہی میں منعقد ہوگا۔ البتہ پنجاب یونیورسٹی کمیشن کا اجلاس ۱۱ جولائی سے تک مری میں ہوگا۔ میرا قیام وہاں ۱۴ تک رہے گا مجھے معلوم نہیں کہ مظفر آباد وہاں سے کتنی دور ہے۔ اگر یہ ممکن ہو تو میں راولپنڈی وقت سے پہلے پہنچ جاؤں، تاکہ مظفر آباد کے لئے موقع مل سکے

والسلام

دعا گو فقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان ندوی

مکتوب نمبر ۲

بنام جناب سید علی احمد شاہ صاحب سابق صدر آزاد کشمیر

مورخہ ۳ر اگست ۱۹۵۱ء

ڈار منزل۔ چمن اسٹریٹ

کراچی۔ ۵

محترم و مکرم جناب سید علی احمد شاہ صاحب صدرِ حکومت آزاد کشمیر

دام فضلکم نصرکم اللہ و ایدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

میں اپنی علالت، ہاتھ میں درد کے سبب سے اس زمانہ میں سفر نہ کر سکا۔ آپ کے عنایت نامہ کے لئے آپ کا سراپا سپاس گذار ہوں۔ اب ۸ - ۱۱ر اگست ۱۹۵۱ء کو مجھے مری میں بسلسلہ تاسیس دار العلوم حاضر ہونا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے لئے وقت مل سکے گا کہ مظفر آباد حاضر ہو سکوں۔ حضرت میر واعظ صاحب اور چوہدری غلام عباس صاحب کا شکریہ کہ اس ناچیز کو یاد فرماتے ہیں

اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں

والسلام

سید سلیمان ندوی۔

مکتوب بنام میاں جی عادل صاحب

کراچی نمبر ۵ - ۱۴ جنوری ۱۹۵۲ء

بخدمت مکرمی جناب میانجی عادل صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ آپ لوگوں کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں ۔ دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے رفقاء کو اتباع مرضیات کی توفیق عنایت فرمائیں اور بخیریت منزل مقصود تک پہنچائیں آپ لوگ اس وقت بفضلہ تعالیٰ ایک بڑے مقصد کے لئے سفر کر رہے ہیں ۔ اس راستہ کا توشہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور باہم ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک اور مسلمانوں پر شفقت ۔ آپ لوگ اس وقت اسلام کے پیغامبر اور قاصد اور اللہ تعالیٰ کے حامی ہو کر نکلے ہیں سلامتی اور محبت کے یہ پیغام مسلمانوں میں پھیلاتے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام سے مسلمانوں کا دل بڑھاتے اپنے راستہ کو طے کریں ذکر و شکر الٰہی ہر وقت جاری رہے ۔ میری اور سب کی طرف سے سب کو سلام مسنون پہنچائیں ۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

لے یہ مکتوب گرامی حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے میاں جی عادل صاحب کو جو اس پہلی حج والی پیدل جماعت کے امیر تھے ۔ جو حضرات تبلیغ بسلسلہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی سے پیدل حج کے لئے راستہ میں تبلیغ کرتے ہوئے روانہ کی تھی ۔ میں نے خط روانگی سے پیشتر لے کر نقل کر لیا تھا ۔ (محمد اشرف)

مکتوب نمبر ۱
(بنام صوفی محمد ادریس صاحب)

مکرمی صوفی صاحب۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

میں ۲ر نومبر کو لاہور سے واپس آیا۔ آپکی خیریت کی فکر مجھے تھی۔ بارے آپکے خط سے آپ کا حال معلوم ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحت ظاہر و باطن عطا فرمائیں۔

میرے مرض تنفس میں علاج سے بحمد اللہ تخفیف ہے۔
ملتان کے اجتماع میں شرکت اپنی علالت کے سبب سے شاید نہ ملے
گھر میں خیریت ہے۔ سب کی طرف سے سلام لیجئے۔
لاہور میں قاری مدد اللہ صاحب نے میری بڑی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔

والسلام
سید سلیمان
۱۷ر نومبر ۱۹۵۲ء

(مکتوب نمبر ۲ بنام صوفی محمد ادریس)

کراچی۔ ۵

محب مکرم جناب صوفی صاحب زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بحمد اللہ کہ میں ان دنوں بخیریت ہوں۔ اور سانس کی تکلیف نہیں ہے۔ لیکن اسکے لئے مجاہدہ بھی سخت کرنا پڑتا ہے۔ یعنی بغیر نمک اور روغن کا اُبلا ہوا کھانا، مگر صحت کے حصول کے لئے یہ کر رہا ہوں۔ اور اس سے بفضلہ تعالیٰ فائدہ ہے۔

آپ کے احوال۔ ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔ آپ جو کچھ کر رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ نفع روزی کریں

ڈاکٹر صاحب[1] کبھی کبھی آتے رہتے ہیں۔ بخیریت ہیں؟ اور آپ کی صحت اب کیسی ہے۔ عزیزاں عاصم وسلمان کی طرف سے سلام قبول کیجئے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۳ر جنوری ۱۹۵۳ء

[1] ڈاکٹر عبد الحی صاحب

خطوط بنام ملپا علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ا

ملپا علی
بسین ضلع تھانہ
۲۸ رجنوری ۱۹۴۵ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دامت فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خادم سیہ کار مدت سے آنجناب کی خدمتِ اقدس میں حاضری کا ارادہ رکھتا ہے۔ مگر دنیاوی الجھنوں اور ناگفتہ بہ حالات نے موقع نہیں دیا نہ معلوم آجکل میری طبیعت حضرتِ والا کی طرف مائل کیوں ہو گئی ہے فطری طور پر جنابِ والا سے مجھے انس یا یوں کہئے عشق ہو گیا ہے دل بار بار یہ کہتا ہے کہ جنابِ والا کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر فیضِ باطن سے سرفراز ہو جا۔ مگر دنیاوی چیزیں بیچ میں حائل ہیں۔

بذریعہ اخبارات یہ معلوم کر کے نہایت خوشی ہوئی کہ قبلہ بمبئی میں جمعیۃ العلماء کے اجلاس کیلئے تشریف فرما ہیں۔ بندہ، نامہ سیہ، مارے خوشی کے کہ اب قسمت کی یاوری ہے ہر چند کوشش کر کے بمبئی گیا اور سیدھا خلافت آفس میں بمشکل پہنچا، مگر ہوا کہ آنجناب "اندھیری" گئے ہوئے ہیں۔ دوبارہ خلافت آفس کا چکر لگایا۔ جواب وہی ملا جو پہلے تھا۔

مجھے مایوس ہونا پڑا اور آخرکار مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی وعظ جو بابو حجام محلے میں ہوئی، سُنکر لوٹنا پڑا۔ مگر دل میں کشش جناب والا کی طرف لگی رہی۔ کاش ایک مرتبہ آنجناب سے ملتا اور اپنی مردہ زندگی میں تازہ روح پھونکتا !!

حضرۃ الشیخؒ : از ہیچمدان سلیمان

بہ برادر دینی ملیا علی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ کا خط پاکر خوشی ہوئی۔ حضرت مولانا عیسٰی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا متعلق ہونا سُن کر اور خوشی ہوئی۔ یہ خاکسار اُن کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ میں شریک تھا۔ اور باوجود میری نااہلی کے اُن کو میرے ساتھ شفقت تھی۔

حضرت حاجی حقدار خان صاحب بڑے بزرگ ہیں۔ ان کی واپسی کا حال مجھے بھی معلوم نہیں۔ اس ناچیز کے ساتھ آپ کی غائبانہ محبت مجھ پر اللہ تعالیٰ کے افضال میں سے ایک ہے جو میری بے استحقاقی کے باوجود (الغیر) دوستوں کو میری طرف محض اپنے فضل وکرم سے متوجہ فرماتے ہیں۔

آپ نے تکلیف بھی اٹھائی لیکن میری آپ سے ملاقات نہ ہوسکی میں پنجم فروری کی رات کو جاؤں گا۔ موقع ملے تو مل سکتے ہیں۔ میں اندھیری میں پروفیسر نجیب صاحب ندوی کے بنگلہ میں ہوں۔

مسترشد : میں ایک نوجوان یتیم لڑکا ہوں، اللہ کے فضل وکرم سے اہل اللہ سے خاص دلی تعلق ہے اور خدا سے یہی تمنا ہے کہ اپنے فضل وکرم

سے مجھے بھی اپنے مقبول اور محبوب بندوں میں سے بنائیے۔

حضرۃ الشیخ :۔ اللہ تعالیٰ سے بہ دل دعا ہے کہ آپ کو صلاح وتقویٰ سے آراستہ فرمائیں اور اپنا محبوب ومقبول بنائیں۔

مسترشد :۔ صدق میں بارہا آپ کے مضمون پڑھتا ہوں، علاوہ جب کلکتے میں تھا۔ معارف کا تو باقاعدہ مطالعہ کیا کرتا تھا۔ مگر دلی لگاؤ پیدا نہیں ہوا تھا۔ اب نہ معلوم کیوں اچانک آنجناب سے دلی لگاؤ پیدا ہوگیا ہے۔

اور اسی اضطراب کی حالت میں حضرت والا کو خط لکھ رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ حضرت والا اس یتیم اور سیہ کار کی حالت پر ترس کھاکر اپنی زرین ہدایات سے خادم کو مطمئن فرمائیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کا قانونی نسخہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہے۔ طلب رزقِ حلال میں لگنا بھی عبادت ہی ہے اگر اللہ تعالیٰ کے زیرِ حکم ہو۔

مسترشد ، مجھے تو اپنی زندگی ایک حقیقی مسلمان بن کر گزارنا ہے۔ میں نے پہلے مرحوم مولوی محمد عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق پیدا کیا۔ افسوس، حضرت اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ بعدہٗ اب میں نے حضرت قبلہ مولوی حاجی خفدار خان صاحب سے تعلق جوڑ لیا ہے۔ حضرت مرشدی مدظلہ العالی حج سے اب تک لوٹے یا نہیں معلوم نہیں۔ خط ارسال خدمت کرچکا ہوں، ہنوز ہدایات سے سرفراز نہیں ہوا۔ اس لئے پریشان حال ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ ، انفاسِ عیسیٰ، مولانا عیسیٰ صاحب کی کتاب مطالعہ میں رکھیے بڑی

عجیب کتاب ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے معمولات کیا ہیں۔ اس باب میں آپ کو حاجی صاحب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

مسترشد:۔ للّٰلہ آنجناب اپنی زریں ہدایات سے مستفیض فرمائیں۔ گستاخی معاف کیجئے گا۔ فقط والسلام

خادم ملیا علی

حضرۃ الشیخؒ: مجھ سے جو خدمت متعلق ہو، اس کے لئے اس خاکسار کو اپنا خادم تصوّر کیجئے۔ والسلام

۱۴ صفر ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۲

ملیا علی

۴ مارچ ۱۹۴۵ء

بسین

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اعظم گڑھ

از سید محمد ان سلیمان

اخی فی اللہ ارشد کم اللہ تعالیٰ۔

مسترشد : واضح باد کہ مدت کے بعد لکھنؤ سے خط موصول ہوا اور مرشدی قبلہ مدظلہٗ العالی کی تشویشناک علالت کی خبر نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی گئی۔

حضرۃ الشیخؒ : حضرت حاجی مقدار خان کی ملاقات سے لکھنؤ میں مشرف ہوا۔ اب بحمداللہ صحیح وسلامت ہیں۔

مسترشد : جب سے خط آیا ہے خادم نہایت مضطرب و پریشان ہے مگر نالائق اور سیہ کار بجز دعا کے اور کچھ کر نہیں سکتا۔ وقتاً فوقتاً حضرت کی صحت یابی کے لئے دعا کیا کرتا ہوں۔ اللہ پاک حضرت مرشدی قبلہ کو جلد از جلد صحت کلی عطا کرے۔ دعا کیجئے گا۔

حضرۃ الشیخؒ : یہی کرنا چاہیئے

مسترشد : حضرت مرشدی قبلہ کی روانگی حج اور بعدہٗ بباعث علالت خادم مدت مدید سے ارشادات سے محروم ہے۔ نہ معلوم خداوند کریم کی اس میں کیا مصلحت ہے آج کل طبیعت کچھ پریشان رہتی ہے۔ خاص کر ابھی تو زیادہ پریشان ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : یہ پریشانی بھی باعث اجر ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے کہ یہ بھی خدا کے لئے ہے۔

مسترشد : حسب ارشاد مرشدی قبلہ مدظلہ العالی، بعد مغرب ۶ رکعت نفل اور بعد عشاء ۸ رکعت نفل پڑھ کر وتر پڑھ لیتا ہوں اور سونے کے قبل پانچ صد بار لاحول پڑھتا ہوں۔ علاوہ تہجد بھی ادا کیا کرتا ہوں اور تسبیح دوازدہ اور اسم ذات تین ہزار مرتبہ کا بھی معمول ہے اور مناجات

مقبول ہر صبح ورد کیا کرتا ہوں۔ پھر بھی دل کو چین نہیں۔ اور جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ کی طرف مائل ہونے کی کوشش کرتا ہوں مگر دھیان خدا کی طرف سے ہٹ جاتا ہے اور دوسری دنیاوی چیزیں دماغ پر سوار ہوا کرتی ہیں۔

حضرت الشیخ ؒ:۔ اگر تہجد پڑھا کرتے ہیں تو بعد عشاء وتر سے پہلے ۸ رکعات نفل کی ضرورت نہیں۔ یہ ان کے لئے ہے جو تہجد میں نہیں اٹھتے۔ یہ سب معمولات ٹھیک ہیں۔ قائم رکھئے۔ نماز میں یہ تصور کیجئے کہ نور کے حرفوں میں لفظ اللہ آپ کے دل میں لکھا ہے۔ اس کی طرف متوجہ رہیئے اور خیال کیجئے کہ سامنے کھڑے ہیں۔ الفاظ پر بھی اگر توجہ رہے تو بالفعل کافی ہے۔

مسترشد:۔ علاوہ اب تک یہ معلوم نہ کرسکا کہ مجھ میں کون کون سے اخلاق ذمیمہ موجود ہیں۔ میں ہر وقت اس کی تحقیق کیا کرتا ہوں۔ مگر بباعثِ لاعلمی معلوم نہ کرسکا۔

حضرۃ الشیخ: اخلاق ذمیمہ اگر خود نہیں معلوم ہوسکتے تو اپنے خالص احباب سے پوچھئے۔ ورنہ درحقیقت انسان کو اپنا حال خوب معلوم ہوتا ہے ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسترشد: ہمیشہ یہی خوف دامن گیر ہے کہ کہیں کوئی مرض جڑ پکڑ کر بیٹھ نہ جائے اور میں معرفت کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہو جاؤں۔ اللہ پاک میری تمام کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور معرفت کی نعمت سے

مالا مال فرمائے۔ آمین۔ دُعا کریں۔

موجودہ کافرانہ ماحول میں حلال اور پاک رزق ملنا بھی محال ہو گیا ہے اس لئے یہ بھی خوف ہے کہ کہیں حرام غذا اس مبارک اور عظیم نعمت سے محروم نہ رکھے۔ بہر حال مجھے تو ہر طرح سے اپنے اندر کوتاہی دکھائی دیتی ہے۔ اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے میری کوتاہیاں میری آنکھوں کے سامنے لاتے جن کو میں آپ بزرگواروں کی شفقت و مدد سے دور کروں اور فیض باطنی سے فیض یاب ہو جاؤں۔ دعا کریں اللہ پاک اپنی معرفت سے مالا مال فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ: بے شبہ یہ زمانہ ایسا ہی ہے ہمیشہ اپنی طاقت بھر احتیاط کیجئے اور باقی کیلئے استغفار کیجئے۔

مسترشد: یہاں آپ بزرگوں سے بہت دور پڑا ہوں۔ ورنہ وقتاً فوقتاً قدم بوسی کے شرف سے مستفیض ہو لیتا۔

اللہ پاک ہم سب کو اپنی معرفت سے منور فرمائے۔ آمین۔ خادم ہدایات کے لئے بے تاب ہے للہ جلد از جلد زرین ہدایات سے مستفیض فرمائیں۔ فقط طالب ہدایات والسلام۔ گستاخی معاف فرمایئے

آپ کا گناہ گار خادم ملپا علی

حضرۃ الشیخؒ: دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکو مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائیں۔

مسترشد: یہاں والوں سے اب تک کوئی میل ملاپ نہیں ہوا حسب ارشاد آنجناب ایک دو مرتبہ اپنا خیال ان پر پیش کیا۔ مگر کوئی خاص اثر پیدا نہیں ہوا۔ لوگ مذہب سے بالکل بے بہرہ ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اپنا فرض صرف کہنا ہے، لوگوں کا ماننا نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی بات کفار نے نہیں مانی مگر ان کے اجر میں اس سے کمی نہیں ہوئی۔

مکتوب نمبر ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملیا علی۔

لبسین ضلع تھانہ۔ ۲۴ اپریل ۱۹۴۵ء

بخدمت مخدومی و مطاعی حضرت والا دامت برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرتِ والا کا ہدایت نامہ شرف صدور ہو کر کئی دن ہوئے۔ خادم کچھ مشغولیت اور طبعی الجھنوں کے باعث بروقت دوبارہ خط ارسال خدمتِ اقدس کر نہ سکا۔ معاف فرمائیں۔

حسب ارشادِ آنجناب نماز کے اندر تصور کر لیتا ہوں۔ امید ہے کہ بفضلِ خداوند پاک فائدہ ہوگا۔ دعا کیجئے کہ اللہ پاک ایک حقیقی مسلمان بنا دے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اخی فی اللہ۔ ادام اللہ توفیقکم
بروقت جواب دینا ضروری نہ تھا اور نہ کوئی میری طرف سے سوال تھا اس لئے عفو خواہی کی آپ کو ضرورت کیا ہے۔

اُمید ہے کہ انشاء اللہ فائدہ پہنچے۔ عمل سے فائدہ ہوتا ہے۔ صرف تمنا سے نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ وہ بھی عمل ہی ہے۔

مسترشد:۔ خادم بزرگوں کی صحبتِ مقدسہ سے دور اور خود جاہل ہونے کی بنا پر اندرونی امراض کی تشخیص کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اب تک کسی قسم کے مرض باطنی سے آگاہ ہوکر اپنی اصلاح کرا نہ سکا۔ عمر اور وقت ضائع ہو رہا ہے۔ مگر خادم اصلاح سے مزین نہیں ہوتا۔ اس پر سخت افسوس ہے۔ وجہ یہ کہ بزرگوں کا سایۂ فیض موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو اس سے بڑا بدبخت اور کون ہوگا۔

حضرۃ الشیخ:۔ آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف و رسائل دیکھا کریں عیوب و نقائص کا پتہ چل جائے گا اور ان کا علاج بھی معلوم ہوگا۔ بدبخت کوئی نہیں۔ محروم کہئے۔ اللہ تعالیٰ نے قسمت، بخت اور نصیب سب صحیح اور عین مطابق حکمت بنائے ہیں۔

مسترشد:۔ میں صرف اپنے مالک حقیقی سے مخلصانہ دعا کرتا ہوں کہ بار الٰہی! میرے باطنی امراض مجھ پر آگاہ کر اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ فرما۔

حضرۃ الشیخ:۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ معرفت عطا فرمائے۔

مسترشد:۔ حسب تحریر سابق مرشدی قبلہ مدظلہ العالی کی زرین ہدایات پر عمل جاری ہے۔ دُعا کیجئے کہ ثبات اور استقلال عطا ہو

حضرت شیخ:۔ مبارک

مسترشد:۔ آج کل آمدنی کا ذریعہ کچھ محیط سا ہو گیا ہے اور اخراجات بجید

بڑھ گئے ہیں۔ علاوہ میرا خانگی ماحول کچھ ایسا ہے، دولت کے پیاسے
طالب شہرت و نام۔ ساتھ ہی ساتھ خود میرے بڑے بھائی صاحب
اس وقت اللہ کے فضل و کرم سے کچھ پیسے والے ہوگئے ہیں اور خادم
ایک غریب اور مسکین حالت رکھتا ہے۔ اب تک ہم دونوں بھائی ساتھ
ہیں اس لئے کچھ تردّد سا پیدا ہوتا ہے کہ خادم کی اپنی غریبی کی حالت میں
ایسے ماحول میں کس طرح اپنی زندگی گذارنا ہوگا۔ اور اس کے لئے کن
کن چیزوں کا خیال اپنے پیش نظر رکھنا ضروری ہے

حضرۃ الشیخ رح:۔ دل سے بارگاہ الٰہی میں یہ فقیر دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی
مالی مشکلات دور فرما کر آپ کو وسعتِ رزق اور قناعت عنایت فرمائیں۔

مسترشد:۔ موجودہ کاروبار ایک دیہات کے اندر بہت ہی ادنیٰ پیمانے پر ہے۔
اللہ پاک بڑے اچھے رزاق ہیں۔ رزق ضرور عطا فرمائیں گے۔ آپ بھی دعا
فرمائیں، مگر دنیاوی نقطہ نظر سے یہ بات دل کے اندر کھٹکتی ہے کہ اتنے
چھوٹے کاروبار میں دو تین شریک کار۔ بیوپار کی حالت یہ اور اخراجات
آئے دن بڑھ رہے ہیں۔ اس لئے بعض اوقات یہ خوف پیدا ہوتا ہے
کہ جس نے ہماری امدادِ مالی کی ہے اس کے پاس کہیں شرمندہ ہونے
کی نوبت نہ آجائے۔ اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے عزت و آبرو بچائیں
سب کچھ اسکے سپرد ہے اور یقین ہے کہ اللہ میاں سب کچھ ٹھیک کردیں گے۔ فقط دعا کیجئے
کہ اللہ پاک ہم سب کو معرفت سے مالا مال فرمائیں۔ والسلام گستاخی معاف فرمائیں۔ طالب ہدایت و دعا
خادم ملیا علی

حضرۃ الشیخ رح: آمین   سید سلیمان ندوی۔ ۱۵۔ ج ۱ ۱۳۶۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملپا علی۔ مدراس مکتوب نمبر ۴

۲ اگست ۱۹۴۵ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دامت برکاتکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ،

افسوس صد افسوس کہ حضرت والا کی خدمتِ اقدس میں خادم اپنا نامہ سیاہ پیش نہ کرسکا۔ مدت سے خادم آنجناب کی ہدایات سے محرومی پر بہت ہی پریشان ہے

اعظم گڈھ/یکم رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ

حضرۃ الشیخؒ: اخی فی اللہ تعالیٰ زاد اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ۔ کچھ حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید طمانیت بخشیں الحمد للہ کہ آپکو معاملہ رزق کی طرف سے تھوڑی طمانیت ہوئی۔

مسترشد: گزشتہ خط میں خادم اپنے ذریعۂ معاش کی تنگی کے متعلق تحریر کرچکا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے مدراس میں ایک لائسنس ملا اور فوراً دکان بھی ملی۔ دکان ملنے کی خبر پہنچتے ہی خادم متوکل علی اللہ ہوکر مدراس آیا اور بسم اللہ کہہ کر دکان کھول دی۔ دکان کھول کر آج قریب مہینے سے زائد دن ہوئے اللہ کے فضل و کرم سے کاروبار اچھا ہے۔ مگر اس وقت دکان پر میں ایک ہی آدمی ہوں۔ مال خرید کرنا۔ دکان داری کرنا۔ حساب کتاب رکھنا سب کچھ صرف خادم ہی کو کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے

جب سے یہاں آیا ہوں تہجد، ذکر، ورد سب کچھ فوت ہو جاتا ہے اس لئے بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں. ورد اور وظیفہ جب سے فوت ہونا شروع ہوا ہے دل بھی بے چین اور بے قرار ہوتا گیا ہے. اللہ ہی اپنا فضل وکرم کرے اور ایمان اور قربت الٰہی کی نعمت عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ: ہمت کیجئے یہ وقت ہمت کا ہے۔ جس طور سے ہو معمولات پر قائم رہئیے۔ اسکے فضل وکرم سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری وباطنی دونوں نعمتیں آپ کو دیں۔

مسترشد: چند دن پہلے ایک خواب نظر آیا کہ جمعہ کے دن نماز کی تیاری کر کے نماز کرنے جا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ قبرستان کو صاف کرا کے نماز کا انتظام ہوا ہے۔ دیکھنے کے لئے قبرستان گیا۔ قبلہ بجائے مغرب کے مشرق کی طرف کیا گیا ہے۔ میں دیکھ ہی رہا تھا کہ معلوم ہوا جمعہ کی نماز ہو گئی۔ مجھے سخت افسوس ہوا پھر دوسرے دن خواب دکھائی دیا کہ میں ایک بزرگ سے خواب بیان کر رہا ہوں۔ اور بزرگ خواب کی تعبیر یہ بتا رہے ہیں کہ انشاء اللہ فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔ نہ معلوم اس خواب کی حقیقت کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: خواب کی حیثیت محض بشارت کی ہے۔ خوش ہو جئے کہ اچھی کیفیات کے خواب دیکھے۔

مسترشد: مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ جب سے یہاں آیا ہوں۔ کتابوں کا مطالعہ تک کر نہیں سکتا۔ علاوہ ازیں بزرگوں سے خط کتابت کرنے سے

بھی محروم ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح: اطمینان کرکے ان دونوں کاموں کی طرف بھی توجہ کیجئے گا۔
مختصر ہی سہی مگر سلسلہ نہ ٹوٹے

مسترشد :۔ اللہ پاک مجھے ایک حقیقی مسلمان بنائے۔ آمین۔ دُعا کیجئے گا اور
زرین ہدایات سے مستفیض فرمائیے گا۔ فقط۔ والسلام

آپکا خادم

سیہ کار ملپا علی

حضرۃ الشیخ رح: دلی دعا ہے

ہیچمدان سلیمان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۵

ملپا علی

مدراس۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

الحمد للہ حضرت والا کا ہدایت نامہ باعث ہدایت ہوا مگر افسوس کہ خادم
مزید ہدایات سے مستفیض نہ ہو سکا۔

اعظم گڈھ

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس سیہ کار نااہل کو بزرگوں کے فیض باطن سے بہرہ ور ہونے کا کم از کم موقع مل ہی جاتا ہے۔ یہی اس نابکار نالائق کے لئے بہت ہی بڑی نعمت ہے۔ عجب نہیں آپ حضرات کی توجہ خاص سے یہ نابکار دربارِ الٰہی میں مقبولیت کا درجہ حاصل کرلے اور فضلِ خداوندی سے بہرہ ور ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: اپنے ترکِ عمل اور غفلت پر حسرت بھی ثمرات و برکات کا موجب ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل زندہ ہے۔ مردہ کو سوئی چبھونے سے تکلیف نہیں ہوتی

مسترشد: خادم سیہ کار عملی میدان میں بہت ہی پیچھے بلکہ کالعدم ہی ہے مگر دل عمل کے لئے مضطرب اور بے تاب رہتا ہے اور اپنی بے عملی پر افسوس کیا کرتا ہے۔ اللہ ہی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

کئی ایک دن سے عمل کی رغبت مفقود ہو چکی تھی۔ الحمدللہ آج دو ایک روز سے کچھ رغبت سی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ پاک استقامت عطا فرمائے۔

حسبِ ارشادِ والا میں نے دو دن سے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک ہدایت فرمائے۔ مطالعہ کے لئے وقت بہت ہی کم ملتا ہے۔ صبح دس پندرہ منٹ مشکل سے نکال لیتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: جی ہاں! حضرت والا رحمۃ اللہ کے ملفوظات و تالیفات کے مطالعے سے نئی قوت پیدا ہوگی۔ دس پندرہ منٹ بھی غنیمت ہیں۔

مسترشد:- ایک خواب کی تعبیر میں حضرت مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ العالی نے تحریر فرمایا ہے کہ خواب دیکھنے والا بعض بدعتوں میں مبتلا ہے مگر اہل شریعت سے مضبوط تعلق ہونے کی بنا پر شیطان اپنا قبضہ انشاء اللہ جما نہیں سکے گا۔ خادم خود متفکر ہے کہ اپنے اندر کون سی بدعت ہے۔ میں کون کون سی بدعتوں میں مبتلا ہوں۔ بے علم ہونے کی بنا پر واقف نہیں ہوسکا۔ بدعتوں سے واقف ہونے کے لئے کون سی کتاب موزوں اور بہتر ہے۔ جس کا مطالعہ کر کے اپنی بدعتوں سے آگاہ ہوکر اصلاح کرا سکوں۔ للہ تحریر فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- متعدد بزرگوں سے خط و کتابت کرنا برکت کی حد تک تو خیر ہوسکتا ہے۔ مگر متعدد لوگوں سے تعلیم لینا اور اپنے احوال کو پیش کرنا اور مشورہ کرنا طالب کے لئے خود مناسب نہیں۔ آپ نے خواب کی تعبیر جہاں سے پوچھی ہے وہیں سے بدعت کا حل بھی معلوم کرتے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ آپ اپنا مرکز ایک شخص کو بنائیں سب سے بہتر تو جناب حاجی مقداد خان صاحب دام فیضہٗ ہیں یا پھر جس سے آپ اپنا تعلق قلب مضبوط پائیں۔ بحث کسی شخص کی نہیں آپ حضرت والا کی کتاب تعلیم الدین ملاحظہ فرمائیں سنت اور بدعت کا حال معلوم ہو جائے گا۔

مسترشد: عرصۂ دراز سے ما اھل لغیر اللہ بہ کی تفسیر کے متعلق محققانہ تفصیل حاصل کرنے کا خیال تھا۔ مگر حاصل نہ کر سکا۔ آج اتفاقاً ایک سوال پیدا ہوا۔ آج یہاں ہندؤں کا تہوار دیوالی ہے۔ جن کا نیا حساب ہوتا ہے۔ وہ آج اپنے بتوں کی پوجا پارٹ کر کے مٹھائیاں وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور خاص کر دکانداروں اور کاروباری سلسلے میں تعلقات رکھنے والوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یا مٹھائیاں بھیج دیتے ہیں۔ فوراً دماغ سوال کرنے لگا کہ یہ مٹھائیاں یا کوئی اور چیز جو وہ آج اپنے معبودوں کے نام پر نامزد کر اکے تقسیم کرتے ہیں۔ وہ ہم مسلمانوں کو کھانا بروئے آیت بالا حرام تو نہیں۔ اگر کوئی مسلمان کھالے تو اس کے لئے شریعت مقدسہ میں کیا حکم ہے؟ ایسے موقعوں پر غیر مسلموں کا تحفہ قبول کرنا چاہیئے۔ یا رد کرنا چاہیئے؟

حضرۃ الشیخؒ:۔ ما اھل لغیر اللہ کی صحیح تفسیر تو یہی ہے کہ جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے۔ لیکن مراسم شرک وبت پرستی اور کے سبب سے ایسی پوجا پارٹ کی مٹھائیوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ اگر کسی نے نادانی سے کھالیا تو استغفار کرے

مسترشد:۔ دعا کیجئے کہ اللہ پاک اس خادم سیہ کار کو اپنی معرفت سے مستفیض فرمائیں اور زرین ہدایات سے بہرہ ور فرمائے۔

خادم کا دل یہی چاہتا ہے کہ بزرگوں کے قدموں کے نیچے جا گرے مگر جا نہیں سکتا اور حاضری دے نہیں سکتا۔ فقط والسلام

طالب معافی آپ کا خادم سیہ کار

ملپا علی

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ جذبہ قابل قدر ہے۔

ہیچمدان سلیمان

ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ

مکتوب نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملپا علی

مدراس ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرتِ والا کا ہدایت نامہ باعثِ فیض ہو کر کئی دن گزر چکے۔ افسوس کہ کاروباری مشغولیت کے باعث خدمتِ اقدس میں خط پیش کر نہ سکا۔ صدق کے گزشتہ پرچے میں حضرت قبلہ گاہی کی علالت کی خبر پڑھ کر سخت رنج ہوا اور خداوندِ پاک سے عاجزانہ دعا کی کہ حضرت کو جلد از جلد صحت یابی عطا کرے اور قومی و ملّی خدمات انجام دینے کا بیش بہا موقع عطا کر دے

حضرۃ الشیخؒ، ۲۲ ذی حجہ ۱۳۶۴ھ

میرٹھ بذریعہ سید حسین ڈپٹی کلکٹر

اخی العزیز۔ اسعدکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مسترشد: صدق کا پرچہ دیکھنے کے فوراً بعد صحت سے آگاہ ہونے کے لئے خط لکھنے کا خیال مصمم ہوا مگر فی الفور کاروباری سلسلے میں سلیم اور کو مٹبور جانا پڑا اور خادم بروقت صحت سے مطلع نہیں ہو سکا۔
اب تک آنجناب کی صحت یابی کے متعلق کوئی تشفی آور خبر نہیں ملی اس لئے خادم پریشان ہے۔ للہ حضرت اپنی صحت یابی کے متعلق تشفی بخش خط تحریر کردیں۔ خادم کے لئے سکونِ قلب کا باعث ہوگا۔
خداوند کریم کے فضل وکرم سے حضرت والا کو شفایابی ہوئی ہوگی۔ اللہ پاک جناب کو دائمی صحت عطا کرے۔ آمین
حضرۃ الشیخؒ: الحمدللہ کہ یہ فقیر اب اچھا ہے۔ آپ کی محبت کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپکو اس اخلاص کی جزائے خیر دیں۔
مسترشد: حسبِ ارشادِ آنجناب، خادم نے اپنا تعلق حضرت مرشدی حاجی صاحب مدظلہ العالی سے رکھا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ پاک اس خادم سیہ کار کو اپنی معرفت سے بہرہ ور فرمادیں اور اخلاقِ حسنہ سے مزین فرمائیں۔
حضرۃ الشیخؒ: بہت اچھا کیا کہ آپ نے میرے مشورے پر عمل کیا۔ تعلیم کا تعلق صرف ایک سے رکھنا چاہیئے۔ دوسروں سے کسب فیوض بھی کرسکتے ہیں۔ مگر نصائح کی حد تک۔ مگر اپنے حالات و واردات و کیفیات کا اظہار صرف شیخ ہی سے کرنا چاہیئے۔ اور اسی سے علاج اور

تدبیر پوچھنا چاہیئے۔

مسترشد: سب سے بڑی کمی مجھ میں علم کی ہے، پھر بزرگوں کی صحبتِ مقدسہ سے سرتاپا محروم۔ اس بنا پر کسی چیز میں توازن اور اعتدال پیدا کرنا محال ہوتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ٹھوکریں کھانا پڑتا ہے۔

پھر بھی موجودہ ملحدانہ دور میں محقق بزرگوں سے تعلق پیدا ہونا خدا کی بہت بڑی نعمت سمجھتا ہوں۔

حضرة الشیخؒ: بیشک یہ نعمت ہے۔ اسکی قدر دانی کرنی چاہیئے۔

مسترشد: خادم ہر وقت بزرگوں کی ہدایات اور زرین ارشادات کا طالب اور متلاشی ہے۔ للہ زرین ارشادات سے ہر وقت مستفیض فرماتے رہیں تاکہ خادم راہ راست پر آجائے اور قرب الٰہی سے مستفیض ہو جائے انشاء اللہ ہفتہ عشرہ کے اندر اپنے مادر وطن بھٹکل جانے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ خلاصہ احوال بھٹکل جانے کے لکھوں گا۔ اب میں صرف آپکی صحت کی خوشخبری کا منتظر ہوں۔ للہ جلد از جلد صحت سے آگاہ فرمائیں۔ فقط والسلام

طالبِ دعا و ہدایات

ملیاعلی

حضرة الشیخؒ: بس اپنے کام میں لگے رہیئے اور اپنی اصلاح کی فکر سے کبھی غافل نہ رہیئے۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدراس مکتوب نمبر ۷

۳۱، جولائی ۱۹۶۰ء

مسترشد:۔ بخدمت مخدومی ومطاعی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ مدتِ مدید کے بعد خادم اپنا احوال نامہ حضرت والا کی خدمتِ اقدس میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہے۔

بھوپال متصل موتی مسجد

حضرۃ الشیخ رحؒ: اخی فی اللہ تعالیٰ ۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(شرف عزت کو کہتے ہیں۔ ہم فقیروں سے کسی کو عزت حاصل نہیں ہوتی عزت کے معنی غیروں کی نگاہ میں اس کے مرتبے کا بڑھنا ہے۔ وہ یہاں مطلوب نہیں۔ مطلوب اس سے سعادت اور برکت ہے۔

مسترشد: خدائے ذوالجلال سے دعا ہے کہ جنابِ والا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور خادم کو فیضِ باطنی سے مستفیض ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے

کئی سال سے خادم اختلاج القلب کے مرض میں مبتلا رہا۔ بفضلِ خدا دو سال سے افاقہ سا ہو گیا ہے۔ تاہم طبیعت کچھ گری گری رہتی ہے۔ ایک نہ ایک شکایت رہا کرتی ہے۔ علاج کراتے کراتے تنگ

آگیا ہوں، تاہم صحت یابی نصیب نہیں ہوئی۔ علالت اور کچھ دنیاوی الجھنوں کے باعث خادم اب تک مرشدی قبلہ مدظلہ العالی کے مبارک ارشادات پر پابندی کے ساتھ عمل کر نہ سکا۔ اس لئے سخت نادم اور پریشان ہے۔ للہ دعا فرمائیں کہ خداوندِ پاک خادم کو کامل صحت اور طاعات کی رغبت و توفیق عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ: دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مرض سے شفا بخشیں۔ عموماً یہ مرض معدہ کی خرابی سے ہوتا ہے۔ معدے کی اصلاح کی فکر کریں۔ اگر عدم صحت کے عذرِ صحیح کی بنا پر کوتاہی روزانہ ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اُمید ہے درگزر فرمائیں گے اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو توفیق عطا فرمائیں گے۔

مسترشد: رمضان کا مبارک مہینہ ہے۔ اللہ پاک ہر لحاظ سے ہم سب کے لئے یہ مہینہ مبارک کرے۔ آمین! قرآن پاک کو حفظ کرنے کا ارادہ ہے روزانہ ایک آیت بامعنی یاد کرتا ہوں۔ اب تک سورۂ بقرہ کے چار رکوع حفظ کر لیئے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک سارے قرآن مجید کو دل میں آتار دیں اور دل معرفتِ الٰہی سے نورٌ علیٰ نور ہو جائے

حضرۃ الشیخؒ: ماہ رمضان المبارک کو قرآن پاک کی تلاوت سے خاص مناسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مراد پوری کریں اور حفظ کی دولت عطا فرمائیں اس کے لئے ہمت اور استقلال کے ساتھ کئی سال تک لگے رہنے کی ضرورت ہے۔

مسترشد : میں ایک حقیقی خداوندِ پاک کا مسلم و مقرب بندہ ہونا چاہتا ہوں۔
یہی میری دلی آرزو ہے۔ وہ دن میرے لئے باعثِ مسرت ہوگا۔ جب
کہ میں اپنے مالک حقیقی کے دیدار سے مشرف ہو جاؤں گا۔

حضرۃ الشیخ رح : آپ کا یہ جذبہ مبارک ہے۔ اس کا راستہ صرف ایک ہی ہے
کہ آپ دل سے احکام الٰہی کو پوری طرح بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ فضل
فرمائیں گے۔

مسترشد : دعا فرمائیں کہ خادم جلد سے جلد قربتِ الٰہی سے مستفیض ہونے
کا اہل ہو جائے۔

حضرۃ الشیخ رح : دلی دُعا ہے

مسترشد : میں حضرۃ الشیخ رح سے بہ ادب التجا کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں جن
امور کی ضرورت ہے، حضرتِ والا وقتاً فوقتاً زرین ہدایات سے سرفراز
فرمائیں۔ وجہ یہ ہے کہ خادم ایک جاہل اور بے علم آدمی ہے۔

حضرۃ الشیخ رح : مختصر طور سے اوپر عرض کر چکا۔

مسترشد : دین کو دنیا پر غالب کرنا چاہتا ہوں مگر کسی نہ کسی طرح دنیا دین پر
غالب آتی ہے یہ میری کمزوری ہے!

حضرۃ الشیخ رح : اس کا علاج توفیق الٰہی کے بعد صرف عزیمت اور [illegible] ہے
آپ یہ تصور کریں کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے۔ [illegible]
ہیچ ہے اور اصل باقی کے [illegible]
اور آخرت کے [illegible]

مسترشد، کئی مدت سے بزرگوں کی خدمت میں حاضری دینے کا شائق ہوں۔ مگر دنیاوی الجھنوں کے باعث اب تک خدمت گزاری سے محروم رہا۔

حضرۃ الشیخؒ، یہ خیال اپنے دل میں رکھیئے۔ اسکی ناکامی میں بھی کامیابی ہے کہ تعلق تو اہل حق سے قائم رہتا ہے۔

مسترشد، رمضان کا مبارک ماہ گزر رہا ہے۔ زکوٰۃ کا مہینہ ہے اسلئے زکوٰۃ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ، خاص طور سے زکوٰۃ کو رمضان کے لئے روکنا نہیں چاہیئے۔ لیکن سنت ہے کہ رمضان میں خیرات اور صدقات زیادہ دیئے جائیں۔

مسترشد، زکوٰۃ آمدنی پر ہوتی ہے یا بچت پر؟ ایک دکاندار کو کسطرح زکوٰۃ نکالنا چاہیئے؟ آیا کل آمدنی پر نکالنا چاہیئے یا سال کے آخر میں جو آمدنی بچ جائے اس پر فرض ہوتی ہے۔ بقدر زرین ہدایات سے مستفیض فرمائیں۔ فقط والسلام۔ آپکی زرین ہدایت کا طالب۔ خادم [illegible] علی

حضرۃ الشیخؒ، زکوٰۃ اس مال پر ہے جو سال بھر تک مالک کے پاس رہے اور وہ نصاب سے سے زائد ہو جو آمدنی خرچ ہو جائے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ سال بھر تک ضرورت سے زیادہ جو مال بچا ہے اور وہ قابل زکوٰۃ ہو اور نصاب سے زائد ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے تاجر کے پاس نقد اور اسباب کی صورت میں جتنا سرمایہ ہو اسکا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے تو اس رمضان میں آپکے پاس ۵۰۰ نقد ہے اور دو ہزار کا تجارتی سامان تو ڈھائی ہزار پر زکوٰۃ ہو گی۔ اب اگر قرض بھی اسکے ذمہ ہے تو بقدر قرض سرمایہ سے منہا ہو جائیگا۔ جیسے اس شخص پر پانچ سو روپے قرض ہے تو پانچ سو نکال کر صرف دو ہزار پر زکوٰۃ ہو گی۔

والسلام، سید ابوالحسن سلیمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملیباعلی بھٹکل　　مکتوب نمبر ۸

۲؍ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

بخدمت مخدومی و مولائی قبلہ صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :- اخی فی اللہ تعالیٰ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد :- واضح باد کہ مدتِ مدید کے بعد خادم حضرتِ والا کی خدمتِ اقدس میں احوال نامہ پیش کر رہا ہے۔

افسوس صد افسوس کہ خادم کو بزرگوں سے تعلق پیدا کرنے کے لئے بہت ہی کم موقع ملا کرتا ہے۔ علاوہ بزرگوں کی صحبتِ مقدس سے تو خادم یک لخت محروم ہی ہے۔ اس لئے فیض باطن سے بہرہ ور ہو نہیں سکتا۔

اصلاحِ نفس کے لئے کوشاں ہوں مگر ذاتی کوشش اب تک کامیاب نہیں ہوتی۔ اللہ پاک ہی اپنے فضل وکرم سے ظاہر و باطن سنوارے۔ مرشدنا مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ بھی آج کل نایاب ہو گئے ہیں۔ اس لئے مواعظ کے مطالعے سے بھی محروم ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ : کچھ حرج نہیں۔ آپ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات و مواعظ پڑھا کریں۔ یہ خود قائم مقام صحبت ہے آپ کوشش

جاری رکھیئے اور ہمت و عزیمت کو کام میں لائیے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی نصیب ہوگی۔

مسترشد: بفضلِ خدا مولانا مرشدی مدظلہ سے سلسلۂ رشد و ہدایت قائم ہے اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے اس گناہ گار روسیہ کار کو معرفت سے فیض یاب فرمائیں۔ آمین! دعا کیجئے۔

حضرۃ الشیخؒ: میری بھی دلی دعا ہے۔

مسترشد: ۱۲ ربیع الاول کو ہر جگہ میلاد منائی جاتی ہے۔ یہاں بھی حسبِ معمول امسال جشنِ میلاد کے لئے عالی جناب پروفیسر محمد امین (بار ایٹ لاء) صاحب کو لاہور سے بلوانے کا انتظام ہو کر دعوت دی گئی تھی۔ آنجناب نے شرفِ قبولیت سے ساکنانِ بھٹکل کو ممنون فرمایا۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی محفلوں میں شرکت کرنا بروئے شریعت کیا حکم رکھتا ہے۔ بدعت تو نہیں؟ اور ایسی محفلوں میں جا کر اپنے ناچیز خیالات اظہار کرنا درست ہے یا نہیں؟ للہ جلد زرین ہدایات سے مستفیض فرمائیں۔ تاکہ دل کے اندر کسی قسم کا کھٹکا یا وسوسہ نہ رہے۔

حضرۃ الشیخؒ: ایسی مجالس میں اگر بدعات کا شمول ہو تو شامل نہ ہونا چاہیئے ورنہ شامل ہو سکتے ہیں۔

مسترشد: الیکشن کی وبا یہاں بھی اچھی خاصی تاثیر دکھلا رہی ہے مسلم لیگ کی صرف ایک ٹکٹ پر دو شخص کھڑے ہیں۔ اور آپس میں بے جا اشتعال پیدا کر کے اتفاق و اتحاد کی بجائے خواہ مخواہ تفریق اور پھوٹ پیدا کر

رہے ہیں۔ ایک نسل ایک قوم اور ایک ہی قبیلے میں دو پارٹی ہو کر ناشائستہ حرکات کر رہے ہیں۔ اللہ ہی ان کی حالت پر رحم فرمائیں اور نیک توفیق عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ: افسوس ہے

مسترشد: خادم غیر جانبدارانہ طور پر اپنی رائے محفوظ رکھ کر دونوں پارٹیوں سے بالکل الگ ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: بہت اچھا کرتے ہیں۔

مسترشد: انشاء اللہ ہفتہ عشرہ کے اندر خادم کو مدراس روانہ ہونا ہوگا۔ آنجناب سے عاجزانہ التماس ہے کہ لِلّٰہ خادم کے لئے دعاء فرمائیں کہ خادم فیض باطن سے مستفیض ہو جائے اور ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنے کے لائق ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: دلی دعاء ہے

مسترشد: خداوند کریم حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین

ہدایت کا منتظر ہوں۔ والسلام

آپکا گناہ گار خادم

ملیا علی

حضرۃ الشیخ: آمین

ہیچمدان

سید سلیمان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۰ ستمبر ۱۹۴۶ء مکتوب نمبر ۹

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

مسترشد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

گذارش ہے کہ حضرتِ والا کا ہدایت نامہ باعثِ فیض ہو کر کئی دن ہوئے، مگر دوبارہ احوال نامہ بروقت خدمتِ اقدس میں پیش نہ کر سکا۔ معاف فرمائیں

بھوپال۔ موتی مسجد

حضرۃ الشیخ زر: اخی فی اللہ تعالیٰ۔ عجل اللہ شفاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

مسترشد:۔ کئی دن سے خادم کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آنت میں پھوڑا نکلا ہوا ہے۔ جس کا علاج بہ احتیاط جلد از جلد کرنا ازبس ضروری ہے۔ اس لئے ڈاکٹروں نے یہی رائے دی ہے کہ ہسپتال میں داخل ہو کر علاج کرایا جائے۔ اگر علاج سے بھی مرض دور نہیں ہوا تو آپریشن کرنا ہو گا۔ ڈاکٹروں کے مشورے کے بمطابق دو ایک روز میں انشاء اللہ تعالیٰ ہسپتال میں داخل ہونے کا ارادہ ہے۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد سے جلد صحتِ کلی عطا فرمائیں اور اپنی معرفت سے مستفیض ہونے

کا زیادہ سے زیادہ موقع دیں۔

حضرۃ الشیخؒ: آپ کی علالت کی خبر سے افسوس ہوا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ و کاملہ عنایت فرمائیں۔

مسترشد: اپنی علالت کی بنا پر خادم آج تک مرشدی قبلہ مدظلہ العالی کے ارشاداتِ عالیہ پر پوری پابندی کے ساتھ عمل کر نہ سکا۔

حضرۃ الشیخؒ: کچھ حرج نہیں نیت تو بشرط صحت عمل کی ہے

مسترشد: دعا کرتا ہوں کہ "خدایا میری تمام گناہوں کو معاف فرما۔ اور اپنی معرفت سے مستفید فرما۔ ساتھ ہی ساتھ صحتِ کاملہ عطا فرما" آمین۔ ثم آمین۔

حضرۃ الشیخؒ: آمین

مسترشد: للہ میری صحت کے لئے دعا فرمائیں اور زرین ارشادات سے مستفیض فرمائیں۔

فقط والسلام

دعا کا طالب

مریض خادم ملیاعلی

حضرۃ الشیخؒ: بارگاہ الٰہی میں شفاء عاجل و کامل کی دعا ہے

والسلام۔

ہیچمدان سلیمان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۱۰

۱۶ اپریل ۱۹۴۷ء

بخدمت مخدومی و مولائی آنجناب قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رح:- محبی ومخلصی دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:- گذارش اینکہ مدت گزری حضرتِ والا کی خدمت میں احوال نامہ پیش کر نہ سکا۔ خیریت سے بھی اطلاع نہ دینے پر خادم شرمندہ ہے۔ چار پانچ ماہ قبل میری علالت کی خبر تحریر کی تھی۔ اسی علالت کی بنا پر ہسپتال بھی داخل ہونا پڑا مگر ہسپتال سے خارج ہونے کے بعد اب تک حضرتِ والا کی خدمتِ اقدس میں والا نامہ پیش نہیں کیا یہ میری بدقسمتی ہے!

ہسپتال میں ۲۲ دن رہنے کے بعد بغیر آپریشن خارج ہوا۔ بہت کمزور ہوا تھا۔ اس لئے وہاں سے سیدھے وطن جانا پڑا۔ ہسپتال کی دواؤں سے مرض میں کچھ تخفیف تو ضرور ہوئی مگر مرض کا استیصال نہیں ہوا۔ اس لئے وطن جانے کے بعد بھی علاج پر توجہ دینا پڑا اور ہومیوپیتھک علاج کرتا رہا۔ اب تک علاج جاری ہے بفضل خداوندکریم کمزوری رفع ہو چکی ہے۔ مگر ورم زائدہ کی شکایت اس وقت بھی موجود ہے۔ ہومیوپیتھک علاج جاری ہے،

دعا فرمائیں کہ خداوندِ پاک صحتِ کامل وعاجل عطا فرمائیں۔ اسی علالت اور کچھ دوسری الجھنوں کی بنا پر خادم احوال نامہ پیش کر نہ سکا۔ غالباً آنجناب میری صحت کے منتظر ہوں گے۔ معاف فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کو اس نے تخفیف عطا فرمائی مزید صحتِ کاملہ عطا فرمائے۔

مسترشد: وطن آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مجھے کلکتے میں تجارتی لائسنس ملا۔ اس لئے کلکتے کا رخ کرنا پڑا۔ بیوپار شروع کرنے کے لئے ۱۶ مارچ کو کلکتہ آیا۔ مگر کلکتہ کے حالات مکدّر ہو گئے ہیں۔ اس لئے اب تک کاروبار کا افتتاح نہیں کیا۔ انشاء اللہ ہفتہ عشرہ کے اندر افتتاح کرنے کا ارادہ ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائیں اور ناگہانی آفت سے محفوظ رکھیں۔ اس وقت کلکتہ میں ہندو مسلم فساد کی بنا پر کہیں آنے جانے میں خوف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہیں آنا جانا نہیں ہوتا۔ دل پر ایک قسم کی وحشت سی محسوس ہوتی ہے۔ اللہ پاک اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ دعا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالات پر رحم فرمائیں اور آپ پر رزق کا دروازہ کھولیں۔

مسترشد:۔ للہ یہ تحریر فرمائیں کہ ایسے نازک وقت میں جب کہ ہندو ہر طرح سے مسلمانوں کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور طرح طرح

کے مظالم دن دہاڑے ڈھائے جا رہے ہیں۔ ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ کس طرح ان سے محفوظ رہنا چاہیئے اور حدودِ شریعت کے اندر کیا کرنا چاہیئے؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ اپنی حفاظت اور مدافعت کریں۔ کسی بے قصور پر حملہ نہ کریں۔ یہ بڑی بُری بات ہے

مسترشد :۔ علالت کی بنا پر اپنے معمولات کو بھی پابندی کے ساتھ ادا کر نہ سکا۔ خدا کا شکر ہے کہ کچھ دن سے پھر اعادہ کر رہا ہوں اور پابندی کے ساتھ ادا ہو رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ اب تک اپنی نفس کی اصلاح نہ کر سکا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جو کچھ ہو سکا اس پر شکر کیجئے اور جو نہ ہو سکا اس پر استغفار کیجئے اور دعا مانگیئے۔

مسترشد :۔ الحمد للہ مرشدی قبلہ مدظلہ العالی سے خط کتابت جاری ہے دعا فرمائیں کہ خداوند پاک کی تابعداری میں زندگی ختم ہو جائے اور خادم معرفت کی نعمت سے سرفراز ہو جائے۔ لِلّٰہ، اللہ میاں سے لو لگانے کیلئے کچھ نسخہ تجویز فرمائیں۔ عین عنایت ہو گی۔ فقط ہدایات کا منتظر ہوں اور طالب دعا ہوں۔ والسلام۔ آپکا ناچیز خادم : ملیا علی

حضرۃ الشیخؒ : دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ظاہری و باطنی صحت عطا فرمائیں۔ حضرت والا کے مواعظ پڑھا کریں اور اپنے مرشد سے مکاتبت کریں

والسلام : ہیچمدان سید سلیمان ۱ جمادی ۲ ۱۳۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکتوب نمبر ۱۱

کلکتہ

1 جون ۱۹۴۶ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مخلص دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ الحمد للہ حضرتِ والا کا ہدایت نامہ شرفِ صدور ہوا۔ دُعا ہے کہ اللہ پاک حضرتِ والا کو اور اس سیہ کار کو فیض باطن سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق ارزانی فرمائیں اور آپ کو بھی۔

مسترشد : میں نے بتاریخ ۲۵ مئی اپنے کاروبار کا افتتاح کیا ہے۔ اللہ پاک برکت عطا فرمائے۔ فی الوقت یہاں کی فضا بہت خراب ہے جس کا اثر بیوپار پر بہت بُرا پڑا ہے۔ بذاتِ خود کسی فرد کو چین نصیب نہیں ہے۔ ہر وقت خوف لگا ہوا ہے۔ اللہ پاک ہر قسم کی ناگہانی آفتوں سے محفوظ رکھے۔ دُعا کیجئے۔

حضرۃ الشیخ :۔ دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ برکت دیں

مسترشد :۔ اپنڈسس کی پرانی شکایت اب تک باقی ہے۔ خدا کرے کہ جلد صحت ہوجائے۔ اس بنا پر خادم کچھ متفکر ہے ہومیوپیتھک علاج

جاری ہے۔ اللہ صحت عطا فرمائے۔ دعا کیجئے۔ اسی مرض کے باعث علی الصباح اٹھنے میں کچھ کاہلی سی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ پاک معاف فرمائے۔ یونانی علاج کرنے کا ارادہ تو مدت سے ہے۔ مگر یہاں کے یونانی حکیموں کے پاس جاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ طبابت کو تجارت سمجھتے ہیں اور قابلِ اعتبار حکیم صاحب کا ملنا بھی دشوار ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ہر طبیب تو ایسا نہیں ہوتا۔

مسترشد :۔ مرشدی قبلہ مدظلہ العالی سے الحمدللہ مراسلت جاری ہے۔ خداوندِ پاک قبلہ گاہی کو عمر طویل عطا فرمائیں۔ اور اس ناچیز کو اپنی نفس کی اصلاح کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ اس وقت "الدین القیم" نامی کتاب جو حضرت قبلہ مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہ کی ہے، زیر مطالعہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انفاس عیسیٰؑ نامی کتاب دوبارہ مطالعہ کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ مواعظ بھی بلاناغہ مطالعہ کیا کروں گا۔ فی الوقت میرے پاس مواعظ بالکل ناکافی تعداد میں ہیں۔ مواعظ آج کل کمیاب ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے تلاش کرنے پر بھی حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے اس لئے خادم مواعظ کے فراہم کرنے سے قاصر ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوشش میں رہیئے۔

مسترشد: جناب والا! میں نہایت شرمندہ اور پریشان ہوں کہ اب تک میرے اندر پختہ اعتماد اور خدا پر بھروسہ پیدا نہیں ہوا۔ آج کل ہم جس کمرے میں رہتے ہیں اس کے مقابل کی کوٹھی میں کچھ ہندو آباد ہیں۔ ان کے خوف سے رات کے وقت اٹھ کر تہجد پڑھنے سے محروم ہوں۔ اس قسم کا خوف انسان کے دل میں ہو تو وہ کس طرح اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔

علاوہ ازیں طاعتِ خداوندی میں کسی انسان کا خوف اور ڈر حائل ہو جائے تو اس کے ایمان کا کیا کہنا۔ میں اپنے اندر وہ صفت پیدا کرنا چاہتا ہوں جس کے متعلق قرآن مجید نے مومنوں کو مخاطب کیا ہے۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

حضرۃ الشیخ رح:۔ یہ تو ضعف طبعی ہے۔ بحمد اللہ ضعفِ اعتقادی نہیں اور فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں۔

مسترشد:۔ خدا کرے کہ مجھ میں ایک پکے مسلمان کی تمام صفتیں پیدا ہو جائیں۔ آمین

حضرۃ الشیخ رح:۔ آمین

مسترشد:۔ آج کئی دن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس نام محمدؐ (فداہ ابی وامی) دیکھنے سے دل بہت خوش ہوتا ہے اور اس حرفِ شریف کو چومنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور چوم بھی لیتا ہوں۔ آیا شرعی نقطہ نگاہ سے چومنے سے کوئی حرج تو

نہیں، للہ تحریر فرمائیں۔ فقط گستاخی معاف فرمائیں۔ آپ کی ہدایات کا منتظر ہوں۔ والسلام

آپ کا ناچیز خادم

طالب دعا ملیا علی

حضرۃ الشیخؒ : یہ عمل تنہائی میں اضطرار غلبہ شوق میں کبھی کرلیں تو حرج نہیں مگر دوسروں کے سامنے نہ کریں یا اس کو اپنا دستور نہ بنالیں

والسلام

سید سلیمان

۷۸۶

ملیا علی۔ مدراس مکتوب نمبر ۱۲

۱۵ر جنوری ۴۸ ۱۹ء

بخدمت اقدس حضرت مخدومی و قبلہ گاہی دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ ، بھوپال

عزیز گرامی دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: واضح باد کہ چند ماہ کا عرصہ ہوا خادم اپنی الجھنوں میں پھنس کر حضرت قبلہ گاہی کی خدمتِ اقدس میں احوال نامہ پیش نہ کرسکا۔ شاید

جناب والا پریشان ہوئے ہوں گے۔ معافی کا طلب گار ہوں۔
مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر خادم احوال نامہ پیش نہ کر سکا

حضرۃ الشیخؒ:۔ حالات معلوم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلیں دور فرمائیں۔

مسترشد:۔ کلکتے کی ہنگامہ آرائی نے ہم سب کو پریشان کر رکھا تھا۔ کاروباری حالت بہت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔

کاروباری سلسلے میں مدراس جانا پڑا، اچانک ممانی، جس نے ماں کے بعد ہماری پرورش کا بوجھ سنبھال لیا تھا، بیمار ہو گئی اور حالت نازک سے نازک تر ہونے لگی۔ آخر مجھے تار آیا کہ حالت نازک ہے۔ روانہ ہو کر آجاؤ۔ خادم فی الفور روانہ ہوا۔ مگر خدا کی مشیت کہ پہنچنے سے قبل ہی انتقال ہوا۔ مرحومہ کو بتاریخ ۱۷ ذیقعدہ گیارہ بجے دفن کیا گیا۔ خادم اسی شام چھ بجے گھر پہنچا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائیں اور آپ کو تسکین بخشیں۔

مسترشد: ممانی کی ناگہانی موت، علاوہ ازیں انہیں دیکھ بھی نہ سکا۔ نہایت قلق و افسوس ہوا۔ اسی سلسلہ میں کچھ دن وطن میں ٹھہرنا پڑا۔ مگر خدا کی مشیت کہ یکایک میری اہلیہ کی طبیعت بباعثِ اختلاجِ قلب خراب ہوئی۔ اور دو روز بے ہوشی کے عالم میں رہی بہت پریشان و سرگرداں ہو گیا میری پریشانی دگنی ہو گئی خدا کے فضل و کرم سے مرض میں کچھ تخفیف ہوئی۔ رات دن

میں لگا رہا۔ کچھ اطمینان کے بعد مجبوراً وطن سے کلکتہ جانا پڑا۔

حضرۃ الشیخؒ: مریضہ کو اللہ تعالیٰ جلد شفا بخشیں۔

مسترشد، اسی پریشانی میں مبتلا تھا کہ اچانک لکھنؤ سے مولانا مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقالِ پُر ملال کا خط موصول ہوا۔ اب خادم کے پریشانی کی حد نہ رہی۔ اس دل سوز خبر نے میرے سر پر ناقابلِ برداشت غم کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o

حضرۃ الشیخؒ، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حادثے کا علم مجھے بھی لکھنؤ کے خط سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو مغفرت سے نوازیں اور ان کے مدارج بڑھائیں۔

مسترشد، اب میں روحانی طور پر بھی یتیم ہو گیا ہوں۔ للہ میری رہنمائی فرمائیں مدت سے آپ کی خیریت کی خبر سے بھی محروم ہوں۔ للہ جلد از جلد خیریت سے مطلع فرمائیں۔

اب میری حالت ناگفتہ بہ ہے۔ جلد ہدایات سے مستفید فرمائیں والسلام گستاخی معاف فرمائیں۔

آپ کا ناچیز خادم

ملیا علی

حضرۃ الشیخؒ، فقیر بخیر ہے۔ آپ اپنے کام میں بدستور لگے رہیں۔ اور کبھی کبھی حالات سے مطلع کرتے ہیں۔

ہیچمدان سلیمان

۷۸۶

مدراس مکتوب نمبر ۱۳

۲۴ جون ۴۸ ۱۹ء

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ

حضرۃ الشیخؒ:- بھوپال

عزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:- گذارش ہے کہ میں کاروباری سلسلے میں مدراس آیا ہوا ہوں۔ آپ کا ہدایت نامہ مجھے یہاں ملا۔ افسوس دنیاوی مشاغل میں پھنس کر بروقت احوال سے آگاہ نہ کرسکا۔ معاف فرمائیں

معاشی طور پر مجھے اب تک اطمینان نہیں ملا۔ خرچ روز بروز بڑھتا جاتا ہے، مگر آمدنی کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا، اس لئے ہر وقت متفکر رہا کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں طبیعت بھی مضمحل ہو جاتی ہے۔ جس کے باعث اپنے معمولات سے بھی محروم ہوں۔ علاوہ آج کل دل سے خدائے پاک کا خوف اُٹھ گیا ہے۔ غیر عورت کی طرف دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ ذکر میں کمی پیدا ہو گئی ہے۔ عبادات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ سستی اور کاہلی پیدا ہوئی ہے۔ نوافل اور اوراد وظائف سے یک لخت محروم ہو گیا ہوں۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ دل شقی ہو گیا ہے۔ اپنی موجودہ غفلت اور خدائے پاک سے دوری دیکھ کر مجھے سخت افسوس ہوتا ہے۔ دنیاوی فکر نے مجھے خدا کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ نہ معلوم کب دنیاوی تفکرات سے چھٹکارہ ملے گا۔ بہت پریشان ہو گیا ہوں۔ دنیا میرے سامنے اندھیر ہو گئی ہے۔ میں سخت متفکر ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: افکار کے سبب معمولات میں فرق آجانا گو طبعی بات ہے۔ تاہم کوشش اس کی کرنی چاہیئے کہ فرق کسی حال میں نہ آنے پائے گھبرانے کی بات نہیں۔ توبہ و استغفار کے بعد پھر لگ جائیے۔

اضطراب نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رزاقی پر بھروسہ کریں۔

مسترشد: انشاء اللہ بتاریخ ۲۷ ماہ رواں کلکتے کو روانہ ہو رہا ہوں۔ وہاں سے انشاء اللہ چٹگاؤں چلا جاؤں گا۔ دل آپ کی طرف لگا ہوا ہے خدا جلد قدم بوسی کے شرف سے مستفیض فرمائے

آمین۔ والسلام

ناچیز خادم

ملیباعلی۔ مدراس

حضرۃ الشیخؒ: انشاء اللہ تعالیٰ ملاقات کی راہ بشرط حیات نکلے گی۔

والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب نمبر ۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت مخدومی و مطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ عزیزی۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ گزارش اینکہ اس کے قبل خادم ایک خط خدمتِ اقدس میں ارسال کر چکا ہے۔ بہت دن سے ہدایات سے محروم ہے

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ خط کا جواب گیا۔ افسوس ہے کہ آپ کو نہیں ملا۔ آج کل ڈاک کا یہی حال ہے

مسترشد: آج کل کاروباری خستہ حالی کے باعث قرض کا واجب الادا بوجھ میرے سر پر پڑا ہوا ہے۔ علاوہ کاروباری حالت دن بہ دن ناگفتہ بہ ہوتی جاتی ہے، جس کے باعث آئے دن پریشانی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ان پریشانیوں کا برا اثر صحت پر بھی پڑ رہا ہے۔ اللہ رحم کرے۔ علاوہ موجودہ زمانے کے ناخوشگوار حالات نے پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ رات دن تفکر میں لمحات گزارنا پڑا ہے۔ ایسے نازک ترین وقت پر ہم جیسے نابکار گنہگار لوگوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ کس طرح اپنی زندگی کو سنوارنا اور گزارنا چاہیئے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ خادم بہت ہی متفکر ہے۔ اور آئے دن حضرات والا کے ہدایت نامے کا انتظار کرتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جی ہاں! پریشانی کی حالت میں طبعًا طمانیت نہیں ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ سے لو لگانے کا وقت بھی یہی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صحت اور تجارت کی کامیابی دیں۔

مسترشد :۔ ایک طرف گھر والے جو اپنے ساتھ نہیں ہیں، ان کی فکر ہے اور دوسری طرف موجودہ کاروباری خستہ حالی کے باعث جو قرض واجب الادا ہے اس کی ادائیگی کی فکر ہے

بعض اوقات میری حالت پریشانی کے باعث ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے، اس پر بزرگوں کے فیض سے محروم ہونے پر ناقابلِ تحمل صدمہ اور پریشانی ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ : یہ احساس بھی نعمت ہے۔ کتنے ایسے غافل ہیں کہ ان کو اپنی غفلت پر ندامت بھی نہیں ہوتی۔

مسترشد : بفضلِ خداوند پاک، حسبِ ارشاد حضرت والا، عمل کرنے پر غضِ البصر مرض میں تخفیف ہوتی جارہی ہے۔ اللہ پاک استقامت عطا کرے۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ : بحمد اللہ تعالیٰ غضِ البصر کے مرض میں تخفیف ہے یہ مرض پوری کوشش اور اپنے کو قابو میں لائے بغیر نہیں جا سکتا۔ الا ماشاء اللہ

مسترشد : الحمد للہ، بفضل خدائے ذوالجلال، صبح کی نماز باجماعت ادا ہوتی ہے۔ اور معمولات بھی پابندی کے ساتھ ادا کر رہا ہوں۔ اللہ

پاک کے فضل وکرم سے دل بھی مالکِ حقیقی کی طرف مائل سا ہوگیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ تہجد کی ادائیگی میں کاہلی ہوجاتی ہے اور کچھ خوف معلوم ہوتا ہے، جس کے باعث تہجد سے محروم ہوں۔ اللہ پاک تہجد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ معمولات کی پابندی پر مبارک باد۔ تہجد کی ادائیگی میں خوف ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔

موجودہ پریشانیوں کے باعث بہت ہی متفکر اور مضطرب ہوں۔ کیا کروں۔ کس طرح اس سے نجات ملے گی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ پاک میری پریشانیاں رفع فرمائے۔ آمین

صرف آپ کی ہدایات کا منتظر ہوں

والسلام

آپ کا ناچیز خادم

طالب دعا۔ ملیا علی

چینگام۔ ۴ر اکتوبر ۴۸ ۱۹ء

حضرۃ الشیخؒ: دعا کیجئے اور قوت بھر تدبیر میں لگے رہیئے۔ آخر وقت تک نا امیدی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ بھروسہ رکھیئے اس کے در سے کوئی نا امید نہیں ہوتا۔ والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلیمان

۱۲ ذیحجہ ۱۳۶۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؒ

مکتوب نمبر ۱۵

۲۵ر جولائی ۱۹۴۸ء

مطابق ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

بخدمت مخدومی و مولائی قبلہ گاہی دام برکاتکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم ۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ

مسترشد :۔ الحمد للہ یکم رمضان المبارک سے باقاعدہ معمولات ادا کر رہا ہوں۔ خدائے پاک دوام عطا کرے ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ استقامت اور مداومت ہر علاج کا اصلی اصول ہے خدا کرے اب آپ کو استقامت نصیب ہو۔

مسترشد : مگر افسوس کہ بدنظری کا مرض ترقی کر رہا ہے۔ ہر چند تدارک کر رہا ہوں تاہم مبتلا ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ ہم کلکتے میں جس مکان میں مقیم ہیں اس کے اطراف عورتیں رہا کرتی ہیں۔ وہ بھی عریانی کے ساتھ۔ اس لئے ہر چند کوشش کے باوجود دیکھنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے ۔ اللہ پاک نیک توفیق عطا فرمائے اور برے خیالات اور برے افعال سے بچائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بدنظری کا انسداد تو امور اختیاریہ میں ہے ۔ آپ

عزیمت کریں کہ نظر اٹھا کر بالقصد نہیں دیکھیں گے اور اتفاقاً نظر پڑ جائے۔ تو دوبارہ نظر نہیں اٹھائیں گے۔ ایسے موقع پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھ کر قوت حاصل کریں۔

مسترشد:۔ طبعی کمزوری اور بیماری کے باعث خادم بہت پریشان تھا۔ مگر خدائے پاک کی مہربانی سے حضرت قبلہ حاجی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی سے تعلق پیدا ہو گیا ہے اور اب حضرت والا کا روحانی علاج جاری ہے۔ اُمید ہے کہ خدائے پاک صحتِ کامل عطا فرمائیں گے۔ حضرت قبلہ گاہی نے تعویز وغیرہ عنایت فرمایا ہے جسے پہنا ہوا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک صحت عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ حاجی صاحب کا تعلق اُمید ہے آپ کے لئے نافع ہوگا۔ بڑے اللہ والے بزرگ ہیں۔

مسترشد:۔ یہاں ہمیں کاروبار میں تقریباً پندرہ ہزار کا خسارہ ہو گیا ہے۔ اس لئے میں بہت پریشانی ہوں کہ اتنی بڑی رقم کس طرح ادا ہوگی۔ رات دن قرض کی ادائیگی کی فکر دامن گیر ہے۔ اللہ پاک رحم کرے اور ہم کو اس سے سبک دوش کرے۔ آمین۔ فقط۔ فی الوقت پریشانی ہے

والسلام۔ آپکا ناچیز خادم ملیا علی

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو حل کریں۔ اور آپکی مدد فرمائیں

والسلام۔ فقیر ہیچمداں سید سلمان

۲۴ر رمضان ۱۳۶۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۱۶

بخدمت مخدومی و مولائی و قبلہ گاہی دام فیضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

حضرۃ الشیخؒ :- ۱۹ ، محرم ۱۳۶۸ھ

عزیزی و حبیبی شفاکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- الحمد للہ۔ بعد از شدید انتظار، کچھ دن پہلے حضرت والا کا فیض نامہ موصول ہو کر مستفیض ہوا۔ خدا ہم سب کو اپنی معرفت سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین۔

خدائے قدوس سے میری دلی دعا ہے کہ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم جیسے گناہگاروں کو فیضِ باطن سے بہرہ یاب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔ آمین۔ ثم۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- آج کل بفضلِ خداوندِ رحیم اپنے معمولات پر پابندی کے ساتھ عمل کر رہا ہوں۔ مگر تہجد کے لئے جب جاگتا ہوں تو طبعاً دل میں ایک قسم کا خوف محسوس ہوتا ہے اور وضو کرنے کے لئے یا رفع حاجت کو جانے کے لئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ تاہم خادم ہمت کر کے جاتا ہے مگر ڈر کی وجہ سے کچھ پریشانی ہے۔ یہ شاید شیطانی وسوسہ ہے

اس کے لئے کوئی تجویز بتلادیں تو اچھا ہوگا، تاکہ ماسوا اللہ کا خوف زائل ہو جائے اور خداوندِ حقیقی کا خوف دل میں بیٹھ جائے

حضرۃ الشیخؒ :۔ خوف کس بات کا ہے۔ محض وہم ہے۔ آپ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھ لیں۔ آمین

مسترشد :۔ الحمد للہ غض بصر کے مرض سے بھی نجات ہوئی۔ آپ کے ارشادات عالیہ پر عمل کرتا ہوں۔ دعا فرمائیں کہ خداوند پاک کی عظمت ومحبت دل میں کوٹ کوٹ کر بھر جائے اور خادم نعمت قرب سے مالا مال ہو جائے۔

حضرۃ الشیخ : الحمد للہ کہ فائدہ ہوا۔ مزید کوشش جاری رکھیں۔ بے خوف نہ ہونا چاہیئے۔

مسترشد :۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، دلی بے چینی اور اضطراب بفضل خدا قدرے کم ہوگیا ہے۔ مگر بیرونی پریشانی میں کمی نہیں ہوئی ہے۔ قرض کی ادائیگی کی فکر اور ساتھ ہی ساتھ اقتصادی ومالی کمزوری کے باعث خادم پریشان ہے۔ خداوندِ پاک جلد سے جلد قرض سے بری کرے اور بقدر ضرورت حلال وپاک رزق عنایت فرماکر ہماری موجودہ پریشانی رفع فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں اور رزق حلال بخشیں۔

مسترشد :۔ دعا فرمائیں، خداوندِ پاک کی معرفت وقربت سے خادم بہرہ ور ہو جائے اور ہم سب کا خاتمہ بحسن ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مسترشد:۔ نماز میں حضورِ قلب نہیں ہوتا۔ خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر دل منتشر رہتا ہے۔ اس لئے نادم ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی حرج نہیں آپ کوشش کریں اگر حاصل نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس وقت دعواتِ عبدیت کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ صحیح اسلامی تعلیم اور ایمانی ولولہ پیدا ہو جائے اور حقیقی مسلمان کی حیثیت سے دربار الٰہی میں پہنچ جاؤں۔ یہی میری دلی آرزو ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: مطالعہ جاری رکھیں۔

مسترشد: یہاں اردو میں بہترین کتابیں نہیں ملتی ہیں۔ اس سے تفکر بڑھتا ہے۔ کوئی اچھی سوسائٹی بھی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں گھر والے بھی ساتھ نہیں ہے۔ بار ہا خیال ہوتا ہے کہ گھر والوں کو ساتھ رکھوں مگر کاروباری حالت غیر تسلی بخش ہونے کی وجہ سے کچھ تردد ہوتا ہے۔ مگر ساتھ نہ ہونے پر بھی پریشانی ہوتی ہے۔ کیا کیا جائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا ہی مدد فرمائے اور صحیح راہ بتلائے، زیادہ کیا عرض کروں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ طبیعت کو مصروف رکھنے کے لئے تاکہ لغویات کی طرف متوجہ نہ ہو، مطالعہ مواعظ میں مصروف رہیں۔

مسترشد:۔ آخر میں میری التجا ہے کہ میری صحت کے لئے ہر وقت دعا کریں۔ باوجود علاج کے صحت ہر وقت ناسازی رہتی ہے۔ نہ

معلوم خداوندِ پاک کی مصلحت کیا ہے۔ اگر اس کو یہی منظور ہے تو مجھے بھی کوئی عذر نہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت بخشیں۔ راضی برضا ہونے کے یہی معنی ہیں۔

مسترشد: آپ بزرگوں کی دعاؤں کا طالب اور ہدایات کا منتظر ہوں

والسلام

آپ کا ناچیز خادم ملیا علی

چٹگام ۱۴ نومبر ۴۸ء

حضرت الشیخ: والسلام

فقیر ہیچمدان سید سلیمان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ٹیکانگ   مکتوب نمبر ۱۷

۵ دسمبر ۱۹۴۸ء

بخدمت اقدس مخدومی ومطاعی قبلہ صاحب دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبی۔ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ الحمد للہ حضرت والا کا ہدایت نامہ باعثِ فیض ہوا۔ ہدایت

نامے کے ملنے پر دلی سکون حاصل ہوا۔ خدا کرے۔ خادم زیادہ سے زیادہ اطمینانِ قلب کی دولت سے مالا مال ہو جائے اور ہم سب خداوندِ قدوس کے مقرب بندے ہو جائیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آمین

مسترشد:۔ افسوس ہے کہ خادم اپنے دنیاوی دھندوں میں پھنس کر بزرگوں کی صحبت سے محروم ہے۔ اس لئے علمی معلومات سے فیضیاب نہیں ہو سکا۔ علاوہ ازیں بزرگوں کی صحبتِ اقدس سے جو طہارت اور تقویٰ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے خادم محروم ہے۔ کاش! کچھ دن بزرگوں کی صحبتِ مقدس میں رہنے کا موقع ملتا اور اپنے اندر نیک صفات پیدا کر لیتا۔ خیر مشیئت کو یہی منظور ہے اور ہو رہا ہے نہ معلوم دلی آرزو کب خداوندِ تعالیٰ پوری کرے گا۔ دعا فرمائیں کہ زندگی کے کچھ ایام بزرگوں کی صحبتِ مقدس میں کروانے کا موقع عطا ہو تاکہ حقیقی ایمان کی روشنی اور ملکۂ تقویٰ پیدا ہو جائے

حضرۃ الشیخ رح:۔ یہ تمنا اور آرزو خود بھی برکتوں کا موجب ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ دو چار روز پہلے تقریباً تین بجے رات کو ایک خواب نظر آیا۔ ایک نامعلوم جگہ پر کچھ اجنبی آدمی جمع ہیں۔ میں بھی وہاں ہوں گفتگو عزمِ حج کی ہے۔ سبھوں نے مجھ سے کہا۔ حج کو چلئے۔ اور چلنے پر زور دیا اور کہا کہ کل ہی روانہ ہونا ہے۔ خادم بخوشی تیار ہو گیا۔ میرے

ساتھ ایک اور شخص نے تیاری کا اظہار کیا اور میں نے بھی تیاری کر لی پھر رخصت ہوتے وقت مصافحہ کرنے لگا۔ ان میں دو شخص جذام یا برص کے مریض تھے۔ ان سے بھی مصافحہ کرنے کی نوبت آئی۔ احتیاطاً مصافحہ کیا اور صابون سے ہاتھ دھولیا۔ اس کے بعد نیند ٹوٹ گئی۔ نہ معلوم خواب کس قسم کا ہے۔ کچھ تردّد ہوگیا ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

حضرۃ الشیخؒ: کیا آپ کچھ ایسے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں جن سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔

مسترشد: حضرت قبلہ حاجی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کی واپسئ حج کی خبر اب تک نہیں ملی۔ حضرت والا کی خبر نہ ملنے پر خادم پریشان ہے کیونکہ روانگی کے وقت حضرت قبلہ گاہی کچھ علیل تھے۔ بمبئی کے پتے پر خط ارسال کرچکا ہوں۔ مگر جواب نہیں آیا۔ اس لئے تردّد پیدا ہوا ہے۔ حضرتِ والا کی خبر کا منتظر ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ: حضرت حاجی صاحب ابھی تک واپس نہیں آئے ہیں۔

مسترشد: الحمد للہ ثم الحمد للہ، بفضل خداوندِ قدوس معمولات ادا ہو رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ استقامت اور دوام عطا فرمائے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ تعالیٰ۔

مسترشد: غضِ بصر کے مرض سے بھی کچھ نجات ملی ہے۔ ہمت سے کام لے رہا ہوں اور لاحول پڑھ لیتا ہوں۔ علاوہ ازیں رات کے وقت بھی لاحول پڑھ لیتا ہوں۔ اب تک خدا کے فضل سے تہجد بھی ادا ہو رہی

ہے۔ دعا فرمائیں۔ مزید ہدایات کا منتظر ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح: ہمت و عزیمت سے یہ راہ طے ہوسکتی ہے اور اس کا مراقبہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ وہ آنکھوں کے اشارے کو بھی دیکھتے ہیں۔

مسترشد: بفضل خدا مواعظ کا مطالعہ جاری ہے مگر کاروباری انہماک کی بدولت مطالعے کے لئے وقت بہت ہی کم ملتا ہے

تقسیم ہند کے بعد ہمارے سامنے ایک پیچیدہ سوال پیدا ہوا ہے ہمارا کاروبار اس وقت پاکستان میں ہے اور اہل و عیال ہندوستان میں۔ ایسے میں کیا کرنا چاہیئے سمجھ میں نہیں آتا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم کچھ متفکر ہیں۔ خدا کرے دونوں ملکوں میں خوشگوار تعلق پیدا ہو جائے اور آزادی کے صحیح لطف سے تمام آدمی بہرہ ور ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح: یہ مشکل بہتوں کے سامنے ہے۔ آپ اپنے اہل و عیال کو آہستہ آہستہ اپنے پاس بلالیں

مسترشد: ہدایات کا منتظر ہوں۔ زرین ہدایات سے مستفید فرمائیں۔ خدا سے دعا ہے، جناب والا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین والسلام

آپکا خادم۔ طالب دعا ملیا علی۔ ۳۰ صفر ۱۳۶۸ھ چٹگام

حضرۃ الشیخ رح: والسلام

ہیچمدان سید سلیمان ۹ صفر ۱۳۶۸ھ

مکتوب نمبر ۱۸

۷۸۶

بخدمت مخدومی و مولائی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ محب عزیز۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :۔ گذارش اینکہ اس کے قبل ایک خط ارسال خدمت اقدس کر چکا ہوں اور جواب کا منتظر ہوں۔ مگر نہ معلوم اب تک ہدایات سے محروم کیوں ہوں؟ شاید حضرت والا کسی دوسری جگہ گئے ہونگے بہر حال حضرت والا کی خیریت معلوم کرنے کے لئے خادم بیحد بے قرار مضطرب ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جواب بھی گیا شاید ڈاک میں ضائع گیا۔

مسترشد :۔ ۱۹ جنوری کو میری بڑی بہن کی بڑی لڑکی بعمر ۱۶ سال عین جوانی کے عالم میں، مدت تک مرض میں مبتلا رہنے کے بعد آخر کار اس دنیا سے رخصت ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مجھے ۲۰ جنوری کو انتقال پر ملال کا تار ملا اور سخت افسوس اور صدمہ ہوا، کیونکہ بہت سی اُمیدیں اس سے وابستہ تھیں۔ مگر

" اے بسا آرزو کہ خاک شد "

خدا کی مصلحت ہے، ہم کیا کر سکتے ہیں۔ مالک کی مرضی پر اپنی مرضی کو قربان کرنا ضروری سمجھ کر صبر کیا اور دعائے مغفرت کی۔ اللہ پاک مرحومہ

کو جنت الفردوس عنایت فرمائے۔

کئی روز تک اسی پریشانی اور غم میں مبتلا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کی طرف سے ہدایت نامہ نہ ملنے پر بے حد متفکر و متردد ہو گیا ہوں خادم حضرت والا کے ہدایت نامے کا منتظر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت اور آپ لوگوں کو سکون بخشیں۔

مسترشد :۔ خدا کے فضل سے کئی روز کے ناغے کے بعد اب چند دن سے تہجد کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ خدائے پاک رغبت و توفیق عنایت فرمائے۔

حضرۃ الشیخ :۔ ناغے کا سبب کیا تھا؛ اگر سستی تھی تو اصلاح کے قابل ہے۔ اور اگر کوئی مجبوری تھی تو خیر۔

مسترشد ، گذشتہ خط میں اپنی کوتاہیاں تجویز کر چکا ہوں۔ افسوس ہے کہ بزرگوں سے بہت دور ہونے کی وجہ سے فیض صحبت سے محروم ہوں۔ دل یہی چاہتا ہے کہ بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرتا رہوں۔ تاکہ اصلاح و درستی ہو جائے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں دیکھا کریں۔ اس میں بھی صحبت کی برکت ہے۔

مسترشد ، خیر خداوندِ قدوس کی یہی مشیئت اور مصلحت ہے۔ میں کیا کروں!!

آئے دن پریشانیاں اور تکلیفیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ اطمینان نصیب نہیں۔ نہ معلوم کب بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کا موقع ملے گا

خداوندِ پاک بقدرِ ضرورت حلال و پاک رزق عنایت فرماکر اطمینان کے ساتھ مجھے اپنی زندگی اسلامی اصولوں پر ڈھال کر بسر کرنے کا موقع عنایت فرمائیے۔ لہٰذا دعا کیجیے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آمین

مسترشد:۔ خدا کے فضل سے بدنظری سے بچتا آیا ہوں۔ دعا فرمائیں علاوہ ازیں تہجد اور تسبیح دوازدہ اور صبح کی نماز کے بعد تین ہزار مرتبہ اللہ کا ذکر، توبہ، دیگر اوراد، مناجات مقبول اور قرآن پاک کی مختصر تلاوت ہر روز ہو رہی ہے۔ خدائے ذوالجلال توفیق و رغبت زیادہ سے زیادہ عنایت فرمائے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آمین

مسترشد: اب مجھے اپنے معمولات میں اور کیا کرنا چاہیئے اور کن چیزوں سے احتیاط برتنا ضروری ہوگا۔ خدا کرے میں جلد سے جلد اپنی اصلاح کرا سکوں اور حقیقی مسلمان اور خدا کا مقرب بندہ بن جاؤں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ پہلے ان باتوں پر ہدایت ہو جائے تو آگے بڑھیئے۔

مسترشد: حضرت والا کے ارشادات عالیہ کا منتظر ہوں۔ ۳۱ جنوری اور یکم فروری کو آقائی مخدومی حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب مدظلہ العالی یہاں تشریف فرما تھے۔ بفضل خدا، ملاقات کے شرف سے نوازا۔ دو تین مرتبہ ملاقات کے لئے گیا تھا۔ اور وعظ میں بھی شرکت کی تھی۔ حضرت سے ملنے کے بعد دلی تفکر

میں کچھ کمی ہوئی۔ فقط والسلام

حضرۃ الشیخ: اللہ تعالیٰ فائدہ بخشیں

مسترشد: خیریت جاننے کے لئے مضطرب ہوں

آپ کا ناچیز خادم۔ طالب دعا

ملیا علی

حضرۃ الشیخ: فقیر ہیچمداں سلیمان

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

مکتوب نمبر ۱۹

۷۸۶

مسترشد: بخدمت مخدومی و مولائی و آقائی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ: عزیزی وحبیبی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد: الحمد للہ ہدایت نامہ کل دست رس ہوا اور دل مسرور ہوا۔

خداوند پاک حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

خدا کے فضل وکرم سے خادم پابندی کے ساتھ مغرب کی فرض نماز کے بعد چھ رکعت نفل نماز، عشاء کے بعد آٹھ رکعت نفل کے علاوہ نماز صبح کے بعد مناجات مقبول اور تین ہزار مرتبہ اسم ذات اور قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ صرف تہجد کی نماز اور تسبیح دوازدہ

ناغہ ہوگئی تھی۔ وہ بھی سستی سے ناغہ نہیں کرتا تھا۔ گاہے گاہے
علیل رہا کرتا ہوں اور بباعث علالت ناغہ ہوجاتا ہے۔

حضرۃ الشیخ۔ بارک اللہ تعالیٰ۔

مسترشد: علاوہ اس کے سب سے بڑا سبب ناغہ ہونے کا یہ ہے کہ جب تہجد کے وقت نیند ٹوٹتی ہے تو دل میں ایک قسم کا خوف رہتا ہے اور مارے ہیبت کے باہر جاکر وضو کرنے کو ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیئے بسا اوقات تہجد اور تسبیح دوازدہ سے محروم رہا کرتا ہوں۔ گزشتہ شب دو بجے نیند ٹوٹی۔ مگر دل میں ایک قسم کا خوف تھا۔ باہر جانے میں پس وپیش ہوا۔ جب باہر ایک آدمی کی موجودگی کا علم ہوا۔ تو خدا کا نام لے کر باہر گیا۔ اور وضو کیا۔ نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اور اس کمزوری کو کس طرح دفع کرنا چاہیئے۔ تاکہ خادم سیہ کار تہجد اور تسبیح دوازدہ بھی پابندی کے ساتھ ادا کر سکے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ رات کو اٹھنے میں ڈر معلوم ہونے کا سبب کیا ہے ایسے وقت یہ آیت پڑھ لیجئے۔

واللہ یعصمك من الناس واللہ خیر حفظاً و هو ارحم الراحمین۔

مسترشد:۔ دعا فرمائیں کہ خداوندِ قدوس میرے دل سے یہ خوف نکال دے۔ اور اپنی بندگی کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے اس ڈر کو نکال لے

مسترشد :۔ انشاء اللہ باقاعدہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں دیکھتا رہوں گا۔ مقروض ہونے کے باعث اور فی الحال ذرائع آمدنی محدود ہونے کی وجہ سے خادم قدرے پریشان ہے۔ اللہ پاک موجودہ پریشانیاں دور فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ :ضرور دیکھا کیجئے بہت نافع ہیں۔
اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانی کو دور فرمائے۔

مسترشد :۔ آج کل کچھ تعجب انگیز اور خوفناک خواب نظر آتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ : پرواہ نہ کیجئے۔ اپنا کام کیجئے۔

مسترشد :۔ گزشتہ خط ضائع جانے پر سخت افسوس و ملال ہوا۔ خادم منتظر تھا۔ خادم بزرگوں کے ہدایت نامے کے لئے منتظر و مضطرب رہتا ہے۔ فقط

بعض اوقات دل بے حد اداس اور پریشان و تنگ رہتا ہے۔ اللہ پاک جلد سے جلد اپنی قربت سے سرفراز فرمائے۔
آمین والسلام

آپکا نادان ناچیز خادم

ملپا علی۔ ۲۴ فروری ۱۹۴۹ء ڈھیگاؤں

حضرۃ الشیخؒ : الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

فقیر سیچراتے سلیمان

۶ مارچ ۱۹۴۹ء

مکتوب نمبر ۴۰

۷۸۶

مسترشد:۔ بخدمت مخدومی و مولائی مرشدی قبلہ دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ: محبت عزیز۔ زادکم اللہ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ کوئی ہفتہ عشرہ ہوا ہے کہ پشت پر ایک قسم کا زہریلا پھوڑا بشکل سرطان (اوندھا پھوڑا) نکل آیا ہے۔ کئی روز تک بہت حیران رہا۔ اب بفضل خدا ڈاکٹری علاج پر روبہ افاقہ ہوں۔ ڈاکٹر نے بہت احتیاط کے ساتھ ایک روز میں چار پنسلین کے انجکشن دیئے اور تین چار مرتبہ مرہم پٹی بدلوائی۔ بعدہٗ خدا کی رحمت سے صحت ہو رہی ہے۔ جمعہ کے روز بہت پریشانی تھی۔ خیر خدا کا فضل ہے۔ اب خادم لکھنے کا اہل ہو گیا ہے

حضرۃ الشیخ:۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو صحت نصیب ہوئی۔

مسترشد: اولاً اپنی موجودہ ناگفتہ بہ حالات کے باعث پریشان تھا ہی۔ اس میں اچانک مرض نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ اللہ صاحب کی مرضی یہی تھی۔ وہ ضرور ہماری موجودہ پریشانی رفع فرمائیں گے اس وقت بہت کمزور ہوں۔ علاج جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کامل شفا عطا فرمائے۔ آمین۔ دُعا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے۔

مسترشد: حضرت والا کا ہدایت نامہ باعث فیض ہوا۔ علالت کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی۔

میرا ذاتی ارادہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اپنے گاؤں کے قریب ہی محدود طریقے پر بقدرِ ضرورت رزق حاصل کروں، مگر افسوس اپنے ارادے کے خلاف حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ مجبوراً چٹگاؤں آنا پڑا۔ ورنہ میرا ذاتی ارادہ چٹگاؤں آنے کا نہیں تھا۔ اب بھی دل چاہتا ہے کہ وطن یا وطن کے قریب ہی محدود طریقے پر زندگی بسر کروں، مگر اس وقت قرض کا بہت ہی بڑا بوجھ سر پر ہے۔ اس کے ادا کئے بغیر دوسری طرف رُخ نہیں کر سکتا۔ اگر میں تنہا ہوتا تو کچھ حرج نہ ہوتا۔ مگر میرے ساتھ بہن کے دو داماد ہیں اور ایک چھوٹا بھائی بھی۔ ان سب کے باعث مجھے زیادہ فکر لگی ہوئی ہے۔ قرض کے لئے بہت پریشان ہوں۔ اللہ پاک مجھے اس سے جلد آزاد کرا دے۔ آمین

جب میری حالت زیادہ خراب ہوئی اس روز دو وقت کی نماز ادا نہ کر سکا۔ انشاء اللہ بعد صحت قضا پڑھنے کا ارادہ ہے۔

اگر مرض کی حالت میں بے خبری یا بلا خبر احتلام ہو جائے اور مریض اپنی علالت کے باعث غسل نہ کر سکے تو صرف وضو کر کے نماز پڑھنا جائز ہے؟ میں نے تو صرف وضو پر اکتفا کر کے نماز پڑھ لی ہے۔ اگر نماز نادرست ہوئی تو انشاء اللہ قضا کر لوں گا۔

حضرۃ الشیخ : غسل کی نیت سے تیمم کیا جائے اور اس کے بعد نماز پڑھی جائے۔ صرف وضو کافی نہیں۔

مسترشد : ارشادات کا منتظر ہوں۔ دعا فرمائیں، اللہ پاک اپنی قربت سے نوازے اور موجودہ پریشانی رفع فرمائے۔ والسلام

آپ کا علیل وناچیز خادم
طالب دعا، ملیا علی
۲۶ ر اپریل ۱۹۴۹ء چٹگاؤں

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

بندۂ ہیچمدان
سید سلیمان - ۷ ر مئی ۱۹۴۹ء

مکتوب نمبر ۲۱
۷۸۶

بخدمت اقدس حضرت مخدومی و مرشدی قبلہ دام فیضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ : عزیز مکرم۔ زادکم اللہ تعالیٰ توفیقکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد : گزارش ہے کہ بفضل خداوند کریم اب صحت روبہ افاقہ ہے خط کا شکر ہے، کچھ روز سے معمولات پر عمل کر رہا ہوں۔ اللہ پاک استقامت عطا فرمائے۔ علاوہ اثنائے مرض کی نمازوں کو دوبارہ

ادا کر رہا ہوں۔ اللہ قبول فرمائے

حضرۃ الشیخ : آمین

مسترشد :۔ کل رات قریب ڈیڑھ بجے، نیند میں ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے مجھے چونکا دیا۔ میں مارے خوف کے بیدار ہوا۔ دل کانپ رہا تھا۔ وقت دیکھا تو ڈیڑھ بج چکا تھا۔ کچھ دیر کے بعد تہجد اور تسبیح دوازدہ ادا کیا۔ بعض وقت رات کو ایسا ہوتا ہے۔ نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے۔ شاید غفلت سے جگانے کے لئے ایسا ہوتا ہوگا۔ ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیئے۔ بہت دیر تک دل کانپتا رہتا ہے۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ یہ کوئی بات خوف کے قابل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ وقت پر بیدار کردیا گیا۔

شاید آپ کا معدہ اچھا نہیں۔ ہضم صحیح نہیں ہوتا۔ اِس سے یہ صورت پیش آتی ہے۔ آپ کو کسی طبیب سے پوچھ کر سونے سے تین گھنٹے پہلے کھانا کھانا چاہیئے

مسترشد :۔ ہر وقت دل کو ذکر میں مشغول رکھنا چاہتا ہوں۔ مگر اکثر غفلت میں وقت گزر جاتا ہے۔ اللہ پاک اپنی یاد سے غافل نہ کرے۔ دعا فرمائیں۔

حسب ارشاد کام میں لگا ہوا ہوں۔ اللہ پاک قبول فرماکر منزل مقصود تک پہنچا دے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مواعظ کا مطالعہ باقاعدہ کر رہا ہوں۔

افسوس، کہ یہاں پر حضرت قبلہ کی تصنیف شدہ کتابیں نہیں ملتیں کئی روز سے جنابِ والا کی کتابیں دیکھنے کا ارادہ ہو گیا ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت والا کی کون کون سی کتابیں میرے دیکھنے کے قابل ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ : میری کوئی کتاب دیکھنے کے قابل نہیں۔ تاہم اگر دیکھنا چاہیں تو سیرۃ النبیؐ کی جلدیں پڑھیں۔

مسترشد :۔ خداوندِ پاک رزق کی کشادگی کر دیتا تو خادم حسب ارشاد بہت سی کتابیں خرید لیتا۔ افسوس، اب تک محرومی ہے۔ اللہ پاک کا فضل ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی (جو یہاں کے دارالعلوم کے پرنسپل ہیں) سے پڑھنے کے لئے لے لیتا ہوں۔ اور بعد از مطالعہ واپس کر دیتا ہوں۔ خداوندِ پاک کی یہ بھی ایک بہت بڑی رحمت ہے

قرض کے لئے بہت متفکر ہوں۔ اللہ پاک جلد قرض کا بوجھ ہلکا کر دے اور عافیت کے ساتھ اپنی طاعات و عبادات کرنے کا موقع مہیا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ادائے قرض کے لئے تدبیر کے ساتھ دعا بھی کیا کریں۔

مسترشد : زندگی بے ضابطگی کے ساتھ بسر ہو رہی ہے۔ اللہ پاک صحیح معنوں میں مسلمان بنا کر خاتمہ بخیر کرے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ خادم ہدایات کا منتظر ہے۔ دعا ہے اللہ پاک حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور گناہگار، ناچیز خادم کو فیض باطن سے مالامال کرے۔ آمین

کچھ روز سے انوکھے نامعلوم خواب نظر آتے ہیں۔ فقط

والسلام

آپکا ناچیز خادم

طالب دعا، ملیا علی

۲۲ مئی ۱۹۴۹ء چٹگاؤں

حضرۃ شیخؒ : یہ معدے کی خرابی سے ہوتا ہے

والسلام

بندہ ہیچمدان سلیمان

مکتوب نمبر ۲۲

۷۸۶

چٹگاؤں

۳ شعبان ۱۳۶۸ھ

بخدمت مخدومی ومرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلیں حل کریں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ الحمدللہ، بفضلِ خداوندِ کریم اس وقت صحت اچھی ہے۔ صرف ضعف اور پیٹ کی کچھ شکایت باقی ہے۔ اللہ پاک کامل صحت عنایت فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے

مسترشد:۔ الحمدللہ، باقاعدہ تہجد کی ادائیگی بعدِ علالت سے ہو رہی ہے۔ اور ذکر و شغل بھی پابندی کے ساتھ ادا ہو رہے ہیں۔ اللہ پاک استقامت و دوام عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد: خادم ہدایت عالیہ کے لئے منتظر ہے۔ خداوندِ قدوس اپنی طاعات اور عبادات کی توفیق عطا فرمائے اور مقرب بنالے۔

چند دن سے عجیب انوکھے خواب نظر آرہے ہیں۔ اور اکثر ایک قسم کی دہشت نیند میں دل پر طاری ہوجاتی ہے۔ اور مارے دہشت خوف کے نیند ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر فائدہ اس سے یہ ہوتا ہے کہ تہجد ادا ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ خواب کے پیچھے نہ پڑیں اور ان کو اپنے لئے بہتر ہی سمجھیں۔

مسترشد:۔ کچھ دن قبل خواب میں حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مدظلہ العالی کو پریشانی کے عالم میں لیٹے ہوئے، کچھ علیل دیکھا بستر ٹھیک نہیں تھا۔ تکیہ وغیرہ ناکافی تھا۔ اور حضرت متفکر و پریشان

حال تھے۔ خادم نے فوراً اپنا تکیہ وغیرہ دے کر حضرت کو تسلی دینی شروع کی۔ لوگ کسی اہم معاملے کے متعلق مشورہ لینے آئے تھے۔ حضرت نے کہا، اس وقت کچھ نہیں بولوں گا۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت جلسے میں آکر بیان دیں گے۔ اس کے بعد نیند ٹوٹ گئی۔

پرسوں رات ایک عجیب خواب نظر آیا۔ ہاتھ میں انگریزی اخبار ہے۔ جس میں بھوپال اسٹیٹ کی خبر تھی کہ ہوشیاری سے ہندوستان کے ساتھ ملحق ہوگیا ہے۔ دو عورتیں میرے سرہانے کھڑی ہوکر کچھ ایسی تجویز کر رہی تھیں کہ دوسری کوئی نعمت ہم سے چھین لیں۔ مجھے معلوم ہوا اور دل پر خوف طاری ہوگیا۔ نیند ٹوٹ گئی وقت ایک بج چکا تھا۔ دل کانپ رہا تھا۔ حسب ارشاد واللہ یعصمک آیت شریفہ تلاوت کی اور کچھ وقت کے بعد تہجد ادا کی مگر دہشت باقی تھی نہ معلوم یہ سب کیوں ہو رہے ہیں۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

اس وقت خادم کاروباری خستہ حالی اور واجب الادا قرض کے باعث بہت ہی پریشان اور متفکر ہے۔ سمجھ نہیں آتا، کہ کس طرح اتنی بڑی رقم ادا ہو جائے گی۔ اور اطمینان و عافیت نصیب ہوگی یہی بڑی فکر اور ناقابل برداشت بوجھ سر پر ہے۔ اللہ پاک موجودہ پریشانیاں رفع فرمائیں۔ آپ دعا فرمائیں

حضرۃ الشیخ: فکر اور تدبر کے ساتھ حضرت رب العزت میں دعاء

بھی کیجئے ۔ دعا کی

مسترشد :۔ حسنِ اتفاق سے حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی یہاں تشریف لائے تھے ۔ خدا کا فضل ہے کہ حضرت کی ملاقات سے فیض یاب ہوا ۔ اور وعظ سے مستفید ہوا ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بزرگوں کی زیارت موجبِ برکات ہے

مسترشد :۔ وطن کی یاد ستاتی ہے ۔ مگر مالی کمزوری کی بناپر جا نہیں سکتا ۔

افسوس کہ ذکر قلبی سے اب تک محروم ہوں اور نماز میں خضوع وخشوع اب تک پیدا نہیں ہوا ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ذکر لسانی کی کثرت سے ذکر قلبی کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے

مسترشد :۔ چند دن سے فقہی کتابیں پڑھنے کا شوق پیدا ہوا ہے ۔ تاکہ مسائلِ شریعت مقدسہ سے بہرہ ور ہوجاؤں ۔ چونکہ خادم حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر چلتا ہے ۔ اس لئے شافعی فقہ کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ضرورت زیادہ محسوس ہوتی ہے ۔ اردو میں امام موصوفؒ کی کتابیں نایاب دکھائی دیتی ہیں ۔ معلوم نہیں اردو میں شافعی فقہ کی کون کون سی کتابیں ہیں ۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ اس لئے تردد ہے صرف ایک کتاب " ریاض النسوان " نامی تھی وہ بھی ارکان اسلام پر مختصراً اردو میں ہے اور دوسری کتاب نظر سے نہیں گزری ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ شافعی فقہ کی کتابیں مجھے اردو میں معلوم نہیں۔ مگر بمبئی والوں میں ایک کتاب مقبول ہے۔ نام یاد نہیں۔

مسترشد: تیمم کے لئے صاف مٹی اگر نہ ملے تو کیا کرنا چاہیئے؟ مثلاً ریل کے ڈبے میں یا کسی شہر کی پختہ عمارت میں، جہاں صاف مٹی ملنا محال ہے۔

اگر کسی شخص کو علاج کے لئے خون کی ضرورت ہو اور دوسری جگہ سے خون نہیں مل سکتا ہو۔ اور عورت اپنے شوہر کے لئے اپنا خون دینے کو تیار ہو تو کیا اس کے خون سے شوہر کا علاج کیا جا سکتا ہے؟ بیوی کا خون شوہر کے جسم میں داخل کرنے کے بعد ازدواجی تعلق رہ سکتا ہے؟ نکاح فسخ تو نہیں ہوتا؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ اگر مجبوراً ایسا کیا جائے تو جائز ہے۔ ازدواجی تعلق پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

مسترشد :۔ موجودہ یہودیہ یا نصرانیہ سے مومن نکاح کر سکتا ہے جب کہ اہل کتاب سے نکاح جائز ہے۔

خادم زرین ہدایات کا طالب ہے۔ والسلام

آپکا ناچیز خادم۔ ملیا علی۔ ۴ر جون ۱۹۴۹ء

حضرۃ الشیخؒ :۔ جو اپنے کو یہودیہ یا نصرانیہ کہے اور مانے۔ اس سے مسلمان کا نکاح درست ہے۔ مگر آجکل احتیاط کے خلاف ہے۔ تجربہ شاہد ہے

والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲۳
۵۸۶

مسترشد: بخدمت مخدومی و مرشدی و مولائی دام برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مخلص
اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلیں دور کرے
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد: اس کے قبل احوال نامہ خدمت اقدس میں پیش کر چکا ہوں۔ اللہ پاک آنجناب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔
افسوس کہ دو روز سے نیند غفلت کی لگتی ہے۔ جس کی وجہ سے تہجد ادا نہیں کر سکا۔ حالانکہ باقاعدہ وقت پر نیند سے بیداری ہوتی ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ کسی سوء اتفاق سے ہو تو حرج نہیں۔ ایسی حالت میں اشراق کے بعد دن میں چند رکعتیں پڑھ لی جائیں۔

مسترشد:۔ طبعی شکایتوں کا علاج جاری ہے۔ اللہ پاک روحانی و جسمانی امراض سے شفا عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ گزشتہ خطوط میں میری موجودہ پریشانیوں کا حال تحریر کر چکا ہوں۔ اب حالت دگرگوں ہو گئی ہے۔ نازک مرحلے پر پہنچ گئے ہیں۔ کئی ماہ سے آمدنی کا ذریعہ بالکل مفقود ہو گیا ہے۔ اور قرض ادا نہ ہونے کے سبب سے معاملہ خراب ہو گیا ہے۔

یہاں تک کہ خانگی حالات بھی ابتر ہوتے جا رہے ہیں۔ کل مدراس سے بھائی جان کا خط آیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ کئی مہینوں سے آپ کی طرف سے روپیہ وصول نہیں ہوا۔ بہت بڑی رقم آپ پر باقی رہنے کے باعث میرے شریک کار (یعنی مالکِ کمپنی مدراس) ناراض ہو کر اب فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔" اس سے بے حد مضطرب ہو کر انہوں نے جلد روپیہ ارسال کرنے کیلئے تحریر فرمایا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: آپ کے ان مشکلات کا علم ہوا۔ میں نے رات آپ کے لئے دعا کی۔ آپ بھی اپنے لئے دعا کریں اور تدبیر بھی کریں۔ کسی مناسب وقت پر یَا وَھَّابُ سو دفعہ پڑھا کریں اور اول و آخر میں تین دفعہ درود پڑھیں۔

مسترشد: خط پا کر میں بہت مضطرب ہو گیا ہوں۔ کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارے لئے بڑے بھائی صاحب کو بھی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑا۔ اور خادم کسی کو منہ دکھلانے کے قابل نہ رہا۔ سخت پریشان ہوں۔ نہ معلوم کس طرح ان کا قرض ادا ہو گا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے

مگر خدا کی شان ہے کہ اتنی بڑی مصیبت سر پر آ پڑی ہے اور ظاہری اسباب سب کے سب منقطع ہو گئے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ دماغ رات دن متفکر ہے۔ تاہم اللہ کی مہربانی سے دل پر سکون ہے۔

حضرۃ الشیخ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ اور تدبیر اور دعا جاری رکھیئے

مسترشد :۔ خیر، اللہ پاک جلد سے جلد غیب سے مدد فرما کر ہماری موجودہ ناقابل برداشت مصیبت رفع فرما کر بقدرِ ضرورت حلال رزق کا ذریعہ عطا فرمائے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ اللہ پاک قناعت وتوکل کی نعمت سے سرفراز فرمائے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد : اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ ارشاد فرمائیں۔

خادم ارشادات عالیہ کا منتظر ہے۔ فقط دعا فرمائیں

والسلام

آپکا ناچیز خادم ملیا علی

چٹگاؤں ۱۸ر جون ۱۹۴۹ء

نبدہ سیحان سلیمان

۲۶ر شعبان ۶۲ ۱۳ھ

مکتوب نمبر ۲۴

۷۸۶

بخدمت اقدس حضرت قبلہ گاہی دام برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مخلص حقق اللہ آمالکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ قبل اس کے میری موجودہ معاشی پریشانیوں کا ذکر گذشتہ خطوط میں تحریر کرچکا ہوں۔ روز بروز حالات ناگفتہ بہ ہونے اور نقصانات کا برداشت کرنا طاقت سے باہر ہونے کی بنا پر شریک کار والوں کی یہ رائے ہوگئی ہے کہ کاروبار کو ختم کرلیں اور قرضے کو ہر شریک کار اپنے حصے کے مطابق ادا کرے۔ اس لئے مجبوراً موجودہ کاروبار کو ختم کرنا پڑا اور بغیر ختم کئے دوسرا کوئی چارہ نہیں اس لئے ہم اب پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کس طرح قرض سے سبکدوش ہوجائیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ حالات کا علم ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں۔ اچھا ہے اگر یہی فیصلہ مناسب ہو۔ شاید اسی میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہو

مسترشد :۔ اس وقت کاروباری حالت بہت ہی خراب ہے۔ بلا مبلغ چھوٹے سے پیمانے پر بھی کسی قسم کا کاروبار نہیں ہوسکتا اور میرے پاس روپیہ نہیں اس لئے بہت ہی متفکر ہوں کہ کیا کروں وطن سے آتے ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا اب ضمیر خالی ہاتھ وطن جانے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ یہاں کیا کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے بڑی پریشانی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک ضروری کام کے لئے کلکتے آنا ہوا۔ انشاء اللہ دو ایک روز میں چٹگاؤں جاکر قطعی

فیصلہ کرنا ہوگا

اب میں دنیاوی الجھنوں سے تنگ آگیا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ وطن ہی میں کسی طرح زندگی بسر کروں۔ اللہ پاک میری آرزو پوری کرے۔

حضرۃ الشیخؒ: آمین

مسترشد:۔ ہومیوپیتھی طب سے کچھ واقفیت رکھتا ہوں۔ بعض بہی خواہوں کی رائے یہ ہے کہ طبابت کیا کروں۔ میں نے اب تک پختہ ارادہ نہیں کیا ہے۔ میرے لئے طبی پیشہ کرنے میں کوئی ہرج تو نہیں ہوگا۔ اب میں کیا کروں۔ دل و دماغ متفکر ہے۔ اب وطن سے دور رہنے کو دل بھی نہیں چاہتا۔ خیر! اللہ صاحب کی جو مرضی ہے وہی ہوگا۔ حضرت والا کی زرین ہدایات کا منتظر ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہومیوپیتھی تو کرنا درست ہے۔ مگر فن کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔

مسترشد:۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ پاک موجودہ پریشانیاں رفع فرمائیں

والسلام۔ آپکا ناچیز خادم۔

پریشان حال

ملپا علی

۳ر جولائی ۹۴ ۱۹ء کلکتہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ وطن جاکر عزیزوں اور بہی خواہوں سے مشورہ کیجئے۔ شاید اللہ پاک کوئی راہ کھولیں۔ والسلام

بندۂ ہیچمدان
سلیمان
۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ
۶ جولائی ۱۹۴۹ء

مکتوب نمبر ۲۵

ٹیگاؤں
۱۹۴۹-۷-۲۷

بخدمت اقدس حضرت مولائی ومرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ : عزیز مخلص ادام اللہ توفیقکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ الحمد للہ ہدایت نامہ شرفِ صدور ہوکر مستفیض ہوا۔ حسب ارشاد یَا وَهَّاب مع اول وآخر تین دفعہ درود شریف یکصد مرتبہ ہر روز پڑھا کرتا ہوں۔ علاوہ حسبِ ارشادِ حضرتِ والا وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مگر قرض ذمہ رہنے کی وجہ سے کچھ تردّد سا پیدا ہوگیا ہے کہ آخر وطن جاکر کیا کروں۔ کوئی راہ اب تک سامنے نہیں آئی۔ مجھے سب سے بڑی فکر قرض کی ہے۔ کیونکہ میرے لئے بھائی جان کو کافی

نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ مجھ سے ناراض ہو گئے ہوں گے۔ علاوہ ازیں وطن جانے سے خرچہ بھی کافی ہوگا۔ خیر! مگر یہاں اب ایسی حالت میں رہنا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ بہر حال حسب ارشاد حضرتؒ وطن جانا ہی پڑے گا۔ میرے شریک کار بعد عید یہاں سے مدراس چلے جائیں گے۔ خادم ہفتہ عشرہ تک یہاں قیام کرے گا۔ تاکہ موقع اور حالات کا صحیح اندازہ ہو جائے۔ بعدہٗ روانہ ہونے کا ارادہ ہے دعا فرمائیں اللہ پاک سہولتیں فراہم فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ: دل سے دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں

مسترشد: مدتِ مدید سے آنجناب کی خدمت اقدس میں حاضری دینے کے لئے خادم مضطرب اور متمنی ہے۔ مگر افسوس اب تک موقع میسر نہیں آیا۔ اب چونکہ یہاں سے مطلقاً جانا ہے اور وطن جانے کے بعد نہ معلوم میرا رخ کس طرف ہو جائے اور دوبارہ آپ حضرات کی قدم بوسی کا موقعہ کہاں اور کب ملے۔ اس لئے ارادہ اور خواہش یہ ہے کہ وطن جانے سے پہلے آپ حضرات کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیتا ہوا وطن چلا جاؤں اور حضرتِ والا کے سامنے اپنے تمام حالات پیش کر کے اصلاح کراؤں۔

چونکہ کلکتے سے دریا باد اور لکھنؤ میں حاجی صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی حاضری دینے کا ارادہ ہے۔ اس لئے لکھنو ہوتے ہوئے سیدھا بھوپال پہنچ کر حضرت والا کی خدمت میں کچھ دن گزاردں گا

بعدہٗ بمبئی سے وطن جانے کے لئے مجھے سہولت ہوگی۔ اس لئے خادم حضرت والا سے اجازت چاہتا ہے کہ اس سیہ کار کو فیض صحبت سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ میرا قصد سفر حج اور ۱۰ اگست کو بمبئی کا ہے اور شاید ۲۸ اگست کو روانگی ہو۔ اس لئے آنا ہو تو وسطِ اگست میں آسکتے ہیں۔

مسترشد:۔ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہاں قیام کے لئے کیا انتظام ہے چاہیئے، تاکہ خادم حسبِ ارشاد بندوبست کرلے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ چند روز قیام کے لئے میرے پاس سامان ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مسترشد:۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، الحمد للہ رمضان المبارک کے ماہ میں خادم تراویح، تلاوت اور نوافل اور روزمرہ کے معمولات کو پابندی کے ساتھ ادا کرسکا۔ دُعا فرمائیں اللہ پاک مزید طاعات اور عبادات کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مسترشد:۔ آج کل دل میں بہت سے پراگندہ خیالات گزرتے ہیں۔ جیسے روزی کا ذریعہ نہ ملا اور قرض جلد ادا نہ ہوا تو لوگ حقارت سے دیکھیں گے۔ ذاتی اخراجات کے لئے بھی تنگ ہونا پڑے گا۔ حالانکہ اللہ کے فضل سے خادم مطمئن ہے اور خدائے پاک پر کامل

بھروسہ ہے۔ اور یقین ہے، انشاء اللہ میری موجودہ پریشانیاں اور تکالیف اللہ میاں جلد رفع فرمائیں گے۔ مگر شیطان طرح طرح کے ہیبت ناک مناظر پیش کرتا ہے۔ اللہ پاک شیطان سے محفوظ رکھے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ: آمین۔

مسترشد: حضرت والا نے ہدایت کی ہے کہ ذکر قلبی، ذکر لسانی کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہ کر سکا کہ کون سا ذکر میرے لئے کثرت سے کرنا مفید ہوگا۔ اس وقت بفضل خداوند کریم، خادم مندرجہ ذیل معمولات پر کاربند ہے۔ بعد مغرب چھ رکعت نفل (ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص تین بار) سوتے وقت سو مرتبہ استغفار اور سو مرتبہ درود شریف (درود شریف کبھی کبھار ناغہ بھی بھی ہو جاتا ہے) تہجد کی آٹھ رکعات رات میں پڑھ لیتا ہوں۔ بعدہٗ تسبیح دوازدہ اگر وقت رہا اور طبیعت ٹھیک رہی تو کچھ اور بھی ورد کر لیتا ہوں۔ صبح کی نماز کے بعد اسم ذات تین ہزار مرتبہ، یا باسط بارہ سو مرتبہ، یا لطیف تین سو ساٹھ مرتبہ، یا وھاب ایک سو مرتبہ، پھر استغفار ایک سو مرتبہ پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت مختصراً، بعدہٗ مناجات مقبول پر ختم کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں وقتاً فوقتاً اٹھتے بیٹھتے کبھی کبھی یا حی یا قیوم۔ کبھی درود شریف کبھی استغفار پڑھ لیتا ہوں۔ روزانہ مواعظ یا ملفوظات میں سے تھوڑا سا مطالعہ کرنے

کی کوشش کر رہا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ : یہی ذکر کافی ہے۔ اسی سے ذکر قلبی کی کشائش ہو جاتی ہے بفضلہ تعالیٰ۔

مسترشد :۔ اللہ پاک جلد سے جلد بقدر ضرورت رزق حلال عنایت کر کے قرض سے سبکدوش فرما کر سکون قلب عطا فرمائے۔ تاکہ خادم اپنی زندگی صحیح معنوں میں اسلامی زندگی بنا سکے اور اللہ سے ملتے وقت ایک مسلمان کی حیثیت سے مل سکے۔ فقط دعا فرمائیں اور زرین ہدایات سے مستفید فرمائیں۔ والسلام

پریشان حال خادم

ملیا علی

۳ ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ ٹیگاؤں

حضرۃ الشیخؒ : آمین۔ دعا کرتا ہوں

بندۂ ہیچمدان سلیمان

۵ ر شوال ۱۳۶۸ھ

مکتوب نمبر ۲۶

۷۸۶

چٹاگانگ۔ ۵ ر اگست ۱۹۴۹ء

بخدمت اقدس حضرت مخدومی و مرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :- الحمد للہ، ہدایت نامہ شرف صدور ہوکر عزم حج سے آگاہی ہوئی۔ خدائے پاک ہر طرح مبارک کرے اور خادم سیہ کار کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ زیارت کعبہ و زیارت روضہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوجائے ؎

تمنا ہے کہ ان آنکھوں سے بیت اللہ کو دیکھوں

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- حاضری کی اجازت پاکر خادم بیحد مسرور ہوا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آنجناب نے اجازت دے دی اور عین سفرِ حج کے موقع پر۔ خدا کرے جلد سے جلد سیاہ کار حضرت والا کی خدمت میں حاضری دے سکے۔ دل تو چاہتا ہے کہ آج ہی روانہ ہوجاؤں۔ مگر تھوڑی بہت ذمہ داری بیچ میں حائل ہے۔ انشاء اللہ حتی الامکان سعی سے وسطِ اگست تک حاضر ہوجاؤں گا۔ دعا فرمائیں اللہ پاک میرے ارادے کو کامیاب فرمائیں اور میں فیض صحبت سے مستفیض ہوجاؤں۔

کاش! خدا مجھے اس قابل کرتا کہ حضرت والا کے ساتھ فرض حج ادا کرتا اور میری یہ تمنا پوری ہوتی۔ دل پہلے سے بے چین تھا، مگر حضرت والا کی روانگی کی خبر نے دل مضطرب میں پھر

چنگاری ڈال دی ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ خادم سیہ کار نابکار حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضری دیتے اور خدمت کرتے ہوئے حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مستفیض ہوجاتا۔

خدایا میری آرزو پوری کر اور مجھے اپنے مقرب بندوں میں شامل کر۔ آمین۔ ثم آمین۔

مدت سے حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا ہے۔ خدا ہی فضل فرماکر خادم کو حرمین شریفین کی زیارت سے مالا مال فرمائے لِلّٰہ میرے لئے بھی مقدس مقامات پر دعا کیجئے۔ دل مضطرب ہے اور عالم اضطراب میں سب لکھ رہا ہوں۔ خدا آنجناب کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے کا موقع جلد سے جلد فراہم فرمائے۔

آمین ثم آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ جذبات تمام تر خیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔

مسترشد:۔ آج رات بارہ بجے وطن سے پُر ملال ٹیلیگرام موصول ہوا کہ میرے چھوٹے بھائی کی بیوی نے، جو حاملہ تھی۔ تولد ہو کر رحلت پائی انا للہ وانا الیہ راجعون ہ یہ اس کا پہلا حمل تھا، عمر پندرہ سولہ سال کی تھی۔ شادی ہوکر صرف تین سال کا عرصہ ہوا ہے۔ خدا کی مصلحت، عین جوانی کے عالم میں موصوفہ دنیا سے کوچ کر گئی۔ بجز صبر و دعائے مغفرت کرنے کے دوسرا چارہ نہیں۔ خادم نے اللہ

کی مشیت پر راضی ہو کر صبر کیا اور مغفرت کے لیئے دعا کی۔ دعاً کیجئے اللہ برادرِ عزیز کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو جوارِ رحمت نصیب ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ اللہ پس ماندوں کو صبر عطا فرمائے۔

مسترشد:۔ اس وقت ہم پر سخت آزمائشوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے خدائے ذوالجلال ہمیں استقامت عطا فرمائے اور نعم البدل عطا فرمائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ بہت ہی تھوڑے دن بیچ میں رہ گئے ہیں۔ خدا کرے کہ خادم وسطِ اگست تک آنجناب کی خدمت اقدس میں پہنچ جائے۔ دعا کر رہا ہوں۔ دیکھیں، اللہ میاں کی مصلحت کیا ہے فقط السلام انشاء اللہ روانگی کی اطلاع قبل روانگی بذریعہ خط یا تار دے دونگا۔

پریشان حال ناچیز خادم

ملیا علی۔ ۹ رشوال ۱۳۶۸ھ

ٹیگاؤں

بندۂ سیمدانے سلیمان

۱۵ راگست ۱۹۴۹ء

مسترشد: افسوس ہے کہ چند ضروری ذمہ داریوں کے باعث بندہ حضرت والا کی خدمتِ اقدس میں حاضری نہ دے سکا۔ کیونکہ حضرت ۲۰ر اگست کو بمبئی کی روانگی کا عزم کر چکے تھے۔

۲۴ر شوال المکرم ۱۳۶۸ھ
بمطابق ۲۰ر اگست ۱۹۴۹ء

ملیا علی

مکتوب نمبر ۲۷
۷۸۶

بخدمت مخدومی و مرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ: عزیز سعادت مند ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد: گزارش اینکہ مدینہ طیبہ کے پتے پر ایک خط ارسالِ خدمت کر چکا ہوں۔ امید ہے کہ وہ خط آنجناب کو ملا ہوگا۔ بفضل خداوندکریم حضرت والا اب تک بھوپال واپس آئے ہوں گے۔

حضرۃ الشیخ: مدینہ طیبہ میں خط ملا تھا۔ جواب کا موقع نہیں ملا۔ وہاں میں نے تمام محبین کے لئے دعا کی جن میں آپ بھی داخل ہیں۔

الحمدللہ کہ میں ۹ر جنوری کو بھوپال پہنچا۔

مسترشد: خادم حضرت والا کی خیریت سننے کے لئے بحد مضطرب اور

بیقرار ہے۔ حضرت والا کی عدم موجودگی کے باعث خادم اپنی بہت سی کوتاہیوں کو درست نہ کر سکا۔

امید ہے کہ یہ خط ملتے ہی حضرت قبلہ گاہی اپنی خیریت د زرین ہدایات سے سرفراز فرمائیں گے۔ میں خیریت اور زرین ارشادات کے لیے منتظر ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اب اچھا ہوں۔ راہ میں کچھ طبیعت ناساز ہو گئی تھی۔

مسترشد :۔ افسوس صد افسوس کہ دل یادِ خدا سے غافل ہو گیا ہے۔ توجّہ الی اللہ اب تک نصیب نہیں ہوئی۔ اب ذکر سے بھی محروم ہوں۔ تہجد کی ادائیگی ہوتے ہوتے بیچ میں دو ایک دن ناغہ ہوتا ہے اور تسبیح دوازدہ وغیرہ بھی اسی رفتار سے ہوتی ہے۔ بہر حال افسوس ہے کہ اب تک پابندی کے ساتھ اپنے معمولات پر عامل نہ رہا۔ اسباب ہمیشہ طبعی کمزوری اور صحت کی نادرستی ہوا کرتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ : ناغے کا سبب شاید کہ اب دور ہو گیا ہو۔ اور امید ہے کہ پھر اپنے معمولات آپ نے شروع کر دیئے ہوں گے۔

مسترشد :۔ معاش کی کوئی سبیل اب تک نہ نکلنے اور قرض کا بوجھ سر پر رہنے سے اور گھر والی کی صحت ایک دم خراب ہونے کے باعث خادم بہت ہی پریشان رہا۔ میری صحت بھی کبھی درست کبھی نادرست سی رہتی ہے۔ عجیب تفکرات میں مبتلا ہوں

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دور فرما کر آپ کی نصرت

فرمائیں۔

مسترشد:۔ نماز میں باوجود تصورِ مالک حقیقی کے یکسوئی اور خضوع وخشوع حاصل نہیں ہوا۔ دعا فرمائیں کہ خداوندِ قدوس خادم سیہ کار کو یکسوئی اور قرب سے سرفراز فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ: آمین

مسترشد:۔ رات دن خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری زندگی سرتاپا قرآنی زندگی ہو اور صحیح مسلمان بناکر دنیا سے اٹھائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

مسترشد:۔ حضرت والا کو خداوندِ قدوس جزائے خیر عطا فرمائے اور عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

گھر والی کی صحت اب تک مکمل طور پر درست نہیں ہوئی۔ یونانی علاج جاری ہے۔ باؤگولہ کی شکایت بباعث سیلان الرحم ہو گئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کو صحتِ کامل عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ: آمین

مسترشد: حضرتِ والا کے فیضِ صحبت سے مستفید نہ ہونے کی بنا پر خادم کو زیادہ رنج و افسوس ہوا۔ نہ معلوم حضرت والا کی صحبت اقدس میں حاضری دینے کا موقع پھر کب ملے۔ خدا جلد سے جلد صحبتِ مقدس سے مستفیض کرے۔ والسلام

آپکا ناچیز خادم۔ طالب دعا

ملیا علی ۱۹ر نومبر ۱۹۴۹ء

حضرۃ الشیخؒ ، آمین ۔ والسلام

ہیچمدان سلیمان

۲۷ ر فروری ۱۹۵۰ء

مکتوب نمبر ۲۸

۷۸۶

بخدمت مخدومی و مطاعی مرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ: عزیزی ۔ اللہ تعالیٰ آپکی مشکلات کو دور فرمائیں

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ گذارش اینکہ الحمد للہ ثم الحمد للہ آنجناب کا خیریت نامہ موصول ہوکر خادم سیہ کار مسرور ہوا ۔ مدتِ مدید سے حضرتِ والا کی خیریت کی اطلاع سے محروم رہنے سے علاوہ ازیں اخباری غلط بیانی کے باعث خادم سخت مضطرب اور منتظرِ ہدایات تھا ۔

اس سے قبل دو خط بھوپال کے پتے پر سپرد ڈاک کر چکا ہوں آخر کار حضرت مولانا عبد الماجد صاحب مدظلہ العالی سے خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ اب تک حج سے واپسی نہیں ہوئی ۔ بہرحال خادم خیریت جاننے کے لئے بیحد مضطرب تھا ۔ خدا کا شکر ہے کہ خیریت سے آگاہی ہوئی ۔ خداوندِ قدوس حضرت والا کو صحت دائمی اور عمرِ طویل عطا فرما کر ہم جیسے گناہگاروں اور ناکارہ لوگوں کو فیض

روحانی سے مستفیض ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائے
افسوس ہے کہ اپنی امکان بھر سعی کرنے کے باوجود خادم سیہ کار
حضرت قبلہ کی خدمتِ عالی میں حاضری کے شرف سے مالامال نہ
ہوسکا۔ اب بھی دل میں یہی آرزو ہے کہ کسی نہ کسی طرح حضرت والا
کے در پر کم ازکم ہفتہ بھر کے لئے حاضری دینے کا موقع مل جائے
دل بیتاب ہے۔ خدا کرے کہ جلد ایسا موقع عنایت ہو کہ خادم
آنجناب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوسکے۔ ملاقات کا شوق
دل میں موج زن ہے۔ خدا پورا کرے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ شوقِ ملاقات تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس لئے
موجب ثواب ہے۔ ملاقات مقدر میں ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ
ہوجائے گی۔

مسترشد:۔ افسوس ہے کہ صحت کی ابتری کے باعث ابتک باقاعدہ
طور پر اپنے معمولات پر عامل نہ ہوسکا۔ سعی و کوشش کر رہا ہوں
اور نادم بھی ہوں۔

نمازیں اب تک خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوا۔ علاوہ اس
کے کثرتِ ذکر سے بھی محروم ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اگر واقعتاً تندرستی کی خرابی سے معمولات پورے نہیں
ہوتے تو کوئی حرج نہیں۔ نیت خیر ہونے کی وجہ سے بوجہ معذرت
انشاء اللہ تعالیٰ اجر ملے گا۔ اسکے دربار میں کس چیز کی کمی ہے۔

مسترشد: اب تک ذریعۂ معاش کی خاطر خواہ سبیل نہ نکلنے پر اور قرض کا ناقابل برداشت بوجھ سر پر ہونے کے باعث سخت الجھن ہے۔ سرِ دست وطن ہی میں طبابت کا پیشہ معمولی پیمانے پر گھر میں کر رہا ہوں۔ دوسری کوئی سبیل نہ ہونے کے باعث اس طرح کام چلا رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ روزانہ خرچ کسی طرح نکل رہا ہے۔ مگر قرض کی ادائیگی محال معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر بھی اطمینان نہیں ہے۔ خدا کوئی ایسی سبیل پیدا کرے جس سے میرا موجودہ قرض ادا ہو جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: طبابت کا پیشہ کیا، غالباً ہومیوپیتھک ہو اگر آپ اس فن سے واقف ہیں تو کیجئے۔ کیا عجب کہ یہی رزق کا ذریعہ بن جائے۔

مسترشد: اُمید ہے کہ حضرتِ والا زرّین ہدایات سے مستفیض فرمائیں گے دعا فرمائیں کہ خادم کو قلبی اطمینان اور ظاہری آسودگی عطا فرما کر قربت کی نعمت سے مالامال فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ: دل سے دعا بدرگاہ قاضی الحاجات ہے۔

یا باسط و یا مُغنی اول و آخر تین تین بار درود پڑھ کر بالفعل سو دفعہ بعد نمازِ عشاء پڑھا کیجئے۔ شاید کہ فضل ہو۔

مسترشد: یہاں آج کل بے پردگی اور عریانی کا بازار گرم ہوتا جا رہا ہے مجھے طبابت کے سلسلے میں روزانہ محرم و غیر محرم عورتوں سے ملنا پڑتا ہے۔ اس لئے کچھ تردّد پیدا ہوا ہے کہ خدا نہ کرے مجھ میں غضّ البصر کا مرض پیدا نہ ہو جائے۔ فقط والسلام

آپ کا ناچیز خادم
محتاج دعا۔ ملپا علی
بھٹکل ۷ر فروری ۱۹۵۰ء

حضرۃ الشیخؒ: طبیب کے لئے بشرط ضرورت غیر محرم کو دیکھنا جائز ہے مگر اپنی نگاہ پر قابو رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو پردہ کے ساتھ دیکھنے کا اہتمام کیجئے۔

والسلام
سیّد سلیمان

بھوپال

عزیزی۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا ایک لفافہ مجھے کاغذات میں پڑا ملا۔ معلوم نہیں اس کے اندر کا خط کیا ہوا۔ ڈھونڈا نہیں ملا۔ بہر حال خیریت ہے اور آپ بھی مع اہلیہ مع الخیر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو خیر و عافیت بخشیں۔

اللہ تعالیٰ سے دل لگائے رکھیئے۔ وہی آپ کی سب مشکلوں کو حل فرمائیں گے۔ والسلام

سید سلیمان۔ ۱۰ر اپریل ۱۹۵۰ء

۷۸۶

بھٹکل

مکتوب نمبر۳۱

۱۴ستمبر ۱۹۵۰ء

بخدمت مخدومی ومرشدی قبلہ صاحب دام فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ : کراچی ۵ چمن اسٹریٹ

ڈار منزل

عزیز مکرم۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ بمبئی سے ایک خط ارسال خدمت کرچکا ہوں۔ اس میں تحریر کیا تھا۔ کہ گھر والی کو نواں مہینہ لگا ہوا ہے۔ اُمید ہے کہ ہفتہ عشرہ میں ولادت ہو الحمدللہ، کل بتاریخ ۲۹ ذیقعدہ بروز بدھ ایک بجے دن کو ولادت ہوئی۔ خداوند کریم نے اپنے فضل وکرم سے دختر عنایت فرمائی بفضل خدا دونوں بخیر ہیں۔ دلی خواہش ہے کہ نام حضرت قبلہ کی مرضی ہو۔ اس لئے اب تک نام نہیں رکھا گیا۔ خط کا انتظار کررہا ہوں۔ لوگوں نے نام دریافت کرنا شروع کیا ہے۔ اور میونسپلٹی میں بھی پیدائش کی خبر مع نام درج کرتا ہے۔ اس لئے نام کا انتظار ہے۔ امید ہے کہ حضرت والا جلد نام انتخاب کرکے مسرور فرمائیں گے۔

حضرۃ الشیخ:۔ بچی کی ولادت مبارک ہو۔

مسترشد:۔ دعاء فرمائیں کہ بچی نیک اور صالحہ ہو اور بلند اقبال بھی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- الحمد للہ بمبئی میں حضرت حاجی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی صحبت اقدس میں ہفتہ بھر رہا۔ دل کو طمانیت اور سرور حاصل ہوا۔ مدت کا اشتیاق خدا نے پورا کردیا۔

حضرۃ الشیخؒ :- بحمد اللہ

مسترشد :- سخت رنج اس پر ہے کہ خادم بزرگوں کی صحبت سے بہت دور پڑا ہوا ہے۔ شرفِ صحبت سے مالا مال ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے دلی بے قراری ہے۔ خدا کرے جلد حضرت قبلہ کی صحبت اقدس میں حاضری دینے کا موقع عطا ہو۔ بہت ہی اشتیاق ہے

الحمد للہ! کچھ دن سے دل میں پھر اللہ کی محبت پیدا ہوئی ہے اور رغبتِ طاعات بھی پیدا ہوئی ہے۔ اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی صحبتِ اقدس کی برکت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- بحمد اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :- کاش! خادم کو حضرتِ والا کی خدمتِ اقدس میں حاضری دینے کا موقع ملتا اور حضرت کی صحبت میں رہ کر فیض باطن سے بہرہ اندوز ہوتا۔ دعا کیجئے کہ مجھے حلاوتِ طاعات اور الفت الٰہی نصیب ہو

حضرۃ الشیخؒ :- آمین۔

مسترشد :- ہدایا کا منتظر ہوں۔ بزرگوں کی صحبت بہت بڑی اکسیر ہے۔ مگر بدقسمتی سے دور دراز جگہ میں اپنی مجبوری کی بنا پر پڑا ہوا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ

ذریعہ معاش کی کسی اطمینان بخش سبیل کے پیدا نہ ہونے سے کچھ پریشانی ہے۔ آئے دن اخراجات بڑھتے جاتے ہیں۔ خدا غیب سے مدد کرے۔

حسبِ ارشاد حضرتِ والا یا باسط، یا مغنی بعد عشاءؒ ایک سو مرتبہ پڑھتا ہوں۔ علاوہ، یا وھاب کا بھی ورد ہے۔ ساتھ ہی ساتھ تہجد اور دوسرے معمولات پر بھی قائم ہوں۔ فقط زریں ہدایات کا منتظر ہوں۔ والسلام

آپکا خادم۔ ملیا علی

۳۰ر ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ

بھٹکل

حضرۃ الشیخؒ:۔ ان معمولات کو جاری رکھیئے

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۳۲

۲۹-۱۱-۵۰

بخدمت اقدس مخدومی و مرشدی قبلہ دام فیضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ: ۲۴ر جون ۱۹۵۱ء

بمطابق ۸ شوال ۱۳۷۰ھ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ گذارش اینکہ مسلسل خطوط دارالمصنفین کے پتے پر تحریر کرنے کے باوجود خادم ارشادات عالیہ سے محروم رہا۔ گھر والی متولد ہوتے ہی بچہ کا نام رکھنے کے لئے خط تحریر کیا تھا۔ مگر جواب نہ آنے سے شدید انتظار کے جوابی تار دیا کہ بچی کو کیا نام رکھوں۔ جواب آیا کہ حضرتِ والا کراچی میں قیام فرما ہیں۔ مگر کراچی سے خادم ناواقف تھا اس لئے بروقت کراچی کے پتے پر خط تحریر نہ کرسکا۔ مدت ہوئی خادم حضرت کے فیض باطنی سے محروم ہے۔ اور حضرت کے ارشادات عالیہ سے محرومی پر بے حد بے چین اور مضطرب ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے خطوط ملتے رہے لیکن میں اس لئے خاموش رہا کہ شاید یہاں سے خط وکتابت میں آپ کو نقصان پہنچے۔ گو یہ خیال محض وہم کے درجے میں تھا۔ مگر تھا۔ اب اُمید ہے کہ آپ کو تسلی ہوگئی ہوگی۔

مسترشد :۔ شدید انتظار کے بعد پندرھویں دن بچی کا نام عارفہ رکھا گیا۔ دلی تمنا اور آرزو تھی کہ پہلے بچے کا نام حضرت کی مرضی پر رکھدوں۔ اسی لئے قبل از وقت حضرت کو تحریر کیا تھا۔ دعا فرمائیں کہ بچی صحیح معنٰے میں عارفہ باللہ ہوجائے اور دین کی خدمت انجام دے سکے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اُمید ہے کہ بچہ بخیریت ہوگا۔ عارفہ نام مبارک ہو

مسترشد: حضرت قبلہ کے پاکستان جانے سے جوابی خط کے لئے سخت تکلیف آئی ہے۔ اُمید ہے کہ انشاء اللہ حضرت والا جلد بھارت کی طرف رجوع فرمائیں گے۔ حضرت کی خیریت اور ارشاداتِ عالیہ کے لئے سخت مضطرب ہوں۔ جلد سے جلد ارشادات سے بہرہ ور فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہاں بھارت کا لفافہ بے کار ہے۔ اس لئے واپس بھیجتا ہوں۔

مسترشد: بحمد اللہ، حضرت قبلہ حاجی محمد شفیع صاحب بجنوری مدظلہ العالی سے بوقتِ روانگی حج بمبئی جاکر شرفِ ملاقات سے بہرہ اندوز ہوا تھا

حضرۃ الشیخؒ:۔ حاجی صاحب سے فیض حاصل کریں۔ بڑے بزرگ ہیں۔

مسترشد:۔ مدت ہوئی حضرتِ والا کی صحبتِ اقدس میں حاضری دینے کا ارادہ اور آرزو رکھتا ہوں۔ مگر مشیت ایزدی ہے کہ اب تک صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔ خدا کرے جلد حضرت کی صحبتِ اقدس سے بہرہ ور ہو جاؤں۔

دعا فرمائیں کہ خادم قرب الٰہی سے مستفیض ہو جائے اب تک ذریعہ معاش کی کوئی مستقل صورت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اللہ غیب سے مدد کرے اور قربت سے نوازے۔ زیادہ شرمندہ ہوں کہ کئی سال سے راہ سلوک میں قدم رکھا ہے۔ مگر اصلاح نفس نہ کر سکا۔ کاش، بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کرا سکتا تھا۔ فقط

زرین ارشادات کا منتظر ہوں۔ والسلام۔

آپ کا ادنیٰ خادم
طالبِ دعا ملپاعلی

۱۹ر صفر ۱۳۷۰ھ

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کی معاش کا سامان فرما کر آپ کو مطمئن فرمائیں۔
اصلاح نفس کے لئے ہمت شرط ہے۔ پھر توفیق اللہ مدد کرتی ہے۔ والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۳۳
۷۸۶

بھٹکل
۱۲-۷-۵۱

بخدمت اقدس حضرت مرشدی قبلہ دام برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۵۱
محب مکرم ادام
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :۔ حضرتِ والا کے کراچی تشریف لے جانے کے بعد سے اب تک خادم ہدایات اور فیوض سے یک لخت محروم ہے

کراچی کے پتہ پر بھی اس سے پہلے احوال نامہ ارسال کرچکا ہوں علاوہ کئی خطوط اعظم گڑھ کے پتے پر تحریر کرچکا تھا۔ گھر میں بچہ پیدا ہونے کے بعد حضرت کو اطلاع دیتے ہوئے نام دریافت کیا تھا۔ آخر کار تار دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت والا کراچی میں تشریف فرما ہیں۔ خادم نے کراچی کے پتے پر احوال نامہ تحریر کیا مگر افسوس اور سوءِ قسمت سے آج دو سال کا عرصہ ہوا کہ خادم حضرت کی زرّین ہدایات اور فیوض باطنی سے محروم ہے۔ حضرت کے فیض باطنی اور ارشاداتِ عالیہ کی محرومی کے باعث خادم بے حد دل گیر اور مضطرب ہے۔ نہ معلوم پھر کب حضرت کی صحبتِ اقدس سے فیض یاب ہوں گا اور میری قسمت جاگ اٹھے گی۔

حضرت کے فیض بند ہونے کے بعد خادم سیہ کار اپنے کو یتیم پاتا ہے۔

حضرت دریا بادی مدظلہ کی سرپرستی بسا غنیمت سمجھتا ہوں اور وقتاً فوقتاً ہدایات سے مستفید ہوتا ہوں۔ ورنہ میری حالت دگرگوں ہو جاتی

حضرۃ الشیخؒ:۔ بے شبہ مولانا دریا بادی کا فیض غنیمت ہے۔ مگر ان سے بہتر مولانا عبدالباری ندوی ہوں گے۔ ان کا پتہ یہ ہے ہارڈنگ روڈ لکھنؤ

مسترشد:۔ مدت سے معاشی مشکلات اور قرض کے باعث متفکر اور

پریشان تھا۔ مگر حضرت کے فیض اور ہدایات بند ہونے سے دُگنی پریشانی ہو گئی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ آپ کی پریشانیاں دور فرمائیں۔

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ حضرت والا اس خادم سیہ کار کو نہ بھولیں گے اور وقتاً فوقتاً فیض باطن اور ارشادات عالیہ سے بہرہ اندوز فرمائیں گے۔ خادم حضرت کی خیریت اور ہدایات کا منتظر ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ مجھے یاد ہیں انشاء اللہ تعالیٰ یاد رہیں گے۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔

مسترشد:۔ للہ اداس اور پریشان دل پر رحم کیجئے اور ہدایات سے بہرہ ور کیجئے۔ فقط منتظر ہدایت ہوں۔

میرے پاس جوابی خط کے لئے پاکستانی لفافہ نہیں اس لئے سردست ہندوستانی لفافے پر پتہ تحریر کر کے اس میں ملفوف کر دیتا ہوں۔ اُمید ہے کہ خیریت اور ہدایت سے مستفیض فرمائیں گے۔ والسلام

آپ کا ادنیٰ خادم

ملیا علی بھٹکل

۵ شوال ۱۳۷۰ھ

حضرۃ الشیخ: اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسکی اطاعت میں لگے رہئیے۔ اور اسی سے اپنی مشکلوں کے حل کیلئے دعا مانگا کیجئے۔ والسلام سید سلیمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تلخیص مکاتیب
بنام جناب مولوی محی الدین صاحب ندوی پٹنہ

مکتوب ۱

مسترشد: دل کا تقاضا بار بار یہی ہوتا ہے کہ دین کی خدمت کا کام مجھ سے بن جائے۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسا بنا دیں کہ ان کی بخشی ہوئی تمام قوتیں صرف اسی کے کام آئیں قلب کے اندر دین کی خدمت کا بے پناہ جذبہ بلند ہوتا پاتا ہوں۔ جس کے لئے ہدایت اور صحیح رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہی وہ جذبہ ہے جس کے پیش نظر میں نے بیعت کے لئے آپ کی طرف دستِ سوال دراز کیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: عزیز مکرم ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام | آپ کے خط میں سلام نہیں لکھا ہے۔ یہ ترک سنت ہے

فکر اصلاح غیر اور اپنے سے بےفکری | دل کا تقاضا بجا ہے۔ لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ آپ دوسروں کی اصلاح کا کام کریں۔ اس سے ایک دعوی کی صورت نکلتی ہے یعنی یہ کہ آپ خود کو اپنی اصلاح سے فارغ پاتے ہیں اور اپنے کو ہر نقص سے پاک اور کامل و مکمل سمجھتے ہیں۔ نوے فیصد لوگ اسی غلطی میں مبتلاء ہیں اور اس لئے دوسروں کی اصلاح

کیلئے تو بیتاب ہیں۔ مگر اپنی اصلاح سے فارغ ہیں اور یہی سبب ہے کہ ہمارے اندر کام کے آدمی پیدا نہیں۔ اگر آپ اپنے ہاتھوں سے ناپاک کپڑے کو پاک کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ پہلے آپ اپنے ہاتھوں کو پاک کرلیں

دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر

اس لئے دوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر کر لیجئے۔ اور اس حکیمانہ فقرہ کا مطلب سمجھئے "اول خویش بعدہٗ درویش" اس لئے میری نصیحت ہے کہ کہ دوسروں کی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالنے سے پہلے خود اپنی برائیوں اور عیبوں پر نظر ڈالئے ع

پڑی اپنے عیبوں پہ جب نظر   تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

محاسبۂ نفس

اب ذرا پرائے اور بیگانہ سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر اپنی تاک میں آپ بیٹھئے اور غور کیجئے کہ آپ میں کیا عیب ہے۔ آپ ایک ہفتہ تنہائی کے کسی وقت کو مقرر کر کے آنکھیں بند کر کے سر جھکا کر دونوں ہاتھ سینہ پر رکھ کر دو زانو یا چار زانو بیٹھ کر اپنی حالت پر غور کیجئے کہ آپ میں کیا کیا برائیاں اور کمزوریاں (ہیں) اس مراقبہ کے بعد آپ کاغذ پر بطور فہرست کے اپنی بیماریوں کے نام لکھئے۔ اس عمل سے فارغ ہو کر اس فہرست کی ایک نقل مجھے بھیج دیجئے اور ایک اپنے پاس رکھئے۔

اصلاح و تزکیہ کا پہلا قدم

یہ اصلاح و تزکیہ کا پہلا قدم ہے۔

ٹکٹ نہ بھیجیں۔ لفافہ پر اپنا پتہ آپ لکھ کر بھیجیں۔ میرا سفر حجاز شاید اواسط یا اواخر اگست (میں) ہو۔   والسلام سید سلیمان

۲۷ شعبان ۱۳۶۸ھ

مکتوب - ۲

(یہ گرامی نامہ پوسٹ کارڈ پر ہے)

حضرۃ الشیخ :- برادرم زادکم اللہ توفیقا

شفقت شیخ | السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میں نے آپ کے حوصلہ منداانہ خط کا جواب دیا تھا۔ اس محبت کے بنا پر جو مجھ سے آپ کو اور مجھے آپ سے ہے۔ اوس کے جواب کا انتظار رہا۔ شاید نہ ملا ہو۔ یا اگر ملا تو آپ کو میرا مشورہ قبول نہیں ہوا۔ تو اس کے لئے حافظ کا ایک شعر یاد آیا۔

بمئے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید
کہ سالک بیخبر نبود ز رسم و راہ منزلہا

میں انشاء اللہ ۲۲ کو بمبئی اور ۲۸ اگست کو بمبئی سے محمدی جہاز پر جدّہ روانہ ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ موانع دور فرمائیں

دل انگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسہا

والسلام

بمبئی کا پتہ، بذریعہ محمد عمر جاند بھائی ۱۵۰ ناگدیوی اسٹریٹ
بمبئی - ۳

سید سلیمان

۲۰ اگست ۱۹۴۹ء

مکتوب - ۳

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرة الشیخؒ :- عزیز مکرم ادام اللہ توفیقکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد :- مدت ہوئی کہ کوئی عریضہ ارسال خدمت نہ کرسکا ... مجھے مدت سے جناب کے حلقہ ارادت میں آنے کی تمنا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آخرت کی فکر کروں

حضرة الشیخؒ :- فکر آخرت | آخرت کی فکر اصلی فکر ہے۔ آپ کے اندر یہ انقلاب طبیعت سعادت کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ دونوں کو آپس کے تعلقات میں برکت عطا فرمائیں۔ اور اس محبت کو حب فی اللہ بنادیں

مسترشد :- مجھے یقین ہے کہ جناب والا میری اس فکر کے لئے بیعت عثمانی لے لیں گے۔ اور مجھے اصلاح نفس کا موقع مرحمت فرمائیں گے۔

حضرة الشیخؒ : انتخاب شیخ | آپ نے مجھ سے تعلق پیدا کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں جیسا ہوں ویسا ہوں۔ اگر آپ اپنے دل میں میری طرف کشش محسوس فرماتے ہیں۔ تو اس کے مقتضا پر عمل کیجئے۔

مسترشد :- میں قصد السبیل (از حضرت مولانا تھانویؒ) کا مطالعہ کرچکا ہوں۔ اور حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور بیان القرآن کا مطالعہ بالالتزام کررہا ہوں الحمد للہ اس سے مجھے بڑی تسکین ہوتی ہے۔

حضرة الشیخؒ :- تصانیف حضرت تھانویؒ | خوشی ہوئی کہ قصد السبیل (کو) آپ نے

پڑھ لیا۔ اور مواعظ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ مواعظ اور ملفوظات کا مطالعہ مثمر برکات اور باعث ترقیات ہے۔

مسترشد:۔ اپنے دو خواب بیان کرتا ہوں۔

(۱) میں حرم میں ہوں صبح کی نماز کے لئے کھڑا ہو چکا ہوں۔ میرے بغل میں آپ کھڑے ہو گئے ہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں آپ کی معیت میں جنت البقیع گیا۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد آپ نے اشارہ سے مزارات کا پتہ بتانا شروع کیا۔ پھر میں آپ کے ہمراہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر پہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ ادب کے ساتھ بیٹھ کر فاتحہ پڑھو۔ میں نے تعمیل حکم کیا۔ اس کے بعد آنکھیں کھل گئیں

(۲) دوسرے خواب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے سامنے ہو کر والہانہ انداز میں گریہ کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھ رہا ہوں۔ لیکن ایک پردہ ہٹتا ہے اور چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیاء پاشی شروع ہوتی ہے۔ اب میں اپنے ہوش میں نہیں رہتا۔ بے تحاشا روتا جاتا ہوں اور صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہوں

کہ ایک پولیس کانسٹبل نے میرا بازو پکڑا کہا کہ ہٹو دوسروں کے لئے جگہ خالی کرو پھر جو نگاہ پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے روئے مبارک میں مبدل ہو گیا پلیس مجھے کھینچ کر ہٹا دیتی ہے اور میں روتا ہوا باہر آتا ہوں۔ کہ آپ پر نظر پڑتی ہے۔ میں نے بے ساختہ طور پر سوال کیا۔ حضرت آپ یہاں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "میں تم

سے غافل نہیں ہوں۔" پھر آنکھ کھل گئی

حضرۃ الشیخؒ۔ تعبیر خواب | آپ کے یہ خواب مبارک ہیں۔ پہلے خواب کا منشار تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سیر و سلوک میں میرے مشورے مفید و معاون ثابت ہوں گے

دوسرا خواب بھی ادھر ہی ہدایت کرتا ہے۔ چونکہ محبت کا اختلائے حال اور کیفیات و جذبات پر عقل کو غالب کرنا اور عقل پر حکم شرع کو غالب کرنا اصل دین ہے۔ اس لئے پولیس نے آپ کو اس سے روکا۔ میرا یہ منہ کہاں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کروں۔ مگر آپ کا خواب آپ کو یہی بتا رہا ہے کہ میری تعلیم میں سنت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اتباع ہے۔

خواب کا حکم | بہرحال خواب محض بشارت ہیں۔ ان پر اعتماد کر کے اپنی حالت سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

حقیقت سلوک۔ اہتمام فرائض والتزام نوافل۔ احتراز معاصی

دو باتوں کا خاص لحاظ رکھا جائے۔ اول فرائض کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام۔ دوم نوافل مسنونہ اور اذکار کی کثرت ان کے علاوہ ہر قسم کے گناہوں سے احتراز کا اہتمام رکھا جائے کہ دل میں تقویٰ کی کیفیت پیدا ہو

مسترشد: مولوی انوار احمد صاحب ایڈوکیٹ جو حضرت والاؒ کے مجاز صحبت ہیں میرے بڑے کرم فرما ہیں۔ میرا بڑا وقت ان کی صحبت میں گذرتا ہے مولوی صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ آپ میری بیعت کرلیں۔ اخی المکرم

مولوی سید محمد صاحب ندوی بھی بیعت کی سفارش کرتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- **صحبت** | خدا تعالیٰ کرے۔ کہ ان کی صحبت آپ کے کیلئے مفید ہو اور کسی دوسرے کو کمزوری آپ کی کمزوری کا بہانہ نہ بنے

بیعت | بیعت کے لئے میں تیار ہوں اور یہ بیعت غائبانہ بھی ہو سکتی ہے۔ مگر بہتر ہو کہ آپ اوس کی تیاری بھی کر لیں۔ پہلے مطلع کریں کہ نماز پابندی سے اور جماعت سے آپ پڑھتے ہیں۔ اور دیگر معمولات شب و روز آپ کے کیا ہیں۔ اور کیا آپ اس راہ پر پورے مستقل آخر تک رہ سکیں گے۔

مسترشد :- میری بیوہ خالہ ساس آپ سے بیعت عثمانی کی متمنی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کی خالہ ساس بھی بیعت کر سکتی ہیں۔ ان کے معمولات بھی لکھیے۔

احتساب نفس | اپنے نفس کے عیوب کا بھی جائزہ لیں۔ اس خط کا جواب جلدی دیں۔

والسلام

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان ندوی۔

مکتوب - ۴

(یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ کے ۲۶ ذی الحج ۱۳۷۰ھ کے پٹنہ کے خط کے جواب میں ہے)

حضرۃ الشیخؒ :۔ ۱۷ محرم ۱۳۷۱ھ

عزیزی و مخلصی زادکم اللہ توفیقا

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ آپ کا یہ خط ملا۔ میں ایک سفر میں گیا ہوا تھا۔ واپس آیا تو علیل ہو گیا۔ صحت بحمد اللہ کہ ایک ہفتہ کے اندر نصیب ہوئی۔ مگر ضعف پیدا ہو گیا جس کا سلسلہ اب بھی ہے۔ اسی سبب سے آپ کا جواب وقت پر نہ جا سکا۔ جس کا افسوس ہے۔

مسترشد :۔ گرامی نامہ نظر نواز ہوا اللہ علیم و بصیر ہیں کہ وصول گرامی قدر سے کس درجہ کی خوشی ہوئی کہ اس کے اظہار سے زبان قلم عاجز ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ شفقت شیخ | آپ کا خط پا کر بہت خوشی ہوئی۔ اور آپ کے حسن جذبہ پر دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ہمارے ندوی بھائیوں میں سے جب کوئی ادھر متوجہ ہوتا ہے۔ تو مجھے دلی خوشی ہوتی ہے۔ اور اس کے حق میں دل سے دعا نکلتی ہے۔

مسترشد :۔ گرامی نامہ ملنے پر میری غیر معمولی مسرت دیکھ کر والدہ ماجدہ نے نہایت استعجاب سے پوچھا۔ کیا ہے۔ کہاں سے خط آیا کہ تم اس قدر خوش نظر آتے ہو۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ یہ میرے حضرتؒ کا خط ہے۔ میں نے گرامی نامہ اور حضرت کے نام کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ حب فی اللہ | یہ محبت جو صرف خدا کے لئے ہے۔ یہی حب فی اللہ ہے۔ جو اصلاح اور ترقی روحانی کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو طرفین کے لئے موجب سعادت بنائیں۔

مسترشد :- میں نماز باجماعت کا پابند ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- **نماز باجماعت** | مبارک اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں

مسترشد :- جب کبھی کانگریس یا جمعیۃ علماء کے حضرات تشریف لاتے ہیں۔ اور ہم کر بیٹھ جاتے ہیں تو بسا اوقات تو میں اجازت لے کر مسجد چلا جایا کرتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- **التزام جماعت** | ایسا ہی چاہیئے۔

مسترشد :- لیکن گاہے گاہے ان حضرات کی آمد کی بنا پر جماعت فوت ہو جاتی ہے جس کا مجھے بعد میں احساس ہوتا ہے۔ اور قلبی تکلیف ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- **نشانِ ایمان** | یہ تکلیف کا احساس ایمان کی علامت ہے۔

مسترشد :- تہجد کی نماز کیلئے عموماً ۲ بجے اٹھتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ :- **نماز تہجد** | صبح صادق سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھنا کافی ہے آپ اپنے یہاں کے اوقات سے اندازہ لگائیں۔ صبح اٹھنے کے لئے رات کو سویرے بعد عشاء سونا لازم ہے۔ تاکہ صحت پر اثر نہ پڑے

مسترشد :- تہجد کے بعد ۱۲ تسبیح پڑھتا ہوں پھر مناجات مقبول کی ایک منزل، سورۂ یٰسین، الرحمٰن، المزمل، الکہف، الملک۔ صلوٰۃ وسلام، درود تاج، اسمائے حسنیٰ۔ دعائے گنج العرش، اسمائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت اور چند آیات حفظ کرتا ہوں۔ اتنے میں صبح کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے

حضرۃ الشیخؒ :- **وظائف کی کثرت** | یہ بہت زیادہ ہے۔ تہجد کے بعد ۱۲ تسبیح کافی ہے۔ وقت اس سے زیادہ نہیں مل سکتا۔ وقت ملے تو درود وسلام مختصر پڑھیں۔ درود تاج اور دعائے گنج العرش اور اسمائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کی تلاوت معمول سے خارج کر دیجئے

طریق تلاوت | ان سورتوں کی اس طرح تلاوت سے بہتر یہ ہے کہ کہ روزانہ نماز صبح کے بعد ایک پارۂ قرآن پاک بہ ترتیب پڑھیں اور اس کے بعد مناجات کا ایک جزو منزل۔

مسترشد۔ ہر فرض کے بعد "فکشفنا عنك غطائك فبصرك اليوم حديد" تین بار پڑھ کر انگشت شہادت پر دم کرنے کے بعد آنکھوں پر اپنی انگلیوں کو پھیر لیتا ہوں۔

صرف صبح کی نماز کے بعد سینہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر الفتاح ۷ بار پڑھتا ہوں۔ نیز اللہ لطیف بعبادہ یرزق من یشاء بغیر حساب ۷ بار پڑھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ۔ اوراد مسنونہ اور دم | اگر تبرکاً نور بصر کے قیام وافزائش کے لئے کرتے ہیں تو خیر ورنہ اوراد مسنونہ میں یہ نہیں ہے۔ اسی طرح صبح کی نماز کے بعد الفتاح کا پڑھنا کس غرض سے ہے۔ یہ بھی خارج کریں اور اللہ لطیف بعبادہ الخ پڑھ سکتے ہیں۔

مسترشد۔ ہر فرض کے بعد الولی، النور، القوی، الودود، الوہاب الرحمٰن، الرحیم، الرزاق ۷، ۷ بار سبحان اللہ، الحمد للہ ۳۳، ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار، لاالٰہ الا اللہ ۳۳ بار، یا عزیز یا مجیب ۴۱، ۴۱ بار پڑھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ۔ وظائف وتحمل | ان سب کو موقوف کریں تحمل کے مطابق کرنا چاہیئے

البتہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ (بار۔اشرف) الحمدللہ ۳۳ (بار۔اشرف)
اللہ اکبر ۳۴ (مرتبہ۔اشرف) پڑھ لیا کریں۔

مسترشد:۔ ہر نماز کی فراغت کے بعد لا الٰہ الا اللہ، الحمدللہ۔ اللہ اکبر سو سو مرتبہ پڑھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کلمہ تمجید | اس کو روزانہ اور ہر وقت تسبیح پر پڑھ لیا کریں۔

مسترشد:۔ نماز فجر کے بعد اوراد سے فارغ ہونے کے بعد اپنے گھر والوں کو قرآن پاک ناظرہ کی صحت وتجوید کے ساتھ مشق کراتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیم اہل:۔ مناسب ہے

مسترشد:۔ اس کے بعد اشراق پڑھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اشراق:۔ اشراق ضرور پڑھیں۔

مسترشد:۔ نماز اشراق کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سو رہتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ نیند کا غلبہ ہو تو سو سکتے ہیں۔ مگر بہتر وقت اس کے لئے قیلولہ کا وقت ہے۔

مسترشد:۔ سونے سے اٹھنے کے بعد غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر چاشت کی نماز پڑھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ چاشت:۔ چاشت کی نماز پڑھا کریں

مسترشد:۔ چاشت کی نماز کے بعد مولوی انوار احمد صاحب کے پاس چلا جاتا ہوں اور کچھ دیر دینی باتیں سننے کے بعد پریس آجاتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ صحبت صلحاء:۔ صالحین کی صحبت مفید ہے۔

مسترشد:۔ پریس کے کاموں کی مشغولیت کے دوران میں بھی پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم جاری رکھتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوشش رزق حلال:۔ پریس کے کاموں کو پوری مستعدی سے انجام دیا کریں۔ کیونکہ طلب رزق حلال واجب ہے۔

پاس انفاس:۔ پاس انفاس صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے۔ بہر حال یہ ہمارے یہاں مروج نہیں۔ اس کو موقوف کریں۔ پاس انفاس یہ ہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ اور اس کے لئے "اللہ" کافی ہے۔

مسترشد:۔ ظہر کے نماز کے بعد بھی وہی وظائف پڑھتا ہوں جو اوپر لکھ چکا ہوں البتہ ظہر کی نماز کے بعد کلام مجید کا ناظرہ حسب موقع پاؤ پارہ۔ نصف پارہ، ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ تلاوت و اعتدال:۔ ظہر کے بعد تلاوت کا مضائقہ نہیں۔ اگر صبح نہ ہو سکے۔ وظائف کی کثرت کوئی مفید چیز نہیں۔

مسترشد: عصر کے بعد وہی وظائف ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تسبیحات فاطمہ: عصر کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پر کفایت کیجئے۔

مسترشد:۔ مغرب کی نماز کے بعد ان وظائف اور اوراد کے علاوہ اول آخر درود شریف اور "لا إلہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" ایک سو مرتبہ پڑھتا ہوں۔ اور الباعث، البدیع، الخافض، یا مغنی سو سو مرتبہ

پڑھتا ہوں۔ اور اوابینؒ کا بھی معمول ہے

حضرۃ الشیخؒ:۔ اوابین:۔ مغرب کے بعد اوابین پر قناعت کیجئے۔

مسترشد:۔ اوابین کے بعد گھر والوں کو بٹھا کر سبقاً حضرت والاؒ کے مواعظ پڑھ کر سناتا ہوں۔ ان دنوں بیان القرآن کو پڑھ کر سناتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مواعظ تھانویؒ:۔ یہ بہت مناسب ہے

مسترشد:۔ عشاء کی نماز میں بھی وہی وظائف رہتے ہیں۔ صرف اول آخر سو مرتبہ درود شریف کے ساتھ پانچ سو مرتبہ" لاحول ولاقوۃ الا باللہ سو مرتبہ، استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ، سو مرتبہ الخالق پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھا کر سو رہتا ہوں۔ کبھی کبھی گھر والوں کے ساتھ دینی باتیں کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ معمول بعد عشاء:۔ عشاء کی نماز کے بعد سو دفعہ استغفار کر کے سونے کے وقت کی دعائے مسنون پڑھ کر سو رہتے ہیں۔ (سو رہیئے) عشاء کے بعد کھانے اور سونے کے علاوہ مجلس نہ کریں تو بہتر ہے۔

مسترشد:۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس راہ پر آخر دم تک ثابت قدم رہوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے۔

مسترشد:۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فرائض کی ادائیگی کی پورے اہتمام کے ساتھ توفیق ارزانی فرمائے

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ میری خالہ ساس (دیگر معمولات کے علاوہ) صبح کی نماز سے پہلے تحیۃ الوضوء دو رکعت پڑھ کر سنت اور فرض پڑھتی ہیں

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ صبح میں سوائے سنت فجر اور فرض صبح کے کوئی اور نماز نہ پڑھیں

مسترشد:۔ فجر کے بعد دیگر اوراد و وظائف کے علاوہ

ا:۔ درود اکبر، دعائے گنج العرش، مناجات مقبول و اشراق کی نماز پڑھتی ہیں۔

ب:۔ ہر وقت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس انفاس رہتا ہے۔

ج:۔ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی ایک مرتبہ، سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳ مرتبہ، اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ ۱۹ مرتبہ بسم اللہ پڑھتی ہیں

د:۔ ظہر کے بعد دیگر سورتوں اور وظائف کے علاوہ دعائے گنج العرش اور اسمائے حسنیٰ پڑھتی ہیں۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ اوراد غیر مسنونہ

ا:۔ درود اکبر اور دعائے گنج العرش موقوف کریں۔

ب:۔ یہ پاس انفاس چھوڑ کر اللہ کا پاس انفاس کریں

ج:۔ بسم اللہ کا کیا موقع اسکو چھوڑ دیں۔

د:۔ دعائے گنج العرش چھوڑ دیں۔

مسترشد: "محمد الرسول اللہ"

حضرت الشیخؒ :۔ محمد رسول اللہ

(مکتوب الیہ نے محمد الرسول اللہ لکھا تھا حضرتؒ نے اسکی اصلاح فرمائی ہے)

مسترشد :۔ محترمہ موصوفہ بہت زیادہ وظائف و اوراد پڑھتی ہیں۔ علاوہ ازیں اسماء حسنٰی بھی پڑھتی ہیں۔ (مرتب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ اوراد کی کثرت و اسمائے حسنٰی کا انتخاب

یہ اوراد کی کثرت کس غرض سے ہے۔ اور یہ مختلف اسماءِ حسنٰی کا انتخابات کس اصول پر کیا گیا ہے

تشتت اسماء سے انتشار پیدا ہوتا ہے۔ ایک اللہ کا نام کافی ہے۔ اور سب چھوڑ دیں۔

مسترشد :۔ (جناب مولوی محی الدین صاحب ندوی، سعیدہ خاتون صاحبہ اور محترمہ کلثوم النساء صاحبہ) (مرتب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ تینوں صاحبوں کی بیعت قبول کرتا ہوں۔

قصد السبیل و بہشتی زیور : آپ قصد السبیل کو پیش نظر رکھیں اور بیویوں کو بہشتی زیور کا حصۂ عقائد و اعمال پڑھنے کو کہئے۔ آئندہ خط میں مزید ہدایات ہوں گی۔

والسلام

الفقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان

مکتوب ۔ ۵

(بنام مولوی محی الدین صاحب ندوی)

سید سلیمان ندوی

کراچی ۵ جمس اسٹریٹ ڈارمنزل

عزیز مکرم ۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

سیاست السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ خیریت معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ عزیزم مولوی ریاست علی صاحب کے حالات سُن کر بھی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ علم و عمل عنایت فرمائیں اور سیاست کی فریب کاریوں سے جن سے زوال دین ہو بچائیں۔ اون کو براہ راست خط نہیں لکھتا۔ اون سے کہہ دیں کہ اگر ان کی کوئی نئی کتاب شائع ہوئی ہو تو میرے پاس بھیجدیں اور یہ دریافت کریں کہ الفاروق کی تصحیح و مقابلہ کا جو کام میں نے اون کے سپرد کیا تھا۔ وہ کہاں تک انجام پایا۔ اور اون کا مصححہ نسخہ اور مسودۂ تنقیدات کہاں ہے ضرور مطلع کریں۔

برادرم سید محمد کے لئے بجز دعائے خیر کیا کہہ سکتا ہوں۔

بدری بابو اگر مجھے یاد کرتے ہیں تو بہت بہت شکریہ، میری طرف سے بھی آداب پہونچا دیجیئے۔ کاش ملک میں ایسے شریف و نیک اور بھی ہوتے۔

والسلام

سید سلیمان ۔ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۵۱ء

مکتوب ، ۶

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

(درج ذیل گرامی نامہ مکتوب الیہ کے ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے خط کے جواب میں ہے۔ یہ مکتوب ۱۰ نومبر کی قریبی تاریخوں میں لاہور سے لکھا گیا ہوگا۔ جیسا کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔)

مسترشد:۔ حضرت والا رحمہ اللہ تعالےٰ کے مشورہ اور مطالبہ پر خواجہ ناظم الدین وزارت نے پاکستان کے مروجہ قانون کو شریعت مطہرہ بنانے کے لئے یہ کمیشن مقرر کیا تھا۔ جس میں علماء حضرات میں سے شروع میں حضرت والا ہی شریک کئے گئے تھے۔ بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایما سے مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی بھی شریک کر لئے گئے۔ پاکستان اور ملت اسلامیہ کی حضرت والا نے اس طرح ایک عظیم خدمت انجام دی حضرت کے وصال سے پہلے میری آخری حاضری جولائی و اگست ۱۹۵۳ء تک کمیشن کافی حد تک اپنا کام کر چکا تھا۔ ان دنوں میں بنکاری سود وغیرہ کے مسائل چل رہے تھے۔ (محمد اشرف)

حضرۃ الشیخؒ: اخی العزیز ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں لاء کمیشن (جو یہاں کے ملکی قانون کو فقہی نظر سے ترمیم کرے گا) کے جلسہ کی شرکت کی غرض سے یہاں لاہور آیا ہوں اور دو روز مزید مجوزہ سرکاری دارالعلوم عربی کے نصاب وغیرہ بنانے کے سلسلے میں

یہاں قیام کروں گا۔ اور ۱۵ تک کراچی واپس جاؤں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ

مسترشد: حضرت کے ہدایت اب تک کم وبیش سو بار پڑھ چکا ہوں۔ اور ہر بار فاتحہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ یاالٰہ العالمین جس راہ پر لگا ہوں۔ اسی راہ پر تادم آخر استقامت نصیب فرما۔

حضرۃ الشیخؒ: **حب شیخ** | یہ کیفیات محبت کے ہیں اور محمود ہیں۔

استقامت | اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے۔ کہ جو قدم صحیح سمت میں اٹھ چکے ہیں۔ وہ پھر اس وقت تک نہ رکیں جب تک مرحلۂ حیات ختم نہ ہو جائے۔ اسی کا نام حسن خاتمہ ہے۔ جس کی تمنا اور دعا انبیاء علیہم السلام تک نے کی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے) اپنے بیٹوں کو مرتے وقت وصیت فرمائی۔ ولا تموتن الا و انتم مسلمون۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت کے کاروبار میں حصہ پانے کے بعد دعاء کی۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

یہ دعاء حسن خاتمہ کے لئے پڑھنی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ اَسْتَقِمْ

مسترشد: حضور نے حلقہ بیعت میں لے کر اس گنہگار پر جتنا عظیم احسان فرمایا ہے۔ اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ بار شکر گزار ہوں

حضرۃ الشیخؒ: **ارشاد و تربیت فرض ہے** | یہ احسان نہیں ہے۔ فرض

کی بجاآوری ہے۔

مسترشد، جب سے معلوم ہوا کہ حضرت نے میری بیعت فرمالی ہے میری کتاب حیات کا نیا ورق الٹا ہے

حضرۃ الشیخؒ: احساس مرید | ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اور اسی کے سمجھنے میں فائدہ ہے۔

مسترشد، جن اوراد و اذکار کے ترک و اختیار کی حضرت نے ہدایت فرمائی ہے۔ اس پر اسی لمحہ سے عامل ہوگیا ہوں۔ نیز اپنی دونوں خلیا ساس کو بھی بیعت کا مژدۂ جانفزا سنا دیا ہے۔ دونوں نے شکریہ ادا کیا۔ اور ہدایت پر کاربند ہونے کا عزم بالجزم کرلیا۔

حضرۃ الشیخؒ۔ نماز توبہ | آپ کو اور جن صاحبوں نے بیعت کی ہے۔ ان سب کو چاہیئے۔ کہ میرے اس خط کے پڑھنے کے بعد اسی روز یا ایک آدھ روز کے بعد کسی جمعیت خاطر کے وقت اچھی طرح وضو نیت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر کریں اور دو رکعت نماز کمالِ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں پہلے میں قل یاایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا جائے اور اس کے بعد کمالِ استقامت کے ساتھ گذشتہ معاصی سے بدرگاہ الہی پوری انابت، عاجزی، مسکینی سے توبہ کی جائے اور آئندہ ان معاصی سے بچنے کی پورے اہتمام کا عزم صمیم کیا جائے۔

اقسام معاصی | معاصی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ناقابلِ تلافی | ایک تو وہ جن کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ جیسے کفر و شرک کا صدور ہوا ہو، کسی سے زنا کا صدور ہوا ہو، تو اسکی توبہ اپنے قصور کے اعتراف بدرگاہِ باری، اور ایمان کی تجدید ہے۔ اور اعمالِ ناقابلِ تلافی کی توبہ محض اعتراف اور عفو تقصیر کی طلب ہے اور ندامت و پشیمانی کا اظہار زبان سے اور دل سے اور آئندہ سے احتراز کا وعدہ

۲۔ قابلِ تلافی حقوق اللہ | دوسرے وہ گناہ جن کی تلافی ہو سکتی ہے جیسے نمازیں قضا ہوں، یا روزے چھوٹے ہیں یا زکوٰۃ نہ دی ہو، یا کسی بندہ کا حق باقی ہو، قرض باقی ہو، زمین غصب کی ہو، چوری کی ہو تو اس کی توبہ یہ

۳۔ قابلِ تلافی حقوق العباد | ہے کہ عفو تقصیر کی طلب کے ساتھ اون کی تلافی کرے، نماز اور روزہ قضا کو ادا کرے۔ اِسی طرح بندہ کے سب باقی حق یا ادا کرے یا اوس سے معاف کرائے۔ اگر وہ مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو ادا کردے یا معاف کرائے۔ اگر وارثوں کا پتہ نہ چلے تو اوس کے نام سے خیرات کردے۔ اور اس کے حق میں دعائے مغفرت کرے۔

مسترشد: حضرت کی علالت کی خبر سے سخت تشویش ہوئی

حضرۃ الشیخؒ: الحمد للہ تعالیٰ فقیر اس وقت مع الخیر ہے۔

مسترشد: خداوند کریم قدمبوسی اور خدمت کے مواقع فراہم فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ: خدا کرے کہ ایسا ہو۔

مسترشد: برادرم مولوی سید ریاست علی صاحب نے حضور کے گرامی نامہ کو

متعدد بار پڑھا ان پر دفعتہً گریہ طاری ہو گیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ بھائی صحیح راہ یہی ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے۔ میں بھی تیاری میں لگ جاتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ: سہولت طریق | برادرم موصوف تک سلام پہنچا دیں۔ راستہ صاف ہے، ہمت شرط ہے۔

مسترشد: ریاست علی صاحب نے فرمایا کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق دیں تو میں بھی حضرت سے بیعت کی درخواست کروں۔

حضرۃ الشیخؒ: تمنا کافی نہیں | یہ تمنا ہے۔ تمنا تنہا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ عزیمت نہ ہو۔

مسترشد: کتابوں کا ایک بنڈل جو مجھے ریاست علی صاحب نے دیا اسے میں روانہ کر چکا ہوں، حضرت اس کے مجاز کل ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ: کراچی کے قیام تک ۱۶ نومبر تک نہیں پہنچا تھا۔

مسترشد: الفاروق کی جلد کی تصحیح کا کام اب تک پورا نہیں ہو سکا۔ پہلے حصہ کا کام ختم ہو گیا ہے

حضرۃ الشیخؒ: جو حصہ صحیح ہو چکا ہو۔ وہ رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیج دیں بقیہ یا تو صحیح کر دیں یا اصل مع مسودہ کے مجھے بھیج دیں۔ یہاں تصحیح ہو جائے گی۔

مسترشد: بدری بابو کو ابھی تک آپ کا آداب نہیں پہنچا۔

حضرۃ الشیخؒ: جب ملاقات ہو، میری یاد دلا دیجئے۔

مسترشد: میری دونوں سالیاں شکیلہ سلمہا اور عظمت سلمہا اور میری دلہن صابرہ سلمہا بیعت کی درخواست کرتی ہیں۔ درخواست حاضر ہے۔ حضور کا جو حکم ہو۔

حضرۃ الشیخ: بیعت میں کسی پر زور نہ ہو، آپ کسی پر زور نہ دیں۔ نہ کسی دوسرے کی وکالت کریں۔ اگر اون کی شادیاں ہوگئیں ہیں تو اپنے شوہروں کی اجازت سے خط لکھیں اور اس میں بجائے نام کے اہلیہ فلاں لکھیں۔ شوہر کی اجازت کا رقعہ اس میں رکھدیں۔ آپ کی اہلیہ سلمہا بھی اس پر عمل کریں۔

عورت کی بیعت

والسلام

مکتوب ۔ ۷

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخ: برادر دینی من۔ توفیق خیر ارزانی باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد: رفع ضعف اور صحت یابی کی خبر پڑھ کر خوشی ہوئی۔

حضرۃ الشیخ: بحمد اللہ تعالیٰ اچھا ہوں۔

مسترشد: حضرت قدس کی ہدایت کے مطابق نماز توبہ میں نے اور منجھلی خلیا ساس نے پڑھ لی ہے۔ میرے ذمہ زکوٰۃ کی کوئی رقم نہیں۔ جن دونوں کے ذمے زکوٰۃ اور قضا نمازیں ہیں وہ ادائیگی میں مصروف

ہو گئی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ ادائیگی کی جلد توفیق بخشیں۔

مسترشد:۔ اپنے ظاہر کا قبلہ حضور کے ظاہر کو اور اپنے باطن کا قبلہ حضور کے باطن کو بنا چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ استقامت دیں۔

حضرت الشیخؒ:۔ حب شیخ میں غلو | ان اصطلاحات سے میں واقف نہیں قبلہ ایک ہی ہے۔ اور وہ کتاب وسنت کی تعلیم ہے اور اس پر عمل کرنا ہے۔ شیخ کا کام اس پر عمل کرنے کی صحیح اور آسان طریق کی تعلیم ہے۔

مسترشد:۔ مولوی ریاست صاحب پٹنہ سے باہر ہیں۔ وہ آجائیں تو حضرت کا پیغام پہنچاؤں گا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مولوی ریاست علی صاحب کا خط آیا تھا۔ جواب دیا گیا۔

مسترشد:۔ بدری بابو دگر ممبران مجلس قانون ساز کے ہمراہ دہلی گئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ابھی تک حضور اقدس کا آداب نہیں پہنچایا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ مکارم حسن خلق | کچھ ضروری بات نہیں۔ محض اخلاق کا جواب اخلاق سے دینا تھا۔ کوئی دوسرا مقصود نہیں۔

مسترشد:۔ مکتبہ سلیمانیہ کی داغ بیل ڈال دی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ حب شیخ | میرے نام کی طرف نسبت آپ کی محبت کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ برکت ظاہری وباطنی دیں۔

مسترشد:۔ مکتبہ سلیمانیہ سے پہلی کتاب قصد السبیل، دوسری حیوٰۃ المسلمین

شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ تیسری کون سی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ تیسری کتاب "تعلیم الدین ہو۔"

مسترشد :۔ کل شب تہجد سے پیشتر خواب دیکھا کہ دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ دو رکابیاں آمنے سامنے ہیں۔ دونوں میں صاف شفاف چاول ہے اور چاول پر کدو کی قاشیں رکھی ہوئی ہیں۔ حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ حضرت جب تناول فرما چکے تو ایک چوتھائی حصہ بچ گیا۔ جو میں نے بغیر اجازت اپنی رکابی میں انڈیل لیا۔ اور والہانہ انداز میں چاول اور کدو کی قاشیں کھانی شروع کر دیں۔ بعد میں بے اجازت لینے کا احساس ہوا، لیکن آپ نے متبسم ہو کر ارشاد فرمایا کہ بھوک تھی تو کھا لیا۔

حضرۃ الشیخؒ : تعبیر خواب | یہ خواب بصورت دسترخوان فیض و برکت سے عبارت ہے۔ کدو کی قاشیں خاص سنت کی علامت ہے اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔

مسترشد : بس ایک ہی تمنا ہے کہ حاضری و شرف ملازمت کا موقع ملے

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ سعادت دارین عطا فرمائیں۔

مکتوب ۸

بنام مولوی محی الدین صاحب

حضرۃ الشیخؒ: عزیزم سلکم اللہ تعالیٰ ووفقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

مسترشد: یہ حسن بچی (عظمت سلمہا) کا عریضہ ہے۔ اس کی شادی اب تک نہیں ہوئی۔ بچی حد درجہ سلیم الفطرۃ دیندار اور زاہدہ ہے۔ اس بچی کی دینی تربیت میری زیر نگرانی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے۔ اس لئے وکالت نہیں بلکہ ان گذارشات کی تصدیق کرتا ہوں جو عزیزہ سلمہا کے معروضہ میں درج ہیں۔ عزیزہ موصوفہ نے اپنے دینی اشغال کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے فی الحقیقت بہت گھٹا کر لکھا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ: **سلوک کی ہمہ گیری** | دینداری آجکل کی اصطلاح میں صرف نماز، روزہ اور ظاہری تشکل کا نام رہ گیا ہے۔ ضرورت اس کی ہے۔ کہ حقوق عباد کو بھی پہچانتا ہو۔ اور معاملات میں بھی راست باز ہو۔ ساتھ ہی حقوق زوجیت ادا کرنے کے قابل ہو۔

مسترشد: دوسری بچی (شکیلہ سلمہا) شادی شدہ ہے۔ وہ اپنے شوہر کا اجازت نامہ لے کر خط لکھے گی۔ موصوفہ کی آٹھ دن ہوتے بچی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا نام کیا رکھا جائے۔

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ اس لڑکی کی اور اسکی بچی کی حفاظت فرمائیں۔ اور سعادت دارین بخشیں۔ بچوں کے نام والدین کے نام سے مناسبت رکھیں

لے: یہ مکتوب گرامی مکتوب الیہ کے ۱۹ر نومبر ۱۹۵۱ء کے خط کے جواب میں ہے جو مکتوب الیہ نے حضرت دا اُکی خدمت میں اپنی دونوں سالیوں جنابہ عظمت صاحبہ اور

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو بہتر ہے۔ ماں کا نام معلوم ہوتا تو مشورہ دیتا۔

مکتوب - ۹

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

مسترشد :۔ بحمد اللہ قصد السبیل کا کام مکمل ہوگیا ہے۔ حیوۃ المسلمین کتاب کا کام اب تک انجام نہیں پاسکا۔ تعلیم الدین حسب ہدایت شائع کرنے کا عزم رکھتا ہوں

حضرۃ الشیخؒ ، ان کتابوں کی طبع واشاعت پر مبارکباد، ہوسکے تو مطبوعہ کتابوں کا ایک ایک نسخہ بھیجدیا کریں۔ تصحیح کی کوشش ضرور کیجئے۔ کسی لائق شخص کو تصحیح کے لئے مقرر کریں۔

مسترشد ، برادرم مولوی عبداللہ صاحب ندوی حجاز مقدس سے اپنے مالوف پھلواڑی آئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ندوہ کے متعلق باتیں ہوئیں

(بقیہ حاشیہ) محترمہ شکیلہ صاحبہ کی بیعت کی سفارش میں لکھا تھا (مرتب)

۲ محترمہ موصوفہ کے جس عریضہ کا حوالہ جناب محی الدین صاحب نے اپنے اس خط میں دیا ہے اس کا جواب اس مجموعہ مکتوبات بنام عظمت خاتون میں ۱ خط ہے (اشرف)

وہاں کی اقتصادی حالت کا علم ہوا ارادہ رکھتا ہوں کہ زکوٰۃ کی کل رقمیں ندوہ بھیج دی جائیں۔ حضرت کی ہدایت کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ **امداد ندوہ** | ضرور بھیجدیں اور تصریح سے لکھدیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔ مستحقین میں خرچ کی جائے

مسترشد:۔ مولوی ریاست علی صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کی زیرِ سرپرستی ایک مکتبہ "مکتبۃ الشرق" کے نام قائم ہوا ہے۔ اگر مکتبہ کی کوئی تازہ اشاعت ہو، تو اس کی ایک جلد اس عاجز کے نام پر وی۔ پی کرنے کی ہدایت فرما دیجئے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کتابیں ابھی تک وہی چھپی ہیں جو ہندوستان میں پہلے چھپ چکی تھیں۔ کوئی نئی کتاب چھپے تو بھیجوں وی۔ پی کا قاعدہ ہندوستان سے نہیں۔

مسترشد:۔ بدری بابو صاحب کو حضرت اقدس کی یاد دلائی گئی۔ بڑی لجاجت اور محبت سے کہا کہ مولانا صاحب کو میرا بہت بہت آداب لکھدیجئے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ ان کی خوش خلقی ہے۔ شرافت کے یہی معنی ہیں۔ معلوم نہیں اس الیکشن میں وہ کامیاب ہوئے یا نہیں۔ اگر ہو گئے ہوں تو مبارکباد دیدیجئے گا۔

مسترشد:۔ حضرت کیا عرض کروں۔ دو ہفتوں سے طبیعت بجھی بجھی رہتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ **افسردگیٔ طبع اور معمولات** | طبیعت کی افسردگی کا اثر معمولات پر نہ پڑے افسردگی و خوش طبعی کا نشیب و فراز تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا

ہے۔ اوس کی فکر نہ کریں۔

مسترشد:۔ ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ وہ ساعت کب آئیگی جب حضرت کا شرف ملازمت نصیب ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تمنائے ملاقات شیخ | انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ سامان مناسب سمجھیں گے تو فرمائیں گے راضی برضاء رہیں۔ اسی میں عافیت ہے

سید سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

مکتوب - ۱۰

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:۔ محبی وحبیبی ومخلصی اسعدکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[1]

مسترشد:۔ حضرت کی صحت وعافیت کی اطلاع پاکر روحانی خوشی ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ بخیریت ہوں

مسترشد:۔ تقریباً دو ماہ سے میرے ابا جان علیل ہیں۔ درمیان میں حالت تشویشناک ہوگئی تھی۔ اس لئے بچوں کو لے کر مونگیر چلا گیا تھا وہاں بھی مونگیر میں ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کے والد ماجد کو اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ وکاملہ عطا فرمائیں

---

[1] یہ گرامی نامہ مکتوب الیہ ۱۶ر مارچ ۱۹۵۲ء کے خط کے جواب میں ہے (محمد اشرف)

کیا آپ کا گاؤں پھر آباد ہو گیا[1]

مسترشد :- بدری بابو نے مبارکباد کے جواب میں اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا

حضرۃ الشیخؒ :- حسن خلق | بدری بابو نے جو میری مبارکباد پر خوشی کا اظہار کیا تو یہ اون کی شرافت ہے۔

مسترشد :- اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ طبیعت کی افسردگی کا اثر معمولات پر اب تک نہیں پڑ سکا۔

حضرۃ الشیخؒ :- طبعی افسردگی اور معمولات | یہ بڑی چیز ہے کہ افسردگی پر بھی معمولات میں فرق نہ آئے۔ اس سے استقامت کی فال لکتی ہے۔

مسترشد :- اگر اللہ چاہیں گے اور اون کی رحمت شامل حال رہے گی تو معمولات میں فرق نہ پڑے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :- انشاء اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :- قصد السبیل کی دو جلدیں حسب الحکم ارسال خدمت ہیں۔ دوسری کتابیں طبع ہوئیں تو بھیجدوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :- قصد السبیل کے دو نسخے ملے، ایک نسخہ ایک تاجر کو بھجوا دیا ہے کہ اگر اونکو ضرورت ہو تو آپ کے یہاں سے منگوائیں۔ کتاب اچھی اور صاف چھپی ہے صحت کا حال معلوم نہیں کہ پڑھنے کی نوبت نہیں آئی۔

سلسلۂ اشرفیہ | بحمد اللہ کہ سلسلۂ اشرفیہ یہاں بھی بڑھ رہا ہے حضرت کے کئی خلفاء یہاں مصروف تعلیم و تلقین ہیں۔

---

[1] جسکی مسلم آبادی ۱۹۴۶ء کے بہار کے المناک فسادات میں تباہ و ویران ہو گئی تھی (مرتب)

ڈاکٹر محمود صاحب نیک اور دوست صفت آدمی ہیں، صوبہ سے گئے تو مرکز میں شاید جائیں۔ جواہر لال کی زندگی میں اونکی قدر رہے گی۔ یہی حال ابوالکلام آزاد صاحب کا ہے

مسترشد :۔ برادرم مولوی ریاست علی صاحب بخیر ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ مولوی ریاست علی کی خیر خیریت سے خوشی ہوئی۔ اُمید ہے کہ اونکی علمی مصروفیت بھی قائم ہوگی اور مذہبی حالت بھی اچھی ہوگی۔

والسلام۔ سید سلیمانؒ

مکتوب - ۱۱

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی ومحبی ومخلصی زادکم اللہ عرفانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا یہ خط یہاں ۲۳ر جولائی کو پہنچا۔ میں ایک سرکاری کمیٹی کے ضمن میں سفر پر تھا۔ وہاں اتفاق سے طبیعت مضمحل ہوگئی۔ کئی ہفتے وہاں رکنا پڑا۔ اخیر ماہ میں واپس آیا۔ توکمزوری مانع رہی۔ اب گو اچھا ہوں مگر اعصاب کے سبب کام میں انتظام نہیں۔ آجکل ہومیوپیتھک علاج جاری ہے۔

شفقت شیخؒ :۔ آپ کے خط نہ آنے سے خیال ہوتا تھا کہ شاید کچھ طبیعت ناساز ہو۔ اس لئے ایک گونہ فکر تھی خط آنے سے فکر دور ہوگئی

مسترشد:۔ حضرت منعم صاحبؒ کے مزار پر مولوی سعید احمد صاحب کی معیت میں حاضر ہوا فاتحہ پڑھا واپس ہوا تو معلوم ہوا کہ مزار اقدس سے روشنی کے فوارے ابل رہے ہیں اور میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ صاف مشاہدہ ہو رہا تھا کہ انوار کی مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ ہزار اسے وہم سمجھا لیکن پریس میں، گھر میں، تہجد کو اٹھتے ہوئے الغرض اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور باتیں کرتے (عالم بیداری میں) جس حال میں بھی ہوتا اس حال سے دوچار ہوتا۔ تقریباً پندرہ دن اس حال سے دوچار رہا۔

حضرت الشیخ:۔ کیفیات حجابات نورانی | میں نے آپ کے یہ حالات پڑھے، ان چیزوں کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ نہ اس کا حقیقی ہونا ضروری ہے اور نہ مقبولیت کی نشانی ہے، بلکہ یہ حجابات نورانی حجابات ظلمانی سے زیادہ اشد ہیں، جیسا کہ حضرتؒ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے: "اصل شے ایک ہی ہے اور وہ احوال مع اللہ تعالیٰ ہیں، علاقہ الٰہی میں ترقی ہو جس کی علامت عقیدہ اور عمل احکام الٰہی کا کامل اتباع ہے۔ باقی یہ کیفیات و حالات سفر کے تماشے اور مناظر ہیں۔ جیسے کوئی پٹنہ سے بمبئی جائے تو راہ کے مناظر، کھیت، درخت، پہاڑ، چشمے جو کچھ نظر آئیں وہ مقصود نہیں، مقصود تو بمبئی ہی پہنچنا ہے۔ اب اگر کوئی مسافر ان مناظر کے حسن میں پھنس کر رہ جائے تو مقصود سے محروم رہے گا۔

مسترشد :- دریاپور کی مسجد کے تنخواہ دار امام کی جگہ مستقل امامت کا بوجھ لوگوں نے حضرت اقدس کے غلام ہی کے ناتواں دوش پر تقریباً ڈیڑھ سال سے ڈال رکھا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- دریاپور کے وہ امام اب یہاں کراچی میں ہیں۔ مجھ سے کئی دفعہ ملنے آئے۔ یہ اچھا ہوا۔ کہ یہ مسجد اس طور سے بدعات سے پاک ہوئی۔

مسترشد :- اپنا یہ حال ہے کہ ہر نماز کے وقت یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ آجائے جو اس امامت کا عظیم بوجھ ہلکا کرے۔

حضرۃ الشیخؒ :- امامت | یہ کیفیت صحیح ہے، اس پر عمل کیجئے امام نماز بن جانے سے کوئی واقعی امام نہیں بن جاتا اور نہ یہ کوئی فضیلت کا معیار ہے۔

مسترشد :- بحمد اللہ تعالیٰ تنخواہ دار امام کے جانے کے بعد دریاپور کی مسجد بدعات اور رسومات سے بتدریج پاک ہو رہی ہے ورنہ پہلے بدعات کا مرکز بن چکی تھی۔ مثلاً حی علی الفلاح کے بعد اٹھنا، جمعہ کی اذان ثانی سڑک کے متصل دروازہ پر دینا۔ عورتوں کا بے پردہ اور بے محابا بلا قید مذہب و ملت کے مسجد کے اندر آنا، گھی کا چراغ جلانا، منبر پر پھولوں کا ہار چڑھانا وغیرہ۔

حضرۃ الشیخ :- اس بستی کے یہ افسوس ناک حالات مجھے بھی معلوم ہیں۔

مسترشد : جمعہ میں حضرت تھانویؒ کا مرتب کردہ خطبہ ہی پڑھتا ہوں، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو خطبہ کے سننے کے لئے کھول دے اور عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ : آمین

مسترشد :۔ کبھی کبھی لوگ نماز، روزہ، زکوٰۃ کے مسائل پوچھتے ہیں اور میں اپنی ناقص عقل کے مطابق جواب دیتا ہوں اور بعض اوقات کہہ دیتا ہوں کہ کتابیں دیکھ کر بتاؤں گا

حضرۃ الشیخؒ :۔ مسائل | جی ہاں کتابیں دیکھ کر جواب دیں۔ بہشتی زیور اور بہشتی گوہر پاس رکھو

مسترشد :۔ گاہے گاہے بہت خوف وخشیت کا یہ حال ہوتا کہ کبھی آیتیں بھول اور کبھی چھوٹ جائیں کبھی قیام وقعود میں تاخیر وتقدم ہوتا۔ الغرض کبھی سجدہ سہو اور کبھی اعادۂ نماز کرنا پڑتا تھا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ نماز | قلب کی مشغولیت کے سبب یہ سہو واقع ہوتا ہے۔ نماز میں صرف نماز کے ارکان اور قرأت اور ادعیہ کی طرف توجہ رکھی جائے اور قرآن پاک کی تلاوت روزانہ کا معمول کیجئے، تاکہ قرأت صحیح ہو۔

مسترشد :۔ عالم بیداری میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلو میں قلب کے پاس سوراخ ہے اور اس سے کلمات طیبات نکل رہے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ذکر | یہ ذکر کی تاثیر فی القلب کی علامت ہے

مکتوب الیہ نے وساوس سے ملتے جلتے احوال قلم بند کئے تھے (محمد اشرف)

حضرۃ الشیخ رح:- **وساوس** | اِس کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ اس کا علاج عدم التفات ہے۔

مسترشد: انہی کیفیات کے دنوں میں حضرت اقدس کو بیشتر مرتبہ خواب میں دیکھا۔ کہ دعا مانگ رہے ہیں۔ اور میں آمین کہہ رہا ہوں۔

مزید برآں یوں معلوم ہوتا تھا کہ جو کلمات نماز وغیرہ نماز میں پڑھتا ہوں، وہ کلمات قلب سے چاند کی طرح نکل نکل کر آسمان کی طرف صعود کرتے ہوئے معلوم ہوتے۔

حضرۃ الشیخ رح:- **کیفیات** | یہ کیفیت محبت شیخ کی علامت ہے اور یہ روشنی تجلیاں ہیں۔

مسترشد:- ان احوال وکیفیات کے غلبہ کی بناء پر مجھے اپنی حالت پر ہنسی آتی اور خیال ہوتا تھا کہ کہیں ہوش و حواس نہ کھو بیٹھوں، ہر دم خاموش رہتا، ملنا جلنا نوے فیصد کم کر دیا۔ ضروری خطوط کے جواب لکھنے بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ حضرت تشریف لے آئے اور بے تحاشا و والہانہ انداز میں کھڑا ہو جاتا۔

حضرۃ الشیخ رح: **اہتمام نوم وخوراک** | ان باتوں کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ سونے کے اوقات پورے کریں۔ چھ سات گھنٹے روزانہ سے کم نہ ہو۔ پھر کھانے پینے کا بھی اہتمام کیجئے۔ زیادہ مشقت دماغی یا عملی نہ کیجئے۔

مسترشد :- ۶ر جون کی صبح کو حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی، حضرت عبد الماجد صاحب دریا بادی اور انکے داماد پروفیسر محمد ہاشم صاحب پر مشتمل ایک مقدس قافلہ پٹنہ جنکشن پہنچا صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا مولوی ریاست علی صاحب کے ساتھ ان حضرات کے ہمراہ کھایا، اور ان ہی بزرگوں کے ہمراہ گورنمنٹ اردو لائبریری، خدا بخش لائبریری، یونیورسٹی لائبریری سرسری مطالعہ میں رہا۔

حضرۃ الشیخ :- جی ہاں اس سفر کی کیفیت ادن کے اخبار صدق سے بھی معلوم ہوئی۔ پھر دیسنہ سے بھی خبر آئی۔ یہ اصحاب خیر و برکت والے ہیں ان کی محبت اور صحبت دین کے لئے مفید ہے۔

مسترشد۔ انہیں حضرات کے ہمراہ ہسپتال گئے اور مولانا عبد الباری صاحب کے ایک ملنے والے کے علاوہ، شاہ عزیز منعمی پھلواری کی عیادت کی۔

حضرۃ الشیخ :- پھلواری کے ایک نوجوان شاہ صاحب ابھی یہاں آئے ہیں اون سے معلوم ہوا کہ منعمی صاحب صحیح ہو گئے۔ الحمد للہ

مسترشد :- حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کی سادگی اور فنائیت کا قلب پر گہرا اثر ہوا۔ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب میں عالمانہ شان کا ظہور تھا۔ اور حضرت مولانا عبد الباری میں حسب صوفیانہ تحمل اور فقیرانہ شان استغناء کی جلوہ افروزیاں نمایاں ہیں۔

حضرۃ الشیخ :- مولانا عبد الباری صاحب کا حال ہم سب میں قابل رشک ہے

اللہ تعالیٰ مزید ترقی عنایت فرمائے۔

مسترشد:- ان حضرات کو رخصت کرنے کے بعد رات کو خواب دیکھا کہ حضرت مولینا عبد الماجد صاحب مجھ سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں کہ میں نے تفسیر کیوں لکھی اور اس تفسیر کی کیا خصوصیت ہے اور بغل میں حضرت مولینا عبد الباری صاحبؒ کو دیکھا۔ کہ حضرت کی آنکھیں بند ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح ہے۔ اور قلب سے ذکر کی آواز آرہی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:- تعبیر خواب | یہی کیفیت ان دونوں صاحبوں کی ہے۔ اول الذکر اپنے قلم اور زبان سے دین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اور دوسرے صاحب اپنی حالت اور کیفیت قلبی کی بناء پر لوگوں کی رہبری اور اپنی ترقی کی راہ بنا رہے ہیں۔

مسترشد:- دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے والدین کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- اللہ تعالیٰ آپ کے والدین کو صحت کلی عنایت فرمائیں۔

مسترشد:- مولوی ریاست علی صاحب ندوی نے یہ جان بخش اور روح پرور اطلاع دی کہ اسلم صاحب نے فرمایا کہ حضرت اقدس مستقلاً ہندوستان تشریف لا رہے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:- جی ہاں عزیزوں اور دوستوں سے ملنے کیلئے قصد تھا۔ مگر پرمٹ جس دشواری اور ذلت سے حاصل ہوتا ہے۔ اوس کا

خیال کر کے دل رکتا ہے۔ اب پاسپورٹ ہو رہا ہے۔ شاید اس سے کوئی حالت بہتر ہو تو قصد کروں۔

مسترشد:۔ مولوی عبداللہ صاحب ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء نے بھی اس خبر کی تصدیق کی، اور کہا کہ مولوی مسعود علی صاحب ندوی بھی فرمارہے تھے کہ جواہر لال سے حضرت اقدس کا ذکر آیا۔ تو پنڈت جی نے کہا کہ "مولانا کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہم ہر وقت تیار ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہجرت شیخ | یہاں کا قیام خدمت دین کے سبب سے ہے۔ کوئی اور داعیہ نہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ گھر بار لٹا کر جس کا بدل یہاں نہیں، بظاہر اپنی حماقت ہی ہے، لیکن اگر اخلاص ہے تو انشاء اللہ آخرت میں اس کا بدل ملے گا۔

مسترشد:۔ عظمت خاتون نے (جنکی بیعت کی سفارش بندہ نے کی تھی) خواب دیکھا ہے کہ ایک بڑے کمرہ میں حضرت تشریف فرما ہیں، سامنے وہ بیٹھی ہوئی ہے۔ حضرت کچھ فرما رہے ہیں کہ اس اثناء میں یہ گنہگار کمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ اور حضرت پر نگاہ پڑتے ہی پہلے سجدہ میں گر پڑتا ہے۔ پھر دو زانو مؤدب بیٹھکر دعائیں مانگتا ہے۔ اور پھر حضرت کے قریب پہنچتا ہے۔ حضرت ایک لفافہ عنایت فرماتے ہیں اور یہ گنہگار عرض کرتا ہے۔ "اس میں عظمت کی بھی امانت ہے" حضرت اقدس نفی میں جواب دیتے ہیں۔ پھر میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں ان کی امانت بھی ہے۔ آپ سر کی جنبش سے انکار سا

اظہار فرماتے ہیں اور عزیزہ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- کامل اطاعت | سجدہ میں دیکھنا ظاہر ہے کہ کامل اطاعت کی طرف اشارہ ہے۔

بیعت امانت | ان کی امانت ان کی بیعت کا تقاضا ہے۔ انشاء اللہ بشرط حیات پوری ہوگی۔

مسترشد :- مولوی ریاست علی صاحب بخیر ہیں ان کی دینی حالت بھی اچھی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- برادرم مولوی ریاست علی صاحب ندوی کی حالت کی درستی سے خوشی ہوئی۔

مسترشد :- اللہ تعالیٰ توفیق ارزانی فرمائیں کہ وہ تمام حالات کو دیندارانہ بنالیں

حضرۃ الشیخؒ : آمین

فقیر سید سلیمان ندوی

مکتوب : ۱۲

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

کراچی ۵

مسترشد :- گرامی والا کا بالامعان بار بار مطالعہ کیا۔ ہر بار قلب کو مزید تسکین اور نور ایمانی میں افزائش محسوس ہوئی۔ فالحمد للہ لیکن ناسازی

طبع کی خبر سے دلی قلق اور عظیم رنج پہنچا۔ اللہ تعالیٰ جلد صحت یاب فرماویں۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ عزیزی و مخلصی زادکم اللہ توفیقاً۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ کہ تین چار ماہ کی علالت کے بعد اب میں اچھا ہوں۔ قلبی تنفس کی تکلیف تھی ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ کبھی یونانی، اور کبھی ہومیوپیتھک، آخیر علاج ڈاکٹر کرنل عبدالرحمان کا ہے۔ انہوں نے نمک اور روغن موقوف کرا دیا، صرف بے نمک کا اُبلا کھانا ایک ماہ سے کھا رہا ہوں۔

مسترشد:۔ (مسائل کا جواب دینے میں) بہشتی زیور، بہشتی گوہر اور دیگر کتب فقہ سامنے رہتی ہیں، اور مسائل کا جواب کتابوں کے مشورہ کے بعد اور اپنی پوری تسلی کے بعد دیتا ہوں۔ (ایسے بھی) بہشتی زیور اور بہشتی گوہر ہمیشہ مطالعہ میں ہے۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ مسائل میں احتیاط یہ بہت اچھا ہے۔ تاکہ ناواقفیت سے غلط مسئلہ کی ذمہ داری نہ عائد ہو۔

مسترشد:۔ خبر ملی ہے کہ ڈاکٹر سید محمود صاحب جلد ہی آسام کے گورنر ہو کر جانیوالے ہیں۔ آسام کی کابینہ نے ان کی گورنری پر رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ نیک خواہی دوستان جی آسام میں گورنر ہوئے

بھی تو ہمارے کس کام کے۔ گو وہ یہیں کیا کام آتے، تاہم پرانی دوستی و تعلق سے ان کی بہتری کو دل چاہتا ہے۔

مسترشد:۔ سر فخر الدین مرحوم کے صاحبزادے مولوی انیس الحق دو، تین ہفتوں سے مجھ سے حضرت والا کی تصنیفات مطالعہ کیلئے مانگ کر لیجایا کرتے ہیں۔ ان کے دل میں دین کا ذوق اور مسلمان بننے کا صحیح داعیہ پیدا ہو چلا ہے اور کل مجھ سے حضرت اقدس کا پتہ دریافت کیا ہے۔ غالباً وہ حضرت اقدس سے مراسلت کا سلسلہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ قدر شناسی | وہ صلاحیت کے آدمی ہیں۔ اللہ کرے وہ صراط مستقیم کو پالیں۔

میرے پاس ان کا کوئی خط نہیں آیا ہے۔

مسترشد:۔ امی جان بفضل الٰہی اچھی ہیں۔ اور ابا جان بھی اچھے ہیں درمیان میں علیل ہو گئے تھے۔ پیرانہ سالی کی بنا پر بیماری کا حملہ ہوتا ہے، تو قوت دفاع کے فقدان کے سبب شدید ہوتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تلقین خدمت والدین | اللہ تعالیٰ ان کو تندرست رکھے۔ اور آپ کو ان کی خدمت کا بیش از بیش موقع دے۔

مسترشد:۔ دماغی کاموں میں کمی اور کھانے کا اہتمام اور سونے کا اہتمام حسب الارشاد حضرت اقدس کرنا شروع کر دیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اہتمام خوراک ونوم | جی ہاں۔ اس کا اہتمام ضروری ہے ورنہ دماغ کی خشکی کا خوف ہے۔

مسترشد:۔ پاسپورٹ ۱۵ ر اکتوبر سے جاری ہو رہا ہے۔ اب حضرت اقدس کو جب موقع ہوگا، پاسپورٹ لے کر رختِ سفر باندھا جائے گا۔ یہاں بہت سارے لوگوں کی طرح اس عاجز کو شدید انتظار ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں! پاسپورٹ ہو رہا ہے، دل بھی چاہ رہا ہے، مگر اوس کے حصول میں جو محنت کرنی ہوتی ہے، اور دفتروں کی خاک چھاننی پڑتی ہے۔ اوس کا حریف میں نہیں ہوسکتا، تاہم کوشش کیجائے گی۔

مسترشد:۔ ہندوستان میں بجز اکا دکا واقعات کے امن رہا حکومت نے پوری مستعدی سے کام لیا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ خدا کرے کہ حکومت اسی طرح اپنا فرض ادا کرے

مسترشد:۔ بہار میں حضرت ملک بیا رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی شہادت کا جو واقعہ ہوا تھا۔ اگر حکومت اسے دوبارہ تعمیر نہ کرتی اور شر انگیزوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا ہوتا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فضل کیا

حضرۃ الشیخؒ:۔ الخیر فیما وقع۔

مسترشد:۔ صبح کی نماز کے بعد ایک پارہ قرأت اور تجوید کی

پوری رعایت کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اور اس کے بعد مناجات مقبول کی ایک منزل۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دعائے استقامت | الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ استقامت بخشیں۔

مسترشد:۔ اس خطاکار کی ایک پیر بہن ہمیشہ کیلئے کراچی جارہی ہیں۔ یہاں معیشت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہاں ان کے حقیقی بھائی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ معلوم نہیں یہ کون بیوی ہیں اور یہاں ان کا کیا پتہ ہے، مجھے نہیں ملیں۔

مسترشد:۔ بہار میں بارش بہت اچھی ہوئی ہے۔ اس لئے فصل خریف کی حالت امید افزا ہے۔

حضرۃ الشیخ:۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

مکتوب ۔ ۱۳

(بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:۔ مخلصی وعزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ وزادکم عرفانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بے شبہ گذشتہ خط میں دیر ہوئی،

مگر اُمید ہے کہ آپ کو میرا جواب مل گیا ہوگا۔

بحمد اللہ میری صحت اس وقت اچھی ہے۔ علاج جاری ہے۔

مسترشد:۔ والدہ ماجدہ صاحبہ سخت علیل ہیں۔ والد ماجد صاحب علیل ہیں۔ مگر اب صحت یاب ہو گئے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کے والدین کی صحت کاملہ دعاجلہ کے لئے بدرگاہ شافی حقیقی دعا گو ہوں۔

مسترشد:۔ میری ایک پیر بہن کلثوم النساء صاحبہ یہاں سے ہجرت کر کے کراچی پہنچ چکی ہیں۔ غالباً اس کی اطلاع پہلے دے چکا ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ کلثوم النساء صاحبہ کے یہاں آنے کا حال آپ سے معلوم ہوا۔ یہ کون ہیں اور آپ سے کیا رشتہ ہے۔

مسترشد:۔ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تھا کہ پاسپورٹ کے نفاذ کے بعد ہندستان آنے کا قصد ہے۔ نہ جانے کب حضرت اقدس کی زیارت سے بہرہ در ہو سکیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تمنا تو دل میں بہت ہے، دیکھئے کب پوری ہوتی ہے، جاڑوں میں تو ارادہ نہیں، آغاز گرما ممکن ہے۔

مسترشد:۔ ڈاکٹر محمود صاحب اب تک کچھ نہ ہو سکے، گورنری کے لئے جہاں جہاں ان کا نام بھیجا گیا، وہاں کی کابینہ نے مخالفت کی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ تو پہلے معلوم تھا۔

مسترشد :۔ صوبہ بہار کی مجموعی حالت ہر اعتبار سے تسلی بخش ہے
حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ۔
مسترشد :۔ تبلیغی جماعت (حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے کی) ایک جماعت دلی سے پٹنہ پہونچی اور دوسری کلکتہ سے اسکی نصرت کے لئے پٹنہ پہونچی اور شمس الہدیٰ کی مسجد میں دونوں جماعتیں ٹھہریں، برادرم مولوی ریاست علی ندوی نے۔ مجھے بلا بھیجا، جماعت کے ارکان سے تعارف کرایا، قاضی احمد حسین صاحب اور جناب صفات احمد بھی موجود تھے، ان تمام حضرات نے اور مقامی جماعتوں کے تمام ارکان نے شدت سے مجھے پٹنہ کا امیر الامراء مقرر کر دیا۔ ریاست علی صاحب اور بزرگ قوم قاضی احمد حسین صاحب نے اس طرح مجبور کیا کہ مجھے مجبوراً مشروط طور پر ہاں کہنا پڑا۔ میں نے یہ شرط لگائی ہے کہ حضرت کو اطلاع دوں گا، اور اسی کی روشنی میں جو ہو گا کروں گا۔ ریاست علی ندوی صاحب نے فرمایا کہ "سید صاحب اس تحریک کے ساتھ ہیں۔" اس بناء پر خاموش ہو گیا۔ اب آپ سے اجازت کا طالب ہوں جو حکم ہو، اسی طرح کیا جائے گا۔"

حضرۃ الشیخؒ :۔ **تبلیغی جماعت** | جی ہاں اس جماعت سے میرا قدیم سے تعلق ہے، وہاں بھی تھا اور یہاں بھی ہے۔

تبلیغ اور امیر الامراء کا مطلب | آپ کو کوفت اور پس و

پیش لفظ امیر الامراء کے ظاہری معنوں کے لحاظ سے ہے،
کہ آپ اس کو عہدہ اور منصب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرائض
کی بجا آوری اور خدمات کی چیز ہے، آپ امیر الامراء کو خادم
الخدام کے معنوں میں سمجھیں تو کوفت لفظوں سے نہیں ہوگی،
اس صورت میں فرائض کے بار عظیم سے گھبراہٹ ہوسکتی ہے
اور وہ بجا ہے، مگر اوس سے کبر وغرور کا شائبہ پیدا نہ ہوگا،
مگر آپ خلوص اور تواضع کے ساتھ اوس جماعت کی خدمت
انجام دے سکیں تو قبول کرلیں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی
(۲۳ر دسمبر ۵۱ء)

(مولوی محی الدین صاحب ندوی نے اپنا ایک خواب جو ۲۳ ربیع
الاول ۱۳۷۱ھ بروز جمعہ دیکھا تھا، اس خط کے ضمیمہ کے طور پر
لکھا تھا۔ اس کی تعبیر حضرت والا نے " الجواب " کے عنوان
سے رقم فرمائی۔ خواب ملخصاً درج ذیل ہے)

مسترشد:۔ " اشراق کی نماز کے بعد امداد المشتاق کا مطالعہ کر
رہا تھا۔ دوران مطالعہ میں غنودگی سی طاری ہوئی۔ کان میں آواز
آئی سو جائیے، پھر سنبھل کر مطالعہ میں مشغول ہوگیا، لیکن متواتر
آوازیں آئیں کہ سو جائیے۔ اب میں نے کمرے کا دروازہ بند کر کے
تاکید کرلی کہ میں اٹھایا نہ جاؤں۔ اور لحاف کے اندر پڑ کر سو رہا۔

خواب میں دیکھا کہ عشاء کا وقت ہے، میں حرم میں ہوں، مسجد حرام میں صفیں سیدھی کی جارہی ہیں۔ دوران تکبیر میں شور ہوا کہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی سواری آرہی ہے۔ سب نمازی حضرت حاجی صاحب کی سواری کی طرف دیکھنے لگے، حضرت آرام کرسی پر آرام فرما ہیں، اور دو بزرگ صورت کرسی کو سہارا دیئے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ سواری اقدس، حرم شریف میں آگئی، شور ہوا کہ بیٹھو بیٹھو، راستہ دو، پھر دیکھا کہ حضرت اقدس (سید صاحب) اگلی صفوں سے نکل کر اور صفوں کو چیرتے ہوئے عین اسی لمحہ میں سواری کے پاس پہونچ گئے۔ جب کرسی رکھی جارہی تھی، ایک بازو کو حضرت اقدس (سید صاحب) سنبھالے ہوئے تھے۔ ایک کو دوسرے بزرگ جن کے سر پر عربی وضع کی رومال پڑی تھی، حضرت حاجی صاحب کے پاؤں اس قابل نہ تھے کہ کام کرسکیں۔ اس لئے ایک بازو کو حضرت اقدس سہارا دیئے ہوئے تھے اور دوسرے کو وہی بزرگ مذکور، اس کے بعد نماز عشاء ہوئی۔ اپنے کو پہلی صف میں پایا اور امامت حضرت اقدس (سید صاحب) نے کرائی۔ نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کرکے حضرت دعائیں مانگ رہے ہیں۔ جب میری نگاہ چہرۂ اقدس پر پڑی تو دل کی دنیا الٹ گئی۔ آنسو جاری ہوگئے، حضرت مصلی سے اٹھ کر اس گنہگار کے پاس تشریف لائے، اور ہاتھوں سے پکڑ فرمایا، اُٹھئے۔ اس کے بعد آنکھ کھلی۔"

حضرۃ الشیخؒ :- **الجواب**

تعبیر خواب | آپ کا خواب مبارک ہے۔ اور اس میں اس کی بشارت ہے کہ آپ کو سلسلہ اشرفیہ وامدادیہ سے طبعی مناسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید عنایت فرمائیں۔

مقصد سلوک | مگر یہ خیال رہے، کہ قرب و ولایت کی راہ صرف عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ ہیں، بقیہ جذب و شوق و نداء و رؤیا محمود ہیں۔ مگر مقصود نہیں۔ اس لئے ان سے دل نہ لگائیں اس کو راستہ کی سیر کا تماشا جانیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

مکتوب - ۱۴ (بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیز مکرم زادکم اللہ توفیقا لما یحب ویرضی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد :- شافی حقیقی جلد حضرت اقدس کو صحت کامل عطا فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ : بحمد اللہ تعالیٰ بالفعل بخیریت ہوں کوئی تکلیف نہیں ہے اور نہ کوئی خاص علاج ہے، البتہ پرہیز جاری ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والدین مع الخیر ہیں، ان کا سایہ غنیمت ہے۔ اور ان کی خدمت جنت کی کنجی۔

مسترشد:۔ کلثوم النساء میری پیر بہن اور سب سے چھوٹی خلیبا ساس ہیں، بیوہ ہیں، معیشت کی بظاہر کوئی یہاں صورت نہ تھی اس لئے ہجرت کرنی پڑی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کلثوم بی بی چند روز ہوئے کہ ملنے آئی تھیں۔ خدا کرے کہ انہیں راحت نصیب ہو۔

مسترشد:۔ کلثوم النساء صاحبہ کے حالات کی تفصیل لکھی گئی تھی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ تفصیلات معلوم ہوئیں۔

مسترشد:۔ جماعت تبلیغ کے سلسلے میں حضرت اقدس مدظلہ نے جو کچھ تحریر فرمایا، اس سے دل کو تسکین اور صحیح معنوں میں جمعیت خاطر نصیب ہوئی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تبلیغ۔ تبلیغی جماعت اور تنبیہ | اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی میں برکت دیں۔ اس تبلیغی سلسلہ میں صرف ایک احتیاطی تنبیہ کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ غیر کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح پر نظر رہے۔ اور غیر کی اصلاح کی فکر بھی اپنی ہی اصلاح اور حصول اجر کی خاطر ہو، تفوق اور اپنی بڑائی کا خیال بھی نہ آئے۔

والسلام

سید عفیان

مکتوب ۔ ۱۵ بنام (مولوی محی الدین صاحب)

سید سلیمان ندوی

کراچی ۵، چمن سٹریٹ

عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

اشتیاق ملاقات احباب اور ان کی احوال پرسی

آپ کا خط پاکر بہت خوشی ہوئی، جامع المتفرقین اس زندگی میں پھر کبھی ملائیں۔ برادرم سید محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی خیریت بھی معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھیں اور ان کی مدد فرمائیں، معلوم نہیں ان کے مدرسے کا کیا حال ہے۔ مولوی ریاست علی صاحب اور مولوی سید احمد صاحب کے حالات اور مشاغل معلوم کرنے کا بھی اشتیاق ہے۔

ندیم اگر نکل رہا ہو اور بھیج سکتے ہوں تو بھیجد یا کریں۔ دیگر احباب کی خیریت سننے کیلئے بھی دل میں بے چینی پاتا ہوں۔

والسلام

مکتوب - ۱۶ (بنام مولوی محی الدین صاحب)

حضرۃ الشیخؒ:- عزیزی واخی فی اللہ تعالیٰ رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:- حضور والا کی عافیت اور صحت کا دل سے خواہاں ہوں

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔

مسترشد :۔ ایک عریضہ رمضان المبارک سے پہلے ارسال کیا تھا۔ تاحال جواب نہ مل سکا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ مزارات پر حاضری | آپ کے خط کا جواب بھیجدیا تھا۔ جس میں آپ نے سفر پیران کلیر اور تھانہ بھون کا ذکر کیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ کو نہیں ملا۔ میں نے پوچھا تھا کہ پیران کلیر عرس کے زمانہ میں گئے تھے یا اوس سے الگ۔ اگر عرس کے زمانہ میں گئے تھے تو جانا نہیں چاہیے تھا، اور اگر غیر عرس میں گئے تو کچھ حرج نہیں۔

مسترشد: پرسوں ندوہ سے برادرم مولوی عبداللہ ندوی کا ایک لفافہ ملا، اس میں یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ اس ماہ کے آخری دنوں میں حضرت اقدس دو ماہ کے لئے ہندوستان تشریف لا رہے ہیں، انہوں نے مجھ سے مزید تفصیلات پوچھی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ میری آمد کا ہنوز وقت مقرر نہ ہو سکا۔ یہاں کے بعض حالات مقتضی ہیں کہ میں یہاں سے غیر حاضر نہ رہوں۔

مسترشد :۔ حضرت اقدس! آنے کی صحیح تاریخوں کے متعلق مطلع فرمائیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ ابھی بتا نہیں سکتا۔

مسترشد :۔ تین ہفتوں سے والد ماجد پھر علیل ہو گئے ہیں۔

حضرت الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ صحت کاملہ عاجلہ بخیریت عنایت فرمائیں۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہم لوگوں پر تا دیر قائم رکھے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ دلہن سلمہا اور میری منجھلی خلیا ساس سعیدہ خاتون جو حضرت اقدس کے حلقۂ بیعت سے مشرف ہو چکی ہیں۔ سلام مسنون عرض کرتی ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ میری طرف سے بھی سلام کہدیں۔

مسترشد :۔ میں نے اپنے ایک بچہ کو حفظ کرانا شروع کر دیا ہے۔ ارادہ ہے کہ تمام بچوں کو انشاء اللہ کلام اللہ حفظ کرا کر عربی پڑھاؤں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مقصد کو پورا فرمائیں۔

مسترشد : دعا فرمائیں کہ میرے تمام بچے حافظ قاری، عالم باعمل بن کر دنیا میں زندہ رہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ دریاپور کی مسجد کی امامت کا بوجھ اللہ تعالیٰ نے میری گردن سے ہلکا کر دیا ہے۔

حضرت الشیخؒ :۔ یہ اچھا ہوا۔

والسلام

سید سلمان

۲۰ جولائی ۱۹۵۲ء

ریاست صاحب سے ملاقات ہو تو کہدیجئے کہ اون کی کتابوں کے روپے کیلئے اعظم گڈھ صباح الدین صاحب کو لکھ دیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تلخیص مکاتیب

بنام جنابہ صابرہ خاتون صاحبہ اہلیہ سید محی الدین صاحب ندوی

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزہ مخلصہ دین و دنیا کی برکتیں آپ کو ملیں
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشدہ : حضرت کا لفافہ گرامی پہنچا تو حضرت اقدس کی اس لونڈی کی خوشی کا کیا حال ہوا اس کا نقشہ کھینچنے سے میری زبان و قلم عاجز ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ آپ کی خالص محبت ہے، جو اللہ کے لئے ہے۔

مسترشدہ :۔ حضرت کی علالت کی خبر سے طبیعت سن ہو گئی اور دل دھڑکنے لگا۔ برابر دعا کرتی رہی کہ اے اللہ میرے حضرت کو تا دیر دنیا میں قائم رکھئے تاکہ حضرت سے فیوض و برکات اور دینی خدمات کا سلسلہ قائم رہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ طلب دعاء | بحمد اللہ تعالیٰ کہ اب میں پہلے سے بہت اچھا ہوں۔ آپ میری صحت کیلئے دعا کرتی رہیں

سید سلیمان ندوی

مکتوب - ۲ (بنام صابرہ خاتون صاحبہ)

حضرۃ الشیخؒ :- عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ۔ وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشدہ :- میری دلی تمنا ہے کہ حضرت اقدس میری بیعت فرمالیں۔ اس سلسلے میں میں نے چھوٹے اور بڑے گناہوں سے توبہ کرلی ہے۔ وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی زندگی کو دینی راہ پر رکھوں گی، اور دین ہی کے صراط مستقیم پر مرتے دم تک قائم رہوں گی۔

حضرۃ الشیخؒ :- بیعت | اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہان کی فلاح عطا فرمائیں خوشی ہوئی کہ آپ کے اندر ماشاء اللہ تعالیٰ اصلاح وتقویٰ کی استعداد ہے۔

مسترشدہ :- یہ عاجزہ اپنے شوہر سے بیعت کی اجازت طلب کرتی رہی ہے۔ بارے آج موصوف نے اجازت دیدی۔ ان کی اس اجازت سے ایسی خوشی ہوئی جو زندگی میں آج تک کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میری بیعت فرمالیں اور عاصیہ کی آخرت کے راستے کو ہموار فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- بیعت کی اہمیت اسی قدر ہے کہ اس سے طبائع میں مزید مستعدی پیدا ہوجاتی ہے، بہرحال اگر اسکی خواہش ہے تو انشاء اللہ پوری ہوگی۔ آپ حسب ذیل عبارت اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دیجئے۔

" میں آپ کی وساطت سے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ

چشتیہ میں داخل ہوتی ہوں۔

مکتوب - ۲ (بنام جنابہ صابرہ خاتون)

حضرۃ الشیخ رح: عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشدہ: حضرات والا کا گرامی نامہ آج مونگیر میں ملا۔ جس پر انتہائی خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ استعانت، استقامت اور مداومت عمل کی توفیق دیں۔

حضرۃ الشیخ رح: دعائے استقامت | اللہ تعالیٰ مداومت عمل اور حسن توفیق عطا فرمائیں۔

مسترشدہ: حضرت کے فرمان کے مطابق بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط کہہ کر ذیل کی عبارت لکھ کر داخل حلقہ بیعت ہوتی ہوں۔

"میں آپ کی وساطت سے سلسلہ اشرفیہ امدادیہ صابریہ چشتیہ میں داخل ہوتی ہوں، الحمد للہ رب العلمین۔"

حضرۃ الشیخ رح: قبول بیعت | میں نے سلسلۂ اشرفیہ امدادیہ صابریہ چشتیہ میں آپ کی بیعت قبول کی۔

اللہ تعالیٰ اس کے برکات سے آپ کو مالا مال کریں۔

والسلام۔ الفقیر الی اللہ

سید سلیمان ندوی

مکتوب ۔ ۴ (بنام جنابہ صابرہ خاتون صاحبہ)

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشدہ :۔ حضرت کی علالت کا پڑھ کر دل بے چین ہو گیا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمدللہ مع الخیر ہوں

مسترشدہ :۔ بے ساختہ آپ کی صحت کے لئے دعائیں کیں اور اب بھی کر رہی ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کی دعاؤں کا شکریہ۔

سید سلیمان ندوی

تلخیص مکاتیب بنام سعیدہ خاتون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب ۔ ۱

مسترشدہ :۔ میری بیعت عزیزی سید محی الدین صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کے بعد میرے حالات سن کر وہی میری تسلی کرا دیتے تھے۔ اس لئے خط لکھنے سے رک جاتی، لیکن اپنی شدید بیماری کی بناء پر کہ شاید اس سے جان بر نہ ہو سکوں، خط لکھ رہی ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بہتر ہے اگر وہاں محی الدین صاحب کی گفتگو اور جواب سے تشفی ہو جائے۔

مسترشدہ :۔ مجھے مختلف امراض ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دعائے صحت | اللہ تعالیٰ آپ کو شفا بخشیں۔

مسترشدہ:۔ بعض اوقات درد کی شدت قابو سے باہر ہو جاتی ہے لیکن زبان سے کلمہ ناشکری کا نہیں نکلنے دیتی ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تسلّی دینا | بحمد اللہ آپ کی یہ حالت بہت اچھی ہے۔ اس حالت میں یہ دعاء پڑھا کریں۔

ربّ انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین"

مسترشدہ:۔ حضور کے قدموں میں گرنے کے بعد سے بفضلہ تعالیٰ سے ہر طرح کے غیر دینی کاموں سے قلبی نفرت ہو گئی ہے۔ اور مقدور بھر اپنے اوقات کو برباد ہونے سے بچاتی ہوں اور کوشش اس بات کی رہتی ہے کہ ہر لمحہ اللہ کی اطاعت میں بسر ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ نیکی کا عزم | یہ عزم مبارک

مسترشدہ:۔ قضا نمازیں، روزے اور زکوٰۃ ادا کر رہی ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دعا و حوصلہ افزائی | بہت اچھا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ میرا اور آپ کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سیّد سلیمان

مکتوب ۔ ۲ (بنام سعیدہ خاتون صاحبہ)

مسترشدہ:۔ میری بچی کا مرض روز بروز افزوں ہے۔ اللہ کی یہ مرضی ہے ہر حال میں شاکر ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بچی کو اپنے فضل وکرم سے شفا دیں، شافی حقیقی وہی ہیں۔

مسترشدہ:۔ دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بچی کو صحت کاملہ اور عاجلہ عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آمین

مسترشدہ:۔ میں بھی علیل ہوں اور بچی کی تکلیف کے اثر سے مرض بڑھ رہا ہے، لیکن حضور کی جوتیوں کا صدقہ ہے، کہ معمولات میں فرق نہیں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ثبات و دوام عطا فرمائیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ معمولات پر استقامت | مبارک ہو کہ یہ بڑی سعادت ہے۔ ع آمین

مکتوب ۔ ۳۷ (بنام سعیدہ خاتون صاحبہ)

حضرۃ الشیخ رح:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشدہ:۔ اس عاصیہ کے جواب میں حضرت کا خط وصول ہو کر مسرت ہوئی۔ لیکن حضرت کی علالت کی خبر سے سخت صدمہ اور قلق ہوا، اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ اطلاع صحت خود | الحمد للہ تعالیٰ کئی ماہ سے اچھا ہوں، فکر نہ کریں۔ البتہ میری فلاح وبہبود دارین کی دعا کریں۔

مسترشدہ:۔ حضرۃ اقدس کی یہ لونڈی بھی بیمار رہتی ہے۔ اور درجع

مفاصل کے مرض میں مبتلا ہے، دعا اور دوا سے دریغ نہیں کر رہی۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیم توکل و دعاء | اللہ تعالیٰ آپ کو شفاء عنایت فرمائیں، اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتی رہیں شافی حقیقی وہی ہیں۔

مسترشدہ:۔ میری بچی بھی بیمار ہے، اگر حضرت مناسب سمجھیں تو ہم دونوں کے لئے تعویز تحریر فرما کر ارسال فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تعلیم دعاء برائے صحت | آپ یہ دعاء پڑھا کریں۔

اللھم انت الشافی لا شافی الا انت فاشفنی

والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب۔ ۴۷ (بنام سعیدہ خاتون)

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیزہ مخلصہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی محبت عطا کرے السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشدہ:۔ گرامی نامہ کے موصول ہونے سے مسرت ہوئی، مگر حضرت اقدس کے مرض کا حال معلوم ہوا تو قلق ہوا اگرچہ میں بھی علیل ہوں، مگر حضرت کے مرض کا حال جان کر اپنا مرض بھول جاتی ہوں

حضرۃ الشیخؒ:۔ اطلاع حال خود | الحمد للہ میں اچھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپکو بھی صحت بخشیں اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

والسلام۔ سید سلیمان ندوی

۱۴ دسمبر ۱۹۵۲ء

مکتوب نمبر۴

(بنام مظفر حسین صاحب)

۱۲ر دسمبر ۱۹۵۱ء

برادرعزیز حفظکم اللہ تعالیٰ وفق لما یحب ویرضی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خط ملا۔ میرا خطبہ جو چھپا ہے اور اس کے تین نسخے ملے یہاں "مستقبل" نامی ایک ماہوار رسالہ میں وہ خطبہ چھپ رہا ہے۔

سردی سے فالج کے اثر والی خبر محض وہم ہے، وہم تھی۔ بحمداللہ تعالیٰ کہ اچھا ہوں۔ مگر ڈاکٹروں کے مشورے سے تقویت اعصاب کا علاج جاری ہے۔

یہاں سندھ میں ضلع نواب شاہ کے اندر ٹنڈو آدم ایک اچھا قصبہ ہے وہاں حکیم عبداللہ صاحب ندوی ایک بزرگ ہیں وہ اس مدرسہ کے منتظم ہیں۔ یکم، دو دسمبر کو اس کا جلسہ تھا۔ بحمداللہ کہ مدرسہ کی بنیاد تو پڑ گئی۔ شائد مکان بھی مل جائے جو طلبہ کی اقامت کے لئے کام آسکے۔

سلماں میاں اچھے ہیں۔ انگریزی پڑھتے ہیں۔ مصروف ہیں۔ مارچ آئندہ میں میٹرک کا امتحان دینا چاہیئے ہیں۔

ہیئت حاکمہ کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے یہ کوئی اضطراب کی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری قوم میں صلاحیت پیدا کرے اور حب جاہ ومال کے امراض سے ہمارے اکابر کو شفا بخشے۔

یہاں ایک علماء کانفرنس آئندہ فروری کے اوائل میں ہو رہی ہے۔ آپ کو اور مفتی صاحب کو آزاد کشمیر کی طرف سے آنا چاہیئے اسکی کوشش کیجئے۔ غالباً میر واعظ صاحب اس کو پسند فرمائیں گے۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲

برادرِ عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط ملا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانان کشمیر کی بھلائی کی دعاء کرتا ہوں۔

ھو مالک الملک یوتی الملک من یشاء وینزع الملک ممن یشاء بیدہ الخیر وھو علی کل شی قدیر۔

جناب شاہ صاحب کی تدابیر کی کامیابی کے لئے بھی دعاگو ہوں۔

معلوم نہیں آپ کے پاس فقہ و فتاویٰ کی کتابیں بھی ہیں یا نہیں کم از کم ہدایہ، فتاویٰ شامی اور البحر الرائق فتح القدیر، فتاوی امدادیہ بہشتی زیور وغیرہ رسائل ہیں یا نہیں اگر نہیں تو فوراً بہم پہنچایئے اور مطالعہ کیجئے۔

١: زمین میں سے کم وبیش جو پیداوار بھی ہو اس پر زکوٰۃ ہے بارانی زمینوں پر دسواں حصّہ اور سینچی ہوئی زمینوں پر بیسواں حصّہ۔ حنفی مذہب میں کوئی خاص نصاب نہیں ہے۔

٢- اس کی مقدار کا تعین اونٹ کے بوجھ سے آپ نے جو کیا ہے اس کو تخمینہ اہل ملک کے تجربہ کاروں کے بیان کے مطابق سے کیا جائے گا۔

٣: حکومت جو آب پاشی کراتی ہے تو کیا اس کا ٹیکس نہیں لیتی اور کیا اس آب پاشی بذریعہ نہر یا آبپاشی بذریعہ مشین میں کسانوں کو محنت نہیں کرنی پڑتی اس لئے بارانی پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

٤: اونٹ کی تعداد خاص کے بوجھ پر قیاس کر کے کسی گاڑی اور لاری پر زکوٰۃ نہیں لگائی جا سکتی، اونٹ پر زکوٰۃ بوجھ کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نامی ہونے کی بنا پر ہے۔

٥: آلات ساں نامی نہیں ہیں۔ اس لئے ان پر زکواۃ نہیں ان سے جو مالی منافع حاصل ہوتا ہے اور وہ سال بھر رہے تو تقوی کے شرائط اور شرح پر زکواہ واجب ہو گی۔ البتہ کوئی آلات یا موٹروں اور لاریوں کی تجارت کرے تو اس پر زکواۃ ہے

٦: نا بالغ پر حنفیہ کے نزدیک زکواۃ نہیں۔ اس لئے بلوغ کے

کے بعد قبل بلوغ کے مال پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

۷: حکومت اموال ظاہرہ پر زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔ اموال باطنہ پر زکوٰۃ صاحب زکوٰۃ خود بھی براہِ راست ادا کر سکتا ہے حکومت اموال باطنیہ کی زکوٰۃ نہیں کر سکتی۔ آج کل گو امارت شرعیہ پھلواری ضلع پٹنہ کی تحقیق کی بنا پر دونوں کی زکوٰۃ کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اموال ظاہرہ مویشی ہیں یا تجارت کا وہ سامان جو ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے۔ باقی بنک نقدی زیور وغیرہ حسب بیان اہل زکوٰۃ ہے۔ اسکی تحقیق و تفتیش محصلین زکوٰۃ کا کام نہیں۔ یہ معاملہ بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔

۸: موٹر اور ریڈیو حاجات اصلیہ میں نہیں مگر ان پر زکوٰۃ نہیں باقی عدم تقوی کی بنا پر محصلین زکوٰۃ پر رشوت وغیرہ کا جو خیال ہے وہ صحیح ہے۔ گمان ہو سکتا ہے اور حسب استطاعت اسکی دیکھ بھال حکام کا فرض ہے اور تبلیغ کا کام بھی مناسب ہے۔

مسائل علمیہ کے خطوط میں تفصیل لکھا کریں

دو ورقوں پر علیحدہ علیحدہ لکھا کریں

والسلام

سید سلیمان یکم جمادی الثانیہ ۱۳۷۰ھ

عزیز مخلص وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں سکھر، میرپور اور پیر جھنڈؒ اگیا ہوا تھا۔ آج صبح واپس آیا ہوں۔ جواب میں تاخیر ہوئی۔

میں یہاں عارضی طور سے آیا ہوں۔ میرے اہل وعیال کے اسباب وسامان سب وہاں ہیں۔ حالات کی مجبوری سے مدت قیام میں اضافہ ہوتا رہا۔ اہل وعیال کے بلوانے میں اعزّہ کے اختلاف رائے سے دقتیں حائل ہیں، اگر یہ دقتیں حل نہ ہوئیں تو واپسی ناگزیر ہے۔

جی ہاں! میں ابھی تک صدارت قبول نہیں کی ہے کہ بحالات موجودہ وہ بیکار سی چیز ہے۔ گفتگو جاری ہے۔

سلمانؔ[1] میاں جوان تو ہو گئے ہیں مگر میری پریشانی حالی سے ان کی تعلیم ادھوری رہی جا رہی ہے۔ سہیلؔ[2] میاں مشرقی پاکستان کے ملازمت میں ہیں۔ میرے ایک داماد سید ابو عاصم میاں سلّمہ تعالیٰ وکالت کرتے ہیں، دوسرے داماد ہندوستان میں ہیں، دونوں کی کشمکش جاری ہے اور اسی سے پریشانی خاطر ہے

مجھے جو کچھ ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی خدمت میں کر رہا ہوں یہی آپ سے کہنا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی خدمت میں لگے

[1] مولانا محترم کے چھوٹے فرزند [2] مرحوم کے بڑے فرزند

رہیئے۔ مگر اپنی اصلاح سے کبھی بے فکری نہ ہونی چاہئیے
اِتَّعِظْ ثُمَّ عِظْ

والسلام
سید سلیمان۔
۲۹ر اکتوبر

مکتوب نمبر ۳

برادر عزیز۔ رفع اللہ تعالیٰ شانکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

تقریر کا مسودہ ملا جو بعد نظر ثانی واپس ہے۔ آپ نے میری معیت وصحبت کی تمنا ظاہر کی ہے، یہ آپ کا حسن ظن ہے بہر حال اب تو میں وہ کنواں جس کا پانی ختم ہو چکا ہے۔ اور اگر ملت کی کوئی خدمت ہو سکے تو اس کے ساتھ صرف اپنی آخرت کا طالب اور دنیا میں بعافیت گذار کر لینا چاہتا ہوں، میں سمجھ نہیں سکتا کہ آپ مجھے کیا کسبِ کمال کرنا چاہتے ہیں، جب کہ میں اپنے آپ کو ہر کمال سے عاری سمجھتا ہوں۔

آپ ماشاء اللہ مدرس ہیں اور ایک اہم محاذ پر خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ اخلاص کے ساتھ اپنا کام کریں اللہ تعالیٰ کی نصرت آپ کے ساتھ ہوگی۔

شاہ[1] صاحب کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں۔ آج بہاولپور جامعہ عباسیہ کے کام کے لئے جا رہا ہوں۔

والسلام

سید سلیمان

۳۱؍ اگست ۱۹۵۱ء

چمن سٹریٹ۔ ڈار منزل کراچی

عزیز مکرم۔ اسعدکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم رحمۃ اللہ۔ الحمد للہ تعالیٰ مع الخیر ہوں۔ آپ کا خط پا کر بڑی خوشی ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ میری بعض نصیحتیں آپ کو پسند آئیں جن کو آپ نے یاد رکھا اللہ تعالیٰ اُن سے مجھے اور آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

میں تنہا یہاں آیا ہوں۔ سلمان میاں ساتھ ہیں۔ ایک لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ یہاں کئی سال سے ہے۔ باقی اہلیہ اور اولاد سب ہندوستان میں ہیں۔ سامان و اسباب بھی سب وہیں ہے۔ اللہ مالک ہے۔

خوشی مزید ہوئی کہ آپ مصروف ہیں، مجھے اور بھی مزید خوشی ہوگی اگر یہ معلوم ہوگا کہ آپ اب پہلے سے بھی زیادہ مصروف ہیں۔

[1] "شاہ صاحب" سے مراد سید علی احمد شاہ سابق صدر حکومت آزاد جموں کشمیر ہے۔

مسلمانوں کی دینی و مذہبی خدمت بہت اہم ہے۔

معارف کے لئے یہ صورت ہے کہ آپ اوسط چندہ چھ روپے لاہور شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ بھیجدیں اور ان سے معارف کی فرمائش کریں، وہ تعمیل کریں گے۔

تعلیم و تربیت پر قدیم عربی رسائل کئی ہیں۔ مگر وہ یہاں میسّر نہیں ہو سکتے۔ اس وقت سرسری طور سے یہ چند سطریں حوالہ قلم ہیں۔

آپ کی اور آپ کی جماعت کے لئے دل و جان سے دعاء گو ہوں گے۔ کاش یہاں کے اہل حل و عقد اس کی ضرورت کو دل سے تسلیم کریں۔

علی میاں تبلیغ کی ضرورت سے امسال پھر حج کو گئے ہیں۔ شائد مصر بھی جائیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲؍ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

اعظم گڈھ

برادر عزیز رزقکم اللہ رزقاً حسنا

السلام علیکم۔ ندوہ میں اس دفعہ آپ کے والد کی وفات اور آپ کی رخصت کا حال معلوم کر افسوس ہوا۔ پھر عزیزم مولوی مسعود عالم صاحب آپ کی خواہش کا علم ہوا جس کی تعمیل کر دی یعنی سفارشی خط مرسل ہے، شاید کارآمد ہے۔ لیکن سچی بات یہ ہے، کہ ہم آپکو اپنے سے بخوشی علیحدہ کرنا نہیں چاہتے۔ آپ ایک دو ماہ کوشش کر کے دیکھ لیں، پھر واپس آجائیں۔ مدرسہ دو ماہ کیلئے تعطیل ہو گیا ہے۔ یکم جولائی تک بلکہ شاید رمضان تک وقت ہو۔

میں نے اور ناظم صاحب نے امسال آپ کے لئے عہ اصلہ ماہوار کی ترقی کر دینے کا خیال کیا ہے۔ اور اس کے بعد بھی آئندہ موقع ملتا رہے گا۔ اُمید ہے، کہ ہم لوگوں کو اس طرح چھوڑ دینا۔

آپ کے نزدیک بھی پسندیدہ نہ ہو گا۔ ندوہ کی مالی حالت آپ کو معلوم ہے، اگر گنجائش ہوئی، تو کبھی پہلو تہی نہ کی جائے گی۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۸ مئی ۱۹۴۳ء

ے نقل مطابق اصل کر دی گئی ہے۔ ایک نجی بات ہونیکی وجہ سے اس جگہ کو خالی رکھنا مناسب ہو گا۔

مکتوب نمبر ۵

بنام جناب مظفر حسین شاہ صاحب

کراچی ۔ ۵

عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ تعالیٰ بخیریت ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات پر پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آپ اپنے اندر جو احساس و شعور پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ابھی وہ تمنا کی حد میں ہے تمنا کی حد سے نکل کر عمل کے حدود میں قدم رکھیئے، اس کے لئے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور مواعظ نہایت مفید ہیں، ساتھ نماز کی تحسین و احسان کی کوشش اور عبادات معلومہ کو بہ نیت حصول رضائے الٰہی انجام دینے کی کوشش کرنا۔

سلمان میاں انگریزی کے بعد عربی کی تکمیل بھی انشاء اللہ کریں گے۔ میری تمنا بھی یہی ہے لیکن زمانہ کا طوفان دیکھئے سفینہ کو کدھر لے جائے ۔

علماء کانفرنس کی طرف سے دعوت نامے پہنچ گئے ہوں گے۔ یا اب پہنچیں، فروری کے دوسرے ہفتہ میں اجلاس ہے۔

حکومت نے دارالعلوم[2] کا کام نشتر صاحب ہی کے سپرد کیا ہے۔ کورس کے مضامین تیار ہوگئے ہیں، اب اس کے بعد کا قدم زمین اور تعمیر ہے۔

مستقبل کے جنوری نمبر میں مری، مظفر آباد والی تقریر چھپ گئی ہے۔ صاحب رسالہ سے کہوں گا کہ اس کا ایک نسخہ آپ کو بھیج دیں۔ اس خطبہ کا ذکر ڈاکٹر محمود حسین صاحب وزیر امور کشمیر سے آیا تھا وہ اس کے دیکھنے کے خواہشمند ہیں۔

اب تک صرف رحمت عالم، خطبات مدارس، رسول اکرم، نقوش سلیمان حیات امام مالک چھپی ہیں۔ یہاں مکتبہ میں دارالمصنفین کی سب کتابیں ملتی ہیں۔

غازی خدا بخش کو سلام کہدیں

والسلام۔

سید سلیمان۔ ۸ر جنوری ۱۹۵۲ء

[1] یہ چند کتب مولانا رحمۃ اللہ کی ذاتی کتب جن کے متعدد اشاعتیں دارالمصنفین سے شائع ہو چکی تھیں مولانا مرحوم نے کراچی میں چھپوائی تھیں۔

---

[2] محمد علی جناح مرحوم پہلے گورنر جنرل پاکستان کی یاد میں حکومت پاکستان نے ایک عظیم دارالعلوم کے قیام کا اعلان کیا تھا جس کے لئے زمین کے تعین اور دیگر مسائل پر غور کیلئے حکومت پاکستان نے سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب اور جناب مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی طرف رجوع کیا تھا

مکتوب نمبر ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسترشد، محترم و مخدوم منبع فیوض و برکات

السلام علیکم۔ اُمید ہے۔ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ والا نامہ شرف صدور لاکر باعث افتخار ہوا۔ حضرت والا کی یہ تشخیص کہ ابھی تمنا کی حالت ہے لہذا تمنا کی حدود سے بڑھ کر عمل کی طرف بڑھنا مطلوب ہے" بلاشبہ حرف بحرف صحیح ہے" کہ راقم عمل کے لحاظ سے تاہنوز صفر ہے، لیکن نہایت ہی مؤدبانہ عرض ہے کہ دعاء فرمائی جائے کہ عمل کی طرف آمادگی پیدا ہو، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں، کہ اللہ کی بخشی ہوئی توفیق عمل کو استعمال کئے بغیر صرف درخواست دعا پر قناعت کرنا چاہتا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ کہ بحمد اللہ بہت سے رواجی مکروھات و خبائث سے مجتنب ہوں، اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے میں امکانی حد تک احتیاط کرتا ہوں، اور یہ کوشش بھی رہتی ہے، کہ رخصتوں کے مقابلے میں عزائم کو ترجیح دیجائے۔

وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی

بہرحال آپ حضرات کی صحبتوں، مواعظ اور ہدایات کا کچھ کچھ اثر ضرور ہے۔ لیکن اس سے بہت طلب و تمنا ہے۔ اللہ کرے، یہ تمنا عمل کی صورت اختیار کرسکے حضرت تھانویؒ کے ملفوظات فراہم کرنے کی کوشش شروع کردی جو جو مواعظ ملفوظات میسر آتے جائیں گے، وقت نکال کر دیکھا جاؤنگا۔ اپنا حال یہ ہے، کہ بمشکل وقت نکال سکتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ، عزیز مکرم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق مزید عطا فرمائے۔ عقائد کے بعد اعمال، اخلاق اور معاملات تینوں گوشوں پر نظر ڈالیئے اور ہر ایک میں ترقی کی کوشش کیجئے اور اپنی کمزوریوں کو ذہن میں رکھ کر ہر ایک کی اصلاح میں لگیئے۔ نوافل میں اضافہ کیجئے کسی تسبیح کا ورد کیجئے۔

مسترشد: ایک "خواب عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

۱:۔ ایک شب گھر سے روانہ ہوکر اپنی والدہ ماجدہ سے ملاقات کے لئے غریب خانہ سے نکلا تو خواب میں اپنے آپ کو ایک بڑے ہجوم والے بازار میں پایا۔ داہنے بائیں آدمیوں کی بڑی آمد و رفت ہے۔ کہ یکایک ایک خوشنما جیپ کار گذرتی ہے اور اس کا ڈرائیور آواز دے رہا تھا مدینہ چلنے والو! مدینہ چلنے والو! آواز کی یہ پکار اسی قدر ہے لیکن ذھن میں خیال یہ بیٹھا ہوا ہے کہ یہ جیپ مدینہ تک مسافروں کو مفت لے جارہی ہے۔ اور باوجود اتنی پکار کے اس کی سواریاں بہت تھوڑی ہیں، مجھے یہ خیال ہوا، کہ موقع اچھا ہے میں اس جیپ پر بیٹھ جاؤں۔ لیکن معاً یہ خیال بھی آتا ہے، کہ آج کل موسم حج نہیں ایسے وقت جانے سے کیا فائدہ اس وقت کا جانا باعث ناراضگی نہ ہو پھر اس خیال کی تردید اسطرح ہوجاتی ہے کہ آئندہ موسم حج آنے پر مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ ہی میں قیام کرلیا جائے گا۔ اس کشمکش میں ہمت کر کے جیپ کار پر بیٹھ جاتا ہوں، اس کے بعد کے واقعات

یاد ہی نہیں رہ سکے۔

۲:۔ ایک شب دیکھتا ہوں، کہ میں اپنا دفتر یہاں سے اٹھا کر لکھنؤ دارالعلوم کی عمارت میں) لے جاتا ہوں اور میرے دفتر کے لئے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کی عمارت میں سامنے والا بالائی کمرہ تجویز فرماتے ہیں جو شاید آجکل دارالحدیث ہے اور اس کے عقبی جانب گنبد اور فرش کے درمیان نئی چھت تعمیر کیجاتی ہے جو آجکل موجود نہیں ہے اس پر میں موصوف سے یہ معذرت کرتا ہوں کہ میرا دفتر یہاں رکھنے میں حکومت ہند کو اعتراض ہوگا۔ آپ دفتر یہاں رکھنے پر اصرار نہ فرمائیں لیکن موصوف یہ فرماتے ہیں کہ حکومت ہند کے اعتراض کا ہمارے پاس معقول جواب موجود ہے۔ اس کے بعد کا حال یاد نہ رہ سکا۔

حضرۃ الشیخ:۔ یہ خواب بشارت ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آپکو سامان اصلاح وترقی کے اسباب فراہم کریں گے۔

۲:۔ یہ خواب بھی بشارت ہی ہے۔

خواب بشارت ہوتے ہیں ان سے زیادہ کچھ نہیں

مسترشد:۔ ہر بار یہ خیال ہوتا ہے، کہ حضرت والا کی خدمت میں مختصر ہی عریضہ لکھا جانا مناسب ہے، لیکن عین وقت پر طول بیان کی صورت مجبوراً پیدا ہو جاتی ہے

لذیذ بود حکایتے دراز تر گفتم

دونوں خوابوں کے متعلق مقتضی حال بھی عرض کر دوں۔ (۱) کہ دو تین سال سے زیارت بیت اللہ کی تحریک ہو رہی ہے اور اپنے شفیق

محترم استاد مولانا علی صاحب کی طرف سے اس مبارک ترین اقدام کیلئے پیغامات بھی بھیج چکے ہیں، لیکن وقت کی نامساعدت ہمیشہ رکاوٹ رہی چنانچہ اس وقت بھی قرض کی زیر باری کے سوا کوئی بھی مانع نہیں، اور یہ قرض بھی ایک ناگہانی مصیبت کے سلسلے میں آیا ہے۔ اب حضرت والا ہی فرمائیں، کہ کیا صورت اختیار کروں؟

حضرۃ الشیخ رح: علی میاں شاید اس احتفال میں آئیں۔ احتفال کا دعوت نامہ آپکو بھیجا گیا ہے

مسترشد:- (۲) بلاشبہ میرا وطن اور نسبتی رشتہ دار اسی طرف ہیں جہاں اسوقت خود موجود ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے نیاز مند کے دل ہی اس گہوارہ علم و فضل کی بہت بڑی محبت بخشی ہے، جسمیں کچھ عرصہ رہ کر رشد و ہدایت کا کچھ حصہ حاصل ہوا ہے، اور اگر خوش نصیبی سے اخبارات و رسائل میں "لکھنؤ" یا ندوہ" کا لفظ بھی نظر سے گذر گیا، تو آنکھیں کھل جاتی ہیں، احساس بیدار ہو جاتا ہے، اللہ کرے یہ محبت اعتدال کی حد میں ہی رہے اور الحب للہ میں شامل ہو۔

علماء کانفرنس کی طرف سے تاہنوز کوئی دعوت نامہ موصول نہیں ہوا، یہاں کی ہیئت حاکم ابھی تک بدستور باہمی انتشار و ریشہ دوانیوں میں مبتلا ہے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نیاز مندوں کو کراچی تک حاضری کا موقع مل سکے گا! دعوت نامہ آجاتا، تو کوئی سبیل اختیار کرنے کی کوشش کی جاتی۔

عزیز مکرم سلیمان میاں کے متعلق عزم سے بڑی مسرت ہوئی

دل سے دعا طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنی مرضیات بڑے بڑے کاموں
کی صلاحیت و توفیق بخشے، آمین یارب العالمین
مستقبل (خطبہ والا پرچہ) کا پرچہ تا حال موصول نہیں
دست بوسی کا طالب خاکسار
مظفر حسین شاہ ندوی
ڈاکخانہ رڈمیل مظفر آباد
آزاد کشمیر

حضرۃ الشیخ، ڈار صاحب سے کہنا بھول جاتا ہوں۔
والسلام
سید سلیمان

بنام غلام مرتضےٰ صاحب

نمبر 1

انہٗ من سلیمان و انہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

جواب تاخیر سے دے رہا ہوں۔ میرے داہنے ہاتھ میں درد ہے جس کے سبب سے اکثر معذوری رہتی ہے۔

آپ نے اپنے جو حالات لکھے ہیں۔ یہ تو ایسے امراض ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے عزم وہمت وتوجہ سے جلد دور ہوجائیں گے۔

بے شبہ اُمت مرحومہ کی پریشان حالی اور پراگندگی کی کیفیت آپ کو متاثر کرتی ہوگی مگر غور کیجیے کہ اس کا علاج آپ کے ہاتھ میں ہے جب آپ کی استطاعت سے وہ چیز خارج ہے۔ تو اس کی فکر میں پڑکر اپنا وقت آپ کیوں ضائع کرتے ہیں۔ یہ تو لیڈرانہ قسم کا ایک مرض ہے۔ آپ کو اختیار اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال اور متبعین کے اوپر ہے۔ آپ اپنی اور اون کی اصلاح کی فکر کریں۔ کہ یہ آپ کی استطاعت میں ہے۔

آپ کی شدتِ احساس سے متاثر ہوا۔ خدا کرے یہ احساس صحیح موقع پر صرف ہو۔

اگر آپ دین کا صحیح فہم حاصل کرنا چاہیں تو حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات اور مواعظ مطالعہ فرمائیں۔ اس کام میں مجھ سے جو امداد ہو سکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ حاضر ہو گی

آپ کی بے جان نماز میں جان بھی پڑ جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ پہلے آپ ان کتابوں کے مطالعہ سے دین کا صحیح فہم پیدا کریں

جن لوگوں کے لئے دعاء کرنے کی خواہش کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آپ خود بھی دعاء فرمائیں۔

احساس کا پہلا قدم اپنی گذشتہ غلطی اور تقصیر کا اعتراف اور ندامت اور آئندہ اس کی اصلاح کا عزم بالجزم ہے

والسلام

فقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان

۲۷ر شعبان ۱۳۷۰ھ

— ٥ —

مکتوب نمبر ۲
(بنام غلام مرتضیٰ صاحب)

انہٗ من سلیمان و انہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

مکرمت نامہ موصول ہوا تھا۔ آپ کی اس محبت مخلصانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ آپ بیمار تھے۔ امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے شفا بخشی ہوگی۔ آپ کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ اصلی صحت دین کی صحت ہے۔ لیکن تجربہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ دین کی صحت بھی بہت کچھ جسم کی صحت پر موقوف ہے۔ جس کا جسم صحیح نہیں وہ کیا طاعت و عبادت کر سکتا ہے۔ اس لئے دین کی صحت کی خاطر جسم کی صحت کی بھی فکر ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں صحتیں عنایت فرمائیں۔

یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے حضرت مولانا تھانوی رحؒ کے ملفوظات حسن العزیز کا مطالعہ شروع کیا ہے۔ اس مطالعہ کا جو اثر آپ محسوس کرتے ہوں۔ اُس سے مطلع فرمائیں۔

میرا مقصد یہ تھا کہ انسان کو پہلے اپنی پاکی کی کوشش چاہیئے اس کے بعد دوسرے کی فکر چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ موجود سیاسی

لیڈروں کی طرح دوسروں کی فکر تو ہو۔ مگر خود اپنی فکر سے غفلت تام ہو۔ اس سے نہ اپنا ہی بھلا ہوتا ہے نہ دوسروں کا۔

آپ نے دو دعاؤں کے لئے لکھا ہے۔ دونوں کے لئے دعائیں کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

والسلام الفقیر الی اللہ تعالیٰ

سلیمان ندوی۔ ۲۱ر رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

مکتوب نمبر ۳
(بنام غلام مرتضےٰ صاحب)

سید سلیمان ندوی

مکرم و محترم ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

رمضان المبارک اور عید سعید کی تبریک و تہنیت کا شکریہ۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائیں۔

اس خبر کو سن کر خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات کے مطالعہ سے اب آپ کو قرآن پاک کی تلاوت کا ذوق ملتا ہے اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشیں۔

آپ نے مجھے جو خواب میں دیکھا وہ آپکی محبت کا نتیجہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو طرفین کے لئے موجب خیر فرمائے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو آپ نے خواب میں دیکھا اس سے برکت کی امید ہے۔ مولانا تھانوی کی یہی صورت تھی۔ جو آپ نے دیکھی۔

میرا تصور بغیر تکلیف کے آجائے تو خیر کوئی حرج نہیں کہ یہ تقاضائے محبت۔ ہے۔ مگر تکلیف کے ساتھ تصور میں لانے کی کوشش نہ کریں۔

آپ کی جسمانی صحت کی خبر سے خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ روحانی

صحت بھی عطا فرمائیں
آپ کے اور آپ کے عزیزوں کے لئے دل سے دُعا کرتا ہوں
ابھی تک میرے داہنے ہاتھ میں درد باقی ہے۔
آئندہ کے جو آپ جو مجھے خط لکھیں۔ اس کے نصف کالم میں آپ لکھیں اور دوسرا نصف جواب کے لئے سادہ چھوڑ دیں تاکہ بالمقابل جواب لکھا جاسکے۔

والسلام

فقیر سلیمان

۱۱ر جولائی ۱۹۵۱ء

—۵—

مکتوب نمبر ۴

(بنام غلام مرتضےٰ صاحب)

محب مکرم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔
بحمد اللہ کہ ہاتھ کے درد میں تخفیف ہے۔
۲۰ر اگست کو راولپنڈی ومری مظفرآباد کے سفر سے واپس آیا۔
سستی کا علاج تو بقول حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ چستی ہے۔ جب تک دل میں وہ ہمت وعزیمت پیدا نہ کریں گے جو دنیاوی کاموں کے کرنے میں دیکھی جاتی ہے۔ دین کے کام انجام

نہیں پا سکتے ہیں۔ بلا وجہ سستی کوئی شرعی عذر نہیں ہے۔ اس محرومی کی اہمیت کو محسوس کیجئے جو جماعت کی محرومی سے ہوتی ہے۔

دنیاوی پریشانی اگر علاج پذیر ہیں تو تدبیر سے کام کیجئے اور اگر علاج سے باہر ہیں تو حوالۂ خدا کیجئے، کہ جو ہمارے حق میں بہتر ہو گا۔ وہ فرمائیں گے۔

قرآن پاک اس تصور سے پڑھیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہماری تلاوت کو سن رہا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو سماعت فرما رہے ہیں تو ہم کو کس ذوق وشوق سے پڑھنا چاہیئے۔ اگر یہ تصور ہو کہ ہمارا محبوب ہماری فریاد کو پاس کھڑے اپنے کانوں سے سن رہا ہے۔ تو اس فریاد کی لے کیسی پُر لذت ہوگی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ وکاملہ عنایت فرمائیں
اپنے احباب کو سلام کہدیں۔ سب کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں

والسلام

فقیر الی اللہ

سید سلیمان

—۵—

مکتوب نمبر ۵

بنام غلام مرتضیٰ صاحب

کراچی ۔ ۵

محب ومکرم ۔ ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بحمداللہ تعالیٰ کہ میں بہت اچھا ہوں۔ اور ملتان اور لاہور کے سفر کے لئے آمادہ ہوں

آمین

آپ کا ایک خط آیا تھا۔ جس کا جواب دیا جاچکا ہے

آپ کو جب اپنی اصلاح کی فکر لاحق ہوئی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی حالت روز بروز درست ہوتی جائے گی۔ وقت کی پابندی کے بغیر استقامت حاصل نہیں ہوتی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ پابندی کے بغیر مداومت اور استقامت نصیب نہیں ہوتی۔ جس طرح بیمار جب تک پابندی کے ساتھ دوا نہیں پیتا۔ عموماً تندرست نہیں ہوتا۔

دلائل خیرات کی بجائے آپ مناجات مقبول پڑھا کریں۔

آپ مواعظ اور ملفوظات تو ضرور ہی پڑھیں۔ اور کوشش کر کے پڑھیں۔ ہمت اور کوشش کے بغیر دین کی راہ بھی طے نہیں ہوسکتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کو توفیق اور ہمت عطا کریں سب سے پہلے بندہ آمادگی ظاہر کرے تو اللہ تعالیٰ نصرت فرماتے ہیں۔ بے ہاتھ اٹھائے تو لقمہ بھی منہ تک نہیں پہنچتا۔ اپنی جیسی کوشش عزیمت کے ساتھ کیجئے پھر تائید الہی انشاء اللہ تعالیٰ شامل حال ہوگی

سب کو سلام پہنچادیں

اللہ تعالیٰ ان کی صحیح اور جائز حاجتوں کو پوری فرمائیں اور توفیق خیر بخشیں

والسلام

الفقیر الی اللہ

سید سلیمان ندوی

۳ رصفر ۱۳۷۱ھ

مکتوب

بنام غلام مرتضےٰ صاحب - ۶

کراچی۔ ۵

مکرم ومحترم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ اور آپ کی خیریت کا طالب اور داعی۔

آپ کے حالات معلوم ہوئے۔ امورِ خیر کی تعمیل اور گناہوں سے بچنا انسان کے اختیار میں ہے۔ پس آپ سب وسوسوں اور خیالات کو، چھوڑ دیں اور دل سے یہ طے کر دیں۔ کہ آج سے اللہ تعالیٰ کے کسی چھوٹے یا بڑے حکم کے خلاف نہیں کریں گے اور نماز پنجگانہ جماعت کے ساتھ پڑھا کریں گے۔ دن میں کسی وقت ہو سکے تو قرآن پاک کی تلاوت اور دعاء مناجات مقبول پڑھا کریں گے۔ اتنا کام آپ ایک ہفتہ میں انجام دے کر پھر اپنی حالت سے مطلع کریں۔ جو حالت اور ضرورت پیش آئے۔ اس کے لئے آپ اللہ پاک سے دعا مانگا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا کام بے شبہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن بندہ کی سمجھ میں اُس حکمت کا آجانا ضروری نہیں مگر یقین رکھنا چاہیے۔ کہ وہ کام بندہ ہی کے فائدہ کے لئے ہے۔

آپ قرض کی ادائی اور وسعت رزق کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کریں۔ اور ہو سکے تو نماز عشاء کے بعد سو سو دفعہ یا مُغنی اور یا باسط کی تسبیح پڑھ کر ادائے قرض اور وسعت رزق کی دعاء اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر مانگا کریں۔ ۱ ۲

---

۱ یہ مکتوب مرتضےٰ صاحب کے ۲/۷/۵۲ کے خط کے جواب میں آیا

۲ حال در حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہی کوتاہیاں اور نااہلیاں ہیں۔ ان کے تو رحمت وکرم کے دروازے ہر وقت وا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے میں استعداد عملی پیدا فرمائے۔

حضرت جی آپ نے مناجات مقبول کیلئے اجازت مرحمت فرمائی ہے لیکن ابھی تک اپنی کوتاہی کی وجہ سے کتاب نہ پا سکا۔ جس کی وجہ سے شرمندگی ہے

بقیہ حاشیہ دوسرے صفحہ پر

اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ نصیب فرمائیں

والسلام

سید سلیمان ندوی

آپ نے چائے بھیجی تھی، پہنچی، متشکر ہوں، جزاکم اللہ تعالیٰ

سید سلیمان

— ۵ —

مکتوب ۳

بنام غلام مرتضیٰ صاحب قریشی۔ ۷

کراچی ۵

مکرم و محترم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

(بقیہ حاشیہ) اللہ کرے کہ اپنی ہر کوتاہی اور غفلت پر شرمندگی تاسف ہو حضرت میں یقین اور استحضار کی انتہائی کمی پاتا ہوں دعا اور دوا کا محتاج ہوں خصوصی توجہ کا مستحق ہوں بعض اوقات اپنی بے بسی اور بے کسی پر انتہائی افسوس اور کڑھن ہوتی ہے۔ اپنی ذات ہیچ محض اور لاشے نظر آتی ہے نہ اپنے کام کا ہوں نہ دوسرے کا اپنی ذاتی حیثیت سے نہ اپنا دارین کو بنایا اور نہ ہی خیر کی دلالت کا باعث بنا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس تبلیغی عرصہ کی زندگی میں نیک عمل کی توفیق دے۔ خاتمہ حسن ایمان پر فرما دے۔ آمین

الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے

جی ہاں۔ میں سفر میں تھا۔ ۲۲ کو واپس آیا۔ اب ۳ مارچ سے پھر

لاہور و راولپنڈی وغیرہ کا سفر ہے۔

بہت مبارک، مناجات مقبول پڑھتے رہیں۔

بہت مناسب اللہ تعالیٰ تلاوت کے برکات سے آپ کو مالامال

فرمائیں۔

۴

جاری رکھیے

شاید آپ کا معدہ ٹھیک نہیں۔ کسی طبیب سے رجوع کیجیے۔

اللہ تعالیٰ رزق وسیع عنایت کریں۔ دعا کرتے رہیے۔

آمین

اللہ تعالیٰ یہ دعائیں آپ کے حق میں قبول فرمائیں۔

والسلام

سید سلیمان۔ ۲ رجب ۱۳۷۱ھ

۱؎ حال: الحمد للہ حسب ارشاد مناجات مقبول بلا ناغہ پڑھی جاتی ہیں

۲؎ حال: اللہ تعالیٰ کے احسان سے قرآن پاک کی تلاوت بھی رات کو سونے سے پہلے

نماز کے بعد نصیب ہوتی ہے

۳؎ اگر کسی دن رہ جاتے تو دوسرے روز شامل کرکے پڑھ لیتا ہوں (یعنی

قرآن کریم) ۴؎ ۵؎ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ روزافزوں دین دنیا کی نعمتوں سے نوازتا رہے

انجام بخیر کرے اور خاتمہ حسن کے ساتھ ایمان پر نصیب فرمائے۔ الخ۔ . . . .

مکتوب

بنام غلام مرتضےٰ قریشی ۔ ۸

کراچی ۔ ۵

عزیزی ومحبی ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ سے راولپنڈی میں ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ زندگی ہے ۔ تو ملاقات ہوگی ۔

اپنے حالات کی درستی اور معمولات کی پابندی میں لگے رہئیے اور غیرضروری افکار وخیالات کو دل سے نکال دیجئے ۔

اگر مجبوری سے جماعت نہ مل سکے تو حرج نہیں ۔ اپنی کوشش جاری رہنی چاہیئے

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے حالات کو درست فرمائیں ۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

~ ۵ ~

مکتوب

(بنام غلام مرتضےٰ صاحب ۹)

محترم ۔ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔

الحمدللہ تعالیٰ خیریت سے رمضان المبارک بخیریت تمام ہوئے۔ روزے پورے ہوئے اور تراویح بھی کامل ہوئیں، بحمداللہ

آمین

اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی توفیقات سے بہرہ ور فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا موقع عنایت فرمائیں۔[1]

اللہ تعالیٰ آپ کے اس بھائی کو سعادت اور صلاح عنایت فرمائے۔

ضرورت ہے۔ کہ اس کو مذہبی اور اخلاقی کتابیں پڑھنے کو دی جائیں۔ اور اچھوں کی صحبت میں رکھا جائے۔ سب کو سلام فرمائیے سب کے لئے دعائے خیر۔

سید سلیمان

۳ شوال ۱۳۷۳ھ

(۵)

مکتوب

بنام غلام مرتضیٰ صاحب۔ ۱۰

کراچی۔ ۵

عزیز مکرم۔ دعائے خیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

[1] حضرت جی! عید سعید کے کچھ روز بعد کراچی میں کچھ وقت حاضری کا ارادہ ہے۔

الحمدللہ کہ پہلے سے صحت میں ترقی ہے

معمولات کی تکمیل کی کوشش میں لگے رہیئے۔ وقت کی پابندی کے بغیر معمولات ناغہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وقت کی پابندی کی ضرورت ہے۔ رات کو نہ ہوسکے تو ظہر کے بعد سہی، تہجد میں اٹھنا نہ ہوسکے۔ تو اس کی دو تدبیریں ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ عشا کی نماز وسنت پڑھنے کے بعد لیکن وتر سے پہلے دو دو رکعت کر کے رکعتیں صلوٰۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لیں۔ پھر وتر پڑھیں۔ دوسری یہ کہ اشراک وچاشت کے وقت تہجد کی قضا پڑھ لیں۔

بہر حال گذشتہ پر ندامت بھی توبہ کا ایک جزو ہے۔ لیکن صرف یہ ندامت کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ آئندہ ان لغزشوں سے بچنے کا عزم راسخ کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ اصلاح بخشیں۔

نگاہ کا گناہ بے لذت ہے۔ اس میں کچھ رکھا نہیں ہے۔ آنکھیں نیچی کرلی جائیں اور باوجود تقاضائے نفس دیکھا نہ جائے۔ اس پر عمل کریں۔ اور سمجھیں کہ جن کو آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی تو کسی کی ماں، بہو اور بیٹی اور بہن ہیں۔ پھر جب ہم اپنی عزیز خواتین کے ساتھ یہ بے حرمتی گوارا نہیں کرتے تو دوسروں کی خواتین کے ساتھ کیوں گوارا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ ملفوظات اور مواعظ میں سے جو ملے اوس کو مطالعہ کریں۔ کم ازکم چالیس پچاس وعظ پڑھ لیں۔

آپ کا منشا معلوم ہوا۔ والسلام

مکتوب

بنام غلام مرتضیٰ صاحب - ۱۱

عزیزی ومحبی زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

معافی چاہنے کی کوئی بات نہیں۔ میرا جرم آپ نے کیا کیا۔ جو مجھ سے معافی چاہتے ہیں۔ آپ کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔ [1]

الحمد للہ تعالیٰ پہلے سے بہتر ہوں۔

معمولات کی ادائی اور تہجد کی پابندی ہو جاتی ہے تو بڑی بات ہے

آمین [1]

مبارک [2]

آمین [3]

یہی چاہیئے [4]

آمین [5]

اللہ تعالیٰ ہر مشکل حل فرمائیں۔ [6]

نمبر ۱: معافی چاہتا ہوں۔ میرے لئے دعا فرمائیں۔

نمبر ۴: اذکار کے متعلق تھا کہ پڑھتا ہوں۔ مناجات مقبول اور تلاوت کروادی جاتی ہے

نمبر ۵۔ بزرگوں کی دعاء اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے قرضہ میں کمی کی اطلاع۔

نمبر ۶: میرا ایک محسن دوست اسلم نامی بیمار ہے۔ اسکی صحت کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

رزق حلال کی کوشش بھی دین کے اجزا میں سے ہے۔ نیت درست ہو تو یہ بھی دین کا ایک حصّہ ہے

دل سے دُعا کرتا ہوں۔ آمین

والسلام

اللہ تعالیٰ آپ کے دوست کی روحانی اور جسمانی تکلیف دور فرمائیں۔

مکتوب

(بنام غلام مرتضیٰ صاحب - ۱۲)

کراچی

مخلصی وعزیزی وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

الحمدللہ تعالیٰ بخیریت ہوں۔

طلب کسب حلال فرض ہے۔ جب دیگر ذرائع کامیاب نہیں ہیں۔ تو ملازمت میں کیا حرج ہے۔ اگر وہ کسی شرعی وجہ سے ناجائز نہیں۔

آپ دعاء اور تدبیر میں لگے رہیں۔ جب صورت اچھی نکل آئے تو تجارت شروع کردیں۔

آمین[1]

---

[1] یہ والا نامہ غلام مرتضیٰ صاحب کے ۲۸ - ۵۴ کے جواب میں آیا

یہ امور کیوں پیش آتے۔ کیا جہاں آپ کام کرتے ہیں۔ کوئی مسجد نہیں ہے۔ صرف اپنی سستی کے سبب ایسا نہ کیجئے۔ معمولات تورات یا صبح کو انجام پاتے ہیں، وہ کام کے اوقات نہیں۔

دل سے دعا کرتا ہوں۔

معمولات نماز وتلاوت و دعاء میں سستی نہ کریں

دعاء کرتا ہوں

سید سلیمان

مکتوب

(بنام غلام مرتضیٰ صاحب۔ ۱۳)

محبی و مکرمی اصلح اللہ احوالکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

خدا کا شکر ہے۔ کہ رمضان المبارک کا حق آپ نے پورا کیا۔

اس زمانے میں سب سے بہتر عبادت کثرت تلاوت ہے

مبارک

نیک لوگوں کی صحبت بہت مفید ہے۔ میرے لئے دعاء آپ کی محبت کا تقاضا ہے۔

عمل کی عزیمت اور پختہ ارادہ اور مستقل ہمت اور دعاء کے سوا کوئی تدبیر نہیں۔

پڑھتے رہیں

بحمد اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کی مدد فرمائیں دعا ہے۔ ان سے کہیئے کہ سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور الحمد شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔

سید سلیمان

۸ شوال ۱۳۷۳ھ

مکتوب

(بنام غلام مرتضےٰ صاحب - ۱۴)

کراچی - ۵

محترم ومکرم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

۱ - اپنے طور پر صرف سارے رمضان میں ایک دفعہ قرآن پاک نصیب ہوا

۲ - الحمد للہ تبلیغی جماعت میں کچھ نہ کچھ وقت گذارا

۳ - باتیں اور ارادے کرتا ہوں لیکن عمل کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ نیک عمل کی دولت سے نواز دے۔

۴ -

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

الحمد للہ مع الخیر ہوں۔

محمد اشرف صاحب بخیریت ہیں۔ اور ہر روز شام کو آتے ہیں

آپ کے لئے میں اپنے دل میں محبت پاتا ہوں۔ اور دعاء کرتا ہوں۔

کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بیش از بیش عنایت فرمائیں[1]

نفع کے لئے مداومت شرط ہے۔ اگر کسی عذر شرعی سے ناغہ ہو جائے

تو کچھ حرج نہیں۔ مگر اہتمام یہ ہو کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔

دل سے دعاء کرتا ہوں۔ آمین

آمین

اس طرح کہ آپ ہر روز کسی خاص سکون کے وقت میں تھوڑی دیر اس

کا مراقبہ کیا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں اور ہر وقت ہم کو دیکھ رہے ہیں

جن سے عقیدت اور حسن ظن ہو ان کے پاس بیٹھ کر ان کی باتوں کو

سنیں اور دل میں اثر لیں

مایوسی کی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ سراسر امید ہے۔ وہ رؤف و رحیم ہیں۔

آمین

والسلام۔ سید سلیمان۔ ۳۰ جولائی ۱۹۵۳ء

---

[1] اخلاص کامل نصیب فرما کر عملی زندگی نصیب فرمائیے، ایک صحیح مسلمان والی زندگی......

[2] حضرت جی اللہ تعالیٰ کے ہر وقت حاضر و ناظر ہونے اور انکی ذات عالی پر یقین اور حسن ظن کی کیفیت کس طرح روز افزوں قوت بڑھے گی۔

مکتوب

(بنام غلام مرتضیٰ صاحب - ۱۵)

۵۳ محب عزیز - ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے سابقہ خطوط آئے اور ملے۔ میں تقریباً تین ماہ سے قلب کے مرض میں گرفتار ہوں۔ اب بحمد اللہ حالت بہتر ہے چلنے پھرنے، ملنے جلنے اور کام کرنے کی اجازت نہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ آپ تہجد پڑھتے ہیں۔ پہلے جو کبھی تہجد کا موقع ملتا تھا۔ اس وقت دعا اور گریہ جو ہوتا تھا۔ وہ کبھی کبھی پڑھنے کی وجہ سے اب مداومت سے پڑھنے پر جو وہ کیفیت روزانہ نہیں ہوتی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نمبر۴: بزرگوں کی صحبت سے فیض کس طرح حاصل کیا جاتا ہے اور بزرگوں کی صحبت میں کن کن امور کی پابندی اور احتیاط لازم ہوتی ہے۔

نمبر۵: بندہ تو واقعی کج فہم اور تہی دامن ہے۔

تاکہ دارین میں سرخروئی اور سرفرازی میسر فرمائے۔

یہ ایسی ہی ہے کہ جس کو کبھی کبھی پلاؤ کھانے کو ملتا ہے تو اس کو اس میں بہت مزہ ملتا ہے۔ لیکن جب وہی غذا کسی کو روزانہ ملنے لگے تو وہ مزا اس کو نہیں ملتا۔ مساوات ہو جاتی ہے۔ پھر گریہ سے تہجد کی مداومت ہزار درجہ بہتر ہے۔ اور شکر کے قابل ہے

ابھی تو بیمار ہوں۔ جب پوری صحت کی خبر ملے تو آسکتے ہیں

والسلام

سید سلیمان

خطوط بنام غلام صابر صاحب مراسلہ نمبر ا

مکرم و محترم حفظکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

فقیر نے آپکا خط پڑھا ۔ حالات معلوم ہوئے ۔ اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیجیئے ۔ کہ آپکو صحیح ہدایت نصیب ہوئی ۔ کبھی مصیبتیں بھی ہدایت کا باعث ہوتی ہیں ۔ آپ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالےٰ کی کتابوں میں سے پہلے قصد السبیل پھر تعلیم الدین پڑھنا اور حضرت کا جس قدر مواعظ اور ملفوظات مل سکیں ۔ مطالعہ کرتے رہیں اور استغفار کی کثرت کریں ۔ اور نمازِ پنجگانہ با جماعت کا اہتمام کریں اور معاملات میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز کریں ۔ اور اچھے اخلاق اختیار کریں ۔ اور بُرے اخلاق سے پرہیز کریں ۔ اگر آپکا جی چاہے تو مجھ سے خط و کتابت جاری رکھیں ۔ اور اپنے احوال سے مطلع کرتے رہیں ۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کو اپنی مرضیات پر چلائے ۔

"علامہ سید سلیمان"

مراسلہ نمبر ۲

بنام غلام صابر صاحب

مکرم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

استغفار کوئی سا بھی پڑھیں ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ۔ یہ مختصر ہے بہت بہتر ہے کہ آپکو حلال و حرام کی تمیز کا خیال پہلے ہی سے ہے ۔

اگر آپ کے والد کی کمائی پاک نہیں ۔ تو آپکو اُس کا کھانا نہیں کھانا چاہیئے ۔ آپ خود اپنے کھانے کی فکر کریں ۔ کیا آپکو یقین ہے کہ آپکے کی کمائی حرام سے ہے ۔ کیا سود لیتے دیتے ہیں ۔ یا غصب و بے ایمانی سے حاصل کرتے ہیں ۔ تفصیل لکھیئے ۔

تہجد کا اہتمام جاری رکھیں ۔ یہ درود اور تسبیح جاری رکھیں ۔ زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ۔ جتنا پڑھتے ہیں اُسی پر بس کیجیئے ۔

آپ حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھا کریں ۔ اس سے سب مرحلے طے ہونگے ۔

سید سلیمان

ر ۔ ۔ بر ا

بنام غلام صابر صاحب

مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ کوئی حرج نہیں
وقت مقررہ پر پڑھیں لیکن کوئی عذر ہو جائے تو دوسرے وقت پورا کریں۔
۲۔ آمین
۳۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنے وسول کی صورت بنائی۔ اللہ تعالیٰ استقامت دیں۔
۴۔ کوشش کیجیئے۔ کوشش سے بفضل تعالیٰ ہر مشکل حل ہوتی ہے۔
۵۔ ایسی حالت میں آپ اپنے والد کے گھر کھا سکتے ہیں اگر دوسری صورت نہیں
جواب اوپر گذرا۔
اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں میری نیک دعائیں قبول فرمائیں۔

مراسلہ نمبر ۱۴
بنام غلام صابر صاحب
محب مکرم زیدلطفکم اللہ تعالے
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ الحمدللہ خیریت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکی پریشانیوں کو دور فرمائیں۔
۲۔ جی ہاں ۔اچھی صحبت سے بہت سے امراض کا ازالہ ہوتا ہے۔
۳۔ آپکے یہ احوال مبارک ہیں۔
۴۔ جی ہاں ۔یہ مسئلہ کراچی کے حالات کی بناء پر مشکل ہے۔
۵۔ اگر کسی زندہ کی صحبت حاصل نہ ہوسکے تو حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات بلاناغہ دیکھا کریں۔ اور بُری صحبت سے پرہیز کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ صحبت کے فوائد حاصل ہوں گے۔
دعا کرتا ہوں

والسلام

سید سلیمان ندوی
۲۳ اپریل ۱۹۵۳ء

بنام محمد داؤد صاحب

انہٗ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم ۔ وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ آپکا عنایت نامہ ملا ۔ آپکے مذہبی ولولوں کی بڑی قدر ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صراط مستقیم پر قائم رکھکر اپنی اصلاح اور تزکیہ کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائیں ۔

آپکا کہنا سب صحیح ہے لیکن اصلاح کی تدبیر کیا ہے ۔ وہ لوگوں پر یا مسلمانوں پر ماتم نہیں ہے ۔ بلکہ سب سے پہلے خود اپنی حالت پر ماتم ہے ۔ اور جب اپنی حالت کی اصلاح سے فراغت ہو جائے ۔ تو دوسروں کی فکر ہے ۔ صرف دوسروں کی فکر صرف زبان سے کرنا اور اپنے سے غافل رہنا لیڈرانہ شان ہے ۔ میری مخلصانہ گذارش ہے ۔ کہ ہم لوگ سب سے پہلے اپنے اپنے احوال پر نظر کریں ۔ اپنی صحت روحانی و اخلاقی و دینی کی فکر کریں ۔ اس کے ساتھ اپنے اہل و عیال اور اپنے خاندان کی خبر گیری کریں ۔ اور ان کی اصلاح کی فکر میں لگیں ۔ انشاء اللہ تعالےٰ اگر ہم اس طرف متوجہ ہوں گے تو سارے مسلمانوں کی حالت بدل جائیگی ۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت کے ہم مستحق ہونگے کیا آپ اس نکتہ پر غور فرمائیں گے ۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۱۲ مئی ۱۹۵۱ء

مراسلہ اول

محلہ مقرب خان

شہر پشاور

29-10-43

بخدمت جناب علامہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں ۔ برائے مہربانی بندہ کی دو گزارشیں سن کر جواب دیجیئے، ممنون ہوں گا ۔

۱۔ آپ احقر سے بہتر جانتے ہیں کہ اس وقت برطانوی ہند کی مروجہ تعلیم کے حاصل کرنے سے ہم جاہل ہی رہ جاتے تو بہتر تھا! مذھب سے تو اتنے دور نہ جاتے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ دینی تعلیم کا نہ ہونا مذھب سے بیگانگی کا سب سے بڑا سبب ہے ۔ میں خود اس مذھب شکن تعلیم میں پرورش پا رہا ہوں اور اب بھی بی اے فائنل کا متعلم ہوں ۔ کئی روز سے طبیعت بہت پریشان تھی ۔ آخر ہماری اگلی نسل کا کیا حال ہوگا جبکہ موجودہ نسل ہی بالکل مذھب سے کوری ہے! اسی پریشانی میں تھا کہ جی میں آیا کہ آنجناب کی خدمت میں ایک عریضہ پیش گزاروں اور ایک ترتیب میرے دماغ میں آئی ہے وہ پیش کروں اگر ممکن العمل ہوئی تو فبھا ورنہ میں کیا اور میری ذہنی اختراع کیا! خیر وہ سکیم یہ ہے کہ ہندوستان کے جن جن شہروں میں اسلامیہ سکول اور کالج ہیں انہیں ندوۃ العلماء لکھنؤ یا مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ملحق کر دیا جائے اور وہ اس طور پر کہ انکے لئے ایک خاص مذھبی نصاب مقرر کیا جائے اور اس مقررہ نصاب کے سالانہ امتحانات مندرجہ بالا یونیورسٹیاں لیا کریں اور ملحقہ کالجوں اور سکولوں کو ان

بات پر مجبور کیا جائے کہ جب تک وہ اس مذہبی امتحان میں کامیاب نہ ہوں انہیں ترقی نہ دی جائے۔ میرا خیال ہے اس طرح کچھ نہ کچھ مذہبی تعلیم عام ہو جائے گی کہ عموماً ہر بڑے شہر میں اسلامی سکول وغیرہ موجود ہیں۔ اگر یہ سکیم ممکن العمل ہو تو میں عرض کروں گا کہ آپ اپنے اثر ورسوخ سے کام لیکر اس کی کوشش کریں اور اگر یہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپکو اللہ تعالیٰ اسکا بڑا اجر دے گا اور اگر یہ سکیم ایک بیہودہ اور لایعنی خیال ہے تو مجھے اطلاع دیجئے تاکہ میں اس خیال سے باز آجاؤں۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ جن دنوں حکیم الامت امام تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا ان دنوں روزنامہ ڈان (Dawn) دھلی میں بندہ نے یہ پڑھا تھا کہ آنجناب بھی حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی خلیفہ ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ پیری کی بیعت لیتے ہیں؟ اگر لیتے ہیں تو برائے مہربانی تحریر کریں۔ اگر بندہ کرنا چاہے تو بیعت کیلئے کیا کیا پابندیاں ضروری ہیں اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا پڑے گا یا غائبانہ بیعت بھی ہو سکتی ہے۔ برائے مہربانی ان دونوں استفسارات کا جواب دے کر ممنوں فرمادیں۔ امید واثق ہے کہ جواب سے محروم نہ کریں گے اور اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو درگزر فرمادیں گے۔

جواب کیلئے ٹکٹ والا لفافہ ارسال خدمت ہے

فقط والسلام

محمد اشرف خان

جواب مراسلہ اول

عزیز مکرم حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپکا خط پاکر بہت خوشی ہوئی کہ آپکے دل میں دین کا درد ہے جو اس زمانے کے مسلمان نوجوانوں میں کم ہے۔آپ نے جو تجویز سوچی ہے وہ سردست ناممکن العمل ہے۔آپ ماشاء اللہ ابھی نوجوان ہیں۔ خیالات کی وسعت میں سیر کناں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ دوسروں کو چھوڑکر اپنی اصلاح کریں۔آپ ماشاء اللہ سعادتمند ہیں۔

شنو ایں پند از حافظ کہ از جاں راست تو
دارند جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

یہ خاکسار صرف لفظاً پیر ہے اللہ تعالیٰ معناً بھی بنادے۔آپ نے ڈان میں جو پڑھا ہے وہ صحیح ہے کہ مجھے حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ سے تعلق خدمت ہے۔اللہ تعالیٰ ان کی تعلیمات کی برکت سے بہرہ مند فرمادے۔

۱۔ بیعت کیلئے حاضری چنداں ضروری نہیں غائبانہ بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ بیعت کیلئے صرف یہ شرط ہے کہ اپنی اصلاح کی عزیمت دل میں پیدا ہو اور جس سے تعلق رکھنا ہو اس سے محبت ہو۔

۳۔آپ ابھی پڑھ رہے ہیں اسلئے طلب علم جبتک جاری ہے آپ صرف حسب ذیل ھدایات پر کاربند ہوں۔اب تک اگر نہوں اور اگر ہوں تو مزید تاکید سمجھیں۔

الف۔ خوب سوچ سمجھ کر جس وقت اس راہ پر قدم رکھنے کی عزیمت ہوجائے، وضو کرکے خضوع و خشوع سے دو رکعت نفل ادا کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگیں اور استغفار کیجئے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے عہد کیجئے کہ اب اللہ تعالیٰ کے احکام سے فی الامکان سرتابی نہوگی اور جھوٹ غیبت بد نظری اور تمام لغویات سے

پرہیز کروں گا، نماز پنجگانہ کی پابندی، تلاوت قرآن پاک ہر روز جسقدر ہوسکے ہر نماز کے بعد استغفار استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ چند بار۔

ان باتوں پر عمل ہوجائے تو آئندہ دریافت کریں۔

ہیچمیداں سلیمان

۴ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ

مکتوب نمبر ۲

محلہ مقرب خان شہر پشاور

۹ - ۱۱ - ۴۳

مسترشد:۔ بخدمت جناب سیدی علامہ صاحب دام ظلکم العالی

جونپور بذریعہ ڈپٹی سید حسین

۱۸ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ

حضرۃ الشیخؒ:۔ از بیچمدان سلیمان بہ عزیز سعادت مند محمد اشرف سلمہٗ اللہ تعالیٰ

مسترشد:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ بعد آداب و نوازش تسلیمات کے معروض خدمت عالی ہے کہ بندے کی خوش قسمتی ہے جنابِ والا کا موعظت نامہ بندے کے دو استفسارات کے جواب میں صادر ہو کر باعثِ تکریم ہوا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کا خط پڑھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیقات سے آپ کو بہرہ ور فرمائیں۔

مسترشد:۔ میں نے اپنے پہلے عریضے میں عرض کی تھی کہ "حضور کی بیعت کی کیا شرط ہے" آپ نے ارقام فرمایا ہے۔ کہ:

"اپنی اصلاح کی عزیمت دل میں پیدا ہو اور جس سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے محبت ہو اور بیعت کے لئے حاضری ضروری نہیں۔"

یہ ناہنجار چاہتا ہے کہ کسی طرح عاقبت اور دنیا دونوں سنور جائیں۔ پرسوں آپ کا

مکرمت نامہ صادر ہوا تھا۔ لیکن دو روز اس لیت ولعل میں گذر گئے۔ نفس کسی طرح گوارا نہ کرتا تھا۔ کہ کسی بندش میں آئے۔ لیکن آخر اللہ کا فضل اور آپ کی دعا کا اثر تھا۔ کہ آپ نے جس طرح ارشاد فرمایا تھا کہ :

"خوب سوچ سمجھ کر جس وقت اس راہ پر چلنے کی عزیمت پیدا ہو جائے وضو کر کے خشوع اور خضوع سے دو رکعت نفل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا مانگیے اور استغفار کیجئے اور دل میں اللہ تعالیٰ سے عہد کیجئے کہ اب خدا کے احکام سے سرتابی نہ ہوگی۔ اور جھوٹ، غیبت، بدنظری، لغویات سے پرہیز کروں گا۔ نماز پنجگانہ کی پابندی، تلاوت قرآن پاک ہر روز جس قدر ہو سکے اور ہر نماز کے بعد استغفار۔ استغفر اللّٰہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ چند بار۔"

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ

مسترشد :۔ تو بندے نے دو نفل (جہاں تک کوشش ہو سکی) اسی طرح پڑھ کر اللہ سے توفیق مانگی ہے کہ اللہ آگے تمام گناہوں سے بچائے اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر جو دعاء مانگی یہ گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کے لئے صحیح راستہ پر چلنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو قبول فرمائیں اور آپ کو گذشتہ تقصیرات کے مواخذہ سے معاف فرمائیں۔ اور آئندہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ بندہ ہر حال میں گنہگار ہے۔ اور خدا کے بارگاہ میں

اپنے گناہوں کا اعتراف اور اپنی غلط کاری اور تساہل پر ندامت اور آئندہ گناہوں سے بچنے اور احکام الٰہی پر عمل کرنے پر استقامت اور ساری عمر اسی ریاضت میں گذار دینا یہی اپنی بندگی ہے۔

مسترشد:۔ انشاء اللہ العزیز جھوٹ، غیبت، بدنظری اور لغو باتوں سے بھی پرہیز کروں گا۔ لیکن حضور والا کیا کروں۔ سوسائٹی کی کچھ بندشیں، اور کچھ اپنے نفس کی سرکشی چاہتا ہوں کہ جتنی آسانی ہو بہتر ہے۔ خدارا دعا کریں۔ کہ اللہ مجھے مع تمام مسلمانوں کے صراط المستقیم پر قائم رکھے اور نفس اور شیطان کے فتنے سے بچائے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ سراسر نابکار اور گنہگار ہوں۔ لیکن اگر اللہ کی مہربانی اور آپ کی نظر عنایت ہو جائے تو سب کچھ بن جائے کہ

اثر کس کی نظر کا تھا یا مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس کو اسمٰعیل نے آداب فرزندی

حضرۃ الشیخؒ:۔ اب آپ کو اُن اوقات میں سے جو آپ کی تعلیم سے فارغ ہوں۔ تھوڑا وقت مقرر کر کے خواہ وہ پندرہ ہی منٹ ہو آنکھیں بند کر کے اپنے کو خدا کے سامنے حاضر سمجھ کر گویا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ تصوّر کیجئے کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے ہیں۔

مسترشد:۔ ظاہراً ہئیت کے ہزار کوشش پر بھی فی الحال بدلنے سے اپنے کو مجبور پاتا ہوں۔ اللہ مجھ پر اپنا رحم کرے اور سب مسلمانوں پر بھی

حضرۃ الشیخؒ :- ایام بلوغ سے جو نمازیں چھوٹی ہوں۔ اونکو ہر نماز کے ساتھ اداکرنا شروع کیجئے۔ اگر روزے رہ گئے ہوں تو اُن کو قضا رکھئے۔ اگر زکواۃ واجب ہو زکواۃ حساب کرکے دیدیجئے۔

مسترشد :- میں جناب کی بیعت کا غائبانہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا جو کچھ آپ نے پہلے وہ "دو نفلوں وغیرہ" کا ارقام فرمایا تھا۔ وہی بیعت ہے یا کچھ اور طریقہ ہے۔ میں تو اس سے جاہل محض ہوں۔ آں جناب کو روز تکلیف دیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ شوق مجبور کئے دیتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھیئے اگر غلطی سے کبھی کوئی ہو جائے تو یاد آنے پر فوراً استغفار کیجئے اور نیا عہد کیجئے کہ انشاء اللہ اب اپنے قصد سے اس کا ارتکاب نہ ہوگا۔

مسترشد :- اُمید ہے اس گستاخی کو اور اگر کوئی غلطی سرزد ہوگی تو معاف فرمادیں گے۔ آخر میں پھر گذارش ہے کہ چشم کرم ہو جائے۔ میرے اقربا اور جمیع المسلمین والمسلمات کو بھی اللہ ہدایت کا رستہ دکھائے اور اس پر گامزن کرے آمین

حضرۃ الشیخؒ :- آپ اس کا کچھ لحاظ نہ کریں۔ آپ کی ہر خدمت دینی ثواب ہے جس کا یہ بندۂ قاصر محتاج ہے۔

مسترشد :- اُمید ہے جواب سے سرفراز فرمائیں گے فقط

ہدایت کا طالب

محمد اشرف غفرلہٗ

مراسلہ نمبر سوم

محلہ مقرب خاں شہر پشاور

25-1-44

بخدمت جناب سیدی علامہ صاحب دام ظلکم العالی

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب ونوازش تسلیمات کہ معروض خدمت ہے کہ آنجناب کا عظمت نامہ بندے کے عریضے کے جواب میں تقریباً دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہوا ملکر باعث تکریم ہوا تھا جس میں آنجناب نے اور باتوں کے علاوہ یہ رقم فرما دیا کہ تھوڑا وقت مقرر کرکے ہر روز خواہ وہ پندرہ ہی منٹ ہوں آنکھیں بند کرکے اپنے کو خدا کے سامنے حاضر سمجھ کر گویا کہ اللہ تعالیٰ ہمکو دیکھ رہے ہیں تصور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمکو دیکھ رہے ہیں۔

بندہ اگرچہ دن بدن گناہوں میں بڑھتا جاتا ہے۔ سچ کہتا ہوں کہ میری مثال ہے کہ

بے گناہ نہ گزشت بر ما ساعتے　　　بہ حضور دل نہ کردم طاعتے

(”یہی خیال کرنا چاہیئے“)

لیکن آنجناب کے فرمودے کے مطابق جیسا کہ میں اوپر تحریر کر چکا ہوں بندہ باقاعدہ طور پر (بجز دو تین روز کے کہ سفر میں تھا) اسی طرح تصور کرتا رہا ہوں اس تصور میں کبھی کیا خیال پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کیا۔ میں

آنجناب کو تحریر کرنے سے اسلئے لیت و لعل کرتا رہا کہ کہیں یہ میرے ذہنی تصورات ہی نہ ہوں لیکن اس خیال سے کہ مبادا کہ میرے عقائد میرے نفسانی خیالات سے خراب نہ ہو جانے پائیں میں آنجناب کی خدمت میں چند ان میں سے تحریر کرتا ہوں۔ یہ بھی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ بعض وقت کتنی دفعہ انہیں ہٹانا چاہتا ہوں لیکن بار بار آجاتے ہیں انمیں سے جو خیالات صحیح ہوں وہ بتا دیں تاکہ میں انہیں برقرار رکھنے کی کوشش کروں اور باقی دماغ سے باہر کرنے کی سعی کروں انشاء اللہ تعالیٰ۔

شروع میں جب میں یہ تصور کرتا تھا کہ اللہ تعالی مجھے دیکھ رہیں ہیں تو خود بخود یہ خیال مجھ پر طاری ہو جاتا تھا اور اب بھی اکثر ہو جاتا ہے کہ گویا اللہ جل شانہٗ میرے سامنے موجود ہیں اور میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔

("الحمد للہ مبارک")

پھر ایک دن میرے دل میں یہ خیال آیا کہ حقیقت تو ہے سو روح کی ہے باقی جسم تو ایک عبث چیز ہے اسلئے اللہ تعالی میری روح کو دیکھ رہے ہیں اور میں ہی حقیقت میں روح ہوں اور اسکے علاوہ جسم سے میرا کچھ عجیب قسم کا تعلق ہے لیکن سب سے زیادہ میں جس بات سے حیران ہوا وہ یہ تھی کہ گویا مجھے کوئی کہتا ہے کہ جس طرح تیری روح کا تعلق تیرے جسم سے ہے اسی طرح کا تعلق تجھے زمین کے ہر ذرہ سے ہے اور پھر تیری روح کو اللہ جل شانہ نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ مرشد من! برائے مہربانی تحریر کریں۔ کہ یہ کیا حقیقت ہے کہیں القائے شیطانی یا ہوائے نفسانی تو نہیں؟

("بالکل صحیح۔ قرآن میں ہے" ان اللہ بکل شئی محیط")

گزشتہ رات اس سے بھی عجیب خیالات اسی تصور میں مجھ پر چھا گئے وہ اس طرح کہ اسی حالت میں اللہ یحول بین المرء وقلبہ پر میں غور کرنے لگا۔ اول تو میں نے اسی حالت میں یہ سمجھا کہ کیونکہ مجھے یعنی میری روح کو اللہ جل شانہ نے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اسلئے یہاں مراد قلب سے روح اور " المرء " سے جسم ہے کہ کیونکہ میری روح کے گرد ذات الٰہی وطاری ہے اسلئے میرے اور میرے جسم کے درمیان ذات الٰہی حائل ہے اور اسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کیونکہ حقیقت میں میرے تمام کام روح ہی کرتی ہے اور جسم ایک آلہ ہے لیکن جب اس آلہ اور جسم کے درمیان ذات الٰہی حائل ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کام میری روح اللہ تعالی کے توسط سے کرتی ہے۔ یہ الفاظ میں بہت ڈر کر لکھ رہا ہوں کہ کہیں کفر نہ ہو یعنی اگر میں دیکھتا ہوں تو اللہ سے اور علی ہذالقیاس جو کام بھی کرتا ہوں اللہ سے کرتا ہوں پھر مجھے اسکے بعد یہ خیال آیا کہ نعوذ باللہ اسطرح تو میں ذات الٰہی کو اپنے جسم میں محدود کر رہا ہوں تو یک لخت میرے دل میں یہ آیا کہ نہیں میری روح بھی میرے جسم میں نہیں بلکہ جسم کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ اسکے بعد مجھے اسطرح معلوم ہوا گویا میرے دل میں کوئی کہتا ہے کہ اپنے عقائد کو کیوں خراب کرتا ہے۔ اللہ پر اسطرح ایمان رکھ کہ وہ بے چگوں ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور تیری روح کو بھی۔ اور اسکی کیفیت معلوم نہیں (صحیح) سید من! یہ پریشان خیال ہیں جنہیں صرف اسلئے خدمت میں بھیج رہا کہ انہیں سے جو ٹھیک ہے وہ بتا دیجئے خدا نخواستہ میں کہیں کفر میں نہ پھنس جاؤں۔ تکلیف دینے پر سخت شرمندہ ہوں۔ لفافہ برائے جواب ارسال خدمت ہے

فقط والسلام۔

محمد اشرف خان عفی اللہ عنہ

نظرِ عنایت کا طالب۔

۳، رجب ۱۳۳۱ھ — محمد اشرف غفرلہٗ

جواب مراسلہ نمبر سوم

حیدر آباد دکن

عزیز سعادت مند دام سعدُکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔ آپ کا خط پڑھا ،خوشی ہوئی کہ آپ نے عمل شروع کر دیا اللہ تعالیٰ ترقی نصیب فرمائیں ۔آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ مبارک ہے اور محمود ہے مگر مقصود نہیں ، یہ راہ کے تماشے ہیں ان سے دل لگانا نہ چاہئے ۔ ترقی آگے بڑھنے میں ہے ۔ اس مراقبہ سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر وناظر ہونے پر جو ایمان ہے وہ عملاً نمایاں ہو ۔ اب آپ آگے بڑھیں اب یہ کوشش کیجیئے کہ نمازوں میں یہ خیال قائم ہو کہ آپ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں اسکے لئے ضروری ہے کہ نیت کرتے وقت دل میں یہ توجہ کیجیئے کہ اب بندہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہے قرات قرآن اور تسبیح رکوع وسجود میں اب ایک لفظ پر ارادہ ہو اور سمجھ کر لفظ ادا ہو ۔ آپ جو پندرہ منٹ مراقبہ کیلئے وقت نکالتے ہیں اگر کچھ وقت اور ہے جیسے صبح کی نماز کے وقت یا تہجد میں یا کسی اور فرصت کے وقت تو ایک ہزار دفعہ اللہ اللہ ذرا ہلکے نغمہ سے آہستہ آہستہ اس حد تک کہ آپکے کان میں آواز آئے تسبیح پر گنکر ذکر کر لیا کیجیئے ۔ آنکھیں بند ہوں اور یہ تصور ہو کہ اللہ کا کلمہ نورانی حروف میں آپکے سینہ پر لکھا ہے ۔

اگر آپ تعلیم یا کسی اور کام میں مصروف ہوں تو اس میں نقصان نہ ہو ۔ ہر کام میں خدا کی رضاء کی نیت رہے انشاء اللہ تعالیٰ آپکے لئے دین کا راستہ کھلے گا ۔

دستخط ۴۴ ۔ ۲ ۔ ۱۴

مراسلہ نمبر ۲

محلہ مقرب خان

پشاور

16-5-44

بخدمت اقدس جناب سیدی علامہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ بعد ادائے آداب و نوازش تسلیمات کہ معروض خدمت ہے کہ (نمبر جوابا حضرت علامہ صاحبؒ نے اپنے قلم سے لگائے ہیں)

۱۔ جب سے آپکا پچھلا موعظت نامہ صادر ہوکر باعث عزت ہوا ہے بندہ حتی الوسع آپکی ہدایات پر چلنے کی کوشش کرتا رہا ہے ۔ آپ نے جو ورد بتایا تھا کہ " ایک ہزار دفعہ اللہ اللہ ذرا ہلکے نغمے سے آہستہ آہستہ اس حد تک کہ کان میں آواز آئے تسبیح پر ذکر کر لیا کیجیے " وہ بھی آپ کے ارشاد فرمائے ہوئے طریقے کے مطابق کرتا رہا ہوں ۔

۲۔ خدا تعالیٰ کو حاظر ناظر جان کر جب اب نماز پڑھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ میرے سانس کے ساتھ ہیں لیکن بے کیف و بے چگوں ۔ اور بلکہ مجھ سے میرے ذات سے بھی زیادہ قریب ہیں ۔ اس طرح جب فکر کروں تو یوں ہی قربت معلوم ہوتی ہے

۳۔ لیکن اس کے باوجود اعمال صالحہ میں بہت کوتاہی ہوتی ہے اور سچ تو یہ کہ اکثر دفعہ دنیا کی محبت اور لالچ اور دنیاوی خیالات اس طرح قلب پر چھاجاتے ہیں کہ عمل صالحہ کرنا تو کجا نعوذ باللہ وہ ایک قسم کی مصیبت معلوم ہوتا ہے اور جانتا ہوں کہ یہ سخت گناہ بلکہ کفر ہے لیکن اسقدر نفس کا غلبہ ہوتا ہے کہ مجبور ہوجاتا ہوں ۔ خدا را اسکے دفعیہ کیلیئے کوئی علاج بتائیں تاکہ دنیاوی محبت کم ہو اور نیک

کاموں سے محبت کم ہو اور نیک کاموں کے ساتھ محبت پیدا ہو۔

دوم اسکے علاوہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ گویا میرے دل میں خدا کا خوف اور اسکی محبت اسقدر نہیں جسقدر ہونا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نیک کاموں میں اسقدر سست ہوں۔ دعا کریں کہ خدا اپنی محبت میرے دل میں ڈالے اور کوئی طریقہ ہو جس سے یہ چیزیں پیدا ہو سکیں تو برائے مہربانی تحریر کریں۔

۴۔ میرے ایک اور بات کے علاج کے متعلق بھی آپکو تکلیف دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ مجھ پر سوسائٹی اور ماحول کا سخت اثر ہے جو کہ کافی حد تک مغربی تعلیم کی وجہ سے ہے یہ کس طرح دور ہو اور سوسائٹی کی شرم (کہ آجکل سوسائٹی میں اکثر نیک کاموں کا بھی نعوذ باللہ تمسخر اڑایا جاتا ہے اور سوسائٹی سے علیحدگی ناگزیر بلکہ ناممکن ہے) کسطرح جائے کہ انسان نیک کام لومۃ لائم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کرے۔

۵۔ چہارم میرے دل میں وسوسے بہت زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور اس قسم کے کہ خواہ مخواہ کبھی شک پیدا ہوجاتا ہے کہ وضو میں فلانا عضو نہیں دھویا۔ اکثر یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرا وضو ہے یہ شک نماز میں آجاتا ہے کہ ممکن ہے وضو ٹوٹ گیا ہو جس سے اکثر نماز کا حضور چلاجاتا ہے اور اسطرح کے شک اور وسوسے اسقدر پیدا ہوتے ہیں کہ تنگ آجاتا ہوں۔ برائے مہربانی اسکا علاج بھی تحریر کریں۔ آپکو تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مع تمام مسلمانوں کے صراط مستقیم پر استقامت بخشیں۔ فقط والسلام۔

ہدایت و نظر عنایت کا طالب

محمد اشرف عفی اللہ عنہ

جواب مراسلہ نمبر ۳

از دیسنہ ضلع پٹنہ

از ہیچمیدان سلیمان بہ عزیز سعادتمند محمد اشرف اسعدہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم۔ آپ نے جو حالت اپنی لکھی ہے۔ بحمد اللہ وہ بہت اچھی حالت ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیئے اور الحمد للہ کہیئے۔ اب نمبروں کے ساتھ جوابات پڑھیئے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ آپکو برکت عنایت فرمائیں۔ اسطرح وقت اور فرصت کے ساتھ ساتھ اس ذکر کی تعداد کو بڑھاتے جائیں، بشرطیکہ کسی دوسری ضروری کام کا حرج نہ ہو۔

۲۔ اس کیفیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجیئے۔ یہ اسکی بخشش ہے۔ یہ بہت اچھی حالت ہے۔

۳۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کو ایسا حاضر و ناظر یقین کرتا ہے تو اوس سے ضروری اعمال صالحہ کی بجاآوری میں سستی کیونکر ہوسکتی ہے۔ وہ جب یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں ہمکو دیکھ رہے ہیں اور ہم سے ایسے قریب ہیں تو اوسکو شرمندہ ہونا چاہیئے کہ اس حالت اور اور اس عنایت کے باوجود ضروری اعمال صالحہ میں کوتاہی کیوں ہو۔ اگر پھر بھی حالت نہ بدلے تو موت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور یہ سوچنا چاہیئے کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ایک ایک بات کا جواب دینا ہے۔ اس وقت بندہ اس کوتاہی کا کیا جواب دے گا اور پھر دنیا کی دولت جسکی محبت میں انسان گرفتار ہے کیا کام آئے گی۔ اوس وقت صرف اعمال صالحہ کام آئینگے۔ اس سے خدا کا خوف پیدا ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۴۔ بری صحبت سے پرہیز کیجیئے اور بزرگوں کے تذکرے پڑھیئے۔ سوسائیٹی خدا

نہیں کہ اوس سے ڈرا جائے ۔ کیا اگر کسی آبادی میں وبا پیدا ہوجائے تو کیا کثرت آبادی کا لحاظ کر کے آپ اپنی بیماری کا علاج چھوڑ دینگے ۔ آجکل سوسا یئٹی حقیقت میں وبا رسیدہ ہے ۔ آپ سوسایئٹی کو جو خدا تعالیٰ کے غافل ہے قابل رحم سمجھیئے ۔ کیا اندھے ننگوں کی صحبت میں کوئی آنکھ والا اپنے لیئے برہنگی کو پسند کریگا ۔ آپ چونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جس سوسایئٹی میں آپ ہے وہ جلیل القدر ہے ۔ یہ خیال غلط ہے ۔ جو خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہوں کبھی جلیل القدر نہیں اور جو جلیل القدر نہیں وہ لحاظ کے قابل نہیں ۔

۵۔ وسوسے اگر بکثرت آتے ہیں اور عادت ہو گئی ہے تو آپ وسوسوں کا خیال نہ کیجئے اور ادھر دھیان نہ دیجئے اور بار بار پھر وضو نہ کیجیئے ۔ نماز میں وسوسوں کے دور کرنے کیلیئے یہ کیجیئے کہ نماز کے الفاظ کو ٹھر ٹھر کر ارادہ کے ساتھ پڑھیئے ۔

۵ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ

سید سلیمان ندوی

مکتوب نمبر ۵
(مکتوب مسترشد)

محلہ مقرب خان، شہر پشاور

۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء

بخدمت اقدس جناب سیدی و مرشدی علامہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

ستمبر ۴۵ء کا 'معارف' پہنچا۔ آپ کی علالت کا پڑھ کر طبیعت سخت متفکر ہوئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہم ناقصوں کی تربیت کے لئے تا بدیر سلامت رکھے۔ اور ہمیں استفادہ کا موقع بخشے آمین۔

میں نے جناب والا کی خدمت میں اس سے پہلا عریضہ جون ۴۴ء میں بھیجا تھا۔ جس کے جواب میں جناب کی ہدایات مجھے اسی ماہ میں مل گئی تھیں۔ اس واقعہ کو تقریباً سوا سال گذر چکا ہے۔ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرأت اس لئے نہ کر سکا۔ کہ میرا ارادہ تھا۔ کہ انشاء اللہ بالکل اپنی پوری اصلاح کے بعد حضور کو خبر دوں گا۔ اگرچہ بندہ ہنوز اصلاح کا محتاج ہے۔ لیکن تاہم خداوند تعالےٰ کا آپ کی برکت سے اس ناکارہ پر بہت رحم و فضل ہو گیا ہے۔ جس کا شکریہ ادا کرنے سے بندہ قاصر ہے . . . .

. . . . تحریر پانی سے مٹ گئی ہے . . . . . .

آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے جس طریقہ سے آپ نے 'اللہ اللہ' کا ذکر بتایا تھا۔ دو ہزار تک پہنچایا ہے۔ کہ خیال کرتا ہوں کہ اس طرح باقاعدہ اور وقت

ہیں نکال سکتا۔ کہ اسی سال بی۔اے (B.A) پاس کیا ہے۔ جس کی وجہ سے فرصت نہ
تھی اور ممکن ہے۔ کہ آگے ایم۔ اے میں داخل ہو جاؤں اور فرصت نہ مل سکے۔ لیکن
یہ اللہ کریم کی ایک بڑی مہربانی یہ ہوئی ہے کہ بعض اوقات چلتے پھرتے بیٹھتے اٹھتے
عمداً یا بے قصد بغیر زبان ہلے ذکر الٰہی ہوتا رہتا ہے۔ یا نیک باتوں کا خیال آتا ہے۔ اور
امید ہے کہ اگر اللہ کی مہربانی اور آپ کی نظر عنایت شاملِ حال رہی تو یہ ذکر دائمی ہو جائے
گا۔ کچھ دیر جس طرح آپ نے بتایا تھا۔ کہ اس طرح بیٹھئے کہ تمہیں اللہ دیکھ رہا ہے
اُس طرح بھی کرتا ہوں۔ نماز میں بھی اکثر حضور رہتا ہے۔ قرآن کریم کی بھی نصف پارہ
کے حساب سے ہر روز تلاوت کرتا ہوں۔ دینی کتابیں بھی اکثر پڑھتا ہوں۔ اور آپ کو یہ
سن کر خوشی ہو گی کہ میں نے عربی میں مشکوٰۃ شریف مکمل اور بخاری شریف پر محمد شاہ سہارنپوری
کے حواشی کے (عربی میں) چوبیس پاروں تک پڑھ لی ہے۔ بخاری شریف کا درس ہنوز
جاری ہے۔ اس کے علاوہ حدیث شریف سے جو نسخے کلمات ثابت ہیں۔ ان میں سے کئی
پڑھتا ہوں۔ جن میں سے بعض تین سال سے اور بعض چار سال سے پڑھ رہا ہوں
یہ سب اللہ کی مہربانی اور آپ کی برکت سمجھتا ہوں۔ لیکن ایک بات ہنوز باقی ہے
کہ کچھ دن تو خوب حضور ہوتا ہے اور مزا آتا ہے۔ اور کچھ دن طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے
اوراد و اشغال (نعوذ باللہ) جو جھل اور مصیبت معلوم ہونے لگتے ہیں۔ دنیا کی محبت
عود کر آتی ہے۔ اور ایسے وسوسے آنے لگتے ہیں کہ کاش (نعوذ باللہ) جو کچھ دوسرے
ہم عمر برے کام کر رہے ہیں۔ میں کیوں نہ کرتا یا نہیں کر سکتا۔ پھر کچھ دن کے بعد یہ
شیطانی غلبہ اُتر جاتا ہے۔ اور سکون ہو جاتا ہے۔ برائے مہربانی کچھ ایسا طریقہ بتائیں۔ کہ
ہمیشہ کے لئے اطاعتِ الٰہی میں لطف اور اسکی محبت دل میں پیدا ہو۔ تشکل کی برائی

سے اب تک پرہیز نہیں کر سکا۔ خدا سے دعا کریں کہ اللہ اس کی توفیق بھی دے دے۔

اب بہت عرصہ سے مراقبہ وغیرہ میں کچھ نظر نہیں آتا اور میں بھی اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ مقصود نہیں ہے۔ لیکن اب جبکہ خدمت میں حاضر ہُوا ہوں ایک بات عرض کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ پچھلے سال اغلباً سترہ شعبان کو سویا ہُوا تھا کہ صبح کوئی پانچ بجے کا وقت تھا۔ کہ یکایک آنکھ کھل گئی کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں کچھ عجیب قسم کے بادل کے ٹکڑے ہیں (جو کہ حقیقت میں بادل نہیں تھے) اور کچھ عجیب کیف کا عالم تھا۔ کہ اتنے میں ایک آدمی میرے پاس آتا ہے (حالانکہ میں بیدار ہوں) اور کہتا ہے "کرمک اصبغ! اور اس کے بعد پشتو زبان میں ایک فقرہ کہتا ہے کہ جس کے معنی ہیں "کہ تیری آنکھیں سبز ہیں" حالانکہ میری آنکھیں حقیقت میں سبز نہیں۔ اس عجیب واقعہ کا کیا مطلب ہے؟

. . . . عبارت پانی سے مٹ گئی ہے . . . .

جناب والا! استفادہ بالقبور سے کیا مطلب ہے۔ کیا یہ ممکن ہے اور جائز ہے یا ناجائز اور کیا میں اپنی موجودہ حالت میں کر سکتا ہوں؟

اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ برائے مہربانی تکلیف دہی کو معاف فرمایئے گا۔ آپ کا قیمتی وقت ضائع کرنے کا باعث بنا ہوں۔ برائے مہربانی خدا سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو متقی کامل بنا دے، صراط مستقیم پر استقامت بخشے اور یہ بندہ دنیاوی منافع میں غرق ہو کر آخرت کو نہ بھول جاوے، اور میرے ماں باپ بہن بھائی تمام اقارب اور جملہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو اللہ ہدایت بخشے۔ امین

فقط والسلام ۔ ہدایت کا طالب ۔ محمد اشرف عفی اللہ عنہ

مکتوب نمبر ۵
مکتوب حضرت الشیخؒ

اعظم گڈھ

اخی فی اللہ تعالیٰ ادام اللہ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا خط گو زمانہ سے نہیں آیا تھا۔ اور آپ کا نام و پتہ یاد نہ تھا۔ مگر رہ رہ کر آپ کا خیال آتا تھا۔ اور چونکہ فقیر اپنے تمام محبّین کے لئے جو یاد ہوں یا نہ یاد ہوں دعاء کرتا ہوں۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے اس بندہ محتاج کی دعاء کو قبول فرمایا تو آپ بھی اوس میں داخل ہونگے

گو آپ کا خط بھیگ جانے سے پانی میں کہیں کہیں مٹ گیا ہے تاہم جو پڑھا جا سکا وہ پڑھا، ماشاء اللہ آپ کا حال اچھا ہے۔ شکر کیجئے تو مزید بخشش ہوگی۔ بحکم وان شکرتم لازیدنکم،

تعلیم اور طلب رزق کے اسباب میں بھی سستی نہ کیجئے، کہ اسی پر نفس کا اطمینان موقوف ہے۔ جس کی بہت ضرورت ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کاموں میں برکت عطا فرمائیں۔ اور دل جمعی خاطر نصیب فرمائیں۔

تہجد اور ذکر یہ دونوں اس طریق کی ضروری چیزیں ہیں۔ ان پر مداومت رکھیئے۔

آپ باآسانی سے جن معمولات پر قائم رہ سکتے ہیں قائم رکھیئے اور

فرصت کے مطابق کیجئے۔

بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے احادیث کی کتابیں پڑھ لیں۔ یہ بڑی دولت ہے۔

طبیعت کے نشیب و فراز اور عدم استقلال کا جو حال لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ طبعی بات ہے اور سب کو اسی طرح پیش آتی ہے، اسکی فکر نہ کیجئے اور اپنے کام میں لگے رہیئے۔

ہر وقت ذکر کی مصروفیت یعنی دوام ذکر قلب کی بڑی نعمت ہے جو آپ کو مل رہی ہے۔ اس کو جاری رکھیئے

تقویٰ کا خیال، حلال و حرام کی فکر، جائز و ناجائز کی تمیز ہر کام میں ضروری ہے۔ تقویٰ حاصل اعمال ہے

یایھا الناس اعبدو ربکم لعلکم تتقون

استفادہ بالقبور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مردہ مقبولین پر جو رحمت نازل فرماتا ہے۔ اوس رحمت سے زائر بھی تھوڑا بہت حصہ پاتا ہے یہ فعل اللہ تعالیٰ کا ہے صاحب قبر کا نہیں۔ مگر اس استفادہ کی اہلیت مبتدیوں میں نہیں، منتہیوں کے لئے ہے۔ آپ عمل نہ کریں۔

خواب محض بشارت ہے۔

بعض باتیں نہیں پڑھی گئیں اون کے جواب سے معذوری ہے۔

ہیچمدان سلیمان

۲۰ رشوال ۱۳۶۴ھ

مکتوب - ۶

۸۴ مال روڈ - شملہ

۱۴ر جولائی ۱۹۴۶ء

بخدمت جناب سیدی و مرشدی علامہ صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اِس ناکارہ نے آنجناب سے تقریباً عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کہ تعلق پیدا کیا تھا۔ آپ کی ہدایات پر چلنے کی کافی عرصہ تک کوشش کرتا رہا۔ گذشتہ شوال آنجناب کا والا نامہ اس گنہگار کے خط کے جواب میں آیا تھا۔ اِس وقت بندہ کی حالت اللہ کی مہربانی سے بہت اچھی تھی۔ ذکر دوام اور تہجد کی توفیق مل چکی تھی۔ اور دن بدن حالت رو باصلاح تھی۔ اس لئے آنجناب نے اپنے شفقت نامے میں بہت ہمت بڑھائی تھی۔ لیکن یکایک طبیعت نے پلٹا کھایا۔ تہجد کی نماز تقریباً گذشتہ آٹھ ماہ سے چھوٹ چکی ہے۔ اگرچہ خدا کی مہربانی سے جیسے کہ آپ نے فرمایا تھا ذکر "اللہ" کا دو ہزار دفعہ روزانہ تسبیح پر کر لیتا ہوں۔ لیکن وہ سرور اور سوز باقی نہیں۔ ایسے اب بھی بفضل ایزدی اکثر اوقات چلتے پھرتے اللہ جل ذکرہٗ کا ذکر کر لیا کرتا ہوں۔ لیکن نماز میں حضور نہیں ہوتا۔ رات کو اٹھا نہیں جاتا۔ بلکہ اکثر تقریباً عرصہ دو ماہ سے صبح کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے۔ نیند کا از حد درجہ غلبہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ سال بی۔ اے کیا تھا۔ اس کے بعد سے بیکار ہوں۔ اور کوئی معاشی ذریعہ پیدا نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشان ہوں اور اگر سچ پوچھئے

بہت حد تک میری روحانی خرابی کا سبب یہی معاشی پریشانی ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ کریم میرے لئے کسی تجارت کا پاک ذریعہ معاش پیدا کر دیں۔

میرے اس قدر طویل عرصہ تک حاضر خدمت نہ ہونے کا سبب صرف شرمندگی تھی۔ کہ باوجود آپ سے وعدوں کے میں آپکی ہدایات پر پوری طور پر عمل نہ کر سکا۔ خدا را اس گنہگار کے حال پر رحم فرمایئے اور قلبی توجہ سے سرفراز فرمایئے اور دعا کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے (مع میرے تمام بہن بھائیوں والدہ صاحبہ اور جملہ مسلمانوں کے) متقی کامل بنا دے اور ہمیں ان کاموں کی توفیق دے جس سے وہ خود راضی ہوتا ہو۔ اور ان سب کاموں سے باز رکھے جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ آمین۔ میری اسی معاشی پریشانی کے دفعیہ کا علاج اور دوسری باتوں سے مطلع فرمادیں۔ تاکہ میں روحانی چین پاسکوں۔

(میں پہلے پشاور میں ہوتا تھا۔ گرمی گذارنے شملہ آیا ہوا ہوں۔ ممکن ہے آپ کو مجھے پہچاننے میں غلطی ہو۔ اس لئے پشاور کا پتہ لکھ رہا ہوں۔

محمد اشرف خان ولد محمد اکبر خان مرحوم محلہ مقرب خان۔ پشاور)

سیرت النبی جلد ہفتم کب تک چھپ جائیگی؟ امید ہے آنجناب اس ناکارہ کو اپنی دعاؤں میں یاد فرما کر ممنون فرمادیں گے۔ باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ آنجناب کی صحت بھی اب اچھی ہو گی۔ خداوند جل و علیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور ہمیں آپ سے فیض پانے کی توفیق بخشے آمین۔ (غوث کا کیا مطلب ہے اور کیا کسی آدمی کو غوث کہنا جائز ہے)

فقط والسلام۔ ہدایت و نظر عنایت کا طالب

محمد اشرف غفرلہٗ

۷۲۸

جواب حضرت الشیخ رح

بھوپال

اخی فی اللہ تعالیٰ دام توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آپ نے اپنے موجودہ حالات جو لکھے ہیں۔ وہ بے شبہ گذشتہ سے فروتر ہیں۔ مگر کوئی مایوسی کی بات تو نہیں۔ بحمداللہ تعالیٰ جب تک قلب میں اپنی کمی اور پستی کا احساس بہتر حالت وکیفیت کی طلبی کا جذبہ ہے۔ روح کی زندگی کی نشانی باقی ہے اور جب تک یہ کیفیت ہے۔ علاج بہت آسان اور حالات اُمید افزا ہیں۔

باز آ، باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ ؎

ایں درگہہ ما درگہ نومیدی نیست ؎ صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو اپنا بندہ کہتا ہے اور فرماتا ہے 'مایوس نہ ہو'

یٰعبادیَ الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ

ترجمہ:۔ اے میرے گنہگار بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

اللہ اکبر! یہ کیسی نویدِ جانفزا ہے۔ بس آتنی دیر ہے۔ کہ بندہ "استغفر اللہ ربّی من کل ذنبٍ واتوب الیہ" پڑھ کر پھر اپنا کام شروع کر دے پھر وہی بخششیں ہوں گی اور وہی نوازشیں ہوں گی۔

غور کیجئے۔ اگر بادشاہ سے ملاقات نہ ہو تو ایک درجہ کی محرومی ہے لیکن دربار میں بار پانے کے بعد پھر وہاں سے فرار، اور کسی دوست سے دوستی بڑھا کر پھر انقطاع نہ صرف اپنی محرومی بلکہ اس بادشاہ کی ناراضی اور اس دوست

کے ملال کا باعث ہے

مصیبت سے تو اور زیادہ حق تعالیٰ یاد آتے ہیں۔ اور اُنھیں کی یاد سے تسلی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کے سوا کوئی نہیں جو اُس مصیبت کو دور کر سکے۔

آپ اب توبہ استغفار کر کے اپنا کام پھر شروع کریں۔ اور چند روز تک جب تک دل نہ جمے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" اکثر پڑھا کریں۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد اپنی پریشانی کے دور اور وسعت رزق کے لئے خود دعا کیا کریں اور کوئی خاص وقت مقرر کر کے۔ "یا رزاقُ یا وھاب" پانچ سو بار اول و آخر درود کے ساتھ پڑھا کریں۔ اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ موعودہ رزق ضرور عنایت فرمائیں گے۔

آپ تاخیر خط کے سبب سے شرمندگی نہ محسوس کریں۔

سیرۃ ہفتم ابھی تک مرتب نہیں ہوئی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ فضل و کرم کا معاملہ فرمائیں۔

غوث صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ حق تعالیٰ جس اپنے مقبول بندہ کو اپنے عام بندوں کے مقاصد کے پورا کرنے کا بذریعہ دعا و ہمت ذریعہ بنالیں۔ وہی غوث کہلاتا ہے۔ اُس کا دوسرا نام قطب تکوین ہے۔ جیسے قرآن پاک میں حضرت خضرؑ کا قصہ ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق جائز ہے۔

والسلام ہیچمدان

سید سلیمان

۲۷ شعبان ۱۳۶۵ھ

پسادور ۱۹؍فروری ۷۱ء

مکتوب نمبر ۷

مسترشد :۔ بخدمت جناب سیّدی و مرشدی حضرت والا دام ظلکم و مد فیوضکم

حضرت الشیخ رح :۔ عزیزی و محبی زادکم اللہ توفیقاً

مسترشد :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ‘

حضرۃ الشیخ رح :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ بعد ادائے آداب و توازشش تسلیمات کے معروض خدمت عالی آنکہ اس ناکارہ کے خط کے جواب میں آنجناب کا ہدایت نامہ کافی عرصہ ہوا صادر ہوا تھا۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ ان الفاظ کی ضرورت نہیں۔

مسترشد :۔ خدا کے فضل اور آپکی عنایت سے اپنی حالت پہلے سے اچھی پاتا ہوں گذشتہ وظائف یعنی ڈیڑھ ہزار دفعہ اللہ کا ورد اور دگر معمولات پر اللہ کے فضل سے پابندی ہوتی ہے۔ لیکن یہ معمولات چھوڑے بغیر کبھی دل سے ادا کرتا ہوں اور کبھی ایسی حالت ہوجاتی ہے۔ کہ اگرچہ ادا تو کرتا ہوں۔ لیکن وہ لذت نہیں آتی لیکن حضور کے فرمانے کے مطابق کہ اس راہ کے ہر ایک راہی کو یہ واقعات پیش آتے ہیں تسلی ہوجاتی ہے

حضرۃ الشیخ رح :۔ بتائے ہوئے طریقہ کو بے وجہ بلا مجبوری نہ چھوڑیں۔

مسترشد :۔ اگرچہ حضور کے قدموں میں حاضر ہونے کی ایک عرصے سے تمنا تھی۔ لیکن کچھ دن سے بیتابی بہت بڑھ گئی ہے۔ کہ آنجناب کے در اقدس پہ حاضر ہوکر زیارت اور فیض قلبی سے متمتع ہوں۔ اور اگر اللہ کو منظور ہو تو بیعت کا شرف پاکر دونوں جہاں کی عزت کا سزاوار ہوجاؤں۔ اُمید ہے کہ آنجناب نظر عنایت فرماکر حاضر

خدمت ہونے کی اجازت عطا فرمائیں گے اور جگہ بھی بتادیں گے کہ کس جگہ آؤں کہ آنجناب اکثر سفر میں ہوتے ہیں۔ میرا دل تو یہی کہتا ہے۔ کہ ایک دفعہ حاضر خدمت ہوجاؤں تو اللہ کی عنایت اور آپ کی نظر سے سارے کام بن جائیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ میرا قیام آج کل بھوپال میں ہے۔ جو دور ہے۔ مگر آپ اطلاع دے کر کبھی آسکتے ہیں۔

مسترشد:۔ ایک دفعہ امام غزالیؒ کی کیمیائے سعادت میں مرشد کے اثرات پڑھ رہا تھا۔ مجھے شک ہوا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انسان ایسے تصرفات کرسکے کہ اسی رات خواب میں بایزید بسطامی (جن کے ذکر میں غزالی تحریر فرمایا تھا) دیکھتا ہوں۔ اور بسطامی مجھے کہتے ہیں۔ تم جب بجلی پر ہاتھ رکھتے ہو تو بجلی کی رو تمہاری رگ رگ میں دفعتہً سرایت کرجاتی ہے۔ کیا اللہ کے نیک بندوں میں بجلی جتنی بھی طاقت نہیں ہے (او کمال قال) امید ہے کہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے یہ گناہوں میں غرق بھی اللہ کی عنایت سے نجات پاجائیگا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس کے لئے اپنی عزیمت شرط ہے۔

مسترشد:۔ اپنی چند برائیوں میں سے چند جن پر میری قاصر نظر پہنچ سکی ہے۔ تحریر کرتا ہوں۔ تاکہ آپ دعا فرمائیں کہ میں ان سے اور دیگر مہلکات سے نجات پاجاؤں اور ان کے علاج سے بھی مطلع فرمائیں۔ خدارا اس نابکار پر خصوصی نظر کرم فرمائیں ورنہ میرا نفس مجھے ہلاک نہ کردے (نعوذ باللہ منہا) توجہ خاص اور دعا و عنایت کا سخت محتاج ہوں۔ اُمید ہے کہ نا اُمید نہ کیا جاؤں گا۔ بکواس

کئے جاتا ہوں لیکن مجبور ہوں آپ کا قیمتی وقت ضائع کر رہا ہوں۔ لیکن معافی کا طالب ہوں۔

کوئی عرصہ پانچ چھ ماہ سے تہجد کی نماز چھوٹ گئی ہے۔ الارم بھی گھڑی میں لگا کر سوتا ہوں۔ آنکھ کھلتی ہے۔ لیکن اُٹھا نہیں جاتا۔ کبھی سردی مانع آتی ہے۔ اور کبھی نیند و سستی۔ اس کا کیا علاج کروں۔ بلکہ کبھی کبھی فجر کی نماز میں بھی دیر ہو جاتی ہے۔ نیند کا بہت غلبہ رہتا ہے۔ وظائف کی حالت میں بھی سو جاتا ہوں۔

حضرۃ الشیخ مد:۔ اس کا علاج بھی عزیمت ہے۔ اس کا اہتمام کیجئے کہ رات کو سویرے نماز عشاء کے بعد فوراً سو جائیں۔ اور ہو سکے تو دوپہر کو ذرا سا لیٹ لیں تو یہ حالت نہ ہو گی۔

مسترشد:۔ اس کے علاوہ اپنے میں ایک بڑی کمزوری یہ پاتا ہوں کہ لوگوں کے کہے اور لومۃ لائم کی پرواہ کرتا ہوں۔ اور اگر اپنے کو حق پر بھی سمجھتا ہوں تو دوسروں کی باتوں سے مجبور ہو کر خاموشی اختیار کر لیتا ہوں۔ اور اپنے کو اس جرأت سے عاری پاتا ہوں کہ اس کا صاف صاف اور حق پرستانہ جواب دوں۔ بلکہ بعض وقات باکراہ نفس وہ کام خود بھی کر گذرتا ہوں۔ کوئی ایسا طریقہ بتلایئے کہ لوگوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں برائی سے روک سکوں۔ حق بات کا اظہار بغیر کسی خوف و جھجک کے فوراً کر سکوں اور خود حق بات پر قائم رہ سکوں۔ اور جو فطرتی کمزوری اپنے میں پاتا ہوں کہ کوئی مجھ سے خفا یا ناراض نہ ہو جائے اگر حق بات پر اسے مجبور کروں۔ تو یہ بے باکی

ڈر جرأت کیسے پیدا ہو سکتی ہے کہ بقول اقبالؒ

شاہی میں غریبی میں امیری میں فقیری میں

کچھ کام نہیں بنتا ہے جرأت رندانہ!

اسی حق قبر سانکہ جرأت رندانہ کو اپنے میں پیدا کرنے کا خواہشمند ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- اس کا علاج یہ ہے کہ (اللہ اکبر) کا مراقبہ کیا جائے جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی دل میں اثر کرے گی تو سب کا ڈر نکل جائے گا۔

مسترشد :- اپنے میں ایک اور برائی پاتا ہوں۔ اگرچہ میرا مکار نفس مجھے وہ بھی بعض اوقات خوبی بنا کر دکھاتا ہے۔ تاہم حق یہ ہے کہ وہ برائی ہی ہے۔ مجھے اکثر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں لیڈر اور بڑا آدمی بنوں۔ اگرچہ ہمیشہ یہ خواہش اپنے ساتھ یہ خیال لئے رکھتی ہے کہ لیڈر بن کر قوم کی دینی اصلاح کر سکوں لیکن حضور علیہ السلام کی وعید سے خوف کھاتا ہوں کہ جس نے 'امیر' بننے کی خواہش کی اس کا کام اسی کے سونپ دیا جائے گا۔ اس لئے اس امارت اور لیڈر شپ کی خواہش ہی میرے دل سے نکل جانے کی دعا کیجئے اور لوجہ اللہ قوم کی خدمت کر سکنے اور امارت کے خیالات دل سے نکالنے کا علاج بتائیے

حضرۃ الشیخؒ :- اس خیال کو دل سے دور کر دیجئے اور اپنے عیوب پر نظر رکھئے جب ان عیوب کا آپ علاج کریں گے تو خود ہی محبوبیت پیدا ہو گی۔

مسترشد :- بعض اوقات غیبت میں بھی مبتلا ہو جاتا ہوں اور بعض اوقات عجب نفس یا اپنے اعمال کو دوسروں سے اچھا سمجھنے لگتا ہوں۔ ان کے دفعیہ کا بھی علاج تحریر فرما دیں۔ اور رضائے الٰہی کی جستجوئے طلب اور حب الٰہی کس طرح بڑھ

سکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ غیبت اور عجب پر جو عذاب آیا ہے۔ اوس کا استحضار کیجئے اور اپنے عیوب پر نظر رکھئے

مسترشد :۔ میری ایک چھوٹی ہمشیرہ ہے جو کہ بہت بدخلق ہے۔ ہر ایک سے لڑتی ہے حتیٰ کہ والدہ سے بھی بات بات پر جھگڑتی ہے اور سب سے بڑی مشکل یہ ہے۔ کہ نصیحت ماننا تو کجا کسی کی نصیحت سنتی بھی نہیں اور اگر کوئی نصیحت کرے تو اس سے لڑنا بددعائیں دینا اور رونا شروع کر دیتی ہے اس کے اخلاق کے لئے دعا کیجئے اور کوئی اسکی اصلاح کا طریقہ بتائیے جس سے اسے ٹھیک کیا جاسکے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دل سے دعا ہے۔ مگر آپ اون کو بہشتی زیور پڑھنے کے لئے دیجئے۔

مسترشد :۔ میری دو غیر شادی شدہ بہنیں ہیں۔ والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ دونوں شادی کے قابل ہیں۔ لیکن کہیں سے ٹھیک پیغام نہیں آتا۔ کوئی ورد یا وظیفہ بتائیں اور دعا کریں کہ خداوند کریم ان کی شادی اچھی اور ہماری مرضی کے مطابق جگہ پر جلد سے جلد کر دے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس مشکل کو حل فرمائیں۔ دعا ہے۔

مسترشد :۔ صوفیائے سلف جنید بغدادیؒ وغیرہ کے مستند تذکرے اردو میں کہیں سے مل سکتے ہیں یا نہیں۔ اور آپ کی سیرۃ النبیؐ جلد ہفتم ابھی مرتب ہوئی ہے یا نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ہفتم ابھی نہیں مرتب ہوئی۔

مسترشد :- آج کا یہ عریضہ حد سے زیادہ طویل ہوگیا ہے۔ امید ہے اس طویل سمع خراشی کو معاف فرمادیں گے۔ اور عنایات و برکات سے فیضیاب فرمادینگے خداوندکریم مجھے میرے والدین خویش و اقارب اور جمیع المومنین والمومنات کو اپنے نیک لوگوں کے صدقے میں ہدایت نصیب فرمادے۔ امین

حضرت حکیم الامت امام تھانوی طریقت کے کس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا شجرہ طریقت کیا تھا۔ اگر ہوسکے تو تحریر فرمادیں۔

فقط والسلام

ہدایت و نظر عنایت کا طالب

غریق فی الآثام محمد اشرف عفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ چاروں خاندانوں میں بیعت لیتے تھے۔ مگر اونکا اصل سلسلہ چشتی صابری ہے۔ سلسلہ کی تفصیل مناجات مقبول کے آخر میں ہے۔ اگر مناجات مقبول آپ کے پاس نہ ہو تو دارالاشاعۃ دیوبند سے منگوالیجئے اور پڑھا کیجئے۔ ۱۲ر قیمت ہے

ہیچمدان سلیمان

۱۴ر ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ

مکتوب نمبر ۸

از پشاور شہر۔ پاکستان

یکم دسمبر ۱۹۴۷ء

مسترشد:۔ مکرمی و معظمی قبلہ ام علامہ صاحب دامت برکاتہ و مدظلہم

از بھوپال۔ ذاالقضا

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ

مسترشد: السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ: السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ اس ہیچ کارہ نے آج سے کوئی چار سال بیشتر بذریعہ خط آپ سے تعارف پیدا کیا تھا۔ اور اپنی اصلاح کے لئے ہدایتیں لینی شروع کیں تھیں۔ آپ کا پچھلا ہدایت نامہ گذشتہ فروری میں صادر ہوکر باعث صد عزت ہوا تھا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کا خط پاکر خوشی ہوئی۔ کہ آپ نے اس دوری اور اس ہنگامے کے باوجود یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دیں۔

مسترشد:۔ تبلائے ہوئے مشاغل پر حتی المقدور عامل ہوں۔ "اللہ" کا وظیفہ بھی تین ہزار دفعہ روزانہ دائماً اور مراقبہ اللہ کے حضور میں موجود ہونے کا بھی باقاعدہ کرتا ہوں۔ نماز و قرآن بھی بفضل ایزدی پڑھتا ہوں۔ گاہے گاہے بے قصد و ارادہ بھی ذکر شروع کر دیتا ہوں۔ تہجد بھی اب اکثر پڑھنے لگا ہوں مناجات مقبول کی ایک منزل اور دیگر اوراد ماخوذ از احادیث نبوی پڑھتا ہوں۔ حدیث کا سبق بھی لیتا ہوں۔ مشکوٰۃ و بخاری (عربی) ختم ہوچکی ہے

مسلم کی دوسری جلد پڑھ رہا ہوں۔ ان مشاغل پر خدا کا شکر اور آپکی مہربانی
کا معترف ہوں۔ لیکن سیّدی! دل میں ایک درد ایک الجھن ہنوز باقی ہے۔ کہ ان
تمام مشاغل کے باوجود اپنے کو سچا یا پکا مسلمان نہیں سمجھتا۔ دل میں ایمان کی
کمی اور عشق الٰہی اور عشق رسول کا فقدان پاتا ہوں اور عشق الٰہی کا دعویٰ کروں
تو یقیناً خود فریبی ہے۔ ایک تمنا ہے۔ جو آپ کی توجہ سے پوری ہو سکتی ہے
(انشاء اللہ) کہ اللہ اپنے اور اپنے حبیب اور اپنے پیاروں کے عشق میں
بالکل غرق کر دے اور اسکے سوا کسی کو نہ چاہوں۔ دیکھوں تو اس سے دیکھوں
سنوں تو اس سے سنوں۔ کام کروں۔ تو اسکی مرضی سے کروں۔ غرض میری زندگی
وموت میرا ہر عمل اسکی رضا کے مطابق ہو جائے۔ وہ مجھ سے راضی ہو جائے
اور میں اسکے سوا کسی سے راضی نہ ہوں۔ ہر کام میں اسکی رضا چاہوں۔ لومۃ لائم
کی پرواہ نہ کروں۔ وہ ہو اور میں ہوں۔ اور اس کا عشق مجھے اس کی ذات کے
سوا کسی سے مطمئن نہ کرے۔ ہر لحظہ ہر لمحہ اس کا خیال ہو۔ دنیا کے مشاغل بھی
مجھے اس سے غافل نہ کریں۔ اور وہ میری توجہ کا مرکز بنا رہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت بخشی، اور چار سال سے اس پر
قائم ہیں اور ذکر و فکر و نماز اور تہجد اور تلاوت پابندی کے ساتھ کر رہے
ہیں۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے مشکوٰۃ اور بخاری شریف ختم کر لی
اللہ تعالیٰ مزید علم اور علم کے ساتھ عمل عنایت فرمائیں۔

باقی جو آپ کی تمنا ہے کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشق رسول ملے۔ اور
اس میں استغراق ہو جائے۔ تو جہاں تک تمنا کا تعلق ہے مناسب ہے لیکن

یہ سمجھنا کہ آپ کو عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں، صحیح نہیں ہر مومن کو اسکا مرتبہ کچھ نہ کچھ حاصل ہے۔ اور آپ کی یہ صورت تمنا اس کی دلیل ہے، البتہ اس میں ترقی اعمالِ خیر میں ترقی ہی سے ممکن ہے۔ جس قدر اعمال میں ترقی ہوگی۔ اور محبوب حقیقی کے احکام کی تعمیل میں ترقی ہوگی اوس قدر اس مرتبہ میں ترقی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

باقی استغراق اور انہماک کی طلب تو یہ ناسمجھی سے ہے۔ استغراق و انہماک کمال نہیں۔ چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور اون کے اصحاب رضی اللہ عنہم اس سے پاک تھے۔ آپ غور کریں کہ کسی محبوب کے احکام کی تعمیل میں دیوانہ پن اور بے خبری دلیل کمال ہے یا ہشیاری اور بیداری کمال کی دلیل ہے، سُنا ہے کہ انگریز سپاہی شراب میں مست ہوکر لڑتا ہے اور پٹھان پوری ہشیاری اور بیداری سے۔ بتائیے ان دونوں میں شجاعت اور بہادری کا اعلیٰ نمونہ کس میں ہے۔

مسترشد :۔ سیدی! اپنے میں سب سے بڑی کمزوری یہ پاتا ہوں کہ اس خیال سے کہ کوئی ناراض نہ ہوجائے۔ جو شخص بھی جس چیز کو مجھ سے کرانے پر مصر ہوجاتا ہے۔ کر بیٹھتا ہوں۔ اور اس طرح بعض اوقات گناہ سرزد ہوجاتے ہیں۔ دعا کیجئے اور بتلائیے کہ اس جبلی خرابی سے کس طرح نجات پاؤں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ کسی شخص کے کہنے سے یا اصرار سے کام کرنا اگر امر مباح ہو یعنی شرع سے اوس کی اجازت ہو تو خیر۔ کسی مسلمان کی خوشی کے ثواب کی نیت سے کرسکتے ہیں۔ لیکن وہ امر اگر غیر مباح اور ناجائز ہے تو کسی حال میں اوس کا

کرنا درست نہیں۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ دوسرے جس شخص کے اصرار سے آپ کرتے ہیں اوس کی رضا آپ کو مقصود ہوتی ہے۔ تو آیا رضائے الٰہی مقصود ہونا چاہیئے یا کسی غیر کی رضا۔ پھر دعوائے عشق یا تمنائے عشق کے کیا معنی ؟

مسترشد : جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ کہ بستی 'نظام الدین' دہلی میں مولٰنا الیاس احمد صاحب کاندھلوی کی جماعت مبلغین کا مرکز تھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ ہنگاموں میں ان پر کیا گذری۔ اگر وہ بخیریت ہوں تو بہتر ہوگا کہ وہ اپنے خلفاء میں سے چند پُرجوش مبلغین کو پاکستان کے کسی مرکزی مقام پر متعین فرما کر ہماری عام لادینی کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ باقی ہندوستان میں رہیں۔ اور جس طرح ہمارے اسلاف کرام اپنے خلفاء کو بھیج کر مختلف مقامات میں اشاعت دین کے مراکز قائم کر دیتے تھے۔ یا جس طرح حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں معاذ ابن جبلؓ اور ابن مسعودؓ وغیرہ کو مختلف جگہوں پر اسلام کی اشاعت کے لئے متعین کر دیا تھا۔ اگر مبلغین کی یہ مخلص جماعت بھی پاکستان کے ایک مرکزی شہر میں اپنا مرکز بنا کر ہماری لادینی کو دور کرنے کی کوشش شروع کر دیں تو میرے خیال میں بہت بہتر ہوگا۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں اپنی رائے سے مطلع فرما دیں۔ نیز ہندوستان میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً مسلمانوں کی اسلامی بقا کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور تبلیغ اسلام آئندہ کس طور پر ہونی چاہیئے۔

حضرة الشیخؒ :۔ بستی نظام الدین کے لوگ غالباً بخیر ہیں۔ زیادہ حال نہیں معلوم

آپ کے ہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کام شروع ہوگا۔ کچھ لوگ کراچی میں کر رہے ہیں۔

تبلیغ کی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے کو درست کرے پھر دوسروں کی طرف توجہ کرے۔ ایک بیمار دوسرے بیمار کی مدد نہیں کر سکتا۔ آپ اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں سے دین اور دینداری کی باتیں کیا کیجئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نافع ہوگا۔

مسترشد:۔ اُمید ہے اپنے خیالات گرامی سے مستفید فرماویں گے۔ اِس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ اور آخر میں التجا کرتا ہوں۔ کہ برائے مہربانی دعا کیجئے کہ میرے ماں باپ اور جملہ رشتہ داروں اور مسلمانوں کے حال پر اللہ رحم فرمائیں۔ صراط مستقیم پر قائم رکھیں اور ظاہر باطن مسلمان کر دیں آمین۔

حضرة الشیخؒ:۔ آپ کے اور آپ کے والدین و اعزہ کی بہتری کیلئے دعا ہے۔

مسترشد:۔ حضور والا! خدمت میں پہنچنے کو طبیعت بہت چاہتی ہے۔ بد قسمتی کہیئے کہ اگست ۴۷ء سے پیشتر اپنی نااہلی کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔ اور اب خدمت میں پہنچنے کے ظاہر ذرائع مسدود پاتا ہوں۔ خدا کرے کہ حاضر خدمت ہو کر اپنا دین اور دنیا بنا سکوں۔ آمین۔ اگر کوئی طریقہ آپ بتا سکتے ہیں۔ عین عنایت ہوگی۔ ہم تو یہاں آپکی نظر عنایت کے محتاج بیٹھے ہیں۔ خدارا ہمیں بھی اپنی یاد میں رکھیئے۔ گستاخی ہو جائے تو معاف فرمائیے۔ گنہگار ہوں اور گناہ گاری شیوہ ہے۔ لیکن اگر 'مس خام' ہوں تو کیا ہے

'نگاہ کیمیا اثر' اس 'مس خام' کو کندن' اور اس 'خاک مردہ' کو زندگی بخش سکتی ہے۔

اپنی خیریت سے بھی مطلع فرمائیں۔ ملک کی موجودہ فضا کی وجہ سے طبیعت متفکر رہتی ہے۔ ہماری بھی آمدنی کا ذریعہ شملہ میں جائیداد غیر منقولہ تھی جو اب ہمارے ہاتھ سے نکل کر غیر مسلموں کے ہاتھ میں منتقل ہو چکی ہے دعا کریں کہ خدا ہمارا کوئی بہتر وسیلہ رزق کا مہیا کر دے۔ آمین

فقط والسلام

محمد اشرف

حضرۃ الشیخ ۔ آپ پر شملہ میں جو مصیبت پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اوس کے لئے آپ کو صبر دے اور شکر کیجئے۔ کہ مال کا نقصان ہوا، جان تو بچ گئی۔ اور اس سے بڑی چیز ایمان تو محفوظ رہا۔

الحمد للہ خیریت ہے۔ اب آپ دارالقضاء بھوپال کے پتے سے خط لکھیں۔

ہیچمداں سلیمان

۴ محرم ۱۳۶۷ھ / ۱۹ دسمبر ۱۹۴۷ء

مکتوب نمبر ۹

محمد اشرف خان۔ پشاور
۱۵-۷-۴۸

مسترشد :۔ بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام سید صاحب دام ظلکم و مدفیوضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیز مکرم، ادام اللہ توفیقکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :۔ اس ناکارہ کا حضرت والا سے تعلق تقریباً پانچ سال ہوئے بذریعہ خط قائم ہوا۔ اور آنجناب خطوط کے ذریعے ہدایات دیتے رہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ مجھے یاد ہے۔

مسترشد :۔ اور میں باوجود اپنی تمام گمراہیوں اور نفس کی سرکشیوں کے ان ایمان آفریں ہدایات پر کچھ نہ کچھ عمل کرنے کی کوشش کرتا رہا اور کر رہا ہوں اگرچہ میری بدقسمتی ہے۔ کہ ان ہدایات کی کامل پابندی نہیں کرسکا۔ لیکن خدا کا فضل واحسان اور آپکی نظر عنایت ہے۔ کہ کافی فائدہ محسوس کرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

مسترشد :۔ کلمہ اللہ، کا ذکر تین ہزار دفعہ، اللہ کے حاظر ہونے کا مراقبہ بھی باقاعدہ کرتا ہوں۔ دیگر مسنونہ اوراد بھی کرتا رہتا ہوں۔ اور خدا کا احسان ہے، کہ اکثر ارادی یا غیر ارادی طور پر اللہ کا ذکر ہر وقت جاری رہتا ہے۔ دیگر فرائض و واجبات وسنن کی پابندی کی بھی حتی المقدور کوشش کرتا ہوں۔

لغویات سے بچنا چاہتا ہوں۔ لیکن باوجود گناہ سمجھنے کے ابھی تک شکل و صورت کی عام برائی کو نہیں چھوڑ سکا۔ ایک دفعہ کوشش بھی کی لیکن نفس نے اس دھوکے سے کہ یہ ریاکاری ہے۔ پھر اس گناہ میں مبتلا کر دیا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ نظر کی حفاظت ریا سے بھی ہو تو بہتر ہے۔

مسترشد :۔ حضرت والا! شریعت میں داڑھی کی کیا مقدار ہونی چاہیئے چار انگشت ضروری ہے یا چہرے کی مناسبت سے ہونی چاہیئے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ایک مشت (مٹھی بھر) ضروری ہے۔

مسترشد :۔ خدمت میں حاضر ہونے کو بہت جی تڑپتا ہے۔ لیکن سفر کی مشکلات و بُعد مجبور کر دیتا ہے۔ مغربی پنجاب گورنمنٹ نے اسلامک اکیڈیمی کی جو تجویز بنائی ہے۔ ان کے تشکیل کرنے والے والے ارکان میں آپ کا نام نامی بھی ہے۔ اگر اس سلسلے میں یا کسی اور وجہ سے آنجناب کا مغربی پاکستان کے کسی حصے میں مستقبل قریب میں آنے کا ارادہ ہو۔ تو اس دور افتادہ کو مطلع کریں کہ خدمت میں حاضر ہو کر قلب و روح کو منور کر سکوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی وقت ملے گا۔

مسترشد :۔ 'بیعت' کرنے کا بھی کامل ارادہ ہے۔ اسکی کیا صورت کیجائے

حضرۃ الشیخؒ :۔ 'بیعت' خط سے بھی ہو سکتی ہے۔

مسترشد :۔ گذشتہ چار پانچ ماہ سے' پنے اس لادینی ماحول سے کچھ دن نکال کر نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور اپنی اصلاح کی نیت سے مولانا الیاس کاندھلویؒ کی مبلغین کی جماعتوں کے ساتھ جاتا ہوں۔ دینی کافی

فائدہ محسوس ہوتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس صحبت کو جاری رکھیئے۔

مسترشد :۔ اپنے میں جو سب سے بڑی کمزوری مجھے نظر آتی ہے وہ پختہ ارادے کا فقدان، استقامت کا نہ ہونا اور عدم جرأت ہے۔ اور اسی وجہ سے جلد دوسروں سے مرعوب ہو جاتا ہوں۔ بعض اوقات کسی چیز میں اپنا نقصان صاف نظر آتا ہے۔ لیکن مروت کہیئے یا عدم جرأت دوسروں کے کہنے پر اس کا رد کرنا تو کجا، وہ کام کر گزرتا ہوں جس کی وجہ سے دینی یا دنیاوی نقصان میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ برائے مہربانی اس کا کوئی علاج بتائیے۔ کہ میری کئی برائیوں کی بنیاد میری یہ حد سے بڑھی ہوئی نرمی ہے۔ کہ کہتا ہوں کوئی ناراض نہ ہو جائے۔ اس لئے وہ کام کر گذرتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ پختہ ارادہ عزیمت سے پیدا ہوتا ہے۔ عزیمت کیجئے جس طرح آپ کو کہیں ریل سے جانا ہوتا ہے تو کیسے جاتے ہیں۔

مسترشد :۔ برائے مہربانی میری معاشی فراخی کے لئے بھی دعا کیجئے۔ ہماری شملہ میں جائداد تھی۔ جو گذر اوقات کا ایک ظاہر ذریعہ تھی۔ گذشتہ فسادات کے بعد وہ جاتی رہی۔ ابھی تک تبادلہ نہیں ہوا۔ اللہ مسبب الاسباب کوئی معاش کا بغیر کسی کی احسان مندی کے ذریعہ بنا دیں۔ کہ بعض اوقات پریشانی ہو جاتی ہے۔ جو توکل کے خلاف ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دلی دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر خالص توکل نصیب فرمادیں اور ہماری دینی و دنیوی حاجات کا خود تکفل فرماکر ہمیں اپنے دین کے کاموں کے لئے چن لیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ زیادہ خیریت ہے اور خداوند کریم سے دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اور آپ کی ہدایت سے ہمیں کامل طور پر مستفید فرمادے۔ میری اصلاح کے لئے جو مناسب سمجھیں تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ صرف تمنا سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ عمل کیجئے۔ فرائض پر عامل ہوں اور نوافل کو بھی ادا کرنے کی کوشش کریں۔ تہجد کا اہتمام کریں۔

مسترشد :۔ اور میرے متعلقین کی اصلاح کے لئے بھی دعا کیجئے کہ اللہ تمام مسلمانوں کے ساتھ میرے خویش و اقارب والدہ اور بہن بھائیوں کو بھی دین کا کامل تابع بنادے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

فقیر ہیچمدان۔ سید سلیمان

مسترشد :۔ یہاں اب ہندوستان کے ٹکٹ یا لفافے نہیں ملتے۔ اس لئے مستقبل میں جواب کے لئے ٹکٹ یا لفافے ڈالنے کے متعلق حیرانی ہے۔ والسلام

نظر عنایت کا طالب۔ محمد اشرف

پشاور ۱۹؍ستمبر ۴۸ء

مکتوب نمبر ۱۰

مسترشد :- بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام سید صاحب دام ظلکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

حضرۃ الشیخؒ :- عزیز مکرم وفقکم اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :- خاکسار کے عریضہ کے جواب میں آنجناب کا موعظت نامہ کئی روز ہوئے مل کر باعثِ ترقیِ ایمان ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر ہمیشہ کے لئے قائم رکھے تاکہ ہم جیسے ناکارہ آپ سے فیض حاصل کر سکیں۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بیعت غائبانہ بھی ہو سکتی ہے۔ عاجز اس غائبانہ بیعت کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے اور انشاء اللہ وقت آنے پر حاضرِ خدمت بھی ہوگا۔ گذشتہ بتائے گئے طریقوں کی حتی المقدور پابند ہوں اور فائدہ محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ظاہراً اور باطناً اسلام کا صحیح اور کامل نمونہ بنا دے آمین

برائے مہربانی بیعت کی شرائط تحریر فرمائیں۔ انشاء اللہ العزیز بندہ پوری طرح ان پر کاربند رہنے کی کوشش کرے گا۔ اُمید ہے۔ کہ اس گنہگار کو اپنے حلقۂ ارادت میں قبول فرما کر میری نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ اور نا اُمید نہ فرماویں گے۔ اللہ سے اُمید ہے۔ کہ آپ جیسے بزرگوں کی کیمیا اثر نگاہ سے یہ ہیچکارہ بھی کسی قابل ہو جائیگا۔ اس دورِ حوادث و فتن میں جب کہ قدم قدم پر ہم جیسے کمزور ایمان اشخاص کے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں۔ بزرگوں کا سایہ ایک بڑی نعمت ہے اور ممکن ہے کہ "کسی" کی نسبت کیوجہ سے ہی اللہ ایمان پر خاتمہ کر دیں۔

احب الصلحین ولست منھم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

حضرۃ الشیخؒ :- آپ اپنے معمولات میں مصروف رہیں۔ پھر بیعت کی خواہش کریں چنانچہ جب آپ کو اپنے معمولات کی طرف سے اطمینان ہو جائے تو ایک خط میں یہ خواہش ظاہر کریں کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتا ہوں تو پھر میں بیعت انشاء اللہ تعالیٰ لے لوں گا۔

مسترشد :- آخر میں تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور اپنے پیارے بندوں کے صدقے اسلام اور مسلمانوں کو ہر جگہ کامیاب کرے اور اسلام اور اس کے آثار کو مٹنے سے بچالے۔ آمین

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

فقیر ہیچمدان سلیمان

۱۴ ر ذیقعدہ ۱۳۶۷ھ

مکتوب نمبر ۱۱

محمد اشرف خان

۱۰ روس کیپل لین۔ پشاور کینٹ ۸۶ء

۵۰-۱۲-۲۱ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

مکرمی ومعظمی وسیدی ومولائی حضرت مکرم مدفیوضکم ودام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت الشیخؒ :۔ عزیز سعید ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

مسترشد :۔ ایک دور افتادہ ناکارہ وحقیر طالبِ نگاہِ لطف کا ہدیۂ تبریک حرمین شریفین کی بابرکت زیارت سے واپسی پر قبول فرمائیں۔

حضرت الشیخؒ :۔ مبارکباد کا شکریہ

مسترشد :۔ اللہ رب العزت ان فیوض وبرکات کو جو ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے حضرت والا پر افاضہ کئے گئے۔ تمام عالم کو مستفید فرماوے اور قیامت تک فیوض الحرمین کے اس چشمہ سے لوگوں کو نفع پہنچانے کے اسباب بہم پہنچاوے۔

حضرت الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کا صحیح مستحق مجھے بنادیں۔

مسترشد :۔ اِس بندہ محتاج وحقیر کو جس کی زندگی حضرت کی کیمیا اثر نگاہ سے اللہ کی عنایات کا موردبنی کامل ومکمل طور پر فائدہ اٹھانے کی صلاحیت

بخشے۔ گویا اہلوں کو اہلیت بخشا اور ناکاروں سے کام لینے کا جب ارادہ فرمایا جاتا ہے۔ تو اپنے مخلص بندوں ہی کو متوجہ کرا دیا جاتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- حضرت والا ! یہ ناکارۂ خلائق جسے بالمشافہ حاضری کا کبھی شرف حاصل نہیں ہوا۔ آپ سے تقریباً سات سال کا عرصہ ہوا خط وکتابت کے ذریعے مستفید ہونا شروع ہوا تھا۔ تحدیث نعمت اور اعتراف احسان نوازی کے طور پر معروض خدمت ہے (اللہ اعجاب نفس، اور شیطان کے فتنہ سے تادم آخر محفوظ رکھے) کہ وہ درماندہ انسان جس نے میٹرک تک کے پاس کرنے تک قرآن کریم بھی نہیں پڑھا تھا۔ آج اللہ کے فضل وکرم سے ایسے ماحول میں کہ دینی تعلیم کا عام شغف نہ ہو۔ صحاح کی اکثر عربی میں کتابیں پڑھ چکا ہے۔

آپ کی ہدایات کے مطابق ذکر وشغل کا سلسلہ جاری ہے اگو "اللہ" کا ذکر تسبیح پر صرف تین ہزار مرتبہ ہی کرتا ہوں۔ لیکن اللہ کی محض لطف وعنایت اور آپ کی توجہ کا اثر ہے کہ عموماً کوئی وقت ذکر یا متعلقات ذکر سے خالی نہیں جاتا۔ الاماشاء اللہ وذالك فضل اللہ علی والحمد للہ علی ذالك ولہ المنۃ ۔ اوراد مسنونہ اور دعوات ماثورہ اکثر اپنے اوقات پر، مناجات مقبول کی ایک منزل قرآن کریم آدھا سپارہ یا پاؤ سپارہ ترجمہ کے ساتھ، اور دینی تعلیم کے لئے کچھ وقت عموماً اللہ رب العزت روزانہ مہیا کروا دیتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کے موجودہ حالات کو سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ دعا ہے

کہ اللہ پاک مزید فیوض سے آپ کو سرفراز کریں

مسترشد:۔ مولانا الیاس کاندھلویؒ کے طرز تبلیغ میں بھی بعض اوقات مبلغین کے ساتھ شامل رہتا ہوں۔ ہفتہ میں ایک دو راتیں ان مخلصین کے ساتھ گذر جاتی ہیں۔ جو باطنی فائدے کا سبب ہیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ اچھا ہے۔

مسترشد:۔ عمومی زندگی میں بھی اللہ جل وعلیٰ کے چاہنے سے یہ ناپاک ناکارہ ہر بات میں (جب تک اللہ کی توفیق شامل حال رہے) گناہوں سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے۔ اور یہ خاص اس کا کرم اور عنایت ہے کہ گو سراپا خطا ہوں، میری نام نہاد عبادتیں بھی حقیقت میں گناہ ہیں لیکن اکثر لغوی معنوں میں گناہوں سے بچا دیا جاتا ہوں۔ اللھم لا تکلنا الی انفسنا طرفۃ عین واصلح لنا شاننا کلہ، بہرحال نہ عصمت کا دعویٰ ہے۔ نہ تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہوں۔ گناہگار ہوں۔ سراپا خطا ہوں

بے گناہ نہ گذشت بر ما ساعتے ؎ با حضور دل نہ کردم طاعتے

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ کوشش آخر دم تک یوں ہی جاری رہے۔ ورنہ شیطان تاک میں رہتا ہے۔

مسترشد:۔ صرف احسان شناسی اور تحدیث نعمت کے طور پر رقم طراز ہوں۔ اور یقین کرتا ہوں کہ اس ناکارۂ خلائق پر یہ آپ کی نظر عنایت کا اثر ہے کہ یہ عنایتیں ہو رہی ہیں۔ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ کریم پوری زندگی ظاہراً و باطناً قالباً و قلباً اپنی مرضیات کے مطابق ڈھال دیں۔ اور آخر سانس تک اپنے فکر و مرضیات میں لگائے رکھیں۔

حضرۃ الشیخؒ ؛ آمین

مسترشد ؛۔ جہاں تک احوال باطنی کا تعلق ہے گو اخلاص سے اپنے کو کورا پاتا ہوں لیکن عنایتِ خداوندی کی دستگیری بہر حال رہتی ہے بعض اوقات ذات کو چھایا پاتا ہوں۔ حضور کا تصور بھی اکثر چھا جاتا ہے بعض اوقات اپنے سے گم ہوتا ہوں۔ انوارات الٰہی کے نزول کو محسوس پاتا ہوں۔ پہلے مراقبوں میں اکثر کشف ہو کر بعض آئندہ ہونے والے واقعات متمثل ہو جاتے تھے۔ قلب میں بھی کچھ ڈال دیا جاتا تھا۔ اب عموماً اللہ کی مہربانی سے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ بعض صحابہ کرام اور (جہانتک میرا غالب گمان ہے کہ میں یوں سمجھتا ہوں) دو مرتبہ سرور عالم روحی فداہ صلعم کی زیارت ہوئی ہے۔ اگر ارشاد ہو تو تعبیر کے لئے خواب تحریر کر دوں۔ اللہ کا فضل و عنایت ہے کہ اللہ اس بے علم کے قلب میں ڈال کر بعض اوقات لساناً یا تحریراً وہ علمی باتیں کہلوا دیتا ہے۔ جس کا اپنے کو اہل نہیں پاتا۔ الھم زدنا ولا تنقصنا اکرمنا ولا تھنا ولا تکلنا الی انفسنا طرفۃ عین ، تہجد اگر قضا ہو جائے تو دن میں دُہرا لیتا ہوں۔ حضرت والا ! اپنے حالات کچھ تحریر کر دیئے ہیں خدا کی قسم کبر و عجب سے خوف کھاتا ہوں۔ خدا مجھے میرے نفس کی شرارتوں سے ہلاک نہ کر دے۔ آمین !

حضرۃ الشیخؒ ؛۔ آپ نے تحدیث نعمت کے طور پر جو حالات اپنے لکھے ہیں وہ سب محمود ہیں۔ اور ان پر حق تعالیٰ کا جو محسن حقیقی ہیں اکثر شکریہ ادا کیا کیجئے۔ ورنہ ذرا سے غرور و تکبر اور اپنے نفس کی طرف نظر

رکھنے سے سارا کیا کرایا خاک میں مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شرور سے محفوظ رکھیں، ہمیشہ تواضع، صغر نفس اور فنا کا خیال غالب رہے اور ہر وقت یہ سمجھئے کہ جو کچھ ہے وہ اس بے استحقاق پر محض اون کا کرم ہے۔ ورنہ کچھ نہیں ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ کشف والہام وغیرہ محض محمود ہیں مقصود نہیں ان باتوں کو قرب الٰہی میں کوئی دخل نہیں قرب الٰہی ایمان وعمل صالح کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے دوام ذکر اور کثرت اعمال صالحہ کی فکر میں رہنا چاہیئے۔ نماز کا کیا حال ہے۔ اوس میں یکسوئی اور خضوع وخشوع اور نماز میں جماعت کی پابندی اوقات مسنونہ کی پابندی اور اتباع سنت کا شوق کہاں تک ہے۔

مسترشد: اس سے پیشتر آپ کے حج شریف جانے سے پیشتر ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا۔ لیکن اس کا جواب اغلباً ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے نہ مل سکا۔ والخیر فی ما وقع۔

حضرت الشیخ:۔ آپ کا خط یا تو ملا نہیں یا اوس کا جواب یہاں سے جو گیا وہ آپ تک نہیں پہنچا۔

مسترشد:۔ اس سے پیشتر آپ نے تحریر کیا تھا کہ،

"تمہیں اپنے معمولات پر اطمینان ہو جائے تو بعیت لے لونگا"

حضرت والا! اپنے نفس پر کس طرح اطمینان پاؤں، ہر وقت ہلاکت کا خوف ہے۔ اور واللہ اس میں اصلاً تکلف نہیں۔ شیطان اس راہ سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے کہ گمان تک نہیں ہوتا۔ گو اللہ کی رحمت شامل حال رہتی ہے۔ تاہم گنہگار ہوں۔ اپنے نفس سے مطمئن نہیں ہوں۔

گو ذات پر یقین ہے کہ وہ اپنے رحمت خاصہ سے اس فقیر کو محروم نہیں فرماویں گے۔ انی افتقرت الی رحمۃ ان رحمتہ اوسع من ذنوبی، بہرحال حالات کچھ تحریر فرما دیئے ہیں۔ اگر بیعت کے قابل سمجھا جاؤں۔ تو زہے نصیب ورنہ ہر حال میں خصوصی طور پر نگاہ التفات کا محتاج ہوں۔ اُمید تھی کہ ممکن ہے۔ پاکستان میں تشریف لے آویں تو ہماری بگڑی بھی بن جاوے۔ لیکن جو اللہ کی حکمت چاہتی ہے۔ وہی ہوتا ہے۔ گذشتہ ہفتہ میں دو مرتبہ خواب میں آپ کے نیاز حاصل ہوئے کل 'معارف' سے معلوم ہوا کہ آپ بھوپال تشریف لے گئے ہیں کہ ہم اس آس میں لگے بیٹھے تھے کہ آپ یہاں تشریف لائیں گے۔ پھر بھی خواب میں یہی دکھایا گیا۔ کہ آپ پشاور آئے ہوئے ہیں پرسوں آپ کے متعلق مراقبہ میں کہا گیا۔ کہ اس حقیر کو صحبت سے نوازیں گے، اس قدر طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ ایک عرصہ کے بعد نیاز کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر اتنا کثیر وقت آپ کا صرف کر دیا تو مراحم کریمانہ سے اُمید عفو رکھتا ہوں۔ آخر میں بصد عاجزی مدعا نگار ہوں کہ خدارا چشم کرم کو ہم سے نہ پھیرئے۔ خصوصی توجہات کا اس دور افتادہ کے قلب کو مرکز بنایئے۔ آپ کی عنایتوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور طالب ہوں کہ اللہ سے میرے لئے، میرے رشتہ داروں، احباب اور متعلقین کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ رب العزت اپنے رنگ میں رنگ دے۔ اور اپنے صدقے میں رسول اللہ صلعم کا کامل اتباع قلباً و قالباً جسداً و روحاً نصیب فرمائے۔ کامل اخلاص، کامل توفیق بندگی عطا فرماوے، دنیاوی

حاجات کا تکفل فرمادے آسانی کا معاملہ ہم ضعیفوں سے کرے۔ اور کامل ایمان پر خاتمہ کرے۔

حالات کی نگارش میں کمی بیشی کی معافی اللہ سے چاہتا ہوں اور آپ سے بھی دعا کا طالب ہوں۔ مکرمہ والدہ ام بھی سلام لکھواتی ہیں اور خصوصی دعا کی طالب ہیں۔ جواب کے لئے خالی لفافہ ارسال خدمت ہے کہ ہندوستان کے ٹکٹ نہیں ملتے۔ بیرنگ ہی بھیج دیں۔

فقط والسلام

محتاج و دور افتادہ، نگاہ خصوصی کا طالب

محمد اشرف عفی اللہ عنہ

[حضر]ۃ الشیخ رحمۃ اللہ علیہ:۔ میں بیعت میں آپ کو لینے کو تیار ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس سے مجھے اور آپ کو فائدہ پہنچائے۔

آپ کو جب یہ خط ملے تو بعد نماز مغرب یا جس وقت آپ کو طمانیت ہو اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز تنہائی میں نماز توبہ کی نیت سے پڑھیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔ اور اوس کے بعد یہ کلمات اپنی زبان سے ادا کریں۔ اور پھر مجھے اپنا پورا حال لکھیں۔ کہ کیا ہوا۔ اور کیسے ہوا۔ کلمات یہ ہیں:

"اے اللہ میں تیری طلب میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی کا ہاتھ اون کے مجاز سلیمان ندوی کے واسطہ سے پکڑتا ہوں۔

اور اپنے کو سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں ان کے ذریعہ سے داخل کرتا ہوں۔ اے پاک پروردگار مجھے اس راہ پر قائم

رکھ اور صراط مستقیم پر لے چل اور بہکنے نہ دے۔ اے
اللہ اپنے احکام کا تابع بنا اور اپنے رسول کا متبع کر۔ اور
اپنی محبت اور خشیت میرے دل میں ڈال اور اے پروردگار
اس سلسلہ کی برکات سے مجھے مستفید فرما۔"

اول و آخر نماز والا درود پڑھ کر ختم کریں۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کا شجرہ مناجات مقبول میں موجود ہے، درود اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور الحمد پڑھ کر اس کا ثواب حضرت مولانا اشرف علی اور بزرگان سلسلہ کو بخشیں۔

والسلام

ہیچمدان سلیمان

۷، ربیع الثانی ۱۳۶۹ء

از بھوپال

مکتوب نمبر ۱۲

قیپاذر / یکم فروری ۱۹۵۰ء

۷۸۶

مسترشد:۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

میری ساری عمر کا حاصل وہ تیری اک نظر!

جس نے دنیا ہی بدل دی عشق کی میرے لئے

مکرمی ومعظمی سیدی و مرشدی حضرت اقدس مدفیوضکم و دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ عزیز محترم اسعدکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اس محتاج و بیچارہ کے عریضہ کے جواب میں آنجناب کا حیات بخش ہدایت نامہ محررۂ ۷ ربیع الثانی ۶۹ھ مل کر باعثِ ترقی ایمان و رشد ہوا۔ اللہ رب العزت آپ حضرات کا سایہ تربیب ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آئندہ سے آپ خط میں دو کالم بنالیں ایک میں اپنا حال لکھیں اور دوسرا جواب کے لئے خالی چھوڑ دیں۔

مسترشد:۔ یہ حقیر درماندہ اللہ کریم کے کس کس فضل و احسان کا شکریہ ادا کرے۔ کہ اپنے میں اس کے ایک ذرہ کی بھی قوت نہیں پاتا اور قوت کہاں سے پائے۔ کہ گنجینۂ قوت بھی وہی ذات متعال ہے۔ بہرحال یہ اسی کا کرم و نوازش ہے۔ کہ اس گنہگار کی ہدایت کے لئے حضرت والا کو متوجہ فرما کر ظاہری اسباب و ہدایت کا ایک ذریعہ کھولدیا۔ اور اس سلسلۃ الذہب سے منسلک کردیا۔ جبر۔ سد

لاکھوں نے فیض پائے۔ اس جواد کریم کی بخشش سے اُمید ہے کہ اس سراپا خطا و عصیان کو بھی محروم نہ فرمائے گا۔ وھو الھادی والیہ قصد السبیل آپ کی اس کرم فرمائی و ذرہ نوازی کے شکریہ کا یقیناً نہ تو حق ادا ہو سکتا ہے اور نہ اپنے آپ کو اس کا اہل پاتا ہوں۔ لیکن بہت دفعہ اس کی کرمی نفسی گمراہوں کو ہدایت بخش دی اور صحراؤں کو دریا کر دیا۔

نوبہارا حسنِ گل دہ خار را ⁂ زینت طاؤس دہ این

حضرۃ الشیخؒ :- آپ نے وقت بیعت کا جو حال لکھا ہے وہ محمود ہے۔ تفصیل آگے آتی ہے

مسترشد :- آپ کے اس بندہ عاجز کو اپنے حلقۂ ارادت میں قبول فرمانا حقیقت میں میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اِس بارِ گراں کے حقوق کی ادائیگی آسان فرمائے اور اپنے قرب سے نواز کر اپنے اوامر کا ظاہراً و باطناً تابع فرمادے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ اس کے فیض سے مجھے اور آپ کو دونوں کو سرفراز فرمائیں۔

مسترشد :- آپ کی ہدایت کے مطابق اس بندۂ عاصی نے دو رکعت نماز نفل تو بہ پڑھ کر وہ الفاظ جو آپ نے بیعت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے ہیں۔ پڑھے۔

حضرۃ الشیخؒ :- میں نے آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت مرشدی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے داخل کر لیا۔ اور بیعت کر لیا، اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو ہم دونوں کے لئے فائدہ مند بنائیں۔

مسترشد :- جس وقت یہ الفاظ

اے اللہ میں تیری طلب میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی

کا ہاتھ ان کے مجاز سلیمان ندوی کے واسطے سے پکڑتا ہوں۔"

پڑھے۔ تو ایسا محسوس ہُوا گویا اس حقیر کے یہ ہاتھ اللہ سبحانہٗ وتقدس کے ہاتھ کو پکڑ رہے ہیں۔ اور ذات متعال کے غیر مرئی ہاتھ کو چھو رہے ہیں۔

(سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون ولہ الکبریا فی السمٰوٰت والارض)

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ نے خدا کا ہاتھ محسوس فرمایا۔ بیعت کی یہی حقیقت مثال ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الایۃ)"

مسترشد:۔ اس کے بعد ایسا محسوس ہُوا گویا قلب عاصی کا تعلق ایک بہتے چشمہ سے کر دیا گیا۔ (واللہ اعلم بحقیقت الامور)

حضرۃ الشیخؒ:۔ چشمہٗ جاری عمل خیر سے عبارت ہے جیسا کہ حدیث میں ذلک عملہٗ

مسترشد:۔ اس کے بعد جب الفاظ پڑھ چکا تو غنودگی میں دیکھتا ہوں کہ میری پرانی ٹوپی اتار کر ایک دوسرے شخص کی ٹوپی میرے سر پر رکھ دی گئی ہے۔ اور تعریف کی جا رہی ہے کہ یہ ٹوپی تمہیں زیادہ اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ اس پر میری زبان پر دعائے ماثورہ اللھم احسنتَ خَلْقِیْ فَاحسِن خُلُقِیْ جاری ہوگئی۔ حضرت والا اس وقت کے کچھ یہ ہی حالات ہیں جو آپ کے امر کے مطابق لکھ دئے گئے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ قدیم صوفیہ میں یہی رواج تھا کہ مرید ہوتے وقت شیخ اپنی کلاہ مرید کو عنایت کرتے تھے۔

مسترشد:۔ آپ نے نماز وغیرہ کی بابت پوچھا ہے۔ مرشدِ مکرم! اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ حالات کی نگارش میں کمی وبیشی کی وجہ سے پکڑ نہ لیا جاؤں۔ یا جو احوال لکھتا ہوں

اخلاص وحقیقت اصلی کی فوتیدگی کی بنا پر نفاق وکذب کا مرتکب نہ ہو جاؤں بہرحال

اس درماندہ وفقیر کا کیا ہے جو کچھ ہے کسی کی عنایتیں ہیں

ماکیم اول توئی، آخر توئی   ایں ہمہ عکس تست ایں ہم توئی

حضرۃ الشیخؒ:۔ احوال کے بیان میں ہمیشہ صحت وصدق کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ورنہ غلط یا مبالغہ سے لکھنا ایسا ہی ہے جیسا جھوٹا خواب بیان کرنا۔

مسترشد:۔ نماز میں کیفیات مختلف رہتی ہیں۔ گو اللہ رب العزت کے خاص احسان وعنایت سے ظاہراً خضوع وخشوع کی حالت طاری ہو کر جسم وپوست نرم ومنقاد ہو جاتا ہے۔ لیکن اندرون میں کامل اس کیفیت کا استحضار محسوس نہیں کرتا۔ قرأت میں کبھی اُن سے پڑھتا ہوں۔ کبھی صفات میں فکر اور ذات کے حضور کی وجہ سے مضمون سے ذہول ہو جاتا ہے۔ لیکن طبیعت کو ادھر اللہ چاہے تو لے آتا ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ نماز میں کیفیات کا مختلف ہونے میں کچھ حرج نہیں۔ یہ احوال ہیں۔ اور احوال بدلتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک دن استقامت بھی عنایت فرمائیں گے۔ اسی کا نام مقام ہے۔

مسترشد:۔ بعض اوقات وساوس وخطرات بھی وارد ہوتے ہیں۔ لیکن جل شانہٗ کی رحمت سے جلد دور ہو جاتے ہیں۔ بہرصورت جو اخلاص وبندگی کا حق ہے اس سے قطعاً کورا ہوں۔ خداوند کریم مخلصین کے صدقے کامل اخلاص وکامل بندگی نصیب فرمادے آمین۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ وساوس کا واقع ہونا مضر نہیں۔ چور وہیں آتے ہیں جہاں دولت ہوتی ہے شیطانی وساوس آنے کو بھی ایسا ہی سمجھا جائے۔ اور ان کی طرف سے ذہن کو پھیر

کو اللہ تعالیٰ کی طرف کر لیا جائے۔ عدم التفات ہی اس کا علاج ہے۔

مسترشد:۔ جماعت کی پابندی کی بھی کوشش کرتا ہوں۔ فوت ہو جائے۔ تو رنجیدگی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کے احسان و کرم سے رسول اکرم روحی فداہ صلعم کے اتباع کا شوق بہت حد تک راسخ کر دیا گیا (ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا) عادات و اطوار میں بھی وہی ادائیں بھاتی ہیں۔ نفس کے شرور سے ڈرتا ہوں۔ ورنہ ذات کریمی کی کوئی خاص عنایت ہے کہ اب تو فطرتاً وہی چیزیں بھانے لگی ہیں۔ جو محبوب عالم صلعم کو پیاری تھیں۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ ولا تنزع مناصالح ما اعطیتنا

حضرۃ الشیخؒ:۔ جماعت کی پابندی ضروری ہے کہ اس کا اہتمام رہے۔ اب معلوم نہیں آپ تہجد اور نوافل اوابین، ۶ رکعت بعد سنت مغرب اور ۴ رکعات اشراق جب آفتاب کچھ نکل کر بلند ہو جائے۔ تہجد میں ۶ رکعات سے ۱۲ رکعات تک نصف شب کے بعد پڑھتے ہیں یا نہیں۔

مسترشد:۔ اس ذات کریم وجواد کی بے پایاں عنایتوں کا تذکرہ امتثال امر کے طور پر کر دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت جھوٹ و نفاق، ریا و کبر، اعجاب نفس و جملہ شرور سے محفوظ فرمائے۔ اور ہمارے اعمال کی پاداش میں عطا کردہ نعمتیں نہ چھینے۔

(ربنا زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تحرمنا)

حضرۃ الشیخؒ:۔ آمین

مسترشد:۔ آخر میں قلب کی اندرونی گہرائیوں کے عجز و نیاز سے مدعا نگار ہوں۔ کہ کیمیا اثر توجہات سے بندے کو محروم نہ فرمادیں۔ اور خصوصی دعاؤں میں یاد رکھیں

اللہ مجھے میرے متعلقین و محبین اور جملہ مسلمانوں کی تمام حاجتوں کا تکفل فرماتے ہوئے اپنی مرضیات کے ڈھانچے میں ظاہراً و باطناً ڈھال دے۔ فقط والسلام

نظر عنایت کا طالب

فقیر بینوا

محمد اشرف

حضرۃ الشیخ :۔ آمین

آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۱۳

پشاور

مسترشد:۔ بخدمت اقدس حضرت سیدی و مرشدی سید صاحب دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رح:۔ محب عزیز ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ اُمید ہے حضرت والا بعافیت ہوں گے۔ جناب والا سے جب سے شرف بیعت حاصل ہوا ہے۔ احقر کے حالات میں کوئی خاص تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ گزشتہ معمولات پر حتی الوسع عمل پیرا ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ بحمد اللہ تعالیٰ کہ آپ نے اپنے جو حالات پہلے لکھے تھے اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ معمولات پر پابند ہیں۔ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی پر نظر رہے۔

مسترشد:۔ حالت کبھی پست ہوجاتی ہے۔ اور کبھی کیفیات بڑھ جاتی ہیں۔ حضرت والا گناہوں سے کامل دستگاری کس طرح حاصل ہو۔ اور احکام الٰہی پر ثبات و کیفیتِ احسان کا استحضار کس طرح میسر آئے اور استقامت کس طرح نصیب ہو۔ نماز میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے گو حضور اور الفاظ و معانی کا عموماً استحضار رہتا ہے۔ لیکن ماسوا سے کامل ذہول اور اپنی نفس سے پوری بھول میسر نہیں آتی۔ کبھی ایک کیفیت سے ادا کرتا ہوں۔ کبھی دوسری کیفیت سے۔

حضرۃ الشیخؒ :- کیفیات احوال ہیں۔ وہ یکساں کبھی نہیں رہتیں۔ یوں ہی بدلتی رہتی ہیں۔

سعدیؒ کہتے ہیں۔

بگفت احوالِ ما برقِ جہاں است ❊ گہے پیدا و دیگر دم نہاں است

اگر درویش بر حالے بماندے ❊ سر و دست از دو عالم بر فشاندے

مرتبہ اِحسان یہ ہے کہ اعمال اس طرح ادا ہوں جیسے مزدور مالک کے حضور میں کام کرتے ہوں

مسترشد :- حضرت والا نے اپنے ایک موعظت نامہ میں تحریر فرمایا تھا۔

" ہمیشہ تواضع ،صغر نفس اور فنا کا حال غالب رہے۔ "

گو اپنی طرف سے اپنے کو حقیر جانتا ہو۔ لیکن جیسا کہ حسن بصری کا قول ہے کہ ہر ملنے والے سے اپنے کو ادنیٰ جاننے کا نام تواضع ہے۔ یہ کیفیت قلب میں راسخ نہیں ہوئی۔ اگر ظاہر میں تواضع کرتا بھی ہوں۔ لیکن قلب کی گہرائیوں میں حقیقت تواضع نہیں پاتا۔ ظاہراً بعض حضرات کے اعمال اچھے نہیں ہوتے۔ ان کی قدر کس طرح قلب میں پیدا کی جائے۔ شیطان دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ دوئم۔ اپنے فنا کے متعلق تحریر کیا ہے کہ اس کا حال ہر وقت غالب رہے۔ اس کا کیا مدعا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ تواضع اختیار کریں اور اپنے عیوب اور نقائص پر نظر رکھیں۔ اور دوسروں کے کمالات پر، شیطان دھوکا نہ دیگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ

مسترشد :- بعض اوقات ذاتِ متعال کو چھایا پاتا ہوں اور اپنے سے گم ہو کر ذات کے ہاتھوں میں اپنے کو آلہ محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ حالت کبھی کبھی

ہوتی ہے۔ اسے دوام حاصل نہیں۔ کیفیت فنا کا دوام غلبہ کس طرح حاصل ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- ابھی یہ کیفیت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مقام بھی عنایت فرمائے گا۔ کام میں لگے رہیئے۔

مسترشد :- (گریہ) رونا عموماً میسر نہیں آتا۔ اگر کبھی گریہ و رقت طاری بھی ہوتی ہے تو مجالس تبلیغ و حلقہ ہائے درس و ذکر وغیرہ میں طاری ہوتی ہے۔ خلوت میں شاذ ہی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ تنہائیوں میں خوف و ذوقِ الٰہی میں رونا کس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- گریہ محمود ہے۔ لیکن اگر تنہائی میں اپنے گناہوں اور تقصیروں پر گریہ نہ آئے تو کچھ حرج نہیں۔ اصل شے افسوس اور ندامت اور آئندہ اون سے احتراز کا عزم۔ یہی توبہ کی حقیقت ہے

مسترشد :- پچھلے کچھ عرصہ سے بعض اوقات رسول اللہ صلعم کی ملاقات و زیارت روضہ اقدس کا شوق بے قرارانہ طاری ہو جاتا ہے۔ گو ظاہری اسباب میسر نہیں لیکن زیارت حرمین کا خیال بھی آتا ہے۔ توجہ سے زیادہ خدمتِ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ پاتا ہوں۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات یہ خیال دماغ پر مستولی ہو جاتا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام سے تزکیہ و استفادہ اتنے بعد کے باوجود میسر آسکتا ہے۔

برائے مہربانی تحریر فرمائیں۔ کہ سرور کائنات روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فعل تزکیہ کیا ہنوز حضور علیہ السلام کی ذات اقدس سے جاری ہے۔ اور کیا اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ ممکن ہے۔ اور بعد مکانی

کے باوجود یہ فیض میسر آسکتا ہے۔ یا نہیں، دعا فرمائیں۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور علیہ السلام کا کامل اتباع اور زیارت حرمین شریفین سے مع متعلقین ومحبین کے جلد سرفراز فرماوے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ حال ہے تزکیہ اور تصفیہ تو حضور علیہ السلام کے ارشادات پر عمل کرنے ہی سے ہوسکتا ہے۔

حضورؐ کے فیوض وبرکات ہر وقت جاری ہیں۔ اپنے میں استفادہ کا مادہ ہونا چاہیئے۔ اور اس کی صورت حضور علیہ السلام کی محبت عقلی ہے جس کا مظہر اتباع احکام وسنت ہے۔

مسترشد:۔ مولانا الیاس کاندھلویؒ کے طرز تبلیغ میں کچھ شرکت کے سبب سے اصلاح خلق کا خیال بہت چھا جاتا ہے۔ اور اپنی حالت دیکھ کر طبیعت کڑھتی ہے۔ دل چاہتا ہے۔ کہ اللہ ہمیں دین کے پھیلاؤ کا ذریعہ وسبب بنا دے

حضرۃ الشیخؒ: آمین

مسترشد:۔ حدیث شریف اور قرآن کریم میں جو نفر فی سبیل اللہ، ہجرت الی اللہ اور جہاد کے فضائل آئے ہیں۔ آنجناب سے مستفسر ہوں۔ کہ کیا تبلیغ ودعوت کے سلسلے میں اپنے امکنہ واہل عیال کو چھوڑ کر دین کے پھیلانے کی کوشش پر ان فضائل کی چسپدگی ہوسکتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ فضائل بیان کئے جاسکتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ جی ہاں۔ اس اصلاحِ خلق سے مقصود پس پردہ خود اپنی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ورنہ جو خود پاک نہیں وہ دوسروں کو پاک نہیں بنا سکتا۔

مسترشد :۔ سننے میں آرہا ہے۔ کہ آنجناب پاکستان تشریف لائیں گے۔ کیا اس میں کوئی حقیقت ہے۔ اگر ہم دور افتادہ پر لگا ہے کرم ہوجائے تو زہے نصیب۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جب تک واقعہ واقع نہ ہو۔ واقعہ نہ جانئے۔

مسترشد :۔ باقی جملہ خیریت ہے۔ برائے مہربانی توجہات خصوصی سے اس نکمے کو دور نہ فرمادیں۔ اللہ رب العزت ہمیں ہمارے اعزہ اور جملہ متعلقین ومحبین کو کامل اپنی مرضیات کے سانچے میں ظاہراً و باطناً کامل اخلاص عطا فرماتے ہوئے ڈھال لے۔ اور ہماری حاجتوں کا تکفل فرمالے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو ان مقاصد میں کامیاب فرمائیں۔

مسترشد :۔ میرا معاشی سلسلہ ابھی تک کوئی باقاعدہ نہیں بن رہا۔ جس کی وجہ سے بعض اوقات پریشانی ہوجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں اپنی حالت کا بیان اور کسی سے مشورہ طلب کرنا یا کاروبار کے لئے مدد طلب کرنا تو توکل کے منافی نہیں ہے؟ دعا فرمادیں۔ کہ اللہ قرضوں کو ادا کروادے اور فراخی نصیب فرمادے اور کسی کا محتاج و دستِ نگر نہ کرے۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ہرگز منافی نہیں، طلب رزقِ حلال بندہ پر واجب ہے۔ اس کی تدابیر اختیار کرنا بھی واجب، مگر نظر اللہ تعالیٰ پر رہے کہ وہی رزاق ہیں۔

مسترشد :۔ شملہ میں جو جائداد وغیرہ رہ گئی ہے۔ اس کے ملنے کے لئے بھی دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والدہ اور ہمشیرگان بھی دعا کے لئے عرض کرتی ہیں۔ فقط

طالبِ نظرِ عنایت

احقر محمد اشرف

حضرۃ الشیخ ؒ:- ان سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ مجیب الدعوات قبول فرمائیں۔

والسلام

سید سلیمان

۲۰ رجب ۱۳۶۹ھ

۹ مئی ۱۹۵۰ء

مکتوب نمبر ۳

کراچی چمن سٹریٹ ڈار منزل

مکرم وفقکم اللہ تعالےٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ جی ہاں میں ایک ماہ سے زیادہ سے یہاں ہوں۔ مدت قیام کچھ بتا نہیں سکتا۔ پتہ اوپر لکھا ہوا ہے۔ اپنے حالات سے مطلع فرمائیں۔ فقیر دعا گو ہے۔

والسلام۔

سید سلیمان

۴ شوال ۱۳۶۹ھ

مکتوب نمبر ۱۵

پشاور چھاونی

۱۶-۸-۵۰

مسترشد بخدمت جناب قبلہ و کعبہ ام سیدی و مرشدی سید صاحب دام ظلکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

حضرۃ الشیخ: کراچی جمین اسٹریٹ۔ ڈار منزل

محبی و مخلصی ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مسترشد:۔ آنجناب کا کراچی میں ورود و قیام ہم اہل پاکستان کے لئے انتہائی اطمینان و مسرت کا سبب ہوا۔ اللہ رب العزت آپ کے فیوض و برکات سے ہمیں کامل طور پر مستفید اور آپ کی تعلیمات و ہدایات سے پورے طور پر بہرہ مند فرماوے۔ آمین! اس ہیچکارہ کا ارادہ بھی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا تھا۔ اور ۳ ماہ حال کو یہاں سے روانگی کا ارادہ بھی کر چکا تھا۔ لیکن قضائے ربانی اسے نہیں چاہ رہی تھی کہ گذشتہ ڈھائی ۲½ ماہ سے اس عاجز کی صحت کچھ خراب سی رہ رہی ہے (والحمد للہ علی کل حال) جس تاریخ کا ارادہ کر رہا تھا۔ دفعتہً شدید بخار پھر عود کر آیا۔ بیماری کے اثرات و کمزوری ہنوز باقی ہیں۔ خدمت میں حاضری کے لئے بیتابی ہے۔ دعا فرمادیں۔ کہ اللہ رب العزت جلد سے جلد آپکی خدمت میں حاضری کا موقع نصیب فرمادیں۔ اور اسے میری اصلاح و تزکیہ باطنی کا سبب بنادیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں۔ اپنا جی تو ڈر

ہے کہ مبادا آپ کی ہندوستان کو دوبارہ مراجعت ہوجاوے اور بندہ محتاج فیض سے محروم رہ جاوے۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ آپ کی ملاقات نہ ہوسکنے کا افسوس ہے۔ معلوم نہیں یہاں کا قیام کب تک ہے۔

مسترشد:۔ جہاں تک اس سراپا گناہ کے احوال کا تعلق ہے۔ گو بقدر استطاعت وہاب مطلق کے خاص لطف واحسان سے تمام معمولات کی پابندی کرادی جاتی ہے تاہم بیماری وضعف کی وجہ سے جماعت کی نماز اور معمولات کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہوجاتی ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ باوجود بخار کی انتہائی حرارت (105، 106 درجہ) کے نوافل تہجد واوابین اور اشراق اداکروا دئے گئے (فللہ الحمد وعلیہ التکلان) اور خاص مہربانی یہ رہی۔ کہ ذکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھڑوایا جس سے ہر حال میں سکون میسر رہا۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ آپ کے معمولات اور احوال کو معلوم کرکے خوشی ہوئی۔ اسی طرح چلے چلیئے۔

چلا چل تو منزل بہ منزل یوں ہی
ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے

مسترشد:۔ بہرصورت ادھر سے نوازشیں ہی نوازشیں ہیں۔ اور اس نابکار کی طرف سے غفلتیں تساہل اور ضعف وگناہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بلکہ نام نہاد طاعت وبندگی بھی سوائے اس کی درگاہ عالی میں گناہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتی۔ اگر رحم وکرم ہوجائے تو ایک بے استحقاق پر خصوصی عنایت ہوگی۔ ورنہ اعمال وخلوص

سے حقیقتاً تہی دست ہوں۔ اللہ رب العزت مخلصین کے صدقے اپنی کامل توفیق بندگی اور مرضیات کے مطابق زندگی پورے خلوص سے مع تمام مسلمانوں کے نصیب فرمادیں۔ آمین ؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ اپنے میں اخلاص کی انتہائی کمی پاتا ہوں۔ باوجود اپنی طرف سے احتیاط کے اعمال خواہش نفسانی و ریا سے ملوث ہو ہی جاتے معلوم ہوتے ہیں۔ نماز میں کامل یکسوئی ہنوز میسر نہیں ہوئی۔ گو اللہ کا فضل و احسان ہے۔ کہ عمومی طور پر حضور قلب اور معانی کا استحضار رہتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اخلاص کے بغیر تو اعمال مردہ ہیں۔ مگر اخلاص و ریا کی حقیقت سمجھ لیں، اخلاص نام ہے۔ خالق کی رضا کے لئے کام کرنے کو اور ریا نام ہے۔ مخلوق کی رضا کے لئے کام کرنے کو۔ اب آپ اس روشنی میں اپنے اعمال پر نگاہ کریں۔

مسترشد :۔ اللہ رب العزت کو اپنے پر چھایا پانے اور اپنے کو آلہ محض سمجھنے کا خیال اور اللہ کے ہر وقت حاضر و ناظر ہونے کا تصور (حقیقت احسان) گاہے گاہے میسر آتا ہے۔ دوام حاصل نہیں۔ کہ ہر وقت ہی اپنے کو معیت الٰہی اور حضور خداوندی میں پاؤں۔ اگرچہ بفضلِ ایزدی اعمال کی ادائیگی کے وقت اللہ رب العزت کے حکم کا استحضار ہو جاتا ہے۔ لیکن عموماً حضور کی لذت کامل نصیب نہیں ہوتی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ کیفیت احسان گاہے گاہے ہی میسر آئے تو بہت ہے۔ اس پر شکر کیجئے اور ترقی کی دعاء مانگئے، لذت نصیب ہونا گو ایک نعمت ضرور ہے

مگر اس کو قربِ الٰہی میں کوئی دخل نہیں۔

مسترشد:۔ اپنے عیوب کا بھی کما حقہ تفقد کرنے سے قاصر ہوں۔ اپنے کو ادنیٰ سمجھنے کا جذبہ گو عطا کر دیا گیا ہے۔ لیکن تواضع کی کامل کیفیت کا ہنوز فقدان ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تواضع کی کیفیت کی کمی اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت مراقبہ سے دور ہو گی

مسترشد:۔ حق گوئی و بیباکی کا جذبہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ الا ماشاء اللہ

پاس مروّت بہت کچھ قریب معلوم ہوتا ہے لیکن افتادِ طبیعت سے اپنے کو مجبور سمجھتا ہوں

کہ حد سے زیادہ طبیعت میں نرمی اور

دوسرے کی بات کو نہ ٹالنے کا جذبہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اللہ خود ہی اس نااہل کو اہلیت بخشیں ع

نوبہار احسن گل دہ خار را

زینت طاؤس دہ ایں مار را

حضرۃ الشیخؒ:۔ حق گوئی ہو مگر اس طرح کہ کسی کی دل آزاری نہو۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام دیکھیں تو اوسی موقع پر حق گوئی مفید ہے۔ جب لوگ آپ کی بات سننے کو آمادہ ہوں ورنہ قلب سے اسکو بُرا سمجھیں۔

مسترشد:۔ حضرت الیاس کاندھلویؒ کے طریقۂ دعوت پر کتاب و سنت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے احسان سے کچھ لکھ رہا ہوں۔ کتاب کی گو تکمیل نہیں ہوئی لیکن تقریباً دو سو صفحات تک جا پہنچی ہے۔ اشاعت سے پہلے آپکی کیمیا اثر نظر سے گذارنا چاہتا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو جب حاضری میسر آئے مسودہ ساتھ لے آؤں۔ کہ اپنی نفسانی گندگیاں۔ دوسرے کی گمراہی کا سبب نہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس و شیطان کے شرور سے محفوظ رکھیں۔ آمین

میری والدہ محترمہ، بہن بھائی اور دیگر متعلقین دینی اور دنیاوی بھلائی کی دعاء کے لئے ملتمس ہیں۔ اپنی خصوصی دعاؤں میں اس عاجز و فقیر کو مع متعلقین و محبین کے یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری تمام حاجتوں کا تکفل فرماتے ہوئے اپنی مرضیات کا کامل اتباع نصیب فرماویں۔ آمین۔ فقط والسلام

طالب دعاء

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :۔ انشاء اللہ تعالیٰ دیکھوں گا۔ والسلام

سید سلیمان

کراچی:- ۱۲ اکتوبر ۶۵ء

مکتوب نمبر ۱۲۹

مسترشد:- بخدمت جناب قبلہ و کعبہ ام سید صاحب دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخ رح:- عزیزی ومحبی دامت توفیقاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد:- حضرت والا کے ارشاد گرامی کے مطابق اپنے حالات لکھتا ہوں۔ گو اپنی برائیاں اور عیوب اپنی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس لئے ان کا لکھنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اس قدر عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اپنے عیوب کے تفقد میں قاصر رہنے کی وجہ سے ابھی تک اپنے میں نہایت کمی محسوس کرتا ہوں اور اب تو اکثر یہ اندیشہ چھایا رہتا ہے کہ خدانخواستہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے کہیں ناکامی وشرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ العیاذ باللہ مقصد یہ ہے کہ وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کہ اپنے عیوب کھل کر سامنے آجائیں۔ اور اور انکی اصلاح کی جائے۔

حضرۃ الشیخ رح:- اپنے عیوب اور نقائص جاننے کا طریقہ یہ ہے

یک زمانے در کمین خویش باش

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ

مسترشد:- جہاں تک ارشاد ... معمولات کا تعلق ہے۔ اپنی طرف سے ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور صورتاً اللہ چاہے تو تمام معمولات کی

پابندی کی جاتی ہے۔ لیکن گذشتہ کچھ عرصہ سے اپنے احوال میں کمی محسوس کرتا ہوں۔ پہلے کی نسبت "فنا" کا غلبہ کم رہتا ہے۔ گو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گاہے گاہے کیفیت احسان (اللہ کی موجودگی اور سامنے حاضری کا تصور) چھا جاتا ہے۔ ذکر اللہ رب العزت کے فضل و عنایت سے جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں۔ عموماً ہر وقت جاری رہتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ تہجد، اوابین و اشراق پڑھا دی جاتی ہے۔ نماز میں بعض اوقات بالکل یکسوئی اور حضور کی کیفیت ہوتی ہے اور گاہے وساوس آ کر طبیعت میں انتشار پیدا کر دیتے ہیں۔ گذشتہ کچھ عرصہ سے بیماری اور دوسرے عوارض کی وجہ سے جماعت کی پابندی میں کمی واقعہ ہو گئی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ احوال قرین شکر ہیں۔ ان پر دل سے شکر ادا کیجئے کہ ترقی مزید ہو۔ ولئن شکرتم لازیدنکم۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائیں اور جمعیت خاطر نصیب فرمائیں۔

مسترشد:۔ اپنے میں مروت اور کسی کی بات کے رد نہ کرنے کا جذبہ کمزوری کی حد تک پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ بیباکی اپنے میں نہیں پاتا۔ اور اپنی غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے دینی و دنیاوی نقصان کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ کہ اپنے میں عزم بالجزم کا تقریباً فقدان پاتا ہوں۔ توکل و استغنا کی بھی کمی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ شاید کہ یہ ضعف قلب کے باعث ہو۔ بہر حال عزیمت کے سوا ضعفِ ارادہ کا کوئی علاج نہیں اللہ تعالیٰ دعا بھی فرماتے رہیں۔

مسترشد:۔ اپنے کاروبار کا کوئی سلسلہ ابھی تک نہیں بن سکا۔ اس لئے دوسروں

کی پابندی کی وجہ سے دینی خدمت و تبلیغ میں بھی اپنی کوتاہی کی وجہ سے کمی واقع ہوجاتی ہے۔ دعا فرمائیں۔ کہ اللہ رب العزت معاش کا کوئی ایسا اچھا ذریعہ بہم پہنچادیں۔ کہ غیر اللہ کی قطعاً احتیاج و پابندی کے بغیر پوری زندگی اطمینان و چین سے اللہ رب العزت کے دین کی خدمت و فروغ میں آسانی و فراغت کے ساتھ گذار دی جائے کہ اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالی میں یہ کوئی مشکل نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- گذشتہ دو سال سے مروجہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی ہوئی تھی۔ پچھلے جمعہ کو بغیر اپنی خواہش و کوشش مسلم لیگ پشاور کا جنرل سیکرٹری اور پراونشل کونسل کا ممبر بنا دیا گیا ہوں ابھی تک اس سلسلہ میں کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ آئندہ کے لئے حیرانی اور کشمکش کی کیفیت ہے فوائد و منافع کے دونوں پہلو سامنے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس فیصلہ پر پہنچاویں جن میں ان کی رضا اور دارین کی بہبودی منظوی ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ اس کی قوت آپ کو عطا کریں۔ جب واقعہ ہو چکا تو مشورہ دینے کا موقع نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر کریں۔

مسترشد :- اللہ رب العزت نے خاص اپنے فضل و احسان سے خدمت اقدس میں حاضری کا شرف بخشا ہے۔ انتہائے قلب سے ملتجی ہوں۔ کہ اپنی کامل قلبی توجہات اور فیوض و برکات سے اس بندۂ عاصی کی ہدایت کا وسیلہ بن کر مس خام کو کندن بنانے کا ذریعہ بن کر اس ذلیل و حقیر کو شرف بخشیں۔

بزرگوں کی مجلس کے آداب سے بھی کورا ہوں۔ خدارا کوئی گستاخی ہو تو معاف فرمادیں۔ اور میری اصلاح نفس کے لئے جو بھی مناسب سمجھیں ہدایت فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ اپنی توفیقات سے آپ کو بہرہ ور فرمائیں۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانیں اور ہر کام اخلاص کی ترازو میں تولا کریں۔ اخلاص کے معنی ہیں محض رضائے الٰہی کی طلب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے والدین بہن بھائی عزیز و اقارب متعلقین و محبین اور جملہ مسلمانوں کو کامل اپنی مرضیات کے سانچے میں ڈھال کر خلوص و معرفت اتباع و امتثال امر کی دولت سے نوازتے ہوئے ہماری دنیاوی حاجات کا تکفل فرمادیں۔ آمین۔ فقط والسلام

ہدایت و نظر عنایت کا طالب

احقر محمد اشرف عفی اللہ عنہٗ

حضرۃ الشیخ : دل سے دعاگو ہوں۔

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۱۷

۱۰ روس کیپل لین پشاور کینٹ

۵۰ - ۱۲ - ۷

مسترشد:۔ بخدمتِ اقدس مکرمی و معظمی سید صاحب دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ عزیز محترم ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ آنجناب سے جدا ہونے کے بعد بندہ تبلیغی جماعت کے ساتھ پیدل ایسے علاقے میں پھرتا رہا۔ جہاں ڈاک کی سہولتیں پوری نہ تھیں نہ ہی اپنے مقام کا پتہ چلتا تھا۔ صبح ایک جگہ تو شام دوسری جگہ جانا ہوتا تھا۔ اس لئے کوئی عریضہ ارسال خدمت نہ کر سکا لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت سمجھئے کہ جدائی کے بعد عمومی حالت یہ ہوگئی ہے کہ

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت !

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ مبارک ہو کہ آپ نے دین کی خدمت کے لئے اپنے پاؤں کو گرد آلودہ کیا۔

ایک جا رہتے ہیں عاشق بدنام کہیں
دن کہیں، رات کہیں، صبح کہیں، شام کہیں

مسترشد:۔ بیماری کی حالت میں آپ کو چھوڑا تھا۔ اُمید ہے کہ اب آپ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے بالکل بعافیت و صحت مند ہوں گے۔ برائے مہربانی اپنی

خیریت سے مطلع فرماکر ممنون فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمدللہ کہ اچھا ہوں، گو دوا ابھی تک استعمال میں ہے۔ میں آپ کی خیر خیریت کا طالب تھا۔ کئی صاحبوں سے پوچھا۔ اب آپ کے خط سے اطمینان ہوا۔ معلوم نہیں حکیم نصیر احمد صاحب کی دوا آپ کو مفید ہوئی یا نہیں۔ اپنی خیریت سے آگاہ کیجئے۔

مسترشد:۔ یہ ناکارہ جتنی مدت نیاز حاصل کرتا رہا۔ حقیقت میں زندگی کا حاصل وہی لمحات تھے۔ لیکن نہ معلوم کس قدر غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں گی۔ برائے مہربانی میری تمام گستاخیوں کو معاف فرماتے ہوئے اپنی دلی دعاؤں سے اس عاجز پر احسان فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ سفر میں آپ کی خدمت سے جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں۔

مسترشد:۔ معمولات کی پابندی اللہ تعالیٰ کے خاص لطف و احسان سے حتی المقدور کرائی جارہی ہے۔ کیفیات و احوال میں کوئی خاص تبدیلی محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن میں اپنی مرضیات کے مطابق ہماری زندگی بسر کروادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہاں واپسی میں میرے بستر سے ایک روپیہ نکلا۔ میرا نہیں ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔ آپ کا تو نہیں۔

معمولات کی پابندی استقامت کی دلیل ہے۔ اس کے آثار اعمال، معاملات اور اخلاق میں نمایاں ہونے چاہیئں۔

مسترشد:۔ اپنے میں تو ضعف و سیاہ کاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے جی رہے ہیں۔ وہی حافظ و ناصر ہو کر شیطان

ونفس کے شرور سے بچاتے ہوئے اپنی رضا سے ہمکنار کر دیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہ کیجئے اور صرف حسن عمل اور کثرت ذکر کی طرف توجہ رکھیئے۔

مسترشد:۔ میری والدہ صاحبہ اور بہنیں دعاء کے لئے کہتی ہیں۔ والدہ صاحبہ حج اور ایمان کی دعاء کروانا چاہتی ہیں۔ باقی جملہ خیریت ہے۔ برادر محترم سلمان صاحب کی خدمت میں سلام۔ اُمید ہے آپ کے ابا۔ میاں بھی بخیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ رکھے۔ اور آپ کے فیوض و برکات سے ہمیں، ہمارے دوستوں رشتہ داروں۔ احباب و محبین اور جملہ مسلمانوں کو مستفید فرما کر اپنے اوامر پر چلنے کی توفیق دے اور ہماری مشکلات آسان فرمادے اور ہماری حاجتوں کا تکفل فرمادیں۔ آمین

فقط والسلام

طالب دعاء و بندہ محتاج

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو حج اور حسن خاتمہ کی دولت عطا فرمائیں، آپکی بہنوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی توفیقات سے بہرہ ور کریں۔ پروردگار عالم آپکی مشکلوں کو حل فرمائیں۔

فقیر سلیمان

۳۰ صفر ۱۳۷۰ھ

پشاور کینٹ
۱۶ دسمبر ۵۰ء

مکتوب نمبر ۱۸

مسترشد:۔ بخدمت اقدس حضرت قبلہ و کعبہ ام سید صاحب دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ: محب عزیز ادام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مسترشد:۔ والا نامہ صادر ہو کر باعثِ عزت و طمانیت ہوا۔ اللہ رب العزت علم و فیض کے اس ذریعہ ہدایت کو ہمارے لئے بعافیت ہمیشہ قائم رکھیں آمین۔

آپ کی خیریت کا پڑھ کر اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رکھے۔ اور آپ کے علوم و فیوض سے تمام عالم کو مستفید فرمادے آمین!

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ طرفین کے لئے موجب سعادت بنائیں۔

مسترشد:۔ بندہ کو حکیم نصیر احمد صاحب کی دوائی سے کافی افاقہ ہوا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ پیچش اور پیٹ کی تکلیف ظاہراً بہت حد تک ٹھیک ہو گئی ہے۔ سوچ رہا ہوں۔ کہ کراچی سے ان کا ہی علاج جاری رکھوں۔ دوری کی وجہ سے ان کا علاج ابھی تک جاری نہیں رکھا۔ کہ نہ معلوم بُعدِ مکان کی بنا پر تشخیص و علاج بہتر رہے یا نہ رہے۔ آپ کا اگر مشورہ ہو۔ تو انہیں اپنی حالت تحریر کر دوں۔

حضرۃ الشیخؒ:- اب آپ اپنا پورا حال لکھ کر حکیم صاحب کو بھیج دیں۔ وہ دوا انشاءاللہ تعالیٰ بھیجیں گے۔ آپ کے مرض کو بحمداللہ وہ سمجھ گئے ہیں۔ میں نے پوچھا تھا۔

مسترشد:- عمومی صحت الحمدللہ اچھی ہے۔ کل پھر کچھ بخار کی شکایت ہوگئی تھی۔ گو اس وقت اچھا ہوں۔ لیکن ہنوز کامل افاقہ نہیں ہوا۔ اللہ رب العزت اپنے دین کی خدمت کے لئے صحت و قوت عطا فرمادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:- آمین

مسترشد:- آپ نے اپنے گرامی نامے میں ارقام فرمایا ہے۔ کہ آپ کے بستر سے لائیلپور کی واپسی پر ایک روپیہ نکلا ہے۔" مجھے معلوم نہیں کس کا ہے۔ خیال نہیں ہے۔ کہ میرا ہو۔ اغلباً کسی اور صاحب کا ہوگا۔ بھائی مختار احمد صاحب یا احمد شاہ صاحب سے دریافت فرمالیجئے گا۔ کہ عموماً ہم تین ہی آپ کے بستر کے پاس جاتے تھے۔

حضرۃ الشیخؒ:- ان میں سے کسی نے اپنا ہونا نہیں بتایا۔ میں نے پوچھا تھا۔

مسترشد:- آپ نے اعمال و معاملات اور اخلاق میں استقامت کے آثار نمایاں ہونے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ خداوند قدوس اس ہیچ محض و ناکارۂ خلائق کو اپنی مرضیات سے کامل طور پر نوازیں۔ ان کی عنایت سے کوشش تو کرتا ہوں لیکن نہ معلوم قدم کہاں کہاں ڈگمگا جاتا ہوگا۔ اپنی ذات سے سوائے کمزوری عجز و قصور کے کسی چیز کی اُمید نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ جن کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے ان کی برکت سے اس نا اہل کو اہلیت بخشے۔ اور میری زندگی اسوہ کاملہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں لاکر نکھار دے۔ وما ذالك على الله لعزيز۔

نوبہار! حسنِ گل دہ خار زرا ❖ زینت طاؤس دہ ایں مار را

حضرۃ الشیخؒ :- جی ہاں۔ اصل میں یہی مرحلہ ہے جسکی طرف توجہ کم کی جاتی ہے۔ اِس کے لئے ضرورت ہے کہ رسالہ حقانی معاملات پڑھیں۔

آمین

مسترشد :- الحمدللہ کیفیات و احوال کی طرف توجہ نہیں رہی۔ بلکہ ابتداء میں کشف وغیرہ کا جو عموم تھا۔ اب نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسکی طرف رغبت ہے۔ صرف اطلاع احوال کے لئے تحریر کر دیا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- بحمد اللہ تعالیٰ کہ آپ نے اس گھاٹی کو پار کر لیا۔

مسترشد :- اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے یہی خیال چھایا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت ہم سے لے لیں۔ اور ہماری اصلاح فرماتے ہوئے داعی الی اللہ کی پوری صفات ہم میں پیدا فرما کر عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقۂ زندگی کی ترویج کا ہمیں ذریعہ بنالیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے یہ کام لیں اور آپ کو پہلے اپنا بنائیں اور پھر دین کی خدمت کا ذریعہ آپ کو بنائیں اور بتائیں۔

:- برادرم مختار احمد صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے اہل و عیال بھی ہند سے پاکستان تشریف لا چکے ہیں۔ ان کا یہ آنا مبارک و سعید ہو۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کی اور اہل خانہ کی کامل عافیت و آرام کے ساتھ پاکستان میں آپ کے قیام کو اہل پاکستان کے لئے دینی و دنیادی لحاظ سے فائدہ مند بنا دیں۔

حضرۃ الشیخ رح :- جی ہاں آگئے اور بخیریت ہیں۔

مسترشد :- برادرم سلمان صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام۔ والدہ صاحبہ بہنوں اور ہمارے جملہ اہل خانہ کی طرف سے مؤدبانہ سلام اور درخواست دعا۔ اس قدر طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے جملہ خاندان و احباب محبین متعلقین اور تمام اہل اسلام کو عافیت دارین اور اپنی توفیقات سے بہرہ ور فرمائیں۔ فقط

بندہ ناچیز

محمد اشرف

حضرۃ الشیخ رح :- سب کو سلام و دعاء پہنچادیں۔

فقیر الی اللہ

سلیمان

مراسلہ - ۱۹

عزیز مکرم عافاکم اللہ تعالے

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا دوسرا لفافہ بھی ملا ۔ آپکا پہلا لفافہ بھی وقت پر ملا تھا ۔ مگر وہ کاغذوں میں دب گیا اور میں بھول گیا ۔ کل یاد آیا تو آج آپ کا دوسرا خط بھی ملا ۔ اوس خط میں کوئی نئی بات نہیں اس لئے اوس کو واپس نہیں کرتا ۔ لفافہ البتہ واپس بھیجتا ہوں ۔ حکیم صاحب کا پتہ یہ ہے ۔

حکیم نصیر احمد صاحب ندوی ۔ فریر روڈ ۔ نظامی دواخانہ ۔ کراچی

موٹے کاغذ استعمال نہ کیجئے کہ ڈاک میں وزن ہوتا ہے ۔

مکتوب ۔ ۲۰

پشاور چھاؤنی

۵۱-۱-۲۹

مسترشد :۔ بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی سید صاحب دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخؒ : صدیق حمیم و عزیز صمیم رفع اللہ تعالیٰ احوالکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد :۔ تحریر خط کے لئے بھی کشمکش رہتی ہے۔ دل شرفِ مکاتبت کیلئے بے تاب رہتا ہے۔ لیکن ادب ہاتھ روکتا ہے کہ بار بار حضرت والا کو تکلیف دینی نامناسب سی معلوم ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کا سایہ بعافیت تمام ہمارے سروں پر قائم رکھے اور جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے اس کے صدقہ اس نسبت عالی کا اہل بنائے۔ اور آپ کے فیوض و برکات سے پورا پورا حصہ نصیب فرما کر دارین کی سرخروئی نصیب فرما دے حضرت کی عنایات کا اعتراف نہ کرنا حقیقت میں اللہ رب العزت کی بھی ناشکری ہے یہ اسی کا خاص احسان تھا کہ اس دور افتادہ، ناکارہ اور حقیر و عاجز کو بزرگوں کی نظر عنایت کے قابل بنایا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ حسن ادب مانع مکاتبت نہیں ہے خصوصاً جبکہ مکاتبت ازدیاد فوائد کا باعث ہو۔

مسترشد :۔ حضرت والا۔ اپنی کوتاہیوں کا معترف ہوں۔ ستر؛ رحمت والا معاملہ ہو گیا تو امید ہے کہ نجات کی کوئی صورت نکل آئے ورنہ سزا پنا

کوئی عمل بھی سزاوار قبولیت نہیں پاتا۔ خوف ہوتا ہے کہ نہ جانے کیا معاملہ ہو۔ اللہ رب العزت سے میرے عاجز کے لئے خصوصی دعا کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ کامل ایمان پر خاتمہ کردیں اور میری خطاؤں کی وجہ سے مجھے یا عالم کو ہلاک نہ کردیں۔ نہایت ہی گناہگار ہوں۔ اللہ کے جتنے مجھ پر احسان ہیں۔ ان کا کوئی شمار نہیں۔ لیکن اس طرف سے سوا کمزوری اور عجز کے کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ دستگیری فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اب جو یہ صورت حال تواضع اور افتادگی کی پائی جاتی ہے۔ اُس حال سے بہتر ہے جو آپ کی کشف وواردات کی تھی، وہ خطرناک تھی کہ اس میں کبر وغرور کا شائبہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ مانع ترقی ہے۔

مسترشد :۔ حضرت جی! الحمد للہ معمولات پورے کرا دئے جاتے ہیں لیکن کہاں میں اور کہاں ان کی بارگاہ رفیع۔ بس رحم ہی ہو جائے تو اُمید ہو سکتی ہے آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس ہیچ و ناکارہ محض کو اپنی عنایات خصوصی کا سزاوار بنایا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ کیا کم احسان ہے کہ معمولات پورے کرا دئے جاتے ہیں۔ جائے شکر ہے۔

مسترشد :۔ آپ ہی سے درخواست ہے کہ اس عاجز کے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ خصوصی رحمت وکرم فرماتے ہوئے اپنے الطاف خصوصی سے بندہ کو بخش دیں۔ اور حساب نہ لیں۔ کہ ایک بات کا جواب نہ دے سکوں گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے۔

مسترشد:۔ ذکر و مشاغل اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ادا کروائے جا رہے ہیں عمومی حالات میں کوئی تغیر محسوس نہیں کیا۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ بھی محل شکر ہے کہ ترقی نہیں محسوس ہوئی تو تنزل بھی نہیں ہوا۔

مسترشد:۔ چند دن ہوئے مولانا تھانویؒ کو خواب میں دیکھا کہ سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور ایک بڑی روٹی جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس میں سے توڑ کر بندے کو عنایت کر رہے ہیں۔ کچھ ارشاد بھی فرمایا لیکن یاد نہیں رہا اللہ تعالیٰ بہتر فرماویں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ خواب مبارک کہ روزی ظاہری و باطنی کی بشارت اس میں معلوم ہوتی ہے۔

مسترشد:۔ اُمید ہے آپ ڈھاکہ سے تشریف لے آئے ہونگے۔ اور بخیریت تمام ہوں گے۔ میں بفضل ایزدی اچھا ہی ہوں۔ کچھ نہ کچھ عارضہ حکمت الٰہی ہے۔ کہ لگا ہی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ابتلاء و آزمائش سے محفوظ رکھیں

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمد اللہ تعالیٰ ڈھاکہ سے بخیریت واپس آیا۔ اب آج ایک ہفتہ کے لئے لاہور کا قصد ہے۔

مسترشد:۔ برادرم سلمان صاحب اور دیگر اہل خانہ امید ہے بخیریت ہوں گے۔ باقی جملہ خیریت ہے۔ جملہ اہل خانہ متعلقین و محبین خیریت و عافیت دارین کی دعا کے طالب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے میرے اہل خانہ رشتہ داروں احباب اور جملہ اہل اسلام کو جملہ دینی اور دنیاوی پریشانیوں سے محفوظ رکھے۔ فراخی و وسعت نصیب فرما کر اپنے دین پر خود کو

چلنے اور دوسروں کو چلانے والا بنا دے ۔ آمین

فقط والسلام

دعاؤں کا طالب

بندہ محتاج

محمد اشرف ٢٠ ربیع الثانی ٧٠ھ

حضرۃ الشیخؒ :- یہاں سے بھی سب کی طرف سے سلام مسنون پہنچے ۔

والسلام

فقیر الی اللہ

سلیمان

٢٤ ربیع الثانی ١٣٧٠ھ

باسمہٖ سبحانہٗ

مکتوب نمبر ۲۱

۱۰ اروسکیبل لین۔ پشاور کینٹ
۸ر مارچ ۱۹۵۱ء

مسترشد:۔ بخدمت اقدس سیدی و مولائی حضرۃ المکرم دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ حبیب مخلص وفقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ حضرۃ والا بعافیت ہوں گے۔ اس سے پیشتر تقریباً پندرہ دن ہوئے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا۔ نہ معلوم خدمتِ عالی تک پہنچ سکا یا نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ محولہ خط میری یاد میں مجھے نہیں ملا۔

مسترشد:۔ جواب سے ہنوز محرومی ہے۔ باید خیریت ہو۔ لاہور بھی ملاقات کی نیت سے جانا ہُوا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھا۔ کہ دیدار سے مشرف ہو سکتا۔ اسی میں حکیم مطلق کو بندہ عاجز کی بھلائی منظور ہوگی۔

میل ما سوائے وصال میل او سوئے فراق
ترک کار خود گرفتم تا بر آید کار دوست!

حضرۃ الشیخؒ:۔ لاہور کے سفر کا حال معلوم ہوا تھا۔ ارادہ و نیت کا ثواب تو آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ مل گیا۔

مسترشد:۔ بندہ کی عجیب حالت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارادے ختم کرائے جا رہے ہیں۔ بے قصد و ارادہ جو چاہتے ہیں کرا دیتے ہیں۔ اپنے اختیار میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ مگر ارادہ کرتا ہوں۔ تو عموماً اس کے فسخ کی اضطراراً صورتیں

پیدا ہو جاتی ہیں - جو چاہتے ہیں کر رہے ہیں۔ سچ محض یونہی بے اختیار مختار کل کے ہاتھوں میں ہے۔ بس حضرت یہی التجا ہے کہ اس ناچیز کے ساتھ فضل و احسان والا معاملہ ہوتا رہے۔ اب تک بزرگوں کی برکت سے سراپا قصور و خطا نوازا جاتا رہا ہے -

حضرۃ الشیخؒ :- جی ہاں تسلیم و رضا کا یہی مقام ہے - خدا کرے کہ یہ حال آپ کا مقام بن جائے - ع

کارساز ما بساز کار ما

فکر ما در کار ما آزار ما

مسترشد :- آئندہ بھی اللہ تعالیٰ ابتلا و آزمائش سے بچاویں

حضرۃ الشیخؒ :- آمین یارب العلمین -

مسترشد :- اپنے میں تو کچھ ہے ہی نہیں - جسے پیش کیا جا سکے - عجز و گناہ قصور و خطا ہی کی نسبت اپنی طرف ہو سکتی ہے - سراپا ستائش و حمد تو اسی کی ذات ہے - اگر کوئی ذرہ خیر مل گیا - تو اس میں اپنا کیا ہے - اللہ تعالیٰ اس کے شکر کی توفیق بخشیں -

حضرۃ الشیخؒ :- یہ نہایت عمدہ حال ہے - اس پر شکر کریں کہ مزید عنایت ہو -

مسترشد :- ہمیں تو اس کی نعمتوں کو پہچاننا بھی نہیں آتا - لیکن باوجود تمام کوتاہیوں کے رحیم و کریم آقا کے لطف و کرم کا دریا امنڈا چلا آرہا ہے - کتاب و سنت کے متعلق باطنی و قلبی علوم کا وارد ہو جانا صرف اللہ رب العزت کا احسان اور فیض مرشد ہے - ان چیزوں کا ورود ہو جاتا ہے - جن کا یہ بندہ حقیر و نااہل کسی

طرح قابل نہیں۔ اسی طرح معاش کے ظاہری اور باقاعدہ اسباب کے اپنے ہاتھوں میں نہ ہونے کے باوجود ہر طرح کی کفالت فرمائی جاتی ہے۔ گو اضطرار کی کیفیت کبھی طاری ہوتی ہے۔ لیکن قلب کو ایک گونہ سکون ہو جاتا ہے۔ کہ وہی پہنچے گا جو حکیم و رحیم آقا و مولا چاہیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ان سب امور پر شکر ادا کیجئے۔

مسترشد :۔ دنیاوی عزت بھی بغیر بندہ کی کوشش و سعی کے وہ دی جا رہی ہے۔ جس کا یہ فقیر اپنے حالات کی بنا پر قابل نہیں۔ لیکن حق تو یہ ہے

داد او را قابلیت شرط نیست

عطا فرما رہے ہیں۔ اتنا دے رہے ہیں کہ بندہ عاجز اپنے کو اس کا اہل نہیں پاتا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دنیاوی عزت مقصود نہیں ہے۔ حاصل اس کا محض ضرر سے حفاظت ہے۔ اپنی قابلیت کا شائبہ بھی نہ گذرے کہ یہ راہ کبر و خود بینی کی ہے۔

مسترشد :۔ اللہ رب العزت اپنی مہربانیاں اور عنایتیں ہم پر کامل فرما دے اور جن کے فیض و برکت سے عطا ہو رہا ہے۔ ان کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق بخشے آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق حکیم نصیر الدین صاحب سے دوائی منگوائی تھی۔ اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ پیٹ کی تکلیف اب نہیں ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ تعالیٰ

مسترشد :۔ اور گذشتہ تین چار مہینے سے بفضل ایزدی بخار بھی نہیں ہوا۔ گو

معمولی معمولی وگر عوارض کبھی کبھی ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دُعا فرمادیں کہ بندہ ناچیز کو کامل روحانی وجسمانی صحت عنایت فرماکر اپنی تمام وکمال نعمتوں ورحمتوں سے نوازتے ہوئے اپنے رضا کے کاموں میں پوری زندگی آسانی وتیسیر کے ساتھ گذار دے۔ آمین۔

حضرۃ الشیخ :۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد :۔ میری والدہ صاحبہ، ہمشیرگان وبھائی بعض اقارب ومحبین عموماً سلام ودعاء کی درخواست کے لئے خدمت اقدس میں لکھنے کو کہتے ہیں۔ ان کی جملہ حاجات کی کفالت پریشانیوں کے دفیعہ اور دینی بھلائی وسرخروئی کے لئے دعاء فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ :۔ ان سب لوگوں کے لئے دعاء کرتا ہوں، قادر مطلق اور شافی حقیقی قبول فرمائیں۔

مسترشد :۔ میرے ایک محب محمد داؤد صاحب کافی عرصہ سے بیمار اور ہسپتال میں ہیں۔ ان کی صحت کے لئے دعاء فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ :۔ داؤد صاحب کی شفا کے لئے دعاء کی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں

والسلام۔

سید سلیمان

مراسلہ نمبر ۳۲

مسترشد
۱۰ روس کیپل لین پشاور چھاؤنی

۱۹ مارچ ۱۹۵۱ء

بخدمت اقدس والا مرتبت سیدی وسندی قبلہ وکعبہ دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ اس سے پیشتر ایک عریضہ خدمت عالی میں ارسال کر چکا ہوں ۔ اغلب خیال ہے کہ آپکی لاہور کی روانگی کیوجہ سے جواب میں دیری ہوئی ہوگی ۔ بندہ ناچیز بھی لاہور خدمت اقدس میں حاضر ہو جاتا لیکن اللہ رب العزت کی مشیت یونہی تھی۔ بہر حال بھلایا نہ جاؤں ۔ دور رہوں یا نزدیک نگاہ کرم وچشم التفات سے محرومی نہ ہو کہ ساری عمر کا حاصل اور عقبیٰ میں نجات کی امید بزرگوں ہی کا تعلق اور شفاعت معلوم ہوتی ہے

حضرت الشیخ
کراچی ۵ چمن اسٹریٹ ڈار منزل

عزیز سعید رفع اللہ تعالیٰ احوالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ۔

لاہور سے آپکے خط کا جواب بھیج دیا تھا ملا ہوگا۔

دوسرا یہ خط لاہور میں ملا

مسترشد
اپنے پاس تو سوائے کوتاہیوں ، خود فریبیوں اور گناہوں کے کچھ بھی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کے طفیل رحمت وفضل والا معاملہ فرمادیں۔ محاسبہ و

مواخذہ کے قابل نہیں۔ عنایتیں بے حد وحساب ہیں اور یہاں نہ شکر کی قابلیت ، نہ طریقہ ادا صحیح ، سوائے اعتراف گناہ ،عجز و ندامت کے کچھ بھی نہیں۔ ہزار اپنے کو فریب دوں کہ یوں ہوں یوں ہوں لیکن حق تو یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کچھ بھی نہیں۔ اگر خیر کا کوئی ذرہ بندہ میں نظر آتا ہے تو سب انکا ہے۔ اندروں برائیوں سے بھرا ہوا ہے۔

حضرت الشیخ

آپکو ایسا ہی خیال کرناچاہیئے

مسترشد

اجاب نفس کا مرض موجود ہے کبر کا داعیہ ہنوز باقی ہے۔حب جاہ ابھی تک مضمحل نہیں ہوئی۔ ہمارے اکابر تو کہتے ہیں کہ اپنے کو کتے سے زیادہ حقیر سمجھو۔ یہاں حالت یہ ہے کہ اپنے ابنائے جنس سے بھی اپنے کو حقیر نہیں سمجھا جاتا۔ تواضع کی حقیقت مفقود ہے۔ دوسروں کی اصلاح کا خیال غالب رہتا ہے۔ دوسروں کی شرعی کمزوریاں اور برائیاں کھٹکتی ہیں۔حق گوئی وبیباکی کا فقدان ہے۔مداہنت کا اپنی جان پر خوف ہے۔ کسی میں کوئی ایسا عیب پاتا ہوں جو مسلمانوں کو یا مذہبی کام کو میری دانست میں نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے تو اس شخص کو اپنی مداہنت و کمزوری کی وجہ سے کہہ نہیں پاتا بلکہ غائبانہ ایک دوسرے سے اسکے متعلق بیان کرتا ہوں اور اس میں نفس مصلحت اندیشی کا فریب وبہانہ سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔ غرض نہ معلوم کن کن برائیوں سے نفس آلودہ ہے۔خدمت عالی میں تحریر اسلئے کر دیا تاکہ علاج ودعا سے انکے ازالے کی صورت پیدا ہوسکے۔

حضرت الشیخ

اعجاب نفس کا مرض موجود ہے تو اوس سے دستگاری کی فکر سے غافل نہ رہیں۔ یہ تو اس راہ کا سم قاتل ہے اسکا علاج یہی ہے کہ اپنے عیوب پر ہمیشہ نظر رہے۔

پڑی اپنے عیبوں پہ جب سے نظر　　　تو نظر میں کوئی برا نہ رہا

اور جو عیوب آپ نے لکھے ہیں بلاشبہ یہ ایسے ذمائم ہیں جن کا ازالہ ضروری ہے اور ان سب کا طریقہ وہی ایک ہے کہ اپنے عیبوں پر گہری نظر رہے۔ ہر شخص کو اپنے عیوب تو بالیقین بدیہی طور سے معلوم ہیں اور دوسرں کے سمعی یا قیاسی طور پر اور ظاہر ہے کہ بدیہی اور یقینی علم سمعی اور قیاسی پر مقدم ہے۔

اللہ تعالیٰ آپکو ترقی احوال واصلاح رزائل کی توفیق عنایت فرمائیں۔

مسترشد

جیسا کہ آنجناب کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ بندہ کچھ نہ کچھ حرکت کرتا رہتا ہے گو ہنوز اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے کچھ نہ کچھ حرکت کرادی جاتی ہے لیکن دفعتاً اپنے میں ایک تبدیلی محسوس کرتا ہوں کہ طبیعت پہلے ذوق و شوق سے جیسے بھی ہوتا تھا اس کام کی عظمت وبڑائی کو دیکھتے ہوئے مشغول رہتی تھی، اب طبیعت پر مصلحت اندیشی اور اصول وحدود کی رعایت کا غلبہ ہو جاتا ہے جو اکابرین جماعت کے علاوہ عموماً کام کرنے والوں میں میری دانست میں کم پایا جاتا ہے (واللہ اعلم) جسکی وجہ سے طبیعت پر ایک گونہ کوفت ہوتی ہے اور نامناسبت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ خدانخواستہ اس اعلیٰ کار نبوت سے محرومی کا باعث نہ ہو جائے۔ دوسرے دیگر حضرات کے متعلق یہ خیال کہ وہ صحیح کام نہیں کر رہے ہیں سوئے ظن اور خود رائی کا سبب بھی ہو سکتا

ہے۔ اس سلسلے میں بھی آپکی رہبری کا محتاج ہوں۔

حضرت الشیخ

دوسروں کے افادہ پر نظر رکھنے سے پہلے اگر اپنے استفادہ پر نظر نہ رہے تو وہ افادہ نور بھی نہیں ہوتا۔ اپنے نفس کا حق دوسروں کے حقوق سے اہم واقدم ہیں۔ ولنفسک علیک حق اسلئے پہلے اپنی ہی خواہی کیجیئے پھر دوسروں کی۔ استادی تک پہنچنے سے پہلے استاد بننے کی غلطی سے محفوظ رہیئے۔ آپ جماعت کے ساتھ کام تو کریں مگر نظر اپنے اوپر ہو اور اپنی درستی کی نیت ہو۔

مسترشد

اپنی ان تمام کوتاہیوں کے باوجود شکر و تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ معمولات اللہ رب العزت کے فضل سے ادا کروا دیئے جاتے ہیں اور ایک خصوصی احسان یہ ہے کہ اگر بتقاضائے بشری کبھی غفلت ہو جاتی ہے تو عموماً خواب میں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، بغیر کسی اپنی خوبی کوشش کے دوام ذکر صرف انکی عنایت سے میسر ہے۔ نماز میں بعض اوقات محویت کی وجہ سے معانی کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ عموماً انکا تصور اور قرب متصور رہتا ہے بلکہ قلب پر انہیں کو چھایا پاتا ہوں۔ نماز میں بعض اوقات اسرار وغیرہ منکشف کردئے جاتے ہیں۔ واردات صحیحہ کا بعض اوقات بہت زیادہ نزول ہوتا ہے۔ علوم عجیبہ وقرآن وحدیث کے حقائق خود بخود وارد ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات اسقدر ورود ہوتا ہے کہ چاہتا ہوں کہ کسی سے بیان کردوں۔ اگرچہ بعض دوستوں سے کہہ بھی دیتا ہوں لیکن پھر بھی سمجھتا ہوں کہ کسے کہوں، سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے اس سلسلہ میں اپنی ایک کوتاہی کا اظہار ضروری ہے کہ سمجھتا ہوں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے سمجھائی گئی ہے اور

انہیں اسکا علم نہ ہوگا اس معاملہ میں گویا میں زیادہ جاننے والا ہوں۔ اس کے دفعیہ کی کیا صورت ہو۔ جو حالات ہیں کچھ لکھوا دئے گئے خط طویل ہو گیا۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔کیا کروں مجبور ہوں۔ آپ کو نہ لکھوں تو کسے لکھوں۔اب تو دل آپ کے سوا کسی سے قرار نہیں پاتا۔ خدارا کامل توجہات دعوات سے اس خام کوکندن بنانے کا سبب و ذریعہ بنیں۔ جو کچھ بھی ہوں آپ کا ہوں۔دستگیری ورہنمائی کا محتاج ہوں۔ آپکی برکت سے ان نوازشوں کا مورد ٹھہرا جسکا کسی طرح اہل نہیں۔ ان احسانات کو کیسے بھول جاؤں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ جملہ اہل خانہ واکثر دوست واحباب کی طرف سے درخواست۔ سب کو سلام و دعا۔فقط

محمد اشرف خان عفرلہ

حضرت الشیخ

نماز کشف اسرار اور واردات صحیح کا محل نہیں ہے یہ صرف عبودیت وعبدیت وتواضع اور حضور کی کیفیت کا محل ہے۔ آپ ان شعبدوں کی طرف التفات نہ کریں۔ یہ امور قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتے اور نہ اس سے حصول ثواب ہوتا ہے۔کیا ریل میں راستہ کے مناظر پر نظر منزل مقصود کو قریب کر دیتا ہے ؟کیا یہ خیال حماقت نہیں ؟

سب کو سلام و دعا۔

مکتوب - ۲۳

پشاور چھاؤنی

۸-۵-۵۱

مسترشد :۔ قبلہ وکعبہ ام سیدی و مولائی مرشدی المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ محب مخلص من زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مسترشد :۔ اُمید ہے کہ حضرت والا مع متعلقین کے بعافیت ہوں گے۔ اللہ کریم فیض و برکت کے اس چشمہ کو اپنی خاص عنایت سے تا قیامت جاری رکھے۔ اور ہم جیسے پیاسوں کی سیرابی کا سبب بنائے آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ ہاتھ کا درد ابھی تک ہے علاج جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ شفائے عاجل و کامل عنایت فرمائیں

مسترشد :۔ حضرت والا! احوال کیا لکھوں اللہ رب العزت کا فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اپنے عیوب ابھر ابھر کر سامنے آرہے ہیں۔ آج تک جنہیں خوبیاں سمجھا ہے۔ معلوم ہوا کہ سب عیب تھے۔ اب تو اپنے پاس سوائے برائیوں کے بوجھ کے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک رحمت الٰہی کا سہارا ہے۔ ورنہ اپنی ذات سے تمام امیدیں ٹوٹ چکی ہیں۔ جی میں اب اکثر آنے لگا ہے کہ گوشہ گیری اختیار کروں کہ میرے برے اثرات دوسروں کی ذاتوں پر مرتب نہ ہونے پائیں۔ لیکن رہبانیت کی شرعی برائی کا خیال کرکے اس خیال سے باز آرہا

ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کے یہ احوال اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں گوشہ گیری اغنیاء اور کبراء سے مناسب ہے فقراء اور طالبین حق سے نہیں۔

مسترشد :- عموماً جس سے ملتا ہوں۔ الحمدللہ اپنے سے افضل سمجھ کے ملتا ہوں۔ اب تو اپنی حقیقت تنکے اور چیونٹی سے بھی ادنٰے بلکہ ہیچ سے بھی ہیچ بلکہ قطعاً نہ ہونے کی نظر آرہی ہے۔ علم وعمل کا اپنے تعلق کا جو دھیان آجاتا تھا۔ ختم ہوچکا معلوم ہوتا ہے۔ اب تو ہر چیز انہیں سے نظر آتی ہے۔ مخلوقات کے تعلقات سے بیزاری کی کیفیت پیدا ہونے لگی ہے۔ اور یوں خیال آتا ہے کہ اس کے سوا کسی سے تعلق کیوں ہو۔ سراپا نیت ہوں۔ گناہ اور عیب کے سوا کسی چیز کا ذخیرہ نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ سب احوال قابل مبارکباد ہیں۔

مسترشد :- اگر رحمت والا معاملہ ہوجائے تو ہر طرح کی امید ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ میرے اندرون وبیرون کے اعمال کی پاداش سے مجھے اور تمام عالم کو محفوظ رکھے۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- خصوصی دعاؤں کا نہایت ہی محتاج ہوں۔ جس کے سب سہارے ٹوٹ چکے ہوں۔ وہ دعاؤں کے دامن میں پناہ نہ لے تو کیا کرے۔

حضرۃ الشیخؒ :- دل سے دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد :۔ دین و دنیا کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کا سب سے ہی زیادہ محتاج بندہ ہوں۔ وہ رحیم و کریم ذات بزرگوں اور مخلصین کے صدقے اِس فقیر و جملہ عالم اسلام کی جملہ حاجات کا اپنے غیبی خزانوں سے تکفل فرماتے ہوئے اپنی ذات عالی کے ساتھ رضا و محبت کا خصوصی تعلق قائم کرتے ہوئے صرف اپنا اور صرف اپنا بنا کر اپنے مرضیات کے اعمال عطا کرتے ہوئے اس آتی جاتی زندگی کو کمال تیسر و فراخی و عافیت سے گذار دیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ بہت ہی اچھا حال ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے۔ آمین۔

مسترشد :۔ قرآن مجید کس طرح پڑھا جائے۔ کہ زیادہ سے زیادہ قلب و روح متاثر ہو۔ کم گوئی کس طرح آسانی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ قرآن شریف کی تلاوت اس سکون اور اس استحضار سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ سن رہے ہیں اور آپ اُن کو سنا رہے ہیں۔

کم گوئی یوں کہ سوائے خیر کے کوئی کلمہ منہ سے نہ نکلے یعنی اس میں اپنا بھلا ہو یا غیر کا بھلا ہو۔ تسبیح یا ذکر یا درود کا ورد رکھا جائے تو کم گوئی خود بخود ہو جائیگی۔

مسترشد۔ حضرت والا جب پچھلی دفعہ پشاور تشریف لائے تھے۔ تو آئندہ اسی مئی کے مہینے میں پشاور آنے کا خیال ظاہر فرمایا تھا۔ اگر آنے کا ارادہ ہو تو میری خوش نصیبی اور ہمارے گھر والوں کی عین راحت ہوگی۔ اگر غریب خانہ قیام کے شرف سے مشرف ہو سکے۔ گھر والوں اور میرے بھائی

کی بھی یہی تمنا ہے۔ اگر مخدومی مولنا احتشام الحق صاحب مدظلہ کی ہمراہی ہو تو ان کے لئے بھی دیدہ و دل فرش راہ ہے۔ ہماری طرف سے پیغام پہنچا دیجئے۔ آنے کی تاریخ سے آگاہی اگر ہو اور مناسب سمجھیں تو مطلع فرماویں۔ باقی جملہ خیریت ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ تاریخ ابھی متعین نہیں ہوئی۔ آپ کی خواہش بالکل بجا ہے۔ مگر داعی کا لحاظ رکھا جائے اور طرفین کی راحت کا۔

مسترشد:۔ والدہ صاحبہ، بھائی صاحبان وہمشیرگان، محبین ومتعلقین اکثر دعا کرو انے کی درخواست کرتے ہیں اور سلام بھی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی حاجات دینی و دنیوی کو پورا فرماویں۔ اور جملہ عالم اسلام و انسانیت کے لئے خیر کے ہر ذرہ کو مقدر فرماکر شر کے دروازوں کو بند فرماویں۔ آمین

آخر میں اس طویل سمع خراشی اور اپنی غلطیوں کی معافی تہِ دل سے چاہتا ہوں۔ فقط والسلام

نظر عنایت کا طالب

بندہ ناچیز

محمد اشرف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ سب کو سلام و دعا کہہ دیجئے

والسلام

فقیر الی اللہ سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲۴

مسترشد :- بخدمت اقدس سیدی وسندی قبلہ وکعبہ ام مرشد المکرم دام ظلکم ومدفیوضکم

حضرۃ الشیخؒ :- محب مخلص وصدیق حمیم زادکم اللہ تعالیٰ عرفاناً

مسترشد :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخ :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد :- کافی دن ہوئے حضرت والا کا افتخار نامہ مل کر باعث شرف وہدایت ہوا تھا۔

حضرۃ الشیخؒ :- افتخار تو نام ہے دوسروں پر اپنی بڑائی کے اظہار کا تو پھر افتخار نامہ تو وجہ بزرگی بنا۔ کیا یہ توجیہہ دل کو پسند آتی ہے۔

مسترشد :- جواب میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ اغلب خیال تھا۔ کہ حضرت والا اکوڑہ میں تشریف لائیں گے۔ اور وہیں زیارت وملاقات ہو جائے گی۔ اکوڑہ گیا تھا لیکن معلوم ہوا کہ آپ تشریف نہ لا سکے۔ والخیر فی ما وقع

حضرۃ الشیخؒ :- جی ہاں اکوڑہ خٹک نہ جا سکا کہ اسہال کا عارضہ مانع تھا۔

مسترشد :- کل میرے ایک دوست عزیزی مرتضےٰ سلمہ کے عریضہ کے جواب میں آپ کا گرامی نامہ صادر ہوا۔ جس میں یہ پڑھ کر پریشانی ہوئی کہ ہنوز آپ کے ہاتھ میں تکلیف باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفائے عاجل وکامل نصیب فرمادیں آمین

حضرۃ الشیخ :- ہاتھ کا درد اب بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے۔ کل سے ہومیو پیتھک علاج ہے۔

مسترشد :- ہمارے والد صاحب مرحوم ایک مالش کے تیل کی دوائی بناتے تھے جس سے

اکثر اوقات درد دں وغیرہ میں اللہ رب العزت شفا عطا فرما دیتے تھے۔ خدمت اقدس میں یہ دوائی ارسال خدمت ہے۔ آدھ پاؤ تل کے تیل (میٹھا تیل) میں نو یا دس قطرے اس دوائی کے ڈال کر مالش کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرماویں گے۔ ٹھنڈا پانی ہاتھ پر نہ ڈالیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دوا آئے گی تو دیکھی جائے گی۔ یہ درد اعصابی لوگ بتاتے ہیں۔

مسترشد :۔ حضرت والا! اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ معمولات پورے کرا دیئے جاتے ہیں۔ ذکر دوام کی دولت سے عموماً سرفراز کر دیا جاتا ہوں۔ اور یہ سب ان سے ہے ورنہ بندہ حقیر و ذلیل کس قابل ہے۔ ان کی عنایت ہے کہ سب سے ناکارہ و نااہل کو نواز رہے ہیں۔ حاضر و ناظر ہونے کا دھیان گو نہیں رہتا لیکن دل کے ساتھ ان کی معیت کا تصوّر اللہ چاہیں تو عموماً چھایا رہتا ہے۔ جس سے دل و سانس کے ساتھ جڑ ان کی موجودگی اکثر مستحضر رہتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کے احوال مبارک ہیں۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اب طبیعت اپنے کو بھلا کر دوسرے کے فکر میں سرگرداں نہیں رہتی۔ بلکہ اکثر اوقات یکسوئی کو طبیعت چاہتی ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ غیر اللہ سے بالکل قلب فارغ ہو جائے۔ غیر اختیاری امور کی فکر میں مبتلا ہونے کا مرض بھی اللہ رب العزت کے فضل سے ایک گونہ مضمحل ہے قلب کو ان کے ساتھ ایک درجہ طمانیت نصیب رہتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بالفعل یہ کیفیت اچھی ہے۔ ایک وقت آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ جب فذکر ان نفعت الذکریٰ کی تعمیل ہوگی۔ مگر فطری ترتیب [illegible]

"اوّل خویش بعدہ درویش"

مسترشد: حالات تحدیث نعمت اور اطلاع احوال کے لئے لکھ دیئے ہیں۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے سے گندہ واسطے کسی کو نہیں پاتا۔ بعض اوقات ایمان کے سلب ہونے کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک عمل بھی ان کی بارگاہ عالی میں پیش کرنے کے لئے اپنے پاس نہیں۔ اگر رحمت والا معاملہ ہوگیا تو نجات ہوجائے گی ورنہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کی رحمت کا طلب گار رہوں اور اسی کی اعانت چاہتا ہوں۔ وہ اپنے پیارے بندوں کے صدقے اس عاجز کے ساتھ بھی انتہائے عفو وستر کا معاملہ فرمائیں کہ اپنے سے زیادہ اس کی رحمت کا محتاج کسی کو بھی نہیں پاتا۔

حضرۃ الشیخؒ: مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ ضرور کیا کریں۔ بے حد منافع اور علم صحیح اللہ تعالیٰ عنایت فرمائیں گے۔ اور تمیز حق و باطل عطا ہوگی۔

مسترشد: حضرت والا۔ دین و دنیا کے تمام معاملات میں اس کے سوا سب سہارے ٹوٹ چکے ہیں۔ اس کی پناہ میں نہ آؤں تو کیا کروں۔ اس فقیر و درماندہ کے لئے خصوصاً اور جملہ لواحقین و محبین کے لئے عموماً دعا فرماویں کہ وہ کارساز حقیقی غیب سے ہماری تمام حاجتوں کی کفالت سنبھالتے ہوئے عافیت دارین نصیب کرے اور کمال ایمان پر خاتمہ فرماوے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ: اللہ تعالیٰ توکّل کی حقیقت سے آشنا کریں۔ آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا کفیل و وکیل و ناصر ہوجائے اور عافیت دارین اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

مسترشد :۔ میرے ایک عزیز و محب حاجی محمد اسلم صاحب کی دکان میں سخت آگ لگ گئی۔ جس کی وجہ سے ان کا بہت نقصان ہوا ہے۔ وہ دعا کے طالب ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے حلال و فراخ رزق کا کوئی جلد ذریعہ پیدا فرمادیں۔ اور نقصانات کا نعم البدل عطا فرمادیں۔ چند عزیز بیمار ہیں۔ ان کی شفایابی کے لئے بھی دعا کی درخواست ہے مکرمہ ام والدہ صاحبہ، ہمشیرہ گان و برادران محبین و متعلقین دعا کے طالب ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ برادرم سلمان کی خدمت میں سلام مسنون۔ فقط والسلام

دعاؤں کا طالب

بندہ عاجز محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :۔ حاجی صاحب کے نقصان عظیم سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل اور نفیس عنایت فرمائیں۔ اور حلال و فراخ رزق کا ساماں کردیں۔ بیماروں کی شفا اور آپ کے عزیزوں کی بہتری کے لئے دعاء کرتا ہوں۔

پشاور میں کیا داؤد سرحدی صاحب کو آپ جانتے ہیں؟ ان کی تحریر میں پراگندگی خیال ظاہر ہوتی ہے۔ سب کو سلام و دعاء کہدیں۔

سید سلیمان

مراسلہ نمبر ۲۵

نمبر ۳ جھیل روڈ ۔ پشاور کینٹ

24 جون 1951ء

بخدمت اقدس حضرت سیدی و مولائی مرشد المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ آنجناب کا والا نامہ ملکر باعث مسرت وطمانیت ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپکا سایہ ہمارے سروں پر بعافیت تمام ہمیشہ قائم رکھے اور آپکے حقوق کی ادائیگی اور آپ سے استفادہ وفیض حاصل کرنے کی توفیق اس ناکارہ کو اپنی ذات عالی سے عنایت فرماوے آمین ۔ آپ کے ہاتھ میں جو تکلیف تھی امید ہے وہ اب ٹھیک ہوگی اللہ تعالیٰ آپکو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرماوے آمین۔

حضرت الشیخ

کراچی

محب مخلص من زادکم اللہ عرفاناً

السّلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

ہاتھ میں تخفیف ہے ۔ اللہ تعالیٰ شفائے کامل بخشیں۔

مسترشد

آپ نے داؤد سرحدی کے متعلق استفسار فرمایا ہے۔ میں انہیں جانتا ہوں حضرت والا کو اغلباً یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے ایک دوست داؤد صاحب کے متعلق دعا کیلئے لکھا تھا یہی صاحب داؤد مذکور ہیں ۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے وہ بیمار ہیں اور اس بیماری کی وجہ سے انکے دماغ میں بھی ہلکا سا اثر ہوگیا ہے یہی وجہ

انکی پریشان خیالی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بزرگوں کی برکت سے انہیں شفائے کامل عطا فرماویں۔ ایسے جوان صالح دین کا درد رکھنے والے اور مخلص شخص ہیں باقی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

حضرت الشیخ
اللہ تعالیٰ ان کو صحت بخشے اور ان کو صلاح دارین عطا فرمائے۔

مسترشد
جہاں تک بندے کے حالات کا تعلق ہے تقریباً حالات میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور آپکی برکت سے ذکر کا غلبہ رہتا ہے۔ معمولات بفضل ایزدی پورے کروائے جاتے ہیں۔ قلب غیر اللہ سے فراغ کا دن بدن خواہاں ہوتا چلا جاتا ہے۔

حضرت الشیخ
حالات میں کوئی تغیر بجانب زوال بحمد اللہ کہ نہیں ہوا یہ بہت بڑی نعمت ہے باقی تغیر بجانب کمال تو اسی استقامت طریق سے انشاء اللہ تعالیٰ حاصل ہو گا۔ آپکے احوال بحمد اللہ اچھے ہیں اس پر شکر ادا کیجئے تاکہ بحکم وان شکر تم لازیدنکم احوال میں ترقی ہو انشاء اللہ

مسترشد
اپنی نالائقی اور نا اہلی اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جارہی ہے کہ جو کچھ بھی ہے سب ان سے ہے۔ اپنی ذات سے تو سوا خطا وقصور کے کسی چیز کی امید نہیں بلکہ اگر یوں کہوں تو اغلباً مبالغہ نہ ہوگا کہ میرا گندہ نفس تو اسی طرح گندہ و رذیل ہے۔ اس آتش فشاں کے لاوے کو پھٹنے سے صرف انکی رحمت نے روکا ہوا ہے۔ انکی رحمت کا ہی محتاج ہوں۔ انہیں

لئے امید ہے کہ اس نااہل سے کرم والا معاملہ فرمائیں گے۔

حضرت الشیخ
اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن ظن ہی رہنا چاہئیے انا عند ظن بی کا منشا یہی ہے

مسترشد
حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات اور انفاس عیسیٰ اکثر مطالعہ میں رہتی ہے۔ انکے مواعظ میں سے دعوات عبدیت کی پہلی جلد زیر مطالعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسے بہت فائدہ پہنچتا ہے بلکہ اب تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریروں سے ہی شغف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی تعلیمات سے اس نااہل کو پوری طرح بہرہ مند فرماوے اور میرے قال کو اپنے پسندیدہ حال سے مبدل فرماوے آمین۔

حضرت الشیخ
ان کتابوں کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ انشاء اللہ تعالیٰ مفید علم و محرک عمل اور مثمر برکات ہوگا۔

مسترشد
باقی جملہ خیریت ہے، والدہ صاحبہ، ہمشیرگان و برادران، اکثر محبین کی طرف سے سلام و درخواست دعا۔ میری دو بہنیں ہنوز قابل شادی ہیں کوئی رشتہ وغیرہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ عزت و آبرو کیساتھ ہر طرح بہتر جگہ پر فوراً انکی شادی کا بندوبست فرماویں۔ والدہ صاحبہ عموماً اسکے متعلق درخواست کرتی ہیں۔ بندہ کے حلال و فراخ رزق کیلئے دعا فرماویں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور جملہ مسلمانوں کو اپنی توفیقات سے بہرہ ور فرماتے ہوئے اپنی مرضیات کے مطابق زندگی گزرواویں اور عافیت دارین نصیب فرماویں آمین۔

حضرت الشیخ
ان سب صاحبوں کو بھی اس فقیر کی طرف سے سلام مسنون اور دعائے خیر پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ آپکی ہمشیرہ گان کیلئے مناسب صورت پیدا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ آپکو رزق حلال وفراخ عنایت فرمائیں اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت کریں اور عافیت دارین نصیب فرمائیں۔ اسکے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں اکثر پڑھا کرتے تھے آپ بھی پڑھا کریں

الھم انی اسئلک العفو والعافیۃ فی دینی ودنیای واھلی ومالی۔

مسترشد
اب اپنی حالت کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آتا ہے اسی کے انتظار میں ہوتا ہوں اپنا ارادہ نہیں ہوتا۔ جو وہ چاہتے ہیں کر اۓ چلے جاتے ہیں۔ یہ خاص ارادے کا فقدان اور انکے ارادے کے سامنے اپنے ارادے کا فنا کرنا اخلاص کے خلاف تو نہیں ہے کہ جب ارادہ نہ رہا تو ارادے پر ثواب کا ترتب کیسے ہو گا لیکن میری حالت خود بخود ایسی ہو گئی ہے کہ ارادہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی جو چیز پیش آتی ہے انکی طرف سے سمجھ کر راضی برضا ہو کر گر اللہ چاہیں تو کر دیا جاتا ہوں۔ اس حال کی اچھائی و برائی کی وضاحت چاہتا ہوں۔

حضرت الشیخ
ارادہ کی یہ فنائیت اخلاص کے خلاف نہیں ہے۔ ارادہ کی فنائیت یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادہ کو موثر نہ جانے بلکہ موثر صرف مشیت الٰہی کو سمجھے۔ باقی ارادہ تو فنا نہیں ہوتا جب تک انسان ارادہ نہ کرے کوئی فعل نہیں ہو سکتا۔

مسترشد
قرآن کریم ذوق وپورے دھیان سے پڑھنے میں کوتاہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالی معاف فرماویں اور قرآن حکیم کا حفظ مع ظاہری وباطنی عمل کے نصیب فرماویں۔ فقط والسلام

محمد اشرف

حضرت الشیخ
انشاء اللہ یہ چیز بھی پیدا ہو جائیگی آپ تلاوت جاری رکھیں۔

مکتوب نمبر ۲۶

محمد اشرف بنگلہ نمبر ۳ جھیل روڈ پشاور

۲۱ رشوال المکرم ۱۳۷۰ھ / ۵۱-۷-۲۶

مسترشد :۔ بخدمت اقدس حضرۃ المکرم قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی سید صاحب دام ظلکم و فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

حضرۃ الشیخ :۔ کراچی ۵

محب مخلص زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

مسترشد :۔ مکرمت نامہ چند روز ہوئے مل کر باعث مسرت ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی کرم سے آپ کو شفائے کامل عطا فرماوے۔ اور آپ کے فیوض و برکات سے تاقیامت جملہ انسانیت کو بہرہ مند فرماوے اور کسی کے صدقے مجھ نااہل کو بھی اہلیت بخشے کہ اس کی کریمی سے یہ کچھ بعید نہیں۔ آمین

حضرۃ الشیخ :۔ آمین

مسترشد :۔ اپنے حالات کیا لکھوں۔ ان کی درگاہ عالی کے قابل کوئی عمل نہیں۔ ان کے سامنے کھڑے ہونے کے بھی قابل نہیں۔ ان کا احسان و کرم ہے کہ اس نااہل کو نوازتے رہتے ہیں۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اپنی بدعملی ہلاک کئے بنا نہ چھوڑے۔ ڈر لگتا ہے کہ خدانخواستہ اپنی کوتاہیوں کی بنا پر کہیں محروم نہ کر دیا جاؤں۔ اللہ تعالےٰ سے یہی التجا ہے۔ کہ بزرگوں کے صدقے اس فقیر و ناکارہ سے انتہائے کرم و رحمت والا معاملہ فرماوے۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- معمولات گو ان کی خصوصی مہربانی سے ادا کروا دیئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے۔ کہ جو کسی قابل بھی نہ ہو اسے اپنی برکات و توفیقات سے نوازدیں۔ تاہم میرے معمولات رسمی اور بے حقیقت معلوم ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ والحمد للہ علی ذلک۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور بزرگوں کی برکت سے اپنی مرضیات کے سانچے میں ڈھال لیں۔ اور کامل ایمان پر خاتمہ فرمادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- ایسا محسوس ہونا مقتضائے حکمتِ باری ہے۔ ورنہ سالک غرور میں مبتلا ہو کر برباد نہ ہو جائے۔

مسترشد :- معاشی پریشانیاں بھی اپنی درگاہ عالی سے دور فرماتے ہوئے مخلوق کی محتاجی سے محفوظ رکھیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- یہ دعاء اَللّٰھُمَّ اَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّا سِوَاكَ پڑھا کریں۔

مسترشد :- حضرت والا۔ ماسوائے کلیتاً فراغت کیوں کر نصیب ہو کہ قلب بعض اوقات بہت بے قرار ہوتا ہے

حضرۃ الشیخؒ :- کلیتہً فراغت مشکل ہے۔ کیونکہ بشر تقاضائے بشریت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

مسترشد :- ادائے شکر کا احسن طریقہ کیا ہے۔ اپنی کم مائیگی کے استحضار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا یاد رکھنا اور تواضع و شکر کا امتزاج کیونکر حاصل ہو؟

حضرۃ الشیخؒ :- شکر یہ ہے۔ دل سے یہ سمجھنا کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے استحقاق کے بغیر عنایت فرمائی ہے۔ اور زبان سے الحمد للہ کہہ کر

اِس کا اقرار کرنا۔

مسترشد:۔ چلتے پھرتے کبھی کبھی حضور کی کیفیت اور اپنے کالعدم ہونے کا یقین مستحضر ہوتا ہے۔ لیکن کیفیت احسان کا دوام نہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ اس کا دوام ضرور نہیں۔

مسترشد:۔ اگرچہ قلب کے نزدیک ان کا ہونا مستحضر رہتا ہے۔ لیکن ان کا ہر وقت ناظر ہونا دھیان میں نہیں رہتا۔ اسی طرح ان کی کبریائی وعظمت کا تصور عموماً نہیں چھایا رہتا۔ ان کی محبت کے تذکروں میں لطف آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان کا کمال عشق میسر ہو۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ امور کبھی کبھی جو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی میں خیر ہے۔

اگر ہمہ شب، شبِ قدر بودے، شب قدر سخت بے قدر بودے

مسترشد:۔ حضرت والا۔ استقامتِ طریق کیونکر آسانی سے حاصل ہو؟ اوقات بے ضابطگی سے گذر جاتے ہیں۔ آجکل نیند کا عموماً غلبہ رہتا ہے۔ نیند کے کم کرنے کی کیا صورت کیجائے۔ کہ وقت کافی نیند میں ایسے ہی گذر جاتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ استقامت عزیمت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دعا۔ نیند کا غلبہ مضر نہیں۔ ولنفسك علیك حقٌ

مسترشد:۔ حضرت والا! اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تاقیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ ورنہ مجھ جیسے ناکارہ اور دنیا پرست کا بزرگوں سے تخاطب وتعلق کہاں ممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا لامتناہی اجر آپ کو عطا فرمادے

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل :: می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ آپ کی محبت ہے

مسترشد :۔ آخر میں سمع خراشی کی معافی کے بعد اپنے، اپنے اہل خانہ، والدہ محترمہ بہن بھائیوں رشتہ داروں متعلقین محبین و دوستوں کی دین و دنیا کی بہتری کے لئے درخواستِ دعا ہے۔ اکثر احباب دُعا و سلام کے لئے کہہ دیتے ہیں

فقط والسلام

ہدایت و نظر عنایت کا طالب

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :۔ آج راولپنڈی اور مری چند روز کے لئے جا رہا ہوں۔ سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب ۲۷

قصہ خوانی۔ پشاور

۲۵-۸-۵۱

مسترشد:۔ بخدمت حضرۃ المکرم سیدی و مولائی قبلۂ و کعبۂ ام سید صاحب دام ظلکم و عم فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخ رح:۔ محب صمیم زادکم اللہ تعالیٰ توفیقاً

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد:۔ حضرت والا کی پنڈی تشریف آوری کا علم آپ کے خط کے ذریعہ ہوا تھا۔ کم نصیبی تھی کہ لیت و لعل میں اتنے قرب کے باوجود حاضری نہ ہو سکی۔ فون کیا تو معلوم ہوا آپ آزاد کشمیر تشریف لے جا رہے ہیں اس کے بعد دوبارہ کیا تو معلوم ہوا کہ تشریف لا چکے ہیں۔ لیکن جانے والے ہیں۔ اس طرح اپنی سستی کی وجہ سے فیض سے محروم رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور آپ کے در اقدس سے تاقیامت وابستگی اور آپ کے فیوض و برکات سے کامل طور پر بہرہ اندوز فرمادیں

حضرۃ الشیخ رح: پنڈی گیا تھا۔ پھر واپس آگیا۔

ظاہری ملاقات کی محرومی سے ناشاد نہ ہوں۔ اصلی ملاقات دلی و روحانی ملاقات ہے جو حب فی اللہ کے ذریعہ ہر وقت حاصل ہے۔

مسترشد:۔ حضرتِ عالی! اپنی کوتاہیوں اور بے مائیگی پر ندامت ہوتی ہے اللہ رب العزت نے تو اپنی خصوصی عنایت سے ایک دور افتادہ، ہیچ مایہ

خاص الخاص انعامات کے کچھ بھی حق ادا نہ کرسکا۔ جو کچھ ہے۔ وہ ان کا ہے یا آپ کا فیض ہے۔ یہاں تو سوائے خلوئے تامہ، ناکارگی نا اہلی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر کوئی اور ہوتا تو نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچا ہوتا۔ اپنی ہی کوتاہیوں کا اعتراف، بے ہمتی و بے عملی کا استحضار ہے۔ نہ قال ہے۔ نہ حال، نہ ہی کسی قابل کوئی عمل۔ اگر جیسے اب تک بے استحقاق نوازا جاتا رہا ہوں۔ دست کرم نے یاوری کی۔ تو تو انشاء اللہ ہر طرح خیریت ہوگی۔ ورنہ اللہ ہی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ جس طرح یہ اونچا تعلق نصیب فرمایا۔ اس کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عنایت فرمادے۔ کہ اس پر ہر کچھ سہل ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ کے یہ احوال قرین شکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید عطا فرمادیں۔ اصل نظر اپنے احوال قلب اور اعمال پر رہنی چاہیئے کہ صراط مستقیم سے کسی حال میں لغزش نہ ہو۔

مسترشد:۔ حضرتِ عالی! اپنی ہر طرح کی کوتاہیوں کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے اور بزرگوں کا فیض ہے کہ بحمداللہ ثم الحمد للہ دل میں ہر وقت ان کا خیال سمایا رہتا ہے۔ ہر حالت میں ان کی ذات عالی کے سوا کوئی سہارا نظر نہیں آتا۔ ان کے سوا کوئی مونس و رفیق نہیں پاتا۔ ذکر دائم سے نوازا جا رہا ہوں۔ لگن سی لگی رہتی ہے۔ اگرچہ جو ان کے قابل ہو وہ میسر نہیں۔ لیکن یہ کیا کم ہے کہ یاد میں تو ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کے چشمے کو تا ابد باقی رکھے۔ جہاں سے ہم جیسے نا اہل نوازے جا رہے ہیں۔

خدا آباد رکھے ساقی تیرا میخانہ!

معمولات جوں توں کر کے پورے کروا دیئے جاتے ہیں قلب میں ایک خاص دھن و گڑھن سی لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے اندرونی حالت میں تدریج ترقی محسوس ہوتی ہے۔ گو اس کا تفقد بغور فکر کرنے سے ہوتا ہے۔ ورنہ عموماً اپنی حالت کی خرابی کا گمان غالب اور ہلاکت کا اندیشہ چھایا رہتا ہے۔ موجودہ سوسائٹی سے مفر کی صورت نہیں۔ لیکن عموماً ایسی صحبتوں کے بعد قلب پر سیاہی کا احساس اور بے چینی محسوس ہوتی ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ اس کا علاج بے ضرورت صحبتوں سے احتراز اور کثرت استغفار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں ستر ستر دفعہ استغفار پڑھتے تھے۔ پھر ہم کیا ہیں

مسترشد :۔ اظہار حق میں بیباکی اور جرأت ہنوز میسر نہیں ہوئی۔ گو بفضل ایزدی استفسار پر کتمان حق نہیں ہوتا۔ لیکن حق کے اظہار میں جس جرأت رندانہ کی ضرورت ہے۔ وہ مفقود ہے۔ ضعف و کسل طبیعت میں بہت ہے۔ اپنے عیوب و کوتاہیوں کے استحضار کی وجہ سے عموماً ادائے شکر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے صدقے اس نااہل کو کمال صحت روحانی و جسمانی سے جملہ اہل اسلام کے ساتھ نوازے

حضرت جی ! دعاؤں کا نہایت ہی محتاج ہوں۔ نہ معلوم کن کن عیبوں سے بھرا ہوں گا جو اپنی کوتاہ نگاہی کی وجہ سے نظر نہ آتے ہوں گے بہرحال اللہ تعالیٰ اپنی جملہ توفیقات سے نوازیں۔ اور نفس اور شیطان کے شرور سے محفوظ رکھیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ جرأتِ حق نام حق کو خوبی اور نرمی کے ساتھ ظاہر کر دینا ہے سختی اور سخت کلامی کی ضرورت نہیں کہ وہ تو کام کو اور خراب کر دیتی ہے۔ ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن

مسترشد :۔ قبلہ ام! معاشی پریشانی بعض اوقات بہت پریشان کر دیتی ہے۔ کاروبار کی کوئی سبیل اب تک پیدا نہیں ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ نہ کسی سے کہہ سکتا ہوں نہ کچھ کر سکتا ہوں۔ ظاہری اسباب میں بھی جو کوشش ہوتی ہے۔ کامیابی دکھائی نہیں دیتی۔ اللہ تعالیٰ کی اس میں بھی حکمت ہے۔ نامعلوم وہ کیا چاہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اضطراراً قلب پر غم بہت زیادہ چھا جاتا ہے۔ تبلیغ وغیرہ کے سفروں میں بھی اس وجہ سے کافی کمی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرما دیں خصوصی نظر و دعا کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ بے شبہ معاشی پریشانی بڑی آزمائش ہے۔ اس کے لئے جو تدبیر سمجھ میں آئے کی جائے۔ برکت دینے والے اللہ ہیں۔

هو الرزاق ذو القوة المتین

مسترشد :۔ والدہ صاحبہ مکرمہ، میری بہنیں، بھائی کئی رشتہ دار اور دوست احباب سلام اور دعا کی خصوصی درخواست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سب کی حاجات کا تکفل فرما دے۔ اور دارین کی عافیت و صلاح سے نوازے۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ان سب کے لئے دعائے خیر اور سلام کہہ دیں۔

مسترشد :- میرے بڑے بھائی محمد اکرم بفضل ایزدی حکومت پاکستان کی طرف سے ڈپٹی ٹریڈ کمشنر ہو کر کسی غیر ملک میں بھیجے جا رہے ہیں۔ اغلب خیال یہ ہے کہ کسی غیر مسلم مسیحی ملک میں تعینات ہوں گے۔ مجھے انہوں نے کہا ہے کہ آپ سے یہ مسئلہ دریافت کروں۔ کہ یورپ یا امریکہ کے ملکوں میں جہاں کہ ذبیحہ حرام ملتا ہے۔ اس چیز کا بھی اندیشہ ہے۔ کہ وہ دوسرے کھانے بھی انہیں حرام والے برتنوں میں پکاتے ہوں گے۔ کھانے کی کیا صورت کیجائے۔ کیا دوسری چیزیں جو ان برتنوں وغیرہ میں پکائی جاتی ہیں۔ وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں وہ کہہ رہے تھے کہ کیونکہ آپ یورپ کا سفر فرما چکے ہیں اس مسئلہ کے علاوہ اپنے عالی مشورہ سے بھی مستفید فرما دیں۔ کہ خورد و نوش کی کیا صورت کیجائے اور سرکاری دعوتوں وغیرہ میں کیا رویہ برتا جائے۔ اُمید ہے کہ آپ مسئلہ کے جواب اور اپنے مشورہ سے مفصلاً ممنون فرماویں گے۔

حضرة الشیخ :- ہاں دقتیں تو ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو محفوظ رکھے۔ ترکاری۔ سبزی، انڈے اور مچھلی تو کھا ہی سکتے ہیں۔ گوشت کے لئے یہ ہے کہ یہودی کی دکان سے گوشت خریدیں۔ وہ ذبیحہ کے باب میں محتاط ہیں برتن تو ہمیشہ دھلتے رہتے ہیں۔ ان میں حرج نہیں۔ سرکاری دعوتوں میں خود شراب اور لحم حرام سے بچیں اور دوسروں کو بھی پیش نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے گا۔

مسترشد :- آخر میں کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اسکی معافی چاہتا ہوں۔ برادرم سلمان اور دیگر اہل خانہ کی خدمت میں سلام مسنون۔ برادرم

غلام مرتضٰی صاحب دعا کے لئے درخواست کرتے ہیں

فقط والسلام

ہدایت ونظرِ عنایت کا طالب

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوئی غلطی نہیں آپ فکر نہ کریں

عزیزم غلام مرتضٰی کے لئے دعاء کرتا ہوں

والسلام

الفقیر الی اللہ

سلیمان

۴؍ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

مکتوب - ۲۸

نمبر۳ جمیل روڈ۔ پشاور

۵۱-۹-۱۰

مسترشد :- بخدمت اقدس حضرۃ سیدی و مولائی قبلۂ و کعبۂ ام سید صاحب دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرت الشیخ :- عزیز مخلص ادام اللہ توفیقکم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :- خدمت اقدس میں عید الضحٰے کی اس مبارک موقع پر ہدیہ تبریک پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ رب العزت اِس مبارک دن کو ہماری دینی و دنیوی بہتری کا ذریعہ فرمائے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنا بنا کر اپنی مرضیات کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عنایت فرمادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخ :- عیدِ اضحٰی کی مبارکباد پر مبارکباد۔ مگر یہ تو رسمی بات ہوئی۔ یہ دعاء البتہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ مرضیات الٰہی پر صبر و شکر کی توفیق دے جو اس عید کا ماحصل ہے۔

مسترشد :- امید ہے۔ حضرت والا کے مزاج بخیریت ہوں گے۔ اس سے پیشتر ایک عریضہ تقریباً بیس دن ہوئے خدمت عالی میں بھیجا تھا۔ جس کے جواب کا نہایت بے چینی سے منتظر رہا۔ لیکن ہنوز جواب سے مشرف نہ ہو سکا۔ نہ معلوم خط خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکا۔ یا جو جواب حضرت والا نے بھیجا وہ اس ناکارہ تک نہ پہنچ سکا۔

حضرۃ الشیخؒ: خط کے جواب میں تاخیر میرے سفروں کی وجہ سے ہوئی مگر جواب بھیجا جاچکا ہے۔ اب مل گیا ہوگا۔

مسترشد:۔ بہرحال اس دفعہ عجب اضطراب و بے چینی کی کیفیت تھی۔ طرح طرح کے وساوس اپنی کوتاہیوں کی بنا پر آتے تھے اور ایک بڑی وجہ اسکی یہ بھی تھی کہ حضور کی پنڈی وغیرہ تشریف آوری کے باوجود اپنی کم نصیبی اور کوتاہی کی بنا پر حاضر خدمت نہ ہوسکا تھا۔ اس کا بھی بعد از وقت نہایت ہی غم و افسوس رہا۔ بہرحال اس اضطراب و غم میں بھی ایک حکمت اللہ تعالیٰ کی معلوم ہوتی ہے۔ کہ حضرت عالی کا خیال دل و دماغ پر اس طرح چھایا رہا جس کا تجربہ ماضی میں نہ ہوا تھا۔ گویا اس بُعد میں بھی ایک طرح کا قرب نصیب تھا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ سب محبت کے آثار ہیں۔ اللہ تعالیٰ طرفین کو ان سے فائدہ پہنچائیں۔

مسترشد:۔ بہرحال اپنی کوتاہیوں، حقوق ناشناسیوں، کمزوریوں کا صدق دل سے معترف ہوں اور معافی کا طالب ہوں۔ جو قصور بھی اس ناکارہ سے سرزد ہوئے ہیں معاف فرمادیں۔ اور اللہ رب العزت سے بھی دعا فرمادیں۔ کہ اس سراپا گناہ کو اپنی رحمت و ستاری کے دامن میں لے لے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ کوئی قصور نہیں ہوا معافی کس بات کی۔

مسترشد:۔ صرف وہی سہارا ہے اور پناہ کی جگہ ہے ورنہ ہم تو اپنے

گناہوں سے اپنے کو ڈبو چکا ہوں۔ کوئی عمل ان کی درگاہ عالی میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہے جسے پہلے طاعت و عبادت سمجھتا تھا اب معلوم ہوتا ہے کہ ان کوتاہیوں کی بنا پر اگر وہ رحیم وکریم مواخذہ نہ فرمائے تو نجات کی صورت ہو جائے گی ورنہ اللہ ہی اللہ ہے جسے نیکی سمجھا کرتے تھے اب معلوم ہوا کہ۔ کہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا درنہ حقیقت ہنوز مفقود، اگر سچ کہوں تو وہی حالت ہے ؏

قال ابتر حال ابتر سب میرے ابتر ہیں کام
کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا

اس ابتری کی حالت میں صرف ذات الٰہی کی رحمت ہی پر نظر باقی ہے اور انہی سے امید ہوتی ہے۔ اس دعا سے کچھ ڈھارس بندھتی ہے کہ اللھم ان مغفرتك اوسع من ذنوبی و رحمتك ارجیٰ عندی من عملی۔ اللہ رب العزت اپنی رحمت کے صدقے اسے نابکار کی کوتاہیوں کو معاف فرما دے اور کامل ایمان پر خاتمہ فرما دے تو یقیناً اس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں۔ حضرت والا کی خدمت میں کمال عجز سے درخواست ہے کہ اپنی خصوصی دعاؤں اور توجہات سے اس احقر کو فراموش نہ فرمادیں۔ جو کچھ بھی ہوں۔ درِ اقدس کی غلامی کے لفظی تعلق کا شرف تو بحمد اللہ رکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے صدقے اصلاح و نجات کی صورتیں پیدا فرمادیں۔ کہ ان کے کرم سے کچھ بعید نہیں۔ ان کے کرم نے جس طرح اس بے استحقاق کو محض اپنے فضل و کرم سے بن دیکھے بزرگوں کے دامن تربیت میں ڈال دیا

بہت ممکن ہے ان کی رحمت اُس نا اہل کو جو باوجود اتنے طویل عرصے کے تعلق کے سنور نہ سکا ایک ہی نظرِ عنایت سے سنوار دے تو کوئی بعید نہیں۔

باکریماں کارہا دشوار نیست

حضرۃ الشیخ:- بدل دعاء ہے

مسترشد:- بحمد اللہ اب تک جس جس طرح اس نے نوازا یہ اسی کا احسان تھا۔ حق یہ ہے کہ اس کا ذرہ برابر بھی شکریہ اس نا اہل سے بن نہ آیا۔ حضرت والا کے فرمودہ معمولات کی پابندی کرا دینی بس صرف اسی کا احسان وفضل ہے۔ ذکر دوام کے عموم کی دولت اس کریم کا صدقہ ہے۔ جب سے حضرۃ والا نے قرآن کریم کی تلاوت کیلئے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ "اس طرح پڑھو گویا اللہ کو سنا رہے ہو" تو اس کے بعد سے حضور واحسان کی کیفیت بھی بڑھ گئی ہے۔ قلب میں غیر کا دھیان اب نہیں سہاتا۔ بلکہ کثرت کلام سے بھی وحشت اور قلب پر سیاہی محسوس ہوتی ہے۔ ان کا دھیان اپنی کوتاہیوں کے باوجود لگا رہتا ہے۔ یہ سب صرف اس کا احسان اور بزرگوں کی برکت ہے جو تحدیث نعمت و اطلاع احوال کی بنا پر قلمبند کر دی گئی ہے۔ ورنہ یہ سیاہ کار اپنی ذات میں ہنوز نا اہلیتوں اور کوتاہیوں کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اسے پسند ہو میری اور جملہ اہل اسلام کی ظاہری و باطنی کامل طور پر اصلاح فرما دیں اور اپنی مرضیات کے سانچے میں ڈھال لیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ مبارک

مسترشد :۔ حضرۃ والا۔ دنیاوی طور پر ہنوز بندے کا کوئی معاشی کاروبار کا سلسلہ نہیں بنا۔ ظاہراً کوئی اسباب بھی نظر نہیں آتے نہ کسی سے کہہ سکتا ہوں۔ نہ اپنے سے کچھ بنتا ہے۔ بعض اوقات طبعی غم قلب پر بہت چھا جاتا ہے۔ جس سے پریشانی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا فرماویں کہ غیب سے کوئی صورت بہم پہنچائیں جس میں ہر طرح کی بہتری ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ سامان فرمادیں

مسترشد :۔ گذشتہ عریضہ (جس کا حوالہ اوپر دے چکا ہوں اس میں بھی) میں تحریر کیا تھا۔ اب پھر لکھ رہا ہوں کہ میرے بڑے بھائی مکرمی محمد اکرم صاحب پاکستان کی طرف سے کسی غیر ملک میں ڈپٹی ٹریڈ کمشنر مقرر ہو کر جا رہے ہیں۔ وہ مستفسر ہیں اور میرے ذریعے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ غیر ملک میں خصوصاً مسیحی ملکوں میں تو عموماً مذبوحہ جانور جو اُنہوں نے ذبح کئے ہوتے ہیں۔ حرام ہوتے ہیں۔ کیا ان برتنوں میں پکا ہوا دوسرا کھانا بھی صحیح ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ مشورۃً وہ یہ بھی پوچھتے ہیں کہ خورد نوش میں کس طرح یورپی ممالک میں حرام کھانوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ حضرت والا کیونکہ یورپ کا سفر کر چکے ہیں اسلئے اگر از راہِ عنایت آپ بتا سکیں کہ حلال کھانے کا انتظام وہاں کس طرح سے آسانی سے ہو سکتا ہے۔ تو نوازش ہو گی۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ نباتات، ترکاریاں، انڈے کھائیں، مرغ لاکر گھر پر ذبح کرلیں یہودی قصاب کی دکان سے گوشت خرید لیں۔

مسترشد :۔ اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ اور آخر میں اپنے والدہ صاحبہ، بہنوں بھائیوں، رشتہ داروں، متعلقین و محبین و جملہ اہل اسلام کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان اور مخلص غلام مرتضیٰ صاحب بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں اور خصوصی دعا کے طالب ہیں۔ فقط والسلام

دعا و ہدایت کا طالب

بندہ ناچیز

محمد اشرف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ سب لوگوں کو سلام کہیں۔

والسلام

الفقیر الی اللہ

سید سلیمان

۱۷ ستمبر ۱۹۵۱ء

مکتوب نمبر ۲۹

از پشاور کینٹ
۴-۱۰-۵۱

مسترشد: بخدمت اقدس سیدی ومولائی قبلہ وکعبہ ام حضرۃ المکرم دام ظلکم ومد فیوضکم

حضرۃ الشیخ رحؒ: عزیزی وحبیبی ومخلص زادکم اللہ تعالےٰ توفیقکم۔

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت والا کے دو شفقت نامے بندہ کے مراسلات کے جواب میں یکے بعد دیگرے مل کر باعث طمانیت ہوئے۔ اللہ رب العزت حضرت عالی کا سایہ کامل فیوض وبرکات کے ساتھ ہمارے سروں پر ہمیشہ رکھے۔ آمین

حضرۃ الشیخ رحؒ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ بحمد اللہ تعالےٰ خداوند قدوس کے خاص فضل وعنایت سے معمولات پورے کروا دیئے جاتے ہیں۔ قلب کی نگہداشت کا عموماً فکر رہتا ہے۔ تحسین نیت واعمال کی اصلاح کا بھی بفضل ایزدی عموماً استحضار رہتا ہے۔ گو اپنی کمزوریاں اور اندرونی کوتاہیاں اسی طرح دامن گیر ہیں۔ احوال کی کمی بیشی جاری ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ کیفیات کی طرف توجہ اب نہیں جاتی۔ الا ما شاء اللہ

کشف وغیرہ کا سلسلہ اب تقریباً بند ہے (والحمدللہ علی کل حال) لیکن اول فنا کا جذبہ جو غالب معلوم ہوتا تھا۔ اب اس کا احساس نہیں ہوتا۔ ذکر اللہ تعالیٰ کے فضل سے عموماً جاری رہتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- کیفیات آتی جاتی رہتی ہیں۔ کشف و الہام کو قرب میں کوئی دخل نہیں۔

مسترشد :- حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات وغیرہ کچھ نہ کچھ روزانہ پڑھ لیتا ہوں۔ حدیث شریف کا درس ہنوز جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ علم نافع، عمل صالح اور نیت خالص نصیب فرماویں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- آمین

مسترشد :- آپ کو اس چیز کا علم ہے۔ کہ بندہ قاصر یہاں کی مسلم لیگ کا سیکرٹری ہے۔ اور ہمارے صوبے میں اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں۔ حضرت والا کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ جب گذشتہ اسمبلی توڑی گئی اس وقت سے مسلم لیگ والے، رشتہ دار اور متعدد احباب اس چیز پر مصر تھے کہ میں پشاور کے ایک حلقہ سے انتخاب میں رکنیت کے لئے کھڑا ہو جاؤں۔ ان کا اغلب خیال ہے کہ ممکن ہے کہ میں بغیر مقابلہ کامیاب ہو جاؤں۔ میرے سامنے نفع اور ضرر کے دونوں پہلو تھے اور اسے ایک بڑی آزمائش گاہ سمجھتے ہوئے میں ٹالتا رہا اور آخر کوئی چودہ دن ہوئے کہ مقامی مسلم لیگی حلقوں سے میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں اپنے میں مختلف بنا کی وجہ پر یہ صلاحیت نہیں پاتا۔ اس پر بھی وہ مصر رہے۔ لیکن میں نے خیال نہ کیا۔ لیکن گذشتہ چند دن سے میرے چند مخلص احباب جن کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے اس چیز پر دینی اور دنیاوی منافع کی بنا پر از حد مجبور کر رہے تھے۔ میں نے دو دفعہ

پہلے استخارہ کیا لیکن کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مخلصین کے دلائل گو دماغ کو بھاتے تھے لیکن میرا شرح صدر نہ ہوتا تھا۔ دفعتًہ کل ایک میرے مخلص بزرگ جنہوں نے خالصتًہ لوجہ اللہ اپنی ایک اعلٰے ملازمت چھوڑ کر متوکلاً دین کی خدمت میں مشغول ہیں۔ بغیر میرے سوال کئے اس کے لئے مجھے ابھارتے رہے۔ میں نے ہنوز اثبات میں جواب نہیں دیا اور نامزدگی کے لئے صرف آٹھ دس دن رہ گئے۔ لیکن رات استخارہ کیا۔ تو اس میں حضرت والا کو خواب میں دیکھا کہ آپ یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور میرے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کے گرد کچھ کاغذات وغیرہ پڑے ہوئے ہیں۔ اور مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "میں بھی مسلم لیگ میں اس لئے داخل ہوا ہوں کہ یہ (حکومت) مجھے مخالف نہ سمجھے اس کے بعد آپ نے جو گفتگو فرمائی اس کے الفاظ گو ضبط نہیں۔ لیکن مفہوم اس طرح تھا۔ کہ اگر میں اس میں شامل نہ ہوتا تو حکومت مجھ سے آئین وغیرہ کے متعلق کیوں پوچھتی۔ بہرحال ایک طویل بات چیت آپ نے فرمائی۔ جو یاد نہیں رہی۔

اب یہ سب حالات آپ کی خدمت میں آخری مشورے کیلئے بھیج رہا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ کام کریں۔ جس میں دارین کی بھلائی وعافیت ہو۔ مجھے اور تمام عالم کو نفسانی شرور اور مصائب سے بچائیں۔

آخر میں والدہ صاحبہ، ہمشیرگان و بھائی صاحبان جملہ احباب خصوصًا

غلام مرتضٰے وغیرہ کی طرف سے سلام و درخواست دُعاء۔ فقط

دعا و نظرِ عنایت کا طالب

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ معاملہ اپنی قوت وضعف کا ہے۔ اگر آپ یہ قوت اپنے میں پاتے ہیں یا کم از کم ارادہ رکھتے ہیں کہ مواقع خیر میں خیر کی اعانت کریں گے تو کھڑے ہو جائیے۔ مگر انتخاب کے لئے وہ مکائدو وسائل کام میں نہ لایئے جو اہل دنیا اور طالب جاہ و مال کرتے ہیں پس جاہ و مال کی طلب سے خالی ہو کر کرنے کی طاقت پائیں تو کھڑے ہوں۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۔ ۲۰

پشاور کینٹ

۳۱-۱۱-۵۱

مسترشد:۔ بخدمت اقدس قبلہ وکعبہ ام سیدی ومولائی حضرۃ المکرم دام ظلکم ومد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخ :۔ مخلص من آدام اللہ تعالیٰ توفیقکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مسترشد :۔ ایک مہینہ سے اوپر ہوا کہ حضرت والا کا گرامی نامہ صادر ہوا تھا۔ بندہ اپنی نالائقی کی وجہ سے پھر حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر و ناکارہ کو اپنی خصوصی رحمت کے صدقے اپنی مرضیات کے مطابق ہر آن و لمحہ گذارنے کی توفیق عنایت فرماویں

حضرۃ الشیخ : الحمد للہ خیریت ہے۔ صرف کھانسی کی شکایت ہے، دوا اور انجکشن استعمال میں ہے۔

مسترشد :۔ حضرت والا! گذشتہ عریضہ میں اسمبلی میں امیدوار کھڑے ہونے کی اجازت چاہی تھی۔ جو مسلم لیگ کے شدید تقاضے کی بنا پر تھی آپکی مشروط اجازت آئی۔ بندہ نے لیگ کے ٹکٹ کیلئے درخواست کی۔ لیکن اتنے میں ہماری سیاست والوں کی درپردہ حکمتیں اس چیز کی متقاضی ہوئیں۔ کہ میری بجائے ہمارے صدر صاحب کو ٹکٹ دیا جائے چنانچہ انہیں ٹکٹ دیا گیا۔ اور اللہ رب العزت کی دور رس حکمت نے

نامعلوم کس آنے والی ابتلاء سے اس بندہ کو محفوظ کر دیا۔
(والحمد للہ علی ذالک)

حضرۃ الشیخؒ:- الخیر فی ما وقع
بہر حال آپ کو سیاسیات کا تھوڑا سا تجربہ ہو گیا۔

مسترشد:- بہر حال موجودہ سیاست کے ساتھ چلنا اور انہیں صحیح بنیادوں پر اٹھانا نہایت ہی دشوار کام ہے۔ قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماویں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:- تو پاک باش مدار از کس باک

مسترشد:- قبلہ ام! میری اپنی حالت میں معمولات کی پابندی کروائے جانے کے باوجود پہلے سے زیادہ بہتری کی طرف تغیر نہیں ہوا۔ گو بفضل ایزدی قلب کی نگہداشت کا مادہ پیدا ہو گیا ہے لیکن پچھلے چند دن سے سمجھ رہا ہوں کہ گویا دل اندر سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ پریشان خیالی بھی لاحق ہو رہی ہے۔ پہلے جیسا توکل و یقین بھی نہیں رہا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سیاسی مشغولیت کے نتائج ہوں گو حتی الوسع ناجائز سرگرمیوں سے پرہیز کرتا ہوں لیکن صحبت کے اثرات ہو سکتے ہیں۔ دوام ذکر جاری ہے۔ بحمداللہ مولانا تھانویؒ کے ملفوظات عموماً زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دیں۔ تو اگلے مہینے کچھ دن کے لئے حاضر خدمت ہو جاؤں گا تاکہ قلب کی سیاہی دھل سکے۔

حضرت الشیخؒ :۔ مواعظ اور ملفوظات کا مطالعہ ہر قدم پر انشاء اللہ تعالیٰ آپکی رہبری کرے گا۔

مسترشد :۔ حضرت والا! بندہ عاجز کی معاشی حالت عجیب ہے اپنے کاروبار کا ابھی تک کوئی سلسلہ نہیں۔ اخراجات لابدی ہیں۔ تجارت کیلئے سرمایہ نہیں۔ شراکت کا کچھ فائدہ نہ پہنچ سکا۔ ملازمت کوئی صحیح مل نہیں رہی۔ اللہ رب العزت غیب سے سامان پیدا فرماویں آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ طلب رزق حلال از جملہ فرائض و واجبات ہے۔ اِس سے تو کسی حال میں تغافل درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔ اور غیب سے سامان فرمادیں۔

مسترشد :۔ کبھی خیال کرتا ہوں کہ بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو کر دینی تعلیم وغیرہ حاصل کرکے دین کی خدمت میں زندگی گذار دوں۔ لیکن جب عواقب کو دیکھتا ہوں۔ تو ابھی اپنے میں اتنی ہمت نہیں پاتا دوسرا کوئی سلسلہ اپنی مزاج کا بھی نظر نہیں آرہا۔ اللہ تعالیٰ اس فقیر کے ساتھ انتہائی لطف و کرم والا معاملہ فرمادیں۔ اور توکل و تفویض تام سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ : آمین

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے استحقاق کو خالص اپنے لطف سے جو دینی نعمتیں و صلاحتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ بھی میری ناقدریوں اور نا اہلیوں کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف

فرمادیں۔ اور اپنی مرضیات کے مطابق کمال عفو و عافیت کے ساتھ
زندگی گذروادیں۔ آمین۔

دعاؤں کا نہایت ہی محتاج ہوں۔ حد درجہ ناکارہ و نااہل ہوں پوری
توجہات و دعاؤں سے نوازیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں۔

مسترشد:۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان و احباب خصوصاً غلام مرتضےٰ
و حاجی اسلم صاحب سلام کے بعد دعا کے لئے عرض کرتے ہیں۔ باقی
جملہ خیریت ہے۔ برادرم سلمان صاحب کی خدمت میں سلام۔ فقط

ناچیز و ناکارہ

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ:۔ ان سب کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں

الفقیر الی اللہ

سید سلیمان

۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

مکتوب ۳۱

جھیل روڈ۔ پشاور کینٹ

۵۱-۱۲-۲۴

مسترشد :۔ بخدمت مکرمی ومعظمی سیدی و مولائی حضرۃ مکرم دام ظلکم ومد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی ومخلص ومحبی وفقکم اللہ تعالیٰ لما یحب ویرضی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :۔ حضرت والا کا شفقت نامہ مل کر باعثِ تسکین د زیادت ایمان ومحبت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس فیض کو تاقیامت باقی رکھے جو ہم جیسے نااہلوں کو بھی ایمان کی حلاوت سے فیض یاب کر ہی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامل صحت وعافیت بخشے۔ اور ہمیں غیب سے استعداد نصیب فرماوے کہ آپ کی تعلیمات و علوم وفیوض وبرکات کے صحیح حامل بن سکیں۔ وما ذالك علی اللہ لعزیز۔ کہ اگر اللہ رب العزت کا ارادہ اور آپ بزرگوں کی خصوصی توجہ وعنایت ہو جائے تو بہت ممکن ہے کہ یہ سراپا خطا وجہل علم وعمل وقرب و رضا سے نواز دیا جائے

باکریماں کارہا دشوار نیست

نوبہارا حسن گل دہ خار را ؛ زینت طاؤس دہ ایں مار را

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالیٰ مع الخیر ہوں۔ آپ کے لئے دعا خیر کرتا ہوں۔

مسترشد :۔ حضرت عالی! سننے میں آتا ہے۔ کہ کئی بار اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اپنی دعا وہمت سے ناکاروں کو کام کا بنا دیا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو

یہ نابکار و نااہل نگاہ کرم کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔ پہلے بھی نوازا جا رہا ہوں۔ اور آئندہ بھی امیدوار ہوں۔ حضرت والا! اللہ رب العزت کی حکمت غیبی نے ایک دور افتادہ ناآشنا بے کار و نااہل سے تقریباً نو سال ہونے کو آئے آپ کا خط کے ذریعے تعارف کرا دیا۔ یقیناً میں اس چیز کا اہل نہ تھا۔ کہ آپ جیسے بزرگوں سے شرف مکاتبت حاصل کرتا لیکن یہ اس بے نیاز کی دین تھی۔ کہ ایک گدا کو لایا اور شاہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ کسی قابل نہ تھا۔ نہ اب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- ہاں بھائی یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت خصوصی ہے جو وہ اپنی مشیت سے کسی پر کرتے ہیں۔ ورنہ سنت اللہ جو جاری ہے ہم کو اس کے راستے سے اون تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور اسی میں لگے رہنا چاہیئے۔

ملتے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے
پر تجھ کو چاہیئے کہ لگا دو لگی رہے

مسترشد :- اپنی اس طویل گذشتہ نو سالہ زندگی پر نگاہ ڈالتا ہوں تو ایک لحاظ سے اپنی کوتاہی، نااہلی، بے عملی اور نابکاری عیاں ہو جاتی ہے اور ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ کہ اسے نااہل اس قدر طویل عرصہ میں بھی تیری اصلاح نہ ہو سکی۔ اگر یہی ہدایتیں کسی دوسرے کو ملتی تو نہ معلوم کہاں کا کہاں پہنچ جاتا اور یہاں ہنوز روز اول والا معاملہ ہے۔ دوسری طرف، جب اپنی کوتاہیوں کے باوجود اللہ رب العزت کے احسان و کرم نوازیوں کی طرف نگاہ جاتی ہے۔ تو شکر و امتنان کے جذبات

سر جھک جاتا ہے کہ باوجود اس قدر کوتاہیوں کے یہ انعامات۔ معمولات کی بہر حال کسی نہ کسی صورت پابندی، ذکر دائمی کی توفیق، دینی علم و احادیث کے کچھ پڑھ لینے کی عنایت، اپنی اصلاح کا فکر، ایک احسان ہو تو گناؤں۔ بہر حال جس چیز و عنایت کا قطعاً مستحق نہ تھا۔ بغیر کسی ذاتی استحقاق و خوبی کے محض ان کی عنایت و کرم اور آپ کی توجہ و برکت سے اس نا اہل و نابکار پر مبذول ہوتی رہی اور آئندہ بھی صرف ان کے احسان و رحمت سے امید ہے کہ نا امید نہ کیا جاؤں گا! کہ ان کی رحمت ہر چیز سے بڑی ہے۔ صرف ڈر اپنی کوتاہی کا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ دونوں جذبے صحیح ہیں۔ پہلے کا منشا یہ ہے کہ تکبر راہ نہ پائے اور ترقی کی طرف قدم ہمیشہ بڑھتا رہے اور دوسرے کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے تاکہ نعمت میں حسب وعدۂ الٰہی افزائش ہو۔

مسترشد :۔ اللہ رب العزت ادنیٰ مواخذہ سے بھی محفوظ فرمائیں۔ اور انتہائی کرم و ستر، عفو و درگذر کا معاملہ فرمائیں۔ اور دارین میں کمال عافیت و فراغت، قرب و محبت کی زندگی سے نوازیں اور بغیر کسی حساب کے اپنی رحمت اور بزرگوں کے صدقے اپنی جنت و رضا سے مع جملہ محبین و اقارب اور تمام اہل اسلام کے ہمکنار فرماویں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ حضرۃ والا۔ خط گو طویل ہو گیا ہے۔ تاہم سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے۔ مدعا نگار ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ہاں خط طویل نہ ہو تو مناسب ہے۔ باقی ضروری امور نمبر دے کر نمبر وار لکھا جائے تاکہ نمبروں کی ترتیب سے جواب میں سہولت ہو

مسترشد:۔ پچھلے کچھ دنوں سے قلب میں اک سوز کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ کچھ مستی کی کیفیت محسوس کرتا ہوں۔ عشقیہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ان سے تسکین ہوتی ہے۔ ذکر بھی جو کرتا ہوں ہمیشہ خفی کرتا ہوں۔ (الا ما شاء اللہ) جہری کرنے کو جی چاہتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ قلب سے ماسوا کا تعلق قطع ہو جائے اس سلسلہ میں مزید یہ بات ہے کہ آپ کے فرمانے کے مطابق میں اسم ذات کا ذکر تین ہزار مرتبہ کرتا ہوں۔ عموماً یہ دھیان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے چون و بے چگوں قلب احقر کے ساتھ ہیں (سبحان اللہ تعالیٰ عما یصفون)۔ لیکن اب کچھ دنوں سے لا الٰہ الا اللہ ذکر کے دوران میں اس نیت سے کہہ دینے سے کہ غیر کو قلب سے خارج کر رہا ہوں قلب پر جو گرہ سے ہوتی ہے۔ کھل جاتی ہے۔ اطلاع و اصلاح کے لئے تحریر خدمت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا ذکر دائم نصیب فرماویں۔ اور ہماری نفسانی خواہش و شرور سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ایک کیفیت بھی مستحسن و محمود ہے۔ ذکر جہری کرنے یا عشقیہ اشعار پڑھنے کو جی چاہے تو پڑھ لیں۔ خواجہ مجذوب صاحب کے اشعار اس کے لئے مفید ہیں۔ یہ ذکر اسی طرح سے جاری رکھیں۔

مسترشد:۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوانح آج کل زیر مطالعہ ہے

بہت نافع معلوم ہو رہی ہے

حضرۃ الشیخؒ :- سوانح کا حصہ خصوصاً تعلیمات کا مفید ہے۔

مسترشد :- گذشتہ کراچی میں آپ کی خدمت میں حاضری گو غیر متوقع اور بہت قلیل تھی۔ لیکن سچ عرض کرتا ہوں۔ نہایت فائدہ محسوس کیا۔ اور اپنی کئی کوتاہیوں اور نفس فریبیوں پر آگاہی ہوئی۔ اللہ رب العزت جلد سے جلد طویل و نافع صحبت کی صورتیں بہم پہنچا دیں۔ سچ ہے کہ بزرگوں کی ایک منٹ کی صحبت صدیوں کی ہم جیسوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ آج کل عموم اس چیز کا دھیان رہتا ہے کہ جلد سے جلد اللہ تعالیٰ اس گندے کو رذائل سے پاک کرے اور کوئی صورت ہو جائے۔ کہ میری اصلاح بھی ہو جائے۔ جماعتی کاموں سے دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اپنی اصلاح کا فکر غالب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فکر کو عمل سے اور اس تمنا کو حقیقت سے بدلیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کو ایسا ہی سمجھنا چاہیئے۔ جماعتی کاموں میں اتنی کثیف گندگی ہے۔ کہ اس کا ازالہ ہم ضعفاء سے ممکن نہیں۔

مسترشد :- اپنے میں عزیمت کی کمی پاتا ہوں۔ دعا فرمادیں۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے وقت میں دین کے کاموں کے لئے برکت ڈالے کہ بہت سا وقت کاہلی کی نظر ہو جاتا ہے۔

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ دین میں عزیمت عطا فرمائیں۔ یہ بڑی نعمت ہے اور اس کے بغیر استقامت مشکل ہے۔

مسترشد :- آپ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا۔ کہ جناب والا کو ہنوز کھانسی

کی شکایت تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامل شفا نصیب فرمادیں۔ اب کیا حال ہے مطلع فرمادیں۔ تاکہ تشویش دور ہو۔

والدہ مکرمہ ام اور ہمشیرگان محبین و متعلقین خصوصاً غلام مرتضےٰ و حاجی اسلم دعائے خصوصی کیلئے کہتے ہیں اور سلام عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حاجات کا تکفل فرماتے ہوئے اپنا بنا کر دارین کی عافیت و حسن خاتمہ نصیب فرمادیں۔ فقط والسلام

دعا و نگاہ کا طالب

بندہ محتاج

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :- ان سب صاحبوں کے حق میں دعاء کرتا ہوں

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۳۲

مسترشد :۔ بخدمت اقدس سیدی و مولائی قبلہ وکعبہ ام حضرۃ المکرم دام ظلکم و مدفیوضکم

حضرۃ الشیخؒ :۔ اعزی زادکم اللہ عرفانا

مسترشد :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد :۔ حضرت والا سے رخصتی کے بعد بندہ بحمد للہ مع الخیر پشاور پہنچا۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ اُمید ہے حضرت والا بھی بعافیت تام ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ اس سایہ کو ہمیشہ بتمام عافیت و خیر و فراغت ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اور آپ کے علوم و برکات فیوض و تعلیمات سے ہمیں بھی پورا پورا نفع بخشے ۔حضرت والا آپ کی خدمت میں کراچی کی حاضری میں وقتاً فوقتاً حاضری ہوتی رہی۔ اس دوران میں اس نالائق سے جو کوئی غلطی قولی و فعلی سرزد ہوئی ہو اس کی صدقِ دل سے معافی چاہتا ہوں۔ سچی بات ہے۔ میں تو ان مجلسوں میں جانے کے قابل بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے قربان کہ ہم نااہلوں کو بھی ایسی جگہوں پر پہنچا دیتے ہیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے ۔

مسترشد :۔ حضرت کی صحبتوں سے بحمد للہ تعالیٰ جو نفع پہنچا۔ وہ قلباً و عملاً اللہ تعالیٰ کے خاص احسان سے نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ علی ذلک ! اپنے عیوب کھل کھل کر سامنے آرہے ہیں۔ یوں سمجھ میں آتا ہے۔ کہ جس منزل کو میں طے شدہ سمجھتا تھا۔ وہ ہنوز اسی طرح سامنے ہے ۔ میری اصلاح کا میدان اسی طرح بے قطع سامنے پڑا ہوا ہے۔ اپنے عملوں پر ندامت و پشیمانی کا حال

اپنی اصلاح کی فکر بہت نمایاں ہوگئی ہے۔ اور وجداناً اپنے کو دنیا میں سب سے زیادہ گنہگار پاتا ہوں۔ میل ملاپ اخلاق وعادات میں بھی بحمد للہ تعالیٰ اپنے کو سنوارنے اور کام کو ٹھیک کرنے کا فکر یہ زیادہ ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دیں۔ آمین

اپنے شرور نفس سے ہر وقت کس طرح بچا جائے۔؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق للہ کو طرفین کے لئے موجب برکت بنائے۔

مسترشد :۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ زیر مطالعہ ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ معمولات پورے کروا ہی دیئے جاتے ہیں۔ حضرت والا کی صحبتیں اور باتیں دل و دماغ پر چھائی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز و ناکارہ کو بھی بزرگوں کے صدقے اِس بے استحقاقی کے باوجود نواز دیں۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ مطالعہ جاری رکھیں۔

مسترشد :۔ معاشی پریشانیاں بھی فکرات وتشویش کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی محتاجی سے محفوظ فرما کر اپنی ذات عالی سے ہم ضعفاء کی حاجتوں کا تکفل فرماتے ہوئے کمال عافیت و فراغت آسانی وکشائش کے ساتھ اپنے لئے اور اپنے دین کے لئے چن لیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ آپ کی معاشی فکروں کو دور فرما کر مطمئن فرمائے۔

مسترشد :۔ والدہ صاحبہ محترمہ، ہمشیرگان، بھائی صاحب، بھائی غلام مرتضیٰ اور دیگر محبین سلام عرض کرتے ہیں۔ اور خصوصی دعاؤں کے طالب ہیں۔ بندہ ناکارہ بھی خصوصی دعاؤں کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی جملہ پریشانیوں کو دور فرما کر اپنے ساتھ اطمینان قلب نصیب فرماتے ہوئے

خود ہی ہمارے وکیل وکفیل حافظ وناصر ہوجائیں۔ آمین. فقط

نظرعنایت وہدایت کا طالب

محمد اشرف عفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :- اپنی والدہ صاحبہ ہمشیرہ صاحبہ اور عزیزوں کو سلام ودعا پہنچے۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۱ ۳

(مکتوب مسترشد)

محمد اشرف ۔ ۳ جمیل روڈ پشاور صدر

۱۸ - ۳ - ۵۲

بخدمت اقدس حضرۃ المکرم سیدی و مولائی قبلہ و کعبہ امام سید صاحب دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

اُمید ہے مزاج گرامی بعافیت و خیریت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کے سایہ کو ہمیشہ قائم رکھے۔ جن کے قدم سے ہمارے مردہ دلوں کی حیات اور ہمارے بے نور نگاہوں کی روشنی ہے۔

حضرت والا! اللہ رب العزت کا شکر کس زبان سے ادا کروں جس نے مجھ جیسے ناکارہ اور ہیچ در ہیچ کو آپ کے ذریعے اپنی گوناگوں مہربانیوں کا مورد بنایا (والحمد للہ حمداً کثیراً کثیرا) سچ کہا ہے، بزرگوں نے کہ صحبت کیمیا ہوتی ہے۔ اپنی نااہلی کے کامل استحضار کے ساتھ تحدیث نعمت کے طور پر اطلاعاً عرض ہے۔ کہ کراچی کے بعد دن بدن آپ کی صحبت کا اثر اپنے میں نمایاں دیکھتا چلا جاتا ہوں۔ قلب کی حالت بھی دگرگوں ہے۔ ایک خاص سکون کے ساتھ ان کا دھیان، اپنی نابکاری اور بے عملی کا ہر وقت فکر، عقبیٰ کی تیاری کا کا احساس پہلے سے زیادہ ہے۔ طبیعت کی شورش اور لوگوں سے ملنے کا شوق انس و خلوت پسندی کی طرف مائل ہوتا جاتا ہے۔ ایک عجیب چیز یہ ہے۔ کہ بحمد للہ اپنے خلو و ہیچ دانی کا یقین راسخ ہو گیا ہے۔ اور کسی فضیلت کے کلمے کی اپنے طرف

نسبت سے شرمندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور بزرگوں کا فیض ہے کہ زبان سے ایسے علوم کے متعلق چیزیں جاری فرما دیتے ہیں۔ جن کا اس سے بیشتر مجھے خود قطعاً علم نہیں ہوتا۔ اور یہ سب اس کی دین ہے۔ ورنہ یہ جاہل محض کس قابل ہے۔

یہ کس مے کدہ سے اٹھی موج ہے
چلی آرہی ہے جو فیضان ہو کر !

بہرحال یہ تو ان کا معاملہ ہے۔ اپنا نفس ہر جگہ گندہ ہے۔ اپنے کو خطرہ میں پاتا ہوں۔ ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم شیطان کا بہلاوا اور نفس کا فریب نہ ہو۔ اللہ رب العزت سے دعاء فرماویں کہ ہر آن و ہر لحظہ اپنے احکامات کی کامل پابندی کے ساتھ اپنا دھیان نصیب فرماتے ہوئے میری حفاظت فرماویں فنائے کامل اور تفویض تام عطا فرماویں۔ معمولات کی ادائیگی بحمد اللہ تعالیٰ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے رذائل کو دور فرما کر اپنے رنگ میں رنگ دیں حسن عمل خالص نیت کمال تقویٰ نصیب فرماویں۔

حضرت والا ! دعاؤں کا سب سے زیادہ محتاج ہوں۔ جس ذات اقدس نے بغیر میرے ارادے و کوشش کے ایک دور افتادہ کا تعلق صدہا میل کے فاصلہ پر حضرت والا سے کرا دیا۔ ان کی ذات عالی سے اُمید ہے کہ آئندہ بھی نا اُمید نہ فرماویں گے۔ اور میرے اصلاح کی صورتیں پیدا فرمائیں گے۔

والدہ صاحبہ، ہمشیرہ گان، اعزہ و محبین، میرے دوست غلام مرتضےٰ اور حاجی اسلم سلام و دعاء کیلئے عرض کرتے ہیں۔ فقط والسلام

مکتوب نمبر ۱۳

(مکتوب حضرت الشیخ)

صدیق محترم اذاقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ آپ کے حالات معلوم ہو کر خوشی ہوئی ۔ اسی طرح چلے چلئے، نفس کے فریب سے بچتے ہوئے، کہ اس کا فریب اچھوں اچھوں کو اپنے دام میں پھنسا لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ۔

الحزم سوء الظّن

تجربہ کاری سوءِ ظن کا نام ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک والا نامہ میں یہ حدیث مجھے لکھی تھی تو اسکے بعد ایک لفظ بڑھا دیا تھا۔ یعنی 'بنفسہ' یعنی تجربہ کاری اپنے نفس کے ساتھ سوءِ ظن کا نام ہے۔

آپ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں ۔ آپ کی والدہ اور ہمشیرہ کے لئے بھی دعائے خیر ہے۔

والسلام

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۳۳

جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور

عزیزی و محبی ادام اللہ تعالےٰ توفیقکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ ۔ ۱۸ ۔ ۱۹ ۔ ۲۰ اپریل کو راولپنڈی میں قیام انشاء اللہ تعالےٰ ہوگا ۔ آنا چاہیں تو آجائیں ۔ عموماً وہاں میرا قیام مولانا غلام اللہ خان صاحب پرانا قلعہ خطیب و امام جامع مسجد کے یہاں ہوتا ہے ۔ وہی جلسہ کے داعی بھی ہیں ۔

آپ دونوں کے محبت کا شکر گزار ۔ اللہ تعالےٰ جزائے خیر دیں ۔

والسلام

سید سلیمان

۹ اپریل 1953ء

مکتوب - ۳۵

۳۰ جھیل روڈ پشاور

۱۵ - ۵ - ۵۲

مسترشد :۔ بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی سید المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخ رح : محبی و عزیزی زادکم اللہ تعالیٰ عرفانہ
السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ حضرت والا کی حیات بخش صحبت سے پنڈی میں جدائی کے بعد خط لکھنے کی سعادت حاصل کر نہ سکا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں۔ اُمید ہے آنجناب مع متعلقین کے بخیریت و عافیت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمیشہ ہم پر قائم رکھے اور آپ کے فیوض و تعلیمات سے پورا پورا بہرہ مند فرمادے اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کی اس ناکارہ کو توفیق بخشے۔ آمین

حضرۃ الشیخ رح :۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔

مسترشد :۔ بندہ کے حالات کچھ دن سے عجب تلون کی حالت میں ہیں کبھی تو یقین و ایمان کی کیفیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کبھی اپنے ایمان و معمولات کا بھی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے اپنے متعلق بے اطمینانی بہت بڑھ گئی ہے۔ اندیشہ لگا رہتا ہے۔ کہ خدانخواستہ کہیں یہی غفلت کا عالم رہا تو کیا بنے گا۔ حالت قابل اطمینان نہیں۔ معمولات گو ادا کر لیتا ہوں لیکن نیند کا غلبہ بعض اوقات تہجد کو فوت کرا دیتا ہے۔ قضا کر لیتا ہوں

ندامت ہوتی ہے لیکن باوجود ارادوں کے کئی دفعہ فوت ہوگئی۔ نیند کا کیا کیا جائے۔ میں تو غلبۂ نوم سے تنگ آگیا ہوں۔ باقی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ باوجود ان غفلتوں کے اپنی ناکارگی کے دھیان کے ساتھ اپنی اصلاح کا فکر لگا رہتا ہے دعا فرماویں۔ کہ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمادیں اور کامل اصلاح نصیب فرمادیں۔ آمین

حضرة الشیخؒ:۔ یہ نشیب و فراز اور تلون عالم کی ہر چیز میں ہے انسان بھی اسی عالم میں ہے۔ اس سے گھبرانا نہ چاہیئے بلکہ اور زیادہ استقامت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہنا چاہیئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعاء اسی موقع کے لئے ہے۔ اس کو پڑھا کیجئے۔

يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ

نیند کا غلبہ اگر قلت وقت نوم سے ہے تو جلد سونے کا سامان اور معمول کرنا چاہیئے اور اگر طبیعت کے کسل سے ہے تو چلنے وغیرہ سے علاج کیجئے

مسترشد:۔ معاشی پریشانیوں سے بھی طبیعت پر بوجھ ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کمال عافیت و غنا ظاہری و باطنی سے نوازیں اور غیب سے رزق حلال کے اسباب پیدا فرماویں۔ آمین۔

حضرة الشیخؒ:۔ معاشی پریشانیوں کا علاج دعاء اور تدبیر دونوں سے کرنا چاہیئے۔

مسترشد:۔ تین چار دن ہوئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ پہلے آپ نے (گویا تعلیم دینے کیلئے) جماعت کی نماز پڑھائی پھر دعا فرمائی۔ اور اس کے بعد کچھ ارشاد فرمایا جس کے الفاظ تو یاد نہیں رہے۔ لیکن مدعا یہ یاد رہ گیا۔ کہ امام و مقتدی وغیرہ

اپنی اپنی جگہ جس طرح آدابِ ظاہری و باطنی کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھیں گے ان کا ذاتی طور پر انہیں ویسا ہی ثواب ملے گا۔ یہ نہیں کہ سب کو برابر کا ثواب ملے (واللہ اعلم) پھر اس کے بعد آپ نے مقتدی کی نماز کا طریقہ بتانے کے لئے پہلی صف میں آکر نہایت خشوع سے نیت باندھی۔ آگے امامت والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ خواب تعبیر کیلئے لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ خواب مبارک ہے۔ نماز کی ترکیب خضوع و خشوع پر عمل کیجئے

مسترشد :۔ باقی خیریت ہے۔ اس ناکارہ کے حال پر خصوصی توجہ مبذول فرمادیں اپنی ذات سے تو وہی حالت ہے کہ

چہل سال عمرے عزیزت گذشت :: مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت

جو مناسب سمجھیں میری اصلاح حال کے لئے تحریر فرمادیں کہ شفائے عاجلہ و کاملہ کا طالب ہوں۔ والدہ صاحبہ و ہمشیرگان دعا کی درخواست کرتی ہیں اور سلام عرض کرتی ہیں اکثر محبین اور خصوصاً غلام مرتضیٰ صاحب بھی طالب دعا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات کی زندگی کمال فراخی و تیسیر کے ساتھ نصیب فرماکر حسن خاتمہ کی دولت سے نوازیں۔ فقط والسلام

نظر عنایت کا طالب، ناکارہ خلائق محمد اشرف

ز الشیخ :۔ اصلاح کامل تو کسی زمانہ میں بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جیسے جیسے کمال کی طرف آدمی بڑھتا ہے اسکے نقائص اور زیادہ اس پر واضح ہو جاتے ہیں مگر بندہ کو چاہیئے کہ اپنی کوشش میں لگا رہے۔ سب کو سلام و دعا سب کے لئے دعائے خیر۔ والسلام سید سلیمان ندوی ۲۹ شعبان ۱۳۷۱ھ

۲۳ جون ۱۹۵۲ء
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۳۶

مسترشد:۔ بخدمت قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی حضرت سید المکرم مدظلہ دام فیضہٗ

حضرۃ الشیخ رح:۔ عزیزی و مخلصی و محبی رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ۔

مسترشد:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رح:۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مسترشد:۔ اُمید ہے کہ حضرت والا بعافیت و بخیریت ہوں گے۔ یہ عاجز بھی بحمد للہ تعالیٰ بخیریت ہے۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ آپ کا یہ خط رمضان المبارک میں آیا تھا۔ یہ کاغذات میں دب گیا تھا۔ آج ملا۔

مسترشد:۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ یہ سراپا خطا اللہ رب العزت کے فضل اور آپ کی دعا کی برکت سے بہت فائدہ محسوس کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ کو بزرگوں کی برکت سے جملہ رذائل سے پاک فرما دے۔ قلب میں غیر کی موجودگی سے کلفت ہوتی ہے۔ گو غیر اللہ کا دھیان مٹا نہیں۔ تاہم جی چاہتا ہے کہ دل بالکل فارغ ہو جائے۔

ایسے الحمد للہ تعالیٰ معمولات و طاعات کا حتی المقدور اہتمام کروایا جاتا ہے

(والحمد لله على ذالك وما ابرى نفسى ان النفس لامارة بالسوء)

حضرۃ الشیخ رح:۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے ملا اوس کا شکر ادا کیا جائے۔ اور جو اب تک نہیں ملا اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنی چاہیئے کہ وہ مناسب موقع پر اپنے

فضل وکرم سے عطا فرمائیں گے ۔

مسترشد :۔ اوقات الحمد للہ اچھے ہی گزرتے ہیں ۔ ایسے بھی رمضان المبارک کا مہینہ ہے ۔ گو اس کا حق تو مجھ جیسے ناکارہ سے کیا ادا ہوتا ۔ تاہم لایعنی سے پرہیز کی کوشش کرتا ہے ۔ اور یہ سب کسی کا فیض ہے ۔ ورنہ یہاں کیا رکھا ہے اللہ رب العزت فیض کے اس چشمہ کو ہم جیسوں کی سیرابی کے لئے تاقیامت باقی رکھے ۔ آمین ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ رمضان المبارک کے برکات بھی جب ہی حاصل ہوتے ہیں جب اس کے حقوق ادا کئے جاتے ہیں ۔

مسترشد :۔ حضرت والا ! اپنے کو ابھی تک مٹا نہیں سکا ۔ جہاں تک سُنا ہے ۔ اس راہ میں اپنے کو مٹانا ہی سب کچھ ہے ۔ یہ کس طرح نصیب ہو !

حضرۃ الشیخ :۔ اپنے کو مٹانا یہی ہے کہ اپنے کسی کمال کو اپنا ذاتی نہ سمجھا جائے ۔ بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا بلا استحقاق سمجھا جائے ۔ اور اپنے کسی عمل کو موثر مستقل نہ سمجھا جائے ۔ دل میں کبر و نخوت و عجب باقی نہ رہے ، یہ حاصل ہوتا ہے اپنے ضعف اور بیچارگی کے تصور اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کے استحضار سے ۔

مسترشد :۔ اُمید ہے کہ رمضان المبارک کے خصوصی اوقات میں اس ناکارہ و نااہل کو بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد فرمادیں گے ۔ اللہ تعالیٰ آج تک آپ کے ذریعے سے بندے کو نوازتا رہا ہے ۔ آئندہ بھی خاص توجہات کا طالب ہوں ۔

اگر ساقی تری چشم فسوں گر کام کر جائے
بدل جائے نظامِ دل بدل جائے جہانِ دل

حضرة الشیخؒ :۔ آپ کے لئے دعائے خیر ہے۔

مسترشد :۔ باقی جملہ خیریت ہے۔ والدہ صاحبہ و ہمشیرہ گان بہت بہت سلام کے بعد دعا کے لئے ملتمس ہیں۔ غلام مرتضیٰ صاحب بھی سلام کے بعد دعا کے لئے عرض کرتے ہیں۔ فقط والسلام

نظر عنایت کا طالب

محتاج و درماندہ محمد اشرف غفرلہٗ

حضرة الشیخؒ :۔ اپنی والدہ اور ہمشیرہ گان کو سلام کہدیجئے۔ سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔

فقیر الی اللہ

سید سلیمان

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ — **مکتوب - ۳۷** — پشاور - ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

مسترشد :- بخدمت اقدس قبلہ وکعبہ ام سیدی و مرشدی حضرت سید المکرم صاحب
دام ظلکم و مد فیوضکم

حضرۃ الشیخ رح :- محب عزیز وفقکم اللہ تعالیٰ

مسترشد :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ - اس سے پیشتر ایک عریضہ خدمت عالی میں بھیج چکا ہوں - اُمید ہے مل گیا ہوگا - رمضان المبارک کے پُرنور مہینہ کے انوارات و برکات و قرآن عظیم کے علوم و معانی جو اس ماہ صیام کا خصوصی تحفہ ہیں - درگاہ رب العزت سے حضرت والا پر اس ماہ میں اُمید ہے بیش از بیش افاضہ ہوئے ہوں گے - اللہ تعالیٰ کی ان خصوصی رحمتوں پر اور عید الفطر کی آمد پر حضرت والا کی خدمت میں مبارکباد پیش ہے - اللہ تعالیٰ فیوض و برکات کے اس چشمہ کو قیامت تک تمام عالم کے لئے جاری رکھے اور مجھ جیسے تشنہ لبوں کو پوری شادابی نصیب فرمائے آمین

حضرت الشیخ رح :- السلام علیکم و رحمۃ اللہ - آپ کی نیک دعاؤں پر آمین کہتا ہوں - اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں -

مسترشد :- حضرت والا ! کرم ہے - اللہ رب العزت کا اور بزرگوں کی عنایت ہے کہ نوازا جا رہا ہوں - ان کے احسانات میں سراسر ڈوبا ہوا ہوں - کہاں میں اور کہاں خصوصی عنایتیں - ان کا فضل ہے - اور انہی کے فضل سے اُمید ہے کہ نجات نصیب ہو جائے گی - گو اپنا کوئی عمل نہیں - لیکن اگر یہاں نواز رہے ہیں - تو بغیر کسی استحقاق کے انشاء اللہ اپنی رحمت واسعہ کے صدقے وہاں بھی نوازیں گے

وما ذالك على الله بعزيز

حضرۃ الشیخؒ :۔ نجات تو صرف فضل الٰہی کا کرشمہ ہے۔ عقائد و اعمال کی صحت اس کے لیے بمنزلہ شرط کے ہے پس اسی میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ اوس کے فضل میں حصہ مل سکے۔

مسترشد :۔ حضرت والا! اب اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ میرے جملہ اعمال صرف پوست ہی پوست اور ظاہر ہی ظاہر ہیں۔ جن میں حقیقت عبدیت و عبادت مفقود ہے۔ اللہ تعالیٰ میری بے جان زندگی کو اپنی ذات سے جان بخشیں

حضرۃ الشیخؒ :۔ بے شبہ یہی بات ہے ہمارے اعمال پوست ہی پوست ہیں۔ انسان جسقدر ترقی کرتا ہے۔ اپنے احوال و اعمال متوقعہ مراتب سے کم نظر آتے ہیں اور یہی صحیح حال ہے۔

مسترشد :۔ اعمال میں اخلاص و حقیقت اور کمال ادائیگی سے حسن پیدا فرمائیں آمین۔ عملی طریقہ کیا ہے؟

حضرۃ الشیخؒ :۔ آمین

مسترشد :۔ نیز حالت ذکر میں مذکور سے غفلت کس طرح دور ہو اور کمال حضور کی کیفیت ہر وقت کس طرح میسر آئے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ جس قدر حضور بھی نصیب ہو وہ شکر کے قابل ہے۔ دوام حضور کم کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

مسترشد :۔ کتاب و سنت کے مطابق بھی اب قلب میں علوم و اسرار جو ڈالے جاتے ہیں ان کے متعلق یہ خیال پیدا کرا دیا گیا ہے۔ کہ یہ سب ظنّی اور گمانی

چیزیں ہیں جن کی طرف التفات نہیں چاہیئے۔ اصل چیز کتاب وسنت کا متبع پیروی ہے۔ اطلاعاً عرض خدمت ہے۔ اصل حقیقت سے ممنون فرمادیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ یہ علوم واسرار کتاب وسنت کے مطابق ہوں تو بہترین ہیں اور اگر مطابق نہ ہوں تو قابل رد ہیں۔

مسترشد :۔ بحمد اللہ تعالیٰ پچھلے دنوں سے توحید کا غلبہ زیادہ ہے۔ دل چاہتا ہے کہ قطعاً ماسوا سے قلب خالی ہو جائے۔ ع

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ؂ اب تو آجا اب تو فرصت ہوگئی

اللہ رب العزت اپنے کمال احسان سے جس سے کہ بے استحقاقوں کو نوازتے ہیں۔ اس نااہل ونا کارہ کو بھی اپنی خصوصی عنایتوں سے نوازتے ہوئے میرے ویران دل کو اپنے ذات سے آباد فرمائیں کہ ان کی آبادی ہی سے ہماری آبادی ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے نفس کے کید وشرور سے میری پوری حفاظت فرمادیں۔ اپنی کمال محبت وخشیت، کمال تقوی وحضوری نصیب فرمائیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ مبارک

مسترشد :۔ والدہ صاحبہ ہمشیرہ گان برادران جملہ محبین ومتعلقین خصوصاً غلام مرتضے وحاجی اسلم صاحب کی طرف سے بہت بہت سلام اور درخواست دعاء۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ان سب کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں۔

مسترشد :۔ یہ عاجز قوی اُمید رکھتا ہے۔ کہ خصوصی دعاؤں میں یاد رکھا جاتا

ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات عالی کے صدقے اپنی کامل توفیقات و مرضیات سے بہرہ مند فرمادیں۔ حاجات کا تکفل فرماتے ہوئے خیریت و عافیت دارین نصیب فرمادیں۔ فقط والسلام

تابعدار خصوصی توجہات و دعاء کا طالب

بندہ فقیر و حقیر

محمد اشرف

حضرۃ الشیخ مد ظلہم۔ آپ کے لئے ترقی و سعادت دارین کی دلی دعائیں

سید سلیمان

۳ر شوال ۱۳۷۳ھ

مکتوب نمبر ۳۸

پشاور شہر

۷ ذی قعدہ ۱۳۷۱ھ

30-7-52

بخدمت جناب قبلہ و کعبہ ام مرشدی و مولائی سید المکرم دام ظلکم و فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت والا کی پنڈی کی رخصتی کے بعد حضرۃ والا کی خیریت کے متعلق پریشانی ہے۔ برائے مہربانی اپنی عافیت سے مطلع فرماویں اللہ رب العزت انکے سایہ کو ہم پر ہمیشہ قائم رکھے جنکی زندگی نے ہمیں دینی حیات بخشی اور ملت مرحومہ کو عموماً اور ہمیں خصوصاً آپ کے وجود پر فیوض سے پورا پورا کامل قدر دانی کے ساتھ متمتع ہونے کی توفیق نصیب فرمادے۔

سچ ہے صحبت اکسیر اعظم ہے۔ نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں کیا رکھ دیا ہوتا ہے جو بغیر کلام و گفتگو کے قلوب میں ایک خاص لگن و جلن لگا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے خاص بندوں کے مخصوصی فیوض و برکات سے بغیر اپنے کسی ذاتی استحقاق کے نوازے۔

صدقے تیرے سید والا نسب

ہاتھ خالی آئیں ہیں دامن بھر چلیں

دیر سے آیا ہوں ساقی دور سے آیا ہوں میں

ہو عطائے خاص مجھ کو جو عطائے عام ہے

حیات آفریں صحبت کا نمایاں قلبی فائدہ محسوس ہوا جدائی کے بعد عجیب حالتیں ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تغیر احوال کو خیرو وصلاح کی طرف مفضی فرماوے اور میرے نفس اور جملہ فتن وشرور سے محفوظ رکھے کہ بغیر انکی توفیق کے ایک لمحہ بھی صحیح گزرنا ناممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے دین وطریقہ نبوت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دوام و ثبات تا آخر دم نصیب فرماوے اور اپنے اور اپکے تعلق کے قابل اس نالائق کو اپنی خصوصی رحمت سے بنا دے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

والدہ صاحبہ ہمشیرگان اکثر اقربا و محبین آپکی صحت کے لئے دعا کرتے ہیں اور سلام کے بعد دعا کے طالب ہیں۔ اغلباً بھائی غلام مرتضیٰ صاحب کراچی میں حاضر خدمت ہو چکے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انکے اس سفر کو انکے دارین کی بہتری کا ذریعہ بنائے باقی جملہ خیریت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرماویں۔ فقط والسلام۔

دعا کا طالب

محتاج محمد اشرف خاں غفرلہ

جواب مکتوب ۳۸

محبی وعزیزی ارزفکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ سفر بتمام خیر عافیت تمام ہوا۔ اب اچھا ہوں۔ یہاں اور بجز ضعف کے کوئی اور شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اسکو بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آہستہ آہستہ دور فرمائینگے وہی نسخے جاری ہیں۔

آپکی والدہ مخدومہ اور ہمشیرگان کے حق میں دعا خیر کرتا ہوں۔

والسلام

سید سلیمان

۲ اگست ۱۹۵۳ء

مکتوب - ۳۹

پشاور

عید مبارک

۹ ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ - ۳۱ اگست ۱۹۵۲ء

مسترشد :- مکرمی و معظمی سیدی و مولائی جناب قبلہ و کعبہ ام دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رح :- از کراچی

محبی و عزیزی رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد :- اللہ رب العزت آپ کو یہ عید مع اہل خانہ کے مبارک کرے اور ان مقرب ایام کی برکت سے ہمارے اور جملہ اہل اسلام کے لئے ابراہیمی علیہ السلام حنیفیت و خُلت اور اسمٰعیلی علیہ السلام تسلیم و رضا کے دروازے کھولے۔ آمین

حضرۃ الشیخ رح :- بحمد اللہ تعالیٰ کہ عید اچھی طرح گذری۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے

مسترشد :- امید ہے کہ آنجناب اب بالکل اچھی طرح ہوں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ کامل صحت ہوچکی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بکمال عافیت آپکا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ بندہ پچھلے کچھ دنوں سے بخار و پیچش کی وجہ سے صاحب فراش تھا۔ اب بحمد اللہ تعالیٰ اچھا ہوں۔

حضرۃ الشیخ رح :- بحمد اللہ تعالیٰ کہ پہلے سے بہتر ہوں۔ گو ابھی ضعف کی شکایت ہے۔ آپ کی علالت کو شافی مطلق صحت کاملہ و عاجلہ سے بدل دیں۔

مسترشد :۔ حالات میں کوئی خاص تغیر نہیں پاتا۔ استقامت و اصلاح احوال کے لئے دعا کا طالب ہوں۔ زلت ڈگ جانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فن کے متعلق (اپنی دانست میں) باتیں تو معلوم ہوتی جاتی ہیں لیکن عمل و حال اس واقفیت سے بہت دور ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے قال کو حال سے مبدل فرمادے اور کمال اتباع نبوت کمال اخلاص اور کمال اصلاح ظاہر باطن سے نوازے آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ آپ کی استقامت و اصلاح احوال کے لئے دعا کرتا ہوں اصل معاملہ عمل کا ہے۔ اس سے ترقی و تنزل کا اندازہ ہوتا ہے۔ معمولات اور احکام الہٰی کی اطاعت اور گناہ سے پرہیز ہی اصل چیز ہے۔

مسترشد :۔ اللہ تعالیٰ کا اسکی نوازشوں پر شکر گذار ہوں۔ لیکن اپنی کوتاہیاں کما حقہ' آگے بڑھنے نہیں دیتیں۔ خصوصی توجہ کا طالب ہوں جو ہے ان کی عنایت اور بزرگوں کا فیض ہے۔ ورنہ یہاں تو سوا گناہ و گندگی کے کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماوے اور کمال عفو و رحمت سے اس نابکار کے گناہوں سے درگذر فرماتے ہوئے دارین کی عافیت نصیب فرمادے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے گناہوں کو معاف فرمائیں۔

مسترشد :۔ حضرۃ والا! اپنے کو انتہائی ضعیف و کمزور پاتا ہوں۔ دلی التجا ہے کہ رب العزت سے خصوصی دعا فرمادیں کہ اس احقر و

افقر کو دونوں عالموں کے ادنیٰ سے ادنیٰ مواخذہ سے محفوظ فرماتے ہوئے دونوں جہانوں میں اپنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں سے نوازے (اللھم اصنع بنا ما انت اھلہ ولا تصنع بنا ما نحن اھلہ)

حضرۃ الشیخؒ : آمین

مسترشد :- اپنی کمزوریوں نا اہلیوں اور کوتاہیوں کا پورا اعتراف ہے۔ رحمت اور صرف رحمت کا طلب گار ہوں ورنہ اللہ ہی اللہ ہے۔ کچھ تحریر نہیں کر سکتا۔ بے حال ہوں وہی یاوری فرمادیں۔ مضطر ہو کر توجہ و دعا کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- یہ حال اچھا ہے۔

مسترشد :- برادرم غلام مرتضٰی صاحب آپکی ملاقات کے بعد تشریف لائے بخیریت ہیں اور دعا، سلام کے متعلق ملتجی ہیں۔ والدہ صاحبہ ہمشیرگان اور جملہ اہل خانہ سلام کے بعد دعا کے لئے کہتے ہیں۔ اکثر احباب خصوصاً اسلم صاحب بھی سلام و دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ خط میں کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف فرمادیں۔ فقط والسلام

نگاہ کرم کا طالب۔ بندۂ عاجز و ناکارہ

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :- مرتضٰی صاحب کو سلام کے بعد کہدیں کہ اُن کا فونٹن پن یہاں چھوٹ گیا ہے۔ اگر اُنکا ہے تو اس کے بھیجنے کی تدبیر بتائیں۔ والسلام

سید سلیمان ندوی۔ ۱۳، ذالحجہ ۱۳۷۱ھ

مکتوب نمبر ۳۰

مسترشد

محمد اشرف خان
معرفت نصراللہ اینڈ برادرز
قصہ خوانی پشاور
12-9-52

مکرمی و معظمی سیدی و مولائی ،قبلہ و کعبہ ام دام ظلکم و مد فیوضکم
السَّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ حضرت والا کا شفقت نامہ ملکر باعث طمانیت ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو مع کامل شفا وقوت کے صحت یابی بخشے ۔ بندہ بحمد للہ تعالیٰ اب اچھا ہے گو پچھلے دنوں پھر بخار ہو گیا تھا لیکن اب نقاہت کے سوا خیریت ہے ۔ غلام مرتضیٰ صاحب کے فونٹن پین کے متعلق آپ نے ارقام فرمایا تھا۔ اسکا جواب وہ خود ہی تحریر فرمادیں گے۔
بندہ نے آپ کی تحریر انہیں بتا دیا ہے۔ سلام ودعا کیلئے عموماً کہتے ہیں۔

حضرت الشیخ
کراچی ۵

مخلص عزیز زادبا اللہ تعالیٰ عرفاناً

السَّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ الحمد للہ کہ ہو میوپیتھک علاج سے اپنے اندر قوت پارہا ہوں ، اللہ تعالیٰ صحت کاملہ سے نوازیں آپکو بھی صحت عطا فرمائیں غلام مرتضیٰ کا خط آگیا۔

مسترشد
حضرت والا کے خطوط بندہ کیلئے شفا مریم کا حکم رکھتے ہیں اسلئے بار بار تکلیف دیتا

ہوں۔ ایک خاص قسم کی طمانیت حاصل ہوتی ہے اور اکثر دیکھا کہ ایک حالت کا غلبہ تھا اور حضرت کے جواب کے پڑھنے سے وہ حالت بہتری کی طرف خود منتقل ہوگئی۔

حضرت الشیخ

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور آپکی محبت ہے۔
ہر حال کی طرح یہ حال بھی گو فانی ہے تاہم مثمر ہے۔

مسترشد

آجکل بندہ پر ندامت وافتادگی کا حال غالب ہے۔ بحمد للہ تعالیٰ اسکی توفیق سے معمولات ادا کروادئے جاتے ہیں الا یہ کہ پچھلے دنوں عموماً تہجد قضا پڑھتا رہا۔ اپنی حالت اور اعمال پر عموماً پچھتاوا کی کیفیت طاری رہتی ہے۔ دنیاوی مشکلات اور پریشانیاں بہت بے ہمت کر دیتی ہیں۔ اپنا کوئی ذاتی کاروبار نہیں۔ جو بھی تدبیر کرتا ہوں یا دنیاوی جس کام کے کرنے کی کوشش کرتا ہوں میری کسی پوشیدہ خیر کیلئے ظاہراً اسمیں جلد کامیابی نہیں ہوتی۔

حضرت الشیخ

بے شبہ دنیاوی مشکلات بہت پست کر دیتی ہیں مگر صبر واستقامت اور ہمت اور عزیمت اور مجاہدہ کے موقع بھی تو یہی ہیں۔ یہ صورت نہ ہوتی تو صبروثبات کے کمالات کیونکر حاصل ہوتے اور اسکے مقابلہ میں اجر و رضا سے انہی کے انعامات کیونکر ہاتھ آتے۔

مسترشد

اللہ تعالیٰ کی یقیناً اسمیں میری بہتری منظور ہوتی ہے لیکن اپنے ایمان ویقین کی کمزوری کی وجہ سے طبعی طور پر حد سے زیادہ متاثر ہوتا ہوں۔ گو بحمد اللہ تعالیٰ

زبان سے عموماً کچھ نہیں کہتا لیکن دماغ بعض اوقات ماؤف سا ہونے لگتا ہے۔ صبر ورضا کی پہلے جو کیفیت تھی اسمیں بہت کمی پاتا ہوں اور دل سے اس چیز کا یقین ہوتا ہے کہ یہ میرے اعمال بد اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے جسکی بنا پر یہ ہو رہا ہے۔ اس بنا پر طبیعت اور زیادہ ٹوٹتی ہے اور یہ پریشانی بڑھتی ہے۔ نماز تک میں وساوس اور خطرات فاسدہ بڑھ جاتے ہیں۔ شکر وصبر کی اس کمی پر شرمندہ ہوں لیکن ہمت وعزیمت نہیں ہوتی کہ اسکا دفعیہ کروں۔

حضرت الشیخ
ایمان کی یہ کمزوری نہیں بلکہ یہ طبعی احوال ہیں جو ادلتے بدلتے رہتے ہیں طبعی احوال پر حکم نہیں لگایا جا سکتا ایمان کا تعلق عقلی کیفیت سے ہے۔

مسترشد
تبلیغی بیانات اور دوسروں کو ترغیبات دینے کو جی نہیں چاہتا کہ "خود اپنی کوتاہیوں کو نہیں دیکھتے اور دوسروں کو دعوت دیتے ہو" گو احباب کے تقاضے پر جب کچھ کہنے لگتا ہوں تو اللہ تعالیٰ خوب علوم کا ورود فرماتے ہیں اور جسکے کہنے کہ یہ نالائق قابل نہیں وہ کہلواتے ہیں لیکن پھر بھی پریشانی اور ندامت کا غلبہ رہتا ہے کہ کہتے ہو اور اسکا حق خود ادا نہیں کرتے۔

حضرت الشیخ
یہ سوء ظن اپنی نسبت عین مطلوب ومحمود ہے۔

مسترشد
ان بیچ پریشانیوں میں ممکن ہے گھر میں کچھ بد مزگی اور مستورات میں آپس کی ہر وقت کی تو تو میں میں کا کچھ حصہ ہو کہ اس سے بھی طبیعت بہت گھبراتی ہے۔ دخل اندازی سے بدمزگی اور بڑھتی ہے گو یم مشکل نگویم مشکل والا معاملہ

وقت کی تو تو میں میں کا کچھ حصہ ہو کہ اس سے بھی طبیعت بہت گھبراتی ہے۔ دخل اندازی سے بدمزگی اور بڑھتی ہے گو یم مشکل نگویم مشکل والا معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ہمارے تمام احوال واعمال کی اصلاح فرمادیں اور ہمیں اخلاق فاضلہ نبویہ سے پورا پورا حصہ نصیب فرمادیں۔

حضرت الشیخ

یہ طبعی پریشانیاں پیش آتی رہتی ہیں اگر معاش کی پریشانی آج دور ہو گئی توکل صحت و مرض اور تیسرے دن دوست واحباب و اعزہ کی خلش سے پریشانی ہوتی ہے۔ ان پریشانیوں سے بے ہمت نہ بنیں۔ رضا بالقضاء سے اسکا علاج کریں اور ہمارے ہاتھ میں ہے ہی کیا ہے۔

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

پھر غم کیوں کیجئے۔ کیا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اس سے خالی تھے؟

مسترشد

ان سب حالات کے باوجود ایک عجیب چیز یہ دیکھنے میں آرہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فیض وتوجہ کو نمایاں طور پر محسوس کرتا ہوں۔ اسمیں بھی ابتلا کا خطرہ لگتا ہے۔ روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچویں بار خواب میں دیکھ چکا ہوں اسی خواب میں یا اسکے فوری بعد آنکھ لگنے پر لا ضار ولا نافع الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کو پایا لیکن میں نے اس پر عمل نہیں کیا کہ ہم کیا اور ہمارے خواب کیا؟ اللہ میرے شر سے مجھے اور جملہ مخلوقات کو محفوظ رکھے آمین

حضرت الشیخ

بلا شبہ رویا نبویؐ موجب خیر برکت اور باعث بشارت ہے لیکن اسکا شکریہ بھی اتباع نبوی کے ذریعہ سے ادا کرنا ضروری ہے ورنہ سلب نعمت کا خوف ہے۔

مسترشد

حضرت والا اس طویل سمع خراشی کا سبب یہ ہوا کہ آج پریشانی بہت تھی اور آپ کی شفقت رانت کا دھیان بار بار آتا تھا تحریر اسلئے کر دیا کہ یقیناً آپکا جواب انشاء اللہ تعالیٰ بندہ کی تسکین وطمانیت اور دنیاوی واخروی خیروبرکت کا ذریعہ ووسیلہ ہوگا۔ آخر میں معافی چاہتا ہوں۔ توجہ علاج کا طالب ہوں۔ اللہ تعالی سے اس عاجز وناکارہ کیلئے اور اسکے جملہ اہل خانہ احبا اور احباب کے لئے خصوصی دعا فرماویں:

"دست ماگیر کہ کارم زدست رفت"

آپکی دلی دعاوں کا محتاج

ناکارہ وآوارہ

محمد اشرف عفی عنہ

حضرت الشیخ

دعاء ہے اللہ تعالیٰ آپکو ظاہری وباطنی طمانیت بخشیں اور اپنا بنائیں۔

والسّلام

فقیر سید سلیمان

۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء

مکتوب نمبر ۱۴۱

مسترشد: از پشاور

۲۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء

بخدمت سیدی وسندی قبلہ وکعبہ ام حضرۃ المکرم دام ظلکم ومد فیوضکم۔

حضرۃ الشیخ: محب فی اللہ زادکم اللہ تعالیٰ عرفانا

مسترشد:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ افسوس کرتا ہوں کہ اپنی بدنصیبی کی بنا پر کافی دن کے بعد حاضر خدمت ہو رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری ان کوتاہیوں کو معاف فرمادیں۔ اور آپ کے حقوق کی ادائیگی کی کما حقہٗ توفیق نصیب فرماکر آپ کی تعلیمات وفیوض وبرکات سے کاملاً متمتع فرمادیں۔ درماندہ راہ ہوں۔ خداوندکریم خود دستگیری فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ:۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں اولاً سفر میں تھا۔ لاہور تھا اپنا علاج بھی پیش نظر تھا۔ الحمد للہ پہلے سے تخفیف ہے۔ گو ابھی ازالہ مرض نہیں ہوا ہے۔

مسترشد:۔ استقامت وکامل اصلاح سے سرفرازی بخشیں۔ قدم قدم پر لغزش کا اندیشہ ہے۔ گو معمولات بفضلہ ومنہ پورے کردا دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ہر وقت اندیشہ لگا رہتا ہے۔ کہ خدانخواستہ کہیں قدم پھسل نہ جائے۔ دعا و نظر وتوجہ کا نہایت ہی محتاج ہوں۔ بغیر کسی استحقاق کے اس اونچی درگاہ سے منسلک کردیا گیا ہوں۔ خداوندکریم مرتے دم تک اس راہ سے نہ ہٹائیں۔ اور میری ہدایت وبیش از بیش بہتری و

بھلائی کے سامان خود پیدا فرمادیں۔ راستے کے نشیب و فراز گھبرا دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا احسان اور بزرگوں کی دعاؤں کے سہارے چل رہا ہوں پھر بھی اندیشہ لگا رہتا ہے۔ ع

اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی فیض جام ہے

حضرۃ الشیخؒ :۔ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں، لیکن ہر وقت اندیشہ لگا رہنا ایک نعمت ہے۔ اسی اندیشہ سے خوف و رجا کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جو عین ایمان ہے۔

مسترشد :۔ ایک خطرہ یہ پیدا ہو گیا ہے۔ کہ پچھلے دنوں سے اپنی حالت کو کچھ قابل اطمینان سمجھنے کا خیال دل میں آتا ہے۔ اور سمجھنے لگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے معمولات وغیرہ کی پابندی تو کروا ہی دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی توفیقات سے بہرہ مند فرما رہے ہیں۔ اس بنا پر گو ایک گونہ تسلی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کیدِ نفس سے ڈرتا ہوں۔ کہ مجھے اس داؤ سے بچلا نہ دے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ایسا خیال وسوسۂ شیطانی ہے۔ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور سب کیا کرایا برباد ہو جائے گا۔ جب تک آخر سانس نہ آئے۔ دغدغہ ہمیشہ لگا رہے۔

مسترشد :۔ نماز کی حالت قابل اطمینان نہیں۔ حضور قلبی پوری طرح میسر نہیں آتا۔ نیز جب ذات کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ تو معانی و الفاظ کا استحضار

پوری طرح نہیں رہتا۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ ذات کی طرف توجہ اصل ہے۔ اگر اس حالت میں معانی و الفاظ کا استحضار نہ رہے کوئی حرج نہیں۔ اصلی توجہ مذکور کی طرف ہو۔ یہ نہو تو ذکر کی طرف۔

مسترشد:۔ قلب کو بعض اوقات سکون صرف توجہ الہٰی سے حاصل ہوتا ہے اور اس وقت الفاظ ذکر بھی منقطع کر دینے پڑتے ہیں۔ صرف توجہ سے دل کی سیاہی ہٹتی محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قلب سلیم عنایت فرماویں۔

(اللھم انی اسئلك قلب مطمئنۃ ادا ہ منیبا)

حضرۃ الشیخ ؒ: آمین

مسترشد:۔ حضرۃ والا! میرا معاشی دھندا کچھ بھی نہیں تھا۔ اب اس خیال سے کہ تعلیمی لائن بہتر ہے۔ پشاور یونیورسٹی میں ایم۔ اے عربک میں داخل ہو گیا ہوں۔ کہ ممکن ہے فراغت کے بعد کہیں پروفیسری وغیرہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو مل جائے۔

حضرۃ الشیخ ؒ:۔ یہ خیال مناسب ہے۔ اور تعلیمی لائن مبارک ہے۔

مسترشد:۔ گو تعلیم میں مشکل معلوم ہو رہی ہے کہ میری تعلیم عربی میں مذہبیات کی کتب کی تھی۔ اور یہاں سب موجودہ اور پرانا عربی لٹریچر ہے۔ اللہ تعالیٰ آسان و بہتر فرماویں۔ حافظہ کی کچھ کمزوری ہے۔ اس کے لئے بھی دعا فرماویں۔ بعض احباب کا L.L.B. (ایل۔ایل۔بی) قانون کے پاس کرنے کا بھی مشورہ ہے۔ طبیعت وکالت کو پسند نہیں کرتی۔ علمی فائدہ کے لحاظ

سے بعض اوقات خیال ہو جاتا ہے۔ ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس نتیجہ پر پہنچائیں جس میں سراپا بہتری ہو۔

حضرۃ الشیخؒ: ایل ایل بی کا خیال درست نہیں۔

مسترشد:۔ پچھلے دنوں ڈھاکہ مسلم لیگ کے اجلاس میں جانے کا اتفاق ہوا ایک چیز آپ کی اطلاع کے لئے تحریر ہے۔ کہ قادیانی مسئلہ اس دفعہ پیش نہیں ہوا۔ آئندہ اجلاس میں اغلباً ہوگا۔ لیکن قادیانی پوری طرح اپنے دفاع کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور اپنی مدافعت کیلئے کتابچے اور دلائل تمام کونسلروں تک پہنچا چکے ہیں۔ ہمارے حضرات کی طرف سے کوئی مستند اور مدلل چیز ہمارے موجودہ تعلیم یافتہ طبقہ تک نہیں پہونچی۔ مجھے اس چیز پر اچنبھا تھا کہ اکثر حضرات قادیانوں کے کافر ہونے پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے۔ اور بڑی دلیل یہ دیتے تھے کہ جو اپنے کو مسلمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور خاتم النبین گو بتاویل فاسد مانے اسے ہم کیسے کافر قرار دیں۔ میرے لکھنے کا مُدعا یہ ہے کہ اگر مناسب ہو تو علماء کی طرف سے اس کا مدلل جواب اور اور کفر وایمان کی حد فاصل کیا ہے۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں مع مرزا قادیانی کی جملہ خرافات کے نمونے اگلی میٹنگ سے پیشتر ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ آئندہ اگر یہ چیز پیش ہو تو ناکامیاب نہ ہو جائے۔ یہ باتیں گو غیر متعلق ہے۔ لیکن آپ کی اطلاع و اخبار کے لئے تحریر کر دیں ہیں۔ باقی جملہ خیریت ہے۔

محتاج دعاؤں کا انتہائی ہوں

والدہ صاحبہ

دعا کے بعد اطمینان قلب کے لئے کسی چیز کے پڑھنے کا پوچھتی ہیں ہمشیرگان وبعض احباب اور غلام مرتضے اسلام کہتے ہیں۔

فقط والسلام

طالب ہدایت وعنایت

محمد اشرف

حضرۃ الشیخ :۔ قادیانیوں کے متعلق جو تجویز ہے۔ اوس کے متعلق کوئی تدبیر کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام

سید سلیمان

پشاور ۱۲ نومبر ۵۲ء مکتوب نمبر ۴۲

مسترشد :۔ مکرمی و معظمی مرشدی و سیدی قبلہ و کعبہ ام دام ظلکم و مد فیوضکم و زاد مجدکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ عزیزی و حبیبی رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد :۔ مدت ہوئی حضرت والا کا محبت نامہ باعث تسکین ہوا تھا۔ اس کے بعد تقریباً مہینہ ہونے کو آیا ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا۔ انتظار کے باوجود ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا۔ باید خیریت ہو۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ میرا جواب جو تاخیر سے گیا اب مل گیا ہوگا۔

مسترشد :۔ حضرتِ والا کی صحت کے متعلق تشویش ہے۔ برائے مہربانی مزاج گرامی کی خیریت سے مطلع فرما کر اطمینان بخشیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کا سایہ مجھ نااہل اور جملہ احباب کے سروں پر تا قیامت رکھے۔ گو نااہل و ناکارہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم و حضرت والا کا فیضان نظر انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی کام بنا ہی دے گا۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ میرا علاج جاری ہے۔ بالفعل مرض سے تخفیف ہے۔ گو ازالہ نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ شافی حقیقی ہیں۔

مسترشد :۔ جیسا کہ میں نے محولہ بالا عریضہ میں بھی لکھا تھا۔ بندہ نے ایم۔ اے عربک (جو کہ ادب (لٹریچر) ہے) میں داخل ہو گیا ہے۔ کچھ اوقات وہاں لگتے ہیں۔ بہت ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تعلیم کو بھی کسی وقت میرے دین کے فائدے کا

ذریعہ بنا دیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ آپ نیت دین کی کریں۔ بہرحال دنیا تو ملے ہی گی۔

مسترشد:۔ معمولات بحمد للہ تعالیٰ پورے کرا ہی دیئے جاتے ہیں۔ حالات کا تغیر گو لگا رہتا ہے۔ تاہم بحمد للہ تعالیٰ وبفضلہ ایک طرح کی اچھی ہی حالت ہے۔ جس کے قابل نہیں وہی احسان ہوتے رہتے ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بحمد اللہ یہ معمولات پورے ہوتے رہتے ہیں۔ تغیر و تبدل اور نشیب و فراز تو اس عالم کی ہر چیز میں ہے۔

مسترشد:۔ قلب و نظر میں گناہ کا احساس فوراً محسوس ہونے لگتا ہے۔ ذات الٰہی کے دھیان بے کیف و بے چگون سے قلب کو بہت راحت ہوتی ہے۔ بحمد للہ تعالیٰ معاملات و اخلاقیات میں بھی سنت کے تتبع و اتباع کا خیال غالب رہتا ہے۔ پہلے جو جذباتی کیفیت تھی وہ عقلی سے مبدل ہوتی جاتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ یہ سب احوال محمود ہیں۔ اور قابل شکر الٰہی۔

مسترشد:۔ اللہ تعالیٰ نتائج کو اپنی رضا پر منتج فرمادیں۔ اور فریب نفس و شیطان کے پھسلاوے سے خصوصی عنایت سے بچادیں۔ کہ کسی حالت میں بھی اطمینان کید نفس سے حاصل نہیں۔

حالت کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ اصلاح کاملہ کا طالب ہوں۔ اور اپنے کو اس کا اہل نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کے صدقے دستگیری فرمادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ کام میں لگے رہیں۔ منزل مقصود تک تو رسائی انشاء اللہ تعالیٰ ایک دن ہو جائیگی۔

مسترشد :۔ والدہ صاحبہ وہمشیرگان وجملہ احباب وغلام مرتضٰی کی طرف سے درخواست دعا وسلام۔ فقط دعاؤں کا خصوصی طالب

بندہ بے کار ودرماندہ

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :۔ سب کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں

والسلام

۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء سید سلیمان

پشاور ۲۳ دسمبر ۵۲ء

مکتوب نمبر ۴۳

مسترشد:۔ بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام سیدی و سندی حضرۃ المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

حضرۃ الشیخ رح:۔ محب عزیز و مخلص، اخلصکم اللہ تعالیٰ لہ'

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

مسترشد:۔ حضرۃ والا کے دو عدد مکرمت نامے احقر کے خطوط کے جواب میں آکر باعثِ طمانیت و ہدایت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ حضرۃ والا کو صحت کاملہ و عاجلہ سے جلد از جلد نوازیں۔ اور آپ کے فیض سے متمتع ہونے کی استعداد و لیاقت ہمت و کوشش مجھ نااہل کو بھی عطا فرمادیں۔ کہ چشمۂ حیات پہ پیاسا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری کوتاہیوں کو ابلیتوں اور برائیوں کو نیکیوں سے مبدل فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ الحمد للہ بہت اچھا ہوں۔ ایک ہفتہ سے زکام و نزلہ میں مبتلا ہوں اب تخفیف ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ۔

مسترشد:۔ یہ عاجز گذشتہ پندرہ روز سے بخار و نمونیا سے صاحب فراش ہے۔ گو اب تکلیف جاتی رہی ہے۔ اثرات ہنوز باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمادیں۔ آمین

حضرۃ الشیخ رح:۔ غلام مرتضیٰ خان یہاں آئے تھے۔ ان سے آپ کی علالت اور پھر افاقہ کا حال معلوم ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل و عاجل بخشے۔

مسترشد:۔ اس دفعہ حد درجہ کوتاہی ہوتی رہی۔ تہجد وغیرہ بھی قضا ہوتی رہی۔

تلاوت کا بھی اہتمام نہیں ہو سکا۔ قلب کی حالت بھی دگرگوں ہے۔ اندر دیکھتا ہوں تو خالی معلوم ہوتا ہے۔ دل کی حالت خراب معلوم ہوتی ہے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ بیماری میں اگر محرومی ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ثواب سے محرومی نہیں رہے گی۔ کیونکہ بیمار کی نیت میں یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مانع نہ ہوتا تو میں اور کرتا۔

مسترشد:۔ وہ پہلی سے ذکر کی مداومت بھی نہیں ہو سکی۔ گو بیماری تھی لیکن ایسی بے ہمتی پہلے نہیں ہوتی تھی۔ ان تمام حالات کے بنا پر خدشۂ شدید اپنے بگڑنے کا پیدا ہو گیا ہے۔ خدارا دُعا و علاج سے یاوری فرما دیں۔ خدانخواستہ حالت اور خراب نہ ہو جائے۔ پہلے طبیعت بہت سنجیدہ رہتی تھی۔ اب مزاح وغیرہ کی طرف بھی میلان ہو گیا ہے۔ خاموشی و سکوت بھی پہلے سا نہیں رہا۔ مختصراً حالت بالکل قابل اطمینان نہیں۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ بکثرت پڑھنے شروع کئے ہیں۔ لیکن پہلے جیسا تاثر معلوم نہیں ہو رہا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اس بندے کے تمام گناہ جو عمداً یا سہواً سرزد ہوئے ہیں معاف فرماتے ہوئے بزرگوں کے صدقے کامل اصلاح و عزیمت سے سرفراز فرما دیں۔ اخلاق فاضلہ اور اتباع نبویہ سے ہر حال میں نوازتے ہوئے کمال تقویٰ و استقامت عطا فرمائیں آمین۔ (اللھم افرغ علینا صبرا وتوفنا مسلمین)

حضرت والا اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ دستگیری فرما دیں: اور خصوصی توجہ و عنایت سے سرفراز فرماتے ہوئے گناہگار کو ڈوبنے سے بچائیں۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ ذکر میں لذت کی تلاش اور اوسکے نہ ملنے پر مردودیت کا شبہہ اس راہ کا سخت پتھر ہے۔ اگر اس ذوق کا جاتا رہنا گناہ کے سبب نہ ہو تو

مضر نہیں۔ اور یوں بھی کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذ کے اصول سے ایک مدت کے بعد اوس کا مزہ باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ اغذیہ مادی کا حال ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ لذت ملنے نہ ملنے پر تولید خون موقوف نہیں۔ وہ صرف ہضم ہونے والے غذاؤں سے بنتا ہے۔ آپ اپنی طرف سے کوشش کر کے غذا کھاتے جائیں اور نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑیں۔

مسترشد :- دعاؤں کا انتہائی محتاج ہوں۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان و برادران و جملہ احباب بھی دعا و سلام کہتے ہیں۔ فقط والسلام

نظر کرم کا انتہائی محتاج

بندہ آثم

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :- آپ کے لئے ہمیشہ دعا۔ آپ کی والدہ اور ہمشیرگان کے حق میں بھی دعائے خیر۔ والسلام

سید سلمان

۵ جنوری ۵۳ء

مکتوب نمبر ۴۴

مسترشد :- بخدمت قبلہ و کعبہ ام سیدی و مولائی حضرت المکرم مدظلکم و دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ الشیخؒ :- صدیقی المخلص اخلصکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسترشد :- حضرت والا سے رخصت کے بعد بخیریت تمام پشاور پہنچ گیا۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔ کراچی کی حاضری میں اس دفعہ قطعاً حضرت والا کی صحبت کے آداب بجا نہ لاسکا۔ اور اپنی نا اہلی اور جہالت کی بنا پر وقت بے وقت تکلیف اور مجلس میں سیاسی اور دیگر بکواس کرتا رہا۔ جس پر نادم اور معافی کا خواستگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے شرورِ نفس سے مجھے اور جملہ مخلوق کو محفوظ رکھے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ :- کوئی حرج نہیں۔

مسترشد :- اپنے نفس کی لا انتہا شرارتوں اور اپنی ان گنت کوتاہیوں کے باوجود بزرگوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا فضلِ عمیم شامل حال رہا۔ معمولات بحمد للہ تعالیٰ پورے کردا دئے جاتے ہیں۔ گو ذوق و شوق کی حالت نہیں۔ لیکن معمولات جب تک پورے نہ ہوں چین نہیں آتا اور یہ ان کا فضل ہے۔ والحمد للہ علی ذلک غیر دینی و سیاسی مجالس میں دین کی بات کہنے اور دینداری کو دیکھنے کا جذبہ غالب رہتا ہے۔ گو کہہ سکوں یا نہ کہہ سکوں۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

حضرۃ الشیخؒ :- شکر کا مقام ہے۔

مسترشد :- قلب پر گو بعض اوقات دگر خیالات و وساوس کا غلبہ و ہیجان ہوتا

لیکن پھر طبیعت سکون پر آجاتی ہے۔ اور دل اپنی کیفیت پر آجاتا ہے۔ احسان و اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جاننے کی کیفیت اپنی کم نصیبی سے بہت کم ہے۔ احوال کی نگارش سے مدعا کوتاہیوں کا اعتراف اور تحدیث نعمت ہے۔ کہ اپنے نفس نے جہاں رکاوٹیں ڈال رکھی ہیں۔ حضرت والا کے فیض و ہدایت سے وہ رکاوٹیں دور ہو سکیں۔ اپنے بے کار پنے اور نااہلی کا مقر ہوں۔ لیکن خصوصی فیض و توجہ کا طالب ہوں۔ کہ جتنا زنگ گہرا ہوتا ہے صاف کرنے والے کی زیادہ توجہ چاہتا ہے، "ہو عطائے خاص مجھ کو جو عطائے عام ہے۔"

اپنے میخانہ سے اور دست کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں میرے ساغر و مینا دے دے

حضرۃ الشیخؒ :- اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے خود دیتے ہیں۔ شیخ صرف واسطہ ہوتا ہے۔ جیسے سیرابی تو پانی سے ہوتی ہے۔ مگر یہ پانی کسی ظرف میں پیا جاتا ہے تو ظرف کو بجز واسطہ کے کوئی دخل نہیں ہوتا۔ مُعطی اللہ تعالیٰ ہیں۔

مسترشد :- باقی جملہ خیریت ہے۔ والدہ صاحبہ اور جملہ ہمشیرگان سلام کے بعد تاکیداً دعا کی درخواست کرتے ہیں۔ والدہ صاحبہ کچھ پڑھنے کے متعلق پوچھتی ہیں۔ غلام مرتضےٰ بھی سلام و دعا کا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندہ کی مع جملہ احباب و متعلقین کے بھی جملہ دینی و دنیوی حاجات کا تکفل فرما کر اپنی رضا سے نوازیں۔ آمین۔ فقط والسلام

دعا و فیض کا طالب

بندہ ناکارہ محمد اشرف

حضرت الشیخ

سب کو سلام کہیئے۔

پڑھنے کی چیز تو اللہ کا نام ہے۔ سبحان اللہ و الحمد للہ و اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ پڑھا کریں۔ کم از کم سو سو دفعہ ہر ایک

والسلام

سید سلیمان ندوی

سید سلیمان ندوی

سید سلیمان ندوی

پشاور - ۱۳ فروری ۵۳ء   مکتوب نمبر ۵۸۴

مسترشد :- بخدمت جناب قبلہ وکعبہ ام سیدی ومولائی حضرۃ مکرم دام ظلکم ومدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

حضرۃ الشیخؒ : محبی العزیز نصرکم اللہ تعالیٰ -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -

مسترشد :- امید ہے - حضرۃ والا کے مزاج عالی بعافیت وبخیریت ہوں گے - یہ ناکارہ صرف اپنی نالائقی کی بنا پر جلد حاضر خدمت نہ ہوسکا - اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف فرمادیں - اور اس سلسلہ عالی کی پوری قدر دانی حقیقتاً نصیب فرماتے ہوئے اس کے فیض سے پورا پورا متمتع فرمادیں -

با کریما کارہا دشوار نیست

گرچہ میں بہت نالائق ہوں اے شاہِ جہاں
پر ترے در کو چھوڑ کر جاؤں کہاں !!

حضرۃ الشیخؒ :- میں ۱۶ فروری سے بنگال کے سفر میں تھا - ۲۰ کو واپس پہنچا - الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے -

مسترشد :- حضرت والا کو اس چیز کا تو علم ہے ہی - کہ بندہ یہاں ایم - اے میں داخل ہوچکا ہے - کورس کیونکہ کافی ہے - زیادہ اوقات اس میں لگانے پڑتے ہیں - مذہبی کتب تو ہیں نہیں - نتیجہ یہ ہے - کہ میرا خالی دل جو پہلے ہی کسی کام کا نہ تھا - دن بدن بیکار ہوتا جاتا ہے - ذات الٰہی کے دھیان کو چھوڑ کر یہی خیال چھائے رہتے ہیں - دل و دماغ پراگندہ رہتا ہے - جو ذکر کی دائمی کیفیت کا خیال تھا -

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ میرے نفس کا فریب تھا۔ یا وہ نعمت چھین لی گئی ہے۔ (اللھم انی نعوذ بک من غضب)

الشیخ رح :۔ حالات کے بدلنے سے ایسا ہوا ہے۔ اس کی فکر نہ کریں۔ تعلیم کے مشغلے کی نسبت یہ خیال کریں کہ یہ حصول رزق کی کوشش ہے۔ اس نیت سے یہ تعلیمی جدوجہد بھی عبادت ہی میں شمار ہوگی۔ با ایں ہمہ اوقات نماز و نوافل و ذکر کو قائم رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ نعمت آپ کو حاصل رہے گی۔ گو اس وقت دیگر مشاغل کی وجہ سے ذہول ہو گیا ہو۔

مسترشد :۔ جب غور کرتا ہوں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی تک میرے دل میں حُبِ مال وجاہ کے جراثیم چھپے ہوئے ہیں کہ کبھی ایسے وساوس کا ہجوم ہوتا ہے جن کا منشا یہی امراض ہیں۔ گو بحمد للہ دوام نہیں ہوتا۔ زیادہ ڈر اور خوف اس چیز کا لگا رہتا ہے۔ کہ جو عنایات بزرگوں کی اور اللہ کا فضل شامل حال رہا ہے۔ کہیں میری نابکاریوں کی وجہ سے چھن نہ جائے۔

اب درِ پیرِ مغان چھوٹے نہیں
اس کی مٹی میں بھی فیض جام ہے

تاہم اللہ رب العزت کا یہ بڑا احسان ہے کہ معمولات و تہجد وغیرہ کا انعام ہو جاتا ہے (الحمد للہ کثیراً کثیرا) احوال وہی ہیں کہ کبھی تو بہت اُمید بندھ جاتی ہے۔ کبھی ناکارگی کے خیال سے ہمت پست ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل سے ان تمام گھاٹیوں سے نکال کر اپنی رضا و قرب والی زندگی سے ہمکنار فرما دیں۔ آمین۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ہمت پست نہ کریں، کام میں لگے رہیں۔

مسترشد :۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان و احباب غلام مرتضیٰ وغیرہ سلام کے بعد دعا کے متمنی ہیں۔ حضرۃ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس (ایم۔ اے) کے امتحان میں بآسانی بہترین صورت کے ساتھ کامیاب فرمائے۔ آمین

دعاؤں کا طالب

سب سے نالائق

محمد اشرف عفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ :۔ سب کو میرا بھی سلام کہدیں۔

سید سلیمان ندوی

پشاور۔ مکتوب نمبر ۴۶

مسترشد :۔ بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام سیدی و مولائی حضرۃ المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخ رح :۔ صدیقی المخلص سہل اللہ لکم الطریق

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

مسترشد :۔ اغلباً حضرۃ والا ڈھاکہ سے واپس تشریف لے آئیں ہوں گے۔ ڈھاکہ کے واقعہ سے طبیعت بہت پریشان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام مخلوقات کے شر سے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اور آپ کی قدر دانی کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

حضرۃ الشیخ رح :۔ ڈھاکہ کے واقعہ سے افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

میں مشرقی پاکستان سے ہندوستان ہو کر آیا۔

مسترشد :۔ اُمید ہے مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ یہ ذلیل و حقیر ایک عریضہ اس سے پہلے کافی دن ہوئے خدمت عالی میں بھیج چکا ہے۔ لیکن ہنوز جواب سے سرفراز نہیں ہوا۔

حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ الحمد للہ تعالیٰ

ع پا رہا ہے تیرے درماں سے شفا بیمار دل!

حضرۃ الشیخ رح :۔ بحمد اللہ تعالیٰ اچھا ہوں۔ ایک خط کا جواب پہلے جا چکا ہے اُمید ہے کہ ملا ہو گا۔

مسترشد :۔ بفضل ایزدی معمولات کی پابندی کی عنایت ہو ہی جاتی ہے۔ آج کل امتحان کی تیاری کی وجہ سے عموماً ملفوظات و مواعظ نہیں دیکھ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ہم پر لازم ہیں۔ ان میں اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے طبیعت بعض اوقات ازخود رفتہ ہو جاتی ہے۔ اور بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرماویں اور اپنے اوامر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے اتباع و ادائیگی حقوق کی توفیق بخشیں آمین

بنا مجھ کو اپنا بھلا ماسوا کو !

حضرۃ الشیخؒ :۔ بحمد اللہ کہ کوئی شکایت کے قابل تبدیلی نہیں ہوئی۔ معمولات قائم رہیں اور منہیات سے احتراز رہے پھر عارضی قلت عمل مضر نہیں۔

مسترشد :۔ تبلیغی سفروں کو آج کل ترک کیا ہوا ہے۔ شب جمعہ حضرات تبلیغ کے کہنے پر بیان و تقریر کر دیتا ہوں۔ جب دعوت دینے پر کھڑا ہوتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور سامعین کی برکت سے ایسی باتیں بیان ہوتی ہیں جن پر عمل سے یہ بندہ عاجز عاری ہے۔ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے کہ وہ کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ بعض اوقات خیال ہوتا ہے۔ کہ دعوت جب پر اپنا عمل نہیں تو چھوڑ کیوں نہ دوں۔ لیکن احباب منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ میرے شر سے پوری امت کو محفوظ رکھے۔ اور ہدایت کے دروازے پوری امت پر کھولے

آمین

حضرۃ الشیخؒ :۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسروں کو اوس خیر کی دعوت دینا۔ جس پر گو آپ کا اب تک عمل نہ ہو، مگر نیت میں ہو۔ بُرا نہیں۔ کیا عجب آپ کے

لئے محرک بن جائے، جو کہتے ہو وہ کرتے نہیں کے یہ معنی نہیں کہ جو خود تم نہ کرو وہ دوسرے سے نہ کہو۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ جو نہیں کرتے اوس کا دعویٰ نہ کرو۔ غرض اوس کا دعویٰ کرنا منع ہے۔ دعوت کرنا منع نہیں۔

مسترشد:۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان احباب و متعلقین کی طرف سے بعد سلام درخواست دعا۔ غلام مرتضےٰ کی طرف سے بھی سلام قبول ہو۔ بندہ اپنی تمام دینی و دنیوی حاجتوں میں انتہائی دعاؤں کا محتاج ہے۔

حضرت والا مجھ سے آپ کا کوئی حق ادا نہ ہوا۔ احسانوں سے دبا ہوا ہوں۔ لیکن اپنی کوتاہی اور نابکاری ہر جگہ مانع آتی رہی۔ اندرون قلب سے معافی چاہتا ہوں اور نگاہ کرم کا طالب ہوں۔ فقط

بندہ حقیر و ناچیز

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ:۔ سب کے حق میں دعائے خیر۔ میرا کوئی حق نہیں جو آپ نے تلف کیا ہو۔ اسکی فکر نہ کریں

سید سلیمان

۴، اپریل ۱۹۵۳ء

مکتوب نمبر ۴۷

مسترشد

معرفت نصر اللہ اینڈ برادرز
بازار قصہ خوانی پشاور شہر

15-4-53

بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ لم سیدی و مولائی حضرۃ المکرم دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ حضرت والا کے دو عدد شفقت نامے ملکر باعث اطمینان و تسلی ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت کی عافیت کی اطلاع ہوئی ۔ اللہ تعالےٰ اس چشمۂ فیض کو تا قیامت جاری رکھے کہ نامعلوم کن کن کی حیات اس چشمے سے وابستہ ہے ۔

حضرت الشیخ

کراچی ۵

محب مکرم و مخلص اخلصکم اللہ تعالےٰ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

مسترشد

حضرۃ والا۔ اپنی حالت کیا لکھوں۔ گناہوں کے انبار لگے نظر آتے ہیں۔ ہر ہر عیب اپنا کھل کر سامنے آتا جاتا ہے۔ اب تو یہ یقین ہو چلا ہے کہ میرے نفس سے خیر کی امید ہی مشکل ہے۔ اپنی حیثیت کے لحاظ سے اس سے سوا گناہ کوئی دوسری چیز سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ ہر ہر عضو گناہ سے ملوث ہے اور اس پر اپنا کوئی قابو نہیں۔ گناہوں کی کثافت اور میرے اندرون کی حالت اگر دوسروں پر کھل جائے تو مجھے کوئی نزدیک تک نہ چھوڑے۔ لیکن قربان جایئے ستارالعیوب کی پردہ پوشی کے کہ جسنے نہ صرف اس گندگی اور گناہ کے مجموعہ کو چھپا رکھا ہے بلکہ گوناگوں رحمتوں اور احسانات کو جو ہر وقت اس بندہ قاصر پر ہوتے رہتے ہیں اور اس کے مقابل میں اپنی ناقدر شناسیوں کو دیکھتا ہوں تو یہ یقین بڑھتا جاتا ہے کہ تمام دنیا میں میرا جیسا کوئی گنہگار نہ ہوگا جو اسقدر گوناگوں عنایتوں کے (باوجود) اسقدر نابکار اور گنہگار ہو۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھوں اور کروڑوں بار شکر ہے کہ باوجود اپنی تمام آلائشوں اور گندگیوں کے اس احقر و ذلیل کو بزرگوں کے صدقے برابر فیوض و برکات سے نوازتے رہتے ہیں۔ ان سب نعمتوں کو انکا سمجھتا ہوں اور اپنا حق اور خوبی اس میں بحمد اللہ تعالیٰ نہیں پاتا بلکہ اب تو جب تک فنا کا حال بالکل غالب نہیں پاتا اور بالکل اپنی لاعلمی اور قطعاً نا جاننے کا خیال قلب و دماغ پر مستولی نہ ہو، دینی باتیں یا تقریر و بیان بھی کھل کر زبان پر نہیں آتا۔

حضرت الشیخ

یہ حال تنزل نہیں بلکہ ترقی کی علامت ہے مگر اس سے مایوسی نہ پیدا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیر کا حسن ظن بھی قوی رکھا جائے۔

یہ حال بہتر ہے۔

مسترشد

اس سلسلہ میں ایک چیز اپنے عقیدے کی اصلاح کی نیت سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ سورۃ جمعہ کی پہلی آیتوں میں جہاں یہ الفاظ آتے ہیں ھو الذی بعث تا وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ ان سے میرے دل میں یہ خیال جمتا جاتا ہے کہ آخرین میں امت کے قیامت تک آنے والے تمام طبقات شامل ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی صفات تلاوت کتاب و تزکیہ و تعلیم کتاب و حکمت کا فیضان حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی اپنی ذات عالی کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس وقت بھی جاری فرمائے ہوئے ہیں۔ گویا صاف لفظوں میں یوں کہیئے کہ آپکا فیض اب بھی امت کے قلوب کو پاک کر رہا ہے اور آپکے ذریعے اللہ تعالیٰ علوم نبوت کو بانٹ رہا ہے۔

حضرت الشیخ

بے شک شامل ہیں اور بے شبہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے کمالات سے ہر امتی بقدر استعداد بہرہ ور ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا مگر اسکو منصب نبوت سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ بند ہو چکا۔ نبوت کے منصب کا دروازہ بند ہو چکا۔ یہی وہ نقطہ ہے جسکے سمجھنے میں غلام احمد قادیانی نے غلطی کی اور گمراہ ہوا اور ہزاروں کو گمراہ کیا۔

مسترشد

یہ بات اسلیئے میں نے تحریر کی کہ اکثر اوقات جب بیان کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے یہ چیزیں قلب پر وارد ہو رہی ہیں گو فاعل حقیقی اللہ ہیں۔ بہر حال یہ معاملہ کیونکہ میرے گمان کا ہے۔ فساد عقیدہ کا اندیشہ ہے۔ حقیقت سے واقف فرما کر یاوری فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور اور

پوری امت کو تصحیح عقائد، تحسین اعمال اور اپنی ہر وقت کی یاد کامل خلوص کے ساتھ عطا فرمائیں۔

حضرت الشیخ

خیر یہ تو ایک خیال ہے۔ اسکو دل سے نکال دیں اور صرف یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ میرے دل میں باتباع شریعت محمدی میرے دل میں یہ ڈال رہے ہیں۔

مسترشد

والدہ محترمہ، برادران، ہمشیرگان اور دیگر متعدد دوستوں کے طرف سے سلام اور درخواست دعا۔ غلام مرتضیٰ بھی خصوصی دعا کے طالب ہیں۔ فقط والسلام۔

دعاؤں کا طالب
محمد اشرف

حضرت الشیخ

سب کو سلام و دعا۔

سید سلیمان
۲۳ اپریل ۱۹۵۳ء

مکتوب - ۴۸

از پشاور

۵۳-۴-۲۷

مسترشد: بخدمت اقدس سیدی و مولائی قبلہ و کعبہ ام حضرۃ المکرم دام ظلکم و فیوضکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حضرۃ الشیخؒ: محب صادق الوداد رزقکم اللہ تعالیٰ عرفانہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مسترشد:- حضرت والا کا مکرمت نامہ آج ہی مل کر باعث ہدایت ہوا۔ اللہ تعالیٰ میرے شرور سے مجھے اور پوری انسانیت کو محفوظ رکھے۔ آمین حضرۃ والا۔ جہاں تک منصب نبوت کا تعلق ہے۔ بحمد للہ تعالیٰ اس کے قطعاً ختم ہو جانے پر پورا پورا ایمان و یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس سلسلے میں دل و دماغ کسی وسوسہ کو بھی برداشت نہیں کرتا۔ بہرحال میرے گذشتہ خط سے اگر کچھ ایسی بات مفہوم ہوئی ہے تو وہ میری تحریر کی غلطی ہے۔ جس پر میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور آپ سے معذرت کا خواستگار ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ:- میں نے اس مسئلہ کو اس لئے صاف کر دیا کہ لوگ ان دونوں کے فرق کو نہیں سمجھتے جس کی بنا پر قادیانی گروہ ہدایت سے محروم ہو گیا جو چیز ختم ہے وہ منصب نبوت ہے اور جو چیز باقی ہے وہ کمالات و مراتب نبوت ہیں۔

مسترشد:- اللہ تعالیٰ میرے جملہ گناہوں کو معاف فرمائے اور ہر اس عقیدہ

وعمل قول وفعل تحریر وتقریر سے محفوظ رکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو۔

الھم وفقنی لما تحب وترضٰی من القول والعمل والنیۃ والھدی ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین

حضرۃ الشیخؒ : آمین

مسترشد : حضرۃ والا گنہگار ہوں۔ اپنے نفس پر قطعاً کوئی اعتبار نہیں بس اللہ تعالیٰ ہی اس نابکار کو ہدایت کاملہ سے سرفراز فرماتے ہوئے جو عقائد و احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتا کر تشریف لے گئے ان پر پورا ایمان ویقین وعمل نصیب فرماتے ہوئے اس ایمان پر خاتمہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی درگاہ عالی میں مقبول ہو۔ اسی کی دعا اللہ تعالیٰ سے ہے اور یہی درخواست بزرگوں سے ہے کہ ان کے طفیل سے اللہ تعالیٰ نے اس طرف رہنمائی فرمائی تو اب محروم نہ کرے اور اپنی توفیقات ومرضیات سے پورا پورا نوازے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ : اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم اور طریق حق پر قائم رکھے اور اس پر خاتمہ کرے۔

مسترشد :۔ حضرۃ والا۔ اُمید ہے۔ اس بندے کی کوتاہیوں کو معاف فرماتے ہوئے خصوصی توجہات و دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ ہمیشہ آپ کے لئے دعائے خیر و فوز و فلاح ہے

مسترشد :۔ بندہ کا ایم۔ اے (Previous) کا امتحان ۲ مئی سے شروع ہے جہاں تک تیاری کا تعلق ہے کما حقہ نہیں ہو سکی اللہ تعالیٰ سے خصوصی

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ امتیازی طور پر کامیاب فرمائے۔ آمین

حضرۃ الشیخؒ:۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔

مسترشد:۔ مزاج گرامی کی خیریت سے بھی مطلع فرمادیں۔ صوفی ادریس صاحب پشاور آئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ تبلیغی اجتماع کی دعوت تھی لیکن کراچی میں اپنی معذوریوں کی وجہ سے نہ جا سکا۔ احباب پورا زور دیتے رہے۔ اتنی قوی دعوت کے انکار سے بھی ڈر لگتا ہے لیکن مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

حضرۃ الشیخؒ:۔ الحمدللہ خیریت ہے۔ صوفی ادریس صاحب پشاور سے چند روز ہوئے کہ یہاں واپس پہنچ گئے۔

مسترشد:۔ بھائی غلام مرتضیٰ صاحب بھی سلام لکھنے کا ہمیشہ کہتے ہیں۔ والدہ صاحبہ مکرمہ ہمشیرگان و دیگر احباب کی طرف سے بھی درخواست دعا و سلام

فقط والسلام

طالب نگاہ و دعا۔ بندہ حقیر و ناکارہ

محمد اشرف غفرلہٗ

حضرۃ الشیخؒ:۔ غلام مرتضیٰ کو بھی سلام کہدیں اور اپنی والدہ و ہمشیرگان کو بھی دعائے خیر و سلام پہنچادیں۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۱۵ر شعبان ۱۳۷۲ھ

مکتوب نمبر ۳۹

مسترشد

۱۵ رمضان المبارک ۷۲ ۱۳ ھ

معرفت ایم نصر اللہ اینڈ برادرز

بازار قصہ خوانی پشاور شہر

29-5-53

بخدمت اقدس مکرمی ومعظمی قبلہ وکعبہ ام دام ظلکم و مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ امید ہے حضرت والا مع متعلقین بخیروعافیت ہونگے اللہ تعالیٰ انکے سایہ کو مع عافیت ہمیشہ قائم رکھے جو ہماری قلبی حیات کا سبب و ذریعہ ہے۔ حضرت والا کا خیال بہت زیادہ مستولی رہتا ہے۔ نمازوں تک میں یادآجاتی ہے - گو اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ ذات کے تصور کے ساتھ یا انکے ذکر کےعلاوہ غیر کا استحضار مناسب نہیں لیکن کیا کیجیئے۔

اے غائب از نظر کہ شدی ہمنشین دل

می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

اللہ تعالیٰ ہر آن اپنی رضاوقرب کے ساتھ اپنا دھیان وفرمانبرداری نصیب فرمادیں آمین۔

حضرت الشیخ

۲۰ رمضان المبارک ۷۲ ۱۳ ھ

کراچی ۵

اخی فی اللہ زادکم اللہ تعالی عرفاناً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ تعالیٰ خیریت ہے۔ یہ صرف آپکی محبت کا کرشمہ ہے۔ اپنے اختیار اور ارادہ سے تصور جمانا غلط ہے۔ اگر ازخود ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک حال ہے جسکا ذکر میرے ایک شعر میں بھی ہے

سجدہ طرف کعبہ ہے دل تیری طرف ہے
اب قبلہ بھی اے قبلہ نما بھول گیا ہوں

مسترشد

حضرت والا رمضان المبارک نصف کے قریب جا چکا، کمانے والوں نے خوب کمایا ہوگا۔ گو۔ بحمد للہ تعالیٰ اللہ کا احسان ہے کہ معمولات وتراویح وقرآن کریم کا احسان اس ناکارہ پر ہو جاتا ہے تاہم حق یہ ہے کہ کوئی بھی حق ادا نہیں ہو سکا۔ قلب کو بعض اوقات ذات کی معیت یا استحضار کے ساتھ جنت جیسی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ ہر وقت ان میں گم رہے اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں انکا مشاہدہ کرتا رہے۔ کبھی ایسے ہی دل ودماغ پر چھا جاتے ہیں اور اطمینان نصیب فرمادیتے ہیں۔ لیکن یہ حالت تب ہی ہوتی ہے جب وہ چاہتے ہیں عموماً یہ حالت نہیں ہوتی قلب کو خالی بغیر ذوق ومحبت کے پاتا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ کسی وقت جدائی نہ ہو۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو چلی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو چکی

ہو چکی کے مقام کے کہنے کے اپنے آپ کو قابل نہیں پاتا۔ حقیقت نہیں ہے آرزو ہے کہ انکے سوا کسی کو نہ پاؤں گو اپنا یہ مقام نہیں لیکن۔

با کریما کارہا دشوار نیست

نوازنے والا جسنے اس ہیچ کارو نالائق کو یہ تمنا نصیب فرمائی، بہت ممکن ہے کہ

بزرگوں کے صدقہ اسکی کرم فرمائی بھی فرمادے وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

حضرت الشیخ

کمی کی حسرت بھی قیمتی ہے

دائمی حضوری بھی انشاء اللہ تعالیٰ کبھی حاصل ہو گی۔ لیکن اس وقت بھی جو کچھ حاصل ہو جاتی ہے شکریہ کے قابل ہے۔ شکر سے نعمت کی زیادتی ہوتی ہے۔

مسترشد

بہر حال حالات کی نگارش سے اصلاح وتوجہ مقصود ہے کہ حضرت کے احسان وبرکات ہر وقت اپنے میں نمایاں پاتا ہوں اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس گنہگار و ناکارہ کو ایک ایسی عالی درگاہ سے وابستہ کر دیا جسکا اپنی استعداد وحالت کے لحاظ سے تصور بھی ناممکن تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عنایت فرمادے اور آپکے فیوض وبرکات سے پورا پورا حصہ نصیب فرمادیں آمین۔

حضرت الشیخ

میری نسبت آپ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ صرف آپکا حسن ظن ہے باقی ہیچ ہے ممکن ہے کہ آپکی طلب کے وسیلہ سے اللہ تعالی مجھکو واسطہ محض بنا کر آپکو بیش در بیش عطا فرمائیں۔

مسترشد

حضرت والا اپنے اعمال پر جب نگاہ ڈالتا ہوں تو سوا گناہوں اور کوتاہیوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنے شر سے دوسروں کے متعلق بھی خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کسی کی گمراہی کا سبب نہ بن جاؤں۔ حضرت والا دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر مع جمیع امت مسلمہ کے ہدایت کے دروازہ کشادہ فرما دے اور مرتے دم تک اور بعد مرگ بھی مجھے کسی کی بھی گمراہی کا سبب نہ بنائے کہ اپنے شر نفس سے سخت

خطرہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ وہی کرائے اور کہلوائے جسمیں اسکی رضا و خوشنودی ہو اور کامل ایمان پر خاتمہ کرے آمین ۔

حضرت الشیخ

یہ ڈر بالکل بجا ہے اور ہمیشہ اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے ۔

مسترشد

رمضان سے بیشتر خواب میں شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کو دیکھا کہ وہ ایک نہایت عالیشان لباس میں ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک پہاڑی و پتھریلی دشوار زمین پر چڑھ رہے ہیں میں بھی انکے ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے جا رہا ہوں یہاں تک کہ ایک خطرناک پل سا آتا ہے اس پر سے وہ دونوں حضرات گزر کر ایک میدان میں پہنچ جاتے ہیں اور میں ادھر کھڑا انہیں صاف دیکھ رہا ہوں۔ وہ بیان فرما رہے ہیں۔ بات کوئی یاد نہیں رہی لیکن چند باتوں کے کہنے کے بعد بار بار سجدے میں گر جاتے ہیں اور پھر اٹھ کر بیان شروع کر دیتے ہیں ۔

("اللہ تعالیٰ بہتر فرما دے")

میرا ایم اے سال پنجم کا امتحان ہو گیا کامیابی کی دعا کی درخواست ہے والدہ صاحبہ برکت کیلئے تلاوت قرآن کی اجازت چاہتی ہیں ۔ والدہ صاحبہ، ہمشیرگان، غلام مرتضیٰ اور احباب کی طرف سے درخواست دعا و سلام ۔ حضرت والا رمضان کے خصوصی اوقات کی دعاؤں میں یاد فرمائیں اور خصوصی توجہ سے نوازیں فقط

گنہگار روسیاہ

رحمت کا طالب

محمد اشرف

حضرت الشیخ

اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں ۔ اجازت کی حاجت نہیں لیکن ان کی دل دہی کی غرض سے میری اجازت ان تک پہنچائیں ۔ سب کو دعائے خیر ۔

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۵۰

از کراچی

۵۳-۷-۳۰

بخدمت اقدس قبلہ وکعبہ ام سیدی و مولائی حضرۃ المکرم دام ظلکم و مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرۃ الشیخ رح :۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مسترشد :۔ جیساکہ حضرت والا کو معلوم ہے کہ یہ فقیر اپنی اصلاح نفس کے ارادہ سے چالیس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نکلا ہوا ہے۔ نکلنے کا مقصد یہ ہے :۔ کہ کسی طرح میرا گندہ نفس سنور جائے اور ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پوری پوری پابندی حسن نیت و دھیان الٰہی کے ساتھ نصیب ہو جائے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انتہائی کمزور و ناتواں ہوں۔ نہ کوئی صلاحیت ہے۔ نہ کوئی خوبی۔ بس ایک تمنا و ارادہ ہے کہ کسی صورت اللہ تعالیٰ میری کوتاہیوں کو درگذر فرماتے ہوئے اپنی رضا سے ہم کنار کردیں۔ اور دینداری کی زندگی کے ساتھ حسن خاتمہ نصیب فرمادیں۔

حضرۃ الشیخ رح :۔ اِس مقصود کی خاطر گھر سے نکلنا مبارک باد کے قابل ہے۔ اور اپنے نفس کے متعلق یہ خیالات بھی مناسب ہیں۔ لیکن اپنی کمیوں اور اپنے نقائص کے متعلق مجمل و مبہم بیان۔ علاج کے لئے کافی نہیں ہے۔ آپ اپنے نفس کے متعلق غور کیجئے۔ اور متعین کیجئے کہ وہ نقائص کیا ہیں۔ تاکہ ان کا علاج کیا

جائیے. جس طرح طبیب سے صرف یہ کہنا کافی نہیں کہ میں بیمار ہوں. جب تک یہ نہ بتائیے کہ کیا کیا بیماریاں اور کیا کیا تکلیفیں ہیں. کھانسی ہے. درد سر ہے، ضعف معدہ ہے. بے خوابی ہے۔

مسترشد:۔ حضرت والا! اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ معمولات کی حتی المقدور پابندی کرا دی جاتی ہے۔ یہ ان کی مہربانی ہے۔ تاہم اپنے میں ہزاروں کوتاہیاں محسوس کرتا ہوں۔ قلب کی حالت درست نہیں۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور کبھی دوسری چیزوں میں مشغول۔ برائی کا مادہ ابھی ضعیف نہیں ہوا۔ گناہوں کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ کہ بعض اوقات معاصی کا میلان طبیعت میں پاتا ہوں۔ گو بحمد للہ تعالیٰ فوراً استغفار وغیرہ پڑھتا ہوں۔ تاہم گناہوں سے بچنے کی توفیق چاہتا ہوں۔ کہ اپنے نفس پر اطمینان نہیں۔ اور لغزش ہو جاتی ہے۔ ان تمام احوال کے لکھنے سے غرض اصلاح احوال کی طلب اور حضرت والا کی خصوصی توجہ و دعا کی نیت ہے کہ یہ ناکارہ کسی صورت سنور جائے۔ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کے صدقے ہمیشہ احسان فرمایا ہے۔ آئندہ بھی انہیں کی دعا و نگاہ کا طالب ہوں۔

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما

شاید کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

اپنی نابکاریوں کی وجہ سے توجہ کا زیادہ محتاج ہوں کہ نکمے زیادہ رحم کے قابل ہوتے ہیں۔

حضرۃ الشیخ رح:۔ دعاء گو ہوں؛

رشد :- حضرۃ والا کی مجلس و صحبت کے آداب کی بھی رعایت نہیں ہو سکتی گستاخیوں کی معافی چاہتا ہوں۔ بہت کوشش کرتا ہوں۔ کہ خاموش و مؤدب بیٹھوں۔ لیکن شرارت نفس سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتا ہوں۔ جس کا بعد میں احساس بھی ہوتا ہے۔ لیکن پھر وہی غلطی سرزد ہو جاتی ہے۔ عفو و درگذر کا طالب ہوں۔

حضرۃ الشیخؒ :- اس میں کوئی حرج نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا بھی یہی حال تھا کہ صحابہ کبھی دنیا کا حال بیان کرتے تھے تو حضورؐ بھی کرتے تھے۔

مسترشد :- پشاور آتے ہوئے والدہ صاحبہ نے، میری تینوں بہنوں نے اور دیگر کئی احباب نے خصوصی دعاؤں کے لئے کہا تھا۔ دعا فرمادیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی جملہ پریشانیوں کو دور فرما کر ہماری جملہ حاجات کا تکفل فرماتے ہوئے اپنی ذات کے ساتھ اطمینان نصیب فرمادیں۔ بعض نے قرضوں سے خلاصی اور وسعت رزق کے لئے دعاء کا کہا تھا۔ اسی طرح والدہ صاحبہ نے ہمشیرگان کی جلدی اور اچھی جگہ پر شادی ہونے کی دعاء کیلئے کہا تھا۔ اُمید ہے ان سب کے لئے دعاء فرما کر احسان فرمادیں گے۔ والسلام

دعاؤں کا طالب بندہ محتاج

محمد اشرف

حضرۃ الشیخؒ :- ان سب کیلئے دعائے خیر کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور فرمائیں قرضداروں کے قرض ادا ہوں۔ نا کتخدا لڑکیوں کی مناسب کفو میسر آئیں۔

والسلام۔ سید سلیمان

مکتوب نمبر ۵۱

مسترشد

پشاور شہر

30 -8-53

بخدمت اقدس قبلہ و کعبہ ام سیدی و مولائی حضرتہ المکرم دام ظلکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔امید ہے حضرت والا کے مزاج گرامی مع اہل خانہ کے خیریت ہونگے۔ اللہ رب العزت آپکے سایہ کو ہم ضعیفوں کے سر پر ہمیشہ رکھے اور پوری امت کو آپکے فیوض وبرکات سے متمتع فرمادے آمین۔بندہ کراچی سے جہلم ہوتے ہوئے پشاور پہنچا او پھر کچھ دن کے لئے چراٹ چلا گیا۔اس متواتر سفر نے گو عملاً خدمت اقدس میں حاضری کا موقع نہ دیا لیکن قلبی حاضری اکثر میسر رہی۔

خدا جانے مجھے کیا دیکھے ساقی نے پلا دیا ہے
وہ جتنا دور ہو پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

حضرت الشیخ

کراچی

محب مخلص رفع اللہ تعالیٰ شانکم و اصلح احوالکم

السّلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ الحمد للہ خیریت ہے۔ ادھر ایک ہفتہ کے لئے بخار آگیا تھا۔بخار تو ایک ہفتہ کے بعد اتر گیا مگر ضعف غالب ہو گیا جو اب رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے۔بحمد اللہ تعالیٰ ۔آپکا یہ تاثر آپکی محبت فی اللہ کا نتیجہ ہے۔

مسترشد

حضرت والا اللہ رب العزت کا انتہائی شکر گزار ہوں کہ خدمت اقدس میں

حاضری کا موقع نصیب فرمایا اور گوناگوں فیوض سے بہرہ مند فرمایا۔ یہ اسکا احسان ہے ورنہ کہاں میں اور کہاں بزرگوں کی صحبت۔ حضرت کی خدمت کی حاضری سے قلب میں بحمد لللہ تعالیٰ بہت تبدیلی پاتا ہوں۔ حقیقت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا کی آخری صحبتوں سے گویا دل کی کایا پلٹ گئی ہے ایک سوز، رافت، انابت اور دھیان کی کیفیت رہتی ہے۔ اسباب پر سے نگاہیں اٹھتی جا رہی ہیں اور اللہ رب العزت کے فاعل حقیقی ہونے کا خیال دن بدن بحمد لللہ تعالیٰ جمتا جا رہا ہے۔ دنیا سے بے رغبتی اور عمومی میل جول سے بیزاری کی سی کیفیت پارہا ہوں۔ ذکر واشغال میں جو رسمی کیفیت سی پیدا ہو گئی تھی اسمیں اب پھر توجہ واستحضار کا غلبہ ہے۔ صفات الٰہی پر یقین بحمد اللہ بڑھ رہا ہے۔ پشاور پہنچنے پر لیگ کی سکرٹری شپ سے بھی استعفیٰ دے دیا ہے گو ابھی منظور نہیں ہوا۔

حضرت الشیخ

یہ سب احوال مبارک ہیں مگر اصل شے اتباع احکام الٰہیٰ کا اہتمام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فاعل حقیقی ہونے کا اذعان توحید افعالی ہے جسکے بغیر توحید کامل نہیں ہوتی۔

مسترشد

کراچی سے واپسی پر حضرت والا کے کچھ ملفوظات اپنی یاداشت سے لکھے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ وبرکاتہ کے جو لوگ ملفوظات جمع کرتے تھے حضرت کی نظر سے گزروالیتے تھے۔ اگر اجازت ہو تو اپنی اس یادداشت کو جو مختصر اور ایک دو صحبتوں کی ہے حضرت والا کی نظر سے گزارنے کیلئے بھیج دوں کہ کمی وبیشی جو میرے ادائیگی سے ہوئی ہو دور ہو جائے۔

مسترشد

باقی جملہ خیریت ہے ہر وقت نظر کرم کا طالب اور ہدایات کا امیدوار ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کو ہم تشنہ کاموں کیلئے ہمیشہ باقی رکھے اور ہمیں پوری پوری شادابی اس سے نصیب فرمادے آمین ۔

حضرت الشیخ

نظر ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر چاہئیے ۔ انسان کے بس میں کیا ہے جو کسی انسان کو دے سکے ۔

مسترشد

حضرت والا ! شیخ کے حقوق کی ادائیگی کی بہتر صورت کیا ہے اور اسکے فیض سے پورا پورا فائدہ کس طرح میسر آسکتا ہے ؟

حضرت الشیخ

اسکے حقوق کی ادائیگی یہی ہے کہ اسکے ہدایات کو جو تحت شرع ہوں ۔بجالانے کی کوشش میں لگا رہے ۔

مسترشد

والدہ صاحبہ ام کی حضرت والا سے بیعت کی کوئی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ خواہش کرتی ہیں جیسے ارشاد ہو انسے عرض کردوں ۔

والدہ صاحبہ ہمشیرگان احباب کی طرف سے سلام ودرخواست دعا ۔

فقط ہدایت کا طالب
بندہ ناچیز
محمد اشرف

حضرت الشیخ

بیعت ضروری شے نہیں تاہم اگر اونکو اصرار ہو تو خط کے ذریعہ ہو سکتی ہے

والدہ اور ہمشیروں کی لئے دعائے خیر۔

والسّلام

سید سلیمان

یکم محرم الحرام ۱۳۷۱

مکتوب نمبر ۵۲

محمد اشرف معرفت
ایم نصراللہ اینڈ برادرز جنرل مرچنٹس
بازار قصہ خوانی پشاور شہر

3-11-53

بخدمت عزیز القدر برادرم سلمان صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تکلیف دہی کا سبب اس لئے بن رہا ہوں کہ ایک مدت سے حضرت والا مدظلہ کے خیریت معلوم نہ ہوسکی۔ دو عریضہ حضرت والا کی خدمت میں بھیجے جو اب سے محروم رہا۔ مجھے حضرت والا کی صحت کے متعلق تشویش ہے خدا نخواستہ مزاج گرامی ناساز ہوں اسلئے برائے مہربانی حضرت والا کی خیریت سے بواپسی جواب دیکر انتہائی ممنون فرماویں۔ حضرت والا کی خدمت میں احقر کا بہت بہت سلام اور درخواست دعا عرض کردیجئے۔ امید ہے جواب سے محروم نہ فرماویں گے۔

برادرم عاصم صاحب کی خدمت میں سلام

فقط آپکا بھائی
عاجز محمد اشرف عفرلہ
پشاور

جواب حضرت سے موصول ہوا

کراچی

عزیز مکرم رزقکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ ڈھائی ماہ کی علالت کے بعد افاقہ ہے۔ اصل مرض تو بہت حد تک زائل ہو چکا ہے مگر ضعف غالب ہے چلنے پھرنے کی ممانعت ہے۔ ابھی تک بیٹھک میں نمازیں پڑھتا ہوں۔ آپکے خطوط آئے تھے جواب نہ جاسکا۔ سلمان میاں کو بھی دو روز سے بخار آرہا ہے آج مجبوراً میں لکھ رہا ہوں
میری صحت کاملہ کے لئے دعا کیجئے والسلام

سید سلیمان

۷ نومبر ۱۹۵۳ء

مکتوب نمبر ۱

(بنام ہمشیرہ صاحبہ محمد اشرف)

عزیزہ من - السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کے خط پانے سے خوشی ہوئی - آپ کو چاہیئے تھا کہ اپنے اس خط پر اپنے بھائی صاحب سے دستخط کرالیتیں - یا اپنا تعارف کرالیتیں - گو زبانی محمد اشرف خاں سے آپ کا حال معلوم ہوگیا - دوسرے یہ کہ آپ اپنا نام نہ لکھیں - اس کی جگہ ہمشیرہ اشرف لکھ دیا کریں - دوسری خوشی اسکی ہوئی کہ اس کم سنی میں آپ کو اپنی اصلاح کا خیال پیدا ہوا -

غصہ بری چیز نہیں - غصہ کا محل استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے جب غصہ آئے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم چند مرتبہ پڑھ لیجئے اور وضو کر لیجئے - یا لیٹ جائیے -

اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں یہ سب دعائیں قبول فرمائیں -

اپنا نام ہمشیرہ اشرف کرکے میرے خط میں لکھا کیجئے -

اپنا نام نہ لکھیئے -

اللہ تعالیٰ آپ کے اوہام کو دور فرمائیں -

آپ حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھا کریں - فائدہ ہوگا - اور نمازوں کو پابندی سے ادا کریں - اور تلاوت کیا کریں - اور

اور مناجات مقبول روزانہ پڑھا کریں۔

فقیر الی اللہ تعالیٰ

سید سلیمان

مکتوب نمبر ۲

(بنام ہمشیرہ صاحبہ محمد اشرف)

آپ کی اس ہمدردی کا شکریہ۔ بحمد اللہ تعالیٰ خیریت ہے
اللہ تعالیٰ آپ کو بامراد رکھے۔ اور اپنا بنائے۔

والسلام

سید سلیمان

۲ راگست ۱۹۵۲ء

لے: یعنی غصہ کا مادہ فی نفسہ برا نہیں۔ (اشرف)

۲ے وہ دعائیں جو راقم خط نے تحریر کیں۔

۳ے یہ مکتوب ۱۱/۵ ۱۱ کے راقم خط کے عریضہ میں آیا۔ غالباً
تاریخ تحریر ۱۱/۵ ۱۲ ہو گی

۴ے یہ والانامہ ہمشیرہ اشرف کے اس خط کے جواب میں آیا جسمیں موصوفہ نے
حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی علالت پر مزاج پرسی کی تھی۔ (اشرف)

استفسار و جواب

فنِ تصوف

اور

محدثین و صوفیہ میں تطبیق کی راہ!

جناب عبدالرحمٰن صاحب متعلم
پرنس آف ویلز کالج جموں (کشمیر)

محترمی جناب سید صاحب مدفیوضہ

السلام علیکم۔

جب سے آپ کی ذاتِ گرامی سے غائبانہ تعارف ہوا ہے۔ اُسی وقت سے یہ شوق دامن گیر رہا ہے کہ خط و کتابت ہی کے ذریعہ آپ سے کچھ استفادہ کیا جائے۔

اپنے دینی شعور کی ابتداء ہی سے میں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ میں کتاب و سنّت ہی کو معیارِ حق اور دلیلِ راہ بنایا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ فقہی مسائل میں مسلمانوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہوں۔ اور ان مسائل میں "اہل ظاہر" اور "اصحاب رائے" کے بین بین کی راہ یعنی "فقہاء محدثین" یا "اصحابِ حدیث" کے مسلک کی ترجیح کا قائل ہوں، لیکن جو اختلاف محدثین اور

صوفیائے کرام میں پایا جاتا ہے۔ اسکی حقیقت کے سمجھنے میں ابھی تک پریشان ہوں، اور اس الجھن سے نکلنے کے لئے سیرت نگار رسولؐ ہی کی راہ نمائی کی ضرورت ہے، اور وہ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کے حالات و کیفیات کے بیان کرنے میں محدثین عظام اور صوفیائے کرام میں کس کی ترجمانی زیادہ صحیح ہے۔ اور آپؐ کی پاک زندگی کے اس شعبہ کے علم و عمل کے جاننے میں کون سا گروہ حقیقت کے زیادہ قریب پہنچ سکا ہے۔ اور ان میں سے کس جماعت کا راستہ حق کا راستہ ہے؟ اگر یہ دونوں گروہ ہی افراط و تفریط سے نہیں بچ سکے، تو اہلِ حق کون ہیں، اور اصحابِ اقتصاد کا طریق کیا ہے، اور اس مسلک کے آئمہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسی سوال سے متعلق چند ایک سوالات ہیں جنہیں نمبروار درج کرتا ہوں۔

۱۔ الاحسان (الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ الحدیث) کی غایت کیا ہے؟

۲۔ کتاب اللہ کی تعلیم اور اُسوۂ حسنہ رسول اللہ میں الاحسان کے حصول کا طریق کیا ہے

۳۔ کیا "الاحسان" کے حصول کے لئے بیعت کرنا لازم ہے۔ اور اس کے بغیر الاحسان کا حصول ممکن نہیں۔

۴۔ زمانہ نزولِ قرآن کی عربی زبان قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ میں بیعت کا مفہوم کیا ہے؟ عہدِ جاہلیت میں اس کی غرض و غایت کیا تھی اور پھر اسلام میں کیا ہوئی؟

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ صحابہ سے الگ الگ مختلف اوقات

میں جو بیعت لی۔ اُس کا اقرار اور غرض و غایت کیا تھی؟ اور جو پوری جماعت صحابہ سے مختلف اوقات میں لی اُس کے اقرار کے الفاظ اور غرض و غایت کیا تھی؟ کتب حدیث میں ان کے نام اور اقرار کے جو الفاظ ہیں وہ کیا ہیں؟ عہد خلفائے راشدین میں اس انفرادی اور جماعتی بیعت کا کیا حال رہا

۶:۔ صوفیائے کرام جو بیعت لیتے ہیں، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ کیا اس کی نظیر سُنّت میں ملتی ہے، اور کیا یہ عہد رسالت میں عہدِ خلافت راشدہ سے ہی رائج چلی آتی ہے؟ رسالت کے بعد کے دوروں میں اسکی کیا حالت رہی؟

میں اگرچہ "اصحاب الحدیث" کے مسلک کو راجح سمجھتا ہوں، لیکن "اہلِ حدیث" کے نام سے ملک میں جو جماعت پائی جاتی ہے، وہ ایک طرف تو الاسلام کی بنیادی اور مرکزی دعوت کی علم بردار نظر نہیں آتی اور صرف فقہ کے چند اختلافی مسائل ہی اس کی دعوت کا مرکز ہیں۔ جن کی طرف وہ سب کو بلاتی ہے، اور دوسری طرف یہ کہ جن بزرگوں کی طرف اپنی نسبت کرتی ہے، جہاں ان کی زندگی کا حقیقی مقصد اور ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اس کی نظر سے اوجھل ہو گیا ہے۔ وہاں ان بزرگوں کی زندگی کا ایک خاص پہلو تو خاص طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اور وہ ان کی زندگی کا روحانی حصہ اور نبوت کی وراثت کا باطنی پہلو ہے۔ اور یہ شاید اس لئے لکھ گیا ہوں کہ میرے سامنے ہمیشہ اسی کی نقاب کشائی کی جاتی رہی ہے۔ کیونکہ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس میں فقہ کے اختلافی

مسائل کا اتنا چرچا تو نہ تھا۔ البتہ سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہید دہلویؒ سے لیکر مولانا غلام رسولؒ (ساکن قلعہ میہان سنگھ ضلع گوجرانوالہ پنجاب) اور العارف باللہ مولانا عبداللہ غزنویؒ اور ان کے صالحین فرزندوں تک کی کرامات، تزکیہ نفس، روحانی بلندی، اور انابت الی اللہ کی حکایات ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ضرور تھیں۔

اگرچہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے ہی خاندان کے وہ بزرگ جو ان بزرگوں سے مستفیض تھے دیکھے۔ مگر میرے ہوش سنبھالنے تک وہ ایک ایک کرکے رخصت ہو گئے۔ اور اب صرف ان کی زبانی حکایتیں سنانے والے ہی باقی رہ گئے تھے۔ جو مزے لے لے کر بزرگوں کی کہانیاں سناتے تھے، تاہم اوس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن ہی میں مجھے حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ اور مولانا شہیدؒ سے عقیدت ہو گئی اور پھر انہی کی عقیدت نے میرے دل میں مولانا عبداللہ غزنوی اور ان کے خاندان سے محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا۔

میں نے عربی اس لئے پڑھنی شروع کی تھی کہ مجھے قرآن مجید کا فہم نصیب ہو۔ لیکن افسوس کہ جب انٹرمیڈیٹ تک پڑھ کر بھی قرآن مجید کی زبان نہ آئی، تو قرآن مجید کیونکر سمجھ میں آئے، قرآن مجید سے مجھے جو دلچسپی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن فہمی اور مطالبِ قرآن کو حاصل کرنے لئے بھی آپ سے ہدایت اور مشورہ حاصل کروں۔

قرآن فہمی کے لئے سامان پیدا کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے

"دارالمصنفین" پر عائد ہوتی ہے بلکہ جہاں تک جلد ممکن ہو عملی طور پر ندوۃ العلماء ہی، اس طریق پر قرآن مجید پڑھانے کا انتظام کیا جائے کہ قرآن فہمی کی راہ آسان ہو جائے۔

الجواب

مکرم زادکم اللہ علماً وعملاً

السلام علیکم۔ آپ کا خط پاکر مجھے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ایک مدت کے بعد مجھے ایسے کسی خوش خیال نوجوان سے مکاتبت کا اتفاق ہوا۔ آپ جس راہ پر ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس راہ اور ارادے کے مطابق آپ کو عقیدہ اور عمل کی سعادت بھی حاصل ہو، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، بحمد اللہ کہ آپ نے فقہاء اور محدثین کے درمیان تطبیق کی راہ پالی ہے، تو اب محدثین اور صوفیہ کے درمیان راہ پانا بھی مشکل نہ ہوگا۔

محدثین میں بھی صوفیہ گذرے ہیں۔ امام ابن حنبل، عبداللہ بن مبارک، امام بخاری و مسلم و ترمذی سب ہی صوفی حقیقی تھے اور اصطلاحاً محدثین میں امام قیشری صاحب رسالۂ قیشریہ، ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الاولیاء، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی طریق قادریہ کے بانی حنبلی المشرب اور ٹھیٹھ محدث تھے، ان کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے، اور آپ پڑھ سکتے ہیں۔ حافظ ابن قیم کی صوفیت پر ان کی کتاب منازل السائرین و مدارج السالکین گواہ ہے، اسی طرح

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں۔ ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کر سکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف صدق محدثین دہلی بھی صوفی تھے، اور ان کی تصانیف موجود ہیں، مولانا اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سلوک کو صراط مستقیم نام کتاب میں مرتب کیا ہے۔ جو طبع ہو کر بار بار شائع ہوئی۔ اسکو بھی آپ پڑھ سکتے ہیں لیکن یہ بات ہے کہ حضرات محدثین رحمہم اللہ پر بحیثیت محدث ہونے کی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات و کمالات کے جاننے اور دوسروں کو سنانے کا فرض عائد ہے، یعنی ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ بتائیں کہ ان حالات و کمالات کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک فن ہو گیا ہے۔ جس طرح فقہ اور کلام اور فرائض و تفسیر و حدیث ایک ایک مستقل فن ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحیں ہیں۔ اس کی علمی و نظری مشکلات ہیں، جن کے سمجھانے کے لئے فقہاء مفسرین محدثین اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح فن سلوک کیلئے سالکین کاملین کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس فن کی علمی و عملی دقتوں کو رفع کریں۔

یہ فن نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لئے ایسے کاملین کی ضرورت ہے جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ سے اسوۂ نبوی ہوں، جو اپنے اعمال آداب اخلاق، عادات اور اتباع اوامر و نواہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوں، جن کی صحبت میں پرتو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلۂ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت تک منتہی ہو، جسکا اصطلاحی نام شجرہ ہے۔ جسطرح فن روایت میں اسکا نام سلسلہ ہے۔

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ علم حدیث جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے، یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سارا فیض صحبتِ نبویؐ کی تاثیر کا نتیجہ تھا۔ ان کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اُٹھے اور تابعین کے فیضِ صحبت سے تبع تابعین کا ظہور ہوا۔ یہ تین دور ایسے ہیں، جن میں پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہے، مگر ہر دور میں جماعت کم اور کیف یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فتنوں کا ظہور ہوا، تو تعداد اور بھی کم ہوگئی، اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اب اشخاص کاملین کی صحبت سے اشخاص با استعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری و مریدی رکھدیا ہے، ورنہ قدما اور سلف صالحین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے۔ جیسے امام محمد اور قاضی ابو یوسف کو صاحب امام ابوحنیفہ کہتے۔ اس طرح حضرت شبلی و جنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے تھے۔ جیسے یوں کہتے تھے کہ فلاں شخص نے شبلی کی صحبت اٹھائی ہے، یا جنید کی صحبت اٹھائی ہے۔ یہ رسمی بیعت جو ایک مدت سے رواج پذیر ہے، یہ محض رسم و عرف ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ پیر و مرید کا باہمی معاہدہ ہے، کہ پیر اپنے علم کے مطابق تعلیم و تربیت اور خیر خواہی میں کمی نہ کرے گا۔ اور مرید اسکی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے گا، اور اسکی اصل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہے، کہ آپؐ کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر بیعت لیتے تھے۔ تاکہ جن سے بیعت لی جائے، ان میں اس معاہدہ کی

اہمیت ہو اور وہ اسکی تعمیل میں ہمت صرف کریں اور ان کو یہ خیال رہے کہ میں نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے، اس کے خلاف کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو۔ اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، اوس سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اور یہی عقیدت و محبت اسکے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے امور کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے، یہی اس بیعت کا حاصل ہے، شیخ اپنے سلسلہ کے ارادتمندوں کو امور خیر کی تعلیم دیتا ہے، ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے، ان کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے، اور سالک کے ذہنی اور علمی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے۔ مثلاً غرور بری چیز ہے، اب یہ امر کہ غرور کی کی حقیقت کیا ہے اور غرور کہتے کس کو ہیں، اور اُس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔ اور آیا ہمارا فلاں کام غرور کی حد میں داخل ہے کہ نہیں، اس کا جواب نہ خالص محدث دے سکتا ہے، اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کرسکتا ہے، نہ مفسر بتا سکتا ہے اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کرسکتا ہے، اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے وہ شیخ طریقت ہے، جو ممکن ہے کہ محدث بھی ہو فقیہ بھی ہو۔ مفسر بھی ہو یا نہ ہو تو بہتر ہے، نہ ہو تو حرج نہیں، مگر متبع ضرور ہو، جس نے اپنے بزرگوں سے اُن کو سیکھا اور جانا ہے، یا اُس نے خود کتاب و سنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے اور عمل کرکے اس رتبہ پر پہنچا ہے کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک و صاف ہوگیا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی تعلیم و صحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے۔

اسی تقریر کو ایک اور نہج سے ذہن نشین کرتا ہوں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک میں دو صفتیں تھیں۔ یُعلّمُو الکتاب والحکمۃ (یعنی آپ لوگوں کو کتابِ الٰہی اور سُنّتِ نبوی کی تعلیم دیتے ہیں) وَیُزکّیھِمْ (یعنی آپ لوگوں کو عملاً بھی پاک وصاف بنا دیتے ہیں، ان کے رذائل کو دور کر کے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہیں، ذات پاکؐ میں یہ دونوں صفتیں یکجا تھیں۔ صحابہ میں بھی عموماً یہ دونوں صفتیں یکجا رہیں، تابعین میں کچھ کمی رہی، تاہم ان میں بھی خاص یکجائی رہی۔ تبع تابعین میں آکر یکجائی ایک محدود حلقہ میں رہ گئی۔ اس کے بعد سے یہ یکجائی صرف اشخاص میں ہونے لگی ورنہ عام طور پر حال یہ ہو گیا، کہ یُعلّمُھُم یعنی زبانی تعلیم کی صفت تو علماء اور فقہاء نے اختیار کر لی۔ اور یزکیھم یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنالیا پہلی چیز مدرسہ میں چلی گئی، اور دوسری خانقاہوں میں، مگر ہر دور میں بحمد اللہ تعالیٰ ایسے کاملین ضرور ہوتے گئے۔ جو ان دونوں صفتوں کے جامع اور حامل تھے۔ اور وہی درحقیقت وارثِ نبوت تھے۔ مثلاً ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ان دونوں کا جامع تھا۔ ان کے جانشینوں میں بھی یہی جامعیت تھی۔

آج کل یہ ہو گیا کہ یُعلّمُھُمْ یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علماء کا شغل ہے اور یُزکّیھِمْ یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے، لیکن حق یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں یکجا ہوں

ہمارے اس بیان میں صوفیہ سے مقصود رسمی صوفی نہیں جو درحقیقت دکاندار ہیں، بلکہ وہ متبعینِ سنت مراد ہیں، جنہوں نے علماً و عملاً اس راہ کا کمال حاصل

کیا ہے اور منزلِ مقصود تک پہونچتے ہیں، صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی بعض لوگوں کو بھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے۔ جو لفظی بدعت ہے۔ جس طرح تفسیر اور مفسّر، حدیث اور محدّث، فقہ اور فقیہ کی اصطلاحیں انکے خاص جدید معنوں میں صحابہ کے عہد میں مروج نہ تھیں۔ یہ لفظ اس زمانے میں اگرچہ بولے گئے ہیں۔ اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہیں۔ مگر ان کے اصطلاحی معنی اُن سے مختلف ہیں۔ یہی حال تصوف اور صوفی کا ہے۔ خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو۔ یعنی پشمینہ پوشی سے جو زہد کی علامت تھی، یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیاسونی سے آیا ہو۔ لفظ کی بحث نہیں۔ تاہم یہ لفظ بے شبہہ بدعت ہے یعنی بنا ہے اور باہر سے آیا ہے۔ مگر اُس کی حقیقت بدعت نہیں ہے۔ قرآن پاک کی اصطلاح میں اُس کو اخلاص کہیئے اور حدیث کی رو سے اسکو احسان کا نام دیجیئے۔ اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہیئے۔ وَلَا مَشَاحَةَ فِی الاصطلاح

یہ امر بے شبہہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون میں غیر جگہوں سے چیزیں آکر شامل ہوئی ہیں، شلاً فقہ کیلئے اصول فقہ تیار ہوگیا۔ اور قیاس نے ایک فنی صورت اختیار کرلی علم کلام وعقائد میں فلسفہ داخل ہوگیا اور منطقی و فلسفی دلائل و حجج و براہین کا شیوع وا خلاص میں بھی بعض باتیں باہر سے آگئی ہیں۔ جن کو خواہ تدابیر کے درجہ میں لاکر مان لیا جاسکے یا اُن سے بھی احتیاطاً پرہیز برتا جائے۔ دونوں پہلو ہو سکتے ہیں۔ مگر اس سے اصل فن پر کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ اس فن کی جو اصطلاحیں نئی ہیں وہ افہام و تفہیم کی سہولت کی خاطر اختیار کی گئی ہیں۔ ان سے بھڑکنا حماقت ہے۔ جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے

تو اصطلاحات سے چارہ نہیں ہو سکتا۔

اب اس فن کے مسائل پر آئیے۔ مسائل اولین یہ ہیں۔

رذائل کیا ہیں۔ ان رذائل کی حقیقت از روئے قرآن و حدیث کیا ہے۔ اور ان رذائل کی بیخ کنی کیونکر ہو۔ ان کے بالمقابل فضائل کیا ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں۔ ہم غیبت سے کیونکر بچیں۔ ریا سے کیونکر محفوظ رہیں، جھوٹ بولنا کیونکر ہم سے چھوٹ جائے اور اس کے مقابل صدق مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو۔ توکل، صبر و شکر، استقامت کیسے حاصل ہو۔ ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس میں کیسے بیٹھے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا خدا کی طرف سب سے کٹ جا

اور رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

ایسے لوگ جن کو بیع و فروخت وغیرہ دنیا کے اشغال خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔ یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہو اور ان فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے۔ نماز میں قنوت یعنی خوف و خشوع کیونکر پیدا ہو، اکل حلال کیا ہے۔ تقویٰ کیسے ہو، ایمان باللہ تعالیٰ کیونکر قوی ہو۔ دوام ذکر کیسے حاصل ہو وغیرہ۔

یہاں تک تو میں نے نفس فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے۔ اور ان غلطیوں کو دور کرنا چاہا۔ جو اس کے متعلق عام لوگوں میں شائع ہیں۔ اب آپ کا سوال یہ ہے کہ اب کہاں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر علم و عمل کے ماہر عہد بعہد کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس طرح اس کے بھی بہت کم ہیں۔ علمائے غزنویہ امرتسر کی

تعریف میں نے بھی سنی ہے، جو محدث اور صوفی ایک ساتھ تھے۔ پہلے علمائے اہلِ حدیث میں بھی ایسے لوگ تھے، اور اب بھی ہوں گے، میرے علم میں سیالکوٹ کے مولانا ابراہیم صاحب کو ضرور ان امور سے مناسبت ہے گو مدت سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی، علمائے احناف میں بھی بحمد اللہ لوگ ہیں۔

قرآن پاک کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ صحیح ہے، دار العلوم ندوہ و دار المصنفین دونوں میں اس کے سلسلے ہیں!

"س"

فتاویٰ سلیمانیہ

استفتاء نمبر ۱

خطبۃ النکاح کی غرض وغایت کیا ہے ؟

اور خطبہ میں عاقدین کے نسب وحسب کو بیان اور زرِ مہر کے کم و کیفیت کو ظاہر کرنا درست ہے یا نہیں ؟

اور نیز بلسان قوم خطبۃ النکاح پڑھنا درست ہے یا نہیں ؟

اور اگر درست ہے تو کیا صرف ماثورہ کلمات وآیات کا ترجمہ پڑھ دینا درست ہے یا اس کے علاوہ مناکحت سے مناسب دیگر آیات وکلمات کا بیان کرنا بھی جائز ہے ؟

المستفتی

سید عبدالرؤف اورنگ آبادی

الجواب :

۱:۔ نکاح کی صحت کے لئے خطبہ ضروری نہیں ۔

۲:۔ اس خطبہ میں جو آیتیں اور حدیثیں پڑھی جاتی ہیں اوس میں مقاصد وضرورت نکاح کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کا ذکر ہوتا ہے ۔

۳:۔ عاقدین کا حسب و نسب کا ذکر اطلاعاً کر دینا مباح ہے، اور افتخاراً کرنا گناہ ہے، اور زر مہر کا اظہار مباحات میں سے ہے۔ اگر اطلاعاً و تشہیراً ہو۔

۴:۔ آیات و احادیث کے بعد بلسان قوم خطبہ کرنا درست ہے اس کی حیثیت خطبۂ جمعہ و عیدین کی نہیں۔

۵:۔ ان کا ترجمہ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور مزید مفید امور طرفین کا بیان سے بھی درست ہے۔ سید سلیمان ندویؒ

استفتاء نمبر ۲

عرض ضروری یہ ہے کہ ذیل کے مسئلہ میں ذاتی تحقیق و تدقیق دلائل و حوالجات کے ساتھ تحریر فرما کر مزید شکریہ کا موقع دیں گے

مسئلہ: ایام النحر میں تضحیہ کی جگہ اوسکی قیمت صدقہ کرنا موسر و فقیر ہر دو کیلئے جائز ہے۔ یا صرف فقیر کے حق میں یہ تصدق بالثمن ہے۔ اگر تصدق بالثمن کسی کے حق میں جائز نہیں ہے۔ تو ہدایہ اور بحر الرائق کی عبارات ذیل کا منشاء کیا ہے؟

ہدایہ آخرین کتاب الاضحیۃ صفحہ ۴۳۰:

"التضحیۃ فیما افضل من التصدق بثمن الاضحیۃ لانہا تقع واجبۃ او سنۃ والتصدق تطوع محض فتفضل علیہ علی تطوع محض۔"

سرمحشی ہدایہ کا حاشیہ بین السطور میں قابل لحاظ ہے۔

وھو ھذا و إن کان یسقط عنہ الوجوب، وغیرھا
من الحواشی ثابتہ لہٗ

بحرالرائق جزء الثانی کتاب الاضحیۃ ص ۱۷۶ (مصری)

" التضحیۃ فیھا افضل من التصدق بثمنھا لانھا
تقع واجبۃً إن کان غنیًّا وسنۃ إن کان فقیراً و
التصدق بالثمن تطوع محض فکانت علی افضل لانھا
تفوت بفوت ایامھا ولولم یضح حتی مضت ایامھا
وکان غنیاً وجب علیہ ان یتصدق بالقیمۃ سواء
اشتراھا اولم یشتریھا وان کان فقیراً فان کان اشتراھا
وجب علیہ التصدق بھا۔"

چونکہ مسائل مندرجہ کے جواز و عدم جواز کی بحث کا تعلق اہل علم حضرات سے ہے۔ اس لئے جواب بلا لحاظ عوام و سیاست ملکی تحریر فرمائیں گے۔ کہ بصیرت کا موقعہ حاصل ہو۔

المستفتی

حافظ سید عبدالرؤف ندوی

(امام جامع مسجد اورنگ آباد گیا)

الجواب

فقہ حنفی کے رو سے قربانی عید اضحٰی واجب ہے۔ اور عین

قربانی افضل اور اس کی قیمت کا صدقہ کرنا وجوب کو ساقط کردیتا ہے۔ مگر ثواب اول سے کم ملتا ہے۔

جنگ بلقان کے زمانہ میں مولانا شبلیؒ مرحوم نے انہیں عبارتوں سے یہ فتویٰ دیا تھا۔ کہ روپیہ امداد ترکی میں بھیجا جائے چنانچہ اُس پر عمل ہوا۔

آپ کے پیش کردہ فقرے صحیح ہیں۔ اور عبارات درست ہیں

سید سلیمان ندوی

استفتاء نمبر۳

عرض ہے کہ استفسارات ذیل پر عالمانہ و محققانہ توجہ فرما کر علم و بصیرت کا موقع دیں گے۔

سید عبدالرؤف اورنگ آبادی

نمبر1۔ واقعہ معراج میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں سدرۃ المنتہیٰ سے بیت المعمور کو روانہ ہوتے صاحب معراج علیہ السلام کے حضور میں شراب (خمر) دودھ شہد کا ایک ایک ظرف پیش کیا جانا اور آں حضور کا دودھ کے ظرف اٹھالینا اور حضرت جبرائیلؑ کا فرمانا کہ یہی فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی اُمت ہے۔ اور حضرت انسؓ کی روایت میں بعد فراغت نماز مسجد اقصیٰ سے نکلنے اور آسمان کی طرف روانہ ہونے کے وقتِ شراب اور دودھ کا ایک ایک ظرف

حضور اقدس میں حضرت جبرائیلؑ کا پیش کرنا اور دودھ کا ظرف لے لینا او حضرت جبرائیلؑ کا فرمانا کہ آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے۔ امام المرسلین ہادی عالم سید اولاد آدمؑ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حضرت جبرائیلؑ کے ہاتوں خمر جیسی نجس اور حرام شے پیش کئے جانے کا منشاء صحیح کیا ہو سکتا ہے اور اس واقعہ سے بعض احباب کے دل میں خلش پیدا ہوتی ہے اس کا ازالہ ضروری ہے۔

نمبر2 روایات معراج میں ہے کہ آسمان اول پر حضرت آدم علیہ السلام اور آسمان دوم پر حضرت یحیٰی و عیسیٰ علیہ السلام اور آسمان سوم پر حضرت یوسف علیہ السلام اور آسمان چہارم پر حضرت ادریس علیہ السلام۔ آسمان پنجم پر حضرت ہارون علیہ السلام اور آسمان ششم پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوی انبیاءؑ نامیدہ کا تقرر بہ این ترتیب کا کیا منشاء ہے۔

اور پھر انہیں حضرات کرام کا تقرر کیوں ہوا ؟ حالانکہ ان کے علاوہ اولوالعزم جلیل القدر صاحب کتاب اور پیغمبران بھی مذکور ہیں۔

حضرۃ الشیخؒ :۔ دوسرے سوال کا پہلا جزیہ ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام باہم ترتیب کیوں ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس ترتیب میں ابتداء وانتہاء اور اوسط کی مناسبت ہے۔ حضرت آدمؑ پدرِ اول اور حضرت ابراہیمؑ پدرِ آخر ہیں اور بیچ کے انبیاء اخوان ہیں۔

سوال کا دوسرا جزیہ ہے کہ انہی کا انتخاب کیوں ہوا۔ جواب یہ ہے کہ اوس فطرتی مناسبت کی بنا پر جو ان انبیاء کرام علیہم السلام میں فرداً فرداً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمعاً تھی

نمبر ۳ :۔ انبیاء مذکورین کا تقرر اپنی اپنی منزلوں پر بغرض افادہ تھا یا استفادہ؟ اگر افادہ کی غرض سے تھا۔ تو کیا وہ غرض دیگر انبیاء سے پوری ہوسکتی تھی یا نہیں ؟ اور نیز مفید کا مستفید سے افضل و اکمل ہونا ضروری ہے یا نہیں اگر ضرور ہے تو مستفید کی افضلیت و اکملیت خود واقعہ معراج اور مسجد اقصیٰ میں امامت انبیائے مرسلین سے اور دیگر صفات وحیثیات سے ثابت ہے۔"

نظر برآں کسی صاحب کا یہ کہنا کہ ان مذکورین کا تقرر بغرض افادہ تھا اور ملاقاتیں بغرض استفادہ تھیں۔ کہاں تک صحیح ہیں۔ بینوا توجروا ،

حضرۃ الشیخؒ : یہ نہ افادۃً تھا نہ استفادۃً بلکہ اکراماً للضیف اور استیناسا للمتناسبین تھا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

یادش بخیر! اسلسلہ جولائی، اگست ۱۹۵۲ء کے دن تھے۔ یہ بندۂ قاصر و دور افتادہ اپنے شیخ اقدس حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ کی مجالس میں حاضری کی نیت سے کراچی میں فروکش تھا۔ فقیر چونکہ دور سے جاتا تھا اس لئے حضرت شیخ شفیق قدس سرہٗ صبح بھی نو سے بارہ بجے تک خدمت عالی میں بیٹھنے کی سعادت بخش دیتے تھے۔ حضرتؒ گو کسی کام میں مشغول ہوں۔ بندہ کمرہ میں ایک صوفے پر بیٹھا رہتا تھا۔ اس دوران میں اپنی نوٹ بک پر حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سیاہ رنگ کی بیاض سے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام جو غزل الغزلات پر مشتمل تھا۔ نقل کرتا رہتا تھا۔ حضرت والاؒ بھی بندہ کے اس عمل سے واقف تھے بلکہ کئی ایک اشعار کی تشریح بھی فرما دی تھی۔ فرماتے تھے یہ میرا غزل نامہ نہیں بلکہ سفر نامہ ہے۔ یعنی سیر سلوک کی مختلف منازل کے احوال و کیفیات کی اشعار میں ترجمانی ہے۔ اشعار کی یہ نقل ہنوز بندہ کے پاس موجود ہے۔

بتقریب عطائے خلافت کی بے مثل غزل میں ایک شعر جو برادرم گرامی قدر مولوی غلام محمد صاحب مدظلہم نے تقلید شیخؒ میں نقل نہیں کیا وہ بھی میری بیاض میں موجود ہے۔ شعر مذکور یہ ہے۔

پلا دے ساغر سرشار مجھکو وہ ساقی ؛ خزاں کو ایک اشارہ میں جو بہار کرے

غرض اس دراز نفس سے صرف اتنی ہے کہ بندہ کے پاس صرف حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا کلام "ارمغان سلیمان" کی اشاعت سے پہلے کا موجود ہے۔ اس لئے بندہ اسے "سلوک سلیمانی" میں اصالتاً درج کرنے میں حرج نہیں سمجھتا۔ تاہم مرتب ارمغان سلیمان اور ان کے

ناشر سے بھی اس کی معافی چاہتا ہے۔ والسلام

محمد اشرف سلیمانی عفی اللہ عنہ

۸ بجے صبح بروز جمعرات۔ ۲۰ رجب ۱۴۱۳ھ

۱۴ جنوری ۱۹۹۳ء

اشرف منزل نزد اسلامیہ کالج پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزل الغزلات

۱

پا کر تجھے اپنے کو میں کیا بھول گیا ہوں
ہر سود و زیانِ دو سرا بھول گیا ہوں
جس دن سے مرے دل میں تری یاد بسی ہے
ہر ایک کو میں تیرے سوا بھول گیا ہوں
آتا ہے خدا بھی ترے صدقے میں مجھے یاد
گویا کہ بظاہر میں خدا بھول گیا ہوں
ہر سمت نظر آتے ہیں ہر وقت وہ مجھ کو
دوریٔ مسافت کا گلہ بھول گیا ہوں

۲

سازگار اب گردشِ ایام ہے
دَور میں ہشتاد سالہ جام ہے
لذتِ خلوت بیاں کیا کیجئے ٭ ایک میں ہوں اور ان کا نام ہے

علم و دولت، جاہ و عزت، ہیچ ہیں
گر مجھے حاصل ترا انعام ہے

جب مرا مطلوب ہے تیری رضا
تب مجھے اوروں سے اب کیا کام ہے

وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے
صبح ہی سے انتظارِ شام ہے

دل ہے اے ناداں تجلی گاہِ دوست
کیوں نگاہِ شوق سوئے بام ہے

تیرے یاد آنے سے ہر غم مٹ گیا
داروئے ہر درد تیرا نام ہے

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

ہر عبادت نظرِ بت خانہ ہوئی
دل میں گھر بیٹھا، بتِ خود کام ہے

دیکھنا ہو تو نگاہِ شوق بن
اس کی ہر سو بارگاہ عام ہے

بزم میں تنہا نظر آتا ہوں میں
ایک میں ہوں اور خدا کا نام ہے

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار

آج ہی آغاز کا انجام ہے
تھی جو آزادی تو ہر سو دوڑ تھی
قید میں آرام ہی آرام ہے
اب درِ پیرِ مغاں چھوٹے نہیں
اِس کی مٹی میں بھی کیفِ جام ہے
صحنِ مسجد میں کھُلا ہے میکدہ
اب تو جو زاہد ہے مئے آشام ہے
فیض ہے یہ کس ولیٔ وقت کا
اب مرا جو شعر ہے الہام ہے

۸ر اپریل ۴۲ ۱۹ء
براہ بھوپال

اس سے بڑھ کر اور کیا میرے لئے انعام ہے
آپ خود سنتے ہیں آکر جو میرا پیغام ہے
ہے "نہیں" بھی ربطِ پنہانِ نیاز و نازِ عشق !
لن ترانی امتحانِ شوق کا پیغام ہے
چل کھڑا ہو رہنما سے پوچھ کر، راہِ سفر
بحث میں الجھا مسافر تو سفر ناکام ہے
دُور سے آیا ہوں ساقی، دیر سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھ کو، جو عطائے عام ہے
میری عرضِ شوق ہو، ہر چند محرومِ قبول
مجھ کو کہنے سے غرض ہے میرا کہنا کام ہے
اے مسافر! اور تھوڑی ہمتِ مردانہ کو
دیکھ لے یہ منزلِ مقصود دو سہ گام ہے
لذتِ دیدار قرباں انتظارِ دید پر
ٹکٹکی سی صبح سے تا شام سوئے بام ہے

۹، اپریل ۱۹۴۲ء

براہ بھوپال

دل حریفِ نگہ یار کہاں سے لاؤں
جو نہ بیخود ہو وہ میخوار کہاں سے لاؤں

نور ہی نور جدھر دیکھو نظر آتا ہے
تابِ نظارۂ انوار کہاں سے لاؤں

اف ری دریائے معاصی کی تلاطم خیزی
وہ سفینہ جو کرے پار کہاں سے لاؤں

فیض ساقی ہے بہ اندازۂ ظرفِ میخوار
دل حریفِ مئے بسیار، کہاں سے لاؤں

ٹوٹ ہی جاتی ہے ہر موسمِ گل میں توبہ
جو نہ ٹوٹے مرے غفار، کہاں سے لاؤں

قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل
فطرتِ دیدۂ خونبار، کہاں سے لاؤں

توبہ توبہ، مری توبہ بھی ہے کوئی توبہ
ٹوٹ جائے جو نہ ہر بار، کہاں سے لاؤں

مدرسہ چھوڑا، خرابات میں آ کر بیٹھا
دوسرا سایۂ دیوار، کہاں سے لاؤں

جام پر جام مجھے دے کے بنا دے بدمست ٭ صبرِ سر جوشئ اذکار کہاں سے لاؤں

(۵)

ذکرِ حق سے صیقل کامل ہوا — محو دل سے نقشِ ہر باطل ہوا
چار جانب بارشِ انوار ہے — جلوہ فرما وہ مہِ کامل ہوا
دولتِ کونین سے محروم ہے — جو بھی تیری یاد سے غافل ہوا
قیل و قالِ مدرسہ کو چھوڑ کر — شیخ بھی رندوں میں اب شامل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان کا — جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا
ایسے کچھ انداز سے تقریر کی — پھر نہ پیدا شبہۂ باطل ہوا
بزم میں دیکھا کئے اس ناز سے — جس طرف دیکھا، نشانہ دل ہوا
گھول کر کیا جانئے کیا دے دیا — حلق سے اترا کہ شیدا دل ہوا
دیکھ کر سب کو، اسی کو چن لیا — جو نگاہِ ناز کے قابل ہوا

قیدِ پایا ہے، حلقۂ پیر مغاں
پھر نہ اٹھا، جو یہاں داخل ہوا

شب ۱۲ر اپریل ۱۹۴۲ء

بھوپال، مہمان خانہ سرکاری

(۶)

دامن کو آنسوؤں سے جو نم کر رہا ہوں میں
شرحِ غمِ فراق رقم کر رہا ہوں میں

جو شعر بھی سپردِ قلم کر رہا ہوں میں
سب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں

دیوانگانِ عشق کو، دیکر صلائے عام
آراستہ یہ مجلسِ جم کر رہا ہوں میں

سجدے میں رکھ کے سر ترے پائے خیال پر
تعمیر اک بہشتِ ارم کر رہا ہوں میں

دے کر تجھے حواس! فریب نویدِ دید
اجزائے منتشر کو بہم کر رہا ہوں میں

کہہ کہہ کے دلفریب، دل آرا و دل نشین
تردیدِ قصہ ہائے ستم کر رہا ہوں میں

سر ہے زمین پر تو تصور ہے عرش پر
تعمیر اور ایک حرم کر رہا ہوں میں

آواز دے کے کوئی ادھر سے ابھی گیا
ہر سو تلاشِ نقشِ قدم کر رہا ہوں میں

۱۳ / اپریل ۱۹۴۲ء - براہِ لکھنؤ از بھوپال

زباں میری بنا دے یا الٰہی ترجمان دل
زباں سے ہو وہی اظہار جو کچھ ہو بیانِ دل
زباں تسبیح میں شاغل، دل اُس کی یاد سے غافل
لبوں پر ذکرِ حق جاری مگر ساکت زبانِ دل
زباں تہلیل میں تر ہے خیالوں میں پھنسا
نہ کھل جائیں کہیں یارب، یہ اسرارِ نہانِ دل
زباں تاثیر کی طالب ہے دل تاثیر سے خالی
زباں میں ہے نہ دل شامل، نہ دل میں ہے زبانِ دل
خدا جانے کہاں ہے دل، کہاں پر اسکی
نہیں ملتا سراغِ دل، نہیں ملتا نشانِ دل
کوئی چوٹ ایسی لگ جائے الٰہی میرے سینہ میں
کہ فوارہ سا بن جائے یہ زخم خوں چکانِ دل
اگر ساقی تری چشمِ فسوں گر، کام کر جائے
بدل جائے نظامِ دل، بدل جائے جہانِ دل
کشاکش ہائے زنگار زنگ سے چھوٹوں، قرار آئے
مقیم اِس گھر میں ہو جائے اگر یہ میہمانِ دل

دورا ہے سے خرد کے، جب سے آیا ہوں رہِ دل پر
یقین کی شکل بنتا جا رہا ہے، ہر گمانِ دل
تری ساقی کرامت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی
زباں میری لگی اک گھونٹ میں کرنے بیانِ دل

۱۳ر اپریل ۴۲ ۱۹ء
براہ لکھنؤ از بھوپال

(۸)

کس نے بھر دی یہ صدائے دلنواز — ہر رگِ جاں سازِ الّا اللہ ہے
کوئی ہو آواز، میرے کان میں — ہر صدا آوازِ الا اللہ ہے
کار فرما ایک آتا ہے نظر — منکشف اب رازِ الا اللہ ہے
اس تجلی گاہ کا ہر ناز نین — کشتۂ اندازِ الا اللہ ہے
ہے اُسی کی سانس، انفاسِ حیات — جو کوئی دمسازِ الا اللہ ہے
دل سے ہوتا ہے ترانہ خود بلند — قلبِ ذاکر سازِ الا اللہ ہے

وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں
جام مئے آوازِ الا اللہ ہے

۱۴ر اپریل ۴۲ ۱۹ء
براہ لکھنؤ از بھوپال

(۹)

اپنی نیرنگئ توبہ سے الٰہی توبہ
نور بن بن کے جو بن جائے سیاہی توبہ

"رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی"
ایسی بدمستئ توبہ سے الٰہی توبہ

ذرۂ نور چمکنے بھی نہ پایا تھا ہنوز
چھا گئی دل کے قریں بن کے سیاہی توبہ

جرم پر جرم بھی ہے، توبہ پہ توبہ بھی ہے
بن گیا سلسلہ نا متناہی توبہ

توبہ گن گن کے نہ کروا نہ تسبیح پہ شیخ
جرم ہے نا متناہی ، متناہی توبہ؟

(۱۰)

ذرہ ذرہ عالمِ محسوس کا خاموش ہے
یار ہے گرم سخن، محفل سراپا گوش ہے

چشمِ ساقی میں بھری کیا بادۂ پر جوش ہے
جس طرف آنکھ اٹھ گئی وہ مست مدہوش ہے

جنبشِ ابروئے مغاں، دریا دل و دریا نوال
جمع ہیں میخوار، میخانہ میں نوشا نوش ہے

تیرے میخواروں کے ساقی، کچھ عجب انداز ہیں
دل سراپا جوش ہے لیکن زباں خاموش ہے

پھیر دے، اے چشمِ ساقی گردشِ ایام کو
یعنی امشب میری ہو جائے جو میرا دوش ہے

اک نظر میں کچھ سے کچھ ہے میری دنیائے حواس
ہوش تھا جو بے ہوشی ہے بے ہوشی اب ہوش ہے

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نوید جانفزا سے سر وبالِ دوش ہے

۲۳-۱ اپریل ۱۹۴۲ء بلیا

اے ساقی مدہوش، کر دے مجھے بیہوش
کیسے ہو نشہ پیدا؟ بے بادۂ پُر جوش
رٹتا ہوں ترا نام، کرتا ہوں ترا کام
آتا ہے نظر جب کچھ اپنے میں ذرا ہوش
آغازِ محبت ہے آغازِ مصیبت ہے
سُنتا ہوں یہ نیش اک دن ہوتا ہے سراپا نوش
معلوم نہیں کس دم فرمائیں مجھے وہ یاد
نام ان کا نہ ہوا اے دل اِک لمحہ فراموش
سجدہ میں جہاں سر ہے گویا وہ ترا در ہے
کیا کیا نہ کہے تجھ سے، پایا جو سراپا جوش
حاصل ہے تصور میں کیفیت معراج
کیا کیا نہ مزہ پایا، پایا جو ہم آغوش

یکم مئی ۱۹۶۲ء

(جہاز پر براہ پٹنہ)

(۱۲)

شعلے اٹھیں ہزار تجلی مگر کہاں
یہ آگ ہے ضرور مگر طور کی نہیں

★

سمجھیں میرے کلام کو جو ہوشمند ہیں
مستی مری یہ بادۂ انگور کی نہیں

❖

یہ ضربِ تیشہ، ساغرِ کیفِ وصالِ دوست
فرہاد کی جو بات ہے، مزدور کی نہیں

❖

باقی انا کا ہوش ابھی حق کے ساتھ ہے
ہے بیخودی تمام ابھی منصور کی نہیں

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

۳۰ اپریل ۱۹۴۲ء
براہ پٹنہ

(۱۳)

ہوش ہوش آکر اک نیا غم ہوگیا
کیوں مرا جوشِ جنوں کم ہوگیا

یاد اُن کی دم بدم آتی نہیں
کیا مزاجِ یار برہم ہوگیا

قطرۂ اشک آنکھ سے آتے نہیں
خشک سایۂ دیدۂ نم ہوگیا

نیم شب آہوں میں پاتا ہوں کمی
دردِ دل شاید کہ کچھ کم ہوگیا

۳ مئی ۱۹۴۲ء
براہ بہار شریف

(۱۴)

اے خوشا جذبِ محبت اے خوشا تاثیرِ عشق
گاہے گاہے ان کو میری یاد اب آنے لگی

نامۂ عرضِ محبت شوق سے پڑھنے لگے
خط سے کیا دل تک سے دھڑکنے کی صدا آنے لگی

میری وارستہ طبیعت مدح کے قابل ہوئی
اب مرے جوشِ جنوں کی بھی ادا بھانے لگی

نعمۃ اللہ سے طبعِ حزیں موزوں ہوئی
جو کبھی گاتی نہ تھی وہ وجد میں گانے لگی

جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

* * * * *

۲۵ مئی ۱۹۴۲ء

دلیسنہ

(۱۵)

دل میں کیا کیا آرزوئے دید ہے
رمضان میں انتظارِ عید ہے
الاماں اے سوزشِ داغِ فراق
روزِ محشر تابشِ خورشید ہے
اِضطراب آرام کا دے گا پیام
آج فردا کے لئے تمہید ہے
میکدہ سجدہ میں یاد آیا کیا
روز افزوں نشۂ توحید ہے
یاد آیا چشمِ ساقی کا کرم
پھر چھلکتے جام کی اُمید ہے
دید اس کی مایۂ عیش و نشاط
ابروئے ساقی ہلال عید ہے
اس سے پایا روئے ملت نے فروغ
ختم اس پہ دورۂ تجدید ہے

۲۴ جون ۱۹۴۲ء

بلیا

(۱۶)

آج آیا ہے پیارے کا پیارا مکتوب
دل کش و دلبر و دلچسپ و دلآرا مکتوب

قوتِ جاں، قوتِ دل، سرمۂ بینش تحریر
روح افزا و دل آویز و دلآرا مکتوب

روشنائی نظر آئے گی سوادِ خط میں
دیدۂ کور بھی دیکھے جو تمہارا مکتوب

پڑھ لے کوئی تو معطر ہو مشامِ دل و جاں
نافۂ مشک ہے یا عنبر سارا مکتوب

سر بسر شوق و ہمہ درد ہماری تحریر
سر بسر مایۂ تسکین ہی تمہارا مکتوب

نامۂ یار کے دیدار میں عالم یہ ہے
ہمہ تن آنکھ ہوں اور آنکھ کا تارا مکتوب

۲۵ جون ۴۲ ۱۹ء

بلیا

(۱۷)

تیرا آئینِ محبّت خوب ہے
ہر کسی سے اِک نیا اسلوب ہے
جو تری جانب ذرا منسوب ہے
حلقۂ عشاق میں محسوب ہے
دن گنے جاتے ہیں قاصد کے لئے
انتظارِ نامۂ محبوب ہے
نسخۂ اکسیر و داروئے شفا
تیرے ہاتھوں کا لکھا مکتوب ہے
دم جو تیری یاد سے خالی گیا
عمر اس کی یاد سے مجحوب ہے
مہر ہو یا قہر ہو، جو کچھ کہ ہو
ہر ادا محبوب کی محبوب ہے
عشق ہے مشکل کشائے ماورا
عقل اس میدان میں مغلوب ہے
اندرون حلقۂ پیر مغاں
کوئی سالک ہے کوئی مجذوب ہے

یکم جولائی ۱۹۴۲ء
براہ پٹنہ

(۱۸)

مجھ پہ جادو یہ چلایا کس نے
مجھ کو دیوانہ بنایا کس نے

میں تھا آسودۂ خواب غفلت
مجھ کو سوتے سے جگایا کس نے

اپنا ہر داغ نظر میں آیا
ایسا آئینہ دکھایا کس نے

عشق کی راہ، یقین کی منزل
مجھ کو یہ راز بتایا کس نے

کھو گئی عقل و خرد کی دنیا
جامِ سرشار پلایا کس نے

اب کچھ آباد ہے دل کی بستی
اس خرابہ کو بسایا کس نے

دل تھا مردہ لحدِ سینہ میں
اس کو قم کہہ کے جلایا کس نے

جس کو تھا آٹھ پہر کا رونا
ایسے روتے کو ہنسایا کس نے

۲ر جولائی ۴۲ ۱۹ء
براہِ بہار

۱۹

تسلسلِ حوادث

دمِ سرد ہے آہ پر آہ ہے　　تسلسل حوادث کا جانکاہ ہے
بھروسہ نہیں اب بُجھا تب بجھا　　دم اپنا چراغِ سرِ راہ ہے
اٹھا بسترِ خواب آگے کو چل　　ہوئی ختم شب اب سحرگاہ ہے
یہاں پیش بینی کوئی کیا کرے　　یہاں جو مصیبت ہے ناگاہ ہے
اُسے کب غموں سے رہائی ملے　　جو وابستۂ ماسوی اللہ ہے
گدا سب کے در کے ہوس سے بنے　　جو سب سے غنی ہے وہی شاہ ہے
ہر اک کی خوشامد ہر اک کی ثنا　　اسیرِ بلا طالب جاہ ہے
سفر کی صعوبت سے دل کیوں ڈرے　　اگر خضرِ توفیق ہمراہ ہے
نہیں جمع دل جمعِ اسباب سے　　رہِ جمعِ دل ذکرِ اللہ سے
اندھیرا ہے عالم میں چھایا ہوا　　چراغِ جہاں قلب آگاہ ہے

جو تجھے دل کو پیارے وہ سب چل بسے
"عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے"

۷، جولائی سنہ ۱۹۴۲ء
دلیسنہ

(۲۰)

اُدھر کہتا گیا وہ اور اِدھر آتا گیا دل میں
اثر یہ ہو نہیں سکتا کبھی دعوائے باطل میں

حیاتِ نو مجھے اُن کی نگاہِ ناز نے بخشی
بھرا ہے آبِ حیواں کاسۂ زہرِ ہلاہل میں

دِل اس پیری میں بھی غرقِ ہوسناکی و رندی ہے
پھنسی ہے کشتئ عمرِ رواں گرداب ساحل میں

پناہ اے دل، خدنگِ نازِ قاتل سے نہیں ملتی
جو مل سکتی ہے تو پھر سایۂ دامانِ قاتل میں

جو موسیٰ بھی ہوں تو بھی اتباعِ حضر لازم ہے
ہدایت منحصر ہے اتباعِ شیخِ کامل میں

مرے ہوش و خرد نے جمع جو خرمن کیا برسوں
لگا دے برقِ امین آگ تو اس میرے حاصل میں

۱۱ر جولائی ۱۹۴۲ء

دیسنہ

(۲۱)

اس فقر میں بھی عاشق کیا صاحبِ ثروت ہے
ایک ذرہ محبت کا کونین کی دولت ہے
اک غم نے بنایا ہے، ہر غم سے مجھے فارغ
اندوہِ محبت بھی گنجینۂ عشرت ہے
پیش آئی جو مشکل بھی، آسان نظر آئی
اک جرعۂ ہمت میں خمخانہ کی قوت ہے
آباد ہے اک عالم ہر گوشۂ خاطر میں
دنیائے محبت میں افلاک کی وسعت ہے
اِک گھونٹ میں بھولا ہے، میخوار دو عالم کو
کیا تندیٔ نشہ تیرا اے جامِ محبت ہے
محفل میں نظر آئیں، تو رونقِ محفل ہیں
جلوہ ہے وہی جلوہ، جو جلوۂ خلوت ہے

۲۰ر اگست ۱۹۴۲ء
دلیسنہ

تقریب عطائے خلافت

ابھی تو مشقِ فغاں کنج میں ہزار کرے
اثر کے واسطے کچھ اور انتظار کرے

جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے
وہ پہلے سوز سے دل کو تو داغدار کرے

انھیں کے دینے سے ملتا ہے جسکو ملتا ہے
وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو
مجال ہے جو انھیں کوئی ہمکنار کرے

سُنا تو دے اُسے افسانۂ غمِ ہجراں
وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے

وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو
وہ طرزِ نالہ ہو جو اُن کو بے قرار کرے

تیری نظر میں ہے تاثیرِ مستیِ صہبا
تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں
وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے

(۲۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء براہِ آلہ آباد)

(۲۴)

صدقِ احساس کی دولت مرے مولیٰ دیدے
غمِ امروز بھلادے، غمِ فردا دیدے

دُھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی
دلِ دیوانہ و سودائی و شیدا دیدے

اپنے میخانہ سے اور دستِ کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دیدے

کھول دے میرے لئے علمِ حقیقت کے در
دلِ دانا، دلِ بینا، دلِ شنوا دیدے

قول میں رنگِ عمل بھر کے بنادے رنگین
لبِ خاموش بناکر، دلِ گویا دیدے

دلِ بے تاب ملے، دیدۂ پُرآب ملے
تپِ آتش مجھے دیدے، نمِ دریا دیدے

دردِ دل سینے میں رہ رہ کر ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھیرے مجھے وہ درد خدایا دیدے

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء

براہ لکھنو

یہ مناجات ہے اور ورد میں رکھنے کے لائق!

(۴۲)

اے مسیحِ دردِ دل، چارہ گرِ آزارِ دل
پا رہا ہے تیرے درماں سے شفا بیمارِ دل
دور باش افکارِ باطل، دور باش اغیارِ دل
سج رہا ہے شاہِ خوباں کیلئے دربارِ دل
اب یہی مٹ جائیگی تاریکیٔ افکارِ دل
خانۂ دل میں جو پھیلیں گے کبھی انوارِ دل
تیرے اک چھینٹے سے اے ابرِ بہاری ان دنوں
سبز ہے، شاداب ہے، سیراب ہے گلزارِ دل
دُور ہوتی جاتی جا رہی ہے ہر کھٹک جو دل میں ہے
تیرے سوزن سے نکلتے جا رہے ہیں خارِ دل
عشق کا رہبر دلیلِ راہ جس دن سے بنا
بن رہا ہے آپ ہی انکارِ دل، اقرارِ دل
ہوش ہی گرمی و مستی ہے، وفورِ شوق ہے
شکر ہے رونق پہ ہے امروز کاروبارِ دل

---

(۱) کاروبارِ دل سے مراد عبد و معبود کے تعلق کی کیفیات ہیں۔

جمع وہ سامان ہو جس کی خریداری بھی ہو
سونچ کر اے دل لگانا چاہیئے بازارِ دل

المدد توفیقِ ضبط و المدد تابِ سکوت
لب پہ لے آئے نہ جوشِ دل کہیں اسرارِ دل

قلبِ عاشق بھی ہے پھر ہمسایۂ عرشِ بریں
جلوہ فرما مسندِ دل پر اگر ہو یارِ دل

سامنے ہے منزلِ مقصود اے رہوارِ دل
اور بھی اب تیز ہونی چاہیئے رفتارِ دل

خانۂ دل میں نہ جبتک کم ہو گھر کا شور و غل
گوشِ دل سے سن سکے کیونکر کوئی گفتارِ دل

فخر تو اس رشتۂ تسبیح پر فرمانہ شیخ
دل کی رگ رگ سے تو پہلے کھینچ لے زنارِ دل

۲، نومبر ۱۹۴۲
تھانہ بھون

۲؎ "شور و غل" یعنی حواس ظاہر اور علوم عقلی کا ہیجان جسکی وجہ سے حاسۂ قلبی کا ادراک جاتا رہتا ہے۔

۳؎ پہلے "لا الہ" پھر "الا اللہ" یعنی پہلے دفع ضرر پھر جلب منفعت، اسی کو حضرات چشتیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ پہلے "تخلیہ" ہو پھر "تحلیہ"!! یہاں "تخلیہ" کی تلقین ہو رہی ہے

(۲۵)

نعت سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نام محمدؐ صلِ علیٰ، نورِ مجسّدؐ صلِ علیٰ
خلدِ موردِ صلِ علیٰ، قدِ ممدود صلی علیٰ

رحمتِ عالم صلی علیٰ، مفخرِ آدم صلی علیٰ
مرسلِ اکرم صلی علیٰ، اسمک احمد صلی علیٰ

چہرۂ انور شمس ضحیٰ، زلفِ معنبر لیل سجیٰ
قلب مطہر نورِ ہدیٰ، ذکر ممجد صلی علیٰ

شاہدِ عالم شاہِ اُمم، ہادیِ اعظم شمعِ حرم
صاحبِ لطف وجود وکرم، حق سے مؤید صلی علیٰ

شافعِ محشر نام ترا، سب کی شفاعت کام ترا
عرشِ معظم بام ترا، خلق کا مقصد صلی علیٰ

ساغرِ کوثر جام ترا، سیراب تشنہ کام ترا
خوانِ کرم پیغام ترا، نام محمدؐ صلی علیٰ

گوہر والا پاک نسب، عنصر بالا پاک لقب
بہتر و اعلیٰ خُلق و ادب اکرم و امجد صلِ علیٰ

نسبتِ بیضا راہ تری، چاہ خدا کی چاہ تری
شافع عاصی جاہ تری، عرش بہ مسند صلِ علیٰ

نورِ الٰہی نور ترا، غارِ حرا ہے طور ترا
ہے ہوش میں سر مخمور ترا، اے نورِ مجسد صلِ علیٰ

کوچۂ جنت کوچے ترے، خار و خس و پھول ترے
خاکِ قدم ہے میرے لئے، سرمۂ اثمد صلِ علیٰ

جی میں ہے عاشق سجدہ کرے، تونے جہاں پر پاؤں دھرے
اور بشوق و ذوق پڑھے محضر مرقد صلِ علیٰ

موسیٰ عمراں مخبرِ مقدم، مژدۂ عیسیٰ شان ورود
دعوتِ ابراہیمؑ ترا باعثِ آمد صلِ علیٰ

۲۵ شوال ۱۳۶۱ھ
تھانہ بھون

فنِ عروض کے لحاظ سے اس نعت کی بحر تو "بحرِ متقارب" ہے ہی، مگر اہلِ نظر دیکھ سکتے ہیں کہ یہ اشعار دراصل نبویؐ تقرب کے بحرِ متقارب کی موجیں ہیں نعت گو "فنا فی الرسول" کی منزل میں پہنچ کر منقبت سرا ہے۔

(۲۶)

لولاک لما عنوان ترا، فرمان خدا فرمان ترا
پیغام خدا فرمان ترا، ایمان خدا ایمان ترا

اے شاہِ مدینہ در پہ ترے ہیں آج بھکاری بن کے کھڑے
لائق تو نہیں احسان کے ہیں پھر بھی جو ملے احسان ترا

تیری محبت دین مرا، اور دین ترا آئین مرا
ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا، عرفانِ خدا عرفان ترا

۱۷ ر ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ
اعظم گڑھ

جہاں ڈھونڈھیں وہیں پائیں جہاں دیکھیں وہیں تو ہے
تجھے جو یاد کرتا ہے، اسی کا ہم نشیں تو ہے

تری ہی روشنی ہر چار سو پھیلی ہے عالم میں
کہیں مہرِ فلک تو ہے۔ کہیں نورِ زمیں تو ہے

۱۷ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ
اعظم گڑھ

یہ اشعار

ہر چیز میں جس کی ہے کیفیتِ مستانہ
آباد رہے یا رب تا حشر وہ میخانہ

چھائی ہے یہاں مستی ہر ایک نمازی پر
حیرت ہے یہ گھر اے دل مسجد ہے کہ میخانہ

زاہد نے کہاں پائی، زاہد نے کہاں پی لی
گفتار ہے رندانہ، رفتار ہے مستانہ

دستارِ فضیلت ہو، یا دلق مرقع ہو
ہونا ہے اُسے اک دن نذرِ مئے و میخانہ

ہر قطرہ ندامت کا جو دیدۂ تر میں ہو
وہ دامنِ خالی میں ہے گوہرِ شاہانہ

وہ چشمِ محبت تو جویائے محبت ہے
دیکھے تو ذرا کر کے اس سے کوئی یارانہ

معشوق یگانہ ہے، عاشق بھی یگانہ ہو
یعنی کہ جو اُن کا ہو، وہ سب سے ہو بیگانہ

حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی
آ دل میں مرے چھپ جا، اے صورتِ جانانہ

۱۶ر نومبر ۱۹۴۲ر براہ شاہ گنج

(۲۹)

کیا بھری تاثیر میں مطرب تری آواز ہے
جو تری محفل میں بیٹھا وہ سراپا ساز ہے

باغ میں صحرا نظر آتا ہے اور صحرا میں باغ
اب مرے جوشِ جنوں کا اور ہی انداز ہے

پاؤں تو حدِ ادب سے عشق میں باہر نہ رکھ
وہ ہمہ خوبی و محبوبی سراپا ناز ہے

نام ان کا ہر نفس میں لب پہ یوں آیا کیا
تن سے جیسے روحِ بسمل مائل پرواز ہے

دیکھئے ملتی ہے کب دولت سکونِ عشق کی
ہائے وہ ہوتے و جوش تو ہنگامۂ آغاز ہے

گاہ دیکھا تھا مری چشمِ تصور نے تمہیں
اب وہی تصویر مری ہمدم و دمساز ہے

جو نہیں معلوم ہے، اس کو کوئی جانے گا کیا
جبکہ جو معلوم ہے وہ بھی سراسر راز ہے

۲۸ نومبر ۱۹۴۲ء
(اعظم گڑھ)

(۳۰)

چاندنی چھٹکی ہوئی جس کی ہزاروں دل میں ہے
وہ فروغِ نورِ عالم اس مہِ کامل میں ہے

لفظ بیگانہ بھلا، کیا ترجمانی کر سکیں
شوقِ بے اندازہ پیچیدہ وہ میرے دل میں ہے

وا کر اے مجنوں تو اپنے دیدۂ مشتاق کو
لیلیٰ پردہ نشیں ہر پردۂ محمل میں ہے

جد و جہدِ دید میں ہے ذوقِ شوقِ لطفِ دید
حاصلِ ہر سعی، میری سعیٔ لا حاصل میں ہے

آ ہی جائیگا کبھی اس تک بھی ساقی دورِ جام
منتظر بیٹھا ہوا جو بھی تری محفل میں ہے

منزلِ مقصود ہے راہِ طلب کا ہر قدم
وہ سرِ منزل ہے جو اب تک رہِ منزل میں ہے

۱۴ جون ۱۹۴۳ء

براہ جونپور

(۱۳)

تری قدرت وہ کر سکتی ہے جو تیری مشیت ہے
مگر تیری مشیت آپ ہی پابند حکمت ہے

مری بے چارگی سے ہے تری قدرت کی آرائش
دلِ صد چاک میرا شانۂ گیسوئے قدرت ہے

تری رحمت سے پیدا ہے بہارِ گلشنِ ہستی
یہاں جو ہے ترا پروردۂ بارانِ رحمت ہے

۱۹۴۳ء

ولہ

۳۲

رحلتِ شیخ

داغِ فراقِ یار مٹایا نہ جائے گا
اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حرفِ دمِ وداع "خدا کے سپرد ہو"
تا آخرِ حیات بھلایا نہ جائے گا

خیالِ سرِ بالیںؔ

دل بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائے گا

گوشِ جہاں بغور سُنے اس کلام کو
پھر یہ کلامِ شوق سنایا نہ جائے گا

اے میکشو یہ دُردِ تہِ جام بھی پیو
ترسو گے پھر یہ جام پلایا نہ جائیگا

اے دل خموش صبر و رضا کا مقام ہے
نقشِ دوامِ فیض مٹایا نہ جائے گا

ؔ شیخ الشیوخ حضرت تھانویؒ کی رحلت کا یہ نالۂ غم ہے، مگر کس قدر عارفانہ

پیرِ مغاں نہیں ہے مگر میکدہ تو ہے
جام و سبو یہاں سے ہٹایا نہ جائے گا
یوں ہی بچھا رہے گا یہاں خوانِ فیضِ عام
جب تک ہیں میہمان بڑھایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یونہی جلا کرے گا، بجھایا نہ جائے گا

۱۵ جولائی ۱۹۴۳ء
براہ جونپور

(۳۲)

گلزارِ خلیل آسا یہ آتشِ سوزاں ہے
یعنی کہ یہ سوزِ دل، آرامِ دل و جاں ہے

ہے اُن کا تصور بھی کس درجہ سراپا نور
گویا کہ قرینِ دل اک شمع فروزاں ہے

کہتے ہیں کہ دل گھر ہے اللہ تعالیٰ کا
اس گھر میں جو وارد ہو اللہ کا مہماں ہے

آتے ہو تصور میں بھر بھر کے نئے تم روپ
ان سب سے الگ تم کو جانیں تو یہ ایماں ہے

اے مدعیِ دانش! کیا راز کو پائے گا
یہ گنبدِ گرداں بھی اِک بھول بھلیاں ہے

راہِ طلبِ حق میں ہر دیدۂ بینا کو
کونین کا ہر ذرہ خورشیدِ درخشاں ہے

۲۵ رمضان ۱۳۶۲ھ
۲۶ ستمبر ۱۹۴۳ء
اعظم گڈھ

شیوهٔ صیدِ زبونم آرزوست — سینهٔ آغشته بخونم آرزوست
گوش می جوید پیام از وصل دوست — ارجعی و راجعونم آرزوست
عشق را گوئی جنوں اے بے خبر — با همه هوش ایں جنونم آرزوست
داغ بر دل از غم انجام دل — مژدهٔ لا یحزنونم آرزوست
خوشش نمی آید سجودِ بے حضور — فی صلوٰةٍ خاشعونم آرزوست
قربِ بے غیبت نمازِ عاشقاں — فی صلوٰةٍ دائمونم آرزوست
می برد بیتابئ دل کو بہ کو — بر درت صبر و سکونم آرزوست
ایں شتابئ دلِ ناصبر بیں — آنچه می خواهی کنونم آرزوست
از حصارِ ایں و آں بیروں کشد — آں نگاهِ پر فسونم آرزوست
بسکه دزدیده نگه بر من فگن — نشترِ زخمِ درونم آرزوست

خیرِ من هست آنچه تو فرمودهٔ
آنچه فرمودی همونم آرزوست

۲۹ر رمضان ۱۹۶۳ء
اعظم گڑھ

(۳۵)

ترے نام میں ہی حلاوت ملے
جو ذوقِ محبت کی لذت ملے
جو تیری رضا کی بشارت ملے
تو دونوں جہانوں کی راحت ملے
ترے عشق کے غم کی دولت ملے
تو سارے غموں سے فراغت ملے
بہر حال بندہ پہ ہے بندگی
کرم ہے جو ذوقِ عبادت ملے
محبت تو اے دل بڑی بات ہے
یہ کیا کم ہے اس کی جو حسرت ملے

یہی زندگی جاودانی بنے
جو آبِ حیاتِ محبت ملے

۱۸ر اکتوبر ۱۹۴۳ء
اعظم گڑھ

ترے روئے روشن پہ وہ نور ہے
کہ بے پردہ ہو تو بھی مستور ہے

چلا چل تو منزل بہ منزل یوں ہی
ٹھہرنے کی منزل ابھی دور ہے

کشش پر ہے قائم نظام وجود
یہ گھر اک محبت سے معمور ہے

نہ جانے وہ ہیں جلوہ فرما کہاں
جدھر دیکھئے نور ہی نور ہے

تراوش سے خونِ جگر کی نہ ڈر
کہ مرہم سراپا یہ ناسور ہے

یہ عالم ہے دل کا غمِ عشق میں
کہ مغموم ہو کر بھی مسرور ہے

ابھی قطع کر اور راہِ طلب
مقام محبت بہت دور ہے

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء
جونپور

(۳۷)

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے

حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۳
جونپور

۳۸

ترا عکسِ رخِ روشن تصور میں جو آجائے
نہ پھر ہو جو اندھیرا وہ اجالا میرے دل میں
خدا جانے مجھے کیا دے کے ساقی نے پلایا ہے
وہ کب کا جاچکا پھر بھی نظر آتا ہے محفل میں

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۳ء / جونپور

لہ مرشد تھانوی قدس سرہ

(۳۹)

سما جا مرے دل میں ارمان ہو کر
دوئی دور کر دے مری جان ہو کر

بتوں کا ہے بندہ خدا کا نہیں
خدا کا نہ ہو جو مسلمان ہو کر

تصور میں کیا کیا عنایت ہے اُنکی
مرے گھر میں آئے ہیں مہمان ہو کر

ستم بھی کرم ہے کہ شورِ محبت
مزہ دے رہا ہے نمکدان ہو کر

جہاں کو معطر بنائے ہوئے ہے
وہ زلفِ معنبر پریشان ہو کر

یہ کس میکدہ سے اٹھی موجِ مئے ہے
چلی آ رہی ہے جو فیضان ہو کر

۳؍ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ

بھوپال ۱۸ ستمبر ۱۹۴۷ء

(۴۰)

دیدۂ دل اگر ہو باز، راز رہے نہ راز میں
جھانکتی ہیں حقیقتیں آئینہ مجاز میں

اُن کے کرم کے ہم نثار، ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

حبش و تتار و ہند و شام، سرخ رخ و سیاہ فام
عشق نواز ہر مقام، آئے ہیں سب حجاز میں

عرش کے بام تک کہاں، وسعتِ دستِ انس و جاں
شانِ کرم ہوئی عیاں، ہو کے نہاں مجاز میں

سنگِ سیاہ در جو تھا، دستِ مصافحہ بنا
اب نہ رہا وہ راز میں، وہ جو چھپا تھا راز میں

روز مرا نیا مقام، صبح کہیں کہیں ہے شام
عشق کی منزلیں تمام، راہِ خم و دراز میں

دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز و ساز
ہے یہ دعا بصد نیاز، درگہِ بے نیاز میں

دل جو ملا سیاہ کار، آنکھ عطا ہو اشکبار
دھوئے جو دل کو بار بار، خلوتِ خاص راز میں

ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ مناسک حج
(بوقت حاضری مکہ معظمہ)

(۴۱)

بحضور رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

آدم کے لئے فخر یہہ عالی نسبی ہے
مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے

پاکیزہ تر از عرش و سماء، جنت و فردوس
آرام گہِ پاک رسولِ عربیؐ ہے

آہستہ قدم نیچی نگہ، پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں روح رسول عربیؐ ہے

اے زائر بیت نبویؐ یاد رہے یہہ
بے قاعدہ یاں جنبشِ لب بے ادبی ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبیؐ کی
محبوبِ خدا ہے وہ جو محبوب نبیؐ ہے

بجھ جائے ترے چھینٹوں سے اے ابر کرم آج
جو آگ مرے سینہ میں مدت سے دبی ہے

محرم ۱۳۶۹ھ

(بوقت حاضری مدینہ منورہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملفوظات سلیمانی

۱:۔ لوگ انبیاء علیہم السلام کا معجزہ تلاش کرتے ہیں میں کہتا ہوں انبیاءؑ کی ذات ہی معجزہ ہے۔ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ خدا کا کلام مجھ پر اترا۔ نبوت اپنی ذات سے معجزہ ہے فرشتوں کا دیکھنا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا، وحی کا اترنا معجزہ سے کیا کم ہے۔

۲:۔ ایک صاحب نے عرض کیا۔ حضرت بعض اوقات ذکر ذوق و شوق سے ہوتا ہے۔ بعض اوقات پتھر سا دل معلوم ہوتا ہے۔ کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا۔

ارشاد فرمایا، "یہ احوال ہیں جو بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی فکر کی ضرورت نہیں۔ اصل چیز تو مقامات ہیں۔ انہیں حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ ابھی تک آپ ان (کیفیات وکشف ولذت وغیرہ) کے چکر سے نکلے نہیں۔ انہیں میں پڑے ہوئے ہیں۔ کشف، لذت، کچھ نظر آتا یہ کچھ التفات کے لائق نہیں۔ مقامات کے حصول کی فکر کیجئے۔ صبر، شکر

رضا و تسلیم۔ توجہ و کوشش کے قابل تو چیزیں ہیں۔ غیر اختیاری امور کے پیچھے نہ ہونا چاہیئے۔ جب تک اِن چیزوں سے نہ نہ نکلا جائے مقصد کا پتہ نہیں چلتا غیر مقصود کو مقصود سمجھ لینا سب سے بڑی غلطی ہے۔

۴۳ فرمایا۔ میرا ایک شعر ہے۔

کار فرما ایک آتا ہے نظر
منکشف اب رازِ الا اللہ ہے

اسے توحید افعالی کہتے ہیں۔ حاصل کرنے کی چیز تو یہ ہے۔ ہر چیز کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں۔ وہی مؤثر ہیں۔ جو چیز نظر آرہی ہے اس سے نگاہ ہٹ کر ہر چیز اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہوتی نظر آئے"۔ احقر نے عرض کیا۔ اس کے حصول کی کیا صورت ہے۔

فرمایا۔ "پہلے اس عقیدہ کو معلوم کیجئے۔

عرض کیا۔ عقیدہ تو ہے۔ فرمایا "عقیدہ نہیں ہے۔ کیا آپ کو ہر چیز یونہی نظر آتی ہے۔ اسباب پر سے نظر اٹھ جائے اور یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ہر چیز کے کرنے والے اللہ تبارک و تعالیٰ ہیں۔ اسباب میں تاثیر اُن کی ذات سے آرہی ہے۔ اسباب کے متعلق حضرت والا رحمہ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ مجھ سے شعر میں ادا ہو گیا ہے۔

یہ اسباب ہیں دست قدرت میں یوں

قلم دست کاتب میں جیسے رہے

اسباب کی حقیقت ان سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ یہ تو بس ایک آلہ ہیں ان سے نگاہ اٹھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر آجائے۔ یہ سب لا الہ الا اللہ میں شامل ہے۔ لا فاعل الا اللہ لا موثر الا اللہ لا معطی الا اللہ لا مانع الا اللہ لا ضار الا اللہ، لا نافع الا اللہ، لا خالق الا اللہ سب کچھ کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں۔

کیا مخلوق کو موثر یا کرنے والا سمجھنا شرک نہیں "

ہر نبی کو کسی خاص صنعت میں خصوصی کمال (امتیاز) حاصل تھا۔ حضرت یعقوبؑ تدبیر و توکل کے جامع تھے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مصر جانے لگے تو آپ نے ان سے ارشاد فرمایا

یٰبَنِیَّ لا تدخلوا منۢ باب واحد وَّ ادخلوا مِنْ ابواب متفرقة ؕ وَمَآ اُغنی عنکم من اللہ من شیٔ ان الحکم الا للہِ ؕ علیہ توکلتُ ۚ وعلیہ فلیتوکل المتوکِّلُوْنَ ۝

کہ اے میرے بیٹو سب کے سب ایک ہی دروازے سے مت جانا اور میں خدا کے حکم کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اسی پہ۔

بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اس سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر و توکل کی جامعیت معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر میں اسباب اختیار فرمانے کا حکم دیا۔ لیکن باطن میں ان اسباب پر کچھ بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ یہ یقین راسخ تھا کہ حقیقت میں تو وہی ہوگا۔ جو اللہ تبارک و تعالیٰ چاہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ وہ علم ہے جو ہم نے یعقوب علیہ السلام کو مرحمت فرمایا تھا۔ اسباب کے ہوتے ہوتے اسباب پر نظر نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے میسر ہوتا ہے

در کفِ جام شریعت در کفِ سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید سب سے کامل تھی۔ ان کی زبان سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

.... فانھم عدوٌ لِیٓ الا رب العلمین ہ الذی خلقنی فھو یھدین ہ الذی ھو یطعمنی ویسقین ہ واذا مرضتُ فھو یشفین ہ والذی یمیتنی ثم یحیین ہ والذیٓ اطمع ان یغفر لی خطیٓئتی یوم الدین ہ

(الشعرا - ۵)

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام جو تمام شرکوں سے پاک تھے۔ ان کی توحید توحید افعالی تھا۔ پس اسکے حاصل کرنے کی کوشش

مقدمہ

از حضرت محترم مولانا شاہ سید سلیمان صاحب ندوی قدس سرہ
خلیفہ حضرت حکیم الامۃ جامع المجددین علیہ الرحمۃ

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ جب ضرورت پیدا ہوتی ہے تو اس کے دفعیہ کا بھی سامان پیدا کرتے ہیں، رات کے اندھیرے میں چاند اور تاروں کے چراغ جلادیتے ہیں، گرمی اور حبس جب شدت کو پہونچ جاتی ہے تو ابر رحمت نازل فرماتے ہیں، جہاں بیماریاں ہیں اس کی دوائیں اگاتے اور تدبیریں بتاتے ہیں، بالکل یہی حال امراض باطنی اور احوال نفسانی کا ہے، جب فساد ظاہر ہوتا ہے، صلاح کی تدبیر ابھرتی ہے۔ جب ظلمت انتہا کو پہونچتی ہے سپیدہ نور طلوع ہوتا ہے، ضلالت کے ساتھ ہدایت، کفر کے ساتھ ایمان، آذر کے ساتھ ابراہیم اور فرعون کے ساتھ موسیٰ کا ظہور ہوتا ہے۔

اسی اصول پر دنیا میں تاریکی کے ہر دور میں نبوت کا نیا نور چمکا اور دنیا کو روشن کر گیا۔ آخر حضور رسالت مآب خاتم النبین محمد الرسول صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود پاک پر جب شریعت اتمام کو پہونچی اور دین کامل ہو گیا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی، تو نسل انسانی کو اس شریعت کی راہ دکھانے اور اس دین کے مسائل کو بتانے اور نئے نئے زمانہ کے نئے نئے فتنوں سے محفوظ رکھنے اور دین وشریعت کو تحریف وتبدیل

سے بچانے اور شکوک وشبہات کو مٹانے کے لئے ہر دور میں ایسی ہستیاں ظاہر فرمائی جاتی رہی ہیں جو دین کو اپنے اصلی جادہ پر قائم رکھ سکیں اور اسکے چشمہ صافی کو گردوغبار سے صاف کرکے مصفا رکھیں

مقصود یہ ہے کہ زمانہ ہمیشہ حرکت میں ہے اور اس کے ساتھ ہر چیز حرکت میں ہے اس حرکت سے لوگوں کے خیالات واعمال میں گھٹاؤ بڑھاؤ پیدا ہوتا رہتا ہے نئی نئی تحریکیں نمایاں ہوتی ہیں، نئی نئی بدعتیں ظاہر ہوتی ہیں، نئے نئے خیالات لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں، زبان، طرز تعبیر اور طریق استدلال میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور یہ سب کے سب مل کر ایمانیات اور یقینیات میں شک وشبہ کی راہیں کھولتے ہیں اس لئے اس قادر مطلق نے جس نے دین کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے مخصوص انسانوں کے ذریعہ دین کی حفاظت کے وعدہ کو پورا فرماتے رہتے ہیں۔

یہ تحریف وتبدل اور خیالات کا اتار چڑھاؤ اور اعمال کا بگاڑ ہر زمانہ میں الگ الگ راہوں سے اور انوکھے اور نت نئے دروازوں سے داخل ہوتا رہتا ہے اس لئے ہر زمانہ کا فساد عمل اور سوء اعتقاد ایک طرح کا نہیں ہوتا۔ کبھی یہ فساد قیصری وکسروانی حکومتوں کے قاعدوں اور قانون کی راہ سے آیا۔ کبھی یونانی وعجمی علوم وفنون کی صورت میں آیا کبھی ہند وشام ومصر کے سابقہ مذہبوں کے اختلاط نے دین میں گنجلک پیدا کی، اور کبھی کسی ملک کے رسم ورواج نے شریعت کی جگہ لے لی۔ کبھی غیر شرعی عصری تحریکات نے دلوں اور دماغوں کو متعفن کیا۔ غرض کبھی سیاست کی راہ سے کبھی علم وفن کی راہ سے کبھی تہزیب وتمدن کی راہ سے، کبھی حکومت کی راہ سے کبھی عقل

پرستی اور خرد نوازی کے ذریعہ سے، کبھی غیر دینی اقتصادی و تمدنی نظامات کے واسطہ سے، بلکہ کبھی خود غلوئے دین اور تشدد فی الدین کی راہ سے دین میں تحریفات وبدعات پیدا ہوتے رہے ہیں، اس لئے ہر زمانہ کے مفاسد کے لحاظ سے دین کے مجددین کا ہر عصر میں ظہور ہوتا رہا ہے اور انھوں نے خداداد قوت عمل اور ربانی محبوبیت اور انسانی مقبولیت پاکر زمانہ کی مشکلوں کا پورا مقابلہ کرکے اصل دین کے چہرہ سے زمانہ کے گردوغبار کو صاف کیا ہے اور پھر دین کی حقیقت کو بے غبار کرکے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

ہر صدی میں ایسے مجدد کے ظہور کی حدیث حسب ذیل ہے۔

عن ابی هریره فی ما اعلم عن رسول الله صلے الله علیه وسلم ان الله یبعث فی امتی علی راس کل مائه من یجدد لها دینها (ابوداؤد و کتاب الملاحم) بے شبہ اللہ تعالیٰ میری امت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے کو پیدا کرے گا جو اس کیلئے اس کے دین کو نیا کر دے گا۔

یہ روایت ابوداؤد کی ہے، حاکم نے مستدرک کتاب الفتن میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی دوسری روائتیں کی ہیں۔

بعض محدثین نے گو اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے خود اسی ابوداؤد کی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رفع میں راوی کو تردد ہے۔ مگر ایسی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی سند میں کلام کیا گیا ہے مگر واقعہ نے ان کی صداقت کی توثیق کر دی ہے یہی حال اس حدیث کا بھی ہے اور تاریخ اسلام اس کی صداقت کی شاہد ہے۔

اس موقع پر ایک شبہ کا دفع کرنا ضروری ہے عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ ہر

صدی کے سرے پر ایک ہی مجدد پیدا ہوتا ہے، لیکن لفظ من جیسا کہ محققین نے اصول فقہ میں ثابت کیا ہے کسی خاص کیلئے ہونا اس کا ضروری نہیں بلکہ عموم بھی اس سے سمجھا جاتا ہے یعنی اس سے ایک دو اور چند بھی سمجھے جا سکتے ہیں، جیسے من الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وماھم بمومنین کی آیت میں امنا اور ھم کی جمعیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ من کیلئے ایک کا ہونا ضروری نہیں، اس لئے بالکل ممکن ہے کہ مختلف ملکوں میں یا مختلف اصلاحوں اور مختلف مفاسد کے مقابلہ میں تجدید دین کے لحاظ سے ایک ہی وقت میں کئی مجدد ظہور کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ علماء نے بعض دفعہ ایک ہی وقت میں کئی بزرگوں کو مجدد مانا ہے۔

حدیث میں علیٰ راس کل مائۃ آتا ہے یعنی ہر صدی کے سرے پر، سرا (۱) انتہا دونوں پر بولا جاتا ہے، چنانچہ بعض شارحین ابوداؤد نے لغت سے دونوں استعمالوں کو ثابت کیا ہے اس لئے راس کل مائۃ کا صحیح ترجمہ صدی کے سرے پر کے بجائے تخصیص کے ساتھ ابتدا اور انتہا پر نہیں آنا چاہیئے۔

ایک اور بات بھی ذہن میں رہنی چاہیئے کہ صدی کے سرے پر مجدد کی پیدائش ہونا ضروری نہیں بلکہ اس وقت اسکے تجدیدی مشن کا آغاز ہوتا ہے جس کو حدیث میں بعثت کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی پیدائش کے چالیس برس کے بعد مبعوث ہوئے۔

(۱) ضروری نہیں لیکن زبان کا عام استعمال یہی ہے اور اس حدیث تجدید میں تو "ہر صدی کے سرے" کی قید بے تکلف بول رہی ہے کہ اس سے مقصود کسی بہت خاص نمایاں فرد کی بعثت ہو۔ ورنہ کچھ نہ کچھ لوگ تو ہر صدی کے ہر حصہ ہی میں ایسے پائے جاتے ہیں جو تھوڑی بہت دین کی تجدیدی خدمت انجام دیتے رہیں۔ مولف۔

ایک اور نکتہ کو بھی کھول دینا ضروری ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ مجدد دین کو نیا کر دے گا یعنی رسوم وبدعات وفسادات کی گندگی کو دور کر کے اصل دین کو ظاہر کریگا اس لئے مجدد کی بڑی پہچان جس سے خواص اس کو پہچان اور عوام جان سکتے ہیں کہ اس کی تعلیم و تلقین اور جدوجہد اور دعوت و تبلیغ سے زمانہ کی ظلمتیں اور خیالات کی بدعتیں اور اعمال کے مفاسد دور ہو کر وہ اصل دین نمودار ہو جائے جس کی صحیح تصویر نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے نگار خانہ کتاب وسنت میں محفوظ ہے۔

چونکہ اس حدیث کا سہارا لے کر بعض دفعہ مدعیان باطل نے نئے نئے دعوے کئے ہیں، یہاں تک کہ نبوت کے حدود حرم تک پہونچنے کی کوشش کی ہے اور اسلام میں نئے نئے فرقوں بلکہ امتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی ہے اس لئے یہ لغزش گاہ بھی ہے اور اس مقام پر قلم اور قدم کو بہت پھونک پھونک کر چلنا چاہیئے۔ اسی لئے ضرورت ہے کہ بتادیا جائے کہ نبی کی ضرورت اصل احکام کے من جانب اللہ انسانوں تک پہونچانے کے لئے ہے۔ یعنی نبی اللہ تعالیٰ سے پاکر بندوں تک پہونچانے میں واسطہ ہے، وہ عقل وقیاس اور علم وفہم سے نہیں کہتا، بلکہ وہ جو کچھ کہتا ہے وحی سے کہتا ہے اور خدا سے پاکر کہتا ہے، اس کی وحی و تعلیم ہر خطا سے پاک اور وہ خود ہر غلطی سے معصوم ہے۔ مگر مجدد کا یہ حال نہیں ہے بلکہ وہ کتاب وسنت اور وحی ورسالت کے احکام وپیغام کو سمجھ کر اور اپنی فراست ایمانی، صفائے ذہن، عقل مستقیم اور قیاس صحیح اور رائے صواب سے صحیح غلط میں تمیز کرتا ہے، دین کو غیر دین سے، ارشادات الٰہی کو ایجادات انسانی سے، سنت کو بدعت سے ممتاز کرتا ہے

اور اپنی علمی و عملی زندگی کی طہارت و نزاہت اور ثبات و استقامت اور نبی کی اتباع کامل اور اقتدائے تام سے محبوبیت و مقبولیت کی شان پیدا کرتا ہے۔

اس تقریر سے ظاہر ہے کہ نبی کو ماننے اور اس پر ایمان لائے بغیر انسان اصل شریعت سے محروم رہتا ہے اور کفر سے لپٹا رہتا ہے اس لئے اس پر نعیم آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے بند اور عذاب آخرت کا ہر دروازہ ہمیشہ کے لئے کھل جاتا ہے۔ لیکن مجدد کے نہ ماننے سے وہ صرف کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی سے محروم رہتا ہے۔ اور بدعات وفسادات کی آمیزشوں سے بچ نکلنے میں اس کو مشکلیں پیش آتی ہیں، اس لئے ہو سکتا ہے کہ جنت تک پہونچنے میں اس کو عذاب کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے (۱) وللہ ملک السموٰت والارض یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء۔

اس وجہ سے نبی اور مجدد کی دعوتوں کی نوعیت میں بھی فرق ہے، نبی ہر شخص کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے اور نبی کی نبوت پر ایمان لانا ایمان کا جز ہے جس کے بغیر کوئی مومن نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کو نبی مانے بغیر اس کے واسطہ سے آئے ہوئے احکام الٰہی اور کلام ربانی تک رسائی نہیں ہو سکتی، لیکن مجدد اپنی شخصیت کی دعوت نہیں دیتا یہاں تک کہ مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جز بھی نہیں ہے خصوصاً کسی ایک زمانہ کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں۔

اسی فرق سے دوسرا فرق بھی پیدا ہوتا ہے۔ نبی کو اپنا نبی ہونا یقینی اور قطعی

(۱) یہ محرومی بھی کتنی بڑی محرومی ہے کہ دولت ایمان رکھ کر بھی اسکے دینی و دنیوی ثمرات و برکات سے گویا محروم ہی رہتا ہے (مولف)

طور سے معلوم ہوتا ہے اور اسکو اللہ تعالیٰ کی خبر سے اس واقعہ کا ہونا یقینی بدیہی معلوم ہوتا ہے جس کیلئے اس کو دلیل کی بھی ضرورت نہیں لیکن مجدد کو اپنا مجدد ہونا ظن و تخمین سے زیادہ معلوم بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگلے زمانہ کے مجددین کا مجدد ہونا بالعموم ان کی وفات کے بعد ان کے پاکیزہ کارناموں اور مقدس حالات اور تجدیدانہ مساعی سے خواص امت پر یہ ظاہر ہوا اور اس کے بعد لوگوں نے مان لیا، چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ کا مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ کو اور دوسری صدی کا مجدد وامام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کو مانا۔"

تیسری صدی میں امام ابوالحسن اشعری اور پھر امام الحرمین، پھر امام غزالی کو بہتوں نے اس منصب کے قابل قرار دیا، اس کے بعد اہل حدیث نے حافظ ابن تیمیہ کو بھی ساتویں صدی کا مجدد بتایا۔ ہندوستان میں دسویں صدی کے خاتمہ پر حضرت شیخ احمد سرہندی، پھر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے بعد ایک جماعت نے مولانا اسمٰعیل شہید کو اس منصب کا اہل تسلیم کیا۔

حافظ سیوطی نے نویں صدی میں ایک نظم میں ان بزرگوں کے نام گنائے ہیں جن کو بعض خواص امت نے مجددوں میں شمار کیا ہے، چنانچہ حافظ سیوطی کے بتائے ہوئے اسمائے مبارکہ یہ ہیں۔ نویں صدی میں انھوں نے صرف اپنے متعلق امید ظاہر کی ہے مگر ان کے معاصر امام سخاوی بھی اس عہدہ کے امیدوار ہیں اس لئے دونوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ا۔

۱۔ پہلی صدی عمر بن عبد العزیزؒ المتوفی ۱۰۱ھ

۲۔ دوسری صدی امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ

۳۔ تیسری صدی — حافظ ابن شریح امام ابوالحسن اشعری

۴۔ چوتھی صدی — امام باقلانی، امام سہیل بن باابو حامد

۵۔ پانچویں صدی — امام غزالی

۶۔ چھٹی صدی — امام رازی، رافعی

۷۔ ساتویں صدی — ابن دقیق العید

۸۔ آٹھویں صدی — امام بلقینی یا حافظ زین الدین عراقی

۹۔ نویں صدی — سیوطی یا امام سخاوی

حافظ سیوطی شافعی تھے اس لئے انھوں نے زیادہ ترنام شافعیوں کے لکھے ہیں محدثین نے جو فہرست پیش کی ہے اس میں چوتھی صدی تک کے محدثین کے نام گنائے ہیں۔ (۱)

۱۔ پہلی صدی — ابن شہاب زہری وقاسم بن محمد وسالم بن وحسن بصری و محمد بن سیرین (امام محمد باقر)

۲۔ دوسری صدی — یحیٰی بن معین امام الجرح والتعدیل

۳۔ تیسری صدی — نسائی صاحب سنن نسائی

۴۔ چوتھی صدی — حاکم صاحب مستدرک وحافظ عبدالغنی مصری

اس کے بعد دسویں صدی میں صاحب خلاصہ الاثر نے شمس الدین بن شہاب الدین کا نام لیا ہے جن کو ان کے اہل زمانہ وقت کا مجدد سمجھتے تھے۔

(۱) اصل بات وہی معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح کے سارے اکابر نے اپنی اپنی جگہ کوئی نہ کوئی تجدیدی خدمت انجام دی ہے لیکن اگر حدیث تجدید کو قبول کیا جائے۔ تو "صدی کے سرے" کی قید و تخصیص کسی تخصیصی مجدد کو بھی ضرور مقتضی ہے۔ واللہ اعلم (مولف)

گیارہ سے لے کر چودہ تک کا زمانہ ہندوستان کا ہے اس موقع پر ایک بات اہل نظر کو صاف نظر آئے گی کہ دینی قطبیت کا مرکز دوسرے اسلامی ملکوں سے ہندوستان کو منتقل ہو گیا۔ چنانچہ دینی ومذہبی خدمت، علوم وفنون کی خدمت، حدیث وتفسیر کی خدمت اور ہدایت خلق واحیائے سنن ورد بدعات کے لحاظ سے ہندوستان تمام دوسرے اسلامی ملکوں پر سبقت لے گیا ہے، کیونکہ ان صدیوں میں ہندوستان میں جو ہستیاں نمایاں ہوئیں، ان کی نظیر دوسرے ملکوں میں نہیں ملتی۔ مثلاً گیارہویں صدی کے آغاز میں حضرت شیخ احمد سرہندی المتوفی ۱۰۳۴ھ اور بارویں صدی کے وسط میں مولانا شاہ ولی اللہ محدث دھلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ اور تیرویں صدی کے وسط میں شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی اور مولانا سید احمد بریلوی شہید۔

بیرون ہند حجاز میں کچھ ایسے بزرگ گزرے ہیں جن کے فیض سے علوم حدیث کو دنیائے اسلام میں رواج ہوا اور ان کی برکت سے ہندوستان اور حجاز یکساں مستفید ہوئے، چنانچہ گیارہوں صدی میں ابراہیم بن حسن کردی نزیل مدینہ اور بارہویں صدی میں شیخ صالح بن محمد بن نوح نزیل مدینہ کے نام بعض محدثین نے لئے ہیں۔ شیخ ابراہیم بن حسن کردی کے صاحبزادہ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ کے استاد ہیں۔

گیارہویں صدی کے مجدد وقت حضرت شیخ احمد سرہندی کو مجدد کے لقب سے سب سے پہلے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے ملقب کیا جو شاہجہان کے عہد کے سب سے بڑے عالم تھے اور جن کی تصنیفات دنیائے اسلام میں شائع ورائج ہیں، اللہ تعالی نے اس لقب کو ایسا مقبول کیا کہ زبان خلق پر ان کا نام ہی

مجدد الف ثانی قرار پایا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے کارنامے سب کے سامنے ہیں، اور انھوں نے خود بھی اپنے متعلق اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں ادھر اشارہ کیا ہے، حضرت مولانا اسمٰعیل شہید کی ذات سے ہندوستان میں دین اسلام نے جو قوت و توانائی پائی اور عقائد اسلام جس طرح رسوم وبدعت سے پاک ہوئے اور بہت سی مردہ سنتیں جسطرح ان کے دم قدم سے زندہ ہوئیں اور اب تک ہیں وہ محتاج دلیل نہیں۔ حضرت مولانا شاہ اسماعیلؒ کے ساتھ حضرت مولٰنا سید احمد شہیدؒ بریلوی کا نام لینا بھی مناسب ہوگا گو یہ دونوں ہستیاں یک جان ودوقالب ہو گئی تھیں اور ان میں سے جن کو چاہو مجدد کے وصف سے متصف مان لو۔

ان بزرگوں کی تاریخ وپیدائش وفات کا حال ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا۔

۱۔ حضرت شیخ احمد سرہندی پیدائش ۹۷۱ھ وفات ۱۰۳۴ھ

۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدائش ۱۱۱۴ھ وفات ۱۰۷۶ھ

۳۔ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید پیدائش ۱۱۹۳ھ شہادت ۱۲۴۶ھ

۴۔ حضرت مولانا سید احمد شہید پیدائش ۱۲۰۱ھ شہادت ۱۲۴۶ھ

بہر حال اوپر کی تفصیلوں سے ظاہر ہے کہ کسی مجدد کا مجدد ہونا کوئی اذعانی اور یقینی مسئلہ نہیں ہے اور نہ اس کے دعویٰ پر موقوف ہے بلکہ خواص امت کو اس کے دینی کارناموں کی بنا پر یا اسی شخص کو اپنی کوششوں کی مقبولیت کی بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس کو صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے۔

عصر حاضر یعنی چودھویں صدی کے مجدد کی تعین کے لئے بھی وہی معیار ہوگا جو اگلوں کے لئے تھا یعنی ان کے کارنامے اس منصب جلیل پر سرفراز ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور اس تعیین کے مسئلہ میں نیک نیتی سے دو شخصوں کی رائیں حسب عقیدت ومحبت مختلف ہو سکتی ہیں، اور ان میں سے کسی ایک پر اعتراض اور ایراد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ مسئلہ محض گمان و تخمین اور قیاس کا ہے۔

اس صدی کے بزرگوں میں سے مرشد نا حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص ممتاز حیثیت ہے علوم ظاہر وباطن کی یکجائی، اور تمام کمالات علمی وعملی کا ان میں اجتماع، ایک طرف فقہ وفتاویٰ کی مسند نشینی، دوسری طرف تصنیف وتالیف وتحریر ووعظ وتقریر سے ہدایت خلق، رد بدعات، رفع شبہات، ابطال رسوم اور تیسری طرف اپنے انفاس قدسیہ سے باطنی فیوض وبرکات کا اجرا اور اسلام کے عقائد واعمال کو زمانہ کے تہ بہ تہ ظلمات کے گرد وغبار سے پاک کرنا ایسے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ان کے محبین ومعتقدین کے خیال میں اس درجہ پر ہے کہ وہ منصب تجدید کی حد تک پہونچتا ہے۔

حضرت والا کی ولادت ۱۲۸۰ھ میں ہوئی، مراتب درس وتعلیم سے فراغت ۱۳۰۱ھ میں ہوئی اور ۱۰۳۱ھ میں قطب وقت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے مقدس ہاتھوں سے ہوئی اور اسی سال ۱۳۰۲ھ سے کانپور میں بیٹھ کر درس وتدریس اور وعظ وتقریر اور تالیف وتحریر کا آغاز فرمایا اور اسی سال قطب آفاق حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے فیض

دیدار سے مسرور ہوئے اور اسی سال فریضہ حج سے مشرف ہوئے اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت ہو کر اور فیوض گوناگوں سے بہرہ اندوز ہو کر ۱۳۰۰ھ واپس ہوئے۔ ان تاریخوں کا ذکر اس لئے کیا گیا تاکہ علی راس کل ماتہ کی ظاہری مطابقت بھی واضح ہو جائے حضرت مولانا کے دینی وعلمی و روحانی واصلاحی کارناموں کو دیکھ کر خواص امتؒ کو حضرت کے مجدد وقت ہونے کا گمان حضرت کی زندگی ہی میں ہو چکا تھا اور بعض صاحبوں نے ہمت کرکے آپ سے دریافت بھی فرمایا تو اسطرح اس کا جواب دیا جس طرح حدود شرع کے اندر احتیاط کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، چنانچہ زبانی اور تحریری دونوں قسم کی روایات اس بندہ ہیچمداں تک پہونچی ہیں، الافاضات الیومیہ سے مولف ہذا نے حضرت کے حسب ذیل ملفوظ کو اس کتاب کے مقدمہ (دیدہ کامل) میں نقل کیا ہے، ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا۔

> کیا حضرت مجدد وقت ہیں؟، فرمایا " احتمال تو مجھکو بھی ہے مگر اس سے زائد نہیں، جزم اوروں کو بھی نہیں کرنا چاہیئے، ظن کے درجہ میں گنجائش ہے، باقی قطعی یقین تو کسی مجدد کا نہیں ہوا جس پر جتنا اور جس درجہ کا فضل ہو جائے، ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم"۔

اس سے زیادہ واضح عبارت کمالات اشرفیہ صفحہ ۳۰۰ ملفوظ ۱۱۸۷) میں ہے۔

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت

ہیں. فرمایا کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں، اس لیئے
اس کا احتمال مجھکو بھی ہے مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا
چاہیئے محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا نہیں۔

(الحمد للہ حمداً کثیراً مبارکاً فیہ علیٰ ہذا الاحتمال)

مسئلہ کی حقیقت اس حد تک ہے، مگر حضرت والا کے ایک معتقد خاص اور صحبت یافتہ واجازت یافتہ بالاختصاص نے جن کا تعلق حضرت مولانا سے پندرہ سال رہا اور جو ماشاء اللہ خود بھی عالم وفاضل اور مشرقی ومغربی فلسفہ کی ماہر اور متعدد کتابوں کے مصنف ومترجم ہیں اور ساتھ ہی حضرت کے یمن صحبت اور فیض وبرکت سے باطن کی دولت سے بھی مالا مال ہیں، حضرت کی تجدیدات اور اصلاحی کارناموں پر چار ضخیم تالیفات (۱) ترتیب دیں اور ان میں ایسے تمام شواہد ودلائل جمع کر دیئے جن سے یہ احتمال قوی سے قوی تر ثابت ہو سکے، چنانچہ یہ کتاب اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، اس میں مولف نے حضرت والا کی ان تجدیدی اور اصلاحی کوششوں کو جو امت مرحومہ کی ہر نوع وہر صنف کے لئے مفید ہیں پورے استقصا کے ساتھ جمع کر دیا ہے ان کو پڑھ کر خاص وعام ہر شخص حضرت کے ان اصلاحی کارناموں کو تجدیدی رنگ میں پاکر ان کے مجدد وقت ہونے کے قوی سے قوی احتمال کے ماننے پر مجبور ہوگا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ حضرت والا کے ان تجدیدی کارناموں پر ایک فاضل و لائق شخص نے ظن و تخمین کو قوی کرنے

(۱) جامع المجددین (۲) تجدید تصوف سلوک (۳) تجدید تعلیم وتبلیغ (۴) تجدید سیاسیات وقومیات۔

لئے شواہد ودلایل بھی یکجا کردیئے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جو کسی زمانہ میں کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی، وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کسی کو یہ شبہہ نہ گزرے کہ اس تحریر یا اس تالیف کامدعا کسی شخص کی مجددیت کے دعویٰ کی تشہیر یا منصب تجدید کی دعوت وتلقین ہے بلکہ یہ مولف کی عقید تمندانہ تعبیر ہے کہ وہ حضرت کی اصلاحی مساعی کو تجدیدات کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصلاحات کی خاص شان یہ ہے کہ وہ ہمہ گر ہیں، اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشہ پر ان کی نظر تھی بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، فاسقوں سے لے کر صوفیوں درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں اور دولتمندوں تک، خریداروں سے لے کر تاجروں تک، طالب علموں سی لے کر استادوں اور مدرسوں تک۔ غرض ہر صنف امت اور ہر جماعت کے کاموں تک ان کی نظر دوڑی، پیدائش، شادی بیاہ غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نگاہ پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا اور کھوٹا الگ کیا اور رسوم وبدعات اور مفاسد کے ہر روڑے اور پتھر کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، معاملات، اخلاق، عبادات اور عقائد میں دین خالص کی نظر میں جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی۔ فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمان کی زندگی کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق بھی اپنے جانتے پورا سامان مہیا کر دیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس فن احسان وسلوک کی جس کا

مشہور نام تصوف ہے، تجدید کی جو دنیا میں کس مپرسی میں اور ہندوستان میں بحالت غربت تھا اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، جو دوکاندار صوفیوں کے ہاتھوں کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی صورت بن گیا تھا، اور جہاں اس کی تعلیم ہوتی تھی وہاں وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اور اور وظائف کے ایک نصاب کا۔ سلف صالح نے اس فن کے جوابواب ومسائل منقح کر کے لکھے تھے وہ بالکل فراموش ہو گئے تھے اور خصوصیت کی ساتھ سلوک کی حقیقت اور رعایت بالکل ہی چھپ گئی تھی اور جہاں کسی قدر اس کا نام ونشان تھا وہاں علم ونظر میں وحدہ الوجود یا وحدہ الشہود کی ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر وفکر ومراقبہ کی چند تعلیمات پر بالکلیہ قناعت تھی، خانقاہوں میں سماع واعراس ومحافل کے سوا اس کا کوئی حقیقی مظہر باقی نہیں رہا تھا۔ طریقت وشریعت کو دو متقابل حریف ٹھرا کر ان میں سے ایک کی توہین اور تحقیر کی جا رہی تھی۔

یہ تو ان کا حال تھا جو دین کے مدعی تھے باقی عوام تو ان کی زندگی دین سے خالی ہو کر رسوم وبدعات کی نذر ہو گئی تھی، مسلمان کی زندگی کے کسی گوشہ میں بھی دین اور خالص دین کا تخیل نہ تھا، اخلاق کی تعلیم اور معاملات ، معاشرت کی تصحیح دین کامل کے دائرہ سے باہر ہو گئی تھی۔

تعلیم جدید کی نئی آب وہوا نے تفرنج اور فرنگی مابی کا وہ زہر پھیلا دیا تھا جس سے دینی عقائد واعمال کی ہر چیز پر مردنی چھا گئی تھی اور جہاں دین کا کچھ خیال زندہ بھی تھا شکوک وشبہات کی کثرت اور شدت نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک پرانے قصبہ کی ایک کہنہ مسجد کے ایک گوشہ

میں ایک دور بین زندہ دل مرد درویش بیٹھا ہوا مسلمانوں کے سارے احوال اور ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر نظر ڈال کر حق و باطل، نیک و بد، اور صحیح وغلط کے درمیان تفرقہ کی لکیر بنانے میں مصروف تھا، اس کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی اور اس کو دیکھ دیکھ کر موجودہ مسلمانوں کی زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں غلطیاں تھیں وہ ان کے درست کرنے میں مشغول تھا اس نے پوری زندگی اس میں صرف کی کہ مسلم کی تصویر حیات کو اس شبیہ کے مطابق بنا دے جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔ اس یقین کو جو مسلمانوں کے سینوں میں چودہ سو برس سے نقش تھا کہ دین ہی ان کی دینی و دنیاوی دونوں ترقیوں کا کفیل ہے، لیکن جس کو تعلیم جدید نے یورپ کی نقالی میں شک سے بدل دیا تھا اس حکیم الامۃ نے دوبارہ پیدا کیا اور بتایا کہ حقیقت میں ترقی جس کی اس وقت دم بدم پکار ہے اونچے محلوں، بھرے خزانوں، بیش قیمت لباسوں، گراں بہا سامانوں، بڑی بڑی تجارتوں، اعلیٰ ملازمتوں، اونچی تنخواہوں، شاہانہ احتراموں، اعزازوں اور خطابوں کا نام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کے ساتھ بلند اخلاق، شریف عادات اور پاک وصاف قلب کا نام ہے جو آب و گل سے وابستہ اور فانی کا طالب نہ ہو اور حرص وہوا حب مال اور حب جاہ کا گردیدہ نہ ہو جس میں اخلاص کے ساتھ خالق کی رضا کے لئے خلق کی خدمت کا جذبہ ہو۔

فقر و تصوف علم وفن اور تمدن وسیاست زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان اپنی غرض وغایت اور اصول ومبادی کو چھوڑ کر ہندی وعجمی ویونانی وافرنگی تصور حیات کی تقلید میں مصرووف ہو گئے اور اب تک مصروف ہیں اور اسی کی

رونق کو اپنے کا شانہ کی عظمت جانتے ہیں، فقر و تصوف میں ہندی و یونانی تصورات جوگ و استشراق کی تقلید ہے، علم و فن میں عجمی و یونانی مذاق کی پیروی ہے، تمدن و سیاست میں ایرانی و رومی رنگی کی آمیزش ہے۔ کیا عجیب بات ہے کہ وہ دین جو قیصریت و کسروانیت کے رنگ کو مٹانے آیا تھا اسی کے نام لیوا چالیس برس کے بعد خود ہی قیصریت و کسروایت کے رنگ میں آہستہ آہستہ ایسے رنگے گئے کہ اس کے امراء وحکام خلفاء راشدین کی نیابت کی جگہ قیصر و کسریٰ کی جانشینی پر فخر کرنے لگے، وہی تعیش، وہی سونے چاندی اور ریشم وحریر اور طاؤس و رباب کی زندگی مسلمان امراء وحکام کی زندگی کا مقصد بن گیا، بیت المال ان کا ذاتی خزانہ ہو گیا اور سلطنت ان کی موروثی ملکیت جاگیرداری اور زمینداری۔ اسلامی اصول کے بجائے قیصر و کسریٰ کے طرز کی پیروی جاری ہو گئی۔ یہ تو عہد گزشتہ کا حال تھا، عہد حال میں یورپ کے، تمدن اور سیاست کی نقالی ہماری اسلامی سلطنتوں کا فخر ہے، ہمارے دارالسلطنتوں کے سامنے پیرس کے خاکے ہیں، ہماری خواتین کے سامنے انگلستان وفرانس کی عریانی اور رنگینی اور بے حجابی ہے، ہمارے نوجوانوں کی نگاہوں میں رقص و سرود اور ظاہری پوشاک ووضع کی اور طرز ماند و بود میں فرنگی مابی زندگی کی کامیابی کا سب سے اعلیٰ تخیل ہے۔ غرض مسلمانوں کے دل ودماغ اور ذہن وتصور سے زندگی کی وہ غایت اور حیات کا وہ مقصد جو اسلام نے پیش کیا تھا یکسر مخفی اور پوشیدہ ہے۔

علم وفن پر غور کیجئے تو ہماری قدیم تعلیم اب تک یونان کی تقویم پارینہ کی پرستش میں اور تعلیم جدید یورپین ضلالت وگمراہی خیال کی عکاسی میں

معروف ہے، اور سوائے تقلید ونقالی کے کوئی مجتہدانہ تصور ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ہمارے سامنے جب اعلی تمدن اور اعلی سلطنت داری کا تخیل آتا ہے تو یورپ کی ایک ایک سلطنت اپنی پوری ہو شربائی اور باطل آرائی کیساتھ ہمارے سامنے آجاتی ہے اور یہ حقیقت ہمارے سامنے سے گم ہو جاتی ہے کہ اسلام کا تصور سیاست اور تصور تمدن اور تصور علم وفن اپنا خاص ہے اور اسی کو دوبارہ پیدا کرنا اور دنیا کے سامنے لانا ہماری قومی وملی غرض وغایت ہے۔

سلوک اور فقرو تصوف جو درحقیقت اعلیٰ دین اور اعلی اخلاق کا اصطلاحی نام تھا وہ ترک عمل اور چند رسوم ورواج کا مجموعہ ہو کر رہ گیا اور پیدائش سے لیکر موت تک کے تمام طرق حیات پر بدعات اور رسوم شرک وکفر کے تو بر تو پردے پڑے ہیں، جن کی بزرگوں کی متروکہ وراثت کے نام سے، ہم اب تک بقا کے درپے ہیں۔

ان حالات میں بڑی ضرورت تھی کہ اس اصلاح وتجدید کے خاکہ کو جس کو ایک مصلح وقت اپنی تصنیفات ورسائل میں سپرد کر گیا ہے اور جن پر زبان کی کہنگی اور طریق ادا کی قدامت کا پردہ پڑا ہے ان کو زمانہ موجودہ کے مذاق اور تقریر وتحریر کے نئے انداز کی روشنی میں اجاگر کیا جائے، سلسلہ تجدیدات واصلاحات کے نام سے چار جلدوں میں اسی خدمت کو انجام دیا گیا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے۔ اس وقت دنیا اور ہندوستان وپاکستان رفتار سفر کے جس موڑ پر ہے ضرورت تھی کہ عین اسوقت یہ فرض انجام پاتا سو بحمد اللہ تعالیٰ کہ وہ عین وقت پر ایک سعاد تمند قلم سے

انجام پا رہا ہے۔ یہ کتابیں مسلمانوں کی حقیقی اصلاح وترقی کے متعلق حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہیں، دل سربسجود ہے اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دیں کہ وہ اس آئینہ میں اپنے خط وخال کو دیکھ کر اپنی شکل کو پہچانیں اور غلط اور گمراہ دنیا کے پیرو اور مقلد بننے کے بجائے دنیا کے امام اور پیشوا بنیں اور ایک نئے تمدن، نئے طرز حیات نئے مقصد زندگی اور نئے آئین سلطنت کی بنیاد ڈالیں۔

بیا تا گل بر افشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح نو در اندازیم

اور اسوقت کی غمزدہ اور مصیبت سے بھری ہوئی امن کی جویا اور سکینت کی پیاسی دنیا کو امن وسلامتی کا پیغام دیں اور انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل کریں جو دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح کی کفیل ہو اور سیاست اور ملک داری کو حرص وہوا جھوٹ اور دغا اور مکرو فریب سے آزاد کریں۔

اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقاں ریزد
من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

اسلام نے ببانگ دہل بتایا ہے اور تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ حکمرانی کے استحقاق کیلئے اخلاقی جوہر لازمی ہے، حب مال اور حب جاہ یہ دولبالب زہر کے پیالے ہیں جو شربت زلال کی شکل میں حکام اور لیڈران کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اگر کسی نے اسکی طمع میں آکر ان کو پی لیا تو نہ صرف ان

۱ یعنی جامع المجددین۔ تجدید تصوف وسلوک، تجدید تعلیم وتبلیغ اور تجدید سیاسیات وتوحیات

کی بلکہ پوری ملت کی موت کا باعث بن جاتے ہیں، اس لئے وہ حکومت صالحہ جس کی دعوت اسلام کا آئین دیتا ہے وہ ایثار واخلاص اور خدمت خلق کے ملی جذبات سے تعمیر پاتی ہے لیکن ان جذبات کی آفرینش اور مال و جاہ کی محبت سے قلوب کی حفاظت اس تقویٰ کے بغیر ممکن ہی نہیں جو قرآن سے ہدایت یابی کی پہلی شرط ہے ھدی للمتقین، بے انصافی، کینہ پروری، رشوت خوری، پرمٹ فروشی، دوست نوازی، بلیک مارکیٹنگ جن کی بدولت ہندوستان وپاکستان کی بنیادیں ہل رہی ہیں، وہ حاکموں اور عہدہ داروں اور وزیروں اور سوداگروں اور تاجروں اور زمینداروں اور کسانوں کی انہیں اوصاف عالیہ سے خالی اور محروم ہونے کے سبب سے ہیں اور اس کا اصل سرچشمہ اس خشیت الٰہی اور جزائے "یوم الدین" سے بیگانگی ہے جس سی قلوب تزکیہ وتصفیہ کے آب صافی سے پاک وصاف ہوتے ہیں۔

اجتماعی کاموں کو چھوڑ کر انفرادی کام بھی تزکیہ قلب اور تصفیہ اخلاق کے بغیر فوز حقیقی سے محروم رہتے ہیں، افراد کے قلوب جب تک عناد وحسد بغض وکینہ عجب وغرور، ریا ونمائش سے خالی اور اخلاص وایثار ،توکل واعتماد علی اللہ اور صبر وثبات سے معمور نہیں ہوتے، دنیا میں کامیابی سے اور آخرت میں اجر و ثواب سے ہمکنار نہیں ہوتے اور یہ ایسے اصول ہیں جو ایک طرف اصول وتعلیمات دین اور دوسری طرف اجتماعی وانفرادی مبادی نفسیات سے ثابت اور موید ہیں۔

شخصی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی اس کے کاموں کی غایت رضائے الہیٰ اور احکام الہیٰ کی تعمیل اور اعلاء کلمہ اللہ کے بلند تخیل کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں ہو سکتی۔ غیر فانی ملت کا مقصد حیات ایسے ہی غیر فانی مقاصد ہو سکتے ہیں ورنہ محض دنیاوی فوزوفلاح، یعنی دولت و حشمت، عیش کی زندگی اور اسباب راحت کی فراوانی اور بلند محلات اور حزم و حشم کی کثرت تو وہ پست ومتبذل مقاصد ہیں جو زندگی کا فریب اور حیات انسانی کا سراب ہیں۔

ذالک بان اللہ ھو الحق وان مایدعون من دونہ الباطل (——) کل شیٔ ان ما خلا اللہ باطل۔

اسلامی تصوف

(ڈاکٹر نکلسن، پروفیسر کیمبرج کا خطبہ)

یورپ میں مستشرقین (اورینٹلسٹ) کا علوم مشرقیہ کی طرف شوق و ذوق تاریخ و ادب سے شروع ہو کر، اب ہمارے دینی اور روحانی علوم تک پہنچ چکا ہے، فرانس میں پروفیسر مسنیان اور انگلستان میں ڈاکٹر نکلسن دو ایسے مستشرق ہیں جنہوں نے اپنے مطالعے کا موضوع اسلامی تصوف کو قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر نکلسن نے اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی اور شائع کی ہیں۔ اکابر صوفیہ کے احوال اور صوفیائے سخنور کے کلام کو بھی انہوں نے یورپ میں روشناس کیا۔ مثنوی معنوی کے فیض و اثر کو وہ اب مغربی دنیا کے حلقہ تک پہنچانے کے لئے کوشاں ہیں۔ انہوں نے اپنی عمر کے پورے تیس ۳۰ برس اس موضوع پر صرف کئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ابھی حال میں (۲۵ فروری ۱۹۲۳ء کو) مسلم ایسوسی ایشن کیمبرج میں اسلامی تصوف پر اپنا ایک مضمون پڑھ کر سنایا تھا، جس کو ہمارے دوست معین الدین صاحب انصاری نے ڈاکٹر صاحب کی اجازت سے معارف میں اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے اور جو آج مقالات کے زیر عنوان شائع ہو رہا ہے۔

ہم مسلمان ڈاکٹر صاحب کے اس خیال کے ممنون ہیں کہ اسلامی تصوف دوسرے مذاہب کا سرقہ نہیں جیسا کہ عام طور پر نا آشنائے تحقیق علمائے یورپ کا بیان ہے بلکہ وہ اس کو اسلام کی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں اور اسکا

ماخذ وہ قرآن و حدیث کو خیال کرتے ہیں لیکن اتنا مانتے ہیں کہ بعد کو اس اسلامی تصوف میں دوسرے مذاہب کے تصوف کے بھی کچھ اجزاء شامل ہو گئے ہیں۔ یہ خیال صحیح ہے لیکن افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس نظریہ کے اثبات کے لئے پورے مواد کو استعمال نہیں کیا، بانی تصوف علمائے اسلام کی کتابیں مثلاً امام قشیریؒ کا رسالہ قشیریہ، ابو طالب مکیؒ کی قوت القلوب، امام غزالیؒ کی احیاء العلوم، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیۃ الطالبین، شیخ سہروردیؒ کی فتوح الغیب، شیخ ابونصر سراجؒ کی کتاب اللمع، شیخ احمد سرہندیؒ کی مکتوبات وغیرہ کتابوں کا ایک ایک حرف اس نظریہ کے اثبات کے لئے دلیل و برہان ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بذیل باب الاحسان اس باب میں جو کچھ لکھا ہے، وہ مطالعہ کے لائق ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس خطبہ میں کسی قدر اوس مشہور غلطی کا ارتکاب کیا ہے، جو علمائے کلام و فلسفہ سے زیادہ عیسائی مشنریز کا پھیلایا ہوا ہے کہ اسلام کا خدا پیار اور محبت کے جذبہ سے معرا، ایک قاہر و جابر ہولناک خدا ہے۔ اسلامی تصوف اور مسیحیت کے باہمی قرب کی نسبت ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ بہت کچھ قابل تنقید ہے۔ بعض آیات واحادیث کی صوفیانہ تشریح پر بھی ہمیں اعتراض ہے۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی چند اور باتیں بھی مسلمانوں کو کھٹکیں گی۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بالآخر عقیدۃ مسلمان نہیں ہیں، مسلمانوں کو تو با ایں ہمہ اس امر کے لئے ان کا مشکور ہونا چاہیئے کہ وہ ان کے اسلاف کے کارناموں کو مغرب میں منظر عام پر لا رہے ہیں اور اسلام کی روح کی تصویر کشی (روح کی تصویر کشی اگر ممکن ہو تو) وہ ان ممالک میں کر رہے ہیں جن کو مادیت کے مزاج طبعی کی سیر سے ہنوز فرصت نہیں۔

تصوف اسلام

مصنفہ مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے
تبصرہ از حضرت سید الملۃ علامہ سید سلیمان ندویؒ
(مئی ۱۹۲۵ معارف نمبر ۵ جلد ۱۵ صفحہ ۳۹۱)

دنیا میں فلسفہ کی غایت انہماک و تحقیق و غور کے دو ہی نتیجے نکلتے ہیں، یا عقل انسانی، خود سر اور بیباک ہو کر الحاد کے جاہلانہ تکبر میں گرفتار ہو جاتی ہے اور یا اپنی عاجزی درماندگی اور اسرار عالم کی پیچیدگیوں کے حل کرنے میں اپنے ناخن فکر کو بیکار سمجھ کر مقام حیرت میں آجاتی ہے۔ اس دوسری منزل کی سرحد تصوف سے آکر مل جاتی ہے۔ علمائے اسلام میں بھی متعدد ایسے اشخاص کا حال ہمیں معلوم ہے جو انہی منزلوں سے ہو کر صراط مستقیم تک پہنچے ہیں۔ مولانا رومؒ کا قال سے حال اور ظاہر سے باطن کی طرف جانا ان کی مثنوی کے صفحہ صفحہ سے نمایاں اور ان کے تاریخ زندگی سے ثابت ہے۔ امام غزالی نے تفلسف سے تصوف تک جس طرح منزل بہ منزل راستہ طے کیا اس کا حال انہوں نے خود اپنے رسائل میں لکھا ہے۔

ہمارے عزیز ترین دوست جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے نے جن کا لقب پہلے فلسفی تھا اور اب "صوفی" ہے اور بقول خواجہ حسن نظامی صاحب دونوں ملا کر "فلسفی شاہ" ہے وہ بھی ان ہی منزلوں سے گزر کر مجاز سے حقیقت کی طرف آئے ہیں۔ فلسفہ کا شوق، پھر تفلسف، پھر انکار، پھر تذبذب، پھر لاادریت، پھر عام صوفیانہ لٹریچر کا شوق، پھر قرآن پاک اور بالآخر احادیث کے مطالعہ سے سعی اور صحیح اسلامی تصوف کی تلاش کی منزلیں یکے بعد دیگرے

ان کے سامنے گزری ہیں اور اب شاید وہ زمانہ قریب آنے والا ہے، جب ہم انھیں محدث صوفی کے نام سے یاد کریں اور اس وقت شاید خواجہ صاحب کو ان کے دوبارہ دوسرے سرے کے "بدمذہب" ہونے کا ماتم کرنا پڑیگا اور ہم خوش ہوکر کہیں گے

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

مولوی عبدالماجد صاحب کی عربی استعداد ابتداً کچھ زیادہ نہ تھی مگر اس علمی اور فکری "سیرالنفس و آفاق" میں انہوں نے اس درجہ ترقی کرلی کہ "وہ جمعیتہ العلماء کے رکن باقاعدہ تو بنائے ہی جاچکے ہیں، اب علماء کی جماعت کے بھی وہ بے تکلف رکن ہوسکتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اور اس لئے زیر تبصرہ عربی کتابوں کے سمجھنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی ہے۔

مولوی صاحب نے جن اسلامی صوفیانہ کتابوں کا مطالعہ کیا، ان پر وقتاً فوقتاً وہ تبصرہ بھی لکھتے رہتے تھے جن میں سے بعض اردو رسائل میں شائع ہوچکے ہیں۔ اور انہی تبصروں کا مجموعہ "تصوف اسلام" ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے چوتھی صدی سے لیکر نویں صدی تک کے ان اکابر صوفیہ کی صوفیانہ تصانیف پر تبصرہ کیا ہے، جو تعلیم تصوف کے درس نصاب کے ضروری اجزاء ہیں۔ یہ تمام تبصرے ایک ایک مستقل باب یا تاریخ تصوف کے ایک ایک دور کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی لئے وہ تاریخی ترتیب کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں۔

اس طرح وہ حسب ذیل ابواب پر منقسم ہیں

باب اول	کتاب اللمع	شیخ ابو نصر سراج	۳۷۰ھ
باب دوم	کشف المحجوب	شیخ علی عثمان ہجویری	۴۴۵ھ
باب سوم	رسالۂ قشیریہ	استاد ابوالقاسم قشیری	۵۶۵ھ

باب چہارم	فتوح الغیب	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ	۵۶۱ھ
باب پنجم	عوارف المعارف	شیخ شہاب الدین سروردیؒ	۶۳۲ھ
باب ششم	منطق الطیر	شیخ عطارؒ	۶۲۷ھ
باب ہفتم	لوائح	مولانا جامیؒ	۸۹۸ھ

ہر باب میں پہلے زیر تبصرہ کتاب اور اس کے مصنف کے نام کی تھوڑی تقریب ہے۔ اس کے بعد مصنف کے جلی عنوان کے نیچے، ان بزرگ کے حالات و سوانح ہیں، پھر تصنیف کے زیر عنوان اس کتاب کے وسیع مباحث اس کے مضمون کی تشریح، اور اس کے ابواب اور فصول کی تفصیل ہے ۔ ان کتابوں کے مصنف اپنے اپنے عہد کے مشہور شیخ اور فن تصوف کے مستند ترین معلم اور امام ہیں، اس لئے ان کتابوں میں تصوف کی جس طرح تشریح کی گئی ہے اور جن حقائق کو سپرد قلم کیا گیا ہے، اور تصوف کے جن مقامات و منازل کو انہوں نے بتایا ہے ان کو بہایت بسط کے ساتھ لکھا گیا ہے ۔ ان تفصیلات سے یہ چیز آئینہ ہو جاتی ہے کہ خواص کے نزدیک اصل تصوف کیا ہے ۔ اس کے ضروری اجزاء کیا ہیں، اور اس کی تعلیمات کیا ہیں، ان کتابوں کی تاریخی ترتیب کی بنا پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر قرن میں اور ہر دور میں تصوف کے حقائق، تعلیمات وسائل میں کیا تغیرات پیدا ہوتے رہے۔ مولوی صاحب نے اکثر ان مضامین کی تفصیل کرتے ہوئے کتاب کے اصلی عربی اور فارسی عبارتیں مع ترجمہ نقل کی ہیں اس بات کے لئے یقیناً بڑا حوصلہ درکار ہے کہ کسی سمندر میں غوطہ لگا کر موتی الگ نکال لائیں، اور چمکتی ہوئی سیپ کو الگ کر دیں، ہمارے فاضل دوست نے اپنے اس سلیقہ کا اس باب میں بہایت عمدہ ثبوت دیا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب نے اسلامی تصوف کو بہایت خوبی سے نمایاں کیا ہے

آج کل جب تصوف ایک قوم کا صرف فلسفہ، اور نظریہ، اور چند الفاظ کے گورکھ دھندے کا نام رکھ لیا گیا ہے اس کو شاعرانہ تخیل اور قصص و حکایات کے ذریعہ سے صرف زبان و قلم کی لذت کا سامان کر دیا گیا ہے اور یہ سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ حقیقت باطنی ہے اور شریعت ظاہری اور چیز ہے - ان کتابوں کے مطالب کی روشنی میں معلوم ہوگا کہ تصوف سرتاپا عمل ہے اور قلب و روح کے علم و عمل اور مغز شریعت کی اصل تعلیم و تعمیل ہے، اس طرح یہ کتاب موجودہ صوفیانہ ادبیات کے اندر تجدید و اصلاح کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ اور یہ کھل جاتا ہے کہ ان بزرگان دین کے ناموں سے جو کچھ کہا جاتا ہے اور جو کچھ حقیقت میں وہ کہتے ہیں ان میں کتنا فرق ہے۔

ان مصنفین میں سے ہر بزرگ اپنے اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اولیائے کاملین میں داخل ہیں - ان میں سے متعدد بزرگ تصوف کے متعدد خانوادوں اور طریق تعلیم کی بانی ہیں اور عوام و خواص میں ان کی ذات کے ساتھ یکساں عقیدت قائم ہے لیکن جب ان بزرگوں کے حالات کبھی لکھے، یا زبانی محفلوں میں بیان کئے جاتے ہیں تو ان کی بزرگی کے ثبوت میں صرف دور از کار قصص، اور نامعتبر کرامتوں کو جگہ دی جاتی ہے - اس کے مقابلے میں "تصوف اسلام" کے فاضل مصنف نے صرف ان کے معتبر سوانح، اور عالمانہ حالات، اور ان کی تعلیمات و کیفیات روحانی کو ان کی بزرگی کے دلائل و شواہد میں پیش کیا ہے اور اس سے یقین آجاتا ہے کہ تصوف اسلام کا حقیقی سرچشمہ یقیناً کتاب الٰہی اور سنت نبوی ہے اور یہی اس کی صداقت کے اصلی معیار ہیں - رسالہ قشیریہ کے تبصرہ میں فاضل مصنف لکھتے ہیں: -

"جب ان نام نہاد صوفیہ کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی،

عبادت و طاعات میں انہماک کے بجائے، ان کے ساتھ استخفاف شروع ہوگیا، شریعت کے اتباع کے بجائے اس کی خلاف ورزی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھنے لگے، اور روحانیت سے کوئی واسطہ نہ رہا، اور سرتاسر نفسانیت غالب آگئی تو مخالفین کو حقیقت پر اعتراض کے مواقع کثرت سے ملنے لگے، ایسی حالت میں مصنف کو ضروری معلوم ہوا کہ اس جماعت کی خدمت میں ایک رسالہ پیش کیا جائے جس میں صوفیہ، صوفیہ کے حالات کا بیان، اور ان کے اخلاق، عبادات، عقائد و معاملات وغیرہ کا ذکر ہو"

پانچویں صدی میں رسالہ قشیریہ کی تصنیف کی نسبت جن اسباب، مصالح اور ضرورت کا ذکر اس عبارت میں کیا گیا ہے۔ بعینہ آج چودھویں صدی میں اس "تصوف اسلام" کی تصنیف کی غرض وغایت کہی جا سکتی ہے۔

ان بزرگوں کے احوال و سوانح کی تفصیل میں مصنف نے عموماً صوفیانہ تذکروں کو اپنا اصل ماخذ بنایا ہے۔ اسی کی ساتھ ان کی تصنیفات کے اندر خود ان کے حالات و سوانح کے جو اجزاء ہاتھ آئے ہیں، ان کو بھی نہایت کوشش سے یکجا کر دیا ہے یقیناً یہ ان کے خود نوشت واقعات ان کے احوال زندگی کے متعلق معتبر ترین سند ہیں، لیکن ماخذوں سے ہٹ کر ان بزرگوں کے متعلق علماء و اکابر کے سیر رجال اور طبقات میں بھی بہت سے حالات مل سکتے تھے، خصوصاً استاد ابوالقاسم قشیریؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق تو واقعات کا بڑا انبار ہے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مصنف کا اصل منشاء ان بزرگوں کے واقعات و سوانح کا فراہم کرنا نہ تھا، یہ ضمنی بحث

تھی، اس لئے ان کی طرف زیادہ اعتناء نہ کی، تاہم اس ضمن میں استاد قشیری کے حال میں مصنف کا یہ لکھنا کہ "تذکروں میں (ان کے) حالات بہت مختصر ملتے ہیں" حقیقت سے دور ہے۔ طبقات شافعیہ... اور ابن خلکان میں مفصل حالات ہیں، خصوصاً ملک شاہ سلجوقی کے عہد میں اشاعرہ کے خلاف جو فتنہ اٹھا تھا، اور سلطنت نے ایک نافہم وزیر کے اشارہ سے جس طرح اس فرقہ اہل سنت کا استحصال کرنا چاہا تھا، اور امام قشیری نے جس طرح پرزور سلطنت کا علی الاعلان مقابلہ کیا اور تمام دنیائے اسلام میں اپنی صدائے حق سے زلزلہ پیدا کردیا اور جس طرح بالاخر سلطنت سلجوقی کے وسیع حدود کو خیرباد کہا، اور پھر بالاخر نظام الملک نے وزیر ہوکر جس طرح اس فتنہ کو دور کیا، امام کے اس جہاد عظیم کی طرف مختصر اشارہ بھی ضروری تھا، بغداد اور مدرسہ نظامیہ میں ان کے وعظ کی محفلوں کے پراثر حالات کی تصویر کشی بھی مناسب تھی، اسی طرح شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے عالمانہ حالات، ان کی تدریس کی کیفیت، اور جامعہ نظامیہ کی صدارت، اور ان کے عہد میں مدرسہ نظامیہ میں کسی درسگاہ کی تاریخ میں پہلی "اسٹرائک" دلچسپ واقعات تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مواعظ کی پر تاثیر محفلوں کے بیان میں بھی بڑی کیفیت آتی، مولانا جامیؒ کے حالات شعراء کے تذکروں سے نہیں لئے، شاید اختصار مدنظر رکھ کر ایسا کیا ہے، تاکہ اصل مقصد سے دور نہ ہو جائیں۔

ہم نے آغاز میں ہر کتاب کا سال تصنیف بھی لکھ دیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس کتاب کا تعلق کس صدی سے ہے، یہ کس صدی کے تصوف کی تشریح ہے۔ ان سات کتابوں میں سے پانچ کتابیں تاریخ وار ایک ایک صدی کے بعد تقریباً لکھی گئی ہیں، چھٹی اور ساتویں صدی کی دو دو کتابیں لی گئی ہیں۔

اور اس کے بعد شیخ عطارؒ (٦٢٧ھ) اور مولانا جامیؒ (٨٩٨ھ) کے بعد ایک صدی یعنی آٹھویں صدی کا بڑا طغرہ رہ گیا ہے۔ اور گویا اس طرح ساتویں صدی کے آخر اور آٹھویں صدی کے آغاز و وسط کا حال نظر انداز ہوگیا ہے۔ اس موقع پر مولانا رومیؒ (٦٧٢ھ) کی مثنوی پر مختصر گفتگو بھی نہ ہوئی تعجب انگیز ہے۔ شاید مصنف نے اس لئے ان سے تعرض نہ کیا کہ ان کو چھیڑنا ایک مستقل دفتر کا آغاز کرنا تھا لیکن بہرحال سلسلہ تصوف کی ایسی اہم کڑی کو بالکل چھوڑ دینا، اس کے سلسلہ کو نامربوط کردینا ہے۔ اس کے بعد آٹھویں صدی کے لسان الحال کے طور پر کسی بزرگ کو ضرور لینا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ منصب اس موقع پر ہندوستان کے حصہ کے لحاظ سے شیخ نظام الدین اولیاء دہلویؒ (٧٢٥ھ) کے فوائد الفواد کو ملنا چاہیئے تھا یا شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ بہاری (...) کی مکتوبات کو اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی مکتوبات پر ہوتا، تو یہ کتاب دسویں صدی تک کے ہر دور اور ہر خانوادہ تصوف کی آئینہ بردار ہو جاتی۔ مصنف نے دیباچہ میں یقین دلایا ہے کہ اس وقت لمصالح جلدی ہے انشاء اللہ اس کتاب کے طبع ثانی میں اس کو اور مکمل کر دینگے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ اس طبع اول کو جلدی خرید کر اس بات کا موقع بہم پہونچائیں کہ اپنے فاضل دوست کو ان کے اس وعدہ کے ایفا پر مجبور کر سکیں۔

حقیقت تصوف کا مکتشف اعظم

اور

فن حصول احسان و تقوی کا مجدد کامل

(از حضرت اقدس مکرم و محترم علامہ شاہ سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہ)

پیش نظر اوراق میں ایک ایسی ہستی کا مرقع پیش کیا جارہا ہے جو اپنے وقت میں مجموعہ کمالات اور جامع انواع فضائل تھی۔ حافظ قاری، مدرس، مفسر محدث، فقیہ، واعظ، صوفی، متکلم، مناظر، ناظم، ناشر، ادیب اور خانقاہ نشین شیخ یہ سب کچھ تھی، لیکن اس نے سب سے بڑھ کر اپنے تمام فضائل وکمالات کو فن تصوف کی اصلاح و تکمیل میں صرف فرمادیا، اوران علوم وفنون میں سے ہر ایک پر عالمانہ اطلاع اور محققانہ عبور کے باوجودان میں سے کسی کواپنا تنہا اور مخصوص شغل نہیں بنایا، بلکہ اپنے تمام علوم وفنون وکمالات کو صرف اسی ایک فن شریف کی خدمت میں لگادیا، اس لئے یہ کہنا گویا صحیح ہے کہ اس کو تمام دوسرے علم و عملی کمالات دیئے ہی اسلئے گئے تھے کہ اس فن کی تجدید ہو جو دنیا میں کس مپرسی کی حالت میں اور ہندوستان میں بہ حالت غربت تھا، جس کی حقیقت پر تو بر تو پردے پڑگئے تھے اور جس کی تابانی پر بدعات کی ظلمت غالب آگئی تھی، اور جو دکاندار صوفیوں کے ہاتھوں دنیاداری اور کسب معاش کے فنون میں سے ایک فن کی حیثیت میں آگیا تھا، اور جہاں اس کا وجود تھا بھی وہ یا محض چند فلسفیانہ خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا تھا یا اوراد و وظائف کے ایک نصاب کا۔ سلف صالح نے اس فن کے جوابواب ومسائل منقح کرکے لکھے تھے

وہ بالکل ہی فراموش ہوگئے تھے اور خصوصیت کے ساتھ سلوک کی حقیقت اور غایت بالکل ہی چھپ گئی تھی، اور جہاں کسی قدر اس کا نام ونشان تھا وہاں علم میں وحدۃ الوجود یا وحدۃ الشہود کی ناقابل افہام و تفہیم بلکہ ناقص تعبیر پر اور اعمال میں صرف ذکر وفکر و مراقبہ کے چند اصول پر پوری پوری قناعت تھی، بدعات نے دین کا نام اور رسوم نے سلوک وتصوف کی جگہ حاصل کر لی تھی، طریقت اور شریعت کو دو متقابل حریف ٹھہرا کر ان میں سے ایک کو گرانے کی کوشش کی جارہی تھی، عام صوفیوں کی زبانوں پر چند جاہلانہ فقرے اور چند بتدعانہ اصول واعمال رہ گئے تھے جن کو طریقت کا نام بخشا گیا تھا۔

صوفیانہ خانوادوں کی جہالت اور موروثی گدی نشینی کی متواتر رسم نے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اجتباء اور مقبولیت کو بھی ایک صنعت گری کا کارخانہ بنا رکھا تھا، خانقاہوں کا کام صرف اعراس وفاتحہ کا اہتمام اور سماع ورقص وقوالی کا انصرام رہ گیا تھا، مقررہ دنوں اور مہینوں میں کچھ لوگ جمع ہو کر فاتحہ خوانی کر لیں، مٹھائی کھالیں اور ایک جگہ بیٹھ کر کسی سازندہ کے ترانے پر ہو حق کر لیں، اور زیادہ بڑھیں تو وحدۃ الوجود کی آڑ پکڑ کر شوخی و بیباکی اور رندی کے اشعار ومضامین پڑھ لیں اور سر دھن لیں۔ چند سینہ بسینہ راز تھے جن کو بے سمجھے بوجھے بار بار دہرایا جارہا تھا۔ تصحیح عقائد، تحسین عبادت، اتباع سنت، اصلاح اعمال اور ادائے حقوق عباد جو اصل دین اور صحیح سلوک تھا وہ ہر جگہ سے مٹ چکا تھا۔ علمائے ظاہر چونکہ باطن کے منکر تھے یا باطن سے ناآشنا تھے، اس لئے ان کی پند ونصائح کی حیثیت صوفیوں میں نصیحت ناشناس سے زیادہ نہ تھی، اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ چونکہ طریقت کے اصل راز سے واقف نہیں اس لئے ان کی بات سننے کے قابل نہ تھی اور علمائے ظاہر چونکہ باطن سے منکر یا

ناآشنا تھے وہ ان دکاندار صوفیوں کو دیکھ کر اصل فن سلوک کو ضلالت اور گمراہی قرار دینے لگے تھے اور اسکے اصول ومسائل کو خلاف شریعت اور مخالف کتاب وسنت سمجھتے تھے۔

یہ نہیں کہا جاتا کہ علمائے حق اور صوفیائے برحق کا مطلق وجود ہی نہ تھا، بے شبہ جا بجا صحیح وصالح بزرگوں کے سلسلے قائم تھے، کہیں کہیں ان کے فیوض وبرکات بھی جاری اور انکی تعلیم وتربیت کی برکت بھی عیاں تھی۔ لیکن یہ جوکچھ تھا خواص کے لئے تھا، اور محدود حلقوں میں تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اشخاص کی تلقین وہدایت تو ہو رہی تھی، مگر تدوین فن، ترتیب اصول تحقیق مسائل تالیف رسائل، اصل سلوک کے مضامین کو کتاب وسنت کی اور سلف صالحین اور اولیاء کاملین کی تشریح وتوضیح سے ملا کر دیکھنے کے کام نہیں نہیں ہو رہے تھے، اور نہ خطب ومواعظ اور تحریر وتقریر کے ذریعہ عوام کے خیالات کی اصلاح کی کوشش کیجارہی تھی، اور نہ رد شبہات رفع شکوک، رفع اوہام کیلئے کوئی سلسلہ تھا، اور نہ سالکین کی ظاہری وباطنی تربیت کی کوئی ایسی درسگاہ تھی جس میں راہ کی مشکلات کو علمی وفنی طریق سے بتایا اور سکھایا جاتا ہو، اور نہ کہیں کوئی ایسی مسند بچھی تھی جہاں شریعت وطریقت کے مسائل پہلو بہ پہلو بیان ہوتے ہوں، جہاں تفسیر وفقہ وحدیث کے ساتھ امراض قلب کے علاج کے نسخے بھی بتائے جاتے ہوں، جو کتاب وسنت میں موجود ہیں، جہاں ایک طرف قال اللہ وقال الرسول کا ترانہ بلند ہو اور دوسری طرف عبودیت وبندگی کے اسرار اور اتباع سنت کے رموز بھی سکھائے جاتے ہوں جہاں جس قلم سے احکام فقہی کے فتاوے نکل رہے ہوں، اسی قلم سے سلوک وطریق کے مسائل بھی شائع ہو رہے ہوں، جس منبر سے نماز روزہ اور حج اور زکواۃ کے فقہی

مسائل واشگاف بیان کئے جارہے ہوں اسی منبر سے ان کی روحانی حقیقت اور ان کی قلبی اداکاری کے طریق بتائے جارہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اس کام کے لئے حضرت حکیم الامت مجدد ملت (مرشدی ومولائی مولانا شاہ اشرف علی) علیہ الرحمۃ کا انتخاب فرمایا، اور وہ کام ان سے لیا گیا جو چند صدیوں سے معطل پڑا ہوا تھا۔

اس کے علاوہ زمانہ کا تقاضا تھا کہ اس کے مقتضیات نے جو نئی ضرورتیں پیدا کر رکھی ہیں دین کی حفاظت کیلئے ان کا بندوبست بھی کر دیا جائے، چنانچہ ایک طرف کلام پاک کی تفسیر کی جلدیں تیار ہوئیں، دوسری طرف احادیث نبویہ کے نئے مجموعے ترتیب پائے، تیسری طرف فقہ وفتاویٰ کا سرمایہ جمع ہوا، چوتھی طرف علم اسرار وحقائق کی تدوین ہوئی، پانچویں گوشہ میں تصوف کے اصول جمع کئے گئے جو ابتک جمع نہیں ہوئے تھے، ان میں ان کے ان احوال وکیفیات پر گفتگو کی گئی جن کے نہ سمجھنے سے بیسیوں قسم کی گمراہیاں راہ پاتی ہیں، ایک اور سمت میں مولانا روم کی مثنوی کے دفتر کھولے گئے جن کے سرِ صدیوں سے حقائق ودقائق کے خزانے ہیں، عوام کی طرف توجہ کی گئی تو زندگی کی روح کا سراغ لگایا گیا ان کی شادی اور بیاہ کے مراسم کی تعلیم ترتیب کے آداب واصول مرتب فرمائے، مدرسین کے قواعد وضوابط کے نقشے بنائے، داد وستد اور خرید وفروخت اور معاملات کے دینی اصول سکھائے اور دین کی تعلیم میں شریعت کی وسعت دکھائی گئی جس میں مسلمان کی پوری زندگی ولادت سے موت تک سما گئی، عوام مسلمان رہرووں کے لئے مواعظ کی سیکڑوں مشعلیں جا بجا روشن کی گئیں، اور بیسیوں شہروں میں پھر پھر کر ان کو غفلت کی نیند سے چونکایا گیا، علماء اور فقہاء اور محققین کیلئے بوادر ونوادر اور بدائع کے

سلسلے قائم کئے گئے ۔ مدت کی بند شدہ راہ جو ائمہ مجتہدین کی خطاؤں کے استدراک کیلئے رجوع عن الخطاء کی تھی وہ ترجیح الراجح کے نام سے کھولی گئی اور اپنی ہر غلطی وخطاء کا علی رؤس الاشہاد اعلان کیا گیا، تاکہ آئندہ مسلمانوں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہ بنے۔ نو تعلیم مسلمانوں کے شکوک وشبہات کا جواب دیا گیا، باطل فرقوں کی تردید میں رسائل لکھے گئے، اخلاق واعمال اور حقوق عباد کی وہ اہلیت ظاہر کی گئی، اور ہزاروں مسلمانوں کو ان کی وہ تعلیم دی گئی جن کو مسلمان عوام کیا خواص بھی بھلا بیٹھے تھے۔ اصول وضوابط اور آداب کی وہ تم فرمائی گئی جو دین سے تقریباً صدیوں سے خارج کیا جا چکا تھا۔

اور پھر اپنے بعد اپنی روش پر تعلیم وتربیت کے لئے ڈیڑھ سو کے قریب مجازین کو چھوڑا، جو ان کے بعد بھی ان کاموں میں مصروف ہیں۔ اس حلقہ فیض میں علماء بھی داخل ہوئے، تعلیم یافتہ بھی، عوام بھی، غرباء بھی، امراء بھی، بڑے بڑے عہدہ دار بھی، زمیندار بھی، تاجر اور سوداگر بھی، اور مفلس وقلاش بھی، اس سے اس دائرہ کی وسعت کا اندازہ اب بھی کیا جا سکتا ہے۔ مدارس پر غور کیجئے، دار العلوم دیوبند بھی، مظاہر العلوم سہارنپور بھی، دار العلوم ندوہ بھی، یہاں تک کہ پہلا علی گڑھ کالج اور موجودہ مسلم یونیورسٹی بھی، اور وہ سینکڑوں مدارس جو ہندوستان میں جگہ جگہ پھیلے ہیں جغرافیائی حیثیت سے غور کیجئے تو سرحد سے لیکر بنگال، مدراس اور گجرات، بلکہ حجاز افریقہ اور ان تمام ملکوں تک جہاں ہندوستانی مسلمان پھیلے ہیں، اُنکے اثرات بھی ساتھ ساتھ پھیلے ہیں راقم کو ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا، مگر جہاں گیا یہ معلوم ہوا کہ وہ روشنی وہاں پہلے سے پہونچی ہوئی ہے، اور کوئی نہ کوئی اس روشنی سے بحمداللہ ضرور منور ہے۔

اس تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف، وعظ و تبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم و بدعات کا قلع قمع ہوا، سنن نبویؐ کا احیاء ہوا، غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا، رسول کی محبت سے سینے گرمائے، اور اللہ کی یاد سے دل روشن ہوئے۔ اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے شبلی، جنید اور بسطامی و جیلانی اور سہروردی و سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور یہ وہ شان تجدید تھی، جو اس صدی میں مجدد وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت سید الملۃ نور اللہ مرقدہ

کے مختلف مکتوبات اور تحریروں سے

سلوک کے متعلق اقتباسات

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک جو جہانگیر کے عہد میں تھے ہندوستان میں یا خشک فقاہت یا تردامن مشرکانہ تصوف کا رواج تھا ہمایوں کے ایرانی داخلہ اور صفویہ کی محبت نے شیعیت کا رنگ پیدا کر دیا اکبر نے ہندویت کو آمیز کر دیا حضرت مجدد الف ثانی نے ان سب بدعات کا مقابلہ کیا۔

مجدد صاحب سے پہلے بعض اور مصلحین اکبر سے پہلے پیدا ہوئی جن میں مشہور نام سید محمد جونپوری مدعی مہدویت کا ہے اس سے بھی پہلے سلطان محمد تغلق کے سامنے بھی تصوف باطل کے انسداد کا مسئلہ تھا اس کے تعلقات ابن تیمیہ کے خلفاء وتلامذہ سے تھے۔ چونکہ اس کے نزدیک امام وقت کی اجازت کے بغیر کسی اسلامی بادشاہ کی حکومت جائز نہیں اور اس وقت امامت کا برائے نام سی مرکز مصر تھا جہاں ایک خلافت عباسیہ کا ڈھانچہ تھا۔ اس لیئے اس نے خلفائے عباسیہ مصر سے تعلقات قائم کئے، سفراء گئے آئے، خلعت اور ہدایا آئے اور اسی تقریب سے اس نے بعض مذہبی مراسم میں تغیر کیا۔

۲۔ وحدہ الوجود کی بحثیں تمامتر فلاسفہ وحکماء کی الٰہیات پر موشگافیاں ہیں یا یوں کہیئے کہ فلاسفہ کے الٰہیات کے مقابلہ کا علم کلام ہے۔ شیخ اکبر صدر قونوی، رومی، عراقی، جامی، امام ربانی یعنی مجدد الف ثانی، افضل المحققین یعنی

شاہ ولی اللہ صاحب حسب اصطلاح صاحب طبقات ان سب کے الگ الگ آراء ہیں یا مختلف تعبیرات ہیں۔ صاحب طبقات نے ان سب پر تبصرہ کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ان سب میں صرف اصطلاح اور تعبیر کا فرق ہے حقیقت کا نہیں اور وہی عین شریعت ثابت بالکتاب والسنت بھی ہے چنانچہ طبقہ ۱۰ اور طبقہ ۲۰ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

صراط مستقیم میں امام شہید یا امیر شہید جس کو کہیئے وحدۃ وجود کو محض شدت عشق کا نتیجہ بتایا ہے یعنی شدت عشق واستغراق سے عاشق کو ایسا نظر آتا ہے جو واقعہ نہیں۔اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ فناء علم یعنی غیبت وعدم شعور ماسوائے محبوب حتیٰ کہ بنفس خود (صفحہ ۵)۔ اس کی تفصیل صفحہ ۱۲ میں ہے کہ جس طرح لوہا آگ میں لال ہو کر اناالنّار پکار اٹھے۔ لیکن وسط کتاب میں بدعات صوفیہ کے ضمن میں ہے:

وازجملہ بدعات ملاحدہ وجودیہ کہ درخواص وعوام اشتہار یافتہ وباقوال اکابر طریقت مشتبہ گردیدہ گفتگو ہائے توحید وجودی الحادی است کہ کہ بگمان اتحاد خود با خداازاں لذتیات نفسانی بر میدارند، بتسویل شیطانی ومکر نفوس خبیثہ بیان آں گفتگو رامعارف وحقائق می پندار ندالخ (صفحہ ۴۵)

۳۔ سلوک کے متعلق آپ نے بدعت وسنت کی جو بحث نکالی ہے یہ محض خشک مزاج اہل حدیث کا شیوہ ہے۔آپ ابن قیم، مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ، مولوی سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل شہید رحمہم اللہ وغیرہم کو کیا کہیں گے کیا وہ بھی متبعین بدعت میں تھے؟ صراط مستقیم ہی کو غور سے پڑھ لیجئے۔

۴۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ دونوں کارڈ ملے۔ آپ کے پر اثر خط نے مجھے

بھی متاثر کیا۔ مجھے پہلی دفعہ یہ محسوس ہوا کہ آپ کے قلب میں تاثر کی استعداد ہے۔ یہ معمولی چیز نہیں ہے بہت اہم ہے جس قلب سے یہ صلاحیت جاتی رہتی ہے اسی کی نسبت ہے بل طبع اللہ علی قلوبھم اور ختم اللہ علی قلوبھم کیونکہ آئندہ کی ترقی بلکہ ساری ترقی اسی تخم صالح کے نشونما کا نتیجہ ہے عزیز من! عقل یہیں رہ جاتی ہے وہ ساتھ نہیں جاتی۔ جو چیز ساتھ جاتی ہے وہ صرف علم صحیح اور عمل صحیح ہے۔ آپ نے اپنی علالت اور ضعف پر جس بنا پر تحسر ظاہر کیا ہے یہ دوسری دولت آپ کے پاس ہے۔ تحسر کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو اس کے نہ ملنے یا اب تک نہ پاسکنے کا دلی افسوس ہے اور یہی دلی افسوس توبہ وانابت کا دروازہ ہے والتبع سبیل من اناب کی دعوت ہر ایک کے لئے عام ہے۔ آپ کے اس دوسرے خط نے مجھے بہت با امید بنا دیا۔ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ وہابیوں کی خشکی آپ پر ایسی غالب آگئی ہے کہ عشق و محبت کی گنجائش آپ کے دل میں نہیں رہی ہے۔ الحمد للہ کہ میری یہ غلطی آپ کی نسبت آج جاتی رہی میرا ایک پرانا شعر ہے۔

اظہار کر کے عشق و محبت کے راز کو
پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج

آپ کچھ نہ کیجئے صرف اس قدر کیجئے۔

یک دمے تو در کمین خود نشین

کسی وقت کو مقرر کر کے الم یعلم بان اللہ یری کے مضمون کو سونچا کیجئے۔ اسی تفکر کا اصطلاحی نام مراقبہ ہے۔ اس تصور کا اثر اعمال پر پڑے گا اور ہر عمل پر اس حیثیت سے عمل زور پکڑنے لگے گی کہ سب کچھ اس کے سامنے ہے

اب حق و باطل صحیح وہ غلط اور جائز وناجائز پر غور کرنے کا رخ بدل جائے گااور ہر عمل کے وقت دل کو ٹٹو لنے لگیں گے کہ میرے اس عمل کا قلبی مقصد کیا ہے اس سے حسن نیت پیدا ہوگا اور حدیث شریف کی یہ حکمت کھل جائے گی الا ان فی الجسد المضغته اذا صلحت صلح الجسد کله واذ افسدت فسدالجسد کله کیا یہ بدعت ہے ؟ غور کیجئے اور ہو سکے تو عمل کیجئے

۵۔ ابھی اتفاق سے مجموعہ احادیث نجدیہ نظر سے گزرا جس میں امام ابن حنبل کی کتاب الصلوٰۃ اور ابن قیم کی الوابل الصیب فی الکلم الطیب دو کتابیں بھی ہیں ان دو بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ تصوف حقیقی سے کچھ اور مراد نہیں ماگر کچھ رموز وارشادات ان کی تائید میں کسی نے کہہ دئے ہیں تو وہ حواشی ہیں۔ باقی شرکیات وبدعیات، تو ان کا ذکر ہی کیا۔ لیکن جس طرح مسلمانوں کو دیکھ کر اسلام پر آج حکم نہیں لگایا جا سکتا ایسے ہی بازاری دکان دار رنگے ہوئے صوفیوں کو دیکھ کر تصوف کو بدنام نہ کیجئے

۶۔ السلام علیکم۔ آپ کا لفافہ اور کارڈ ملا میں آپ کے کارڈ کے مضمون سے بہت خوش ہوا۔

آمداں یارے کہ ماہی خواستیم

یہی حقیقت تھی جو کئی سال سے میرے آپ کے درمیان ما عنہ البحث رہی۔ اللهم زدفزد ، اللهم زدنی علماً قول رسول ہے۔ یہ کس علم کی زیادت کی دعا ہے ؟

آپ کے سکون سے جو بستی دانشمنداں میں آپ کو حاصل ہوا آپ کی جسمانی وروحانی، ذہنی وقلبی دونوں سکونوں کے لئے موزوں ومناسب ہے بار بار اپنے

خوشی وراحت اوراپنے کسی خدمت پر اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کو من جانب اللہ فضل محض بلا استحقاق جاننا ہی احسان کا زینہ ہے ۔ اسکا رسمی نام تصوف ہے ولا مشاحة فی الا صطلاحات ۔ہم نے اب اس کانام طریق تقویٰ رکھنا چاہا ہے ۔ اسلام ایمان اور احسان یا اتقاء تین ارتقائی منازل ہیں ۔ اسلام اطاعت ہے ایمان اس اطاعت پر سکینیت اور طمانیت ہے اور اتقاء یا تقویٰ دل کی وہ کیفیت ہے جس سے امور زیر ایمان پر عمل بسہولت پر مداومت قائم ہو جائے وللہ الحمد

بے سود مناظرہ کو اضاعت وقت سمجھنا بڑی یافت ہے جس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں ساتھ ہی علم کو صرف علم کی خاطر چاہنا قلبی جہل ہے خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اس حقیقت کو پالیا ۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ کا ایک قول جس کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے جامع میں نقل کیا ہے اس موقع پر پیش نظر رکھنا مفید ہوگا ۔ فرمایا نحن لا نشتغل فیما لیس تحت علمنا گویا آج کل کے محاورہ کے مطابق ادب برائے ادب کا تصور ذہنی عیاشی ہے اور در اصل ادب برائے زندگی ہی حق ہے مگر کون سی زندگی وہ زندگی جو اسلام کا مطلوب ہو - الحیاۃ الدنیا والآخرۃ

۷۔ بڑی خوشی ہوئی کہ بات کی تہہ تک آپ پہنچ گئے ۔ زادکم اللہ تعالی علماً ومعرفۃً. لفظ تصوف کا احسان کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے حکمت کے ساتھ لفظ فلسفہ بول دیا جائے یا آج کل سائنس یا فلاسفی کہہ دیا جائے۔ بزرگوں نے لفظ احسان کو ان معنوں میں رکھا ہے اور ٹھیک ہے کہ اس کا ورود حدیثوں میں ہے لیکن اب تو مجھے اس کے لئے تقویٰ اور ارتقاء کی

اصطلاح اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اس کا ورود قرآن پاک میں بکثرت ہے اور عبادات بلکہ تمام ماموراتِ الٰہیہ کا مقصود اسی کیفیت کا حصول معلوم ہوتا ہے ولا یخفی ذلک علی من یتبع کتاب اللہ ، یا ایھا الناس اعبدو ربکم، لعلکم تتقون ، کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون حج و قربانی : ولکن ینالہ التقوی منکم تعظیم شعائر : ومن یعظم شعائر اللہ ، فانھا من تقوی القلوب آغاز کتاب : ھدی للمتقین وغیرہ

اب ضرورت اس بات کی تھی کہ حصول تقویٰ ، حقیقت تقوی ، شرائط تقویٰ طریق حصول تقوی ، ازالۃ موانع تقوی ، تقوی فی الایمان باللہ واسمائہ وصفاتہ وانبیائہ وکتبہ وملائکتہ والیوم الاخر اور تقویٰ فی العبادات والمعاملات والاخلاق وکیفیات القلوب التی ھی الاخلاص فی الدین کو بھی عقائد وفقہ کی طرح مدون کر دیا جائے چنانچہ محدثین وصلحائے امت نے یہی کیا ہے امام ترمذی کی کتاب الزہد والرقاق پڑھیں ۔ امام احمد کی کتاب الزہد اگر نہ مل سکے تو کتاب الصلوۃ پڑھی جائے تو حقیقت واضح ہو جاتی ہے سورہ واقعہ پڑھیئے اللہ تعالیٰ نے تین گروہوں کے نام لئے ہیں وکنتم ازواجاً ثلاثہ اس کی تفسیر آگے ہے اول مقربین اولئک ھم المقربون دوم اصحاب الیمین اور سوم اصحاب الشمال تیسرا گروہ اہل نار کا ہے دوسرا گروہ عامۃ مسلمین کا اور پہلا خواص امت کا

فاما ان کان من المقربین فروح وریحان وجنۃ نعیم واما ان کان من اصحاب الیمین فسلام لک من اصحاب الیمین، و اما ان کان من المکذبین الضالین فنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم .

اہل فن عام مسلمانوں کی کیفیت کو ولایت عامہ اور مقربین کی ولایت کو ولایت خاصہ کہتے ہیں ۔ ولایت عامہ جو واللہ ولی المومنین (آل عمران) کا منشا ہے

ہر مسلمان کو حاصل ہے اور اس کا مفاد نجاۃ من النار اور دخول فی الجنتہ ولو بعد براتہ من العذاب ہے اور ولایت خاصہ جو واللہ ولی المتقین (جاثیہ) کا منشا ہے ہر مسلمان کو حاصل ہے وہ بعد من النار بفضل اللہ دائماً اور دخول جنت فی الفور مع رضوان اللہ تعالیٰ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اب معلوم ہوا کہ احسان کا درجہ ایمان سے اونچا ہے اور اس کے بے انتہا مدارج ہیں۔ مدارج قرب واقربیت کما لا یخفی جس طرح ایمان کا حصول شہادت پر مبنی ہے احسان کا قرب کمال ایمان وتقویٰ پر ہے اسی سے ان حدیثوں کے معنی مفہوم ہوں گے جن میں یہ آتا ہے لا یومن احدکم حتی یکون کذا اور ایمان کی ستر شاخیں ہیں الغرض ہمارے علمائے ظاہر نے صرف اس ایمان پر توجہ فرمائی ہے جو کفر کے بالمقابل ہے اور علمائے باطن نے اس کے بعد کی منزل کی رہبری کی اور درجات ومدارج قرب کی نشان دہی فرمائی۔

اب آپ کے تین شبہے ہیں ۱۔ ذکر وشغل کے غیر ماثور طریقے ۲۔ بیعت کا رسمی طریقہ ۳۔ خوابوں پر اعتبار ۴۔ توسل بالذوات۔ اول کی نسبت عرض ہے کہ غیر ماثور طریقے ہرگز اختیار نہ کریں مگر ماثور وغیر ماثور کی تحقیق کر لیں اور بدعت شرعی کی حقیقت سمجھ لیں بیعت کا رسمی طریقہ غیر ضروری ہے یہ میں نہیں کہتا بلکہ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے۔ خوابوں پر اعتبار مبشرات کی حد تک ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور لهم البشری فی الحیاۃ الدنیا والاخرۃ کی تفسیر میں وارد ہے اس کے علاوہ خوابوں پر کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرد فقہ وحدیث وکلام واسرار ورموز شریعت ہیں تصوف کی کتابوں میں ان کا پایہ ان کے دوسرے علوم کے مطابق نہیں ہے اس لئے ان سے نہ گھبرایئے اور نہ ان کی صوفیانہ کتابوں کی طرف توجہ کیجئے۔

بالکل صحیح آپ سمجھے کہ طلب رضا اور اپنے ہر عمل میں طلب رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندہ کے درمیان یہ علاقہ استوار ہو جاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو نسبت کہتے ہیں اور قران پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یحبہم ویحبونہ اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے لفظوں میں کی گئی ہے یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ان ہی کے لئے نوید بشارت ہے۔

جزاک اللہ، خوب سمجھے نام ونمود کی خواہش جس کا شرعی نام ریا وسمعہ ہے یہ حقیقت عمل کی مبطل ہے الریا ہو الشرک الخفی کیونکہ اعمال خیر کی حقیقت ابتغاء مرضاۃ اللہ ہے اور جب اس میں شرکت ارضائے مخلوق اور طلب شہرت کی ہوگی تو شرک فی القصد ہو گیا۔ اور اللہ تعالی کی نگاہ میں وہ کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً او کرماد اشتدت بہ الریح اس جذبہ ریاء وسمعہ کے قلع وقمع کے بغیر اخلاص فی الدین پیدا نہیں ہو سکتا اور مخلصین لہ الدین کے سعادتمند گروہ میں داخلہ ممنوع افرایت من اتخذ الہہ ھواہ اسی ہوی کے روکنے کا نام صوفیوں کی زبان میں مجاہدہ ہے ونہی النفس عن الھوی کا اشارہ ادھر ہی ہے مجھے آپ کی زبان سے ان باتوں کو سن کر بڑی خوشی ہوئی

اور یہ کہنے کو جی چاہا۔

آمد آن یارے کہ ما می خواستیم

زاد کم اللہ علماً ، قل رب ذدنی علماً

آپ کے ذاتی حالات اور ارادے معلوم نہیں ۔ میری آرزو سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ ہیچدان اپنے مخصوصین و محبین کو دین کی طلب اور خدمت میں مصروف دیکھے ۔ آپ نے جو باتیں لکھی ہیں ان سب سے فائدہ کی امید ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے رفقاء میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہین مگر میں تو ہمیشہ پوچھنے والوں کو اگر وہ نئے تعلیم یافتوں میں ہیں اس میں شمول کی اجازت دیتا ہوں ۔ اب ایک مدت سے کوئی رسالہ یا مضمون نہیں پڑھا اس لئے کسی کی نسبت کچھ رائے نہیں رکھتا یہاں تک کہ اپنے برا کہنے والوں کا مضمون بھی نہیں پڑھتا ۔

بسم اللہ کیجئے اللہ تعالی آپ کے کاموں میں برکت دے یں تو اپنے کو عمر کی اخیر منزل میں سمجھتا ہوں ساٹھ سے جو اوپر ہوا ہے اس کی عمر کا پیالہ لبریز ہی سمجھئے ۔ اگر کوئی تسکین کا سرمایہ ہے تو آپ جیسے چند محبین کا وجود ہے استاذ مرحوم نے اگر دو تین یادگاریں چھوڑیں جنھوں نے ان کے کاموں کو چلایا تو مجھ جیسے ننگ سلف کے بعد بھی کچھ خدام دین و ملت باقی رہیں کہ والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثواباً کا مژدہ تقویت روح کا باعث ہو سلف کی راہ سے سر مو تجاوز نہ ہو یہی اپنی وصیت ہے اور یہی زندگی کی آخری فرمائش ۔

۸۔ میرا مقصود اخلاص اور شفقت کے سوا کچھ نہیں واہ واہ کا مزا بہت اٹھا چکا اور اب یہ رنگ دل سے اتر چکا اب تو آہ آہ کا دور ہے اور اپنی پچھلی تباہی

کا ماتم اور آئندہ کی فکر درپیش ہے۔ مغلوں سے پہلے کی تاریخیں صرف تین چار ہیں۔ طبقات فیروز شاہی وناصری، سراج عفیف اور ضیاء الدین برنی دو چھپی ہیں اور سیرت فیروز شاہی قلمی پٹنہ میں ہے مبارک شاہی بھی چھپی ہے اور حقی شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تاریخ قلمی ہے ان میں مذہبی حالات شاذ ہیں۔ مغلوں سے پہلے یہاں کے مسلمان ویسے ہی تھے جیسے خراسان وترکستان کے مسلمان۔ دانشمندان فقہ کی تقلید عام تھی اور صوفیہ میں زہدو عبادت وقناعت تھی۔ فلفسفیانہ تصوف پیدا نہیں ہوا تھا اس کا آغاز علاء الدولہ سمنانی سے ہوا ہے اور محی الدین ابن عربی کے خیالات پھیلنے لگے ہیں۔

مولانا محمد اشرف سلیمانی

ارمغان سلیمان پر ایک نظر

سیّد الملۃ علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کی جلالت شان، عظمت دینی، فضیلت علمی، رفعت عرفانی، گوناگوں فضائل و کمالات اور خدمات دینی و ملی سے کون ناواقف ہے۔ عصر حاضر میں جامعیت علوم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ایک جامعہ علم، ایک دائرہ فضیلت، ایک مدرسہ فکر علم و عمل، فضائل و کمالات کا حیرت انگیز مجموعہ و نمونہ ؎

یدل بمعنٍ واحدٍ کل فاخرٍ   وقد جمع الرحمٰن فیک المعانیا

اس قدر و منزلت کے باوجود کم لوگ جانتے ہوں گے۔ کہ اقلیم سخن بھی سید ذیجاہ کے دائرہ سیادت سے باہر نہ تھی۔

سخن سنجی کا ملکہ ممتاز و خداداد ہی تھا، سخن گوئی میں بھی بلند و نمایاں مقام رکھتے تھے اور اردو، عربی، فارسی تینوں میں اچھے اشعار کہہ لیتے تھے۔ مہارت فن میں ان کی مثال علماء کے طبقہ میں کم ملے گی، فن عروض پر عبور کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا۔ کہ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کی مثنوی "رموز بیخودی" جب منظر عالم پر آئی تو کئی مقامات پر حضرت سید صاحبؒ نے اصلاحی مشورے دیئے جسے اقبال مرحوم کی بلندی کردار نے خوش دلی سے قبول کیا۔

اس بارے میں اقبالؒ کے خطوط (اقبالنامہ ج ۱ ص ۹۰،۸۴) کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک خط میں ہے:

"آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ جس کے لئے نہایت ممنون ہوں۔ مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔ قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے......"

اسی طرح مولانا دریا بادی اپنی ایک غزل کی اصلاح کے متعلق لکھتے ہیں،

"سید صاحب کی یہ اصلاح بالکل صحیح اور استادانہ تھی۔" (مکتوبات سلیمانی ص ۹۱)

غرض شعر و سخن کی دنیا میں بھی سید صاحب کا خاص مقام تھا۔ زیر نظر کتاب حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ کلام کا نام ہے۔ جو ان کے مسترشد خاص مرید با اختصاص برادرم مولوی شاہ غلام محمد صاحب حیدرآبادی کی جوئیا کو مل سکا۔ اور ان کی ترتیب و تہذیب تقریب اور تحشیہ کے ساتھ حسن طباعت سے اہل نظر اور مشتاقان سخن کے لئے نور دیدہ، دل بنا۔ فاضل مرتب حضرت الشیخؒ کے اجل مسترشد ہونے کے علاوہ علم و ادب کی بزم میں بھی مدت سے اپنے حسن ذوق کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت سید صاحب نور اللہ مرقدہ کی عرفانی زندگی پر "تذکرۂ سلیمانؒ" جیسی کتاب پیش کر چکے ہیں۔ اکابر کی تصنیفات کے مسودات کی کتابی ترتیب و پیشکش کی سعادت انہیں بار بار نصیب ہوئی ہے۔ اور اب تک مولانا گیلانیؒ کی "مقالات احسانی" و "تدوین حدیث" مولانا عبدالباری ندوی کی "اسلام کا نظام صلاح و اصلاح" وغیرہ کتابیں مرتب کر چکے ہیں، جو اہل علم کے حلقہ میں مصنفین کرام اور لائق مرتب

کے لئے داد وستائش حاصل کر چکی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص ہے جس کا سبب ایک درویشِ باصفا کی نگاہِ فیض ہے۔

"ارمغان سلیمانؒ" اور اس کی تقریب مرتب کی اپنے شیخ سے محبت دلگن کا نشان اور ان کے مذاق سلیم، سخن فہمی وسخن سنجی پر شاہد ہے۔ مجموعہ حضرت سید صاحبؒ کے ادوارِ زندگی کی رعایت سے دو حصّوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ غزل الغزلات۔ ۲۔ دورِ اوّل کا کلام

غزل الغزلات حضرت الشیخؒ کے اس عارفانہ کلام کا نام ہے جو حکیم الامت مرشد تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ارادت کے بعد کہا گیا۔ حضرت سیّد صاحبؒ نے اس مجموعہ کا نام حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفۂ عہد عتیق کے نام کی رعایت و موزونیت سے "غزل الغزلات" خود تجویز فرمایا تھا۔ یہ حصہ ارمغان کے صفحہ ۶۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ سید صاحبؒ اسے اپنی شاعری کا حاصل سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے۔

"میری شاعری[۱] حضرت والا مولانا تھانویؒ کے تعلق سے شروع ہوئی اور ان کے وصال پر ختم ہو گئی۔"

اس مجموعہ کے متعلق فرمایا: یہ میرا غزل نامہ نہیں بلکہ سفر نامہ ہے" یعنی شیخؒ کی سیر سلوک کی مختلف منازل کی وارداتِ قلبیہ اشعار کے پیرایہ میں موزوں ہو گئی۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

جو شعر بھی سپرد قلم کر رہا ہوں میں ٭ سب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں

---

[۱] عارفانہ والہامی۔ م-۱۰

فیض ہے یہ کس ولیٔ وقت کا　　اب میرا جو شعر ہے الہام ہے

کلامِ سید کا یہ حصہ ارمغانِ سلیمان کی معنوی حیثیت سے جان ہے اور اپنی عارفانہ وحکیمانہ حکمت واہمیت اور عرفانی رموز ونکات کے لحاظ سے انتہائی عمیق اور وسعت معنیٰ کا حامل ہے۔ ارشاد ہے :

سمجھیں میرے کلام کو جو ہوشمند ہیں　　مستی مری یہ بادۂ انگور کی نہیں

شیخِ وقت سیدھے سادے لیکن سہل ممتنع اشعار میں معارفِ ربانیہ اور الہاماتِ الٰہیہ کو بیان کرتے جاتے ہیں جس سے شیخ محقق اور مرید صادق دونوں بقدرِ ظرف واستعداد استفادہ کر سکتے ہیں۔ طریق کے مختلف مقامات و احوال کی نشاندہی اور سالکین کی مشکلات کی گرہ کشائی بفضلہ تعالیٰ کچھ اس انداز سے ہو گئی ہے۔ کہ اس مجموعہ کا بغور بغرض استفادہ مطالعہ ہر ذی استعداد سالک کے لئے دلیلِ راہ اور روشنی کا مینار بن سکتا ہے۔ مرتب کے حواشی بھی مسلکِ سلیمانیؒ کی محتاط ترجمانی کر رہے ہیں۔ اور مرتب کے ایجاز قلم کا کرشمہ اور بصیرتِ باطنی کی دلیل ہیں۔ گو شیخ کا پر حکمت و عمیق کلام مستقل شرح کا طالب ہے لیکن ارمغان کی پیشکش کا مقصد "متن کلام" ہے۔ نہ بیانِ ارمغان، اور اس میں ماشاء اللہ مرتب خوب کامیاب رہے ہیں۔

اِس جمالِ معنوی کے ساتھ کلام آرائشِ ظاہری و تزئینِ صوری سے بھی مالا مال ہے۔ اور اس شعر کا مصداق ہے

بہارِ عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد
برنگ اصحابِ صورت را ببو اربابِ معنیٰ را

فقیر کا مقام نہیں کہ سیدی الشیخؒ کے منتخب اشعار پیش کرے تاہم ناظر کو قدم قدم پر معنوی کمال اور صوری جمال کا مرقع نظر آئے گا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ انہیں کے دینے سے ملتا ہے جسکو ملتا ہے
وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے

دعائے ماثورہ اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد کا مفہوم کس خوبی سے ادا ہو گیا ہے۔

۲۔ جو آج لذتِ دردِ نہاں کا جویا ہے ؛ وہ پہلے سوز سے سینہ تو داغدار کرے

غالب کا شعر

اک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
رکھی ہے آج لذتِ درد جگر کہاں

تو جس درجہ کا ہے ظاہر ہی ہے۔ لیکن سید صاحبؒ کا شعر بھی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

۳۔ ذات کا ادراک محال اور مسالک کی دسترس سے وراء الوراء ہے۔ تاہم ایک "نادیدہ تجلی" اسے ہر آن شاد کام رکھتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں ع

ادب سے دیکھ لیں مشتاق دور سے ان کو
مجال ہے جو انہیں کوئی ہمکنار کرے

پوری غزل[1] انتخاب ہے۔ اور حسن ادا کی خوبی برجستگی، معنوی عمق اور عارفانہ حقیقت کا اچھوتا نمونہ، ملاحظہ فرمایئے:

---

[1] اس غزل کا ایک شعر بعد میں غالباً تقریب خلافت کی مناسبت سے سید صاحب

(بقیہ حاشیہ دوسرے صفحہ پر)

سنا تو دے اسے افسانۂ غم ہجراں ؛ وہ اعتبار کرے یا نہ اعتبار کرے !
تیری نظر میں ہے تاثیر مستی صہبا !؛ تیری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

چند اور شعر ملاحظہ فرمائیے :

اس کی دزدیدہ نگاہی کے نثار ؛ آج ہی آغاز کا انجام ہے
اب در پیر مغاں چھوٹے نہیں ؛ اس کی مٹی میں بھی کیف جام ہے

ہے "نہیں" بھی ربط پنہاں نیاز و ناز عشق
لَنْ تَرَانِی امتحان شوق کا پیغام ہے

ایک منتخب غزل کے چند شعر درج کرتا ہوں ۔

دل حریف نگہ یار کہاں سے لاؤں
جو نہ بیخود ہو وہ میخوار کہاں سے لاؤں
اف رے دریائے معاصی کی تلاطم خیزی
وہ سفینہ جو کرے پار کہاں سے لاؤں
فیض ساقی ہے بہ اندازۂ ظرف میخوار
دل حریف مئے بسیار کہاں سے لاؤں
قطرۂ اشک میں ہوں دل کے بھی ٹکڑے شامل
فطرت دیدۂ خوں بار کہاں سے لاؤں

بقیہ حاشیہ
نے حذف کر دیا تھا۔ مرتب نے بھی اتباع شیخ میں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ حذف شدہ شعر
پڑھیئے اور داد دیجئے ؎ پلا دے ساغر سرشار مجھ کو وہ ساقی
خزاں کو ایک اشارہ میں جو بہار کرے

کچھ اور اشعار اہل ذوق کی نشاطِ طبع اور ازدیادِ بصیرت کیلئے پیش ہیں۔

دامن کو آنسوؤں سے جو نم کر رہا ہوں میں ؛ شرحِ غمِ فراق رقم کر رہا ہوں میں
دیوانگانِ عشق کو دے کر صلائے عام ؛ سب وارداتِ عشق رقم کر رہا ہوں میں
کہہ کہہ کے دلفریب دل آرا و دلنشین ؛ تردید قصہ ہائے ستم کر رہا ہوں میں

خدا جانے کہاں دل ہے کہاں پر اس کی منزل ہے
نہیں ملتا سراغِ دل، نہیں ملتا نشانِ دل
کوئی چوٹ ایسی لگ جائے الٰہی میرے سینہ میں
کہ فوّارہ سا بن جائے یہ زخمِ خونچکانِ دل

اس تجلّی گاہ کا ہر نازنیں ؛ کشتۂ انداز الا اللہ ہے
ہے اسی کی سانس انفاسِ حیات ؛ جو کوئی دمساز الا اللہ ہے
وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں ؛ جام ہے آواز الا اللہ ہے

چشمِ ساقی میں بھری کیا بادۂ پُر جوش ہے
جس طرف آنکھ اُٹھ گئی وہ مست ہے مدہوش ہے
حبّذا پیرِ مغاں، دریا دل و دریا نوال
جمع ہیں میخوار، میخانہ میں نوشا نوش ہے
جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اس نویدِ جانفزا سے سر وبال دوش ہے

ہر ضربِ تیشہ ساغرِ کیفِ وصالِ دوست ؛ فرہاد کی جو بات ہے مزدور کی نہیں

جب سے اے دل اپنے عیبوں پر نظر اپنی پڑی
اپنے دعوائے ہنر سے شرم سی آنے لگی

الاماں اے سوزشِ داغ فراق ∴ روزِ محشر تابشِ خورشید ہے
یاد آیا چشم ساقی کا کرم ∴ پھر چھلکتے جام کی امید ہے
مہر ہو یا قہر ہو جو کچھ بھی ہو ∴ ہر ادا محبوب کی محبوب ہے

میرے ہوش و خرد نے جمع جو خرمن کیا برسوں
لگا دے برقِ ایمن آگ تو اس میرے حاصل میں

عشق کا رہبر و لیلِ راہ جس دن سے بنا ∴ بن رہا ہے آپ ہی انکارِ دل اقرارِ دل
وہ چشم محبت تو جویائے محبت ہے ∴ دیکھے تو ذرا کیسے اس سے کوئی یارانہ
حاصل رہے کیفیت ہر وقت حضوری کی ∴ آ دل میں مرے چھپ جائے صورت جانانہ

سما جا مرے دل میں ارمان ہو کر ∴ دوئی دور کر دے میری جان ہو کر
ستم بھی کرم ہے کہ شورِ محبت ∴ مزہ دے رہا ہے نمکدان ہو کر
جہاں کو معطر بنائے ہوئے ہیں ∴ وہ زلفِ معنبر پریشان ہو کر

اہل نظر جانتے ہیں۔ کہ اصناف شاعری میں سب سے مشکل صنف نعت گوئی ہے "نعت گو" عشق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عظمت و ادب نبوی کا محرم ہو اور نسبت محمدیہؐ سے فیض یاب اور شانِ رسالتؐ سے حتی المقدور شناسا ہو کہ ؏

نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

اس کے اشعار سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے بارے میں موہم تنقیص نہ ہوں نہ ہی حریم توحید میں دراندازیا واہمہ شرک پیدا کرنے والے ہوں، اور ان نزاکتوں کی رعایت ہر ایک کے بس کی بات نہیں ؎

برکفِ جام شریعت برکفِ سندانِ عشق
ہر ہوس ناکے نداند جام و سندان باختن

اسی لئے عرفی نے نعت کے بارے میں ٹھیک کہا ہے ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ میبر دم تیغ است قدم را

یہی وجہ ہے۔ کہ ہر نعت گو کعب ابن مالکؓ یا بصیریؒ کی طرح " بردیمانی " کا مستحق نہیں۔ مزید برآں یہ بھی لازم ہے، کہ ان قیود کی رعایت ایسا پابند سلاسل نہ کردے کہ اس کا قافیہ ہی تنگ ہو جائے۔ بلکہ ان تمام نزاکتوں کا التزام مزید جولانیٔ طبع اور عروض و قواعد شاعری کی پابندیوں کے اہتمام کا باعث ہو۔

سیرت نگار نبویؐ (سید صاحب) سے زیادہ اس گل کدۂ جنت کی آبیاری کس کے بس کی بات تھی۔ اس پُرخار کوچہ سے کون صحیح و سالم نکل سکتا تھا جو کہ بابِ غزل الغزلات میں کل چار نعتیں ہیں۔ ہر نعت اپنے رنگ میں عظمت و عشق نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دال اور عارفانہ اور حکیمانہ ——— اور ان عارفانہ حدود کی رعایت نعت گوئی کا کمال ہے۔ ہر جگہ " ادب شریعت " جوشِ عشق " پر غالب ہے؟ " قیود سخن گوئی " و آداب شاعری کی کامل پابندی کے ساتھ ہے۔ پُرشکوہ و منتخب الفاظ بے ساختگی کے سانچے میں ڈھلتے چلے

جاتے ہیں۔ ترکیب کی ندرت و برجستگی، بندش کی چستی، کلام کی روانی نے انجاز معانی و عمق و مطالب سے مل کر ان نعمتوں کو لفظ و معنیٰ کا حسین امتزاج بنا دیا ہے۔ پہلی نعت کے اشعار سے دل و دیدہ کو سکون بخشیئے۔

نام محمدؐ صلی علیٰ نورِ مجسد صلی علیٰ — خدِ مورد صل علیٰ قدِ ممد و صل علیٰ
رحمتِ عالم صلی علیٰ مفخرِ آدم صلی علیٰ — مرسلِ اکرم صل علیٰ اسمکَ احمد صل علیٰ
چہرۂ انور شمسِ ضحیٰ زلفِ معنبر لیل سجیٰ — قلب مطہر نورِ ہدیٰ، ذکرِ ممجد صل علیٰ
شاہدِ عالم شاہِ امم ہادیٔ اعظم شمعِ حرم — صاحبِ لطف و جود و کرم حق ہے مؤید صل علیٰ
شافعِ محشر نام ترا سب کی شفاعت کام ترا — عرشِ معظم بام ترا خلق کا مقصد صل علیٰ
گوہرِ والا پاک نسب عنصرِ بالا پاک لقب — بہتر و اعلیٰ خلق و ادب سرور و سید صل علیٰ
نسبت بیضا راہ تری جاہ خدا کی جاہ تری — شافعِ عاصی جاہ تری رفرف مسند صل علیٰ
نورِ الٰہی نور ترا، غارِ حرا ہے طور ترا — ہوش ہے مخمور ترا اے نور مجسد صل علیٰ
کوچۂ جنت کوچے ترے خار و خس پھول ہیں کرے — خاک قدم ہے میرے لئے سرمۂ اثمد صلی علیٰ

جی میں ہے عاشق سجدہ کرے تو نے جہاں ہے پاؤں دھرے
اور بشوق ذوق پڑھے مخفرِ مرقد صلی علیٰ
موسیٰ عمراں مخبرِ مقدم، مژدۂ عیسیٰؑ شان ورود
دعوتِ ابراہیمؑ ترا باعثِ آمد صل علیٰ

۱؎ : فقیر سے ارشاد فرمایا۔ مسجد نبویؐ میں محراب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں آجکل جہاں پیشانی رکھی جاتی ہے۔ اس جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہوتے تھے کہ سجدہ کی جگہ پر اب دیوار چن دی گئی ہے

ان اشعار میں شان نبوت کا اظہار کس جوشِ بیان و حقائق و حقوق کی رعایت کے ساتھ ہو رہا ہے

آمد تری اے ابر کرم رونق عالم — تیرے ہی لئے گلشن ہستی یہ بنا ہے
فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم — یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے
لے جائیگا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور — جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

ادب نبوی کا اندازہ اس نعت سے کیجئے جو مدینہ منورہ میں القا ہوئی اور حرم نبوی میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش کی گئی۔ چند شعر پیش ہیں

پاکیزہ تر از عرش و سماء جنت و فردوس
آرام گہ پاک رسول عربی ہے
آہستہ قدم نیچی نگہ پست صدا ہو — خوابیدہ یہاں روحِ رسول عربی ہے
اے زائر بیت نبوی یاد رہے یہ — بے قاعدہ یاں جنبش لب بے ادبی ہے

عشق و للہیت دیکھئے۔

'لولاک لما' عنوان ترا، فرمان خدا فرمان ترا
پیغام خدا فرمان ترا، ایمان خدا ایمان ترا
اے شاہ مدینہ در پہ ترے ہیں آج بھکاری بن کے کھڑے
لائق تو نہیں احسان کے ہیں پھر بھی جو ملے احسان ترا
تیری محبت دین مرا اور دین ترا آئین مرا
ہر لفظ پہ تیرے یقین مرا عرفان خدا عرفان ترا

مناجات سلیمانیؒ میں عبدیت و سوز و کرب ملاحظہ فرمائیے۔

صدق احساس کی دولت میرے مولیٰ دے دے
غم امروز بھلا دے، غم فردا دے دے
دھن کچھ ایسی ہو فراموش ہو اپنی ہستی
دل دیوانہ و سودائی و شیدا دے دے
اپنے میخانہ سے اور دستِ کرم سے اپنے
دونوں ہاتھوں میں مرے ساغر و مینا دیدے
دل بے تاب ملے، دیدۂ پرآب ملے
تپ آتش مجھے دیدے غم دریا دیدے
دردِ دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے
جو نہ ٹھہرے مجھے وہ درد خدایا دے دے

—— ٥ ——

ان کے کرم کے ہم نثار، ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں
دل کو نصیب ہو گداز، جاں کو عطا ہو سوز و ساز
ہے یہ دعا بصد نیاز درگہ بے نیاز میں
دل جو ملا سیاہ کار آنکھ عطا ہو اشکبار
دھوئیے جو دل کو بار بار خلوتِ خاص راز میں

"غزل الغزلات" میں ایک استاذانہ فارسی غزل ہے جو معنویت و

وحقیقت کا جام لبریز اور صوری محاسن کا اعجاز ہے۔ آیاتِ قرآنیہ اشعار میں ایسے دمک رہی ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ، اس قندِ پارسی کا لطف پوری غزل کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

غزل الغزلات کے آخر میں شاعر الحاد جناب جوش ملیح آبادی کی ایک ملحدانہ نظم کے جواب میں حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ایک فی البدیہہ نظم ہے جو بیک وقت سید صاحبؒ کی غیرت وحمیتِ ایمانی، بصیرتِ باطنی، تاریخ پر نظر اور قادر الکلامی کا تابندہ گوہر ہے۔

'ارمغان سلیمان' کا دوسرا حصّہ (صفحہ ۶۷ تا صفحہ ۱۱۲) سید صاحب کے دورِ اوّل (یعنی حضرت تھانویؒ سے تعلق سے پہلے کے) اس کلام پر مشتمل ہے۔ جو فاضل مرتب (مولانا غلام محمد بی۔اے) کو دستیاب ہو سکا۔ جیسا کہ مرتب نے تصریح کر دی ہے۔ کہ اس دور کا یہ پورا کلام نہیں۔ مرتب تقریب میں لکھتے ہیں

"دورِ اوّل کے ذخیرے کے متعلق یقین نہیں آتا کہ شعر وسخن کی گرم بازاری اور سخن سنجی کی جواں عمری کا حاصل صرف اتنا ہی ہوگا۔"

یہ ایک تاریخی المیہ اور دردناک حقیقت ہے کہ ناگزیر حالات نے سید صاحبؒ کے غیر مطبوعہ علمی وادبی ورثہ کو ہند وپاک کے مختلف مقامات پر منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔ اور یہ قیمتی قومی وراثت ہماری غفلتوں کی نذر ہو رہی ہے۔

ان نامساعدہ حالات میں فاضل مرتب کا اتنے کلام کو بھی جمع کر کے شائع کر دینا ان کی بلند ہمتی اور شیخ سے محبت وشغف کی دلیل ہے

سید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے دورِ اول کے اس کلام کا تعارف کرانے

سے پیشتر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاعرانہ ذہنی ارتقاء کے متعلق کچھ عرض کر دیا جائے۔

سیدالملت قدس سرہٗ کا بچپن جس زمانہ و ماحول میں گذرا۔ اس وقت فضا شعر و سخن کی عطر بیزیوں سے مہک رہی تھی۔ مکاتب تک اس شمیم جانفزا سے معطر تھے۔ طلبہ کو مکتبی زندگی ہی میں باہمی بیت بازی سے شعر و سخن کا چسکا لگ جاتا تھا۔ جو رفتہ رفتہ بعض موزوں طبع اور ذہین حضرات کو شعر گوئی اور سخن سنجی تک پہنچا دیتا تھا۔ یہی مکتبی بیت بازی سید صاحبؒ میں بھی مذاق سخن پیدا کرنے کا سبب بنی اور بقول مولانا ابوظفر ندوی اس کا بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ علامہ موصوف کو شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہو گیا۔ اور ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد ہو گئے۔ اس سلسلہ میں علامہ نے ایک بیاض تیار کیا تھی۔ اس میں ہزاروں منتخب اشعار تھے۔ چونکہ بیت بازی میں حریف خود ساختہ اشعار بھی پیش کرتے تھے۔ اس لئے علامہ موصوف کو تقطیع کی طرف خاص توجہ کرنی پڑی جس سے ان کو فن عروض پر اس قدر عبور ہو گیا تھا۔ کہ علماء میں اس کی مثالیں کم ہوں گی۔" (معارف سلیمان ص۲۹)

دیسنہ در بھنگہ کی مکتبی زندگی کے بعد بچپن ہی میں پھلواری شریف تعلیم کے لئے جانا ہوا۔ پھلواری شریف میں شاہ محی الدین صاحبؒ کی صحبتوں اور شاعرانہ ذوق نے حضرت سید صاحبؒ کے مذاق سخن کو مزید جلا بخشی، ابتدائے جوانی میں لکھنؤ و ندوہ کے قیام اور استاذ شبلیؒ کے فیض نے اسے اور چمکایا اور مہارت فن اور شعر گوئی میں ملکہ تام نصیب ہو گیا۔ سید صاحبؒ

خود ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"انگریزی کی بیسویں صدی کا پہلا سال تھا جب میری عمر ۱۶،۱۷ سال کی ہوگی، کہ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں داخل ہوا۔ شعر و سخن کا چسکا مکتبی بیت بازی کے سبب سے پہلے سے تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امیر و داغ کے زمزموں سے ہندوستان پرشور تھا۔ اور خاکسار کا میلان امیر مرحوم کی طرف تھا۔ اور ان کا دیوان مراۃ الغیب پیش نظر رہتا تھا۔"

اسی زمانہ کی شاعری کے متعلق مولوی ابوظفر ندوی لکھتے ہیں۔

"اوپر گذر چکا ہے۔ کہ ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں علامہ ممدوح بیت بازی میں پیش پیش تھے۔ جس سے ان میں شاعری کا ذوق پیدا ہوگیا۔ جو لکھنؤ آکر اور تیز ہوگیا ___ لکھنؤ میں گذشتہ ادبی سرگرمیاں پوری طرح موجود تھیں ___ مرثیہ کی مجلسیں اور مشاعرے بکثرت ہوتے تھے۔ علامہ موصوف ان مشاعروں میں اکثر شرکت کرتے، آخر خود بھی شعر کہنے لگے اور انہیں اپنے احباب کو سنا کر داد لیتے۔

علامہ موصوف نے ایک بیاض بھی تیار کی تھی۔ اس کی ایک جانب عربی اور دوسری جانب اردو اشعار تھے ___ ان کے اردو اشعار مجھے بہت یاد ہوگئے تھے۔ جو ان کے بیاض یا دیوان سے نقل کئے تھے۔

وہ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور اپنی غزل بھی سناتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک مشاعرہ کی خبر شام کو ملی۔ رات کو مشاعرہ تھا۔ غزل

لے

کہنے کی کوشش کی اور صرف ایک شعر کہنے پائے تھے کہ احباب آگئے اور ان کے ساتھ چل پڑے ـــــ ان کی صورت، شکل اور لباس دیکھ کر شمع ان کے سامنے بھی آئی۔ پہلے تو بہت پریشان ہوئے۔ لیکن انتقالِ ذہن نے پریشانی سے بچا لیا، انہوں نے یہ معذرت کی کہ مجھے مشاعرہ کی مطلق خبر نہ تھی۔ ابھی احباب نے اطلاع دی فوراً اٹھا چلا آیا۔ البتہ ایک شعر ذہن میں آیا ہے وہ عرض کرتا ہوں ؎

سر سے قدم تلک ہے ردائے حیا پڑی
حاجت ہی کیا ہے، آپ کو صاحب نقاب کی

یہ شعر لکھنؤ کے رنگ کا تھا، خوب داد ملی۔

اُردو کے مسلمہ ادیب و ناقد مولانا عبد الماجد دریا بادی مدظلہ "معارف سلیمان نمبر" میں لکھتے ہیں

"ذکر دسمبر ۱۹۱۳ء کا ہے ـــ دو شخص آس پاس لیٹے ہوئے وقت گزاری کے لئے شغل اردو شاعری سے کر رہے ہیں۔ امیر کو داغ سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایک کو گرا دوسرے کو چڑھا رہے ہیں، یہ شعر پر شعر تابڑ توڑ سنانے والا ہے۔ سیدی ذی جاہ سلیمان ندوی ۵۳ سنہ کا شیخ طریقت نہیں۔ ۱۳ سنہ کا جوان عمر صاحب نظر و صاحب قلم، اور سُن سُن کر بلا بیت بازی مات کھا جانے والا ہے۔ ان سطور کا راقم اثم، پڑھا نہ لکھا نام محمد فاضل ـــــ سید صاحبؒ سے رسم و ربط ایک مدت سے قائم تھا۔ ان کے علم و فضل کا سکہ کئی سال سے دل پر بیٹھا ہوا !! یہ کیا خبر تھی کہ الندوہ کی ڈوبتی کشتی

کو مشعل لانے والا اور الہلال کو وقت کی ظلمتوں میں چمکانے والا، کلام امیر کا کا حافظ نکلے گا۔ مرأۃ الغیب کا آئینہ برادر صنم خانۂ عشق کا پرستار! یہ پہلی بار کھلا۔ کہ یہ حضرت بہ ایں زہد و تقویٰ اردو شعر و سخن کے رسیا ہیں اور اردو غزل و نشیب کے متوالے!

سید صاحبؒ کے فاضل اجل عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے۔ دنیا کو مسلم ہے کہ وہ فنِ تاریخ میں امام وقت تھے اور سیر نگاری میں اپنی نظیر آپ، لیکن آخر تک کم ہی لوگوں نے ان کے ادبی، شعری اور تنقیدی مرتبہ کو جانا اور کمتر ہی لوگوں نے انہیں ادیب، انشا پرداز اور سخن سنج کی حیثیت سے پہچانا! ــــ علم و ادب کی تاریخ میں ایسی ناشناسی اور کم شناسی کی مثالیں نہ معدوم ہیں نہ غیر معدوم۔

اب آخر زمانہ میں تو ان کا عام مطالعہ یوں بھی بہت گھٹ گیا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ سمٹ سمٹا کر دینیات تک محدود رہ گیا تھا لیکن جب شوق مطالعہ جوان تھا اور دن سن بھی جوانی کے تھے تو اردو کی غزلیات کیا معنی ہزلیات تک کا دفتر بے معنی و بامعنی ان کی انگلیوں کی نوک پر تھا۔ دیوان کے دیوان پڑھ ڈالے، کلیات پر کلیات ختم کر دیئے۔ اور 'گلدستہ' کا تو اب لفظ بھی تشریح طلب ہو گیا ہے۔ (اپنے وقت تازہ غزلوں کے ماہنامہ کو کہتے تھے۔ ایک زمانہ میں ان گلدستوں کی بہار تھی، لکھنؤ تو پھر لکھنؤ ہے۔ اور شہروں بلکہ قصبوں تک میں ان کے ورق ورقِ گل کی طرح کھلے ہوئے اور سید صاحبؒ تھے۔ کہ ان کی خوشبوؤں میں بسے ہوئے

نے ۔ ۱؎ ۔ امیر مینائیؒ کے دیوان اول و دوم کا نام ہے۔

پھر شاعروں کی باہمی نوک جھونک کے رسالے اپنی بوقلمونیوں میں مولوی صاحبان مناظرانہ رسالوں سے ٹکر لیتے ہوئے ــــــ پٹنہ سید صاحبؒ کا وطن خود ہی اردو شعر وسخن کے حق میں گلزار اور پھر سید صاحبؒ کا لکھنؤ میں سالہا سال کا قیام، جو کور کسر رہ گئی تھی۔ پوری ہوگئی۔ سید صاحبؒ اس چمن کے ایک چہکتے ہوئے بلبلِ خوشنوا خود بن گئے۔

شاعر بھی تھے، تخلص رمزی کرتے تھے۔ کبھی قطعہ اور کبھی رباعی کہتے اور تفریحاً ہر بحرِ سخن میں شناوری کرلیتے، ان کی شاعری پر نقد وتبصرہ کے لئے ایک مستقل مقالہ درکار ہے۔ اور یہ منزل تو پھر بعد کی ہے۔ پہلے کوئی شاگرد ذرا تلاش وتفحص سے کام لے کر ان کا سارا کلام یکجا تو کرے۔

بہرحال دورِ اول کا کلام جو فاضل مرتب کی مساعی سے مجموعہ کی زینت بن سکا ہے۔ وہ ایک نعت، ۲۴ غزلوں، ۹ منظومات، چند رباعیات وقطعات اور طالب علمی کے ایک استاذانہ فارسی قصیدہ پر مشتمل ہے۔ جو ہونہار شاگرد نے اپنے استاذ شبلی مرحوم کی مدح میں کہا تھا۔ اس مجموعہ کے تعارف کا آغاز تبرکاً نعت کے دو شعروں سے کرتا ہوں۔

تو ہے مجموعۂ خوبی و سراپائے جمال ٭ کونسی تیری ادا دل کی طلبگار نہیں
مجلس شاہ میں ہے نغمۂ تسلیم درود ٭ شورِ تسبیح نہیں شورشِ اذکار نہیں

امیر خسروؒ کا مشہور شعر ہے ؎

کشتۂ کہ عشق دارد نگذارد دست پدیشاں
بجنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

حضرت سیّد صاحب کا شعر ملاحظہ ہو

دستِ نازک سے اٹھاتے ہیں وہ میت میری
بعد مرنے کے ٹھکانے لگی محنت میری

مزید اشعار نمونتہً درج کرتا ہوں :

چاہے تم آج نہ ہو میری وفا کے قائل پر تمہیں یاد کبھی آئے گی الفت میری

یہی جی چاہتا تھا اٹھ کے سینہ سے لگا لوں میں ؛ ارادہ جب کیا تم نے مری میت اٹھانے کا

خطاب غیر میں گو لاکھ احترام رہے ؛ مگر وہ لطف کہاں جو لفظ "تو" میں ہے
دہن میں تیغ کے اب بھی ہے تشنگی باقی ؛ عجیب لذتِ پنہاں مرے لہو میں ہے
نگاہِ لطف ادھر ہو کہ آچلا ہے کیف ؛ بچا نہ رکھ مرے ساقی جو کچھ سبو میں ہے
ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں ! ؛ وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے

الٹا مجھ ہی سے ترک ملاقات کا گلہ طرزِ ستم نئی ہے تغافل شعار آج
اعلان کہہ کے قطع محبت کے راز کو پھر سے بنا دیا مجھے امیدوار آج

راہِ لیلیٰ میں نہ کر آبلہ پائی کا گلہ
وادیِ نجد میں اے قیس کوئی خار نہیں

یہ دل وہ شیشہ نازک ہے مرے سینے میں ؛ نظر سے جو بھی گرے پاش پاش ہو جائے

نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کر اٹھے چھپا ہے راز جو دل میں نہ فاش ہو جائے
شکستِ رونقِ بتخانہ ہو نہیں سکتی خلیل خود ہی اگر بت تراش ہو جائے
اب اذانِ فن ہو دل کا غبار دور کرو کہ زیرِ خاک تو بجیس کی لاش ہو جائے
کیا سرِ کائنات کوئی فاش کر سکے ٭ جو فاش ہے بھی کس کی سمجھ میں وہ آگیا

~ ہ ~

ناامیدی نے مجھے دولتِ تسکین بخشی اب سرِ ناز و نیاز بیت بدخو نہ رہا

٭٭٭٭

مضطر وہ برق وش تھا اللہ کو خود حجاب ہم آپ درمیان میں حائل تو ہو گئے

~ ہ ~

تعلیمِ نو، سیاستِ ملکی، فنونِ حال اکسیر ہے مگر نہ دوائے دل و جگر

~~~

وہ جذبِ مذہبی ہے وہ ملت کا جوش ہے ٭ جو چشمۂ حیات ہے اور قوتِ بشیر
درد اٹھ اٹھ کے مرے دل میں ٹھہر جاتا ہے کیوں رگِ دل کی جگہ سینہ میں نشتر نہ ہوا
تیرے جانے پہ گماں تھا کہ ہو محشر برپا تو گیا اور بپا دہر میں محشر نہ ہوا

دورِ اول کے کلام میں جو منظومات ہیں وہ بھی شاعر کی غیرت و حمیتِ ملی کا نشان، حقائق کا بیان اصلاحی رنگ کہلئے ہوتے ہیں سیاسی نظموں میں بلا کی ایمائیت ہے۔ اور یہ نظمیں سیاسی فراست و بصیرت کا آئینہ ہیں۔

استاذ شبلی مرحوم اور اپنی پہلی زوجہ محترمہ کا مرثیہ بھی درد و الفت کا گنجینہ ہے۔ اور بعض اشعار تو قیامت کے ہیں۔ اصلاحی نظموں میں
~~~

سے ایک نظم کے چند شعر نقل کرتا ہوں

گر کسی قوم میں آزادئ گفتار نہیں
اس کے جینے کے بظاہر ہیں بہت کم آثار

ٹوک دو پاؤں میں رہبر کے جو لغزش دیکھو
کہ نہ ہٹ جائے کہیں جادۂ حق سے رفتار

قوم "الفاظ" کے جوہر سے نہیں بنتی ہے
بلکہ اقوام کے جینے کا ہے معنی پہ مدار

قول اس وقت ہی ایمان کا رتبہ پاتا
جبکہ قلب اور جوارح سے ہو اسکا اقرار

دل ہستی مایہ ہے لیکن جو زبان کو دیکھو
لفظ لفظ اس کا ہے ہمپایہ دُرِ شہوار

قدیم وجدید طرزِ حکومت کے کچھ شعر جو ۱۹۱۹ء میں کہے گئے تھے، ملاحظہ ہوں،

ایک صاحب نے کہا مجھ سے کہ آئین کہن
منبع ظلم تھا اور مایۂ آلام و محن

نہ کوئی ملک میں قانونِ جہاں بانی تھا
نہ حکومت کے تھے آداب و اصول احسن

میں نے کی عرض اجازت ہو تو کچھ میں بھی کہوں
میرے نزدیک صداقت سے ہے خالی یہ سخن

پہلے فرمانِ سلاطین جہاں جو کچھ تھا
اب بھی حکام ممالک کو وہی ہے قدغن

عدل و اصلاح طلب کے لئے تیار رہے
قید و زنجیر و تفنگ و تبر و دار و رسن

بقول حضرت مولانا عبدالباری ندوی مدظلہ "سید صاحب بطنی سعید تھے اور صوفی پیدا ہوئے تھے۔" بچپن و لڑکپن والد محترمؒ اور برادر مکرم جناب شاہ سید ابوحبیب صاحب کی خدمت میں گذرا، جو دونوں سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں مجاز بیعت تھے ان کی توجہات اور نقشبندی سلسلہ کے اشغال سے بچپن ہی میں بہرہ مند ہوئے تھے۔ گو بعد میں قدرت نے مغربیت و استشراق کے دجالی فتنہ کے استیصال کا عظیم الشان کام ان سے لینا تھا۔ اس لئے مدتوں مسند علم و تحقیق کے صدر نشین کی حیثیت سے اسلام کا علمی دفاع و اشاعت کرتے رہے۔ اور ایک زمانہ تک "سلوک"

کی معروف راہ چھوٹ گئی۔ لیکن حق یہ ہے کہ قلب سلیمانی ہمیشہ اپنی منازل طے کرتا رہا۔ اور الحاد و دہریت، استشراق و بے دینی کے خلاف کامیاب معرکہ آرائی ان کے لئے خود ایک طرزِ سلوک بن گئی، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سلیمان ندویؒ کسی زمانہ میں بھی "سالک" نہیں تھے۔ تاہم معروف سلوک کی "بادیہ پیمائی" اور شیخ الکل حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق سے پیشتر ان کا رنگ کچھ اور تھا۔ اس لئے اس دور کی شاعری کو "رسمی شاعری" قرار دیا گیا ہے تاہم اس رسمی شاعری کے دور میں بھی طبیعت کا باطنی رجحان اور طلب صادق کسی شیخ کی تلاش اور معروف طریقہ سے منازل سلوک طے کرنے کے لئے بیتاب تھی۔ جن کے شواہد قدم قدم پر ملتے ہیں۔ ایک دور ایسا آتا ہے۔ کہ شاعر اپنی وابستگیوں سے نکلنا چاہتا ہے۔ لیکن اپنے کو مجبور اور تحیر کے عالم میں پاتا ہوں اس قسم کے اشعار پہلے دور کے کلام میں کافی مل جاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

دل میں آتا ہے کہ اب ترک مئے و ساغر کروں
پھر یہ بتلا دے کوئی کیسے کروں کیوں کر کروں

حسن کے جادو سے مجھ کو کیسے آزادی ملے
عشق کی تاثیر سے دل کو کس طرح باہر کروں

دل کے اس تبخانہ عشق و ہوس کو توڑ دوں
اب نہ پیشانی کبھی نذر بت کافر کروں

بت پرستی بھی کروں اور بت شکن بھی میں بنوں
کیش ابراہیم رکھ کر پیشۂ آذر کروں

کفر پر ہے دل کبھی مائل کبھی ایمان پر
معرکہ اس نور و ظلمت کا میں کیسے سر کروں
آنکھ میں توبہ کے آنسو دل میں اس بت کی ہوس
ہائے گنگا جل کو کیسے زمزم و کوثر کروں

عقل کہتی ہے کہ نادان نہ ہو گمراہ نہ ہو
عشق کہتا ہے کہ کیا لطف اگر چاہ نہ ہو
ہر قدم پر ہے یہ خطرہ کہ وہ بھٹکے نہ کہیں
رہنما کوئی مسافر کے جو ہمراہ نہ ہو

کوچہ عشق میں آئے ہیں تو حضرت سن لیں
نام کا پاس نہ ہو ننگ کی پرواہ نہ ہو

آکہ اب جان کو قرار نہیں　　درد فرقت سہا نہیں جاتا

یہ کیسی آگ ہے رہ رہ کے شعلہ جسکا اٹھتا ہے
کبھی وہ راکھ ہو جاتی ہے پھر وہ خود سلگتی ہے
نہ بجھ جانے کی فرصت ہے نہ جل جانے کی ہمت ہے
سلگ کر پھر وہ بجھتی ہے وہ بجھ کر پھر سلگتی ہے

زباں سے شرح تمنا تو ہو نہیں سکتی
مگر جو بات ہے دل میں وہ کاش ہو جائے

غزل نمبر ۲۳ مندرجہ ص ۸۷ کا ایک ایک شعر معرفت باطنی کی دلیل ہے دو ایک اشعار سنیئے۔

تجھ کو گر آرائش ایوان دل منظور ہے　　نقش رنگا رنگ عالم کو تصور سے مٹا

جو نظر آتا ہے بے پردہ وہ بھی مستور ہے　　جو حجاب اٹھتا گیا بنتا گیا وہ خود حجاب

مانع دیدار ہو جاتا ہے خود قرب نظر

جسقدر نزدیک جو ہے اس قدر وہ دور ہے

کتاب کی ظاہری صورت بھی دیدہ زیب ہے اور کتابت وترتیب نفیس وعمدہ گو بشری کمزوری کی وجہ سے کتابت کی دو چار غلطیاں رہ گئی ہیں جنہیں مرتب نے اپنے قلم سے درست فرما دیا ہے اس طرح مرتب نے اپنی طرف سے ارمغان سلیمان کو ہمہ خوبی سے پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اسکی جزائے خیر دے کہ ناظرین واہل شوق کو کلام شیخ سے مرہون فرمایا جو حقیقت میں ارمغان سلیمانی نہیں بلکہ سرمۂ سلیمانی ہے اور دیدہ ودل کے لئے سامان راحت وبصیرت

امید ہے کہ ہر طبقہ کے حضرات اس خوان سلیمانی سے فیضیاب ہوں گے خصوص اہل ذوق سالکین کے لئے اس کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔ والحمد اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً۔

آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ارمغان سلیمانؔ کے دونوں حصے غزل الغزلات اور دور اول کا کلام ایک ہی سلسلۃ الذہب کی دو کڑیاں ہیں سید صاحب کا دور آخر دور اول کا ارتقائی نتیجہ اور منطقی لازمہ ہے۔ حضرت سید صاحب کی ذہنی وعرفانی زندگی پر جن لوگوں کی عمیق نگاہ ہے وہ جانتے ہیں کہ سید صاحب پیدا ہی "اسلامی صوفی" ہوئے تھے اور زندگی کے مختلف مراحل میں انہوں نے جن منازل وگھاٹیوں کو طے کیا وہ اسلامی سلوک ہی کی مختلف راہیں تھیں جو حضرات صاحب معارف سلیمان ندوی کے پچاس سالہ تصنیفی مجاہدات کو

عارف سلیمان ندوی کی علم و عرفانی خدمات سے جدا کر کے دیکھتے ہیں وہ اسلامی تصوف اور سلیمانی نظریہ سلوک کی جامعیت و ہمہ گیری سے ناواقف ہیں۔ سیرت نگار نبویؐ اعظم گڑھ کے سلیمانی اورنگ، علم و تحقیق پر رونق افروز ہوں یا تزکیہ و تربیت باطنی کی مسند ارشاد پر وہ استاذ شبلی کی شاگردی کا حق ادا کر رہے ہوں یا شیخ وقت حضرت تھانوی کی نیابت، ہر حال میں ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل وجامع اسوہ تھا جسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے ظاہر و باطن کو سنورا رہے تھے اور اسی آئینہ میں عالم کو بھی حق کی تمثال بتا رہے تھے۔ حضرت سلیمان ندوی کے ذہنی و قلبی روحانی و علمی سوتوں کی اصلاً سیرابی انہی الٰہی سوتوں سے ہوئی تھی جو سینہ نبوت سے پھوٹے تھے اور جو دین و دنیا قلب و روح جسم و جان اور ظاہر و باطن کی جامعیت کے حامل تھے اس لئے اپنی زندگی کے ہر دور اور سعی و عمل کے ہر میدان میں وہ انہی الٰہی مقاصد و اعمال کا جو یا اور طالب رہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا حاصل تھیں۔ حضرت سید صاحب نے حضرت تھانویؒ کے تعلق کے بعد نہ تو استاذ شبلیؒ کے دامن کو چھوڑا نہ کسی شخص یا طبقہ کی رو و رعایت سے اپنی ذاتی تحقیقات (۱) سے دستبردار ہوئے اور نہ تو علمی کاموں سے دستکش ہوئے چنانچہ حضرت تھانویؒ کے تعلق کے بعد ہی حیات شبلی جیسی کتاب لکھی، اجتماعی دینی اور ملی خدمات میں بھی آخر دم تک سرگرم رہے۔ غزل الغزلات کے رموز واشارات اور شاعرانہ استعاروں سے کسی صاحب فکرونظر کا اس کے خلاف نتائج نکالنا سراسر زیادتی، حقیقت ناآشنائی اور حیران کن جسارت ہے (۲)۔ سید صاحب کی جامعیت نے

(۱) معارف جنوری ۱۹۴۲ء کے شذرات میں اسکی تصریح ہے (۲) یہ تبصرہ لکھا جا چکا تھا کہ ماہنامہ فکرونظر میں ارمغان سلیمان پر جناب محمد سرور صاحب کا "انتقاد" نظر سے گزرا۔ آئندہ سطور اسی سلسلے میں لکھی گئی ہیں۔

گنبلوی علوم واشرفی حقائق ومعارف کو اپنے خداداد افکار عالیہ وفضائل ومزایا کے ساتھ اس طرح سمولیا تھا کہ وہ فکر سلیمانی ہی کا ایک حصہ بن گئے تھے اور استاد شبلیؒ وشیخ تھانویؒ کے کمالات کی یکجا جلوہ نمائی حضرت سید صاحب کی ذات گرامی سے آخر دم تک ہوتی رہی جس مدرسہ فکر کے وہ امام تھے اس کی قیادت ورہنمائی سے وہ دستبردار نہیں ہوئے بلکہ اس مدرسہ فکر کی دلکشی و تابانی، حقیقت یابی، روحانیت و نمو میں سلیمان ندوی کے اس جرات انگیز ومردانہ قدم نے چار چاند لگا دئے (۱)۔ جب تک آپ دارالمصنفین میں رہے آپ نے اسے اسلامی علوم ومعارف سلف صالحین کے مسلک کا اعظم گڑھ بنائے رکھا اور اسلام کی تجدد کے نام پر جہاں کہیں بھی تحریف وتاویل کی کوشش کی گئی اس مرد حق آگاہ نے اس کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا۔ بعد میں انقلابات زمانہ نے گو انہیں دارالمصنفین سے جدا کر دیا تھا لیکن ان کی علمی و تعلیمی اور ملی سرگرمیاں حتّی المقدور جاری رہیں۔ قیام پاکستان کے دوران میں بھی وہ مختلف تحقیقی وعلمی اداروں کے سربراہ اور فعال رکن رہے اور امت کی دینی وعلمی سیاسی وقانونی رہنمائی فرماتے رہے۔ ماہنامہ فکر ونظر کے فاضل مدیر نے سلیمانی مدرسۂ فکر کی شکست اور سید صاحب کی علوم شبلی سے دستبرداری کی جو داستان تراشی ہے گو وہ فکر ونظر کے "عمومی معیار" کے عین مطابق ہے لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ سلیمان ندویؒ نے شبلی مدرسہ فکر و دارالمصنفین کو رجعت قہقری پر مجبور نہیں کیا بلکہ اپنی بصیرت افزا رہنمائی میں اسے ان بنیادوں پر ثبات وقرار بخشا جو اسلام ودین کا اصل تقاضا اور نبوی تعلیمات اور سلف صالحین

(۱) یہ موقعہ اس اجمال کی تفصیل کا نہیں۔ زیر مطالعہ کتاب سے غلط فہمیوں کا کچھ ازالہ ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کام سید صاحب کے سوانح نگار کا ہے کہ ان حقائق سے پردہ اٹھائے (مرتب)

کے اسوہ کا اقتضا تھا۔ یہ سچ ہے کہ سلیمان ندویؒ نے دین محکم اور اسلام کے لازوال اور غیر متبدل اور انمٹ احکام و نظریات کو نام نہاد تجدد کی بھینٹ چڑھا کر اسلام کے حقائق کو مسخ نہیں ہونے دیا اور نہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدیم و ابدی دین کو استشراق ویہودیت و مسیحیت کے در پر " جبہ سائی " کرنے کی کریہہ کوشش کی۔ سلیمان ندویؒ کا یہ کارنامہ تجدد پسندوں کی تاویل پسند طبیعتوں میں کتنا ہی کھٹکتا ہو اور اسے کیسا ہی حسرت ناک سانحہ قرار دیا جاتا ہو سید صاحب کے اس کارنامہ پر پوری امت بلکہ خود اسلام کو فخر ہے۔

اس لحاظ سے ارمغان سلیمان سید صاحب کے انقلاب روحانی کے حسرت ناک سانحہ (۱) کی منظوم داستان نہیں بلکہ علم و فضیلت کے جملہ نام لیواؤں کے درس بصیرت اور حقیقت آشنائی، خدارسی، ایمان واخلاص، احسان و تقویٰ کی اس راہ پر گامزن ہونے کی دعوت ہے۔ جس راہ پر خاصان امت کا قافلہ ہمیشہ چلتا رہا ہے اور جس میں ابوحنیفہ، جنید وشبلی غزالی ورازی، سہروردی، جیلانی، مجدد سرہندی وشاہ ولی اللہ رحمھم اللہ جیسے اکابر شامل ہیں۔ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا

(۱) جیسا کہ ماہنامہ فکر و نظر نے لکھا ہے۔

شذرات

پشاور یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے پروفیسر محمد اشرف خان نے اپنی تصنیف سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت کی دو جلدیں دارالمصنفین کو کیا بھیجیں کہ وہاں بیٹھ کر یہاں کے لوگوں کے لئے روحانی انبساط و نشاط کا ایک خوانِ نعیما بچھا دیا ہے

ان دونوں جلدوں میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی صوفیانہ اور عارفانہ تعلیمات ہیں، وہ دارالمصنفین کے قیام میں اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی نظروں میں ایک بے مثال عالم، ایک بلند پایہ مفسر، ایک بے عدیل سیرت نگار، ایک غیر معمولی متکلم اسلام، ایک دیدہ ور مورخ اور ایک نامور ادیب و انشاپرداز رہے، ان کی وجہ سے دارالمصنفین کا یہ دور افتادہ گوشۂ عافیت علم و فن کا ایک حصن حصین بن گیا تھا۔ وہ جب اپنے آخری ایام زندگی میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت ہوئے تو ان میں عظیم انقلاب آیا جس سے دارالمصنفین کو سلوک و معرفت کا بھی چشمۂ حیوان بننا چاہئیے تھا۔ مگر یہاں کے لوگ بحرِ ظلمات کو طے کر کے اس کے آب حیات کو نہ پا سکے۔ لیکن اس کے امرت دھارا سے سب سے زیادہ سیراب کراچی کے جناب

غلام محمد صاحب اور پشاور کے پروفیسر محمد اشرف خان صاحب ہوئے. جناب غلام محمد نے جو کچھ حاصل کیا، اس کو "تذکرہ سلیمان" میں منتقل کیا، پروفیسر محمد اشرف خان نے اپنے مرشد کے یہاں سے سلوک و طریقت کا جو آب زلال پایا، اس کو اپنی تصنیف سلوک سلیمانی یا شاہراہ معرفت میں دلنواز عرفانی جوئبار بنا دیا ہے

یہ دونوں جلدیں ہاتھ میں آئیں تو ندامت سے گردن جھک گئی کہ جو کام دارالمصنفین کے اندر ہونا چاہیئے تھا وہ یہاں سے دور اس برصغیر کے سرحدی علاقہ پشاور میں انجام پایا ع

تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے

اس شرم کے باوجود کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس میں رشد و ہدایت کا خزانۂ عامرہ کھلا ہوا ہے روحانی معلومات کے سیم و زر کا انبار لگا ہوا ہے، سلوک و معرفت کی مے ارغوانی کے شیشہ و ساغر کھنکھناتے ہوئے دل و جان کو سرشار کر رہے ہیں، اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اسکے مصنف کے انداز بیان میں ان کے مرشد کے اسلوب نگارش کی جھلکیاں ہیں، پھر حضرت سلیمان اشرفی کو راہ سلوک میں جو کیف آگینی حاصل تھی، وہ خود مصنف کی ذات میں سرایت ہو کر اس کتاب کی ہر سطر اور ہر لفظ میں منتقل ہو گئی ہے

اس کتاب میں جان اس لئے بھی پڑ گئی ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی رح حضرت سلیمان اشرفی رح سے دبے نظر نہیں آتے، یعنی اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے

وہ کوئی مرتاض زاہد گوشہ گیر عابد یا کسی خانقاہ کے سجادہ نشین کے افادات جدید ملفوظات نہیں ہیں، بلکہ ایک ایسے محقق اسلام کی تعلیمات ہیں جن کی تحریروں میں کبھی ابن تیمیہؒ، کبھی ابن قیمؒ، کبھی غزالیؒ، کبھی مجدد سرہندیؒ اور کبھی شاہ ولی اللہؒ کے جلوے نظر آتے رہے، انھوں نے اپنی آخری زندگی میں واردات، انتخاب شیخ بیعت، صفات الٰہی، مراقبات، وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، غنا، عبدیت اتقیا، انابت اور طلب و وصول کے متعلق جو تعلیم دی وہ محض رسمی اور روایتی نہیں ہے بلکہ ایک جید سیرت نگار کی بھی سوچی سمجھی ہوئی تعلیم ہے۔

یہ تعلیم ان کے لئے بھی چراغ راہ ہے جو تصوف کو غیر اسلامی اعمال واشغال اور غیر شرعی بدعات، مکاشفات اور مجاہدات کا مجموعہ سمجھ کر اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اس کے مطالعے سے ظاہر ہوگا کہ صحیح حدیث میں احسان کے ذریعہ سے جس طرح مذہب کی روح بیدار کی گئی یا اخلاق میں جو جان ڈالی گئی یا ایمان میں جو کمال پیدا کیا گیا، وہی تعلیم حضرت سید صاحبؒ نے تصوف کے ذریعے سے دی، یعنی حقیقی اور شرعی تصوف دین کی روح ہے۔ یہ اخلاص فی اللہ اور علم حصول تقویٰ کا نام ہے۔ یہ تو افلاطونی نظریہ اشراقی حکمت، رواقی دستور، مشائی عقیدہ، ہندی ویدانیت اور مسیحی رہبانیت سے بالکل الگ چیز ہے، اگر اس میں احکام الٰہی کی تعمیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جمیل کی جلوہ سامانیوں کی ضیا پاشیاں نہ ہوں تو یہ تصوف نہیں کچھ اور چیز ہے۔ اسلامی تصوف میں جمال نبوی ہی سے دین میں روح، ایمان میں جان اور قلب میں تزکیہ پیدا ہے

ہے، ایک سیرت نگار کی تعلیم یہی اور صرف یہی ہو سکتی تھی

حضرت سید صاحب کی اس تعلیم کی روح پرور شرح اس کتاب کی دونوں جلدوں میں ہے۔ اسکی اشاعت سے پہلے اسی عنوان سے مصنف کی کچھ تحریریں پڑھ کر مولانا عبدالماجد ندوی مرحوم نے تحریر فرمایا تھا کہ انشاء اللہ اشرفی سلوک سلیمانی قالب میں قلم اشرف سے اشرف السلوک ہی ثابت ہوگا۔ اسی زمانہ میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بھی لکھا تھا کہ یہ نام کے اشرف کام کے لحاظ سے بھی اشرف نکلے، جس کسی کو بھی اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملے گا وہ ان دونوں بزرگوں سے نہ صرف اتفاق کرے گا بلکہ اس کو غیر شعوری طور پر یہ بھی احساس ہوگا کہ اگر کسی کو اخلاص باطن، تہذیب نفس، صفائی روح اور تعلق مع اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی تلاش ہو تو اس کو اس کتاب میں ضرور مل جائے گا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ

ع از سلیمان اخلاصِ عمل

اسی اخلاص عمل کی تعلیم و تلقین کے آبدار موتی اس کتاب کی ہر سطر میں جھلملاتے نظر آتے ہیں۔ یہ مختصر تحریر کتاب کی رسید کی خاطر لکھی جا رہی ہے ان شاء اللہ معارف کے کسی آئندہ اشاعت میں اس پر طویل تبصرہ ہوگا

(رسالہ معارف اعظم گڈھ)

(تمت بالخیر)

کتبہ، محمد نعیم صدیقی ۔ ۹۴-۱۱-۹

سلوکِ سلیمانی

یا

شاہراہِ معرفت

مرتب

حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان صاحب سلیمانی

صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی

سلیمان اکادمی

[illegible] پشاور یونیورسٹی

3